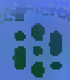

READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM

سائبان


READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM


READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM

ناہید سلطانہ اختر





خوبصورت منظر نگار

نفسانفسی کے اس دور میں اب سچی باتیں کرنے والے کتنے رہ گئے ہیں...... خال خال ہی نظر آتے ہیں۔

محبتوں کا جہاں فقدان ہو...... جہاں قہقہے تک کھوکھلے لگائے جاتے ہوں...... وہاں سچی باتیں لکھنے والے انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔

اور یوں بھی لکھنا کوئی اہم بات نہیں بہت سے لوگ لکھتے ہیں......اور ہم نے تو بہت سے ایسے افسانہ اور ناول نگار بھی دیکھے ہیں جنہیں خط لکھنا بھی ڈھنگ کا نہیں آتا اور وہ افسانے وناول نگاری کا تاج پہنے بیٹھے ہیں۔

اچھا کم ہی لوگ لکھتے ہیں اور ان ہی کم لوگوں میں ناہید سلطانہ اختر کا نام کسی چاند کی طرح جگمگا رہا ہے۔

ناول "سائبان" کی کہانی کوئی مافوق الفطرت نہیں ہے بلکہ ہر دوسرے گھر کی کہانی ہے جسے ناہید سلطانہ اختر نے بے خوف وخطر اس انداز میں لکھا ہے کہ اس کے تمام کردار جیتے جاگتے نظر آرہے ہیں۔

انداز بیاں سادہ اور سلیس ہے اور سب سے بڑی خوبی، خوبصورت منظر نگاری ہے......یہی وجہ ہے کہ ناہید سلطانہ اختر کا ہر ناول ایک خوبصورت فلم کی طرح دکھائی بھی دیتا ہے۔

جزئیات نگاری پر بھی ناہید سلطانہ اختر کو عبور حاصل ہے، انہیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ کس بات کی تفصیل سے کس حد تک اپنے قاری کو آگاہ کرنا ہے۔

ان دنوں ہندوستان، پاکستان میں افسانے کے مقابلے میں ناول زیادہ لکھے جا رہے ہیں..... ناول نگار خواتین کی ایک بڑی تعداد سامنے آ رہی ہے.....اور ان ناموں میں ناہید سلطانہ اختر کا نام اپنی خصوصی شناخت رکھتا ہے۔ ان کی ہر تحریر جامع اور بھرپور پیغام کی حامل ہوتی ہے۔

''سائبان'' کی کہانی کا جائزہ لیا جائے تو اس میں چار دیواری کی گھٹن زدہ دنیا میں رہنے والی عورتوں کے لئے تفریح کا عنصر تو ہے لیکن ان کے کردار کی تعمیر نو کا عنصر بھی ملتا ہے۔

معاشرہ پسماندہ ہو یا ترقی یافتہ، اس میں رہنے اور زندگی گزارنے کے کچھ آداب، طور طریقے اور اصول ہوتے ہیں۔ دور حاضر میں ہونے والی ترقی نے دنیا کے کئی انسانی معاشروں کو آپس میں مدغم کر دیا ہے۔ اس ادغام کی وجہ سے بہت سے مسائل نے جنم لیا ہے۔ ہماری معاشرتی اور ثقافتی قدریں بدل گئی ہیں۔

''سائبان'' کی کہانی کی بنیاد اس بات پر رکھی گئی ہے کہ معاشرے میں رہنے کے لئے دوسرے انسانوں کی جذباتی اور نفسیاتی ضروریات اور احساسات کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ عزت پانے کے لئے دوسروں کو عزت دینی پڑتی ہے۔ اس ناول میں ساس بہو جیسے سب سے زیادہ متنازعہ اور نازک رشتے کی جس مہارت سے عکاسی کی گئی ہے وہ قابل ستائش ہے۔ محترمہ ناہید سلطانہ اختر نے ہمارے معاشرتی رویوں کی عکاسی اس انداز سے کی ہے کہ ہر ایک کو اس آئینے میں اپنا اصل چہرہ نظر آتا ہے۔

ناول ''سائبان'' کے بارے میں بھی میں یہی کہوں گی کہ اچھی تحریر استاد کا درجہ بھی رکھتی ہے.....اس ناول کو پڑھ کر قارئین یقیناً بہت کچھ سیکھیں گے۔

انجم انصار
مدیرہ پاکیزہ کراچی

شب عروسی گزر چکی تھی۔

نیند سے بیدار ہوتے ہی جویا کی نظر یقین پر پڑی، وہ محجوب ہو گئی۔

کس قدر حیرت انگیز امر تھا یہ کہ کل تک یکسر نا آشنا شخص آج اس کے اتنا نزدیک تھا کہ وہ اس کی سانسوں کی گرمی اپنے وجود پر محسوس کر سکتی تھی!

یقین سو رہا تھا۔

بڑی میٹھی اور گہری نیند!

سوتے میں بھی اس کے چہرے سے طمانیت اور سرخوشی مترشح تھی۔

جیسے کوئی مسافر لمبی مسافت پا پیادہ طے کرنے کے بعد کسی ٹھنڈی میٹھی آب جو کے کنارے آ بیٹھا ہو!

بانکی، نچیلی شب عروسی کے نقوش پا کمرۂ عروسی میں یہاں سے وہاں تک پھولوں کی پنکھڑیوں کی صورت بکھرے پڑے تھے۔

کمرۂ عروسی دیسی گلابوں کی خوشبو سے مہکا پڑا تھا۔

سیج پر
قالین پر
ڈریسنگ ٹیبل پر
سائیڈ بورڈ پر
ہر سو پھول ہی پھول تھے
بندھے ہوئے
گندھے ہوئے
بکھرے ہوئے

یوں لگتا تھا جیسے اس کمرے میں منوں پھول بکھیرے گئے تھے۔

ان پھولوں نے اپنی تمام تر شادابی دلہن پر نچھاور کر دی تھی اور اب سمیٹے جانے کے منتظر تھے۔

جویا نے اٹھنے کا ارادہ کیا لیکن پھر اس خیال سے اپنا ارادہ ترک کر دیا کہ کہیں اس کا اٹھنا اس کے رفیق زندگی کی نیند میں خلل نہ ڈال دے۔

عجیب تھا یہ بندھن بھی!

دو بول ایک اجنبی کو آشنا بنا گئے تھے۔

لیٹے ہی لیٹے اس نے طائرانہ نگاہوں سے کمرے کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔

کمرہ انتہائی نفاست سے آراستہ تھا۔

اسے جہیز میں دیے جانے والے بیڈ روم سیٹ کے علاوہ کمرے میں محض فرنیچر ہی کی مد میں اور بھی بہت کچھ تھا جس نے اس کمرے کو کسی ہوٹل کا آراستہ پیراستہ سویٹ بنا دیا تھا۔ کمرے کے فرش پر دیوار تا دیوار ہلکے گلابی رنگ کا قالین بچھا تھا۔ کھڑکیوں اور دروازوں پر قالین کے ہم رنگ مخملیں پردے لٹک رہے تھے۔ در و دیوار کی تزئین و آرائش سے عیاں تھا کہ رہوارِ حیات کسی چھاؤں بھری منزل پر آ کر رکا تھا۔

یقین سے اس کا رشتہ منظور کیے جانے کے بعد سے کل تک اس کے دل پر ایک ناقابلِ بیان اضطراب اور بے یقینی سی طاری رہی تھی۔

سب اپنی اپنی بولی بول رہے تھے۔

اماں کو اوّل دن سے ہی لڑکے کا کنبہ بڑا ہونا بے طرح کھٹک رہا تھا۔

خالہ بی بھی اپنے بھرے پرے کنبے میں دو بہوئیں لانے کے باوجود اماں کی ہمنوا تھیں۔

چچی جان نے ٹھنڈی سانس بھر کر تعزیتی لہجے میں کہا تھا۔ ”گوزا کوئی اکیلا لڑکا مل جاتا تو اچھا تھا۔“

امی بوجھل آواز اور ملول لہجے میں بولیں۔ ”میں تو اکیلے ہی کی تلاش میں تھی مگر......“

”اکیلے لڑکے تو قسمت سے ملتے ہیں۔“ ممانی صاحبہ نے کہا۔

”بے شک......“ خالہ بی نے تائید کی۔

”گزارا ہوا تو خیر ورنہ لڑکی کی عقلمندی اسی میں ہوتی ہے کہ اپنے میاں کو لے کر الگ ہو جائے۔ میں نے تو اپنی دونوں بچیوں کو یہی سکھ دی۔ اللہ کا شکر ہے اپنے اپنے میاؤں کے ساتھ عیش کر رہی ہیں۔“ ممانی صاحبہ نے بڑے فخر سے بتایا۔

اس وقت ممانی صاحبہ کے سامنے تو کسی نے کچھ نہ کہا البتہ بعد میں خالہ بی نے کہا۔ ”کوئی ہماری بھاوج سے پوچھے کہ بہوؤں کو تم اپنے شکنجے میں کیوں کسے بیٹھی ہو۔“

سب کی سن سن کر گزشتہ شب یقین کا سامنا ہونے تک جویا کے دل پر بڑی بے یقینی سی تھی مگر یقین کا سامنا ہوتے ہی بے یقینی جاتی رہی۔

سارے خدشات اور وسوسے دم توڑ گئے۔

اضطراب کافور ہو گیا۔

دوئی مٹ گئی۔

اب وہ یک جان دو قالب تھے۔

اس کی نیند میں خلل پڑنے کے خیال سے وہ بستر پر دم سادھے پڑی تھی۔

دیوار گیر گھڑی کی سوئیاں پونے گیارہ کا وقت ظاہر کر رہی تھیں۔

دفعتاً دروازے پر دستک سنائی دی۔

اس نے سر کو حرکت کیے بغیر آنکھوں کے ڈھیلوں کو دروازے کے رُخ گھمایا۔

”صبح بخیر!“

وہ چونک پڑی۔

یقین جاگ گیا تھا اور لیٹے ہی لیٹے اُسے میٹھی میٹھی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

وہ محجوب ہوتی اُٹھ بیٹھی۔

دستک پھر سنائی دی۔

یقین نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے سینے پر دھر لیا۔

”اٹھ جائیے۔“ وہ دھیرے سے بولی۔

”اٹھ جائیں گے، ایسی جلدی کیا ہے۔“

”پونے گیارہ بجنے کو ہیں۔“

”بجنے دو۔“ اس کا انداز سرفروشانہ تھا۔

دروازے پر پھر دھیمی سی دستک سنائی دی۔

”اوں ہوں!“ اس نے برا منہ بنایا۔

وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

”کون ہے بھئی؟“ یقین نے دروازے کی طرف نگاہ کرتے ہوئے بہ آواز بلند پوچھا۔

دلہن کے گھر والے انہیں لینے کے لیے آئے ہیں؟“

”تمہارے گھر والے!“ اس نے چونک کر جویا کی طرف دیکھا۔

وہ بدستور مسکراتی رہی۔

”لینے کے لیے آئے ہیں! کیوں؟“ اس کی آنکھوں سے، اس کے لہجے سے تشویش جھلک رہی تھی۔ جویا کی مسکراہٹ گہری پڑ گئی۔

”کیوں لینے آئے ہیں؟“ وہ قدرے ناگواری سے بولا۔

”رسم ہے۔“ اس نے دھیرے سے کہا۔

”کیسی رسم؟“

”شادی کے بعد اگلی صبح دلہن کے میکے والے ناشتہ لے کر آتے ہیں اور دلہن کو کچھ دیر کے لیے میکے لے جاتے ہیں۔“

”عجیب نامعقول قسم کی رسم ہے۔“ اس نے منہ بنا کر کہا۔

”نامعقول یا معقول بہر حال رسم تو ہے۔“

”تو گویا آپ جائیں گی؟“

”ظاہر ہے۔“

"اور واپسی کب تک ہوگی؟"

"جب آپ لینے کے لیے آ جائیں گے۔"

"ساتھ ہی چلتا ہوں۔"

"اب اتنے بے چین بھی مت ہو جیے۔"

تب ہی دروازے پر پھر دستک ہوئی اور وہ دونوں ہی چونک پڑے۔

"کون؟" یقین نے پوچھا۔

"بھئی، میں ہوں۔"

"اوہ! مدحت بجیا۔ ابھی تک دروازے پر کھڑی ہیں۔" اس نے جویا کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا پھر دروازے کے رُخ دیکھتے ہوئے بہ آواز بلند بولا۔ "ٹھیک ہے بجیا، جاگ گئے ہیں ہم۔"

"دروازہ کھولو تو میں دلہن کے اس وقت کے لیے کپڑے تو نکال دوں۔"

"کیا اپنے کپڑے تم خود نہیں نکال سکتیں؟" وہ جویا کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمے سُروں میں بولا۔

"نکال تو سکتی ہوں مگر......" وہ دخل در معقولات پر اس کے چہرے پر بکھری ہوئی ناگواری سے محظوظ ہوتے ہوئے بولی۔

"یہ بھی شاید کوئی رسم ہے۔" یقین نے ناگواری سے کہا۔

"شاید۔" جویا مسکرا دی۔

"لا حول ولا قوۃ...... برا ہو ان رسموں کا۔" اس نے زقند لگائی اور بستر سے اُتر کر دروازے کی سمت بڑھ گیا۔

☆=====☆=====☆

ناشتہ بہت پُر تکلف تھا۔

بارہ کرسیوں والی، بہت بڑی سی ڈائننگ ٹیبل لوازمات سے لدی ہوئی تھی۔ گرما گرم پراٹھے بھی تھے، حلوہ پوری بھی، سادہ سلائس بھی تھے، توس بھی۔ مکھن بھی تھا، جام اور جیلی بھی بسکٹ بھی، آملیٹ بھی تھا، اوھ تلے اور اُبلے ہوئے انڈے بھی۔ دلیہ بھی تھا کارن فلیکس بھی۔ پھل تھے، مٹھائی تھی۔ دودھ تھا، چائے تھی۔

جویا کو ساس نندیں اصرار کر کے کھلاتی رہیں۔

ایک ایک چیز بصد اصرار پیش کی گئی۔

ہر ایک کا دل رکھنے کو چکھنے ہی چکھنے میں پیٹ بھر گیا۔

جویا ڈائننگ ٹیبل کے طول و عرض اور اس پر آراستہ لوازماتِ ناشتہ کی کثرت سے دل ہی دل میں مرعوب و متاثر ہوتے ہوئے سوچتی رہی۔

"اگر ناشتے کے تیور یہ تھے تو کھانے کے تیور تو خدا جانے کیا ہوں گے؟"

اس کے اپنے گھر میں تو چھ کرسیوں والی بہت مسکین اور عاجز سی ڈائننگ ٹیبل تھی جو خاص خاص موقعوں پر ہی استعمال میں آتی تھی ورنہ صبح کو ہر ایک بھاگتے دوڑتے ناشتہ کرتا۔ ایک ہاتھ میں سلائس تو دوسرے میں چائے کا مگ۔ دوپہر کو جس کو جب بھوک لگتی یا جب باہر سے گھر واپسی ہوتی کھا لیتا۔ رات کو البتہ سب کھانے پر اکٹھے ہوتے تھے۔

سسرال کی لمبی چوڑی ڈائننگ ٹیبل کے تیور اس کے حسابوں خاصے شاہانہ تھے۔

ناشتے کے دوران ہی میاں کے کنبے سے تعارف ہوا۔

سسر تھے، جنہیں ساس کے سوا سب ابا بول رہے تھے۔

تین نندیں تھیں، دو بیاہی اور ایک بن بیاہی۔ شادی شدہ نندوں میں سے ایک یقین سے بڑی تھیں۔ ناشتے پر ایک عدد نندوئی سے تعارف ہوا جو گزشتہ شب بیوی اور بچوں کے ساتھ سسرال میں رک گئے تھے۔ وہ دیور تھے۔

نند کے بچے تھے۔

ماشاءاللہ بھرا پُرا گھرانا تھا۔

ناشتے پر ایک عدد ساس اور دو ظہیری نندیں بھی موجود تھیں۔

بلحاظِ عمر بہن بھائیوں کی ترتیب یوں تھی۔

مدحت بجیا سب سے بڑی تھیں۔

دوسرے نمبر پر یقین تھا۔

یقین سے چھوٹی بہن تھی نگہت۔

پھر اوپر تلے دو بھائی تھے، فرزین اور ذہین۔

ذہین کے بعد اور بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی نزہت تھی۔

ناشتے کے بعد نندوں نے مل جل کر جویا کو تیار کیا۔ اس دوران ساس دو مرتبہ اس کے کمرے میں آئیں۔ ایک مرتبہ مٹھی میں سرخ مرچیں دبائے ہوئے اور اس کی نظر اُتار کر لے گئیں، دوسری مرتبہ یہ ہدایت کرنے کے لیے آئیں کہ دلہن کو جھومر ٹیکا اور نتھ بھی پہنائی جائے۔

"امی! اس وقت تو یہ لدا اور سجنے دیں۔ شام کو ولیمے میں بھابی پہنیں گی نا۔" نزہت نے کہا۔

"اس وقت بھی پہنا کر بھیجو۔" امی نے اصرار کیا۔

نزہت نے نگہت کو مدد طلب نگاہوں سے دیکھا۔ انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کہا۔ "جو امی کہہ رہی ہیں، وہی کرو۔"

"ٹھیک ہے امی۔"

"اور ہاں دیکھو، مانگ میں افشاں ضرور بھر دینا۔"

"امی، مانگ میں تو ٹیکے کی لڑی ہوگی۔" نزہت بولی۔

"تو کیا ہوا! اور ہاں...... ذرا جلدی کرو، دلہن کے بھائی کہہ رہے ذرا جلدی ہے۔"

''بس امی، ان سے کہیے گا تھوڑی سی دیر اور۔'' نزہت نے جو سند یافتہ ماہر زیبائش ہونے کا مظاہرہ کرنے میں منہمک تھی، کہا۔

جویا کو لینے کے لیے اس کے میکے سے بھائی، بھابی اور بڑی بہن سارا آئے ہوئے تھے۔

جویا کی تیاری کے دوران یقین بہانے بہانے سے آس پاس ہی منڈلاتا رہا۔ میٹھی میٹھی نظروں سے کبھی جویا کو اور کبھی آئینے میں اس کے عکس کو دیکھتا رہا۔ بہنیں اور جائے واردات پر موجود دو خالہ زاد بہنیں یقین کو چھیڑتی رہیں اور جویا دھیمے دھیمے مسکراتی رہی۔

جویا کو تیار کرنے کے بعد نگی اور خلیری نندیں اسے اپنے جلو میں لاؤنج میں لائیں تو سارہ آپا اور بھابھی جویا سے یوں ملیں، جیسے صدیوں کی بچھڑی ہوئی تھیں۔ بھیا نے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

ساس نے جویا کی بلائیں لیں اور بڑی محبت سے پیار کیا۔

''کچھ ہمارے لیے بھی بچا رکھیے۔'' یقین نے امی سے شوخی سے کہا۔

تب ہی ملازم لڑکا موجو ایک ہاتھ سے بکرے کی رسی کھینچتا اور دوسرے میں نزہت کا دوپٹا جھلاتا ہانپتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور اس نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان بتایا۔ ''وہ جی بکرا سارے پودے بھی کھا بیٹھا ہے اور اس نے چھوٹی باجی کی اوڑھنی بھی کھا لی ہے۔''

کوئی اور وقت ہوتا تو نزہت نے یقیناً ایک فلک شگاف چیخ ماری ہوتی مگر بھائی کے سسرال والوں کی موجودگی مانع رہی اور وہ فقط اتنا ہی کہہ پائی۔ ''ہائے اللہ! کتنا بدتمیز بکرا ہے۔''

''اے لو، مجھے اس کا تو خیال ہی نہیں رہا تھا۔'' امی نے پیشانی پر ہاتھ مارا پھر سمدھیانے والوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔ ''حالانکہ پرسوں سے منگوا کر باندھ رکھا ہے۔''

''صرف دو مرتبہ پہنا تھا میں نے۔'' نزہت اپنے دوپٹے کو بصد حسرت دیکھتے ہوئے بولی۔

''تمہیں دھلوانے کی آفت بھی بہت رہتی ہے۔'' امی نے نزہت کو ہلکی سی ڈانٹ پلائی، پھر بابا کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔ ''ماسٹر صاحب! قصائی سے کہہ دیا تھا آپ نے؟''

''ہاں...... بارہ ساڑھے بارہ تک آئے گا۔'' بابا بولے۔

''چھوٹی باجی، اس کا کیا کروں جی؟'' موجو نے جھیر جھیر دوپٹے کو نزہت کے سامنے جھلاتے ہوئے تھا۔

نزہت جسے امی کی ہلکی سی ڈانٹ نے بھی ازحد خفیف کر دیا تھا، جل کر بولی۔ ''یہ بھی امی کو دے دو۔''

''اچھا جی۔'' موجو نے گردن ہلائی لیکن اگلے ہی لمحے نزہت کی طرف کچھ اس طور دیکھتے ہوئے جیسے اسے اپنی سماعت کا بھرم نہ ہو بولا۔ ''ہیں جی!''

''ہاں جی۔'' ذہین دزدیدہ نظروں سے نزہت کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

نزہت کو بکرے پر جی ہی جی میں سخت تاؤ آ رہا تھا۔ کمبخت نے جوڑے کا دوپٹا چر لیا تھا۔ طارق روڈ سے چار سو اسی روپے میں تو ان سلا جوڑا خریدا تھا اسی روپے درزی نے سلائی لی تھی۔

صرف دو مرتبہ پہنا تھا۔ پہلی مرتبہ خالہ کے ہاں میلاد میں اور ایک مرتبہ یونیورسٹی پہن کر گئی تھی۔ تیسری بار پہننے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی کہ......!

''ہمیں اجازت؟'' بھیا نے بابا صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بس ایک منٹ، ذرا بکرے کو دلہن کا ہاتھ لگوا لوں۔'' امی اٹھیں۔

''کیوں امی؟'' ذہین نے قدرے حیرانی سے پوچھا۔

''بیٹا جس کا صدقہ دیا جائے، صدقے کے جانور کو اس کا ہاتھ لگوا لیا جاتا ہے۔''

''تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔'' یقین نے مسکراتے ہوئے ذہین کو دیکھا۔

''آں..... ہاں۔'' فرزین بھی مسکرا دیا۔

''آؤ دلہن، ذرا ہاتھ تو لگا دو بکرے کو۔'' امی نے جویا سے کہا اور یقین کو بھی بلایا۔ ''یقین بیٹا، آؤ تم بھی ہاتھ لگا دو۔''

ادھر ان دونوں نے بکرے کو ہاتھ لگایا اُدھر موصوف نے مینگنیوں کا ڈھیر لگا دیا۔

''چھی...... چھی!'' نگہت کی بچی کہکشاں نے منہ بنایا۔

''موجو! اسے لے جا کر باندھ دو اور ڈسٹ بن لا کر یہ سمیٹو۔'' یقین نے موجو کو ہدایت کی۔

جویا کی بہن، بھاوج اور بھائی کے چہروں پر دھیمی دھیمی سی مسکراہٹ اس کی سسرال والوں کی دھیمی دھیمی خفت کا موجب بن رہی تھی۔

موجو بکرے کو کھینچتا ہوا باہر لے گیا۔

جویا کے میکے والے جانے کو تیار کھڑے تھے۔

نگہت نے سارہ آپا کو بتایا۔ ''دیکھیے، ساڑھے چار بجے بھابی کو بیوٹی پارلر لے جانا ہے، ہم لوگ ڈھائی تین بجے تک انہیں لینے کے لیے پہنچ جائیں گے۔''

''اتنی جلدی!''

''مجبوری ہے۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، جب آپ چاہیں۔'' بھیا بولے۔

چلتے سمے سب گھر والے جویا اور اس کے میکے والوں کو رخصت کرنے کے لیے گیٹ تک آئے اور ایک ایک نے انہیں خدا حافظ کہا۔ نگہت نے اپنی دونوں بچیوں کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''مامی کو خدا حافظ کہو۔''

دونوں پہلے شرمائیں، پھر جھجکتے ہوئے افشاں نے پہل کی، اس کے بعد کہکشاں نے جویا کو خدا حافظ کیا۔

باہر سارہ آپا کی گاڑی کھڑی تھی۔

جویا گھر پہنچی تو اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اسے یوں لگا، جیسے وہ شب بھر میں وی آئی پی

بن گئی تھی۔ اماں نے بلائیں لیں اور جی بھر کر دعائیں دی۔ خالہ، ممانی، چچی، سبھی نے بظاہر تو بڑے چھیتے پن سے لپٹایا چمٹایا۔ سدا سکھی، سدا سہاگن رہنے کی دعائیں دیں۔ بھنبھناہٹ واری ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔

اس کی آمد کی خبر ملتے ہی آس پاس کے گھروں سے پڑوسنیں اور اس کی سہیلیاں لپکی ہوئی آ گئیں۔

ہر نظر میں اشتیاق تھا۔

ہر نگاہ میں رشک کی کیفیت تھی۔

اس کے زرق برق لباس کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا جا رہا تھا اور اس کے جھلملاتے زیورات نے دیکھنے والوں کی نگاہوں میں شدید بے پن کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔

بھائی بہنوں اور ہمسایوں کے بچے گھس گھس کر اس کے پاس بیٹھنے کے لیے بے چین تھے۔ پرائے ہی کیا، اپنے بھی اسے یوں دیکھ رہے تھے جیسے وہ ان میں سے نہ تھی کوئی ماورائی مخلوق تھی!

ہر ایک اس کو اچھی طرح دیکھنے کے لیے دوسرے پر گرا پڑ رہا تھا۔ اس کے پاس بیٹھنے اور بات کرنے کو بیتاب تھا کہ وہ نئی دلہن تھی۔

خاصی دیر تک یہی آپا دھاپی اور دھکم پیل رہی، بالآخر اماں کو صدا لگانی پڑی۔ ''اچھا بھئی، ذرا بھیڑ تو چھانٹو تا کہ بچی کو ذرا ہوا لگے۔''

اور کوئی موقع ہوتا تو شاید سبھی امی کی اس بات کا برا مان کر اپنی اپنی راہ ہو لیتے لیکن اس وقت کوئی بھی جویا پر سے اپنی نظریں ہٹانے اور اپنی جگہ چھوڑنے پر آمادہ نظر نہ آیا۔

سارہ آپا اور بھابی نے نگاہوں ہی نگاہوں میں مشاقان جویا کے خلاف سازش کی اور اسے کمر سیدھی کروانے کے بہانے اس پُرشوق ہجوم سے یوں نکال لے گئیں، جیسے محافظوں کا کوئی دستہ کسی انتہائی اہم شخصیت کو اپنے نرغے میں لے کر مداحوں کے ہجوم سے نکال لے جائے۔

زویا بھی ان کے پیچھے لپکی۔

جویا کی چاہ میں جمع ہو جانے والے دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے، پھر ناک بھوں چڑھاتے اپنی اپنی راہ لگ لیے۔

اماں اور اماں کے پیچھے خالہ، ممانی اور چچی بھابی کے کمرے میں جا پہنچیں۔

سارہ آپا، زہرا باجی اور زویا مجسم اشتیاق بنی جویا کو دیکھنے اور سننے میں محو تھیں۔

''یہ کنگن ان کی امی نے چڑھائے ہیں۔'' جویا شرماتے ہوئے بتا رہی تھی۔ ''اور یہ لاکٹ سیٹ سب سے بڑی بہن نے دیا ہے۔''

''وہ جو نند کہہ رہی تھیں کہ ساڑھے چار بجے بیوٹی پارلر پہنچنا ہے، انہوں نے کیا دیا؟'' بھابی نے پوچھا۔

''انہوں نے کانوں کے ٹکر چڑھائے ہیں۔''

''یہ بتاؤ جہاز والے دیور نے کیا دیا منہ دکھائی میں؟'' اماں نے قدرے بے تابی سے پوچھا۔

''اس نے..... یہ انگوٹھی پہنائی ہے۔'' جویا نے سیدھے ہاتھ کی تیسری انگلی میں پڑی انگوٹھی دکھاتے ہوئے بتایا۔

''اے! یہ تو مجھے نقلی لگ رہی ہے۔'' اماں بولیں۔

''نہیں اماں، ہیرے کی ہے۔'' جویا نے انگلی میں پڑی انگوٹھی کو سارہ آپا کی نظروں کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ ''دیکھیے آپا، ہیرے ہی کی ہے نا؟''

سارہ آپا نے کسی زیرک جوہری کی طرح انگوٹھی کا معائنہ کیا پھر بولیں۔ ''ہاں، ہیرے کی ہے۔''

''چلو جس نے خوشی سے جو دے دیا، بہت۔'' اماں نے خاصی قناعت کا مظاہرہ کیا۔

''جویا! سسر نے منہ دکھائی میں کیا دیا؟'' ممانی صاحبہ نے پوچھا۔

''انہوں نے گھڑی دی ہے۔'' یہ کہتے ہوئے جویا نے کلائی پر بندھی گھڑی کی نمائش کرائی۔ سارہ آپا گھڑی کا معائنہ کرنے لگیں۔

''سب سے چھوٹے بھائی نے پرلز کا سیٹ دیا ہے۔'' جویا نے خود ہی بتایا۔

''واہ بھئی!'' زہرا باجی بولیں۔ ''وہ تو کماتا بھی نہیں ہے۔''

''اور سب سے چھوٹی بہن نے پرفیومز کا ایک سیٹ دیا ہے۔''

''جہاز والے بھائی نے لا کر دیا ہوگا۔'' خالہ بولیں۔

سارہ آپا جویا کی کلائی پر بندھی گھڑی کا بغور معائنہ کر چکی تھیں اور ان کے اس معائنے کا ماحصل یہ تھا کہ ''اوریجنل سیکو ہے۔ تمہارے دیور نے لا کر دی ہوگی۔''

''ضروری نہیں آپا، یہاں بھی اب سب کچھ ملتا ہے۔''

''جویا! یہ تو بتاؤ کہ دولہا نے تمہیں رونمائی میں کیا دیا؟'' بھابی نے پوچھا۔

جویا شرم کے مارے گلابی پڑ گئی اور اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا۔

''ہاں، اصل بات تو دلہن نے پوچھی ہے۔'' چچی جان بولیں۔

چند سیکنڈ جویا کے جواب کا انتظار کیا گیا، پھر سارہ آپا نے بھی بیتابی سے پوچھا۔ ''بتاؤ نا جویا۔'' جویا نے دوپٹا گلے کے پاس سے ہٹا کر گلے میں پڑا طلائی لاکٹ شرماتے ہوئے دکھایا۔

''اچھا وزنی دکھائی دیتا ہے۔'' امی نے کہا اور سارہ آپا سے اپنے اندازے کی تائید چاہی۔ ''کیوں سارہ؟''

سارہ آپا نے جویا کے گلے میں پڑے لاکٹ کو اپنے ہاتھوں کی انگلیوں پر تولتے ہوئے وزن کا اندازہ کرنے کی کوشش کی پھر بولیں۔ ''دو سوا دو تولے سے کم نہ ہوگا۔''

جویا کے گلے میں بیک وقت دو لاکٹ، ایک گلوبند، ایک چمپا کلی اور ست لڑا دیکھ کر چچی جان کی آنکھوں سے رشک جھلکنے لگا۔

"میکے کا تو کوئی ہار نہیں ہے نا گلے میں؟" چچی جان نے پوچھا۔

"جی نہیں۔"

"جویا تو بڑی قسمت والی نکلی، سسرال والوں نے سونے میں پیلا کر دیا۔" چچی جان کے لہجے سے بھی رشک جھلک رہا تھا۔

"اللہ بری نظر سے بچائے۔" اماں بولیں۔

"اے بھابی، ہم کوئی نظر لگانے یا ہونسنے والوں میں سے ہیں۔" چچی جان برا مان گئیں۔

"میں کوئی تمہیں کہہ رہی ہوں۔" اماں نے نظر بگاڑ کر کہا۔

"تو پھر اور کون بیٹھا ہے یہاں، میرے سوا۔" چچی جان کے لہجے میں ترشی آ گئی۔

"اے سارہ، سن رہی ہو، تم اپنی چچی جان کی بات!" اماں نے سارہ آپا سے کمک چاہی۔ سارہ آپا نے اپنی رائے محفوظ رکھی۔

"بیٹھنے کو تو میں بھی بیٹھی ہوں یہاں۔" خالہ بولیں۔

"اور میں بھی۔" ممانی صاحبہ نے کہا۔

"ہاں اور کیا۔" امی نے آواز ملائی۔

"جی ہاں...... ان کو آپ نہیں کہہ سکتیں۔ ایک ٹھہریں آپ کی بہن دوسری ٹھہریں بھاوج۔" چچی جان تنک کر بولیں۔

"اے لو زہرا، سنی تم نے اپنی چچی کی بات۔" اب کی بار اماں نے دوسری بیٹی سے کمک چاہی۔ زہرا باجی سارہ آپا کی سی ڈپلومیسی سے کام نہ لے سکیں۔

"چچی جان، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" زہرا باجی نے کہا۔

"اے بی! تم اپنی اماں کی سائیڈ مت لو۔ میں خوب سمجھتی ہوں ان کی عادت۔"

"اے کیا سمجھتی ہو۔" اماں بھڑکیں۔

"غیر تو اس کمرے میں ایک میں ہی ہوں۔ باقی سب تو تمہارے اپنے ہیں۔" چچی جان دوپٹہ منہ پر رکھ کر سسکنے لگیں۔

"اوئی دیورانی، تم تو اپنے دل پر لے گئیں۔ اللہ جانتا ہے، میرا کوئی غلط مقصد نہ تھا۔" اماں نے انہیں گلے سے لگانا چاہا مگر چچی جان نے ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔ "بس بس رہنے دو لیپا پوتی۔ میں خوب سمجھتی ہوں۔"

"خاک سمجھتی ہو۔" اماں کو بھی تاؤ آ گیا۔

"بڑی بھابی میں نے تمہیں ہمیشہ اپنا سمجھا مگر تم نے ہمیشہ نشتر چبھوئے۔" چچی جان سسکنے لگیں۔

"لو میں نے کون سا نشتر چبھو دیا۔" اماں نے بدمطلب نگاہوں سے بہن اور بیٹیوں کو دیکھا۔

"سچ کہہ رہی ہوں دلہن، انہوں نے ہمیشہ میرے ساتھ یہی کیا۔" چچی جان نے بھابی کو حلیفانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا اور مزید سسکنے لگیں۔

"کچھ خدا کا خوف کرو دیورانی...... اللہ برے وقت سے بچائے، کیوں تم میرے گھر کی خوشی میں رونے بیٹھ گئیں۔" اماں نے ہاتھ جوڑ دیے۔ "اللہ کے واسطے معاف کرو۔"

چچی جان تڑپ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ہاں ہاں، خاندان کو جوڑ کر بیٹی کو رخصت کرنا تھا سو کر لیا۔ اب تو تم یونہی آنکھیں دکھاؤ گی۔"

"اجی ہاں، بڑی آئیں، میری بیٹی کو رخصت کروانے والی۔ اللہ رکھے، میرا اپنا میکہ بہت۔"

"دیکھ رکھے ہیں تمہارے سارے میکے والے۔" چچی جان کے لہجے میں نشتر کی انی کی سی کاٹ تھی۔

"دیکھو...... دیکھو، دیورانی، اپنے آپے میں رہو...... ہاں۔" امی نے آنکھیں نکالیں۔

"آپے میں تو تم رہو۔"

"دیکھو...... تم......"

"اماں! پلیز!" سارہ آپا نے اماں کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "گھر لوگوں سے بھرا پڑا ہے۔ کیا کہیں گے سب لوگ۔"

"بڑی آئیں، ہمیں آپے میں رہنے کی تلقین کرنے والی۔" چچی جان نے شعلہ بار نگاہوں سے اماں کو دیکھا۔

"چچی جان! خدا کے واسطے چپ ہو جائیے۔" زہرا باجی گڑگڑا دیں۔

"اے بی! مجھے کیا کہہ رہی ہو، اپنی اماں کی للو پکڑو۔" چچی جان بھڑک کر بولیں۔

"دیکھو...... میں کہتی ہوں......" اماں نے چچی جان کو تیکھے تیوروں سے دیکھا۔

"اللہ کے واسطے اماں، آپ ہی چپ ہو جائیے۔" سارہ آپا نے ہاتھ جوڑ دیے۔

"اجی، یہ کوئی زیادہ بڑے باپ کی بیٹی ہیں جو میں چپ ہو جاؤں۔" اماں بھڑکیں۔

"ان کی عادت ہے، زہرا کی شادی پر بھی انہوں نے ذرا سی بات کا یونہی بتنگڑ بنا لیا تھا۔"

"قسم ہے جو اب میں اس گھر کی دہلیز پر دوبارہ بھی چڑھ جاؤں۔" چچی جان نے فیصلہ سنایا۔

"مت چڑھنا۔ کوئی یہاں سے بلانے جائے تمہیں تو سات جوتے مار کر بھیجنا۔" اماں نے ہاتھ نچا کر کہا۔

"اوہو! اماں دیکھیے جویا کی طبیعت خراب ہونے لگی ہے۔" زہرا باجی بولیں۔

اور اماں جو پسپائی پر آمادہ نہ تھیں، چونک کر جویا کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ اس نے اپنا سر ہاتھوں سے تھام رکھا تھا۔

''اونہہ!'' چچی جان نے سر جھٹکا پھر کمرے سے نکل گئیں۔

''زویا! بہن کے لیے جلدی سے گلوکوز تو گھول لا ایک گلاس میں ماں!'' اماں بولیں۔ زویا باہر لپکی۔

''اماں، آپ ہی چپ ہو گئی ہوتیں۔'' سارہ آپا بولیں۔

''اے لو تم بھی کو کہے جا رہی ہو، اپنی چچی جان کو نہیں دیکھا، کیسے ذرا سی بات کا بتنگڑ بنایا انہوں نے۔''

''اماں، ان کی تو ہمیشہ کی عادت ہے۔ کسی کو خوش اور رکھا تا پیار دیکھ ہی نہیں سکتیں وہ۔''

''بس اصل بات یہ ہے۔ جویا کو اپنے اوڑھے دیکھ کر جل گئیں وہ۔''

''غصے میں گئی ہیں۔'' زہرا باجی نے کہا۔

''جانے دو۔''

''لگتا ہے، ولیمے میں بھی نہیں آئیں گی۔'' خدشہ ظاہر کیا گیا۔

''نہ آئیں، ہمارے یہاں سے بھی کوئی منانے نہیں جائے گا۔'' امی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

زویا ایک گلاس میں جویا کے لیے گلیکسوز ڈی گھول کر لائی۔ امی نے اپنے ہاتھوں سے پلایا پھر اسے اصرار کر کے لٹایا اور سب اس کے اردگرد بیٹھ کر اس سے سسرال کا حال چال پوچھنے لگیں۔

☆=====☆=====☆

جویا کے جانے کے بعد یقین اور اس کے گھر والے تقریب ولیمہ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے تھے۔ یقین کو زیادہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہ تھی۔ بابا، ایک بہنوئی اور دو بھائی انتظامات کرنے کو موجود تھے۔

بابا نے چھتیس برس تک سرکاری ملازمت کی تھی۔ ایک اسکول ٹیچر کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا تھا اور ایک بڑے سرکاری کالج کے پرنسپل کی حیثیت میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے تھے۔ بابا کی سبکدوشی کو چار سال ہو چکے تھے۔ سبکدوشی کے وقت معقول واجبات ملے تھے اور اب ماہانہ پنشن ملتی تھی۔ بابا دھیمے مزاج کے صلح جو آدمی تھے۔ زندگی سے انہوں نے جو کچھ پایا تھا، معاشرے کو ایک تعلیم یافتہ گھرانے کی صورت میں لوٹا دیا تھا۔ بابا اپنی زندگی کے عملی دور سے بھی مطمئن رہے تھے اور اب اپنی سبکدوشی کے بعد کے دور سے بھی انہیں کوئی شکایت نہ تھی۔ وہ اس اعتبار سے بہت خوش قسمت تھے کہ ان کے تمام بچے تعلیم یافتہ اور خوشحال تھے۔

مدحت بجیا نے ادب میں خصوصی امتیاز کے ساتھ ماسٹرز ڈگری لی تھی۔ ایم اے کرتے ہی یونیورسٹی میں لیکچرار شپ مل گئی۔ ابا کے ایک شناسا کے توسط سے شادی ہوئی مگر لڑکا پڑھا لکھا جاہل نکلا۔ دو ماہ میں اس نے مدحت بجیا کو اتنی جسمانی اور ذہنی اذیت دی کہ طلاق لینی پڑی۔ اس سانحے نے مدحت بجیا کو ذہنی طور پر منتشر کر کے رکھ دیا۔ بمشکل تمام وہ خود کو سمیٹ پائیں۔

احباب واقارب نے انہیں دوسری شادی کے لیے آمادہ کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ راضی نہ ہوئیں۔ پی ایچ ڈی کیا۔ اب اسسٹنٹ پروفیسر تھیں اور اپنے طلبہ اور رفقائے کار میں بے حد مقبول تھیں۔

یقین نے ابلاغ عامہ میں ماسٹرز ڈگری لے رکھی تھی اور ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں ملازم تھا۔ بھائیوں میں سب سے بڑا تھا۔ امی اور بہنیں کافی عرصے سے اس کی شادی کے لیے کمر باندھے بیٹھی تھیں مگر وہ ٹالتا چلا آ رہا تھا۔ اس ٹال مٹول کا پس منظر یہ تھا کہ وہ چاہتا تھا کہ تیسری بہن سے نمٹنے کے بعد شادی کرے مگر اس کی مرضی کے برخلاف امی اور بہنوں نے مل کر ایسا گھیراؤ کیا کہ اسے راضی ہونا پڑا۔

لڑکی کی تلاش شروع ہوئی تو ماں بہنوں نے شہر بھر کی لڑکیاں دیکھ ڈالیں۔ اپنوں میں بھی۔ پرایوں میں بھی۔ جہاں جاتیں، یقین کے لیے لڑکی کی جستجو میں رہتیں۔ یقین نے بس دو شرطیں رکھیں۔ لڑکی دراز قامت ہو اور اس کے بال لمبے ہوں۔ خاصی تگ و دو کے بعد امی اور بہنوں کی نگہ انتخاب بالآخر جویا پر پڑی۔

جویا دراز قامت اور خوش شکل تھی۔ یقین کی عائد کردہ شرط کے مطابق اس کے بال بھی لمبے تھے۔ متوسط گھرانے کی لڑکی تھی۔ اس نے بی اے بی ایڈ کر رکھا تھا۔ تقریباً دو برس سے ایک سرکاری اسکول میں پڑھا رہی تھی۔

یقین سے چھوٹی بہن، نگہت نے ایم اے کیا تھا۔ شادی غیروں میں ہوئی تھی۔ نگہت کے میاں افتخار احمد ایک غیر ملکی ایئر لائن میں ملازم تھے۔ اپنا گھر تھا، گاڑی تھی۔ خاصی خوشحالی تھی۔ نگہت کی دو بچیاں تھیں، افشاں اور کہکشاں۔

نگہت سے چھوٹا بھائی فرزین میرین انجینئر تھا۔ جب سے عملی زندگی میں آیا تھا، اس کا زیادہ وقت سفر میں گزرتا تھا۔ یقین کی شادی سے ہفتہ بھر قبل ہی چار ماہ بعد جہاز سے اترا تھا۔ فرزین ایک خوبرو اور خوش طبع نوجوان تھا۔

ذہین بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ انجینئرنگ یونیورسٹی کا طالب علم تھا۔ ذہین اور حاضر جواب تھا۔ اس کی شخصیت میں طلسماتی کشش تھی۔ محض نام ہی کا نہیں سچ مچ کا ذہین تھا۔

نزہت جو بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی تھی، آنرز کر رہی تھی۔ وہ ذہین سے دو سال چھوٹی تھی۔ اوپر تلے کے بہن بھائی ہونے کی وجہ سے ذہین اور نزہت میں چھیڑ چھاڑ بھی رہتی تھی مگر دونوں ایک دوسرے سے محبت بھی کرتے تھے۔

مدحت بجیا اپنی بربادی کے بعد اپنے میکے آ گئی تھیں اور اب یہیں رہ رہی تھیں۔ امی ابا اور بہن بھائیوں کی انتہائی خواہش تھی کہ ان کا گھر دوبارہ بسا دیکھیں مگر وہ راضی ہو کر نہ دیتی تھیں بلکہ ایک مرتبہ جب ایک اچھے رشتے کے سلسلے میں مدحت بجیا پر گھر والوں کا دباؤ زیادہ بڑھا تو انہوں نے کہہ دیا کہ اگر اس سلسلے میں زبردستی کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ گھر چھوڑ کر ہاسٹل چلی جائیں گی۔

چار سو مربع گز پر بنے دو منزلہ مکان کی زیریں منزل پر ڈرائنگ، ڈائننگ تھا۔ ٹی وی لاؤنج تھا۔ امی، ابا، یقین اور نزہت کے کمرے تھے۔ بالائی منزل پر مدحت بجیا، فرزین اور ذہین کے کمرے تھے۔ ایک ہال تھا۔ اسٹڈی تھی۔ ایک گیسٹ روم تھا۔ امی نے مصلحتاً ایک کچن بالائی منزل پر بھی بنوا دیا تھا جو زیر استعمال نہ تھا۔ مجموعاً گھر خیر سے اتنا کشادہ تھا کہ کسی وقت آٹھ دس مہمان رات کو بھی ٹھہر جاتے تو پتہ نہ چلتا۔

یہ تھا اس گھر اور اس خاندان کا اجمالی احوال جہاں جویا بیاہ کر آئی تھی۔

☆=====☆=====☆

جویا کے میکے میں اماں تھیں، ابا تھے۔ دو بھائی تھے اور بھاوجیں تھیں۔ خود اس کے علاوہ تین بہنیں اور تھیں جن میں سے دو شادی شدہ تھیں۔ جویا کا خاندان بہت بڑا تھا۔ نزدیک اور دور کے سیکڑوں ننھیالی اور ددھیالی عزیز، رشتے دار تھے۔

ابا نے مختلف اوقات میں مختلف کام کیے تھے۔ اپنی عملی زندگی کا آغاز انہوں نے ایک سرکاری ملازمت سے کیا تھا لیکن محدود آمدنی کی وجہ سے انہوں نے سرکاری ملازمت سے کنارہ کشی کر کے جائیداد کی خرید و فروخت کا کام شروع کر دیا لیکن اس کام کو اپنے مزاج کے موافق نہ پا کر انہوں نے جلد ہی اس کام کو ترک کر کے اسٹیشنری کی دکان کھول لی۔ پھر اسے زیادہ منافع بخش نہ پا کر میڈیکل اسٹور کھول لیا اور اب عرصے سے یہی کام کر رہے تھے۔

متوسط طبقے کے بیشتر افراد کی طرح ابا نے بھی اپنی اولاد کو زندگی کے میدان میں سربلند اور سرخرو دیکھنے کے لیے ہر جتن کیا تھا۔

اماں سیدھی سادی گھریلو عورت تھیں۔ ذرا سی خوشی پا کر بے اندازہ مسرور ہو جاتیں۔ ذرا سا دکھ انہیں انتہائی آزردہ کر دیتا۔ چھوٹی سی بات پر بری طرح بگڑ جاتیں اور ذرا سی نرم خوئی پر پگھل جاتیں۔

جویا کے بہن بھائیوں میں سارہ آپا سب سے بڑی تھیں۔ آپا نے ایم ایس سی کیا تھا۔ شادی سے پہلے ہی سے وہ سائنسی تحقیق کے ایک ادارے میں ملازمت کر رہی تھیں، ایک ذمے دار عہدے پر فائز تھیں۔ پرکشش تنخواہ اور دیگر مراعات حاصل ہونے کے باعث انہوں نے شادی کے بعد بھی ملازمت جاری رکھی تھی۔

سارہ آپا کے میاں ارشد علی شادی کے وقت ایک آئل ریفائنری میں ملازمت کر رہے تھے۔ شادی کے دو برس بعد انہیں سعودی عرب میں ملازمت مل گئی تو وہ وہاں چلے گئے اور وہاں انہوں نے چار پانچ سال میں اتنا کما لیا جو یہاں تو شاید دس برس میں بھی نہ کما سکتے تھے۔

ارشد بھائی کو سعودی عرب میں ملازمت کرتے ہوئے تقریباً نو سال ہو چکے تھے۔ سال بہ سال چھٹی پر وطن آیا کرتے تھے۔ سارہ آپا بھی کئی مرتبہ سعودی عرب جا چکی تھیں۔ دو مرتبہ حج اور کئی بار عمرہ کی سعادت حاصل کر چکی تھیں۔ ارشد بھائی تو چاہتے تھے کہ بیوی بچے ان کے پاس ہی رہیں مگر سارہ آپا دور اندیشی سے کام لیتی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ میاں بہتر مستقبل کی چاہ میں

پاکستان میں اپنی ملازمت کو خیرباد کہہ کر سعودی عرب گئے تھے اور وہاں ان کی ملازمت جب تک چل رہی تھی، چل رہی تھی۔ خدا جانے کب فارغ خطی تھما دی جاتی۔ سارہ آپا اپنی ملازمت برقرار رکھنا چاہتی تھیں تاکہ جب میاں فارغ کیے جانے کے بعد وطن لوٹیں تو دل قوی رہے۔ علاوہ ازیں سعودی عرب میں رہائش کا مسئلہ اور بچوں کی تعلیم کا ازحد مہنگا ہونا بھی وہ عوامل تھے جو سارہ آپا کو میاں کے پاس مستقلاً رہنے سے روکتے تھے۔ اگر وہ اور بچے بھی وہاں رہتے تو پھر بچت بھی کیا ہوتی۔ میاں سے دوری کا ثمر اپنا گھر، اپنی گاڑی اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں بچوں کی تعلیم کی صورت میسر تھا اور سارہ آپا اسی کو غنیمت جانتی تھیں۔

سارہ آپا کے بعد طارق بھائی تھے۔ انہوں نے معاشیات میں ایم اے کیا تھا۔ پہلے ایک مقامی بینک میں ملازم ہوا کرتے تھے مگر بعد میں انہوں نے ایک غیر ملکی بینک میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔ پھر اپنی پسند سے اپنی ہی ایک کولیگ سے شادی کر لی تھی۔ طارق بھائی ہمیشہ سے خود غرض تھے۔ اپنی خود غرضی کے باعث انہوں نے شادی کے بعد اپنی دنیا گھر والوں سے بالکل الگ تھلگ بسالی تھی۔ بھولے بھٹکے کبھی گھر آ جاتے تو آ جاتے ورنہ مہینوں منہ نہ دکھاتے۔ ان کی بیگم نشاط انتہائی مغرور اور تنک چڑھی خاتون تھیں۔ طارق بھائی کا ایک ہی بیٹا تھا، شارق۔

طارق بھائی کے بعد آصف بھائی تھے جنہیں بھیا کہا جاتا تھا۔ بھیا نے بی کام کیا تھا۔ بینک میں افسری کے خواہاں تھے مگر ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ کچھ عرصہ ایک پرائیویٹ فرم میں ملازمت کی پھر میڈیکل اسٹور پر ابا کے ساتھ بیٹھنے لگے۔ بھیا کی شادی ابا کے ایک دوست کی بھانجی شگفتہ سے ہوئی تھی۔ شگفتہ ایک اچھی اور سمجھدار بہو ثابت ہوئی تھیں۔ بھیا کے دو بچے تھے۔ بیٹی ثمینہ اور بیٹا عاطف۔ تیسرے بچے کی آمد آمد تھی۔

بھیا کے بعد زہرا باجی تھیں۔ تایا ابا کے اکلوتے بیٹے ارشاد سے بیاہی گئی تھیں۔ ارشاد نے ایسوسی ایٹ انجینئر کی سند لے رکھی تھی۔ اپنی آٹو ورکشاپ تھی۔ معقول آمدنی تھی مگر تائی اماں بدترین ساس ثابت ہوئی تھیں۔ چلتے پھرتے بہو پر روک ٹوک رکھتیں اور ذرا سی بات کا جھگڑ بنا دیتیں۔ اماں تو اس وقت کو پچھتاتی تھیں کہ جب انہوں نے ارشاد کا رشتہ منظور کیا تھا۔ اس گھر سے بیٹی لے کر جانے کے بعد تائی اماں تو دشمنوں کی صفوں میں جا بیٹھی تھیں۔ ارشاد بے چارہ مفت میں مارا گیا تھا۔ ماں کا ساتھ دیتا تو بیوی کو شکایت ہوتی۔ بیوی کی حمایت میں بولتا تو ماں دودھ نہ بخشنے کی دھمکی دے دیتیں۔ ارشاد کی دو بہنیں ہمیشہ ماں کے پلیٹ فارم سے بولتیں۔

زہرا باجی کے بعد جویا تھی۔ خوش رو، خوش قامت، خوش مزاج اور خوش سلیقہ۔ پھر تلے پن میں وہ باقی بہنوں کو پیچھے بٹھاتی تھی۔ اماں ابھوں میں زہرا کی شادی کے بعد جس تجربے سے گزری تھیں اس کی بنا پر انہوں نے جویا اور زویا کو کسی بھی قیمت پر اپنوں میں نہ بیاہنے کا فیصلہ کیا تھا بلکہ غیروں میں بھی ساس اور نندوں کی چخ چخ سے دور رہنے کے لیے اکیلے لڑکے دیکھنے کی سوچ رکھی تھی مگر قسمت کی بات کہ جویا کا نصیبہ کھلا تو بھرے پرے گھر میں۔

جویا کے لیے یقین کا رشتہ منظور کرنے میں امی تو خاصی متامل تھیں مگر ابا اور دیگر اہل خانہ

نے امی کو سمجھانے میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا۔

''میاں!'' امی نے کہا۔ ''بہت بڑا کنبہ ہے، مجھے تو ڈر لگتا ہے کہ کہیں میری بچی جنجال میں نہ پھنس جائے۔''

''اللہ پر بھروسا رکھو۔'' ابا نے سمجھایا۔

''اللہ پر بھروسا تو زہرا کی دفعہ بھی کیا تھا۔ کہنے کو اپنے ہیں مگر دیکھ لو، کوئی کسر اُٹھا رکھی ہے تمہاری بھاوج نے۔''

ابا خفیف سے ہو گئے پھر بولے۔

''بھلی عورت! اپنی جگہ پر ارشاد اچھا ہے...... اس سے تو ہمیں کوئی شکایت نہیں...... چچا جان چچی جان کہتے منہ سوکھتا ہے اس کا۔''

''مگر اماں بہنوں کے سامنے اس کی زبان کو تالا لگ جاتا ہے۔''

''سعادت مند ہے۔''

''توبہ! ایسی سعادت مندی جو بیوی کو آٹھ آٹھ آنسو رُلائے، جائے بھاڑ چولھے میں۔ کیا بتاؤں میں کیسے کیسے تنگ کرتی ہیں آپ کی بھاوج اور بھتیجیاں میری بچی کو، بہت سی باتیں تو میں آپ کو بتاتی ہی نہیں ہوں۔''

''تمہیں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں، میں جانتا ہوں مگر تمہیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جہاں تک ارشاد کا تعلق ہے، وہ زہرا کا بہت خیال رکھتا ہے، اسے عیش کراتا ہے۔''

''میاں! بھاڑ میں پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان۔''

''ناشکری مت کرو۔ جو اللہ نے دیا ہے، اس پر صبر و شکر کرو۔''

''آپ کے خیال میں، میں ناشکری کر رہی ہوں۔''

''اور نہیں تو کیا۔'' ابا بولے۔ ''شکر کرو کہ بیٹیاں وقت پر اپنے اپنے گھر بار کی ہوتی جا رہی ہیں ورنہ ایسے بھی گھرانے ہیں جہاں ماں باپ سات سات آٹھ آٹھ جوان لڑکیوں کا بوجھ سر پر اٹھائے بیٹھے ہیں کہ کب کوئی آئے اور ان کا بوجھ ہلکا ہو۔ دور کیوں جاتی ہو، اپنی بہن ہی کو دیکھ لو۔ پانچ بیٹیاں بیٹھی ہیں کہ نہیں۔''

''انہوں نے تو خیر اپنا معیار بہت بڑھا رکھا ہے۔ ڈاکٹر انجینئر سے کم تو وہ تلاش ہی نہیں کرتیں۔'' اماں بولیں۔

''شکر کرو کہ ہمیں تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ اچھے رشتے ازخود ہمارے ہاں آ پہنچے۔''

''میاں! میری بیٹیاں ہیں بھی تو پیاری پیاری۔ سچ کہتی ہوں، جہاں جاتی ہیں، لوگوں کی نظریں انہی پر ہوتی ہیں۔''

''بری بات! غرور نہیں کیا کرتے۔''

''غرور کی بات نہیں میں، تو ایک بات کہہ رہی ہوں۔''

''اچھا خیر...... دیکھو، ان لوگوں کا ارادہ ہے کہ حد سے حد بقر عید کے مہینے میں شادی ہو جائے کیونکہ پھر محرم آ جائے گا۔''

''محرم میں کوئی منع ہے۔''

''بھئی، اس بحث سے کیا فائدہ وہ جو چاہتے ہیں اسے مدِ نظر رکھو۔''

امی کچھ نہیں بولیں۔

''دیکھو۔ اچھے رشتے ٹھکرا دینا بیوقوفی ہوتی ہے۔ میں نے پوچھ گچھ کروالی ہے۔ خاندان اچھا ہے۔ پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ لڑکا برسرِ روزگار ہے۔ اور کیا چاہیے تمہیں!''

''اچھا ٹھیک ہے، مجھے سوچنے کی مہلت تو دیں۔''

سوچنے کی مہلت مانگنا تو فقط ایک بہانہ تھا۔ اماں چاہتی تھیں کہ بات چند دن کو ٹل جائے تو اس دوران وہ اپنی ملنے جلنے والیوں سے کہہ سن کر کسی اکیلے لڑکے کے لیے ہاتھ پاؤں ماریں، کیا عجب کہ کوئی ایسا لڑکا مل جائے جس کے آگے پیچھے کوئی نہ ہو!

زہرا کی شادی کے بعد ساس نندوں سے امی کو ڈر لگنے لگا تھا۔ زہرا جب بھی میکے آتی، اپنے دل پر ساس نندوں کی شکایتوں حکایتوں کا بوجھ لے کر آتی۔

چند دن مہلت کے دوران اماں کو جویا کے لیے ساس نند پروف کوئی رشتہ تو نہ مل پایا البتہ ایک روز خالہ بی نے بڑی رازداری سے ان سے پوچھا۔ ''آپا، سنا تھا کہ جویا کے لیے کوئی رشتہ آیا ہے۔''

''ہاں، آیا ہوا تو ہے۔'' اماں بولیں۔

''تو پھر؟''

امی چپ رہیں۔

''میرا مطلب ہے، کیا ارادہ ہے؟'' خالہ بی کے لہجے میں بے تابی تھی۔

''بھئی، کنبہ بہت بڑا ہے لڑکے کا۔''

''ہاں، بڑا کنبہ ہوتا تو ہے جنجال۔'' خالہ بی بولیں۔

''بھرا پُرا کنبہ ہے، مجھے تو اپنی بچی کو بڑے کنبے میں بیاہتے ڈر لگتا ہے۔''

''معلوم ہوتا ہے، آپ کا اُدھر ارادہ نہیں ہے۔'' خالہ بی نے رازداری سے پوچھا۔

امی نے خالہ بی کی طرف دیکھا پھر بولیں۔ ''جو سچ پوچھو تو میرا دل تو نہیں ٹھک رہا ہے۔''

''اور ساری بات ہوتی ہے دل ٹھکنے کی۔'' خالہ بی نے کہا۔

''ہاں اور کیا۔''

خالہ بی سرک کر اماں کے نزدیک ہو گئیں، پھر اِدھر اُدھر دیکھ کر بڑی رازداری سے بولیں۔ ''اے آپا، خیال نہ کرو تو ایک بات کہوں؟''

''ہاں۔'' اماں نے خالہ بی کو چونک کر دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ...... میں...... میں یہ کہہ رہی تھی......''

"ہاں ہاں، بولو رک کیوں گئیں؟"

"وہ......اگر......اگر......"

"رشیدہ! تمہارے اور میرے بیچ کیا پردہ...... جو کہنا چاہتی ہو، کہہ ڈالو۔"

"پتا نہیں تم کیا سوچو گی۔"

"تم بولو تو سہی۔"

"وہ...... آپا، تم تو جانتی ہو لڑکیوں کے لیے رشتوں کی آج کل کتنی قلت ہے۔ میں یہ کہہ رہی تھی کہ اگر...... اس رشتے کے لیے تمہارا ارادہ نہ ہو تو ان لوگوں کو میرے ہاں بھیج دینا۔"

ان کی منافقت پر اماں دم بخود رہ گئیں۔ ابھی ذرا دیر پہلے ہی تو وہ بڑے کنبے کو جنجال کہہ رہی تھیں!

"آپا، میری بچیاں بھی تو تمہاری بچیاں ہیں۔" خالہ نے لجاجت سے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے رشیدہ مگر...... وہاں بس ایک میرا ہی دل نہیں ٹھک رہا ورنہ تمہارے بہنوئی سمیت سارے گھر والے ہاں کر دینے کو تیار بیٹھے ہیں۔"

"میں نے ایک بات کہی ہے۔" خالہ بی جھینپ کر بولیں۔ "اگر تمہارے ہاں بات نہ بنے تو میری طرف بھیج دینا۔"

"ٹھیک ہے، دیکھیں گے۔" اماں نے کہا۔

اور اسی روز اماں نے جویا کے لیے یقین کے رشتے کو سندِ قبولیت بخش دی!

ڈیڑھ ماہ کے اندر اندر شادی کی تیاریاں ہوئیں اور ۱۲ ذوالحج شادی کی تاریخ ٹھہری۔

شادی کے کارڈ تقسیم ہوئے تو خالہ نے ممانی صاحبہ سے کہا۔ "ہماری آپا ہیں بہت سیانی۔ قربانی کے گوشت سے بیٹی کی شادی کی دیگیں اُتروائیں گی۔"

یہ بات گھومتی گھامتی اماں کے کانوں تک پہنچی تو انہوں نے کہا۔ "میں خوب سمجھتی ہوں کہ رشیدہ کیوں جل رہی ہیں ارے وہ تو اس چکر میں تھیں کہ یہ رشتہ ان کے ہتھے چڑھ جائے۔"

اِدھر کی اُدھر لگانے والوں نے اماں کی یہ بات خالہ بی کو بھی جا سنائی۔ انہیں غصہ تو بہت آیا، طے کیا کہ شادی میں تو کنبے بھی نہیں جائیں گی مگر پھر بیٹیوں کی یہ بات دل کو لگی کہ شادی میں نہ گئیں تو خالہ کے پاس یہ کہنے کو ثبوت ہو جائے گا کہ وہ جل گئیں!

چنانچہ خالہ اپنی پانچوں بیٹیوں کے ساتھ جو زرق برق ملبوسات پہن کر اور بیوٹی پارلر سے میک اپ کروا کے آئی تھیں شادی میں نہ صرف شریک ہوئیں بلکہ "میری جلتی ہے جوتی" کی تفسیر نظر آنے کی کوشش بھی کرتی رہیں اور شادی کی اگلی صبح بھی سویرے ہی وہ کن سُوئیاں لینے کو بہن کے ہاں پہنچ گئیں۔

اماں اور چچی جان کی لڑائی کا اصل حظ تو چپکے چپکے خالہ بی نے ہی اٹھایا۔

☆=====☆=====☆

ظہر کے بعد جویا کے سسرال والے اسے لینے کے لیے آ گئے۔ بیوٹی پارلر سے سہ پہر کا

وقت مقرر تھا۔ شہر کا سب سے بڑا بیوٹی پارلر تھا، وقت کی پابندی کرنے کی سختی سے ہدایت کی گئی تھی۔

ویسے تو گھر میں سوزوکی ہائی روف تھی مگر دولہا دلہن کے لیے گزشتہ روز افتخار احمد کی ٹویوٹا ہائی روف کو فرزین ڈرائیو کر کے لایا۔ کرولا کو یقین ڈرائیو کر رہا تھا۔

جویا کی سسرال کی دو گاڑیاں جب اس کے میکے کے دروازے پر آ کر رکیں تو آس پڑوس میں دیکھنے والوں کی نظروں میں رشک کی کیفیت ڈولنے لگی۔

کیسا نصیبہ کھلا تھا جویا کا!

ساس اور نندیں ایسی سج دھج سے آئی تھیں کہ ان کے زرق برق ملبوسات اور چمکتے دمکتے زیورات نے جویا کے میکے والوں کی آنکھیں خیرہ کر دیں۔

دولہا جس گاڑی میں آیا تھا، اس کے لشکارے دیکھنے سے تعلق رکھتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے چھو دیا تو میلی ہو جائے گی۔

جویا کے میکے والے اُن سب کی تعظیم کو اُٹھ کھڑے ہوئے۔ انہیں بٹھایا اور ان کی خاطر تواضع کا سامان ہونے لگا۔

ساس نے کہا۔ "ہرگز کچھ تکلف نہ کیجئے گا آپ لوگ...... ہم بس دلہن کو لینے آئے ہیں...... بیٹھیں گے نہیں، چلیں گے۔"

"واہ بہن، یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ آئیں اور منہ جُھٹال کر نہ جائیں۔" اماں بولیں۔

"دیکھیے!" انہوں نے اماں کا ہاتھ بڑی اپنائیت سے اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ "ہم آپ اب کوئی دو تو رہے نہیں ہیں، ایک ہیں۔ پھر آئیں گے، پھر سہی۔ اس وقت اجازت دیجئے کیونکہ دلہن کو بیوٹی پارلر بھی جانا ہے۔"

"شربت کا ایک گلاس تو پی لیجئے بہن۔" ابا نے کہا۔

"بھائی صاحب! اپنا ہی گھر ہے، پھر پی لیں گے۔"

تب ہی سارہ آپا، زدیا اور بھابی لوازمات خورد و نوش لیے آگے پیچھے کمرے میں داخل ہوئیں اور انہوں نے یہ سارے لوازمات مہمانوں کے سامنے چن دیے۔

"اوہو! آپ نے تو پلک جھپکتے میں بڑا اہتمام کر ڈالا۔" مدحت بجیا بولیں۔

"کوئی خاص اہتمام تو نہیں۔" سارہ آپا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ! اگر یہ خاص اہتمام نہیں تو پھر خاص اہتمام کسے کہتے ہیں!" مدحت بجیا مسکرا کر بولیں۔

"ارے بیٹے، کچھ بھی نہیں ہے۔ ہم غریبوں کے پاس ہے ہی کیا۔" اماں نے کہا۔

اماں کی یہ خاکساری بہو اور بیٹیوں میں سے کسی کو اچھی نہ لگی اور وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

"یقین کے ساتھ مدحت اور میں آ رہے تھے مگر دلہن کے اشتیاق میں نگہت اور نزہت بھی

ساتھ ہولیں۔" جویا کی ساس کے لہجے میں دھیمی سی معذرت تھی۔

"اچھا ہوا نا۔" اماں بولیں۔" ماشاء اللہ رونق ہوگئی آپ سب کے آجانے سے۔"

"آنٹی! آپ ہمارے غریب خانے کو رونق کب بخش رہی ہیں۔" فرزین نے زویا کو دُزدیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آئیں گے بیٹا۔" اماں نے جواب دیا۔

مدحت بجیا جو خاصی دیر سے فرزین کو چوری چوری زویا کو دیکھتے پا رہی تھیں، معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ فرزین کو دیکھنے لگیں۔

"امی دیر ہو رہی ہے۔ دلہن بھابی کو بیوٹی پارلر بھی لے جانا ہے۔" نگہت نے کہا۔

"اچھا بہن، ہماری دلہن کو ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دیجیے۔"

"آپ کی چیز ہے۔" اماں نے پھر خاکساری دکھائی۔

فرزین نے اپنا منہ نگہت کے کان کے نزدیک کر کے سرگوشی کی۔" ان سے کہیے کہ ایسی ایک آدھ چیز اور بھی ہمارے ساتھ کر دیں۔"

نگہت نے اسے تنبیہی نگاہوں سے گھورا۔

وہ کن انکھیوں سے زویا کو دیکھ کر مسکرانے لگا۔

وہ لوگ جانے کو اُٹھے تو جویا کی ساس نے سمدھیانے والوں سے کہا۔" ان شاء اللہ شب کو آپ سب سے ملاقات ہوگی۔"

"ان شاء اللہ۔" فرزین بڑے خشوع وخضوع سے بولا۔

"بہت شرارتی ہے یہ!" امی نے اسے پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔" بس اب نزہت کے بعد اسی کا نمبر ہے۔"

"تو جلدی کیجیے نا۔" فرزین نے کہا۔

"بہن، یہ شیطان اسی طرح باتیں بناتا ہے۔" جویا کی ساس نے فرزین کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آدمی ہنستا بولتا ہی اچھا لگتا ہے۔"

"شکریہ آنٹی۔" فرزین نے کن انکھیوں سے زویا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ذکر ہے آدمی کا۔" مدحت بجیا نے پیار سے فرزین کو دیکھا۔

"شیطان کا نہیں......" نگہت نے گرہ لگائی۔

"اب آپ لوگ چل بھی چکیں۔" یقین بولا۔

"شکر ہے دولہا بھائی کو بھی بولنا آتا ہے۔" زویا نے کہا۔

"صرف ایمرجنسی میں۔" فرزین مسکرایا۔

"تمہاری چونچ بند ہو تو کوئی دوسرا بولے۔" یقین نے فرزین کو گھورا۔

"بالکل ٹھیک......" نگہت نے تائید کی۔

فرزین نے شاکی نگاہوں سے انہیں دیکھا اور بولا۔" نگی باجی، مجھے آپ سے یہ اُمید نہیں تھی۔"

"داناؤں کا کہنا ہے کسی سے زیادہ اُمیدیں وابستہ نہیں کرنی چاہئیں۔" نگہت نے مصنوعی رُکھائی کا مظاہرہ کیا۔

"اچھا بھئی، اب چلو۔" امی نے کہا۔

رسم مشایعت اس طور عمل میں آئی کہ جب تک دونوں گاڑیاں لد پھند کر جویا کے میکے والوں کی نظروں سے اوجھل نہ ہو گئیں، وہ سب کھڑے ہاتھ ہلاتے اور انہیں دیکھتے رہے۔

☆=====☆=====☆

ولیمے کی تقریب ایک وسیع وعریض سبزہ زار پر منعقد ہوئی، جویا کے میکے والے تقریب میں پہنچے تو وہ مرکز نگاہ بنی اسٹیج پر بیٹھی تھی۔ یقین ان کے آس پاس ہی منڈلا رہا تھا۔ سسرال والوں نے جویا کو گھیر رکھا تھا۔ پیشہ ور اور شوقیہ فوٹوگرافر تصویروں پر تصویریں کھینچ رہے تھے۔ مووی میکر مووی بنا رہا تھا۔ میکے والوں کے ساتھ ایک پیشہ ور فوٹوگرافر اور ایک مووی میکر بھی تقریب میں پہنچے۔ زویا بھی اپنا کیمرہ لے آئی تھی۔

فرزین نے جو اسٹیج کے ایک کونے پر اپنے دو تین دوستوں کے ساتھ کھڑا فوٹوگرافر اور مووی میکر کو ہدایات دے رہا تھا، جویا کے میکے والوں کے ہمراہ آئے ہوئے فوٹوگرافر اور مووی میکر کو بھی اپنی ہدایات میں لے لیا۔

میکے والوں کے ساتھ جویا اور یقین کی تصویریں کھینچی جانے لگیں اور مووی بننے لگی۔ زویا کھٹا کھٹ تصویریں کھینچے گئی۔ فرزین جو دولہا دلہن کے ساتھ اعزہ واقارب کے گروپ ترتیب دینے اور ان کی تصویریں کھنچوانے اور مووی بنوانے کے سلسلے میں خاصا فعال دکھائی دے رہا تھا، زویا کو کچھ دیر تک تو تصویر پر تصویر کھینچتے دیکھتا رہا پھر بولا۔" آپ بھی گھر والوں کے ساتھ دو چار گروپ فوٹو کھنچوا لیں۔"

"شکریہ۔ مجھے تصویریں کھنچوانے کا شوق نہیں۔" زویا نے جویا اور یقین کا اماں اور ابا کے ساتھ ایک اور گروپ فوٹو لینے کی تیاری کی۔

"حیرت ہے۔" فرزین دھیرے سے بولا۔

"جی ہاں، حیرت تو مجھے بھی ہے۔" زویا نے کیمرے سے ذرا کی ذرا آنکھ ہٹا کر اسٹیج کے بالکل کنارے پر کھڑے فرزین کی طرف دیکھا اور پھر دوبارہ کیمرے کو آنکھ سے لگاتے ہوئے بہ آواز بلند بولی۔" اماں ذرا مسکرائیے تو سہی۔"

اماں اپنے دوپٹے کا کنارا ہونٹوں میں دباتے ہوئے مسکرا دیں۔

زویا نے تصویر کھینچ لی۔

"اب بس کرو، بہت کھینچ گئیں ہماری تصویریں۔" اماں نے زویا کی طرف دیکھا۔

"اچھا اماں۔"

اسٹیج کے دائیں طرف مردوں کے بیٹھنے کا بندوبست تھا۔ بائیں طرف خواتین کے لیے بندوبست تھا۔ مرد اُدھر چلے گئے۔ اماں نے بہو اور بیٹیوں کے ساتھ اسٹیج کے نزدیک ہی میزیں گھیر لیں۔ بھابی کچھ دیر سب کے ساتھ بیٹھی رہیں، پھر جب ان کے اپنے میکے والے تقریب میں آپہنچے تو وہ ساس نندوں کے پاس سے اُٹھ کر ان لوگوں کے ساتھ جا بیٹھیں۔

اماں کی نظر بار بار جویا کی طرف اُٹھ رہی تھی اور وہ دل ہی دل میں بدنظروں سے جویا کے محفوظ و مامون رہنے کی دعائیں مانگ رہی تھیں۔

"اماں۔" سارہ آپا نے جو اماں کے دائیں جانب کرسی پر بیٹھی تھی، سرگوشی میں اماں سے کہا۔ "جویا ماشاء اللہ بہت اچھی لگ رہی ہے۔"

"اللہ نظر بد سے بچائے۔"

"چچی جان آئی ہوتیں تو اسے دیکھ کر جل مرتیں۔"

"اچھا ہوا جو نہیں آئیں، ان کی نظر سے تو اللہ بچائے۔ میں کئی مرتبہ آزما چکی ہوں۔ پتھر کو توڑ ڈالتی ہے اُن کی نظر!"

دفعتاً اماں کی نظر بہو اور ان کی بڑی بہن پر پڑی جو اسٹیج سے ذرا پرے کھڑی جویا کی نند مدحت سے باتیں کر رہی تھیں۔ "اے سارہ!" اماں نے سارہ آپا کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔ "یہ ہماری دلہن اور ان کی بہن جویا کی نند سے کھڑی کیا باتیں کر رہی ہیں۔"

"پتا نہیں۔"

"ذرا جا کر سنو تو سہی۔"

"رہنے دیں اماں۔" سارہ آپا دھیرے سے بولیں۔ "بھابی سوچیں گی کہ کن سوئیاں لینے آگئیں۔"

"کن سوئیاں لینے کی کیا بات ہے! ایسے موقعوں پر ہشیار رہنا پڑتا ہے۔ خوش ہونے والے کم ہوتے ہیں، جلنے والے زیادہ۔ کیوں زہرا، غلط کہہ رہی ہوں؟"

"نہیں اماں، آپ بالکل ٹھیک بات کہہ رہی ہیں۔" زہرا باجی نے تائید کی پھر درد بھرے لہجے میں بولیں۔ "اس وقت آپ کی جگہ ہماری ساس ہوتیں اور بھابی کی جگہ میں تو ساس اماں اب تک میرے اردگرد جاسوسوں کا جال بچھا چکی ہوتیں۔"

"سنا سارہ!" اماں نے سارہ آپا کو جتایا۔

"جی سنا مگر......"

"مگر کیا؟"

"آپ کتنا بھی کہیں، میں ان لوگوں کی طرف ہرگز نہیں جاؤں گی۔"

تب ہی زویا ان تینوں سے کچھ فاصلے پر اپنے کیمرے کی جانب ان کی توجہ مبذول کراتی دکھائی دی۔

"زویا بہت ہی بیوقوف ہے، خواہ مخواہ ریل ضائع کرتی پھر رہی ہے۔ اس سے تو اچھا تھا

کہ ہم لوگوں کی تصویر کھینچ لیتی۔" زہرا باجی بولیں۔

"اے لو، کھینچ لی اس نے تینوں کی تصویر۔" سارہ آپا نے کہا۔

"بیوقوف لڑکی!" زہرا باجی بڑبڑائیں۔

زویا تصویر کھینچنے کے بعد ان لوگوں سے باتیں کرنے لگی۔ ان تینوں کے چہروں پر ڈولتی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بھی ہلکورے لینے لگی تھی۔

"سارہ، جاؤ تو سہی۔"

"اماں، زویا کھڑی تو ہے ان لوگوں کے پاس۔"

"ارے، وہ تو ایک نمبر کی بیوقوف ہے۔ اُن کی سننے کی بجائے اُن سے اُلٹا نہ جانے کیا کہہ سن دے گی۔ تمہارا جانا ضروری ہے۔"

"اماں، آپ برا مانیں یا بھلا، میں نہیں جاؤں گی۔ مجھے کن سوئیاں لینا اچھا نہیں لگتا۔"

"اچھا مت جاؤ۔" اماں چڑ گئیں۔ "زہرا بیٹی ذرا تم جا کر سنو۔"

تب ہی زویا ان لوگوں کے پاس سے ہٹ کر اماں اور بہنوں کی طرف آتی دکھائی دی۔ زہرا باجی اُٹھتے اُٹھتے بیٹھ گئیں۔

"ایک تصویر یہاں بھی ہو جائے۔" زویا نے اماں اور بہنوں کے نزدیک آ کر پھر کیمرہ سنبھالا۔

اماں نے زویا کو اشارے سے اپنے نزدیک بلا کر سرگوشی میں پوچھا۔ "ان لوگوں سے کیا باتیں کر رہی تھیں تمہاری بھاوج؟"

"کن لوگوں سے اماں؟"

"دلہن، ان کی بہن اور جویا کی نند سے۔"

"کوئی خاص بات نہیں۔"

"اماں، اب اتنی بیوقوف بھی نہیں ہیں بھابی کہ زویا کے سامنے جویا کی نند سے کوئی اُلٹی سیدھی بات کریں گی۔"

"دیکھیں...... دیکھیں اماں، پھر کچھ باتیں ہو رہی ہیں۔" زہرا باجی کی نگاہیں بھابی جان، ان کی بہن اور جویا کی نند پر جمی تھیں۔

زویا دھیرے سے مسکرا دی اور بولی۔ "آپ لوگ فکرمند نہ ہوں۔ وہ ہم لوگوں کے خلاف کوئی سازش ہرگز نہیں کر رہی ہیں، دراصل بھابی کی بہن زرینہ آپا اور مدحت بجیا اسکول کے زمانے میں ہم جماعت رہی تھیں۔ عرصہ دراز بعد ملیں تو دونوں ایک دوسرے کو پہچان گئیں۔ اسی زمانے کی باتیں کر رہی ہیں۔"

"چلو ان کے اسکول کے زمانے ہی کی سہی، میں جا کر سنتی ہوں کہ کیا باتیں ہو رہی ہیں۔" زہرا باجی اپنا بھاری آنچل سنبھالتے ہوئے اُٹھیں۔

مگر عین اسی لمحے بھابی جان اور زرینہ آپا اپنی منزل کی طرف اور مدحت بجیا اسٹیج کی

جانب بڑھ گئیں۔

زدیا نے مسکراتے ہوئے زہرا باجی کو دیکھا۔ وہ خفیف دکھائی دینے لگی تھیں۔

"آپ لوگ ایک تصویر کھنچوانے کے لیے تیار ہو جائیں۔" زدیا نے اماں اور بہنوں سے کہا۔

"رہنے دو، اب کھانے کے وقت لینا۔" زہرا باجی بولیں۔

"پلیز!" زدیا نے کیمرہ آنکھ سے لگا لیا۔

اماں سنبھل کر بیٹھ گئیں۔

کھانے کے وقت جب زدیا تصویریں کھینچتی پھر رہی تھی، فرزین نے اسے آ لیا......

"ایکسکیوزمی۔"

"جی فرمائیے۔"

ایک تصویر ہماری بھی کھینچ لیجیے۔"

"پلیز! فوٹو گرافر پھر رہے ہیں، ان میں سے کسی سے کھنچوا لیجیے۔"

"مگر میں آپ ہی سے کھنچوانا چاہتا ہوں۔"

"تب تو آپ کی یہ خواہش ناتمام رہے گی۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ میں چہرہ دیکھ کر تصویر کھینچتی ہوں۔"

"کیا مطلب؟" وہ ہڑبڑا گیا۔

اس کی ہڑبڑاہٹ پر زدیا بے ساختہ ہنس پڑی۔

"اس چہرے پر سیکڑوں لڑکیاں مرتی ہیں۔" وہ اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

"ظاہر ہے ایسا چہرہ دیکھ کر مر ہی سکتی ہیں، جی تو نہیں سکتیں۔"

"کیا کہنا چاہتی ہیں آپ!"

"وہی جو آپ سمجھے ہیں۔"

"اور اگر میں یہ کہوں کہ میں کچھ نہیں سمجھا۔"

"تو میں یہ سمجھوں گی کہ آپ بہت ناسمجھ ہیں۔"

"بہت منہ پھٹ ہیں آپ۔"

"شکریہ!"

"عجیب لڑکی ہیں آپ!"

"نوازش!"

"مائی گاڈ!" وہ زچ ہو کر بولا۔

وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"بائی دی وے، آپ کرتی کیا ہیں؟"

"جھک مارتی ہوں۔" وہ اپنے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے بولی۔

چند ثانیے وہ اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "کھانا کھا لیجیے۔"

"کیوں؟"

"کھانا کھانا جھک مارنے سے بہرحال بہتر ہوتا ہے۔"

اب زدیا کے ہڑبڑانے کی باری تھی۔

☆=====☆=====☆

اگلے روز جویا کی سسرال میں سب دن چڑھے تک سوتے رہے۔ جویا کی آنکھ کھلی تو وہ یقین کو بستر پر سے غائب پا کر چونک گئی لیکن پھر ملحقہ باتھ روم میں پانی گرنے کی آواز سے سمجھ گئی کہ وہ کہاں تھا۔ دیوار گیر گھڑی گیارہ بج کر بارہ منٹ کا وقت ظاہر کر رہی تھی۔

اوہ! تو وہ اتنی دیر تک اور اس قدر گہری نیند سوتی رہی تھی۔

رات بستر پر لیٹتے لیٹتے تین بھی تو بج گئے تھے۔

تو کیا ہوا۔

اس کے میکے میں تو چاہے کسی بھی سبب سے، کتنی ہی دیر میں بستر پر کیوں نہ جایا جاتا، اماں صبح ہی جگانے کھڑی ہو جاتیں۔

چھٹی والے دن بھی اماں صبح سویرے ہی آوازیں لگانا شروع کر دیتیں۔

ابا کہتے۔ "نیک بخت! سونے دو بچوں کو۔"

"اجی! فرشتے رزق بانٹتے پھر رہے ہیں، سونے والوں کو کچھ نہیں ملے گا۔"

"نہ ملے، ہم ایک روز بھوکے رہ لیں گے۔" ایک دن زدیا نے اماں کی مسلسل آوازوں سے زچ ہو کر کروٹ لیتے ہوئے کہا۔

اماں نے سینے پر ہاتھ رکھا اور دہل کر بولیں۔ "توبہ توبہ! کیا بک رہی ہے لڑکی۔"

"اماں سونے دیں پلیز!" وہ آنکھیں کھولے بنا منمنائی اور جویا دم سادھے پڑی رہی۔

"سونے والوں کا رزق فرشتے سمندروں میں ڈال جاتے ہیں۔"

"آخر سمندری مخلوق کو بھی تو رزق چاہیے۔" زدیا کروٹ لے کر پڑ گئی۔

"آٹھ بجنے والے ہیں۔ لڑکیوں کو تو صبح سویرے جاگنے کی عادت رکھنی چاہیے۔ کیا پتا، کیسے گھر میں نصیبہ کھلے۔ ویسے بھی صبح اٹھنا اچھا ہوتا ہے۔ صبح دیر تک اینڈنے والوں کا مقدر بھی سویا رہتا ہے۔ ہمارے زمانے میں تو اللہ بخشے، ہمارے ابا فجر کے وقت ہم سب بہن بھائیوں کو جگانے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ سردیوں میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرواتے اور اپنے سامنے نماز پڑھواتے۔ ایک آج کل کا زمانہ ہے کہ ہم اٹھا رہے ہیں اور صاحبزادیاں اٹھ کر نہیں دے رہیں۔"

اماں دیر تک لیکچر دیتی رہیں۔

ناچار انہیں جاگنا پڑا۔

جویا کے میکے میں بیٹیوں کا حد سے حد دیر تک سونے کا ریکارڈ تقریباً ساڑھے آٹھ بجے صبح تھا اور بیٹے بہو کا شادی کے ابتدائی دنوں میں پونے دس بجے صبح۔ شادی کے چھٹے ساتویں روز ہی اماں نے صبح آٹھ بجے بیٹے بہو کے کمرے کا دروازہ دھڑ دھڑا دیا تھا!

اور یہاں سسرال میں جویا کی آنکھ پونے بارہ بجے کے بعد کھلی تھی!

اوہ خدایا!

اماں کو خبر ہو گئی تو وہ سنائیں گی کہ الاماں!

اور یہاں بھی کیا عجب کہ ساس اماں صبح کمرے کا دروازہ دھڑ دھڑا کر جا چکی ہوں اور اب منہ پھلائے گرجنے برسنے کو تیار بیٹھی ہوں۔ آخر کل بھی تو کمرے کا دروازہ پونے گیارہ بجے دھڑ دھڑایا ہی گیا تھا۔

وہ متوحش ہو کر اٹھی اور بستر چھوڑ کر یقین کے باتھ روم سے نکلنے کا انتظار کرنے لگی۔

یقین باتھ روم سے نہایا دھویا اور تر و تازہ نکلا۔

"صبح بخیر۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"صبح کہاں اب تو دوپہر ہونے والی ہے۔"

"چالیس سیکنڈ باقی ہیں ابھی۔" وہ گھڑی کی طرف دیکھ کر بولا۔

"خدایا! اتنی دیر تک سوتی رہی میں!"

"تمہی نہیں، میں بھی مگر اس میں اس قدر پریشان ہونے کی کیا بات ہے!"

"اتنی دیر سونا اچھی بات نہیں ہوتی۔"

"بھئی! مجھے اگر آفس نہ جانا ہوا کرے تو میں تو سونے کے سوا کوئی اور دوسرا کام ہی نہ کروں۔"

"یا اللہ سونے کے اس قدر شوقین ہیں آپ!"

"جناب!"

وہ اپنے کپڑے لیے باتھ روم میں جا گھسی۔

نہا دھو کر باتھ روم سے نکلی تو یقین کو چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے اخبار کی ورق گردانی کرتے پایا۔ ناشتہ کمرے میں پہنچایا جا چکا تھا۔

"آؤ بھئی، ناشتہ کرلو۔"

"ارے! آج ناشتہ یہیں آ گیا!"

"جی ہاں۔"

"ظاہر ہے، یہی ہونا تھا۔ یہ شریف آدمیوں کے ناشتے کا وقت تو نہیں ہے۔"

"بھئی، ہم اگر دفتر سے چھٹی پر ہوں تو ہمارے ناشتے کا وقت یہی ہوتا ہے۔"

وہ دونوں ناشتہ کر ہی رہے تھے کہ کمرے کے دروازے پر دستک سنائی دی۔

"کون؟" یقین نے پوچھا پھر بولا۔ "اندر آ جائیں۔"

دروازہ دھیرے سے کھلا اور نزہت نے کمرے میں جھانک کر پہلے نئی نویلی بھاوج کو سلام کیا، پھر دروازے کے باہر ہی کھڑے کھڑے پوچھا۔ "کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟"

"نہیں..... سب کچھ ہے۔" یقین نے جواب دیا۔

"اوکے۔" اس نے دروازہ اپنی طرف کھینچتے ہوئے بند کر دیا۔

ناشتے کے بعد جویا نے برتن سمیٹنے چاہے تو یقین اس کا ہاتھ روکتے ہوئے بولا۔ "تم رہنے دو، موجو لے جائے گا۔"

"موجو؟"

"یہ موجو بھلا کیا نام ہوا؟"

"موجو اس کا نک نیم ہے۔ اصل نام مجید ہے۔"

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا بیٹھی۔ یقین اخبار لیے بستر پر نیم دراز ہو گیا۔

جویا میک اپ کر رہی تھی کہ دروازے پر پھر دستک سنائی دی۔ جویا نے چونک کر پہلے دروازے کی طرف پھر یقین کی جانب دیکھا۔

"ہاں بھئی، کون ہے؟" یقین نے بہ آواز بلند پوچھا۔

"موجو۔" جواب آیا۔

"اندر آ جاؤ۔"

موجو کتھئی رنگ کی شلوار قمیص میں ملبوس شرمایا شرمایا سا کمرے میں داخل ہوا۔ جویا کی توجہ اسی کی طرف تھی۔

"سلام علیکم۔" اس نے جویا کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔"

"برتن لے جاؤں جی؟" اس نے یقین سے پوچھا۔

"ہاں، لے جاؤ۔"

وہ برتن سمیٹنے لگا اور جویا دوبارہ اپنی آرائش میں مصروف ہو گئی۔ یقین اخبار پڑھنے لگا۔

تیار ہونے کے بعد وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے اُٹھ کر یقین کے نزدیک آ کھڑی ہوئی اور دھیرے سے کھنکارا۔ یقین نے اخبار منہ کے سامنے سے ہٹا کر اسے دیکھا۔ وہ جوں کی توں کھڑی ایک انداز خاص سے اسے دیکھتی رہی۔ یقین اُٹھ بیٹھا اور اس نے اخبار تہہ کر کے تکیے کے نیچے رکھ دیا۔ اس کے اس تمام عمل کے دوران بھی وہ جوں کی توں کھڑی رہی۔

"یہی پوچھنا چاہتی ہو نا کہ کیسی لگ رہی ہوں؟" یقین اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

وہ مسکرا دی۔

"اچھی لگ رہی ہو!"

"صرف اچھی۔"

"بہت اچھی۔"

"اچھے۔" جویا نے جھک کر اس کا بازو تھامتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟"

"امی کو سلام نہیں کروں گی کیا؟"

"بھئی، میں تو کر آیا۔ اب تم جاؤ۔"

"اکیلی!"

"تو کیا ہوا، باہر کوئی شیر تو کھلا گھوم نہیں رہا۔"

"اکیلے جاتے مجھے شرم آئے گی، آپ بھی چلیں۔"

"گویا ہم سے شرم جاتی رہی!"

اس نے جھینپ کر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔

"اچھا صاحب، چلے چلتے ہیں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

یقین کے ساتھ وہ اپنے کمرے سے باہر نکلی تو سب سے پہلے فرزین سے ٹکراؤ ہوا۔

"آداب بھابی جان۔" وہ بولا۔

جویا نے اس کے آداب کا جواب مسکراہٹ سے دیا۔

کچن کے سامنے سے گزرتے ہوئے نزہت کچن میں مصروف کار دکھائی دی۔

"کیا ہو رہا ہے بھئی؟" یقین نے کچن میں جھانکا۔ جویا اس کی آڑ میں کھڑی تھی۔

نزہت نے بے ساختہ چونک کر پلٹتے ہوئے دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔

"السلام علیکم بھابی جان۔"

جویا نے سلام کا جواب دیا۔

"رو کیوں رہی ہو؟" یقین نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"رو تو نہیں رہی۔" نزہت جھینپ کر بولی۔ "پیاز کتر رہی ہوں۔"

"جویا! یہ ہماری سب سے چھوٹی اور پیاری بہن ہے نزہت۔"

جویا نزہت کو دیکھ کر مسکرا دی۔

"امی کہاں ہیں؟"

"ٹی وی لاؤنج میں۔"

جویا یقین کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں پہنچی تو امی ماسی سے اپنی نگرانی میں پونچھا لگوا رہی تھیں۔ امی سے ہوتی ہوئی ماسی کی نظر دونوں پر پڑی اور وہ کام سے ہاتھ روک کر پُر اشتیاق نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگی۔ امی نے اپنی نگاہیں ماسی کی نگاہوں کے تعاقب میں دوڑائیں اور "بسم اللہ" کہتی جویا کی طرف بڑھیں۔

جویا نے انہیں آداب کہا۔

"جیتی رہو، سکھی رہو، شاد آباد رہو، پھلو پھولو، عیش کرو۔" امی نے ایک ہی سانس میں کئی دعائیں دے ڈالیں اور اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے ماسی کو ہدایت کی۔ "ادھر کونے میں ذرا دوبارہ ہاتھ مارو۔" پھر جویا سے بولیں۔ "ان لوگوں سے جب تک سر پر کھڑے ہو کر کام نہ لو ٹھیک سے کام ہی نہیں کرتے۔"

"جی۔" جویا نے تائید کی پھر معذرت خواہانہ لہجے میں بولی۔ "سوری امی...... میری بہت دیر میں آنکھ کھلی۔"

"اس میں سوری کی کیا بات ہے! رات واپسی بھی بہت دیر سے ہوئی تھی۔ اچھا ہوا دیر تک سوئیں، تھکن اتر گئی ہوگی۔ ذہین تو اب تک پڑا سو رہا ہے۔ ناشتہ اچھی طرح کیا؟"

"جی۔"

"اور سب لوگ کہاں ہیں امی؟"

"سب لوگ کون! نگہت اور افتخار تو رات ولیمے کے بعد ہال سے سیدھے اپنے گھر ہی چلے گئے تھے۔ مدحت گئیں یونیورسٹی، فرزین ابھی میرے پاس سے اٹھ کر گئے ہیں۔ نزہت کو میں باورچی خانے میں کام کرتا چھوڑ آئی تھی۔"

"اور ابا کہاں ہیں؟"

"ہم یہاں ہیں۔" ابا لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے بولے۔

ان کی آواز نے یقین اور جویا کو چونکا دیا۔

"اے لو تم نے پوچھا اور وہ آ گئے۔" امی مسکرائیں۔

"بیگم صاحبہ! حیات خضر لے کر آئے ہیں ہم۔" ابا نے کہا۔

"ماسٹر صاحب! اللہ آپ کی عمر دراز کرے۔" امی بولیں۔

امی سے شادی کے وقت ابا ایک اسکول ماسٹر ہوا کرتے تھے۔ تب سے جو امی نے انہیں ماسٹر صاحب کہنا شروع کیا تھا تو اب تک ماسٹر صاحب ہی کہتی چلی آ رہی تھیں حالانکہ بعد میں ابا انیس برس تک لیکچرار اور پھر تیرہ سال تک کالج کے پرنسپل رہے تھے۔

امی سے بہت خوش طبعی سے بات کرتے ہوئے ابا جویا کے نزدیک آئے تھے۔ اس نے انہیں ادب سے سلام کیا۔

ابا نے سلام کا جواب دینے کے بعد اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے دعا دی۔ "خوش رہو۔"

"ماسٹر صاحب! نئی اور پہلی بہو ہے، خالی دعا سے کام نہیں چلے گا۔" امی نے کہا۔

"اچھا بھئی، اچھا۔" ابا مسکرا دیئے اور انہوں نے اپنی جیب سے ایک لال نوٹ نکال کر جویا کی طرف بڑھا دیا۔ جویا نوٹ لینے سے متردد ہوئی۔

"لے لو دلہن۔" امی نے جویا سے کہا۔

جویا نے اجازت طلب نگاہوں سے یقین کی طرف دیکھا۔

وہ ہنس دیا پھر بولا۔ ”میری طرف کیا دیکھ رہی ہو!“

اس نے شرماتے ہوئے نوٹ تھام لیا۔

بابا دوبارہ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بہت مشفق اور میٹھے لہجے میں بولے۔ ”اب تو تم ہماری بیٹی ہو اور ہم تمہارے بابا ہیں، بالکل ویسے ہی جیسے یقین کے ہیں، ہم سے تو تم لڑ جھگڑ کر لے سکتی ہو..... حق ہے تمہارا..... کیا سمجھیں۔“

”شکریہ۔“ وہ دھیرے سے بولی۔

بابا نے اس کا سر تھپتھپا دیا۔

ماسی موقع سے فائدہ اٹھا کر جلدی جلدی پونچھا مار کر لاؤنج سے برآمدے میں نکل گئی تھی۔

”ذرا میں ماسی کو دیکھوں، نظر بچتے ہی یہاں سے تو نکل لی۔ آن کی آن برآمدے میں پونچھا لگا کر کھڑی ہوگی کہ لو میں نے تو پونچھا لگا دیا اور کر دی صفائی۔“ امی نے برآمدے میں ماسی کے کام کی نگرانی کو اٹھتے ہوئے کہا۔

”بیگم صاحبہ! ملازموں کو بھی کبھی ان کی اپنی مرضی سے کام کرنے دینا ان کی صحت پر خوشگوار اثرات مرتب کیا کرتا ہے۔“ بابا کے لہجے سے عیاں تھا کہ وہ یہ بات ازراہِ تفنن کہہ رہے تھے۔

”جی ہاں..... کیوں نہ ہوں گے خوشگوار اثرات بدحرام جو ہو جاتے ہیں۔“ امی بولیں پھر انہوں نے جویا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں ابھی آئی دلہن۔“

امی نے باہر کے رخ پیش قدمی کی۔

”تمہاری ساس کو صفائی کا بہت ہی شوق ہے۔“ بابا نے کہا۔

امی جاتے جاتے پلٹیں اور بابا کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔ ”تکلفاً شوق کیوں کہہ رہے ہیں، وہی لفظ استعمال کیجیے نا جو آپ کیا کرتے ہیں۔“

بابا قدرے جھینپ سے گئے۔

”پتا ہے دلہن کیا کہتے ہیں یہ؟“ امی نے جویا کی طرف دیکھا۔

جویا ہمہ تن متوجہ دکھائی دینے لگی۔

”بچوں سے کہا کرتے ہیں کہ تمہاری ماں کو تو ہمیشہ سے صفائی کا مراق ہے۔ لیجیے صاحب اگر ہم صفائی ستھرائی کے عادی ہیں تو ان کے خیال میں یہ اچھی عادت نہیں بلکہ مراق ہے۔“

”برا مان گئیں!“

”تو اور کیا، اچھا مانوں گی..... ارے ماسٹر صاحب، جب تک چل پھر رہی ہوں، شکر کیجیے۔ جس دن بیٹھ گئی نا تو کوئی اٹھائے نہ اٹھا پائے گا مجھے۔“ امی یہ کہتی ہوئی ٹی وی لاؤنج سے نکل گئیں۔

”بیٹا! بہت اچھی گزرے گی تمہاری امی کے ساتھ ہماری۔“ بابا نے یقین سے کہا اور جویا کو ایا

یاد آ گئے، ان کا بھی تو یہی کہنا تھا۔

باہر برآمدے میں ماسی پر امی کے چلانے کی آواز سنائی دی۔ ”مجھے پتا تھا کہ تو نظر بچتے ہی آگے نکل لے گی..... دوبارہ..... دوبارہ لگا پونچھا۔“

”لو بیٹی، تمہاری ساس اور ماسی کے مذاکرات شروع ہو گئے۔“ بابا نے مسکرا کر کہا۔ ”ہی ماسی رکھی ہے، انہوں نے۔“ جویا کے لبوں پر بھی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

تب ہی نزہت موجو کو اپنے ہمراہ لیے لاؤنج میں داخل ہوئی۔ اس نے اپنے ہاتھ میں چاندی کی چھوٹی سی منقش پان تھالی لے رکھی تھی۔ موجو نے ایک ٹرے اٹھا رکھی تھی جس میں انگوروں سے لدا پیالہ اور بسکٹوں کی پلیٹ رکھی تھی۔

”سوری بابا، آپ کو پان دینے میں دیر ہو گئی۔“ نزہت نے کہا۔

”کوئی بات نہیں بیٹی۔“ بابا نے اتنی نرمی سے کہا کہ جویا ان کے لہجے کی حلاوت سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکی۔

موجو نے انگور اور بسکٹ میز پر رکھ دیے۔

”کچھ لیں گے بابا آپ؟“ نزہت نے پوچھا۔ ”کچھ“ سے اس کی مراد انگور یا بسکٹ تھے۔

”مجھے تو تم پان دے دو۔ بہت موقع سے لائی ہو۔ بڑی طلب ہو رہی تھی اس وقت۔“ بابا بولے۔

نزہت نے پان تھالی بابا کی طرف بڑھائی۔ انہوں نے پان کے ٹکڑے پر چند دانے چھالیہ کے اور ایک الائچی ڈال کر گلوری بنائی اور منہ میں رکھ لی۔

پان تھالی میز پر رکھتے ہوئے نزہت نے جویا کی توجہ انگوروں اور بسکٹوں کی جانب مبذول کراتے ہوئے کہا۔ ”بھابی لیجیے نا!“

”ابھی تو ناشتہ کیا ہے نا۔“

”ارے تو کیا ہوا!“ امی لاؤنج میں پلٹ آئی تھیں۔ ”ماشاءاللہ جوان ہو، ادھر کھایا اُدھر ہضم..... لو دلہن.....“ امی نے انگور کے ایک خوشے میں دو چار دانے توڑ کر منہ میں ڈالنے کی تیاری کی۔

تبھی فرزین لاؤنج میں داخل ہوا۔

جویا نے بڑی نزاکت سے ایک انگور توڑا اور منہ میں رکھ لیا۔

امی ہنس دیں۔

”واہ! بہت کمال کیا۔ ارے دلہن، ایک خوشہ اٹھاؤ اور منہ سے لگا لو۔“

فرزین نے ایک خوشہ اٹھا لیا اور اپنے منہ کے نزدیک کرتے ہوئے بولا۔ ”ایسے“ جویا دھیرے سے مسکرا دی۔

”نزہت بیٹی، آج دوپہر کے کھانے کا مینو کیا ہے؟“ بابا نے نزہت سے پوچھا۔

''کھڑے مصالحے کا گوشت، مٹر پلاؤ اور کچے قیمے کے کباب۔'' نزہت نے بتایا۔

''بیٹا! کچھ ہمارے مطلب کی بات کرو۔'' بابا بولے۔

''اپنے بابا کو تو پہلے یہ بتا دیا کرو کہ میٹھے میں کیا ہے۔'' امی نے نزہت سے کہا پھر جویا سے بولیں۔ ''تمہارے سسر میٹھے کے تو بہت ہی شوقین ہیں۔''

''بابا ٹرائفل بنا کر فریج میں ٹھنڈی ہونے کو رکھ دی ہے۔'' نزہت نے بابا کو بتایا۔

''واہ! جیتی رہو۔''

''اے دلہن! بس ایک انگور توڑ کر رہ گئیں۔'' امی نے جویا سے کہا۔ ''کوئی دیکھنے کو تو رکھے نہیں ہیں...... کھاؤ...... یہ نئے نئے دن تو دلہنیں اُٹھتے بیٹھتے کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے میں گزارا کرتی ہیں۔''

جویا ایک ایک انگور ٹونگنے لگی۔

''فرزین! اب کی بار کتنے دن کا قیام ہے؟'' یقین نے فرزین سے پوچھا۔

''بس کوئی ہفتہ بھر۔''

''پھر؟''

''پھر ہم ہوں گے، سمندر ہوگا۔''

''بیٹا، ڈیڑھ دو سال سے مستقل سفر ہی میں ہو۔ دو تین ماہ کی چھٹی لے کر گھر بیٹھو۔'' امی نے کہا

''بے مقصد چھٹی لے کر بیٹھنے سے کیا فائدہ امی؟''

''سن رہی ہیں امی۔'' یقین مسکراتے ہوئے بولا۔

''ہاں، سمجھ رہی ہوں۔ بس ذرا نزہت کی ہو جائے پھر فرزین کا نمبر ہے۔''

''اوہ نو! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' فرزین جھینپ گیا۔

دو چار انگور ٹونگنے کے بعد جویا نے پھر ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

''ان شاء اللہ تمہارے لیے میں اور دلہن مل کر لڑکی ڈھونڈیں گے۔''

''امی، میں بھی!'' نزہت بولی۔

''اوئی! تو کیا تم یہیں بیٹھی رہو گی۔''

''بلا لیا کیجیے گا نا امی۔'' فرزین نے نزہت کو چھیڑنے کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

''اللہ! فرزین بھائی۔'' نزہت نے منہ بسورا۔

دو چار انگور ٹونگنے کے بعد جویا نے پھر ہاتھ کھینچ لیا تھا اور کن انکھیوں سے یقین کو دیکھ رہی تھی۔

''آپ میں سے کسی کو چائے یا کافی کی ضرورت ہے؟''

''یس پلیز!'' فرزین نے ہاتھ اُٹھاتے ہوئے کہا۔ ''بلیک کافی۔''

''کسی اور کو؟'' نزہت نے باقی افراد سے پوچھا۔

سب چپ رہے۔

''بھائی جان آپ؟''

''نہیں شکریہ۔''

''میرا خیال ہے دلہن، تم اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔ دو دن تک گھنٹوں گھنٹوں دلہن بنے بیٹھے رہنے کی تھکن ابھی بھلا کہاں اُتری ہوگی۔''

جویا محجوب ہوگئی۔

یقین فوراً یوں اُٹھ کھڑا ہوا، جیسے اسی لمحے کا تو منتظر تھا۔

☆=====☆=====☆

دوپہر کا کھانا یونیورسٹی سے مدحت بجیا کی واپسی پر کھایا جاتا۔ حسب معمول اُس روز بھی بجیا کے آنے تک کھانا تیار ہو چکا تھا اور موجو نے میز پر برتن بھی چن دیے تھے۔ بجیا کے آنے کے بعد کھانا نکلوانے سے قبل امی نے یقین اور جویا کو کھانے کے لیے بلوایا تو جواب آیا۔ ''آپ لوگ کھا لیں، ہم تھوڑی دیر بعد کھائیں گے۔''

''مدھو بیٹا تم تو دن بھر کی بھوکی ہوگی، تم کھا لو۔'' امی نے مدحت بجیا سے کہا۔

''کوئی بات نہیں امی۔ تھوڑی دیر انتظار کیے لیتے ہیں۔'' مدحت بجیا بولیں۔

''اللہ نہیں! ہم ہیں بھوک کے کچے، ہم سے انتظار نہیں ہوگا۔'' نزہت نے منہ بسورا۔

''ایک دن دیر سے کھا لو گی تو مر نہیں جاؤ گی۔'' امی نے اسے گھورا۔

''ہو سکتا ہے مر ہی جاؤں۔''

''تب تو تمہیں ہرگز کھانا نہیں کھانا چاہیے۔'' فرزین مسکرایا۔

''کیوں؟''

''کیونکہ ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ چوہیا مر کر کیسی لگتی ہے۔'' ذہین نے فرزین کی جانب دیکھتے ہوئے آنکھ دبائی۔

''آپ نے پھر مجھے چوہیا کہا؟'' نزہت چلائی۔

''بھئی، اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔ یہ تو تمہارا اجمیر ک نیم ہے۔'' فرزین بولا اور اس نے ذہین سے بھی تائید چاہی۔ ''کیوں ذہین؟''

''بالکل...... بالکل۔'' ذہین نے بڑے زور و شور سے تائید کی۔

''اونہہ......'' نزہت نے منہ بنایا۔

''تم لوگ کیوں چھیڑ رہے ہو اسے۔'' مدحت بجیا نے دونوں بھائیوں کو گھورا۔

''ارے مدھو بجیا، ہماری کیا مجال کہ ہم چوہیا کو چھیڑیں۔''

''بس لڑانے لگے چونچیں۔'' امی نے فرزین اور ذہین کو گھورا۔

''امی جی، یہ بات اگر انہوں نے ان کے سامنے کہہ دی تو؟''

''کن کے سامنے؟'' فرزین نے تجاہل عارفانہ کا مظاہرہ کیا۔

"بھابی کے سامنے۔"

"تو کیا ہوا! وہ اب غیر تو نہیں ہیں۔" ذہین بولا۔ "کیوں فرزین بھائی؟"

"بالکل......" فرزین نے تائید کی۔

"مگر نئی نئی تو ہیں۔"

"تبھی تو انہیں یہ بتانا ضروری ہے کہ اس گھر میں ایک عدد چوہیا بھی رہتی ہے۔"

"بُری بات فرزین۔" مدحت بجیا نے ٹوکا۔

"مدحو چندا! تم کھانا کھالو۔"

"نہیں امی، ساتھ ہی کھائیں گے ورنہ جویا سوچیں گی کہ کھانے کے لیے تھوڑی دیر ہمارا انتظار بھی نہ کیا گیا۔"

پونے چار بجے تک سب بھوکے رہے اور نزہت کو کھانا کھانے کی اجازت نہ دی گئی۔

ساڑھے چار بجے کے لگ بھگ کھانے سے فراغت کے بعد دولہا دلہن پھر غڑاپ سے اپنے خلوت کدے میں جا گھسے۔

چھ سوا چھ بجے کے لگ بھگ شام کی چائے ان کے کمرے ہی میں بھجوا دی گئی۔ چائے کے ساتھ دیگر لوازمات دیکھ کر جویا نے کہا: "تھوڑی دیر پہلے ہی تو کھانا کھایا تھا۔"

"بھئی، نئی دلہن ہو، بقول امی کے کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے کے دن ہیں۔" یقین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

جھٹپٹے کے وقت وہ نئے سرے سے آراستہ ہو کر یقین کے ہمراہ اپنے کمرے سے باہر نکلی تو گھر میں بڑی رونق پائی۔ اسے اپنا گھر یاد آ گیا!

اماں کا گھر!

شام کے وقت وہاں بھی ایسے ہی رونق ہمک آیا کرتی تھی۔ اس وقت سب گھر میں جو ہوتے تھے۔

خدا جانے وہاں اس وقت سب لوگ کیا کر رہے ہوں گے! اس نے سوچا اور خوشیوں کے ہوتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی پھیل گئی۔

اسے یوں لگا جیسے اماں، ابا، بھیا، بھابی، وزدیا، سارہ آپا، زہرا باجی اور ان کے بچوں سے بچھڑے اسے جگ بیت گئے ہوں۔

اس نے اپنے چہار اور دیکھا۔

وہاں رنگ تھے، خوشبوئیں تھیں، خوشیاں تھیں، قہقہے تھے۔ وہ سب بہت مگن اور مسرور تھے۔

ہجوم میں بھی خود کو تنہا پا رہی تھی!

اپنی ڈار سے بچھڑ جانے والی کونج کی طرح مضطرب تھی!

اجنبیت اور تنہائی کا احساس درد بن کر اس کے دل میں پھیلنے لگا۔

وہ چپ چاپ اٹھی اور اپنے کمرے میں چلی آئی۔

ان سب نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا مگر یقین کی موجودگی کے خیال سے چپ رہے۔

تھوڑی دیر بعد یقین بھی کمرے میں چلا آیا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ اس سے بلکہ آئینے میں اپنے عکس سے بھی نظریں چرانے لگی۔

"کچھ تو ہے۔"

"نہیں...... کچھ نہیں۔"

"تھرسڈے کو ہم لوگ یہاں سے نکل لیں گے۔"

"کہاں؟" وہ چونکی۔

"ہنی مون پر۔"

اپنی ڈار سے بچھڑی کونج کو تو ڈار کی یاد ستا رہی تھی۔

"اپنے گھر چلنی ہو؟"

اسے بے اختیار ابا یاد آ گئے۔

رخصتی کے وقت ابا نے اسے نصیحت کی تھی۔ "جس گھر جا رہی ہو، اب اسی کو اپنا گھر سمجھنا۔"

"میرا گھر! میرا گھر تو اب یہی ہے۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"بھئی میرا مطلب ہے، اپنی امی کے گھر یعنی اپنے میکے اور ہماری سسرال۔" اس کی آنکھوں میں یک بیک جوت سی جاگ اٹھی۔

"آپ لے چلیں گے تو ضرور چلوں گی۔"

"فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔"

"تیار تو میں ہوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے سائیڈ بورڈ پر سے اپنا سنہری پرس اٹھا لیا۔

"پرس ابھی رکھ دو، پہلے امی سے اجازت تو لے لیں۔"

"تو گویا اجازت بھی لینی ہے۔"

"اور اگر اجازت نہ ملی تو؟" اس نے جی ہی جی میں سوچا۔

مگر امی نے بلا تامل بلکہ خوشی خوشی اجازت دے دی۔

سوزوکی ہائی روف میں اگلی نشست پر یقین کے ساتھ بیٹھ کر وہ اپنے میکے جانے کو نکل رہی تھی کہ نگہت مع اپنے میاں اور بچوں کے آ پہنچی!

"بھابی! ہم تو آپ سے ملنے کے لیے آئے تھے۔" نگہت نے جتایا۔

جویا نے یقین کی طرف دیکھا۔

یقین نے نظروں ہی نظروں میں اسے اطمینان دلایا، پھر بہنوئی سے بولا۔ ''افتخار بھائی، ہم لوگ ابھی تھوڑی دیر میں آتے ہیں۔''

''کیا سسرال کا پروگرام ہے؟'' افتخار بھائی نے پوچھا۔

''جی۔''

''جائیے، بسم اللہ۔''

''بس ہم گھنٹہ بھر میں آرہے ہیں۔''

یقین کے ساتھ میکے جاتے ہوئے جویا کو اپنا آپ بڑا معتبر سا محسوس ہوا۔ اس کے ساتھ نے شہر کے راستوں کو بہت اُجلا بہت دلکش بنا دیا تھا۔

جویا، یقین کے ساتھ میکے پہنچی تو دونوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ یقین کو گھر کا نیا داماد ہونے کے ناتے سر آنکھوں پر بٹھایا گیا اور سب اس کے آگے بچھ بچھ گئے۔

اماں نے بلائیں لیں اور دونوں کی نظر اُتاری۔

ابا نے یقین سے پدری شفقت کا مظاہرہ کیا۔

بھیا جو کئی روز کی تھکن اُتارنے کی خاطر گھر پر ہی تھے، یقین سے ایسے تپاک سے ملے کہ یقین کے دل میں سالار جنگ کی محبت فوراً قدم جما کر بیٹھ گئی۔

سارہ آپا گزشتہ شب ولیمے کے بعد اپنے گھر چلی گئی تھیں مگر زہرا کو اماں نے ایک دو روز کے لیے اور روک لیا تھا۔ یقین کی زہرا سے بھی ملاقات ہوئی۔

زویا نے خاطر مدارات میں...... پیش پیش رہنے کے ساتھ اس سے چھوٹی سالیوں والی چھیڑ چھاڑ بھی جاری رکھی۔

بھابی نے بھی سلیقہ پن خوب نبھایا۔

جویا کو گھر میں ویسی ہی آؤ بھگت ملی جیسی کل مل چکی تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ اس کی یہ غیر معمولی آؤ بھگت زہرا باجی کو بباطن جویا سے حسد میں مبتلا کیے دے رہی تھی، حالانکہ جب ان کی اپنی شادی ہوئی تھی تو شروع شروع ان کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ وہ بھی یونہی وی آئی پی بنی رہی تھیں۔ وہ اور ارشاد گھر آتے تو سب اسی طرح بچھ بچھ جایا کرتے تھے۔

یقین سے ابا اور بھیا باتیں کر ہی رہے تھے کہ ارشاد بھی آ گیا۔ یقین تو اس سے بہت تپاک سے ملا مگر ابا اور بھیا اس سے ویسی گرم جوشی سے نہ ملے جیسے کہ وہ یقین سے ملے تھے۔ زہرا باجی نے اس بات کو محسوس کیا۔ وہ بھول گئی تھیں کہ ارشاد اس گھر کا داماد بننے سے پہلے بھی اس گھر سے رشتہ رکھتا تھا۔ اُسے تو سسرال میں ہمیشہ داماد کی بجائے بیٹا سمجھا گیا تھا۔

اماں بہنیں جویا سے چپکے چپکے اس کی سسرال کا حال احوال لینے میں مصروف رہیں۔ گزشتہ شب ولیمے سے گھر واپسی سے لے کر اس وقت میکے آنے تک ایک ایک بات بڑے تجسس سے پوچھی گئی۔

گزشتہ شب کتنے بجے گھر پہنچے تھے؟

صبح کتنے بجے جاگیں؟

کون سے کپڑے پہنے تھے؟

ناشتے میں کیا کچھ تھا؟

دوپہر کے کھانے میں کیا کیا کھایا؟

گھر کا کام کاج کون کرتا ہے؟

کون دن بھر کیا کرتا رہا؟

ساس نے کیا کہا؟

سسر کیا بولے؟

نندوں اور دیوروں کا کیا رویہ رہا؟ وغیرہ وغیرہ۔

جویا نے ایک ایک سوال کا بہت تفصیل سے جواب دیا۔

بعض باتیں بھابی جان سے علیحدگی میں بھی پوچھی گئیں کہ وہ لاکھ اس گھر کی بہو سہی، تھیں تو آخر بہو ہی اور بہو کتنی ہی اچھی، کتنی ہی اپنی کیوں نہ ہو، اس سے بہت سی باتیں چھپانی پڑتی ہیں۔ کچھ پردہ داری کی خاطر اور کچھ اس لیے کہ بہو کے کان کھڑے نہ ہونے پائیں۔

بیٹیوں کے لیے روا سمجھی جانے والی تمام باتیں بہوؤں کے لیے عموماً کب روا سمجھی جاتی ہیں!

بھابی جان اگرچہ اس گھر کی بہو تھیں اور ان کی اس گھر میں آمد کے وقت زہرا باجی کی شادی بھی نہ ہوئی تھی۔ جویا تھرڈ ایئر کا امتحان دے کر فارغ بیٹھی ہوئی تھی۔ زویا دسویں جماعت میں پہنچی ہی تھی مگر اماں نے بھیا کی شادی کے چوتھے پانچویں دن ہی تینوں بیٹیوں کو جو نئی دلہن کے آگے پیچھے بچھی جا رہی تھیں، ہدایت کر دی کہ زیادہ چونچلے اُٹھانے کی ضرورت نہیں۔

شادی کے ساتویں آٹھویں دن ہی اماں نے بہو سے کہہ دیا۔ ''دلہن! زہرا تو ہے اب اس گھر میں چند دن کی مہمان کیونکہ تایا کے ہاں اس کا رشتہ طے ہو چکا ہے۔ جویا کا دس پندرہ دن میں کالج کھل جائے گا اور وہ پڑھائی میں مصروف ہو جائے گی۔ رہی زویا تو اسے دسویں کا امتحان دینا ہے، دوسرے اس سے میں زیادہ کام نہیں کرواتی...... گھر اب تمہی کو سنبھالنا ہوگا۔'' بس یہ آخری فقرہ ہی ٹیپ کا مصرعہ تھا۔

بھیا اور بھابی جان کے ہنی مون پر جانے کی نوبت اس لیے نہ آ سکی کہ پہلے تو شادی کے لیے ڈالی گئی کمیٹی کا قرض اُتارنا ضروری تھا۔

دسویں دن اماں نے بھابی جان کا ہاتھ کھیر میں ڈلوا دیا مگر غنیمت یہ ہوا کہ جویا اور زویا بھلی نندیں تھیں کہ اماں کی جانب سے گھر کے کام کاج سے بری الذمہ قرار دیے جانے کے باوجود جہاں تک بن پڑتا، بھابی جان کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ مگر یقین کے ساتھ میکے آنے کے بعد جب جویا نے آج اماں کو بتایا۔ ''دوپہر کے کھانے کے بعد میں نے بیٹھے ہی بیٹھے برتن سمیٹنے شروع کر دیے تو امی نے مجھے منع کر دیا۔'' تو اماں بولیں۔ ''اوئی! تو تم نے برتن سمیٹنے کیوں شروع

کر دیے تھے؟"

"بس عادت جو پڑی ہوئی ہے، کھانا کھانے کے بعد برتن سمیٹنے کی۔"

"بھول جاؤ، اب اس عادت کو۔ وہاں کام وام کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ویسے بھی آج تیسرا ہی تو دن ہے۔"

"کیوں امی؟" اس کی بجائے زویا نے پوچھا۔

"کیونکہ یہ وہاں بہو بن کر گئی ہے، نوکرانی نہیں ہے۔"

"ارے اماں، کیا فرق پڑتا ہے۔ کام کرنے سے کوئی شان تو نہیں گھٹ جاتی۔" زویا بولی۔

"تم اپنی للو ہلائے بغیر مت رہنا۔" اماں نے اسے گھورا، پھر جویا کو سمجھایا۔ "دیکھو، وہاں زیادہ سلیقہ دکھانے اور کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"وہاں ضرورت ہی نہیں پڑے گی اماں، وہاں نوکر ہے کام کرنے کو اور ایک ماسی بھی۔" جویا نے بتایا۔

"اجی لاکھوں نوکر ہوں، ان لوگوں کو تم نے ایک دفعہ عادت ڈال دی نا، کام کر کے دکھانے کی تو سب تمہارے ہی آسرے پر رہنے لگیں گے۔"

"جیسے ہم لوگ بھابی جان کے آسرے پر رہنے لگے ہیں۔" زویا مسکرائی۔

"اونہوں!" ماں نے منہ بناتے ہوئے اپنی پیشانی پر زور سے ہاتھ مارا اور زویا کو گھورتے ہوئے بولیں۔ "اس لڑکی کی بہت ہی بری عادت ہے۔"

"کون سی عادت اماں۔" زویا زیر لب مسکرائی۔

"دیکھ...... دیکھ چپکی ہو جا، زویا ورنہ میں جوتا اٹھا کر دے ماروں گی تجھے۔" اماں فرش پر اپنی چپل اٹھانے کو جھکیں۔

"سوری اماں۔" زویا نے اماں کے گلے میں اپنی بانہیں حمائل کر دیں۔

"دفع ہو...... ایک آنکھ نہیں بھاتیں مجھے تیری باتیں۔"

"معافی!" اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔

"دیکھ رہی ہو، تم دونوں اسے!" اماں نے زہرا باجی اور جویا سے اس کی شکایت کی۔

"زویا!" جویا نے اسے تنبیہی نگاہوں سے گھورا مگر اس تنبیہہ میں محبت بھی تھی۔

"معافی مانگ تو لی بجو۔"

"اچھا جاؤ جا کر دیکھو، کہیں وہ بور تو نہیں ہو رہے ہیں۔"

تب ہی بھابی آ پہنچیں۔

"وہ کون بجو؟" زویا شرارت سے مسکرائی۔

"وہ قطعاً بور نہیں ہو رہے ہیں بلکہ ابا، تمہارے بھائی اور ارشاد کے ساتھ ان کی خوب زوردار محفل جمی ہوئی ہے۔" بھابی نے مسکرا کر بتایا۔

"تمہارے ابا!" اماں نے جویا کو دیکھا۔ "ارے، ان کی لچھے دار باتوں نے کسی کو بور ہونے دیا ہے بھلا! پہلے دو داماد تو تھے ہی اُن کے مرید دیکھ لینا، یہ تیسرا بھی مرید ہو جائے گا۔"

بھابی جان کے آنے پر سرگوشیاں ختم ہو گئیں۔ جویا کو دیے جانے والے مفت مشوروں کا وقت ختم ہوا اور عام باتیں شروع ہو گئیں۔

باتوں باتوں میں وقت کا پتا ہی نہ چلا۔

وہ تو جب بھابی جان نے پوچھا۔ "کھانا نکال لیں؟" تو جویا چونکی۔ "ارے! دس بج گئے۔" اس نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔"

"اوہو! باتوں میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلا، اب چلنا چاہیے۔"

"کھانا کھائے بغیر!"

"بس اماں چائے وائے پی لی۔ کھانے کی نہ گنجائش ہے، نہ کھائیں گے۔ وہ لوگ انتظار کر رہے ہوں گے۔ یہ اپنی بہن اور بہنوئی سے آدھ پون گھنٹے میں واپسی کا کہہ کر آئے تھے۔"

"ارے کرنے دو انتظار۔" اماں نے منہ بگاڑ کر کہا۔

"نہیں اماں، بس اب جانے دیں۔"

"بھئی، سیدھی بات ہے، میں نے تو پکوایا ہے کھانا تم لوگوں کے لیے، میں کھائے بغیر جانے نہ دوں گی۔" اماں نے کہا۔

"اماں، یقین کیجیے کہ بالکل بھوک نہیں ہے ابھی۔"

"بھئی، بھوک ہو یا نہ ہو، چاہے دو نوالے ہی کھاؤ مگر کھانا کھا کر جانا پڑے گا۔ میں نے خاص طور پر تم ہی لوگوں کے لیے اس وقت تازہ کھانا پکوایا ہے ورنہ گھر والوں کے لیے تو صبح کا بہت کھانا رکھا تھا۔"

"اچھا پکایا کیا ہے؟"

"بھئی مرغی کو مصالحہ دے کر فریزر میں رکھا ہوا تھا۔ کچے گوشت کی بریانی دم دی ہے، ساتھ رائتہ ہے، سلاد ہے اور میٹھے میں دودھ سویاں ہیں۔"

"اچھا تو پھر ایسا کرو زویا کہ تم اُن سے پوچھ آؤ کہ کھانا کھائیں گے یا......؟"

"اُن سے کن سے؟" زویا مسکرائی۔

"اپنے دولہا بھائی سے۔" جویا نے اُسے گھورا۔

"او کے میام!" زویا جھک کر مؤدبانہ بولی اور اس نے بیٹھک کی طرف جانے کو پر تولے۔

یقین نے پہلے تو انکار کیا مگر ابا اور بھیا کے اصرار پر وہ کھانا کھانے پر راضی ہو گیا۔

سسرال کی بڑی سی ڈائننگ ٹیبل کی نسبت میکے کی چھوٹی سی میز پر کھانا کھانا جویا کو قدرے بے مائیگی محسوس ہوئی۔ کچے گوشت کی بریانی، سلاد، رائتہ اور دودھ سویاں...... بس فقط یہی کچھ تھا

میز پر! کھانا کھا کر اُٹھتے اُٹھتے ساڑھے دس بج گئے۔

ساڑھے دس بجے کے بعد جویا میکے سے سسرال جانے کو نکلی۔ راستے میں یقین نے ایک جگہ گاڑی روک کر اسے آئس کریم کھلائی اور دو لیٹر آئس کریم گھر والوں کے لیے بھی لے لی۔

گیارہ بجے کے بعد گھر واپسی ہوئی تو پتا چلا، نگہت اپنے میاں اور بچوں کے ساتھ کافی دیر تک ان کا انتظار کرنے کے بعد کوئی دس منٹ پہلے ہی اپنے گھر واپس جا چکی تھی۔

جویا کو سخت شرمندگی ہوئی۔

''سوری امی! باتوں میں اتنی تیزی سے وقت گزرا کہ پتا ہی نہ چلا، پھر گھر والوں نے زبردستی کھانے کے لیے روک لیا۔'' اس نے ساس سے معذرت چاہی۔

''کوئی بات نہیں۔'' وہ بڑے تحمل سے بولیں۔

نزہت نے کھانا لگا دیے جانے کا اعلان کیا۔

''چلو دلہن، کھانا کھالو۔'' امی نے جویا سے بڑے پیار سے کہا۔

''امی! میں نے آپ کو بتایا نا، اماں نے زبردستی کھانا کھلا دیا۔''

''تو کیا ہوا، تھوڑا سا اور سہی۔'' ان کے لہجے میں اصرار کی کیفیت تھی۔

''پلیز! آپ لوگ کھالیں۔ میرے پیٹ میں تو بالکل گنجائش نہیں ہے۔''

''بھئی، دو نوالے سہی۔'' مدحت بجیا بولیں۔

''ایک کی بھی گنجائش نہیں ہے بجیا۔''

''اچھا آؤ بیٹھ تو جاؤ ہم لوگوں کے ساتھ۔'' بابا بولے۔

وہ شرما حضوری بیٹھ گئی۔

رات کے کھانے پر دوپہر کے مقابلے میں زیادہ رونق تھی اور اہتمام بھی زیادہ تھا۔ دو چار نوالے اُسے بھی لینا ہی پڑے۔ کھانے کے بعد آئس کریم کا لطف اُٹھایا گیا۔

کھانے سے فارغ ہو کر سب باہر لان پر جا بیٹھے اور باتیں ہونے لگیں۔ یقین اسے دوپہر کو بتا چکا تھا کہ رات کو کھانے کے بعد ڈیڑھ دو گھنٹے تک لان پر اکٹھے بیٹھ کر یا چہل قدمی کرتے ہوئے باتیں کرنا اس گھر کی ایک مستقل روایت ہے لیکن اس ذات بہانے بمشکل آدھ گھنٹے بعد ہی کہا۔ ''اچھا بھئی اب چل کر سویا جائے۔''

''ابھی سے!'' نزہت کے لہجے میں حیرانی تھی۔

''ہاں۔'' امی بولیں۔ ''دلہن بے چاری بھی تھکی ہوئی ہیں۔ کل رات بھی سوتے سوتے ڈھائی تین بج گئے تھے۔''

''کتنے اچھے ہیں یہ سب لوگ!'' جویا نے جی ہی جی میں سوچا۔ گو اسے نیند تو بالکل نہیں آرہی تھی مگر وہ یقین کے ساتھ خلوت میں جانا چاہتی تھی۔

امی اور بابا نے اسے از خود یہ موقع فراہم کر دیا تھا!

☆=====☆=====☆

اگلے تین دن ایسے گزر گئے کہ پتا ہی نہ چلا۔

وہ اور یقین دن چڑھے بستر سے اُٹھتے۔ حالانکہ برسوں سے صبح سویرے جاگنے کی ایسی عادت پڑی ہوئی تھی کہ اب بھی ایک دفعہ تو صبح ضرور آنکھ کھل جاتی تھی مگر یقین اسے دوبارہ سلا لیتا۔

''ابھی نہیں یار...... ابھی سوتی رہو۔''

دو دن تو وہ اس کی خواہش کے بموجب بلا حجت دوبارہ سو گئی مگر تیسرے دن اُس نے کہا۔ ''اماں کہتی ہیں، سونے والوں کا رزق اللہ میاں کے فرشتے سمندروں میں ڈال جاتے ہیں۔''

''کوئی بات نہیں یار، بھوکے رہ لیں گے۔'' وہ آنکھیں کھولے بنا بولا۔

وہ مسکرا دی۔

بالکل زودیا والی بات کہی تھی اُس نے۔

ایک بار زودیا نے بھی تو یہی کہا تھا اماں سے۔

''اے جی۔'' اس نے یقین کی ناک کی پھننگ کو اپنی انگلی سے چھوتے ہوئے کہا۔

''کیا ہے بیوی؟'' اس نے ذرا کی ذرا آنکھ کھول کر جویا کو محبوبیت سے دیکھا۔

''میں بھوکی نہیں رہ سکتی۔''

''اچھا تھوڑی دیر تو اور سو جاؤ۔'' اس نے اتنے پیار سے کہا کہ جویا آنکھیں موندے بنا نہ رہ سکی اور دوبارہ جو آنکھ لگی تو ساڑھے گیارہ بجے کھلی!

تین دن ایک سہانے سپنے کی صورت گزر گئے۔

دن چڑھے اٹھنا دوپہر کے لگ بھگ ناشتہ کرنا، گھر والوں سے ہلکی پھلکی گپ شپ، تین ساڑھے تین بجے دوپہر کا کھانا، پھر شام کی چائے تک خلوت میں چلے جانا۔ شام کو چائے، نک سک سے آراستگی، پھر اماں کے ہاں اور اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے کے لیے نکل جانا، واپسی پر رات کا کھانا اور ان تمام معمولات کے درمیان سسرال والوں سے گاہے گاہے ہلکی پھلکی بات چیت!

کام تو کچھ کرنے کو تھا ہی نہیں۔ ماسی جھاڑو پونچھا کرتی، برتن دھوتی، کپڑے دھوتی۔ موجو اوپر کا کام کرتا۔ سودا سلف لاتا۔ کھانا پکانے میں مدد کرتا۔ کھانا لگاتا۔ کھانے کے بعد برتن سمیٹتا۔

باورچی خانے میں موجو کے علاوہ زیادہ تر نزہت ہی دکھائی دیتی۔ وہ آنرز سال دوم کا امتحان دے کر ان دنوں گھر بیٹھی تھی۔ امی اس کی تعلیم کی تکمیل کا انتظار کیے بغیر ابھی سے اس کے لیے کسی مناسب رشتے کی تلاش میں لگی ہوئی تھیں۔ شام کو مدحت بجیا بھی باورچی خانے کا تھوڑا بہت کام دیکھ لیتیں۔ چوتھے پانچویں دن ایک روز جویا بھی شام کے وقت باورچی خانے میں مدحت بجیا اور نزہت کا ہاتھ بٹانے کو جا کھڑی ہوئی تو مدحت بجیا نے اسے روک دیا اور بولیں۔

''تم رہنے دو۔''

''کیوں بجیا؟'' اس نے پوچھا۔

''کیونکہ تم نئی دلہن ہو۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

''نئی دلہن کا جب تک کھیر میں ہاتھ نہ ڈلوایا جائے، وہ کام نہیں کرتی۔''

''اوہ بجیا۔'' وہ مسکرا دی۔ ''کیا آپ بھی ان رسموں پر یقین رکھتی ہیں؟''

''ڈارلنگ!'' بجیا بہت پیار سے بولیں۔ ''رسمیں یقین کرنے کے لیے نہیں، زندگی کے خاکے میں رنگ بھرنے کے لیے ہوتی ہیں۔''

''آپ کو رسمیں اچھی لگتی ہیں؟''

''بے جا نہ ہوں اور افراد یا معاشرے پر ان کے منفی اثرات مرتب ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو رسموں کے اچھا لگنے میں کیا حرج ہے۔ زندگی پُر رنگ ہی اچھی لگتی ہے۔''

جویا کو وہ سب بہت اچھے، بہت مہربان اور بے حد خیال رکھنے والے لگتے۔ اور سب سے اچھا تو وہ تھا جو اُس کی آنکھوں کے راستے اُس کے دل کا بھید سمجھ جاتا تھا۔ اس کے بتائے بغیر جان لیتا کہ اسے گھر والوں کی یاد آ رہی ہے۔ دن میں دو دو تین تین مرتبہ گھر کا فون نمبر ملا کر گھر والوں سے اس کی بات کرواتا۔ اُسے اُن سے ملوانے کے لیے لے کر جاتا۔ راستے میں کہیں نہ کہیں رُک کر اُسے کچھ نہ کچھ ضرور کھلاتا اور ہنستا ہنساتا۔

☆=====☆=====☆

اماں اور ابا، نئے داماد اور اپنے سمدھیانے کی طرف سے بڑے مطمئن تھے۔ جویا جب گھر آتی سسرال والوں کی تعریفیں کرتے اس کی زبان نہ تھکتی۔ سب گھر والے مطمئن اور مسرور تھے کہ جویا اچھے گھر بیاہ کر گئی تھی۔

اماں کہتیں۔ ''اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اچھے لوگ مل گئے۔''

''شکر کرو۔'' ابا کہتے۔

''کرتی ہوں میاں۔ اُٹھتے بیٹھتے اس رب کریم کا شکر ادا کرتی ہوں۔''

''تم تو یہ رشتہ کرنے کے موڈ میں ہی نہیں تھیں۔''

''بس میاں، مجھے زہرا کے سلسلے میں آپ کے بھائی بھاوج کے تجربے نے ڈرا دیا تھا۔''

''نیک بخت! سب لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے۔''

''ٹھیک کہتے ہیں آپ۔''

''اس وقت تو تم نہیں مانتی تھیں۔''

''اب مان گئی ہوں، سارہ کے ابا۔''

''بھئی! تمہاری اماں بڑے کنبے کو جنجال کہتی تھیں۔'' ابا جویا کو بتاتے۔

''بھئی، دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ آپ کی بھاوج......''

''بیوی! بخش دو انہیں۔''

''ہاں! کیسی گئی!'' اماں کہتیں۔ ''انہیں تو میں قیامت تک نہیں بخشوں گی۔ ارے کلیجا چبا گئی ہیں وہ تو میرا۔''

اماں کا موڈ بدل جاتا۔

تائی اماں کا ذکر آتے ہی اماں کے رگ و پے میں آگ سی بھر جاتی تھی۔

کیسے کیسے طعنے دیتی تھیں تائی اماں زہرا کو۔

ایک سانس میں اگلی پچھلی سات پشتوں کو پُن ڈالتیں۔ یہ نہ سوچتیں کہ زہرا بھی تو اسی نسل کی تھی جس نسل کی اُن کی اپنی اولاد تھی!

اماں کو چڑ ہو گئی تھی تائی اماں سے۔

ابا ان کا غصہ رفع دفع کرنے کی کوشش کرنے لگتے۔

"جویا کا نصیب اچھے گھر میں کھلنے پر تمہاری بھاوج کے پتنگے لگے پڑے ہیں۔" اماں ابا کو بتاتیں۔

"یقیناً ایسا ہی ہوگا۔"

"جلی پڑی ہیں۔"

"نیک بخت! کوئی جلے یا بھنے، ہمیں تمہیں شکر کرنا چاہیے کہ ہماری بیٹی اچھے گھر میں گئی ہے۔"

"اماں! آپ کے داماد تو اتنے اچھے ہیں کہ جہاں میں ذرا خاموش ہوئی، فوراً کہتے ہیں، اماں کا نمبر ملاؤں بات کرو گی اُن سے۔" جویا اماں کو بتاتی۔

"اللہ اسے خوش رکھے۔"

☆=====☆=====☆

شادی کے چھٹے دن وہ دونوں ہنی مون منانے کے لیے نکل لیے اور سولہ سترہ دن خوب سیر و تفریح کرتے پھرے۔ یقین اسے شمالی علاقوں تک لے گیا۔ تصنع سے پاک قدرتی حسن دیکھ کر جویا بعض مقامات پر دم بخود رہ گئی۔ بارہا اس کے دل میں یہ خواہش انتہائی شدت اختیار کر گئی کہ وقت تھم جائے اور وہ یقین کا بازو تھامے، اپنا سر اس کے شانے سے ٹکائے کشاں کشاں چلتی چلی جائے۔

دوسرے تیسرے دن وہ دونوں وہاں سے اپنے گھروں پر فون کر کے اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہے۔

ہنی مون کے دوران کئی جگہوں پر یقین نے اسے شاپنگ بھی کروائی۔ جویا نے میکے اور سسرال والوں کے لیے بھی سوغاتیں خریدیں۔ ایک ایک کو یاد رکھا۔ چھوٹے بڑے کسی کو نہ بھولی۔ موجو اور ماسی تک کو نہیں۔ تاہم اپنے میکے اور سسرال والوں کے لیے سوغاتیں خریدنے میں اس نے یہ احتیاط رکھی کہ میکے والوں کے لیے خریدی گئی سوغاتیں، سسرال والوں کے لیے خریدے گئے تحائف سے کسی صورت بھی بڑھتی ہوئی محسوس نہ ہوں۔

یقین نے اُس کی اور اس نے یقین کی بیسیوں تصویریں کھینچیں۔ دونوں کو اپنی اکٹھی تصویر بنوانے کے لیے کسی تیسرے فرد کی مدد حاصل کرنا پڑتی۔

ہنی مون منانے کے بعد کراچی واپسی سے قبل یقین نے گھر فون کر کے اپنی واپسی کی اطلاع دی تو جویا نے بھی اپنے میکے فون کر دیا۔ اماں نے بیٹی اور داماد کے استقبال کے لیے ایئرپورٹ جانے کا یوں پروگرام بنانا شروع کر دیا، جیسے وہ برسوں بعد پردیس سے واپس آ رہے تھے۔ زویا نے کہا۔ "اماں! جویا بجو کوئی امریکا سے تو نہیں آ رہی ہیں جو اُن کے استقبال کے لیے ایئرپورٹ جانا ضروری ہو۔"

اماں نے ترچھی نگاہوں سے زویا کو دیکھا۔

"نیک بخت! زویا بیٹی کہہ تو رہی ہے ٹھیک۔" ابا بھی دبی زبان سے بولے۔

"اجی، آپ اور آپ کی اولاد مصلحتیں کیا جانے۔ دین سے دنیا تک بھی مشکل ہے۔ بیٹی داماد پہلے سفر سے واپس آ رہے ہیں۔ ہم نہ گئے تو بیٹی داماد کہیں نہ کہیں مگر بیٹی کے سسرال والے ضرور کہیں گے کہ کیسے لوگ ہیں۔ دو کنٹھے لے کر ایئرپورٹ آنے کی توفیق نہ ہوئی۔ یہاں سے کوئی جائے یا نہ جائے، میں اکیلی چلی جاؤں گی۔"

"اماں! آپ اکیلی کیوں جائیں گی، میں چلوں گی آپ کے ساتھ۔" زویا نے اماں کی ناراضگی دور کرنے کی کوشش کی۔

"نہیں، کوئی نہ جائے۔ مجھے آتے ہیں سارے رستے۔" اماں نے مزید ناراضگی کا اظہار کیا۔

"پیاری اماں۔" زویا نے بڑے پیار سے اپنی بانہیں اماں کے گلے میں حائل کرتے ہوئے کہا۔ "ناراض مت ہوں۔"

آزمودہ حربہ کارگر ہوا اور اماں کی خفگی کم ہو گئی۔

مقررہ دن جویا کے میکے سے اماں، ابا اور زویا ان دونوں کے استقبال کو ایئرپورٹ پہنچے اور سسرال سے ساس، فرزین اور رزہت انہیں لینے کے لیے آئے۔

ابا نے یقین کے گلے میں ہار ڈالا۔ اماں نے سمدھن کو اور جویا کو زویا نے ہار پہنایا۔

"یہ کس سلسلے میں بھئی؟" جویا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بھئی، آخر اتنے دور سے اور اتنے عرصے بعد آئی ہیں آپ۔" زویا نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"بھابی! پھول محبت کی علامت، محبت کا اظہار ہوتے ہیں۔" فرزین مسکرایا اور جویا کو رنگ برنگے تازہ گلابوں کا ایک خوشنما گلدستہ پیش کرتے ہوئے بولا۔ "پھول تو آپ کے لیے ہم لائے ہیں۔"

"تھینک یو۔"

اماں اور ابا سمدھن سے باتوں میں مصروف تھے۔

"اور سنائیے، کیسا رہا آپ کا سفر؟" فرزین نے جویا سے پوچھا۔

"بہت اچھا۔"

"بجو! کہاں کہاں گھوم کر آئے ہیں آپ لوگ؟" زویا کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

"اوہ! مت پوچھو زویا، اتنی حسین جگہیں دیکھ کر آئے ہیں ہم کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔"

"رئیلی!" زویا کی آنکھوں میں چمک لہرائی۔

"ہاں..... ایسی خوبصورت جگہیں کہ میں تصور تک نہیں کر سکتی تھی۔"

"کبھی موقع ملے تو آپ بھی ضرور ہو کر آئیے گا۔" فرزین نے زویا کی جانب دیکھتے ہوئے مشورتاً کہا۔

"ان شاء اللہ، ضرور جاؤں گی۔" زویا اس کی نگاہوں میں رقصاں شرارت اور شوخی سے

ذرا نہ جھینپی۔

''اچھا بھئی، اب آگے بڑھیں یا یہیں کھڑے رہنے کا ارادہ ہے۔'' یقین نے کہا۔

''گرمی ہے، کچھ ٹھنڈا پی لیا جائے؟'' فرزین نے کن انکھیوں سے زدیا کو دیکھتے ہوئے سب سے پوچھا۔

''نیکی اور پوچھ پوچھ۔'' نزہت بولی۔

''تم سے نہیں پوچھا گیا ہے۔''

نزہت نے منہ بنالیا اور امی نے فرزین کو آنکھیں دکھائیں۔

''مگر پہلے اسباب گاڑی میں رکھ دیا جائے۔'' یقین نے کہا۔

اماں اور ابا دونوں ہی فرزین کی دعوت قبول کرنے میں متردد ہوئے مگر یقین اور یقین سے بڑھ کر فرزین کے اصرار نے انہیں مجبور کردیا۔

جتنی دیر وہ سب اکٹھے رہے، فرزین کن انکھیوں سے بار بار زدیا کو دیکھے گیا۔ نگر نگر، دیس دیس گھومنے والے اس خوبرو نوجوان کو زدیا بھائی کی مہندی والی رات ہی بھا گئی تھی۔

ٹھنڈا شربت پینے کے بعد وہ سب کار پارکنگ کی طرف آئے تو ابا نے گھر جانے کے لیے ٹیکسی لے لی۔ یقین نے اماں سے کہا کہ شام کو وہ اور جویا گھر آئیں گے۔

☆=====☆=====☆

شادی سے پہلے جویا کی عادت رہی تھی، جب بھی وہ بازار سے خریداری کر کے گھر آتی، سب سے پہلے اماں کو پھر گھر میں ایک ایک کو اپنی خرید کردہ چیزیں دکھاتی۔

ایئرپورٹ سے گھر پہنچنے کے بعد جویا نے ساس نندوں کو وہ تمام چیزیں دکھائیں جو اُس نے ہنی مون کے دوران مختلف مقامات پر خریدی تھیں۔ اس نے انہیں وہ تمام سوغاتیں بھی دکھائیں جو وہ اپنے میکے والوں کے لیے لائی تھی۔ امی نے ایک ایک چیز خوش ہو کر دیکھی اور پھلنے پھولنے کی دعائیں بھی دے گئیں۔ انہی کے ہاتھ سے اس نے گھر والوں کو تحفے بھی دلوائے۔ نگہت، افتخار بھائی اور ان کی بچیوں کے تحائف اس نے امی کے پاس رکھوا دیے۔

شام کو یقین اسے حسب وعدہ اس کے میکے لے گیا تو وہ میکے والوں کے لیے لائی ہوئی سوغاتیں بھی اپنے ہمراہ لیتی گئی۔

میکے میں اس نے تحائف تقسیم کرنا شروع کیے تو اماں منہ بنا کر بولیں۔ ''دیکھو بھئی، مجھے یہ بات پسند نہیں کہ بیٹیاں میرے گھر کچھ لے کر آئیں۔''

''اماں، اتنی چھوٹی چھوٹی چیزیں تو ہیں۔'' اماں کی ناراضگی پر جویا کا دل بجھ سا گیا۔

''چھوٹی ہوں یا بڑی...... اس فضول خرچی کی ضرورت کیا تھی بھلا!''

''یہ فضول خرچی تو نہیں ہے اماں۔''

''تو پھر اور کیا ہے؟''

''یہ آپ اپنے داماد سے پوچھیے۔''

''بھلا، میں اُس سے کیوں پوچھوں؟''

''کیونکہ انہوں نے ہی اصرار کر کے یہ سب کچھ خریدوایا ہے۔''

''سسرال میں اور کسی کو تو خبر نہیں؟''

''کس بات کی؟'' اس نے حیران ہو کر اماں کو دیکھا۔

''ان چیزوں کی۔''

''بالکل خبر ہے۔'' وہ دلیری سے بولی۔

''ہائیں! کیسے؟''

''میں نے خود دکھائی تھیں اماں۔''

''تمہیں کچھ عقل ہے کہ نہیں۔ ایسی بیوقوفی کیوں کی؟''

''اس میں بیوقوفی کی کیا بات ہے اماں؟ آخر یہاں بھی تو میں جب کچھ خرید کر لاتی تھی تو آپ کو دکھاتی تھی۔'' اماں آگے کو سرک آئیں اور رازداری سے بولیں۔ ''بیٹیاں اپنے میکے والوں کو کچھ لیتی دیتی ہیں تو سسرال والوں سے ڈھکا چھپا کر دیتی ہیں۔''

''کیوں اماں؟''

''تاکہ کل کو طعنہ تشنیع نہ ہو۔''

''اماں، وہ لوگ ایسے نہیں ہیں۔ امی تو بہت خوش ہوئیں یہ ساری چیزیں دیکھ کر۔''

''بیوقوف ہو تم!'' اماں نے گھر کا۔ ''آج خوش ہوئی ہیں تو کل کو وہی طعنے بھی دیں گی۔''

''نہیں اماں، وہ لوگ ایسے نہیں لگتے۔''

''تم دیکھ لینا۔'' اماں نے اس قدر وثوق سے کہا کہ جویا کچھ کشمکش میں پڑ گئی۔

''بہرحال، میں نے تو امی کو ایک ایک چیز دکھائی ہے۔''

''بہت اچھا!'' اماں نے کچھ اس طور کہا، جیسے کہتی ہوں تمہاری عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے۔ پھر بولیں۔ ''آئندہ احتیاط رکھنا۔''

جویا چپ رہی۔

اماں اور نزدیک سرک آئیں اور انہوں نے پوچھا۔ ''ایک بات تو بتا جویا۔''

''جی اماں۔'' وہ ہمہ تن متوجہ ہوگئی۔

''یقین نے تجھے اب تک کچھ پیسے ویسے بھی دیے کہ نہیں؟''

''اماں، یہ خریداری انہوں نے ہی تو کرائی ہے۔''

''میں خریداری کی نہیں پیسوں کی بات کر رہی ہوں۔''

وہ ہنس دی۔

''اماں، مجھے ضرورت ہی کیا ہے!''

''اے واہ! یہ کیا بات ہوئی۔ عورت کی ہزار ضرورتیں ہوتی ہیں۔''

وہ اماں کی دور اندیش پالیسی پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

بھیا کی شادی کے وقت جب بھابی کے میکے والوں نے کچھ ماہانہ جیب خرچ لکھوانے کی بات کی تو اماں نے کہا۔ ''عورت کی ضرورتیں ہی کیا ہوتی ہیں۔ روٹی، کپڑا اور مرد کی محبت..... بھلا خرچ لکھوانے کا کیا سوال؟''

''ہنسنے کی کیا بات؟'' اماں نے جویا کو مسکراتے دیکھ کر پوچھا۔

''اماں، میں اپنی ضرورتوں کے سلسلے میں کسی کی محتاج تھوڑی ہوں۔ خود کماتی کھاتی ہوں۔'' اس نے کہا۔

''خبردار! جو تم نے یہ بیوقوفی کی۔ مرد پر اوّل دن سے ہی بار ڈال دینا چاہیے ورنہ ایک دفعہ عادت پڑ جائے تو ساری عمر جیب تھے بیل کی طرح رہتا ہے۔ یقین سے ماہوار خرچ مقرر کروا لو اپنا۔''

''ٹھیک ہے اماں۔'' اس نے بحث میں اُلجھنا مناسب نہ سمجھا۔

''اچھا، ایک بات تو بتاؤ جویا۔'' اماں کے انداز اور لہجے میں ایک مرتبہ پھر رازداری عود کر آئی۔

''جی۔''

''بیچ والا کیسا ہے؟''

''بیچ والا!'' اس نے حیرانی سے اماں کو دیکھا۔

''اے، فرزین کی بات کر رہی ہوں۔''

''اچھا وہ! ٹھیک ہے اماں..... اسے تو ہماری شادی کے ہفتے بھر بعد سفر پر چلا جانا تھا مگر جہاز کی کچھ مرمت درست ہو رہی ہے اس لیے رُک گیا۔''

''میں یہ سب نہیں پوچھ رہی، میں پوچھ رہی ہوں، وہ ہے کیسا؟ میرا مطلب سمجھیں؟''

''سمجھ گئی اماں۔''

''تو پھر کیا خیال ہے؟''

''اماں، ہمارے خیال سے کیا فرق پڑتا ہے، جب تک اُدھر سے خیال نہ ہو۔''

''خیر، تم خیال رکھنا۔''

''میری تو پہلے دن سے نظر ہے مگر......''

''مگر کیا؟''

''وہ دنیا گھومنے پھرنے والا لڑکا ہے۔ اونچے خیالات ہوں گے اُس کے۔''

''ہاں، یہ تو ہے۔'' اماں کا منہ لٹک گیا۔

''بہر حال اللہ مالک ہے۔'' جویا نے اماں کو تسلی دی۔ ''ہماری زویا میں کیا کمی ہے۔ اللہ نے چاہا تو بہت اچھا لڑکا ملے گا۔ اللہ پر بھروسا رکھیے۔''

''اسی پر بھروسا ہے بیٹی۔''

تب ہی زویا چائے اور بھابی سامانِ خاطر مدارات سے لدی پھندی ٹرے لیے کچن سے

نکلیں اور بھابی نے کہا۔ ''اماں، جویا آپ لوگ چائے کے لیے بیٹھک میں آ جائیں تو اچھا ہے۔ سب اکٹھے بیٹھ کر پی لیں گے۔''

''او ہو! اتنا اہتمام کرنے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔'' جویا نے بھابی اور زویا سے کہا۔

''کوئی اہتمام نہیں، سب کچھ گھر ہی میں تھا۔'' بھابی بولیں۔

بھابی کے جواب سے جویا کو یوں لگا جیسے دو ہی دن میں اس کے اور اس کے گھر کے بیچ غیریت اور تکلف کی دیوار کھڑی ہو گئی تھی۔

کتنی رسانیت سے بھابی نے کہہ دیا تھا کہ کوئی اہتمام نہیں، سب کچھ گھر ہی میں تھا۔

جیسے اُسے اس گھر کے معمولات اور قرینوں کے بارے میں کچھ پتا ہی نہیں تھا۔

اسے اس گھر سے رخصت ہوئے کوئی مدتیں تو نہ بیت گئی تھیں۔ کچھ دن پہلے تک وہ اسی گھر کی مکین، اسی کنبے کی ایک فرد تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وقت بے وقت آ جانے والے مہمانوں کے لیے پلاسٹک کے مرتبانوں میں میٹھے اور نمکین بسکٹ، چیوڑا اور دال موٹھ، مونگ یا ماش کی دال اور چاول کے کچے پاپڑ تو گھر میں رکھے جاتے تھے۔ اکثر ایک آدھ موسمی پھل بھی فریج میں رکھا مل جاتا مگر یہ سب کچھ جو بھابی اور زویا اس وقت اس کی اور یقین کی خاطر مدارات کے لیے پیش کر رہی تھیں، وہ اگر اس وقت بازار سے نہ منگوایا گیا تھا تو کیا، کسی بھی وقت منگوا کر بہر حال انہی کے لیے رکھا گیا تھا۔ چکن پیٹیز، کیک، رس ملائی، تین چار قسم کے پھل، کولڈ ڈرنک ہر وقت گھر میں بھلا کب موجود ہوتے تھے، خاص موقعوں پر خاص مہمانوں کے لیے بطورِ خاص منگوائے جاتے تھے۔ اور آج کل وہ اور یقین خاص مہمان بنے ہوئے تھے، بالکل اسی طرح جیسے سارہ آپا اور زہرا باجی اپنی شادی کے ابتدائی دنوں میں اپنے دولہاؤں کے ساتھ میکے والوں کے لیے خاص مہمان بنی رہی تھیں۔

جویا نے دل ہی دل میں اس اہتمام کا تخمینہ لگایا مگر اس اہتمام کی بدولت یقین کے سامنے سرخروئی کا احساس اس تخمینے پر غالب آ گیا۔

چائے کے بعد جویا نے حسبِ عادت برتن سمیٹنے میں بھابی اور زویا کی مدد کرنی چاہی تو بھابی نے کہا۔ ''تم رہنے دو جویا۔''

زویا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''آپ رہنے دیجیے جناب۔''

وہ مسکرا دی کہ یہ وہی زویا تھی جو ہمیشہ اس سے خدمت لینے اور اپنے ناز اُٹھوانے کی آس میں رہا کرتی تھی۔

''کیوں بھئی؟'' اس نے مسکراتے ہوئے زویا سے پوچھا۔

لیکن اس سے پہلے کہ زویا کچھ کہتی، اماں نے نگاہوں ہی نگاہوں میں تنبیہہ کی اور بولیں۔ ''تم رہنے دو، زویا اور دلہن اُٹھا لیں گی برتن۔''

اُس نے یقین کے سامنے اصرار مناسب نہ سمجھا۔

باتوں میں وقت ایسے گزرا کہ پتا ہی نہ چلا۔ گھر والے تو مصر تھے کہ وہ دونوں کھانا کھا کر

جائیں لیکن اوّل تو پُرتکلف چائے کے بعد کھانے کی گنجائش نہ رہی تھی، دوسرے سہ پہر کو نگہت نے فون کر کے جویا کو بطور خاص جتایا تھا کہ رات کو وہ اور افتخار خاص طور پر اُسی سے ملنے گھر آئیں گے۔

اُٹھتے اُٹھتے تقریباً نو بج گئے۔

گھر واپس لوٹتے ہوئے یقین نے اس کے انکار کے باوجود اسے گرم برگر اور ٹھنڈی آئس کریم کھلائی اور خود بھی کھائی۔ پونے دس بجے کے لگ بھگ جب وہ دونوں گھر واپس پہنچے تو نگہت اور افتخار بھائی جا چکے تھے اور گھر والے رات کا کھانا کھانے کے لیے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ امی جویا سے تو کچھ نہ بولیں تاہم یقین سے انہوں نے کہا کہ نگہت اپنے میاں اور بچوں کے ساتھ کافی دیر ان کا انتظار کرنے کے بعد خاصی برہم ہو کر گھر گئی ہے۔ بھوک نہ ہونے کے باوجود وہ دونوں کھانا کھانے کے لیے گھر والوں کے ساتھ بیٹھ تو ضرور گئے لیکن جویا نے بادلِ ناخواستہ دو چار نوالے لے کر ہاتھ کھینچ لیا۔

''کیوں دلہن، کھا کیوں نہیں رہیں؟'' امی نے بہت رکھے لہجے میں پوچھا۔

''بس امی کھا لیا۔''

''ہیں، اتنا سا!'' بابا بولے۔

''وہ...... امی...... دراصل ہم نے راستے میں برگر کھا لیے تھے۔''

''بھئی، یہ آج کل پتا نہیں کیا رواج چل پڑا ہے عورتوں کے باہر کھانے پینے کا۔'' امی کے لہجے سے ناگواری جھلک رہی تھی۔

یقین اور جویا نے ایک دوسرے کو دیکھا اور نظریں جھکا لیں۔ مدحت بجیا نے دُزدیدہ نظروں سے دونوں کو دیکھا اور یک بیک یونیورسٹی کا ذکر چھیڑ دیا۔ کھانے کے بعد کچھ دیر چہل قدمی کی گئی، پھر سب نے اپنے کمرے کا رخ کیا۔ یقین نے کمرے میں پہنچتے ہی کہا۔ ''یار! کیا ضرورت تھی، یہ کہنے کی کہ ہم نے راستے میں برگر کھا لیے تھے۔''

''اگر کہہ دیا تو کیا ہوا۔'' وہ بولی۔

''دیکھا نہیں، کیا ہوا۔ امی جان کو باہر کھانا پینا پسند نہیں ہے...... آئندہ کبھی مت بتانا۔''

''ٹھیک ہے نہیں بتائیں گے۔'' وہ بولی۔

شادی کے بعد سے ان کے ہنی مون پر جانے تک معمول رہا تھا کہ رات کے کھانے اور چہل قدمی کے بعد امی نزہت سے بہت باقاعدگی سے ان دونوں کے لیے پینے کو دودھ بھجواتی رہی تھیں۔ چنانچہ اُس رات بھی کھانے کے بعد نزہت نے حسبِ معمول یقین اور جویا کے لیے دودھ لے جانے کی تیاری کی تو امی بولیں۔ ''ٹرے سجا کر لے جانے کی ضرورت نہیں، دلہن کو جا کر بتا دو کہ فریج میں دودھ رکھا ہے، جب جی چاہے نکال کر پی لیں۔''

''امی، ہمیں تو ایسے کہتے شرم آئے گی۔'' نزہت نے کہا۔

''کیوں؟ شرم کی کیا بات ہے؟''

''بھابی سوچیں گی دے کر نہیں جا سکتی تھی۔''

''تو جاؤ سجا کر لے جاؤ ٹرے۔'' امی نے قدرے ناگواری سے کہا۔

''کیا ہوا بھئی؟'' بابا نے کن انکھیوں سے امی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''غضب خدا کا، تین ساڑھے تین گھنٹے تک نگہت اور افتخار ان کا انتظار کرتے رہے۔'' امی پھٹ پڑیں۔

''اچھا تو آپ غصے میں ہیں!'' بابا مسکرا دیے۔

''تو کیا نہ ہوؤں...... دامادوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ ذرا سی بات کا برا مان جاتے ہیں۔ کیا سوچتے ہوں گے افتخار!''

''بھئی، تمہاری بیٹی ہی گرج چمک کر گئیں، ہمارے داماد تو ہمیشہ کی طرح ہنستے مسکراتے آئے اور پھول بکھیرتے چلے گئے۔'' بابا بولے۔

''ماسٹر صاحب! دامادوں کو کسی بات کا برا مناتے کتنی دیر لگتی ہے۔ ضروری نہیں کہ افتخار نے اگر ہم لوگوں کے سامنے کچھ شکوہ شکایت نہیں کیا تو نگہت سے بھی نہ کریں گے۔ میں لکھ کر دیتی ہوں کہ وہ نگہت سے یہ ضرور کہیں گے کہ تمہارے بھائی تو سسرال ہی کے ہو رہے۔''

''تو یقین میاں کی اس غلطی کی پاداش میں آپ نزہت بیٹی کو ان کے کمرے میں دودھ پہنچانے سے منع کر رہی ہیں۔''

''منع کرنے کی بات نہیں ماسٹر صاحب۔'' امی خفیف ہو گئیں۔

''تو پھر کیا بات ہے؟''

''بھئی، بہت ہو لی خاطر داری، اب ختم کرنی پڑے گی۔ بہو کو اب اسی گھر میں رہنا ہے۔''

بابا کی مسکراہٹ گہری پڑ گئی۔

''بیگم صاحبہ! خاطر داری ایک دم ختم کرنے کی بجائے دھیرے دھیرے کم کیجیے۔ آج نزہت بیٹی کی بجائے موجو سے دودھ بھجوا دیجیے۔ ایک آدھ روز میں بہو کو یہ بات خود سمجھا دیجیے گا۔''

''کون سی بات؟''

''یہی کہ دودھ فریج میں ہوتا ہے، وہ جب جی چاہیں نکال کر پی سکتی ہیں۔ ویسے کیا ہی اچھا ہوتا بیگم اگر آپ یہ بات دوسرے دن ہی بہو کو بلا تکلف سمجھا دیتیں۔ جن لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنی ہو، ان کے ساتھ ہمارا رویہ ہمیشہ یکساں اور متوازن ہونا چاہیے۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔'' امی نے نزہت کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آج موجو سے بھجوا دو، کل دن میں موقع دیکھ کر میں دلہن سے خود کہہ دوں گی اور ہاں دیکھو، ٹرے سجا کر بھجوانے کی ضرورت نہیں۔''

بابا نے نزہت کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھا اور زیر لب مسکرا دیے۔

کھانے کے بعد اپنے کمرے میں آ کر جویا نے کپڑے تبدیل کیے اور سنگھار میز کے سامنے بیٹھی بالوں میں برش پھیر رہی تھی کہ دروازے پر دستک سنائی دی۔ یقین باتھ روم میں تھا۔ دروازہ جویا ہی نے کھولا۔ اُس کا اندازہ تھا کہ نزہت دودھ لے کر آئی ہوگی۔ ٹرے میں دو مگ، شکردان، چمچ، اَن بریک ایبل دودھیا جگ میں دودھ اور اس پر جالی دار کپڑے کا گھریلو ساختہ پھندے دار ڈھکنا!

مگر اُس روز نزہت کی بجائے موجو دروازے کے باہر کھڑا تھا۔ دودھ اَن بریک ایبل جگ کی بجائے براہِ راست مگوں میں ڈال کر بھجوایا گیا تھا۔

شکردان البتہ رکھا تھا۔ جویا نے موجو سے ٹرے لے لی۔

موجو دودھ دے کر پلٹا تو نزہت نے اس سے رازداری سے پوچھا۔ ''بھابی کچھ کہہ رہی تھیں؟''

''نہیں باجی جی۔'' موجو بولا۔

تاہم نزہت کو کئی روز تک جاری رہنے والے معمول میں تبدیلی کر دینے پر دھیمی سی خفت کا احساس ضرور ہوا۔

''کیا سوچتے ہوں گے بھیا اور بھابی کہ خود لانے کی بجائے نوکر سے دودھ بھجوایا اور وہ بھی ندیدوں کی طرح مگوں میں ڈال کر۔'' اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

بہرحال یہ امی کا حکم تھا جس سے مفر ممکن نہ تھا۔

اب وہ اور بات تھی کہ اُس رات جب امی بستر پر لیٹیں تو اپنے اس حکم سے انہیں خود ہی نظریں ملاتے خفت محسوس ہوئی۔

کیا ہوا اگر یقین اور جویا جلدی واپس نہ آ سکے تھے اور نگہت اور افتخار کو ان سے ملے بغیر واپس جانا پڑا تھا۔ ایسا ہوتا ہے بلکہ اکثر ہوتا ہے۔ یقین کی سسرال نئی نئی تھی اور سسرالی رشتوں میں نئے نئے دنوں کا چاؤ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔

سالے، سالیاں اپنے بہن بھائیوں سے زیادہ اچھے لگتے ہیں!

بیوی کے اماں باوا کو سر آنکھوں پر بٹھانے کو جی چاہتا ہے!

سسرال میں بیٹھ کر اُٹھنے کو جی نہیں مانتا!

نگہت کی شادی کو تقریباً آٹھ برس ہونے کو آئے تھے، مگر افتخار کا اب تک یہ حال تھا کہ سسرال آتے تو چپک کر بیٹھ جاتے۔ نگہت بیس مرتبہ اُن سے اٹھنے کو کہتی تب کہیں جا کر اُٹھتے۔

کیا اپنے زمانے میں ابا کا بھی یہی حال نہیں تھا!

امی نے اپنی اس خفت کا ازالہ اگلے روز جویا سے یہ کہہ کر کیا۔ ''دلہن! رات کو میں نے مگوں میں دودھ اس لیے بھجوایا تھا کہ تم لوگ سہتا سہتا پی لو...... پی لیا تھا یا پڑا ٹھنڈا ہوتا رہا تھا؟''

''کافی دیر بعد پیا تھا امی۔''

اوہو! کیا مناسب جواب ملا تھا۔

امی نے موقع غنیمت جانتے ہوئے ہاتھ کے ہاتھ اگلا مرحلہ بھی عبور کرنے کی کوشش کی اور بولیں۔ ''دودھ فریج میں رکھا ہوتا ہے، جب جی چاہے نکال کر پی لیا کرو۔''

امی نے تو اپنے حسابوں سے بڑی دانشمندی سے کام لیا تھا اور بظاہر جویا نے بھی بڑی سعادت مندی سے جواب دیا تھا مگر جی ہی جی میں اس نے سوچا۔ ''تو گویا کل سے...... مگوں میں دودھ نہیں بھجوایا جائے گا، خود لینا پڑے گا...... کوئی بات نہیں، ہم کوئی لنگڑے لولے یا محتاج تھوڑی ہیں، خود لے لیا کریں گے۔''

اِدھر سے نمٹنے کے بعد امی نے نزہت کو سمجھایا۔ ''آج سے رات کو دودھ بھجوانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے کہہ دیا ہے، وہ خود لے لیا کریں گی۔''

''آپ نے بھابی سے کہہ دیا کہ خود لے لیا کریں!'' نزہت نے چونک کر کہا۔

''ہاں۔'' امی نے بڑے آرام سے کہا۔ رات والی خفت کا اب دور دور تک پتا نہ تھا۔

''امی! کیا سوچیں گی بھابی اور بھائی بھی کہ بس ہو چکی خاطر داری۔''

''ارے بھئی! کب تک ہوگی نازبرداری...... دلہن بس چار چھ دن کی ہوتی ہے پھر پرانی ہو جاتی ہے۔ انہیں اب اسی گھر میں رہنا ہے۔ کب تک نازبرداریاں ہوں گی۔ میں تو ایک دو دن میں کھیر میں ہاتھ ڈلوا دوں گی۔ شادی، ولیمہ سب ہو گیا۔ گھوم پھر آئیں، بس یہی ایک رسم رہ گئی ہے۔ کھیر میں ہاتھ ڈلوا دوں گی پھر سنبھالیں گھرداری۔''

مدحت بجیا جو چپ چاپ یہ سب کچھ سن رہی تھیں اور امی کے تیور دیکھ رہی تھیں، دھیرے سے مسکرا کر بولیں۔ ''امی! آپ اپنا عہد بھول رہی ہیں۔''

''کون سا عہد!'' امی چونکیں۔

''آپ تو کہا کرتی تھیں، یقین کی دلہن کو برس بھر تک پھلی نہ توڑنے دیں گی۔''

''نزہت معلوم ہوتا ہے، باورچی خانے میں کچھ جل رہا ہے۔'' امی نے خجل ہو کر موضوع بدلنا چاہا اور مدحت بجیا کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

☆======☆======☆

یقین نے شادی کے لیے مہینہ بھر کی چھٹی لی تھی۔ شادی سے دو دن قبل چھٹی شروع ہوئی تھی۔ شادی کے بعد ابتدائی چند دن تو دیکھتے ہی دیکھتے اُڑنچھو ہو گئے۔ ہر دن عید اور ہر رات شب بارات بن کر گزر رہی۔ جویا کی وہ وہ خاطر داریاں اور نازبرداریاں ہوئیں کہ دیکھا کریں! صبح ناشتے پر، دوپہر اور رات کے کھانے پر وہ اہتمام ہوتا کہ جویا کو سسرال کے مقابلے میں اپنا میکا ہیچ محسوس ہوتا۔ ساس ہر وقت کچھ نہ کچھ کھلانے پر مصر رہتیں۔ سسر بات کرتے تو ان کے منہ سے شہد ٹپکتا محسوس ہوتا۔ مدحت بجیا ایسے پیار سے بات کرتیں کہ اُن پر پیار آنے لگتا۔ نزہت بچھی بچھی جاتی، اسے ہل کر پانی نہ پینے دیتی۔ فرزین ہنستا ہنساتا۔ ذہین شگوفے چھوڑے جاتا۔ یقین حال سے زیادہ مستقبل کی باتیں کرتا۔ شام کو اسے گھمانے پھرانے باہر لے جاتا اور خوب کھلاتا پلاتا۔ بلاناغہ اسے میکے بھی لے جاتا۔

پھر سولہ سترہ دن وہ دونوں ماہِ عسل کی بہاریں لوٹتے پھرے۔ وہ دو ہفتے ایسے سحر آگیں تھے کہ جویا تخمور سی رہی۔ اس دوران گاہے گاہے سسرال اور میکا دونوں سے رابطہ رہا اور دونوں ہی جانب سے بڑی گرمجوشی اور اُنسیت کا اظہار ہوتا رہا۔

ہنی مون سے واپسی پر دو تین دن کے اندر ہی جویا کو اس گرم جوشی میں سرد مہری کا احساس ہونے لگا۔ خاطر داری اور ناز برداری گھٹ گئی۔ نہ ساس ہر وقت کھانے پینے کی چیزیں اُس کے سامنے دھر دھر کر اصرار کرتیں، نہ ناشتے اور کھانے پر وہ تکلف اور اہتمام ہوتا۔ نندوں کے رویے میں بھی وہ گرم جوشی نہ رہی تھی۔ مدحت بجیا لکھنے پڑھنے میں لگی رہتیں۔ گھر میں ہوتیں تو کبھی کبھار کچن میں جا کر کام کرنے لگتیں۔ نزہت بھی پہلے کی طرح اس کے سامنے نہ بچھتی۔ گو اس کا خیال ضرور رکھتی مگر پہلے کی طرح اسے ہل کر پانی پینے سے نہ روکتی۔ فرزتین کے جہاز کی مرمت کا کام مکمل ہو چکا تھا اور اب بس سفر کی تیاری تھی۔ ذہین اپنے سمسٹر امتحانات میں مصروف تھا۔ نگہت تقریباً ہر دوسرے دن میاں اور بچوں کے ساتھ آ جاتی اور رات تک رہتی۔ چونکہ شام ہی کو یقین کے ساتھ جویا کبھی باہر گھومنے پھرنے یا میکے جانے کو نکلتی، چنانچہ نگہت اور افتخار سے اکثر کھڑے کھڑے ہی ملاقات ہوتی۔ نگہت کی تنک مزاجی اور ترش روئی کا جویا کو شادی کے ابتدائی دنوں ہی میں اندازہ ہو گیا تھا۔ افتخار بیوی کے اشاروں پر چلنے والے مرد تھے چنانچہ ان کے رویے میں بھی بس یونہی سی گرم جوشی رہ گئی تھی۔

گھر بھر میں اگر کسی کا رویہ جوں کا توں رہا تو وہ ابا تھے بلکہ شاید ان کے لہجے میں حلاوت پہلے سے کچھ بڑھ ہی گئی تھی۔ اور دن گزرنے کے ساتھ ساتھ مزید بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

یوں کہنے کو تو ابا سربراہ کنبہ تھے مگر حقیقت یہ تھی کہ بیشتر گھرانوں کی طرح اس گھر میں بھی جہانگیری طرزِ حکومت تھی جو اصل جہانگیری حکومت سے اس اعتبار سے مختلف تھی کہ نور جہاں کے برعکس امی واشگاف الفاظ میں اپنے فیصلوں کا اعلان کرتی تھیں۔ مدحت بجیا اور نگہت امی کی مشیرانِ خاص تھیں مگر دونوں کے رویے مختلف تھے۔ مدحت بجیا امی کو ہمیشہ پُرسکون اور دھیما رکھنے کی کوشش کرتیں، جبکہ نگہت چنگاری کو ہوا دے کر آگ بھڑکانے کی کوشش میں رہتی۔ نزہت بے چاری کسی گنتی میں نہ تھی۔

ہنی مون سے یقین اور جویا کی واپسی کے چوتھے دن امی نے مدحت بجیا اور نگہت سے جویا کا ہاتھ کھیر میں ڈلوانے کی بابت مشورہ کیا تو ان دونوں نے بیک وقت بے ساختہ دو مختلف باتیں کیں۔

''بالکل دیر نہ کریں، کل کا ڈلواتی آج ہی ڈلوا دیں۔'' نگہت نے کہا۔

''ابھی نہیں امی۔'' مدحت بجیا نے صلاح دی۔

''کیوں؟'' امی تنک کر بولیں۔

''ابھی ایک مہینہ بھی تو پورا نہیں ہوا۔''

''بھئی، تین چار دن بعد یقین کی چھٹیاں ختم ہو جائیں گی... پہلے پہلے ہی رسم

کروا دینا چاہتی ہوں..... اور پھر فرزتین کی بھی بس جانے کی تیاری ہے۔''

''اتنی جلدی کیوں امی! ہمارے گھر میں کام ہی کیا ہوتا ہے۔'' مدحت بجیا بولیں۔

''کام تو خیر بہت ہوتا ہے۔ یہ کہو کہ کام کرنے والے موجود ہیں اس لیے پتا نہیں چلتا۔'' امی نے کہا۔

''اسی لیے جلدی مت کیجیے۔ تھوڑا بہت کام تو جویا کھیر میں ہاتھ ڈلوائے بغیر بھی کرنے ہی لگی ہیں۔ ان کی اپنی چھٹی ختم ہونے سے دو چار دن پہلے کھیر میں ہاتھ ڈلوا دیجیے گا۔ ابھی سے ہاتھ ڈلوا کر لوگوں کو یہ کہنے کا موقع کیوں دیتی ہیں کہ پہلی بہو تھی، مہینہ بھر بھی پورا نہ ہونے دیا اور کام سے لگوا دیا۔'' بجیا نے رسانیت سے سمجھایا۔ امی کچھ قائل سی دکھائی دینے لگیں مگر نگہت نے یہ کیفیت زیادہ دیر نہ رہنے دی۔

''تو کیا ہوا، لوگ تو ہفتے بھر بعد ہی ڈلوا دیتے ہیں۔ ہم خود آٹھویں دن کچن میں کام کرنے کھڑے ہو گئے تھے۔'' نگہت نے منہ بناتے ہوئے لقمہ دیا۔

''کیونکہ تمہاری سسرال میں میاں صاحب کے سوا اور کوئی تھا جو نہیں۔'' مدحت بجیا بولیں۔

''امی! آپ رسم کروا دیجیے۔ یقین دفتر جانا شروع کریں گے تو کیا آپ، بجیا نزہت انہیں ناشتا بنا کر دیا کریں گی۔'' نگہت نے امی کو اُکسایا۔

''اگر ہم میں سے بھی کوئی بنا کر دے گا تو کیا حرج ہو گا۔ آخر پہلے بھی تو ہم ہی میں سے کوئی بنا کر دیتا تھا اور پھر ہم لوگ اپنے لیے بھی تو بناتے ہیں، یقین کے لیے بھی بن جایا کرے گا۔'' مدحت بجیا نے رسانیت سے کہا۔

''پہلے کی بات اور تھی۔'' امی تڑخ کر بولیں۔

مدحت بجیا نے امی کو دیکھا۔

''یقین کو اب ناشتہ بنا کر دیں، نہ دیں ان کی بیوی دیں۔'' امی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

نگہت نے امی کا یہ فیصلہ سن کر فتح مندانہ نگاہوں سے مدحت بجیا کو دیکھا۔ وہ ان کی نگاہوں سے یکسر بے نیاز امی کو دیکھ رہی تھیں۔

''یقین کے سلسلے میں اب ہماری ہر ذمے داری ختم۔ اب اُن کے کھانے پینے، کپڑوں، جوتوں، بستر اور آرام کا خیال رکھنا بیوی کا کام ہے۔''

''بالکل ٹھیک بات۔'' نگہت نے زور و شور سے تائید کی۔

''تو آپ سچ مچ ساس بننے کے درپے ہیں۔'' مدحت بجیا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''لو، یہ بھی اچھی رہی!'' امی نے کچھ خفگی سے مدحت بجیا کو دیکھا۔ ''اصول کی بات کی تو ہم ساس بننے کے درپے قرار دیے جا رہے ہیں۔ واہ بھئی واہ!''

ہمیشہ کی فتنہ ساز نگہت کے چہرے پر اطمینان کی کیفیت ہلکورے لینے لگی۔

مدحت بجیا جو سدا کی صلح جو اور امن پسند تھیں، امی کو خفا ہوتے دیکھ کر نہ صرف اپنے موقف سے دستبردار ہو گئیں بلکہ انہوں نے امی اور نگہت کی رائے سے اتفاق کر لیا۔ اور باہمی صلاح مشورے سے یہ طے پایا کہ دو روز بعد یعنی یقین کی چھٹی ختم ہونے سے دو روز پہلے جویا کا ہاتھ کھیر میں ڈلوا دیا جائے۔

چنانچہ اس رات کھانے کی میز پر امی نے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ دو روز بعد دلہن کا ہاتھ کھیر میں ڈلوا دیا جائے گا۔

جویا کھیر میں ہاتھ ڈلوانے کا مطلب بخوبی سمجھ سکتی تھی۔

کرنے کو تو یہ رسم سادگی سے بھی ادا کی جا سکتی تھی مگر دین سے بنیا تھا منی مشکل! بھلا لوگ کیا کہتے کہ گھر کی پہلی بہو کا کھیر میں ہاتھ ڈلوانے کے موقع پر دو چار عزیزوں اور دوستوں کا منہ بھی نہ جھٹلایا جا سکا۔ امی نے خالہ، ماموں، بچا، قبیل کے قریبی رشتے داروں، چند احباب اور جویا کے میکے والوں کو دعوت کہلوا دی۔ جویا کے میکے والوں کو دعوت دینے کے لیے بجا خود گئے۔

زویا کو تو ایک نیا جوڑا زیب تن کرنے کا موقع ہاتھ لگا۔ کچھ پیسے اس نے اپنے جیب خرچ سے بچا کر جوڑ رکھے تھے، کچھ اماں سے اینٹھنے کی کوشش کی۔

''دیکھو۔'' اماں نے نظر بگاڑ کر کہا۔ ''مجھے یہ عادت بالکل اچھی نہیں لگتی لڑکیوں کی کہ چادر پاؤں پھیلانے کی اجازت دے یا نہ دے، ہر موقع پر نیا جوڑا ضرور پہنیں گی۔ ارے بھئی، کھیر ہی میں تو ہاتھ ڈلوایا جا رہا ہے جویا کا، کوئی بڑی تقریب تو نہیں۔ جو کپڑے ہیں تمہارے پاس انہی میں سے کوئی پہن جانا۔''

''اچھی اماں۔'' زویا نے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

''نہیں ہیں میرے پاس۔'' اماں ذرا بھی نہ پسیجیں اور بولیں۔ ''ابھی تو شادی سے نمٹ کر بیٹھے ہیں۔ نئے سرے سے پھیرڈالنا پڑے گا۔''

''اماں پلیز!'' زویا گڑگڑائی۔

''نہ پلیز نہ ولیز۔'' اماں نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

اس شام جب جویا یقین کے ہمراہ میکے آئی تو زویا کو خلاف معمول کچھ خاموش پایا۔ یقین نے بھی یہ بات نوٹ کی۔ یقین سے علیحدگی میں جویا نے اس سے پوچھا۔ ''کیا بات ہے زویا، تم آج چپ چپ کیوں ہو؟''

''کچھ نہیں۔'' زویا بولی۔

''کچھ تو ہے۔'' جویا نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا۔

''نہیں...... کچھ نہیں۔''

مگر زویا کی آنکھوں نے اُس کے الفاظ کا ساتھ نہ دیا۔

''کیا بات ہے اماں؟'' جویا نے اماں سے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔''

اماں کی آنکھیں بھی ان کے الفاظ کا ساتھ نہ دے سکیں۔

جویا کو موہوم سے دُکھ نے آ لیا کہ ہوش سنبھالنے کے بعد وہ جس گھر کے ہر دُکھ سکھ کی امین رہی تھی، آج اسی گھر کے باسی اس سے رازداری برت رہے تھے۔

''مجھے غیر سمجھنے لگی ہو!'' اس نے زویا کے کندھے پر ہاتھ دھرتے ہوئے شکوہ کیا۔

''نہیں...... نہیں تو بجو۔''

مگر جویا نے اس کی بات کا اعتبار نہ کیا۔

شاید اس نے اعتبار کر لیا ہوتا اگر ماضی میں وہ خود اسی قسم کے تجربات سے نہ گزر چکی ہوتی۔ سارہ آپا اور زہرا باجی کی شادی کے بعد شروع شروع گھر کے مسائل اور پریشانیاں ان سے کچھ اسی طرح تو چھپائی جاتی تھیں، جیسے اس وقت اس سے کوئی بات چھپائی جا رہی تھی! اپنے ذاتی تجربات کے حوالے سے وہ جانتی تھی کہ سارہ آپا اور زہرا باجی سے گھر کے مسائل اس لیے چھپائے جاتے تھے کہ اس گھر کی پریشانیاں اور مسائل ان کی خوشیوں کو ماند نہ کر سکیں۔ سارہ آپا اور زہرا باجی کی شادی کے بعد شروع شروع تو یہ حال رہا کہ گھر میں کیسی ہی پریشانی کیوں نہ ہوتی، ان کے آتے ہی سب یوں ہو بیٹھتے جیسے کوئی مسئلہ، کوئی پریشانی ہی نہ ہو۔

سارہ آپا اور پھر زہرا باجی کے بعد اب اس کی شادی کے بعد بھی تاریخ اپنے آپ کو پھر اسی طرح دہرانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''کیا بات ہے؟'' اس نے زویا کو چمکارا۔ ''شاباش، بتا دو۔''

زویا دُزدیدہ نظروں سے اماں کو دیکھنے لگی۔

جویا نے اُسے اور اماں کو کن انکھیوں سے باری باری دیکھا۔

''مجھے کیا دیکھ رہی ہو!'' اماں نے زویا کو گھرکا۔

زویا نے منہ بسورا۔

''بولو نا کیا بات ہے؟'' جویا نے اس سے پیار سے پوچھا۔

''میں بتاتی ہوں۔'' اماں بولیں۔

جویا نے چونک کر اماں کی طرف دیکھا۔

''اسے تمہاری کھیر پکائی کی رسم میں پہننے کو نیا جوڑا چاہیے۔''

''ارے، بس اتنی سی بات!'' جویا نے زویا کی جانب دیکھا۔

''تمہاری نظر میں یہ اتنی بات ہے۔ ذرا کوئی بات ہو اور اسے نیا جوڑا چاہیے۔'' اماں نے زویا کو گھورتے ہوئے کہا۔

''کوئی بات نہیں اماں۔'' جویا رسان لہجہ میں بولی۔ ''اس عمر میں ساری لڑکیوں کو یہ شوق ہوتا ہے۔''

''ہم پر بھی یہ عمر آئی تھی، ہمیں تو کبھی ایسا شوق نہیں ہوا۔ عید تہوار یا کسی کی شادی بیاہ پہ نئے کپڑے بنتے تھے اور بس۔ یہ نہیں کہ چھینکنا بھی ہو تو نیا جوڑا پہن کر چھینکیں۔''

"اماں، اب زمانہ بدل گیا ہے۔" جویا بولی۔

اماں جویا سے چھپائی جانے والی بات اس پر کھل جانے پر ذرا کھل کر بولیں۔ "زمانہ کیا بدل گیا ہے۔ یہ کہو کہ لڑکیوں کی آنکھیں چوڑ...... ہو گئی ہیں...... ہم تو عید تہوار پر بھی اپنے اماں باوا سے کوئی فرمائش کرنے سے پہلے دس مرتبہ سوچتے تھے کہ پتا نہیں، ان کے پاس اتنے پیسے ہوں گے کہ نہیں اور یہاں یہ حال ہے کہ آنکھیں بند کر کے فرمائش کر دی جاتی ہے۔"

"کوئی بات نہیں اماں۔" جویا نے پھر وہی بات دہرائی اور زویا سے بولی۔ "کیسا جوڑا چاہیے تمہیں؟"

"کیسا بھی نہیں۔" زویا روہانسی دکھائی دینے لگی تھی۔

"تمہیں میری جان کی قسم، بتا دو۔"

"اے ہے! تم اپنی جان کی قسم کیوں دے رہی ہو، میں بتائے دیتی ہوں۔ پونے چار سو روپے کا کوئی سلا سلایا سوٹ دیکھ کر آئی ہیں بازار میں۔ ڈھائی سو روپے اپنے پاس جمع رکھے ہیں، باقی مجھ سے مانگے جا رہے ہیں۔" اماں نے بالتفصیل احوال سنایا۔

"بس اتنی سی بات!" جویا نے اپنے پرس میں سے سو سو کے دو نوٹ نکال کر زویا کی طرف بڑھا دیے۔ "لو، یہ رکھ لو۔"

"نہیں بجو۔" زویا یوں پرے ہٹ گئی، جیسے نوٹ اگر اس سے چھو گئے تو وہ پتھر کی ہو جائے گی۔

زویا کے یوں متردد ہونے پر جویا کو قدرے تعجب ہوا۔ شادی سے پہلے وہ زویا کو آئے دن پیسے دیتی رہتی تھی۔ بازار سے اس کے لیے تحفے تحائف بھی خرید کر لاتی تھی۔ زویا تو بڑے شوق سے اس کا ہر تحفہ وصول کرتی بلکہ آئے دن اس سے نوع بنوع فرمائشیں کیا کرتی تھی۔

جویا نے اماں کی طرف دیکھا تو زویا کے تردد کا بھید اس پر آشکارا ہو گیا۔ اماں زویا کو گھور رہی تھیں۔

"اماں! آپ ہم دونوں بہنوں کے درمیان کچھ مت بولیے۔" جویا بولی۔

"میں کیا بول رہی ہوں بھلا!"

"زویا کو پیسے لینے سے آنکھوں ہی آنکھوں میں منع تو کر رہی ہیں آپ۔"

"تو کیا غلط کر رہی ہوں۔ بس بہت لے دے چکیں تم اسے، اب تم اپنے گھر بار کی ہو۔ یہاں لینا دینا بس اب اٹھا رکھو۔"

"کیوں اماں؟"

"کیونکہ تمہارا کوئی حق نہیں ہے دینے کا۔"

"زویا میری چھوٹی بہن ہے اماں۔"

"ٹھیک ہے مگر بیاہی لڑکیاں شوہر اور سسرال والوں کی محتاج ہوتی ہیں۔"

"میں کسی کی محتاج نہیں ہوں، خود کماتی ہوں۔"

"کمانے والی عورتوں کے بھی ایک ایک پیسے کا شوہر اور سسرال والے حساب کتاب رکھتے ہیں۔"

"میں ایسی عادت نہیں ڈالوں گی۔"

"یہ تو عقلمندی کرو گی۔"

"زویا کو پیسے لینے سے کیوں منع کر رہی ہیں آپ؟"

"کیونکہ یہ تمہاری کمائی نہیں ہے اپنی ساری جمع پونجی تو تم شادی پر خرچ کر گئی تھیں۔"

"میری کمائی نہیں ہے تو کیا ہوا، میری منہ دکھائی تو ہے۔"

"منہ دکھائی کے ایک ایک پیسے کا حساب رکھا ہوا ہوگا تمہارے سسرال والوں نے۔"

"وہ لوگ ایسے نہیں ہیں اماں۔"

اماں یوں مسکرا دیں، جیسے اس نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو۔ پھر بولیں۔ "تمہاری منجھلی نند قلم کاپی لیے بیٹھی تھیں اور منہ دکھائی کا حساب کتاب نام بنام لکھتی چلی جا رہی تھیں۔"

"لکھا ہوگا مگر جتنی منہ دکھائی جمع ہوئی، وہ ان لوگوں نے میرے حوالے کر دی کہ جو مرضی میں آئے کرو۔"

"اور تم سچ سمجھ بیٹھیں!" اماں کی مسکراہٹ گہری پڑ گئی۔

اماں کی مسکراہٹ اور ان کی بات نے جویا کو الجھا دیا۔

"ایک بات یاد رکھنا میری۔" امی نے لحظہ بھر کو توقف کیا، پھر بولیں۔ "شوہر یا سسرال والوں کے دیے ہوئے ایک ایک پیسے اور ایک ایک چیز کا حساب کتاب دینے کے لیے ہمیشہ تیار رہنا۔ بڑے بوڑھوں کا کہنا ہے کہ عورت کو مرد پیسہ دے کر آزماتا ہے، وقت دے کر آزماتا ہے...... اور ہاں...... اپنے پیسے کی بھی بو مت سنگھانا انہیں...... کبھی ٹھیک ٹھیک مت بتانا کہ کتنی تنخواہ ہے۔"

گو اماں کی باتوں نے جویا کو تذبذب میں ڈال دیا تھا مگر وہ پھر بھی بولی۔ "اماں، ابھی تو آپ زویا کو یہ پیسے لینے دیں پھر دیکھا جائے گا۔"

"میرا کام سمجھانا تھا سو میں نے سمجھا دیا۔ ارے، بعض سسرال والے اور بعضے مرد تو ایسے چنٹ اور کائیاں ہوتے ہیں کہ نوٹوں کے نمبر تک دیکھ کر رکھتے ہیں۔"

"اوہو اماں! کیسی خوفناک باتیں کر رہی ہیں آپ!"

"سچ کہہ رہی ہوں۔" اماں بولیں۔ "لڑکیوں کو سسرال میں بڑی ہوشیاری اور احتیاط سے رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"اللہ مالک ہے۔ لو زویا، یہ تو لے لو۔"

"نہیں بجو، اب تو میں ہرگز نہیں لوں گی۔"

جویا بے ساختہ ہنس پڑی۔ "کیا اماں کی باتوں سے تم بھی ڈر گئیں!"

جویا کے سوال میں لفظ "بھی" کی موجودگی سے صاف ظاہر تھا کہ خود اسے تو اماں کی

باتوں نے ڈرا ہی دیا تھا۔

"بھئی، کانوں سنی نہیں، آنکھوں دیکھی سناتی ہوں تمہیں کہ تمہارے ابا کے ایک دور پار کے بھائی کو اپنی بیوی پر شبہ تھا کہ وہ میکے والوں کا بھرنا بھرتی ہیں مگر وہ انکار کرتی تھیں۔ ایک روز ان کی ساس سالیاں میلاد میں ان کے گھر آ گئیں تو بیوی نے چپکے سے اماں کو کچھ لیا دیا۔ میاں نے کہیں دیکھ لیا۔ بیوی سے پوچھا تو وہ عادت کے مطابق مکرنے لگیں۔ گھر میں محفل تھی مگر میاں نے بڑی بدلحاظی سے کہا، اپنی اماں کا بٹوا کھلوا کر دیکھو اگر فلاں فلاں نمبر کے نوٹ نکل آئیں تو میرے ورنہ جو چور کی سزا وہ میری۔ بندہ خدا ساس کے بٹوے کو کھلوا کر ہی رہے۔ نوٹ پکڑے گئے۔ بیوی اور ساس کو وہ شرمندگی ہوئی کہ اللہ کی پناہ!"

"توبہ! اماں کے سینے میں کیسے کیسے خوفناک قصے محفوظ تھے!"

"زویا، تم ان نوٹوں کو بٹوے میں مت رکھنا۔" جویا مسکرا کر بولی۔

"میں انہیں چھوؤں گی بھی نہیں۔"

"تمہیں میری جان کی قسم، لے لو۔"

زویا نے بے بسی سے اماں کی طرف دیکھا۔

"لے لو، اب میرا منہ کیا دیکھنا۔"

"اپنی جان کی قسم مت دیا کریں آپ!" زویا بولی۔

"ارے، یہی تو ایک آزمودہ ہتھیار ہے ہمارا۔" جویا مسکرا کر بولی۔

اگرچہ زویا اس قسم کے دے دینے کے باوجود بھی پیسے لینے میں متردد رہی لیکن جویا کے اصرار نے اسے بالآخر مجبور کر دیا۔

بھابی باورچی خانے میں تھیں۔ جویا اور یقین کے آنے سے ذرا ہی دیر پہلے ابا نے بھابی سے مزعفر کی فرمائش کی تھی اور جب وہ دونوں پہنچے تو بھابی مزعفر بنانے کی ابتدائی تیاریوں میں تھیں۔ مگر کچن کے رخ سے اٹھتی کبابوں کی مہک بتا رہی تھی کہ بھابی نے یقین اور جویا کی خاطر مدارات کا اہتمام بھی شروع کر دیا تھا۔

☆=====☆=====☆

جویا کی کھیر میں ہاتھ ڈلوائی کی رسم میں کہنے کو تو امی نے قریب قریب کے چند رشتہ داروں اور جویا کے میکے والوں کو مدعو کیا تھا مگر پھر بھی بچے بڑے سب ملا کر تقریباً سوسوا سو مہمان متوقع تھے۔

مہمانوں کی اسی متوقع تعداد کے پیش نظر گھر کے لان میں اور احاطے میں شامیانے اور قناتیں تنوائی گئی تھیں۔ کھانا باہر سے پکا پکایا منگوانے کے لیے آرڈر دے دیا گیا تھا۔ مٹی کی سکوریوں میں جمی کھیر بھی باورچی کے ہاتھ کی پکی تھی، تاہم رسم کی ادائیگی کے لیے امی نے گھر میں تھوڑی سی کھیر جویا کے ہاتھ سے پکوائی۔

شام نوع بنوع خوشبوؤں سے مہکتے سراپا، بے سنورے چہرے، دھنک رنگ آنچل اور

جلترنگ کی سی نغمگی بکھیرتے قہقہے اپنے دامن میں لیے اُتری۔

جویا کے گھر والوں کا بظاہر بڑے تپاک سے استقبال کیا گیا۔ زویا آتے ہی مرکز توجہ بن گئی۔ وہ اُن لڑکیوں میں سے تھی جو حسن و جمال کے مروجہ پیمانے پر پوری نہ اترنے کے باوجود بھی دلربا ہوتی ہیں۔ گو سرخ و سپید نہ تھی مگر اس کی گندمی رنگت میں بھی بلا کی کشش تھی۔ اس کی آنکھیں غزالی نہ تھیں مگر ان میں ستاروں کی سی جھلملاہٹ تھی۔ اس کے ہونٹ گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح نازک نہ تھے مگر رسیلے تھے۔ ہنستے سے اس کے رخساروں میں پڑنے والے گڑھے اس کی دلربائی میں مزید اضافہ کر دیتے۔ وہ سرو قد نہ تھی مگر اس کی درمیانہ قامت میں بھی بلا کی پھبن تھی۔ وہ خوش انداز تھی، جامہ زیب تھی۔

اس شام دھانی رنگ کے جوڑے میں وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اس نے جوڑے کے ہم رنگ پنسل ہیل کورٹ شوز پہن رکھے تھے جنہیں دیکھ کر کوئی یقین نہ کر سکتا تھا کہ رعایتی سیل سے صرف چالیس روپے میں خریدے گئے تھے۔ اُس نے مصنوعی زیورات کا جو نازک سا سیٹ پہن رکھا تھا، وہ اس کی گزشتہ سالگرہ پر سازہ آپا نے اُسے تحفے میں دے دیا تھا۔ ہلکے پھلکے میک اپ نے اُس کی دلکشی میں دو چند اضافہ کر دیا تھا۔ شیمپو سے دھلے بال اس کی پشت پر کھلے لہرا رہے تھے۔ تقریب ولیمہ کی طرح اُس روز بھی وہ تصویریں کھینچنے کے لیے اپنا کیمرہ ساتھ لے کر آئی تھی۔

چھ بجے کے لگ بھگ مہمان آنا شروع ہوئے۔ نو سوا نو بجے کے لگ بھگ کھانا لگایا گیا۔ خاصی پُررونق تقریب تھی۔ جویا کے میکے نے زویا اور سسرال سے ذہین اور افتخار بھائی اپنا اپنا کیمرہ لیے تقریب کی رونق کو کیمرے میں مقید کرتے رہے۔

زویا کی نگاہیں اور اس کا کیمرہ تمام وقت فرزین کو تلاش کرتا رہا مگر وہ کہیں دکھائی نہ دیا۔ راز کی بات تھی مگر حقیقت تھی کہ اس تقریب میں شرکت کے لیے اس نے جتنا بھی اہتمام کیا تھا، فرزین کی خاطر کیا تھا۔ وہ اسے پہلی ہی نظر میں اچھا لگا تھا!

فرزین کے ساتھ بھی کچھ یہی ہوا تھا۔ زویا پہلی نظر میں اس کے دل کے سنگھاسن پر آ بیٹھی تھی۔ مہندی، بارات اور ولیمے کی تصویروں اور مووی کو وہ بار بار صرف اُسی کو دیکھنے کے لیے دیکھتا تھا۔ مووی کے ماسٹر پرنٹ سے اس نے ایک کاپی بطورِ خاص اپنے لیے بنوائی تھی اور شادی کے بعد سے اب تک وہ رات کو تخلیے میں کئی مرتبہ مووی دیکھ چکا تھا۔ زویا کا ہر شاٹ، ہر کلوز اپ اس نے ریوائنڈ کر کے بار بار دیکھا تھا۔

کھانے کے وقت مہمانوں کے ایک گروپ کی تصویر کھینچتے ہوئے زویا نے بظاہر بڑے لاابالی سے انداز میں ذہین سے پوچھا۔ "آج آپ کے وہ بھائی صاحب نہیں دکھائی دیے جو فوٹو گرافرز اور مووی میکرز کو ہدایات دینے میں بڑے ماہر ہیں۔"

"آپ غالباً فرزین بھائی کی بات کر رہی ہیں؟"

"غالباً نہیں یقیناً۔"

"اُن کا جہاز دو تین روز بعد روانہ ہونے والا ہے۔ جہاز کے عملے میں شامل اُن کے ایک ہم رینک بندے کو آج کچھ ایمرجنسی ہوگئی۔ فرزین بھائی اپنی ڈیوٹی دینے کے بعد اس کی ڈیوٹی بھی دے رہے ہیں ورنہ شام کو گھر آ گئے ہوتے۔"

"اچھا ہوا جو نہیں آئے ورنہ ہم آپ اتنے سکون سے تصویریں نہ کھینچ پاتے۔"

"کیا مطلب؟" ذہین چونکا۔

"مطلب یہ ہے کہ جو تصویریں ہم نے کھینچی ہیں، وہ بالکل نیچرل معلوم ہوں گی، جبکہ وہ موصوف اگر ہوتے تو کسی کی آنکھیں کیمرے کی آنکھ میں ڈلوا دیتے ہیں اور کسی کی بتیسی کھلوا دیتے ہیں۔ ان کی ہدایات لوگوں کو کیمرہ کانشس کر دیتیں اور آدمی کیمرہ کانشس ہوا نہیں کہ تصویر اَن نیچرل ہوئی۔"

"ارے بھئی، یہ کیا آپ آنکھ سے کیمرہ لگائے کھڑی ہیں، کھینچ بھی چکیں۔" زدیا کے کیمرے کی زد پر موجود مہمانوں کے گروپ میں شامل ایک خاتون بولیں۔

"لیجئے، یہ تو فرزین بھائی کی عدم موجودگی کے باوجود بھی کیمرہ کانشس ہوگئیں۔" ذہین دھیرے سے بولا۔ "مت کھینچئے کیونکہ یہ تصویر تو یقیناً اَن نیچرل ہوگی۔"

زدیا قدرے خفیف ہوگئی تاہم اس نے اپنی خفت کو دباتے ہوئے کہا۔ "کوشش کروں گی کہ اَن نیچرل نہ آئے۔"

اس نے تصویر کھینچنے کے بعد کیمرہ آنکھ کے سامنے سے ہٹایا ہی تھا کہ مدحت بجیا آ گئیں اور انہوں نے بڑی محبت سے کہا۔ "زدیا، کچھ دیر کو کیمرہ بند کرو اور چل کر کھانا کھالو۔"

"ایک تصویر آپ کی لینا چاہوں گی۔" زدیا بولی۔

"کیا کرو گی، بہت بیکار سی آتی ہے میری تصویر تو۔" مدحت بجیا نے پہلوتہی کرنے کی کوشش کی۔

"پلیز!" وہ لجاجت سے بولی

"اچھا، اگر ایک تصویر ضائع کرنا چاہتی ہو تو تمہاری مرضی۔"

"نیچرل تصویر کے لیے ضروری تھا کہ آپ بجیا کو بتائے بغیر ان کی تصویر کھینچیں۔" ذہین نے کہا۔

"ایسا کریں۔" زدیا نے اپنا کیمرہ ذہین کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپ مدحت بجیا کی اور میری ایک اکٹھی تصویر لے لیں۔"

"سوچ لیجیے...... کیمرہ کانشس ہوں گی تو تصویر اَن نیچرل آئے گی۔" ذہین مسکرا کر بولا۔

"اب آپ میرا زیادہ دیر ریکارڈ مت لگایئے...... کھینچیے۔" زدیا نے اسے گھورا۔

"سوری!" ذہین بولا اور اُس نے مدحت بجیا کے ساتھ زدیا کی تصویر کھینچنے کی تیاری کی۔

"ریڈی؟"

"یس۔" زدیا نے مدحت بجیا کے شانے سے اس بے تکلفی سے سر ٹکا دیا کہ بجیا کو اس کی اس بے ساختہ بے تکلفی پر پیار آ گیا۔ انہوں نے گردن کو خفیف سا موڑا اور اپنے لب اس کے خوشبودار بالوں سے مَس کر دیے۔

ذہین نے کیمرے کا بٹن دبایا اور اس یادگار لمحے کو سیلولائیڈ کے فیتے پر منتقل کر دیا۔

"تھینک یو!" زدیا نے اپنا کیمرہ ذہین سے لیتے ہوئے کہا۔

"ویلکم۔"

"چلو بھئی، کھانا کھالو۔" مدحت بجیا نے زدیا سے کہا۔

تب ہی نزہت آ پہنچی اور زدیا سے بولی۔ "اللہ! ہم آپ کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔"

"خیریت؟" ذہین مسکرایا۔

"آپ کو کیا!" نزہت نے ٹیڑھی نگاہوں سے اُسے دیکھا۔

"اچھا!" ذہین نے اُسے گھورا۔

"بجیا! ہم انہیں لے جائیں؟ رباب اور عائشہ وغیرہ کہہ رہی ہیں کہ ہم کزنز اور سہیلیاں اکٹھے کھانا کھائیں گے۔"

"میں بھی چلوں؟" ذہین شوخی سے بولا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ کزن تو میں بھی ہوں ان سب کا۔"

"جی نہیں...... آپ تکلیف مت کیجیے۔" نزہت نے کہا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ صرف لڑکیاں موضوعِ گفتگو ہیں۔" مدحت بجیا بولیں۔

"جی...... بہتر۔" ذہین کا منہ لٹک گیا۔

"چلیے۔" نزہت نے مسکراتے ہوئے ذہین کو دیکھا اور زدیا کا ہاتھ پکڑ لیا۔

ذہین نے نزہت کو نگاہوں ہی نگاہوں میں اس طرح گھورا جیسے کہتا ہو۔ "یاد رکھنا بدلہ ضرور لوں گا۔"

زدیا کو اپنے ہمراہ لیے نزہت اپنی کزنز اور سہیلیوں تک پہنچی جو خوش گپیاں کرنے میں مشغول تھیں۔ ان میں سے چند سے زدیا شادی اور ولیمے میں متعارف ہو چکی تھی لیکن نزہت نے ازسرِنو ایک ایک سے زدیا کا تعارف کرایا۔ ارباب اور سیماب کے بارے میں نزہت نے بتایا کہ اس کی خالہ زاد بہنیں تھیں۔ عائشہ، فریحہ اور عاتکہ چچا زاد بہنیں تھیں۔ انجم ماموں زاد تھی۔ ثنائی اور صبیحہ امی کی خالہ زاد بہن کی بیٹیاں تھیں۔ باقی نزہت کی سہیلیاں تھیں۔ فرزانہ، صنوبر اور طلعت۔

تعارف مکمل ہوا تو عاتکہ بولی۔ "نزہت! اپنی بھابی کی بہن سے تو تم نے ہم سب کو متعارف کرا دیا۔ اب ذرا مسٹر تورمہ، مسز بریانی، نان خان، شیرمال صاحب اور کھیر بی بی سے

بھی ملوادو ہمیں۔"

سب لڑکیاں قہقہہ مار کر ہنس پڑیں۔

"ہائے! یہ لڑکیاں باؤلی تو نہیں ہو گئیں۔" قریب بیٹھی ایک معمر خاتون نے لڑکیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آنٹیں قل ھو اللہ پڑھ رہی ہیں۔" سیماب بولی۔

"اجی، میری آنتیں تو چاروں قل پڑھ کر بیٹھ چکی ہیں۔" انعم نے کہا۔

پھر ایک فلک شگاف قہقہہ پڑا۔

"ہا! یو آج کل کی لڑکیاں کیسی بے حیا ہو گئی ہیں۔" وہی خاتون پھر معترض ہوئیں، پھر انہوں نے لڑکیوں کو شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتے ہوئے جھڑکا۔ "اری چپکی ہو جاؤ، کیا تم نے گھنٹہ بھر سے ہا ہلا مچا رکھا...... وب چ کے نہ بیٹھا جاوے ہے تم سے۔"

لڑکیاں منہ دبا کر کھی کھی کرنے لگیں۔

"توبہ! توبہ! نہ محفل کا لحاظ رہا، نہ بڑوں کی شرم...... کھی کھی، کھی کھی ہنسے جاویں ہیں۔" مذکورہ خاتون نے ایک مرتبہ پھر لڑکیوں کو گھورا پھر اپنے کانوں کو چھوتے ہوئے بولیں۔ "اللہ بچاوے ان سے۔"

"اچھا بھئی، ہم کھانا لے کر آتے ہیں۔ آپ سب منہ پر انگلی رکھ کر بیٹھیے گا۔" نزہت دھیرے سے بولی۔

"بائی دی وے نزہت، یہ ہیں کون؟" نزہت کی دوست صنوبر نے مذکورہ خاتون کی نسبت پوچھا۔

"بھئی! یہ ہماری امی کی رشتے کی تائی ہیں۔ تائی جمیلہ۔" نزہت نے جانے سے پہلے بتایا۔

"مجھے لگ رہا تھا کہ یہ اسی قسم کی کوئی چیز نکلیں گی۔" طلعت بولی۔

"ہاں، یہ تائیاں دور ہی سے پہچانی جاتی ہیں۔" عائشہ منہ بنا کر بولی۔

"کیا! کیا!" نزہت نے عائشہ کو گھورا۔ "ہماری امی بھی تمہاری تائی ہی ہوتی ہیں!"

"اوہ! سوری۔" عائشہ خفت سے بولی۔

"مجھے لگتا ہے نزہت تم تو لاؤ گی نہیں، چلو میں چلتی ہوں تمہارے ساتھ، اپنی برادری کے لیے کھانا لگوانے کو۔" رباب اٹھتے ہوئے بولی۔

ان دونوں کے جانے کے بعد وہ سب چپکے چپکے خوش گپیاں کرنے لگیں۔ وہ دزدیدہ نظروں سے گاہے گاہے تائی جمیلہ کو بھی دیکھے جاتیں۔ تائی جمیلہ انہیں گھور گھور کر بڑبڑاتی رہیں۔

کھانے کے آتے ہی لڑکیاں ٹوٹ پڑیں اور تائی جمیلہ اپنے کانوں کو چھو کر ناک کے بانسے پر شہادت کی انگلی تین مرتبہ اوپر سے نیچے پھیرے بنا نہ رہ سکیں۔ "توبہ توبہ! یوں لگے ہے جیسے مری کھائیوں کو پہلی مرتبہ کھانا جڑا ہو۔"

کھانے کے دوران بھی لڑکیوں میں خوش گپیاں اور ہنسی ٹھٹھول جاری رہی مگر تائی جمیلہ کے خوف سے ذرا دبے دبے انداز میں۔

"نزہت! آج تمہارے فرزین بھائی نہیں دکھائی دیے۔" انعم بولی۔

زویا نے بے ساختہ چونک کر انعم کی طرف دیکھا تو اسے انعم کی آنکھوں میں قندیلیں سی ٹمٹماتی محسوس ہوئیں۔ زویا اس ٹمٹماہٹ میں الجھ کر رہ گئی۔ کہیں انعم بھی اسی کشتی کی سوار تو نہ تھی!

"فرزین بھائی بے چارے جہاز پر ہیں۔" نزہت نے کچھ اس طور کہا، جیسے جہاز پر ہونے سے بڑی بے چارگی کچھ اور نہ ہو سکتی تھی۔

"انعم، بائی دی وے فرزین بھائی تمہارے کیا لگتے ہیں؟" رباب کے لہجے میں طنز تھا۔

"میرے کزن ہیں۔" انعم بولی۔

"بھائی کہتے ہوئے شرم آتی ہے کیا؟" رباب کے لہجے میں نیم اور کریلے سے بڑھ کر کڑواہٹ گھلی ہوئی تھی۔

زویا نے حیرانی سے رباب کو دیکھا۔

تو کیا یہ بھی!

اوہ!

"بھئی، کیوں کالی اور بھوری بلی بن رہی ہو!" یہ عائشہ تھی۔

زویا نے ہڑبڑا کر عائشہ کو دیکھا کہ کہیں وہ ملائی کا لڈو لے بھاگنے کی فکر میں تو نہ تھی۔

انعم، رباب اور عائشہ کی نگاہوں میں ایک دوسرے کے لیے رقیبانہ جذبات تھے اور نزہت بڑی بے نیازی سے تو چل میں آیا کا مرقع بنی ہوئی تھی...... تو یہ تھا نزہت کے تن و توش کا سبب!

"نزہت!" صنوبر نے نزہت کو ٹھوکا دیتے ہوئے کہا۔ "بخش دو بس۔"

"کسے؟" نزہت بڑی معصومیت سے چونکی۔

"اس مرحوم و مغفور مرغ کو جس کی ٹانگ اس وقت تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

نزہت جھینپ گئی۔

"بھئی، اپنی نزہت کھانے پینے کی بہت شوقین ہے۔" طلعت بولی۔

"انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی کیا ہے کھانے پینے کے لیے!" نزہت نے کہا۔

"ہاں۔" صنوبر ہنسی۔ "ورنہ اطاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں۔"

نزہت کی تینوں سہیلیاں اور دو سیکنڈ کزنز زور سے ہنس دیں۔ زویا نے مسکراہٹ پر اکتفا کیا مگر نزہت کی چھ کی چھ فرسٹ کزنز بری طرح منہ سجائے بیٹھی رہیں۔ یوں لگتا تھا، جیسے وہ تین حریف بلاکوں میں تقسیم ہو چکی تھیں۔ ایک بلاک میں رباب اور سیماب تھیں۔ دوسرے میں عائشہ، فریحہ اور عاتکہ، جب کہ تیسرے بلاک میں انعم تن تنہا!

صنوبر، طلعت اور فرزانہ کی ہنسی سن کر تائی جمیلہ نے پھر منہ ہی منہ میں دو حرف ان پر

بھیجیے۔

''معزز خواتین! میں آپ کی کچھ مدد کرسکتا ہوں۔'' ذہین اُن کے نزدیک آ کھڑا ہوا تھا۔

''سیماب سے پوچھو۔'' عائشہ کے لہجے میں طنز بھی تھا، تلخی بھی۔

''کیوں؟ سیماب سے کیوں عاتکہ سے کیوں نہیں؟'' رباب نے کہا۔

خدایا!

زدیا نے سٹپٹا کر انہیں دیکھا۔

لائنیں کہاں کہاں مل رہی تھیں!

''آپ یہاں کیوں آئے؟'' نزہت ذہین سے بولی۔

''کیوں؟ یہ علاقہ غیر ہے کیا؟''

''ارے نہیں جناب، یہ تو آپ کا اپنا علاقہ ہے۔'' انعم نے معنی خیز نظروں سے پہلے سیماب پھر عاتکہ کو دیکھا۔

ذہین، انعم کی بات کی گہرائی کو سمجھنے سے قاصر رہا۔

''ہمارا نہیں، کھاتے پیتے لوگوں کا علاقہ۔'' ذہین نے دزدیدہ نظروں سے نزہت کو دیکھا۔

''آپ کیوں جلتے ہیں ہمارے کھانے پینے سے!'' نزہت بولی۔

''ارے! مجھے ایک موٹی سی چوہیا دکھائی دے رہی ہے اس علاقے میں۔''

''چوہیا! کہاں؟'' صنوبر نے پاؤں فرش سے اوپر اُٹھا لیے۔

نزہت نے ذہین کو گھورا۔

کزنز کے لیے ذہین کا یہ مذاق نیا نہیں تھا مگر نزہت کی سہیلیوں میں آن کی آن بھگدڑ مچ گئی۔ فرزانہ اپنی پلیٹ اُٹھا کر اور طلعت پلیٹ چھوڑ کر ''چوہیا! چوہیا!'' کی گردان کرتی بھاگیں۔ صنوبر پاؤں اوپر کیے شور مچاتی رہی۔ زدیا اپنی پلیٹ سمیت بھاگی تو مرغی کی ایک ٹانگ اس کی پلیٹ پر سے پھسل کر تائی جمیلہ کی دائیں آنکھ سے اٹھکیلیاں کرتی اُن کے زانو پر لینڈ کر گئی۔

''ہائے!'' تائی کا ایک ہاتھ آنکھ پر پہنچا کہ آنکھ میں جلن مچانے کے لیے تو مصالحے کی ایک چھینٹ ہی کافی تھی اور دوسرے ہاتھ سے انہوں نے زانو پر لینڈ شدہ مرغی کی ٹانگ اُٹھائی اور صنوبر کی طرف اُچھالی۔

لڑکیوں کی چیخ پکار نے آس پاس کے مہمانوں میں بھی سراسیمگی پھیلا دی۔ کسی کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ ہوا کیا ہے۔

اپنی دوسری پرواز کے اختتام پر مرغی کی ٹانگ غڑاپ سے صنوبر کی گود میں اُتری تو اُس نے یہ جانا کہ چوہیا ہجوم سے گھبرا کر اس کی گود میں آ براجمان ہوئی ہے۔ ایک فلک شگاف چیخ کے ساتھ صنوبر کے فرش سے اُٹھے پاؤں نیچے آ رہے۔ وہ اُٹھی، بھاگی اور اُلٹی بھاگی کہ رباب،

سیماب، عائشہ، فریحہ، عاتکہ، انعم، سلمٰی، صبیحہ سب ہنس ہنس کر دہری ہو گئیں اور تو اور خود نزہت کی ہنسی بھی بڑی دیر کے نہ رُک رہی تھی۔

زدیا آخری چیخ مار کر اپنی پلیٹ سمیت رُکی تو اُس نے اپنے آپ کو فرزین کے روبرو پایا۔ دوسری لڑکیوں کی چیخ پکار ہنوز نہ تھمی تھی۔

''خیریت تو ہے؟'' فرزین نے حیرانی سے اس سے پوچھا۔

''جی..... جی ہاں۔''

''اور..... یہ اتنی چیخ پکار کیوں مچی ہوئی ہے؟''

''وہ..... ہم لوگ کھانا کھا رہے تھے کہ.....''

''کہ؟''

''کہیں سے چوہیا آ گئی۔''

''چوہیا!''

''جی۔''

''تو یہ چیخ پکار محض ایک چوہیا کے سبب ہے؟'' اُس نے گہری نگاہوں سے زدیا کو دیکھا۔ ''آپ لوگ، آئی مین لڑکیاں اتنی ڈرپوک کیوں ہوتی ہیں؟''

''سب نہیں ہوتیں۔'' وہ اپنی اصل فارم میں واپس آ گئی تھی۔

''آپ تو ہیں!''

''جی نہیں..... بالکل بھی نہیں۔''

''تب ہی اپنی پلیٹ سمیت بھاگی چلی جا رہی تھیں۔''

''جی نہیں..... وہ تو میں بس یونہی۔'' وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔

''جسٹ فار انجوائے منٹ۔'' وہ اس کا مضحکہ اُڑانے والے انداز میں بولا۔

زدیا خفیف ہو گئی۔

''آپ اپنی بزدلی اور حماقت پر ٹھٹھے لگا رہی ہیں!'' فرزین کی اس بات پر چونک کر اُس نے اُس کی نگاہوں کے تعاقب میں اپنی نظریں دوڑائیں تو دیکھا، وہاں سب کی سب اور ان کے ساتھ ذہین بھی ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوئے جا رہے تھے۔

''آپ ان ٹھٹھوں سے محروم کیوں کھڑی ہیں.....؟ چلیے۔''

''ویسے مجھے کوئی شوق تو نہیں ہے، یوں منہ پھاڑ کر ہنسنے کا لیکن آپ کہتے ہیں تو چلی چلتی ہوں۔'' وہ اُس پر احسان دھرتی اُس کے ساتھ ہو لی۔

''یہ بتاؤ، میری طرف مرغی کی ٹانگ کس نے پھینکی تھی؟'' صنوبر اپنی قمیص کا دامن ٹشو پیپر سے صاف کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بہ آواز بلند پوچھ رہی تھی۔

''میں نے پھینکی تھی۔'' جواب آیا۔

''سب نے چونک کر دیکھا تو تائی جمیلہ تھیں جو اپنے زانو کو رومال سے پونچھتے ہوئے آنکھیں

نکالے اِن سب کو دیکھ رہی تھیں۔ "یہ بتاؤ میرے پہ کن نے پھینکی تھی؟"

"اپنی پلیٹوں سمیت دوڑ لگانے والی خواتین چیک کریں کہ کس کی پلیٹ میں سے مرغی کی ایک ٹانگ کم ہے۔ اعتراف کرنے والی خاتون کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔" ذہین نے شوخ نگاہوں سے زویا اور فرزانہ کو دیکھا۔

"بھئی، میں تو ویجیٹیرین یعنی سبزی خور ہوں۔" فرزانہ نے کہا اور اپنی پلیٹ کی نمائش کراتے ہوئے بولی۔ "دیکھ لیں، دور دور تک آپ کو مرغی کی ٹانگ تو کجا اس کا نقش پنجہ بھی نہ ملے گا۔"

"بولو نا کون تھی تم میں سے؟" تائی جمیلہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُن کی طرف آ گئیں اور اپنے کپڑوں کی طرف اُن کی توجہ مبذول کراتے ہوئے فرزین سے شکایتی لہجہ میں بولیں۔ "دیکھو تو بیٹے، یہ چکن کی قمیص اور لیڈی مِلّن کی شلوار پہن کر آئی تھی، انہوں نے ستیاناس کر مارا۔ ارے، جوانی ہم پر بھی آئی تھی، ایسے باؤلے نہیں ہو جایا کریں تھے پہلے۔"

"کیوں بھئی، کس نے تائی جمیلہ کے کپڑے ستیاناس کیے؟" فرزین نے بناوٹی دُرشتی سے پوچھا۔

"جو خاتون اپنی پلیٹ سمیت بھاگیں، ڈسکلیرین نہیں۔ وہ اپنی پلیٹ میں سے ایک ٹانگ میرا مطلب ہے، مرغی کی گرا چکی ہیں۔" ذہین نے شوخ نظروں سے زویا اور اس کی پلیٹ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

زویا محجوب ہو گئی۔

"ہوں!" فرزین نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

"فرزین! بیٹے پہلے تو تُو ان سب سے یہ پوچھ کہ انہوں نے یہ دنگا مچایا کیوں تھا؟" تائی جمیلہ بولیں۔

"بس تائی جمیلہ، یہ مت پوچھیں۔" ذہین نے اپنا پیٹ پکڑتے ہوئے کہا۔

"بات کیا تھی؟" فرزین نے پوچھا۔

"ہم بتاتے ہیں آپ کو۔" نزہت بولی۔

اور پھر اس نے جو بتایا، اسے سن کر تائی جمیلہ نے ذہین کا کان پکڑتے ہوئے کہا۔ "اچھا! تو یہ تیری شرارت تھی؟"

"تائی، بس یہ دو ہی کان بچے ہیں، چھوڑ دیں۔" ذہین بولا۔

سوائے زویا کے سب قہقہہ مار کر ہنس دیں۔ اس نے فقط مسکرانے پر اکتفا کیا۔

"اے باؤلی ہو گیاں۔" تائی نے آنکھیں نکالیں۔

فرزین گہری نگاہوں سے زویا کو دیکھ رہا تھا جس کی دھیمی دھیمی مسکراہٹ قہقہوں کے بیچ کچھ اس طور نمایاں تھی جیسے بنات النعش کے سامنے اکیلا قطب تارا۔

اماں! دونوں بیاہی بیٹیوں اور بہو کو لیے سمدھیانے والوں سے گھلی ملی بیٹھی تھیں۔ ستارہ

اور ذرا کی شادی کے بعد اُن کی سسرال والوں نے بھی حسبِ رسم اُن کا کھیر میں ہاتھ ڈلوایا تھا مگر جس شان سے جویا کی سسرال والوں نے یہ رسم ادا کی تھی، اس کی بات ہی اور تھی۔

جویا کے میکے والے رات گئے گھر واپس ہوئے۔ چلتے سے سمدھن نے زبردستی بریانی سے بھرا ایک دیگچہ، بیس پچیس نان، دس بارہ شیر مال اور کھیر کی پچیس سکوریاں گھر کے لیے اور پچیس رشتے داروں یا آس پڑوس میں دینے دلانے کے لیے ساتھ کر دیں۔

گھر واپس لوٹتے ہوئے راستے میں اماں نے ابا سے کہا۔ "میاں! دیکھا کس شان سے ڈلوایا ہے ان لوگوں نے جویا کا ہاتھ کھیر میں! یوں لگ رہا تھا جیسے منگنی یا مہندی کی تقریب ہو۔"

"سب دین کی بات ہے ورنہ بہت سے لوگ بے چارے تو اولاد کی شادی بھی اتنے اہتمام سے نہیں کر پاتے۔" ابا بولے۔

"میاں، بات دین کی نہیں دل اور ارمان کی ہوتی ہے۔ دے تو رکھا ہے اللہ نے تمہارے بھائی اور بھاوج کو بھی بہت مگر...... دیکھا تھا، کیسے ندیدوں کی طرح انہوں نے زہرا کا کھیر میں ہاتھ ڈلوایا تھا۔ چار عزیز رشتے دار جوڑنا تو درکنار، اتنی توفیق بھی نہ ہوئی کہ ہم لوگوں کو سمدھیانہ نہ سہی بھائی کا کنبہ سمجھ کر ہی بلا لیا ہوتا۔ کھیر کی آٹھ سکوریاں بھجوا دیں کہ دو سارہ کے ہاں بھجوا دینا۔ دو بیٹے بہو کی اور چار باقی گھر کی۔ میرے حصے میں جو سکوری آئی، اس میں سے دو چمچے میں نے لیے، تھوڑی سی ثمینہ کو چٹائی، پھر ناخن سے کھرچتی ہی رہی سکوری کو۔ ناخن گھس گیا، ہاتھ کچھ نہ آیا۔"

زویا ہنس دی۔

"کیوں دانت نکل پڑے؟" اماں نے ناگواری سے کہا۔

"اماں، سکوری بے چاری مٹی کی رکابی تھی، سعودی عرب یا مڈل ایسٹ کی سرزمین تو نہیں کہ اندر سے سیال دولت نکل آتی۔"

"کیا نکل آتی؟" اماں نے منہ بنایا۔

"بھئی! زویا بی کا مطلب ہے، پیٹرول۔"

"اے لو! کیسی بیوقوفی کی باتیں کرتی ہے یہ لڑکی۔ بھلا مٹی کی سکوری میں سے بھی کوئی پیٹرول نکل سکتا ہے۔"

"کبھی کبھی نکل آتا ہے اماں۔" زویا نے اتنے پھوکے منہ سے کہا کہ ابا بے ساختہ ہنس دیے۔

"ویسے بھلی، یہ سب ہیں بیکار ہی باتیں۔"

"کون سی باتیں؟" اماں چونکیں۔

"یہی کھیر میں ہاتھ ڈلوانا، کھیر چٹانا......"

"کھیر کھرچنے کی کوشش میں ناخن گھس ڈالنا۔" زویا نے لقمہ دیا۔

"دیکھ زویا، چکی رہ ورنہ ماروں گی ہاتھ۔" اماں نے آنکھیں نکالیں۔

''سوری اماں۔''

''ابا کہہ رہے ہیں، بالکل ٹھیک۔'' سارہ آپا نے جو گاڑی ڈرائیو کر رہی تھیں اور دیر سے چپ تھیں، ابا کی تائید کی۔

''لو تم بھی اپنے ابا کی ہاں میں ہاں ملانے لگیں۔'' اماں نے سارہ آپا کی اونگھتی ہوئی بیٹی زارا کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

''اماں! یہ فضول خرچی اور اسراف ہے...... بلکہ میں تو اسے دکھاوا سمجھتی ہوں۔ اس سے تو بہتر تھا کہ جویا کے سسرال والے اتنے پیسے کسی رفاہی ادارے کو ڈونیٹ کر دیتے۔''

''کیا کر دیتے؟'' اماں ڈونیٹ کا مطلب نہ سمجھ پائی تھیں۔

''کسی خیراتی ادارے کو عطیے میں دے دیتے۔''

''اے بھی، خیراتی ادارے والے کھا پی کر ڈکار لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔''

''سب نہیں اماں، بعض خدمت بھی کر رہے ہیں۔''

''تم جب اپنے بچوں کی شادیاں کرو تو یہی کر کے دکھانا پھر سمجھیں گے۔''

''آپ دیکھیے گا، میں تو یہی کروں گی۔ بیٹی کو نہ جہیز دوں گی نہ دھوم دھڑکا کروں گی۔ جو بھی لے جائے گا، اس سے کہوں گی، میاں سادگی سے نکاح کرو اور اپنی امانت لے جاؤ اور بہو کو بھی جہیز کی لعنت کے بغیر گھر لاؤں گی۔''

''دیکھیں گے۔'' اماں بولیں۔

''سبحان اللہ! کیا نیک خیالات ہیں!'' ابا نے کہا۔

''جب وقت آئے گا تب دیکھیں گے۔'' اماں بولیں۔

''ویسے بھلی، ایک بات کہوں برا مت منانا۔''

''ہاں کہیں۔''

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، پھر میں تو ہم تم نے بھی اپنی بہو کا ہاتھ بس یونہی چلتے پھرتے ڈلوایا تھا۔''

''بھئی! ہماری حیثیت ہی اتنی تھی۔''

''بیوی! اب تم اپنے بیان کی خود ہی نفی مت کرو۔ ابھی کہہ چکی ہو کہ بات دین کی نہیں، دل اور ارمان کی ہوتی ہے۔'' ابا جو اگلی نشست پر سارہ آپا کے برابر بیٹھے تھے، بولے۔

سارہ آپا اور زردیا دونوں دھیرے سے مسکرا دیں۔ آپا کا بیٹا انور اپنا سر زردیا کی آغوش میں رکھے سو رہا تھا۔

آپا نے اپنے سامنے آویزاں آئینے میں دیکھا۔ اماں کے چہرے سے ناگواری مترشح تھی۔

ذرا دیر کو خاموشی سی چھا گئی، پھر ابا نے اس خاموشی کو توڑا۔

''کیوں بیوی، برا مان گئیں؟''

''نہیں...... مجھے کیا پڑی ہے برا منانے کی۔''

''خیر برا تو مان گئی ہو۔''

''اگر برا بھی منایا ہے تو کوئی غلط تو نہیں منایا میں نے...... کئی برس ہو گئے مجھے برداشت کرتے اور یہ دیکھتے کہ جب سے بہو آئی ہے گھر میں، ادھر میں نے اپنی کسی بیٹی کی بات کی اُدھر آپ نے بہو سے مقابلہ کیا...... بہو اور بیٹیوں کا بھلا کیا مقابلہ...... بہو بہو ہوتی ہے، بیٹی بیٹی ہوتی ہے۔''

''بھلی! بہو بھی کسی کی بیٹی ہی ہوتی ہے۔ اور جب وہ ہمارے گھر آ گئی تو ہماری بھی بیٹی ہی ہوئی بلکہ اگر سچ پوچھو تو بیٹی سے بڑھ کر۔''

''سن رہی ہو لڑکیو، اپنے ابا کی بات؟'' اماں نے ابا کے خلاف گاڑی میں بیٹھی دو بیٹیوں سے کمک چاہی۔

''جی اماں۔''

''میاں! بہو بھلا بیٹیوں سے بڑھ کر کیونکر ہو سکتی ہے۔''

''بھلی عورت! بیٹی پرائی ہوتی ہے۔ ہمیں روتا دھوتا چھوڑ کر ایک نہ ایک دن اپنے حقیقی گھر سدھار جاتی ہے۔ بہو اپنی ہوتی ہے کہ ہماری خاطر اپنے خونی رشتوں کو چھوڑ کر آتی ہے اور اپنے ماں باپ کے گھر کو بھول کر شوہر کے گھر کو اپنا گھر سمجھنے لگتی ہے۔ سچ کہو، کیا کوئی اور رشتہ اتنی بڑی قربانی طلب کرتا ہے کسی سے؟''

''اجی آپ کی تو منطقیں ہی نرالی ہیں۔'' اماں کے لہجے میں ہلکی سی جھلاہٹ تھی۔

''نہ ماننے کے سو بہانے...... اصل قصہ یہ ہے کہ ہم نے بہو اور بیٹی کے لیے انصاف کی بجائے منافقت کی میزان رکھی ہوئی ہے۔ جب بیٹی کا معاملہ ہوتا ہے تو صحیح ہو یا غلط ہم بات پر بات رکھتے چلے جاتے ہیں لیکن جب بات بہو کی ہو تو ہم اکثر و بیشتر صحیح کو بھی غلط گردانے کی آستین چڑھا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہمارے لیے اپنی بیٹی تو دل کا ٹکڑا ہوتی ہے لیکن بہو کے سلسلے میں ہم اس حقیقت سے نظریں چرا کر ہر فیصلہ کرتے ہیں کہ وہ بے چاری بھی کسی کے دل کا ٹکڑا ہے اور ہماری خاطر اپنی اصل سے جدا ہو کر اپنوں کو چھوڑ کر ہمارے ساتھ آ بیٹھی ہے۔''

''سارہ، سن رہی ہو، تم اپنے ابا جان کا وعظ؟''

''ابا کی بات دل کو لگتی ہے اماں۔'' سارہ آپا بولیں۔

''اوئی! تم بھی اُن کی ہاں میں ہاں ملانے لگیں۔''

''سعادت مند اولاد کا یہی کام ہوتا ہے۔'' ابا مسکرائے۔

''میرا ووٹ بھی آپ کے ساتھ ہے ابا۔'' زردیا بولی۔

''زردیا تو چپکی بیٹھی رہ۔''

''زردیا!'' آپا آئینے میں زردیا کے عکس کو دیکھتے ہوئے بولیں۔ ''خاندان کی کسی لڑکی کو شاید ہی اس قدر چپکی بیٹھنے کی تنبیہ کی گئی ہو جتنا کہ اماں تمہیں کیا کرتی ہیں۔''

"ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ اک اماں رکھتے ہیں۔" زویا نے کہا۔
"منع کس نے کیا تھا، دو چار رکھ لی ہوتیں۔" اماں بولیں۔
"سن رہے ہیں ابا!" سارہ آپا مسکرائیں۔
"ہاں بیٹی، سن رہا ہوں اور سوچ رہا ہوں کہ کاش، تمہاری اماں نے یہ بات آج سے تیس بتیس سال پہلے کہی ہوتی۔"
"اجی ہاں، اتنی بیوقوف نہیں تھی۔" اماں بولیں۔
ابا، سارہ آپا، زویا تینوں مسکرادیے۔
"اے سارہ!" اماں کے لہجے میں یک بیک تشویش در آئی۔
"جی اماں۔"
"یہ جویا کے سسرال والے تو بڑے چھپے ہوئے نکلے۔"
"خیریت؟" ابا چونکے اور اُن کے ساتھ سارہ آپا اور زویا بھی۔
"اے، جویا کی چھٹی ختم ہونے کا انتظار بھی نہ کیا۔ کھیر میں ہاتھ ڈلوا دیا۔"
"تو کیا ہوا بھلی! اس میں اس قدر تشویش کی کیا بات؟"
"اے میاں! آپ چپ رہیں۔ آپ مرد یہ نزاکتیں کیا جانیں۔" اماں نے ابا کو تو یک جنبش لب بارہ پتھر پرے بٹھا دیا اور بولیں۔ "گھر کی پہلی بہو تھی، کچھ دن تو اُسے بٹھا کر کھلاتے۔"
"فکر نہ کریں اماں...... جویا کو زیادہ کام نہیں کرنا پڑے گا، گھر میں نوکر ہے۔" سارہ آپا نے تسلی دی۔
"پھر بھی۔"
"ابھی تو تم تقریب کی تعریف میں رطب اللسان تھیں۔" ابا نے کہا۔
"کیا بھئی؟"
"ابا کا مطلب ہے، اماں آپ تقریب کی تعریف کر رہی تھیں۔"
"ارے، میری سمجھ میں تو یہ قصہ ابھی ابھی آیا۔"
"کشف ہوا ہے تمہاری اماں کو۔" ابا نے سارہ آپا سے دھیرے سے کہا۔
آپا مسکرادیں۔

☆=====☆=====☆

اگلی صبح جب نزہت حسب معمول امی اور بیا کے لیے چائے لے کر ان کے کمرے میں آئی تو امی نے نزہت سے کہا۔ "ناشتہ بنانے سے پہلے بھائی بھاوج کا دروازہ کھٹکھٹا دینا۔"
"کیوں امی؟"
"تاکہ جاگ جائیں۔"
"مگر امی بھائی کو تو آفس کل سے جانا ہے۔"

"تو کیا ہوا!"
"ہمارا مطلب ہے، آفس کل جانا ہے تو آج جلدی جگانے کی کیا ضرورت؟"
"کل دلہن کا ہاتھ کھیر میں ڈلوا دیا ہے، اب آج سے وہ ناشتہ وغیرہ خود بنائیں۔"
"امی ابھی تو ہماری چھٹیاں ہیں جب تک ہم یونیورسٹی نہیں جا رہے، کیا ضرورت ہے بھابی سے ناشتہ بنوانے کی!"
تب ہی نگہت نے جو گزشتہ شب بچیوں کے ساتھ میکے ہی میں ٹھہر گئی تھی اور اس وقت امی کے کمرے ہی میں سو رہی تھی، کروٹ لی اور بولی۔ "امی! اس بیوقوف لڑکی کو سمجھائیں کہ بہت سجا چکی، یہ بھابی صاحبہ کے لیے ناشتہ اور کھانا۔ بس اب ان کے سپرد کرے ورنہ تو ہل کر پچلی بھی نہ توڑیں گی۔"
"ہاں اور کیا۔" امی نے تائید کی۔
نگہت اُٹھ بیٹھی اور اُس نے نزہت کو بڑی دردمندی سے سمجھایا۔ "دیکھو، تمہیں تو جانا ہو گا یونیورسٹی پھر کون کرے گا۔ بھابی صاحبہ کو عادت پڑ گئی تو وہ تو تمہارے ہی آسرے پر رہا کریں گی۔ کھیر میں ہاتھ ڈلوانے کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ بس اب بہو بیگم گھرداری سنبھال لیں۔ سمجھیں؟"
نزہت جس میں نئے زمانے کی لڑکیوں کی سی چالاکی اور تیزی مفقود تھی، بڑی سعادت مندی سے بولی۔ "جی سمجھ گئے۔"
نگہت مسکرادی۔
"تو جاؤ اور جا کر بھائی کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا دو۔"
"نہیں۔ یہ ہم نہیں کریں گے۔"
"کیوں؟"
"کیونکہ جب ہم سو رہے ہوں اور کوئی ہمیں جگائے تو ہمیں غصہ آتا ہے۔"
"عجیب احمق لڑکی ہو تم!"
"اس میں احمق پن کی کیا بات!" نزہت برا مان گئی۔
"احمق پن کی بات یہ ہے نزہت بیٹا کہ آپ ایک کامیاب نند نہیں بن سکتیں۔"
"کیا مطلب؟" نزہت سے پہلے نگہت نے پوچھا۔
"مطلب کوئی خاص نہیں بیٹا۔" بیا زیر لب مسکرا کر بولے۔ "بس ایسے ہی ایک بات جسے دل کے اندر رہنا چاہیے تھا، زبان تک آ پہنچی۔"
نزہت نے باہر جانے کو پر تولے۔
"موجو سے کہنا، دلہن کا دروازہ کھٹکھٹا دے۔" امی نے نزہت سے کہا۔
"ارے بیگم! سونے دو۔ آج کی بات اور ہے، کل سے تو یقیناً آفس جانے ہی لگے گا، لازماً سویرے اُٹھنا ہو گا اُسے۔" بیا بولے۔

نکہت نے لیٹے ہی لیٹے سر کو جھٹکا اور کروٹ لے کر پڑتے ہوئے بڑبڑائی۔ ''اس گھر کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔''

''اور سولیں آج، دیکھتی ہوں کل کیا کریں گے۔'' امی نے کہا۔

''بیگم کیوں پریشان ہو رہی ہیں آپ...... رات کو سوئے بھی تو تھے بہت دیر سے۔'' بابا بولے۔

''ہم بھی دیر ہی سے سوئے تھے مگر روز کی طرح صبح سویرے آنکھ کھل گئی۔''

''بھئی ہمیں یاد ہے، جوانی میں تو آپ بھی لمبی تان کر سویا کرتی تھیں...... تجربے کی بات ہے، جوں جوں عمر بڑھتی جاتی ہے، نیند توں توں کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس لیے تو عقلمند لوگ گھر میں ایک آدھ بڑے بوڑھے کو ڈالے رکھتے ہیں تاکہ پہرے داری پکی رہے۔'' بابا نے کہا۔

یقین کے کمرے کا دروازہ ساڑھے گیارہ بجے کے بعد کھلا۔ یقین اور جویا نہا دھو کر ہشاش بشاش کمرے سے برآمد ہوئے تو امی بولیں۔ ''شاباش بیٹا! کل سے دفتر جانا ہے اور تم آج بھی دوپہر کو جاگے ہو!''

جویا نے یقین کو دیکھا اور نظروں ہی نظروں میں کہا۔ ''دیکھا! پڑ گئی نا، ڈانٹ آپ کی دیر خیزی نے؟''

کئی روز سے وہ اسے ٹوک رہی تھی کہ بس اب دیر تک سونے کی عادت ترک کر دے مگر وہ سنتا ہی نہیں تھا۔ روزانہ کی طرح وہ تو اس روز بھی حسب عادت سویرے ہی بیدار ہو گئی تھی مگر یقین نے اسے تھپک کر دوبارہ سلا دیا تھا اور دوبارہ جو لگی آنکھ جلدی کھلتی ہے بھلا! گئے سو گئے!

''امی، دفتر کو کل جانا ہے، آج تو نہیں۔'' یقین نے جویا کی نگاہوں میں ہلکورے لیتی کیفیت کی تاب نہ لا کر قدرے تلخی سے کہا۔

''تمہارا کیا، تم تو کل بھی یونہی پڑے سوتے رہو گے۔'' امی نے تیوری چڑھا کر یقین کو دیکھا۔

یقین کو خفت نے آ لیا۔

یہ بات نہیں کہ امی نے پہلی مرتبہ یقین سے تیوری چڑھا کر بات کی تھی البتہ جویا کے سامنے امی نے پہلی مرتبہ تیوری چڑھائی تھی۔ اسے شرمندگی محسوس ہوئی اور وہ لاکھ ضبط کرنے کے باوجود چپ نہ رہ سکا۔

''سوتا رہوں گا تو کیا دفتر میرے فرشتے جائیں گے۔'' یقین کے لہجے میں تلخی تھی۔

اماں دم بخود رہ گئیں۔

نئی بہو کے سامنے بیٹے کا یہ جواب انہیں ازحد ناگوار گزرا۔ وہ اپنی ناگواری کا اظہار کرنے کو تھیں کہ فرزین یہ کہتا ہوا لاؤنج میں داخل ہوا۔ ''بھائی! اگر کوئی فرشتہ سمندری سفر کے لیے تیار ہو تو اسے میری جگہ سیل کرا دیں۔''

فرزین کی مسکراہٹ سے مطلع قدرے چھٹ گیا۔

''السلام علیکم بھابی۔''

''وعلیکم السلام۔''

''کب سیل کر رہے ہو ہونم؟'' یقین نے فرزین سے پوچھا۔

''بس انشاء اللہ، تین چار دن میں نکل لیں گے۔''

''اب کی بار کہاں جا رہے ہو؟''

''جاپان۔''

''فرزین، آپ تو بہت گھوم پھر چکے ہوں گے؟'' جویا نے پوچھا۔

''مت پوچھیے بھابی، لوگ دنیا کو ایک مرتبہ دیکھنے کی تمنا کرتے ہیں، ہم دنیا گھوم گھوم کر تھک چکے ہیں بلکہ بور ہو چکے ہیں۔''

یقین نے دزدیدہ نظروں سے امی کی طرف دیکھا۔ اُن کے چہرے پر ہنوز ناگواری تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ انہیں جواب دینا برا لگا تھا۔ بڑوں کی کسی تنبیہ یا نصیحت پر انہیں پلٹ کر جواب دینا اس گھر کی روایات کے خلاف تھا۔ اس روایت شکنی پر یقین کو شرمساری کا احساس ہوا لیکن پھر اس احساس شرمساری پر یہ خیال غالب آ گیا کہ بڑوں کو پلٹ کر جواب دینا لاکھ اس گھر کی روایات کے خلاف سہی مگر امی کو بھی تو مہینے بھر کی دلہن کے سامنے یوں اُس سے تیوری چڑھا کر اور نظر بگاڑ کر بات نہیں کرنی چاہیے تھی کیونکہ مرد ساری دنیا کے سامنے کتنا ہی ڈرپوک اور دبو کیوں نہ ہو، بیوی کو یہی دکھانا چاہتا ہے کہ اس سے بڑا شیر اور اس سے زیادہ نڈر تو روئے زمین پر کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا!

امی کے تیوری چڑھا کر بات کرنے سے اس نے جویا کے سامنے اپنی ہتک محسوس کی تھی اور اسی لیے پلٹ کر جواب بھی دے بیٹھا تھا۔

امی کو دزدیدہ نظروں سے دیکھنے کے بعد اس نے ڈائننگ ٹیبل کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''امی! آج ناشتہ نہیں ملے گا کیا؟''

''اب ناشتے کا کیا ذکر، اب تو کھانے کا وقت ہوا چاہتا ہے۔'' نکہت بہت غلط وقت پر لاؤنج میں آ پہنچی تھی۔

یقین نے اُسے نظر انداز کرنے کی کوشش کی اور امی سے دوبارہ بولا۔ ''امی! آج ناشتہ کہاں غائب ہے؟''

''دیکھتی ہوں جا کر۔'' امی نکہت کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھتی شرما حضوری اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''ارے بھائی، اب تو آپ کا کھیر میں ہاتھ ڈل چکا۔ اب کاہے کو اس آس میں رہتے ہیں بھائی اور آپ کہ کوئی ناشتہ اور کھانا دے۔ بھئی خود نکالیں، خود پکائیں کھائیں۔ بھئی امی نے تو بہت کیا، اب آپ ہی اس گھر کی مالک و مختار ہیں...... کیوں امی؟''

''ہاں اور کیا۔'' امی نے دروازے کا رخ کیا۔

"امی، آپ کہاں جا رہی ہیں۔ بیٹھیے۔ بھابی اپنے حساب سے خود ناشتہ بنا لائیں گی۔ سوجو ہے باورچی خانے میں ان کی مدد کرنے کو۔"

"نہیں......نہیں......ابھی تو خیر، میں نزہت سے کہتی ہوں جا کر کہ ناشتہ بنا دے۔ کل سے تو دلہن کو خود بنانا ہی ہوگا۔"

"ہاں اور کیا کل سے تو بھائی آفس جانے ہی لگیں گے۔" نگہت بولی۔

جویا کو نگہت پر سخت تاؤ آیا۔

"اونہہ! بی جمالو کہیں کی!" اس نے جی ہی جی میں کہا۔ "کمبخت کا اگر بس چلے تو سارا وقت یہیں پڑی سلگتی کو ہوا دکھائے جائے۔"

تاہم جویا نے اپنی زبان یا چہرے کے تاثرات سے ناگواری بالکل ظاہر نہ ہونے دی۔ چپ چاپ اٹھی اور دروازے کا رخ کیا۔

"کہاں جا رہی ہو؟" یقین نے پوچھا۔

اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا اور بولی۔ "ناشتہ بنانے۔"

نگہت نے اپنی نگاہ زاویہ معکوس میں کی اور اس خیال سے دل ہی دل میں مسکرا دی کہ دلہن بھابی کو باورچی خانے کا رستہ دکھانے میں حسب مقدور اس کی کوشش بھی شامل حال تھی۔

☆=====☆=====☆

اس شام جب جویا یقین کے ساتھ میکے گئی تو اس کا دل سسرال کے خلاف شکایت و حکایت کی پہلی باضابطہ پرچی کاٹ چکا تھا!

ابا کا معمول تھا کہ آٹھ بجے دکان پر پہنچ جاتے۔ بھیا دیر سے بیدار ہوتے، ساڑھے گیارہ بارہ بجے تک آرام سے دکان پر پہنچتے۔ صفائی اور اٹھائی دھرائی کے کام کے لیے دکان پر ایک لڑکا ملازم رکھا ہوا تھا جو روزمرہ کا سودا سلف گھر پہنچاتا اور دوپہر کو گھر سے کھانا لے کر آتا۔ دکان سے گھر تک کوئی تین ساڑھے تین فرلانگ کا فاصلہ تھا۔

ابا صبح سے شام تک دکان پر رہتے۔ شام کو چھ ساڑھے چھ بجے چھٹی کر کے گھر آ جاتے۔ بھیا رات کو دس گیارہ بجے تک واپس لوٹتے تھے۔

جویا یقین کے ساتھ میکے پہنچی تو ابا مغرب کی نماز ادا کرنے کے لیے محلے کی مسجد گئے ہوئے تھے۔ اماں نے دعا مانگ کر چہرے پر ہاتھ پھیرا ہی تھا۔ جویا اور یقین کا سواگت زدیا، بھابی اور ان کے بچوں نے کیا اور دونوں سے بیٹھک میں ہی باتیں کرنے کو بیٹھ گئے۔

اماں نے آ کر دونوں کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعائیں دیں۔ کچھ دیر بیٹھک ہی میں بیٹھی رہیں پھر جب ابا مسجد سے آ کر یقین کے پاس بیٹھ گئے تو اماں اٹھ کر اندر چلی گئیں۔ ان کا اندر جانا اس امر کا خاموش اشارہ تھا کہ جویا کو بھی موقع دیکھ کر ان کے پیچھے پیچھے اٹھ آنا چاہیے۔

جویا اور بھابی ایک ساتھ اٹھیں۔ بھابی باورچی خانے کی طرف چلی گئیں اور جویا اماں کے کمرے میں ان کے پاس آ

بیٹھی۔ زدیا اور بھیا کے دونوں بچے ہنوز بیٹھک ہی میں تھے۔ باتیں ہوتی رہی تھیں کہ طارق بھائی آ گئے جنہیں شادی اور ولیمے کے بعد یقین نے تیسری مرتبہ اب دیکھا تھا۔

ولیمے کے بعد اگلے روز جب وہ اور جویا ایک دوسرے سے اپنے اپنے اہل خاندان کی باتیں کرنے بیٹھے تھے تو جویا نے اس سے کہا تھا۔ "طارق بھائی الگ رہتے ہیں، ان سے اگر آپ کی کئی کئی ماہ بھی ملاقات نہ ہو تو خیال نہ کیجیے گا۔"

"کیوں بھئی؟ ایسا کیوں؟"

"بس انہوں نے اپنی دنیا الگ بسا رکھی ہے۔ ہماری دنیا میں بہت کم آتے ہیں۔"

شادی اور ولیمے کے علاوہ یقین کی ان سے یہ پہلی غیر رسمی ملاقات تھی۔ رسمی علیک سلیک کے بعد وہ امی اور جویا سے ملنے کے لیے امی کے کمرے میں چلے گئے۔ مجبوراً بمشکل آدھ گھنٹہ ٹھہرے پھر یقین سے ہاتھ ملا کر "پھر ملیں گے یقین صاحب" کہتے مائل بہ رخصت ہوئے۔

بھابی جان نے کہا۔ "طارق بھائی، پکوڑے بنا رہی ہوں کھا کر جائیے گا۔"

"پکوڑے!" طارق بھائی نے استہزائیہ انداز میں کہا پھر اپنے دونوں ہاتھ پتلون کی جیب میں اڑس کر "نو تھینکس" کہتے رخصت ہوئے۔

ان کے جانے کے بعد ابا کی گہری اور بے ساختہ سانس نے یقین کو بہت کچھ سمجھا دیا، تاہم اس نے کچھ کہنے یا پوچھنے سے گریز کیا۔

طارق بھائی کو رخصت کرنے کے بعد جویا دوبارہ اماں کے پاس آ بیٹھی۔ اماں اپنی نگاہوں سے اس کا چہرہ کھوجنے لگیں۔

اماں نے اسے قدرے چپ چپ دیکھا تو بولیں۔ "کیا بات ہے جویا، آج کچھ خاموش ہو؟"

"نہیں تو اماں۔" اس نے اپنے طور پر ایک سمجھ دار مشرقی لڑکی کا کردار ادا کرنے کی کوشش کی۔

"نہیں کچھ تو ہے......آج تم روزانہ کی طرح ہنس بول ہی نہیں رہیں۔"

"نہیں اماں، کوئی بات نہیں۔"

مگر اس کی جھکی جھکی نظروں اور لہجے کی گمبھیرتا نے اماں کو کھٹکا دیا۔

"میں مان ہی نہیں سکتی کہ کوئی بات نہیں......کچھ نہ کچھ ہے ضرور۔" اماں کے لہجے میں تشویش تھی۔

"کچھ نہیں اماں۔"

اس کا نظریں چرانا، اماں کی تشویش کو اور بھی بڑھا گیا۔

"دیکھو، ہم تمہارے اپنے ہیں۔ ہم سے بات چھپا کر تم فائدے میں نہیں رہو گی۔" اماں نے سمجھایا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

اماں نے کسی ماہر سراغرساں کی طرح تفتیشی سوالات شروع کر دیے۔

"یقین سے کچھ کھٹ پٹ ہو گئی؟"

"نہیں اماں۔" سچ کی قوت نے اسے اماں کی طرف دیکھنے کا حوصلہ دیا۔

"ساس نے کچھ کہہ دیا؟"

"اونہوں؟"

"سسر نے؟"

"نہیں اماں، وہ تو بہت اچھے ہیں۔"

"کسی نند نے کچھ کہہ دیا؟"

اماں نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تو وہ تڑپ کر اماں کی طرف دیکھے بنا نہ رہ سکی اور اماں نے کسی تفتیشی افسر کی طرح اطمینان کا سانس لیا جیسے کسی خوفناک واردات کے اصل مجرم تک پہنچنے کے لیے کوئی سرا ہاتھ لگ جائے۔

"ہوں! سمجھ گئی...... کسی نند نے کچھ کہہ دیا ہے۔" اماں نے عقابی نگاہوں سے اسے دیکھا پھر اپنے قیاس کی تائید چاہی۔ "ہے نا؟"

وہ کچھ نہیں بولی۔

اس کی خاموشی بجائے خود تائید تھی۔

"کیا مدحت نے کچھ کہا؟"

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"چھوٹی والی نے...... کیا نام ہے اس کا؟ ہاں...... نزہت کیا اس نے بدتمیزی کی؟"

اونہوں"

"تو کیا بیچ والی کچھ کہہ گئیں؟"

اس نے ایک گھٹی گھٹی سی ٹھنڈی سانس کھینچی۔

اماں سنبھل بیٹھیں، اس سراغرساں کی طرح جس کے ہاتھ اصل مجرم کے گریبان تک جا پہنچے ہوں؟

"کیا کہہ دیا اس نے؟"

"چھوڑیں اماں۔"

"دیکھو۔" اماں نے تنبیہی تیوروں سے کہا۔ "یہ اچھی بات نہیں ہے۔ ہم سے چھپاؤ گی تو نقصان میں رہو گی...... شاباش...... بتاؤ کیا بات ہے؟"

جویا نے اماں کی طرف دیکھا۔

"ہاں...... ہاں...... بتاؤ۔"

تب ہی بھابی جان آ پہنچیں۔

اماں کو اس وقت ان کا نزول بے حد کھلا۔

"اے دلہن! کچھ چائے وائے؟"

"اماں! پکوڑے تلنے کے لیے تیل گرم ہونے کو رکھ آئی ہوں چولہے پر۔"

"بھابی جان! پلیز آپ روز روز تکلف نہ کیجیے۔ اب تو ہم پرانے ہو گئے۔" جویا نے بھابی سے کہا۔

"بری بات!" بھابی نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔ "بڑوں کی باتوں میں بچے نہیں بولا کرتے۔"

اماں کو بھابی کا نزول زہر معلوم ہونے لگا۔

"یہ زویا کہاں مر گئی!"

"مری نہیں زندہ ہے۔" زویا نے یہ کہتے ہوئے انٹری دی۔

"دولہا بھائی سے گپ شپ ختم؟" بھابی جان نے پوچھا۔

"جی نہیں...... وقفہ ہے۔ سپر ڈسٹ چائے کے لیے۔"

بھابی جان مسکرا دیں۔

"اے دلہن! تم کہہ رہی تھیں، چولہے پر تیل رکھ آئی ہو...... اللہ نہ کرے، کہیں آگ نہ پکڑ لے۔"

اماں کو بھابی کو رفع دفع کرنے کا ایک مؤثر طریقہ سوجھا۔

"اوہ!"

تیر نشانے پر جا لگا تھا۔

بھابی جان کسی روبوٹ کی طرح پلٹیں اور منظر سے نکل گئیں۔

ابھی اماں چین کی سانس بھی نہ کھینچ پائی تھیں کہ زویا نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "اماں، کوئی خاص بات ہے کیا جو بھابی جان کو بھگا دیا؟"

اماں نے آنکھیں نکال کر اسے گھورا۔

"سوری اماں۔" وہ کان کی لو چھوتے ہوئے زیرِ لب مسکرائی اور تب ہی اسے احساس ہوا کہ جویا جو سسرال سے میکے آ کر ہنستی مسکراتی رہتی تھی، اس روز چپ چپ تھی بلکہ قدرے رنجیدہ!

زویا کی مسکراہٹ یک لخت کافور ہو گئی۔

"خیریت تو ہے بجو؟"

"ہاں۔"

"بتاؤ بیٹی، کیا بات ہے؟" اماں نے رازداری سے پوچھا۔ "ہمیں نہیں بتاؤ گی تو پھر کسے بتاؤ گی۔"

"کیا ہوا بجو؟" زویا کو بھی تشویش ہوئی۔

"ایک نمبر کی فسادی اور بدتمیز!" جویا بڑبڑائی۔

زویا نے ہڑبڑا کر جویا کو دیکھا اور کچھ حیرانی، کچھ پریشانی، کچھ بے یقینی سے بولی۔ "مجھے

کہہ رہی ہیں بجو؟"

"نہیں۔" جویا نے کہا۔

"تو پھر؟"

"ارے بھئی، تم اپنی ٹانگ کہاں اُڑا رہی ہو...... وہ اپنی منجھلی نند نگہت کا ذکر کر رہی ہے۔"

"اتنے پیار سے!" زویا کی رگِ ظرافت حسبِ عادت پھڑکی۔

"زویا، کیسی بدذات ہے تُو!" اماں نے کہا۔

"اس ذرہ نوازی کا شکریہ اماں۔"

اماں نے اسے گھورا پھر جویا سے بولیں۔" اس سے پہلے کہ پھر کوئی آ ٹپکے، بتاؤ کیا ہوا؟"

جویا پہلے تو ہچکچائی مگر پھر اماں کے چمکارنے پچکارنے پر بولی۔" اماں کیا بتاؤں...... نگہت پوری بی جمالو ہے۔"

"وہ تو کمبخت کی شکل سے ہی لگتا ہے۔"

"اس کو اپنے گھر میں جیسے قرار ہی نہیں آتا، ہر دوسرے دن میاں اور بچوں کے ساتھ ٹپکی ہوتی ہے اور ہر بات میں ٹانگ اُڑانا اپنا فرض سمجھتی ہے۔"

"میں ہوں تمہاری جگہ تو ایسی بدذات نند کی ٹانگ ہی توڑ دوں۔ نہ ٹانگ رہے گی، نہ وہ اڑائے گی۔"

"یعنی نہ رہے گی ٹانگ نہ اُڑے گی ٹانگ۔" زویا بولی۔

"چپکی رہ زویا۔" اماں نے گھرکی لگائی پھر جویا کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوتے ہوئے بولیں۔" کہتی کیا ہے وہ؟"

"کوئی ایک بات ہو تو بتاؤں۔" جویا نے بڑے دکھ سے کہا پھر نگہت کے خلاف شکایتوں حکایتوں کا پرچہ اماں کے گوش گزار کرنا شروع کیا۔" اماں، ہر دوسرے دن وہ ٹپکتی ہے اور گھر والوں کو چابی دینا شروع کر دیتی ہے......"

"کمبخت! ستیاناسی کہیں کی!" اماں نے نگہت کو برا کہا۔

"قسمت کی اچھی ہے، میاں تلوے چاٹنے والے ملے ہیں۔ اس پر ایسی اتراتی ہے کہ جی چاہتا ہے منہ نوچ لوں۔"

"کمبخت کی شکل دیکھو اور قسمت دیکھو۔" اماں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔" ہاں بھئی، صحیح کہا ہے کسی نے، روپ کی روئے کرم کی کھائے۔"

"گھر والے میرے ساتھ اچھے بھلے ہوتے ہیں مگر اِدھر وہ آئی، اُدھر تیور بدلنے شروع ہو جاتے ہیں سب کے۔"

"سب کے!"

"تھوڑے تھوڑے تو سبھی کے مگر ساس اماں کے کچھ زیادہ ہی۔"

"اچھا۔"

"جی ہاں...... مہینہ بھر ہوا ہے شادی کو اور تقریباً آدھا مہینہ تو ہم نے گھر سے باہر ہی گزارا ہے۔ باقی آدھے مہینے میں تین چار مرتبہ بیگم صاحبہ اس بات پر ناراض ہو کر اپنے گھر جا چکی ہیں کہ ہم جب بھی آتے ہیں، بھابی تو اپنے میکے گئی ہوئی ہوتی ہیں یا جا رہی ہوتی ہیں......"

"تو کیا نہیں جائیں گی!"

"یہی چاہتی ہے وہ۔"

"لتاڑ دو اسے ایک آدھ مرتبہ۔"

"لتاڑ دوں گی، ابھی تو ذرا دیکھ رہی ہوں...... ہم لوگ گھومنے پھرنے کے لیے گئے تو اس کے اور اس کے میاں اور بچوں کے لیے بھی چھوٹے چھوٹے تحفے لے کر آئے۔ اس نے لے بھی لیے اور یہ نخرہ بھی دکھا دیا کہ افتخار کو ایسی معمولی اور سستی چیزیں اچھی نہیں لگتیں۔"

"میں ہوتی تمہاری جگہ تو اس کے ہاتھ سے واپس چھین لیتی کہ لاؤ دو، ہمارے تحفے واپس۔"

"بس اماں، لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ بات ایسی کرے گی کہ سیدھی کلیجے میں جا کر لگتی ہے۔ کل رات تقریب کے بعد میاں تو چلے گئے تھے، وہ خود دونوں بچیوں کے ساتھ رُک گئی تھی۔ ہم لوگ صبح اٹھے تو ناشتہ تیار نہیں تھا۔ انہوں نے اپنی امی سے کہا، امی ناشتہ نہیں ملے گا کیا۔ کہنے لگی، اب ناشتے کا کیا ذکر، اب تو کھانے کا وقت ہے۔ پھر بھائی سے بولی، بھابی کا ہاتھ کھیر میں تو ڈل چکا ہے، اب آپ کا ہے کو اس آس میں رہتے ہیں کہ کوئی اور کھانا ناشتہ دے۔ بھابی سے کہیں، وہ دیں گی۔"

"کیسی حرافہ ہے!"

"ارے اماں، بڑی حرافہ...... جتنی وہ زبان سے بولتی ہے اس سے کہیں زیادہ تو آنکھوں سے باتیں کرتی ہے۔ اماں سے اپنی نگاہوں ہی نگاہوں میں باتیں کرتی ہے۔"

"وہ...... ٹھیک ہیں۔"

"مگر ایک مچھلی سارے جل کو گندا کرتی ہے اور خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے...... مچھلی خراب ہے تو اگلی اور پچھلی کو بھی اپنے ہی جیسا کر دے گی۔"

"ظاہر ہے۔"

"تمہارے دولہا کچھ نہیں کہتے اُسے؟"

"کیا کہیں اماں، بہت ہی نخریلی اور بدتمیز ہے۔ ذرا سی دیر میں نظریں بدلتی ہے اور کھڑے کھڑے آدمی کو بے عزت کر دیتی ہے۔ نزہت بے چاری اتنا خیال کرتی ہے اس کا اور اس کے میاں اور بچوں کا مگر یوں ڈانٹتی ہے اُسے کہ بے چاری منہ دیکھتی رہ جاتی ہے۔"

"اور اماں کچھ نہیں کہتیں!"

"کہتی ہیں، کوئی بات نہیں، بڑی بہنیں چھوٹی بہنوں کو ڈانٹ ہی دیا کرتی ہیں۔"

''تو یوں کہو کہ نگہت اماں کی بگاڑی ہوئی ہے۔''

''شاید۔''

''شاید نہیں پکی بات ہے...... اچھا خیر، تم اُسے ہرگز ہرگز منہ مت لگاؤ...... اپنے کسی معاملے میں اسے دخل مت دینے دو...... ایک کہے تو تم دو سناؤ...... ایسے لوگوں کا یہی علاج ہوتا ہے۔''

تب ہی بھابی نے زدیا کو پکارا۔

''جا زدیا، دیکھ دلہن کیا کہہ رہی ہیں اور ہاں، دلہن سے کچھ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، سمجھی؟''

''اماں، بچی نہیں ہوں میں۔'' زدیا بولی۔

''اچھا جا۔''

زدیا کے جانے کے بعد اماں نے جویا کو بڑی دردمندی سے سمجھایا۔ ''اپنے دولہا سے مطلب رکھو...... کسی اور کی پرواہ مت کرو۔ نگہت جیسوں کو تو اپنی جوتی کی نوک پر رکھو...... اس گھر پر اب تمہارا حق زیادہ ہے، نگہت کا کم...... اسے اپنے گھر سے مطلب ہونا چاہیے میکے کے معاملات میں مداخلت کیوں کرے...... کام دام زیادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں، یقین کے ناشتے اور کھانے پینے کا خیال رکھو...... بس یقین کو اپنی مٹھی میں رکھو، باقی کی خیر ہے۔''

''جویا...... اماں...... آجائیں چائے پی لیں۔'' بھابی جان نے آ کر انہیں بیٹھک میں چلنے کی دعوت دی جہاں یقین ابا کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

جویا اماں کے ساتھ بیٹھک میں پہنچی تو چائے کے ساتھ گرما گرم پکوڑے اور پاپڑ رکھے دیکھے۔

چائے کے ساتھ صرف پکوڑے اور پاپڑ رکھے دیکھ کر جویا کو جی ہی جی میں قدرے سبکی کا احساس ہوا۔ مہینہ بھر میں معاملات خاطر مدارات کہاں سے کہاں اُتر آئے تھے!

کیک، پیٹیز، مٹھائی، رس ملائی اور پھلوں سے بسکٹ اور سموسوں پر آنے کے بعد صرف پکوڑے اور پاپڑ!

گو یہ تجربہ اس کے لیے نیا نہ تھا۔ سارہ آپا اور زہرا باجی کی شادیوں کے بعد بھی معاملات خاطر مدارات بتدریج تنزلی کا شکار ہوئے تھے مگر اس نے اس وقت سے پناہ مانگنے کی بجائے کہ جب بات صرف چائے تک آ پہنچے، پکوڑوں اور پاپڑوں کو دیکھ کر بھی سبکی محسوس کی اور یقین سے نظریں چراتی چائے پینے بیٹھ گئی، تاہم دل ہی دل میں اس نے سوچا، کاش کہ گھر والوں نے شروع سے ہی میانہ روی رکھی ہوتی تاکہ اس وقت اسے سبکی کا احساس نہ ہوتا۔

☆======☆======☆

بائیس تاریخ سے یقین نے دفتر جانا شروع کیا۔

پچیس کو فرزین کی روانگی ہوئی۔

مہینے کی پہلی تاریخ کو یقین کو تنخواہ مل گئی۔ ادارہ کارکنوں کی ادائیگی کے سلسلے میں بڑا کھرا تھا۔ عموماً مہینے کی پہلی دوسری تاریخ کو تنخواہ مل جاتی۔

کئی برس سے یقین کا معمول رہا تھا کہ تنخواہ ملتی تو وہ جوں کی توں امی کے ہاتھ میں تھما دیتا۔ امی سب سے پہلے تو اس میں سے کچھ پیسے اللہ کے نام کے نکالتیں پھر ایک چوتھائی تنخواہ کو اس کے ذاتی اخراجات کے لیے دے دیتیں۔ باقی گھر کے اخراجات کے لیے رکھ لیتیں۔

یقین ہی کیا ابا، فرزین، مدحت بجیا سب کا پیسہ امی کے ہاتھ میں آتا۔ امی ہر ایک کو اس کے ذاتی اخراجات کے لیے پیسے دے دیتیں، باقی رکھ لیتیں۔ ماشاء اللہ بھرا پُرا کنبہ تھا۔ کھلے اخراجات تھے۔ گھر کے سب کمانے والے مل جل کر بار اُٹھاتے تھے، تب کہیں یہ رونق اور خوشحالی نظر آتی تھی۔

پہلی تاریخ کو تنخواہ ملی تو یقین حسب معمول تنخواہ امی کو تھمانے کے بجائے جویا کو کرارے کرارے، لال اور ہرے نوٹوں کے رعب میں لینے کے لیے اپنے کمرے میں جا گھسا۔ اس کا ارادہ صرف اتنا تھا کہ جویا کو اپنی تنخواہ کے نوٹوں کے رعب میں لے کر تنخواہ حسب معمول امی کو تھمائے گا اور امی جو پیسے اُسے دیں گی، ان میں سے کچھ جویا کو خوش کرنے کے لیے اس پر خرچ کر دے گا مگر جویا نے پوری پوری تنخواہ اُس کے ہاتھ سے اُچک لی پھر بڑے ناز سے بولی۔

''جناب، مجھے شاپنگ کروایئے۔''

''شاپنگ! کیا شاپنگ کرو گی؟''

''ریشمی کپڑوں میں بہت اُلجھن ہوتی ہے مجھے...... اسکول جانے تک موسم کافی تبدیل ہو چکا ہوگا۔ سوتی کپڑے خریدنے ہیں مجھے۔''

''اچھا! ٹھیک ہے۔''

''تیار ہو جاؤں؟'' جویا نے اِک اندازِ ناز سے اُسے دیکھا۔

''ہاں...... چلو۔'' یقین نے مسکرانے کی کوشش کی مگر دل ہی دل میں وہ سوچ رہا تھا کہ، عورتوں کو شاپنگ کا کیسا شوق ہوتا ہے۔ اکیاون جوڑے وہ میکے سے اپنے جہیز میں لائی تھی۔ اکیس جوڑے بری میں چڑھائے گئے تھے۔ میکے کے اکیاون جوڑوں میں سے گیارہ سوتی جوڑے تھے۔ بری کے اکیس جوڑوں کے علاوہ پانچ سوتی جوڑے امی نے بنائے تھے۔ تین چار جوڑے سلے سلائے اس نے ہنی مون کے دوران خریدے تھے اور اب پھر کپڑے خریدنے کی فرمائش کر رہی تھی!

جویا پلک جھپکتے میں تیار ہو گئی۔

''چلیے۔'' اس نے اپنا خوشبو میں بسا دھانی آنچل یقین کی نگاہوں کے سامنے لہراتے ہوئے کہا۔

وہ بندۂ بے دام کی مانند اُٹھ کھڑا ہوا۔

''لاحول ولا قوۃ۔'' اس نے جی ہی جی میں کہا۔ ''شادی کر کے آدمی کیسا بدھو بن جاتا

ہے۔ امی اور بہنوں کو کہیں جانا ہوتا تو جب تک وہ انہیں آدھ پون گھنٹے انتظار نہ کرا لیتا، اُٹھ کر نہ دیتا تھا مگر بیوی کے لیے تو وہ ذرا اٹھ کھڑا ہوا تھا!

"چلیے حضور۔" اس نے کہا۔

"چلیے۔"

مگر کمرے کے دروازے سے نکلنے سے پہلے وہ ٹھٹک گیا۔ "سنو، ذرا اذان ہو لے پھر نکلتے ہیں۔"

"کیوں؟"

"امی نماز پڑھ رہی ہوں گی، ہم چپکے سے نکل لیں گے۔"

"کیوں؟ کوئی چوری کرنے جا رہے ہیں ہم۔"

"بابا! سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"مجھے کچھ نہیں سمجھنا...... میں تیار ہوں، بس چلیں۔"

"او کے۔" وہ بادلِ ناخواستہ بولا۔

دونوں ساتھ ساتھ نکلے۔

امی لاؤنج ہی میں بیٹھی مل گئیں اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتیں، یقین نے کہا۔ "امی ذرا ہم لوگ جا رہے ہیں۔"

"کہاں؟"

"وہ...... ذرا...... با...... بازار تک۔"

"خیریت؟"

"یہ...... آپ کی...... بہو کو کچھ خریدنا ہے۔"

امی نے تیکھی نگاہ سے یقین کو دیکھا۔ اس نے امی کی نگاہ کی تاب نہ لا کر نظریں جھکا لیں۔

"ٹھیک ہے۔" امی نے بوجھل لہجے میں کہا۔

یقین قدرے خفیف ہو گیا۔

مگر جویا نے پرواہ نہ کی وہ تو اماں کی اس نصیحت کو اپنے پلو میں باندھے بیٹھی تھی کہ تم تو بس یقین سے مطلب رکھو، باقی کسی کو خاطر میں نہ لاؤ۔

لاؤنج سے نکل کر وہ برآمدے میں آئے تو مدحت بجیا گملوں کو پانی دے رہی تھیں۔

گلاب کے ایک پودے میں سے ایک پھول توڑ کر جویا کو دیتے ہوئے انہوں نے کہا۔ "بہت پیاری لگ رہی ہو آج!"

"شکریہ۔"

"کہاں کی تیاری ہے؟"

اونہہ! ہر قدم پر ایک چیک پوسٹ۔ جویا نے غصے سے سوچا۔

"بس...... بجیا...... ذرا ایسے ہی۔" یقین نے گول مول سا جواب دیا۔

"اچھا...... اچھا...... جاؤ...... اللہ حافظ!"

جویا گاڑی میں بیٹھ رہی تھی کہ اوپر سے آواز آئی۔ "بھابی! کہاں جا رہی ہیں؟"

جویا نے بے ساختہ چونک کر چھت کی طرف دیکھا جہاں نزہت منڈیر کی دیوار پر ہتھیلیاں ٹکیے کھڑی تھی۔

توبہ! پہرے کہاں کہاں لگے تھے!

"بازار۔" جویا نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"میرے لیے چکن برگر لے آئیے گا۔"

جویا کے جی میں آیا کہے۔ "بے تحاشہ کھانے پینے کے شوق نے ہی تو تمہارا یہ حال کر رکھا ہے کہ پھٹی پڑ رہی ہو۔" مگر وہ دل کی بات زبان پر نہ لا سکی۔ فقط استہزائیہ مسکراہٹ پر اکتفا کرتی گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"اور ایک میٹھا پان بھی بھابی۔" چھت کے رُخ سے آواز آئی۔

"سن رہے ہیں؟" جویا نے یقین سے کہا۔

"کیا؟" وہ انجان بن گیا۔

"آپ کی چھوٹی بہن چکن برگر اور میٹھے پان کی فرمائش کر رہی ہیں۔"

"لے آئیں گے بھئی۔"

"ہاں لے تو آئیں گے۔" جویا نے دھیرے سے کہا۔ "مگر جو سچ پوچھئے تو نزہت کو ڈائٹنگ کی ضرورت ہے...... لڑکی ذرا بھاری ہو تو رشتہ ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔"

یقین ہنس دیا۔

جویا نے قدرے حیرانی سے اُسے دیکھا اور بولی۔ "آپ ہنسے کیوں؟"

"بیگم صاحبہ! جہیز تگڑا ہو تو کالی پیلی، لولی لنگڑی، موٹی بھدی ہر طرح کی لڑکی اُٹھ جاتی ہے۔"

"اچھا خیر یہ بتایئے کہاں لے کر چل رہے ہیں؟"

"بازار...... اور کہاں؟"

"جناب! میرا مطلب ہے کون سے بازار؟"

"تم بتاؤ۔"

"اوں......" جویا سوچ میں پڑ گئی۔ "ایسا کریں طارق روڈ چلتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ نیم دلی سے بولا۔

☆=====☆=====☆

شادی کے بعد پہلی باضابطہ شاپنگ تھی۔ جویا نے کچھ اس طور خریداری کی جیسے یقین پھر تو ہاتھ آئے گا ہی نہیں۔

ویسے جویا نے اگر ایسا سوچا بھی ہو تو کسی حد تک صحیح بھی تھا!

ماہانہ تنخواہ دار شوہر مہینے کی ابتدائی تاریخوں کے بعد کہاں بجتے چڑھتے ہیں۔

یقین شرما حضوری ایک کے بعد دوسری دکان پر اپنا چرمی بٹوہ کھولتا گیا۔

چھ سلے سلائے اور دو اَن سلے سوتی جوڑے جو قیمت میں اچھے بھلے ریشمی جوڑوں کا منہ چڑا گئے۔ دو کورٹ شوز اور ایک جوڑا اسینڈلز کا۔

لپ اسٹک کے دو نئے شیڈز

امپورٹڈ شیمپو اور پیئر سوپ کی چار ٹکیاں۔

دونوں لدے پھندے شاپنگ سینٹر سے نکل رہے تھے کہ جویا امپورٹڈ امیٹیشن جیولری کی ایک دکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے ٹھٹک گئی۔

"سنیے۔"

یقین کا اوپر کا سانس اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا اور اس نے تھم کر خائف نگاہوں سے جویا کو دیکھا۔

"ذرا دیکھیے یہ سیٹ کتنا پیارا ہے!" جویا نے شوکیس کے شیشے پر اپنا مخروطی ناخن مس کرتے ہوئے کہا۔

"کون...... سا؟" یقین کو دو الفاظ بولنا مشکل ہو گئے۔

"یہ...... والا...... اچھا ہے نا؟"

اور اس سے پہلے کہ یقین تائید کرتا وہ دکاندار سے بولی۔ "سنیے! ذرا یہ سیٹ نکال کر دکھایئے۔" دکاندار نے حکم کی تعمیل کی۔

جویا نے سیٹ کو نزدیک سے دیکھا تو نگینوں کے لشکارے اس کی آنکھوں سے پھوٹتے محسوس ہونے لگے۔

"باہر کا ہے؟"

جویا نے دکاندار سے پوچھا۔

"جی بالکل۔"

"کیا قیمت ہے اس کی؟"

"انیس سو۔"

یقین کو اپنی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھاتا محسوس ہوا اور دل پر جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو کی کیفیت وارد ہو گئی۔

"کچھ کم کریں گے؟"

"کیا کم کریں باجی۔" دکاندار نے مسکین صورت بنا کر کہا۔ "زرغون بہت مہنگا ہو گیا ہے۔"

"کچھ تو کم کیجیے۔"

"چلیے ساڑھے ستائیس دے دیجیے گا۔"

ہوتے ہوئے معاملہ اٹھارہ سو پر آ کر رکا اور تب جویا نے یقین کو جسے اس نے خاصی دیر سے بارہ پتھر پرے بٹھا رکھا تھا، دیکھا اور بولی۔ "کیا خیال ہے؟"

"کس سلسلے میں؟" وہ تجاہلِ عارفانہ کی تفسیر بن گیا۔

"لے لوں؟"

"یار! سونے کا بنوا لینا نقلی کیوں لیتی ہو۔" یقین نے اپنی دانست میں بڑی ہوشیاری سے حاتم طائی کی قبر پر لات مارنے کی کوشش کی۔

مگر جویا مچل گئی۔

"یہ بہت پیارا ہے...... سونے کا سیٹ اس کا کیا مقابلہ کرے گا...... سچ، بہت حسین ہے۔"

"سوچ لو۔"

"سوچ لیا۔"

"تمہاری مرضی ہے۔"

"پیک کر دیجیے۔"

خریداری کے بعد یقین نے اس فرمائشی پروگرام کا آخری ٹکڑا جویا کو خود ہی سنا دیا کہ جہاں اتنا کچھ، وہاں پچاس سو اور سہی۔

جویا نے بردسٹ اور آئس کریم کے حق میں فیصلہ دیا اور یاد رکھتے ہوئے بھی زحمت کی فرنیچر کی بھولنے سے بھی یاد دہانی نہ کرائی۔ یقین کو سچ مچ یاد نہ رہا۔ وہ تو یہ سوچ رہا تھا کہ تنخواہ کی جگہ امی کے ہاتھ میں کیا تھمائے گا۔

زبان کے چٹخارے کے بعد گھر واپس لوٹتے ہوئے راستے میں جویا نے کہا۔ "سیدھے گھر سے امی کے ہاں ہو لیں۔"

سسرال جانے کو تو وہ ہر شریف آدمی کی طرح خراب سے خراب حالات میں تیار رہا کرتا تھا سو اس نے گاڑی سسرال جانے والے راستے پر موڑ لی۔

جویا میکے پہنچی تو سارہ آپا اور زہرا باجی بھی آئی ہوئی تھیں۔ تینوں بیاہی بہنیں کافی دنوں بعد میکے میں اکٹھی ہوئی تھیں، جویا کو اِترانے کا پورا موقع ہاتھ آ گیا۔ یقین نے جو خریداری کروائی تھی، اِترا اِترا کر بہنوں کو دکھائی۔

سارہ آپا اول تو بہنوں میں سے بڑی، دوسرے متحمل مزاج، تیسرے رجی رجائی تھیں۔ چنانچہ جویا کی چیزیں دیکھ دیکھ کر بڑے پیار سے ماشاءاللہ کہتی رہیں اور ساتھ ہی ہر چیز کی قیمت بھی پوچھتی رہیں۔ جویا فوراً قیمت بتانے کے بجائے پہلے آپا سے کہتی۔ "آپ بتایئے۔" آپا کچھ سوچ کر اپنا اندازہ ظاہر کرتیں۔ کبھی ان کا اندازہ تقریباً درست ہوتا اور کبھی غلط۔

زہرا باجی اگر سارہ آپا کی طرح رجی رجائی نہ تھیں تو ایسی کوئی ترسی ہوئی بھی نہ تھیں۔ ارشاد کی معقول آمدنی تھی، تاہم وہ ماں کے ڈر سے بیوی کو وہ جو کچھ بھی، دلاتا تھا یا خود لے کر

آتا، چور دروازے سے لاتا اور بیوی کو از خود سمجھا دیتا۔ "دیکھو جو بھی پوچھے کہنا، اماں نے دیا ہے۔" اور یوں زہرا باجی کا بیشتر پہننا اوڑھنا بظاہر میکے کا مرہون منت قرار پاتا۔ بے چاری کھل کر اترا بھی نہ پاتیں۔ جویا کی چیزیں دیکھ دیکھ کر ان کی آنکھوں میں رشک کی کیفیت لحظہ بہ لحظہ بڑھتی چلی گئی۔

جویا ساری چیزیں دکھا چکی تو اماں نے کہا۔ "بس اب جلدی سے سمیٹ لو۔"

"بجو! یہ کریم والا سوٹ ذرا ابھی کھلا ہی رہنے دیجئے گا۔"

"کیوں؟" اماں نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

"بہت خوبصورت گلا ہے اماں...... اس کی نقل ماروں گی اور اب کی بار ٹیلر سے میں بھی ایسا ہی گلا بنواؤں گی۔"

"بعد میں اُتار لینا۔" اماں بولیں۔ پھر انہوں نے جویا سے کہا۔ "جلدی جلدی سمیٹو۔"

زدیا نے اشاروں ہی اشاروں میں جویا کو سمجھایا کہ کاغذ پنسل لے کر آتی ہوں، ابھی مت سمیٹیے گا۔

"اماں، جلدی کی کیا ضرورت ہے، زدیا اُتارنا چاہ رہی ہے گلا تو اُتارنے دیں۔" جویا نے کہا۔

"واہ! تم اس کی باتوں میں آ گئیں اور میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔ جلدی سمیٹنے کو اس لیے کہہ رہی ہوں کہ تمہاری بھاوج نہا کر نکلنے ہی والی ہیں غسل خانے سے۔ اس سے پہلے کہ وہ نکلیں، سمیٹ دو یہ سب کچھ بلکہ گاڑی میں رکھوا دو ورنہ ان کی آنکھیں پھٹیں گی۔"

"کیا مطلب؟"

"افوہ! ایک تو مصیبت یہ ہے کہ تم لوگ بحث بہت کرتی ہو۔"

جویا خفیف ہو گئی۔

زدیا مسکرائی اور بولی۔ "بجو! اماں کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی چیزیں دیکھ کر ہو سکتا ہے بھابی جان بھی بھیا سے کوئی فرمائش کر ڈالیں۔"

"تیری للو بند نہیں رہتی۔" اماں نے زدیا کو گھورا۔

"سمیٹ لو جویا۔" سارہ آپا نے اماں کے تیور بگڑتے دیکھ کر جویا کی ایک قمیص اٹھا کر تہہ کرنا شروع کر دی تھی۔

بڑی تیزی سے دو تین منٹ میں سب کچھ سمیٹ کر گاڑی میں واپس پہنچا دیا گیا۔ غسل خانے سے بھابی جان کے نکلنے تک زدیا چائے کا پانی چولہے پر رکھ چکی تھی۔

بھابی جان حسب عادت مسکرا کر ملیں، تاہم ان کے دل کا بھید خدا ہی بہتر جانتا تھا۔

ابا دکان سے گھر لوٹتے ہوئے نمک پارے اور اندرسے لے کر آئے تھے۔ چائے کے ساتھ یہی دونوں چیزیں پیش کر دی گئیں۔ ثمینہ اور عاطف کو جن کے لیے ابا دونوں چیزیں لے کر آئے تھے، ایک ایک اندرسہ اور بمشکل دو دو تین تین نمک پارے مل سکے۔

چائے ابا، ارشاد اور یقین نے بیٹھک میں پی لی۔ باقی سب نے اماں کے کمرے میں بیٹھ کر پی۔ چائے کے بعد جب جویا آمادۂ روانگی نظر آئی تو اماں نے آہستہ سے اُسے سمجھایا۔

"دیکھو، ساری چیزیں یہاں کی طرح وہاں مت دکھانے بیٹھ جانا۔"

"وہاں کہاں اماں؟"

"ارے، اپنی سسرال میں۔" اماں بولیں۔ "یہاں تو سب اپنے ہیں، دیکھ کر خوش ہوئے، وہاں کوئی خوش ہونے والا نہیں بلکہ ان کے تو پتنگے لگ جائیں گے...... ارے ساس نندیں خوش کب ہوتی ہیں، جل جاتی ہیں۔"

"اماں، بھیا جب کوئی چیز بھابی کے لیے لاتے تھے تو ہم تو نہیں جلتے تھے۔" جویا نے کہا۔

"تم اپنی بات مت کرو...... میں زمانے کی عام بات کر رہی ہوں۔ کسی ترکیب سے چھپا کر سیدھی اپنے کمرے میں لے جانا ساری چیزیں اندر گھس کر تو تلاشی لینے سے رہیں وہ خرافا میں۔"

جویا سوچ میں پڑ گئی۔

"کیا سوچنے لگیں؟"

"اماں! اول تو میں چھپا کر کیسے لے جا سکوں گی اپنے کمرے میں۔ ایک ہی گھر ہے۔ اپنے کمرے میں جانے کے لیے مجھے لاؤنج سے گزرنا پڑتا ہے اور وہاں ہر وقت کوئی نہ کوئی ضرور بیٹھا رہتا ہے۔" جویا بولی۔

"بڑے کنبے میں لڑکی بیاہنے میں یہی تو پریشانی ہوتی ہے۔ گھر کے ہر کونے کھدرے میں ایک نہ ایک جاسوس بیٹھا رہتا ہے۔"

"بلکہ اماں آدم بو آدم بو بھی کرتا رہتا ہے۔" زہرا باجی نے بلبلا کر اپنی آپ بیتی کا ایک مصرع سنایا۔

"یہ تو ہے، بڑے کنبوں میں پرائیویسی نہیں رہتی۔" سارہ آپا کو اگرچہ بنفسِ نفیس اس کا کوئی تجربہ نہ ہوا تھا مگر دیکھا اور سنا تو تھا۔

"جیسے ہمارے ہاں ہے آپا کہ بھیا اگر کسی روز بھابی کے لیے مونگ پھلیاں بھی لے آتے ہیں تو بھابی بے چاری مونگ پھلیاں چٹخانے یا چھلکوں سے پکڑی جاتی ہیں۔" زدیا بولی۔

"تو چپ رہ زدیا۔" اماں نے زدیا کو ڈانٹا۔

زدیا سمیت چاروں بہنیں زیرلب مسکرا دیں۔

"دیکھو۔" اماں نے جویا کو سمجھایا۔ "لاؤنج میں کوئی پھنے خاں کیوں نہ بیٹھے ہوں، تم اپنا سامان اُٹھائے سیدھی اپنے کمرے میں چلی جانا...... کیوں سارہ؟"

"ہاں اور کیا۔" سارہ آپا نے تائید کی۔

"کسی کو لفٹ ہی نہ کرانا۔" زہرا باجی نے مشورہ دیا۔

"ٹھیک ہے، میں کمرے میں چلی گئی مگر......" جویا اُلجھی گئی۔

"مگر کیا؟"

"جب میں پہنوں گی تب تو سب دیکھیں گے ہی۔"

"ہاں تو دیکھیں۔ کسی چیز کے بارے میں کہہ دینا میکے سے ملی ہے، کسی کے بارے میں کہنا، خود اپنے پیسوں سے خریدی ہے۔ ارے بھئی، کوئی محتاج تو ہو نہیں تم کسی کی۔ کھاتی کماتی ہو۔"

"اور کیا۔" زہرا باجی نے بھی اُس کا حوصلہ بڑھایا۔

"ٹھیک ہے۔"

"لیکن دولہا کو اپنے پہلے سے سمجھا دینا۔ کبھی تم تو کہو، اماں نے دیا ہے یہ جوڑا اور دولہا تمہارے کہہ دیں، میں نے خریدوایا ہے۔" اماں نے مزید سمجھایا۔

"جی اچھا۔"

اماں یک بیک ہنس دیں۔

جویا نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔

"اے جویا!" اماں نے پیار سے اُسے دیکھتے ہوئے اُس کے بازو پر بہت ہیج سے ہاتھ مارا اور بولیں۔ "میں تو سمجھتی تھی کہ نوکری کرنے والی لڑکیاں بڑی سمجھدار ہو جاتی ہیں۔ گھر سے باہر نکل کر اچھا برا سب سمجھنے لگتی ہیں مگر تم تو بہت سیدھی نکلیں۔"

"فکر مت کیجیے! اماں ہم سب کے مشورے شاملِ حال رہیں گے تو یہ جلد ہی سمجھدار ہو جائیں گی۔"

"پھر بولی تو۔" اماں نے زویا کو پھر گھورا پھر دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولیں۔

"اللہ زویا جیسی بے عقل لڑکی کسی کو نہ دے۔"

ایک بار پھر سب مسکرا دیے۔

بھابی جان بے چاری حسبِ معمول کارِ گھر داری میں مصروف تھیں۔ ان کے ہاں نئے مہمان کی آمد دو ہفتوں بعد متوقع تھی۔ پیروں پر سوجن تھی مگر اس حالت میں بھی ان کا ایک پاؤں باورچی خانے میں اور دوسرا باورچی خانے سے باہر ہوتا۔

جویا اور یقین کے ساتھ ہی زہرا باجی اور ارشاد بھی اپنے گھر جانے کو اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سارہ آپا البتہ رُکی رہیں۔

گھر واپس لوٹتے ہوئے جویا نے یقین سے محتاط لہجے میں پوچھا۔ "سنیے! گھر والوں کو یہ ساری چیزیں دکھائی ہیں؟"

"کیوں نہیں دکھائی، گھر سے ہم خریداری کے لیے ہی تو نکلے تھے۔"

"اگر نہ دکھائیں تو؟" جویا کے لہجے میں زیادہ احتیاط تھی۔

"تو۔" اس نے ایک گہری سانس کھینچی۔

"تو؟" جویا کے لہجے میں اب استفہام تھا۔

"تو ذرا مشکل ہو جائے گی۔"

"مشکل! کیسی مشکل؟"

اس سوال کا جواب دینے کے لیے یقین کو اپنی تنخواہ کی تقسیم کا ماہانہ معمول اُسے سمجھانا پڑتا اور وہ شادی سے قبل اپنے ایک بے تکلف قریبی دوست کے اس مشورے پر سختی سے کاربند رہنا چاہتا تھا کہ مرد کو چاہیے کہ بیوی کو ہمیشہ اس رعب میں رکھے کہ اس سے زیادہ دلیر، کماؤ اور شاہ خرچ مرد اس دنیا میں اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

"میرا مطلب ہے، جب پہنو گی تو سب دیکھیں گے ہی۔" یقین بڑی ہشیاری سے اصل بات کو دبا گیا۔

"کوئی مسئلہ نہیں، کہہ دوں گی، اماں نے یا سارہ آپا نے دیے ہیں یا پھر یہ کہ میں نے خود خریدے ہیں۔"

"نہیں..... اپنے گھر میں جھوٹ بولنا اچھی بات نہیں ہوتی۔" یقین نے ایسی شدومد سے اس کی بات رد کی کہ وہ شرمندہ ہو گئی۔

"ٹھیک ہے۔" وہ آہستہ سے بولی۔

☆======☆======☆

سب گھر والے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے ہفتے وار ڈراما دیکھ رہے تھے۔ پہلا وقفہ ہوا تو امی نے دیوار گیر گھڑیال پر ایک نظر ڈالتے ہوئے ابا کی طرف دیکھا اور بولیں۔ "بھئی، وہ دونوں کچھ گرے کے مور تو ہیں نہیں جو آپ پریشان ہو رہی ہیں۔ گھومتے گھامتے گھر آ ہی جائیں گے۔"

"ماسٹر صاحب! آپ بھی بس..... کیا کہیے۔" امی نے وقفہ دیا پھر بولیں۔ "ایک تو میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ہر دوسرے دن شام کو دلہن بیگم کی سواری کیوں کس جاتی ہے باہر جانے کو۔"

"نئے نئے دن ہیں، رفتہ رفتہ کمی ہو جائے گی۔" ابا نے امی کو تسلی دینی چاہی۔

"ہم بھی دیکھیں گے، کتنی کمی ہو گی..... مجھے تو یقین پر حیرت ہوتی ہے۔ کل کے گھوڑے کی طرح جب بیگم اٹھنے کو کہتی ہیں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ دفتر سے آئے، نہ نہائے نہ ستائے، ذرا دیر بعد ہی نکل لیے۔"

"یہی ہوتا ہے..... یہی ہوتا ہے بیگم۔" ابا نے امی کو معنی خیز مسکراہٹ سے دیکھتے ہوئے انہیں ان کا اور اپنا مشترکہ ماضی یاد دلانے کی کوشش کی۔

امی جھینپ گئیں۔

نزہت بڑی محویت سے اشتہارات دیکھ رہی تھی۔ ٹی وی کے اشتہارات سے اُسے فیشن کے نئے رجحانات اور کھانے پینے کے نئے امکانات سمجھنے میں بڑی مدد ملتی تھی۔

مدحت بجیا وقفے کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے چولہے پر چڑھی ہنڈیا اور دم پر رکھی ظاہری دیکھنے کو اُٹھ گئی تھیں۔ موجو بھی ان کے پیچھے پیچھے چلا گیا تھا۔

چوتھا پانچواں اشتہار چل رہا تھا کہ کال بیل بجی۔

''ذہین بیٹا، ذرا دیکھو تو جا کر باہر گاڑی رُکنے کی آواز آئی ہے۔ شاید یقین میاں آ گئے۔''

ذہین گیٹ کھولنے چلا گیا۔

امی کا قیاس درست تھا۔

ذہین نے گیٹ کھولا اور اس خیال سے کہ ڈرامے کا کوئی سین دیکھنے سے محروم نہ رہ جائے، اُلٹے قدموں واپس جانے کو مڑا۔

''کیا بات ہے بھئی، بہت خاموشی ہے گھر میں! سب لوگ کہاں ہیں؟'' یقین نے پوچھا۔

''وہ...... بھائی...... ڈراما آرہا ہے۔''

''کون سا؟''

جواب میں ذہین نے رواں سہ ماہی کی مقبول ترین سیریل کا نام لیا۔

گاڑی اندر کھڑی کرنے کے بعد دونوں نے تھیلے اٹھائے اور لاؤنج کا رُخ کیا۔ جملہ افرادِ خانہ وہیں بیٹھے تھے۔ ڈراما دوبارہ شروع ہو چکا تھا۔

جویا نے افرادِ خانہ کی ڈرامے میں محویت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سلام کر کے تیزی سے لاؤنج سے گزر کر اپنے کمرے کی طرف جانے کی کوشش کی مگر امی کی آواز نے اسے ٹھٹک جانے پر مجبور کر دیا۔

''دلہن! دیکھوں تو کیا کیا خرید لائیں۔''

''آپ...... آپ...... ڈراما دیکھ لیں، پھر دکھا دیتی ہوں۔''

''چھوڑو وہ ڈرامے میں کیا رکھا ہے۔''

جویا نے دُزدیدہ نظروں سے یقین کی طرف دیکھا۔ اُس نے نگاہوں ہی نگاہوں میں کہا دکھا دو۔

یقین اور جویا اپنے کمرے کی طرف جانے کے بجائے وہیں رُک گئے۔

تھیلوں سے جوڑے پر جوڑے نکلتے چلے آئے۔

امی ماشاءاللہ کہہ کر دیکھتی رہیں۔

مدحت بجیا اور نزہت کسی جوڑے کی سلائی، کسی کی کڑھائی اور کسی کی چھپائی کو سراہتی رہیں۔

جویا دل ہی دل میں متعجب ہوتی رہی کہ اماں نے تو کچھ اور کہا تھا۔ یہاں تو کوئی بھی جل بھن نہیں رہا تھا سب خوش ہو کر دیکھ رہے تھے۔ امی، ابا، مدحت بجیا اور نزہت بھی!

یقین کی بھی حوصلہ افزائی ہوئی۔

''جویا امی کو وہ سیٹ بھی تو دکھاؤ۔''

''کون سا؟ ہاں...... وہ۔''

جویا نے بیگ کھولا اور اس میں سے ایمی ٹیشن سیٹ کا ڈبا نکال کر امی کے سامنے کر دیا۔

''ماشاءاللہ! بہت اچھا ہے۔'' امی نے کہا۔

''بہت خوبصورت۔'' مدحت بجیا بولیں۔

''آفت!'' نزہت نے اپنے انداز میں تعریف کی۔

''بھئی، ذرا ڈراما تو دیکھ لیں۔'' ذہین زچ ہو کر بولا۔

''اللہ اس سے بھی زیادہ دے۔'' امی نے جویا کو دعا دی۔

جویا کی حیرانی میں اشتباہ کا رنگ بھی گھل گیا۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ امی، مدحت بجیا اور نزہت سچ مچ خوش ہو رہی تھیں یا وہ سب کچھ محض دکھاوا تھا! ٹی وی اسکرین پر چلنے والے ڈرامے کی طرح محض ڈراما تھا!

اگر وہ سب سچ مچ خوش تھے تو اماں کا قیاس کس قدر مضحکہ خیز ثابت ہوا تھا۔

اور

اگر وہ سب دکھاوا کر رہے تھے تو کتنا کامیاب ڈراما تھا!

شاید اس مقبول و معروف سیریل سے بھی زیادہ کامیاب ڈراما جسے دیکھنے کے لیے سب ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے۔

اس رات جب امی بستر پر لیٹیں تو انہوں نے ابا سے کہا۔ ''ماسٹر صاحب! بہو بیگم جو خریداری کر کے لائی ہیں، آپ کے خیال میں کتنے پیسے خرچ کیے ہوں گے انہوں نے؟''

''بھئی، یہ عورتوں کا شعبہ ہے آپ ہی جانیں، مجھے کچھ اندازہ نہیں۔'' ابا نے جواب دیا۔

''پھر بھی کچھ تو بتایئے۔''

''اندھیرے میں تیر چلانے سے فائدہ!''

''اچھی بھلی رقم خرچ کر کے آئی ہیں۔''

''یعنی اب آپ اس فکر میں پڑ گئیں!''

''نہیں...... اگر بہو بیگم نے اپنے پرس سے رقم خرچ کی ہے تو مجھے فکر کرنے کی کیا ضرورت لیکن...... لیکن دل کو ایک ہلکا سا وہم یہ بھی ہے کہ کہیں......''

''کہیں؟''

''کچھ نہیں۔'' امی دھیمی آواز میں بولیں۔

''بیگم صاحبہ! آپ بھی عجیب عورت ہیں، کبھی دل کو کوئی فکر لگا کر بیٹھ جاتی ہیں، کبھی کوئی وہم آپ کے دل کو ستانے لگتا ہے۔''

امی نے ایک گھٹی گھٹی سی سانس بھری اور کروٹ لے کر پڑ گئیں۔

☆=====☆=====☆

اگلی صبح دفتر جانے سے قبل یقین امی کے پاس آیا اور کچھ پیسے اُن کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''یہ رکھ لیجیے امی۔'' بابا بھی امی کے پاس بیٹھے تھے۔

امی نے حیران ہو کر استفہامیہ نگاہوں سے اُسے دیکھا کہ آج تک کبھی اس نے دفتر جانے سے پہلے انہیں پیسے نہیں دیے تھے۔ تنخواہ والے دن دفتر سے واپسی پر البتہ وہ پہلا کام یہی کرتا کہ تنخواہ ان کے ہاتھ میں تھما دیتا۔

''یہ...... کیسے پیسے ہیں؟'' امی نے پوچھا۔

''تنخواہ میں سے بچے ہیں۔''

''تن...... خواہ......!'' امی یوں بڑبڑائیں، جیسے خواب میں ہوں۔ پھر بولیں۔ ''بچے ہیں! کیا مطلب؟''

''وہ...... امی...... کل تنخواہ ملی تھی نا...... اس میں سے کچھ کی جویا کو شاپنگ کرا دی...... باقی یہ ہیں۔''

امی سکتے میں رہ گئیں۔

اتنی خود مختاری!

کل تنخواہ ملنے کی اس نے انہیں ہوا بھی نہ لگنے دی تھی۔ اب یہ اور بات تھی کہ امی کو اپنے آپ ہی وہم سا ہوا تھا کہ ایسا تو نہیں کہ اُسے تنخواہ مل گئی ہو...... مگر وہ محض وہم تھا، یقین نہیں۔

اب جو یقین نے خود ان کے اس وہم پر مہر تصدیق ثبت کی تو وہ دم بخود رہ گئیں۔

''کل تنخواہ مل گئی تھی!'' ان کے لہجے میں شکستہ سارنگی کی سی دردناک جھنجھناہٹ تھی۔

''جی!''

''تم نے مجھے بتایا تک نہیں؟''

''جی...... بس...... وہ بازار چلے گئے تھے ہم لوگ۔''

امی کا جی چاہا، پھوٹ پھوٹ کر رو دیں مگر وہ ضبط کیے بیٹھی رہیں، بس ذرا کی ذرا بابا کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔

صدمہ انہیں اس بات کا نہیں تھا کہ یقین نے جویا کو شاپنگ کیوں کرائی تھی...... اس بات کا بھی نہیں تھا کہ وہ انہیں پیسے کم کیوں دے رہا تھا۔ اب تو اللہ کے فضل سے بڑی خوشحالی اور فراغت تھی۔ خوب ہاتھ کھول کر پیسے خرچ کرتی تھیں وہ۔ فرزین سفر پر جانے سے پہلے انہیں اچھے خاصے پیسے دے گیا تھا۔ صدمہ انہیں اس بات کا تھا کہ یقین نے انہیں اعتماد میں کیوں نہیں لیا تھا۔

ایک ہاتھ سے تنخواہ اُن کے ہاتھ میں دے کر بے شک وہ دوسرے ہاتھ سے اُن سے واپس لے لیتا...... یا ہاتھ میں بھی نہ دیتا، بس اتنا ہی کہہ دیتا امی تنخواہ ملی ہے، جویا کو خریداری کرانے کے لے جاؤں...... وہ منع تو نہ کر دیتیں۔

امی کا دل دُکھنے لگا۔

''یہ لیجیے امی۔'' یقین پیسے بدستور امی کی طرف بڑھائے کھڑا تھا۔

''رکھو تم ہی۔'' امی نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

یقین نے ان کی قلبی و جذباتی کیفیت کو سمجھنے کے بجائے یہ جانا کہ وہ جویا کو شاپنگ کرانے سے جل گئی تھیں۔

''ہمیشہ تو آپ یہ نہیں کہتیں۔'' وہ تیوری چڑھا کر بولا۔

''ہمیشہ تم مجھے یوں فقیروں کی طرح دیتے بھی تو نہیں ہو۔'' امی کو بھی غصہ آ گیا۔

''میں سب سمجھتا ہوں۔'' اس کے لہجے میں تلخی آ گئی۔

''کیا سمجھتے ہو؟'' امی نے نظر بگاڑ کر پوچھا۔

''یہی کہ آپ کو میرا اسے شاپنگ کرانا برا لگا ہے۔''

''مجھے کیوں برا لگنے لگا۔'' امی نے یقین کو تیز سی نگاہ سے دیکھا۔

''تو پھر پیسے لینے سے کیوں انکار کر رہی ہیں؟''

''میری مرضی۔''

بابا نے بات بڑھتی دیکھی تو مداخلت ضروری تھی۔

بابا جانتے تھے کہ بہو گھر آنے کے بعد بیٹے کا اپنے گھر والوں سے رویہ تھوڑا یا بہت بدلتا ہے اور پھر بدلتا ہے۔

کچھ جبلت کا تقاضا!

وہ شادی کے بعد یقین کے رویے میں بھی کچھ تبدیلی پا رہے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ بیٹے کی نسبت بیوی پر ان کا زیادہ زور چل سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ثالث کا کردار ادا کرتے ہوئے پہل امی سے کی۔

''بیگم صاحبہ! بحث کا ہے کی، یقین میاں پیسے دے رہے ہیں، رکھ لیجیے۔''

''نہیں رکھنے ہیں مجھے۔''

''دیکھ رہے ہیں۔'' یقین نے بابا کے سامنے اپنی معصومیت اور بے گناہی ثابت کرنے کو مسکین صورت بنائی۔

''ایک بات کہوں یقین میاں، برا مت منانا۔'' بابا بولے۔

یقین بابا کی طرف دیکھنے لگا۔

''بہو کو بازار لے جانے سے قبل اگر تم اپنی والدہ کو بتا دیتے تو کچھ حرج نہ تھا۔''

''بابا! اب یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ ہم اپنی مرضی سے کہیں آ جا بھی نہ سکیں۔''

''نہیں...... خدانخواستہ میرا یہ مطلب تو نہیں......'' بابا نے دھیرج سے کہا۔

''تو پھر؟''

''بیٹا! زندگی کا بہاؤ دریا کے بہاؤ کی مانند ہے۔ دریا اگر اچانک اپنا رُخ بدل لے تو آباد بستیاں پلک جھپکتے ویران ہو جاتی ہیں۔ دھیرے دھیرے بدلے تو لوگ اپنے بچاؤ کا بندوبست کر

لیتے ہیں..... تباہی اگر ہوتی بھی ہے تو اس کا درجہ شدت وہ نہیں ہوتا..... تم میری بات سمجھ رہے ہونا بیٹا؟"

بابا کے سوال کا جواب دینے کے بجائے یقین نے پیسے امی کے سامنے رکھ دیے اور بابا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "دفتر سے دیر ہو رہی ہے، چلتا ہوں۔"

"فی امان اللہ!" بابا نے بآوازِ بلند کہا۔

"جاؤ اللہ تمہیں اپنے حفظ وامان میں رکھے۔" امی نے دل ہی دل میں کہا۔

جویا نے جو کھڑکی سے لگی سن رہی تھی۔ زیر لب مسکراتے ہوئے جی ہی جی میں کہا۔ "ویل ڈن یقین!" اور پلٹتے ہوئے سوچا۔ توبہ! کیسی کامیاب اداکاری کر رہی تھیں رات کو بڑی بی! میں تو سچ سمجھ بیٹھی تھی۔ اماں کا اندازہ بالکل ٹھیک تھا۔ جل گئیں بڑی بی۔

یقین کے جانے کے بعد امی نے ڈبڈبائی آنکھوں سے بابا کی طرف دیکھا اور بولیں۔

"دیکھ لیا ماسٹر صاحب، کیسا بدل گیا ہے آپ کا بیٹا۔"

بابا کے لبوں پر موہوم سی مسکان پھیل گئی اور بولے۔ "بیگم صاحبہ! ابھی تو ابتدا ہے، ہمیں ایسی بہت سی تبدیلیوں کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

امی نے اپنے سامنے پڑے نوٹوں کو دیکھا اور رقت سے بولیں۔ "سمجھتا ہے، میں پیسوں کی بھوکی ہوں۔"

بابا نے امی کے شانے پر ہاتھ دھر کر انہیں تسلی دینے کی کوشش کی۔ ہمدردی کا لمس پاتے ہی امی بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

"ارے بھئی، کیوں رو رہی ہیں آپ! ابھی تو ہم زندہ ہیں۔" بابا نے امی کا شانہ تھپکا۔

آنسو تھمے تو امی گھٹی گھٹی آواز میں بولیں۔ "میں کل آپ سے کہہ رہی تھی نا کہ میرے دل کو وہم سا ہوا ہے۔" اتنا کہہ کر امی نے اپنے سامنے پڑے نوٹوں کو ہاتھ میں اٹھایا اور انہیں ایک ایک کر کے بستر پر گراتے ہوئے کھوئی کھوئی نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگیں۔

"بیگم! آپ یہ بتائیے کہ کتنے پیسے چاہییں آپ کو؟" بابا بولے۔

امی نے شاکی نگاہوں سے بابا کو دیکھا اور گلوگیر لہجے میں بولیں۔ "آپ سمجھتے ہیں، میں پیسوں کی وجہ سے.....؟"

بابا نے کچھ اس طرح امی کی طرف دیکھا جیسے کہتے ہوں۔ "میں سب سمجھتا ہوں۔"

"مجھے نہ تو اس بات کا غم ہے کہ یقین پیسے کیوں خرچ کر کے آیا، نہ مجھے اس بات کی جلن ہے کہ یقین نے دلہن کو خریداری کیوں کروائی۔ دلہنوں کے نئے نئے دن کھانے پہننے ہی کے ہوتے ہیں۔ آخر ہماری بچی بھی تو دوسرے کے گھر گئی ہے۔ جب ہم اُسے پہنتے اوڑھتے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں تو کسی اور گھر کی بچی ہمارے ہاں آ کر کیوں نہ کھائے پہنے..... دُکھ مجھے اس بات کا ہے کہ یقین مجھے بارہ پتھر دور بٹھا کر دلہن کو خریداری کرانے لے گیا۔ جھوٹوں بھی نہ بتایا کہ تنخواہ ملی ہے..... کوئی میں چھین لیتی اس سے تنخواہ، جانے کو منع کر دیتی کیا۔"

"اچھا خیر..... اب دل سے رنج کو مٹا دیجیے۔"

"ماسٹر صاحب! رنج کوئی پنسل سے لکھی تحریر ہے کیا کہ ربڑ لیا اور مٹا دیا۔"

"یعنی بیٹے سے خفگی برقرار ہے؟"

"بالکل ہے اور اس وقت تک رہے گی، جب تک وہ معافی نہیں مانگ لیتا۔"

بابا ایک گہری سانس کھینچ کر رہ گئے۔

امی کو ان کی موجودہ نفسیاتی کیفیت میں یہ سمجھانا قدرے مشکل تھا کہ فی زمانہ چھوٹے اپنی کسی غلطی پر بڑوں سے معافی مانگنا اپنی توہین سمجھتے ہیں اس لیے یقین سے یہ توقع نہ رکھنا ہی بہتر تھا۔

"اور یہ پیسے آپ اسے واپس دے دیجیے گا۔" امی نے نوٹ یکجا کر کے بابا کو دیتے ہوئے کہا۔

"بات کو بڑھائیے مت بیگم، بس اتنا ہی کافی ہے کہ آپ نے بیٹے کی بہو پر اسے ڈانٹ دیا۔ بات خدانخواستہ بہو کے کانوں تک پہنچی تو اچھا نہیں۔ نئی لڑکی ہے، کیا سوچے گی وہ بھلا!"

اور جویا اپنے کمرے میں سنگھار میز کے روبرو بیٹھی سوچ رہی تھی۔ پہلی مرتبہ مجھے شاپنگ کرانا ہی کھل گیا بڑی بی کو۔

☆=====☆=====☆

دو روز بعد نزہت کی کلاسیں شروع ہو گئیں۔ جب سے یقین نے دفتر جانا شروع کیا تھا، جویا کا معمول یہ تھا کہ صبح یقین کے ساتھ ہی بیدار ہو جاتی، جب تک یقین دفتر کے لیے تیاری کرتا، وہ منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ تیار کر دیتی۔ مدحت بجیا اور نزہت اس سے پہلے ہی جاگی ہوئی ہوتیں۔ باورچی خانے میں اس کے پہنچنے سے قبل ہی نزہت وہاں پہنچی ہوتی۔ موجو اس کی مدد کو ساتھ ہی کھڑا ہوتا۔ جویا اور نزہت مل جل کر ناشتہ تیار کرتیں۔ سب اکٹھے ناشتہ کرتے۔ یقین کے جانے کے بعد جویا لمبی تان کر سو جاتی اور گیارہ بارہ بجے تک خواب خرگوش کے مزے لیتی۔ کبھی کبھی تو ظہر کی اذان تک پڑی سوئی رہتی۔ دوپہر کے کھانے سے اسے فقط کھانے تک علاقہ ہوتا، پکانے سے قطعاً سروکار نہ رکھتی۔

نزہت نے یونیورسٹی جانا شروع کیا تو جویا نے دوپہر کے کھانے سے پہلے دن والی بے تعلقی رکھی اور یقین کے جانے کے بعد حسب معمول لمبی تان کر سو گئی۔ امی کو سخت ناگوار گزرا۔ بڑبڑاتی ہوئی بابا کے پاس پہنچیں۔

"خیریت تو ہے بیگم صاحبہ؟" بابا نے پوچھا۔

"مدحت اور نزہت تو گئیں یونیورسٹی..... بہو بیگم لمبی تان کر سو گئیں..... اب دوپہر کے کھانے کا کیا ہوگا؟"

"وہی جو پہلے ہوا کرتا تھا۔" بابا نے برجستہ کہا۔

"یعنی؟"

"یعنی یہ کہ مدحت اور نزہت پہلے بھی یونیورسٹی جایا کرتی تھیں...... بہو بیگم ان دنوں اس گھر میں آئی نہ تھیں...... مگر دوپہر کا کھانا پکا کرتا تھا...... اگر درمیان سے بہو بیگم کو نکال دیں تو بقیہ حالات بدستور ہیں۔ جس طور بہو بیگم کے آنے سے پہلے دوپہر کا کھانا پکا کرتا تھا، اسی طرح اب بھی پک جائے گا...... ویسے بھی بہو بیگم کچھ دن بعد تو اپنی ڈیوٹی پر جانے ہی لگیں گی...... تب بھی تو دوپہر کا کھانا پکا ہی کرے گا۔"

"آپ تو بس......" امی نے جملہ ادھورا چھوڑتے ہوئے بابا کو شاکی نظروں سے دیکھا۔

"چھوٹی چھوٹی باتوں پر زیادہ پریشان نہ ہوا کیجیے۔" بابا نے سمجھایا۔

"مجھ سے نہیں کھڑا ہوا جائے گا باورچی خانے میں۔" امی بولیں۔

"بیگم صاحبہ! آپ سے کہہ کون رہا ہے، باورچی خانے میں کھڑا ہونے کو۔"

"ارے بھئی، جب کوئی اور خبر نہ لے گا دوپہر کے کھانے کی تو مجھی کو کھڑا ہونا پڑے گا۔"

"اچھا، یہ بتائیے، بہو بیگم کے آنے سے پہلے دوپہر کا کھانا کیونکر پکتا تھا؟ میرا مطلب ہے، کون پکاتا تھا؟"

"دال چاول سو جو پکاتا تھا۔ ہنڈیا میں چڑھا دیتی تھی۔ چپاتیاں ماسی ڈال کر جاتی تھی۔" امی نے بتایا۔

"بس وہی نسخہ جاری رکھیے اب بھی۔"

"اگر وہی نسخہ جاری رکھنا ہے تو بہو لانے کا فائدہ؟"

"اچھا! تو آپ بہو کو گھر لانے کا فائدہ اُٹھانا چاہتی ہیں۔" بابا دھیرے سے مسکرا دیے۔

"ماسٹر صاحب!" امی نے بابا کو تیکھی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "درخت آدمی اسی لیے لگاتا ہے کہ اس کے سائے میں بیٹھے اور اس کا پھل کھائے۔"

"بیگم صاحبہ! کیا ضروری ہے کہ آدمی درخت اسی نیت کے ساتھ لگائے۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ اُن درختوں کی چھاؤں زیادہ گھنی اور ٹھنڈی ہوتی ہے جو بے لوث ہو کر لگائے جاتے ہیں اور شاید ایسے درختوں کے پھل بھی زیادہ میٹھے ہوتے ہیں۔"

"آپ کی فلسفیانہ باتیں آپ ہی سمجھیں۔"

"نہیں...... نہیں...... آپ کو بھی سمجھائے دیتا ہوں...... دیکھیے اگر ہر شخص خود ہی سائے میں بیٹھنے اور پھل کھانے کے لیے درخت لگائے تو شاید سڑکوں کے کنارے آپ کو ایک بھی درخت لگا نہ دکھائی دے۔ طویل طویل راستوں کے دائیں بائیں پودے لگانے والے تو شجرکاری کے بعد شاید یاد بھی نہ رکھ پاتے ہوں کہ انہوں نے کہاں اور کون سا درخت لگایا تھا مگر دوسرے لوگ اُن کے ہاتھوں کے لگے درختوں کے سائے میں بیٹھ کر سستاتے ہیں اور ٹھنڈی چھاؤں کا مزہ اُٹھاتے ہیں۔"

"کہنا کیا چاہتے ہیں آپ؟"

"کہنا یہ چاہتا ہوں کہ بہو کو گھرداری کی کل گروانے سے گریز کیجیے اور ان سے زیادہ

توقعات منسوب مت کیجیے۔ انشاء اللہ آپ بھی امن میں رہیں گی اور بہو بھی چین سے رہیں گی لیکن اگر آپ نے ان سے توقعات منسوب کرنا شروع کر دیں تو آپ کو بھی پریشانی ہوگی اور انہیں بھی اُلجھن ہوگی۔"

"آپ کا مطلب ہے، بہو بیگم کو سجا کر طاق میں بٹھا دیا جائے!"

"نہیں۔" بابا نے امی کے خیال کی بلا تردد تردید کی پھر بولے۔ "میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ بہو کو اس گھر کے ماحول اور یہاں کے معمولات اور طور طریقوں کو سمجھنے کے لیے خاطر خواہ وقت دیجیے اور بہت جلد ان سے بہت زیادہ اُمیدیں وابستہ مت کیجیے، انشاء اللہ آپ مایوس نہیں ہوں گی۔"

"ماسٹر صاحب! نئے آدمی کو جیسی عادت ڈال دو ویسی ہی پڑ جاتی ہے۔ سیانوں کا کہنا ہے کہ گربہ کشتن روزِ اوّل۔"

بابا بڑے تدبر سے مسکرا دیے پھر بولے۔ "بیگم صاحبہ! گربہ اور بہو بیگم میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔"

"مجھے تو زیادہ فرق نہیں لگتا ماسٹر صاحب۔" امی بولیں۔ "گربہ چپکے سے دودھ کی دیگچی میں منہ ڈالتی ہے، بہو بیگم مگ میں انڈیل کر پیتی ہیں۔"

بابا بے اختیار قہقہہ مار کر ہنس دیے۔

"دودھ والا دودھ صبح کو آتا ہے، دو شام کو۔ پتا ہی نہیں چلتا کہ کہاں چھومنتر ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی تو دکان سے بھی منگوانا پڑ جاتا ہے۔ لگتا ہے، کسی تیشہ بردار کو بلانا پڑے گا کہ بھیا دودھ والے کی دکان سے ہمارے گھر تک ایک جوئے شیر تو کھود دے۔"

"وہ کہے گا، پہلے شیریں تو دکھاؤ۔"

امی بابا کے مذاق پر مسکرا کر بولیں۔ "ماسی کو دکھا دوں گی۔ اپنا تیشہ بھی چھوڑ بھاگے گا وہ۔"

"ماسٹر صاحب! آپ سے اللہ بچائے۔"

"کیوں بھئی...... خیریت! کیا خطا سرزد ہو گئی ہم سے۔"

"مسئلہ تھا، دوپہر کے کھانے کا اور آپ نے بات کہاں سے کہاں پہنچا دی۔ بتائیے، آج کیا پکایا جائے؟"

"یہ ہوئی نا بات۔"

"اچھا بتائیے، کیا پکاؤں۔"

"موجو سے کہیے، پہلے کی طرح دال چاول وہ پکائے۔ ماسی سے کہیے چپاتیاں وہ ڈال دے اور آپ...... جو مرضی میں آئے چڑھا دیجیے...... آپ کے ہاتھ کی پکی تو ہر چیز ذائقہ دیتی ہے۔"

"بس بنانے لگے۔"

"بجا! سچ کہہ رہا ہوں۔"

"اچھا! جا کر دیکھتی ہوں کہ فریج اور ڈیپ فریزر میں کیا کیا رکھا ہے۔ اسی میں سے کچھ نکالتی ہوں پکانے کے لیے۔" امی جانے کو اٹھیں۔

"اگر ہو سکے تو......" بابا نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"سمجھ گئی...... چائے...... ہے نا؟"

"جیتی رہیے۔"

امی محجوب ہو گئیں۔

"اسی ذہنی قربت اور ہم آہنگی کے سہارے تو خوب گزر گئی۔" بابا نے کہا۔

امی ٹھٹک کر تھم گئیں اور بابا کی جانب دیکھتے ہوئے بولیں۔ "ناصر صاحب! توکل، قناعت، نیت کی راستی اور خدمت گزاری کو بھی یاد رکھیے۔"

"سوری بیگم صاحبہ...... ویری سوری۔" بابا صبح نو کی تفسیر بن گئے۔

☆=====☆=====☆

جویا کی آنکھ تو ساڑھے گیارہ بجے کھل گئی تھی مگر وہ اس خیال سے ایک بجے تک بستر پر پڑی اینڈتی رہی کہ کمرے سے نکلے گی تو کام کرنا پڑے گا۔ یہ بات ہرگز نہیں کہ وہ کام چور تھی یا اسے کام کرنا نہ آتا تھا۔ چاروں بہنوں میں وہ گھرداری میں سب سے زیادہ طاق تھی۔ شادی سے پہلے اپنے میکے میں وہ خوب کام کرتی تھی مگر شادی کے بعد اماں نے اس کے پلو میں پہلی ہدایات یہی باندھی تھی کہ سسرال کو سسرال سمجھنا، میکے کی طرح بڑھ بڑھ کر کام نہ کرنا ورنہ اگر ایک دفعہ سسرال والوں کو کام کیا کرایا ملنے کا چسکا پڑ گیا تو کوئی ہل کر پانی بھی نہ پیئے گا، سب اسی آس میں رہا کریں گے کہ بہو بیگم حلق میں پانی ٹپکائیں۔

اماں گاہے گاہے اس کے پلو میں نصیحتیں اور ہدایتیں باندھتی رہتی تھیں اور ان میں سے بعض نے اپنی صداقت کا ثبوت بھی دے دیا تھا۔ یقین کے شاپنگ کرانے پر ساس کے جل جانے کا واقعہ زیادہ پرانا تو نہ ہوا تھا۔ دو چار دن پہلے ہی کی بات تھی اور اس واقعے کے بعد اس نے عہد کر لیا تھا کہ امی کی ہدایتوں اور نصیحتوں سے روگردانی نہ کرے گی، ان پر سختی سے عمل کرے گی۔

آج ساڑھے گیارہ بجے دوبارہ جاگ جانے کے باوجود ایک بجے تک کمرے سے نہ نکلنا اسی عہد کی پابندی تھی!

ایک بجے بستر سے اٹھی۔ وضو کر کے ظہر کی نماز ادا کی پھر حسب عادت چہرے کی ہلکی سی لیپا پوتی کے بعد کمرے سے نکل آئی۔ باورچی خانے میں پہنچی تو موجو سلاد کتر رہا تھا۔ تینوں چولہوں پر دیگچیاں دھری تھیں۔ انہیں کھول کر دیکھے بغیر ہی وہ یقین سے کہہ سکتی تھی کہ ایک میں چاول تھے، دوسری میں دال۔ تیسری کا ڈھکنا کھول کر دیکھا تو شب دیگ کے نیچے جلتی دھیمی سی لو نے دھیمی دھیمی کھدبد مچا رکھی تھی۔

کھیرے کا ایک ٹکڑا اٹھاتی ہوئی اس نے موجو سے پوچھا۔ "کھانا کس نے پکایا موجو؟"

"وہ جی، چاول دال میں نے بنائے جی...... روٹی ماسی پکا کے گئی ہے۔ سالن امی جی نے بنایا ہے جی۔"

"امی نے؟"

"ہاں جی۔"

"مجھے جگا لیا ہوتا، میں پکا دیتی۔"

"امی جی نے بولیا، میں آپ بناؤں گی۔"

باورچی خانے سے ہو کر وہ امی اور بابا کے پاس پہنچی تو آپ ہی آپ اسے احساس شرمندگی نے آ لیا۔

"سوری امی...... میں سوتی رہی...... آپ نے جگا دیا ہوتا۔"

امی کی نگاہوں میں خشونت ڈولنے لگی اور انہوں نے بابا کی طرف کچھ اس طور دیکھا، جیسے کہتی ہوں۔ دیکھی، آپ نے بہو کی مکاری...... پکانے کے وقت پڑ کر سو گئیں اور اب مسکی صورت بنا کر آ گئیں کہ جگا دیا ہوتا۔

بابا نے امی کی نگاہوں میں خشونت ڈولتے دیکھی تو انہیں نگاہوں ہی نگاہوں میں سمجھایا، جلدی سے گریز کیجیے بیگم صاحبہ! امی کے چہرے پر تناؤ سا آ گیا۔

میری مان کر تو دیکھیے، نقصان میں نہیں رہیں گی، بابا نے نظروں ہی نظروں میں امی کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"مدحت اور نزہت آ جائیں تو کھانا لگوا لو۔" امی نے کہا۔ ان کے لہجے سے ہلکی سی خشونت جھلک رہی تھی۔

"جی اچھا۔"

"اور بہو، میرے لیے فریج میں سے ایک مولی ضرور نکال کر کتروا دینا، دھو کے۔"

"موجو نے پہلے ہی نکال لی ہے بابا۔"

جویا جانے کو پلٹی۔

امی بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"کہاں چل دیں بیگم صاحبہ؟" بابا کو کچھ کھٹکا سا ہوا۔

"ناصر صاحب! بچیاں آتی ہوں گی کھانا لگوا دوں۔"

"ارے بھئی، آپ نے بہو بیگم سے کہہ تو دیا ہے، وہ لگوا دیں گی۔"

"میں لگوا دوں تو کوئی ہرج ہے؟"

"ہرگز نہیں بلکہ بڑی خوشی کی بات ہے۔"

"امی جان، آپ بیٹھیے میں لگواتی ہوں کھانا۔" جویا بولی۔

"ارے بھئی جب تک چل رہی ہوں، چل رہی ہوں، جس دن بیٹھ گئی پھر نہیں اٹھوں گی۔" امی نے دروازے کا رخ کیا۔ جویا بھی ان کے ساتھ ساتھ چل دی۔

میز پر برتن رکھے ہی جا رہے تھے کہ نزہت یونیورسٹی سے آ گئی۔ ''امی! بھابی جان! ہم آ گئے ہیں، آپ دونوں کی شفٹ ختم۔''

اس کا خیال تھا، امی کہیں گی، جویا نے کیا ہی کیا ہے جو اس کی شفٹ ختم مگر اس کے خیال کے برعکس امی نے نزہت سے کہا۔ ''تم ہاتھ منہ دھولو۔''

نزہت ہاتھ منہ دھو کر آئی بھی نہ تھی کہ مدحت بجیا آ پہنچیں۔ ''جویا، آج تو تم تھک گئی ہو گی۔'' انہوں نے کہا۔

جویا نے زردیدہ نظروں سے امی کی طرف دیکھا کہ شاید وہ بھڑک کر کہیں، جویا نے کیا ہی کیا ہے جو تھک گئی ہو گی مگر امی نے قطعاً تحمل مزاجی کا مظاہرہ کیا۔

جویا کو خفت محسوس ہونے لگی۔

مدحت بجیا اور نزہت سمجھ رہی تھیں کہ شاید ان کے جانے کے بعد وہ کام میں لگی رہی تھی حالانکہ وہ تو......!

اس نے تہیہ کر لیا کہ کل یقین کی دفتر روانگی کے بعد وہ سوئے گی نہیں بلکہ کام کرے گی...... کھانا پکائے گی اور آج کا ازالہ کر دے گی۔ ویسے بھی اب اسے اپنی نیند کو گھٹانے کی ضرورت تھی کہ اس کی اپنی رخصت بھی ختم ہونے والی تھی۔

☆=====☆=====☆

اگلے روز یقین کے جانے کے بعد جویا اپنے کمرے میں جانے کے بجائے امی اور ابا کے پاس چلی آئی۔

''امی جان! آج کیا پکے گا؟''

امی نے چونک کر پہلے اسے دیکھا، پھر ابا کی جانب دیکھنے لگیں۔ ابا زیر لب مسکرا دیے۔

''جو پکنا ہو گا پک جائے گا دلہن، تم کاہے کو پکانے کی فکر میں پڑ گئیں۔'' امی بولیں۔

جویا سوچ میں پڑ گئی۔

''سچ کیا تھا!''

''اسے کس کی بات کا اعتبار کرنا چاہیے تھا!''

''اماں کی یا امی کی!''

''امی جان! آج کھانا میں پکاؤں گی۔'' اس نے کہا۔

''چلو، دونوں مل کر پکا لیں گے۔'' امی بولیں۔

''یہ ٹھیک ہے۔'' ابا نے تائید کی۔

''تم دس ساڑھے دس تک ایک نیند لے لو پھر پکانا شروع کریں گے۔'' امی نے کہا۔

''نہیں امی جان، آج سے صبح ایک مرتبہ جاگنے کے بعد دوبارہ سونا بند۔'' وہ بولی۔

''کیوں! خیریت؟''

''نیند لوں گی تو اسکول میں بھی اونگھا کروں گی۔''

''اچھا! تو یہ اسکول میں اونگھنے سے بچنے کی احتیاطی تدبیر ہے!'' ابا مسکرائے۔

''جی ہاں۔''

''دلہن! دو چار دن اور سو لو پھر تو جانا ہی ہو گا۔''

''نہیں امی جان...... بالکل نہیں۔''

''اچھا تو چلو، پکانے کے لیے کچھ نکال لیتے ہیں۔''

''بیگم! چائے کی ایک پیالی مل جائے گی؟''

''میں بنا کر لاتی ہوں ابا۔''

''جیتی رہو۔''

جب تک جویا نے ابا کے لیے چائے بنائی، امی نے فریزر میں سے گوشت نکال کر نل کے نیچے سنک میں رکھ دیا۔ موجو نے دال چاول پکانے کی تیاری کی تو جویا نے کہا۔ ''موجو، آج تم رہنے دو، میں پکاؤں گی۔''

''بہت اچھا جی۔'' موجو خوش ہو کر بولا۔

تب ہی کال بیل بجی۔

''موجو! ذرا دیکھو تو کون آیا ہے؟'' امی نے صدا لگائی۔

''اچھا جی۔'' موجو باہر لپکا۔

موجو واپس آیا تو جویا کی دشمن جان کو بھی ہمراہ لایا۔

''اخاہ! آج سورج کدھر سے نکلا ہے بھئی! بھابی کچن میں دکھائی دے رہی ہیں!'' نگہت نے آتے ہی طنزیہ لہجے میں کہا۔

جویا کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔

یہ بدبخت اس وقت کہاں سے نازل ہو گئی تھی!

''بچوں کے اسکول گئی تھی، ان کی ٹیچرز سے ملنے بس وہاں سے ادھر آنے کا موڈ بن گیا۔'' اس نے امی کے استفسار پر بتایا۔

''اور سنایئے بھابی جان، کیسی ہیں؟'' نگہت باورچی خانے میں اس کے پاس ہی آ کھڑی ہوئی۔

''ٹھیک ہوں۔''

''کیا کیا پکا لیتی ہیں؟''

''بس گزارہ کر لیتے ہیں۔''

''صرف گزارہ کرنے سے کام نہیں چلے گا۔ امی سے سیکھیے اور نزہت سے بھی...... ہمارے ہاں امی اور نزہت بہت عمدہ کھانا پکاتی ہیں۔''

''اور تم؟''

''میں۔'' وہ ہنس دی۔ ''میں پکانے کی نہیں، کھانے کی شوقین ہوں۔''

''لعنت ہو تم پر۔'' جویا نے دل ہی دل میں کہا۔

''ارے امی، آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں؟''

''ہنڈیا چڑھانے کو۔''

''ارے، چھوڑیے بھابی کو پکانے دیجیے۔ چلیے آپ اپنے کمرے میں...... یہ کوئی آپ کی کچن میں کھڑے ہونے کی عمر ہے۔''

نگہت نے امی کو دروازے کے رخ موڑنے کی کوشش کی۔

''تم اپنے ابا کے پاس چل کر بیٹھو، میں ہنڈیا چڑھا کر آتی ہوں۔'' امی بولیں۔

''ہنڈیا آج بھابی چڑھائیں گی...... ہم بھی تو دیکھیں کہ بھابی کیسا کھانا پکاتی ہیں۔''

نگہت نے امی کو شانوں سے پکڑتے ہوئے گھیر لیا۔

''اچھا بھئی، چھوڑ دو تو چلتی ہوں۔''

نگہت امی کو لے گئی اور جویا کے موڈ کا ستیاناس کر گئی۔

ہنڈیا چڑھانے کے بعد جویا دبے پاؤں امی کے کمرے تک پہنچی تو اس نے نگہت کو امی سے کہتے سنا۔ ''سارا کام کروائیے بیگم صاحبہ بنا کر مت رکھیے۔''

بابا باہر پودوں کو پانی دے رہے تھے۔

دفعتاً ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ وہ لاؤنج کی طرف لپکی۔

''ہیلو!'' اس نے کال ریسیو کی۔

''بھابی بول رہی ہیں؟''

''اوہ! فرزین!''

''جی...... جی ہاں۔''

''کیسے ہو؟''

''فائن...... تھینک یو...... گھر میں سب لوگ کیسے ہیں؟''

''اللہ کا شکر ہے۔ سب خیریت سے ہیں...... تم کہاں سے بول رہے ہو؟''

''جدہ سے...... بھائی کیسے ہیں بھابی؟''

''ٹھیک ٹھاک، تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔'' جویا نے آخری جملہ اپنی طرف سے بولا تھا۔

''ارے، ہم مسافروں کو کون یاد کرتا ہے...... امی اور ابا سے تو بات کرائیے۔''

''ہولڈ کرو، بلاتی ہوں۔''

''اچھا سنیے۔'' اس کے لہجے میں قدرے رازداری کی کیفیت تھی۔

''ہاں۔''

''آپ کے گھر میں سب لوگ کیسے ہیں؟''

''بالکل خیریت سے۔''

''میرا سلام دیجیے گا۔''

تب ہی نگہت آ گئی۔

''کس کا فون ہے؟''

''فرزین کا!''

''اوہ! فرزین کا۔'' وہ تیوری چڑھا کر بولی۔ ''اور آپ اتنی دیر سے خود ہی باتیں کیے جا رہی ہیں۔'' اس نے جویا کے ہاتھ سے ریسیور اچک لیا۔

جویا کو ناگوار گزرا۔

''ہاں...... فرزین...... میں نگہت بول رہی ہوں۔''

جویا نے امی اور ابا کو بلانے کے لیے دروازے کا رخ کیا مگر نگہت کی صدائے بلند نے اس کے قدم پکڑ لیے۔ ''امی...... ابا...... جلدی آئیے، فرزین کا فون ہے۔''

نگہت کو زیادہ دیر دیکھتے رہنا جویا کے لیے مشکل تھا، سو وہ لاؤنج سے چلی گئی۔

نگہت کی دونوں بچیاں اسکول سے وہیں آ گئیں۔

مدحت اور نزہت کے آنے تک جویا باورچی خانے میں مصروف رہی۔ کھانا کھانے بیٹھے تو سبھی نے تعریف کی۔

نزہت نے کہا۔ ''واہ بھابی، بہت مزیدار کھانا کھلایا ہے آج آپ نے۔''

مدحت بجیا نے تائید کی۔ ''ہاں، واقعی بہت مزیدار!''

''بس ذرا نمک کرارا ہو گیا چاولوں میں۔'' نگہت نے عیب گنایا۔

''ہمارے لحاظ سے تو بالکل ٹھیک ہے۔'' امی نے کہا۔

''چلیے اگر بھابی کا دل رکھنے کی بات ہے تو ٹھیک ہے۔'' نگہت طنزاً مسکرائی۔

کھانے کے بعد ابا نے اپنی جیب سے پچاس روپے کا ایک نوٹ نکال کر جویا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''بہو! یہ تمہارا انعام ہے، شام کو یقین میاں کے ساتھ جا کر ٹھنڈی ہوا اور آئس کریم کھا آنا۔''

''ابا! اس کا مطلب یہ ہوا کہ بھابی کو ایک وقت کھانا پکانے کے پچاس روپے ملا کریں گے۔'' نگہت نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

''نگہت!'' مدحت بجیا نے نگہت کو تنبیہی نگاہوں سے دیکھا۔

''توبہ ہے...... اس گھر میں تو بات کرنا مشکل ہے۔'' نگہت نے منہ بنایا۔

جویا کو یک گونہ طمانیت کا احساس ہوا۔

شام کو افتخار بھائی دفتر سے سسرال آ گئے۔ نگہت رات تک رہی۔ رات کے کھانے کے بعد جب وہ اپنے میاں اور بچیوں کے ساتھ اپنے گھر چلی گئی تو جویا نے بقول ابا ٹھنڈی ہوا اور آئس کریم کھانے کے لیے یقین کے ساتھ باہر جانے کا پروگرام بنایا اور اس روز پہلی بار وہ مدحت بجیا، نزہت اور ذہین کو بھی اپنے ساتھ کھینچ لے گئی۔ شاید اس لیے کہ ان سب نے دوپہر کو

تمہت کے مقابلے پر اُس کا ساتھ دیا تھا۔

ساتھ تو امی نے بھی دیا تھا اور جویا نے نہ صرف انہیں بلکہ ببا کو بھی ساتھ لے جانے کی کوشش کی مگر ببا نے کہا۔ ''بہوا حالات ٹھیک نہیں ہیں، گھر کو صرف موجو پر چھوڑ جانا مناسب نہیں۔''

ببا کا جواز معقول تھا، جویا چپ ہو رہی۔

امی یقین سے اپنی ناراضگی کے باعث ان کے ہمراہ نہ گئیں۔ اگرچہ اپنی دانست میں انہوں نے جویا پر یہ بات ظاہر نہ کی مگر وہ جانتی تھی کہ شاپنگ کے اگلے دن سے امی کی یقین سے ڈھکی چھپی خفگی چل رہی تھی۔ جسے وہ جویا سے کمال ہشیاری سے چھپائے ہوئے تھیں اور اماں کے مشورے پر جویا بھی انجان بنی ہوئی تھی۔

اماں نے اسے سمجھایا تھا۔ ''ٹھیک ہے، ماں بیٹے میں ٹھنی رہے تو تمہارے حق میں اچھا ہے۔ تم ساس کے سامنے بالکل انجان بنی رہو۔ جیسے کچھ پتا ہی نہیں۔ جیسے تم نے کچھ سنا ہی نہیں۔''

گو ایک گھر میں رہتے ہوئے اس گھر کے حالات سے انجان بنے رہنا مشکل تھا مگر وہ انجان بنی ہوئی تھی۔

☆======☆======☆

یقین سے امی کی خاموش خفگی کئی روز تک چلتی رہی۔

اگرچہ یقین تو دو روز بعد ہی شرمندہ شرمندہ سا امی کے آس پاس منڈلانا شروع ہو گیا تھا۔ بہانے بہانے سے امی کے پاس آتا، انکھیوں سے انہیں دیکھتا۔ بات کرنے کی کوشش کرتا۔ ببا سے نگاہوں ہی نگاہوں میں التجا کرتا کہ امی کی خفگی ختم کرا دیں مگر امی پلٹ کر اس کی طرف دیکھتی تک نہ تھیں۔

ببا نے امی کو بہت سمجھایا۔

مدحت بجیا نے کہا۔ ''امی جان! جویا کیا سوچیں گی۔''

''جو مرضی آئے سوچیں، مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔''

''یقین سمجھیں گے کہ آپ تنخواہ خرچ کر دینے کی وجہ سے اُن سے ناراض ہیں۔''

''سمجھا کریں۔'' امی کو بھی ضد سوار تھی۔

نزہت نے بھائی کی سفارش کی۔

مگر امی کسی کی سننے پر آمادہ نہ ہوئیں۔ ان کی ضد یہ تھی کہ جب تک یقین ان سے معافی نہیں مانگ لیتا، وہ اس سے کلام کرنا تو کجا اس کی طرف دیکھیں گی بھی نہیں۔

اندر ہی اندر کھچڑی پک رہی تھی اور ببا، امی، مدحت بجیا، نزہت، ذیان سب یہی سمجھ رہے تھے کہ جویا کو اصل قصے کی کچھ خبر ہی نہیں۔

کئی روز تک یہ سلسلہ چلتا رہا، اس کشمکش میں اسکول سے جویا کی رخصت ختم ہونے کا دن

نزدیک آ گیا۔ یقین نے شادی کے بعد سے جویا کو ایک دن بھی میکے میں نہیں چھوڑا تھا، ساتھ لے جاتا اور دو چار گھنٹے بیٹھ کر ساتھ واپس لے آتا۔ میکے والے جویا سے جب بھی رُکنے کو کہتے، یقین بڑی خوبی سے ٹال جاتا۔ چھٹی ختم ہونے سے دو روز قبل جویا نے یقین سے ایک رات کو اپنے میکے میں رُکنے کی اجازت چاہی تو وہ بولا۔ ''کیوں؟ کیا کسی محاذ پر جا رہی ہو؟''

''لگ تو یہی رہا ہے مجھے۔'' وہ بولی۔ ''دو مہینے عیش کرنے کے بعد بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا ہے میرا اسکول جانے کو۔''

''تو نہ جاؤ۔''

''کیسے نہ جاؤں۔'' اُس کے لبوں پر افسردہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ گھٹی گھٹی سی ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔ ''ایک دفعہ شاپنگ کرائی آپ نے تو امی آپ کی آپ سے اب تک خفا ہیں۔ مجھے اپنی ضروریات آپ ہی پوری کرنی ہوں گی۔''

''ارے نہیں، ایسی بات نہیں۔'' یقین خفت سے بولا۔

''یہی بات ہے جناب...... اچھا خیر، آپ اس بحث کو چھوڑیے۔ میں آپ سے ایک رات اماں کے ہاں رہنے کی اجازت مانگ رہی ہوں۔''

''کیا رات کو رہنا ضروری ہے؟''

''اماں اور باقی سب لوگ شکایت کرتے ہیں کہ شادی کے بعد تمہارے سسرال والوں نے ایک رات بھی میکے میں نہیں چھوڑا ہے تمہیں۔''

''روزانہ نہ سہی، ہر دوسرے دن ملوانے کے لیے لے تو جاتا ہوں میں تمہیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر لڑکیاں اپنے میکے میں رہنے کے لیے بھی تو جاتی ہیں۔''

''نہیں بھئی، رات کو رُکنے کی اجازت نہیں دے سکتا میں۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ تم رات کو وہاں رُکو گی تو میں تو بند کمرے میں تارے بھی نہیں گن سکتا...... کیسے گزاروں گا رات۔''

جویا مسکرا دی۔

''جیسے وہ سارے شادی شدہ مرد گزارتے ہیں جن کی بیویاں رہنے کے لیے میکے گئی ہوتی ہیں۔''

''ارے بھئی، سارے ہم جیسے عاشق صادق تھوڑی ہوتے ہیں، بعض تو بیویوں کے میکے چلے جانے پر بہت خوش ہوتے ہیں۔''

''آپ بھی ایک رات کو انہی میں کیوں نہیں شامل ہو جاتے؟''

''بیویوں کو میکے بھیج کر وہ شوہر ان نامدار خوش ہوتے ہیں جو بیویوں سے بیزار ہوتے ہیں۔ میں اُن میں شامل نہیں ہونا چاہتا۔''

''پلیز ایک دن کے لیے۔''

"اونہوں۔"

"آپ کو میری قسم۔"

"کیا حماقت ہے بھئی۔"

"دیکھیے، دو مہینے میں پہلی مرتبہ اجازت مانگ رہی ہوں آپ سے گھر والے بھی کئی مرتبہ کہہ چکے ہیں۔ بلکہ اماں تو بگڑتی ہیں کہ یقین نے شادی کے بعد تمہیں ایک دن بھی نہیں چھوڑا ہے میکے میں۔"

"ارے بھئی، اتنے سال رہ کر آئی ہو اپنی اماں کے پاس پھر بھی ان کا دل نہیں بھرا۔"

"اماں اپنے سارے بچوں میں سب سے زیادہ مجھی کو چاہتی ہیں۔" وہ ناز سے بولی۔

"ان سے کہنا، اب دوسروں کو بھی موقع دیں چاہنے کا۔" وہ شوخی سے بولا۔

جویا گلنار ہو گئی۔

"اچھا کہہ دوں گی...... ایک رات کی اجازت تو دیں۔"

"اچھا بھئی...... ٹھیک ہے...... کیا یاد کرو گی کہ کسی سخی سے پالا پڑا تھا۔"

"تھینک یو...... تیار ہو جاؤں۔"

"تیار ہو جاؤں کا کیا مطلب! اماں کے ہاں جانے کو تو تم ہر وقت تیار رہتی ہو۔"

وہ جھینپ گئی۔

"چلو تیار ہو جاؤ...... چھوڑ آتا ہوں...... مگر......"

"مگر کیا؟"

"پہلے امی سے تو اجازت لے لو۔"

"او کے سر۔"

امی نے اجازت دینے میں تردد نہ کیا۔

مغرب کے وقت یقین اور جویا وہاں پہنچے۔ دس بجے شب تک یقین سسرال ہی میں بیٹھا رہا۔ اس کے جانے کے بعد زویا نے جویا کے گلے میں اپنی بانہیں حمائل کرتے ہوئے کہا: "شکر ہے، آج آپ کو رہائی تو ملی۔"

"صرف ایک رات کے لیے۔" جویا نے جتایا۔

"بجو! آج ہم لوگ رات بھر جاگیں گے اور باتیں کریں گے۔"

"ہاں۔" اماں نے بھی تائید کی۔

گھر پہنچتے ہی یقین نے فون کھڑکا دیا۔

"خیریت!" جویا نے پوچھا۔

"یار! سناٹا پڑا ہے کمرے میں، میرا تو دل گھبرا رہا ہے اس خاموشی سے۔"

"باقی سب لوگ کیا کر رہے ہیں؟"

"امی، ابا اور مدحت بجیا ابھی تھوڑی دیر پہلے لان سے اٹھ کر اپنے کمروں میں گئے

ہیں۔ نزہت اور ذہین ٹی وی پر کوئی انگریزی فلم دیکھ رہے ہیں۔"

"آپ بھی ان کے ساتھ جا کر بیٹھ جائیے۔"

"اونہوں۔"

"تو سو جائیے۔"

"نیند نہیں آ رہی۔"

"اچھے بچوں کی طرح آنکھیں بند کر کے پڑ جائیں، آ جائے گی۔"

"اگر آئندہ تم نے اپنی اماں کے ہاں رکنے کی فرمائش کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" وہ غصے سے بولا۔

جویا ہنس دی۔

"منحوست...... ہنسیں۔" اس نے ڈانٹا۔

"کیا بات ہے صاحب؟ اتنا غصہ کیوں کر رہے ہیں؟"

"بڑا شوق آ رہا تھا، اماں کے ہاں رہنے کا۔"

"بابا! اتنے ناراض کیوں ہو رہے ہیں؟"

"دل نہیں لگ رہا ہے میرا، اکیلے گھر میں۔"

"اکیلا گھر!" وہ تعجب سے بولی۔ "ماشاء اللہ سب لوگ تو ہیں گھر میں۔"

"زیادہ باتیں مت بناؤ۔" وہ جھنجھلا کر بولا۔ "صاف سننا چاہتی ہو تو سنو، تمہارے بغیر دل نہیں لگ رہا ہے میرا گھر میں۔"

"اچھا یہ بات ہے۔" جویا کو انوکھے غرور نے آ لیا۔ "تو ایسا کریں یہاں آ جائیں۔" وہ کچھ نہیں بولا۔

"امی سے ڈرتے ہیں...... ہے نا؟"

"ڈرتا ورتا تو خیر میں کسی سے بھی نہیں۔"

"تو آ جائیں۔"

"تم مجھے آنے جانے کا مشورہ مت دو۔ بس آئندہ اماں کے ہاں رکنے کو مت کہنا۔"

"او کے...... بس...... خوش؟"

"خوش تو کل ہوؤں گا جب تم گھر آ جاؤ گی...... آفس سے واپسی پر میں ادھر آ جاؤں گا، تم تیار رہنا۔"

"او کے...... اور کچھ؟"

"وہ ابا باتیں کر رہے تھے مجھ سے۔"

"اچھا جاؤ...... ابا کی فکر کرو، ہماری مت کرنا۔"

"ارے صاحب! دو مہینے سے آپ ہی سے باتیں ہو رہی تھیں۔ اس کے باوجود شکوہ!"

"اچھا جاؤ اپنے ابا سے باتیں کر لو۔"

"ناراض تو نہیں ہیں نا؟"

"آئندہ اس سوال کا موقع نہ آنے دینا۔"

"اوکے۔"

"وعدہ؟"

"کوشش کروں گی...... اچھا اللہ حافظ!"

"کیسی جلدی ہے۔"

وہ بے اختیار ہنس دی۔

"خدا حافظ!"

"شب بخیر!"

ساڑھے بارہ بجے کے لگ بھگ پھر یقین کا فون آ گیا۔ جویا کو اماں سے باتیں چھوڑ کر اٹھنا پڑا۔

"بجو! لگتا ہے، یقین بھائی تو آج ساری رات فون کرتے رہیں گے۔" زویا بولی۔

"ماشاء اللہ، میری بچی کو قدر کرنے والا شوہر ملا ہے ورنہ آج کل کے شوہر تو دعائیں مانگتے ہیں کہ بیوی اِدھر اُدھر ہو تو ہم آس پاس تاکیں۔" اماں بولیں۔

زویا اماں کی معلوماتِ حاضرہ پر حیران ہوتے ہوئے بولی۔ "آپ سے کس نے کہا اماں؟"

"کسی کے کہنے کی کیا بات ہے، ہمیں خود پتا ہے۔"

یقین تقریباً پچیس منٹ جویا سے فون پر باتیں کرتا رہا۔ اُسے شب بخیر کہہ کر جویا پلٹی تو زویا نے بتایا، بھابی کی طبیعت خراب ہو رہی تھی، انہوں نے اماں کو اپنے کمرے میں بلا بھیجا تھا۔

جویا اُلٹے قدموں بھابی کے کمرے کی طرف لپکی۔

بھابی کے اسپتال جانے کا وقت آ پہنچا تھا!

اماں نے جویا سے کہا۔ "تم بھی ہمارے ساتھ چلو، ایک سے دو اور دو سے تین بھلے ہوتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، چلتی ہوں۔"

تقریباً پونے دو بجے نرسنگ ہوم پہنچے۔ رات جاگتے گزر رہی۔ اُدھر فجر کی اذان ہوئی، اِدھر لیبر روم سے نئی زندگی کی صدا سنائی دی۔

بھیا ایک عدد اور بیٹے کے باپ بن گئے تھے!

☆=====☆=====☆

اگلی صبح ناشتے کی میز پر نزہت نے کہا۔ "آج بھابی کے بغیر کتنا سونا سونا لگ رہا ہے!"

"ہاں۔" امی سے پہلے بابا نے تائید کی۔

"بھئی ساری رونق انسان کی ہے۔" امی نے کہا۔

"واقعی۔" بابا بولے۔

"ناشتے اور کھانے پر جب بھابی کے ہاتھوں کی چوڑیاں بجتی ہیں تو ہمیں اتنا اچھا لگتا ہے کہ جی چاہتا ہے، بھابی کی چوڑیاں بجتی رہیں اور ہم سنتے رہیں۔"

یقین چپ چاپ سن رہا تھا۔ نزہت کی بات میں اسے ایک انوکھی رومانویت کا احساس ہوا۔ جویا کی کلائیوں میں بجتی، کھنکتی چوڑیوں کی آواز اسے بھی بہت اچھی لگتی تھی۔ نیند سے جاگنے سے قبل نیند اور بیداری کے درمیانی وقفے میں اسے جویا کی چوڑیوں کی کھنک میں عجیب نغمگی محسوس ہوتی۔

"یقین! جویا شام کو تو آ جائیں گی نا؟" مدحت بجیا نے پوچھا۔

"جی...... جی ہاں۔"

"کل سے تو بے چاری دلہن اسکول جانے لگیں گی۔" امی بولیں۔

"بے چاری!"

یقین کو تعجب ہوا۔

"ہاں! میرا بس چلے تو دلہن کو گھر بٹھا لوں۔" امی نے کہا۔

"کیوں بھئی خیریت؟" بابا نے امی کی طرف دیکھا۔

"ماسٹر صاحب بہوئیں گھر کی رونق ہوتی ہیں۔ گھر ہی میں اچھی لگتی ہیں۔ مگر کیا کیا جائے کہ آج کل عورتوں کی ملازمت کچھ فیشن بن گئی ہے، کچھ ضرورت اور مجبوری۔"

یقین نے بحرِ تحیر میں ایک اور غوطہ کھایا۔

"میاں بیوی دونوں کما رہے ہوں تو ذرا خوشحالی اور فراغت رہتی ہے۔" مدحت بجیا بولیں۔

"ہاں، وہ تو ٹھیک ہے مگر ہمارا بھی تو جی چاہتا ہے کہ ذرا گھر میں رونق رہے۔"

"اسکول کالج کی ملازمت کا فائدہ بھی ہے اماں کہ عورت گھر کو بھی خاصا وقت دے سکتی ہے۔" مدحت بجیا نے اماں کو تسلی دی۔

"چلو...... ٹھیک ہے۔" اماں کے لہجے سے نیم دلی ظاہر تھی۔

"اللہ امی، ہمیں تو بار بار بھابی کا خیال آئے جا رہا ہے۔" نزہت نے اپنے مخصوص معصوم لہجے میں کہا۔

"آج آخری چھٹی تھی، بہو گھر میں گزارتیں تو اچھا تھا۔ ماسٹر صاحب کا اور ہمارا دل بہلا رہتا۔"

"کہیے تو جویا کو وہاں سے لے کر یہاں چھوڑتا ہوا دفتر جاؤں؟" یقین نے دزدیدہ نظروں سے امی کی طرف دیکھا۔

امی یوں انجان بنی رہیں، جیسے سنا ہی نہ ہو۔

بابا، مدحت بجیا اور نزہت نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کو معنی خیز نگاہوں

سے دیکھا پھر بابا امی کی جانب دیکھتے ہوئے بولے۔" بیگم صاحبہ! یقین میاں نے آپ سے کچھ پوچھا ہے؟"

امی چپ رہیں۔

"امی جان! یقین نے کچھ پوچھا ہے آپ سے۔" مدحت بجیا نے کہا۔

نزہت اپنی جگہ سے اٹھی اور اماں کی کرسی کے عقب میں آ کر اپنی بانہیں بہت پیار سے امی کے گلے میں حمائل کرتے ہوئے لجاجت سے بولی۔ "امی! پلیز آپ ہم لوگوں میں سے کسی سے بھی خفا مت ہوا کریں...... بڑا عجیب سا لگتا ہے۔ جیسے...... جیسے...... زندگی کا لطف جاتا رہا ہو۔"

امی نے گردن موڑ کر نزہت کی طرف دیکھا۔ ان کی نگاہوں میں محبت بھی تھی۔ شکوہ بھی۔

"ہاں امی...... پلیز...... آپ خفا مت ہوا کیجیے۔" نزہت نے اپنا رخسار اماں کے گال سے مس کر دیا۔

بابا نے یقین کو نگاہوں ہی نگاہوں میں اشارہ دیا۔ وہ کچھ ہچکچاتے ہوئے اٹھا اور امی کے نزدیک پہنچ کر جھکتے ہوئے امی کے قدموں میں بیٹھ گیا اور ان کے گھٹنوں پر ہاتھ دھر کر بولا۔

"سوری امی جان۔"

امی نے جھکی جھکی مگر تیکھی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"سوری۔" اس نے پھر کہا۔

"بیگم صاحبہ! بیٹے کے سر پر ہاتھ رکھ دیجیے۔" بابا بولے۔

امی نے بناوٹی خشونت سے بابا کو دیکھا۔

"ہاں...... ہاں......" بابا نے امی کو ترغیب دلائی۔

"بس امی غصہ تھوک دیجیے۔" مدحت بجیا نے یقین کی سفارش کی۔ یقین امی کے گھٹنے دبانے لگا۔

"چھوڑو میرے گھٹنے۔" امی نے کہا۔

"جب تک آپ مان نہیں جاتیں نہیں چھوڑوں گا۔" یقین بھی ڈھٹائی پر اتر آیا۔

"چاہے دفتر کو دیر ہو جائے۔" نزہت بولی۔

"تم دفتر سے دیر ہو جانے کی بات کرتی ہو، چاہے جان سے گزر جاؤں۔"

"خدا نہ کرے۔" امی نے ہول کر کہا پھر یقین کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولیں۔

"اچھا...... بابا...... اچھا۔" رنجش چھٹ گئی تھی۔

"تھینک یو امی۔" یقین کے لہجے سے ممنونیت جھلک رہی تھی۔

"شام کو بھابی کو لے کر آیئے گا تو مٹھائی بھی ساتھ لیتے آیئے گا۔"

"چو بیا، تم ہمیشہ اپنے مطلب کی سوچنا۔" ذہین جو اب تک چپ بیٹھا تھا بولا۔

دفتر پہنچتے ہی یقین نے سسرال فون کیا۔ فون زویا نے اٹھایا۔

"جویا ہے تو بات کراؤ۔"

"وہ تو ہاسپٹل میں بھابی کے پاس ہیں۔ بھابی کے ہاں بیٹا ہوا ہے۔"

"مبارک! مبارک! ہاسپٹل کا نمبر ہے تمہارے پاس؟"

"جی نہیں۔"

"اچھا دیکھو، جویا کو بتا دینا، میں شام کو آؤں گا......"

"وہ تیار رہیں۔ یہی نا؟" زویا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"عقلمند ہو!"

"شکریہ...... شکریہ۔"

☆=====☆=====☆

امی ہنڈیا چڑھا کر کمرے میں پہنچیں تو بابا کہیں باہر جانے کو تیار ہو رہے تھے۔

"کہاں کی تیاری ہے؟"

"پنشن لینے جا رہا ہوں۔"

"صبح سے اب تک تین چار مرتبہ دلہن کے کمرے میں جھانک چکی ہوں، خالی بڑا بھائیں بھائیں کر رہا ہے۔"

"فکر مت کیجیے، بہو شام کو آ جائیں گی...... اچھا چلتا ہوں۔"

امی بابا کو چھوڑنے گیٹ تک گئیں۔

ڈیڑھ دو گھنٹے بعد جب بابا واپس آئے تو مٹھائی کا ایک ڈبا بھی لے کر آئے۔

"یہ کس خوشی میں؟"

"بھئی، بہو کو چم چم پسند ہے، لیتا آیا۔"

"بہو کی پسند کا بہت خیال رہتا ہے ماسٹر صاحب! کبھی ہماری پسند کا بھی خیال کر لیا کیجیے۔"

"ارے بھئی، لایا ہوں...... لایا ہوں۔" بابا نے شیروانی کی جیب سے زعفرانی پتی تمباکو کی ڈبیا نکال کر امی کی طرف بڑھا دی۔

"شکریہ۔"

"بس آپ خوش رہا کیجیے۔ میرے کسی بھی بچے سے خفا نہ ہوا کریں۔"

"کیا آپ کے بچے میرے بچے نہیں ہیں؟" امی نے بابا کو شاکی نظروں سے دیکھا۔

"پہلے آپ ہی کے ہیں...... آپ کا مرتبہ، آپ کا مقام، آپ کا حق زیادہ ہے ان پر...... اسی لیے جب آپ خدانخواستہ ان میں سے کسی سے ذرا بھی ناراض ہو جاتی ہیں تو پورے گھر کا ماحول ہی سہم جاتا ہے۔" بابا نے ہاتھ جوڑ دیے اور لجاجت سے بولے۔ "جیسے اب تک خوشی خوشی گزر گئی ایسے ہی آئندہ بھی گزر جائے تو اچھا ہے۔"

امی بابا کا مطلب سمجھ گئیں۔

"ماسٹر صاحب! ہماری کوشش تو یہی ہوگی کہ اچھی گزرے...... دعا کیجئے کہ بہو بھی یہی چاہتی ہو۔"

"ان شاء اللہ!" بیا نے بڑے خشوع و خضوع سے کہا۔

"اور ہاں، یہ دعا بھی کیجئے کہ نزہت کے لیے کوئی اچھا رشتہ آجائے۔"

"ہر نماز کے بعد کرتا ہوں۔"

شام کو جب یقین دفتر سے سسرال پہنچا تو جویا تیار بیٹھی تھی۔

"دیکھ لیجئے یقین بھائی، کیسی تابعدار خاتون ملی ہیں آپ کو! پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔" زدیا مسکرائی۔

"شکریہ۔" یقین جویا کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

"تشریف رکھیے، میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔" زدیا بولی۔

"نہیں بھئی، چائے وائے کچھ نہیں زدیا، اب ہم اپنے گھر جائیں گے۔" جویا کے لہجے میں ایک گونہ بے تابی تھی۔

یقین نے کچھ بے یقینی، کچھ حیرت، کچھ مسرت کے ساتھ اسے دیکھا۔

کل وہ میکے آنے کے لیے بے چین تھی اور آج سسرال جانے کے لیے بیتاب!

"اچھا تو پھر اٹھ جاؤ۔" یقین نے جویا سے کہا۔

وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

جونہی یقین کی گاڑی جویا کے میکے کی گلی سے نکل کر کھلی سڑک پر آئی، جویا نے اپنا سر بہت دھیرے سے یقین کے شانے سے ٹکا دیا اور دھیرے سے بولی۔ "یقین! آپ سے اور اپنے گھر سے صرف ایک دن کی دوری نے بڑا اہم انکشاف کیا ہے مجھ پر۔"

"کیسا انکشاف؟" یقین نے ذرا کی ذرا اُس کی طرف دیکھا۔

"نہ میں آپ سے دور رہ سکتی ہوں، نہ اپنے گھر سے۔"

یقین دھیرے سے مسکرا دیا۔

چھٹی ختم ہونے کے بعد جویا نے اسکول جانا شروع کیا تو اُس کی شادی شدہ ساتھیوں نے جن میں سے بعض خود کو ازدواجی زندگی کے داؤ پیچ کی چیمپئن سمجھتی تھیں، اسے حسب استطاعت اپنے اپنے مجرب اور آزمودہ مشوروں کے نرغے میں لے لیا بلکہ جوشِ رفاقت میں بعض ناکتخدا اور سسرالی زندگی سے قطعاً نابلد اور ناتجربے کار دوست بھی اسے مشوروں سے نوازنے کے لیے خم ٹھونک کر میدان میں آگئیں۔

سیاں کو لگام دے کر رکھنا۔

سسرال والوں کو زیادہ لفٹ مت کرانا۔

ساس سے بچ کر رہنا۔

سسر کو مٹھی میں رکھنا۔

نندوں کو شیر کی نظر سے دیکھنا۔

دیوروں پر میٹھی نظر رکھنا۔

ساس نندوں کو اپنے کمرے میں زیادہ نہ گھسنے دینا۔

اپنی تنخواہ کی ہوا بھی مت دینا۔

اپنی ہر بات سسرال والوں سے راز میں رکھنا۔

جویا کو یوں لگتا جیسے ماں بہنوں کے بعد اگر کوئی اس کا ہمدرد اور بہی خواہ تھا تو وہ اس کی کولیگز تھیں جو اپنے ذاتی تجربات اس قدر خشوع و خضوع سے بیان کرتیں کہ کامل یقین کر لینے کو جی چاہتا۔ بعض اپنے سسرالی رشتے داروں کے مظالم اور زیادتیوں کے قصے اتنی رقت سے بیان کرتیں کہ اُس کا دل بھی بھر آتا، کبھی کانپ جاتا۔

توبہ! توبہ! سسرال والے ایسے بھی ہوتے ہیں۔

اس سے بھی بُرے!

اس کی بیشتر ساتھیوں کے تجربات کہتے۔

اتنے بُرے بھی نہیں۔

اقلیتی رائے کہتی۔

جویا کا اپنا تجربہ بھی اقلیتی رائے سے مطابقت رکھتا تھا مگر اسے سسرال میں ابھی دن ہی کتنے ہوئے تھے۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں۔ ابھی تو دو گام ہی چلی تھی وہ۔ طویل مسافت پیش نظر تھی۔ طویل راستے کے نشیب و فراز دو گام کی مسافت پر کہاں کھل پاتے ہیں۔ نظر افروز اور دل نشین راستوں پر خطرناک موڑ اور گہری کھائیاں بھی تو ہوتی ہیں۔

اکثریتی رائے کے بیچ اس کا اپنا تجربہ جھکولے سے کھانے لگتا۔

ساس، سسر، نندیں، دیور سب اسے مشکوک سے دکھائی دینے لگتے۔ ان کی مسکراہٹوں کے پیچھے اسے سازشیں ڈولتی دکھائی دیتیں۔ ان کی آستینوں میں اسے خنجر چھپے محسوس ہوتے۔ اسے یوں لگتا جیسے وہ سب کے سب اداکاری کر رہے ہوں۔ اس غضب کی اداکاری کہ اسے حیرت ہوتی۔

صبح سویرے جب وہ جاگتی تو کچن سے برتنوں کی کھٹ پٹ سنائی دے رہی ہوتی۔ غسل کر کے نماز پڑھنے کے بعد کچن کا رخ کرنے سے قبل وہ یقین کو بھی جگا دیتی۔ کچن میں پہنچتی تو مدحت بجیا ناشتہ بنا رہی ہوتیں۔ موجو کو بجیا صبح سویرے جگانے سے گریز کرتیں اور کہتیں۔ "بے چارہ دن بھر تو کام میں لگا رہتا ہے۔ صبح دیر سے اُٹھے تو کوئی حرج نہیں۔"

بجیا کی اس رحم دلی سے جویا خاصی متاثر ہوئی تھی۔

نزہت کو دیر سے یونیورسٹی جانا ہوتا اس لیے وہ ذرا دیر سے جاگتی۔ دیر سے تو خیر مدحت بجیا بھی جاگا کرتی تھیں بلکہ کبھی کبھی تو اُن کی کلاس گیارہ بجے شروع ہوتی مگر وہ علی الصبح بیدار ہو جاتیں اور کچن میں جویا کے پہنچنے سے پہلے ناشتہ بنا چکی ہوتیں۔

''بجیا، آپ کو تو یونیورسٹی دیر سے جانا ہوتا ہے۔ آپ اتنی جلدی کیوں اُٹھ جاتی ہیں؟''
ایک روز جویا نے مدحت بجیا سے پوچھا۔
''مجھے عادت پڑی ہوئی ہے۔'' بجیا مسکرا کر بولیں۔
''کب سے؟''
''پیدائشی۔'' بجیا کی مسکراہٹ گہری پڑ گئی۔ ''امی بتاتی ہیں کہ اپنی پیدائش کے بعد میں علی الصبح ٹیاؤں ٹیاؤں کر کے انہیں اور ابا کو جگا دیا کرتی تھی۔''
بجیا کی مسکراہٹ میں جویا بھی شریک ہوگئی۔
''امی اور ابا کو صبح سویرے ناشتہ کرنے کی عادت ہے اس لیے جلدی اُٹھ جاتی ہوں۔'' مدحت بجیا بولیں۔
''اب تو میں اٹھ جاتی ہوں، میں بنا دیا کروں گی، امی اور ابا کے لیے ناشتہ۔'' جویا نے کہا۔
''ارے بھئی، فجر کی نماز بھی تو پڑھنی ہوتی ہے۔ امی اور ابا کے لیے ناشتہ تو تم بنا دیا کرو گی اور میری نماز...... وہ کون پڑھے گا؟ نماز کے لیے اُٹھتی ہوں تو لگے ہاتھوں ناشتہ بھی بنا دیتی ہوں، امی اور ابا کے لیے۔''
''مگر آپ تو ہمارے لیے بھی بنا دیتی ہیں۔'' وہ قدرے خفت سے بولی۔
''تو کیا ہوا؟''
''اچھا نہیں لگتا بجیا۔''
''کیسی باتیں کرتی ہو۔ میں تمہیں نگہت اور نزہت کی طرح سمجھتی ہوں۔''
''ٹھیک ہے...... مجھے احساس ہے۔''
''پھر ایسی باتیں کیوں کرتی ہو...... نگہت اور نزہت تو مجھ سے خدمت لینا عین ثواب جانتی ہیں۔'' بجیا نے مسکراتے ہوئے کہا۔
بجیا سے اپنی یہ گفتگو اس نے اپنی ایک کولیگ مسز باسط کو سنائی تو وہ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔ ''بڑی خوش قسمت ہو بھئی جو ایسی نند ملی ہیں مگر......''
''مگر کیا مسز باسط؟''
''اپنی نند کی باتوں کا اعتبار مت کرلینا۔'' مسز باسط بولیں۔
''ہاں۔'' جویا کی ایک اور ساتھی مسز حشمت نے تائید کی۔
''کیا مطلب؟'' جویا نے باری باری اُن دونوں کو دیکھا۔
''ارے بھئی، یہ نندیں بڑی تیز قسم کی مخلوق ہوتی ہیں۔ سوچنے والی بات ہے۔ بھاوج بھلا بہنوں کی طرح عزیز ہوسکتی ہے۔ تم اپنی نند کا اعتبار مت کرلینا...... بہنیں ان کے لیے بہنیں ہی ہوں گی، تم بھاوج ہو۔ ایک وقت چاپلوسی میں تو وہ کہہ جائیں گی کہ تم انہیں بہنوں کی طرح عزیز ہو لیکن جب بھی موقع آئے گا تو وہ تمہاری کاٹ کرنے کھڑی ہو جائیں گی۔'' مسز باسط نے

تقریر کر ڈالی۔
''وہ ایسی نہیں ہیں مسز باسط۔ بہت اچھی ہیں۔'' جویا بولی۔
''ہم بُری کب کہتے ہیں۔ بھئی اللہ کرے، اچھی ہی ہوں۔'' مسز باسط زیر لب مسکرائیں۔
جویا کو اُن کی مسکراہٹ اپنے وجود میں پیوست ہوتی محسوس ہوئی۔

☆=====☆=====☆

شادی سے پہلے جویا نے اسکول آنے جانے کے لیے اسکول وین لگا رکھی تھی مگر شادی کے بعد یہ سہولت حاصل نہ رہی۔ اسکول اس کی سسرال سے اتنی دور واقع تھا کہ زیادہ کرائے کی پیشکش کے باوجود وین ڈرائیور اسے لانے لے جانے پر آمادہ نہ ہوا۔ ناچار اسے اسکول وین کی سہولت سے ہاتھ دھونا پڑے۔
یقین کا دفتر نو ساڑھے نو بجے شروع ہوتا، جبکہ جویا کا اسکول موسم گرما میں صبح ساڑھے سات بجے اور موسم سرما میں پونے آٹھ بجے لگتا۔ یقین گاڑی میں دفتر جاتا تھا۔ جویا کا اسکول اگرچہ اس کے راستے پر واقع نہ تھا، تاہم دس منٹ کو اپنے دفتر کے راستے سے ہٹ کر وہ اُسے اُس کے اسکول چھوڑتا ہوا دفتر جا سکتا تھا۔ مگر جویا کو اُس کے اسکول چھوڑنے کی خاطر یقین اپنے معمول سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ قبل گھر سے نکلنا پڑتا۔ جویا نے اسکول جانا شروع کیا تو چند دن تک یقین ہی اسے اسکول پہنچاتا رہا لیکن جویا کے اسکول پہنچانے کے بعد آٹھ ساڑھے آٹھ میل دور سے دوبارہ گھر واپس لوٹنے کی بجائے وہ وہیں سے سیدھا دفتر چلا جاتا۔ اُس کے معمول کی اس تبدیلی پر دفتر والے پہلے تو چونکے پھر صورت حال سے آگاہی پر انہوں نے اس کا مذاق اُڑانا شروع کر دیا اور پھبتیاں کسی جانے لگیں۔
پہلے دن ہی دفتر کے چوکیدار نے کہا۔ ''صاب! گھر میں تو سب خیریت ہے؟''
''ہاں۔'' یقین نے چونک کر چوکیدار کو دیکھا ''کیوں؟ کیا ہوا؟''
''صاب!'' چوکیدار محتاط لہجے میں بولا۔ ''معاف کرنا صاب...... صاب لوگ دفتر جلدی اس وقت آتے ہیں، جب بیگم صاب سے کوئی لڑائی جھگڑا ہو جائے۔''
''سر! آج کل آپ جلدی کیوں آنے لگے ہیں؟'' تیسرے چوتھے دن ہی چپڑاسی نے پوچھا۔
یقین نے چپڑاسی کے سوال کا جواب دینا ضروری نہ سمجھا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ اسے چپڑاسی کا دخل در معقولات ناگوار گزرا تھا۔ چپڑاسی کا سوال وہ چپ چاپ پی گیا لیکن جب یہی استفسار یقین کے کولیگ عظیم نے کیا تو اسے جواب دینا ہی پڑا۔
''بھئی! بیگم کو اُن کے اسکول پہنچانے کے بعد میں سیدھا دفتر ہی آ جاتا ہوں۔''
''تو یہ کہیے کہ آج کل آپ بھابی کی شوفری کر رہے ہیں۔''
وہ خفت سے مسکرا دیا

''عظیم صاحب! جیم ملازمت کرتی ہوں تو اُن کی خدمت گزاری کرنی ہی پڑتی ہے۔''

یقین کے ایک اور ساتھی نے آوازہ کسا۔

''کوئی بات نہیں بھئی..... جیم کی تنخواہ بھی تو گھر میں آتی ہے۔'' تیسرے نے کہا۔

''بالکل درست..... وہ کہتے ہیں نا..... دودھ دینے والی گائے کی لات کھانے میں بھی کوئی ہرج نہیں۔'' چوتھے نے تائید کی۔

''صاحب! اسی لیے ہم نے تو اپنی جیم کی نوکری چھڑوا دی۔'' عظیم نے ہنس کر کہا۔

یقین کو اُن کی باتوں پر تاؤ تو بہت آیا مگر مصلحتاً چپ رہا۔ تاہم اگلے روز اس نے جویا سے اسکول لے جاتے ہوئے راستے میں اس سے کہا۔ ''گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے دفتر پہنچ جاؤ تو بہت بور ہونا پڑتا ہے۔''

''بور کیوں ہوتے ہیں، جاتے ہی کام میں لگ جایا کیجئے۔''

''میرے پہنچنے کے آدھ گھنٹے بعد تو چپڑاسی آنا شروع ہوتے ہیں۔ چوکیدار آفس نہ کھول دیا کرے تو مجھے باہر کھڑے ہو کر انتظار کرنا پڑے۔''

''ارے، اتنی جلدی پہنچ جاتے ہیں آپ!''

''ہاں۔'' اس نے توقف کیا پھر بولا۔ ''وہ تمہارے اسکول وین والے کا کیا ہوا؟''

''کمبخت راضی ہی نہیں ہوتا۔''

''کیوں؟''

''کہتا ہے، آپ کا گھر بہت دور پڑے گا۔''

''بھئی کہو، زیادہ پیسے لے لے۔''

''کہا تھا مگر وہ کہتا ہے، ایک کی وجہ سے اتنی دور گاڑی نہیں لا سکتا۔ چار پانچ بندے ہوتے تو ٹھیک تھا۔''

''بھئی، اس سے کہنا، زیادہ سے زیادہ دو بندے مل سکتے ہیں نا۔''

''دوسرا کون؟''

''بھئی، ہم لے لیں گے آپ کے اسکول میں داخلہ۔'' یقین اپنے سامنے آئینے میں دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

''آپ ہمارے اسکول میں داخلہ لیں یا نہ لیں، ہم کل سے آپ کی گاڑی میں اسکول نہیں جائیں گے۔''

''کیوں؟'' اس نے چونک کر جویا کی طرف دیکھا۔

''جس بات اور جس چیز سے آپ کو تکلیف پہنچے، ہم وہ کام ہرگز نہیں کریں گے۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ ہمیں اسکول چھوڑنے کے بعد آپ کا گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ آفس میں بور ہونا ہمیں بالکل گوارا نہیں..... کل سے ہم خود اسکول جایا کریں گے۔''

''کیسے؟''

''بھئی، یہ جتنی بسیں، منی بسیں اور رکشے، ٹیکسیاں اس شہر کی سڑکوں پر بھاگتی دوڑتی پھرتی ہیں، ہماری ہی تو ہیں۔'' وہ حدِ نظر تک سڑک پر نگاہ دوڑاتے ہوئے بولی۔

''آں ہاں!''

''جناب۔''

اگلے روز یقین کے اصرار کے باوجود اس کے ساتھ اسکول نہ گئی۔ ویسے یقین نے بھی بس رسماً ہی اصرار کیا تھا۔ یوں وہ ہفتہ عشرہ ہی یقین کے ساتھ گاڑی میں اسکول جا سکی تھی اور اب پبلک ٹرانسپورٹ سے اسکول آتی جاتی تھی، تاہم کسی روز دیر ہو جاتی تو وہ اسکول جانے کے لیے یقین کی خدمات حاصل کرتی۔ دوپہر کو اسکول سے گھر واپسی بہرصورت بس یا منی بس ہی سے ہوتی۔ رکشہ، ٹیکسی وہ شاذ ہی لیتی کہ رکشہ ٹیکسی سے آنے جانے میں اچھے خاصے پیسے خرچ ہو جاتے تھے۔

دوپہر کو جب وہ اسکول سے واپس ہوتی تو کھانا یا تو تیار ہوتا یا تیاری کے آخری مرحلے میں ہوتا۔ جب تک کھانا لگایا جاتا، اس وقت تک نزہت، مدحت بجیا اور ذہین بھی لوٹ آتے۔ سب مل کر کھانا کھاتے، پھر قیلولے کے لیے اپنے اپنے کمروں میں گھس جاتے۔ عصر کے وقت چہل پہل شروع ہو جاتی۔ بابا باغبانی میں لگ جاتے۔ نزہت سب کے لیے چائے بناتی..... چائے کے ساتھ کبھی بسکٹ ہوتے، کبھی پکوان تل لیے جاتے۔ کبھی بازار سے کچھ آ جاتا۔ عموماً چھ ساڑھے چھ بجے تک یقین دفتر سے واپس آ جاتا۔ دوسرے تیسرے دن جویا کو باہر گھمانے پھرانے لے جاتا۔ رات کا کھانا مل کر پکایا جاتا۔ امی عمومی نگرانی رکھتیں۔ مدحت بجیا، نزہت اور جویا حسبِ فرصت رات کے کھانے کی تیاری میں شریک رہتیں۔ ویسے جویا کو دفتر سے یقین کے آنے کے بعد ذرا کم ہی فرصت ملتی یا تو یقین اسے لے کر گھومنے پھرنے کو نکل جاتا ورنہ کمرے کے دروازے کی چٹخنی چڑھا دی جاتی اور باہر اہلِ خانہ جویا کی چوڑیوں کی کھنک اور دبی دبی ہنسی کی آواز سنتے رہتے۔

شام کو اکثر و بیشتر نگہت اپنے میاں اور بچوں کے ساتھ میکے آ جاتی اور اُسے آتے ہی سب سے پہلے یہ فکر لاحق ہوتی کہ بھابی کہاں ہیں۔ اگر اُسے یہ خبر ملتی کہ بھابی بھائی کے ساتھ کمرے میں ہیں تو وہ امی اور بہنوں کو بھائی بھابی کے خلاف اُکسانا شروع کر دیتی۔

رات کو کھانے کے بعد کچھ دیر کو سب لان پر آ جاتے۔ چہل قدمی کی جاتی۔ دن بھر کے قصے دُہرائے جاتے۔ اپنے پرایوں کی باتیں ہوتیں۔ خبروں پر تبصرہ کیا جاتا۔ ٹی وی پروگراموں پر رائے زنی کے ساتھ تنقید کا سلسلہ بھی رہتا۔ کچھ گپ شپ، کچھ ہنسی مذاق..... پھر سونے کے لیے سب اپنے اپنے کمروں کا رخ کرتے۔

اور اگلی صبح پھر وہی معمول شروع ہو جاتا اور رات تک جاری رہتا۔

☆=====☆=====☆

یقین کو شادی کے بعد دوسری تنخواہ ملی تو وہ تذبذب میں پڑ گیا۔ جویا نے چھوٹی موٹی کئی فرمائشیں کر رکھی تھیں جن کی تکمیل یقین کو تنخواہ ملنے سے مشروط تھی لیکن وہ پچھلی مرتبہ تنخواہ ملنے کے بعد جویا کو شاپنگ کروا کے امی کی ناراضگی مول لینے والی غلطی جیسی خطا دہرانا نہ چاہتا تھا۔ اوّل تو بزرگوں کا احترام لازم تھا، دوسرے جب ساتھ رہنا ہی تھا تو بہتر یہ تھا کہ ہنسی خوشی رہا جاتا۔ ناراضگی مول لے کر گھر کا ماحول کشیدہ کرنے سے فائدہ! لیکن دوسری طرف سے مشکل یہ بھی تھی کہ اب وہ تنہا نہیں تھا۔ اپنے ذاتی اخراجات کے علاوہ اب جویا کی ضروریات کو پورا کرنے کی ذمے داری بھی اُسی پر تھی۔ اگر اب بھی امی تنخواہ میں سے پہلے جتنی رقم اُسے دیتیں تو گزارہ بہت مشکل تھا۔

تنخواہ ملنے سے گھر پہنچنے تک وہ اُدھیڑ بن میں رہا۔

گھر پہنچا تو پہلے تو یہ خیال ہوا کہ امی سے نظریں بچا کر اپنے کمرے میں جا گھسے اور جویا کو اعتماد میں لے کر کوئی مناسب صورت اختیار کرے لیکن پھر یک بیک اُس نے اپنا ارادہ بدل دیا اور جیب میں سے تنخواہ نکال کر امی کے حوالے کر دی۔ امی نے خوش ہو کر اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ پھلنے پھولنے کی دعائیں دیں مگر اتنے پیسے بھی اُسے نہ دیے، جتنے شادی سے پہلے اُس کے اخراجات کے لیے دیا کرتی تھیں اور ساری تنخواہ اپنے گھٹنے کے نیچے دبا لی۔ یقین خاصی دیر تک اس اُمید پر امی کے پاس ٹکا بیٹھا رہا کہ شاید امی پہلے سے زیادہ نہ سہی کم از کم پہلے جتنی رقم تو اسے دیں گی مگر امی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہیں، اُس کے مطلب کی بات پہ نہ آئیں۔

ناچار یقین کو تنخواہ والے دن بھی خالی ہاتھ اپنے کمرے میں جانا پڑا۔

جویا کمرے میں تھی۔

''کیا بات ہے، آج آپ کی سواری بہت دیر امی جان کے اسٹیشن پر رُکی رہی؟'' جویا نے اسے تیکھی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ کچھ نہیں بولا۔ خاموشی سے کوٹ اُتار کر اُس کے حوالے کر دیا۔

''آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔''

''کون سی بات کا۔'' یقین نے نظریں چراتے ہوئے پوچھا۔

''وہی جو میں نے ابھی پوچھی تھی۔''

''کیا پوچھی تھی۔''

''یہی، یہی کہ آج امی جان کے پاس کافی دیر بیٹھے رہے۔'' وہ کوٹ ہینگر پر لٹکاتے ہوئے بولی۔

''تمھیں کوئی اعتراض؟''

''نہیں...... مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔''

''بس تو اس قسم کی باتیں پوچھا بھی مت کرو۔'' یقین کے لہجے میں ہلکی سی تلخی تھی اور یہ تلخی اس مایوسی کا ردِعمل تھی جو اُسے امی کے پیسے نہ دینے پر ہوئی تھی۔

جویا چونکی بلکہ اُسے جھٹکا سا لگا۔ یقین نے اس سے پہلے اس لہجے میں اُس سے بات نہیں کی تھی۔

برق کی کوند کی مانند اسے اپنی راز داں ساتھی شمسہ نیازی کی بتائی ہوئی گُر کی باتوں میں سے ایک بات یاد آ گئی۔ انہوں نے کہا تھا۔

''ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا جویا، جب کبھی بھی تم اپنے حق پر آنچ آتے دیکھو تو سامنے والے کا ہاتھ بلکہ گریبان پکڑ لینے میں بھی تردد نہ کرنا۔ خواہ وہ تمہارے میاں صاحب ہی کیوں نہ ہوں۔''

''بیوی ہوں، میں آپ کی۔'' وہ تڑپ کر یقین کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''ٹھیک ہے، بیوی ہی رہو۔ چونگی ناکہ بننے کی کوشش مت کرو۔''

''کیا...... کیا مطلب ہے، آپ کا؟'' اس کی تیوریوں پر بل آ گئے۔

''مطلب یہ کہ میں کسی کے پاس کتنی دیر ہی بیٹھوں، تم کون ہوتی ہو اعتراض کرنے والی۔''

''میں اعتراض نہیں کر رہی تھی۔''

''تو پھر؟''

''پوچھ رہی تھی...... کیا پوچھنا بھی گناہ ہے؟''

''ہاں، گناہ ہے۔''

جویا مسہری کے کنارے پر بیٹھ کر سُسکنے لگی۔

''کیا مصیبت ہے۔'' یقین نے جھلاتے ہوئے سوچا اور الماری سے اپنا کرتا شلوار کھینچ کر شاور لینے کے لیے باتھ روم میں گھس گیا۔

اُس کی عادت تھی، جب بھی پریشان ہوتا شاور لینے کے لیے باتھ روم میں گھس جاتا۔ سردیوں میں گرم اور گرمیوں میں ٹھنڈے پانی کی دھاریں اس کی سوچوں کے دھارے بدل دیتیں۔ وہ نہا کر نکلا تو جویا بستر پر اوندھی پڑی تھی۔ وہ اس کے قریب جا بیٹھا۔

''کیا ہوا بیگم صاحبہ؟'' اس نے پریم سے پوچھا۔

جویا نے کروٹ بدل کر رخ اس کی طرف سے دوسری جانب پھیر لیا۔

''سنو۔'' اُس نے جویا کا شانہ چھوا۔

جویا نے اُس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ اسے توہین کا احساس ہوا۔ مگر اُس نے اس کا اظہار کرنے سے گریز کیا۔ ویسے بھی یہ ان کے درمیان پہلی ناراضگی تھی۔

''دیکھو۔'' وہ اُس پہ جھکتے ہوئے دھیرے سے بولا۔ ''میں کسی کے پاس خواہ کتنی ہی دیر بیٹھوں مگر ہوں تمہارا ہی۔''

جویا نے تڑپ کر اُس کی طرف دیکھا اور بھیگی ہوئی آواز میں بولی۔ ''میرے ہیں تو مجھ سے ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں؟''

''بھئی پریشان تھا..... اُلجھا ہوا تھا۔''

جویا اُٹھ بیٹھی۔

''کیوں پریشان تھے؟'' اُس نے پُرتشویش لہجے میں پوچھا۔

یقین تذبذب میں پڑ گیا۔

پریشانی کا سبب بتا دینے سے جویا کی ناراضگی بڑھ بھی سکتی تھی۔

بہرحال بتانا تو تھا ہی، سو اُس نے اُسی وقت اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر دینا بہتر ہے۔

وہی ہوا جس کا اُسے زیادہ احتمال تھا۔

''آپ نے پوری تنخواہ انہیں دی کیوں؟'' وہ بگڑ کر بولی۔

''میں ہمیشہ دیا کرتا تھا۔''

''پہلے کی بات اور تھی۔ اب بات دوسری ہے۔ اب آپ اکیلے نہیں رہے، بیوی والے ہیں۔''

وہ کان دبائے سنتا رہا۔

سننے ہی میں عافیت تھی اور جویا کو بتا دینے کا فوری فائدہ جو وہ اس وقت محسوس کر رہا تھا، یہ ہوا تھا کہ وہ بعد میں بہت سی وضاحتوں سے بچ گیا تھا۔ اب اگر بالفرض امی اسے صرف اتنے ہی پیسے دیتیں جتنی کہ وہ اُسے اس کے ذاتی اخراجات کے لیے پہلے دیا کرتی تھیں تو جویا کی فرمائشیں پوری نہ کر سکنے پر اسے کوئی وضاحت پیش کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

بحیثیت بیوی اپنے حقوق کے حق میں خاصی دیر تک تقریر کرنے کے بعد جویا منہ لپیٹ کر پڑ رہی۔ یقین بھی مسہری کے دوسرے کنارے لیٹ گیا۔

☆======☆======☆

مغرب کی نماز کے بعد بابا کمرے میں آ کر بیٹھے تو امی نے کہا۔ ''ماسٹر صاحب! یقین میاں اپنی تنخواہ دے گئے ہیں مجھے۔''

''عقلمندی کی ورنہ آپ کو شکایت ہوتی۔'' بابا زیرِ لب مسکراتے ہوئے بولے۔

''مجھے کیوں شکایت ہوتی!'' امی چمک کر بولی۔

''بھئی، پہلے کیوں ہوئی تھی۔''

''آپ سمجھتے ہیں، مجھے پیسے کی چاہت ہے۔'' امی نے شاکی نگاہوں سے بابا کو دیکھا۔

''یہ میں نے کب کہا۔''

''یہ میں آپ کے کہے بغیر ہی سمجھ گئی ہوں۔''

''ماشاءاللہ! اللہ کرے زورِ سمجھ اور زیادہ۔''

''اب آپ بتایئے کہ میں کیا کروں؟''

''کس سلسلے میں؟''

''کتنے پیسے یقین کی تنخواہ میں سے رکھوں اور کتنے اُسے دوں؟''

''آپ کی مرضی ہے..... جو چاہے کیجئے۔''

''اگر مجھے گھر نہ چلانا ہوا کرے تو میں تو اب یقین کی تنخواہ سے ایک پیسہ بھی نہ لوں۔''

''کیوں بھئی؟''

''یقین اب اکیلے تو رہے نہیں ہیں۔ بیوی کی ذمے داری بھی ہے ان پر..... اور بیوی کی ایک نہیں سو ضرورتیں اور سو فرمائشیں ہوتی ہیں..... خاص طور پر شادی کے شروع کے دنوں میں..... وہ سے تین ہو جائیں تو پھر ساری فرمائشیں رفو چکر ہو جاتی ہیں۔''

''آپ بیتی لگتی ہے۔'' بابا مسکرائے۔

''ماسٹر صاحب! آپ بیتی بھی اور جگ بیتی بھی۔'' امی نے توقف کیا پھر بولیں۔ ''سوچ رہی ہوں، آدھی تنخواہ رکھ کر آدھی یقین کو واپس کر دوں۔ کیوں کیا خیال ہے؟''

''بھئی، یہ آپ کا شعبہ ہے، آپ جانیے۔''

''ٹھیک ہے..... یہی کرتی ہوں۔ آدھے پیسے میں رکھے لیتی ہوں۔ آدھے یقین کو دیے دیتی ہوں۔'' امی نے کہا۔

تبھی مدحت بجیا چائے کے دو مگ چھوٹی ٹرے میں لیے آ پہنچیں۔ ''بابا! چائے کا موڈ ہو رہا تھا، ایک مگ میں آپ کے لیے بھی لے آئی ہوں۔''

''جیتی رہو۔''

''امی جان! آپ پئیں گی؟''

''ارے نہیں بیٹی، مجھے تو بس دو وقت چائے کی طلب ہوتی ہے۔ صبح سویرے اور شام پانچ چھ بجے۔ بہرحال، تم اچھے وقت سے آئیں۔ ایک مشورہ تو دو۔''

''جی۔'' مدحت بجیا ہمہ تن گوش ہو گئیں۔

''یقین نے تنخواہ دی ہے لا کر، میں سوچ رہی ہوں، آدھی تنخواہ رکھ کر آدھی یقین کو دے دوں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟''

مدحت بجیا ذرا دیر کو سوچ میں پڑ گئیں پھر بولیں۔ ''امی جان! اگر آپ مجھ سے سچ پوچھے تو میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ بہت عرصہ آپ گھر داری کی فکر میں رہ لیں۔ اب آپ تو لے لیں ریٹائرمنٹ۔''

''بھئی واہ! کیا اچھی بات کہی ہے مدحو بیٹا نے۔'' بابا بولے۔

''پہلے مجھے مطلب تو سمجھائیں۔''

''بیٹی، سمجھاؤ تو اپنی امی کو۔''

''میرا مطلب یہ ہے امی کہ گھر چلانے کی ذمے داری آپ جویا کے سپرد کر کے خود آرام کریں تاکہ آدھی تنخواہ رکھنے اور آدھی دینے کی فکر ہی نہ رہے۔''

امی سوچ میں پڑ گئیں پھر بولیں۔ ''کہتی تو تم ٹھیک ہو..... میں بھی کیا آئے گا، کیا بکے گا کی فکر سے تنگ آ چکی ہوں۔''

"السلام علیکم۔" نگہت کی آواز نے ان تینوں کو چونکا دیا۔

"وعلیکم السلام۔"

"بچیاں کہاں ہیں؟" امی نے پوچھا۔

"نزہت کے پاس۔"

"افتخار میاں نہیں آئے کیا؟" بیا نے پوچھا۔

"انہیں کہیں جانا تھا، ہمیں ڈراپ کر کے چلے گئے۔"

"اچھا..... اچھا۔"

"کوئی میٹنگ ہو رہی تھی کیا؟" نگہت نے کہا۔

"نہیں، بس ایسے ہی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔" بجیا بولیں۔

بجیا کے جواب سے نگہت کی تشفی نہ ہوئی۔ انہیں مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے امی سے بولیں۔ "کا ہے سے تنگ آ چکنے کی بات کر رہی تھیں امی؟"

"ارے بھئی، گھر داری کی فکر ہے۔"

"آپ کا ہے کو فکر کرتی ہیں گھر داری کی، اوروں سے کروایئے۔ اب کچھ بار بھابی پر بھی ڈالیے۔" نگہت نے رمز و کنائے کی بجائے اب ذرا کھل کر بات کی۔

"یہی بات ہو رہی تھی۔" مدحت بجیا کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ آ گئی۔

"گڈ۔ ویری گڈ!" نگہت پھڑک اٹھی۔

"میں امی کو یہی صلاح دے رہی ہوں کہ گھر کا انتظام جویا کے سپرد کر دیں۔"

"بالکل۔" نگہت نے بڑے پُر جوش انداز میں تائید کی۔

"اور گھر کا خرچ بھی انہی کے ہاتھ میں دے دیں۔"

"ہرگز نہیں۔" نگہت نے کہا پھر امی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "بھولے سے بھی یہ غلطی نہ کیجیے گا۔"

"کیوں بھئی..... کیا ہرج ہے؟" مدحت بجیا نے کہا۔

"ہاتھ کٹوا دینا چاہتی ہیں آپ امی کے۔" نگہت بولی۔

"کیا مطلب؟"

"گھر کا خرچ ان کے ہاتھ میں دینے کا مطلب یہ ہو گا کہ سارا پیسہ انہی کے ہاتھ میں جایا کرے گا۔"

"ظاہر ہے۔"

"اور جس کے ہاتھ میں پیسہ رہے، سب اسی کے محتاج ہو جاتے ہیں۔"

"کیوں؟"

"جس چیز کی حاجت ہو اسی کا منہ تکنا پڑتا ہے جس کے ہاتھ میں خرچا ہو۔"

"منہ تکنے کی کیا ضرورت..... اللہ کا شکر ہے، ہمارے گھر کے وسائل بہت کافی ہیں.....

بڑی فراغت ہے۔ کبھی کسی ضرورت کے لیے کسی کو کسی کا منہ نہیں تکنا پڑتا۔"

"جی ہاں۔ کیونکہ خرچا امی کے ہاتھ میں ہے۔ کسی اور کے ہاتھ میں دے کر دیکھیے، چند دنوں میں حقیقت کھل جائے گی۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں کی محتاجی نہ ہو جائے تو میرا نام بدل دیجیے گا۔" نگہت نے امی کی طرف دیکھا اور بولی۔ "امی جان، کسی قیمت پر بھی آپ یہ غلطی مت کیجیے گا۔ کیوں اپنی بادشاہت آپ کسی اور کے ہاتھ میں دینے کا سوچتی ہیں۔ کیا یہ کہتی اچھی لگیں گی آپ کہ دلہن، آج چائے کی پتی ختم ہو گئی ہے..... ٹائلٹ سوپ ختم ہو گیا ہے..... بلڈ پریشر کی گولیاں ختم ہو گئی ہیں۔ آدھا پاؤ منگوا دینا..... اپنی مرضی سے خرچا کرنے والوں کو کسی دوسرے کی محتاجی بہت کھلتی ہے..... بہو بیگم کے ہاتھ میں خرچا دینے سے پہلے ذرا سوچ لیجیے گا اچھی طرح۔"

نگہت کی باتیں امی کے دل کو جا لگیں۔

"نگہت ٹھیک کہہ رہی ہے۔" امی نے مدحت بجیا اور بیا کی جانب دیکھا۔

"ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی۔" مدحت بجیا کی صلح جو فطرت نے کام دکھایا۔

"مرضی کی بات نہیں محتاجی واقعی بُری ہوتی ہے۔"

"جی ہاں..... اور یہ بھی خیال رہے کہ اگر ایک مرتبہ آپ نے خرچا بہو بیگم کے ہاتھ میں دے دیا تو اپنا فیصلہ آسانی سے واپس نہ لے سکیں گی آپ۔" نگہت نے ایک اور کاری ضرب لگائی۔

"ٹھیک ہے جی، ہم نہیں دیتے کسی اور کے ہاتھ میں خرچا۔" امی نے کہا۔

بیا اور مدحت بجیا نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور بیا زیر لب مسکراتے ہوئے بولے۔ "لو مدعو بیٹا، تمہاری امی تو ڈر گئیں۔"

"ڈرنے کی کیا بات..... اپنی بادشاہت میں اپنے ہاتھ سے کیوں دوں کسی اور کو۔" امی نے کہا۔

"ارے صاحب، عقلمند وہی ہوتے ہیں جو تھک کر اور شکست کھا کر میدان سے جانے کی بجائے اپنے دورِ عروج میں ریٹائر ہو جاتے ہیں۔"

"اس شان سے کہ دنیا دیکھتی ہے اور ہمیشہ یاد بھی رکھتی ہے۔" مدحت بجیا نے گرہ لگائی۔

نگہت نے امی کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ دیا۔

"بی بی۔" امی نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ "چھو بالنذ وراہی بھلا۔ میں اپنے اسی حال میں خوش ہوں۔ مر جاؤں تو پھر جس کے ہاتھ میں جی چاہے، خرچا دے دینا۔ فی الحال تو میں خرچا اپنے ہاتھ میں رکھوں گی..... یقین کو آدھی تنخواہ دے دیتی ہوں۔"

"کیا مطلب؟" نگہت چونکی۔

امی نے بالتفصیل سارا معاملہ اس کے گوش گزار کیا۔

"آدھی تنخواہ کیوں دیتی ہیں، فی الحال ایک تہائی تھمائیے۔ کل کو دو سے تین بھی ہوں گے تب دے دیا کیجیے گا، آدھی تنخواہ۔"

امی کی آنکھوں میں چمک سی لہرائی۔

وہ جی ہی جی میں نگہت کی دانشمندی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکیں۔ کتنی دور کی سوچتی تھی وہ!

''بالکل ٹھیک۔'' امی نے کہا۔

''بھئی، امی جان ہم تو ٹھیک ہی کہتے ہیں ہمیشہ۔'' نگہت اترا کر بولی۔

مدحت بجیا کو سبکی کا احساس ہوا مگر انہوں نے اس کا اظہار کرنے سے گریز کیا۔ نگہت لاکھ اُن کی بہن سہی مگر اُس کی فطرت سے وہ بخوبی واقف تھیں۔ اپنے سامنے دوسرے کا چراغ نہ جلنے دینا، اپنا جھنڈا اونچا رکھنے کے لیے دوسرے کی بات کاٹ دینا اُس کی عادت تھی۔

اور امی نے دل ہی دل میں سوچا۔ نگہت مزاج کی تیز ضرور ہے مگر بات کتنی عقل کی کرتی ہے۔ بھلا کیوں دوں میں اپنی بادشاہت کسی اور کو...... نہیں...... ہرگز نہیں۔

امی اور بجیا کے پاس سے اٹھ کر نگہت باورچی خانے میں آ گئی جہاں نزہت رات کے کھانے کی تیاری میں لگی ہوئی تھی۔ نگہت کی دونوں بچیاں بھی اس کے پاس تھیں۔

''کیا ہو رہا ہے نزہت؟'' نگہت نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

''کھانا پکا رہے ہیں۔''

''اکیلی لگی ہوئی ہو؟''

''نہیں موجو ہے۔''

''موجو تو ہمیشہ ہی ہوتا ہے۔ بھابی جان کہاں ہیں تمہاری؟''

''اپنے کمرے میں۔''

''ان سے کہا کرو، شام کو کمرے سے نکل آیا کریں۔''

''نکل آتی ہیں اکثر۔''

''کہاں۔'' نگہت نے منہ بنایا۔ ''ہم تو انہیں زیادہ تر کمرے ہی میں بند دیکھتے ہیں......''

نزہت شرما گئی۔

''کھانا پکانے کھڑی ہوا کرو تو انہیں بھی بلوا لیا کرو۔''

''وہ خود آ جاتی ہیں...... آج پتا نہیں، کیا بات ہے، کیوں نہیں آئیں۔''

''جب نہ آیا کریں تو خود بلوا لیا کرو...... بلواؤ انہیں...... جاؤ موجو، بھابی کو بلا کر لاؤ۔''

''ارے...... نہیں...... رہنے دو موجو...... اب کام ہی کیا رہ گیا ہے۔ ہنڈیا ہم نے چڑھا دی ہے۔ دال تیار ہونے والی ہے۔ بس چاول چڑھانے ہیں۔ چپاتیاں دو چار کھانے کے وقت ہی ڈالیں گی۔''

''تم لوگوں کا بس چلے تو شاید بھابی بیگم کو پلنگ پر بٹھا کر کھلاؤ۔''

''آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ ہمارا بس چلے تو ہم تو بھابی کو کسی بھی کام کو ہاتھ نہ لگانے دیں۔ ایک ہی تو بھابی ہیں ہماری۔''

''اوہ! نزہت!'' نگہت نے اپنا سر ہاتھوں سے تھامتے ہوئے نزہت کو دیکھا۔ ''اتنی سیدھی اور بھولی کیوں ہو تم؟ ارے، یونیورسٹی میں پڑھنے والی لڑکیاں تو کان کاٹتی ہیں لوگوں کے۔''

''کیا ہوا؟'' نزہت نے بہن کو دیکھا۔

''اتنی بدھو کیوں ہو تم؟''

''کوئی بدھو وُدھو نہیں ہیں ہم۔'' نزہت برا مان گئی۔

''اچھی بہن۔'' نگہت نے اُس کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے دلسوز لہجے میں کہا۔ ''میں تمہارے بھلے کی سمجھا رہی ہوں۔ تم آج اس گھر میں ہو کل دوسرے گھر میں ہو گی۔ مدحت بجیا کو کم ہی فرصت ہوتی ہے۔ تم بھابی کو بھی اپنے ساتھ کام میں لگائے رکھا کرو تا کہ تمہارے جانے کے بعد امی پر بوجھ نہ آ پڑے۔''

''بھابی خود ہی آ جاتی ہیں۔ آج نہیں آئیں، ہو سکتا ہے، طبیعت ٹھیک نہ ہو ان کی۔''

''ارے بھئی، تمہیں سمجھانا بیکار ہے۔'' نگہت زچ ہو کر بولی۔

''چائے پئیں گی بناؤں؟'' نزہت نے پوچھا۔

''نہیں...... شکریہ۔'' نگہت نے کچن کے دروازے کے رخ مڑتے ہوئے کہا۔

☆=====☆=====☆

رات کے کھانے تک جویا منہ لپیٹے یقین سے خفا پڑی رہی۔ ذہن میں جوار بھاٹے کی سی کیفیت رہی۔ یقین پر اسے سخت تاؤ آتا رہا جو تنخواہ اماں جان کو دے کر گریہ مسکین بنا اس کے پاس آ گیا تھا۔

نگہت بھائی اور بھابی کا کمرہ کھلوانے کے لیے اہلِ خانہ کو بہانے بہانے اکساتی رہی، یہاں تک کہ افتخار واپس آ گئے۔ امی، ابا اور مدحت بجیا سے رسمی علیک سلیک کے بعد انہوں نے حسبِ عادت باقی افرادِ خانہ کے بارے میں پوچھا تو کسی اور کے جواب دینے سے پیشتر ہی نگہت نے کہا۔ ''نزہت بے چاری کچن میں ہے اور فرزین میاں پڑھائی میں مصروف ہیں۔''

''یقین بھائی اور ان کی بیگم؟'' افتخار نے پوچھا۔

''وہ؟'' نگہت معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ ''وہ بھی گھر ہی میں ہیں مگر جب سے میں آئی ہوں، میں نے بھی اُن کی صورت نہیں دیکھی۔''

''خیریت!''

''دونوں اپنے کمرے میں ہیں۔ آپ شرفِ دیدار کی اُمید مت رکھیے گا۔'' نگہت نے دزدیدہ نظروں سے حاضرینِ محفل کے تاثرات کا جائزہ لیا۔ پھر طنزیہ لہجے میں بولی۔ ''ایک چیز ہوتی ہے آدابِ میہمانداری جس کا ہمارے یقین بھائی کو شادی سے پہلے تو بڑا خیال رہا کرتا تھا مگر شادی کے بعد وہ بھول گئے ہیں۔''

''تم اور افتخار بھائی مہمانوں کے زُمرے میں کب آتے ہو؟'' مدحت بجیا بولیں۔

"امی جان ہی کہا کرتی ہیں کہ بیاہی لڑکی پڑوسیوں کی طرح ہوتی ہے اور بھی پڑوسی، تو جب آتے ہیں مہمانوں کی طرح آتے ہیں۔" نگہت نے ترکی بہ ترکی کہا پھر بولی۔ "جب سے یقین بھائی کی شادی ہوئی ہے، ہم تو یہی دیکھ رہے ہیں کہ یا تو وہ بیگم کے ساتھ اپنی سسرال یاترا کو گئے ہوئے ہوتے ہیں یا پھر اپنے کمرے میں بند ہوتے ہیں...... اور یہ افتخار۔" نگہت نے افتخار کی طرف دیکھا۔ "یہ یہاں سے تو ہنستے مسکراتے چلے جاتے ہیں مگر گھر جا کر مجھے کچھ کہتے ہیں کہ تمہارے بھائی بھاوج کیسے ہیں، وہ گھڑی رخ دے کر بات ہی نہیں کرتے۔ بس اپنے آپ میں مگن رہتے ہیں۔"

افتخار نے ہڑبڑا کر نگہت کو دیکھا، کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن نگہت نے اُسے کچھ بولنے کا موقع نہ دیا اور اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں ڈپٹتے ہوئے بولی۔ "جناب! آپ کو صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔"

افتخار نے پھر منہ کھولا مگر نگہت نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے مصلحت وقت سمجھا کر چپ رہنے پر مجبور کر دیا۔

امی کچھ کہے سنے بنا اٹھیں اور انہوں نے جا کر یقین کے کمرے کا دروازہ دھڑ دھڑا دیا۔

"کون؟" یقین نے بہ آواز بلند پوچھا۔

"بیٹا! دفتر سے آکر تم تو کمرے میں ایسے بند ہوئے کہ اب تک نہیں نکلے...... افتخار میاں آئے ہوئے ہیں۔ کچھ دیر کو ان کے پاس آ کر بیٹھو۔"

"جی...... اچھا۔"

"بس آجاؤ۔" امی کے لہجے میں تلخی تھی۔

یقین پلٹ کر جویا کی طرف آیا۔ اس نے اپنا بازو موڑ کر آنکھوں پر دھر رکھا تھا، تاہم وہ ایک جھری بنائے چپکے چپکے یقین کی حرکات وسکنات دیکھ رہی تھی۔

"جویا۔" یقین نے اس کے نزدیک پہنچ کر اسے پکارا۔

جویا نے کروٹ بدل لی۔

"سنو۔" وہ اس پر جھکتے ہوئے بولا۔

"کیا ہے!" جویا کے لہجے میں ناگواری تھی۔

"اٹھو...... امی بلائی ہیں۔"

"جائیں...... شوق سے جائیں۔"

"اٹھو...... تم بھی چلو۔"

"آپ کو یا آپ کے گھر والوں کو مجھ سے کیا مطلب، آپ جائیے۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔" جویا نے پلٹ کر قدرے خشونت سے اُسے دیکھا۔

وہ چپ رہا۔

جویا اُٹھ بیٹھی اور تڑخ کر بولی۔ "اس گھر میں میری حیثیت ہی کیا ہے؟"

"دیکھو، زیادہ غصہ مت کرو۔" یقین نے رسانیت سے سمجھایا۔

"کیوں نہ کروں غصہ؟" اس نے بھڑک کر کہا۔ "آپ بیویوں والا سلوک کرتے ہیں مجھ سے؟"

"کیا نہیں کرتا؟"

"اپنے آپ سے پوچھیے۔"

"تم ہی بتا دو۔"

"کیا بیوی کا یہ حق نہیں کہ شوہر تنخواہ اس کے ہاتھ میں دے؟" جویا نے شاکی نگاہوں سے اُسے دیکھا۔

وہ نرمی سے بولا۔ "گھر کا خرچا امی چلاتی ہیں۔ ہم سب کی تنخواہیں انہی کے ہاتھ میں جاتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے، جاتی ہوں گی مگر اب میرا بھی کچھ حق ہے۔"

"مجھے اس سے کب انکار ہے!"

"بڑے چالاک ہیں آپ! مٹھی اماں جان کی گرم کر آئے اور مجھے زبانی کلامی بہلا پھسلا رہے ہیں۔"

"میری مشکل سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"میں سمجھتی ہوں۔" اُس نے یقین کو گھورا۔

"عجیب مصیبت ہے۔" یقین نے اپنا سر ہاتھوں میں تھامتے ہوئے کہا۔

"مجھے مصیبت کہہ رہے ہیں۔" جویا ایک دم روہانسی ہو گئی۔

"ارے بابا! تمہیں مصیبت نہیں کہہ رہا ہوں۔"

"تو پھر؟"

"اپنی حالت زار کا ماتم کر رہا ہوں۔" اس نے لحظہ بھر کو توقف کیا پھر بولا۔ "پچھلی مرتبہ امی کو تنخواہ دینے کے بجائے تمہیں شاپنگ کروا دی تھی تو امی ناراض ہو گئی تھیں اور اس مرتبہ امی کو تنخواہ دی تو تم ناراض ہو رہی ہو۔"

"مجھے کیا پڑی ہے ناراض ہونے کی آپ جس کو مرضی آئے، دیں اپنی تنخواہ...... اللہ کا شکر ہے، میں خود کماتی ہوں۔ اپنی تنخواہ پر دو تین کو پال سکتی ہوں۔"

یقین کو اس کے زعم پر غصہ تو آیا مگر وقت کی نزاکت کے پیش نظر غصے کو مسکراہٹ کی آڑ میں چھپاتے ہوئے بظاہر خوشگوار لہجے میں بولا۔ "بیگم صاحبہ، فکر نہ کیجیے، اللہ نے چاہا تو دو تین کو پالنے کا وقت بھی جلد ہی آ جائے گا۔"

"شرم تو نہیں آتی آپ کو۔"

"کیوں شرم کی کیا بات...... بھئی، ہمیں تو ڈیڈی بننے کی بڑی خواہش ہے۔ آپ کو می

بننے کی خواہش نہیں ہے کیا؟"

"زیادہ فری ہونے کی کوشش مت کریں...... اچھا۔" جویا نے اُسے گھورا۔

"اچھا اُٹھ جاؤ اب...... شاباش۔" یقین نے اسے کسی بچے کی طرح چکارا۔

جویا کی نگاہوں میں پھر ڈھیروں غصہ اور شکایت اُمنڈ آئی۔

"فکر مت کرو۔ امی تنخواہ میں سے میرا ماہانہ وظیفہ تو مجھے ہر صورت میں دیں گی، تب میں اُن سے بات کروں گا کہ وظیفہ بڑھا دیں، ایسے گزارہ نہیں ہوگا۔"

"بات کریں گے نا؟" جویا نے تیکھی نگاہوں سے اُسے دیکھا۔

"ہاں ہاں بھئی، کیوں نہیں ورنہ گزارہ کیسے ہوگا...... تمہاری ناراضگی میں چند گھنٹے بھی نہیں جھیل سکتا تو مہینہ بھر بھلا کیسے جھیل سکوں گا۔"

جویا قدرے مطمئن دکھائی دینے لگی۔

"اٹھو امی بلا رہی ہیں...... افتخار بھائی آئے ہوئے ہیں۔"

"کون سی نئی بات ہے، وہ تو ہر دوسرے دن حاضر ہوتے ہیں۔" جویا نے ناگواری سے کہا۔

"بری بات۔"

"آپ برا مانیں یا بھلا، مجھے آپ کی منجھلی ہمشیرہ ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔"

"آہستہ...... دیواروں کے کان بھی ہوتے ہیں...... نگہت نے اگر سن لیا تو زمین آسمان ایک کر دے گی۔"

"میں پرواہ نہیں کرتی۔"

"اچھا، اس بحث کو چھوڑو اور اُٹھ جاؤ۔"

جویا متردد سی اُٹھی۔ آئینے کے سامنے جا کر بالوں میں برش پھیرا۔ چہرے پر کمپیکٹ میک اپ کی تھپکی دی۔ رخساروں پر بلش آن لگایا۔ آنکھوں میں کاجل کے ڈورے پھیلائے۔ ہونٹوں پر لب اسٹک کی تہہ جمائی۔ ایک بھرپور نظر اپنے سراپا پر ڈال رہی تھی کہ یقین اُس کے عقب میں آ کھڑا ہوا اور آئینے میں اس کے عکس کو گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس چہرے پر غصہ اچھا نہیں لگتا۔"

"تو غصہ دلانے والی بات نہ کیا کریں نا۔" وہ ناز سے بولی۔

"اوکے مادام۔" اس نے نیم خم ہوتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں لاؤنج میں پہنچے تو نگہت نے طنزیہ کہا۔ "شکر ہے بھابی، آپ دکھائی تو دیں۔"

"آپ کیسے ہیں افتخار بھائی؟" جویا نے نگہت کو تقریباً نظر انداز کرتے ہوئے روئے سخن افتخار کی طرف کیا۔ نگہت پہلو بدل کر رہ گئی۔

"شکریہ...... ہم تو ٹھیک ہیں...... آپ سنائیے۔"

"اللہ کا کرم ہے، افتخار بھائی۔"

"اسکول جا رہی ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"ویسے ٹیچنگ پروفیشن میں ایک فائدہ بڑا زبردست ہے کہ چھٹیاں بہت مل جاتی ہیں۔"

"جی ہاں کافی۔" جویا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اونہہ!" نگہت نے جو خود کو نظر انداز کیے جانے پر جویا کی طرف سے جلی بیٹھی تھی، دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے جی ہی جی میں کہا۔ "ہم سے تو رخ دے کر بات نہ کی، نندوئی کو کیسے لبھایا جا رہا ہے، مسکرا مسکرا کر۔"

"نوکری بھی سمجھو، آدھے دن کی ہوتی ہے۔" امی نے لقمہ دیا۔

"اور بہت آرام کی بھی۔" نگہت جو بلبلائی بیٹھی تھی، بدلہ چکاتے ہوئے بولی۔ "ٹیچرس سارا دن بس کپڑوں اور زیوروں کی باتیں کیا کرتی ہیں۔"

"آرام کی تو تم کھاتی ہو بنو...... چار دن پبلک بسوں کے پیچھے بھاگنا پڑے تو ساری حقیقت کھل جائے تم پر۔" جویا نے دانت بھینچتے ہوئے دل ہی دل میں سوچا۔

"ایک تو ہمارے ہاں لوگ سنی سنائی باتوں پر یقین بہت جلدی کر لیتے ہیں۔" مدحت بجیا بولیں۔

"ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔" نگہت نے خم ٹھونک کر کہا۔ "ہماری اپنی ٹیچر یہی کیا کرتی تھیں۔ جب بھی ہم کسی کام سے اسٹاف روم میں جاتے تھے، ہماری ٹیچرز یا تو کپڑوں اور زیوروں کی باتیں کر رہی ہوتی تھیں یا ننگ کر رہی ہوتی تھیں یا پھر ٹانگ پر ٹانگ دھرے چائے پی رہی ہوتی تھیں۔"

"ایسی ٹیچرز کی پڑھائی ہوئی شاگردوں کا حال بھی تو دیکھ لو۔" مدحت بجیا زیر لب مسکراتے ہوئے بولیں۔

"کیسی لگی!" نگہت کے تڑپنے پر جویا نے دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے سوچا۔

"مطلب یہ کہ ایسی ٹیچرز کی اسٹوڈنٹس بھی کپڑوں اور زیور کے شوق میں پیش پیش رہتی ہیں۔" بجیا بولیں۔

"میں سمجھ رہی ہوں، آپ کس کو کہہ رہی ہیں۔" نگہت نے آنکھیں نکالیں۔

امی نے نگہت کے تیور بگڑتے دیکھے تو بولیں۔ "اچھا بھئی، اب کھانا لگ جانا چاہیے۔"

"ہم لوگ چلتے ہیں۔" نگہت اُٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے افتخار سے کہا۔ "اٹھیے جی۔"

"کھانا کھا کر جانا۔" امی رسانیت سے بولیں۔

"ہم کوئی کھانا کھانے کے لیے تھوڑی آتے ہیں...... اللہ نے ہمیں اپنے گھر میں بہت کچھ دے رکھا ہے کھانے کو۔" نگہت کا منہ بن گیا تھا۔

"اللہ اور دے...... اتنا دے تمہیں کہ تم دوسروں کو کھلا کھلا کر بھولو۔" امی نے بڑے خشوع خضوع سے دعا کی۔

''ہم تو اس گھر کی محبت میں دوڑے چلے آتے ہیں۔'' نگہت کے چہرے اور لہجے سے خشونت عیاں تھی۔

''اچھا کرتی ہو۔''

''یہ تو آپ کہہ رہی ہیں۔ اوروں کو لگتا ہے کہ ہمارا آنا کھلتا ہے۔''

''کسی کو نہیں کھلتا نگہت۔'' مدحت بجیا نے جو خفیف ہو گئی تھیں، بڑی رسانیت سے کہا۔

''سب سے پہلے تو آپ ہی کو کھلتا ہے۔'' نگہت نے بڑی بدلحاظی سے کہا۔

''مجھے!'' بجیا زیادہ خفیف دکھائی دینے لگیں۔

''جی ہاں..... آپ کو۔''

''خدا کی قسم، ایسی کوئی بات نہیں۔''

''چلیے جی..... چلو افشاں، تم بھی اٹھو۔'' نگہت نے میاں اور بیٹی کی طرف دیکھا۔

''کہکشاں کہاں ہے؟'' افتخار احمد نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

''وہ نزہت کے پاس ہوگی۔''

امی نے مدحت بجیا کو کچھ ایسی نظروں سے دیکھا کہ وہ شرمندہ ہو گئیں۔

جویا کو عجیب سی طمانیت کا احساس ہو رہا تھا۔

''اچھا ہے، منحوس جائے یہاں سے۔'' جویا نے دل میں سوچا مگر بظاہر بڑے دُلار سے بولی۔ ''نگہت کھانا کھا کر جانا۔''

''شکریہ۔'' نگہت نے افشاں کا ہاتھ پکڑتے ہوئے دروازے کا رُخ کیا۔

''پلیز!'' مدحت بجیا تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھیں اور معذرت خواہانہ لہجہ میں بولیں۔ ''اگر تمہیں میری بات بری لگی ہے تو آئی ایم سوری۔''

''اوہ! بجیا، یہ کیا غضب کر رہی ہیں آپ۔ جانے دیجیے اس مصیبت کو۔'' جویا کے دل کی یہ بات زبان پر آ جاتی تو نگہت یقیناً چار حرف اونچی چلاتکیں لگانے پر مجبور ہو جاتی۔

''مجھے کسی کی بات بری نہیں لگی میں اپنے گھر جا رہی ہوں۔'' نگہت نے کہا، تاہم اس کا منہ بدستور سوجا ہوا تھا۔

''کھانا کھا کر جانا۔'' بجیا نے نگہت کا ہاتھ پکڑتے ہوئے لجاجت سے کہا۔

بابا جواب تک چپ چاپ بیٹھے دیکھ رہے تھے، بولے۔ ''نگہت! تمہاری ماں، بھاوج اور بڑی بہن تو اصرار کر چکیں۔ اب میں کہہ رہا ہوں، تم سے کہ کھانا کھا کر جانا..... اور افتخار میاں، آپ سے بھی کہہ رہا ہوں۔''

نگہت تھم گئی اور اس نے گردن موڑ کر افتخار کی طرف یوں دیکھا، جیسے کہتی ہو بابا کی بات تو کسی قیمت پر نہیں ٹالی جا سکتی۔

''بابا، کھانا گھر میں بھی تیار ہی ملے گا۔'' نگہت نے دھیرے سے کہا۔

''ٹھیک ہے، وہاں بھی کھا لینا۔ تھوڑا سا ہمارے ساتھ کھا جاؤ۔''

نگہت پلٹ آئی۔

انہوں نے کیوں روک لیا اُسے۔ جویا کو دل میں سخت تاسف ہوا۔

''میں کھانا لگواتی ہوں۔'' مدحت بجیا نے اپنی آنکھوں میں ہلکورے لیتی نمی کو ان سب سے چھپانے کی کوشش میں دروازے کا رُخ کیا۔

مدحت بجیا نے اپنی ازدواجی زندگی کی ناکامی کا دکھ اگرچہ بڑی استقامت سے سہا تھا مگر بہر حال وہ انسان ہی تھیں۔ پتھر تو نہ تھیں، دل کا درد کبھی کبھی آنکھوں تک بھی آ پہنچتا تھا۔ اب یہ اور بات تھی کہ ایسے موقعوں پر وہ بہت خوبی سے آنکھیں دوسروں سے چرائے اِدھر اُدھر ہو جایا کرتی تھیں..... بالکل اسی طرح جیسے انہوں نے اس وقت کیا تھا..... تاہم وہ اپنی اس کوشش میں سو فیصد کامیاب نہ ہو سکی تھیں۔ بابا نے ان کی کیفیت تاڑ لی تھی۔

اور گھر بھر میں بابا ہی تھے جو ایک ایک کا دکھ ٹٹولنے اور دلداری کرنے کو فرضِ عین جانتے تھے..... شاید اس لیے کہ ان کے سینے میں ایک مہربان اور ہمدرد دل دھڑکتا تھا اور یقیناً اس لیے کہ اپنی عملی زندگی کے طویل تجربے سے انہوں نے جو نسخۂ کیمیا اخذ کیا تھا، وہ یہ تھا کہ زندگی کو بہت سہج سہج اسی قدر محبت سے برتا جائے جیسے ایک مہربان اور مشفق ماں اپنی معصوم بچی کے اُلجھے ہوئے بالوں کو اپنی انگلیوں سے دھیرے دھیرے، بہت پریم سے سلجھاتی ہے۔

نزہت، نگہت کی بیٹی کہکشاں کے ساتھ گھر کے برآمدے میں بیٹھی تھی۔ کہکشاں گھر میں پلی بلی کے چار ننھے ننھے نوزائیدوں کو دیکھ کر متعجب بھی ہو رہی تھی، محظوظ بھی اور اس کی معصوم مسکراہٹ کا عکس نزہت کے چہرے پر بھی دیکھا جا سکتا تھا۔ کہنے کو نزہت یونیورسٹی کی طالبہ تھی مگر اپنی فطرت سادگی میں وہ کسی معصوم بچی سے میل کھاتی تھی۔ وہ اتنی سادہ اور بے ضرر تھی کہ کبھی کبھی امی بڑی فکرمندی سے بابا سے کہتیں۔ ''ماسٹر صاحب! خدانخواستہ نزہت کا مقدر تیز قسم کے لوگوں میں کھل گیا تو یہ کیا کرے گی۔''

''بیگم صاحبہ! آپ فکرمند نہ ہوا کریں..... جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بہت دیکھ بھال کر جوڑے بناتے ہیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے میاں لیکن اللہ میاں بندوں کی آزمائش کے لیے انہیں امتحان سے بھی دوچار کر دیتے ہیں۔ ہماری مدحت کو دیکھیے، کیا تھی اور اس کے ساتھ کیا ہوا!''

مدحت بجیا کی ناکام ازدواجی زندگی کا بابا کو بہت دکھ تھا اور اس سے زیادہ دُکھ انہیں اس بات کا تھا کہ یہ المیہ ان کی اس بیٹی کو پیش آیا تھا جو ان لوگوں میں سے تھی جنہیں کوئی دکھ پہنچے تو حلق پھاڑ پھاڑ کر رونے چلانے کے بجائے چپکے چپکے اندر ہی اندر سسکا کرتے ہیں اور اپنے دکھوں کی بھنک بھی دوسروں کو نہیں پڑنے دیتے۔

بابا لاؤنج سے اٹھ کر کچن میں پہنچے تو مدحت بجیا سلاد کتر رہی تھیں۔

''کیا ہو رہا ہے مدحو بیٹا؟''

مدحت بجیا چونک گئیں اور جلدی جلدی اپنے بائیں ہاتھ کی پشت سے آنکھیں پونچھتے

ہوئے بولیں۔ ”سلاد کتر رہی ہوں بابا۔“

مدحت بجیا نے آنکھیں تو پونچھ لی تھیں مگر ان کی آواز برسات کی شام کی طرح بھیگی ہوئی تھی۔

بابا نے پلاسٹک کی اس چھوٹی سی چنگیر کی طرف دیکھا جس میں مدحت بجیا نے پیاز کی دو گٹھیاں، تین چار گاجریں، ایک مولی اور ایک کھیرا چھیل کر رکھے ہوئے تھے اور دوسرے کھیرے کا چھلکا اتار رہی تھیں۔

”لگتا ہے پیاز بہت تیز ہے۔“ بابا نے پیاز کی چھلی ہوئی گٹھیوں میں سے ایک اٹھا کر اسے اپنی انگلیوں کے درمیان گھما پھرا کر دیکھتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں...... بہت جھل والی۔“ مدحت بجیا نے تائید کی۔

”بالکل اپنی نگہت کی طرح۔“

مدحت بجیا نے چونک کر بابا کی طرف دیکھا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیے اور مدحت بجیا نے ان کی مسکراہٹ کی تاب نہ لا کر نظریں چرا لیں۔

”نگہت کی اکثر باتیں دل پر لینے کے بجائے ٹال جانا چاہیے۔“ بابا نرم لہجے میں بولے۔

مدحت بجیا کچھ نہیں بولیں۔ کھیرے کے انگوری ٹکڑوں کو کتر کتر کر پلیٹ کے حاشیے پر آراستہ کرتی رہیں۔

”اگرچہ وہ میری بیٹی ہے لیکن میں یہ کہنے میں کوئی عار نہیں سمجھتا کہ وہ ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہے جنہیں بغیر کسی جستجو اور تگ و دو کے سب کچھ مل جاتا ہے۔ چنانچہ انہیں زندگی کے نشیب و فراز اور دوسروں کی مشکلات کا نہ تو اندازہ ہوتا ہے، نہ احساس...... بہر حال باپ ہوں اس لیے اس کے لیے دعا کرتا ہوں کہ خدا اُسے کسی طوفان سے آشنا نہ کرے۔“

مدحت بجیا سر جھکائے کام میں مصروف رہیں۔

”پروفیسر صاحبہ۔“ بابا کے لہجے میں یک لخت خوشگوار کیفیت اُمنڈ آئی۔ ”جب آپ کلاس لے رہی ہوتی ہوں گی تو آپ کے کسی اسٹوڈنٹ کے ذہن میں شاید بھولے سے بھی یہ خیال نہ آتا ہوگا کہ آپ کچن میں بھی کام کرتی ہوں گی۔“

مدحت بجیا نے بے ساختہ مسکرا دیں۔

”بابا، ہم پاکستانی عورتوں اور ہماری ہمسائیوں کی تو جڑیں ہی کچن میں گڑی ہوتی ہیں۔ اپنی آدھی سے زیادہ زندگی ہم کچن میں گزار دیتے ہیں...... ویسے آپ نے جو بات کہی، وہ بھی غلط نہیں...... مجھے یاد ہے، اسکول کے زمانے میں جب ہماری سائنس ٹیچر نے ایک روز ہمیں یہ بتایا کہ اپنی ساڑھیوں کو وہ خود دھوتی اور کلف لگاتی ہیں تو ہماری کلاس کی لڑکیوں کو انتہائی اچنبھا ہوا تھا۔“

”ٹیچنگ پروفیشن کا اعجاز یہی ہے کہ استاد اپنے شاگرد کی نظروں میں خاصا ماورائی سا ہوتا ہے۔ استاد اپنا کام دیانت داری اور خلوص سے کرے تو شاگرد اس کی پوجا کرتے ہیں۔“

”آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔“

”اچھا بٹی، جب تک کھانا لگایا جائے، میں نماز ادا کر لوں۔“

”نگہت کو جانے مت دیجیے گا بابا، کہیے گا کھانا کھا کر جائیں۔“ مدحت بجیا نے کہا۔

بابا نے پلٹ کر دیکھا، ان کی نگاہوں میں مشکوریت کا احساس تھا، جیسے کہتے ہوں۔ ”چھوٹی بہن کی خطا در گزر کر دینے کا شکریہ!“

بابا کے جانے کے بعد مدحت بجیا نے سوچا۔ ”بابا کے بغیر کتنی مشکل ہو جائے۔“

مدحت بجیا کا یہ سوچنا غلط نہیں تھا۔ زندگی میں ایک ایسے تلخ اور کربناک تجربے سے گزرنے کے بعد جو اب بھی انہیں ایک ڈراؤنا خواب معلوم ہوتا تھا، جب وہ ریزہ ریزہ بکھر گئی تھیں تو بابا ہی نے انہیں خود کو سمیٹنے میں مدد دی تھی اور ان کے زخموں پر پھاہے دھرے تھے۔

بابا ایک ایسے گھنے اور سایہ دار درخت کی مانند تھے جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ کر کڑی دھوپ کے مسافر تازہ دم ہو جائیں۔

بابا کا ایک وصف یہ بھی تھا کہ وہ لوگوں کی نگاہوں سے ان کے دل کے بھید جان لیتے تھے، چنانچہ یقین اور جویا کی کمرے سے برآمدگی کے بعد جویا کی ظاہری مسکراہٹ کے باوجود امی کے لیے اس کے دل میں چھپی خشونت بابا کی جہاندیدہ نگاہوں سے پنہاں نہ رہ سکی تھی اور وہ اس کا سبب بھی خوب جانتے تھے۔

چنانچہ اس رات جب امی اور بابا سونے کے لیے اپنے اپنے بستر پر لیٹے تو امی سے کہا۔

”بیگم صاحبہ! میرا خیال تو یہ ہے کہ آپ دو تہائی کے چکر میں نہ اُلجھیں، صبح یقین میاں کو ان کی نصف تنخواہ تھمائیے اور صاف صاف جتا دیجیے کہ بس اس سے زیادہ کی توقع مت رکھنا، گھر بھی چلانا ہے۔“

”آدھی کی کیا ضرورت...... بھئی، دلہن کی اپنی تنخواہ بھی تو ہوگی۔“

”اس سے ہمیں کوئی مطلب نہیں......“

”واہ کیوں مطلب نہیں...... بلکہ اصولاً دیکھا جائے تو آپ کی پنشن، مدحت، یقین اور فرزین کی تنخواہوں کی طرح دلہن کی تنخواہ بھی میرے پاس آنی چاہیے۔“

”کیوں؟“

”کیونکہ جب سب اکٹھے رہتے ہیں تو سب پر ایک اصول لاگو ہونا چاہیے۔“

”درست...... مگر ہم سب برس ہا برس سے ایک ہی گھر میں رہ رہے ہیں۔ یہاں کے اصولوں سے کما حقہ واقف ہیں۔ باہر سے آئی ہوئی لڑکی کو اس گھر کے اصول اور روایتیں سمجھنے کے لیے آپ کو اسے کچھ وقت دینا پڑے گا...... اور بیگم صاحبہ، ایک بات اور کہوں گا آپ سے......“

”جی فرمائیے؟“

”دوسروں سے کم سے کم توقعات رکھیے تاکہ خدانخواستہ اگر مایوسی ہو تو کم سے کم ہو۔“

''ڈھکی چھپی بات کیوں کر رہے ہیں۔ صاف کہیے نا کہ بہو سے کوئی امید نہ رکھی جائے۔''

''آپ غلط سمجھی ہیں، میں محض بہو کی بات نہیں کر رہا ہوں۔''

''تو پھر؟''

''میں تو سب کی بات کر رہا ہوں...... ایک عمومی بات کر رہا ہوں...... میں تو یہ کہتا ہوں کہ ماں باپ کو بھی اولاد سے زیادہ توقعات منسوب نہیں کرنی چاہئیں۔''

''واہ! یہ کیا بات ہوئی ماسٹر صاحب۔''

''بھئی! ماسٹر تو ایسی ہی باتیں کرتا ہے۔''

''ماں باپ اولاد کو پالتے پوستے کس لیے ہیں...... کیا اس لیے کہ بیٹیوں کو لے جائیں داماد اور بیٹیوں کی مالک بن جائیں بہوئیں۔ ماں باپ اولاد سے بڑی اُمیدیں باندھ کر رکھتے ہیں۔''

''اسی لیے مایوسی زیادہ تر انہی کے حصے میں آتی ہے۔''

''آپ کا مطلب ہے، ماں باپ اولاد کو فی سبیل اللہ پالیں۔''

''بہت اچھی بات کی ہے آپ نے...... غلط یا صحیح، میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ ماں باپ اولاد کی تعلیم و تربیت کا فریضہ بغیر کسی لالچ اور غرض کے انجام دیں۔ اولاد کی تعلیم و تربیت ایک کارِ خیر سمجھ کر کریں اور اس احسان کے بدلے کی توقع نہ رکھیں۔''

''ماسٹر صاحب! کیوں ماں باپ کا بڑھاپا خوار کرواتے ہیں...... ارے، ماں باپ اگر اولاد سے توقع نہیں رکھیں گے تو کیا غیروں سے رکھیں!''

''کسی سے بھی نہ رکھیں...... بس اللہ پر توکل رکھیں اور دیکھیں کہ اللہ کیسا خیال کرتا ہے۔''

''بات ہو رہی تھی، دلہن بیگم کی تنخواہ کی۔'' امی اصل موضوع پر پلٹ آئیں۔

''ہاں...... بہو بیگم کی تنخواہ سے آپ کوئی مطلب نہ رکھیے...... وہ جانیں اور اُن کی تنخواہ۔''

''ٹھیک ہے، جب ہم ان کی تنخواہ سے کوئی مطلب نہ رکھیں تو اپنی ضرورتیں بھی وہ خود ہی پوری کریں...... اپنی ذمے داری بھی وہ خود ہی اُٹھائیں۔''

''بہو ذمے داری ہیں یقین میاں کی...... یقین میاں جانیں اور وہ جانیں۔''

''ماسٹر صاحب! اب ہمارا اور آپ کا زمانہ نہیں رہا۔ آج کل کی بیویاں شوہروں سے سو طرح کا عیش چاہتی ہیں۔ اچھا کپڑا بھی ہو، زیور بھی...... سرخی پاؤڈر بھی ہو...... زبان کے چٹخارے بھی ہوں اور سیر و تفریح بھی ہو...... چلئے کھانا پینا تو ہو گیا ہمارے ساتھ...... باقی سب کچھ یقین بے چارہ اکیلا کیسے کرے گا۔''

''آپ یقین میاں کی ماں بن کر بات نہ کریں، غیر جانبدار رہ کر بات کریں تو اس سوال کا جواب آپ کو خود ہی مل جائے گا...... جیسے سارے شوہر اپنی ذمے داری پوری کرتے ہیں۔

ویسے ہی یقین میاں بھی کریں۔''

''وسائل؟''

''کہہ تو رہا ہوں، آدھی تنخواہ یقین میاں کے حوالے کیجیے...... اگرچہ بہت بڑی تنخواہ نہیں ہے یقین کی لیکن اللہ کا شکر ہے، بہت سوں سے بہت اچھے ہیں۔''

''تو آپ کی مرضی ہے کہ آدھی تنخواہ دے دوں۔''

''جی ہاں...... میں سمجھتا ہوں کہ اس ساری بات چیت کا حرفِ آغاز بھی یہی تھا، حرفِ آخر بھی یہی ہونا چاہیے۔''

''ٹھیک ہے، جیسی آپ کی مرضی۔''

''بس آپ کی یہی ادا تو ہمیں پسند ہے کہ بالآخر آپ مان جاتی ہیں۔'' ابا نے کہا۔

☆=====☆=====☆

رات گئے یقین نیند سے جاگا تو جویا کو گہری نیند میں غرق پایا۔ نیند میں وہ ایسی معصوم اور بے ضرر لگ رہی تھی کہ یقین کو اُس پر بے ساختہ پیار آنے لگا۔

شام کو رُوٹھ کر کتنی جلدی مَن بھی گئی۔ یقین نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے سوچا۔ وہ جب بھی اسے گہری نگاہوں سے دیکھتا، وہ نظریں چرانے لگتی تھی۔

مگر نیند بھی عجب نعمت ہے۔

وہ اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا اور وہ اُس کی گہری نگاہوں سے بے نیاز، گردو مافیہا سے بے خبر، ہر فکر سے بے پرواہ سو رہی تھی۔

جویا کو دیکھتے ہوئے اس نے سوچا۔ امی نے ساری تنخواہ چپ چاپ لے کر رکھ لی۔ ایک مرتبہ بھی رسماً تک نہیں کہا کہ اب تم رکھو، میں کیا کروں گی اور پہلے تو ایک ہاتھ سے تنخواہ لیتے ہی دوسرے ہاتھ سے میرا حصہ مجھے دے دیتی تھیں لیکن اس مرتبہ تو وہ بھی گول کر گئیں...... کہیں ایسا نہ ہو کہ بالکل ہی گول کر جائیں...... اگر ایسا ہوا تو؟

تو کے آگے سوالیہ نشان تھا!

اور اس نشان سے آگے اَن گنت فکریں۔

وہ دوبارہ نیند آنے تک انہی سوچوں اور فکروں میں غلطاں رہا۔

امی اسے جابر اور قزاق محسوس ہو رہی تھیں۔

جویا معصوم اور مظلوم لگ رہی تھی۔

اگلی صبح جب وہ دفتر جانے کے لیے تیار ہونے کے بعد حسبِ معمول امی اور ابا کے پاس آیا تو امی نے اُسے پیسے دیتے ہوئے کہا۔ ''بیٹا! آدھے پیسے میں نے رکھ لیے ہیں، یہ آدھے تم رکھو۔''

یقین کو خفت نے آلیا۔

اِن چند سبز اور سرخ نوٹوں کی خاطر اس نے گزشتہ شب امی کو جابر اور قزاق گردانا تھا۔

ان چند نوٹوں کی خاطر۔

اسے اپنے آپ سے شرم آنے لگی۔

اس کا جی چاہا، ان نوٹوں پر تھوک کر انہیں اپنے پیروں تلے مسل دے مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔ یہ نوٹ اس کی ضرورت بھی تو تھے۔

مہینہ بھر گزارنے کے لیے...... جویا کو خوش رکھنے کے لیے اُسے ان نوٹوں کی ضرورت تھی...... سو اس نے کہا۔ "تھینک یو امی۔" اور نوٹ اپنی جیب میں رکھ لیے۔

امی نے یوں اطمینان کا سانس لیا جیسے یقین کا قرض چکا کر شانت ہوئی ہوں۔

☆=====☆=====☆

شام کو دفتر سے واپسی پر یقین جویا کے لیے ایک ریڈی میڈ سوٹ خریدتا ہوا گھر لوٹا۔ اتنے دنوں میں وہ یہ اندازہ بخوبی کر چکا تھا کہ جویا کو نت نئے ملبوسات کا جنون کی حد تک شوق تھا لیکن ایک مرتبہ اسے شاپنگ کرانے کے نتیجے میں دیوالیہ ہو جانے کے بعد وہ اس غلطی کو دُہرانا نہیں چاہتا تھا۔

گھر پہنچتے پر اپنے کمرے تک جانے کے لیے اسے لاؤنج سے گزرنا پڑا۔ امی، بابا، مدحت بجیا تینوں لاؤنج میں تھے۔ بابا اور مدحت بجیا ٹی وی پر خبریں سن رہے تھے۔ امی بابا کے کرتے کے گریبان پر ٹیکری بنا رہی تھیں۔ یقین نے سلام داغا۔

"وعلیکم السلام۔" بابا نے گرم جوشی سے جواب دیا۔

"جیتے رہو۔" امی نے کہا اور کام سے ہاتھ روک کر یقین کو دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں شاپنگ بیگ نے امی کی آنکھوں میں تجسس کی رو دوڑا دی۔

یقین دزدیدہ نظروں سے امی کو دیکھتا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

جویا کمرے میں تھی۔

"السلام علیکم۔" یقین نے مسکراتے ہوئے شاپنگ بیگ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"کیا ہے؟"

"دیکھ لو۔"

جویا نے بڑے اشتیاق سے شاپنگ بیگ سے ڈبا نکالا اور اُسے کھول کر دیکھا۔ کاسنی رنگ کا ریڈی میڈ سوٹ دیکھتے ہی وہ کھل اٹھی۔

"کیا کوئی لاٹری نکل آئی؟" جویا نے پوچھا۔

"بیگم صاحبہ! اتنے قلاش بھی نہیں ہیں کہ آپ کے لیے ایک سوٹ تک نہ خرید سکیں۔"

"آں ہاں۔" جویا نے ایک ادائے دلبری سے اسے دیکھا پھر سوٹ دیکھنے لگی۔

"کیسا ہے؟"

"بہت اچھا!"

"واقعی یا میرا دل رکھنے کو کہہ رہی ہو؟"

"واقعی۔"

"تھینک یو۔"

"کتنے کا ہے؟"

"بھئی، تمہیں آم کھانے سے مطلب ہونا چاہیے، پیڑ گننے سے فائدہ!"

"جناب! بیوی ہوں میں آپ کی یعنی شریک حیات...... مجھے پیڑ گننے کا حق بھی ہے۔"

"پیڑ بعد میں گنتی رہیے گا، پہلے ذرا یہ پیسے گن لیں۔" یقین نے جیب سے پیسے نکال کر جویا کی طرف بڑھائے۔

"کہاں سے آئے؟" وہ چونکی۔

یقین ہنس دیا۔

"آپ کی خاطر چوری کیے ہیں۔"

"چوری!"

"ارے بابا، صبح امی نے دیے تھے۔ آدھی تنخواہ انہوں نے خود رکھ لی، آدھی مجھے دے دی۔ میں نے اپنے پاس مہینہ بھر کے پیٹرول اور دفتر میں چائے کے پیسے رکھ لیے ہیں، باقی آپ کے سپرد۔"

جویا نے رقم گنی۔

"سترہ سو ہیں۔"

"یہ تمہارا جیب خرچ۔"

"کتنے دن کا؟"

"مہینے بھر کا۔"

"ساٹھ روپے روز بھی نہیں پڑتے۔" وہ منہ بنا کر بولی۔

یقین کو اس کی ناشکری پر غصہ آنے کے ساتھ اپنی بے بضاعتی کا احساس بھی ہوا۔ تاہم وہ اس احساس کو دباتے ہوئے بولا۔ "بھئی، دس روپے روز تمہارا کنوینس الاؤنس، پچاس روپے روز پھر بھی بچتے ہیں۔"

"حساب کے تو بڑے پکے ہیں آپ!" جویا نے ابرو چڑھاتے ہوئے تیکھی نگاہوں سے اُسے دیکھا۔

"تنخواہ دار آدمی کا حساب پکا نہ ہو تو زندگی کے امتحان میں فیل ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔" یقین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

جویا نے یقین کی دی ہوئی رقم کو قدرے تحقیر سے دیکھا پھر بولی۔ "اتنے پیسوں میں مہینہ بھر گزارہ کرنا مشکل ہے...... خیر......"

"بابا، مشکل کیسی، کھانا پینا تو ہم دونوں کو مفت ملے گا۔"

"مفت!" اس نے استہزائیہ انداز میں کہا پھر گردن جھٹک کر بولی۔ "اونہہ! اگر کھانا پینا

مفت ملنے کا دعویٰ کر رہے ہیں آپ تو یہ بتایئے کہ آپ کی امی جان نے آدھی تنخواہ کس مد میں رکھی ہے؟''

یقین خفیف سا ہو گیا۔

''بولیے۔''

وہ بدستور خاموش رہا۔

''سچ پوچھیے تو مفت نہیں بلکہ مہنگا ملے گا کھانا پینا۔''

''اور بھی بہت سی ضروریات ہوتی ہیں جو انہی پیسوں میں پوری ہوں گی۔''

''مثلاً۔''

''ملازمین کی سہولت، کپڑوں کی دھلائی..... صابن، پانی بجلی اور کیا کیا بتاؤں!''

جویا نے تیکھی نگاہوں سے اُسے دیکھا اور بولی۔ ''رہنے دیجیے اس بحث کو ورنہ بات بڑھ جائے گی۔''

''چلیے رہنے دیتے ہیں۔''

''چار رن ہو چکے ہیں۔ مجھے امی کے گھر گئے ہوئے۔'' جویا نے جتایا۔

''چلو، چلتے ہیں۔''

''تیار ہو جاؤں؟''

''ہو جاؤ۔''

اور عین اُسی لمحے ٹی وی لاؤنج میں ٹیلی ویژن اسکرین پر نیوز ریڈر نے کہا۔ ''اینڈ دیٹس آل فرام دی نیوز روم ٹل خبرنامہ ایٹ نائٹ۔''

''مدحت بجیا نے اُٹھ کر ٹی وی کی ناب دبائی اور سوئچ آف کر دیا۔

امی جو پچھلے آٹھ دس منٹ سے اپنے دل پر بوجھ لیے بیٹھی تھیں، اس بوجھ کو مزید ایک پل برداشت نہ کر پائیں۔

''ماسٹر صاحب! دیکھا آپ نے۔''

''ہاں بھئی، دیکھ لیا۔'' ابا اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے اُٹھے اور امی کی طرف آتے ہوئے بولے۔ ''واقعی بہت ظلم ہو رہا ہے فلسطینیوں پر۔''

''فلسطینیوں پر جو ظلم ہو رہا ہے، سو ہو رہا ہے۔ یہ دیکھئے کہ ہم پر کیا ظلم ہو رہا ہے۔''

''آپ پر؟'' ابا چونکے۔

''ماسٹر صاحب! مجھ پر..... آپ پر..... اس گھر پر۔''

مدحت بجیا نے چونک کر امی کی طرف دیکھا۔

''میں سمجھا نہیں۔'' ابا کشمکش میں مبتلا نظر آنے لگے۔

''صاحبزادے، ہم سے چیزیں چھپانے لگے ہیں۔''

''کون سے صاحبزادے؟''

''ارے وہ ایک ہی تو ہیں۔''

''نہیں ایک تو نہیں..... بفضلِ خدا تین ہیں۔''

''اوہو! شادی شدہ تو ایک ہی ہے۔''

''آپ کا مطلب ہے، یقین میاں؟''

''جی ہاں۔''

''کیا ہوا؟''

''ارے، دیکھا نہیں آپ نے..... مگر آپ نے کہاں دیکھا ہوگا، آپ تو اس وقت خبریں دیکھ رہے تھے۔''

''بھئی، پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہیں! کھل کر بات کیجیے۔''

''صاحبزادے دفتر سے لوٹے تو لگتا ہے، بیوی کے لیے کچھ خرید کر لائے تھے۔ ہمیں یہاں بیٹھے دیکھا تو سلام داغ سیدھے اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔''

''تو اور کہاں جاتے؟''

''آپ بھی عجیب ہیں ماسٹر صاحب۔'' امی زچ ہو گئیں۔

''خیریت!''

''ارے بھئی، کیا یقین کو یہ لازم نہیں تھا کہ ہمیں دکھا کر جاتے کہ کیا لائے ہیں؟''

''ہو سکتا ہے، کوئی ایسی چیز ہو جو دکھانے والی نہ ہو۔''

''ماسٹر صاحب، بڑا سا ڈبا تھا..... اتنا بڑا۔'' امی نے ڈبے کی بڑائی دونوں ہاتھوں سے ظاہر کرنے کی کوشش کی پھر بولیں۔ ''صاحبزادے سانس روکے گزرتے چلے گئے۔ ایک ہمارا زمانہ تھا کہ چیز دیکھنے والی ہوتی یا نہ ہوتی، جب تک ساس نندیں اچھی طرح چھان پھٹک نہ لیتی تھیں، کوئی چیز ہم تک پہنچ نہ پاتی تھی۔''

''بلکہ اکثر چیزیں تو بارڈر پر روک لی جاتی تھیں۔'' ابا مسکرا کر بولے۔

''آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں کیونکہ لانے والے تو آپ ہی ہوتے تھے..... ارے بھئی اگر یقین میاں ہمیں دکھا دیتے تو ہم کوئی روک لیتے..... یا خدانہ کرے ہوتے بیٹھ جاتے..... بہو کو کھاتے پیتے دیکھ کر ہم تو خوش ہونے والوں میں سے ہیں۔''

''اگر ایسا ہے تو پھر شکایت کیوں؟''

''ماسٹر صاحب! جس اولاد کو ہم نے اپنے حلق کا نوالہ کھلا کر پالا ہو..... جس کی خاطر راتوں کی نیندیں حرام کی ہوں وہ ایسی سیان پت دکھائے تو دکھ ہوتا ہے..... جو کچھ بھی تھا یقین میاں دکھا دیتے تو ہم چھین تو نہ لیتے۔ دل خوش ہو جاتا کہ ہمیں کچھ سمجھا، کچھ اہمیت دی۔ دعائیں نکلتیں ہمارے دل سے۔'' امی نے کہا۔

''اب دعائیں دے دیجیے۔''

''کوئی اچھا کرے یا برا دکھاوا ہم سے نہیں ہوتا۔''

''اچھا کرتی ہیں۔'' بابا بولے۔ پھر انہوں نے رسانیت سے امی کو سمجھایا۔ ''اولاد سے کم سے کم توقعات رکھیے، تم سے کم مایوس ہوں گی...... کم سے کم دکھ پہنچے گا...... کیا سمجھیں۔''

''ماسٹر صاحب! آپ کہتے تو ہیں لیکن آپ خود سوچئے کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ انسان اپنی اولاد سے توقعات نہ رکھے۔''

''مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں اور اگر آپ اس مشکل پر قابو پالیں تو بڑی سکھی رہیں گی۔'' امی ایک گھٹی گھٹی سرد آہ کھینچ کر رہ گئیں۔

☆======☆======☆

جویا نے میکے جانے کے لیے وہی جوڑا زیب تن کیا جو یقین اس کے لیے خرید کر لایا تھا۔ بقیہ تیاری میں بھی اس نے زیادہ دیر نہیں لگائی۔ میکے جانے کی تیاری میں وہ یہ بھی بھول گئی کہ یقین کے آنے سے پانچ دس منٹ قبل ہی وہ رات کے کھانے کے لیے طاہری کا مصالحہ بھوننے کے بعد آلو کے قتلے مصالحے میں ڈال کر دھیمی آنچ پر چھوڑ آئی تھی اور موجو سے اُس نے کہہ دیا تھا کہ چاول بھگو دے۔ بابا کے لیے ویسی ہی دودھ سویاں بھی بنانے کا ارادہ تھا جیسی وہ تین چار روز قبل بنا کر بابا ہی سے نہیں سب گھر والوں سے خاصی داد پا چکی تھی۔

تیار ہو چکنے کے بعد جویا نے ایک ادائے دلبری سے اس سے کہا۔ ''چلیے جناب، ہم تیار ہیں۔''

''امی سے تو اجازت لے آؤ۔''

''یہ اجازت لینے کا سلسلہ کب تک جاری رہے گا!'' جویا نے منہ بنا کر کہا۔

''ہمیشہ۔'' یقین بولا۔

''معاف کیجیے گا، بہت ہو چکا...... یہ فارمیلٹی میں مزید نہیں نبھاؤں گی۔''

''یعنی؟''

''یعنی یہ کہ آپ اجازت لیجیے۔ میں بچوں کی طرح اجازت مانگنے نہیں جاؤں گی۔''

''بھئی، امی اور بابا کے سامنے تو ہم بچے ہی ہیں۔'' یقین بولا۔

''ٹھیک ہے...... آپ جائیے، پوچھنے کے لیے۔''

''تمہارے پوچھنے کی اور بات ہوگی...... امی خوش ہو جائیں گی۔''

''بہت خوش کر چکی ہوں میں انہیں۔ اب آپ کی باری ہے۔''

''جاؤ شاباش...... انہیں اپنا جوڑا بھی دکھا آؤ۔''

''نیا جوڑا وہ ویسے بھی دیکھ لیں گی...... بلکہ اُن تک خوشبو بھی پہنچ چکی ہوگی اس جوڑے کی۔'' جویا نے استہزائیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیسے پہنچ چکی ہوگی، میرے اور تمہارے علاوہ اس گھر میں کسی تیسرے فرد نے یہ جوڑا ابھی تک دیکھا ہی نہیں ہے۔''

''جناب! ساس، نندوں کی دیکھنے، سننے اور سونگھنے کی حسیں عام لوگوں کے مقابلے میں

بہت زیادہ تیز ہوتی ہیں۔ سو کوس پرے سے وہ یہ دیکھ سکتی ہیں کہ بیٹا یا بھائی اپنی بیوی کے لیے کیا لے کر آیا ہے۔ بہو بیٹے یا بھائی بھاوج کی وہ سرگوشیاں اور دبی دبی ہنسی بھی انہیں بخوبی سنائی دے جاتی ہے جو شاید ان کے کمرے کی دیواریں بھی نہیں سن پاتیں اور سونگھنے کی حس تو ایسی تیز ہوتی ہے کہ صبح کو بہو یا بھاوج کا منہ سونگھے بغیر ہی جان جاتی ہیں کہ رات اس نے کھایا کیا تھا۔''

''بری بات۔'' یقین نے تنبیہی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''سچ کہہ رہی ہوں...... میری بات کا یقین نہ آئے تو دنیا جہان کی بہوؤں اور بھاوجوں سے پوچھ لیجیے۔''

''آہستہ بولو...... امی نے سن لیا تو کیا سوچیں گی۔''

''کیا سوچیں گی۔'' جویا مسکرائی۔ ''وہی سوچیں گی جو آپ کی امی کی ساس یعنی آپ کی دادی جان سوچا کرتی ہوں گی۔''

''جویا!'' یقین کے لہجے میں ہلکی سی سرزنش تھی۔

''یقین!'' وہ پریم سے بولی۔

دونوں چند ثانئے ٹکٹکی باندھے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

ہنسی تھمی تو یقین بولا۔ ''جاؤ شاباش، اب تو امی سے پرمیشن لے آؤ۔''

''ایٹ لو کامٹ سر...... میں نے کہا نا، میں بہت دن تک یہ فارمیلٹی نبھا چکی۔''

''اچھا چلو، دونوں چلتے ہیں۔ امی کے پاس...... چلتے چلتے اجازت لے لیں گے۔''

''ہاں، یہ ہو سکتا ہے۔''

''تو پھر چلو۔''

جویا نے سنگھار میز کے آئینے میں خود پر ایک نظر ڈالتے ہوئے اپنا پرس اُٹھایا ہی تھا کہ کمرے کے دروازے پر دستک سنائی دی۔

''کون ہے بھئی؟'' جویا قدرے ناگواری سے بڑبڑائی۔

دونوں دروازہ کھول کر باہر نکلے تو موجو کو کھڑے پایا۔

''وہ جی چاول میں نے بھگا چھوڑے تھے اور چھوٹی بی بی بول رہی ایں دودھ پک پک کے دو کا ڈیڑھ لیٹر ہو گیا اے جی۔''

''تو تقریریں بہت کرتا ہے۔'' جویا نے اُسے گھرکا۔

''نا جی ناں۔ میں تقریریں شقریریں بالکل وی نئیں کرتا جی۔'' موجو کان کھجاتے ہوئے بولا۔

''جا، چھوٹی بی بی سے جا کر کہہ دے بھابی تو بھائی کے ساتھ جا رہی ہیں اپنی اماں کے گھر۔ آپ چاول مصالحے میں ڈال کر دم دے دیں اور دودھ میں سویاں بھی خود ہی پکا لیں۔''

''اچھا جی۔''

جویا اور یقین امی کے پاس پہنچے تو امی نے کچھ ٹیڑھی نگاہوں سے اُن کا سواگت کیا۔
یقین نے جویا کو دیکھا اور نگاہوں ہی نگاہوں میں اس سے کہا، امی سے اجازت لو مگر اُس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں صاف انکار کر دیا۔
یقین نے کھنکھار کر گلا صاف کیا پھر بولا۔ ''امی! یہ آپ کی بہو اپنے گھر جانا چاہ رہی ہیں۔ اجازت ہے؟''
''میں نے کوئی پابندی لگا رکھی ہے..... جائیں..... شوق سے جائیں۔'' امی نے دزدیدہ نظروں سے جویا کو دیکھتے ہوئے کہا۔
ان کے لہجے سے دھیمی سی خفگی جھلک رہی تھی۔
تب ہی نزہت آپہنچی
''اللہ بھابی، چاول تو ہم خیر دم دیں گے مگر سویوں میں چینی بتا دیجیے، کتنی پڑے گی؟''
''بس ایک کپ ڈال دینا۔''
''اللہ! یہ آپ کا سوٹ کتنا اچھا لگ رہا ہے! آپ نے خریدا ہے یا کسی نے گفٹ دیا ہے؟'' نزہت نے توصیفی نگاہوں سے جویا کا سوٹ دیکھتے ہوئے کہا۔
نزہت کی اسی بات کے دوران مدحت بجیا بھی آپہنچیں۔
''بجیا، دیکھیے، کتنا اچھا لگ رہا ہے بھابی کا سوٹ!''
''ہاں..... بہت اچھا لگ رہا ہے۔'' بجیا نے تائید کی اور پوچھا۔ ''کب خریدا جویا؟''
''یہ..... یہ..... لے کر آئے ہیں۔''
''کب؟''
''آج۔''
بجیا نے امی کی طرف دیکھا۔
''کہاں سے خریدا یقین؟''
''صدر سے۔''
''کتنے کا؟''
''اونہہ! کمبخت اب پوری انکوائری کریں گی..... اس سوٹ کی سات پشتوں کا حسب نسب معلوم کریں گی۔'' جویا نے دل ہی دل میں سوچا۔
''بجیا! یہ گفٹ ہے اور سنا ہے کہ تحفے کی قیمت نہیں بتائی جاتی۔'' یقین نے کہا۔
''گڈ!'' جویا دل میں بولی۔
''اللہ بھابی! ایک روز ہم آپ کا یہ سوٹ یونیورسٹی پہن کر جائیں گے۔'' نزہت بڑے لاڈ سے بولی۔
''توپ کے گولے، اپنی اوقات میں رہو۔'' جویا نزہت کے سراپا پر نظر ڈالتے ہوئے دل ہی دل میں ہنسی، تاہم بظاہر اس نے بڑی گرمجوشی سے کہا۔ ''ہاں ہاں، ضرور پہن جانا۔''

''فری سائز معلوم ہوتا ہے۔'' نزہت نے کہا۔
''موٹی، یہ دھیان میں رہے کہ تمہیں فری نہیں ایکسٹرا لارج سائز آتا ہے۔'' جویا نے پھر دل میں کہا۔
''اچھا امی، ہم لوگ جا رہے ہیں۔'' یقین نے کہا۔
''جاؤ۔''
''خدا حافظ۔'' جویا نے سرد لہجے میں کہا اور یقین کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''چلیے۔''
جویا کے لہجے میں کچھ ایسی بے تابی بلکہ بیزاری تھی جیسے کہتی ہو۔ ''جلدی چلیے..... دیر کر دی تو ہم دونوں پتھر کے ہو جائیں گے۔''

☆=====☆=====☆

جویا میکے پہنچی تو بھابی اپنے سب سے چھوٹے بچے کو ٹیکہ لگوانے کے لیے ابا کے ساتھ ڈاکٹر کے ہاں جا رہی تھیں۔ رکشہ ٹیکسی لینے کے لیے انہیں مین روڈ تک پیدل جانا تھا۔ یقین نے اصرار کر کے انہیں اپنی گاڑی میں بٹھا لیا۔
ان کے جانے کے بعد زویا نے بہن سے چائے کو پوچھا تو وہ بولی۔ ''تمہارے دولہا بھائی لوٹ آئیں پھر پئیں گے چائے۔''
اماں حسب معمول جویا سے حال احوال لینے بیٹھیں تو زویا بھی نزدیک ہی بیٹھ گئی۔ اماں نے جویا کے دو جملوں سے ہی تاڑ لیا کہ وہ اپنے دل پر کسی نئی شکایت حکایت کا بوجھ لے کر آئی تھی۔ اُن کے انداز کی تصدیق ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔
''پچھلی مرتبہ تنخواہ ملنے کے بعد انہوں نے مجھے شاپنگ کروا دی تھی تو ان کی ماں کا منہ کافی دن تک پھولا رہا تھا۔ اس مرتبہ پہلے تو بڑھیا نے پوری تنخواہ چپ چاپ رکھ لی پھر آج صبح آدھی انہیں دے دی، آدھی اپنے پاس رکھ لی۔''
''بڑی مکار بڑھیا ہے۔''
''بہت ہی مکار اماں۔''
''اور اس بس کی گانٹھ نگہت کا کیا حال ہے؟''
''ہر دوسرے تیسرے دن مردودنی آ جاتی ہے۔''
''میاں اور بچوں کے ساتھ؟''
''جی ہاں..... اس کا بس چلے تو بچوں کو تو چوبیس گھنٹے یہیں ڈال کر رکھے۔''
''کمبخت کہیں کی۔'' اماں نے منہ بنا کر کہا پھر بولیں۔ ''اوروں کا کیا حال ہے؟''
''وہ سب سے چھوٹی جو ہے وہ تو ہر وقت ننھی چوزہ بنی رہتی ہے۔''
''اے وہ کمبخت موٹی بھدرو!''
''جی ہاں..... ابھی اٹھارویں سال میں ہیں وہ۔'' جویا کے لہجے میں استہزا تھا۔
''اور یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہیں..... کیا چسنی منہ میں دبائے اسکول میں پہنچ گئی تھیں؟''

''اماں جان فرماتی ہیں، تیرہویں سال میں میٹرک کرلیا تھا میری لاڈو نے۔''

''افوہ!'' اماں نے کہا۔ ''اور وہ تمہاری طلاقن نند کا کیا حال ہے؟''

''مدحت کا؟''

''ہاں، وہی تو ایک طلاقن ہے۔''

''ہونی تو چاہئیں تھیں دو۔'' جویا ناک چڑھا کر بولی۔ ''عصمت کو اگر بدھو قسم کا میاں نہ مل گیا ہوتا تو وہ بھی آج گھر بیٹھی ہوتی۔''

''میں تو کہتی ہوں، اللہ کرے بدھو بھی دے ڈالے کمبخت کو طلاق۔''

''مشکل لگتا ہے۔''

''اچھا! کیوں؟''

''شوہر نرا زن مرید ہے...... دوسرے بڑھیا بہت چالاک ہے۔ داماد کو مکھن لگاتی رہتی ہے۔ بیٹا بیٹا کرکے پچکارے جاتی ہے۔''

''اچھا!''

''اور کیا...... بڑھیا نے بڈھے کو بھی اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ ہاتھ باندھے بیگم صاحب، بیگم صاحب کرتا رہتا ہے...... داماد کو بھی قابو کر رکھا ہے اور بیٹوں کو بھی شکنجے میں کس رکھا ہے۔''

''اے بی تم اپنے والے کو تو نکالو۔''

''کوشش کر تو رہی ہوں۔''

''جہاز والے کی کچھ خیر خبر ہے؟''

''اگلے مہینے کے آخر تک واپسی ہے۔''

''کچھ اشارہ کنایہ؟''

''کچھ نہیں۔''

''اور سب سے چھوٹا۔''

''ارے وہ چھٹسی تو آج کل کتابی کیڑا بنا ہوا ہے۔ امتحان ہونے والے ہیں اس کے۔''

''اے لو، وہ طلاق کی خیر خبر تو درمیان میں رہ گئی۔''

''ارے، اماں بغیر کسی وجہ کے طلاق تھوڑی دی ہوگی میاں نے......''

''یہ لوگ کیا بتاتے ہیں؟''

''کہتے ہیں، میاں ظالم تھا، مارتا پیٹتا تھا۔ گالم گلوچ کرتا تھا، پڑھا لکھا جاہل تھا۔''

''بات کچھ اور ہوگی۔''

''ہاں...... خیر کب تک چھپے گی، ایک نہ ایک دن کھل جائے گی۔''

''اپنے یقین میاں کا کیا حال ہے؟''

''ویسے تو ٹھیک ہیں لیکن اماں جان کے بڑے تابعدار ہیں۔''

''بس!''

''اماں، اس بس کے آگے میں ایسی بے بس ہو جاتی ہوں کہ کیا بتاؤں۔''

''ارے وتم فکر ہی نہ کرو۔ یقین تمہارے پاؤں دھو دھو کر نہ پیئے تو میرا نام بدل دینا۔''

''واقعی!''

''تم دیکھتی رہو۔''

جویا نے کچھ بے یقینی، کچھ بھروسے کے ساتھ اماں کو دیکھا۔

''اور سناؤ۔'' اماں بولیں۔

زویا جو اب تک بہت خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھی، جویا کے کپڑوں کو توصیفی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''بجو! بہت پیارا کلر پہن رکھا ہے آپ نے!''

''تمہارے دولہا بھائی کی چوائس ہے۔''

''بہت اچھی چوائس ہے۔''

''وہاں بھی سب نے بہت پسند کیا بلکہ نزہت تو کہہ رہی تھی، ایک روز یونیورسٹی پہن کر جاؤں گی۔''

''اے، وہ موئی بھدو...... اس کے آئے گا بھلا!''

جویا جز بز پڑی اور بولی۔ ''اب نیا اُسے کون سمجھائے۔''

''ہرگز مت پہننے دینا ورنہ سلائی کے پاس سے مسک جائے گا۔''

''کسی قیمت پر نہیں دوں گی۔''

زویا نے بہن کو گہری نگاہوں سے دیکھا۔ اُسے اپنے ذہن میں ہوتی گڑبڑ پر قابو پانا مشکل معلوم ہونے لگا۔

''ایک بات پوچھوں بجو؟'' زویا نے کہا۔

''ہاں۔''

''کیا...... یہ سب...... انہی لوگوں کی باتیں ہیں...... جن کے بارے میں آپ شروع شروع کہا کرتی تھیں کہ بہت اچھے لوگ ہیں۔''

جویا نے سٹپٹا کر زویا کی طرف دیکھا۔

''تو چپکی رہ زویا۔'' اماں نے زویا کو گھرکا۔

اماں کے ڈانٹنے پر زویا خفیف ہوگئی۔

''بولنے دیں اماں۔'' جویا بولی پھر اس نے زویا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ ''ہاں، وہی لوگ ہیں۔''

''اتنی جلدی آپ نے اپنی رائے کیوں بدل دی ان کے بارے میں؟'' زویا نے اماں کو دُزدیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے جویا سے پوچھا۔

''لوگ بدل جائیں تو رائے بھی بدل جاتی ہے۔'' جویا نے کہا۔

"اتنی جلدی بدل گئے!" زویا کے لہجے میں اشتباہ تھا۔

"انہوں نے پھر بھی کچھ دیر لگائی۔ اُن سے بھی جلدی بدل جاتے ہیں لوگ۔" اماں نے کہا۔

"لیکن کیوں؟"

"کیونکہ ان کے چہروں پر پڑی ہوئی نقابیں اُتر جاتی ہیں۔" جویا بولی۔

"پھر تو شادی بڑا خوفناک تجربہ ہے۔" زویا نے جھرجھری لی۔

"نہیں..... اتنا خوفناک بھی نہیں..... ساس نندوں کا جنجال نہ ہو تو ٹھیک ٹھاک ہے۔" جویا نے کہا۔

زویا زیر لب مسکرادی اور اماں کو اُس کی مسکراہٹ سے پھر کھٹکا ہونے لگا۔

"بجو! ساس نندیں تو ہم بھی ہیں کسی کی..... اس کا مطلب ہے، ہم نے بھی نقابیں پہن رکھی ہوں گی۔ بھابی سے پوچھنا پڑے گا کہ ہماری نقابیں اُتریں یا نہیں۔"

"تو چپکی رہ۔" اماں نے پھر اسے ڈانٹا۔

مگر زویا چپکی نہ رہی۔ معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے جویا سے بولی۔ "ایک بات تو بتایئے بجو۔"

"کوئی ڈھنگ کی بات پوچھنا۔" جویا نے مسکرا کر مگر مشکوک نظروں سے اُسے دیکھا۔

"کیا بھابیاں اور بہوئیں بھی نقابیں پہنتی ہیں؟"

اس سے پہلے کہ جویا کچھ کہتی اماں نے کہا۔ "وقت آنے دو، تمہیں خود پتا چل جائے گا۔"

تب ہی باہر گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔

"دیکھو تو زویا، شاید وہ لوگ آ گئے۔" جویا نے کہا۔

زویا باہر لپکی۔

اور جویا کو لمحہ بھر کو یوں لگا جیسے وہ ایک ایسے آئینے کے روبرو کھڑی تھی جو اُس سے کہہ رہا تھا۔ "ہاں..... نقابیں تو تم نے بھی پہن رکھی ہیں۔"

اس ان دیکھے آئینے نے غلط نہیں کہا تھا!

یقین کے گھر میں سب کے سامنے وہ امی کو بڑھیا، ابا کو بڈھا، مدحت بجیا کو طلاقن، نگہت کو دس کی کانٹھ، نزہت کو موٹی بھدو اور ذہین کو چھمکی کہنے کی جرأت کر سکتی تھی بھلا! اور یہ تضاد یکطرفہ نہیں تھا۔

جویا کے میکے سے تقریباً چھ میل پرے اُس کی سسرال میں امی ابا سے شکایتی لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ "خود کو افلاطون کی اولاد سمجھتی ہے۔ پہلے تو اجازت مانگ بھی لیتی تھی، آج تو ہیروئن بنی چلی گئی۔"

"بیگم صاحبہ! زیادہ غصہ مت کیجیے۔ بلڈ پریشر بڑھ جائے گا۔" ابا نے سمجھایا۔

"ارے، اس بے وقتی سے تو میں مر ہی جاؤں تو اچھا۔"

"ابھی سے گھبرا گئیں!" ابا کے لہجے میں موسم گرما کی برسات کا سا سبھاؤ تھا۔

امی نے ابا کی طرف دیکھا۔

"ابھی تو ابتدا ہے بیگم صاحبہ..... پہلی بہو کا تجربہ ہوا ہے آپ کو اور ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں گزرے..... ابھی تو بہت سے امتحان اور بہت سے مقامات آہ و فغاں آئیں گے..... کبھی دھوپ، کبھی چھاؤں کا سلسلہ رہے گا..... تحمل سے..... حوصلے سے کام لیجیے۔"

امی کی آنکھوں میں آنسو ہلکورے لینے لگے۔

ابا مسکرادیے اور امی کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے بولے۔ "آپ تنہا نہیں ہیں..... ہم سب آپ کے ساتھ ہیں..... آپ کی عزت ہماری عزت ہے..... اس گھر کی عزت ہے اور خدانخواستہ آپ کی تضحیک اس گھر کی تضحیک ہے..... آپ اپنا دل میلا نہ کیجیے..... اور اپنے دل کو میری اس بات پر ٹھہرا لیجیے جو میں نے آپ کو سمجھائی تھی۔"

امی نے چونک کر بھیگی آنکھوں سے ابا کو دیکھا اور بولیں۔ "کون سی بات؟"

"دوسروں سے کم سے کم توقعات منسوب کیجیے۔ کم سے کم صدمات جھیلیں گی۔"

"ارے ماسٹر صاحب۔" امی سر جھٹک کر بھیگی ہوئی آواز میں بولیں۔ "آپ کا فلسفہ....."

"چلیے ایک دیوانے آدمی کا فلسفہ سمجھ کر مان لیجیے۔" ابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

امی دکھی اور مضمحل نظر آ رہی تھیں۔

صرف اتنی سی بات پر کہ جویا نے میکے جاتے ہوئے ان سے پہلے کی طرح اجازت کیوں نہیں لی تھی۔ شاید.....

شاید جویا نے اپنی انا کو پس پشت ڈال کر اس روایت کو برقرار رکھا ہوتا تو شکایتوں حکایتوں کی نوبت نہ آتی اور امی اسے دلہن کی بجائے افلاطون کی اولاد اور ہیروئن نہ گردانتیں۔

مگر یہ تو آج کی بات تھی۔

دھوپ چھاؤں کا سلسلہ تو غالباً بہت پہلے اس روز شروع ہو چکا تھا جب ہنی مون سے یقین اور جویا کی واپسی کے پہلے دن نگہت اور افتخار تین ساڑھے تین گھنٹے تک اُن دونوں کا انتظار کرنے کے بعد اُن سے ملے بغیر واپس چلے گئے تھے اور امی نے ان دونوں کی واپسی پر یقین سے کہا تھا۔ "بہت دیر سے لوٹے تم لوگ، نگہت اور افتخار نے کافی دیر تک تم دونوں کا انتظار کیا، آخر نگہت ناراض ہو کر چلی گئیں۔"

ابا امی کو محبت سے دیکھ رہے تھے اور امی کے ذہن میں ان کے دلسوز لفظوں کی بازگشت تھی۔

"ابھی تو بہت سے امتحان اور بہت سے مقامات آہ و فغاں آئیں گے..... کبھی دھوپ، کبھی چھاؤں کا سلسلہ رہے گا۔"

☆=====☆=====☆

جویا کی شادی کو چوتھا مہینہ ختم ہونے کو آ رہا تھا۔ ان چار مہینوں کے درمیان میں اسے میکے میں مندی کے رجحان سے سابقہ پڑا تھا اور سسرال میں بھی تیزی کبھی مندی کا سامنا رہا تھا۔

شادی کے بعد میکے میں ہونے والی خاطر داریوں کا جھاگ بتدریج بیٹھ چکا تھا۔ اب تو اکثر یوں ہوتا کہ اسے اور یقین کو چائے کی پیالی پر ہی ٹرخا دیا جاتا۔ خاطر داری میں مندی کا یہ رجحان شروع میں تو جویا کو یقین کے سامنے کافی خفیف کر دیا کرتا تھا مگر اب وہ اس کی نہ صرف خود عادی ہو گئی تھی بلکہ اس رجحان سے یقین کے دل میں اُنسیت پیدا کرنے کی خاطر اکثر وہ یقین سے کچھ اس قسم کی باتیں کرتی۔

"گھر میں ایک بھیا ہی تو ہیں کمانے والے۔"

یقین کو اپنے گھر کا خیال آتا جہاں کئی کمانے والے تھے، پھر بھی بقول امی کے بس عزت سے گذارا ہو رہا تھا۔

"بے چارے ابا جی تو بوڑھے ہو چکے ہیں۔" جویا بڑی دردمندی سے کہتی۔

"بزرگوں کا سایہ بھی بہت ہوتا ہے۔" یقین کہتا۔

"مہنگائی اتنی ہے کہ ہم جیسے اوسط درجے کے لوگوں کا تو گزارہ مشکل ہو گیا ہے۔"

"واقعی۔" یقین تائید کرتا۔

"ابھی زویا کا فرض بھی ادا کرنا ہے گھر والوں کو۔"

"ان شاء اللہ ہو جائے گا۔" یقین اسے کچھ اس انداز سے تسلی دیتا جیسے کہتا ہو فکر مت کرو، جب موقع آئے گا، میں بھی خاطر خواہ ہاتھ بٹاؤں گا۔

جویا کی اس قسم کی باتیں ایسی کچھ غلط بھی نہ تھیں۔ ابا واقعی بوڑھے ہو چکے تھے۔ بھیا واحد کمانے والے تھے۔ وسائل محدود تھے، دیکھ بھال کر خرچ کرنا پڑتا تھا۔ زویا ابھی بیاہنے کو باقی تھی اور گھر والوں کی تمنا تھی کہ تینوں بڑی بہنوں کی طرح وہ بھی عزت سے اپنے گھر بار کی ہو جائے۔

اپنے میکے کی مجبوریوں سے یقین کو آگاہ کر کے جویا نے اس کے دل میں اپنے میکے کے لیے ہمدردی اور اُنسیت کے جذبات پیدا کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رکھا تھا۔

جویا کے سسرال...... میں کبھی تیزی آ جاتی، کبھی مندی چھا جاتی۔

سسرال والے کبھی تو اسے بے حد محبت کرنے والے محسوس ہوتے، کبھی زہر لگنے لگتے۔

کبھی اپنے معلوم ہوتے، کبھی یکسر اجنبی نظر آنے لگتے۔

ساس کبھی تو اسے اماں کی طرح مشفق اور مہربان لگتیں اور بڑی سے بڑی بات کو مسکرا کر پی جاتیں لیکن کبھی بہت چھوٹی سی بات پر بری طرح بگڑ جاتیں۔

مدحت بجیا کسی وقت تو سارہ آپا کی طرح پیاری اور ہمدرد محسوس ہوتیں، اس کے ساتھ جی کھول کر قہقہے لگاتیں۔ کبھی خلاف طبیعت کسی چھوٹی سی بات پر انہیں کئی کئی دن کی چپ سی لگ جاتی۔

نزہہ... کبھی تو پاؤں تک دھونے کو تیار نظر آتی، کبھی بالشت بھر کے فاصلے پر ہوتے ہوئے

بھی یکسر اجنبی دکھائی دیتی۔

ذہین کبھی تو گلے کا ہار بن جاتا، کبھی اس کے رویے میں قدرے سرد مہری آ جاتی۔

نگہت اول دن سے آج تک اسے بری لگتی چلی آ رہی تھی۔

گھر بھر میں بس ایک ابا تھے جو ہمیشہ اپنے سے لگتے۔ ان کے رویے میں پہاڑی جھرنوں کا سا سبھاؤ تھا۔

جہاں تک یقین کا تعلق تھا تو اسے تو وہ بلا شرکت غیرے اپنا سمجھتی تھی اور اسی لیے جب بھی وہ اسے چھوڑ کر امی، ابا اور بھائی بہنوں میں جا بیٹھتا تو اسے سخت کوفت ہونے لگتی۔ امی کے سامنے یقین کا تابعدارانہ طرز عمل دیکھ کر وہ جلنے لگتی اور دل ہی دل میں تمنا کرتی کہ کاش، ماں بیٹے میں ہمیشہ اسی طرح ٹھنی رہے، جیسے پہلی مرتبہ یقین کے تنخواہ خرچ کر دینے پر کچھ دن ٹھنی رہی تھی۔

کتنی خوش رہی تھی وہ ان دنوں!

اور کتنی ناخوش ہوئی تھی، وہ ان دونوں کے مابین صلح ہو جانے پر!

اب بھی جب جب وہ یقین کو امی کے پاس بیٹھے دیکھتی، بظاہر اُس کی کیفیت جو بھی ہوتی، اندر جوالا مکھی پک رہا ہوتا۔

چنانچہ اُس روز جب اماں نے کہا، تم فکر ہی نہ کرو، یقین تمہارے پاؤں دھو کر نہ پئے تو میرا نام بدل دینا تو اُسے یک گونہ استعجاب نے آ لیا۔

"واقعی؟" اس نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔

"تم دیکھتی رہو۔"

جویا کے لیے انتظار محال ہو گیا۔

اگلی بار میکے گئی تو اُس نے تخلیہ میسر آتے ہی اماں سے بیتابانہ پوچھا "اماں، آپ یقین کو بڑی بی کے شکنجے سے نکالنے کی کوئی تدبیر بتانے والی تھیں۔"

"ہاں، ہاں۔" اماں نے کہا پھر سرگوشی میں بولیں۔ "پیر صاحب سے شکر پڑھوا کر منگوائی ہے میں نے۔"

"پیر صاحب! پیر صاحب کون اماں؟"

"بہت پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔"

"آپ کیسے جانتی ہیں انہیں؟"

"اوں ہوں۔" اماں نے برا سا منہ بنایا پھر بولیں۔ "تمہیں آم کھانے سے مطلب ہے، پیڑ گننے سے فائدہ؟"

"نہیں...... میں تو بس یونہی پوچھ رہی تھی۔" جویا خفیف ہو کر بولی۔

اماں نے اسے خفیف ہوتے دیکھا تو بولیں۔ "ارے بھئی، پچھلی گلی میں جو علی گڑھ والی آپا رہتی ہیں، وہ پیر صاحب کی مرید ہیں۔ علی گڑھ والی آپا کی بیٹی کو اس کی سسرال والوں نے

بہت تنگ کر رکھا تھا۔ پیر صاحب نے ایسا عمل دکھایا کہ پندرہ دن میں سب چٹ پٹ ہو گئیں۔ نندوں کی زبانوں کو تالا لگ گیا۔ میاں ان کی بیٹی کا غلام بن گیا۔"

"ہیں!"

"ہاں ہاں۔" اماں بولیں۔ "تمہارا مسئلہ لے کر علی گڑھ والی آپا کے ساتھ میں خود گئی تھی پیر صاحب کے پاس۔"

"اچھا۔"

"ہاں۔"

"کیا کہا، انہوں نے؟" جویا کے لہجے میں یک گونہ بے تابی تھی۔

"انہوں نے شکر پڑھ کر دی ہے پلاسٹک کی تھیلی میں لپٹی ہوئی میرے کمرے میں الماری کی پہلی دراز میں رکھی ہے، جاتے ہوئے لے لینا اور رات کو سونے سے پہلے ایک پیالی دودھ میں ایک چٹکی شکر گھول کر یقین کو پلا دینا۔ مسلسل چالیس دن تک عمل کرنا ہوگا۔ پیر صاحب کہہ رہے تھے، جادو اثر شکر ہے۔"

"آپ نے پیر صاحب سے کیا کہا تھا؟"

"بھئی، کہنا کیا تھا، یہی کہا تھا کہ کوئی ایسی چیز دیں کہ میاں فقط بیوی کا ہو رہے۔ اماں بہنوں کا مرید نہ رہے۔"

"اللہ اماں، آپ کتنی اچھی ہیں۔ میرا تو جی چاہ رہا ہے کہ ایک پیالی میں تو انہیں ابھی گھول کر پلا دوں...... اچھا اماں، دودھ میں گھول کر پلانا ضروری ہے کیا؟"

"نہیں...... چائے میں بھی دے سکتی ہو۔"

"رات ہی کو دینے کی شرط ہے۔"

"شرط ہی ہوگی، جبھی تو رات کو دینے کو کہا ہے۔"

"اماں، آپ نے یہ بھی بتایا ہوتا پیر صاحب کو کہ ایک نند بہت خبیث ہے۔"

"بھئی، رش بہت تھا۔ جتنی بات ان کو بتائی، وہ بھی انہوں نے بڑی مشکلوں سے سنی...... خیر اب کی بار جاؤں گی تو بتا دوں گی۔ تم اللہ کا نام لے کر یقین میاں کو شکر دینا شروع کر دو۔"

"آج ہی سے شروع کرتی ہوں اماں۔"

"اتنا رش تھا، پیر صاحب کی چوکھٹ تک پہ عورتیں جمی ہوئی تھیں۔"

"عورتوں سے آپ نے پوچھا ہوتا کہ کچھ اثر ہوتا ہے۔"

"بھئی ہوتا ہوگا، جبھی تو اتنا رش تھا۔ علی گڑھ والی آپا بتا رہی تھیں کہ دوسرے شہروں سے بھی لوگ آتے ہیں ان کے پاس۔"

"اچھا"

"اچھا، دیکھو جو شکر لے کر جاؤ گی، اسے ذرا احتیاط سے رکھنا۔ ایک تو اس کی بے ادبی نہ ہونے پائے، دوسرے یہ کسی کی نظروں میں نہ آئے۔"

"آپ فکر ہی نہ کریں اماں، اسے لاکر میں رکھوں گی۔ ہر روز بس ایک چٹکی شکر نکال لیا کروں گی۔ چالیس دن کی تو بات ہوگی۔"

"اور اگر تمہیں لاکر میں سے نکالتے رکھتے کسی نے دیکھ تو لیا!"

"آپ اطمینان رکھیں، میں دن میں کسی وقت ایک چٹکی شکر نکال کر رکھ لیا کروں گی اور رات کو دودھ میں گھول کر دے دیا کروں گی۔"

"بس ذرا احتیاط سے۔"

"فکر مت کریں۔" جویا نے اماں کو اطمینان دلایا پھر بولی۔ "اماں، ایسے پہنچے ہوئے بزرگ سے تو آپ زہرا باجی کی سسرال کے لیے بھی ضرور کچھ کرائیے۔"

"ارے۔" اماں نے ایک سرد آہ کھینچی۔ "زہرا بے چاری کا روگ تو ہو گیا پرانا، تمہاری ابھی شروعات ہے۔ روگ کو شروع میں ہی پکڑ لیا جائے تو اچھا ہے، پھیلنے نہیں پاتا۔"

"روگ پرانا ہو جائے تو کیا اس کا علاج نہیں کرایا جاتا؟"

"میرا یہ مطلب نہیں۔ نسخہ ذرا مہنگا ہے۔ پہلے تمہیں فائدہ ہو لے تو پھر زہرا کے لیے بھی کچھ کریں گے۔"

"نسخہ مہنگا ہے! کیا مطلب؟"

"بھئی، پیر صاحب کے دربار میں پہلی مرتبہ جاؤ تو ایک سالم بکرا یا اس کی قیمت نذر کرنی پڑتی ہے اور بکرا بھی پہاڑی یا جنگلی نہیں دیسی۔"

"اچھا!"

"اور کیا۔"

"پھر تو واقعی مہنگا نسخہ ہوا۔" جویا نے اپنا بیگ کھولا اور اماں کا حساب چکانے کے درپے ہوئی۔ "کتنے پیسے نذر کیے تھے اماں؟"

"کیوں؟"

"آپ کو پیسے جو دینے ہیں مجھے۔"

"معلوم ہے، کھاتے پیتے گھر کی ہو۔ مگر میکا بھی ایسا گیا گزرا نہیں کہ بارہ سو روپے نہ دے سکے۔" اماں برا مان گئیں۔

"بارہ سو!" جویا نے آنکھیں پھاڑیں۔

"بھئی، گوشت پوست کے جیتے جاگتے بکرے کی قیمت نذر کرنی تھی۔ کاغذی بکرے کی نہیں۔ دیسی بکرا بارہ پندرہ سو سے تو کیا کم آئے گا۔"

"چلیں خیر۔" جویا نے بیگ سے بارہ سو روپے نکال کر اماں کی مٹھی میں دبانے کی کوشش کی مگر اماں یوں اُچھلیں جیسے بجلی کا کرنٹ لگ گیا ہو۔ "خبردار۔" اماں نے تنبیہ کی۔

"اماں، پلیز رکھ لیں۔"

"ہرگز نہیں۔"

"پلیز۔"

"توبہ کرو، کسی قیمت پر نہ رکھوں گی۔"

تب ہی زویا چائے کے ساتھ گرم گرم حلوہ لیے آ پہنچی اور جویا کی مٹھی میں دبے سرخ اور سبز نوٹوں کی جھلک دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولی۔ "ارے بجو، کیوں اصرار کرتی ہیں۔ اماں نہیں لے رہیں تو نہ سہی، نوٹ لینے کو ہم بہت۔" اماں نے اسے گھورا۔

زویا کان دبا کر مسکرانے لگی۔

"اماں، پلیز رکھ لیں نا۔" جویا نے اصرار کیا۔

"نہ..... ہرگز نہیں۔"

"بجو! یہ آج یقین بھائی آپ کو چھوڑ کر کدھر نکل لیے؟" زویا نے جویا سے پوچھا۔

"بھئی، وہ کوئی ماڈل گرل ہے جس نے اُن کی ایجنسی کے کئی اشتہاروں میں پرفارم کیا ہے۔ اُس نے آج ان سب لوگوں کو شام کی چائے پر بلایا ہے وہیں گئے ہیں۔"

"ارے! جبھی اس قدر بن ٹھن کر گئے ہیں۔"

"وہ ہمیشہ ہی بنے ٹھنے رہتے ہیں۔"

"مگر جناب، آج کچھ زیادہ ہی بنے ٹھنے تھے..... ذرا خیال رکھا کیجیے؟"

"ورغلانے کی کوشش کر رہی ہو مجھے..... ہیں۔" جویا نے چائے کی پیالی منہ سے لگاتے ہوئے اسے گھورا۔

"اماں چینی ختم ہو گئی ہے۔" زویا نے اطلاعاً کہا۔

"ابا نماز پڑھنے جائیں تو انہیں یاد دلا دینا کہ چینی لیتے آئیں۔"

"اماں، کس کے ابا؟" زویا شوخی سے مسکرائی۔

اماں ایک پل کو تو خفیف ہو گئیں پھر بگڑ کر بولیں۔ "تیرے ابا اور کس کے؟"

"زویا حلوہ بہت مزیدار بنا ہے۔" جویا نے کہا۔

"تھینک یو..... تھینک یو۔"

"کس نے بنایا ہے؟" اماں نے پوچھا۔

"میں نے بھی تو بجو سے تعریف سن کر شکریہ ادا کیا ہے۔"

"بھابی جان کہاں ہیں ذرا دیر کو نظر آئی تھیں بس۔"

"اپنے کمرے میں ہیں۔" زویا نے بتایا۔

"منے کے بعد سے دلہن زیادہ تر اپنے کمرے میں رہنے لگی ہے۔"

"منے کو جو سنبھالنا ہوتا ہو گا۔"

"منے کو کوئی انوکھا تو نہیں سنبھالنا ہوتا..... چھ بچے اپنے ہم نے بھی پالے ہیں۔ اور بچے پالنے کے لیے یوں کمروں میں بند رہے ہوتے تو گھر چوپٹ نہ ہو جاتا۔"

"اماں، آپ خود ہی تو کہا کرتی ہیں کہ بچے والی ماں سے یا تو بچہ پلوا لو یا گھرداری کروا

لو۔" زویا نے لقمہ دیا۔

"تُو چپکی رہ۔"

جویا مسکرا دی۔

زویا کے چہرے پر ایک لمحے کو خفت لہرائی، پھر وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "زہے نصیب، اماں آج تو آپ نے بندی کو بہت دیر بعد چپکی ہو جانے کی تنبیہ کی۔"

"تُو اپنی للو بند کرتی ہے یا اٹھاؤں جوتی۔" اماں تخت کے نیچے دھری جوتی اُٹھانے کو سچ مچ جھک گئیں۔

"معافی۔" زویا ہاتھ جوڑتے ہوئے مسکرائی۔

"جا، اپنے ابا سے چینی لانے کو کہہ دے، کہیں وہ اذان سے پہلے ہی گھر سے نکل جائیں۔" اماں نے اسے گھورا۔

"اوکے میام۔" زویا کی مسکراہٹ گہری پڑی۔

"کیا! کیا بکا تُو نے؟"

"اماں! یہ آپ کو میڈم کہہ رہی ہے۔" جویا نے خواہرانہ محبت سے زویا کو دیکھتے ہوئے اماں سے کہا۔

"ہاں بھئی، کیوں نہ کہیں گی بھلا..... انگریزی زمانے کی پیداوار ہیں۔"

زویا مسکراتے ہوئے آگے بڑھی اور بڑے پیار سے اماں کے گلے میں اپنی باہیں حمائل کرتے ہوئے بولی۔ "اماں..... ڈارلنگ اماں..... میری سویٹ اماں۔"

"چل ہٹ۔" اماں نے اُسے پرے کرنے کی کوشش کی تو اُس نے جھٹ اماں کے دونوں گال یکے بعد دیگرے چوم ڈالے۔

"اُونہوں۔" اماں نے اپنے دونوں گالوں کو ننگی ہتھیلیوں سے پونچھتے ہوئے برا منہ بنایا۔ پھر زویا کو خشونت سے دیکھتے ہوئے بولیں۔ "یہ انگریزی فلموں کی سی چوما چاٹی مجھے زہر لگتی ہے کہ اِدھر سے بیٹی آئی تو ابا نے اُسے پیار کر لیا۔ اُدھر سے جوان بیٹا آیا تو اماں نے اسے چوم لیا اور اِدھر سے....." اماں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"دیکھو بجو!" زویا نے جویا کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "ہماری اماں انگریزی فلمیں کتنے غور سے دیکھتی ہیں۔"

"کیا!" اماں نے زویا کو پھر گھورا۔

"سوری۔" زویا کان دباتے ہوئے مسکرائی۔

"توبہ..... توبہ..... نہ رشتوں کا لحاظ، نہ ادب نہ قرینہ۔" اماں نے اپنے گالوں کو دونوں ہاتھوں سے زور زور سے رگڑتے ہوئے زویا کو تنبیہی تیوروں سے دیکھا اور بولیں۔ "خبردار جو آئندہ تُو نے یہ حرکت کی۔"

"اماں پیار ہی تو کیا ہے میں نے۔"

"میں نے کہا نا، مجھے نہیں بھاتیں، یہ انگریزوں کی سی حرکتیں۔"

"ارے اماں، جوشِ محبت میں ایسا ہو جاتا ہے، کبھی کبھی۔"

"بس، میں نے کہہ دیا۔ میرے ساتھ کبھی نہ ہو..... ارے بھئی، ہمیں بھی اپنی ماں اللہ بخشے، بہت پیاری لگا کرتی تھیں۔ بس دل ہی دل میں پیار آتا تھا ہمیں اور نظروں ہی نظروں سے چوما کرتے تھے ہم انہیں، مجال ہے کہ کبھی ہم نے اپنی اماں کے گلے میں لٹکنے یا چٹ سے اُن کا گال چوم لینے کی کوشش کی ہو۔ ساری زندگی ہم انہیں دور دور سے ہی دیکھ کر ان سے محبت کرتے رہے۔"

"ارے اماں، وہ زمانہ اور تھا۔ اب زمانہ اور ہے۔ مشینی دور ہے محبت بھی کہتی ہے، دیر مت کرو۔ جلدی سے اماں کو پیار کرو اور....."

"اور ابا سے جا کر کہو کہ چینی ختم ہو گئی ہے، نماز کے بعد مسجد سے واپسی پر چینی لیتے آئیں۔" جویا نے انتہائی سرعت سے زویا کی بات اُچک کر ایسی پُرلطف گرہ لگائی کہ زویا بے ساختہ قہقہہ مار کر ہنس دی اور اس کی ہنسی میں خود جویا کی ہنسی کی آواز بھی شامل ہو گئی۔ اماں بھی مسکرانے پر مجبور ہو گئیں۔

"چینی کم تھی گھر میں تو تم نے حلوہ کیوں بنایا؟" جویا نے زویا سے کہا۔

"جناب، چینی کے ڈبے میں تو بس اس وقت کی چائے جتنی چینی پڑی تھی۔ حلوہ میں نے سمجھیے، مفت میں بنایا ہے۔"

"مفت میں! کیا مطلب؟"

"اماں کی الماری کی دراز میں نہ جانے کب کی چینی بندھی پڑی تھی ایک تھیلی میں۔ میں نے اُس سے حلوہ بنا لیا۔"

"کیا!" جویا نے آنکھیں پھاڑ کر صدمے کی کیفیت میں اماں کی طرف دیکھا۔

"تم نے..... اس کا شکر کا..... حلوہ بنا لیا؟" جویا نے گھٹی گھٹی آواز میں پوچھا۔

"ہاں۔" زویا بڑے آرام سے بولی۔ "مگر اس میں اس قدر پریشانی کی کیا بات؟"

"اوہ! زویا..... تم..... تمہیں..... حلوہ نہیں بنانا چاہیے تھا..... اس شکر کا۔"

"کیوں؟"

دفعتاً اماں نے زویا کی پشت پر زور کا دو ہتڑ مارا اور بولیں۔ "کمبخت..... جاسوس....."

زویا جو اس اچانک حملے کے لیے تیار نہ تھی، گھبرا کر اماں کے رخ پلٹی۔

"ٹھسی کیوں تھی، میری الماری میں؟"

"آپ کے دونوں دوپٹوں میں کلف لگانے کے لیے دوپٹے نکالنے تھے۔"

"اری تو دوپٹے نکال لیتی..... الماری میں کیوں گھسی تُو؟"

"کوئی نئی بات تو نہیں تھی اماں۔"

"بدنصیب تُو نے میری اجازت کے بغیر شکر کی تھیلیا نکالی کیوں؟"

"اماں، اتنی سی تو شکر تھی، آپ اتنی خفا کیوں ہو رہی ہیں۔"

"کمبخت..... ترکی بہ ترکی مت بول..... تجھے کیا پتا کہ اتنی سی شکر کتنی مہنگی تھی..... بارہ سو روپے کی تھی، وہ اتنی سی شکر۔"

"بارہ سو روپے کی!" زویا کا منہ حیرت سے کھلا کر کھلا رہ گیا۔

"ہاں۔"

"اماں، وہ شکر تھی یا....." زویا نے جویا کی طرف دیکھا جو شدید صدمے کی کیفیت سے دوچار نظر آتی تھی۔ شاید اس کا بس چلتا تو وہ رو پڑتی۔

"آپ کو کیا ہوا ہجو۔"

"کچھ نہیں۔"

"کچھ تو ہے۔"

زویا کے لیے اماں اور جویا دونوں کے تاثرات خاصے معنی خیز تھے۔

"پلیز بتایئے نا۔" زویا نے جویا سے پوچھا۔

جویا نے زویا کی طرف دیکھا اور دھیمی آواز میں بولی۔ "تم نہیں جانتیں زویا کہ تم نے کتنا نقصان کر دیا ہے۔"

"میں واقعی نہیں جانتی۔" زویا کچھ سمجھنے سے قاصر دکھائی دیتی تھی۔

"تم دل چھوٹا مت کرو۔" اماں نے جویا کو تسلی دینے والے انداز میں کہا۔ "میں اور لے آؤں گی۔"

"لیکن اب کی بار ایک شرط پر۔" جویا نے اماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیسی شرط؟"

"پیسے آپ مجھ سے لیں گی۔"

"چلو جیسے تمہاری خوشی۔"

جویا نے اپنا بیگ کھول کر لال لال ہرے نوٹ گن کر نکالے اور اماں کی طرف بڑھا دیے۔

زویا کی کیفیت ایسی تھی، جیسے حقیقی زندگی میں اُس نے اس سے پہلے ایسا پُرتجسس منظر کبھی نہ دیکھا ہو۔

"ہجو، کچھ تو بتائیں۔" اس نے جویا سے لجاجت سے کہا۔

جویا نے مدد طلب نگاہوں سے اماں کو دیکھا اور اماں نے اسے نگاہوں ہی نگاہوں میں کچھ نہ بتانے کی تلقین کرتے ہوئے زویا کو ڈانٹا۔ "چلی رہ زویا اور جا، ابا سے جا کر کہہ چینی لیتے آئیں۔"

زویا کے جانے کے بعد اماں نے جویا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "دیکھ لیا، کیسا نقصان کیا ہے زویا نے۔"

"اب کیا ہو سکتا ہے اماں۔"

''بھئی، کوئی چیز اپنی جگہ سے بے جگہ ملے تو پوچھ تو لینا چاہیے انسان کو کہ فلاں چیز بے جگہ کیوں رکھی ہے۔''

''چلیے خیر..... مگر اماں دیر مت کیجیے گا...... ایک آدھ روز میں چلی ضرور جایئے گا پیر صاحب کے پاس۔'' جویا نے لجاجت سے کہا۔

''کوئی بات نہیں، کل نہ سہی پرسوں سہی۔''

''ہاں، پرسوں اسکول سے واپسی پر میں یہاں سے ہوتی چلی جاؤں گی۔''

''یہ ٹھیک ہے۔''

''پیر صاحب کی دم کی ہوئی شکر کے زویا کے ہاتھوں دردناک انجام کے بعد اماں زویا کو اس کی حماقت پر دل ہی دل میں برا کہتی دوبارہ پیر صاحب کے ہاں گئیں تو معلوم ہوا کہ وہ چلے میں بیٹھے ہوئے ہیں اور چالیس دن تک کسی کو اُن سے ملنے کی اجازت نہیں۔

اماں بے نیل ومرام واپس لوٹیں۔

سہ پہر کو جویا نے فون کیا اور اماں نے اسے صورت حال سے آگاہ کیا تو وہ سخت مایوس ہوئی۔

''اب کیا ہوگا اماں؟''

''اب پیر صاحب کے چلے سے نکلنے کا انتظار کرنا ہوگا۔''

''زویا نے بہت ہی بیوقوفی کی۔''

''ایسی ویسی۔''

جویا خاموش رہی۔

''کل گھر آؤ گی؟'' اماں نے پوچھا۔

''کیا کروں گی آکر۔''

''کب آؤ گی؟'' اماں نے بہت پیار سے پوچھا۔

''بس اب جمعے ہی کو آئیں گے۔''

دن گزرنے کے ساتھ ساتھ جویا کی میکے میں آمدورفت بتدریج کم ہوتی چلی گئی تھی۔ شادی کے ابتدائی دنوں میں تو تقریباً روزانہ ہی آنا جانا رہا تھا۔ شام کو دونوں کشاں کشاں وہاں جا پہنچتے تھے۔ پھر اس معمول میں گاہے گاہے ناغہ ہونے لگا۔ کبھی یقین تھکا دے جاتا، کبھی کوئی اور وجہ ہوتی۔ یقین دفتر جانے لگا تو دوسرے تیسرے دن کا معمول بھی برقرار نہ رہ سکا۔ دو چار مرتبہ یوں بھی ہوا کہ دونوں جانے کو تیار ہوئے مگر گاڑی کی ضرورت کسی اور کو پڑ گئی یا امی کی دبی دبی ناگواری تاڑ کر یقین نے اُسے آہستہ سے سمجھا دیا کہ امی کا موڈ ٹھیک نہیں ہے، آج نہیں کل چلیں گے۔ جویا نے اسکول جانا شروع کیا تو ہفتے میں ایک دو مرتبہ پر نوبت آگئی۔ ہفتہ واری چھٹی والے دن تو جانا لازم ہی تھا۔ باقی دنوں میں بھی ایک آدھ پھیرا لگ جاتا تھا۔ کبھی یقین اسے لے جاتا۔ کبھی وہ اسکول سے واپسی پر میکے چلی جاتی۔ یقین شام کو دفتر سے واپسی پر اسے لیتا ہوا گھر جاتا۔

ہفتہ واری تعطیل کے علاوہ کوئی اور عام تعطیل آجاتی تو بھی جویا کی کوشش یہی ہوتی کہ چھٹی کا دن سسرال میں گزارنے کے بجائے میکے میں گزارے۔ تعطیل والے دن عموماً سارہ آپا بھی بچوں کے ساتھ آئی ہوتی تھیں۔ زہرا باجی بے چاری کو اس سلسلے میں سسرال کی طرف سے زیادہ آزادی نہ تھی۔ وہ بہت کم میکے آپاتی تھیں۔ گو جویا پر اس ضمن میں سسرال کی طرف سے کوئی پابندی نہ تھی۔ تاہم اس کے لیے یہ اندازہ کرنا بھی محال نہ تھا کہ امی بہت زیادہ اس کے میکے آنے جانے یا میکے میں رہنے کو پسند نہ کرتی تھیں۔ اب یہ اور بات تھی کہ اپنے رکھ رکھاؤ کے باعث وہ زبان سے روکا ٹوکی کرنے کی بجائے اشاروں کنایوں میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتی تھیں، جیسے ایک روز اُنہوں نے کہا تھا۔

''شادی کے بعد لڑکی کو میکے کا زیادہ ہُڑکا نہیں ہونا چاہیے۔''

جویا سمجھ گئی تھی کہ اُسی کو سنایا جا رہا تھا۔

امی کا یہ طریقہ بھی خوب تھا کہ جب انہیں جویا کو کوئی نصیحت کرنی ہوتی یا کوئی بات سمجھانی ہوتی تو وہ براہِ راست ہدایت اور نصیحت کی بجائے اشاروں کنایوں سے کام لیتی تھیں بلکہ کبھی کبھی تو وہ اور مدحت بجیا اکٹھی اس مشن پر ہوتیں! کبھی نگہت کے پیٹھ پیچھے رکھ کر کوئی بات سنائی جاتی۔ کبھی نزہت پر روکا ٹوکی کرتے ہوئے کوئی تنبیہ کی جاتی۔

کبھی کسی اور پر دھر کر کوئی نصیحت، کوئی ہدایت اس کے کان میں ڈالنے کی کوشش کی جاتی۔

مدحت بجیا کبھی یونیورسٹی سے، کبھی اِدھر اُدھر سے نہ جانے کس کس کے سبق آموز اور عبرت انگیز قصے سمیٹ کر لاتیں اور اکثر ایسے موقعوں پر امی کو سناتیں، جب جویا بھی آس پاس ہی کہیں موجود ہوتی۔

کسی روز مدحت بجیا کبھی ظالم شوہر کے بیوی پر ظلم کے قصے سناتیں۔

کبھی بڑی دل سوزی سے، کسی عورت پر اس کی ساس نندوں کی زیادتیوں کا روح فرسا احوال سناتیں۔

کبھی اپنی بیوقوفی سے اپنا گھر اُجاڑ لینے والی کسی عاقبت نااندیش عورت کی پے در پے حماقتوں کی عبرت آموز داستان سناتیں۔

کبھی حالات کے ہاتھوں اُجڑ جانے والی کسی عورت کی بے کسی اور بے بسی کی رقت انگیز داستان سنا کر امی کو ٹھنڈی سانسیں کھینچنے پر مجبور کر دیتیں۔

اور کبھی کسی ناخلف اور ناہنجار قسم کی سرکش عورت کی بدتمیزیوں کا احوال سنا کر امی کو اُس پر لعنت ملامت کرنے کی ترغیب دیتیں۔

بجیا اس قسم کے قصے خواہ کسی بھی نیت اور مقصد کے تحت سناتی ہوں، ان کا انداز قصہ گوئی جویا کو مجبور کرتا کہ وہ تسلیم کرلے کہ

وہ اس دنیا کی خوش قسمت ترین عورت تھی جو ایسے شریف، معصوم اور بے ضرر گھرانے کی بہو بننے کا اعزاز حاصل کر پائی تھی جہاں ہر شخص بے بال و پر کا فرشتہ تھا، ماسوا نگہت کے جو دل کی بُری نہ تھی، بس تھوڑی سی بیوقوف اور سادہ تھی!

اس گھر سے باہر دنیا میں ہر سمت آگ سی لگی ہوئی تھی۔

اس کے سوا ہر عورت پر کچھ نہ کچھ ظلم ضرور ہو رہا تھا۔

یقین سے اچھا شوہر اس سے پہلے دنیا کی کسی عورت کو نہ مل پایا تھا۔

یقین کی اماں بہنوں کے علاوہ ہر ساس نکیلے دانتوں والی ظالم جادوگرنی اور ہر نند چھچھل پیری تھی۔

مدحت بجیا کی قصہ گوئی کے دوران جویا اپنے چہرے کے سپاٹ تاثرات سے عدم دلچسپی ظاہر کرتی اور بالعموم اس وقت جائے واردات سے اِدھر اُدھر ہو جاتی، جب قصہ اپنے عروج پر ہوتا اور ایسا کرنے کے بعد اسے ایک انوکھی طمانیت اور اَن کہی تسکین محسوس ہوتی۔ اسے یوں لگتا جیسے یک جنبش قدم وہ قصہ سنانے اور سننے والیوں کو رد کر آئی تھی۔

☆=====☆=====☆

نزہت کے لیے اگر مناسب رشتہ مل گیا ہوتا تو یقین کا ولیمہ اس کی رخصتی کی تقریب بن جاتی مگر خدا کو منظور ہی نہ ہوا۔ یقین کی شادی کے بعد امی نزہت کے لیے بہت فکر مند رہنے لگی تھیں۔ اس لیے نہیں کہ خدانخواستہ اُس کی عمر نکلی جا رہی تھی بلکہ اس لیے کہ یقین کے بعد بھائیوں میں فرزین کا نمبر تھا۔ فرزین کی ملازمت ایسی تھی کہ کئی کئی ماہ گھر سے دور سمندروں کے دوش پر رہتا، دنوں اُس کی خیر و عافیت نہ ملتی۔ جب تک جہاز کسی بندرگاہ پر نہ لگتا، اس کی آواز فون پر بھی سننے کو نہ ملتی۔ امی اس کے لیے فکر مند رہتیں۔ طرح طرح کے وہم اُن کے دل کو ستانے لگتے۔ کبھی انہیں فرزین کی بابت پریشان کن خواب نظر آنے لگتے۔

کبھی جہاز کو طوفان میں گھرے دیکھتیں۔

کبھی سمندر بے حد بپھرا ہوا نظر آتا۔

اپنے ان واہموں اور پریشان کن خوابوں کا جب وہ گھر والوں سے تذکرہ کرتیں تو کوئی ٹال جاتا، کوئی اُن کی دلداری کرنے لگتا اور بابا ہمیشہ ہی سمجھانے بیٹھ جاتے۔

''ارے بیگم، ہم آپ کون ہوتے ہیں فکر کرنے والے..... فکر کرنے والا تو اوپر بیٹھا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی خشکی پر بھی خبر گیری کرتا ہے، سمندروں میں بھی اُن کا دھیان رکھتا ہے۔''

بابا کا سمجھانا بجھانا امی کی فکر کو وقتی طور پر کچھ کم کر دیتا مگر اس فکر کا حتمی علاج کبھی نہ ہوتا۔ بابا کی کوئی دلیل، کوئی منطق امی کو ہمیشہ کے لیے مطمئن نہ کر پاتی۔ شاید اس لیے کہ فرزین کی بابت امی کے تمام واہمے محض واہمے ہی ثابت نہ ہوتے۔ کبھی کبھی حقیقت بھی بن جاتے۔ فرزین کے سلسلے میں ان کی چھٹی حس نے کئی بار انتہائی حیران کن بیداری کا مظاہرہ کیا تھا!

اپنے ایک سفر کے دوران جب وہ بیمار ہو کر دمام کے اسپتال میں داخل ہوا تو امی کی چھٹی حس نے انہیں مطلع کر دیا تھا کہ فرزین کسی پریشانی میں مبتلا ہے۔ انہوں نے بابا سے اپنی پریشانی کا ذکر کیا تو وہ رسانیت سے بولے۔ ''آپ ہر وقت اس کی فکر میں رہتی ہیں اس لیے واہمے آپ کو ڈراتے رہتے ہیں۔''

''ماسٹر صاحب! طبیعت بہت پریشان ہے دو تین دن سے۔''

''لاحول پڑھیے۔''

''پڑھ پڑھ کر تھک گئی ہوں مگر دل کو چین ہی نہیں آتا۔''

''شیطان پریشان کر رہا ہے آپ کو اور کوئی بات نہیں۔ انشاءاللہ فرزین میاں ہر طرح بخیر و عافیت ہوں گے۔''

''اللہ کرے، ایسا ہی ہو۔''

ہفتہ بھر امی پر بے کلی سی طاری رہی۔

پھر بتدریج سکون آ گیا تھا۔

لیکن اس سفر سے واپسی پر جب فرزین نے بتایا کہ دورانِ سفر وائرل فیور ہونے کے باعث اُسے وہاں کے ایک اسپتال میں داخل کروا دیا گیا تھا اور صحت یابی کے بعد کمپنی نے اسے بذریعہ ہوائی سفر اس کے جہاز کی اگلی بندرگاہ تک پہنچوایا تھا تو سب گھر والے امی کی چھٹی حس کی بیداری کے معترف ہو گئے۔

ایک اور موقع پر جب فرزین کا جہاز سمندری طوفان میں گھر گیا تھا، تب بھی امی نے ایک پریشان کن خواب دیکھنے کے بعد گھر والوں سے کہا۔ ''رات کو خواب میں، میں نے بہت چڑھا ہوا سمندر دیکھا ہے۔ اللہ نہ کرے، فرزین کسی پریشانی میں نہ ہو۔''

''امی، دو دن پہلے ہی تو آپ سے بات کی ہے فرزین نے۔'' مدحت بجیا نے کہا۔

''ہاں کی تو ہے مگر میرا دل کچھ پریشان سا ہے۔''

''دل کا اعتبار مت کیا کیجیے۔'' ابا مسکرا کر بولے۔

بات آئی گئی ہو گی۔

مگر دو روز بعد ہی اخبار میں خبر چھپی کہ انگلستان میں ایک سمندری طوفان نے متعدد بحری جہازوں کو متاثر کرنے کے ساتھ ایک پاکستانی بحری جہاز کو نیم غرقاب کر دیا، تاہم جہاز کے عملے کو بچا کر محفوظ مقام پر منتقل کر دیا گیا۔ جہاز وہی تھا جس پر فرزین بھی سفر کر رہا تھا۔ اس خبر کے بعد جب تک امی کی فرزین سے بات نہ ہو گئی، اُن کا برا حال رہا۔

فرزین جہاز پر ہوتا تو امی کے دل کو چنتا سی لگی رہتی۔

''یہاں ایک دوسرے کا دُکھ سُکھ بٹانے کو ہم سب ہیں، وہ بے چارہ تو اکیلا ہے۔'' امی کی ممتا کو قرار نہ آتا۔

''وہ اکیلا ہی تو اکیلا نہیں۔ اُس کے اور بہت سے ساتھی بھی تو اسی کی طرح اپنے اپنے گھروں سے دور اور اکیلے ہیں۔'' ابا سمجھاتے۔

''ماسٹر صاحب، میں ماں ہوں۔''

''اسی لیے تو تھوڑی سی پاگل ہو۔''

ایک روز فرزین کے ایک ہم پیشہ دوست امجد رشید کی والدہ امی سے ملنے آئیں تو انہوں نے امی کی باتیں سن کر کہا۔ ''بہن! میں بھی امجد کے لیے اسی طرح پریشان رہا کرتی تھی اور مجھے عجیب عجیب سے وہم ستاتے رہتے تھے۔ سردیوں کی راتوں میں آنکھ کھل جاتی تو بس یہی خیال آتا کہ خدا جانے سمندر میں میرے بچے کو کتنی سردی لگتی ہو گی [illegible]

میں کیسے رہتا ہو گا۔ سنا ہے، بہت [illegible] ہوتی ہے انجن روم میں...... بس کیا بتاؤں، کتنی پریشان رہا کرتی تھی میں اور سب سے بڑی فکر یہ ہوتی تھی کہ اکیلا ہے۔ کوئی اُس کی دیکھ بھال کرنے والا اُس کے ساتھ نہیں...... پھر میں نے اُس کی شادی کر دی اور بہو کو اُس کے ساتھ ہی جہاز پر بھیج دیا...... بہن، سچ بتاؤں، میری پریشانی آدھی ہو گئی۔ جب امجد کی طرف سے طبیعت گھبرائی، میں خود کو سمجھا لیتی کہ اب وہ اکیلا نہیں، اُس کی بیوی اُس کے ساتھ ہے۔ اب تو خیر سے دو بچوں کا باپ بھی بن گیا ہے وہ۔''

''ماشاءاللہ!''

''بہن! آپ بھی فرزین میاں کی شادی کر دیں۔ یقین کیجیے بہت سُکھی اور بے فکر ہو جائیں گی۔ بھئی، بیویاں ہوں ہمارے بیٹوں کا خیال رکھنے کو تو ہمیں کیا پڑی ہے کہ ہم فکروں میں سوکھتے رہیں۔ کیوں غلط کہہ رہی ہوں میں؟''

''نہیں...... آپ ٹھیک کہتی ہیں۔''

''بس تو پھر وہی کیجیے جو میں نے کیا۔''

''جی۔''

فرزین کے لیے لڑکیوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ اپنوں پرایوں میں بہت سے نگاہیں لگائے بیٹھے تھے۔ فرزین جیسے لڑکے ملتے کہاں ہیں جو خود گھومیں تو گھومیں بیوی بچوں کو بھی دنیا بھر کی سیر کرائیں اور دنیا جہاں کے عیش کروائیں۔

مگر امی فرزین کی شادی کرنے سے پہلے نزہت کو رخصت کر دینا چاہتی تھیں یا کم از کم اتنا تو ضرور کہ فرزین کا ولیمہ اور نزہت کی رخصتی ایک ساتھ ہو۔

اپنے پرایوں، ملنے جلنے والوں، عزیز رشتے داروں ایک ایک سے امی نے نزہت کے لیے کسی مناسب رشتے کا خیال رکھنے کو کہہ رکھا تھا۔

نزہت نوجوان تھی۔ پڑھی لکھی تھی۔ امورِ خانہ داری میں طاق اور طبعاً سادہ مزاج تھی۔ نک سک بھی درست تھا مگر مٹاپا مسئلہ بنا ہوا تھا بلکہ مناسب رشتے کے حصول میں رکاوٹ کہ نئی زمانہ تو چھریرے بدن کی خوبصورت لڑکیوں کی مانگ تھی جسے دیکھو، وہ یہی کہتا، لڑکی سلم ہونی چاہیے۔ اور جس لڑکی کا محبوب ترین مشغلہ ہی کھانا پینا ہو، اس کا سلم ہونا تو معجزہ ہی ہوتا۔

امی نزہت کو لاکھ ٹوکتیں۔

مدحت بجیا بڑی دردمندی سے سمجھاتیں۔

نگہت اُسے دبلا ہونے کے گر بتاتی۔

بھائی مذاق اُڑاتیں۔

مگر وہ ایک کان سے سنتی، دوسرے سے اُڑا دیتی۔ کھانے پر آتی تو کھائے چلی جاتی۔ کبھی علی الاعلان، کبھی چھپ کر۔

مدحت بجیا کہتیں: ''نزہت، تم اگر تھوڑی سی دبلی ہو جاؤ تو اتنی پیاری لگو کہ میں کیا

بتاؤں۔"

"اللہ بجیا، ہم موٹے کب ہیں۔ ہم سے بھی موٹی موٹی ہوتی ہیں لڑکیاں۔"

نکہت کہتی۔ "امی اسے چاول بالکل مت کھانے دیا کریں۔"

"اللہ! چاول کے بغیر تو ہمیں کھانے میں مزا ہی نہیں آتا۔"

"آلو بھی بند کرائیے اس کے۔"

"اُف اللہ! ٹومیٹو کیچپ کے ساتھ فرائز فرائز تو ہماری جان ہیں۔"

"میرا بس چلے نا تو تمہارا کھانا پینا بالکل بند کر دوں۔" ایک روز نکہت نے کہا۔

"اللہ، ہم تو دو ہی دن میں مر جائیں گے۔"

ذہین جو قرب و جوار ہی میں موجود تھا بولا۔ "کوئی بات نہیں چوہیا..... ہم تمہیں پوری شان سے دفنا دیں گے اور سوئم والے دن ڈھیر سارے کھانے پر تمہاری فاتحہ پڑھوائیں گے۔"

"اللہ، کتنے بے رحم ہیں آپ۔"

"بے رحم تم خود ہو۔" نکہت بولی۔

"ہم!" نزہت نے حیرانی سے کہا۔

"اور کیا..... تم اپنے اوپر خود ظلم کر رہی ہو..... کھانے پینے پر کنٹرول نہ کیا تو کوئی شادی نہیں کرے گا تم سے۔"

"نہ کرے۔"

"واللہ! پہلی لڑکی دیکھی ہے جو کھانے پینے پر شادی کو قربان کر رہی ہے۔" ذہین بولا۔

"کھانا پینا کم نہیں کرو گی..... ہے نا۔" نکہت نے نزہت کو گھورا۔

"اللہ، ایک ہی تو شوق ہے ہمارا۔"....

"ماشاء اللہ! کیا عجیب و غریب شوق ہے۔" نکہت کو غصہ آ گیا۔

"عجیب و غریب نہیں، کھانا پینا شوق کہیے۔" ذہین مسکرایا۔

"اونہہ!" نزہت نے منہ بنایا۔

"چوہیا! عقل پکڑو اور کھانا پینا کم کرو۔"

"ورنہ شادی نہیں ہوگی۔"

نزہت کے تن و توش کے سلسلے میں گھر والوں کا یہ تفکر بجا تھا۔ یقین کی شادی سے پہلے دو تین مرتبہ اس کے رشتے کی بات چلی تھی مگر بات اس کے مٹاپے پر آ کر رُک گئی تھی۔ یقین کی شادی کے بعد افتخار احمد کی کوشش سے ان کے شناساؤں میں سے نزہت کے لیے ایک رشتہ پھر آیا۔

لڑکا ایک بینک میں افسر تھا۔ گھر، گاڑی اور زندگی کو آسان بنانے والی بہت سی آسائشیں میسر تھیں۔ نزہت کو دیکھنے کے لیے لڑکے کی والدہ اور دو بہنیں آ گئیں۔

نزہت کا برا حال تھا۔ بُری طرح گھبرا رہی تھی۔ ذہین کی چھیڑ چھاڑ اس کی گھبراہٹ میں

اضافہ کیے دے رہی تھی۔

"چوہیا، ذرا دیکھ بھال کر جانا۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ بہنوں میں سے ایک مجھے خاصی بلی لگ رہی ہیں۔"

"کیا؟"

"ہاں۔"

"اللہ نکہت باجی، انہیں سمجھائیں۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو ذہین۔"

"ذہین بکواس کر ہی نہیں سکتا۔ ذہین جب بھی بات کرے گا، عقل کی بات کرے گا۔"

"آہاہا، کیا خوش فہمی ہے۔" نزہت مسکرائی۔

"چوہیا، تم جاؤ چائے لے کر وہ بلی جیسی خاتون نہ جھپٹ پڑیں تم پر تو میرا نام بدل دینا۔"

"اللہ بھائی دیکھیے، یہ ہمیں ڈرائے دے رہے ہیں۔"

"ذہین! پلیز اسے نروس مت کرو۔" جویا بولی۔

"نروس ہونے کی کیا ضرورت؟"

"بھئی، ایسے موقعوں پر آدمی نروس ہو جاتا ہے۔"

"مگر کیوں؟"

"کیونکہ وقت ہی ایسا ہوتا ہے، اچھے اچھے نروس ہو جاتے ہیں، جب تمہاری باری آئے گی تو تم بھی نروس ہو گے۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"وقت آنے دو، دیکھ لیں گے۔"

ٹرالی چائے اور لوازمات سے لد پھند چکی تو نکہت نے نزہت کا ناقدانہ نگاہوں سے جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "دوپٹے کا پلو ذرا ٹھیک سے لو۔"

"کیسے؟"

"اے، ایسے۔" نکہت نے خود پلو ٹھیک کر دیا۔

"اللہ بھائی، ذرا دیکھیے تو ہمارے ہاتھ کتنے ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔" نزہت نے اپنے ہاتھ سے جویا کا بازو چھوا۔

"کیسی ننھی سی چوزہ بن رہی ہے۔" جویا نے دل ہی دل میں کہا مگر بظاہر بڑی اپنائیت سے بولی۔ "نروس مت ہو۔"

"اللہ! آپ ہمارے ساتھ ساتھ رہیے گا، کہیں چائے ہمارے ہاتھ سے چھلک نہ پڑے یا کوئی چیز گر نہ جائے۔"

''کیا بیوقوفی کی باتیں کر رہی ہو نزہت۔ بچی تو نہیں ہو جو چائے چھلک جائے گی یا کوئی چیز گر پڑے گی۔'' نگہت نے نزہت کو پھٹکارا۔

''ہوں! جلی جلی۔'' جویا دل ہی دل میں مسکرائی مگر بظاہر متحمل نظر آنے کی کوشش کی۔

''چلو۔'' نگہت نے ٹرالی کا دستہ نزہت کے سپرد کیا۔

ٹرالی کو دھیرے دھیرے دھکیلتی نزہت ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو نگہت اور جویا اُس کے ساتھ ساتھ تھیں۔ مہمان خواتین کے ساتھ بیٹھی امی اور مدحت بجیا نے نزہت کو دیکھا اور جویا نے مہمان خواتین کے تاثرات تاڑنے کی کوشش کی۔ اُن کے چہروں پر کیسلے سے ردِعمل سے جویا کو یک گونہ اطمینان ہوا۔

ان معقول خواتین کو نزہت جیسی موٹی تازی لڑکی کو ہرگز پسند نہیں کرنا چاہیے تھا۔ لڑکیوں کا کوئی کال تھوڑی تھا۔ اَن گنت لڑکیاں موجود تھیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک۔

زویا میں کیا کمی تھی!

اماں بھی تو زویا کے لیے فکرمند تھیں۔

اِن خواتین کو یہاں آنے کے بجائے اُس کے میکے جانا چاہیے تھا۔

موٹی بھدی نزہت کو دیکھنے کی بجائے زویا کو دیکھنا چاہیے تھا۔

مگر کیسے!

شنا سا تو یہ لوگ افتخار بھائی کے تھے، اُس کے میکے بھلا کیونکر جا پہنچتے!

جویا کے دل میں ایک عجیب سا خیال پیدا ہوا۔

کاش! وہ اِن خواتین سے کہہ سکتی، آپ غلط جگہ پر آ گئی ہیں۔ آپ کو میرے میکے جانا چاہیے، میری چھوٹی بہن زویا میری اس موٹی نند سے بہت زیادہ مناسب رہے گی۔ آپ کے لڑکے کے لیے۔ مگر یہ کہنا ممکن نہ تھا۔

نزہت گھبرائی شرمائی سی مہمان خواتین کی خاطر مدارات کرتی رہی۔

نگہت اُن کے سامنے نزہت کی تعریف میں رطب اللسان رہی اور اس کی خوبیوں پر روشنی ڈالتی رہی۔

سینڈوچ نزہت نے بنائے ہیں۔

''جھوٹ، بازار سے تیار منگوائے ہیں۔'' جویا نے نگہت کے سفید جھوٹ پر دل ہی دل میں لعنت بھیجی۔ ''ہم تینوں میں نزہت کے ہاتھ میں سب سے زیادہ ذائقہ ہے۔'' نگہت نے بتایا۔

''اُونہہ! زیادہ! گویا خود کو بھی شامل کر رہی ہے پانچویں سواروں میں۔'' جویا کے لبوں پر موہوم سی استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''بہت اچھا کھانا پکاتی ہیں نزہت۔'' مدحت بجیا نے بتایا۔

''یہ بھی تو بتایئے کہ کھاتی کتنا ہیں۔'' جویا کو دل کی بات زبان پر لانے کے لیے خود پر

انتہائی جبر کرنا پڑا۔

''سلائی بھی ماشاءاللہ خوب کرتی ہیں۔''

''جھوٹ! سفید جھوٹ! درزی سے کپڑے سلواتی ہے اپنے۔'' جویا کا روایتی بھاوج پن بڑبڑایا۔

اس کے دل میں آیا کہے۔ ''معزز خواتین! کہاں آپ وقت ضائع کرنے آ گئیں۔ جایئے کہیں اور جا کر کوئی اچھی سی لڑکی دیکھیے...... میرے میکے چلی جایئے تو سب سے بھلا کہ وہاں ایک بہت پیاری سی لڑکی رہتی ہے جس کا نام زویا ہے۔''

مگر نہ وہ دل کی بات زبان پر لا سکی۔

نہ نگہت کا نزہت کی خوبیاں گنانا کام آیا۔

مہمان خواتین نزہت کو دیکھ کر گئیں تو واپس نہ پلٹیں، البتہ نگہت کو اُنہوں نے یہ جواب ضرور بھجوا دیا کہ لڑکی بھاری ہے، ہمارے لڑکے کے جوڑ کی نہیں۔

نگہت نے اس جواب سے امی کو آگاہ کیا تو اُنہیں بہت افسوس ہوا۔

''خیال رکھیے گا کہ بھابی کو پتا نہ چلے کہ ان لوگوں نے کیا کہلوایا ہے ورنہ انہیں ہنسنے کا موقع ملے گا۔'' نگہت نے کہا۔

''مگر سوال یہ ہے کہ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے کتنے دن یہ بات راز رہ سکے گی۔'' مدحت بجیا بولیں۔

''بتانے کی ضرورت بھی کیا ہے، پوچھیں تو کوئی بہانہ کر دیجیے گا۔''

بابا کو معلوم ہوا تو انہوں نے امی کو سمجھایا۔ ''اللہ پر توکل رکھیے۔''

''ماسٹر صاحب، اس پر توکل ہے ہی مگر......'' امی نے بات اُدھوری چھوڑ دی۔

''مگر کیا؟''

''صدمہ مجھے اس بات کا ہے کہ لڑکے والوں نے ہماری بچی کے ذرا سا بھاری ہونے پر باقی ساری خوبیوں کو نظر انداز کر دیا۔ نہ ہماری شرافت نجابت دیکھی، نہ ہمارے اخلاق اور طور طریقوں کا لحاظ رکھا۔ نزہت ذرا سی بھاری ہی تو ہے ورنہ کیا کمی ہے اس میں۔ خوش اخلاق ہے، سلیقہ مند ہے، گھرداری ساری آتی ہے اُسے، پڑھی لکھی ہے، لوگوں کے ساتھ ملنے ملانے کا شعور ہے اُس کو۔''

''فکر مت کیجیے۔'' بابا نے امی کو دلاسا دیا۔ ''ہماری بچی کے لیے یقیناً ان لوگوں سے زیادہ بہتر اور اچھے لوگ ملیں گے۔''

امی نے ایک سرد آہ بھری اور دل گرفتگی سے بولیں۔ ''مدحت کی دفعہ بھی ہم نے یہی سوچا تھا۔''

بابا اپنی جگہ سے اُٹھ کر امی کے پاس آ بیٹھے اور اُن کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے بولے۔ ''ضروری نہیں کہ آدمی ہر مرحلے پر ہی مایوس ہو۔''

امی کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور انہوں نے بابا کی طرف دیکھتے ہوئے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ ''بہت دکھ ہے مجھے مدحت کی بربادی کا۔''

''اللہ سے اُس کے لیے بھی عاجزانہ دعائیں کیا کرتا ہوں۔''

''نزہت کے کانوں تک یہ بات پہنچی کہ لڑکے والوں نے انکار کردیا ہے تو اُس کے دل پر کیا گزرے گی۔'' امی نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

''کچھ نہیں گزرنی چاہیے۔'' بابا نے کہا۔

امی نے چونک کر بابا کی طرف دیکھا۔

''یہ ہمارا اور آپ کا کام ہے بلکہ فرض ہے کہ بیٹیوں کو اس قسم کے معاملات کا سامنا کرنے کے لیے تیار کریں تاکہ وہ اُلجھنوں کا شکار ہونے سے بچیں۔''

''سچ کہتی ہوں، مجھے تو بہت صدمہ ہوا ہے۔''

''یقیناً ہوا ہوگا مگر وہ اس دنیا کا آخری لڑکا تو نہیں تھا اور آئیں گے اور ہوسکتا ہے، کافی عرصے تک یہ سلسلہ رہے۔ آئندہ آنے والوں میں سے ہوسکتا ہے، کسی کو ہماری بچی پسند آجائے مگر وہ ہمیں نہ بھائیں۔''

''خدا نہ کرے، کیسی باتیں کررہے ہیں آپ؟''

''بھئی، امکان کی بات کررہا ہوں، بلکہ سچ پوچھیے تو حقیقت پسندی سے کام لے رہا ہوں۔'' بابا نے توقف کیا پھر بولے۔ ''فی زمانہ موٹی لڑکیوں کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا مگر موٹی لڑکیوں کی شادی نہیں ہوتیں کیا...... بالکل ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مرد وزن کا جوڑا بنا رکھا ہے۔ ہوسکتا ہے، نزہت کے لیے ہمیں جلد ہی کوئی اچھا رشتہ مل جائے لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دیر لگ جائے۔ دس آئیں اور دس کے دس اُسے ری جیکٹ کرکے چلے جائیں۔ ری جیکشن کوئی مسئلہ نہیں، البتہ رد کیے جانے کے نتیجے میں لڑکی کا احساسِ کمتری میں مبتلا ہوجانا یقیناً ایک بڑا اور اہم مسئلہ ہے جس کا حل اسی قدر آسان ہے۔''

''آسان!'' امی نے بابا کی طرف گھائل نگاہوں سے دیکھا پھر بولیں۔ ''آپ مرد ہیں، آپ کو کیا پتا کہ جب کسی لڑکی کو کوئی لڑکا یا اُس کے گھر والے رد کرتے ہیں تو لڑکی کے دل پر کیا گزرتی ہے...... آپ اس مسئلے کے حل کو آسان قرار دے رہے ہیں۔''

''ہاں اور تمہاری اس بات کے باوجود اپنے مؤقف پر قائم ہوں...... غلطی ہماری ہے، ہم لڑکی والوں کی...... ہم احساس دلاتے ہیں لڑکی کو کہ اُسے ری جیکٹ کیا جانا اس دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ ہے حالانکہ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی بچیوں کو سمجھائیں کہ بیٹا، بندہ خواہ وہ موٹا ہو یا دُبلا، کالا ہو یا گورا، اللہ رب العزت کی شاہکار تخلیق ہے اور اگر ایک بندہ دوسرے بندے کو دیکھ کر اس میں کوئی عیب نکالے تو سمجھ لو کہ اس میں قصور اُس کی آنکھوں کا ہے۔''

''ماسٹر صاحب! آپ کا فلسفہ اور آپ کی منطق ہمیشہ میری سمجھ سے بالاتر رہی۔'' امی بولیں۔

''غلط۔'' بابا مسکرا دیے۔ ''اگر ہم دونوں میں انڈر اسٹینڈنگ نہ ہوتی تو اتنی اچھی گزرتی بھلا۔''

امی کی آنکھوں میں کہکشاں سی لہرائی۔

''بات کو ان الفاظ کے ساتھ سمیٹتا ہوں کہ لڑکے والوں کے جواب کو ہرگز ہرگز کوئی مسئلہ نہ بننے دیجیے۔ بالخصوص نزہت کے لیے...... سب گھر والے مل کر اُسے یہ تاثر دیں کہ جیسے زندگی کے اور معاملات ہنسی خوشی چل رہے ہیں، ویسے ہی یہ بھی چلے گا، تاوقتیکہ ہمیں اس کے لیے کوئی بہتر رشتہ مل جائے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ یہ بہت حساس معاملہ ہے مگر اسے اس حد تک گمبھیر بنانے کی بجائے کہ اہلِ معاملہ کے لیے سانس لینا بھی مشکل ہوجائے ہنسی خوشی نمٹا جائے۔''

امی نے کچھ تذبذب کچھ تعجب سے بابا کو دیکھا۔

بابا دھیرے سے مسکرا دیے پھر بولے۔ ''خدا کرے، نزہت کے لیے جلد ہی کوئی مناسب لڑکا مل جائے لیکن ہمیں دیر کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔''

امی نے بابا کو کچھ اس طور دیکھا، جیسے دل ہی دل میں کہتی ہوں، عجیب باتیں کرتے ہیں آپ بھی!

☆=====☆=====☆

نگہت کی ہدایت کے بموجب امی نے لڑکے والوں کے اصل جواب کو جویا پر قطعاً ظاہر نہ ہونے دیا بلکہ جویا کی جانب سے کسی قسم کے استفسار کا انتظار کیے بغیر انہوں نے خود ہی باتوں باتوں میں جویا کو بتا دیا کہ لڑکے والے دو سال بعد شادی کرنا چاہتے تھے اس لیے انہیں انکار کردیا گیا۔

''کیوں امی، انکار کیوں کروایا؟'' جویا نے پوچھا۔

''بھئی، دو سال کون انتظار کرے۔''

''ہرج بھی کیا ہے، اس دوران نزہت اپنی تعلیم بھی مکمل کرلیں گی۔''

''نہیں بھئی...... مجھے تو آج کوئی رشتہ ملے تو میں کل ہی تاریخ پکی کردوں۔''

''جلدی کا ہے کی ہے امی۔ خدانخواستہ نزہت کی عمر تو نہیں نکلی جارہی۔'' جویا نے بڑی اپنائیت سے کہا۔

''دلہن! سچی بات یہ ہے کہ مجھے کرنی ہے فرزین کی شادی اور اُس کی شادی کے ساتھ ہی میں نزہت کے فرض سے بھی نمٹ لینا چاہتی ہوں۔''

'فرزین کی شادی!'

'کیسا حساس موضوع چھیڑ دیا تھا امی نے!'

'کاش!'

'کاش! کوئی ایسی صورت بن سکتی کہ فرزین اور زویا......'

بس اس سے آگے محض تنہائی جا سکتی تھی۔

"اچھا گھرانا مل جائے تو میں تو ادلے بدلے پر بھی راضی ہوں۔" امی نے کہا۔

"کاش! ایک بھائی اور ہوتا...... غیر شادی شدہ......تو فرزین سے ثریا کے رشتے کی خاطر وہ نزہت کو اپنے اس بھائی سے بندھوا دیتی۔"

شاعر بھی کیسی کمال کی بات کہہ گیا تھا۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

فرزین تھا ہی ایسا لڑکا کہ بیٹیوں والے اس پر ریجھے پڑتے تھے۔

دراز قامت، خوبرو، خوش مذاق، کھاتا کماتا، دنیا گھومتا اور دنیا بھر سے نوع بنوع سوغاتیں سمیٹتا۔

جویا نے شادی کے بعد سنا تھا کہ فرزین جب کسی سفر سے واپس لوٹتا ہے تو گھر میں نوع بنوع چیزوں کا مینا بازار سا لگ جاتا ہے۔ فریج میں بدیسی جام، جیلی، میونیز، مارجرین، مکھن، پنیر اور شہد کی بوتلیں اور ڈبے سج جاتے ہیں۔ فریزر نوع بنوع چاکلیٹوں سے بھر جاتا ہے۔ ڈیپ فریزر میں مشروبات کے ڈبے رکھنے کی جگہ نہیں رہتی۔ سعودی عرب سے آئے تو سونا لاتا ہے۔ دبئی سے ڈھیروں کپڑا، جاپان جائے تو برقی آلات اور جاپانی کپڑا لے کر آتا ہے۔ یورپ سے کاسمیٹکس، پرفیومز اور گرم کپڑے۔

جویا کی شادی کے بعد فرزین اپنے پہلے سفر سے واپس لوٹا تو ان بیانات کی تصدیق ہو گئی۔ جویا کے لیے وہ تین ریشمی جوڑے، خرگوش کی طرح نرم ملائم سوئٹر، مینٹ مائیکل کی تازہ ترین کاسمیٹکس، صابن، شیمپو، کنڈیشنر اور فرانسیسی خوشبویات لے کر آیا۔

فریج بدیسی مارجرین، مکھن، میونیز، پنیر اور شہد کی بوتلوں سے سج گیا۔ فریزر باؤنٹی، مارس اور اسنکرز کے پیکٹوں سے بھر گیا۔ ڈیپ فریزر میں کوک اور سیون اپ کے ڈبے اوپر تلے چن دیے گئے۔ گھر کے ایک ایک فرد کے لیے فرزین کچھ نہ کچھ سوغات ضرور لایا۔ دوستوں اور عزیزوں کے لیے بھی چیزیں تھیں اور مارکیٹ میں منافع پر دینے کے لیے بھی بہت سا سامان تھا۔

فرزین کیا آیا، گھر میں بہار سی آ گئی۔

سب خوش تھے۔

پہلے دن جب وہ گھر آیا تو جویا اُسے دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ پہلے سے بھی زیادہ ہینڈسم نظر آ رہا تھا وہ۔ سیاہ چمڑی جوتے اتار کر جب اُس نے سلیپر پیروں میں پہنے تو جویا اُس کی ایڑیوں کا گلابی پن دیکھتی رہ گئی۔

"اور سنائیے بھابی کیسی رہیں؟" اس نے جویا سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے، ٹھیک ہی رہی۔"

"بے یقینی کی انتہا ہو گئی...... یعنی آپ یقین سے یہ بھی نہیں کہہ سکتیں کہ ٹھیک رہیں یا نہیں۔"

"بھئی، یقین کی بات مت کرو...... یقین سے تو میں ہر بات کہہ سکتی ہوں کیونکہ یقین

میرے میاں ہیں۔" فرزین قہقہہ مار کر ہنسا۔

"خوب! بہت اچھی بات کہی ہے آپ نے...... کیوں بجیا، آپ کا کیا خیال ہے؟"

"وہی جو آپ کا خیال ہے۔"

امی جو فرزین سے ملنے کے بعد نماز پڑھنے کے لیے اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں، لوٹیں تو انہوں نے فرزین پر تین مرتبہ پھونکا۔

"امی، کہیں اُڑ نہ جاؤں۔"

امی نے بہت محبت سے اُس کے سر پر دھیرے سے دھپ لگائی۔ فرزین نے بہت احترام سے اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چوم لیا۔

"چلے جاتے ہو تو بہت یاد آتے ہو۔" امی بولیں۔

"ہاں واقعی۔" بجیا نے تائید کی۔

"فرزین، تمہیں بھی گھر والے یاد آتے ہیں یا نہیں؟" جویا نے پوچھا۔

"ارے صاحب، یہ جو سات سمندر ہیں، یہ ہم بحر نوردوں کی اشکباری ہی سے تو بنے ہیں۔"

"چھوٹے بھائی، ذرا یہ فرمائیے کہ اشک باری سے پہلے بحر نورد کہاں نوردی کرتے تھے۔" ذہین مسکرایا۔

"یار! بہت ذہین ہو گئے ہو تم!" فرزین نے اُسے توصیفی نگاہوں سے دیکھا۔

"وہ تو میں ہوں۔" ذہین نے اپنا کالر چھوا۔

"جانے کس کس کو چپٹی ہے؟" نزہت کمرے کے دروازے پر آ کھڑی ہوئی تھی۔

"چوہیا! تم ہر وقت کھانے پینے کے چکر میں ہی رہا کرو۔" ذہین نے اُسے چھیڑا۔

"امی، دیکھیے انہیں۔" نزہت نے امی سے ذہین کی شکایت کی۔

"ذہین!" امی نے ذہین کو ٹوکا۔

"ویسے فرزین بھائی، لوگ تو اللہ کو پیارے ہوتے ہیں، یہ اپنی چوہیا بہن پیارے گھر کو پیاری ہونے سے بچی ہیں۔"

"امی۔" نزہت ٹھنکی۔

"ہائے! ننھی بچی کیسے ٹھنک رہی ہے۔" جویا نے دانت بھینچتے ہوئے دل ہی دل میں سوچا۔

"نگہت باجی کا کیا حال ہے؟" فرزین نے پوچھا۔

"وہی رفتار بے ڈھنگی۔" جویا نے دل ہی دل میں کہا۔

"بھئی بتائیے نا، جانے کس کس کو چپٹی ہے؟"

فرزین، ذہین اور مدحت بجیا نے ہاتھ کھڑے کر دیے۔

"اور آپ بھائی؟"

"نہیں بھئی، ٹھینک یو موڈ نہیں ہے۔"

"اور موڈ غالباً اس لیے نہیں ہے کہ وہ نہیں ہیں...... کیوں بھابی ٹھیک کہا نا میں نے؟"

جویا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"آں ہاں۔" فرزین نے ستائشی نگاہوں سے اُسے دیکھا۔

خاصی دیر پُرلطف محفل جمی رہی۔

☆=====☆=====☆

فرزین کا لایا ہوا سویٹر پہن کر، اس کی تحفے میں دی ہوئی کاسمیٹکس استعمال کر کے اور اپنے اوپر "بیوٹی فل" نامی خوشبو چھڑک کر جویا میکے گئی تو زویا نے ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے پوچھا۔ "بجو! آج کون سی پرفیوم لگا رکھی ہے؟"

"بیوٹی فل۔" جویا نے بتایا۔

"بیوٹی فل! کیا یہ پرفیوم کا نام ہے؟"

"ہاں۔"

"بڑی آفت پرفیوم ہے، سارا گھر مہک اُٹھا ہے۔ کہاں سے خریدی؟"

"فرزین نے باہر سے لا کر دی ہے۔"

زویا کو ایک انجانی سی مسرت کا احساس ہوا اور اُس کے عارضوں کی رنگت گہری پڑ گئی۔

اماں بے ساختہ چونکیں۔

"فرزین آ گیا کیا؟"

"جی ہاں۔"

"خوشبو کے علاوہ اور کیا لایا تمہارے لیے؟"

جویا نے فرزین کی دی ہوئی سوغاتیں اماں کو گنوا دیں۔

"اور گھر والوں کے لیے بھی ضرور لایا ہوگا کچھ نہ کچھ۔"

"سب کے لیے اماں...... نگہت کی بچیوں کے لیے اتنی بڑی بڑی گڑیاں لایا ہے، جیسے سال سال بھر کے بچے۔"

"اچھا!"

"جی۔"

"زویا۔"

"جی اماں۔"

"جا...... جا کر چائے بنا۔"

زویا سمجھ گئی کہ اماں جویا سے کوئی راز داری کی بات کرنا چاہ رہی تھیں۔

زویا کے جاتے ہی اماں کھسک کر جویا کے نزدیک ہو گئیں اور راز داری سے بولیں۔

"فرزین کے لیے پوری کوشش رکھنا۔"

"ارے اماں۔" جویا نے ایک گہری سانس کھینچی۔ "میرا بس چلے تو فرزین کو کسی قیمت پر نہ نکلنے دوں مگر بڑی بی اور اُن کی بیٹیوں کے سامنے میری کہاں چلے گی۔"

"اُن کو شیشے میں اُتارو کسی طرح...... اپنے مطلب کے وقت گدھے کو بھی باپ بنانا پڑتا ہے۔"

"ان کو شیشے میں اُتارنا بہت مشکل ہے...... ہم جیسوں کو تو وہ بیچ کھائیں...... میٹھی چھریاں ہیں۔"

"یہ ساس نندیں کم بخشیں ایسی ہی ہوتی ہیں...... ایسا کرو یقین کو ماں بہنوں کے پیچھے لگا دو۔"

"وہ ایسے کہاں...... کئی مرتبہ میں نے اُن سے اس موضوع پر بات کرنے کی کوشش کی مگر وہ ٹال گئے۔"

"اچھا...... تو پھر...... سیدھا اپنے دیور پر لاسہ لگاؤ۔ لڑکا مٹھی میں ہو تو پھر سب دیکھتے رہ جاتے ہیں۔"

"ارے اماں، وہ تو بڑی بی کی فرمانبرداری میں بھائی سے بھی چار ہاتھ آگے دکھائی دیتا ہے...... ارے ہاں، اماں پیر صاحب کا پتا چلا وہ چلّے سے نکلے یا نہیں؟"

اماں نے انگلیوں پر کچھ حساب لگایا۔ پھر بولیں۔ "بس ایک دو روز میں نکلنے ہی والے ہوں گے۔"

"بس آپ فوراً میرا کام کروا دیجیے۔"

اماں کے چہرے پر گہرے تفکر کا تاثر اُبھرا پھر بولیں۔ "میں تو سوچ رہی ہوں، جب لڑکا اچھا ہے تو نکلنے کیوں دیا جائے۔ پیر صاحب سے اُس کے لیے بھی کچھ کروا لیں۔"

"ویری گڈ آئیڈیا اماں۔" جویا اُچھل پڑی۔ "اگر ایسا ہو جائے تو کیا کہنے۔"

"ایسا کرتے ہیں میں کل ہی ٹھیک ٹھیک معلوم کرتی ہوں کہ پیر صاحب کس روز چلّے سے نکلیں گے۔ میں تمہیں فون پر اطلاع کر دوں گی تم ایک دو روز کو یہاں رہنے کے بہانے آ جانا پھر دونوں مل جل کر چلیں گے پیر صاحب کے پاس۔ تم ساری منشا پیر صاحب کو بتا دینا...... ڈاکٹر، حکیم اور پیر مرشد کا ایک حساب ہوتا ہے کہ جسے تکلیف ہو، وہ خود ہی بتائے تو زیادہ اچھا رہتا ہے۔"

"آپ کے داماد صاحب مجھے یہاں رہنے کی اجازت ذرا مشکل ہی سے دیتے ہیں مگر خیر کوئی بات نہیں میں آ جاؤں گی۔"

"کیوں بھئی رہنے کی اجازت کیوں نہیں دیتے۔ کیا ہم نے بیچ دیا ہے تمہیں اُن کے ہاتھ!"

"بس اماں، وہ بھیا والا حساب ہے وہ کب رہنے کی اجازت دیتے ہیں بھابی کو اُن کے میکے میں۔"

''بھئی، تمہارا اور تمہاری بھابی کا کیا مقابلہ..... تمہاری بھاوج کو تو سو طرح کی چھوٹ ہے اس گھر میں، جبکہ تم نوکری بھی کرتی ہو پھر بھی بتیس دانتوں کے بیچ زبان بن کر رہتی ہو۔''

اماں نے ایسے درد بھرے لہجے میں یہ بات کہی کہ جویا کو یوں محسوس ہوا، جیسے اس سے زیادہ مجبور اور بے بس عورت دنیا میں اور کوئی نہ تھی۔

''تم اپنے پیروں پر کھڑی ہو، خیر سے کھاتی کماتی ہو۔ یقین ہوں یا کوئی اور، کسی کے دباؤ میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''اماں ٹھیک کہتی ہیں۔'' جویا نے دل ہی دل میں سوچا۔

☆======☆======☆

فرزین کی واپسی کے ساتھ ہی جویا کی سسرال میں فرزین کی شادی کا قصہ چھڑ گیا۔ صبح پونے گیارہ کا عمل تھا۔ گھر پر ہُو کا عالم طاری تھا۔ یقین، جویا، مدحت بجیا، نزہت اور ذہین بھی جا چکے تھے۔ فرزین جسے دوپہر کی ڈیوٹی پر جانا تھا، لمبی تانے سو رہا تھا۔ باورچی خانے میں موجو برتن دھو رہا تھا۔ امی دو ہنڈیاں چڑھا کر لاؤنج میں آ بیٹھی تھیں۔ بابا جو پودوں کی آبیاری میں مصروف تھے، اپنے کام سے فراغت پا کر پلٹے تو انہوں نے امی کو چھالیہ کترتے ہوئے گہری سوچ میں مستغرق پایا۔

''خیریت تو ہے بیگم صاحبہ؟''

''آں..... ہاں.....'' امی چونک گئیں۔

''بڑی گہری سوچ میں تھیں۔''

''ارے ماسٹر صاحب..... کیا ہم اور کیا ہماری سوچیں..... بس بچوں کی فکریں لگی رہتی ہیں دم سے۔''

''بھئی، اب تو ماشاءاللہ سب بڑے ہیں اب ان کی فکر کیوں؟''

امی دھیرے سے ہنس دیں۔ ان کی ہنسی میں مسرت اور طمانیت کے ساتھ موہوم سے دُکھ کی کیفیت بھی تھی۔

''ماسٹر صاحب! بچے چھوٹے ہوں تو ان کی پرورش کی فکر..... ذرا بڑے ہو جائیں تو ان کی تعلیم و تربیت کی فکر..... جوان ہو جائیں تو ان کے فرض سے سبک دوش ہونے کی فکر.....ہم ماں باپ کے دل کو تو بس اولاد کی فکر ہی لگی رہتی ہے..... آج ایک کی فکر تو کل دوسرے کی فکر۔''

''اب کس کی فکر میں ہیں آپ؟'' بابا مسکرائے۔

''وہی فرزین اور نزہت کی شادیوں کی فکر۔''

''بھئی، نزہت کی حد تک تو تسلیم مگر فرزین کی کیا فکر..... بقول آپ کے اپنوں پرایوں میں کئی لڑکیاں ہیں آپ کی نظر میں۔''

''ہاں، لڑکیاں تو خیر ہیں مگر.....''

''مگر کیا؟''

''پہلے نزہت کی تو کہیں بات بنے..... اصل فکر تو مجھے اُسی کی ہے..... فرزین کے لیے تو میں جس گھر بھی رشتہ لے کر جاؤں گی، خدا نے چاہا انکار نہیں ہوگا۔''

بابا دھیرے سے مسکرائے پھر بولے۔ ''جب یہ بات ہے تو آپ فرزین کی فکر کو دل سے کیوں لگائے بیٹھی ہیں۔ جس کے فرض سے ادا ہو سکتی ہیں، ہو جایئے۔''

''آپ کا مطلب ہے، نزہت سے پہلے فرزین کی.....؟''

''جی ہاں، میرا یہی مطلب ہے۔''

''ہرگز نہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''جب تک نزہت کا معاملہ کہیں طے نہیں ہو جاتا، میں فرزین کی شادی کا بھولے سے بھی ارادہ نہیں کروں گی۔''

''گویا آپ اپنی مرضی سے دو فکروں میں گرفتار رہنا چاہتی ہیں۔''

''کون چاہے گا کہ فکروں میں گرفتار رہے مگر مجبوری کو سلام۔''

''معاف کیجیے گا بیگم صاحبہ، فرزین کی فکر کو میں آپ کی خود ساختہ مجبوری سمجھتا ہوں بلکہ زبردستی کی مجبوری۔ بھئی، یہ کیا بات ہوئی کہ اگر ہمیں بیٹی کے لیے کوئی مناسب رشتہ نہیں مل رہا ہے تو ہم بیٹے کو بھی اٹکائے رکھیں۔ بیٹی ہو یا بیٹا، ماں باپ کا فرض اور ذمے داری دونوں کے لیے یکساں ہے۔ ویسے بھی فرزین میاں، نزہت بیٹی سے بڑے ہیں۔ اُن کی شادی پہلے کر دینے میں کیا قباحت ہے۔''

''قباحت یہ ہے کہ بھاوجیں آ جائیں تو بھائیوں کے رویے بہنوں سے بدلنے لگتے ہیں۔''

''رویے بدلنے لگتے ہیں! کیا مطلب!''

''بھئی، ایک بیٹے کی شادی کے بعد دیکھا نہیں آپ نے؟''

''کیا نہیں دیکھا!'' بابا کے لہجے میں استفہام سے زیادہ استعجاب تھا۔

''پہلے پوری تنخواہ ہمارے ہاتھ میں لا کر رکھتا تھا، اب آدھی دیتا ہے۔ بیوی کے لیے کوئی چیز لائے تو ہماری طرف سے نیڑھا ہو کر گزرتا ہے کہ کہیں ہم دیکھ نہ لیں۔ بہن بھائیوں کے ساتھ بھی اب اس کا پہلے جیسا رویہ نہیں رہا۔ نگہت سے تو بہت ہی منہ بنانے لگا ہے۔ بھانجیوں سے بھی پہلے کی طرح رغبت نہیں رکھتا۔ چند دن پہلے ہی کی بات ہے، کہکشاں مجھ سے کہہ رہی تھی، ننا ماموں جان اب ہمیں آئس کریم کھلانے بھی نہیں لے جاتے۔''

بابا کے لبوں پر مدبرانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''بھئی، شادی کے بعد تبدیلی تو آتی ہی ہے۔ لڑکا ہو یا لڑکی، اُس کی توجہ دوسروں سے ہٹ کر اپنے شریک سفر پر مرتکز ہو جاتی ہے۔ آپ نے اپنے بیٹے میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا نوٹس تو لیا، یہ نہیں دیکھا کہ آپ کے بیٹے کی خاطر لڑکی تو اپنے ماں باپ بہن بھائیوں سب کو چھوڑ

کر آئی ہے۔"

"چھوڑ کہاں آئی ہے ماسٹر صاحب۔ ہر تیسرے چوتھے دن ڈولا کیسا ہوتا ہے۔ دو چار گھنٹے میں دنوں کی کسر پوری کر آتی ہوں گی۔ یہاں کی ایک ایک خبر وہاں ہوتی ہو گی۔"

"یہاں ایسی کیا باتیں ہوتی ہیں جن کی خبر وہاں ہونے کا ذکر آپ اس قدر تشویش سے کر رہی ہیں؟"

"بھئی ہونے کو چھوٹی بڑی سو باتیں ہوتی ہیں۔"

"چھوٹی چھوٹی باتوں میں مت الجھیے، بڑے کاموں پر توجہ رکھیے اور انہیں نمٹایئے۔ فرزین کا گھر بسانے کا ارادہ ہے تو نزہت کی خاطر اس ارادے کو التوا میں مت رکھیے۔ فرزین کی شادی کر کے آپ کسی لڑکی کے ماں باپ کا بوجھ ہلکا کیجیے، اللہ آپ کی مشکل آسان فرمائے گا۔"

"بات تو آپ کی دل کو لگتی ہے ماسٹر صاحب۔"

"جب دل کو لگتی ہے تو بسم اللہ کیجیے۔"

"ٹھیک ہے، لڑکیوں سے مشورہ کرتی ہوں۔"

"مشورہ ضرور کیجیے مگر مشورہ کرنے سے قبل آپ کے دل کو اس ارادے پر ٹھہرانا ضروری ہے کہ بیٹیوں کی خاطر بیٹوں کو بھی شادی کے لیے بٹھائے رکھنا مناسب نہیں۔ جس کی پہلے ہو جائے سو اچھا۔ ایک کی خاطر دوسرے کا وقت نہیں گہنانا چاہیے۔"

امی بے ساختہ ہنس پڑیں۔

"یہ کیا! گنوانا کو آپ گہنانا کہہ گئے۔"

"بھئی، جو وقت گنوا دیا جائے، وہ گہنا ہی تو جاتا ہے۔"

"ہوں! ٹھیک کہتے ہیں۔"

☆=====☆=====☆

یقین ان مردوں میں سے تھا جو بیویوں کو ان کے میکے میں زیادہ نہیں چھوڑتے۔ شادی کے ابتدائی دنوں ہی میں اس نے جویا سے کہہ دیا تھا۔ "تم ہر روز بھی اپنی اماں کے ہاں جانے کو کہو گی میں خوشی سے لے چلوں گا مگر میکے میں رکنے کی زیادہ ضد مت کرنا مجھ سے۔"

"کیوں؟"

"بس مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

"کیا؟ کیا اچھا نہیں لگتا؟"

"تمہارا وہاں رکنا۔"

"وہی تو پوچھ رہی ہوں، کیوں؟"

"گھر سنسان ہو جاتا ہے۔"

"بس اتنی سی بات!" وہ ناز سے مسکرا دی تھی۔

"گھر بھی ویران لگنے لگتا ہے۔"

"کیوں بھئی، اتنے سارے لوگ تو ہوتے ہیں گھر میں، پھر کیوں ویران لگنے لگتا ہے گھر۔"

"ان میں سے کوئی بھی تمہاری جگہ تو نہیں لے سکتا نا۔"

"میری کوئی خاص جگہ ہے؟"

"ہاں، بہت خاص۔"

"بھلا کہاں ہے میری جگہ؟" اس نے اپنے کمرے میں چہار اطراف نظر دوڑاتے ہوئے بہت ناز سے پوچھا تھا۔

"یہاں۔" اس نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"کہاں بھئی؟" وہ انجان بنی آنکھیں پٹ پٹاتی رہی۔

"یہاں......اس دل میں۔"

"دل میں!" وہ ہنس دی۔ "دل ہے یا کمرا؟"

"اجی، چاہنے والوں کا دل تو ہال ہوا کرتا ہے۔"

"پھر تو بہت سوں کے لیے جگہ ہو گی؟"

"اونہوں! ہم صرف ایک کو رکھنے کے قائل ہیں۔" پھر وہ لہجہ بدل کر بولا تھا۔ "میکے میں بار بار رکیں تم تو میں "کرائے کے لیے خالی ہے" کا بورڈ لگا دوں گا۔"

"خبردار جو کبھی سوچا بھی۔" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"بھئی سیدھی سی بات ہے، قبضہ مضبوط رکھنا ہے تو جگہ خالی مت چھوڑو۔"

اماں کی جانب سے فون پر یہ اطلاع ملنے کے بعد کہ پیر صاحب چلے سے نکل آئے ہیں جویا نے یقین سے تین چار دن کے لیے میکے جانے کی اجازت چاہی تو وہ بولا۔ "تمہارے جانے کے بعد دیواروں سے باتیں کروں گا کیا؟"

"کیا حرج ہے کر لیجیے گا......سنا نہیں آپ نے شاعر کیا کہتا ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"کیا کہتا ہے؟"

"کہتا ہے دیواروں سے باتیں کرنا اچھا لگتا ہے۔"

"تمہارے شاعر کو اچھا لگتا ہو گا...... مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔"

"دو تین دن گوارا کر لیجیے گا۔"

"جی نہیں۔" اس نے روکھا جواب دیا۔

"پلیز!"

بمشکل اس نے دو دن کی اجازت دی۔

☆=====☆=====☆

جویا نے یقین ہی سے اپنی ہیڈ مسٹریس کو اطلاع کرا دی کہ وہ دو دن تک اسکول نہیں آ سکے گی۔ اماں پہلے ہی دن اسے پیر صاحب کے ہاں لے گئیں۔ پیر صاحب نے مدعا سنا اور یہ نسخہ شفا تجویز کیا۔

یقین کو ماں کی فرمانبرداری سے بچانے کے لیے دم کی ہوئی شکر!

جویا کا اسیر بنانے کے لیے سرہانے رکھنے کو ایک تعویذ!
گھر والوں کو ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم بنانے کے لیے ہنڈیا میں ڈالنے کو عمل کیا ہوا نمک!
فرزین کا دل زویا کی طرف مائل کرنے کے لیے مٹھائی پر چھڑک کر کھلانے کو دم کیا ہوا سفوف شکر!

جویا نے اس نسخہ شفا کا ہدیہ پیر صاحب کی نذر کیا جسے انہوں نے خاصی شانِ استغنا سے قبول فرمایا۔

پیر صاحب کے ہاں سے گھر واپسی کے دوران اور اگلے روز یقین کے آنے تک اماں گاہے گاہے جویا کو چپکے چپکے سمجھاتی رہیں کہ پیر صاحب کے نسخہ شفا کو ساس نندوں ہی سے نہیں بلکہ یقین سے بھی چھپا کر رکھے اور ہر عمل بہت رازداری کے ساتھ کرے۔

اگلے روز دفتر سے واپسی پر جب یقین اسے لینے کے لیے آیا تو وہ ایک اضطرابی کیفیت میں اس کی منتظر تھی۔ دم کی ہوئی شکر، سفوف شکر، نمک اور تعویذ اس نے اپنے بیگ میں چھپا کر رکھے ہوئے تھے۔

گھر کے اندر سے دروازے کے باہر کھڑی گاڑی تک جاتے ہوئے یقین نے اس سے بیگ لینا چاہا تو وہ گھبرا کر بولی۔

"نہیں...... رہنے دیں...... میں نے پکڑ رکھا ہے۔"

اس کے گھبرانے پر وہ ہنس دیا اور بولا۔ "ارے بھئی، کیا اس بیگ میں خزانے کا راز ہے؟"

"نہیں...... نہیں تو۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"پکڑانے سے تو یونہی انکار کر رہی ہو تم۔"

"انسان کو اپنا بوجھ خود اٹھانا چاہیے۔" وہ اپنی گھبراہٹ کو مسکراہٹ کی آڑ میں چھپانے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

"ارے صاحب، جب خدمت گار موجود ہوں تو خود زحمت اٹھانے کی کیا ضرورت۔" یقین بولا۔

راستے بھر وہ اس خوف میں مبتلا رہی کہ کہیں یقین بیگ کھول کر اس کی تلاشی لینا نہ شروع کر دے۔ راستے میں اس نے مٹھائی کی ایک دکان کے سامنے گاڑی رکوا کر اپنی جیب خاص سے ایک کلو مٹھائی لی۔

گھر پہنچی تو اس گھر میں جہاں وہ اس شان سے داخل ہوا کرتی تھی، جیسے کوئی مہارانی اپنی راجدھانی میں آئے، اس روز وہ ایسی ڈری سہمی سی داخل ہوئی، جیسے کوئی چور شب کے اندھیرے میں کسی انجانے گھر میں چوری کی نیت سے داخل ہوا ہو۔

اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا اور ذہن میں ایک انجانا سا خوف پاؤں پسار رہا تھا۔ سب سے رسمی علیک سلیک کرتی اور نظریں چراتی ہوئی وہ اپنے کمرے میں آ گئی اور جونہی یقین نہانے کو باتھ روم میں گیا، اس نے کمانڈو ایکشن شروع کر دیا۔ تعویذ اس نے تکیے کے غلاف میں اس طرح رکھا

جس کا سرہانا اٹھانے میں وہ ہانپ سی گئی۔ مٹھائی کا ڈبا کھول کر اس نے ایک گلاب جامن پر شکر کا سفوف چھڑکا پھر بقیہ سفوف، یقین کے لیے دی گئی شکر اور گھر والوں کے لیے دیے گئے نمک کی تھیلیاں الماری کے ایک ایسے چور خانے میں چھپا دیں جس کا پتا اسے بھی شادی کے کافی دنوں بعد چلا تھا۔

خوش قسمتی سے فرزین اس وقت گھر پر موجود تھا۔ یقین کے نہا کر نکلنے کے بعد جویا نے بڑے پیار سے پہلے تو اسے ایک گلاب جامن اپنے ہاتھ سے کھلائی پھر مٹھائی کا ڈبہ لیے کمرے سے باہر نکل گئی۔ امی، بابا اور فرزین تینوں لاؤنج میں تھے۔ جویا نے بڑے ادب سے مٹھائی کا ڈبا امی کو تھمایا اور فوراً ہی اس میں سے وہ گلاب جامن اٹھائی، جس پر اس نے نظر جما رکھی تھی اور فرزین کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "منہ تو کھولو۔"

"خیریت تو ہے، کس بات کی مٹھائی ہے؟"

"تمہاری بات پکی ہونے کی۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"میری بات!" وہ چونکا۔

امی اور بابا نے بھی تحیر کے ساتھ یہ بات سنی۔

"ارے بابا، گھبراؤ مت۔ تمہاری بات پکی کرنے کا حق تو امی جان کے نام محفوظ ہے، میں تو مذاق کر رہی ہوں۔" امی نے اطمینان کا سانس لیا۔

"منہ کھولو بھئی۔" جویا نے تقاضا کیا۔

"آں۔" فرزین نے منہ کھولا۔

جویا نے گلاب جامن پوری کی پوری اس کے منہ میں رکھ دی۔

"دلہن! کاہے کی یہ مٹھائی؟" امی نے پوچھا۔

"بیگم صاحبہ، آپ کو مٹھائی کھانے سے مطلب ہے یا وجہ مٹھائی جاننے سے۔" بابا نے ہاتھ بڑھا کر ایک گلاب جامن اٹھالی۔

"ارے بھئی پوچھنے دیجیے۔" امی نے کہا۔ پھر جویا کی طرف متوجہ ہوئیں۔ "ہاں دلہن کاہے کی ہے یہ مٹھائی؟"

جویا جو فرزین کو بہت کامیابی سے گلاب جامن کھلا دینے پر بہت خوش تھی، خوشگوار لہجے میں بولی۔ "امی جان! تازہ بن رہی تھی ہم لیتے آئے۔"

"جیتی رہو دلہن۔" بابا نے ایک اور گلاب جامن اٹھائی تھی۔

"اونہوں۔" امی نے ڈبا بابا سے پرے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "میٹھا کھانا تو کوئی آپ سے سیکھے۔"

"جناب! دو دن تک کہاں غائب رہیں آپ؟" فرزین نے جویا سے پوچھا۔

"اپنے گھر گئی ہوئی تھی۔"

"اپنے گھر!" وہ تعجب سے بولا۔

"میرا مطلب ہے، اماں کے گھر۔"

"...[illegible]"

"میکا سمجھتے ہو تم؟" وہ مسکرائی۔
"ارے صاحب، موقع تو دیجئے ہم تو سسرال بھی سمجھتے ہیں۔"
جویا نے قدرے تحیر سے اسے دیکھا۔
فرزین کے لیے پیر صاحب نے پہلے تو چالیس دن ہی کا عمل بتایا تھا لیکن جب اس نے پیر صاحب کو بتایا تھا کہ وہ بسلسلہ ملازمت اکثر و بیشتر سفر میں رہتا ہے تو انہوں نے کم سے کم بھی لگا تار تین دن کا عمل بتایا تھا تاہم صاف کہہ دیا تھا کہ اس عمل کے اثر کی توقع چالیس روز سے پہلے نہ رکھی جائے۔ جویا اور اماں دونوں میں سے کسی کو تردد نہ ہوا۔ کوئی بات نہیں۔ جلدی تھوڑی تھی، اصل مسئلہ تو فرزین کا ملتفت ہونا تھا۔ اس مرتبہ نہ سہی، اگلے پھیرے ہی میں سہی، اثر بہرحال ظاہر تو ہوگا۔
مگر پیر صاحب کی دی ہوئی شکر تو ایسی جادو اثر ثابت ہوئی تھی کہ پہلے دن ہی اثر ظاہر ہو گیا تھا۔ فرزین کا یہ کہنا کہ موقع تو دیجئے ہم تو سسرال بھی سمجھتے ہیں، بے معنی تو نہ تھا۔
بہرحال ابھی تو دو خوراکیں اسے اور دینی تھیں۔
یقین چونکہ ہر رات دودھ کا ایک مگ پینے کا عادی تھا اس لیے اسے دودھ میں پڑھی ہوئی شکر گھول کر دینا چنداں مسئلہ نہ تھا۔ جویا نے اسی رات بسم اللہ کر دی۔
ہنڈیا میں نمک ڈالنا اس نے اگلے دن پر موقوف رکھا۔
اگلے روز اسکول سے واپسی پر وہ بدایوں کے پیڑے اور پلاسٹک کا ایک شکر دان خریدتی ہوئی گھر واپس لوٹی۔
تاہم فرزین کو موجود نہ پا کر اس نے پیڑوں کی رونمائی فرزین کی موجودگی تک موقوف رکھتے ہوئے ڈبا سائیڈ بورڈ کے خانے میں رکھ دیا۔ شکر دان میں جتنی شکر تھیلی سے نکالی جا سکی، بھر دی۔ بقیہ شکر اس نے دوبارہ الماری کے اسی خانے میں رکھ دی۔ مذکورہ شکر دان پہلے روز اس نے سائیڈ بورڈ پر رکھا۔ اگلے دن سائیڈ بورڈ کے ایک خانے میں رکھ دیا۔
پہلے دن شکر دان سائیڈ بورڈ پر رکھنے کی غرض و غایت یقین کو اس سے مانوس کر دینا ٹھہرا۔ دوسرے دن اسے سائیڈ بورڈ کے خانے میں اس لیے اتار رکھا کہ دیگر افراد خانہ اس شکر دان کے بارے میں متجسس نہ ہوں۔
پہلے روز شکر دان کو سائیڈ بورڈ پر رکھے دیکھ کر یقین نے پوچھا۔ "یہ شوگر پاٹ یہاں کہاں سے آیا اور کیوں رکھا ہے؟"
"میں لائی ہوں اور اس لیے رکھا ہے کہ آپ کو آسانی رہے، دودھ میں جتنی شکر آپ کو ڈالنی ہوا کرے، خود ڈال لیا کریں۔"
"خوبصورت ہے۔" یقین نے شکر دان کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"تھینک یو۔"
گھر والوں کے لیے دیے گئے نمک کو چالیس روز تک گھر کی ہنڈیا میں ڈالنے کی تاکید تھی۔ پہلے تو پیر صاحب نے دونوں وقت نمک استعمال کرنے کی تاکید کی تھی مگر جویا کی اس مجبوری کے پیش

نظر کہ اپنی ملازمت کے باعث وہ دوپہر کے کھانے میں زیادہ دخل در معقولات سے قاصر تھی۔ پیر صاحب نے جویا کو رعایت دے دی تھی۔ رات کے کھانے میں چالیس روز تک گھر والوں کو پڑھا ہوا نمک دینے کی ہدایت تھی۔
جویا نے موقع پا کر نمک کے چوتھائی حصے کو ایک پرانی نمک دانی میں بھر کر باورچی خانے کی ایک کیبنٹ میں چھپا کر رکھ دیا۔ سارا نمک اس نے اس خدشے کے تحت باورچی خانے میں نہ رکھا کہ کہیں کوئی اٹھا کر پھینک پھینکا نہ دے۔ باورچی خانہ کسی ایک کے ہاتھ میں تو تھا نہیں۔ امی، مدحت بجیا، نزہت، موجو بھی کا تو عمل دخل رہتا تھا۔ نزہت کو باورچی خانے کی صفائی کا ایسا مراق تھا کہ کسی کیبنٹ کا کوئی گوشہ کافی دنوں تک اس کی نظروں سے بچنے نہ پاتا۔ مہینے، دو مہینے میں وہ باورچی خانے کی بڑی صفائی کرتی اور کونوں کھدروں سے پرانی دھرانی چیزیں نکال کر کوڑے دان کی نذر کر دیتی۔
ادھر امی کو نمک کے بارے میں ایسا وہم رہتا تھا کہ جہاں نمک کا مرتبان ذرا سا بھی کھلا دیکھتیں۔ چلاتیں۔
"ارے، نمک کھول کر مت رکھا کرو۔ چپکلی چاٹتی ہے۔"
خدا جانے امی کی یہ بات کس حد تک درست تھی۔
پہلے روز ہنڈیا میں نمک چھڑکنے کے لیے جویا کو بہت دیر گھات لگانی پڑی۔ سب کھانا کھانے بیٹھے تو سبھی نے بھنڈی گوشت میں نمک کرارا ہونے کی شکایت کی اور امی نے نزہت کو ڈانٹ پلائی۔ کھانے میں نمک تیز ہو جانے سے امی کو بہت وہم ہونے لگتا تھا۔
بھنڈی گوشت میں نمک کے کرارے پن کو معتدل کرنے کے لیے اسے ماش کی دال کے ساتھ ملا کر کھایا گیا۔
کھانے کے دوران جویا نے کہا۔ "ارے ہاں، آج بدایوں کے پیڑے بھی تو لائی تھی میں۔"
"بہو! کہاں ہیں پیڑے، جلدی لاؤ۔" ابا نے بیتابانہ کہا۔
جویا گئی اور کمرے میں سائیڈ بورڈ میں سے پیڑوں کا ڈبا نکال لائی اور کمال ہوشیاری سے اس نے مفوف شکر والا پیڑا فرزین کی پلیٹ میں رکھ دیا۔
اگلے دن فرزین پر عمل کا آخری دن تھا۔
جویا نے اسکول کے چپڑاسی کو برنس روڈ بھیج کر ربڑی کا کلھڑ منگوایا اور دوپہر کے کھانے پر یہ کہہ کر پیش کیا کہ اسکول میں اس کی کوئی ساتھی حیدر آباد سے بطور سوغات لائی تھیں۔ فرزین کی عدم موجودگی کے باعث فرزینا کا حصہ نکال کر فریج میں رکھ دیا گیا جس پر بعد میں موقع دیکھ کر جویا نے مفوف شکر چھڑک دیا اور فرزین کے آنے تک اس کے حصے کی خبر گیری رکھی۔
فرزینا کے حصے کی ربڑی اسے کھلا دینے کے بعد جویا نے اطمینان کا سانس لیا کہ فرزین پر عمل مکمل ہو گیا تھا۔

☆======☆======☆

یقین کے لیے دودھ میں شکر اور سب گھر والوں کے لیے نمک کا عمل بخیر و خوبی جاری تھا۔ نمک

کے استعمال کے سلسلے میں جویا نے پیر صاحب سے پوچھا تھا کہ پڑھے ہوئے نمک والی ہنڈیا کا سالن کھانے سے خود اس پر کیا اثر ہوگا۔ پیر صاحب نے وثوق سے کہا تھا کہ اس پر کوئی اثر نہ ہوگا، وہ بے خوف و خطر پڑھے ہوئے نمک والا سالن کھا سکتی تھی۔

رات کے کھانے کی تیاری میں چونکہ عموماً نزہت پیش پیش ہوتی تھی۔ اس لیے جویا کو اکثر نمک بعد میں ہنڈیا میں چھڑکنا پڑتا۔ کبھی جلدی میں ایک ہی ہنڈیا میں کارگزاری دکھا دیتی۔ کبھی تھوڑا تھوڑا ہر ہنڈیا میں چھڑک دیتی۔ جب ساری کارگزاری ایک ہنڈیا پر دکھاتی تو نمک خاصا تیز ہو جاتا۔ نمک کرارا ہونے پر امی کی ڈانٹ اسی کے حصے میں آتی۔

''ارے بھئی، کیا ہو گیا ہے تمہیں ہر روز کسی نہ کسی سالن میں نمک تیز کر دیتی ہو۔'' امی نزہت کو جھنکارتیں۔

''امی، ہم تو اپنے اندازے سے بالکل ٹھیک ڈالتے ہیں۔'' نزہت خفیف ہو جاتی۔

''تو پھر تیز کیسے ہو جاتا ہے؟''

''اس پر تو ہم خود حیران ہوتے ہیں۔''

''پکانا بھول گئی ہو تم۔''

''اللہ، نہیں امی۔'' نزہت روہانسی ہو جاتی۔

جویا کان دبائے سنتی رہتی۔

انجان بنی رہتی۔

مگر کب تک!

ایک روز اس کی چوری پکڑی ہی گئی۔

☆======☆======☆

سارہ آپا کے دولہا کی عادت تھی کہ چھٹی پر جب بھی گھر آتے، بنا اطلاع کیے اچانک پہنچتے۔ ان کا کہنا تھا کہ پہلے سے اطلاع کر کے آنے میں وہ مزہ نہیں آتا جو بغیر اطلاع کے اچانک پہنچنے میں آتا ہے۔ چنانچہ دو مرتبہ تو یوں بھی ہوا کہ وہ ائیر پورٹ سے گھر پہنچے تو بیگم گھر گئی ہوئی تھیں اور بچے اسکول مگر ارشد بھائی چنداں بددل نہ ہوئے، بدستور بنا پیشگی اطلاع کیے پہنچتے رہے۔ چنانچہ اس مرتبہ بھی وہ بغیر اطلاع کیے ہی پہنچے تھے۔

گو جویا کی شادی میں سارہ آپا نے بڑھ چڑھ کر شرکت کی تھی اور خوب دل کھول کر لینا دینا کیا تھا مگر اس سارے لین دین کو انہوں نے میاں پر ظاہر نہ کیا تھا۔ بہت کچھ چھپا گئی تھیں۔ بتانا ضروری بھی نہیں تھا بلکہ چھپانا ضروری تھا۔ اماں نے ہر بیاہی بیٹی کو ہمیشہ یہی تربیت دی تھی کہ میکے والوں کے ساتھ کیے جانے والے حسن سلوک کو اپنے شوہر اور سسرال والوں سے حتی الامکان چھپائیں۔

ارشد بھائی آئے تو جویا کی شادی میں اپنی عدم شرکت کا ازالہ کرنے کے لیے جویا اور یقین کے لیے بطور خاص بیش قیمت تحائف لے کر آئے۔

یقین کے لیے قیمتی گھڑی، تھری پیس سوٹ کا کپڑا، ایک [illegible] شیونگ کریم [illegible] اور [illegible] لوشن

پر مشتمل ایک نفیس، دیدہ زیب سیٹ۔

جویا کے لیے طلائی زنجیر، ایک ساڑھی، ایک جاپانی تھری پیس، کاسمیٹکس کٹ، پرفیوم اور جھلمل کرتے شبنمی موتیوں کا پرس۔

ارشد بھائی، اپنی آمد کے پہلے ہی دن بیوی اور بچوں کے ہمراہ سسرال آئے تو اماں، ابا، زدیا، بھیا، بھابی، ان کے بچوں، طارق بھائی اور ان کے افراد کنبہ کے لیے تحائف کے ساتھ جویا اور یقین کے تحائف بھی لیتے آئے۔

اماں نے پہلے تو ارشد بھائی کو دامن پھیلا پھیلا کر دعائیں دیں پھر بولیں۔ ''ارشد بیٹے! یہ سب کچھ لانے کی بھلا کیا ضرورت تھی، ہمارے لیے تو تمہارا آ جانا ہی بہت۔''

''ارے اماں، شرمندہ مت کیجیے۔ بہت چھوٹی موٹی اور معمولی چیزیں ہیں۔'' ارشد بھائی نے کہا۔

''تم اتنا خیال رکھتے ہو، جیتے رہو۔''

گویا خیال نہ رکھتے تو جینے کی دعا نہ دی جاتی!

''اماں، جویا کو ان کے آنے کی خبر ہے؟'' سارہ آپا نے جو میاں کی آمد پر بے حد مسرور تھیں، اماں سے پوچھا۔

''ہاں، جب تم نے مجھے فون کر کے بتایا تو میں نے اسی وقت زہرا اور جویا کو فون کروا دیا تھا۔''

''زہرا نے تو خیر فون کیا تھا کل آنے کو کہا ہے۔ جویا نے پلٹ کر خبر نہیں لی۔'' سارہ آپا نے شاکی لہجے میں کہا۔

''ہو سکتا ہے، اسے خبر ہی نہ ہوئی ہو۔'' اماں بولیں۔

''آپ تو کہہ رہی ہیں کہ آپ نے اسے فون کر دیا تھا۔'' سارہ آپا نے اماں کو مشکوک نظروں سے دیکھا۔

''جویا اسکول جا چکی تھی، اس کی نند سے بات ہوئی تھی۔''

''کون سی نند سے؟''

''ارے اسی سے جو طلاق لے کر گھر بیٹھی ہوئی ہے۔''

ارشد بھائی نے یہ بات خاصے استعجاب کے ساتھ سنی پھر بولے۔ ''کیا...... جویا کی کسی نند کو......''

''جی ہاں۔'' سارہ آپا نے ان کے ادھورے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''سب سے بڑی نند مطلقہ ہے۔''

''مجھے لگتا ہے، جویا کو اس نے بتایا نہیں ورنہ وہ تو ارشد میاں کی ایسی دیوانی ہے کہ لپکی چلی آتی۔'' اماں بولیں۔

''اماں فون کروں جویا کو؟'' زہرا بولی۔

ہاں کر دو [illegible]

"ابھی کرتی ہوں۔" زویا نے چٹکی بجائی۔

"بلکہ ٹھہرو۔" اماں کو کچھ اور خیال سوجھا اور انہوں نے روئے سخن سارہ آپا کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ "ایسا کرو جویا اور یقین کا سامان لے کر تم خود کیوں نہ چلی جاؤ ارشد کے ساتھ۔"

"جویا کی سسرال؟"

"ہاں۔"

"کیا خیال ہے صاحب؟" سارہ آپا نے میاں کی طرف دیکھا۔

"ایزیو وش۔" وہ بولے۔

"کیا کہہ رہے ہیں؟" داماد کی انگریزی اماں کے سر سے گزر گئی۔

زویا منہ دبا کر ہنسنے لگی۔

اماں نے اسے گھورا۔

سارہ آپا نے اماں کی خفگی تاڑتے ہوئے زویا کو آنکھوں ہی آنکھوں میں تنبیہہ کی اور اماں سے بولیں۔ "کہہ رہے ہیں جیسے تمہاری مرضی۔"

"بسم اللہ کرو..... کھڑے کھڑے ہو آؤ، جویا بھی خوش ہو جائے گی اور اگر سسرال والوں نے اسے ہمارے آنے کا نہیں بتایا ہوا تو ان کی چالاکی بھی ہاتھ کے ہاتھ کھل جائے گی۔"

"بھئی ہم تو تیار ہیں۔" وہ مسکرائے پھر ابا کی طرف دیکھ کر بولے۔ "آپ چلنا پسند کریں گے ابا؟"

"ٹھیک ہے، چلتے ہیں۔"

"میں بھی چلوں؟" اماں بولیں۔

"کیوں نہیں..... ضرور چلیے۔" سارہ آپا کے دولہا نے کہا۔

"چلنا ہے تو فٹافٹ کھڑی ہو جاؤ۔" ابا بولے۔

"میاں! ہاتھ پاؤں نہ پھلوائیے میرے۔"

"میں، میں بھی چلوں؟" زویا منمنائی۔

"ہیں!" اماں کچھ تذبذب میں پڑ گئیں۔ زویا کو لے جانے کے لیے موقع تو بہت اچھا تھا۔

"گاڑی میں اتنی جگہ کہاں ہو گی۔"

"جگہ کی آپ فکر نہ کریں۔ جگہ دل میں ہونی چاہیے۔" ارشد بھائی نے فراخدلی سے کہا۔

"ارشد بھائی زندہ باد۔" زویا نے نعرہ لگایا۔

"اچھا جا، جلدی سے جا کر تیار ہو جا۔"

"بس ابھی آئی اماں۔"

"سارہ بیٹی جب تک زویا آئے، تم ان تھیلوں میں سے جویا اور یقین کی چیزیں تو نکال لو۔" اماں نے تخت پر رکھے ان تھیلوں کی طرف اشارہ کیا جن میں ارشد اہل سسرال کے لیے سوغاتیں

[illegible]

"سامان لے کر چلیں گی کیا؟"

"کیوں نہیں، سسرال والوں کو پتہ چلے کہ بہنوئی سعودی عرب سے آئے ہیں تو کچھ لے کر بھی آئے ہیں۔"

"مگر اماں، جویا کی سسرال والوں کے لیے تو کوئی چیز بھی نہیں لائے۔" سارہ آپا نے کہا۔

"ارے بھئی، کیا ہم نے ان کا ٹھیکا اٹھا رکھا ہے۔ ہمیں تو اپنی بیٹی اور داماد سے مطلب ہے بس۔" اماں بولیں۔

دفعتاً اماں کی نظر داماد سے ٹکرائی اور وہ انہیں انتہائی معنی خیزی سے اپنی طرف دیکھتے پا کر خفیف ہو گئیں اور بولیں۔ "بھئی میرا مطلب ہے، بیٹی کے سسرالی والے بھی سر آنکھوں پر مگر اتنی دور سے ہر ایک کے لیے تو تحفہ نہیں آ سکتا تھا۔"

"مجھے پتا ہوتا کہ اچانک ہی جویا کے ہاں جانے کا پروگرام بن جائے گا تو میں کم از کم اس کی ساس کے لیے تو چھوٹی موٹی کوئی چیز ضرور لے آتی۔"

"ایسا کرو، میرے لیے جو جانماز لائے ہیں، ارشد میاں وہ لے لو اور آیۃ الکرسی والی ایک کٹوری رکھ لو جویا کی ساس کے لیے۔"

"چلیے ٹھیک ہے، میں آپ کے لیے دوسری جانماز اور کٹوری لا دوں گی۔"

سارہ آپا تھیلوں میں سے مطلوبہ سامان نکالنے لگیں۔

"اے سارہ، ذرا دیکھنا میرے کپڑے تو ٹھیک ہیں نا؟"

"ہاں ٹھیک ہیں، بس ذرا دوپٹا بدل لیں۔"

"دلہن! او دلہن!" اماں نے وہیں بیٹھے بیٹھے پکارا۔

"جی اماں۔" بھابی لپکی ہوئی آئیں۔

"ہم لوگ ذرا جویا کی طرف جا رہے ہیں۔"

"جی اچھا۔"

"مجھے دوپٹا تو دوسرا دے دو۔"

"ابھی دیتی ہوں۔"

"زویا! گھنٹا مت لگا دینا، جلدی کر۔" اماں نے پکارا۔

"آئی اماں۔"

بھابی نے اماں کو کلف لگا استری شدہ دوپٹا لا کر دیا۔

زویا آئی تو اس کی نوک پلک سنوری ہوئی تھی۔ اس وقت تک سارہ آپا جویا کے ہاں لے جانے کے لیے سامان دو تھیلوں میں رکھ چکی تھیں۔

گاڑی میں ابا داماد کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھے۔ سارہ آپا کے بیٹے امجد کو ابا نے اپنی گود میں بٹھایا۔ پچھلی نشست پر اماں، سارہ آپا اور زویا بیٹھیں۔ زارا کو زویا نے اپنے گھٹنوں پر بیٹھا لیا تھا۔

بھابی دروازے پر کھڑی ندیدوں کی طرح دیکھتی رہیں۔ کسی نے ان سے جھوٹوں چلنے کو نہ کہا

تھا اور یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ انہیں اکثر و بیشتر اسی طرح نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔

گاڑی اونچے نیچے راستے پر سے ہوتی کھلی سڑک پر نکل کر آئی تو زدیا کے دل میں چپکے سے ایک تمنا چٹکی۔

"کاش! فرزین بھی گھر پر ہو۔"

☆=====☆=====☆

شاید وہ قبولیتِ دعا کی گھڑی تھی۔

فرزین جہاز پر اپنی ڈیوٹی بھگتانے کے بعد ان لوگوں کے پہنچنے سے تھوڑی دیر قبل ہی گھر پہنچا تھا۔

زدیا نے اسے دیکھا اور نظریں چرا لیں۔

فرزین نے اسے دیکھا اور سرشار ہو گیا۔

اس لڑکی کی سادگی میں بھی پرکاری تھی۔ سادہ سوتی جوڑے میں بھی اس کی عجب خوب تھی۔

فرزین کو وہ بہت سی شامیں یاد آنے لگیں جو اس نے سمندر کے وسط پر اس لڑکی کے بارے میں سوچتے ہوئے گزاری تھیں۔

اس میں کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور تھی جو اس کے دل کو اپنی طرف کھینچتی تھی۔

"مگر کیا!"

کیا بات تھی ایسی اس میں!

یقین کی شادی کی ویڈیو کیسٹ کی کاپی ہوا کر وہ جہاز پر اپنے ساتھ لے گیا تھا اور اس نے اس کیسٹ کو اتنی بار دیکھا تھا کہ ایک روز اس کے ایک بے تکلف ساتھی عرفان نے ہنس کر کہا۔ "یار فرزین، لگتا ہے تو اس کیسٹ کو حفظ کر رہا ہے۔"

وہ جھینپ گیا تھا۔

"کوئی خاص بات ہے کیا؟" عرفان نے اس کے کیبن میں اس کے نزدیک بیٹھتے ہوئے ٹہوکا دے کر سولہ انچی ٹی وی اسکرین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا تھا۔

"ہاں ہے تو خاص بات ہی۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"اچھا جی!" عرفان اچھل پڑا۔ "کون ہے یار، ذرا دکھا تو۔"

عرفان سے جان چھڑانا مشکل ہو گیا اور دکھاتے ہی بنی۔

"کیسی ہے؟" اس نے عرفان سے پوچھا۔

"ٹھیک ٹھاک ہی لگتی ہے۔"

"بس ٹھیک ٹھاک!"

"اچھی ہے۔"

بس اچھی!"

"ہاں..... بس اچھی۔"

"اپنی آنکھیں ضرور ٹیسٹ کرانا اس دفعہ کسی اچھے سے ڈاکٹر سے۔"

"کیوں بھئی؟"

"کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے تیری آئی سائٹ میں۔"

"اوئے یار، گڑبڑ میری آئی سائٹ میں نہیں ہے، تیرے دل میں ہو گئی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ دل گدھی پر آ جائے تا تو وہ بھی پری لگنے لگتی ہے۔"

"کیا!" فرزین نے دونوں ہاتھ اس کی گردن کی طرف بڑھاتے ہوئے آنکھیں نکالیں۔

عرفان ہنس کر پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔ "اوئے ٹھیک ہے ٹھیک ہے...... مانا کہ تجھے اس لڑکی سے عشق ہو گیا ہے۔ پر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ یاروں کی گردن دبانے کو تیار ہو جائے۔ بائی دی وے یہ ہے کون؟"

"میرے بھائی کی سسرال والی۔"

"سالی کہتے شرم آتی ہے!"

"یار، اس کے لیے بہت اچھے اچھے الفاظ استعمال کرنے کو دل چاہتا ہے۔"

"اوئے خیر!" عرفان مسکرایا۔ "بیگم سے اچھا لفظ اور کیا ہو سکتا ہے۔"

"ویسے یار، مذاق چھوڑ، سچ بتا کیسی ہے؟"

"میری جان! حسن تو چاہنے والے کی نظر میں ہوتا ہے۔ اگر تجھے اچھی لگی ہے تو پھر کسی اور کی نظر سے اسے دیکھنے کی کوشش مت کرنا...... اچھی ہے یار..... نائس ہے..... گو اہیڈ۔" عرفان نے اس کا بازو تھپکا۔

عرفان نے غلط نہیں کہا تھا۔

فرزین نے چاہنے والی آنکھوں سے زدیا کو دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔

خدشہ اماں کا بھی غلط نہیں ثابت ہوا۔

جویا کو ارشد بھائی کے آنے کی اطلاع نہیں تھی۔

"ارے، آپ کب آئے؟" جویا ارشد بھائی کو دیکھتے ہی اچھل پڑی۔

"آج ہی پہنچا ہوں۔"

"حسبِ عادت بغیر اطلاع کیے؟" جویا کے لہجے میں تائید طلب استفہامیہ کیفیت تھی۔

"مگر تمہیں تو میں نے اطلاع کر دی تھی۔" اماں نے کہا۔

"مجھے!" جویا حیران ہو کر بولی۔

"ہاں..... ادھر مجھے سارہ نے فون کر کے خبر دی، ادھر میں نے زہرا کو اور تمہیں فون کیا۔"

"اماں مجھ سے آپ کی بات کب ہوئی!" جویا حیران ہو کر بولی۔

"بھئی، تم سے نہیں ہوئی تو کیا، میں نے یہاں اطلاع تو دے دی تھی۔"

"کسے؟ کسے دی تھی اطلاع؟"

"مدحت کو؟"

"مگر انہوں نے تو مجھے نہیں بتایا۔"

سوئے اتفاق مدحت بجیا بھی اسی وقت آ پہنچیں۔

"کیوں مدحت، میں نے فون کر کے سارا کے دلہا کے آنے کی خبر دی تھی یا نہیں؟" اماں نے مدحت بجیا کو سر محفل پکڑ لی۔

"اوہ! سو سوری جویا۔" مدحت بجیا نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے خفت سے کہا۔

"میں یونیورسٹی جانے کو نکل ہی رہی تھی جلدی میں کسی کو بتا نہ سکی۔ واپسی پر یاد ہی نہ رہا۔ آئی ایم رئیلی سوری۔"

"مدحت! بادام کھایا کرو۔" اماں نے بظاہر بڑے پھوکے منہ سے کہا۔

"جی!" مدحت بجیا نے چونک کر اماں کی طرف دیکھا۔

"بادام کھانے سے یادداشت اچھی رہتی ہے۔"

مدحت بجیا اماں کے طنز کو سمجھ گئیں۔

امی بھی ان کے مطلب کو پا گئیں اور انہیں سخت ناگوار گزرا۔ انہوں نے مدد طلب نگاہوں سے یقین کی طرف دیکھا۔

گھروں میں ایسی بھول چوک اکثر ہو ہی جاتی ہے۔

سدھن کو درگزر کر دینا چاہیے تھا۔

مدحت بچی تو نہ تھی۔ بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھی۔ اور پھر یونیورسٹی میں پڑھاتی تھی۔

کچھ نہیں تو سدھن اس کے منصب ہی کا لحاظ کر لیتیں۔

چند ثانیے امی منتظر رہیں کہ یقین کچھ بولے مگر وہ تو کاٹھ کا الو بنا منہ میں گھنگنیاں بھرے بیٹھا رہا، بالآخر امی ہی کو کہنا پڑا۔

"بہن! مدحت کو بادام کھانے کی ضرورت نہیں۔ اس کی یادداشت بادام کھائے بغیر ہی بہت اچھی ہے۔ بس یہ کہیے کہ وقت کی بات ہے جو آپ کے فون کا دلہن کو بتانا بھول گئی۔"

امی کے لہجے کی تلخی کو سبھی نے محسوس کی اور ماحول ذرا مکدر سا ہو گیا۔

ماحول پر چھا جانے والے اس تکدر کو دور کرنے کے لیے بابا سارہ آپا کے میاں سے بولے۔

"بہر حال، مدحت بیٹی کی بھول کا فائدہ یہ ہوا کہ آپ انتیسویں شب کا چاند بن کر طلوع ہوئے ہیں۔"

"یہ تو ہے۔" جویا نے چہک کر تائید کی۔ "سچ کہتی ہوں، ارشد بھائی۔ اتنی خوشی ہو رہی ہے اس وقت مجھے کہ میں بتا نہیں سکتی۔"

"مجھے اندازہ ہے۔" ارشد بھائی مسکرا کر بولے۔

"ویسے فون گھر میں جس کا بھی آئے، اسے بتا ضرور دینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے ضروری ہو۔" اماں بولیں۔

"بھئی، آگے چلو۔" ابا نے کہا۔

اماں نے ابا کو گھورا اور ناگوار لہجے میں بڑبڑائیں۔ "اوں ہوں!"

نزہت مسکراتی ہوئی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی اور اس نے آداب و تسلیمات کے بعد پوچھا۔ "آپ لوگ گرم پئیں گے یا ٹھنڈا؟"

"کچھ نہیں گرم ٹھنڈا سب پی کر چلے ہیں ہم گھر سے۔" اماں بولیں۔

"ہاں کچھ نہیں۔" ارشد بھائی نے تائید کی۔

"واہ! بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔"

"کیا بہت ضروری ہے؟" ارشد بھائی نے پوچھا۔

"لازمی ارشد بھائی۔" یقین مسکرا کر بولا۔

امی کو اس کا مسکرانا برا لگا۔

"سسرالیوں کے سامنے تو پوری بتیسی نکل آتی ہے اس کی۔" امی نے دل ہی دل میں سوچا۔

غنیمت تھا کہ جویا کے میکے والوں کا آنا جانا کم ہی ہوتا تھا اور اسی نسبت سے امی نے سسرالیوں کے سامنے یقین کی بتیسی کم ہی نکلتی دیکھی تھی ورنہ شاید اس وقت اس کا مسکرانا انہیں زہر لگا ہوتا۔

"اچھا تو پھر چائے پلوا دیجیے۔" ارشد بھائی بولے۔

"بھئی، میں تو اس موسم میں چائے ہرگز نہیں پیوں گی۔" اماں نے جویا کے کان میں کہا۔

"اور آپ سارہ آپا؟" جویا نے آپا سے پوچھا۔

"میں بھی نہیں پیوں گی۔" سارہ آپا نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

"چلیے آپ کے لیے ٹھنڈا لے آتی ہوں۔" جویا اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بھابی، آپ بیٹھیے بس ہمیں بتا دیجیے کہ چائے کن کن کے لیے بنے گی اور ٹھنڈا کون کون پیئے گا۔" نزہت نے کہا۔

"ہاں تم بیٹھو جویا۔" مدحت بجیا بولیں۔ ان کے لہجے میں مٹھاس بھی تھی ٹھنڈک بھی۔

"نزہت میرا خیال ہے، تم حضرات کے لیے چائے بنالو اور خواتین کے لیے ٹھنڈا..... کیوں خواتین و حضرات کیا خیال ہے؟" مدحت بجیا نے پوچھا۔

"ٹھیک خیال ہے۔" بابا نے کہا۔

"جاؤ بیٹی، فیصلہ ہو گیا۔" امی نے رسانیت سے نزہت سے کہا۔

"کتنے اچھے لوگ ہیں یہ سب!" زویا نے جی ہی جی میں سوچا۔ "کتنی نرمی اور مٹھاس سے بات کرتے ہیں یہ لوگ! بجو کی ساس نے کتنی محبت سے نزہت کو بیٹی کہا ہے اور ایک ہماری اماں ہیں ذرا بولو تو فوراً کھینچ دیتی ہیں چپکی رہ..... ہر وقت چپ ہی کراتی رہتی ہیں۔"

"آئیے زویا، آپ ہمارے ساتھ آئیے۔" نزہت نے زویا سے کہا۔

زویا نے اجازت طلب نگاہوں سے اماں کی طرف دیکھا۔

"جاؤ چلی جاؤ۔"

''ہاں، ہاں جاؤ۔'' جویا نے بھی کہا۔

زدیا نزہت کے ساتھ چلی گئی۔

فرزین نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کی تفسیر بن گیا اور وہاں سے کھسکنے کے لیے کسی غیبی امداد کی دعا مانگنے لگا۔ اماں اور جویا انکھیوں سے اس کا جائزہ لینے لگیں۔

☆=====☆=====☆

''آپ کا ایم کیا ہے؟'' نزہت نے جو زدیا کو اپنے ساتھ باورچی خانے میں لے آئی تھی، اس سے باتیں کرتے ہوئے پوچھا۔

''میں انگلش لٹریچر میں ایم اے کر کے لیکچرار شپ اختیار کرنا چاہتی ہوں۔''

''اچھا! آپ کو پڑھانا اچھا لگتا ہے؟''

''بہت۔''

''ہوں! تو گویا آپ انگلش میں ایم اے کریں گی؟''

''میرا ارادہ تو یہی ہے...... خدا کرے، حالات سازگار رہیں۔''

''کیا مطلب؟ خدانخواستہ کیا حالات کے ناساز ہونے کا امکان بھی ہے؟''

''ہم لڑکیوں کے لیے تو حالات کسی بھی وقت ناساز ہو سکتے ہیں۔''

''آپ کا مطلب شادی سے تو نہیں؟''

''آپ ٹھیک سمجھی ہیں۔''

''ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہماری امیوں کو شادی کی اتنی جلدی کیوں رہتی ہے۔ ابھی ایم ایس سی کیا نہیں ہم نے اور ہماری امی کو ہماری فکر لگ گئی ہے۔ بلکہ یقین بھائی کی شادی سے پہلے لگی ہوئی ہے۔ ہمارا خیال ہے، ساری ماؤں کی پرابلم یہی ہے کہ وہ بیٹیوں کی شادیاں جلدی جلدی کرنا چاہتی ہیں...... آپ کا کیا خیال ہے؟''

''آپ ٹھیک کہتی ہیں۔'' زدیا نے تائید کی۔ ''میں آپ کی کچھ مدد کرواؤں؟''

''نہیں پلیز...... شکریہ...... بس آپ باتیں کریں۔ ہمیں آپ کی آواز بہت اچھی لگتی ہے...... دھیمی اور سریلی...... کیا آپ کو گانا آتا ہے؟''

''جی...... بس ایسے ہی کبھی کبھی گنگنا لیتی ہوں۔''

''ارے ہاں، ہمیں یاد آیا...... آپ تو بہت اچھا گاتی ہیں...... یقین بھائی کی مہندی پر ہم نے آپ کو گاتے سنا تھا۔''

تبھی ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور ادھر نزہت کے کان کھڑے ہوئے ادھر فرزین کو ڈرائنگ روم سے اٹھنے کا بہانہ ملا۔

''ایکسکیوز می۔ ذرا ہم فون ریسیو کر کے آتے ہیں۔'' نزہت نے زدیا سے اجازت چاہی۔

''شیور۔'' زدیا نے کہا۔

نزہت کے جانے کے بعد وہ کچن کا جائزہ لینے لگی۔ کیسا صاف ستھرا کچن تھا۔

دفعتاً اسے اپنے عقب میں دھیمی سی مردانہ کھنکھار سنائی دی۔ اس نے بے ساختہ پلٹ کر دیکھا۔ جس کے لیے وہ کشاں کشاں یہاں آئی تھی، اس سے بمشکل دو فٹ کے فاصلے پہ کھڑا گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''وہ...... نزہت...... ٹیلی فون کال...... ریسیو کرنے گئی ہیں۔''

وہ اس کی گھبراہٹ پر دھیرے سے مسکرا دیا پھر اپنے دائیں بائیں اور پیچھے دیکھنے کے بعد بولا۔ ''ایک بات بتائیں گی؟''

''جی!'' اس کے لہجے میں اقرار کی نہیں، استعجاب کی کیفیت تھی۔

وہ دھیرے سے مسکرا دیا پھر اپنے ناک کی پھننگ کو چھو کر اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''بعض لوگ اتنے اچھے کیوں لگتے ہیں کہ سمندروں میں بھی ان کا خیال دل کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔''

وہ اضطراب کے عالم میں اپنے دوپٹے کے پلو کا ایک کونا کھینچ کر اسے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی پہلی انگلی پر لپیٹنے لگی۔

''انگلی میں چوٹ لگی ہے کیا؟'' اس نے زیر لب مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''جی...... جی نہیں تو۔'' اس نے گھبرا کر اپنی انگلی دوپٹے کے خول سے کھینچ لی۔

فرزین کی مسکراہٹ گہری پڑ گئی۔

''آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔''

''کون سی بات کا؟''

''کیوں اتنی اچھی لگتی ہیں آپ مجھے کہ اس بار آپ کا خیال سمندروں میں بھی میرے دل کے ساتھ ساتھ رہا۔'' اس نے اپنے عمومی سوال کو خصوصی بنا دیا تھا۔

زدیا نے ایک لمحے کو بڑبڑا کر اسے دیکھا پھر نظریں چرا کر دروازے کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے بولی۔ ''پلیز! مجھے...... جانے دیجیے۔''

''میں نے آپ کو جانے سے روکا تو نہیں۔''

زدیا گلگوں ہو گئی۔

واقعی اس نے روکا کب تھا۔

وہ تو کچن کے دروازے کی چوکھٹ سے لگا کھڑا تھا اور زدیا کے جانے کے لیے خاصا راستہ کھلا ہوا تھا۔

''مگر سنئے!''

زدیا نے ذرا کی ذرا اس کی طرف دیکھا۔

''میری بات کا جواب تو دیتی جائیے۔''

''مجھے...... مجھے...... کیا پتا۔'' وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔

''عجب دیدہ دلیری ہے صاحب...... دل چرا کر کہتی ہیں، مجھے کیا پتا۔''

زویا کا دل بے مہار دھڑکنے لگا۔

گردن موڑ کر اس نے ایک مرتبہ پھر فرزین کی طرف دیکھا پھر تیزی سے کچن سے نکل گئی۔

لیکن یہ کیا!

وہ تو مدحت بجیا سے ٹکرا گئی تھی اور انہوں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔

''سوری!''

''کوئی بات نہیں۔'' مدحت بجیا کی مسکراہٹ میں بھی ان کے لہجے کی سی ٹھنڈک تھی۔

فرزین دونوں ہاتھ سینے پر باندھے زیرلب مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

''اے مسٹر!'' مدحت بجیا نے فرزین کا بازو تھپتھپایا۔ ''آپ مہمانوں کے پاس سے اٹھ کر یہاں کیوں پہنچے ہوئے ہیں؟''

''ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تھی، کال ریسیو کرنے آیا تھا۔''

''آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ہمارے ہاں ٹیلی فون سیٹ کو کچن میں رکھنے کا رواج کبھی بھی نہیں رہا۔ ٹیلی فون لاؤنج میں رکھا ہے۔''

زویا کا ہاتھ مدحت بجیا نے ہنوز اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا اور زویا ان کے ہاتھ کی گرمی کو محسوس کرتے ہوئے دل ہی دل میں انیس اماں کے دیئے ہوئے بادام والے مشورے پر شرمندہ ہو رہی تھی۔

فرزین جھینپ گیا۔

مدحت بجیا نے زویا کا ہاتھ چھوڑ دیا اور فرزین کا بازو تھام کر اسے بہت پیار سے دیکھتے ہوئے زویا سے بولیں۔ ''یہ ہمارا سب سے پیارا اور سب سے دیوانہ بھائی ہے۔''

''دیوانہ!'' فرزین نے آنکھیں پھیلا کر کہا۔

''جناب!'' مدحت بجیا مسکرائیں پھر انہوں نے زویا سے کہا۔ ''پتا ہے، کیوں کہا ہے میں نے اسے دیوانہ!'' زویا محجوب سی کھڑی رہی۔

''آپ مجھے بتایئے۔'' فرزین کے لہجے میں یک گونہ بے تابی تھی۔

''میں نے۔'' مدحت بجیا کا روئے سخن زویا کی طرف تھا۔ ''اسے دیوانہ اس لیے کہا ہے کہ یہ بہت ہی نرم نرم سی طبیعت کا لڑکا ہے۔ پھول اسے اچھے لگتے ہیں۔ ستارے اسے اٹریکٹ کرتے ہیں، موسیقی سے اسے عشق ہے، بچوں کا یہ شیدائی ہے، سمندر اسے فیسینیٹ کرتا ہے، چاندنی راتوں میں......''

''یہ باؤلا ہوا پھرتا ہے۔'' فرزین نے خوش طبعی سے گرہ لگائی۔

''بری بات اپنی تعریف آپ نہیں کرتے۔'' مدحت بجیا نے پیار سے اسے گھورا۔

تبھی نزہت آ پہنچی۔

قدرے الجھی ہوئی سی!

''کیا ہوا جویا؟'' فرزین نے پوچھا۔

نزہت نے منہ بنا کر اسے دیکھا۔

''بری بات فرزین۔'' مدحت بجیا نے اسے ٹوکا پھر نزہت سے بولیں۔ ''تم کہاں تھیں؟''

''اللہ بجیا ہم فون ریسیو کرنے گئے تھے، پھنس گئے۔''

''خیریت؟''

''رانگ نمبر تھا...... کوئی بڑی بی ہمارے نمبر پر اٹک گئی تھیں...... بہری تھیں شاید...... ہم کہتے کچھ تھے، وہ سمجھتی کچھ اور تھیں۔''

''وہ بے چاری تو بہری تھیں اس لیے اٹک گئی تھیں، جویا تم کیوں اٹکی رہیں اتنی دیر؟'' فرزین مسکرا کر بولا۔

''بجیا، دیکھ رہی ہیں آپ انہیں۔''

''فرزین!'' بجیا نے فرزین کو تادیب کی پھر مسکراتے ہوئے نزہت سے بولیں۔ ''ہاں، ویسے یہ سوال تو ہے کہ تم اتنی دیر کیوں اٹکی رہیں۔ رانگ نمبر کہہ کر معذرت کر لیتیں۔''

''ہم انہیں یہی سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ یہ شادی دفتر نہیں، ہمارے گھر کا نمبر ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''وہ سمجھ رہی تھیں کہ یہ شادی کے دفتر کا نمبر ہے۔''

''بہت خوب!'' فرزین ہنس پڑا۔ ''کیا لڑکا تلاش کر رہی ہیں وہ؟''

''جی نہیں، اپنے لڑکے کے لیے لڑکی تلاش کر رہی ہیں۔''

''دیکھو، زویا کس قدر تعجب سے یہ سب کچھ سن اور دیکھ رہی ہیں۔'' مدحت بجیا بولیں پھر انہوں نے نزہت سے کہا۔ ''اچھا بھئی، اب جلدی سے چائے وائے پہنچنی چاہیے مہمانوں کو...... چلو میں تمہاری کچھ مدد کروا دیتی ہوں۔''

''آپ رہنے دیں بجیا۔ ہم خود کر لیں گے۔ آپ مہمانوں کے پاس جا کر بیٹھیے۔ ہم دس منٹ میں سب کچھ لے کر آتے ہیں۔'' نزہت نے جو دوبارہ کام میں مصروف ہو چکی تھی، کہا۔

''شیور؟''

''یس۔'' نزہت بولی۔

''ویسے صاحب، ہماری جویا ہے بہت کام کی۔''

''فرزین۔'' مدحت بجیا نے تنبیہی تیوروں سے اسے دیکھا اور چٹکی بجا کر بولیں۔ ''چلو تم یہاں سے نو دو گیارہ ہو جاؤ بلکہ چل کر مہمانوں کے پاس بیٹھو۔''

''ایک مہمان یہاں بھی تو ہیں۔'' فرزین نے دزدیدہ نظروں سے زویا کو دیکھا۔

''ان کی آپ فکر نہ کیجیے ان کے پاس نزہت ہے۔'' مدحت بجیا بولیں۔

''غلط کہہ گئی ہیں آپ، نزہت ان کے پاس نہیں، یہ نزہت کے پاس ہیں۔''

''چلو یونہی سہی...... آپ فوراً سے پیشتر رفو چکر ہو جائیں۔''

''باقی ری ویسے فوراً سے پیشتر ہوتا کیا ہے؟''

''تم جاتے ہو یا کان کھینچنے پڑیں گے تمہارے۔''

''اچھا صاحب، اچھا جا رہے ہیں۔'' وہ جانے کو مڑا پھر زدیا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔
''زدیا بی بی، ذرا خیال رکھیے گا چوہیوں کو چیزیں کترنے کی عادت بہت ہوتی ہے۔''

زدیا منہ چھپا کر مسکرا دی۔

فرزین کے جانے کے بعد مدحت بجیا زدیا سے بولیں۔ ''سوری زدیا، ہمارے ہاں آپس میں بس ایسی ہی چھیڑ چھاڑ اور ہلکی مذاق چلتا رہتا ہے۔''

''اسی میں تو مزہ آتا ہے۔'' زدیا بولی۔

تبھی ٹیلی فون کی گھنٹی دوبارہ بجی۔

''اوہو اب کس کا فون آ گیا۔'' مدحت بجیا یہ کہتے ہوئے تیزی سے چلی گئیں۔

''زدیا! پلیز یہ بسکٹ پلیٹ میں لگا دیں آپ۔'' نزہت نے زدیا کو کام سونپا۔

''ضرور۔''

زینت جلدی جلدی ٹرالی میں سامان رکھنے لگی۔

''ایک بات پوچھوں آپ سے؟'' زدیا نے محتاط لہجے میں نزہت سے کہا۔

''جی پوچھیے۔''

''مائنڈ تو نہیں کریں گی آپ؟''

''شکر ہے فرزین بھائی یا ذہین بھائی اس وقت آس پاس نہیں ہیں ورنہ پتا ہے، کیا کہتے آپ کی اس بات پر۔''

''کیا کہتے؟''

''وہ کہتے، ان کے پاس مائنڈ ہے ہی کہاں جو یہ مائنڈ کریں گی۔''

زدیا دھیرے سے مسکرا دی۔

''پوچھیے کیا پوچھنا چاہ رہی ہیں آپ؟''

''یہ...... آپ کو......''

''جی...... جی...... بولیے رک کیوں گئیں؟''

''مجھے ڈر ہے کہ آپ میرے سوال کا برا نہ منا جائیں۔''

''وعدہ! نہیں منائیں گے ہم برا۔''

''آپ کو چوہیا کہنے کا کوئی خاص سبب؟''

نزہت پہلے تو خفیف ہو گئی پھر بولی۔ ''ہم بتائیں گے تو آپ ہنسیں گی۔'' نزہت نے ذرا دیر کو توقف کیا پھر چائے دانی کوزی سے ڈھانپتے ہوئے بولی۔ ''اصل میں بہت پہلے ایک روز ہم امی کے پاس بیٹھے بیٹھے بے خیالی میں ان کے دوپٹے کا پلو دانتوں سے کتر گئے تھے۔ امی نے جو دیکھا تو کہنے لگیں نزہت، تم نے تو ہمارا دوپٹا چوہیا کی طرح کتر ڈالا، بس اس دن سے فرزین اور ذہین بھائی ہمیں چوہیا کہہ کر چھیڑنے لگے۔''

''آپ کو برا لگتا ہے...... ہے نا؟''

''نہیں...... اچھا لگتا ہے...... برا بس اس وقت لگتا ہے، جب یہ دوسروں کے سامنے ہمیں چھیڑتے ہیں۔''

جویا بجو کی کھیر میں ہاتھ ڈلوائی کی دعوت والا قصہ تو مجھے اکثر یاد آتا ہے۔'' زدیا مسکرا کر بولی۔

''اف خدایا! کیا یاد دلا دیا آپ نے۔'' نزہت ہنس دی۔

ٹرالی مہمانوں کی خاطر تواضع کے لیے تیار تھی۔

اور لاؤنج میں مدحت بجیا انہی بڑی بی کو جن سے نزہت کی بات ہو چکی تھی، سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں کہ جس نمبر پر وہ بات کر رہی تھیں، وہ شادی دفتر کا نمبر نہیں تھا۔

''جی کیا فرمایا؟'' بڑی بی بولیں۔

''رانگ نمبر مل گیا ہے۔''

''آپ بیگم جلیسی بات کر رہی ہیں؟''

''جی نہیں۔''

''جی...... جی...... ہمیں آپ ہی سے بات کرنی تھی اپنے بیٹے کے رشتے کے لیے۔''

''دیکھیے...... نہ تو یہ شادی دفتر ہے، نہ میں بیگم جلیسی بات کر رہی ہوں۔''

''جی ہاں، اپنے بیٹے کے لیے...... ایک ہی بیٹا ہے ہمارا...... بہت مختصر فیملی ہے۔ ایک ہم اور ایک ہمارا بیٹا...... جرمن کمپنی میں کام کرتا ہے۔ بنگلہ، گاڑی سب کچھ ہے...... لڑکا ہمارا بہت شریف ہے۔''

کوائف تو بظاہر خاصے معقول تھے۔

مدحت بجیا کو ایک خیال سوجھا۔

کیوں نہ ثواب کما لیا جائے۔

''ہیلو!'' مدحت بجیا نے اپنے آلۂ صوت کا والیوم تقریباً فل کر دیا۔

''ہیلو!'' دوسری طرف سے جواب آیا۔

''آپ اپنا نمبر بتا دیجیے۔''

''جی۔''

''اپنا نمبر نوٹ کرا دیجیے۔''

''ہاں...... ہاں...... نوٹ کیجیے۔''

انہوں نے نمبر بتایا۔ بجیا نے نمبر نوٹ کیا اور ریسیور رکھ دیا۔

☆=====☆=====☆

اس رات تکلیہ میسر آتے ہی جویا نے یقین سے شاکی لہجے میں کہا۔ ''دیکھا آپ نے، اماں نے ارشد بھائی کے آنے کی اطلاع دی مگر آپ کے گھر والوں نے مجھے نہیں بتایا۔''

''کوئی بات نہیں...... کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔'' یقین نے کہا۔

"یہ پہلی دفعہ نہیں ہے، اس سے پہلے بھی دو تین مرتبہ ایسا ہو چکا ہے کہ گھر سے فون آیا اور مجھے نہیں بتایا گیا۔"

"اتفاقاً ایسا ہوا ہوگا۔" یقین رسانیت سے بولا۔

"آپ نہیں سمجھتے۔"

"میں گھر والوں سے کہہ دوں گا کہ آئندہ خیال رکھیں۔"

"اونہہ!" جویا نے بڑی نخوت سے سر جھٹکا اور بولی۔ "آپ نے کہہ دیا اور انہوں نے خیال رکھ لیا...... میں تو کہتی ہوں، کسی سے کچھ کہنے سننے کی بجائے سیدھا سادا ایک کام کر لیں۔"

"وہ کیا؟"

"ٹیلی فون اپنے کمرے میں رکھ لیں۔"

"باقی لوگوں کو بھی تو ضرورت رہتی ہے فون کی۔"

"جب ضرورت ہوگی، مانگ لیا کریں گے۔ ویسے بھی صبح سے دوپہر تک تو ہم دونوں ہی گھر میں نہیں ہوتے۔ میں دوپہر کو لوٹتی ہوں اور آپ شام کو واپس آتے ہیں۔ صبح سے دوپہر تک ٹیلی فون لاؤنج میں رہا کرے، دوپہر کے بعد ہمارے کمرے میں آجایا کرے۔ آخر ہمارا بھی تو کچھ حق ہے اس گھر کی چیزوں پر۔"

"ہاں، کیوں نہیں ہے۔"

"بس تو فیصلہ کر صبح سے بلکہ صبح کی شام سے اگلے دن دوپہر تک فون لاؤنج میں رکھا رہا کرے گا اور دوپہر سے شام تک ہمارے کمرے میں — یعنی چوبیس گھنٹوں میں سے صرف چار پانچ گھنٹے۔ اس دوران جس کو ضرورت ہو فون کی وہ یا تو ہمارے کمرے میں آکر کر لے ورنہ مانگ کر لے جائے۔ تار تو اتنا لمبا ہے ہی کہ ٹیلی فون اوپر نیچے جہاں مرضی آئے لایا لے جایا جا سکتا ہے۔"

"ہاں، تار تو خیر بہت لمبا ہے۔"

"بس آپ گھر والوں کو سنا دیجئے یہ فیصلہ...... بائی دی وے فون ہے کس کا؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ کس کے نام ہے؟" جویا نے اپنی دلبرانہ اداؤں کے تیر چلانے کی کوشش کی۔

"ابا کے نام۔"

"چلئے...... کوئی بات نہیں...... کسی کے بھی نام ہو۔ گھر کی تمام چیزوں پر سب کا یکساں حق ہوتا ہے۔"

"بالکل...... بالکل۔"

"اس لیے دوپہر سے شام تک فون ہمارے کمرے میں رہا کرے گا۔" جویا نے پھر جتایا۔

یقین سوچ میں پڑ گیا۔

جویا کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اپنے لمبے لمبے ناخنوں والی انگلیاں جن پر گلابی رنگ کی کیوٹیکس لگی ہوئی تھی، اس کی آنکھوں کے سامنے جھلاتے ہوئے بولی۔ "ارے جی! کس سوچ میں پڑ

گئے؟"

"کچھ نہیں۔"

"مجھ سے نہ چھپائیے، میں سب سمجھتی ہوں۔"

"کیا سمجھتی ہو؟"

"یہی کہ آپ اس فکر میں پڑ گئے ہیں کہ گھر والوں سے یہ کیونکر کہہ پائیں گے کہ دوپہر سے شام تک فون ہمارے کمرے میں رہا کرے گا۔"

"ٹھیک سمجھتی ہو تم۔"

"فکر مت کریں...... کسی سے کچھ کہنے سننے کی ہمت نہیں ہے آپ میں تو نہ کہیں۔ میں دوپہر کو اسکول سے آنے کے بعد موجو سے فون کمرے میں منگوا لیا کروں گی۔ دو چار دن یہ پریکٹس رکھوں گی تو گھر والے خود ہی عادی ہو جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ مری مری سی آواز میں بولا۔

"جناب، اتنے اداس مت ہوں...... ذرا ہمت پکڑیں...... اب آپ صرف بیٹے اور بھائی نہیں، ایک عدد بیوی کے شوہر بھی ہیں۔ اس کی بھی ذمے داری ہے آپ پر...... اس کی بھی سننی ہے، اسے بھی بہت نہ سہی تھوڑا بہت خوش رکھنا چاہیے آپ کو ورنہ......"

"ورنہ؟"

"ورنہ۔" جویا نے بڑی ادا سے اسے دیکھا اور اس کے گلے میں اپنی بانہیں حمائل کرتے ہوئے گنگنانے لگی۔ "ورنہ میں رو دوں گی پھر نہ کبھی ہنسوں گی۔"

یقین مرد تھا۔

جویا عورت تھی۔

مرد کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو، عورت کی اداؤں سے پسیج ہی جاتا ہے۔

سو یقین بھی پسیج گیا۔

☆=====☆=====☆

اگلے روز اسکول سے واپسی اور دوپہر کے کھانے کے بعد جویا نے اپنے کمرے میں پہنچنے کے بعد موجو کو بلایا اور ٹیلی فون سیٹ لاؤنج سے اپنے کمرے میں لے آنے کا حکم دیا۔

"بھابی جی، فون ادھر کیسے آئے گا جی۔" موجو بولا۔

"کیوں نہیں آئے گا۔" جویا نے آنکھیں نکالیں پھر تدبیر بتائی۔ "چھت پر جا کر پہلے تار کو ڈھیلا کرو پھر فون اٹھا کر تار کھینچنا میرے کمرے میں لے آ۔"

"اچھا جی کوشش کرتا ہوں جی۔"

"کوشش نہیں کوشش۔" جویا نے تصحیح کی۔

"کوشش۔"

"زبر نہیں زیر کے ساتھ بولنا ہے۔"

''کوشش''

''شاباش...... جا دوڑ کر جا اور فون ادھر اٹھا لا۔''

''اچھا جی۔''

موجو دروازے کی سمت لپکا۔

جویا کے دل پر ایک انوکھی سرشاری سی طاری ہونے لگی۔

جیسے وہ کوئی مہم سر کرنے چلی ہو!

کھانے کے بعد سب حسبِ عادت قیلولہ کرنے کے لیے اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔

موجو نے پہلے چھت پر جا کر ٹیلی فون کا تار ڈھیلا کیا۔ پھر ممکنہ حد تک لاؤنج میں کھینچا۔ بعد ازاں ٹیلی فون سیٹ لاؤنج سے اٹھا کر جویا کے کمرے میں پہنچانے چلا۔

ذہین اپنے دوست کو فون کرنے کی غرض سے لاؤنج میں پہنچا تو موجو کو لاؤنج سے ٹیلی فون سیٹ اٹھا کر جویا کے کمرے کا رخ کرتے پایا۔

''ارے! ارے! یہ فون کہاں لے جا رہے ہو؟''

موجو بڑبڑا گیا۔

''وہ...... وہ جی...... بھا...... بھا...... بھابی جی...... اپنے...... کمرے...... میں...... منگا رہی ہیں...... جی۔''

''کیوں؟''

''پتا نہیں جی۔''

''ٹھہرو...... پہلے مجھے ایک فون کرنے دو۔''

''اچھا جی۔''

ذہین نے راہداری میں ہی بیٹھ کر اپنے دوست کو فون کیا۔ موجو اس دوران بندہ بے دام بنا کھڑا رہا۔ جویا نے دبے پاؤں آ کر یہ منظر دیکھا پھر کمرے میں پلٹ گئی۔

ذہین فون کر چکا تو موجو ٹیلی فون سیٹ جویا کے کمرے تک کھینچ لایا۔

''بھابی جی کدھر رکھنا ہے جی اسے۔''

''بس تم چھوڑ دو، اسے مجھے جہاں رکھنا ہوگا اس کی جگہ بنا لوں گی۔''

''اچھا جی۔''

موجو نے ٹیلی فون سیٹ مسہری پر رکھا اور جانے کو مڑ گیا۔

''اور ہاں......''

جویا کی آواز نے موجو کو ٹھٹھکنے اور پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

''دوپہر کو روزانہ فون اسی طرح میرے کمرے میں پہنچا دیا کرنا۔''

''ہیں جی۔'' موجو نے کچھ اس طور کہا جیسے اسے اپنی سماعت کا اعتبار نہ ہو۔

''ہیں جی کے بچے، میں نے کہا، آج سے روزانہ دوپہر کو فون بغیر کہے اسی طرح میرے

کمرے میں پہنچا دیا کر۔''

''اچھا جی۔'' موجو چند ثانیے اسی طور کھڑا رہا پھر منمنایا۔ ''میں جی جاؤں۔''

''ہاں...... ٹھیک ہے۔''

موجو کے جانے کے بعد پہلے تو جویا نے دروازے کی چٹخنی چڑھائی پھر سائیڈ بورڈ پر ٹیلی فون سیٹ کی جگہ بنائی۔

کیسی رونق آ گئی تھی کمرے میں ٹیلی فون سیٹ کے آ جانے سے!

اسے اس خیال ہی سے مسرت ہونے لگی کہ اب اماں، ابا، سارہ آپا اور زہرا باجی کا فون اس کے کمرے میں آیا کرے گا۔

بالکل پرائیویسی ہوگی!

خوب آرام سے اور دیر دیر تک باتیں ہوا کریں گی!

لاؤنج میں تو فون پر بات کرتے ہوئے یوں لگتا تھا جیسے دیواروں کے بھی کان ہوں!

خوب بڑے بڑے!

لٹکتے ہوئے کان!

ایک ایک جملہ سوچ سمجھ کر بولنا پڑتا تھا۔

نہ سسرال والوں کی غیبت کی جا سکتی تھی۔

نہ انہیں استہزائیہ خطابات سے نوازا جا سکتا تھا۔

نہ انہیں برا بھلا کہا جا سکتا تھا!

نہ ان کا مذاق اڑایا جا سکتا تھا!

نہ ان کی نقل اتار کر سننے والوں کو لوٹ پوٹ ہونے پر مجبور کیا جا سکتا تھا۔

ان سارے فرائض کی بحسن وخوبی انجام دہی میکا یاترا پر ہی ممکن ہو پاتی تھی اور میکے چونکہ روزانہ تو جانا ہوتا نہیں تھا لہٰذا بہت سی مزیدار باتیں تو ذہن سے محو ہی ہو جایا کرتی تھیں۔

ٹیلی فون سیٹ کمرے میں آ جانے سے سسرال والوں کی غیبت، نقالی اور مذاق اڑانے کے امکانات بہت روشن ہو گئے تھے۔

اب تو وہ اپنے میکے والوں سے بستر پر لیٹ کر بھی فون پر جتنی دیر چاہے باتیں کر سکتی تھی!

بلکہ میکے والوں ہی سے کیا، دوستوں اور کولیگز سے بھی خوب باتیں ہو سکتی تھیں!

اب بوریت کا سوال ہی نہ تھا۔

جب مرضی میں آیا، اماں ابا سے بات کر لی۔ جب جی چاہا کھٹاک سے سارہ آپا، زہرا باجی یا کسی کا بھی نمبر ملا لیا۔

ارے ہاں، اب تو بلقیس سے بھی باتیں ہو سکتی تھیں۔

جب جی چاہا، اس کا نمبر ملا کر ہیلو ہائے کر لی۔

صرف ہیلو ہائے ہی کیوں

کچھ میٹھی میٹھی باتیں بھی!
کمرے میں ٹیلی فون کے آ جانے سے امکانات کے بام و در کتنے روشن ہو گئے تھے!
چراغاں کا سماں تھا!
اسے افسوس ہوا کہ شادی کے دوسرے ہی دن وہ ٹیلی فون سیٹ اپنے کمرے میں کیوں نہ اٹھوا لائی تھی!
اس بچے کی طرح جسے راہ چلتے چابی کا کوئی ہفت رنگ کھلونا مل گیا ہو۔ وہ خوش خوش مسہری کے کنارے پر بیٹھ گئی اور اس نے ریسیور اٹھاتے ہوئے سوچا۔
'بسم اللہ کس سے کی جائے؟'
'اماں سے یا یقین سے؟'
'پہلے اماں کو کرتی ہوں۔'
'ماں باپ کی دعاؤں میں برکت ہوتی ہے۔'
'ٹھیک ہے، پہلے اماں سے آشیرباد لی جائے۔'
کھٹاک..... کھٹاک..... کھٹاک..... کھٹاک..... کھٹاک۔
"ہیلو!" یہ تو بھابی کی آواز تھی۔
لاحول ولاقوۃ! اس نے بھابی کی آواز سن کر دل ہی دل میں یوں لاحول پڑھا جیسے بھابی نہیں شیطان لائن پر تھا۔
ابتدا بدشگونی سے ہوئی تھی!
خیر کوئی بات نہیں!
"السلام علیکم بھابی۔" زبان نے دل سے قطعاً مختلف کردار ادا کیا۔
"وعلیکم السلام۔"
"کیسی ہیں بھابی۔" اس نے یوں کہا جیسے بھابی کی خیریت کے لیے تو وہ مری جا رہی تھی۔
"ٹھیک ہوں..... تم سناؤ۔"
"بس اللہ کا شکر ہے..... بچے کیسے ہیں؟"
"ماشاء اللہ تینوں اچھے ہیں۔"
"بھابی، اماں سے بات کرائیں گی؟" مختصر سی تمہید کے بعد وہ عرضِ مدعا پر آ گئی۔
"ہاں ہاں ضرور..... یہ لیجیے اماں، جویا کا فون ہے۔"
"ہاں بھئی، کیسی ہو؟"
"السلام علیکم اماں۔"
"جیتی رہو، پھلو پھولو..... عیش کرو۔"
"بس عیش کے دن سمجھئے آ ہی گئے۔" اس نے دل ہی دل میں سوچا اور بستر پر نیم دراز ہو گئی۔
"اماں! بھابی بیٹھی ہیں آپ کے پاس یا گئیں؟"

"گئیں؟"
"ایک خوش خبری سنئے۔"
"خوش خبری!"
"ہاں اماں، خوش خبری! میں اپنے کمرے سے فون کر رہی ہوں۔"
"کیا مطلب؟"
"مطلب یہ کہ فون میرے کمرے میں ہے۔ کمرے کا دروازہ بند ہے اور کمرے میں میرے سوا اور کوئی نہیں۔"
"اچھا!"
"جی۔"
"یہ کیسے ہوا؟"
"بس کل آپ لوگوں کے جانے کے بعد میں نے ان سے کہا۔ دوپہر سے شام تک فون ہمارے کمرے میں رہا کرے گا! آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے اس گھر کی چیزوں پر۔"
"بہت اچھا کیا۔" اماں نے پُرمسرت لہجے میں حوصلہ افزائی کی۔
"زحمت کا کل آپ کے فون کی مجھے اطلاع نہ دینا فائدہ مند ہوا۔"
"بس بیٹی، ہر کام میں اللہ کی مصلحت ہوتی ہے۔ ہم بے عقلے بندے اس کی مصلحتوں کو فوری طور پر سمجھ نہیں پاتے۔"
"خیریت تو ہے!" ابا جو اماں کے قرب و جوار میں موجود تھے، بولے۔ "یہ کلمہ شکر کس سلسلے میں نکلا تمہاری زبان سے؟"
"چپ رہیے۔" اماں نے ابا کو جھڑکا۔
"کسے کہہ رہی ہیں اماں؟"
"ارے، یہ تمہارے ابا ہیں۔"
"ابا کو میرا سلام تو دے دیجیے۔"
"جویا سلام کہہ رہی ہے۔"
"وعلیکم السلام..... میری طرف سے دعا۔"
"ابا تمہارے دعا دے رہے ہیں۔"
"مجھے ابا کی اور آپ کی دعاؤں ہی کی ضرورت ہے اماں۔" جویا کا جی خواہ مخواہ بھر آیا۔
"ٹیلی فون تمہارے کمرے میں آنے پر سب کے سب تڑپے تو ہوں گے۔"
"ابھی کہاں..... ابھی تو سب کے سب پڑے اینڈ رہے ہیں کمروں میں..... سہ پہر کو جب قیلولہ کر کے اٹھیں گے تو پھر کھلبلی مچے گی فون کو لاؤنج میں نہ دیکھ کر۔"
جویا کو متوقع کھلبلی کے خیال ہی سے خوشی ہونے لگی۔ سنگھار میز کے آئینے پر نظر پڑی تو اپنا عکس اسے آپ ہی آپ پیارا لگنے لگا۔

کیا غضب کا پوز تھا!

اماں کو فون کرنے کے بعد اس نے یقین سے بات کی۔

پھر سارہ آپا کو فون کیا۔

ان کے بعد زہرا باجی کا حال احوال لیا۔

پھر کچھ دیر ہما عارف سے گپ شپ رہی جو اس کی کولیگ ہی نہیں، دوست اور رازداں بھی تھی۔

پھر بلا مقصد ایک اور کولیگ مسز باسط کو فون کر ڈالا۔

بعد میں خالہ بی کی یاد ستائی۔

کچھ دیر وقفہ رہا۔

وقفے کے دوران فون کی گھنٹی بجی، اس نے ریسیور اٹھایا، کان سے لگایا مگر بولی کچھ نہیں۔

''ہیلو!'' نگہت کی آواز سنائی دی۔

وہ چپ رہی۔

''ہیلو!'' نگہت کے لہجے میں قدرے حیرانی تھی۔

جویا نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ لیا مبادا نگہت اس کی سانس کی رفتار سے پہچان جائے۔

''ہیلو!'' نگہت نے بے تابانہ کہا۔

وہ دم سادھے سنتی رہی۔

''ہیلو!'' نگہت کے لہجے سے تشویش جھلک رہی تھی۔

اور جویا یوں چپ بیٹھی رہی، جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

''ہیلو!''

اس نے ماؤتھ پیس پر سے ہاتھ ہٹایا اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

دوبارہ گھنٹی بجی۔

اس نے نگہت کی آواز سن کر کریڈل دبایا اور ریسیور نیچے رکھ دیا۔

''اونہہ! اب ہیلو ہیلو کرتی رہو۔'' اس نے ریسیور کو نخوت سے دیکھتے ہوئے سوچا۔

کچھ دیر ریسیور بڑی بے توقیری سے نیچے پڑا رہا پھر اس نے ایک پرچے کی مدیرہ کا نمبر تقریباً گھما ڈالا۔

''ہیلو!''

''ہیلو! دیکھیے، مجھے میمونہ صفدر صاحبہ سے بات کرنی ہے۔''

''جی بول رہی ہوں۔''

''اوہ! آپ میمونہ صاحبہ ہیں؟''

''جی ہاں...... آپ کون؟''

''میں...... میں آپ کے پرچے کی ایک قاری ہوں اور آپ کی تحریروں کی خاص طور پر مداح ہوں...... فین ہوں آپ کی۔''

''تھینک یو۔''

''بہت اچھا لکھتی ہیں آپ''

''شکریہ۔''

''پرچا بھی بہت اچھا ہے۔''

''پسندیدگی کا شکریہ۔''

''سنیے یہ فیشن کے صفحات کے لیے آپ ماڈلز کہاں سے لاتی ہیں؟''

''خود آ جاتی ہیں۔''

''اچھا یہ جو آپ کے پرچے کا مشورہ کلینک ہے، اس کی مشیرہ آپ ہی ہیں نا؟''

''بی بی! وہ مشیرہ خاتون ہیں اور میں مدیرہ ہوں۔''

''دیکھیے، پلیز چھپایئے مت۔ خطوط کے جوابات اور مشورہ کلینک میں دیے جانے والے جوابات کا انداز تحریر بہت ملتا جلتا ہے۔''

وہ کیسی ہنسی!

''اچھا، میرے چہرے کی جلد بہت چکنی ہے، ہر وقت تیل نکلتا رہتا ہے، کچھ علاج بتا سکتی ہیں آپ۔''

''کسی آئل کمپنی کو ٹھیکا دے دو۔'' ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

جویا دم بخود رہ گئی۔

کراس ٹاک!

کمبخت نہ جانے کون تھا، کان لگائے سن رہا تھا۔

اس نے جھٹکے سے ریسیور کو کان سے ہٹایا اور کریڈل پر رکھ کر لیٹ گئی۔

فون کی گھنٹی پھر بجی اور اسے جیسے الہام سا ہو گیا کہ نگہت کا فون تھا۔ لیٹے ہی لیٹے اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور کریڈل سے اتار کر نیچے رکھ دیا۔

گھر میں ٹیلی فون کی ضرورت سب سے پہلے مدحت بجیا کو پڑی۔ انہیں یونیورسٹی میں ہونے والے ایک سیمینار میں تقریر کرنا تھی۔ اسی تقریر کی تیاری کے سلسلے میں وہ اپنے ایک سینئر پروفیسر سے کچھ مشورہ کرنا چاہتی تھی۔

لاؤنج میں ٹیلی فون سیٹ کو اس کی جگہ پر نہ پا کر مدحت بجیا نے ٹیلی فون کے تار کے ذریعے اس کا سراغ لگایا۔

بجیا کو ضروری فون کرنا تھا۔

اپنی ضرورت کے پیش نظر انہوں نے جویا کے کمرے کے دروازے کو آہستہ سے کھٹکھٹاتے ہوئے کہا۔ ''جویا پلیز فون دے دو۔ ذرا مجھے فون کرنا ہے۔''

جویا جاگتے ہوئے بھی سوتی بن گئی۔

''بجگتو سزا، مجھے میرے گھر والوں کے فون کی خبر نہ دینے کی۔'' اس نے مسہری پر لیٹے ہی لیٹے کمرے کے بند دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے جی ہی جی میں کہا۔

دستک پھر سنائی دی۔

جویا چپ چاپ پڑی رہی۔

مدحت بجیا کو مایوس ہو کر پلٹنا پڑا۔

پھر امی کو فون کی ضرورت پڑی۔ انہیں ڈاکٹر کے ہاں جانا تھا اور وہاں جا کر گھنٹوں لائن میں بیٹھنے اور اپنی باری کا انتظار کرنے کی بجائے وہ فون پہ نمبر لے لینا چاہتی تھیں تاکہ وقت کے وقت جائیں اور جلدی سے نمٹ آئیں۔

ٹیلی فون کو اپنی جگہ نہ پا کر امی کو بھی تشویش ہوئی۔ تار لاؤنج سے باہر جا رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ امی اس کی مدد سے فون کا سراغ لگاتیں، مدحت بجیا نے انہیں بتا دیا کہ فون جویا کے کمرے میں تھا۔

''کیوں؟ آج کمرے میں کیوں چلا گیا؟'' امی نے تیوری چڑھا کر کہا۔

مدحت بجیا نے شانے اچکا دیے۔

امی نے موجو کو بلا کر فون لاؤنج میں لے آنے کی ہدایت کی تو بجیا بولیں۔ ''امی، مجھے خود ضروری فون کرنا ہے۔ ذرا دیر پہلے میں نے دستک دی تھی مگر کوئی جواب نہیں ملا شاید سو رہی ہیں۔''

''ارے چھوڑو، ان بیگم صاحبہ کی نیند ہماری ضرورت سے زیادہ تھوڑی ہے..... جا موجو تو جا کر بھابی کا دروازہ کھٹکھٹا اور کہنا امی کو ڈاکٹر کے ہاں جانے کے لیے نمبر لینا ہے فون دے دیں۔''

''اچھا جی۔''

موجو نے حکم کی تعمیل کی۔

اماں نے یہ پیغام بھجوایا ہوتا تو جویا ایک ٹانگ پر کھڑی ہو گئی ہوتی اور اماں کے لیے ڈاکٹر کے ہاں سے خود نمبر لیتی۔

مگر یہ اماں کا نہیں، اس کی ساس کا پیغام تھا۔

''اونہہ!'' اس نے بند دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے تیوری چڑھائی۔ ''بڑی بی کو ڈاکٹر کے ہاں جانے کا بہت شوق ہے۔ ہر دوسرے تیسرے دن حاضری رہتی ہے۔ ایک دفعہ اکٹھی کیوں نہیں چلی جاتیں۔''

موجو نے دو تین بار دروازہ کھٹکھٹایا پھر چلا گیا۔

موجو کو خالی ہاتھ لوٹتے دیکھ کر مدحت بجیا بولیں۔ ''میں نے کہا تھا نا سو رہی ہیں۔''

''کیا آخری سونا سو رہی ہیں۔'' امی بڑبڑائیں۔

''مجھے خود اتنا ضروری فون کرنا ہے۔'' مدحت بجیا بولیں۔

''ضروری تو مجھے بھی کرنا ہے۔'' امی کی نگاہوں میں بے تابی امنڈ آئی۔ اور وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔ ''میں خود جاتی ہوں۔''

''رہنے دیجیے امی۔'' مدحت بجیا نے کہا۔ ''بس اب اٹھنے کا وقت تو ہو ہی رہا ہے۔''

''واہ! کیسے رہنے دیں..... ضروری فون کرنا ہے۔''

''ہاں، کرنا تو ہے ضروری۔''

امی نے جا کر جویا کا دروازہ کھٹکھٹایا اور بہ آواز بلند بولیں۔ ''دلہن، فون چاہیے۔''

جویا کو بھی ضد آ گئی۔

امی کھٹکھٹاتی رہیں اور وہ چپ پڑی رہی۔

امی بڑبڑاتی ہوئی لاؤنج میں چلی گئیں۔

''کیا ہوا امی؟'' مدحت بجیا نے پوچھا۔

''ارے بھئی، سوتے کو تو جگا لو، جاگے کو بھلا کون جگائے۔''

''جویا سو رہی ہوں گی امی۔'' بجیا نے امی کا غصہ رفع دفع کرنے کی کوشش کی۔

کوئی پونے چھ بجے کے لگ بھگ جویا کمرے سے نکلی تو امی نے کہا۔ ''دلہن! فون تو باہر لے آتیں، میں اور مدحت کب سے ضروری فون کرنے کو بیٹھے ہیں۔''

''فون، کبھی کے ضروری ہوتے ہیں اور فون کی سب کو ضرورت ہوتی ہے۔'' جویا بولی۔

امی کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''کیا مطلب؟'' امی نے کہا۔

جویا نے ان کو مطلب سمجھانے کی بجائے موجو کو پکارا، وہ لپکا ہوا آیا۔ ''جی بھابی جان جی۔''

''میرے کمرے سے فون اٹھا کر لا دے یہاں۔''

''اچھا جی..... ویسے جی، فون کے لیے میں نے آپ کو دروازہ بہوتی کھڑکایا جی پر آپ شاید سو رہے تھے جی۔''

''اچھا اچھا، زیادہ لیکچر دینے کی ضرورت نہیں۔'' جویا نے موجو کو ڈپٹا اور ایک ادائے خاص سے کچن کا رخ کیا۔

''دیکھا۔ جویا کے جانے کے بعد امی نے بجیا کو جتایا۔

''چھوڑیں امی۔''

''واہ! کیوں چھوڑیں..... جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے نہیں کہ جواب دینے لگیں۔''

''کیوں دل جلاتی ہیں اپنا..... آپ ڈاکٹر کو فون کیجیے۔''

''تم ہی ملاؤ، میرا تو بلڈ پریشر ہائی ہو گیا ہے جواب سن کر۔''

امی کی بات کے دوران بابا در آئے۔

''خیریت! بلڈ پریشر کیوں ہائی ہو گیا ہے آپ کا؟''

امی غصے سے منہ پھلائے بیٹھی رہیں۔

''نصیب دشمناں! مزاج گرامی ناساز کیوں ہیں؟'' بابا نے زیر لب مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''بہو صاحبہ نے آج کیا دوپہر سے اب تک ٹیلی فون اپنے کمرے میں بند رکھا اور جب میں نے

کہا کہ مجھے اور مدحت کو ضروری فون کرنا تھے تو بولیں، فون بھی کے ضروری ہوتے ہیں اور فون کی سب کو ضرورت ہوتی ہے۔"

"غلط تو نہیں کہا بہو بیگم نے۔"

"شہ دینے والا ہو تو آپ سا...... آج یقین دفتر سے آجائیں تو شکایت کروں گی ان سے کہ لو تمہاری بیگم صاحبہ خیر سے جواب دینے لگی ہیں ہمیں۔"

"ارے ارے! ایسا غضب مت کیجئے گا۔" بیا گھبرا کر بولے۔

امی نے تیکھی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"بیگم! ہمیں بیٹے کا گھر بسانا ہے، اجاڑنا نہیں۔ ہرگز بیٹے سے بہو کی شکایت مت کیجئے گا۔"

"یعنی بہو کی غلطی سر آنکھوں پر!"

"یہ میں نے کب کہا؟"

"مطلب تو یہی ہے آپ کا۔"

"آپ غلط سمجھی ہیں۔"

"چلیے صحیح مطلب آپ ہی سمجھا دیجئے۔"

"جب گھر میں امن و سکون رکھنا مقصود ہو تو اہل خانہ کو افہام و تفہیم اور درگزر سے کام لینا چاہیے۔"

"آپ کو کیا معلوم کہ ہم کیا کیا درگزر کرتے ہیں۔"

"اچھا کرتی ہیں۔"

"ارے، اسی اچھائی کا تو آج یہ جواب ملا ہے کہ بہو بیگم منہ پر ہی جواب دے گئیں۔"

"کوئی بات نہیں۔" بیا رسانیت سے بولے۔ "دل بڑا رکھیے۔"

"بہت بڑا دل ہے ماسٹر صاحب۔"

"پوچھ سکتا ہوں کتنا بڑا۔"

"ارے صبح بہو بیگم سے ناشتہ نہیں بنوایا جاتا۔ تیار ہو کر نیچے اترتی ہیں تو ناشتہ میز پر لگا ہوا ہوتا ہے...... چھٹی والے دن میاں بیوی دونوں دن چڑھے تک سوتے رہتے ہیں، کوئی باز پرس نہیں۔ دوپہر کو اسکول سے واپس آتی ہیں، بہو صاحبہ کو کھانا تیار ملتا ہے۔ سہ پہر کو مرضی ہوئی تو چائے بنائی ورنہ پابندی نہیں۔ شام کو دل چاہا تو گھڑی دو گھڑی کو باورچی خانے کا چکر لگا لیا ورنہ زبردستی نہیں۔ بھئی، میکے آنے جانے پر ان کے کوئی روک ٹوک نہیں بلکہ میکا ہی کیا جہاں مرضی ہو جائیں۔ جب جی چاہے، آ گئیں۔ کوئی پوچھ پچھ نہیں۔ صبح بن سنور کر اسکول چلی جاتی ہیں۔ دوپہر کو کھانے کے بعد لمبی تان کر پڑ جاتی ہیں۔ کھانا پینا، پہننا، اوڑھنا سب اپنی پسند کا۔ ہر معاملے میں چھوٹ اور فراغت ہے۔ ہمارے جیسا گھرانا تو مقدر والی بہوؤں کو ملتا ہے ورنہ ساس نندیں اٹھتے بیٹھتے ٹوکتی ہیں۔" امی نے ایک طویل تقریر کر ڈالی۔ لمحہ بھر کو توقف کیا پھر جتانے والے انداز میں بولیں۔ "اندازہ ہو گیا آپ کو ہمارے دل کی بڑائی کا۔"

"ماشاءاللہ! لیکن وسعت ممکن ہے۔"

"بہت خوب!"

"شکریہ۔"

"ارے۔" امی نے تنبیہی نظروں بلکہ قدرے خفگی سے بیا کو دیکھا پھر بولیں۔ "آپ کا اگر بس چلے نا تو بہو بیگم کو سر پر بٹھا لیں۔"

مدحت بجیا نے اماں کے لیے ڈاکٹر سے نمبر لے لیا تھا اور ایک رانگ نمبر ملنے کے بعد بالآخر ان کا اپنا مطلوبہ نمبر بھی مل گیا تھا۔

"ہیلو!" ایک زنانہ آواز سنائی دی۔

"ہیلو! دیکھیں پروفیسر نظام ہوں گے گھر پر۔"

"آپ کون؟"

"جی، میں ان کی ایک کولیگ بات کر رہی ہوں۔ اسسٹنٹ پروفیسر مدحت۔"

"پلیز! ہولڈ کیجئے۔"

"ماسٹر صاحب! بہو بیگم اس گھر کو اپنا گھر سمجھتی کب ہیں، اوپری اوپری سی رہتی ہیں۔" امی کہہ رہی تھیں۔

"امی جی پلیز!" مدحت بجیا نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھتے ہوئے امی سے لجاجت سے کہا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے، بیٹی تم بات کرو۔" بیا دھیمے سُروں میں بولے پھر انہوں نے امی سے کہا۔ "چلیے ہم دونوں لان پر بیٹھتے ہیں۔"

جویا نے جو لاؤنج سے متصل کمرے کی بند کھڑکی کے نزدیک کھڑی ساری باتیں سن رہی تھی، کمرے کے پاس سے ہٹتے ہوئے دل ہی دل میں سوچا۔ "اونہہ! بڑی آئیں، بڑے دل والی! دو چار گھنٹے ہی کو فون کمرے میں لے جانے پر بڑے دل کا پول کھل گیا...... چھٹ دلی کہیں کی۔"

جویا کی اس خیال آرائی میں "چھٹ دلی" ٹیپ کا مصرع تھا۔ اور یہ مصرع اماں کا وضع کردہ تھا۔ کم حوصلہ، کم ظرف، تنگ دل، کنجوس غرض کسی نہ کسی اعتبار سے کمتر درجے کے لوگوں کے لیے اماں الفاظ کا یہ مرکب اکثر استعمال کیا کرتی تھیں۔ اور آج جویا کی زبان سے یہ لفظ اس لیے ادا ہوا تھا کہ شادی کے بعد اماں کی تربیت پر ہی تو چل رہی تھی!

☆=====☆=====☆

دو چار دن تو یہی رہا کہ دوپہر کو جویا فون اپنے کمرے میں لے جاتی اور شام تک فون اسی کے کمرے میں رہتا پھر تو روز کا معمول بن گیا!

بلکہ آنکھ مچولی سی!

دوپہر کو اسکول سے جویا کی واپسی کے بعد رات تک ٹیلی فون کبھی جویا کے کمرے میں ہوتا، کبھی لاؤنج میں۔ جویا گھر والوں کی نظر بچتے ہی ٹیلی فون سیٹ اپنے کمرے میں کھینچ لاتی اور کبھی اس کا کبھی ان کا ٹیلی فون لفٹ کا لیے جاتی

نہ جانے کس کس زمانے کی تو اسے سنگی ساتھیاں یاد آنے لگی تھیں۔ ایک دوسری اور دوسری سے تیسری کا نمبر پوچھے چلی جاتی۔

کبھی تفریحاً سلمنگ سینٹر کا نمبر ملا لیتی تو کبھی بیوٹی پارلر والیوں سے مفت مشورے حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگتی۔

میکے والوں کو کئی کئی مرتبہ فون کرتی۔

ابھی اماں سے بات ہوئی ہوتی تو کچھ دیر بعد مسجد سے ابا کی واپسی پر ان سے حال احوال لیا جاتا۔

کبھی بہنوں سے گپ شپ تو کبھی بھابی سے رسمی ہیلو ہائے۔

کبھی بھانجے بھانجیوں سے باتیں تو کبھی بھتیجے بھتیجیوں سے کچھ سن گن۔

جویا کے سسرال والے بسا اوقات کسی ضروری فون کال کے لیے بھی گھنٹوں اس انتظار میں رہتے کہ کب فون جویا کے کمرے سے باہر آئے۔ اشد ضرورت کی صورت میں کبھی کبھار اس کے کمرے کا دروازہ بھی کھٹکھٹا دیا جاتا۔ جویا دروازہ کبھی کھول دیتی، کبھی چپ چاپ پڑی دستک سنے جاتی۔

دوپہر سے رات تک فون عموماً اس قدر انگیج رہنے لگا کہ لوگ باضابطہ شکایتیں کرنے لگے۔

''ارے بھئی، آپ کا نمبر تو ٹی وی اسٹیشن کا نمبر ہو گیا۔ مل کر ہی نہیں دیتا۔''

''دن میں دن بھر بھی مل جاتا ہے، آپ کا نمبر تو ملتا ہی نہیں۔''

''اتنا انگیج کیوں رہتا ہے آپ کا نمبر؟''

''ٹیلی فون نہ ہوا، اکھڑ اور بدمزاج محبوب ہو گیا کہ:

کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

سب سے زیادہ نگہت کو شکایت ہوتی۔

''اف امی، کیا ہو گیا ہے فون کو! اتنی اتنی دیر...... انگیج رہتا ہے کہ خدا کی پناہ...... جب ملاؤ بزی جب ملاؤ بزی...... ارے بھئی فون کو ضرورتاً استعمال کرنا چاہیے نہ کہ تفریحاً۔''

''بالکل ٹھیک بات ہے۔'' امی تائید کرتیں۔

''کوئی ایمرجنسی بھی ہو سکتی ہے...... خدانخواستہ کوئی کہیں سے ایمرجنسی فون کرے تو فون بزی ملے گا۔''

''بالکل صحیح بات ہے۔''

نگہت افتخار کو بھی آگے بڑھا دیتی۔

''دفتر سے بہت دیر تک فون کرتا رہا مگر نمبر انگیج ملتا رہا۔''

''یہ اتنی اتنی دیر فون کرتا کون ہے؟'' نگہت جویا کو سنانے کو بآواز بلند پوچھتی۔

''بھئی، تمہاری بھاوج صاحبہ ہیں۔'' امی بیس مرتبہ پہلے بھی دیا ہوا جواب رشتے کے ہیر پھیر کے ساتھ دہرا دیتیں...... جویا کو کبھی بھاوج صاحبہ کہا جاتا، کبھی بہو بیگم، کبھی دلہن، کبھی جویا اور کبھی ابا کی

لاڈلی بہو صاحبہ۔

''ہر وقت فون انگیج رہتا ہے...... بل کون ادا کرے گا۔'' نگہت جویا کے کان میں ڈالنے کی کوشش کرتی۔

''ہمی بھریں گے اور کون بھرے گا؟''

''کیوں، آپ کیوں بھریں گی، بل وہ بھریں جو فون زیادہ استعمال کرتے ہیں۔''

بیا کبھی امی کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے، کبھی نگہت کو۔

مدحت بجیا کو فون کی اکثر ضرورت ہوتی اور وہ سب سے زیادہ پریشان ہوتیں۔ جویا کا روزانہ بلکہ آنکھ بچتے ہی اپنے کمرے میں فون لے جانا انہیں انتہائی ناگوار گزرتا مگر چپ رہتیں۔

فون کے سلسلے میں جہاں کوئی برافروختہ ہونے لگتا، بیا اسے سمجھانے بیٹھ جاتے۔ ''بھئی دیکھو، دلہن فون زیادہ تر اپنے کمرے میں رکھنا پسند کرتی ہیں تو شوق سے رکھیں۔ محض فون کی وجہ سے گھر کا ماحول خراب نہیں ہونا چاہیے...... کوئی بدمزگی، کوئی ناراضگی نہیں ہونی چاہیے۔''

''بیا، یہ کوئی بات نہ ہوئی کہ ہم ایک فون کال کرنے کے لیے بھی گھنٹوں منتظر رہیں کہ کب بھابی کے کمرے کا دروازہ کھلے اور کب ہم فون کریں۔''

''کوئی بات نہیں...... کوئی بات نہیں...... بدمزگی سے یہ انتظار بہرحال بہتر ہے۔''

''واہ! یہ بھی کوئی بات ہے بھلا کہ گھر میں فون ہوتے ہوئے بھی ہم گھر سے باہر جا کر پی سی او سے فون کریں۔'' ایک روز ذہین باہر سے فون کر کے گھر آنے کے بعد بولا۔

''میاں! اس بہانے واک ہو گئی ہوگی۔'' بیا مسکرائے۔

''ٹمپریچر آج چالیس ڈگری جا رہا ہے بیا۔'' ذہین نے جتایا۔

''ہم تو اپنی فرینڈز سے فون پہ بات کرنے ہی کو ترس گئے۔'' بالآخر نزہت بھی بول پڑی۔

''کوئی بات نہیں۔ یہ ترسنا گھر کے ماحول بگڑنے سے لاکھ درجے بہتر ہے۔ گھر میں کوئی بدمزگی یا اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔''

امی نے تیوری چڑھا کر بیا کو دیکھا پھر نزہت کی طرف دیکھتے ہوئے طنزاً بولیں۔ ''تمہارے بیا تو گھر کا ماحول خوش گوار رکھنے کی یہ پالیسی پہ لگے ہوئے ہیں۔''

امی کی بات پہ بیا بے ساختہ ہنس دیے۔

''ناظر صاحب، ابھی سے کیوں ہنس دیے، ذرا پوری بات تو سن لیجیے۔'' امی بولیں۔

''ارشاد! ارشاد!''

امی نے روئے سخن نزہت کی طرف کیا اور جتانے والے انداز میں بولیں۔ ''اور ان کی بہو بیگم آج کل ٹیلی فون پر گھات لگائے رہتی ہیں جہاں دوسروں کی نظر بچی، ٹیلی فون یوں جھپٹ کر لے جاتی ہیں جیسے چیل گوشت کو جھپٹا مار کر لے جاتی ہے۔''

''بھئی واہ کیا مثال دی ہے۔'' بیا بولے۔

''سچ کہتی ہوں، بالکل یہی منظر ہوتا ہے۔''

"ایسے مناظر آپ مت دیکھا کیجئے۔" بابا مسکرائے۔

"کیوں نہ دیکھا کروں۔"

"ایسے مناظر آپ کا بلڈ پریشر بڑھا سکتے ہیں۔"

"ارے، بلڈ پریشر کا کچھ مت پوچھئے، وہ تو بڑھا ہی رہتا ہے۔"

"اللہ رحم کرے۔"

☆=====☆=====☆

مدحت بجیا کو بہت ضروری کال کرنی تھی اور فون تھا جویا کے کمرے میں!

نزہت نے بجیا کو پریشان دیکھا تو جویا کے دروازے پر دستک دیتے ہوئے بہ آواز بلند کہا۔

"بھابی! بجیا کو ضروری فون کرنا ہے ذرا فون دے دیجئے۔"

جویا جو فون پر اماں سے بات کر رہی تھی، آہستہ سے بولی۔ "اچھا اماں پھر فون کروں گی آپ کو۔"

"خیریت؟" اماں نے پوچھا۔

"نزہت دروازہ کھٹکھٹا رہی ہے۔"

"کیوں؟"

"پروفیسر صاحبہ کو ٹیلی فون کی ضرورت ہے۔"

"پروفیسر! کون پروفیسر؟"

"ارے وہی مدحت...... بیٹھی چھری۔"

"بھئی، طلاقن کھوٹ۔"

"ہاں وہی...... اسے فون کی بڑی ضرورت رہتی ہے۔"

"کسے کرتی ہے؟" اماں کا لہجہ معنی خیز تھا۔

"کیا پتا، کسے کرتی ہے؟"

"ایک کو تو چھوڑ دیا، اب دوسرے کی تلاش میں ہوگی۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"لکھ لو، یہی بات ہے۔"

"بھابی! فون دے دیجئے ذرا۔" دروازے پر دستک کے ساتھ نزہت کی آواز سنائی دی۔

"اماں، نزہت دروازہ کھٹکھٹائے جا رہی ہے، میں فون بند کر رہی ہوں۔"

"کیا فون دو گی اسے؟"

"دیکھتی ہوں اماں، کتنی دیر کھٹکھٹاتی ہے وہ...... اگر زیادہ دیر کھٹکھٹاتی رہی تو دینا پڑے گا۔"

"ہرگز نہیں۔" اماں بولیں۔ "کسی قیمت پر ان کو اپنے اس قسم کے حربوں میں کامیاب نہ ہونے دینا...... کمرے کا دروازہ کھولنا ہی مت۔ یوں چپ پڑ جاؤ، جیسے سو رہی ہو۔"

"ٹھیک ہے۔" جویا نے کہا اور ایسا ہی کیا۔

نزہت بے نیل و مرام لوٹی۔

"کیا ہوا؟" امی نے پوچھا۔

"وہ تو معلوم ہوتا ہے، گھوڑے بیچ کر سو رہی ہیں۔"

"ارے سو نہ بھی رہی ہوں گی تو سوتی بن گئی ہوں گی۔" امی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔"

"فون بہت ضروری کرنا ہے کیا؟" امی نے پوچھا۔

"بہت ہی ضروری امی۔" بجیا بولیں۔

"چلو بیٹی، پبلک کال آفس سے کر آتے ہیں۔" بابا نے کہا۔

"واہ! یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ گھر میں فون ہوتے ہوئے بھی باہر سے فون کیا جائے۔" امی بولیں۔

"مجبوری میں سب جائز ہے۔" بابا نے کہا۔

"ٹھیک ہے امی، ضروری فون ہے۔ میں چلی جاتی ہوں بابا کے ساتھ۔"

"جاؤ...... تمہاری مرضی۔" امی نے بادل ناخواستہ کہا۔

بجیا اپنی ضرورت کے پیش نظر بابا کے ساتھ باہر سے فون کرنے گئیں مگر پی سی او بند ملا۔ آس پاس سے پوچھنے پر معلوم ہوا پانچ بجے کے بعد کھلے گا۔

آس پاس دو چار دکانوں پر فون تھا مگر انہوں نے مروت نہ دکھائی حالانکہ بابا نے تو دگنے تگنے نرخ ادا کرنے کو بھی کہہ دیکھا۔

بجیا اور بابا واپس لوٹے تو ذہین امی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

"کر آئیں فون؟" امی نے پوچھا۔

"جی نہیں...... پی سی او بند تھا۔"

"کچھ علاج کرنا ہی پڑے گا۔" امی بولیں۔ "روزانہ بیگم صاحبہ فون اپنے کمرے میں لے جاتی ہیں۔"

"لیکن میں اس وقت کیا کروں؟" مدحت بجیا کو فون ضروری کرنا تھا۔

"ذہین بیٹا، تم جا کر ذرا دروازہ دھڑ دھڑاؤ بلکہ اسے اتنی زور سے کھٹکھٹاؤ کہ سوئے مردے بھی جاگ پڑیں۔" امی نے ذہین کو ترغیب دی۔

"نہیں بیٹا، ایسا مت کرنا۔" بابا نے سمجھایا۔

"کیوں؟" امی نے تیوری چڑھائی۔

"بری بات ہے۔"

"اور یہ بڑی اچھی بات ہے کہ بہو بیگم روزانہ ٹیلی فون اپنے کمرے میں بند کر کے سو جائیں اور گھر میں جس کو فون کی ضرورت ہو، وہ بھٹکتا پھرے۔"

"آپ کا اعتراض بجا مگر......"

"مگر؟"

"بہتر ہے کہ یہ بات کسی تلخی کی بنیاد نہ بننے پائے۔"

"تلخی تو ہوگئی۔" امی وثوق سے بولیں۔ "ایک کی وجہ سے گھر کے باقی سب لوگ آخر کتنے دن پریشانی برداشت کریں گے۔"

"ارے!" ذہین نے چٹکی بجائی۔ "ایک حل ہے اس مسئلے کا۔"

"وہ کیا؟"

"اپنا پرانا والا ٹیلی فون سیٹ کہاں ہے؟"

"تمہیں وہ کیوں یاد آگیا؟" امی بولیں۔

"آپ بتایئے تو سہی، پرانا سیٹ کہاں ہے؟"

"اسٹور میں پڑا ہے۔"

"بس ابھی ہوا جاتا ہے بندوبست۔" ذہین تیزی سے باہر چلا گیا۔

"خدا جانے کیا بات سوجھی ہے اس لڑکے کو۔" امی بولیں۔

"میں سمجھ گیا ہوں۔"

"کچھ ہمیں بھی سمجھایئے۔"

"دیکھتی رہیئے، خود سمجھ میں آجائے گا۔"

اسٹور سے پرانا ٹیلی فون سیٹ لاکر ذہین نے پانچ منٹ کے اندر اندر گھر کے ٹیلی فون کے متوازی ایک اور ٹیلی فون لگا دیا۔

جویا کے کمرے میں ٹیلی فون اس وقت زیر استعمال نہ تھا، چنانچہ وہ اس کارروائی سے بے خبر رہی۔

دوسرا ٹیلی فون لگانے کے بعد ذہین نے ڈائل ٹون چیک کرنے کے بعد فاتحانہ انداز میں کہا۔

"لیجیے جناب، مسئلہ حل ہوگیا۔ اب فون چاہے، دن رات بھابی کے کمرے میں بند رہے، کوئی پرواہ نہیں۔"

"کام کر رہا ہے یہ فون؟" بجیا نے پوچھا۔

"کیسے نہیں کرے گا...... ملایئے آپ اپنا مطلوبہ نمبر۔"

"میاں، بڑی عقلمندی کا کام کر دکھایا ہے تم نے۔" بابا بولے۔

"بابا صاحب، بیٹا کس کا ہوں۔"

"میرا۔" امی بولیں۔

بابا اور ذہین نے مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھا۔ "بھئی، دعویٰ تو مسلم ہے۔" بابا نے تائیداً سر ہلایا۔

"مسلم نہیں مرغ مسلم کہیے......" امی بولیں۔

بابا اور ذہین کھلکھلا کر ہنس دیے۔

"میں فون کرلوں؟" بجیا نے کہا۔

سب بجیا کا مطلب سمجھ گئے۔ یعنی وہ خاموشی چاہتی تھی۔ ذہین اٹھا اور کمرے سے چلا گیا۔

بجیا نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا ہی تھا کہ ایک آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی۔ "اماں، میں نے تھوڑی دیر پہلے نمبر ملایا تھا مگر نمبر انگیج مل رہا تھا۔"

یہ جویا کی آواز تھی۔ گویا فون زیر استعمال تھا۔

مدحت بجیا نے فوراً ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ہاں زویا اپنی کسی سہیلی سے بات کررہی تھی۔"

"اور اماں، کیا حال ہے؟"

"بس سب خیریت ہے۔ تم اپنی سناؤ...... اپنے کمرے سے فون کررہی ہو یا......؟"

"اپنے کمرے سے؟"

"فون تمہارے کمرے میں ہونے پر پتنگے تو بہت لگتے ہوں گے سب کو۔"

"مت پوچھیے، جلے پاؤں کی بلیاں بنی پھرتی ہیں۔ کافی دیر پہلے مدحت آئی تھی دروازے پر، کھٹکھٹا کر بولی، فون چاہیے مگر میں چپ پڑی رہی، تھک ہار کر وہ چلی گئی۔"

"بہت اچھا کیا تم نے...... فون کیا اس کے ابا جان کا ہے۔"

"ہے تو ابا جان ہی کے نام۔"

"ارے تو کیا ہوا، ہر مہینے بل بھی تو بھرا جاتا ہے۔ تمہارے میاں کا بھی پیسہ ہوتا ہے اس میں۔"

"ہاں، کیوں نہیں۔"

"بس تو اپنا حق چھین کر لینے کی عادت ڈالو۔"

مدحت بجیا کو ماؤتھ پیس پر ہاتھ دھرے اور دم بخود ہوتے دیکھ کر امی نے کہا۔ "کیا بات ہے مدحت، نمبر نہیں ملایا تم نے؟"

مدحت بجیا نے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے امی کو خاموش رہنے کا اشارہ دیا۔ امی متذبذب ہو کر بابا کو دیکھنے لگیں۔

"یقین کیسے ہیں؟ دودھ میں شکر تو بلاناغہ دے رہی ہو نا؟"

"ابھی تو دیسے ہی ہیں... ان پر تو کوئی اثر نہیں ہوا ہے اب تک۔"

"انشاءاللہ ان پر بھی ہوگا...... ضرور ہوگا...... بلاناغہ عمل کر رہی ہو نا؟"

"بلاناغہ اماں...... روزانہ رات کو دودھ میں گھول کر دیتی ہوں۔"

"اللہ نے چاہا تو ضرور اثر ہوگا اور گھر والوں کا کیا حال ہے، نمک چل رہا ہے نا؟"

"جی، چل تو رہا ہے مگر اکثر تیز ہو جاتا ہے، بڑی بی کل کل کرتی ہیں۔"

"بھئی، اس کل کل سے بچنے کی بہت سادہ اور آسان سی ترکیب تو یہ تھی کہ شام کو ایک ہنڈیا باقاعدگی سے تم ہی چڑھاؤ مگر میں نے تمہیں اس پابندی کا مشورہ اس لیے نہیں دیا کہ کہیں عمل کی مدت

ختم ہو جانے کے بعد بھی ہنڈیا چڑھانے کی بلا تمہارے سر ہی نہ لگ جائے۔ تمہیں تو باورچی خانے سے ذرا دور دور ہی رہنا چاہیے۔"

"آپ کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے دور دور ہی رہتی ہوں۔"

"بلکہ جو کام آتا بھی ہو تو کہہ دو نہیں آتا۔"

"یہی کرتی ہوں۔"

"اچھا کرتی ہو۔"

امی سے اب برداشت نہ ہو سکا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر مدحت کے پاس آ بیٹھیں اور بڑی تشویش سے پوچھا۔ "کیا ہوا مدحت؟"

مدحت نے پھر انہیں چپ رہنے کا اشارہ دیا۔

امی پلٹ کر ربا کی طرف آئیں اور سرگوشی میں بولیں۔ "یہ مدحت فون کان سے لگائے کیوں بیٹھی ہے؟"

"کان سے ہٹائے تو پوچھ لینا۔" ربا نے کہا۔ ویسے وہ صورتِ حال کو بخوبی سمجھ چکے تھے۔

"دنوں کا حساب کتاب تو رکھا ہوا ہے نا تم نے؟" اماں جویا سے پوچھ رہی تھیں۔

"جی..... جی۔"

"کتنے دن ہو گئے یقین کو شکر دیتے؟"

"آج گیارہواں دن ہوگا۔"

"اور گھر والوں کو نمک کتنے دن سے دے رہی ہو؟"

"میرا خیال ہے، ایک دن کا فرق ہے۔"

"دیکھو، خیال کی بات نہیں، پکا حساب رکھو۔ پیر فقیر جو عمل بتائیں۔ اس میں دنوں کا حساب کتاب بہت احتیاط سے رکھنا چاہیے۔"

"اماں، ڈائری میں نوٹ کر رکھا ہے میں نے۔"

"ہیں! یہ کیا حماقت کی..... ڈائری میں نوٹ کر لیا اور جو کسی کی نظر پڑ گئی اس تحریر پر۔"

"اتنی بیوقوف تھوڑی ہوں اماں..... کوئی یہ تھوڑی لکھا ہے میں نے کہ فلاں تاریخ سے یقین کو شکر دینا شروع کی یا فلاں تاریخ سے گھر والوں کو نمک۔ بس قلم سے نشان ڈال دیئے تھے۔"

"یہ آج ٹیلی فون میں کچھ گھڑ گھڑاہٹ سی ہو رہی ہے۔ کیا تمہاری طرف بھی ہو رہی ہے؟"

"ہاں، ہو تو رہی ہے۔"

"ویسے فون تمہارے کمرے میں ہونے سے ہو گئی ہے آسانی، کھل کر بات ہو سکتی ہے۔"

"گھر سب کے منہ بنے رہتے ہیں۔ خاص طور پر بڑی بی کا اور میٹھی چھری مدحت طلاقن کا۔"

"بڑھیا یا کسی کے بھی منہ بنانے کی پرواہ مت کیا کرو..... اچھا ہاں، آج زویا یونیورسٹی گئی تھی کسی کام سے، وہاں تمہاری چھوٹی نند ملی تھی اسے۔"

"چھوٹی نہیں، موٹی کہیے اماں۔"

اماں ہنس پڑیں۔

"زویا کو اپنے کاغذوں پر کچھ ٹھپا دپا لگوانے کی ضرورت تھی۔ تمہاری طلاقن نند کے پاس بھی گئی تھی۔"

"ہاں، دوپہر کو کھانے پر دونوں بہنیں ذکر کر رہی تھیں زویا سے ملاقات کا..... مدحت زویا کا اچھے لفظوں میں ذکر کر رہی تھی۔ زویا سے کہیں، دو تین مرتبہ پھر کسی بہانے سے جائے اس کے پاس۔ فرزین اس کی بات بہت مانتا ہے۔ لڑکوں کو قابو کرنے سے پہلے ان کی اماں بہنوں پر ڈورے ڈالنے پڑتے ہیں، مکھن لگانا پڑتا ہے انہیں۔"

"زویا! اونہہ! زویا مکھن لگائے گی بھلا..... اس بیوقوف سے تو دو ٹوک بات کروا لو۔ ایمان سے کبھی کبھی تو غصہ آ جاتا ہے مجھے اس پر..... یعنی دوسروں کی حمایت میں اپنوں کی کاٹ کر دے گی۔ بھری محفل میں سچی بات کہہ کر شرمندہ کروا دیتی ہے۔ کوئی بات ڈھکی چھپی رہنے نہیں دیتی یہ لڑکی، ہمارے مقابلے میں بھاوج کا ساتھ دینے کھڑی ہو جائے گی..... عاجز آ گئی ہوں میں اس کی بیوقوفیوں سے۔"

"سسرال جائے گی تو خود عقل آ جائے گی اسے۔ سچ بولنا، دو ٹوک بات کرنا سب بھول جائے گی۔"

"دیکھو۔"

"دیکھنے کی کیا بات۔ تجربے سے گزر رہی ہوں اماں..... قدم قدم پر مصلحت آمیز جھوٹ بولنا پڑتا ہے تب کہیں گزارا ہوتا ہے سسرال میں۔ اپنے اوپر جبر کر کے بڑھیا کو امی کہنا پڑتا ہے۔ مدحت کو شرما حضوری بجیا کہتی ہوں۔ نزہت کے چہلانے پر ایسا غصہ آتا ہے کہ کیا کہوں مگر مجبوراً اور مصلحتاً چپ رہنا پڑتا ہے۔"

"زویا کے لیے میں یونہی تو پریشان رہتی ہوں کہ وہ بیوقوف تو مصلحت اختیار نہیں کر سکے گی۔ جو دل میں ہوگا، وہی زبان پر رکھے گی۔ میں تو دن رات دعا کرتی ہوں کہ تم دونوں بہنیں ایک ہی گھر میں اکٹھی ہو جاؤ۔"

"اللہ مالک ہے اماں۔"

"ٹیلی فون میں گڑگڑاہٹ بہت ہو رہی ہے۔"

"ٹھیک ہے اماں، پھر بات کروں گی۔"

"بات کیا کرو گی، گھر نہیں آؤ گی کیا؟"

"آؤں گی..... اصل میں آج کل دفتر سے ان کی واپسی کے بعد اکثر فرزین گاڑی لے کر نکل جاتا ہے اس لیے شام کو ہم لوگوں کا آنا جانا کچھ کم ہو رہا ہے۔"

"گاڑی ہے کس کی؟"

"اماں! اس گھر میں کسی چیز کا کچھ پتا نہیں چلتا کہ کس کی ہے۔"

"واہ، یہ کیا بات ہوئی۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ کون سی چیز یقین کی ہے، کون سی دوسروں

کی۔ یقین سے پوچھو کہ کون سی چیز کس کی ہے۔ آخر ٹیلی فون کا بھی تو تم نے معلوم کر ہی لیا کہ ابا جان
کے نام ہے۔"

"مگر آپ کی یہ بات میرے دل کو لگی ہے کہ فون ابا جان کے نام ہے تو کیا ہوا، چلتا تو بل
دینے سے ہے اور بل میں ان کا پیسا بھی شامل ہوتا ہے۔"

"اور کیا۔"

"اچھا، اماں، اب بند کرتی ہوں۔"

"اچھا۔"

"خدا حافظ!"

"اللہ حافظ!"

جویا نے ریسیور رکھ دیا تھا۔

مدحت بجیا کچھ دیر دم بخود بیٹھی رہیں پھر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

"کیا ہوا؟" امی نے پوچھا۔

"یہ ٹیلی فون خراب ہے، کام نہیں کرے گا۔"

"کام نہیں کرے گا۔" امی نے قدرے بے یقینی سے کہا۔

"جی ہاں۔"

"مگر ذہین تو کہہ رہا تھا......"

"وہ لگا گیا تھا مگر فون ٹھیک کام نہیں کر رہا ہے۔" مدحت بجیا نے امی سے نظریں چرا رکھی تھیں۔

"لاؤ، میں دیکھتا ہوں۔" بابا آگے بڑھے۔

"نہیں...... نہیں بابا یہ خراب ہے، کام نہیں کرے گا۔" بجیا نے آنکھوں ہی آنکھوں میں بابا سے
نہ جانے کیا کہا کہ وہ تھم گئے۔

پھر بجیا نے گھر کے ٹیلی فون کے متوازی لگایا جانے والا ٹیلی فون سیٹ خود ہی نکال پھینکا۔

"دلہن نے ٹیلی فون کے سلسلے میں بہت ہی محتاج کر دیا ہے۔" امی مدحت بجیا کا چہرہ اترا دیکھ
کر بولیں۔

مگر بابا سمجھ گئے تھے کہ بجیا کا چہرہ اترنے کا سبب ٹیلی فون کی محتاجی نہیں، کوئی اور بات تھی جو تھا
بہرحال ٹیلی فون ہی سے متعلق!

اور مدحت بجیا کے ذہن میں جوار بھاٹا کی سی کیفیت تھی۔

ٹیلی فون پر جویا اور اس کی اماں کی باتیں سن کر انہیں تعجب بھی ہوا اور صدمہ بھی پہنچا تھا۔
سب سے زیادہ حیرت انہیں شکر اور نمک والی بات پر ہوئی تھی۔ یقین کو پڑھی ہوئی شکر اور گھر
والوں کو نمک خواہ وہ جس بنا پر بھی دے رہی تھی، بہرحال تھی یہ جاہلانہ حرکت۔ پڑھے لکھے اور سمجھ دار
لوگ بھلا ایسی حرکتیں کب کرتے ہیں۔ افسوس کہ جویا پڑھی لکھی ہونے کے باوجود اس جاہلانہ حرکت
کی مرتکب ہو رہی تھی۔

زویا اور فرزین کے بارے میں ان دونوں ماں بیٹی کے مابین جو گفتگو ہوئی تھی، مدحت بجیا کو
اس پر نہ تعجب ہوا تھا نہ صدمہ پہنچا تھا بلکہ اس قسم کی گفتگو کو انہوں نے ان دونوں کی ضرورت اور مجبوری
سمجھا تھا۔ بیٹیوں والے لڑکوں پر یونہی نگاہیں لگا کر رکھتے ہیں۔

اہم صدمہ مدحت بجیا کو اس بات سے پہنچا تھا کہ ان دونوں نے ان سب کے بارے میں
انتہائی بدتہذیبی اور تحقیر سے باتیں کی تھیں۔ امی کو بڑی بی اور بڑھیا...... نزہت کو موٹی اور خود انہیں
طلاقن کے نام دیئے تھے۔ کون برداشت کر سکتا ہے اس بدتمیزی اور تحقیر کو!

نزہت کو موٹی کہنا قابل معافی۔

خود انہیں طلاقن کہنا قسمت کا لکھا سمجھ کر آنسو چپ چاپ پیئے جا سکتے تھے۔

مگر امی کو بڑھیا اور بڑی بی کہنا لائق ملامت تھا۔

غنیمت ہوا کہ یہ سب کچھ بجیا نے سنا تھا جو سہنا اور چپ رہنا جانتی تھیں اگر امی نے سنا ہوتا تو
یقیناً بپھر جاتیں اور خدانخواستہ اگر نگہت سن لیتی تو وہ تو جویا اور اس کی اماں جان کے ایسے لتے لیتی کہ
خدا کی پناہ!

مدحت بجیا کو دکھ اس بات کا تھا کہ وہ تو جویا کو نگہت اور نزہت کی طرح اپنی چھوٹی بہن سمجھتی
تھیں حالانکہ نگہت کو یہ بات انتہائی کھلتی تھی اور اس نے کئی بار کہا تھا بجیا کو کہ بہنوں اور بھاوج میں فرق
رکھنا چاہیے اور بھاوج کو سر پر نہیں چڑھانا چاہیے۔ اور جب کبھی امی کو جویا کی کسی بات پر غصہ آنے لگتا
تو وہی اس غصے کی تپش جویا تک پہنچنے سے پہلے کسی نہ کسی طور ٹھنڈی کر دیا کرتی تھی۔ اور جویا اپنی ماں
سے فون پر بات کرتے ہوئے بڑی بدتمیزی سے ان کا نام لے رہی تھی، انہیں استہزائیہ لہجے میں میٹھی
چھری اور طلاقن کہہ رہی تھی۔

مدحت بجیا کو اس سے کہیں زیادہ افسوس اس بات کا تھا کہ بظاہر تو جویا کا انہیں بجیا بجیا کہتے منہ
سوکھتا تھا مگر پیٹھ پیچھے......!

یہ شرمناک منافقت انتہائی تکلیف دہ تھی۔

شاید جویا یہ سب کچھ ان کے منہ پر کہہ دیتی تو انہیں اتنا دکھ نہ ہوتا، جتنا اس طور سننے پر ہوا تھا۔
حقیقت یہ تھی کہ جویا ان کی نظروں میں بڑی منافق اور مشکوک ٹھہر گئی تھی۔

چنانچہ اس شام جب جویا اپنے کمرے سے نکلی تو اسے دیکھتے ہی مدحت بجیا کو اس کے دور
رخے پن کے احساس سے کراہیت سی محسوس ہونے لگی۔ جب اس نے انہیں مسکرا کر دیکھا تو اس کی
مسکراہٹ انہیں دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ محسوس ہوئی۔ انہیں یوں لگا، جیسے جویا کی مسکراہٹ سے
بڑا فریب دنیا میں اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس کی دکھاوے کی مسکراہٹ سے انہیں اپنے وجود
میں چیونٹیاں سی رینگتی محسوس ہوئیں۔ سینے میں دھواں سا بھرنے لگا۔

جب اس نے انہیں بجیا کہا تو وہ انہیں بڑی مکاری سی لگی۔ ان کی سماعت میں وہ سارے جملے
بازگشت بن کر ابھرنے اور ڈسنے لگے جو انہوں نے فون پر سنے تھے۔

مدحت بجیا کا جی چاہا جویا کو دونوں شانوں سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالیں اور کہیں، اپنی مسکراہٹ سے

لبھانے کی کوشش مت کرو۔ میں تمہارا اصل روپ دیکھ چکی ہوں۔

ان کا جی چاہا، اسے ٹوکیں کہ مجھے بجیا کیوں کہتی ہو! پیٹھ پیچھے ہی نہیں، منہ پر بھی میرا نام لینے اور مجھے میٹھی چھری اور طلاقن کہنے کی جرأت کرو۔

بجیا کا جی چاہا، اسے خوب لتاڑیں۔

اسے آئینہ دکھاویں۔

شرمندہ کریں۔

مگر بجیا چاہنے کے باوجود اسے آئینہ دکھا سکیں نہ لتاڑ سکیں۔

شاید وہ مجبور تھیں یا پھر جویا کی طرح وہ بھی منافق تھیں۔ ورنہ اپنے دل کا درد چھپا کر اور دکھاوے کی مسکراہٹ کے جواب میں مسکراتیں کیوں!

بہر حال جویا کا فون سننے کا ایک فائدہ تو یہ ہوا تھا کہ مدحت بجیا کو اس کا اصل چہرہ نظر آ گیا تھا تو دوسری طرف ہنڈیا میں روز روز نمک کرارا ہونے کا بھید بھی کھل گیا تھا۔

اب سوال یہ تھا کہ بھید کھلنے کا بھید جویا پر کیونکر آشکار کیا جائے۔

☆=====☆=====☆

شام تک مدحت بجیا مسلسل کوفت میں مبتلا رہیں۔ رات کو کھانا لگا کر انہوں نے جویا کو ہنڈیا میں نمک چھڑکتے بھی دیکھ لیا مگر کچھ کہہ نہ پائیں۔ بہن بھائیوں میں سب سے بڑی ہونے کے باوجود وہ گھر میں اپنی حیثیت نگہت اور نزہت کے مقابلے میں کمزور سمجھتی تھیں۔

نگہت اپنے گھر بار کی تھی۔ طمطراق سے میکے آتی تھی۔ ٹھسے سے رہتی۔ دھوم سے جاتی۔ کوئی ایک کہتا تو چار سناتی۔ اول تو کسی میں اتنا دم خم ہی نہ تھا کہ اسے کچھ کہہ پاتا لیکن اگر کبھی کوئی بات ہو بھی جاتی تو ہر صورت نگہت ہی کا پلڑا بھاری رہتا۔ اس کی تنک مزاجی کے باعث میاں بھی اس کے آگے پانی بھرتے تھے اور میکے والے بھی دم سادھے رہتے تھے۔

نزہت بن بیاہی تھی۔ جب تک اپنے گھر بار کی نہ کر دی جاتی، اس گھر کی زمین پر اس کے قدم مضبوطی سے جمے تھے۔ مجال تھی کہ کوئی اس کے قدموں سے زمین کھینچ لینے کی جسارت کر پاتا۔ والدین اور بھائیوں کی ذمے داری تھی۔ اس گھر پر اس کا پورا پورا حق تھا۔

مدحت بجیا کی حیثیت نہ تو نگہت کی طرح مستحکم تھی، نہ نزہت کی طرح۔ وہ والدین اور بھائیوں کی ذمے داری نہ رہی تھی۔ وہ تو اپنی ذمے داری سے سبکدوش ہو لیے تھے۔ بجیا ہی قسمت کی ہیٹی رہی تھیں۔ مگر اسے اپنا استحقاق نہ جانتی تھیں۔ پھونک پھونک کر قدم رکھتی تھیں کہ کہیں کوئی یہ نہ کہہ دے کہ اس گھر پر اب تمہارا کیا حق۔ گھر کے معاملات میں غیر ضروری مداخلت سے حتی الامکان گریز کرتیں۔ مداخلت کی ضرورت پیش آتی تو بصد احتیاط دخل دیتیں۔ بات کرنے سے پہلے ہر پہلو، ہر امکان پر اچھی طرح غور کر لیتیں۔ اسی احتیاط کے پیش نظر جویا پر ہاتھ ڈالنا ان کے لیے چنداں آسان نہ تھا۔ مگر انسان تھیں، پتھر نہ تھیں۔ جو کچھ انہوں نے فون پر سنا تھا، اس نے ان کے دل و دماغ میں ہلچل سی مچا رکھی تھی۔

رات کو کھانے کے بعد لان پر کچھ دیر چہل قدمی اور گپ شپ کر کے جب سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تو بابا مدحت بجیا کے کمرے میں چلے آئے۔ سہ پہر سے اب تک مدحت بجیا کو الجھا الجھا دیکھ کر بابا کو یقین ہو چکا تھا کہ کوئی نہ کوئی بات تھی ضرور۔ بابا کا مدحت بجیا کے کمرے میں آنا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ اکثر وہ بجیا کے کمرے میں آ بیٹھتے تھے یا پھر مدحت بجیا خود ان کے کمرے میں چلی جاتی تھیں۔ مگر اس رات جب بابا بجیا کے کمرے میں آئے تو بجیا کو ان کی آمد کسی مسیحا کی آمد کے مترادف محسوس ہوئی۔

"ہاں بیٹی، اس وقت تو میں نے تمہاری امی کے سامنے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ اب بتاؤ کیا بات ہوئی تھی اس وقت جو تم نے فون فوراً نکال پھینکا؟"

مدحت بجیا متذبذب دکھائی دینے لگیں۔

"بتاؤ۔"

بابا کی چمکار مدحت بجیا کو یونیورسٹی کی استاد سے ایک معصوم بچی بنا دیا کرتی تھی۔

قدرے ہچکچاتے ہوئے انہوں نے بابا کو سب کچھ بتا دیا۔ بابا بغور سنتے رہے اور جب وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر چکیں تو بابا نے ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے مسکرا کر انہیں دیکھا اور بولے۔ "بہت اچھا ہوا بیٹی کہ یہ سب کچھ تم ہی نے سنا خدانخواستہ تمہاری امی سن لیتی یا گھر میں کوئی اور سن کر انہیں بتا دیتا تو خواہ مخواہ رنجش ہوتی۔ مجھے تم کو تو یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں کہ ان باتوں کی بھنک بھی تمہاری امی کو ہرگز نہ ملنے پائے۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا بابا۔"

"ویسے اس وقت تمہاری امی نے تمہاری اس بات کا تو یقین کر لیا کہ جو ٹیلی فون نوین نے لگوایا تھا، وہ کام نہیں کر رہا تھا مگر ان کے دماغ میں یہ بات آ گئی ہے کہ دوسرا سیٹ لگوایا جائے۔ نوین سے وہ کہہ رہی تھیں کہ پھر لگا کر دیکھو اگر یہ فون کام نہ کرے تو بازار سے ایک نیا سیٹ خرید لیا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ دوسرا سیٹ لگوا کر رہیں گی۔"

"بابا! امی جادو ٹونے سے بہت گھبراتی ہیں۔ خدانخواستہ کسی طرح اگر انہیں شکر اور نمک کا قصہ معلوم ہو گیا تو خواہ مخواہ ہنگامہ ہو گا گھر میں۔"

"ضرور ہو گا۔"

"کیا کیا جائے؟"

"جب تم نے بہو کو ہنڈیا میں نمک ڈالتے دیکھا تو ٹوک دیتیں۔"

"میں! میں ٹوک دیتی بابا؟"

"ہاں۔"

"اس گھر میں میری حیثیت بہت کمزور اور غیر مستحکم ہو گئی ہے بابا۔" مدحت بجیا کی آواز میں درد کی کیفیت تھی۔

بابا نے چونک کر انہیں دیکھا پھر ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔ "جب تک میں اور

تمہاری امی زندہ ہیں، اس گھر پر تمہارا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا تمہارے دوسرے بہن بھائیوں کا۔"

"شکریہ بابا۔" بجیا نے بوجھل آواز میں کہا۔ "لیکن......"

"لیکن؟"

"لیکن پھر بھی میں جویا کو دوبارہ وہی حرکت کرتے دیکھنے کے باوجود اسے ٹوکنے کی ہمت نہ کر سکوں گی۔"

"ٹھیک ہے، گھر کے ماحول کو کسی تلخی سے بچانے کے لیے یہ کام میں کروں گا۔"

اور بابا نے یہ کیا بھی!

اگلے روز رات کا کھانا میز پر لگانے سے کچھ دیر قبل جب جویا خاصی عجلت میں ہنڈیا میں نمک چھڑک رہی تھی تو بابا نے اسے یہ کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔

"اچھا تو یہ آپ ہیں جو روزانہ ایک نہ ایک ہنڈیا میں نمک کرارا کر دیتی ہیں!"

جویا نے ہڑبڑا کر پلٹتے ہوئے بابا کی طرف دیکھا اور بولی۔ "وہ......وہ......نہیں تو بابا......میں تو بس آج ہی......سالن میں نمک ہلکا لگا تھا اس لیے......"

بابا نے گہری نگاہوں سے جویا کو دیکھا، دھیرے سے مسکرائے پھر بولے۔ "بہو! میری چھٹی حس اتنی تیز ہے کہ غیب کی باتیں بھی مجھے بتا دیتی ہے۔ نہ تو تمہیں یقین میاں کو شکر دینے کی ضرورت ہے، نہ ہم سب کو نمک...... جیسے بھی ہیں، اب تو ہم سب تمہارے ہیں اور تم ہماری ہو۔"

جویا بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔

"آپ......آپ کو......کوئی......غلط......غلط فہمی ہوئی ہے۔" اس نے اٹکتے ہوئے کہا۔

"بری بات بہو۔" بابا نے بڑے ہی نرم لہجے میں پیار سے کہا۔ "بڑوں سے جھوٹ نہیں بولتے۔"

جویا خفت کے مارے سرخ ہو گئی۔

"کوئی بات نہیں۔" بابا نے دھیمے سُروں میں کہا۔ "تمہارے اور میرے سوا یہ بات کسی اور کو پتا نہیں چلے گی۔"

گھر بھر میں ایک بابا ہی تھے جنہیں جویا انتہائی شفیق اور سیدھا سادہ اور بے ضرر سمجھتی تھی لیکن آج وہ بھی جویا کو بدلے بدلے سے لگ رہے تھے۔

"بڈھا!" جویا نے دل ہی دل میں کہا۔

اچانک اسے اپنا سر گھومتا محسوس ہوا۔ باورچی خانے کے سنگی تختے کا کنارا تھام کر وہ نیچے بیٹھ گئی۔ اسے زور کی ابکائی آئی اور باورچی خانے کا صاف ستھرا فرش گندا ہو گیا۔

"موجو" بابا نے جویا کو سہارا دیتے ہوئے پکارا۔

"ہاں جی......آیا۔" موجو کی آواز جویا کو کوسوں دور سے آتی محسوس ہوئی۔

اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اندھیروں میں ڈوبتی چلی جا رہی تھی!

☆======☆======☆

اس کی آنکھوں کے سامنے سے تاریکی چھٹی تو اس نے یقین، امی، بابا، مدحت بجیا، نزہت سب کو اپنے اردگرد موجود پایا۔

یقین نے اسے سہارا دیا۔ مدحت بجیا نے ایک بازو پکڑا اور اسے باتھ روم تک پہنچایا۔ وہاں پہنچتے ہی اسے دوبارہ اتنے زور کی ابکائی آئی کہ وہ واش بیسن پر دھری ہو گئی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے آنتیں اس کے حلق کے راستے پیٹ سے باہر نکل آئیں گی۔

مدحت بجیا باتھ روم میں اس کے پیچھے جا کھڑی ہوئیں اور اس کی پیٹھ سہلانے لگیں۔

یقین باتھ روم کے دروازے میں کھڑا ہوا دیکھ رہا تھا۔

امی یقین کو ایک طرف ہٹاتی باتھ روم میں در آئیں اور جویا کے حواسوں میں آنے کا انتظار کرنے لگیں۔ جونہی اس کی حالت قدرے سنبھلی امی نے باتھ روم میں اس سے کھسر پھسر شروع کر دی اور اپنے مطلب کا جواب ملتے ہی انہوں نے یقین کو ہدایت کی۔ "دلہن کو ڈاکٹر فضیلت کے پاس لے جاؤ۔"

"امی ڈاکٹر شاہد زیادہ قابل ہیں۔" یقین بولا۔

"اونہوں!" امی نے کہا۔

امی کی معنی خیز اونہوں نے یقین کو بہت کچھ سمجھا دیا۔

"چلو بھئی۔" یقین نے جویا سے کہا۔

"ویسے پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔" امی کا مخاطب یقین تھا۔

مدحت بجیا نے انکھیوں سے یقین کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی مسرت تھی۔

ڈاکٹر فضیلت محلے کی پرانی اور شہرت یافتہ ڈاکٹر تھیں۔ شادی کے بعد ایک دو مرتبہ ہلکی پھلکی بیماری کے بعد جویا ڈاکٹر فضیلت کے پاس جا بھی چکی تھی۔ یقین، جویا کو لے کر ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے اچھی طرح معائنہ کیا اور ایک ٹیسٹ کرانے کی ہدایت کی۔

ڈاکٹر کے ہاں سے واپسی پر راستے میں یقین نے جویا سے پوچھا۔ "آئس کریم کھاؤ گی؟"

"نہیں......دل نہیں چاہ رہا۔"

"حیرت ہے! پہلی مرتبہ آئس کریم کھانے سے انکار کر رہی ہو۔" یقین نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

وہ محجوب ہو گئی۔

"گھر سے کھڑے امی کے ہاں چلیں؟" وہ دھیرے سے بولی۔

"مجھ سے کوئی پوچھے کہ آپ کی بیگم نازک سے نازک حالات میں بھی کہاں جانے کو تیار رہتی ہیں تو جانتی ہو میرا جواب کیا ہوگا؟"

"جی ہاں......جانتی ہوں۔" جویا نے گاڑی کی کھڑکی کے ادھ کھلے شیشے سے اپنا سر نکالتے ہوئے کہا۔

"کیا بھلا؟"

"میکے جانے کے لئے!"

"ویسے یار یہ تم عورتیں سب کی سب اپنے میکے جانے کی اتنی شوقین کیوں ہوتی ہو؟" اس نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے ذرا کی ذرا جویا کی طرف دیکھا۔

"ہم تو اپنے میکے کبھی کبھی جانے کے شوقین ہوتے ہیں' آپ مرد حضرات تو اپنے میکے سے نکلتے ہی نہیں۔" جویا بولی۔

"کیا مطلب؟"

"اپنے مطلب کی تو آپ لوگ ہر بات سمجھ لیتے ہیں...... جس بات کو سمجھنا نہیں چاہتے اس کے لیے پوچھتے ہیں' کیا مطلب۔"

"اچھا بابا اچھا چلتے ہیں' تمہاری اماں کے ہاں۔"

"نہیں رہنے دیں۔"

"خفا ہو گئیں؟"

"خفا ہو کے جاؤں گی کہاں؟ رہنا تو آپ ہی کے ساتھ ہے۔"

"تھینک یو۔"

"دیکھو دوسرا آئس کریم کارنر آ رہا ہے نزدیک۔ کہو تو گاڑی روکوں؟"

"نہیں...... جی نہیں چاہ رہا۔"

جی نہ چاہنے کی وجہ برا طبیعت کی خرابی نہیں' وہ خوف تھا جو ہوا کے ہاتھوں پکڑے جانے پر اسے سہار ہا تھا۔ وہ اس خوف کا اظہار جلد از جلد کسی راز داں پر کر کے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی تھی اور اس سلسلے میں اس کی واحد راز آشنا اماں تھیں۔

وہ جلد از جلد اماں کے پاس پہنچنا چاہتی تھی۔

☆=====☆=====☆

جویا گھر پہنچی تو زہرا باجی میاں اور بچوں کے ساتھ میکے آئی ہوئی تھیں۔

"جویا! آج چہرہ بہت اترا ہوا دکھائی دے رہا ہے تمہارا۔" سب سے پہلے بھابی نے کہا۔

"ہاں واقعی۔" زہرا باجی نے تائید کی۔

یقین نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ پہلے جویا کو دیکھا پھر کچھ بتانے کے درپے ہوا۔ جویا نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے تنبیہ کی مگر وہ اس کی خاموش تنبیہ کو خاطر میں نہ لایا۔

"آج ان کی طبیعت خراب ہے۔"

"خیریت؟" اماں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں اماں۔" جویا نے یقین کو گھورتے ہوئے کہا۔ "بس ایسے ہی۔"

"بس ایسے ہی کیا؟"

"ذرا سا چکر آ گیا تھا۔"

"چکر تو کمزوری سے آتے ہیں۔" اماں نے فوراً تشخیص ظاہر کی پھر روئے سخن یقین کی طرف

کرتے ہوئے بولیں۔ "بیٹے! ڈاکٹر کے پاس لے گئے ہوتے اسے۔"

"جی ڈاکٹر کے پاس سے ہی آ رہے ہیں۔"

"کیا کہا ڈاکٹر نے؟"

"ٹیسٹ کروانے کو کہا ہے۔"

"کیسا ٹیسٹ؟" امی چونکیں۔

"ابھی تو لکھ کر دی ہے پرچی۔" یقین بھی پوری طرح آمادہ شوخی دکھائی دیتا تھا۔

"کیسا ٹیسٹ جویا؟" اماں نے قدرے تشویش سے پوچھا۔

"ہوتا ہے اماں ایک ٹیسٹ۔" جویا نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"بھئی کچھ پتا بھی تو چلے کیسا ٹیسٹ۔"

"اونہوں اماں۔"

یقین زیر لب مسکرانے لگا اور اس کی مسکراہٹ سے بھابی اور زہرا باجی ٹیسٹ کی نوعیت تاڑ گئیں۔ بھابی نے اماں سے کچھ کھسر پھسر کی اور اماں کچھ محجوب سی ہو کر اپنے اصرار سے دستبردار ہو گئیں۔

جویا کو ان سب سے شرم سی محسوس ہونے لگی۔

"اچھا بھئی' جلد واپس چلنا ہے۔" یقین نے گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے جویا کو جتایا۔

"کیوں جلدی کا ہے کی؟" اماں بولیں۔

"اماں' ہم لوگ گھر میں کہے بغیر ڈاکٹر کے ہاں سے یہاں نکل آئے ہیں۔ دیر ہو گئی تو وہاں سب لوگ پریشان ہو جائیں گے۔"

"فون کر دو وہاں۔" زہرا باجی نے جویا سے کہا۔

"نہیں باجی بس تھوڑی دیر بیٹھ کر چلیں گے۔" جویا بولی پھر اس نے سرگوشی میں زہرا باجی سے کہا۔ "نہ بتانے سے کل پھر آنے کا چانس رہے گا۔"

زہرا باجی کے چہرے پر دکھ آمیز سی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ دھیرے سے بولیں۔ "جویا' شادی کے بعد ہم لوگ کتنے بے بس ہو گئے ہیں۔ اماں کے آنے کے لیے بھی ہمیں بہانے تلاش کرنے پڑتے ہیں۔"

"تم پر کچھ زیادہ ہی پابندی ہے زہرا۔" اماں آہستہ سے بولیں۔

"ہاں۔" زہرا نے ایک گھٹی گھٹی سی سرد آہ کھینچی۔

"زویا کہاں ہے اماں؟" جویا نے اٹھنے کے لیے بہانہ تراشا۔

"بچوں کے ساتھ جو کڑی جمائے بیٹھی ہے اپنے کمرے میں۔"

"ذرا دیکھوں تو۔" جویا اٹھی اور اٹھتے اٹھتے اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اماں سے بھی اٹھ جانے کو کہا۔

اماں اٹھ کھڑی ہوئیں مگر مشکل یہ ہوئی کہ زہرا باجی بھی ان کے ساتھ اٹھ لیں۔

بڑی مشکل سے جویا کو اماں سے بات کرنے کا موقع مل پایا۔

اماں سارا قصہ سن کر تشویش میں پڑ گئیں۔

"میں نے پہلے ہی سمجھایا تھا تمہیں کہ احتیاط رکھنا۔"

"اماں، میں تو بہت احتیاط سے کام کرتی تھی، بس وقت کی بات ہے کہ بڑے میاں نے دیکھ لیا۔"

"چلو نمک کی حد تک تو بات سمجھ میں آتی ہے کہ بڈھے نے دیکھ کر ٹوک دیا مگر شکر کا اسے کیسے پتا چلا؟"

"بس اسی بات نے تو مجھے بھی حیران اور پریشان کر رکھا ہے۔ لگتا ہے بڑے میاں کی چھٹی حس واقعی اتنی تیز ہے کہ انہیں غیب کی باتیں بھی بتا دیتی ہے۔"

"ہو سکتا ہے انہوں نے تمہیں کسی روز دودھ میں شکر ملا کر یقین کو دیتے دیکھ لیا ہو۔"

"اماں! اول تو اس کا سوال ہی نہیں اور بفرض محال اگر کسی وقت انہوں نے دیکھ بھی لیا ہو تو ذرا جملے پر بھی تو غور کریں ان کے، کہہ رہے تھے نہ تو تمہیں یقین کو شکر دینے کی ضرورت ہے اور نہ ہم سب کو نمک، جیسے بھی ہیں اب تو ہم سب تمہارے اور تم ہماری ہو۔" جویا نے لحظہ بھر کو توقف کیا پھر بولی۔

"کیا دودھ میں شکر یا سالن میں نمک ڈالا نہیں جاتا؟ کوئی عجوبہ بات ہے۔ ان کی بات سے ظاہر ہے کہ انہیں نمک اور شکر کی حقیقت معلوم ہے۔"

"ہاں، بات تو ٹھیک ہے۔"

"اماں مجھے تو ہول ہو رہا ہے۔"

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ مالک ہے۔"

"میں کیا کروں؟"

"بھید ایک یہ کھلا، سمجھو سب پر کھلا۔ اب تو تم پر نظر ضرور رکھی جائے گی اس لیے عمل تو کرو فوری طور پر بند اور دیکھو کہ آگے کیا ہوتا ہے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ اللہ رکھے، میکا موجود ہے تمہارا۔"

امی کی تسلی دینے پر جویا کی ہمت کچھ بندھی اور وہ قدرے عذر ہو کر گھر لوٹی۔

جویا کے جانے کے بعد زہرا باجی نے اماں کو ٹٹولنے کی کوشش کی تو وہ ٹال گئیں۔

☆======☆======☆

جویا کی پریگنینسی ٹیسٹ رپورٹ پازیٹو نکلی۔

یقین اس گھر کا سب سے بڑا بیٹا!

جویا پہلی بہو!

اور دونوں کے مشترکہ حوالے سے پہلی خوشخبری!

جویا کے امید سے ہونے کی خبر نے خوشی کی ایک لہر دوڑا دی۔

امی نے جویا کو احتیاطی ہدایات جاری کرنا شروع کر دیں۔ اونچی ایڑی کے جوتے پہننے پر

فوری طور سے پابندی عائد کر دی گئی۔ یقین کے لیے لازم ٹھہرا دیا گیا کہ جویا کو صبح اسکول پہنچائے، واپسی کے لیے جویا کو ہدایت کر دی گئی کہ بس میں دیکھ بھال کر چڑھے اترے اور اگر بس خالی نہ ملے تو پیسے کی پرواہ کیے بغیر رکشہ ٹیکسی میں گھر لوٹے۔

اسکول سے گھر تک رکشہ ٹیکسی سے پندرہ بیس روپے روز کا خرچہ تھا۔ جویا نے اس خرچے پر تشویش ظاہر کی تو یقین بولا۔

"بھئی فکر کیوں کرتی ہو۔"

"ٹھیک ہے، نہیں کرتی فکر آپ بیس روپے روز کرایہ باندھ دیجیے۔"

"باندھ دیں گے بھئی۔"

"سوچ لیجیے۔"

"سوچنے کی کیا بات ہے۔"

"جناب، آدھی تنخواہ اپنی امی کو دے دینے کے بعد بیس روپے روز آپ کہاں سے لائیں گے۔" جویا کے لہجے میں چبھن سی تھی۔

"بھئی آدھی تنخواہ ہم اپنے پاس بھی تو رکھتے ہیں۔"

"وہ تو جیسے سوکھی بچی رہتی ہے۔ اس میں سے کوئی خرچ تھوڑی ہوتا ہے۔ اسے تو ہم دیکھتے ہیں اور رکھ دیتے ہیں۔ ہے نا۔" جویا نے تیکھی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کاٹ دار لہجے میں کہا پھر جتایا۔ "ڈیڑھ ہزار تو میں آپ کو ہاتھ کے ہاتھ تھما دیتی ہوں، آپ کے ذاتی اخراجات کے لیے۔ باقی بیسیوں طرح مہینے کے سوا اخراجات پورے کرنے ہوتے ہیں۔ پھر مہینے کے آخری دنوں میں آپ بھی بیس، کبھی پچاس، کبھی سو کے طلبگار رہتے ہیں۔"

یقین خفیف ہو گیا مگر اپنی مردانگی کا بھرم رکھنے کو بولا۔ "ارے بھئی، فکر کیوں کرتی ہو۔"

"اونہوں۔" جویا نے طنز آمیز سی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولی۔ "فکر کرنے کی ضرورت تھوڑی ہے، میرے کرائے کے بیس روپے روز تو آسمان سے اترا کریں گے۔"

یقین اور بھی شرمندہ دکھائی دینے لگا، تاہم اس نے پسپائی سے گریز کرتے ہوئے جویا کے شانوں پر اپنا بازو دراز کرتے ہوئے کہا۔ "جان من! آئندہ سے تم مجھے ڈیڑھ کی بجائے صرف ایک ہزار دیا کرو گی، باقی پانچ سو تمہارے کرائے کے۔"

جویا ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھنے لگی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟"

"دیکھ رہی ہوں کہ آپ مرد بھی کتنے سیانے ہوتے ہیں۔"

"مدح سرائی کا شکریہ۔"

جویا نے محبت آمیز غصے سے اسے دیکھا۔

"کیا ہوا؟"

"بہت چالاک ہیں آپ۔ بات کو کس خوبی سے گھما پھرا دیتے ہیں۔"

''ٹھیک یو ویری مچ۔''

جویا نے اسے گھورا۔

''بات کیا ہے؟'' اس نے جویا کو چمکارتے ہوئے پوچھا۔

''آپ سمجھتے ہیں، میں اتنی خود غرض ہوں۔''

''کتنی خود غرض؟''

''کہ آپ کے ڈیڑھ ہزار میں سے پانچ سو رکھ لوں گی۔''

''کیا ہرج ہے؟''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''کیوں بھئی۔''

''بس۔''

''ہوں۔'' یقین نے ایک گہری سانس کھینچی پھر بولا۔ ''ٹھیک ہے، کوئی پارٹ ٹائم جاب دیکھیں گے۔'' جویا نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا پھر بولی۔ ''ہرگز نہیں۔''

''کیوں؟''

''ٹائم میں آپ کو میں ہرگز ڈنڈی نہیں مارنے دوں گی۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ شام سے صبح تک ہی تو ہم دونوں اکٹھے ہوتے ہیں۔ اب اس میں بھی بے ایمانی کا ارادہ ہے..... سوچیے گا بھی مت پارٹ ٹائم کا۔''

''بھئی، کسی ایک بات پر تو راضی ہو جاؤ۔'' وہ زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔ ''یا تو میرے ڈیڑھ ہزار میں سے پانچ سو کم کر دو ورنہ پارٹ ٹائم کی اجازت دینی پڑے گی۔''

''دونوں میں سے کوئی بات بھی منظور نہیں مجھے۔''

''اچھا تو پھر تمہارا کنوینس الاؤنس کہاں سے نکلے گا؟''

''نکل آئے گا۔''

''کہاں سے؟'' یقین نے تجاہلِ عارفانہ سے کہا۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ آدھی تنخواہ میں سے ڈیڑھ ہزار اسے دے دینے کے بعد بھی جویا کے پاس دو ہزار روپے بچا کرتے تھے۔ جنہیں وہ خانہ دارانہ اخراجات سے قطعاً لاتعلق رہتے ہوئے کسی بھی طور خرچ کرنے کی مجاز تھی۔ علاوہ ازیں اسے خود بھی ماہانہ تنخواہ ملتی تھی جس سے کسی اور کو تو کیا حتیٰ کہ یقین کو بھی کوئی سروکار نہ تھا۔

''بس آپ کو اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔'' جویا بولی۔

''نہیں..... میرا خیال ہے، مجھے کوئی پارٹ ٹائم جاب کر ہی لینا چاہیے۔''

''پھر وہی بات۔''

''بھئی، آگے بھی تو اخراجات آ رہے ہیں۔ گھر میں آنے والے ننھے مہمان کے لیے بھی تو کچھ تیاری کرنی ہے۔''

''سب ہو جائے گا۔'' جویا محجوب ہو کر بولی۔

''سوچ لو..... بعد کو شکوہ شکایت نہ کرنا۔''

''جنابِ عالی! شکوہ شکایت تو میرا پیدائشی حق ہے۔ اس حق سے نہ میں دستبردار ہونا پسند کروں گی نہ ہی آپ مجھے اس سے محروم کر سکتے ہیں۔''

''واہ صاحب واہ! جیت بھی آپ اپنی رکھتی ہیں اور پٹ بھی اپنی۔''

''جی بالکل..... آپ کو کوئی اعتراض؟''

''ارے صاحب! مجھ خاکسار کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔'' یقین نے جھوٹ موٹ منہ بسورا۔

''اچھا اب اتنے خاکسار بھی مت بنئے۔''

دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

کچھ دیر ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہے۔

پھر ان کی آنکھوں میں گھنگھور گھٹاؤں کی سی مدھر اور نشیلی کیفیت ہلکورے لینے لگی۔

دونوں ایک ساتھ ہنسے اور ہنستے ہنستے ایک دوسرے میں گم ہو گئے۔

اس روز طبیعت خراب ہو جانے کے بعد سے جویا بابا سے جھینپی جھینپی رہنے لگی تھی۔ ان سے سامنا ہوتا تو نظریں چرا لیتی۔ بات کرتی تو نگاہیں ملانے کی ہمت نہ کر پاتی۔ دل کا چور کنڈلی مار کر ذہن میں بیٹھ گیا تھا۔

بابا کے الفاظ کی بازگشت اسے بار بار سہا دیتی۔

''بہو! میری چھٹی حس اتنی تیز ہے کہ غیب کی باتیں بھی مجھے بتا دیتی ہے۔ نہ تو تمہیں یقین میاں کو شکر دینے کی ضرورت ہے، نہ ہم سب کو نمک..... جیسے بھی ہیں، اب تو ہم سب تمہارے ہیں اور تم ہماری ہو۔''

بابا سے اسے ڈر سا لگنے لگا تھا۔

ان کے سامنے اس کے قدم اونچے نیچے پڑنے لگتے۔

دل کی دھڑکن بڑھ جاتی۔

صحیح کام بھی غلط ہونے لگتا۔

دل میں آنے والے ہر ایسے ویسے خیال کو وہ محض اس خوف سے اپنے دل سے جھٹکنا شروع کر دیتی کہ کہیں بابا کو خبر نہ ہو جائے۔

ادھر مدحت بیجا کا عالم یہ تھا کہ جویا کو دیکھتے ہی انہیں اپنی سماعت میں 'طلاق' کی بازگشت سنائی دینے لگتی۔ جویا اور اس کی اماں کی وہ ساری گفتگو جو انہوں نے اس روز ٹیلی فون پر سنی تھی، انہیں لفظ بہ لفظ یاد تھی۔ اس گفتگو کی بازگشت نے انہیں ایک دو دن تو اتنا ڈسٹرب رکھا تھا کہ وہ رات کو سکون سے سو بھی نہ سکی تھیں۔ جویا انہیں بہت مشکوک اور ناقابلِ اعتباری لگنے لگی تھی۔ دوسرے ٹیلی فون سیٹ کی تنصیب کے اندیشے کو بابا اور مدحت بیجا نے تاہم سوچ بچار سے اس طور پر رفع دفع کیا کہ دوسرا سیٹ

مدحت بجیا نے اپنے کمرے میں مسہری کے نیچے چھپا کر رکھ دیا۔

دوسرے سیٹ کی تنصیب کا مسئلہ جویا کی طبیعت کی خرابی کے بعد دو تین دن تو سب بھولے رہے پھر ایک روز دوپہر کے وقت جب ٹیلی فون جویا کے کمرے میں تھا' فرزین کو ٹیلی فون کرنے کی ضرورت پڑی تو ذہین نے کہا۔ "امی! میں نے جو دوسرا سیٹ لگایا تھا وہ کہاں گیا؟"

"ارے بیٹا' وہ خراب تھا' کام نہیں کر رہا تھا۔"

"خراب ہونے کا سوال ہی نہیں' میں نے لگانے کے بعد ڈائل ٹون خود چیک کی تھی۔"

"کی ہو گی مگر جب مدحت نے فون کرنا چاہا تو فون نے کام نہ کیا۔"

"لائیے' مجھے بتایئے' سیٹ ہے کہاں۔ میں ابھی لگائے دیتا ہوں۔"

ٹیلیفون سیٹ کی ڈھنڈیا پڑ گئی۔

مگر اسے تو مدحت بجیا نے اپنی مسہری کے نیچے پرانے تولیے میں لپیٹ کر رکھ دیا تھا۔ ملنا تھا نہ ملا۔

"چھوڑو یار' رہنے دو۔" فرزین نے ذہین کے کندھے پر ہاتھ دھرتے ہوئے دوستانہ انداز میں کہا۔

"دوسرا سیٹ لگنے سے آسانی ہو جائے گی فرزین بھائی۔"

"کیا ضروری ہے کہ دوسرا ہی فون لگے۔ کوئی ایمرجنسی ہو تو جویا کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا کر ان سے فون مانگا جا سکتا ہے۔" مدحت بجیا بولیں۔

"بجیا! اسی مانگ تانگ سے تو بچنا چاہ رہے ہیں ہم۔" ذہین بولا۔ "دو ٹیلی فون سیٹ لگے ہوں گے تو بھابی سے فون مانگنے کی ضرورت ہی نہیں۔ ایک مستقل طور پر ان کے کمرے میں رہے' دوسرا سب کے لیے لاؤنج والا سیٹ۔"

"جی ہاں' سہولت بس یہ ایک ہی ہو گی' ذرا دقتوں پر بھی غور فرما لیجیے۔" بجیا بولیں۔

"دقتیں کیسی؟"

"جب کوئی کال آیا کرے گی تو ایک ساتھ دو فون چلایا کریں گے۔"

"تو کیا ہوا؟"

"ہوا یہ کہ ادھر سے ہم میں سے کوئی ہیلو کہہ رہا ہو گا' اُدھر سے جویا یقیناً ہیلو ہیلو کر رہی ہوں گے۔"

"تو؟"

"بھئی نمبر ایک سیٹ پر ڈائل کیا جا رہا ہو گا' دوسرا ابھی ٹرن ٹرن کر رہا ہو گا۔"

"کوئی بات نہیں۔"

"نرے احمق ہو۔"

ذہین یوں مسکرا دیا' جیسے مدحت بجیا کی دانشمندی پر خود اسے کوئی شبہ ہو۔

"سمجھنے کی کوشش کرو احمق۔" بجیا نے رازداری سے کہا۔ "پرائیویسی نہیں رہے گی۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ فرض کرو' تم اپنے کسی دوست سے دوستانہ بے تکلفی سے بات چیت کر رہے ہو۔ دوسرے سیٹ پر خاموشی سے کوئی بھی سن سکتا ہے۔"

"ہاں' یہ بات تو ہے۔"

"ہوں!" فرزین نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ ذہین کو دیکھا۔

ذہین جھینپ گیا۔

"آپ کے لیے آنے والی کال کسی خاتون کی بھی ہو سکتی ہے۔" فرزین نے گہری نگاہوں سے ذہین کو دیکھا۔

"جی نہیں...... ہم ایسی نہیں پالتے۔" ذہین مزید جھینپ گیا۔

"بیٹے جی! پالتا تو کوئی بھی نہیں ہے۔ بس آپ ہی آپ پل جاتی ہے۔"

"بدتمیز!" مدحت بجیا نے فرزین کو خواہرانہ محبت سے گھورا۔ "چھوٹے بھائی سے ایسا مذاق کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی۔"

"ارے بجیا جانی! ہمارے ہاں بہت سے سماجی مسائل کا اصل سبب ہی یہ ہے کہ ہم اپنے اور اپنے چھوٹوں کے درمیان بے بنیاد اونچی فصیلیں کھڑی کر کے خود کو اپنے چھوٹوں سے دور کر کے انہیں کبھی کبھی تو بالکل تاریکی میں تا مک ٹوئیاں مارنے کو چھوڑ دیتے ہیں۔" فرزین بولا پھر اس نے ذہین کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ کر آنکھ دبائی اور بولا۔ "ہاں بھئی کیا خیال ہے' دوسرا ٹیلی فون سیٹ لگنا چاہیے یا نہیں؟"

ذہین دھیرے سے مسکرایا پھر بولا۔ "میرا تو خیال ہے نہیں۔"

"او!" فرزین نے آنکھیں پھیلائیں پھر بجیا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "بجیا' سن لیا آپ نے اپنے برادر خورد کا جواب؟"

"اور کرو تم اس سے مذاق' حجاب ایک دفعہ ہی جاتا ہے بس۔"

"یار! پھنکار پڑوا دی نا تم نے بجیا سے۔" فرزین نے ذہین کی طرف دیکھا۔

"کوئی بات نہیں فرزین بھائی' اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔"

"او!" فرزین کی آنکھیں اور بھی پھیل گئیں۔ "تم تو چھپے رستم ثابت ہو رہے ہو یار۔"

"آخر بھائی کس کے ہیں!" مدحت بجیا شگفتگی سے بولیں۔

"دیکھا! ڈائریکٹ زد میں آیا ہوں۔" فرزین نے ذہین سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا خیر' سمجھ گئے نا تم کہ دوسرا فون لگانے کے کیا نقصانات ہو سکتے ہیں۔" بجیا اصل موضوع پر واپس آتے ہوئے بولیں۔

"جی بہت اچھی طرح۔"

"اور پھر جویا دوپہر ہی کو تو فون کمرے میں لے جاتی ہیں' باقی سارا وقت تو فون لاؤنج ہی میں ہوتا ہے۔"

"جی ہاں۔"

"اب جب امی تم سے دوسرا سیٹ لگانے کو کہیں گی تو تم کیا کہو گے؟"

"پہلے دوسرا ٹیلیفون سیٹ ملنے تو دیں۔"

تبھی امی یہ کہتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئیں۔ "ارے بھئی! دوسرا ٹیلی فون ملا کہ نہیں۔"

"نہیں امی۔"

"بھئی اسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔"

"کچھ نہ کچھ تو ہوا ہے امی۔" ذہین نے انکھیوں سے مدحت کو دیکھا۔

"ماسی آ جائے تو اسے لگاتی ہوں تلاش پر۔"

"چھوڑیں امی! رہنے دیں۔"

"کیوں؟"

"ایک ساتھ دو دو فون بجا کریں گے گھر میں۔"

"آسانی بھی تو کتنی ہو جائے گی۔ دوسرا والا تو میں اپنے کمرے میں لگواؤں گی۔"

"یعنی چیک پوسٹ امی کے کمرے میں ہو گی۔" فرزین نے ذہین کو جتایا۔

"کیا ہو گی؟" چیک پوسٹ والی بات امی سمجھ نہ سکیں۔

"مطلب یہ کہ آپ دیکھ سکیں گی کہ گھر میں کس کا فون آ رہا ہے' کہاں سے آ رہا ہے' کیوں آ رہا ہے؟" فرزین نے ذہین کو دزدیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے وضاحت کی۔

"چھوڑیں امی! رہنے دیں۔ دوسرا سیٹ مت لگوائیں۔" ذہین نے کہا۔

"کیوں؟ کیوں نہ لگواؤں۔"

"دگنا بل آیا کرے گا۔"

"اچھا۔" امی تشویش میں پڑ گئیں۔ "یہ مجھے معلوم نہیں تھا۔"

"جی۔"

"نہیں بھئی...... بل پہلے ہی کچھ کم آتا ہے کیا...... اگر دگنا بل آئے گا تو رہنے دو۔"

مدحت بجیا نے اپنی مسکراہٹ امی سے چھپانے کو دونوں ہونٹ باہم بھینچ لیے۔

"بیٹا! کیا کیا جائے مجبوری...... تمہیں فون کرنا ہے تو دلہن کے جاگنے کا انتظار کرو۔" امی نے فرزین سے کہا۔

امی کے جانے کے بعد فرزین اٹھا اور دونوں ہاتھ پھیلائے ذہین کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "یو چیٹ میری سیدھی سادی امی کو بہکا دیا۔"

"میری بھی تو ہیں۔" ذہین مسکراتے ہوئے دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"بے چاری امی سچ سمجھیں۔" مدحت بجیا بولیں۔

"فکر نہ کرو بچو۔" فرزین نے ذہین کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "اب کی بار امی کو کارڈلیس فون لا کر دوں گا اور انہیں بتا دوں گا کہ بل وِل کوئی دگنا نہیں آتا۔ ذہین کا بچہ نہیں چاہتا کہ آپ اس کی

گرل فرینڈز کی ٹیلیفون کالز سنیں۔"

ذہین تو ابھی خود بچہ ہے فرزین بھائی۔"

"جی...... بہت پکا بچہ...... بیٹے آج دیکھ لیا ہے میں نے کہ تم کتنے چالاک ہو۔" فرزین مسکرایا۔

"تعریف کرنے کا شکریہ۔"

مدحت بجیا نے اطمینان کی سانس لی کہ خواہ وقتی طور پر ہی سہی' دوسرے ٹیلیفون سیٹ کی تنصیب کا معاملہ دب گیا۔

مگر عجب بات یہ تھی کہ ان کی رگ تجسس دوسرے ٹیلیفون سیٹ پر جویا اور اس کی اماں کی گفتگو سننے کی آرزومند تھی!

☆=====☆=====☆

بیا کے یہ سمجھانے بجھانے پر کہ نزہت کی خاطر فرزین کی شادی کا معاملہ التوا میں نہ رکھا جائے امی نے عزیز رشتے داروں اور دور و نزدیک کے ملنے جلنے والوں میں لڑکیوں پر نظریں دوڑانا شروع کیں تو کوئی سمجھ میں نہ آئی' چنانچہ غیروں میں لڑکی کی تلاش شروع ہوئی۔

بھائیوں میں فرزین منجھلا تھا۔

بہنوں میں نگہت۔

نگہت اس نسبت سے فرزین کو اپنے جوڑ کا بھائی کہا کرتی تھی اور اسے باقی دو بھائیوں کے مقابلے میں زیادہ عزیز رکھتی تھی۔

فرزین کے لیے لڑکی کی تلاش شروع ہوئی تو نگہت پیش پیش نظر آئی۔

فرزین نے جس جہاز پر سائن آن کر رکھا تھا' ان دنوں اس کی مرمت کا کچھ کام چل رہا تھا اور امکان یہ تھا کہ مرمت کا کام ڈیڑھ دو ماہ تک جاری رہے گا۔ امی کی خواہش تھی کہ کوئی اچھی لڑکی مل جائے تو فرزین کی اس کے اگلے سفر پر روانگی سے قبل منگنی کی رسم تو ادا کر ہی دی جائے۔

محض لڑکی کا اچھا ہونا ہی ضروری نہ تھا' گھرانے کا معقول ہونا بھی لازم تھا۔

نگہت نے اپنے حلقۂ احباب میں ہر ایک سے کہنا شروع کر دیا کہ کوئی اچھی لڑکی ہو تو بتائیں۔

غیروں میں دو چار لڑکیاں مدحت بجیا کی نظر میں بھی تھیں۔ ایک ان کے ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ کی نواسی تھی جو یونیورسٹی ہی میں پڑھ بھی رہی تھی۔ دوسری ان کی اپنی ایک شاگردہ تھی۔ نگہت کو بجیا نے ایک روز یونیورسٹی بلایا اور بہانے سے دونوں لڑکیاں دکھائیں مگر اسے دونوں میں سے ایک بھی پسند نہ آئی۔

نگہت گھومنے پھرنے کی ہمیشہ سے شوقین تھی۔

پہننے اوڑھنے اور بننے سنورنے کا بھی اسے از حد شوق تھا۔

گھر سے وی آئی پی بنے رہنے کا بھی شوق تھا۔

فرزین کے لیے لڑکی کی تلاش کے بہانے اس کے ان تینوں شوقوں کی تسکین کا سامان ہوگیا۔

کسی کے ہاں وہ میاں اور بچیوں کے ساتھ ہی چلی جاتی۔

کبھی امی مدحت بجیا یا نزہت میں سے کسی کو کھینچ لے جاتی۔

جویا بس ایک دو مرتبہ ہی جا کر کھینچ گئی اور اس دستبرداری کا ایک سبب اگر نکہت اور جویا کی طبیعتوں کا باہم میل نہ کھانا تھا تو دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ جویا کو فرزین کے لیے لڑکی کی کہیں اور تلاش خاصی کھل رہی تھی۔ اس کی اپنی بہن زویا میں کیا کمی تھی۔ خوبصورت تھی' خوب سیرت تھی' پڑھی لکھی تھی' اٹھنے بیٹھنے اور محفل میں بات کرنے کا شعور رکھتا تھا۔ مگر جویا اپنی سسرال والوں کی توجہ اپنی بہن کی طرف خود تو مبذول کرانے سے رہی تھی۔

کیا کہتے وہ لوگ کہ خود اپنی بہن کا رشتہ پیش کر رہی ہیں۔

طعنہ دینے والوں کو طعن و تشنیع میں کتنی دیر لگتی ہے بھلا!

پلک جھپکتے میں طعنہ دے دیتے ہیں اور پلک جھپکتے میں انگلی اٹھا دیتے ہیں۔

مگر یہ حقیقت تھی کہ زویا کے لیے فرزین پر جویا کا بہت دل تھا۔ اس کا بس چلتا تو فرزین کو ہرگز ہرگز کہیں اور نہ جانے دیتی۔ زویا سے اس کی شادی کراتی۔

اماں کو خبر ہوئی کہ فرزین کے لیے لڑکیاں دیکھی جا رہی ہیں تو بہت تڑپیں۔

"اے جویا' تم تو کہہ رہی تھیں' پیر صاحب کے تین دن کے عمل نے فرزین کو کچھ سے کچھ کر دیا ہے۔"

اماں غلط نہیں کہہ رہی تھیں جویا نے ان کو یہی رپورٹ دی تھی۔

"ہاں اماں' ہو تو گیا تھا۔"

"اے تو پھر اماں بہنیں باہر لڑکیاں کیوں دیکھ رہی ہیں!"

"آنکھوں کی اندھی ہیں۔ اچھی چیز پر نظر تھوڑی ٹھہرتی ہے ان کی کوئی کوڑا کرکٹ ہی اٹھا کر لائیں گی۔"

"فرزین سے بات کرو نا۔"

"کیا بات کروں؟"

"بھئی باتوں باتوں میں بات کرلو۔"

"نہیں اماں..... اچھا نہیں لگتا کہ میں خود اپنی بہن کی بات کروں۔"

"پیر جی سے کوئی دعا تعویذ کرواؤں؟"

"اماں! مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"ڈر کیسا؟"

"بڑے میاں کہہ رہے تھے کہ غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں انہیں۔"

"ایک اچھا لڑکا ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

"وہ ہمارے ہاتھ میں تھا ہی کب۔" جویا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"کچھ کرو..... کچھ کرو جویا۔" اماں گڑگڑا دیں۔

"کیا کروں اماں؟"

"کچھ بھی۔"

"سب سے زیادہ حرافہ تو نکہت ہے۔ میری تو وہ جیسے جان کی دشمن ہے۔ سب اگر زویا کے لیے راضی بھی ہو جائیں تو وہ ایک سے لاکھ نہ ہونے دے گی۔"

"اگر لڑکا راضی ہو تو پھر کسی کی کچھ نہیں چلتی..... سنا نہیں تم نے بہت پرانی مثل ہے کہ لڑکا لڑکی راضی تو پھر کیا کرے گا قاضی۔"

"لڑکا بہت شریف ہے اماں..... ماں بہنوں کے کہنے میں ہے۔"

"ارے اپنی لڑکی بھی بیکار ہے..... تین گھر چھوڑ کے وہ جو چوتھے گھر میں نئے کرایہ دار نہیں آئے تھے۔"

"کون سے؟"

"ارے بھئی وہ سرخ گیٹ والے دو منزلہ مکان میں۔"

"اچھا اچھا وہ..... کیا ہوا؟"

"ان کی بیٹی نے مالک مکان کے بیٹے سے آنکھ مٹکا کر کے کورٹ جا کر شادی بھی کر لی۔"

"واقعی!"

"تمہاری قسم!"

"اللہ! کیسی بدصورت سی لڑکی ہے۔ لڑکا تو بہت ہی اچھا ہے۔ گورا چٹا' لمبا چوڑا میرا خیال ہے کسی کمپنی میں کام کرتا ہے۔ گاڑی لینے آیا کرتی تھی اسے۔"

"ارے بھئی گھر میں بھی گاڑی ہے۔ لڑکی نے لڑکا اچھا دیکھا پھانس لیا۔"

"پتا نہیں کیسے پھنسا لیتی ہیں۔"

"اے جویا! ایک بات کہوں۔"

"ہاں ہاں' اماں کہیں۔"

"تم زویا کو دو چار دن کے لیے اپنے ساتھ لے جاؤ۔"

جویا نے تذبذب کی کیفیت میں اماں کو دیکھا۔

"ہو سکتا ہے' دو چار دن یہ تمہارے سسرال والوں کی نظر میں رہے تو کچھ سبیل نکل آئے۔"

جویا نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کی تصویر بن گئی۔

"کیوں؟ سوچ میں کیوں پڑ گئیں؟"

"اماں! مجھے زویا کو ساتھ لے جانے میں کچھ تردد نہیں لیکن....."

"لیکن؟"

"وہ لوگ پتا نہیں کیا سوچیں گے؟"

"بھئی چھوٹی بہنیں اپنی بہنوں کے گھروں میں رہنے کے لیے نہیں جاتیں کیا؟"

"وہ تو ٹھیک ہے اماں مگر میں سارا دن گھر میں رہتی کہاں ہوں۔ صبح کی نکلی دوپہر کو واپس لوٹتی ہوں۔ زویا بے چاری میری غیر موجودگی میں کیا کرے گی۔"

"اور بھی تو لوگ ہوتے ہیں گھر میں' تمہاری ساس ہیں' نندیں ہیں۔"

"وہ دونوں بھی صبح ہی چلی جاتی ہیں۔"

"بھئی' تمہاری ساس اور سسر تو رہتے ہیں۔"

"زویا ان سے کیا بات کرے گی؟"

"اچھا چھوڑو۔" اماں منہ بناتے ہوئے بولیں۔ "جانے دو...... تم نہیں لے جانا چاہتیں تو نہ سہی۔ اللہ نے ہر ایک کا جوڑا اتارا ہے۔ زویا کے نصیب کا کوئی لڑکا اس دنیا میں کہیں نہ کہیں تو بیٹھا ہی ہوگا۔ میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کہ نئے لوگوں کو ہم کہاں چھانتے پھٹکتے پھریں گے۔ یہ جانا بوجھا گھرانا ہے۔ تم دو بہنیں ایک ہی گھر میں ہو جاؤ تو اچھا ہے۔"

"آپ برا مان گئیں اماں؟" جویا نے محتاط لہجے میں پوچھا۔

"ارے' میں دکھیاری بھلا کہاں برا مان سکتی ہوں...... مجھے اللہ نے بیٹیوں کی ماں بنا کر چھوڑنے کہاں دیا...... بے بس...... مجبور ہوں...... خیر اللہ مشکل آسان کرنے والا ہے۔" اماں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

اماں کی ٹھنڈی سانس جویا کو میخ کی طرح اپنے دل میں اترتی محسوس ہوئی۔

"اے اللہ! مجھے تو تو بیٹی کی ماں مت بنانا...... کیسی مجبور ہوتی ہیں بیٹیوں کی مائیں...... بے شک فرزین اچھا لڑکا ہے مگر کوئی انوکھا لڑکا تو نہیں...... لیکن بے چاری اماں...... زویا کو میرے ساتھ بھیجنے پر خود ہی راضی ہو گئیں...... کیا کمی ہے میری بہن میں...... مگر ہائے رے مجبوری!" جویا نے دل ہی دل میں سوچا۔

"آپ فکر نہ کریں۔" جویا نے اماں کا گھٹنا دباتے ہوئے کہا۔ "میں دو تین دن کی چھٹی لے کر گھر بیٹھتی ہوں۔ کسی بہانے سے زویا کو لے جاؤں گی اپنے ساتھ تاکہ کسی کو یہ اعتراض کرنے کو نہ ملے کہ خود تو اسکول چلی جاتی ہیں' جوان بہن کو گھر لا کر بٹھا رکھا ہے۔ آپ سمجھ رہی ہیں نا اماں' میری بات۔"

"ہاں......" اماں نے پھر ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "تمہاری بات بھی سمجھ رہی ہوں نا' اپنی مجبوری بھی سمجھتی ہوں۔"

"اللہ ہماری مشکل آسان کرے گا۔"

"انشاء اللہ۔"

"اخاہ! جویا بیٹی آئی ہے۔" ابا نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"السلام علیکم ابا۔"

"جیتی رہو...... خوش رہو...... کب آئیں؟"

"بس ابا ابھی تھوڑی دیر پہلے۔"

"بھیّن میاں کہاں ہیں؟"

"ابا کسی سے ملنے کے لیے جانا تھا انہیں...... مجھے یہاں چھوڑتے چلے گئے۔"

"اچھا کیا...... بہت اچھا کیا......" ابا نے اماں کی جانب دیکھا پھر بولے۔ "کیا باتیں ہو رہی تھیں بیٹی سے؟"

اماں نے ایک سرد آہ بھرنے پر اکتفا کیا۔

ابا چونکے۔

"خیریت تو ہے' بچوں کی ماں...... بڑی ٹھنڈی سانس بھری تم نے۔"

"ہم بیٹیوں کی ماؤں کے مقدر میں ٹھنڈی سانسوں کے سوا اور ہے ہی کیا۔"

"ہائیں' ہائیں' بہت گاڑھا جملہ بول گئیں...... کیا کوئی واردات ہو گئی؟"

اماں چند ثانیے ٹکٹکی باندھے ابا کو دیکھتی رہیں پھر بولیں۔ "ایمان سے آپ بہت مزے میں ہیں۔"

"کس لحاظ سے؟"

"اس لحاظ سے کہ اولاد کی طرف سے میری طرح ٹکٹکی پر نہیں بندھے رہتے۔"

"تمہیں کیا پتا؟" ابا بولے۔

جویا نے چونک کر ابا کی طرف دیکھا۔

کیسا درد' کیسی بے بسی تھی ان کے لہجے میں!

اس کا جی بھر آیا۔

اماں اور ابا دونوں ہی اپنی اپنی جگہ کلفتوں میں گرفتار تھے۔

"فکر مت کیجیے اماں۔" اس نے بڑے پیار سے اماں کے شانوں پر اپنا بازو دراز کرتے ہوئے کہا۔ "تین بیٹیوں کی طرح چوتھی بھی عزت سے اپنے گھر بار کی ہو جائے گی۔"

"نیک بخت! بندے کو چاہیے کہ مولا کریم کا شکر ادا کرنے کے بہانے تلاش کرتا رہے...... ارے' ہمارے پاس تو کتنا مضبوط بہانہ ہے' اس کا شکر ادا کرنے کو کہ ہماری تین بچیاں اپنے اپنے گھروں میں آباد و لور سکھی ہیں۔"

"ارے' بس زبان مت کھلوائیے میری۔ وہ آپ کی بھاوج صاحبہ چین سے رہنے دیتی ہیں کبھی میری زہرا کو۔" اماں ترش ہو کر بولیں۔

"پھر بھی...... پھر بھی لاکھوں نہیں تو ہزاروں سے بھلی ہے ہماری زہرا۔ زندگی کی بنیادی احتیاجات بڑی سہولت سے میسر ہیں اسے ورنہ ایسی بچیاں بھی ہیں کہ جنہیں ان کے گھروں میں نہ پیٹ بھر روٹی ملتی ہے' نہ تن بھر کپڑا۔"

"ابا ٹھیک کہہ رہے ہیں اماں۔" جویا نے تائید کی۔ "ہمارے اسکول کی آیا کا بالکل یہی کیس ہے۔ میاں جواری ہے۔ جو کماتا ہے داؤ پر لگا دیتا ہے۔ بلکہ الٹا اس بے چاری سے بھی آئے دن دس بیس روپے چھین کر لے جاتا ہے۔"

"شکر ہے رب کریم کا۔" اماں بڑے نیازمندانہ انداز میں بولیں۔

جویا اور ابا نے ایک دوسرے کو دیکھا اور زیرلب مسکرا دیے۔

☆=====☆=====☆

زویا کو گھر لانے کے لیے جویا کو خاصی سوچ بچار کرنا پڑی۔

ایک طرف اماں کی بے بسی اور ناراضگی کا خیال تھا تو دوسری طرف سسرال والوں میں سے کسی کے باتیں بنانے کی فکر۔

زیادہ خطرہ اسے نگہت کی طرف سے تھا۔ باتیں بنانے اور طنزیہ گفتگو کرنے میں وہی پیش پیش رہتی تھی۔ کبھی کبھی تو چھوٹتے ہی دل پر ہاتھ ڈالتی تھی اور اس بری طرح ڈالتی کہ مقابل تڑپ کر رہ جاتا۔

تین چار روز تک جویا اسی تفکر میں رہی کہ زویا کو کس بہانے سے گھر لایا جائے۔

نزہت سے اس نے ایک مرتبہ نہیں چار پانچ مرتبہ کہا۔ "زویا تمہیں بہت یاد کر رہی ہے۔"

مقصد یہ تھا کہ شاید نزہت کہے۔ "انہیں کسی روز گھر بلایئے نا۔"

مگر وہ نری مٹی کا مادھو ثابت ہوئی۔

بولی بھی تو کیا!

"اللہ بھابی! ان سے کہیے گا' ہم بھی انہیں بہت یاد کرتے ہیں۔"

"بہت اچھی ہیں زویا۔"

"زویا سے ملنے کے لیے کسی روز ہم آپ کے ساتھ چلیں گے۔"

"لاحول ولاقوۃ!"

بیوقوفی کی حد تک سادہ مزاج لڑکی تھی نزہت!

نزہت کی طرف سے مایوس ہونے کے بعد جویا نے ازسرنو سوچ بچار شروع کیا تو بالآخر اسے ایک معقول جواز سوجھ ہی گیا جو بہت ہی ذاتی بھی تھا۔

اس رات بستر پر لیٹنے کے بعد اس نے انتہائی کم رفتار پر متحرک سیلنگ فین کو دھیرے دھیرے رقصاں دیکھتے ہوئے یقین سے کہا۔ "پنکھا بہت ہی گندا ہو رہا ہے۔"

"ہاں ہو تو رہا ہے۔"

"چھت پر مکڑی کے جالے بھی لگے ہیں۔"

"ہاں۔"

"شادی کے بعد کمرے کی صفائی ہی نہیں ہوئی۔"

"صفائی تو ماسی روز کرتی ہے۔" یقین بولا۔

"میرا مطلب ہے بڑی صفائی...... وہ دیکھئے چھت سے مکڑی کا جالا لٹک رہا ہے۔"

"فوج والوں کے بڑے کھانے کی طرح تم نے بڑی صفائی کی ترکیب بھی خوب اختراع کی۔"

"کمرا صفائی چاہتا ہے۔"

"چاہتا تو ہے مگر مجبوری...... چند ماہ تو اسی حالت میں رہنا پڑے گا۔"

"سوری! میں اتنی گندگی برداشت نہیں کر سکتی۔ مکڑی کے جالے تو مجھے بہت ہی برے لگتے ہیں۔ اماں کہتی ہیں' گھر میں مکڑی کے جالے نہیں تنے ہونے چاہئیں۔"

"اچھا جناب' ویک اینڈ پر ماسی کو لگائیں گے صفائی پر۔"

"ماسی! اونہہ! پرلے درجے کی...... نکمی اور کام چور ہے وہ۔"

"پھر بھی کافی کام کر جاتی ہے وہ۔"

"کوئی نہ کوئی اس کے سر پر کھڑا رہتا ہے تب کہیں جا کر وہ اتنا کام کرتی ہے۔"

"ٹھیک ہے' اپنے کمرے کی صفائی میں مابدولت اس کے سر پر کھڑے رہیں گے۔"

"اس کے ساتھ مل کر کام کروانا پڑتا ہے کبھی کبھی۔"

"ٹھیک ہے ہم کروا دیں گے۔"

"آپ!" جویا ہنس پڑی۔

"کیوں؟ ہنسنے کی کیا بات ہے؟"

"آپ! آپ کام کروائیں گے۔"

"ہاں' میں کرواؤں گا۔"

"اللہ، یقینے کیسی باتیں کرتے ہیں آپ۔" جویا مسکراتے ہوئے بولی۔ "مجھے تو اس خیال ہی سے ہنسی آ رہی ہے کہ آپ جھاڑن کندھے پر ڈالے ہوئے بانس کے اگلے سرے پر بندھی جھاڑو سے کمرے کی چھت اور دیواروں کی صفائی کر رہے ہیں۔"

"تم نے سنا نہیں' کام کرنا عبادت ہے۔ کام کرنے میں عظمت ہے۔ کام کرنے میں راحت ہے۔ کام کرنے میں......"

"بس...... بس...... بس...... یقین صاحب...... اتنا ہی کافی ہے۔" جویا بولی۔

"اچھا تو اب یوں ہو گا۔"

"ہو گا یوں جناب کہ مجھے ایک ترکیب سوجھی ہے۔"

"کیا بھلا؟"

"بہت آسان سی۔"

"بتاؤ تو سہی۔"

"میں زویا کو بلا لیتی ہوں۔ زویا' آپ' میں...... ہم تینوں مل کر کمرے کی صفائی کیے لیتے ہیں۔ ماسی کو بھی ساتھ لگا لیں گے۔"

"براہ کرم آپ تو اپنی خدمات رہنے ہی دیں۔"

"چلیے رہنے دیں...... بائی دی وے زویا کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟"

"زویا آ جائے تو اچھا ہے مگر......"

"مگر؟"

"کہیں وہ خود اور تمہارے گھر والے برا نہ منائیں۔"

"کیوں؟"

"کہ کام کرنے کو بلوا لیا اسے۔"

"آپ اطمینان رکھیں...... یہ میرا' زویا کا اور گھر والوں کا معاملہ ہے۔ کوئی برا نہیں منائے گا بلکہ سارہ آپا کے ایسے دنوں میں تو اماں خود بھی مجھے' کبھی زہرا باجی کی شادی ہونے سے پہلے انہیں سارہ آپا کا ہاتھ بٹانے کو بھیج دیا کرتی تھیں۔"

"بائی دی وے کیسے دنوں میں؟"

"بہت بے شرم ہیں آپ۔"

یقین مسکرا دیا۔

"ٹھیک ہے نا؟"

"کیا؟"

"زویا کو لے آؤں۔"

"سوچ لو۔"

"سوچنے کی کیا بات؟ میری بہن ہے' نند تو نہیں کہ میرے کمرے کی صفائی کرنے کو مائنڈ کرے گی۔"

"ٹھیک ہے...... تمہاری مرضی۔"

زویا کو گھر لانے کے لئے جویا کو بس زمین ہی ہموار کرنی تھی سو اس نے بڑی خوبی سے کر لی۔ اسکول سے اس نے تین دن کی رخصت منظور کرائی اور زویا کو لینے میکے پہنچ گئی۔

"چلو بھئی زویا' آج میں تمہیں لینے کے لیے آئی ہوں۔"

"کیوں؟" زویا چونکی۔

"تم سے کچھ کام کروانا ہے۔"

"کیا کام؟"

"میرے ساتھ چلو گی تو بتاؤں گی۔"

"اونہوں۔" زویا نے مسکراتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی۔ "ایسے نہیں چلوں گی میں آپ کے ساتھ...... پہلے کام بتایئے۔"

"کہا نا' ساتھ چلو پھر بتاؤں گی۔"

"نہ...... ایسے نہیں...... پہلے کام کی نوعیت بتایئے۔"

"کچھ تخریب کاری کرانی ہے تم سے۔" یقین مسکراتے ہوئے بولا۔

"اچھا جی! بندے کتنے ضائع ہوں گے۔"

"بس ایک ہی کو ٹھکانے لگوانا ہے۔" جویا نے اپنے اس جملے کی ذومعنویت اپنے دل میں محسوس کی۔

"لگ جائے گا ٹھکانے۔"

"پکی بات؟"

"بادشاہو! بالکل پکی سمجھو۔" زویا نے موٹی سی آواز میں کہا۔

"ملاؤ ہاتھ۔"

"لیں جی۔" زویا نے اپنا ہاتھ جویا کے ہاتھ میں دے دیا۔

اماں اور جویا نے انکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور زیر لب مسکرا دیں۔

"مذاق ختم' جواب ذرا سیریس ہو کر بتائیں کہ کیا کام کروانا ہے؟"

"سچ بتاؤں؟"

"جی بالکل۔"

"بھئی' ہمارا کمرا ہو رہا ہے خاصا گندا' اسے ہم تینوں نے مل جل کر صاف کرنا ہے۔"

"ہم تینوں کون؟"

"تم' میں اور یہ...... مائنڈ نہ کرو تو چلو ہمارے ساتھ۔"

"چھٹی والے دن صبح ہی آ جاؤں گی میں آپ کے ہاں۔"

"نہیں بھئی' چھٹی والے دن اور ڈھیروں کام ہوتے ہیں کرنے کو۔ یہ کام تو میں ایک دو روز میں ہی کر لینا چاہتی ہوں۔"

"مگر آپ کو تو اسکول جانا ہوتا ہے۔"

"میں نے تین دن کی چھٹی لی ہے ان کی بھی چھٹی کرا لیں گے۔"

"تین دن کی چھٹی! کمرے کی صفائی کرنی ہے یا محلے کی۔" زویا نے آنکھیں پھاڑ دیں۔

"بھئی' ایک دن کام کریں گے' دوسرے دن آرام اور تیسرے دن یعنی اس سے اگلے دن اسکول جانے کی تیاری۔"

"ماشاء اللہ! جس قوم کے استاد ایسے ٹائم پلانر ہوں' وہ قوم بھلا ترقی کی دوڑ میں پیچھے کیوں نہ رہے۔"

جویا خفیف ہو گئی۔

"اچھا' جلدی سے تیاری کرو' ہمارے ساتھ چلنے کی۔"

"صفائی کا پروگرام کب ہے؟"

"کل۔"

"ٹھیک ہے' میں کل صبح ہی پہنچ جاؤں گی۔"

"بھئی' ابھی چلو نا ہمارے ساتھ...... کیوں یقین؟"

"ہاں...... ہاں۔"

"تمہارے بہنوئی تمہیں باہر کھانا بھی کھلائیں گے اور آئس کریم بھی۔"

"مجھے لالچ دینے کی کوشش کر رہی ہیں آپ۔"

"بچوں کو للچانا ہی پڑتا ہے۔" یقین بولا۔

"اماں لے جاؤں میں زویا کو اپنے ساتھ؟" جویا نے رسماً اماں سے پوچھا۔

"میں کوئی منع کر رہی ہوں۔ شوق سے لے جاؤ۔"

"چلو زویا! اب تو اماں سے بھی اجازت مل گئی۔"

"اماں! کھٹ سے اجازت دے کر مارکیٹ ویلیو تو نہ گرا دیا کریں میری۔" زویا اماں سے بولی۔

"چپکی رہ۔"

زویا بے ساختہ مسکرا دی۔

اور جویا بھی مسکرائے بنا نہ رہ سکی۔

"آج تو اماں کو میرے لیے اپنا تکیہ کلام بہت دیر میں یاد آیا۔" زویا نے جویا سے سرگوشی میں کہا۔

"کیا کہہ رہی ہے یہ؟"

"کہہ رہی ہے آج اماں چکن کے سوٹ میں کتنی اچھی لگ رہی ہیں۔"

"ارے اماں کے اچھے لگنے کے زمانے تو کبھی کے گئے۔ اپنے ابا سے پوچھنا کیسا رنگ روپ تھا اماں کا۔ پان کھاتے ہوئے پیک نگلتی تھیں تو گردن کی کھال میں سے گلابی رنگ جھلکنے لگتا تھا۔"

اماں کی اس مبالغہ آرائی پر یقین مسکرا دیا۔

یقین کی موجودگی میں اماں کی اس مبالغہ بیانی نے جویا اور زویا کو یقین کے سامنے خفیف کر دیا۔

"زویا! چلو شاباش تیاری کر لو۔"

"بہت ضروری ہے آج ہی چلنا؟"

"ہاں بھئی کل صبح ناشتے کے بعد فوراً کام میں لگ جائیں گے۔"

زویا متذبذب نظر آنے لگی۔

"جاؤ نا۔" اماں نے زویا کو آنکھیں دکھائیں۔

"جا رہی ہوں اماں۔"

اماں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔

☆=====☆=====☆

راستے میں یقین نے زویا سے پوچھا۔ "ہاں بھئی زویا! کوئی خاص فرمائش؟"

"کچھ نہیں یقین بھائی۔"

"ارے پگلی! موقع سے فائدہ اٹھایا کرتے ہیں۔ کر دو کوئی فرمائش۔" جویا بولی۔

"آپ ہی بتا دیں کیا فرمائش کروں؟"

"جو تمہارا جی چاہے۔"

"آپ کو پتا ہے بجو میرا دل تو ہمیشہ سمندر پر جانے کو چاہتا ہے۔"

"ارے اتنی چھوٹی سی فرمائش۔" یقین نے کہا۔

"سالی بھی تو یہ سب سے چھوٹی ہے۔" جویا بولی۔

"ہاں یہ تو ٹھیک کہا تم نے۔"

"جناب موڑ لیجیے سمندر کے رخ گاڑی۔"

"بس آگے موڑتے ہیں۔"

"اور وہاں صرف پانی ہی نہیں دیکھیں گے ہم۔"

"ہم یعنی؟"

"یعنی ہم دونوں۔"

"دونوں! یہ دو کا ذکر کہاں سے آ گیا؟"

"جناب! ہم دونوں بہنیں...... یعنی آپ کی نصف بہتر اور آپ کی خواہر نسبتی۔"

"سوری بھئی...... آج تو صرف زویا میری مہمان ہے۔"

"آل رائٹ تو پھر گاڑی روکیے اور مجھے ذرا اتار دیجیے۔"

زویا جو دونوں کی باتیں سن کر مسکرا رہی تھی بولی۔ یقین بھائی انہیں اتارنے سے پہلے یہ ضرور سوچ لیجیے گا کہ یہ اکیلی نہیں اتریں گی۔"

یقین نے پیچھے بیٹھی زویا کا عکس اپنے سامنے لگے آئینے میں دیکھتے ہوئے شاکی لہجے میں کہا۔ "بہن کا ساتھ دو گی...... ہے نا؟"

"دونوں کا۔" زویا بولی۔ "جب بجو گاڑی سے اتریں گی تو آپ بھلا کہاں بیٹھے رہیں گے گاڑی میں۔"

"تم تو بڑی ڈپلومیٹ ہو زویا بی بی۔"

"جناب یقین بھائی! میں تو اس سے بھی بڑی ہوں۔"

"اوں ہوں!" یقین نے ذرا کی ذرا جویا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "اچھا جناب یہ بتائیے کہ کھانا کہاں کھایا جائے؟"

"سی سائیڈ پر کسی بھی ریسٹورنٹ میں کھا لیں گے۔" جویا نے کہا پھر زویا سے تائید چاہی۔ "کیوں زویا؟"

"بجو! مجھے تو کسی چھپر ہوٹل میں گندی سی بینچ پر بیٹھ کر گرما گرم مچھلی کھانے میں مزہ آئے گا۔"

"چھپر ہوٹل میں!"

"جی۔"

"کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں کیوں نہیں؟"

"آپ کے اس سوال کا جواب میں نہیں دے سکتی۔"

"مگر میں دے سکتا ہوں۔"

دونوں نے چونک کر یقین کی طرف توجہ کی۔

"ایک باؤلا ہمارے گھر میں بھی رہتا ہے ایسا ہی۔"

"باؤلا!" جویا نے حیرانی سے کہا۔

"جی ہاں اس سوال کا جواب یہی ہے۔"

"ذرا سمجھایئے تو یقین بھائی۔"

"ہاں ..... ذرا سمجھائیں تو۔" جویا بولی۔

"بھئی! اگر کوئی نوجوان دنیا گھوم آنے اور دنیا بھر کی سی سائیڈ زدیکھ آنے کے بعد بھی اپنے شہر کے سی سائیڈ پر بنے جھونپڑی ہوٹلوں میں گرما گرم مچھلی کھانا پسند کرے تو اسے آپ باؤلا ہی کہیں گے۔"

"غالباً نہیں یقیناً۔"

"جھونپڑی ہوٹلوں کی مچھلی کھانا پسند ہے اسے؟"

"جناب!"

"حیرت ہے!"

زویا کا جی چاہا' کہے اس میں حیرت کی کیا بات ہے مگر وہ مصلحتاً چپ رہی اور گاڑی کی کھڑکی سے باہر رنگ برنگی روشنیوں کو دیکھنے لگی۔

یقین نے آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "زویا بی بی! آپ دل چھوٹا مت کریں۔ آپ کو ہم چھپر ہوٹل کی مچھلی ضرور کھلائیں گے۔"

"اور خود بھی کھائیں گے۔" جویا نے گرہ لگائی۔

"تم تو بس ہر وقت کھانے پینے کے لیے تیار رہا کرو۔"

"دنیا میں انسان آیا کس لیے ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

کھانے پینے کے لیے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

"ویسے یہ بات اگر تم نے نزہت کے سامنے کہی ہوتی تو تم بہت داد پاتیں۔"

جویا قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔

ادھر گھر میں نزہت' مدحت بجیا اور امی بہت بیتابی سے یقین اور جویا کی واپسی کا انتظار کر رہی تھیں۔ نگہت نے ان لوگوں کو اپنی ایک پڑوسن کی کزن کو دکھانے کے لیے انتہائی ایمرجنسی میں بلایا تھا۔ مذکورہ لڑکی اپنے اہلِ خانہ کے ہمراہ دبئی سے خیر پور جاتے ہوئے کراچی میں اپنے عزیزوں سے ملنے کے لیے ایک رات کو کراچی میں رکی ہوئی تھی۔ لڑکی نگہت کو اتنی پسند آئی تھی کہ اس نے میکے فون کر کے امی اور مدحت بجیا کو فوراً اپنے ہاں بلایا تھا۔

"اتنی خوبصورت لڑکی ہے امی کہ آپ دیکھیں گی تو دل خوش ہو جائے گا۔" نگہت نے کہا تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر وہ لوگ راضی ہو جائیں گے؟"

"کیوں نہیں ہوں گے!"

"بھئی تم بتا رہی ہو کہ لڑکی کا پورا گھرانا برسوں سے دبئی میں مقیم ہے۔ تو ہو سکتا ہے کہ وہ یہاں نہ بیاہنا چاہیں اپنی لڑکی کو۔"

"اماں یہ سب بعد کی باتیں ہیں' فی الحال تو آپ لڑکی کو دیکھ لیں آ کر ..... میں تو بس یونہی اتفاقاً چلی گئی تھی اپنی پڑوسن کے ہاں۔ وہاں یہ لڑکی دیکھی تو دل میں اتر کر رہ گئی۔"

"اچھا ٹھیک ہے' ہم لوگ آتے ہیں۔"

"مدحت بجیا کو بھی لے آیئے گا۔"

"ہاں ..... ہاں۔"

"بھائی کو ابھی مت لایئے گا۔"

"کیوں؟"

"اگر بات چلی تو دکھا دیں گے ..... پہلے سے ہی نقارہ بازی سے کیا فائدہ! خدانخواستہ کسی وجہ سے بات آگے نہ بڑھ پائی تو بہو بیگم آپ پر ہنسیں گی کہ دبئی والی لڑکی بیاہنے چلی تھیں۔ امی آپ نہیں جانتیں کہ بہوئیں کس قماش کی ہوتی ہیں۔"

بات امی کے دل کو لگی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔"

"مگر ذرا جلدی پہنچنے کی کوشش کیجئے گا۔"

"بس ہم تیار ہوتے ہیں۔ یقین کے آتے ہی نکل لیں گے تمہاری طرف آنے کو۔"

"یقین بھائی کہاں گئے ہیں؟"

"ملا کی دوڑ مسجد تک۔"

"آپ کا مطلب ہے سسرال گئے ہیں۔"

"اور کہاں جاتے ہیں۔"

"بھائی تو بس سسرال ہی کے ہو گئے!"

"بس وہ پہنچے اور ہم گھر سے نکلے۔"

"جلدی آیئے' میں انتظار کر رہی ہوں۔ افتخار کی ڈیوٹی نہ ہوتی' اس وقت گھر میں ہوتے تو میں انہی کو لینے بھیج دیتی۔"

"کوئی بات نہیں ..... یقین کو خاصی دیر ہو گئی گئے' بس آتے ہی ہوں گے۔"

مگر ایسا نہ ہوا۔

امی' مدحت بجیا اور نزہت تیار ہو کر بہت دیر بیٹھی رہیں لیکن یقین واپس نہ لوٹا۔ جویا کے گھر فون کرنے پر پتا چلا کہ وہ دونوں تو زویا کو ساتھ لے کر کبھی کے گھر سے نکل چکے تھے۔

تھوڑی دیر اور

تھوڑی دیر اور کی آس میں رات کے نو بج گئے۔

اس دوران نگہت نے دو تین مرتبہ فون بھی کیا۔

یقین کو نہ آنا تھا نہ آیا۔

اور امی کی پریشانی میں لحظہ بہ لحظہ اضافہ ہوتا چلا گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انہیں یقین کی طرف سے بھی فکر لاحق ہوتی چلی گئی۔ طرح طرح کے اندیشے اور وہم انہیں ستانے لگے۔

بالآخر نگہت نے کہا۔ "چھوڑیں اماں! آپ یقین بھائی کا انتظار نہ کریں۔ ٹیکسی لے کر پہنچ جائیں آپ تینوں۔"

"بھئی مجھے تو یقین کی فکر لگ گئی ہے۔ خدانخواستہ کوئی گڑبڑ نہ ہو گئی ہو۔"

"صبح کی فلائٹ سے لڑکی چلی جائے گی۔"

"کیا کیا جائے مجبوری۔"

"میں یہ چاہ رہی تھی کہ آپ لڑکی کو ایک نظر دیکھ لیتیں باقی باتیں بعد میں ہوتی رہتیں۔"

"جب تک یقین گھر نہیں آ جاتے میری طبیعت پریشان رہے گی۔"

"آ جائیں گے اماں...... آ جائیں گے...... آپ چاہے تھوڑی دیر کو سہی یہاں آ جاتیں تو اچھا تھا۔ میں نے اپنی پڑوسن سے کہا تھا کہ بہانے سے لڑکی کو دکھا دیں۔ اگر پسند آ گئی تو پھر بات چلا لیں گے۔"

"یقین آ جائیں تو ہم آتے ہیں۔"

"اور اگر وہ نہ آئے۔"

"خدا نہ کرے۔" امی ہول کر بولیں۔ "کیسی باتیں کرتی ہو۔"

"امی میرا مطلب ہے اگر بیگم کو لے کر کہیں لمبے نکل گئے تو۔"

"تو اللہ مالک ہے۔"

"آپ لوگ ٹیکسی سے کیوں نہیں آ جاتیں؟"

"بھئی یقین کی ساس بتا رہی تھیں کہ انہیں وہاں سے نکلے کافی دیر ہو چکی ہے۔ اب جب تک یقین میاں گھر واپس نہیں آ جاتے میں تو نکل نہیں سکتی گھر سے۔ نکل کیا نہیں سکتی دل ہی نہیں چاہے گا نکلنے کو۔"

"امی!" نگہت کے لہجے سے بیزاری جھلک رہی تھی۔

امی مدحت بجیا اور نزہت تین ساڑھے تین گھنٹے تک تیار بیٹھی یقین اور جویا کو واپسی کا انتظار کرتی رہیں۔ بجیا نے ٹیکسی لا دینے کو کہا مگر امی نے منع کر دیا۔

"نہیں ماسٹر صاحب یقین کی واپسی تک میرا دل نہیں چاہے گا جانے کو۔"

"بیگم صاحبہ دل لگانے کو کون کہہ رہا ہے بس لڑکی کو دیکھ آئیے۔"

"ایسے کام پریشانی میں نہیں کیے جاتے بدشگونی ہوتی ہے۔ لڑکی دیکھنے کے لیے ہنستے مسکراتے جانا اچھا لگتا ہے۔ چہرے پر تو فکر اور پریشانی کی پھٹکار ہو اور لڑکی دیکھنے جا رہے ہوں تو کیا خاک اچھا لگے گا۔"

"آپ کی پریشانی رفع ہونے کے انتظار میں تھوڑی بیٹھیں رہیں گے وہ لوگ۔ آپ ہی تو بتا

رہی تھیں کہ نگہت نے کہا ہے کہ کل صبح واپس جا رہے ہیں وہ لوگ۔"

"ہاں جا تو رہے ہیں۔"

"تو جائیے دیکھ آئیے۔"

"میرا دل نہیں چاہ رہا...... یقین کی ساس بتا رہی تھیں کہ آج تو دلہن کی چھوٹی بہن بھی ساتھ ہے۔ دلہن اسے اپنا کچھ کام وغیرہ کروانے کو ساتھ لا رہی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ تینوں کہاں جا سکتے ہیں؟"

"جانے کو تو بہت سی جگہیں ہیں۔"

"اتنی دیر باہر رہ کر کیا کریں گے وہ!" امی کے لہجے سے تشویش جھلک رہی تھی۔ "گھر سے باہر جانے والوں کو تو اللہ خیریت سے گھر لایا کرے۔"

یقین، جویا اور زویا رات کو پونے بارہ بجے واپس لوٹے۔ تینوں بہت خوش اور مگن تھے۔

"کہاں چلے گئے تھے یقین؟" امی نے پوچھا۔

"ایسے ہی ذرا گھومنے پھرنے چلے گئے تھے۔"

"بتا تو دیا کرو۔ ہمیں پریشانی ہو جاتی ہے۔"

"پریشانی کی کیا بات؟ آدمی باہر نکلتا ہے تو دیر سویر ہو ہی سکتی ہے۔" یقین نے قدرے تلخی سے کہا اور امی اس کے لہجے کی تلخی محسوس کیے بنا نہ رہیں۔

جویا نے دھیرے سے زویا کو اپنی کہنی سے ٹہوکا دیتے ہوئے آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ دیا۔

زویا جو خاصی دیر بہن اور بہنوئی کے ساتھ سیر و تفریح کے بعد کافی خوش خوش آئی تھی بہن کی ساس کا موڈ ناگوار دیکھ کر خفیف ہو گئی تھی۔ بہن کی نگاہوں کا اشارہ پانے پر وہ اس کے ساتھ چل دی اور اس کے کمرے میں جا پہنچی۔

یقین امی کے پاس ہی ٹھہرا رہا۔

"اب بڑی بی یقین کو کافی باتیں سنائیں گی۔"

"اچھا۔"

"ہاں بھئی یہ مصیبت ہے۔ کبھی دیر ہو جائے تو بڑی بی یونہی کرتی ہیں۔"

"یہ تو غلط بات ہے۔"

"غلط یا صحیح بہرحال ہے۔"

"یقین بھائی ڈانٹ سن لیتے ہیں؟"

"سن ہی لیتے ہیں، جبھی تو سناتی ہیں۔"

"بے چارے یقین بھائی! بجو آپ کو ان کی مورل سپورٹ کے لیے ان کے ساتھ رہنا چاہیے تھا۔"

"مجھے دیکھ کر بڑی بی اور زیادہ باتیں سناتیں بیٹے کو۔"

"ہوں!"

"ہاں ان کا یہی وتیرہ ہے۔"

"ویسے بظاہر تو بڑی نرم سی لگتی ہیں آپ کی ساس۔"

"کبھی کبھی گرم بھی ہو جاتی ہیں۔"

زدیا مسکرا دی۔

"سارے موڈ کا ستیاناس کر دیا بڑی بی نے۔"

"ویسے بجو آج مزا بہت آیا۔"

"ہاں مزا تو آیا۔"

"ساحل کی ٹھنڈی ٹھنڈی ریت پر چلنے میں اتنا مزا آ رہا تھا کہ کیا بتاؤں۔"

"اچھا، تم ایسا کرو شاور لے لو ورنہ سمندری پانی کا کھار تمہیں رات بھر تنگ کرے گا۔"

"او کے۔"

جویا نے زدیا کو باتھ روم کی راہ دکھائی پھر اپنے کمرے سے باہر نکل گئی۔

یقین ابھی تک امی کے روبرو اپنی پیشی بھگتا رہا تھا۔ جویا کھڑکی کے نزدیک تھم کر سننے لگی۔

"گھر میں ایک ہی گاڑی ہے، تم لوگ باہر نکلا کرو تو یہ خیال بھی رکھا کرو کہ گاڑی کی ضرورت گھر میں اوروں کو بھی ہو سکتی ہے۔"

"اونہہ! بڑی بی کو کیسی تکلیف ہو رہی ہے ہم لوگوں کے جانے سے۔"

"نگہت نے کوئی لڑکی دکھانے کو بلایا تھا، ہم لوگ تمہارا انتظار کرتے رہے، جا ہی نہ سکے۔" امی کا پارہ کچھ گھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔ "مدحت بھی ناراض بیٹھی ہیں تم سے اس بات پر۔"

جویا کو اس ان دیکھی انجانی لڑکی سے رقابت سی ہونے لگی۔

"کل چلے چلیں گے۔"

"افوہ! کتنے بیوقوف ہیں یقین۔" جویا نے دل ہی دل میں سوچا۔

"بھئی کل تو لڑکی اپنے گھر والوں کے ساتھ دبئی واپس چلی جائے گی۔"

"اوہو! تو یہاں دبئی چلو کا ڈراما شروع ہو گیا ہے۔" جویا نے سوچا۔

تبھی فرزین کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"آپ شام سے کہاں تھیں جناب؟"

"ہم!" جویا نے ایک ادائے خاص سے کہا۔ "ہم تمہارے لیے لڑکی تلاش کرتے پھر رہے تھے۔"

"کوئی ملی؟"

"ہاں ملی تو ہے۔"

"کون ہے؟ کیسی ہے؟ کیا نام ہے اس کا؟ کہاں رہتی ہے؟ کیا کرتی ہے؟" فرزین نے مسکراتے ہوئے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔

"بس..... بس..... بس۔" جویا نے اسے روکنے کا اشارہ دیا، پھر مسکراتے ہوئے بولی۔ "لڑکی

ہے..... اچھی ہے..... نام میں کیا رکھا ہے۔ گلاب کو کسی بھی نام سے پکارو گلاب ہی رہتا ہے۔ اسی شہر میں رہتی ہے، پڑھتی ہے، خانہ داری کرتی ہے، بہت اچھی لڑکی ہے۔"

فرزین جھک کر رازداری سے بولا۔ "ملاقات کب کروا رہی ہیں؟"

"جب تم کہو۔"

"ابھی کرا دیں۔"

"ہوں۔" جویا سوچ میں پڑ گئی پھر بولی۔ "ابھی تو مشکل ہے۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ ملاقات ہم نہیں کروائیں گے۔"

"تو پھر کون کروائے گا؟"

"وقت کروائے گا۔"

"وقت!"

"جی ہاں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ جب ملاقات ہونا ہو گی تو خود بخود ہو جائے گی۔"

"یعنی خودکار نظام ہے۔"

"بالکل خودکار جناب۔"

"اچھا صاحب، انتظار کرتے ہیں وقت کا۔"

"کھانا کھا چکے؟"

"بہت دیر ہوئی۔ آج آپ دونوں کہاں تھے؟ بہت دیر تلاش رہی آپ کی؟"

"بھئی وہ آج تمہارے بھائی نے زدیا کو ساتھ لے لیا تھا..... اسے سیر تفریح کرانے سمندر کی طرف نکل گئے تھے۔"

"آں ہاں..... تو گویا آج خوب تفریح کی؟"

"اسی تفریح کا لطف تو دوبالا کر رہی ہیں امی جان۔"

"یعنی؟"

"یعنی آپ کے بھائی صاحب کو ڈانٹ پڑ رہی ہے۔"

"کیوں؟"

"کہ کیوں دیر تک باہر رہے؟"

"اس کا مطلب ہے مجھے یقین بھائی کی مدد کو جانا چاہیے۔"

"ہاں بھئی ضرور جاؤ ورنہ بے چارے بالکل اکیلے ہیں اور ان پر گھمسان کا رن پڑا ہے۔"

"اچھا!"

"ہاں امی تو بنفس نفیس ناراض ہو رہی ہیں۔ مدحت بجیا کے بارے میں سنا ہے کہ وہ بھی

خفا بھی ہیں۔"

"کیوں؟"

"نگہت نے تمہارے لیے کوئی لڑکی دکھانے کو بلایا تھا ان لوگوں کو۔ گاڑی نہ ہونے کی وجہ سے یہ لوگ جا نہ سکے اس لیے امی بھی ناراض ہو رہی ہیں اور بیچاری بھی ناراض ہو رہی ہیں۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی ٹیکسی سے بھی جایا جا سکتا تھا۔"

جویا کو فرزین کے اس جواب سے کوئی خوشی نہ ہوئی۔ خوشی اسے تب ہوتی' جب فرزین نے یہ کہا ہوتا کہ لڑکی دیکھنے کے لیے جانے کی ضرورت کیا ہے۔

فرزین کے جواب سے تو یہ ظاہر تھا' جیسے وہ اپنے لیے لڑکی دیکھے جانے کے حق میں تھا۔

"اچھا بھابی' میں جا کر دیکھتا ہوں۔" فرزین نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" جویا نے ماندے جی سے کہا۔

فرزین' یقین کی نجات کے لیے چل دیا۔

جویا نے راہداری میں کھڑے رہنے کی بجائے اس کے پیچھے جانا بہتر سمجھا۔

امی اور یقین کے سامنے فرزین اور جویا کے پہنچنے سے پہلے ہی بات رفع دفع ہو چکی تھی' تاہم تھوڑی دیر قبل ہو چکنے والی گرج چمک کا اثر ابھی فضاؤں میں باقی تھا۔

"کیا کوئی خفیہ اجلاس ہو رہا ہے آپ دونوں کا؟" فرزین نے پوچھا۔

"ارے نہیں بیٹا' ہم بھلا خفیہ اجلاس کیوں کرنے لگے۔" امی بولیں۔

تبھی موجو نے بیا کا پیغام امی کو پہنچایا۔ "وہ جی صاحب آپ کو لان پر بلا رہے ہیں جی۔"

"کہنا آتے ہیں۔"

"صاحب جی سب کو بلا رہے ہیں جی۔"

"اچھا......اچھا...... آتے ہیں۔"

"اچھا جی۔" موجو کان کھجاتے ہوئے اجازت طلب انداز میں بولا۔ "جاؤں جی؟"

"ہاں......ہاں۔"

موجو کے جانے کے بعد امی نے ذرا کی ذرا فرزین کی طرف دیکھا اور بولیں۔ "تمہارے بیا کو رات کے کھانے کے بعد لان پر ٹہلنے کی ایسی عادت پڑی ہوئی ہے کہ مینہ آئے' آندھی آئے' ان کا ٹہلنا نہیں ٹلتا۔"

"بیا کی عمدہ صحت اور اسمارٹنس کا راز بھی تو ہے امی جان۔"

"چلو ورنہ پھر بھیجیں گے موجو کو قاصد بنا کر۔" امی نے لان کی طرف جانے کا قصد کیا اور ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔ "سبھی کو بلوایا ہے انہوں نے......دلہن' بہن کو کہاں چھپا کر بٹھا آئیں' اس بے چاری کو بھی لے آؤ نا اپنے ساتھ۔"

فرزین نے چونک کر جویا کی طرف دیکھا۔

جویا کو امی کا انداز تکلم بالکل نہ بھایا۔

"بہن کو چھپا کر بٹھا آنے کی بھلا کیا بات۔"

"کوئی چوری تھی کسی کی!"

"بہنوں کے گھروں میں بہنیں آ کر رہتی نہیں ہیں کیا؟"

"بڑی بی کو کھٹکا ہے زویا کا آنا۔" جویا نے دل ہی دل میں سوچا۔

امی آگے بڑھ گئیں۔

یقین نے جویا کی طرف دیکھا۔

"آپ چلیے میں زویا کو لے کر آتی ہوں۔" جویا نے کہا۔

فرزین نے جویا کو ایسی ملتجی نگاہوں سے دیکھا جیسے کہتا ہو۔ 'جلدی لے کر آئیے گا' میں انتظار کروں گا۔"

☆======☆======☆

زویا کو اپنے ہمراہ لے کر جویا لان پر آئی تو خاصی زوردار محفل جم چکی تھی۔ امی' بیا' مدحت' بجیا' نزہت' یقین' فرزین' ذہین بھی لان پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ زویا کی آمد پر نزہت نے انتہائی مسرت کا اظہار کیا۔

بارہ بجے کے لگ بھگ جب یہ محفل برخاست ہوئی تو نزہت نے جویا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ "آج رات آپ ہمارے کمرے میں مہمان رہیں گی۔"

زویا نے مشورہ طلب نگاہوں سے جویا کو دیکھا۔

"ارے آپ بھابی کو کیا دیکھ رہی ہیں۔ کوئی وہ منع کریں گی۔ چلیے ہمارے ساتھ۔ ہمارے کمرے سے زیادہ ٹھنڈا اور اچھا کمرا آپ کو اس پورے گھر میں نہیں ملے گا۔"

"ہاں' یہ بات تو ہے۔" بیا نے تائید کی۔

"رات کو دیر تک باتیں کریں گے ہم لوگ۔" نزہت بولی۔

"کیا بات ہے' آج کچھ کھانے پینے کا ذکر نہیں ہوا اب تک؟" ذہین نے انکھیوں سے نزہت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

نزہت نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور اسے زیرلب مسکراتے دیکھ کر بولی۔ "ہم آپ کا مطلب خوب سمجھتے ہیں۔"

"کس سے کہہ رہی ہو؟" ذہین نے تجاہل عارفانہ کا مظاہرہ کیا۔

"آپ سے اور کس سے...... آپ ہی کو چھیڑ رہے ہیں نا۔"

"توبہ توبہ!" ذہین نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ "میری کیا مجال جو میں تمہیں چھیڑوں۔"

"ویسے یار ذہین گھر میں چوہیاں بہت ہو گئی ہیں۔" فرزین کو بھی شرارت سوجھی۔

"آپ بھی شروع ہو گئے فرزین بھائی۔"

"ارے نہیں...... تو میری بہت چوہیا سی بہن ہو۔" فرزین نے نزہت کے سر پہ ہاتھ رکھتے

ہوئے کہا۔

"فرزین بھائی۔" نزہت نے فرزین کو گھورا پھر زویا سے بولی۔ "چلیے ہم لوگ کمرے میں چلتے ہیں۔"

"شب بخیر۔"

"شب بخیر۔"

زویا کو نزہت اپنے کمرے میں لے گئی۔

سونے سے پہلے جویا نزہت کے کمرے میں آئی اور اس نے زویا سے پوچھا۔ "نزہت کے کمرے میں ایزی محسوس کر رہی ہو نا؟"

"جی بجو!"

"ویسے تم اگر چاہو تو ہمارے کمرے میں بھی سو سکتی ہو۔ یقین کہہ رہے ہیں تم دونوں بہنیں مسہری پر لیٹ جانا میں نیچے لیٹ رہوں گا۔"

"نہیں نہیں بجو یہاں ٹھیک ہے۔"

"بس آپ انہیں ہمارے سپرد کیجیے اور خود آرام سے سو جائیے بھابی۔"

"اوکے...... تھینک یو۔"

رات کو زویا اور نزہت دیر تک باتیں کرتی رہیں۔

زویا نے نزہت کو اپنی آمد کے مقصد سے مطلع کیا تو وہ بولی۔ "کل ہم بھی یونیورسٹی سے چھٹی کر لیں گے اور آپ کے ساتھ مل کر بھابی کا کمرا صاف کروائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"جلدی جلدی سارا کام نمٹا کر شام کو کہیں گھومنے بھی چلیں گے۔"

"کہاں؟" زویا نے پوچھا۔

"بھابی اور بھیا سے فرمائش کریں گے دیکھیے کہاں لے جائیں۔ بائی دی وے آپ کو کس قسم کی جگہ پر جانا پسند ہے؟"

"سمندر پر۔"

"اللہ! آپ نے تو ہمارے دل کی بات کہہ دی۔ سمندر آپ کو اچھا لگتا ہے؟"

"ارے بھئی میں تو عاشق ہوں سمندر کی۔"

"اچھا دیکھیے کتنی عجیب بات ہے کہ ہمیں اور آپ کو بلکہ زیادہ تر لڑکیوں کو سمندر پر جانا اچھا لگتا ہے۔ مگر فرزین بھائی کہتے ہیں کہ میرا تو دل بھر چکا ہے سمندر سے۔"

"یقیناً بھر چکا ہوگا۔ ہمارے ابا کہتے ہیں انسان کی فطرت ہے کہ اسے وہ چیز زیادہ اچھی لگتی ہے جو اسے کم کم ملتی ہے۔"

"ہم نے آپ کو کافی دیر جگائے رکھا...... سوری...... ہمارا خیال ہے آپ کو نیند آ رہی ہوگی سو جائیں باقی باتیں صبح ہوں گی۔"

"انشاءاللہ۔"

☆=====☆=====☆

صبح ناشتے کی میز پر فرزین خلاف معمول سویرے ہی آ گیا۔ ناشتے پر فرزین اور ذہین حسب عادت نزہت سے ہلکی پھلکی چھیڑ چھاڑ کرتے رہے۔

ناشتے کے بعد فوراً ہی یقین، جویا، زویا اور نزہت سب مل کر کمرے کی صفائی ستھرائی میں لگ گئے۔ فرزین بھی چھٹی کر کے ان کے ساتھ لگ گیا۔ جویا نے دل ہی دل میں خود کو داد دی کہ کیا معقول بہانہ سوچا تھا اسے زویا کو گھر لانے کا۔

اس دوران نگہت نے امی کو فون کیا اور جب امی کی زبانی اسے زویا کی آمد کی اطلاع اور وجہ آمد پتا چلی تو اس نے کہا۔ "امی ذرا خیال رکھیے گا مجھے تو کوئی چال نظر آتی ہے۔"

"چال؟" امی چونکیں۔

"جی ہاں۔"

"کیسی چال؟"

"کہیں لڑکی کے ذریعے آپ کی بہو بیگم فرزین کو نہ پھنسا لیں۔"

"فرزین ایسا نہیں ہے۔"

"سیدھے اور شریف لڑکے ہی پھنستے ہیں۔ آپ ذرا دھیان رکھیے گا۔ وہ لڑکی مجھے دوپٹے کا پلو اپنی انگلی پر لپیٹ کر لڑکوں کو پھنسانے والی لڑکی لگتی ہے۔ صاحبزادے ڈیوٹی سے واپس آ جائیں تو انہیں آپ اپنی نظروں میں رکھیے گا۔"

"فرزین آج ڈیوٹی پر گئے ہی کب ہیں۔"

"خیریت! کیوں نہیں گئے؟"

"وہ بھی انہی لوگوں کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔"

"اوہو! پھر تو دال میں کالا ہے۔ افتخار ڈیوٹی سے آ کر سو گئے ہیں۔ جیسے ہی جاگیں گے میں بچوں کو اسکول سے لیتی ہوئی ادھر ہی آ جاؤں گی۔ تب تک آپ ذرا کڑی نظر رکھیے گا۔"

"یقین بھی ہیں۔ انہوں نے بھی چھٹی کی ہے آج۔"

"ان کی آپ کچھ مت کہیے۔ وہ تو بیگم کے ہو چکے ہیں۔"

"نزہت بھی ساتھ لگی ہوئی ہے کام میں۔"

"نزی کا ڈوی ہے وہ تو۔ آپ کو نظر رکھنی چاہیے امی...... ایسی لڑکیاں اچھے اور شریف لڑکوں کو لے اڑتی ہیں برا نہ مانئے گا آپ کا سمدھیانہ ایک آنکھ نہیں بھایا ہے مجھے۔"

"پسند کرنے تو تم بھی گئی تھیں۔"

"دو چار دفعہ آنے جانے میں لوگ کب کھلتے ہیں۔ فرزین کی دیکھ بھال ٹھونک بجا کر کیجیے گا۔"

"میں کیا کروں گی، تم بہنیں ہی دیکھ بھال کرو گی۔"

"وہ تو ہم کر لیں گے۔ بی اماں آپ دیکھ بھال رکھیے۔ مجھے تو فکر سی لگ گئی ہے۔ جا کر دیکھیے گا آپ کہ صفائی ہو رہی ہے یا کچھ اور؟"

نگہت سے فون پر بات کرنے کے بعد جب امی یقین اور جویا کے کمرے کی طرف گئیں تو انہوں نے دیکھا کہ یقین برآمدے میں پڑے فرنیچر کی جھاڑ پونچھ میں مصروف تھا۔ نزہت ہینگ کے جہازی سائز گلدانوں کو رگڑ رگڑ کر چمکانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ماسی برآمدے میں کمرے کی کھڑکیوں کے پردے جھٹک جھٹک کر ان سے گرد جھاڑ رہی تھی۔ فرزین، جویا اور زدیا کمرے میں تھے۔ تینوں مختلف کاموں میں مصروف تھے مگر کسی بات پر تینوں ہی کھلکھلا کر ہنس رہے تھے۔

امی کو نگہت کے اندیشے سچ معلوم ہونے لگے۔

کمرے کی کھڑکی سے کمرے کے اندر جھانکتے ہوئے انہوں نے انتہائی درشتی سے کہا۔

"فرزین، کیا بات ہے، بہت دانت نکل رہے ہیں تمہارے...... شرافت سے کام نہیں کر سکتے تم لوگ۔"

تینوں کی ہنسی کو جیسے بریک سا لگ گیا۔

فرزین نے خفیف ہو کر امی کی طرف دیکھا۔

ان کا لہجہ اسے یکسر انجانا محسوس ہوا۔

زدیا کی آنکھوں میں گھائل سی کیفیت پھیل گئی۔

جویا کو یوں لگا، جیسے امی نے فرزین کی نہیں اس کی بلکہ زدیا کی تضحیک کر دی تھی۔

تبھی نزہت جہازی گلدان اٹھائے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔ "بائی دی وے بھابی، شام کو آپ ہمیں اور زدیا کو لے جا کہاں رہی ہیں؟"

"میں تو شام کو گھر جا رہی ہوں۔" زدیا بولی۔

جویا اور فرزین نے چونک کر زدیا کی طرف دیکھا۔

زدیا آگے بڑھی اور اس نے جویا کے گلے میں اپنی بانہیں حمائل کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے بہت ضروری کام ہے بجو۔"

جویا چند ثانیے تشکی باندھے اسے دیکھتی رہی، پھر زدیا کا گال پیار سے تھپتھپاتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے۔" اور دل ہی دل میں اس نے کہا۔ "تھینک یو زدیا، تم نے میری مشکل آسان کر دی۔"

جویا کی آنکھوں کے کناروں پر چپکے سے سیلن اتر آئی تھی۔

اپنے گھر کی زمین اسے بہت نرم، بہت بودی، بہت بے یقین سی لگ رہی تھی!

☆=====☆=====☆

امی فرزین کو ڈانٹ کر پلٹیں تو انہوں نے یقین کو کام سے ہاتھ روکے اپنی طرف دیکھتے پایا۔ امی نے اسے نظر انداز کر کے جانا چاہا تو یقین کی آواز نے ان کے قدم پکڑ لیے۔

"کیا ہوا امی، کیوں ڈانٹ رہی ہیں فرزین کو؟"

"کچھ نہیں۔" امی کے لہجے سے ناگواری عیاں تھی۔

"کچھ تو ہے۔ فرزین کو آپ یوں ہی تو نہیں ڈانٹ سکتیں۔" یقین کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا۔

"کیوں نہیں ڈانٹ سکتی؟" امی نے تیوری پر بل ڈالتے ہوئے پوچھا۔

امی کے اس سوال کا درست جواب تو یہ ہوتا کہ فرزین تو اس گھر کا کماؤ پوت تھا۔ گھر کی ساری سج دھج، ہر نادر اور قیمتی شے اسی کی مرہونِ منت تھی مگر یقین نے درست اور حقیقی جواب دینے کے بجائے مصلحت آمیز جواب دینا مناسب سمجھا۔

"میرا مطلب ہے، بغیر کسی وجہ کے۔" یقین نے کہا۔

"بھئی دیکھو، مجھے غیر لڑکے لڑکیوں کا ہنسی ٹھٹھول چاہے وہ میری اپنی اولاد ہی کیوں نہ ہو، ذرا پسند نہیں۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"آپ کے بھائی صاحب آپ کی سالی صاحبہ سے ہنسی ٹھٹھول فرما رہے تھے۔"

"جی نہیں۔ بالکل غلط۔" جویا کی آواز نے امی اور یقین دونوں ہی کو یک لخت چونکنے پر مجبور کر دیا۔

دونوں نے آواز کی سمت دیکھا۔

جویا خدا جانے کب کمرے کے دروازے پر آ کھڑی ہوئی تھی۔

امی اور یقین کے متوجہ ہونے پر جویا ان کی طرف بڑھ آئی اور یقین کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "ہنسی ٹھٹھول کوئی نہیں ہو رہا تھا۔"

"تو پھر کیا ہو رہا تھا؟" امی تلملائیں۔ جویا کی جرأت اور یوں سامنے آ کھڑے ہونا انہیں ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔

"فرزین نے کوئی لطیفہ سنایا تھا، اس پر ہنس رہے تھے ہم لوگ۔" جویا نے وضاحت کی پھر ناگواری سے بولی۔ "میں سب سمجھتی ہوں کہ فرزین کو کیوں ڈانٹا گیا ہے۔"

"کیا سمجھتی ہو؟" امی تنک کر بولیں۔

"آپ لوگوں کو میری بہن کا آنا برا لگا ہے۔ کیا چھوٹی بہنیں اپنی بڑی بہنوں کے گھر آ کر رہتی نہیں ہیں!"

"دیکھا۔" امی نے یقین کو ابرو کی حرکت سے جتایا۔ "یہ ہم سب پر تہمت دھری جا رہی ہے۔"

"تہمت دھرنے کی کیا بات ہے، حقیقت بیان کر رہی ہوں۔" جویا ذرا کڑک کر بولی۔

"لہجہ دیکھ رہے ہو!" امی نے یقین کو جتایا۔

"کبھی نہ کبھی میری بہن آئی تو اسے بھی ذلیل کر کے رکھ دیا۔" جویا روہانسی ہو کر بولی۔

"اسے کسی نے کچھ نہیں کہا ہے۔" امی نے جھڑک کر کہا۔

"انسلٹ تو امی کی گئی ہے۔ فرزین کو ڈانٹنا تو محض بہانہ تھا۔ وہ کہتے ہیں نا بیٹی کو کہو بہو کو سناؤ۔"

"سن رہے ہو بیگم کی زبان۔" امی نے یقین کو جتایا۔

"میں آخر کب تک چپ رہوں... بہت دن ہو گئے ہیں مجھے سنتے سنتے۔"

''کیا سنتے سنتے؟'' امی نے تیوری چڑھائی۔

''بس میں سب سنتی رہتی ہوں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں بیوقوف ہوں۔''

''جو تم جیسیوں کو بیوقوف کہے وہ خود بیوقوف۔''

''سن رہے ہیں آپ!'' جویا نے یقین کو جتایا۔

فرزین اور نزہت کمرے سے باہر نکل آئے تھے۔

زویا کمرے کی کھڑکی کی آڑ میں دبکی کھڑی تھی۔

فرزین جو عملی زندگی میں جانے کے بعد امی کی عنایات والطاف اور لاڈ دلار کا خوگر ہونے کے باعث کچھ دیر قبل امی کی ڈانٹ پر اور وہ بھی جویا اور زویا کی موجودگی میں خاصا شرمندہ ہوا تھا اور کچھ دیر صدمے کی کیفیت میں رہنے کے بعد کمرے سے آیا تھا' ماں اور بھاوج کی تکرار کو لگام دینے کے لیے آگے بڑھ آیا۔

''کیا ہوا؟ کیا ہوا؟''

''دیکھو فرزین۔'' امی نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں۔''

''کون سی بات؟''

''غیر لڑکیوں سے ہنسی مذاق کرنے والی۔''

''امی آپ نے تو ذرا سی بات کا فسانہ بنا دیا ہے۔ کیا اس گھر میں ہنسنے بولنے پر بھی پابندی لگ گئی ہے؟''

جویا کو خوشی اور طمانیت کا احساس ہوا۔

ہو نہ ہو یہ پیر صاحب کی شکر کا کمال تھا کہ وہ ماں کے سامنے آ کر زبان کھول رہا تھا۔

''فرزین!'' امی نے بے یقینی سے دیکھا۔ انہیں اپنی سماعت بے بھرم محسوس ہو رہی تھی کہ اس سے پہلے تو فرزین نے ان سے کبھی اس لہجے میں بات نہیں کی تھی۔ وہ بھول گئی تھیں کہ برسوں سے انہوں نے خود بھی تو اس سے اس لہجے میں بات نہیں کی تھی۔

''میری آنکھوں پر پٹی نہیں بندھی ہے سمجھے...... میں خوب سمجھتی ہوں۔''

''آپ کچھ نہیں سمجھتیں۔''

امی کو صدمے نے آ لیا۔

''اف خدایا!''

ایک لڑکی کی حمایت میں وہ ان کے منہ کو آ رہا تھا۔

امی کو شدت سے نگہت کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔

''توبہ ہے۔'' جویا نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ ''اب جو میں بھولے سے بھی کبھی اپنے گھر سے کسی کو اس گھر میں لاؤں۔'' جویا بولی۔

''مت لانا...... ہم خوشامد کریں تو ہمیں اپنی جوتی اتار کر مارنا۔''

نزہت کو اس خیال سے کوفت ہونے لگی کہ کمرے میں موجود زویا یہ سب کچھ سن کر کیا سوچ رہی ہو گی۔ ''امی! پلیز بات کو مت بڑھائیے۔'' نزہت نے لجاجت سے امی سے کہا۔

''اوہو! تم بھی بولیں۔'' امی نے اسے گھورا۔

''زویا کیا سوچیں گی امی۔'' نزہت نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

''مجھے پرواہ نہیں کسی کی...... میں اپنے گھر میں بات کر رہی ہوں۔''

تبھی بابا آ پہنچے۔

''کیا بات ہے بھئی کیوں گرج چمک رہی ہیں؟'' بابا نے مسکراتے ہوئے امی کو دیکھا۔

''جسٹ فار تھنک بابا۔'' فرزین بولا۔

امی نے گھور کر فرزین کو دیکھا اور بولیں۔ ''میں سب سمجھتی ہوں...... جب مجھ سے کوئی بات چھپانی ہوتی ہے تو تم لوگ انگریزی بولنے لگتے ہو...... کیا کہہ رہے ہو تم؟''

''توبہ! یہ کیسی عورت ہیں۔'' جویا نے دل ہی دل میں کہا۔ ''شروع شروع کتنی میٹھی بنی رہیں' اصلیت ظاہر ہوئی تو کھلا کہ کتنی کڑوی ہیں۔ اماں ٹھیک کہتی ہیں کہ ساس تو کاٹھ کی بھی بری۔''

''ایک تم پہ مجھے بہت تاؤ آتا ہے۔'' امی نے یقین کو گھورا۔

''مجھ پہ......'' یقین گھبرا کر بولا۔ ''میرا...... میرا کیا قصور امی؟''

''ارے سارا قصور تو تمہارا ہی ہے۔ کھو بنے سنتے رہتے ہو۔ بیوی کے آگے دم نہیں مار سکتے۔''

''دم تو خیر یہ آپ کے سامنے بھی نہیں مار سکتے۔'' بابا بولے۔

''بلکہ شاید کسی کے سامنے بھی نہیں۔'' خود یقین نے کہا۔

امی اور جویا کے سوا سبھی کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''امی! ایک بات تو بتائیے۔'' نزہت بولی۔

''خبردار جو کسی نے بھی مجھ سے بولنے کی کوشش کی۔'' امی نے غصے سے کہا۔

''برائے خدا شجر ممنوعہ مت بنیے۔'' بابا مسکرائے۔

''پوچھو...... پوچھو کیا پوچھنا چاہتی ہو امی سے۔'' فرزین بھی تھوڑی دیر پہلے کی خفت اور خجالت بھول کر موڈ میں آتے ہوئے نزہت سے بولا۔

نزہت نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کہا۔ ''اونہوں! امی زیادہ خفا ہوں گی۔''

فرزین نے نگاہوں ہی نگاہوں میں اسے اکسایا۔ ''آں ہاں! پوچھو تو سہی۔''

نزہت نے نفی میں سر ہلایا۔

فرزین نے پھر اکسایا۔

''امی جی......'' نزہت بڑے پیار سے منمنائی۔

''کیا ہے؟'' امی نے اسے غصے سے گھورا۔

''کچھ نہیں...... کچھ نہیں امی جی۔'' نزہت خائف ہو کر بولی۔

"امی ایسے ہی کہہ رہی تھیں!" امی نے تیوری چڑھا کر اسے دیکھا۔

"ارے صاحب۔" بیا نزہت کی ہمت بندھانے کو آگے بڑھتے ہوئے بولے۔ "بچی سے ذرا محبت سے بات کیجیے۔"

"محبت سے بات کرنے کو آپ بہت ہیں۔" امی بولیں۔

"نہیں اب اتنا بہت بھی نہیں ہوں۔" بیا مسکراتے ہوئے بولے پھر انہوں نے نزہت سے کہا۔ "پوچھو...... پوچھو بیٹی کیا پوچھنا چاہ رہی تھیں تم اپنی امی سے؟"

نزہت نے دزدیدہ نظروں سے امی کی طرف دیکھتے ہوئے موسم تاڑنے کی کوشش کی۔ گرج چمک والی کیفیت تو نہ تھی تاہم مطلع ہنوز ابر آلود تھا۔

"بھئی پوچھو۔" بیا نے نزہت کو حوصلہ دینے کی کوشش کی۔ "اب پوچھ بھی چکو۔" امی نے نزہت کو گھورا۔

"وہ...... امی...... ہم یہ پوچھ رہے تھے کہ ٹھسو کا کیا مطلب ہوتا ہے؟" نزہت بولی۔

بیا قہقہہ مار کر ہنس دیئے۔

"ہنسیے...... خوب سمجھتی ہوں۔" امی نے تیوری پر بل ڈالتے ہوئے بیا کو دیکھا۔

"کیا سمجھتی ہیں؟"

بیا کی ہنسی مسکراہٹ پر تمام ہوئی۔

"میرا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔"

"بخدا نہیں۔" بیا یک لخت سنجیدہ ہو گئے۔

"جی ہاں۔" امی نے زور دے کر کہا۔

"بیگم صاحبہ! آپ کا مذاق اڑانے کی مجال ہے ہمیں۔"

"کیوں نہیں...... ساری زندگی آپ نے اور کیا ہی کیا ہے!"

"ارے!" بیا چونکے۔ "یہ کیسی تہمت دھر رہی ہیں آپ اس خاکسار پر۔"

"تہمت نہیں، حقیقت ہے۔"

"اچھا چلیے۔" بیا نے اپنا بازو امی کے شانوں پر دراز کرتے ہوئے محبت سے کہا۔ "اپنے کمرے میں چلیے۔ آپ کا بلڈ پریشر ہائی ہو رہا ہے۔"

"ہونے دیجیے...... یہاں کسی کو کیا پرواہ۔" امی نے کن انکھیوں سے اپنے گرد و پیش پر طائرانہ نظر ڈالی اور ان کی نظر بالآخر جویا پر آ ٹھہری۔ "یہاں تو لوگ دعا مانگتے ہوں گے کہ کب بڑی بی سے پیچھا چھوٹے۔"

"ارے ارے! کیسی باتیں کرتی ہیں آپ۔" بیا بڑے پریم سے بولے۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔"

جویا سمجھ گئی کہ اسی کو کہا جا رہا تھا۔

"امی! آپ کے دم سے تو اس گھر میں ساری رونق ہے۔" یقین بولا۔

"بس رہنے دو۔"

"نہیں امی سچ کہہ رہا ہوں...... آپ کے دم کا تو ظہورا ہے ورنہ باقی سب گھاس کوڑا ہے۔"

"ہائیں!"

جویا کے سینے پر دھموکا سا پڑا۔

یہ کیا کہہ رہا تھا وہ!

باقی سب گھاس کوڑا ہے! اس نے خشونت سے یقین کو دیکھا۔

امی نے کن انکھیوں سے اس کی خشونت کا جائزہ لیا اور انہیں اُن کہی طمانیت کا احساس ہوا۔

یقین نے جویا کی نگاہوں کی تاب نہ لا کر نظریں چرا لیں۔

"یہ آج صفائی ہی ہوتی رہے گی...... کچھ پکے گا نہیں؟" امی نے نزہت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس امی، تھوڑا سا کام ہے، پھر جاتے ہیں ہم کچن میں۔"

"کب جاؤ گی؟ دوپہر سر پر آ گئی۔"

"آپ فکر نہ کیجیے۔"

"فکر کیسے نہ کروں...... نگہت بھی آ رہی ہے افتخار اور بچیوں کے ساتھ۔"

جویا کو یوں لگا، جیسے اس کے دل کو کسی نے دیا سلائی دکھا دی ہو۔

"اونہہ! اسی کی کسر رہ گئی تھی۔" اس نے جی ہی جی میں پھنکارا مارا۔ "بڑی بی کو اس کے روز روز آنے پر کچھ نہیں ہوتا، میری بہن ایک روز کو آ گئی تو فوراً ہنگامہ کھڑا کر دیا۔"

"بیگم صاحبہ" کھانا بھی پک جائے گا، آپ یہاں سے چلیے بچوں کو کام کرنے دیجیے۔" بیا شر کو دوبارہ اٹھ کھڑا ہونے سے روکنے کے لیے امی کو وہاں سے لے جانا چاہتے تھے۔

امی نے تیوری چڑھا کر بیا کو دیکھا۔ بیا مسکرا دیے اور امی ان کی مسکراہٹ سے پسیج کر بولیں۔ "چلیے بھئی چلیے۔"

امی کے مڑتے ہی جویا نے غصے سے یقین کو دیکھا۔ وہ اس کی نگاہوں کی تاب نہ لا کر اپنے کان کی لو کو سہلانے لگا۔

"چلیے بھابی منقطع رابطہ بحال کرتے ہیں...... اپنا کام شروع کرتے ہیں۔" فرزین نے جویا سے کہا۔

"تھینک یو ویری مچ فرزین...... پلیز! اب تم رہنے دو۔ باقی کام ہم لوگ خود کر لیں گے۔" جویا کے لہجے سے ناگواری جھلک رہی تھی۔

"کیوں بھابی؟"

"ابھی دیکھا نہیں تم نے، ذرا سی بات پر کیسا ہنگامہ کھڑا ہوا۔"

"ارے بھابی، اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل سے نہ لگایا کریں۔ دنیا میں اور فکریں کم ہیں جو بندہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر کڑھے۔"

''چھوٹی بات! تم اسے چھوٹی کہہ رہے ہو فرزین۔'' جویا روہانسی ہوگئی۔ ''میں تو اس خیال سے شرمندہ ہوئی جارہی ہوں کہ زدیا کیا سوچے گی کہ کبھی نہ کبھی بجو کے گھر آئی اور......''

''آئی فیل سوری فار دیٹ''

''نہیں...... تمہارا کیا قصور! تم سوری فیل کیوں کرتے ہو!''

''اس گھر کا فرد ہونے کے ناتے میں ہر اچھائی اور برائی کو شیئر کرتا ہوں...... آئی ریئلی فیل سوری۔''

''بھائی جان! امی دل کی بری نہیں ہیں' بس کبھی کبھی غصہ آجاتا ہے انہیں۔'' نزہت نے امی کی وکالت کرنے کی کوشش کی۔

''یوں کسی کی انسلٹ کردینے سے تو بہتر ہے کہ آدمی دل کا برا ہو۔'' جویا تلخی سے بولی۔

''بھابی! ڈانٹ تو مجھے پڑی ہے۔ انسلٹ تو میری کی ہے امی نے۔'' فرزین بولا۔

''لیکن ان ڈائریکٹلی میری اور زدیا کی۔''

''بہرحال آپ خفگی تھوک دیجئے...... میں آپ سے معافی چاہتا ہوں...... زدیا سے بھی سوری کرلوں گا۔''

دفعتاً فرزین کو اپنی غلطی کا احساس ہوا' نزہت کی موجودگی میں جویا سے کی جانے والی معذرت کے یہ الفاظ امی کے کانوں تک پہنچ کر کوئی نئی تلخی بھی پیدا کرسکتے تھے۔ اس نے نزہت کو دیکھتے ہوئے آنکھ دبا کر اسے یہ جتانے کی کوشش کی کہ جویا سے کی جانے والی معذرت محض دکھاوا اور ڈراما تھا۔

پھر وہ نزہت کو گھورتے ہوئے بولا۔ ''چڑیا! تم اب تک یہاں کھڑی کیا کررہی ہو۔ چلو......'' اس نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

''تم کچن کی طرف دوڑو۔ نگہت بی بی مع شوہر و عیال آتی ہوں گی...... آتے ہی رولا پادیں گی وہ۔''

''رولا پادیں گی! کیا مطلب؟'' نزہت نے کہا۔

''مطلب یہ کہ بھوکی آئیں گی۔''

''اونہہ!'' جویا نے دل ہی دل میں کہا۔ ''وہ بھوکی کب نہیں ہوتیں بھلا۔''

تبھی جویا کے کمرے کے رخ سے زدیا کی آواز آئی۔ ''بجو! پلیز! کام جلدی جلدی نمٹوالیں...... مجھے گھر بھی جانا ہے۔''

''اچھا۔'' جویا نے چونک کر دیکھا' زدیا دروازے میں کھڑی تھی۔

نزہت زدیا کی طرف بڑھی اور اس کے نزدیک پہنچ کر بولی۔ ''زدیا! آپ کیا چیز شوق سے کھاتی ہیں؟''

''جو مل جائے کھالیتی ہوں۔''

''پھر بھی کچھ تو خاص طور پر پسند ہوگا۔''

''ارہر کی دال اور خشکہ۔''

''ارے واہ! آپ نے تو ہماری مشکل آسان کردی۔ کھٹاک سے ہم ایک چولہے پر ارہر کی دال چڑھاتے ہیں اور پھٹاک سے دوسرے چولہے پر خشکہ ابال کر دم پر رکھ دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ املی اور پودینے کی چٹنی' رائتہ' سلاد اور اچار...... کیوں بھابی' دوپہر کے لئے مینو ٹھیک ہے نا' ویسے رات کے کوفتے بھی ڈش بھرے رکھے ہیں۔ گرم کرکے اوپر سے بگھار لگادیں گے اور موجو سے ہوٹل سے نان منگوالیں گے...... ٹھیک ہے نا بھابی؟''

''ٹھیک ہے۔'' جویا ماندے جی سے بولی۔

''بابا! اب جا بھی چکو' کب چڑھے گی کھٹاک سے تمہاری دال اور کب دم پہ رکھو گی پھٹاک سے خشکہ۔'' فرزین نے ہاتھ جوڑے۔

''آل رائٹ...... آل رائٹ' جارہے ہیں۔''

''آیئے بجو۔'' زدیا بولی۔ ''کرنے کو تو میں اکیلی کرلوں سب کام مگر مجھے یہ معلوم نہیں کہ آپ کون سی چیز کہاں رکھوانا چاہیں گی۔''

''چلئے میں بتاتا ہوں آپ کو۔''

''فرزین! پلیز!!'' جویا کے لہجے میں تنبیہہ تھی۔

فرزین کے قدم میکانکی انداز میں رک گئے۔ چند ثانیے وہ بے یقینی سے جویا کو دیکھتا رہا پھر اس نے نظریں جھکالیں۔

''چلو زدیا۔''

جاتے جاتے جویا نے گردن موڑ کر انتہائی خشونت سے یقین کے رخ دیکھا۔

ان کے جانے کے بعد یقین فرزین کی طرف بڑھ آیا اور اس سے رازداری سے بولا۔ ''ہوا کیا تھا؟ امی اتنی گرم کیوں ہوئیں؟''

فرزین چند ثانیے اسے دیکھتا رہا پھر دھیمی سی حزنیہ مسکراہٹ کے ساتھ شانے اچکاتے ہوئے بولا۔

''آئی ڈونٹ نو۔''

یقین نے اس کی بات کا اعتبار نہ کیا۔

''یار! بائی از اٹ پاسیبل کہ تمہیں ڈانٹ پڑی۔ اتنا ہنگامہ ہوا۔ امی اتنی دھواں دھار غصہ ہوئیں اور تم کہتے ہو کہ تمہیں ان کی ناراضگی کی وجہ معلوم نہیں۔''

''ریئلی! مجھے معلوم نہیں۔''

''کم آن...... جھوٹ مت بولو...... تمہیں سب پتا ہے۔ امی نے تمہیں کیوں ڈانٹا؟ کمرے میں کیا ہورہا تھا؟''

یقین نے اپنے دوسرے سوال پر فرزین کو ایسی گہری نگاہوں سے دیکھا کہ وہ شرمندہ ہوکر رہ گیا۔ کس قدر معنی خیز تھا' اس کا یہ سوال کہ کمرے میں کیا ہورہا تھا!

اس کے سوال میں [illegible] کمرے میں کوئی معیوب بات ہورہی تھی۔

"کچھ بھی نہیں یقین بھائی...... کسی لطیفے پر بھابی زدیا اور میں ہنس رہے تھے بس اتنی سی بات تھی۔"

"اتنی سی بات پر اتنا فساد!"

"یہی تو افسوسناک بات ہے۔"

"یار! اگر واقعی صرف اتنی سی بات پر امی نے اتنی ناراضگی دکھائی تو اچھا نہیں کیا۔ زدیا کیا کہے گی اپنے گھر جا کر۔"

"اس سے معذرت کر لیجئے گا آپ۔"

"میں تو کر ہی لوں گا مگر گھر والوں کو بھی کرنی چاہیے...... امی نہیں تو کسی اور کو۔"

"اور کون کرے گا۔ بیا سے یہ بات کہی نہیں جا سکتی...... مدحت بجیا کے سامنے یہ سب کچھ ہوا نہیں لہٰذا وہ معاملے کی نوعیت کو سمجھ ہی نہیں پائیں گی...... نزہت کسی گنتی میں نہیں۔"

"تو یار تم ہی کر لو معذرت۔"

"دیکھا نہیں آپ نے بھابی کتنی خفا ہیں۔ میں تو جا رہا تھا کام کروانے مگر انہوں نے منع کر دیا روک دیا مجھے۔"

"تم جاؤ من جائیں گی۔"

"ابھی تو بہت مشکل لگ رہا ہے...... کوئی بعید نہیں کہ کان سے پکڑ کر کمرے سے نکال دیں مجھے۔"

"آزمانے میں کیا حرج ہے جاؤ تو سہی۔"

فرزین متردد ہوا۔

"جاؤ یار ورنہ جویا کے گھر میں ہم لوگوں کی ریپوٹیشن بگڑ جائے گی۔"

فرزین سوچ میں پڑ گیا۔

اچانک جویا کے کمرے کی کھڑکی سے زدیا نے باہر جھانکتے ہوئے کہا۔ "یقین بھائی پلیز سامان لے آئیے۔"

"اچھا۔" یقین نے بہ آواز بلند جواب دیا پھر وہ فرزین سے مخاطب ہوا۔ "فرزین! ذرا یہ بیڈ تو اٹھوانا یار...... موجو کو پائیدان دھونے بھیجا تھا اب تک نہیں پلٹا نامعقول۔"

فرزین مسہری کا چوکھٹا اٹھوا کر کمرے میں لے جانے کو آگے بڑھ گیا۔

کمرے میں پہنچنے کے بعد یقین نے جویا سے پوچھا۔ "بیڈ پرانی جگہ ڈلوانا ہے یا کہیں اور ڈلواؤ گی؟"

"ادھر بچھا دیں۔" جویا نے یقین کی جانب دیکھے بغیر انگلی سے غربی دیوار کے رخ اشارہ کیا۔ فرزین نے کن انکھیوں سے جویا کی طرف دیکھا۔

بیڈ کا فریم بچھوانے کے بعد جب وہ دونوں بھاری بھر کم گدا اٹھا کر کمرے میں لائے تو جویا نے یقین کو بطور خاص مخاطب کیے بغیر خفا خفا سے لہجے میں کہا۔ "موجو کہاں مر گیا؟"

"ارے صاحب مرا نہیں پائیدان دھونے گیا تھا پلٹا نہیں۔"

"پائیدان ہی تو دھونے گیا تھا پاندان تو نہیں جو چپک کر بیٹھ گیا۔" جویا طنزیہ لہجے میں بولی۔

یقین ہی نہیں فرزین بھی اس کے طنز کو سمجھ گیا۔

امی جب بھی اپنے پاندان کی صفائی دھلائی کرواتیں تو موجو دو ڈھائی گھنٹے کے لیے کسی دوسرے کام سے یکسر ماورا سمجھا جاتا۔ جب تک امی کا پاندان چمک نہ جاتا موجو کی ڈیوٹی امی کی رگڑائی اور دھلائی پر رہتی۔

بھاری بھر کم سامان کمرے میں پہنچانے کے بعد جب چھوٹی موٹی چیزوں کی اٹھائی دھرائی شروع ہوئی تو جویا نے کہا۔ "فرزین پلیز اب تم رہنے دو ہم لوگ خود اٹھا لیں گے۔"

فرزین جو موقع کی تاک میں تھا اچانک زدیا کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"زدیا اگر آپ کو امی کی بات بری لگی ہو تو میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔"

زدیا جو اس کے یک بیک سامنے آ کھڑے ہونے پر چونک گئی تھی۔ دھیرے سے مسکرائی اور بولی۔ "مجھے تو انہوں نے کچھ نہیں کہا۔"

"پھر بھی۔" وہ مزید خفیف نظر آنے لگا۔ "ہنس تو ہم بھی رہے تھے ہو سکتا ہے آپ نے مائنڈ کیا ہو۔"

"میں بہت کم باتوں کا برا مناتی ہوں۔" زدیا بولی۔

"شیور؟"

"لیں...... اور اگر آپ کو یقین نہیں تو بجو سے پوچھ لیجیے...... کیوں بجو؟"

جویا نے گھٹی گھٹی سی ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے زدیا کو دیکھا۔

"کاش!"

"کاش! وہ فرزین کو بتا سکتی کہ زدیا جیسی لڑکیاں بیسیوں میں ایک ہوتی ہیں۔"

"کاش! وہ اسے بتا سکتی کہ اس کا زدیا کو اپنے گھر لانا مجبوری کا لانا تھا۔"

"اور کاش وہ اسے یہ بھی بتا سکتی کہ جوان بیٹیوں کے لیے مناسب بر کی تلاش میں اس کے متعلقین کا خیال گھر گھر بھٹکتا پھرتا ہے۔"

ایک موہوم سی آبی لہر اس کی پلکوں تلے آ ٹھہری۔

زدیا کے شانوں پر اپنا بازو بہت محبت سے دراز کرتے ہوئے اس نے کہا۔ "میری بہن بہت پیاری ہے۔"

فرزین زبان سے جویا کی بات کی تائید نہ کر سکا تاہم اس کی آنکھوں نے تائید کی۔

زدیا سے فرزین کی معذرت نے جویا کی خفگی میں قدرے افاقہ کر دیا تھا۔

"ٹھیک یو ویری مچ فرزین باقی کام ہم لوگ کر لیں گے۔" اس نے کہا۔

"اب تو آپ مجھ سے خفا نہیں ہیں؟"

"تم سے میں پہلے بھی خفا نہیں تھی۔"

"ارے تو میں خوامخواہ ہی آپ کو منانے کی کوششوں میں لگا رہا۔"

"اب آپ جائیے ورنہ......"

"ورنہ؟"

"ورنہ امی کا بلڈ پریشر زیادہ ہائی ہو سکتا ہے۔"

فرزین کے چہرے پر خفت کے ساتھ ناگواری کی ایک رمق بھی ابھری۔

"بھابی اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں؟"

"ہاں...... کہو۔"

"کبھی کبھی درگزر بھی کر دیا کیجیے۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو تم؟"

فرزین کے لبوں پر ہلکی سی حزنیہ مسکراہٹ لہرائی پھر وہ بولا۔ "جب میں گھر سے دور ہوتا ہوں تب مجھے احساس ہوتا ہے کہ گھر کتنی پیاری جگہ ہے اور خاندان کتنی مضبوط اکائی ہے۔" کچھ توقف کے بعد اس نے مزید کہا۔ "بات یہ ہے بھابی کہ جب خاندان کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ ہوتے ہیں تو انہیں ایک دوسرے کی اہمیت اور ایک دوسرے سے اپنی محبت کا صحیح طور پر اندازہ نہیں ہو پاتا لیکن جب وہ ایک دوسرے سے دور ہو جاتے ہیں تب انہیں اس کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہم ایک دوسرے کے ساتھ ہیں اس لیے لڑ جھگڑ لیتے ہیں لیکن جب ایک دوسرے سے دور چلے جائیں گے، جدا ہو جائیں گے تب شاید ہمیں یہ خیال آئے کہ کاش فلاں وقت ہم نے درگزر کر دیا ہوتا۔ آپ امی کی بات کو دل پر نہ لیں...... آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں جب ہم اکٹھے نہیں ہوں گے تو آپ کو یہ سب کچھ بہت یاد آئے گا۔"

زویا نے اس کی یہ بات خاصی حیرت کے ساتھ سنی۔ کتنی عجیب بات تھی کہ اس کے اپنے ذہن میں بھی اکثر کچھ اسی قسم کے خیالات شور مچائے رکھتے تھے۔ جب وہ خاندان والوں کو اکثر و بیشتر چھوٹی چھوٹی باتوں پر الجھتے اور لڑتے جھگڑتے دیکھتی تو اس کے ذہن میں بھی یہی خیال آتا کہ وہ آپس میں لڑتے کیوں ہیں، ایک دوسرے کی اہمیت کیوں نہیں تسلیم کر لیتے۔

"یہ بات تم نے کبھی اپنے گھر والوں کو بھی سمجھانے کی کوشش کی؟"

جویا نے فرزین کو تیکھی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اس قسم کی باتیں بابا اکثر سمجھاتے رہتے ہیں۔ شاید آپ نے بھی سنی ہوں...... بلکہ...... میں نے بھی انہی سے سیکھی ہیں۔"

"اچھا! اب تم یہاں سے جاؤ...... کہیں اب نگہت نہ آ پہنچیں۔"

"آنے دیجیے میں کون سا ڈرتا ہوں...... آپ ڈرتی ہیں کیا نگہت سے؟"

"ہر شریف آدمی کو ڈرنا چاہیے۔"

"اچھا تو گویا ہمیں آپ دوسرے زمرے میں رکھ رہی ہیں۔"

"نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"میں بھی مذاق کر رہا تھا۔"

☆=====☆=====☆

نگہت حسب وعدہ دوپہر کو دونوں بچیوں کو اسکول سے لیتی ہوئی میکے آ گئی۔ افتخار بھی ساتھ تھے۔ ان دنوں ان کی ڈیوٹی نائٹ شفٹ میں چل رہی تھی۔

"او ہو اماں آپ لوگوں نے کل اتنا اچھا موقع ضائع کر دیا۔ ایسی خوبصورت لڑکی تھی اور اتنے اچھے لوگ کر کیا بتاؤں۔" نگہت نے بیٹھتے ہی اماں سے کہا۔

"بس بیٹی کیا بتاؤں۔" امی کے لہجے سے ملال کے ساتھ ہلکی سی خفگی بھی ٹپک رہی تھی۔

"یقین بھائی تو نرے سسرال کے ہو گئے۔"

"میں تو یقین کی شادی کر کے عذاب میں پڑ گئی۔ بہت ہی ناخلف بہو ملی ہے۔"

"میں تو پہلے ہی کہتی تھی۔" نگہت نے کہا، پھر قدرے تشویش سے بولی۔ "خیریت امی؟ کوئی خاص بات ہو گئی کیا؟" جواب میں امی نے وہ سارا واقعہ بالتفصیل اسے سنا دیا جو اس کے فون کرنے کے بعد پیش آیا تھا۔

"ہوں۔" نگہت نے ایک گہری سانس کھینچی اور مراقبے میں چلی گئی۔

جویا کے کمرے کی صفائی اور نئے سرے سے آراستگی سے فارغ ہو کر زویا نہانے کے لیے جویا کے اٹیچڈ باتھ روم میں گھس گئی اور یقین موقع پاتے ہی جویا کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"کیا بات ہے سرکار، کچھ ناراض لگ رہی ہیں؟" وہ بڑے رومینٹک موڈ میں بولا۔

"کچھ!" جویا نے اسے شاکی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے زہرخند لہجے میں کہا، پھر کڑے تیوروں سے جتایا۔ "میں آپ سے بہت ناراض ہوں۔"

"خیریت؟"

"یہ تو بعد میں پتا چلے گا آپ کو۔" جویا نے اس کے سامنے سے ہٹ کر آگے بڑھنے کی کوشش کی مگر وہ سرعت سے اس کی راہ میں آ گیا۔

"میرا قصور تو بتاؤ۔"

"اونہہ!" جویا نے اسے انتہائی خشونت سے گھورا، پھر طنزیہ لہجے میں امی کے الفاظ دہراتے ہوئے بولی۔ "امی! اس گھر میں ساری رونق آپ ہی کے دم سے تو ہے...... آپ کے دم کا ظہور ا ہے باقی تو سب گھاس کوڑا ہے۔" اس نے ایک پل کو توقف کیا پھر غصے سے بولی۔ "ہم تو گھاس کوڑا ہیں۔"

"ارے ارے..... تم اس بات پر ناراض ہو۔" یقین بولا۔ "ارے بھئی وہ تو میں امی کو مسکہ لگا رہا تھا..... خوش کر رہا تھا انہیں۔"

"ٹھیک ہے..... انہی کو خوش کیجیے۔" جویا وارڈروب کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ یقین بجلی کی سی تیزی سے جویا کے سامنے آ گیا اور اس کے شانوں پر اپنے ہاتھ دھرتے ہوئے بولا۔ "امی کو خوش کرنا اپنی جگہ مگر تمہاری بات اور ہے تم تو میری جان ہو۔"

"جھوٹ! دھوکا! میں تو گھاس کوڑا ہوں۔"

"ارے بھئی! ہمارے دل سے پوچھو کہ تم کیا ہو...... یہ ساری دنیا ایک طرف اور تم ایک طرف۔"

جویا نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایمان سے سچ کہہ رہا ہوں۔"

"مجھے بنائیے مت، سمجھے۔"

"بنا نہیں رہا ہوں...... یہ میرے دل کی آواز ہے۔"

"ہٹیے...... مجھے الماری سے اپنے کپڑے نکالنے ہیں۔" جویا نے اپنے شانوں پر سے اس کے ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی۔

یقین نے اس کے شانے تو چھوڑ دیے، چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور اسے محبوبیت سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"میرے لیے اب جو تم ہو وہ اور کوئی بھی نہیں۔"

"مجھے بہلا رہے ہیں...... جھوٹ بول رہے ہیں آپ۔" جویا شاکی لہجے میں بولی۔

"نہیں...... سچ کہتا ہوں میں۔"

جویا کی نگاہوں میں ہلکورے لیتی بے یقینی کا رنگ قدرے ہلکا پڑنے لگا۔

"مگر کیا کروں یار۔" یقین کے لہجے میں بے بسی اور مجبوری کی کیفیت تھی۔ "خوش تو سبھی کو رکھنا پڑتا ہے۔"

"آپ کی امی نے آج بہت زیادتی کی۔"

"مجھے احساس ہے۔"

"زویا کیا سوچے گی!"

"مجھے اس کا بے حد افسوس ہے۔"

یقین سے پہلے معذرت فرزین بھی کر چکا تھا مگر جویا کو یوں لگا جیسے یقین کے الفاظ زخموں پر مرہم تھے یا پھر دکھتی آنکھوں پر بالائی کے ٹھنڈے پھائے!

اس کا سر آپ ہی آپ یقین کے سینے سے جا لگا۔

یقین دھیرے دھیرے اس کے نرم ملائم بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

دونوں بھول گئے کہ زویا ملحقہ باتھ روم میں تھی اور نہا دھو کر کسی بھی لمحے باتھ روم کا دروازہ کھول کر کمرے میں آ سکتی تھی۔

اپنے بالوں پر جویا کو اس کے ہاتھوں کا لمس محسوس کرتے ہوئے یوں لگا، جیسے وہ اس کے دل کی پھانسیں چن رہا تھا۔

"آئی لو یو جویا...... آئی لو یو......" یقین نے سرگوشی کی۔

اس کے اس ایک جملے پر تو وہ اپنا تن من وار سکتی تھی!

کچھ دیر وہ جذب کی اسی کیفیت میں گردو مافیہا سے بے خبر کھڑے رہے پھر اس نے اپنا سر اس

کے سینے سے ہٹایا اور سر کو عقبی رخ جھکاتے ہوئے چہرہ اوپر کر کے یقین کو دیکھتے ہوئے دھیرے سے بولی۔ "یقین......"

"ہوں۔"

جویا کے ہونٹ پھڑپھڑائے پھر ایک دوسرے سے ہم آغوش ہو گئے۔

"بولو۔"

"ہم...... ہم اپنی دنیا الگ نہیں بسا سکتے؟"

"ہماری دنیا الگ ہی ہے میری جان۔" وہ دھیرے سے بولا، پھر اس نے محبوبانہ نگاہوں سے اس کے چہرے کا طواف کرنے کے بعد کہا۔ "یہ کمرا، میں، تم اور ننھے مہمان کا انتظار یہی تو ہے ہماری دنیا۔"

جویا پر ان کہا سا اضطراب طاری ہو گیا۔

خدا جانے وہ سمجھا نہ تھا یا سمجھنے سے گریز کر رہا تھا۔

جویا کے لب ایک مرتبہ پھر مرغ بسمل کی طرح پھڑپھڑائے پھر ٹھنڈے پڑ گئے۔

جو بات وہ کہنا چاہ رہی تھی، وہ کھل کر کہنا اتنی آسان نہ تھی۔

وہ جانتی تھی کہ یقین کو اپنے گھر والوں سے محبت تھی!

اور

یہ محض یقین ہی کا نہیں، اس گھر کے تمام افراد کا مشترکہ وصف تھا کہ وہ سب بہت سے معاملات میں ایک دوسرے سے اختلاف رائے رکھنے کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ محبت کی زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے!

☆=====☆=====☆

دوپہر کے کھانے پر نگہت نے فرزین کی شادی کا قصہ چھیڑ دیا اور اسی قصے میں وہیں والوں کا ذکر نکال لائی۔

"امی بہت اچھے لوگ ہیں۔ شریف، مہذب، سلجھے ہوئے...... اور لڑکی تو اتنی اچھی ہے کہ آپ دیکھیں گی تو طبیعت خوش ہو جائے گی۔" یہ کہتے ہوئے نگہت نے دزدیدہ نظروں سے جویا اور زویا کو دیکھا۔

"تم نے لڑکی کی ایک تصویر لے لی ہوتی۔" امی بولیں۔

"میں نے مانگی تھی مگر ان لوگوں کے پاس کوئی تصویر تھی ہی نہیں۔ امی ایسی لڑکیوں کے گھر والوں کو ان کی تصویریں بانٹنے کی ضرورت تھوڑی ہوتی ہے انہیں تو بس دیکھا اور پسند کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہاتھ لگاؤ تو میلی ہو جائیں گی۔ امی میرا تو بری طرح دل آ گیا ہے اس پر۔ دعا کیجیے کہ بس بات بنے اس کی...... کل آپ لوگوں نے بہت اچھا موقع گنوا دیا۔ آ جاتیں تو لڑکی کو بھی دیکھ لیتیں اور اس کے گھر والوں سے بھی ملاقات ہو جاتی۔"

"بس تمہیں مجبوری پتا تو ہے گھر میں ایک گاڑی ہے۔ یہ تو گاڑی لے کر باہر نکلنے والوں کو

سوچنا چاہئے کہ وہ دوسروں کی ضرورت کا خیال رکھیں۔"

یقین اور جویا نے دُزدیدہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا' پھر یقین نے خفیف ہو کر جویا سے نظریں چرا لیں۔

"ویسے نگہت' تمہیں چاہئے تھا کہ لڑکی والوں سے سرسری سا ذکر ضرور کر دیتیں۔" امی نے کہا

"وہ تو میں نے کر دیا ہے امی۔"

"اچھا کیا۔" امی بولیں پھر انہوں نے پوچھا۔ "دبئی واپسی پر وہ لوگ کراچی میں پھر رکیں گے؟"

"جی ہاں...... رکیں گے تو۔"

"بس تب مل لیں گے۔"

"اللہ کرے اس کی کہیں اور بات چیت نہ ہو۔"

آپس میں بات چیت کرتے ہوئے امی اور نگہت نے دیگر افراد خانہ کو یوں نظر انداز کر دیا تھا جیسے ان دونوں کے سوا تیسرا وہاں کوئی نہ تھا۔ شاید وہ ایسا نادانستگی میں کر رہی تھیں یا شاید جان بوجھ کر ایسا کر رہی تھیں بلآخر بابا نے انہیں ان کی اس غلطی اور کھانے کی میز پر اپنی اور دیگر افراد کی موجودگی کا احساس دلانے کی کوشش کی۔

"بیٹی' کون لوگ ہیں؟" بابا نے پوچھا۔

نگہت نے اس دخل اندازی پر چونک کر بابا کو دیکھا پھر بولی۔ "ہماری پڑوسن کے رشتے دار ہیں بابا...... اچھے لوگ ہیں...... بہت شریف' مہذب اور خاندانی لوگ ہیں۔"

"تمہیں کیسے پتا کہ اچھے لوگ ہیں؟" بابا نے سوال کیا۔

"میں ملی ہوں بابا۔"

"کتنی دفعہ ملی ہو؟"

"کل ملی تھی۔"

"اور اس سے پہلے کب سے جانتی ہو؟"

"کل پہلی مرتبہ ملی تھی۔"

"کس کس سے ملیں؟"

"لڑکی اور اس کے گھر والوں سے۔"

"کتنی دیر ملاقات رہی؟"

نگہت نے بابا کو حیرانی سے دیکھا۔

وکیلوں کی طرح جرح کر رہے تھے وہ!

"کوئی...... آدھ...... پون گھنٹہ۔"

بابا دھیرے سے مسکرا دیے پھر بولے۔ "بیٹی آدھ پون گھنٹے کی ایک ہی ملاقات میں تم نے یہ

کیسے سمجھ لیا کہ لوگ شریف' مہذب اور خاندانی ہیں؟"

نگہت کی کیفیت بغلیں جھانکنے والی ہو گئی۔

جویا کے دل کی کلی دھیرے سے کھلی۔

"بابا وہ لگ رہے تھے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ سب کے سب بہت اچھی طرح ڈریس اپ تھے۔"

"دبئی سے آئے تھے بیٹا' وہاں دنیا بھر کا کپڑا ملتا ہے اور پیسہ بھی ہے' وہاں رہنے والے خوش لباسی افورڈ کر سکتے ہیں۔"

"ایگزیکٹلی۔" فرزین نے تائید کی۔

نگہت نے فرزین کو گھورا۔

"بابا' کپڑا ڈھنگ سے وہی پہنے گا جس کا ذوق اچھا ہو گا۔" نگہت بولی۔

"مجھے تم سے اتفاق نہیں۔ وسائل ہوں تو اکثر و بیشتر بدذوقوں کا ذوق بھی نکھر جاتا ہے۔" بابا کے لبوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ ایک گہری سانس کھینچنے کے بعد بولے۔ "ایک دلچسپ بات بتاؤں تمہیں...... جس طالب علم کو مجھے اس کی غلط حرکتوں کی وجہ سے کالج سے بحالت مجبوری نکالنا پڑا تھا' وہ کئی برس بعد ایک ایسی تقریب میں مجھے ملا جس میں مجھے مہمان خصوصی کی حیثیت سے مدعو کیا گیا تھا۔ تقریب میں کچھ انعامات بھی تقسیم ہونا تھے۔ "جنٹلمین آف دی ایوننگ" یعنی اس تقریب کے بہترین خوش پوش مرد کا انعام دینے کے لیے ایک نوجوان کا نام پکارا گیا' جب وہ روبرو آیا تو پتا چلا کہ وہ تو وہی لڑکا تھا جس کی غلط حرکتوں کی وجہ سے میں نہ چاہتے ہوئے بھی کالج سے اس کا نام خارج کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ تقریب کے اختتام پر وہ نالائق دوبارہ میرے پاس آیا اور اس نے سگار کا کش لے کر دھوئیں کے مرغولے میرے منہ پر چھوڑتے ہوئے کہا۔ ہیلو سر' آپ نے مجھے پہچانا؟ میں نے شرمندہ ہو کر کہا' ہاں پھر اس سے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو آج کل؟ بولا سر! کالج سے نکلنے کے بعد والد کے ساتھ ان کی ٹیلرنگ شاپ پر بیٹھ گیا تھا' اب اپنا بوتیک ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے' ٹیلر یا بوتیک چلانے والے بدذوق ہوتے ہیں!" نگہت نے بابا کی غلطی پکڑنے کی کوشش کی۔

"نہیں...... تم غلط سمجھی ہو۔"

"تو پھر؟"

"میں تو صرف یہ بتانے کی کوشش کر رہا ہوں تمہیں کہ خوش پوشی یا اچھا لباس انسان کے اچھا ہونے کی ضمانت یا علامت ہرگز نہیں۔"

"بہر حال' وہ مہذب لوگ ہیں' شریف لوگ ہیں۔"

"مجھے پھر اختلاف ہے۔"

"اب کیا ہوا؟"

"آدھ پون گھنٹے کی ایک ہی ملاقات میں تم نے ان کی شرافت کا اندازہ کیوں کر لگا لیا؟"

"وہ شریف لگ رہے تھے۔" نگہت کی آواز میں دبا دبا احتجاج تھا۔

بابا دھیرے سے یوں مسکرا دیے جیسے انہیں نگہت کی بات احمقانہ لگی ہو۔ پھر ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بڑی رسانیت سے بولے۔ "تمہارا تجربۂ حیات بہت کم' بہت کچا ہے بیٹی۔"

جویا زیرلب مسکرا دی۔

نگہت نے کن انکھیوں سے جویا کو دیکھا پھر زویا کی طرف نگاہ کی اور جویا کو زیرلب مسکراتے دیکھ کر تلملا سی گئی۔

"آپ کا خیال ہے' میں بےوقوف ہوں؟" نگہت نے بابا کی جانب دیکھا۔

بابا کی مسکراہٹ گہری پڑ گئی۔

"آپ سمجھتے ہیں' مجھے لوگوں کی پہچان نہیں؟"

"ہاں!" بابا بےساختہ بولے۔ "یہی ہے اصل بات۔"

"جی نہیں...... میں لوگوں کی خوب پہچان رکھتی ہوں۔"

"یہ سمجھتے ہیں کہ لوگوں کی پہچان بس انہی کو ہے۔" امی نے ابرو سے بابا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نگہت سے کہا۔

نگہت کو امی کی حمایت پا کر تقویت کا احساس ملا۔

"بیگم صاحبہ! خفا نہ ہوں۔" بابا بہت تحمل سے بولے۔ "مجھے کوئی دعویٰ' کوئی غلط فہمی نہیں...... میں تو نگہت بیٹی کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ غیر لوگ بلکہ کبھی کبھی تو اپنے قریبی لوگ بھی ایک عمر تک نہیں کھل پاتے۔ ان کی اصلیت کچھ ہوتی ہے' ظاہر میں وہ کچھ ہوتے ہیں تو صرف ایک ملاقات کے بعد اور وہ بھی بقول نگہت بیٹی کے آدھ پون گھنٹے کی ملاقات!...... کیونکر دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ وہ بہت اچھے اور شریف لوگ ہیں۔"

"بابا' آپ نہیں جانتے' وہ واقعی اچھے لوگ ہیں' خاندانی ہیں۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ خاندانی ہیں؟"

"ان کے چہروں سے لگتا ہے۔"

"چہرے دھوکا بھی دے جاتے ہیں۔"

"ان کے چہرے دھوکا دینے والے نہیں لگتے۔" نگہت بھی آمادہ جرح رہی۔

"تم ان کے خاندان سے واقف ہو؟" یقین نے مداخلت کی۔

"ان کی رشتے دار میری پڑوسن ہیں۔ میں انہیں جانتی ہوں...... بہت اچھی ہیں وہ۔"

"ضروری نہیں کہ ان کے رشتے دار بھی اچھے ہوں۔" فرزین نے کہا۔

"دیگ کا ایک چاول ہی دیکھا جاتا ہے۔" امی بولیں۔

"بیگم صاحبہ! بعض کہاوتیں سو فی صد درست نہیں ہوتیں۔" امی نے تیوری چڑھا کر بابا کو دیکھا۔

"بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ دیگ کا ایک چاول دیکھیں تو وہ نرم معلوم ہوتا ہے لیکن دیگ کو مزید دم پر رکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔"

"اچھا اب زیادہ بحث میں مت پڑیئے۔"

"بھئی' بحث میں نہیں پڑ رہا' نگہت بیٹی کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ صرف ایک مختصر سی ملاقات میں کسی کے بارے میں کوئی فیصلہ دے دینا عقلمندی نہیں ہوتی۔ ایک انسان کو سمجھنے کے لیے وقت چاہیے ہوتا ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے' وہ لوگ اچھے نہیں ہیں؟"

"خدانخواستہ یہ مطلب نہیں...... ہو سکتا ہے' بہت اچھے لوگ ہوں۔ بقول نگہت بیٹی کے مہذب' شریف اور خاندانی ہوں...... میرا مطلب یہ ہے کہ ظاہری چمک دمک کو انتخاب کا معیار نہ بنایا جائے۔ سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا جائے۔ دبئی میں اچھا برا' اصلی نقلی ہر طرح کا مال ملتا ہے۔"

جویا کے دل کی کلی مزید کھل اٹھی۔

"میری توبہ!" نگہت نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ "جو میں آئندہ لڑکی دیکھنے دکھانے کے چکر میں پڑوں...... نیکی برباد گناہ لازم۔"

"ارے بیٹی' تم ان کی باتوں کی پروا مت کرو...... یہ تو بس اپنا فلسفہ بگھارنے بیٹھ جاتے ہیں۔" امی نے نگہت کا ہاتھ دل میں لینے کی کوشش کی۔

"بس امی اب آپ لوگ خود ہی دیکھیے بھالیے۔ یہاں یہ حال ہے کہ اچھی لڑکی کی تلاش میں ہلکان ہوئے چلے جا رہے ہیں اور......"

"بابا جو بات کہہ رہے ہیں' وہ درست ہے۔" افتخار بولے۔

"آپ چپ رہیے جی۔" نگہت نے میاں کو ڈانٹا۔

"پاپا کو پھر ڈانٹ پڑ گئی ممی سے۔" نگہت کی چھوٹی بیٹی نے بےساختہ کہا۔

جویا اور زویا نے ایک دوسرے کو دیکھا اور جویا زیرلب مسکرا دی۔ اس کی مسکراہٹ نے امی کو خفیف کر دیا۔

"ارے بیٹا! ڈانٹا کہاں ہے' ایک بات کی ہے تمہاری ممی نے۔" امی نے نواسی کو سمجھاتے ہوئے جویا کو کن انکھیوں سے دیکھا۔

مدحت بجیا سے امی کی خفت برداشت نہ ہو سکی۔

"کہکشاں! میری جان! بڑوں کی باتوں میں نہیں بولتے چندا۔" وہ پیار سے بولیں۔

"توبہ توبہ!" امی کے لہجے میں تنبیہ بھی تھی' محبت بھی۔ "آج کل کے بچے کتنے منہ پھٹ ہو گئے ہیں۔"

بابا مسکرائے پھر بولے۔ "بیگم صاحبہ! بچے آج کے ہوں یا کل کے' بچے ہی ہوتے ہیں اور بچوں کی خاص خوبی یہ ہے کہ یہ بڑوں کی طرح منافق نہیں ہوتے۔"

"اور کوئی برائی رہ گئی ہو تو وہ بھی نکال دیجیے۔"

"اٹ از ٹو لیٹ بیگم صاحب۔"

مدحت بجیا' نزہت' یقین' فرزین' ذہین' افتخار سبھی بہا کے مذاق کو سمجھ کر مسکرا دیے اور ان کے ساتھ جویا اور رزدیا بھی دھیرے سے مسکرا دیں۔

"کیا کہہ رہے ہیں۔" امی نے تیوری چڑھا کر بہا کو دیکھا۔

"امی جی! ابا کہہ رہے ہیں کھانے کی میز پر اتنی لمبی بحث نظامِ ہضم کو متاثر کر سکتی ہے اس لیے یہ بحث ختم کیجیے۔" یقین بولا۔

"بحث کوئی میں نے چھیڑی تھی۔" امی نے خشمگیں نگاہوں سے بہا کو دیکھا' "خود ہی تو بات لمبی کر دیتے ہیں ریٹائر ہو گئے مگر ماسٹری کی عادت نہ گئی۔"

"اسی عادت کے سہارے تو زندہ ہیں۔"

"بہا' ہم نے آپ کی باتوں کے سہارے آج اتنا کھا لیا کہ اب سوڈا واٹر پینا پڑے گا۔" افتخار احمد اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر ڈکار لیتے ہوئے بولے۔

نگہت نے خشمگیں نگاہوں سے میاں کو دیکھا۔

افتخار احمد کے بعد ایک ایک کر کے سبھی اٹھتے چلے گئے۔

بہا ژرف نظروں سے نگہت کے چہرے کے خطوط دیکھتے ہوئے اٹھے جو خاصے بگڑے ہوئے نظر آتے تھے۔

"بیٹا' آپ لوگ جلدی جلدی اپنے بیگ اور تھرماس وغیرہ اٹھائیے گھر چلنا ہے۔" نگہت نے بچیوں سے کہا۔

"ابھی سے!" افشاں حیرانی سے بولی۔

"ہاں۔"

"ممی' شام کو۔" چھوٹی والی منمنائی۔

"ہاں' نگہت شام کو چلی جانا۔" مدحت بجیا نے کہا۔

"نہیں...... بس اب جائیں گے۔"

"ارے بھئی' رک جاؤ' شام کو چلی جانا۔ میں تمہیں اور بچیوں کو گھر چھوڑ کر آفس چلا جاؤں گا۔" جانے کو دل تو نگہت کا بھی نہیں تھا مگر اس کا موڈ آف ہو چکا تھا اور وہ میکے والوں پر اپنی ناراضگی کا بھرپور اظہار کرنا چاہتی تھی۔

امی نے بہا کو شاکی نگاہوں سے کچھ اس طرح دیکھا' جیسے کہتی ہوں' دیکھا آپ کی باتوں نے نگہت کو ناراض کر دیا' روٹھ کے جا رہی ہے۔"

بہا نے نگہت کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

نگہت نے چونک کر بہا کو دیکھا۔

"بیٹی! جب تک زندہ ہیں' بول لیتے ہیں۔ ہماری باتوں کا برا مت منایا کرو...... مر جائیں گے تو یاد کیا کرو گی۔"

خدا جانے یہ بہا کے ہاتھوں کے لمس کا اثر تھا یا ان کے دردمند لہجے کی تاثیر کہ نگہت پلک جھپکتے میں پسیج گئی۔

افتخار کو فرزین اپنے کمرے میں کھینچ لے گیا اور نگہت کو امی اپنے کمرے میں لے گئیں۔ مدحت بجیا بھی وہیں آ گئیں۔ دونوں بچیوں کو نزہت اپنے ساتھ لے گئی مگر خود جلدی ہی اونگھنے لگی۔

امی کے کمرے میں امی' مدحت بجیا اور نگہت کی محفل جمی۔ بہا قیلولہ کرنے اپنے بستر پر لیٹ گئے۔

پھر فرزین کی شادی اور لڑکی کا مسئلہ چھڑا تو مدحت بجیا بولیں۔ "امی! اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک بات کہوں؟"

"ہاں...... کہو۔"

"فرزین کے لیے لڑکی ہم اپنے عزیزوں میں کیوں نہیں دیکھتے پہلا حق تو انہی کا ہے۔"

اس سے پہلے کہ امی یا نگہت کچھ کہتیں' بہا بولے۔ "بھئی واہ! مدحت بیٹی' تم نے میرے دل کی بات کہہ کر میرا دل خوش کر دیا۔ اگر فرزین میاں کی شادی اپنوں میں ہو جائے تو کیا کہنے۔"

"ہرگز نہیں۔" امی دوٹوک لہجے میں بولیں۔

"کیوں بھئی؟" بہا نے حیرانی سے پوچھا۔

"بس مجھے خاندان میں نہیں کرنی ہے۔"

"وجہ؟"

"میری مرضی۔"

"یہ تو کوئی خاص وجہ نہ ہوئی۔"

"خاص ہو یا عام' میں فرزین یا ذہین کسی کی شادی بھی خاندان میں نہیں کروں گی...... اول تو خاندان میں اچھی لڑکی ہے ہی کہاں...... سب بس یونہی سی ہیں۔"

"ایک تو آپ خواتین...... میرا مطلب ہے لڑکے کی ماں بہنیں حسن پرست بہت ہوتی ہیں' لڑکی کی صورت شکل پر جاتی ہیں۔"

"اے تو پھر کاہے پر جائیں۔"

"بھئی' حسنِ سیرت پر جایئے...... حسنِ سلیقہ دیکھیے...... بات کرنے کا انداز دیکھیے...... صورت کی بجائے سیرت کی خوبیوں کی تلاش کیجیے۔ حسنِ صورت عارضی ہے' حسنِ سیرت دائمی۔"

"ماسٹر صاحب' دیکھنے والوں کی نظر سب سے پہلے حسنِ صورت پر ہی پڑتی ہے اس لیے دیکھنا پڑتا ہے کہ لڑکی ٹھیک ٹھاک نقشے کی ہو ورنہ......"

"ورنہ؟"

"ورنہ بیٹے الگ ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور دیکھنے والے ماں بہنوں پر تہمت دھرتے ہیں کہ بہو اس لیے اچھی نہیں لائیں کہ کہیں بیٹے کے دل نہ چڑھ جائے...... آپ کو کیا پتا دنیا سے نمٹنا کتنا مشکل ہے۔"

بیا زیرِ لب مسکرائے پھر بولے۔ ''بھئی' ہم نے تو خدا بخشے اپنے والدین کی پسند پر کبھی ناک بھوں نہیں چڑھائی۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' امی نے بیا کو تیوری چڑھا کر دیکھا۔

مدحت بجیا بیا کی مسکراہٹ میں اپنا حصہ بنائے بنا نہ رہیں۔

''میں سب سمجھتی ہوں۔'' امی نے گہری نگاہوں سے بیا کو دیکھا۔ ''مس صدیقی تک سے کر لیتے نا۔'' مدحت بجیا نے چونک کر بیا کو دیکھا۔

نگہت نے حیرانی سے پہلے امی کو پھر بیا کو دیکھا۔

بیا نے خفیف ہو کر بیٹیوں سے نظریں چرائیں۔

مدحت بجیا کی نگاہوں میں استفہامیہ کیفیت لہرائی مگر سوال ان کی زبان پر نہ آ سکا' تاہم نگہت نے بیا ہی سے پوچھا۔ ''ابی مس صدیقی کون؟'' نگہت کے لہجے میں استفہامیہ کیفیت بھی تھی اور تجسس کا عنصر بھی۔

''تھیں ان کی ایک ساتھی۔'' امی طنزیہ لہجے میں بولیں۔

''ہیں ابا؟'' نگہت نے انتہائی تجسس سے ابا کی طرف دیکھا۔

''ارے بیٹا...... نہیں۔'' بیا نظریں جھکا کر بولے۔ ''تمہاری امی تو بس......''

''ہاں ہاں' کہہ دیجیے' جھوٹ بولتی ہوں۔'' امی بولیں۔

''ارے بھئی' فرزین کی شادی کی فکر میں تمہیں مس صدیقی کہاں سے یاد آ گئیں!''

''ماسٹر صاحب! مس صدیقی سے تو مجھے سوکنوں کا سا جلاپا رہا۔''

''لاحول ولاقوۃ' کیا خرافات ہے۔'' بیا نے سر جھٹکا' پھر بولے۔ ''آپ فرزین کی بات کیجیے۔ اپنوں میں کیوں نہیں دیکھتیں کوئی لڑکی اس کے لیے۔ اپنے بہن بھائیوں کی بچیوں میں سے کوئی دیکھ لیجیے یا پھر میرے بہن بھائیوں کی اولاد میں دیکھ لیجیے۔''

''کسی قیمت پر نہیں۔''

''کیوں امی؟'' مدحت بجیا بولیں۔

''بس...... ایک ہی کو لا کر پچھتا رہے ہیں ہم۔''

''آپ کا مطلب ہے جویا؟''

''ہاں۔''

''صاحب...... برا مت منائیے گا' آپ خواتین کی یہ عادت بھی خوب ہے۔'' بیا نے مداخلت کی۔

''کون سی عادت؟''

''کہ لڑکی اپنے گھر لانے سے پہلے تو آپ کو وہ مع اپنے اہلِ خانہ آسمان سے اتری ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ وہ تعریفیں کی جاتی ہیں لڑکی اور اس کے گھر والوں کی کہ معاذ اللہ...... مگر ادھر لڑکی کو بیاہ کر گھر لائے' ادھر آپ کو اس کی اچھائیاں بھی برائیاں نظر آنے لگیں...... بیا نے امی کی طرف دیکھا' پھر

بولے۔ ''اتنا عرصہ بھی نہیں گزرا ہے کہ آپ بھول گئی ہوں...... مجھے یاد ہے کہ جب یقین کی شادی کی بات چیت چل رہی تھی اور آپ خواتین باجماعت ہونے والی بہو کے گھر کے پھیرے لگا رہی تھیں تو ہر پھیرے کے بعد اپنے گھر واپسی پر آپ جویا اور ان کے گھر والوں کی تعریف میں گھنٹوں زمین آسمان کے قلابے ملایا کرتی تھیں۔ پھر اب کیا ہوا؟''

''انسان کی حقیقت اس کے برتنے پر کھلتی ہے۔ چند ملاقاتوں میں کیا پتہ چلتا ہے۔'' امی بولیں۔

''بس! بس! بس! کھانے کی میز سے اب تک ہونے والی گفتگو کا ماحصل آپ کی یہی بات ہے...... یہی بات میں نے کہی تھی جس پر نگہت بیٹی ناراض ہو گئی تھیں۔''

''ویسے بیا' جویا اتنی بری بھی نہیں ہیں'' مدحت بجیا نے کہا۔

''معاف کیجیے گا' اتنی اچھی بھی نہیں ہیں۔'' نگہت تنک کر بولی۔

''بیٹی' سو فی صد تو کوئی بھی اچھا نہیں ہوتا۔'' بیا بولے۔ پھر انہوں نے مزید کہا۔ ''پلس مائنس پوائنٹس ہر انسان میں ہوتے ہیں۔ ففٹی ففٹی بلکہ سکسٹی فورٹی پر بھی کام چل جاتا ہے۔ میرا مطلب ہے اگر کسی شخص میں چھ خامیاں اور چار اچھائیاں ہوں تو بھی برا نہیں' گزارا ہو سکتا ہے۔''

''جیسے ہم نے کیا۔'' امی بولیں۔

بیا نے چونک کر امی کی طرف دیکھا۔ وہ زیرِ لب مسکرا رہی تھیں۔

بیا بھی مسکرا دیے اور بولے۔ ''شکریہ بیگم صاحبہ۔''

''ویسے نزدیا مجھے اچھی لگتی ہے...... تمیز دار اور سمجھدار ہے۔'' بجیا نے کہا۔

''اونہہ!'' نگہت نے گردن جھٹکی اور بڑبڑائی۔ ''ہمارے بھائی کے لیے وہی رہ گئی ہے۔''

''میں نے ایک مشورہ دیا تھا نگہت۔'' بجیا نے رسانیت سے کہا۔

''مجھے تو مشورہ بھی پسند نہیں۔'' نگہت تنک کر بولی۔

''کوئی بات نہیں۔'' بجیا نے کسی بحث میں الجھنا مناسب نہ سمجھا۔

''ویسے بھی ایک گھر میں دو بہنیں نہیں بیاہنی چاہئیں۔'' امی نے کہا۔

''کس صحیفے میں لکھا ہے؟'' بیا بولے۔

''سیانوں کی رائے ہے۔''

''رائے بھی بدل سکتی ہے۔ اکبری اور اصغری دونوں بہنیں ایک ہی گھر میں دو سگے بھائیوں سے بیاہ کر گئی تھیں۔ ایک اپنی نادانی اور پھوہڑپن کے سبب خود بھی ناخوش رہی' دوسروں کو بھی ناراض رکھا۔ دوسری نے اپنی سمجھداری اور خوش سلیقگی سے سب کا دل موہ لیا۔''

''ہیں! بیا اکبری اور اصغری کون تھیں؟'' امی چونکیں۔

''مس صدیقی کی بھتیجیاں۔'' بیا مسکرا کر بولے۔

''دیکھا۔'' امی نے دونوں بیٹیوں کو باری باری دیکھا' پھر بیا کو گھورتے ہوئے بولیں۔ ''مس صدیقی سے کہ تو اور سے خاندان کے قصے ازبر ہوں گے آپ کو۔''

بیا کی مسکراہٹ گہری پڑ گئی۔

''کسی روز کہیں مل گئیں نا' آپ کی وہ مس صدیقی تو سارے بخیے ادھیڑ کر رکھ دوں گی ان کے۔'' اماں نے وارننگ دی۔

''اب بھی! بھئی اب تو وہ بے چاری ہماری طرح پھونس ہو گئی ہوں گی۔''

''اب بھی کیا! میں تو میدانِ حشر میں بھی ان کو پکڑ لوں گی۔''

مدحت اور نگہت دونوں نے بیا کو دیکھا کہ برس ہا برس بعد آج کیسا عجیب و غریب انکشاف کیا تھا' امی نے ان کے بارے میں!

بیا بیٹیوں کی نگاہوں کی تاب نہ لا کر جھینپ گئے۔

''بس اب تمہاری امی کھل گئی ہیں' اب مس صدیقی کا ذکر اکثر و بیشتر رہے گا ہمارے گھر میں۔''

''بیا! مس صدیقی تھیں کون؟'' نگہت نے بڑے تجسس سے پوچھا۔

''بیٹی! نیم تاریکی میں سانپ نظر آنے والی رسی تھی وہ!''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ وہ میری کلاس فیلو تھیں' پھر جب میں کالج میں پڑھانے لگا تھا تو اتفاقاً ان کی تعیناتی بھی اسی کالج میں ہو گئی۔ جب میں پرنسپل ہو گیا تو وہ میری ماتحتی میں آ گئیں۔ ساتھ طویل رہے تو بے تکلفی اور ایک دوسرے سے ہمدردی پیدا ہو ہی جاتی ہے۔ بس یہ قصہ ہے۔''

''اور ایسا دلچسپ قصہ ہے کہ انہیں مس صدیقی کی بھانجیوں' بھتیجیوں تک کے خانگی حالات معلوم ہیں۔''

''مدحت بیٹی۔'' بیا نے بجیا کو مخاطب کیا۔

''جی بیا۔''

''بیٹی اپنی امی کو بتاؤ کہ اکبری اور اصغری کون تھیں۔''

''بیا میں تو نہیں جانتی انہیں۔''

''ہیں!'' بیا نے انتہائی حیران ہو کر بے یقینی سے بجیا کو دیکھا۔ ''تم نہیں جانتیں؟''

''جی نہیں۔''

''تعجب ہے!'' بیا بولے پھر انہوں نے کہا۔ ''ڈپٹی نذیر احمد کے ایک مشہور ناول کے دو کردار ہیں یہ۔''

''جی ...... جی ...... مجھے یاد آ گیا۔'' نگہت بولی پھر استفہامیہ لہجے میں بیا سے پوچھا۔ ''وہی قصہ نا بیا جس میں ایک شاطر عورت اکبری سے سونے کا سارا زیور اتروا کر اسے لوٹ کر چلی جاتی ہے؟''

''بالکل ...... بالکل۔''

''ارے امی۔'' نگہت ہنسی۔ ''اتنے مزے کا قصہ ہے کہ کیا بتاؤں ...... میں سناؤں گی کسی وقت آپ کو تفصیل سے۔''

امی نے گہری تادیبی نگاہوں سے بیا کو دیکھا پھر نگہت سے بولیں۔ ''کسی وقت میں بھی تمہیں مس صدیقی کا قصہ سناؤں گی تفصیل سے۔''

''جب سنانے بیٹھیں تو مجھے بھی طلب کر لیجیے گا۔'' بیا مسکرا کر بولے۔

''معلوم ہوتا ہے' فرزین کے لیے جوڑ کی ڈھونڈنے بیٹھے تھے' ہم لوگ وہ تو بھول بھلیوں میں کھو گئی۔'' مدحت بجیا نے کہا۔

''خدا نہ کرے! کیسی باتیں کرتی ہو مدحت۔'' امی نے انہیں قدرے ناگواری سے دیکھا۔

مدحت بجیا خفیف ہو گئیں' تبھی فرزین آ گیا۔

''میرا مطلب یہ تھا' امی کہ ہم لوگ اصل موضوع سے ہٹ کر دوسری بحث میں الجھ گئے۔'' بجیا بولیں۔

''کوئی نئی بات نہیں۔'' بیا بولے۔ ''یہ اس گھر کی روایت بن چکی ہے۔''

''زندگی بہت فاسٹ ہو چکی ہے بیا۔'' فرزین نے کہا۔ ''لمبی بحثیں جیسی کہ اکثر ہمارے گھر میں چھڑ جاتی ہیں' یہ افورڈ نہیں کر سکتی۔ کام کی اور مطلب کی بات ہونی چاہیے یعنی بات کم اور کام زیادہ۔''

''تمہارا مطلب ہے' انسان مشین بن جائے۔'' امی نے ابرو چڑھا کر فرزین کو دیکھا۔ یوں لگتا تھا جیسے فرزین سے ان کی خفگی ابھی پورے طور چھٹی نہ تھی۔

''میرا یہ مطلب نہیں امی۔''

''تو پھر کیا مطلب ہے؟''

''میرا مطلب ہے' ہم لوگ باتیں زیادہ کرتے ہیں' کام کم ...... گھروں میں، دکانوں میں' دفتروں میں جہاں چلے جائیے' کام کم ہو رہا ہے' باتیں زیادہ۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو فرزین میاں۔'' بیا نے تائید کی۔ ''من حیث القوم ہم باتونی زیادہ ہو چکے ہیں' کام کم کرتے ہیں۔''

''باہر چلے جائیے' لوگ مسکراتے ہوئے ایک دوسرے سے ہیلو ہائے کریں گے' پھر اپنے اپنے کاموں میں لگ جائیں گے۔ یہاں یہ عالم ہے کہ شناسا سرِ راہ بھی ملتے ہیں تو کوشش ہوتی ہے کہ موسم کے احوال سے پرائم منسٹر ہاؤس تک کی غیبتیں مکمل ہونے تک مصافحے کے لیے ملائے جانے والے ہاتھ جدا نہ ہونے پائیں۔''

''یہ باتیں تھوڑی ہو رہی ہیں' کام ہو رہا ہے۔'' امی نے بیا اور فرزین کو دیکھتے ہوئے نگہت اور مدحت بجیا کو طنزیہ لہجے میں جتایا۔

''فرزین بھولنا نہیں' ابھی تم خود کہہ چکے ہو کہ زندگی بہت تیز رفتار ہو چکی ہے' لمبی گفتگو کی متحمل نہیں ہو سکتی۔'' بجیا بولیں۔

''اوہ! آئی ایم سوری۔'' فرزین بجیا کا مطلب سمجھ کر جھینپ گیا۔

''ہم ہوں یا بیا بہتر ہے جاتے ہیں۔'' بیا نے کہا۔

"میں آپ لوگوں سے یہ پوچھنے کے لیے آیا تھا کہ افشاں اور کہکشاں کو آئس کریم کھلانے کے لیے لے جا رہا ہوں میں...... آپ میں سے کسی کو آئس کریم کھانی ہے؟"

نگہت نے فوراً اپنا ہاتھ بلند کر دیا اور ساتھ ہی پوچھا۔ "افتخار کہاں ہیں؟"

"آپ ہاتھ نہ بھی اُٹھائیں تو مجھے معلوم ہے کہ آپ انکار نہیں کریں گی...... آپ کے میاں میرے کمرے میں آرام فرما ہیں۔" نگہت خفیف ہو گئی۔

"اچھا مت لانا۔" اس نے اپنا ہاتھ نیچے کر لیا۔

"ایک تو آپ ناراض بہت جلدی ہو جاتی ہیں۔" فرزین بولا۔

"تو تم باتیں ایسی کیوں کرتے ہو؟"

"مسافر آدمی ہوں' کم کم دنوں کے لیے گھر آتا ہوں' میری باتوں کا برا نہ منایا کریں۔"

امی کو اپنا دل پگھلتا محسوس ہوا۔

یک لخت ان کے دل سے فرزین کے لیے خفگی کی دھند چھٹ گئی۔ انہیں تاسف ہونے لگا کہ کیوں اپنے اس مسافر بیٹے کو ڈانٹا!

"بجیا! آئس کریم؟" فرزین نے استفہامیہ نگاہوں سے بجیا کو دیکھا۔

"نو تھینکس۔"

فرزین ابا اور امی کی طرف متوجہ ہوا۔

ادھر جویا کے کمرے میں زویا گھر واپس جانے کو تیار ہو رہی تھی۔ کھانے کے بعد جب اس نے جویا سے کہا۔ "بجو! مجھے گھر جانا ہے۔" تو یقین بولا۔

"تم تو ایک دو روز رہنے کے پروگرام سے آئی تھیں زویا۔"

"وہ...... یقین بھائی...... آئی ایم سوری...... مجھے یاد ہی نہیں رہا تھا کہ آج شام مجھے اپنی ایک دوست کے ہاں جانا ہے۔"

"دوست کے ہاں کل پرسوں چلی جانا۔" یقین نے اٹیچڈ باتھ روم کا رخ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں اور کیا۔" جویا کے ملال اور غصے میں کافی اضافہ ہو چکا تھا اور اب وہ زویا کو روکنا اور اچھی طور رخصت کرنا چاہتی تھی جیسے اس نے سوچا تھا۔

اس نے سوچا تھا' بہن پہلی مرتبہ گھر آئی ہے' اسے تھوڑی سی سیر و تفریح کروا کے اور اس کی پسند سے اسے تھوڑی سی شاپنگ کروانے کے بعد گھر چھوڑ کر آئے گی۔

مگر......!

"نہیں بجو! مجھے جانا ہے...... مجھے خیال ہی نہیں رہا تھا کہ آج میری دوست کی سالگرہ ہے۔"

زویا نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

جویا سمجھ گئی کہ وہ بہانہ کر رہی تھی!

"ادھر میری طرف دیکھو۔" جویا نے حکمیہ لہجے میں کہا۔

زویا نے اس کی طرف دیکھا۔

"سچ کہہ رہی ہو؟"

"جی۔" وہ نظریں چرا کر بولی۔

"بری بات۔" جویا اس کے روبرو جا کھڑی ہوئی۔ "بڑوں سے جھوٹ نہیں بولتے۔ تم ان لوگوں کی باتوں کی وجہ سے جا رہی ہو؟" جویا کے لہجے میں ملال آمیز خفگی تھی۔

"کن لوگوں کی؟" زویا نے تجاہلِ عارفانہ کا مظاہرہ کیا۔

"بڑی بی اور بی جمالو نگہت کی۔" جویا باتھ روم میں یقین کی موجودگی کے خیال سے بہت دھیمی آواز میں بول رہی تھی۔

زویا نے گھبرا کر چاروں اطراف یوں نظر دوڑائی' جیسے دیواروں کے کان تلاش کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"نہیں...... نہیں تو۔"

"تم لاکھ انکار کرو مگر مجھے معلوم ہے کہ یہی بات ہے۔" جویا نے زویا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

زویا کو جویا کی آواز دور بہت دور سے آتی محسوس ہوئی۔

"بجو!" وہ جویا کو ہمدردانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔ "کیا یہاں سارا وقت اسی قسم کی باتیں ہوتی رہتی ہیں؟"

"نگہت کی موجودگی میں اکثر اور ویسے کبھی کبھی۔"

"پلیز! مجھے جانے دیں۔"

"تم اس طرح جاؤ گی تو اماں کیا سوچیں گی! بھابی کیا کہیں گی!"

"ان کی فکر نہ کریں...... میں کوئی بہانہ کر دوں گی۔ شام کو کسی سہیلی کے ہاں چلی جاؤں گی۔"

جویا کچھ دیر کو سوچ میں پڑ گئی' پھر نیم دلی سے بولی۔ "اچھا ٹھیک ہے...... مگر دیکھو چاہے اماں کو بتا دینا' بھابی کو کچھ نہ بتانا...... وہ خوش ہوں گی۔"

"آپ فکر نہ کیجیے' میں اتنی بیوقوف نہیں ہوں۔ اماں سے بھی کچھ نہیں کہوں گی۔"

"نہیں...... اماں کو تو تم بتا دینا بلکہ ضرور بتا دینا تاکہ اماں کو ان لوگوں کی حقیقت پتا چلے۔"

"ویسے بجو! زیادہ تر لوگ تو اچھے ہیں' آپ کی سسرال میں جیسے آپ کے سسر' مدحت بجیا' نزہت اور فرزین۔"

"فرزین بھی۔" جویا نے بہن کو گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں!" وہ نظریں جھکا کر بولی۔

جویا اپنی وارڈروب کی طرف بڑھی۔ اپنے بیگ میں سے سو سو کے دو نوٹ نکالے، انہیں مٹھی میں دبائے زویا تک پہنچی اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اپنی مٹھی میں دبے پیسے اس کی مٹھی میں منتقل کرتے ہوئے بولی۔ "تم رہتیں تو ہم لوگ بازار بھی چلتے...... یہ پیسے رکھ لو اپنی پسند سے کوئی چیز خرید لینا۔"

"نہیں بجو! اس کی کوئی ضرورت نہیں۔" زویا متردد ہوئی۔

"شش۔" جویا نے باتھ روم کے دروازے کی سمت دیکھتے ہوئے دبی دبی آواز میں اس سے کہا۔ "رکھ لو۔ یہ میرے پیسے ہیں' کسی اور کے نہیں۔"

"پلیز!"

"بری بات...... شاباش رکھ لو۔"

زویا نے جھینپ کر نوٹ مٹھی میں دبا لیے۔

"ویسے شام کو چلی جاتیں تم تو اچھا تھا۔" جویا بولی۔

اس سے پہلے کہ زویا کوئی جواب دیتی' یقین نے باتھ روم کا دروازہ کھول کر کمرے میں آتے ہوئے کہا۔ "ہاں بھئی تو پھر کیا طے پایا؟"

"یہ تو ابھی جانے کو کہہ رہی ہے۔"

"بھئی! ابھی جانا ضروری ہے کیا؟"

"جی ہاں' یقین بھائی' شام کو مجھے اپنی دوست کی سالگرہ میں جانا ہے' اب جا کر تیاری کروں گی۔"

"اتنی لمبی تیاری! شام تو ابھی بہت دور ہے۔"

"چلیے چھوڑ آتے ہیں۔" جویا نے یقین سے کہا۔

"ارے بھئی کیسی بہن ہو' فوراً تیار ہو گئیں۔"

"مجبوری ہے۔"

"ٹھیک ہے صاحب۔"

تینوں کمرے سے باہر نکلے تو برآمدے میں فرزین کو نگہت کی دونوں بچیوں سے کہتے سنا۔ "چلو تم دونوں گاڑی میں جا کر بیٹھو۔"

"کیا کہیں جا رہے ہو؟" یقین نے پوچھا۔

"جی ہاں...... ان دونوں شریر بچیوں نے "ماموں جان آئس کریم" کی ایسی رٹ لگا رکھی ہے کہ مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں کچھ دیر اور انہیں آئس کریم کھلانے نہ لے گیا تو میرا نام فرزین کی بجائے آئس کریم ہو جائے گا۔" دفعتاً وہ چونکا اور ان تینوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "کہیں جا رہے ہیں آپ لوگ؟"

"ہاں...... زویا کو گھر پہنچانا تھا...... ٹھیک ہے' تم جاؤ...... ہم ٹیکسی لے لیں گے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ایسا کریں' پہلے آپ لوگ ہو آئیں' ہم لوگ بعد میں چلے جائیں گے' ٹھیک ہے نا بیٹا؟" فرزین نے بھانجیوں کی طرف دیکھا۔

"ماموں جان! پہلے ہم۔" افشاں لجاجت سے بولی۔

"ہاں ماموں جان۔" کہکشاں نے فرزین کا ہاتھ تھامتے ہوئے بہن کی تائید کی۔

"بیٹا! ماما... اور مامی کو زیادہ ضروری جانا ہے۔" فرزین نے بچیوں کو بہلانے کی کوشش کی۔

"اچھا ایسا کریں' آپ ہم لوگوں کو پاپا کی گاڑی میں لے چلیں۔" افشاں نے مشورہ دیا۔

"توبہ کرو۔" فرزین نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ "تمہارے پاپا کی بنل گاڑی وہی چلا سکتے ہیں۔"

"اوں!" کہکشاں نے منہ بسورا۔ "آپ ہمارے پاپا کی گاڑی کو بنل گاڑی کہہ رہے ہیں' ممی سے کہوں گی۔"

"ارے بھئی۔" فرزین نے ہاتھ جوڑ دیے۔ "سب سے کہنا' اپنی ممی جان سے نہ کہنا' وہ آئس کریم ماموں جان کی جان کو آ جائیں گی۔"

زویا دھیرے سے مسکرا دی۔

"چلیے۔" جویا نے یقین کو ٹھوکا دیا۔

فرزین نے گاڑی کی چابی یقین کی جانب بڑھائی۔

"نہیں' تم ان لوگوں کو لے جاؤ' ہم چلے جائیں گے۔"

"اوہو! یقین بھائی۔"

"ایسا کریں نا' ماموں جان' ہم سب چلتے ہیں۔" افشاں بولی۔

"گڈ!" فرزین نے چٹکی بجائی اور افشاں کا سر تھپتھپاتے ہوئے بولا۔ "بھئی واہ' تم تو بڑی عقلمند بچی ہو' جو بات ہم بڑوں کی سمجھ میں نہ آئی' وہ تم نے سوچ لی۔"

"میں فرسٹ آئی ہوں اپنی کلاس میں۔" افشاں بولی۔

"چلیے جناب۔" فرزین نے ان تینوں کی طرف دیکھا۔ "اکٹھے چلتے ہیں' آئس کریم بھی کھلا دیں گے ان شریر لڑکیوں کو اور انہیں بھی پہنچا دیں گے۔"

"ایسا کرو نا یار' دونوں نیک کام تم ہی کیوں نہ کر دو۔ ہم ذرا تھک گئے ہیں' آرام کریں گے۔" یقین بولا۔ زویا نے بے ساختہ چونک کر پہلے بہنوئی کو پھر بہن کو دیکھا۔ وہ فرزین کے ساتھ اکیلے جانے میں متردد نظر آتی تھی۔

جویا کو بھی اس خیال سے تردد ہوا کہ محض ایک ساتھ چلنے پر تو اتنی تلخی ہوئی تھی' فرزین کے ساتھ زویا کے اکیلے جانے پر نہ جانے کیسا فساد کھڑا ہو جائے۔

وہ یقین کی بات سختی سے رد کرنے کو تھی کہ اچانک ایک انوکھا خیال سوجھا اور وہ یہ کہ کیوں نہ زویا کو فرزین کے ساتھ بھیج کر امی اور نگہت کو تڑپنے اور بلبلانے پر مجبور کر دے۔

اور پھر کیا عجب کہ فرزین کے ساتھ زویا کے جانے سے وہ مقصد بھی حاصل ہو جائے جس مقصد سے اماں نے زویا کو اس کے ساتھ بھیجا تھا!

وہ سوچ میں پڑ گئی۔

اسے امی اور نگہت کی حواس باختگی اور تلملاہٹ کے تصور ہی سے اُن کہی طمانیت اور مسرت محسوس ہونے لگی۔

کتنا مزا آئے گا جب انہیں معلوم ہوگا کہ فرزین زویا کو چھوڑنے کے لیے گیا ہے! کیسی جلیں گی دونوں

کتنی تڑپیں گی!!

جویا کا دل کھلنے لگا۔

”ہاں زویا! تم فرزین کے ساتھ چلی جاؤ۔“ جویا نے کہا۔

”بجو۔“ زویا منمنائی۔

فرزین نے قدرے بے یقینی سے جویا کو دیکھا۔

”کوئی بات نہیں زویا..... جاؤ فرزین چھوڑ دیں گے۔“ جویا چاہتی تھی کہ کسی چھاپا مار کی آمد سے پہلے وہ لوگ چلے جائیں۔

”چلیے۔“ فرزین نے زویا سے کہا۔

وہ متردد ہوئی۔

”اوہو! جاؤ بابا۔“ جویا کو وہ ایک خیال اُن کہی مسرت بخش رہا تھا۔

”وہ پبلک ٹرانسپورٹ سے چلی جاتی بجو۔“

”بھئی تم یہی سمجھنا کہ پبلک ٹرانسپورٹ سے جا رہی ہو۔“ یقین مسکراتے ہوئے بولا پھر اس نے اضافہ کیا۔ ”بس ذرا ڈرائیور تھوڑا سا پڑھا لکھا اور اسمارٹ ہے۔“

”جو مرضی آئے کہہ لیجیے اس وقت آپ کے رحم و کرم پر ہوں۔“ فرزین نے کہا۔

”بجو! میں آپ کی ساس اور سسر کو خدا حافظ تو کہہ دوں۔“ زویا نے آہستہ سے جویا سے کہا۔

”چھوڑو..... دفع کرو۔“ جویا نے بہت ہی دھیرے سے کہا۔

”نہیں بجو! یوں جانا تو برا لگے گا اور نزہت سے بھی تو ملنا ہے مجھے۔“

”وہ تو دوپہر کو کھانے کے بعد لمبی تان کر سونے کی عادی ہے' سو رہی ہوگی۔“

تبھی مدحت بجیا اس طرف آنکلیں۔

”ارے زویا' کہیں جا رہی ہو؟“ بجیا نے زویا کے کندھے پر بیگ لٹکا دیکھ کر پوچھا۔

”جی..... گھر جا رہی ہوں۔“

”کیوں؟ دو ایک روز تو رہتیں۔“

”جہاں انسان کو عزت نہ ملے' وہاں رہنے سے فائدہ۔“ جویا نے کہا۔

جویا کی بات پر بجیا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور بولیں۔ ”ہوا کیا؟“

”مجھ سے نہیں' کسی اور سے پوچھیے۔“

”کس سے؟“

”فرزین سے..... نزہت سے یا ان سے۔“

”اچھا جناب' میں انتظار میں کھڑا ہوں۔“ فرزین بولا۔

بجیا آ گئی تھیں' اب جویا کو فرزین کے ساتھ زویا کا بھیجنا مناسب نہ لگا۔

”فرزین' تم جاؤ پلیز۔“

”فرزین' تم باہر جا رہے ہو تو ذرا مجھے بھی چلنا ہے تمہارے ساتھ [illegible]“

”بجیا آپ جا رہی ہیں' فرزین کے ساتھ تو ذرا زویا کو بھی گھر تک ڈراپ کر دیجیے گا۔“ یقین بولا۔

”شیور۔“ بجیا نے زویا کی طرف دیکھا پھر بولیں۔ ”بس دو منٹ میں آ رہی ہوں میں اپنے کمرے سے دوپٹہ لے کر۔“

زویا نے اطمینان کا سانس لیا۔

”میں گاڑی باہر نکالتا ہوں آپ بجیا کے ساتھ آ جائیے۔“ فرزین نے زویا سے کہا۔

”جی اچھا۔“

فرزین کے ساتھ ساتھ افشاں اور کہکشاں بھی چلی گئیں۔

”بجو! میں آپ کی ساس اور سسر سے ملے بغیر گئی تو وہ لوگ کیا سوچیں گے۔“ زویا نے ایک مرتبہ پھر جویا سے کہا۔

”جو مرضی آئے سوچیں' پروا مت کرو۔“

”سسر تو آپ کے بہت اچھے ہیں۔“

”کیا باتیں ہو رہی ہیں دونوں بہنوں میں چپکے چپکے؟“ یقین جو ان دونوں سے کچھ فاصلے پر کھڑا تھا ان کے نزدیک آ کھڑا ہوا۔

”میں زویا کو سمجھا رہی ہوں کہ گھر جا کر یہاں کی کوئی بات نہ کرے۔“ جویا نے اپنی دانست میں یقین پر احسان دھرنے کی کوشش کی۔

وہ شرمندہ اور ممنون دکھائی دینے لگا' جیسے جویا اس گھر کے کسی بہت بڑے عیب پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہی ہو۔

تبھی مدحت بجیا گرگابیوں کی جگہ سینڈلیں پہن کر اور ملگجے دوپٹے کی جگہ استری شدہ دوپٹہ اوڑھ کر کندھے پر بیگ لٹکائے آ پہنچیں۔ ان کے دائیں ہاتھ میں ایک شاپنگ بیگ جھول رہا تھا۔ فرزین گیٹ سے گاڑی بہت تیزی سے باہر نکال کر لے جا رہا تھا اور موجو گیٹ کھولے کھڑا تھا۔

”آؤ زویا۔“ مدحت بجیا نے کہا۔ ”کہیں ایسا نہ ہو کہ فرزین ہمیں چھوڑ جائے۔“

زویا کو رخصت کرنے کے لیے جویا اور یقین گیٹ تک گئے۔

جویا اس وقت تک گیٹ پر کھڑی رہی' جب تک گاڑی اس کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو گئی۔ جب وہ پلٹی تو اس کے دل پر بوجھ سا تھا اور اسے اپنی آنکھوں کے کناروں پر سیلن سی محسوس ہو رہی تھی۔ یقین اس کی کیفیت تاڑ گیا۔

اپنے کمرے میں آنے کے بعد وہ شکستہ دل سی مسہری کے کنارے پر بیٹھ گئی۔ یقین اس کے پاس ہی آ بیٹھا۔

”یقین!“ وہ ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بولی۔ ”کیا..... اس گھر پر میرا اتنا حق بھی نہیں کہ میں اپنی بہن کو دو دن کو مہمان رکھ سکتی؟“

”تم اپنا دل چھوٹا نہ کرو جویا [illegible] کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔“

''اس غلط فہمی کا اظہار وہ بعد میں بھی کر سکتی تھیں...... زدیا کے سامنے ہنگامہ کیوں کیا؟'' وہ بوجھل آواز میں بولی۔ یقین نے سر جھکا لیا۔

جویا کے اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

راستے میں مارکیٹ کے سامنے گاڑی رکوا کر جب مدحت بجیا اپنے دوپٹوں پر پیکو کروانے کے لیے گاڑی سے اتریں تو افشاں اور کہکشاں بھی گاڑی کا دروازہ کھول کر ان کی پیچھے پیچھے لپک گئیں۔ فرزین نے انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ انہیں روکنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

گاڑی میں فرزین اور زدیا بیٹھے رہ گئے زدیا گاڑی کی کھڑکی سے باہر مارکیٹ کی چہل پہل دیکھنے لگی۔

گاڑی کے اندر اپنے سامنے لگے آئینے میں زدیا کا عکس دیکھتے ہوئے فرزین نے دھیرے سے اسے پکارا۔

''زدیا۔''

''جی!'' وہ چونک پڑی۔

''آج گھر میں جو تلخی ہوئی' میں اس پر بہت شرمندہ ہوں۔''

''کوئی بات نہیں...... ایسا تو ہر گھر میں ہوتا ہے۔''

فرزین کو اپنی خفت میں قدرے افاقہ محسوس ہوا۔

''امی ایسی ہیں تو نہیں آج پتا نہیں کیوں اچانک اتنا غصہ آ گیا انہیں۔''

''ہماری اماں کو تو ان سے بھی زیادہ آتا ہے اور اکثر آتا ہے۔''

فرزین نے قدرے بے یقینی سے آئینے میں دیکھا۔

''اور مجھے تو اپنی اماں غصہ کرتی ہوئی زیادہ اچھی لگتی ہیں۔ جب انہیں ایک آدھ روز غصہ نہ آئے تو میں پریشان ہونے لگتی ہوں۔''

''ریئلی؟''

''جی ہاں!''

''بہرحال...... مجھے شرمندگی ہے۔''

''بار بار یہی بات کر کے آپ مجھے شرمندہ مت کیجیے۔''

''ایک بات پوچھوں آپ سے؟''

''جی!''

''سمندر آپ کو کیسا لگتا ہے؟''

''میں کبھی نہیں۔''

''میرا مطلب ہے اگر...... اگر کبھی آپ کو بہت دنوں تک...... یہ سمجھیے کہ تین چار ماہ تک یا شاید اس سے بھی زیادہ سمندر میں رہنا پڑ جائے تو؟ تو آپ کو کیسا لگے گا؟''

''سمندر میں!'' وہ قدرے حیرانی سے بولی۔ ''لیکن کیوں؟ کیوں رہنا پڑ جائے مجھے سمندر میں؟ شارک اور وہیل مچھلیاں رہنے دیں گی مجھے بھلا سمندر میں۔''

وہ دھیرے سے مسکرا دیا پھر بولا۔ ''میرا مطلب تھا شپ پر۔''

''اوہ شپ پر! آئی ڈو لو...... سمندر مجھے بہت فیسی نیٹ کرتا ہے۔''

''یعنی آپ شپ پر رہنا پسند کریں گی؟''

''بڑے مزے اور اطمینان سے۔''

''ریئلی!''

''جی۔''

''ایک بات بتایئے۔'' اب وہ قدرے محتاط لہجے میں بولا۔

''جی۔''

''سمندری لوگ آپ کو کیسے لگتے ہیں؟''

''سمندری لوگ!'' وہ استعجاب سے بولی۔

''میرا مطلب ہے میرینز۔''

''ان کی وائٹ یونیفارم اچھی لگتی ہے۔''

''اس گول مول جواب کا شکریہ۔''

''جی!'' زدیا نے بے ساختہ چونک کر سامنے آئینے میں دیکھا۔ آئینے کے توسط سے دونوں کی نگاہیں ملیں۔

''جی!'' فرزین بولا۔

زدیا نے سٹپٹا کر نظریں چرا لیں۔

بجیا کو دونوں بچیوں کے ساتھ واپس آتے دیکھ کر فرزین نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔

مارکیٹ سے جویا کے میکے تک تقریباً پندرہ بیس منٹ کی ڈرائیو رہی۔ زدیا کو گھر کے دروازے پر اتار کر دروازے سے پلٹ جانا بجیا کو مناسب معلوم نہ ہوا۔ کھڑے کھڑے جویا کے گھر والوں سے علیک سلیک کرنے کو بجیا اور فرزین دونوں بچیوں کے ساتھ گاڑی سے اتر گئے۔

اماں انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئیں مگر اماں کو دیکھتے ہی بجیا کے ذہن پر ہتھوڑے سے برسنے لگے۔

طلاقن!

طلاقن!!

طلاقن!!!

اور یہ منافقت ہی تو تھی کہ وہ پھر بھی مسکراتی رہیں۔

بہرحال اماں نے زدیا کو چھوڑنے کے لیے بجیا اور فرزین کی آمد کو نیک شگون سے تعبیر کیا اور ان کی خاطر تواضع میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ زدیا پر انہیں دل ہی دل میں ٹوٹ کر پیار آ رہا تھا جو اتنی جلدی اتنا بڑا معرکہ سر کر کے لوٹ آئی تھی۔ فرزین کی وہ نظروں ہی نظروں میں نظر اتار رہی تھیں اور

اسے اپنے ہونے والے داماد کی حیثیت سے دیکھ رہی تھیں۔

بے چاری اماں!

حقیقت سے بے خبر تھیں اور بیٹیوں کی ماؤں کی طرح کھلی آنکھوں جھوٹے سپنے سے اپنے دل کو بہلا رہی تھیں۔

اور جویا کی سسرال میں امی اور نگہت دونوں موجوکی زبانی یہ معلوم ہونے پر کہ فرزین کے ساتھ دونوں بچیاں ہی نہیں مدحت بجیا اور رزدیا بھی گئی تھیں بُری طرح تلملا رہی تھیں۔

"غضب خدا کا' ہمیں کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔" امی بولیں۔

"امی! غلطی بجیا کی ہے' کیوں لے گئیں اسے ساتھ۔" نگہت نے کہا۔

"ہاں' اصل غلطی انہی کی ہے۔ آنے دو آج اگر امی کے سامنے میں نے مدحت کو برا بھلا نہ کہا ہو۔"

"لکھ لیجئے' میری بات کہ وہ لڑکی فرزین کو پھانسنے کے چکر میں ہے۔" نگہت نے امی کو ورغلایا۔

"ارے' دیکھتی ہوں میں کیسے پھانسے گی۔" امی نے دانت پیستے ہوئے کہا پھر نگہت سے بولیں۔ "تم اپنے ابا کی باتوں کو چھوڑو' اپنی پڑوسن سے کہو کہ اگر ہو سکے تو لڑکی کی تصویریں منگوا دیں...... تمہیں تو پسند آئی ہے نا لڑکی؟"

"بہت۔"

"بس ٹھیک ہے' تصویر منگوا لو...... ذرا ہم بھی دیکھ لیں۔ اگر سب کو پسند آ گئی تو ہم لوگ خیر پور ہی رشتہ لے کر جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" نگہت خوش ہو کر بولی۔

جویا کے گھر سے واپسی پر راستے میں مدحت بجیا نے فرزین سے پوچھا۔ "جویا کچھ خفا تھیں' کیا کوئی بات ہوئی گھر میں؟"

"جی!" فرزین نے کہا۔

"کیا ہوا؟"

فرزین سڑک پر اپنی توجہ مرکوز رکھتے ہوئے دھیرے دھیرے بجیا کو امی اور جویا کی جھڑپ کا احوال سنانے لگا۔

مدحت بجیا اور فرزین گھر واپس پہنچے تو امی ان پر زدیا کے سامنے ہی برسنے کو تیار بیٹھی تھیں۔

مگر زدیا کہاں تھی!

یہ معلوم ہونے پر کہ زدیا اپنے گھر واپس چلی گئی تھی' امی کو خفت اور حیرانی نے آ لیا۔

"ارے! مل کر بھی نہیں گئی وہ۔" امی بولیں۔

"شاید وہ اس ڈر سے نہ ملی ہو آپ سے کہ کہیں پھر کوئی بدمزگی یا تلخی نہ ہو جائے۔" فرزین بولا۔

امی نے چونک کر نیلی نگاہوں سے اسے دیکھا' پھر ان کی نگاہیں پلٹ کر آپ ہی آپ نگہت کی نظروں سے آ ملیں۔

مدحت بجیا اور فرزین نے ایک دوسرے کو دیکھا' پھر فرزین امی کے نزدیک آ بیٹھا اور دھیمے سُروں میں بولا۔ "امی آپ گستاخی نہ سمجھیں تو ایک بات کہوں آپ سے۔"

"ہاں بولو۔"

"گھر آئے مہمانوں کے سامنے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا ہمیں۔"

"مجھے نصیحت کر رہے ہو!" امی نے خشمگیں نگاہوں سے فرزین کو دیکھا۔

"میری یہ مجال نہیں۔ ایک بات کہہ رہا ہوں۔"

"کوئی اتنی خاص مہمان تو نہیں تھیں وہ۔" نگہت نے منہ بنا کر کہا۔

"پلیز!" فرزین نے تنبیہی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

تبھی نزہت آئس کریم کپ ٹرے میں سجائے انشاں اور کہکشاں کے ساتھ آ پہنچی اور بات بڑھنے نہ پائی۔

☆=====☆=====☆

خیر پور سے دبئی والی لڑکی کی تصویر منگوانے کے لیے نگہت نے اپنی پڑوسن کے گھر کی دہلیز پکڑ لی۔ تصویر آئی اور سب نے دیکھی۔ سب کو پسند آئی' لڑکی واقعی اچھی تھی۔

فرزین کو تصویر خود نگہت نے دکھائی اور پوچھا۔ "کیسی ہے؟"

"اچھی ہے۔"

"منظور ہے؟"

"کیا مطلب ہے؟"

"مطلب یہ کہ لڑکی پسند کی ہے ہم نے تمہارے لیے۔"

"عجیب بات ہے!" وہ بولا۔

"کیا عجیب بات ہے؟" نگہت نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"شادی مجھے کرنی ہے اور لڑکی آپ نے پسند کی ہے۔"

تو پھر کیا خود پسند کرو گے؟"

"ہونا تو یہی چاہیے اور ایسا ہونے میں ہرج کیا ہے۔ اخلاقاً مذہباً کسی بھی طرح یہ بات غلط نہیں۔"

"خیر ہم نے یہ لڑکی پسند کر لی ہے تمہارے لیے۔" نگہت نے لڑکی اور اس کے متعلقین کے بارے میں جملہ تفصیلات فرزین کو بتانے کے بعد کہا۔ "امی' ابا' افتخار اور میں رشتہ لے کر خیر پور جا رہے ہیں۔"

"کمال ہے' مجھ سے پوچھا تک نہیں گیا۔"

"بھئی پوچھ تو لیا ہے۔"

''یہ پوچھنا تو نہیں فیصلہ کر کے اطلاع دے رہی ہیں آپ مجھے۔''

''خیر...... یونہی سہی۔''

''مجھے شادی نہیں کرنی ہے ابھی۔''

''کیوں؟'' نگہت چونکی۔

''بس...... میری مرضی۔''

''کوئی سبب بھی ہو؟''

''سبب یہی ہے کہ میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا۔''

''ابھی نہیں...... تو پھر کب کرو گے؟''

''جب میری مرضی ہوگی۔''

گھر والوں کو پتا چلا تو ببا اور جویا کے سوا سبھی نے اپنی اپنی بولی بولے اور اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

ببا نے کہا۔ ''فرزین سمجھدار ہے ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا تو کوئی وجہ ہوگی...... اس کے ساتھ زبردستی نہ کی جائے اور اس پر کوئی فیصلہ مسلط کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔''

جویا کے کچھ نہ بولنے کی وجہ یہ بھی کہ وہ کب چاہتی تھی کہ فرزین کو شادی کہیں اور ہو! امی نے سارا زور لگا دیکھا۔

نگہت اور افتخار نے فرزین کو ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کی۔

مدحت بجیا نے کہا۔ ''مجھے ایک بات بتاؤ' انکار کی وجہ کیا ہے؟''

''وجہ یہی ہے کہ میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا۔''

''بھئی ہم بھی ابھی شادی نہیں کرنا چاہتے۔ منگنی کر کے بات پکی کر دینا چاہتے ہیں۔''

''بجیا! پلیز! آپ تو دوسروں کی طرح بات مت کریں۔'' فرزین بولا۔

''اچھا ایک بات بتاؤ۔''

''جی۔''

''سچ سچ بتانا۔''

''کوشش کروں گا۔''

''کوئی اور لڑکی تو پسند نہیں ہے تمہیں؟''

''کچھ کہہ نہیں سکتا۔''

''پکڑے گئے...... بتاؤ کون ہے؟''

''کوئی نہیں۔''

جھوٹ مت بولو فرزین۔''

''سچ بولنے پر مجبور مت کیجئے۔''

''اچھا! چپکے سے بتا دو۔''

''جب ارادہ ہوگا تو بتا دوں گا۔''

''ویسے مجھے کچھ کچھ اندازہ ہے۔''

''اچھا! کیسے بھلا؟''

''یونیورسٹی میں پڑھاتی ہوں...... بھانپ لیتی ہوں میں مضمون کو لفافہ دیکھ کر۔''

''چلئے آج آپ کی بھانپ کا امتحان ہو جائے...... بتائیے تو کیا بھانپ رکھا ہے آپ نے؟''

''جب تم ارادہ کر لو گے شادی کا تو بتا دوں گی۔''

''خوب حساب چکایا ہے آپ نے!''

''بھئی ہم ادھار کے قائل نہیں۔''

وہ مسکرا دیا۔

اس کے انکار نے نگہت کو خاص طور پر مایوس کیا۔

جویا کو یک گونہ مسرت ہوئی۔

☆======☆======☆

دن یوں ہوا ہوئے کہ پتا ہی نہیں چلا۔

دیکھتے ہی دیکھتے سات مہینے گزر گئے۔

اماں چھوچھک کی تیاریوں میں لگی ہوئی تھیں' پہلے بچے کی پیدائش پر انہوں نے سارہ آپا اور زہرا باجی دونوں کو اپنی حیثیت سے بڑھ کر چھوچھک دیا تھا اور اب جویا کے لیے بھی اپنی استطاعت سے بڑھ کر تیاری کر رہی تھیں۔ سارہ آپا اس سلسلے میں کھلم کھلا اماں کی اعانت کر رہی تھیں' جویا کے لیے جاپانی سوٹ کا کپڑا اور یقین کے لیے کرتا شلوار کی کے ٹی اور سوٹ کے لیے کپڑا انہوں نے ہی دیا تھا۔ بچے کے لیے بھی بہت سی چیزیں اماں کو لا کر دی تھیں۔ زہرا باجی نے ساس نندوں سے چھپا کر البتہ میاں کو اعتماد میں لیتے ہوئے بچے کے پالنے' واکر' باتھ ٹب اور گرم کمبل کے لیے دو ہزار روپے چپکے سے اماں کی مٹھی میں دبا دیے تھے۔ بھیا سے بھی جو بن پڑ رہا تھا کر رہے تھے۔ ساس' سسر' نندوں' دیوروں اور نندوئی کے لیے جوڑے خود جویا نے خرید کر بالا ہی بالا میکے پہنچا دیے تھے۔ اماں کو امید تھی کہ ان شاء اللہ کافی چھوچھک جائے گا۔

ڈاکٹر کی دی ہوئی تاریخ سے ڈیڑھ ماہ قبل جویا کو مقررہ قواعد وضوابط کے تحت اسکول سے تین ماہ کی رخصت مل گئی' ڈیڑھ ماہ قبل از ولادت اور ڈیڑھ ماہ اس کے بعد۔

دستور کے مطابق ایک ماہ پہلے اماں نے جویا کو میکے بلوا لیا۔

جویا میکے آ گئی تو یقین بھی سسرال کا ہو رہا۔ دفتر سے سیدھا وہیں آ جاتا کبھی رات کو گھر چلا جاتا کبھی سسرال ہی میں رک جاتا۔

نگہت اس کے سسرال میں رہنے پر سخت معترض ہوئی وہ بھول جاتی کہ افتخار احمد بھی یہی کیا کرتے تھے۔

پہلا بچہ تھا اس لیے جویا کی سسرال میں بھی خاصی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ امی' مدحت بجیا'

نزہت سے مل جل کر بچے کے کپڑوں' بچھونوں' نہالچوں اور پوتڑوں کی کٹائی سلائی میں لگی ہوئی تھیں۔ بیاد دیکھتے اور خوش ہوتے۔

فرزین ان دنوں یورپ کی طرف گیا ہوا تھا۔ انگلستان سے بذریعہ ہوائی جہاز پاکستان آنے والے اپنے کسی شناسا کے ہاتھ اس نے مدر کیئر کی کچھ چیزیں بچے کے لیے بھجوائی تھیں۔

ہونے والے بچے کی ماں ہونے کے ناتے جویا بھی ان دنوں خاص اہم بنی ہوئی تھی!

امی اٹھتے بیٹھتے اس کی خیریت سے نمٹ جانے کی دعا کرتیں۔

بہنوں کی نظریں بھی اسی کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

یقین بہت خوش تھا۔

خوش جویا بھی تھی مگر اندیشے' وسوسے اور ایک انجانا سا خوف بھی اس خوشی کے ساتھ ساتھ تھا۔

تخلیے میں وہ دونوں دیر تک اپنے ہونے والے بچے کے بارے میں باتیں کرتے رہتے اور اس کے مستقبل کے بارے میں منصوبہ بندی کرتے مگر کبھی کبھی انہی باتوں کے دوران اندیشے اور وسوسے دانت نکوستے جویا کے سامنے آ کھڑے ہوتے اور اسے سہمانے لگتے۔

یقین اسے سمجھاتا' بہلاتا۔

''کبھی کبھی مجھے بہت ڈر لگنے لگتا ہے یقین۔'' وہ گھٹی گھٹی آواز میں کہتی۔

''انشاء اللہ سب ٹھیک ٹھاک ہوگا۔'' وہ اسے تسلی دیتا۔

جویا کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑنے لگتے۔

''مجھے لگتا ہے میں مر جاؤں گی۔''

''وہم ہے تمہارا۔'' وہ اسے سمجھاتا۔

''میرا بچہ...... بن ماں کا رہ جائے گا۔''

کبھی کبھی یقین کو بھی اس کی باتوں سے ڈر سا لگنے لگتا مگر وہ بظاہر بڑے اطمینان کا مظاہرہ کرتے ہوئے جویا کو تسلی دینے کی کوشش کرتا۔

''میں مر جاؤں تو دوسری شادی کر لیجئے گا۔'' وہ وصیت کرتی۔

''لاحول ولا قوۃ!''

''بچہ اماں کو دے دیجئے گا پلیز...... آپ کے گھر میں تو سب اپنے اپنے کاموں میں لگے رہتے ہیں' اماں زیادہ اچھی طرح دیکھ بھال کر لیں گی اس کی زویا بھی ہاتھ بٹا دیا کرے گی ان کا پلیز! اماں کو دے دیجئے گا...... بڑا ہو تو لے لیجئے گا۔''

''کیا پاگل پن کی باتیں کرتی ہو۔'' یقین اپنے ڈر کو دبانے کی کوشش کرتا۔

''جب وہ بڑا ہو جائے تو اسے میری قبر پر ضرور لے کر آئیے گا۔''

''اوہو! کیسی باتیں کرتی ہو!''

''مجھے ڈر لگتا ہے یقین۔''

ایک شب جب یقین خاصے خوشگوار موڈ میں باتیں کر رہا تھا تو وہ بولی۔ ''ایک بات بتایئے

گا۔''

''ہاں پوچھو۔''

''سچ سچ۔''

''تم سے جھوٹ بول کر کیا کروں گا۔''

''اگر...... فرض کیجئے...... ایسا موقع آیا کہ ڈاکٹر آپ سے پوچھے بچہ یا ماں' کسی ایک کی جان بچائی جا سکتی ہے' دوسرے کی جان کا خطرہ ہے تو آپ کس کی جان بچانے کو کہیں گے؟''

یقین نے اسے شاکی نگاہوں سے دیکھا پھر بولا۔ ''یار! تم نے ابھی اس قسم کی باتوں سے بہت پریشان کیا ہے مجھے۔''

''پلیز! بتایئے نا آپ دونوں میں سے کس کی جان بچانے کو کہیں گے؟''

''میں......'' وہ جویا کو شاکی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میں اپنی جان بچا کر بھاگ جاؤں گا۔''

جویا اس کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

اور وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

☆=====☆=====☆

میکے میں اماں نے جویا کو مہینہ بھر ہتھیلی کا پھپھولا بنا کر رکھا...... وہ ذرا کسی کام کو ہاتھ لگا لیتی تو اماں ہائیں ہائیں کرکے لپکتیں' کچن میں اس کی بو پاتیں تو فوراً ہانک لگاتیں۔ ''جویا تم رہنے دو' سب کام ہو جائے گا۔''

اماں کی یہ عنایت جویا پر ہی نہیں تھی۔ اس سے پہلے سارہ آپا اور پھر زہرا باجی کے سلسلے میں بھی اماں کا یہی معمول رہا تھا کہ ہر بچے کی دفعہ آخری مہینہ میکے میں گزارنے کو بلا لیتیں اور چلہ نہلا کر سسرال واپس بھیجتیں۔

سارہ آپا تو دفتر سے اپنی ''میٹرنٹی لیو'' شروع ہوتے ہی میکے آ جایا کرتی تھیں اور زچگی کی پوری چھٹی میکے میں گزار کر اپنے گھر واپس جاتیں۔ ان کے بچے میکے ہی میں پلے بڑھے تھے۔ جب تک بچہ اسکول جانے کے لائق نہ ہو جاتا' سارہ آپا صبح دفتر جاتے ہوئے اسے میکے میں اماں کے پاس چھوڑ جاتیں۔ شام کو دفتر سے واپسی پر ساتھ لیتی ہوئی گھر چلی جاتیں۔ بچہ اسکول جانے لگتا تو دوپہر کو اسکول وین اسے اماں کے ہاں چھوڑ دیتی۔ شام کو آپا ''پک'' کرتی ہوئی گھر جاتیں۔

زہرا باجی بچے کی ولادت سے ایک مہینہ پہلے میکے آ جاتیں' چلے کے بعد چھوچھک کے ساتھ رخصت کی جاتیں۔

اماں کا کہنا تھا کہ لڑکی کا نویں مہینے میکے آ جانا ان کے خاندان کی ایک دیرینہ ریت تھی اور اپنی بیٹیوں کے سلسلے میں اس ریت کی پاسداری کو وہ زندگی اور موت کا معاملہ سمجھتی تھیں۔ زہرا کے سلسلے میں ان کی ساس نندیں خاصی متامل ہوتی تھیں اور جویا کو تقریباً سوا دو مہینے کے لیے میکے بھیجنے میں یقین کو خاصا تردد تھا مگر اماں کی خاندانی روایت کے آگے ان سب کو گھٹنے ٹیکنے پڑے تھے۔ زہرا باجی کے

پہلے بچے کی دفعہ تو اماں اور تائی اماں میں اس مسئلے پر خاصی تُو تکار بھی ہوگئی تھی۔ یقین متردد ہوا تو اماں نے نظر نگا کر کہا۔ ''دیکھو بھئی، یہ ہمارے خاندان کی ریت ہے، میں اس سلسلے میں کسی کی نہیں سنتی۔''

''عجیب ہیں تمہاری اماں۔'' یقین نے تخلیے میں جویا سے کہا۔

''کیا! کیا! میری اماں کو عجیب کہہ رہے ہیں آپ۔'' جویا نے آنکھیں نکالیں۔

''ہاں، عجیب ہی نہیں بلکہ عجیب و غریب۔''

''یقین!'' جویا نے اسے تنبیہی نگاہوں سے گھورا۔

''یار! اتنی سی بات کہے بغیر کیوں نہیں سمجھ پا رہیں وہ کہ تمہارے بغیر میں اتنے بہت سے دن کیسے گزاروں گا۔''

''کتنے بہت سے بھلا؟''

''بھئی، ایک مہینہ تقریباً یہ اور اُدھر چالیس دن۔''

جویا نے ناز سے اسے دیکھا، جیسے کہتی ہو دیکھا! کتنی اہم ہوں میں!

''میرا دل نہیں لگے گا اس گھر میں تمہارے بغیر۔''

''چلیں، آپ بھی ساتھ چلیں۔''

''اُدھر والوں کا خیال بھی تو رکھنا پڑتا ہے۔''

''ٹھیک ہے، آپ کی مرضی۔''

''میری مرضی تو یہ ہے کہ تم مت جاؤ۔''

''اس کا تو خیر کوئی سوال ہی نہیں۔''

''اچھا..... تو اپنی اماں کو بتا دینا کہ دفتر سے واپسی پر روزانہ تمہارے دیدار کو وہاں پہنچا کروں گا۔''

''ارے صاحب منع کس نے کیا ہے۔ شوق سے آیا کیجیے گا۔''

''شام کی چائے بھی پیوں گا۔''

''شوق سے۔''

''اور رات کا کھانا بھی وہیں کھایا کروں گا۔''

''سر آنکھوں پر حضور۔''

چنانچہ یقین کے تامل اور تردد کے باوجود اماں جویا کو میکے لا کر ہی رہیں۔

اب یہ اور بات تھی کہ جب ان کی اپنی بہو پہلی مرتبہ امید سے ہوئیں اور ان کے میکے والوں نے بھی نواں مہینہ لگنے پر انہیں میکے لے جانا چاہا تو اماں نے جو صرف دو مہینے پہلے ہی نوہرا کا جاپا میکے میں نمٹوا کر بیٹھی تھیں، سمدھن سے کہا۔ ''ارے بہن! یہ سب رسمیں ہوتی ہیں۔ لڑکی کا چلہ میکے میں ہو یا سسرال میں کیا فرق پڑتا ہے بلکہ سچ پوچھو تو سسرال میں لڑکی کو زیادہ آسانی رہتی ہے۔ میکے میں تو بے چاری ماں باپ اور بھائیوں کی شرم میں رہتی ہے۔ کیوں؟ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟''

اور اس سے پہلے کہ سمدھن کچھ کہتیں اماں نے کہا۔ ''ہمارے بیٹے یعنی آپ کے داماد کی منشا بھی یہی ہے کہ بیوی اس کی نظروں کے سامنے رہے گی۔''

سمدھن نے کچھ کہنے کو لب کھولنا چاہے مگر اماں نے انہیں لب کشائی کی اجازت نہ دی۔

''بہن! یہ ہمارا اور آپ کا زمانہ نہیں ہے۔ آج کل کے لڑکے تو بیویوں کو نظر کے سامنے سے ہٹنے نہیں دیتے۔''

''چلیے سوا مہینہ نہ سہی چھٹی نہلا کر بھیج دوں گی میں۔'' سمدھن بولیں۔

''ارے بہن! چھوڑیے، کیا رکھا ہے ان رسموں میں..... چھٹی چلہ خیر سے سب یہیں نہالیں گی دلہن۔''

غرض اماں نے اپنے سامنے سمدھن کا چراغ کسی صورت نہ جلنے دیا۔

بھابی جان بے چاری سسرال ہی میں رہیں اور نویں مہینے کے آخری دنوں میں بھی وہ امورِ خانہ داری انجام دیتی پائی گئیں۔ اسپتال جانے سے ذرا دیر پہلے ہی انہوں نے اماں کو جو کہ ان دنوں زکام میں مبتلا تھیں، جوشاندہ اُبال کر پینے کو دیا تھا۔

بیٹیوں اور بہو کے لیے اماں کا طرزِ عمل خاصا متضاد تھا۔ بیٹیاں امید سے ہوتیں تو اماں چاہتیں کہ وہ پلنگ سے نہ اٹھیں اور انہیں لگتا ہے لگا بے اس قسم کی ہدایت دیتی رہتیں۔

جھک کر جھاڑو مت لگانا۔

ٹیڑھی ہو کر مت لیٹنا۔

بیٹھ کر آٹا مت گوندھنا

اکڑوں بیٹھ کر کپڑے نہ دھونا۔

باورچی خانے میں زیادہ دیر کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں۔

اور اسی نوعیت کی متعدد ہدایات۔

بہو کو اماں نے پہلی دفعہ ہی سمجھا دیا تھا کہ ایسے دنوں میں عورت جتنا کام کرے، اتنی ہلکی پھلکی رہتی ہے اور منزل آسان ہوتی ہے۔

بیٹیوں کو اماں خوب کھانے پینے اور طاقت کی دوائیں استعمال کرنے کی ہدایت کرتیں۔

بہو سے کہتیں۔ ''ایسے دنوں میں زیادہ کھانا پینا عورت کے لیے اچھا نہیں ہوتا۔''

بھابی کو پہلی مرتبہ جب ڈاکٹر نے پھل وغیرہ زیادہ استعمال کرنے کی ہدایت کی تو اماں نے کہا۔

''عجیب زمانہ آ لگا ہے کہ ڈاکٹرز طاقت کی چیزیں کھانے پینے کو کہتی ہیں۔ ہمارے زمانے میں تو یہ کہا جاتا تھا کہ کم سے کم کھاؤ تا کہ بچہ زیادہ تندرست نہ ہو۔''

جویا کو اماں نے ان تمام ہدایات اور کار آزمودہ مشوروں سے نوازا جن سے وہ پہلے بھی بیٹیوں کو مستفید کر چکی تھیں۔

زیادہ کام نہ کرنے کی ہدایت!

زیادہ سے زیادہ آرام کرنے کی ہدایت!

پھل، فروٹ اور ٹانک استعمال کرنے کی ہدایت!
اٹھتے بیٹھتے منہ بنانے اور کراہنے کا مشورہ!
میاں سے گاہے گاہے کمزوری محسوس کرنے کی شکایت!
ملازمت سے واپسی پر تکان کی شکایت!
کبھی کبھار بیمار بھی ہو جاتا۔

بیٹیوں کے جاپے اماں بڑے آرام سے کٹواتیں۔ اسپتال سے آتے ہی ان کی مالش کو عورت رکھ دیتیں۔ سونٹھ اجوائن کی پھنکی پہلے ہی سے پیس کر رکھ لیتیں۔ اماں کا کہنا تھا، بچے کی پیدائش کے بعد زچہ نیم گرم پانی سے سونٹھ اجوائن کی پھنکی پھانک لے تو پیٹ نہیں بڑھتا۔

چالیس دن تک باقاعدگی سے دیسی گھی میں تڑکی اچھوانی پلاتیں۔ بے چاری بھابی کو ہر روز سل پر اچھوانی پیسنا پڑتی۔

چھٹی کے بعد اماں گوند بنانے کی تیاری شروع کر دیتیں۔ خشک میوہ جات پہلے چھان پھٹک کر دو تین دن دھوپ میں رکھے جاتے پھر ہاون دستے میں ان کی کٹائی شروع ہوتی۔ اماں تخت پر بیٹھی دیکھتی رہتیں۔ بھابی قریب ہی بیٹھی ہاون دستے میں میوے کوٹنے جاتیں۔

بیٹیوں کی چھٹی اور چلے پر اماں بہت اہتمام کرتیں۔ جشن کا سا سماں ہوتا اور ان موقعوں پر بھابی ہی چکی پکی پھرتیں۔

چلہ پورا ہونے تک اماں بیٹیوں کو پلنگ سے اٹھنے نہ دیتیں۔ ٹھنڈے پانی میں انہیں ہاتھ نہ بھگونے دیتیں۔ بچے کے پوتڑے، نہالچے اور گندے کپڑے یا تو مالش والی عورت دھوتی ورنہ اماں خود دھوتیں۔

دنیا دکھاوے کو اماں چھٹی چلہ بہو کا بھی کرتیں مگر بہو کے جاپے کے دوران جب اور جہاں موقع ملتا، ڈنڈی مارنے سے گریز نہ کرتیں۔

دوسرے بچے کی دفعہ بہو کی مالش کے لیے اماں کو ڈھونڈے سے کوئی عورت مل کر نہ دی۔

اچھوانی کا سلسلہ آٹھ دس روز بعد ہی ناگزیر وجہ کی بنا پر ترک کر دیا گیا۔

بھابی کی بدقسمتی کہ پہلے بچے کے بعد وہ اتنی بھاری بھرکم ہو گئیں کہ اماں نے ان کے زیادہ پھول جانے کی وجہ سے دوسری مرتبہ گوند ہی نہ بنایا البتہ سونٹھ اجوائن کی پھنکی جس سے بھابی کو چڑ تھی، نیم گرم پانی سے چالیس روز تک بہت باقاعدگی سے چلی۔ الٹے توے پر زیرہ بھی بھون کر پھانکنے کو دیا جاتا رہا۔

بھابی بے چاری کو کسی بچے کی دفعہ سوا مہینہ پلنگ پر لیٹنا نصیب نہ ہوا۔ یا تو انہیں چھٹی نہلاتے میں اماں کی کمر میں چک آ جاتی اور وہ اٹھتے بیٹھتے "ہائے اوئی" کرنے لگتیں یا کسی اور وجہ سے بھابی کو پلنگ چھوڑ دینا پڑتا۔ ان کے ہاتھ ٹھنڈے پانی میں بھیگنے میں بھی اماں کو کوئی مضائقہ نہ پاتیں۔

اماں کے اس منافقانہ طرز عمل پر بھابی دل ہی دل میں کڑھتی رہتیں تاہم زبان سے کچھ نہ کہتیں اور اس لیے نہ کہتیں کہ ان کی منجھلی بہن ساس سسر سے زبان چلانے کی پاداش میں طلاق پا کر دو بچوں کے

ساتھ گھر بیٹھی ہوئی تھی۔ گو اپنا اور اپنے بچوں کا بوجھ خود اٹھا رہی تھی مگر گھر میں ایک نہیں، تین تین بھاوجیں تھیں اور تینوں ایک سے بڑھ کر ایک...... بے چاری کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ بھاوجیں بولتیں تو دو چار کو اور بھی ساتھ ملا لیتیں۔ ایک بہن کی ابتر صورت حال بھابی کو سسرال والوں بالخصوص اماں کے سامنے زبان کھولنے کی اجازت ہی نہ دیتی۔ بیٹوں کے رحم و کرم پر پڑی بیوہ ماں سمدھیانے میں کچھ کہنے سننے سے پہلے چار طرف کی سوچتیں پھر کچھ بولتیں۔

بھابی کو ان کی والدہ نے ایک بیٹی کی طرف سے دکھی ہونے کے بعد ہدایت کر رکھی تھی کہ عورت کا اپنی زبان پر قابو رکھ کر اپنی جان پر سختی جھیل لینا کسی بڑی آزمائش میں پڑنے سے بدرجہ بہتر ہوتا ہے۔

جویا گھر آئی تو بھابی کا کام خاصا بڑھ گیا۔

یقین دفتر سے واپسی پر شام کو اکثر وہیں آ جاتا اگر شام کو نہ آتا تو رات کو ٹپک پڑتا۔ اس کی وجہ سے کھانے پر تھوڑا بہت اہتمام ضرور کرنا پڑتا۔ چپاتی اور چاول دونوں لازم ہوتے۔ چاولوں کے ساتھ دال ضرور ہوتی۔ کھانے کی میز کو رونق بخشنے کے لیے سلاد چٹنی کا اہتمام بھی ہوتا۔

یقین رات کو سسرال میں ٹھہر جاتا تو بے چاری بھابی کو سونے سے پہلے صبح ناشتے کی فکر لگ جاتی۔

یقین سسرال میں رکتا تو زویا اپنا تکیہ چادر لے کر اماں اور ابا جی کے کمرے میں چلی جاتی اور بچوں کو بھابی اپنے کمرے میں لے جاتیں۔

جویا کے بند کمرے سے چوڑیوں کی کھنک اور دبی دبی ہنسی کی آواز سنائی دیتی تو اماں کو یک گونہ مسرت اور طمانیت کا احساس ہوتا۔

لیکن جب ایسی ہی آوازیں انہیں بہو اور بیٹے کے کمرے سے سنائی دیتیں تو وہ لاحول پڑھنے لگتیں!

☆======☆======☆

سسرال میں یقین کے رکنے پر شروع شروع امی بہت جز بز ہوئیں اور ان کی اس تلملاہٹ کو نگہت نے حسب عادت خاطر خواہ ہوا دینے کی کوشش کی مگر ابا نے امی کو سمجھایا۔

"کوئی بات نہیں۔ اچھا ہے، یقین میاں بہو کی خیر خبر رکھتے ہیں۔"

"بھئی، جب میکے والے لے گئے ہیں تو وہی خیر خبر بھی رکھیں، انہیں کیا ضرورت ہے روزانہ وہاں جا دھمکنے کی۔"

"بیگم صاحبہ! اپنا وقت یاد کیجئے۔" ابا نے امی کو معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا اور بولے۔ "یاد نہیں، مدحت بیٹی کی پیدائش سے پہلے جب آپ کے گھر والے آپ کو میکے لے گئے تھے تو یہ خاکسار بھی اسی در کا ہو رہا تھا۔"

"صاحبزادے خود تو جاتے ہیں، گاڑی بھی ساتھ لے جاتے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔" ابا رسانیت سے بولے۔

"واہ! کوئی بات کیسے نہیں۔"

"بھئی...... بہو کے لیے کسی وقت گاڑی کی ضرورت ہوسکتی ہے۔"

"ابھی دن ہیں...... بیس تاریخ دے رکھی ہے ڈاکٹر نے۔"

"بیس تاریخ سے پہلے بھی بہو کو ہاسپٹل جانے کی ضرورت پڑسکتی ہے۔"

"اور اگر یہاں کسی کو رات بے رات گاڑی کی ضرورت پڑ جائے تو؟"

"اللہ مالک ہے۔"

جوں جوں دن گزرتے گئے، سسرال میں یقین کی آمدورفت اور طعام و قیام میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ سوئے اتفاق ایک رات نزہت کو ڈائریا ہو جانے پر جب رات گئے ایک پرائیوٹ اسپتال لے جانے کے لیے گاڑی گھر میں نہ ہونے کے باعث ٹیکسی کی تلاش میں خوار ہونا پڑا تو گویا بہانہ ہاتھ آ گیا اور انہوں نے یقین سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ رات کو خود بھلے سے سسرال میں رہے مگر گاڑی اپنے ساتھ نہ لے جائے۔

یقین کو امی کی بات ناگوار گزری۔

"اور اگر رات کو کسی وقت جویا کو اسپتال لے جانے کے لیے گاڑی کی ضرورت پڑی تو؟"

"تو ان کے میکے والے جائیں...... یہ بات تو ان کو بیٹی کو میکے لے جانے سے پہلے سوچنی چاہیے تھی۔" امی نے نخوت سے کہا۔

"ہماری بھی کچھ ذمے داری ہے۔" یقین بولا۔

"ہماری ذمے داری اس وقت ہوتی جب دلہن یہاں ہوتیں۔"

"امی، وہ اگر وہاں چلی گئی تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم اس کی طرف سے غافل ہو جائیں۔" یقین کچھ تیز ہو کر بولا۔

"اوہو! بہت خیال ہے بیوی کا۔" امی نے یقین کو ٹیڑھی نظروں سے دیکھا۔

"کیا نہیں ہونا چاہیے؟"

"نہیں نہیں، شوق سے ہو...... بس گاڑی رات کو وہاں نہ جائے، یہاں بھی ضرورت پڑسکتی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ نہیں جائے گی۔" یقین ناگواری سے بولا اور اس کے بعد وہ گاڑی لے بھی نہیں گیا۔

پہلی بار جب وہ بغیر گاڑی کے سسرال گیا تو سب سے پہلے ابا نے پوچھا۔ "یقین بیٹے آج گاڑی نہیں ہے؟"

"گاڑی خراب ہے ابا۔"

"اچھا...... اچھا۔"

"کیسے وقت یہ خراب ہوئی ہے۔" اماں کے لہجے سے فکرمندی جھلک رہی تھی۔

"بھئی مشین کا تو یہی ہے...... اپنی مرضی کی ہوتی ہے...... جب جی میں آئے اڑ کر کھڑی ہو

جاتی ہے۔" ابا نے کہا۔

"توبہ! مشین نہ ہوئی اڑیل ٹٹو ہوگئی۔"

جویا نے یقین کو دیکھا اور دھیرے سے مسکرا دی۔ جواباً یقین نے بھی مسکرانے کی کوشش کی مگر اس کے چہرے کے تاثرات نے اس کی مسکراہٹ کا ساتھ نہ دیا۔

تخلیے میں آتے ہی جویا نے اس سے پوچھا۔ "کیا بات ہے، آج آپ کچھ چپ چپ ہیں؟"

"کوئی بات نہیں۔"

وہ خوبصورتی سے ٹال کر جویا کو دوسرے موضوع پر لے گیا۔

چار پانچ دن تو گاڑی کا خراب ہونا گاڑی سے سسرال نہ آنے کا بہانہ بنا رہا لیکن پھر جویا کو تشویش ہوئی۔

"کیا بات ہے، گاڑی ٹھیک ہونے میں کیوں نہیں آ رہی؟ کسی روز رات کو ضرورت پڑ گئی تو!"

"گاڑی تو ٹھیک ہے۔"

"کیا!" جویا نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ "گاڑی ٹھیک ہے!"

"ہاں۔"

"تو پھر آپ گاڑی میں کیوں نہیں آ جا رہے؟"

"گھر والوں کو بھی ضرورت ہوتی ہے گاڑی کی۔"

جویا تلملا کر اٹھ بیٹھی۔

"کیا ان کی ضرورت ہماری ضرورت سے زیادہ ہے؟"

"کیا کیا جائے، مجبوری ہے۔"

"آپ تو پلک جھپکتے میں ہتھیار ڈال دینے والوں میں سے ہیں۔" جویا نے شاکی لہجے میں کہا۔

یقین کے چہرے سے شرمندگی جھلکنے لگی۔

"آج آپ مجھے صحیح صحیح بتایئے کہ گاڑی کا چکر کیا ہے؟ گاڑی ہے کس کی؟"

جویا نے یہ سوال پہلی بار نہ پوچھا تھا۔ اس سے پہلے بھی وہ کئی مرتبہ یہ بات اس سے پوچھ چکی تھی اور ہر مرتبہ گول مول جواب دے کر ٹال گیا تھا۔

"ہماری ہے اور کس کی ہوتی۔" یقین بولا۔

"آپ کے نام ہے؟" جویا جرح کرنے والے انداز میں بولی۔

"ہاں، یہی سمجھو۔"

"سمجھو کی بات نہیں...... ٹھیک ٹھیک بتایئے۔"

"بھئی...... ٹھیک ہی بتایا ہے۔"

"اگر آپ کے نام ہے تو گاڑی پر دوسروں کا اتنا زور کیوں؟"

"اچھا خیر چھوڑو...... آج طبیعت کیسی رہی؟" یقین نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"آپ کو کیا مطلب؟"

"مجھے نہیں تو پھر کس کو مطلب ہوگا۔"

"گاڑی آپ کے گھر والوں کے قبضے میں ہوگی...... آپ ٹیکسی کی تلاش میں نکلے ہوئے ہوں گے......اور...... میں...... میں غریب تڑپ تڑپ کر اپنے اماں ابا کی دہلیز پر دم توڑ دوں گی۔"

"اپنا دل چھوٹا مت کرو۔"

"کیسے نہ کروں۔" جویا غصے سے بولی۔ "آپ کو کیا فرق پڑے گا...... آپ کو تو میرے مرنے کے بعد دوسری شادی کا بہانہ ہاتھ آ جائے گا۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔"

"غصہ تھوک دو اور اچھی اچھی باتیں کرو۔"

"دل جل رہا ہو تو اچھی اچھی باتیں کیسے کروں۔"

"دل جلانے کی ضرورت ہی کیا...... بھئی دیکھو۔" وہ بہت پریم سے جویا کے شانوں پر اپنا بازو دراز کرتے ہوئے بولا۔ "جن لوگوں کے پاس گاڑی نہیں ہوتی، ان کے ہاں بھی تو بچے ہوتے ہیں۔ گھر والے گاڑی اپنی تحویل میں رکھنا چاہتے ہیں تو رکھنے دو، ہمارا بھی اللہ مالک ہے۔"

"کیوں؟ کیوں رکھنا چاہتے ہیں، وہ اپنی تحویل میں؟ جب گاڑی آپ کے نام ہے تو گھر والوں کا اتنا ذکر کیوں؟"

"یار، دفع کرو گاڑی کو...... ہم گاڑی کے بغیر بھی زندہ اور زیادہ خوش رہ سکتے ہیں۔"

"معاف کیجئے گا، میں اتنی قناعت پسند نہیں ہوں۔"

"قناعت!" یقین نے چٹکی بجائی۔ "واہ کیا بامعنی اور خوبصورت نام ہے۔ بیٹے کا نام قناعت کیسا رہے گا؟"

"بیٹا ہی کیوں، بیٹی بھی ہو سکتی ہے...... ویسے بھی آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ قناعت مذکر نہیں مونث ہے۔"

"چلو بیٹی ہی سہی۔"

"ویسے آپ کی اماں کو پوتے کی خواہش ہے۔"

"ہونے دو یار، ہم تو بیٹا بیٹی سب میں خوش اور راضی ہیں۔"

اس وقت یقین کو خوشی اس بات کی تھی کہ گاڑی موضوع بحث نہ رہی تھی!

شومئی اتفاق اس وقت جویا کی سسرال میں کھانے کی میز پر گاڑی ہی موضوع بحث تھی۔ بجیا کا خیال تھا کہ ان دنوں جویا کی وجہ سے یقین کو گاڑی کی زیادہ ضرورت تھی، جبکہ امی کا کہنا یہ تھا کہ ایک فرد کی ضرورت پر گھر کے باقی افراد کی ضرورت کو قربان نہیں کیا جا سکتا۔

مدحت بجیا ابا کی ہمنوا تھیں۔

نزہت اور ذہین خاموشی سے سن رہے تھے۔

امی کا کہنا تھا، جویا میکے میں ہے تو میکے والوں کی ذمے داری ہے، جبکہ بابا مصر تھے کہ جویا جہاں بھی رہے، اب یقین کی ذمے داری ہے اور اس کے حوالے سے ان سب کی مشترکہ ذمے داری!

خاصی بحث و تمحیص کے بعد بالآخر یہ طے پایا کہ جویا کے ہاں بچے کی ولادت تک گاڑی یقین کے زیر استعمال دے دینا مناسب ہوگا۔ ہو سکتا ہے، اسے دفتر میں جویا کی طبیعت خرابی کی خبر ملے اور وہاں سے اسے دوڑنا پڑے۔ ہو سکتا ہے، رات بے رات جویا کی طبیعت بگڑنے پر اسے لے کر اسپتال دوڑنا پڑے۔

تاہم اس متفقہ فیصلے کے باوجود امی یہ کہے بنا نہ رہیں کہ یقین نے بیوی کے میکے جانے کے بعد سسرال کی چوکھٹ پکڑ کر انتہائی بیوقوفی دکھائی تھی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یقین میاں دور دور سے تماشا دیکھتے اور جویا کی تمام تر ذمے داری اس کے میکے والوں پر چھوڑ دیتے تاکہ اماں کو جو بڑے چاؤ سے بیٹی کو لے گئی تھیں، کچھ تو پتا چلتا۔

اب یہ امی کو کون بتاتا کہ جویا کی اماں اور گھر والوں کے لیے یہ کوئی نیا تجربہ نہ تھا۔ اس سے پہلے بھی وہ دو بیٹیوں کے جاپے میکے میں کروا چکی تھیں۔

☆=====☆=====☆

جویا کی سسرال سے یقین کے علاوہ اگر کوئی گاہے گاہے اس کی خیر خبر لینے کے لیے بہت باقاعدگی سے بنفس نفیس اس کے میکے آتا جاتا رہا تو وہ مدحت بجیا تھیں۔ تیسرے چوتھے دن وہ کبھی یونیورسٹی سے واپس لوٹتے ہوئے اور کبھی شام کو یقین کے ہمراہ جا کر جویا کا حال احوال لیتی رہیں ان کے ساتھ تین چار مرتبہ نزہت بھی آئی۔

امی اور بابا نے زیادہ تر فون پر خیر خبر رکھی، تاہم دو مرتبہ وہ دونوں اسے دیکھنے کے لیے بھی آئے۔ ایک مرتبہ نگہت بھی اپنے میاں اور دونوں بچیوں کے ساتھ اس سے ملنے کے لیے آئی اور اس کے گلے میں اپنی بانہیں حمائل کرتے ہوئے بولی۔ "اللہ بھابی آپ کے بغیر گھر بالکل سونا پڑا ہے۔"

"جھوٹی! مکار کہیں کی!!" جویا نے دل ہی دل میں کہا، تاہم بظاہر مسکراتے ہوئے بولی۔

"میں بھی تم سب کو بہت مس کر رہی ہوں۔"

عجیب تھے یہ رشتے بھی!
منافقت میں گندھے!
مصلحتوں کے پیرہن پہنے!

زویا کو گھر لے جانے کے بعد فرزین کے ہنسنے اور امی کے ٹوکنے پر امی سے جویا کی چوکھٹ پٹ ہوئی تھی، اس کے بعد جویا تو اپنی دانست میں یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ اب تاحیات پہلے جیسے تعلقات بحال نہ ہو سکیں گے...... مگر...... چار دن ایک دوسرے سے اینٹھے اینٹھے رہنے کے بعد کسی معافی تلافی کے بغیر آپ ہی آپ نہ جانے کیونکر بات چیت شروع ہو گئی۔ دو چار دن ایک دوسرے سے نظریں چرا کر قدرے اجنبیت سے بات چیت رہی پھر ڈائریکٹ ڈائلنگ بحال ہو گئی۔

جویا کے میکے آنے کے بعد جب امی پہلی مرتبہ اس سے ملنے کے لیے آئیں تو زویا کا سامنا

ہونے پر کچھ جھینپ سی گئیں۔ زدیا نے سلام کیا تو نظریں چرا کر جواب دیا مگر تھوڑی دیر بعد وہ زدیا سے یوں ہی شیر و شکر ہوگئیں، جیسے کبھی کوئی بات ہی نہ ہوئی تھی۔

ان کے جانے کے بعد اماں نے جنھیں زدیا کے منع کرنے کے باوجود جویا اس دن کا سارا ماجرا سنائے بیٹھی تھی، جویا سے بولیں۔ ''اے جویا! آج تو تمہاری ساس زدیا سے خوب ہنس ہنس کر باتیں کر کے گئی ہیں۔ اس روز اتنا ہنگامہ کیسے کر بیٹھیں!''

جویا کے لبوں پر گھائل سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ارے اماں...... میری ایک ساتھی کہتی ہیں، ساسیں ہاتھی کے دانت ہوتی ہیں دکھانے کے اور دکھانے کے اور۔''

اماں نے یوں ایک درد بھری سانس کھینچی، جیسے ساس ہونے سے ان کا اپنا تو کوئی علاقہ ہی نہ تھا۔

ویسے اماں کو فرزین سے زدیا کا معاملہ نہ نپٹ سکنے سے زیادہ اس بے عزتی پر ملال ہوا تھا جو بقول جویا کے اسے اور زدیا کو اس دن دیکھنی پڑی تھی۔ زدیا نے تو بہن کے گھر سے واپس آنے کے بعد اماں کو کچھ نہ بتایا تھا لیکن جب مدحت بجیا اور فرزین کے جانے کے بعد اماں نے اس سے جلدی لوٹ آنے کا سبب پوچھا تو وہ مسکرا کر بولی۔ ''میرا وہاں دل ہی نہیں لگ رہا تھا اس لیے سہیلی کی سالگرہ میں جانے کے بہانے گھر لوٹ آئی۔''

''بہت عقلمندی کی!'' اماں نے اسے گھورا۔

''عقلمندی کی نا اماں۔'' زدیا زیر لب مسکرائی۔

''چپکی رہ۔'' اماں نے گھڑکا۔ ''کمبخت! عقل کے پیچھے لٹھ لیے پھرتی ہے۔''

بعد میں جب جویا نے اماں کو میکے آ کر سارا ماجرا سنایا تو اماں کو زدیا کو ڈانٹنے پر ملال ہوا۔ سمدھیانہ تھا سو اماں کو خون کے سے گھونٹ پینے پڑے...... ورنہ کوئی اور ایسی بے عزتی کرتا ان کے بچوں کی تو وہ ایسے لتے لیتیں کہ ساری عمر یاد رکھتا۔

اماں نے جویا سے کہہ دیا۔ ''اب ہمارے ہاں سے کوئی بھولے سے بھی تمہاری سسرال نہیں جائے گا۔''

''میرا کیا قصور اماں۔'' جویا روہانسی ہوگئی۔

''تمہارا قصور کون کہہ رہا ہے...... قصور تو ہمارا اپنا ہے کہ جو بنا پرکھے برتے تمہیں اس گھر میں بیاہ دیا جہاں ہماری کوئی عزت نہیں...... تو بہ ہے جواب کوئی اس گھر سے تمہاری سسرال میں جا کر پھٹکے۔''

اماں نے یقین سے بھی گلہ شکوہ کیا۔

کوئی دوسرا گھر ہوتا تو شاید اماں اپنے گھر کے کتے کو بھی وہاں نہ پھٹکنے دیتیں مگر جس گھر میں بیٹی ہو وہاں اپنی ساری آن بان کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جھکنا پڑتا ہے سو اماں کو بھی جھکنا پڑا۔ جویا کی گود بھرائی کی تقریب میں وہ نہ چاہتے ہوئے بھی شریک ہوگئیں۔ زدیا کو البتہ نہ لے گئیں کہ

خدانخواستہ کوئی اتنی گری پڑی تھوڑی تھی اور جویا کی ساس سے اپنی ناراضگی کی لو کو انہوں نے دھیما ضرور کر لیا مگر بجھنے نہ دیا۔

پھر جب نویں مہینے جویا کو اس کی سسرال سے میکے بلوانے کا مرحلہ آیا تو اماں نے جویا کی ساس سے ساری گفت و شنید فون پر کی اور جویا کو لینے کے لیے سارہ آپا کو اس کی سسرال بھیجا۔

مگر جب جویا کے میکے آ جانے کے بعد اس کی سسرال والوں کی آمد و رفت ہوئی تو اماں ساری شکایتیں حکایتیں ایک طرف رکھ کر ان سے دل کھول کر ملیں۔

اگر یہ منافقت تھی تو کمال کی!

مصلحت تھی تو زبردست!

☆======☆======☆

گاڑی! گاڑی! گاڑی!

کتنا مسئلہ بنا ہوا تھا۔

جویا کے میکے والوں کو اس کے سسرال کی گاڑی کا احسان لینے کی ضرورت نہ پڑی۔ ظہر کے وقت جویا کی طبیعت خراب ہوئی۔ اماں نے ابا کو ٹیکسی لانے کے لیے بھیجا اور جویا نے کراہتے سسکتے یقین کو اس کے دفتر فون کر دیا۔

''بس میں ابھی پہنچا۔'' یقین نے کہا۔

''یہاں آنے کے بجائے ہاسپٹل پہنچے گا۔'' جویا بولی۔

''کیوں؟''

''کیونکہ ہم لوگ ہاسپٹل جا رہے ہیں۔''

''کیسے؟ کیسے جاؤ گی؟''

''ٹیکسی سے اور کیسے۔''

''جب تک تم لوگ ٹیکسی پکڑو گے میں پہنچ جاؤں گا...... میرا انتظار کرو میں آ رہا ہوں۔''

تبھی اماں نے آ کر بتایا کہ ابا ٹیکسی لے آئے ہیں۔

''ابا ٹیکسی لے آئے ہیں۔ ہم لوگ جا رہے ہیں۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔ میں ہاسپٹل پہنچتا ہوں۔''

اور یوں جویا کے میکے والوں کو اس کی سسرال کا ممنون احسان نہ ہونا پڑا۔

ادھر اماں، ابا اور بھابی جویا کو ٹیکسی میں لے کر اسپتال پہنچے ادھر یقین امی کو گھر سے لیتا ہوا اسپتال پہنچا۔

ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹروں نے بتایا کہ رات کو کسی وقت فراغت کے امکان تھے۔ صبح بھی ہو سکتی تھی۔

اماں نے ابا سے کہا۔ ''آپ تو بہو کو لے کر گھر جائیے بس اب رات کو آئیے گا کھانا لے کر۔''

''اماں! آپ کہیں تو میں رک جاتی ہوں جویا کے پاس۔'' بھابی نے اپنی خدمات پیش کیں۔

''نہیں، تم جاؤ..... رات کو ان کے ہاتھ کھانا بھجوا دینا دو تین آدمیوں کا۔''

''جی اچھا۔''

ان کے جاتے جاتے اماں نے علیحدگی میں سمجھایا۔ ''کھانا ذرا اچھا پکانا اور اتنا بھجوانا کہ اگر جویا کی سسرال سے ایک آدھ کوئی اور بھی آ جائے تو کھانا کم نہ پڑے۔''

''ٹھیک ہے۔'' بھابی نے بڑی فرماں برداری سے گردن ہلائی۔

''ایک آدھ پھل فروٹ بھی لیتے آیئے گا۔'' اماں نے ابا سے کہا۔

''اور کچھ؟''

''آپ سمجھ رہے ہیں؟ میں اپنے لیے فرمائشیں کر رہی ہوں۔'' اماں نے نظر بگاڑ کر ابا کو دیکھا۔ ''ارے بھئی، جویا کی ساس بھی رکیں گی، وہ یہ نہ کہیں کہ کیا کھانا آیا ہے بہو کے میکے سے۔''

''آپ اطمینان رکھیے..... شرمندہ نہیں ہوں گی آپ۔''

''بس..... بس..... میں یہی چاہتی ہوں۔''

ساڑھے چار بجے بڑی ڈاکٹر راؤنڈ پر آئیں تو انہوں نے جویا کو دیکھنے کے بعد یقین سے کہا بڑے آپریشن کے لیے بھی تیار رہا جائے۔

زنانہ انتظار گاہ میں اماں سورۂ مریم پڑھنے بیٹھ گئیں اور امی تسبیح کے دانے گھمانے لگیں۔

یقین بیتابانہ راہداری میں ٹہلنے لگا۔

جویا کے خدشات کی بازگشت اسے بری طرح سہما رہی تھی۔

''مجھے لگتا ہے، میں زندہ نہیں بچوں گی۔''

''میں مر جاؤں تو میرے بچے کو میرے میکے والوں کو دے دیجیے گا۔''

''آپ دوسری شادی کر لیجیے گا مگر پلیز میرے بچے کو سوتیلی ماں کے رحم و کرم پر مت چھوڑیے گا۔ بڑا ہو جائے تو بے شک اسے واپس لے لیجیے گا ننھیال والوں سے مگر بڑا ہونے تک اسے انہی لوگوں کے پاس رہنے دیجیے گا۔''

''فرض کیجیے ایسا موقع آیا کہ ڈاکٹروں نے کہا، بچے یا ماں میں سے کسی ایک کی جان بچائی جا سکتی ہے تو آپ کس کی جان بچانے کو کہیں گے۔''

اس وقت تو یقین نے مذاقاً کہا تھا کہ میں اپنی جان بچا کر بھاگ لوں گا لیکن اس وقت وہ مخمصے میں پڑا ہوا تھا۔

جویا اور بچہ دونوں ہی اس وقت اسے اہم محسوس ہو رہے تھے۔

وہ دونوں میں سے کسی ایک کو بھی نہیں کھونا چاہتا تھا۔

جویا کے ساتھ گزارے ہوئے ان گنت حسین اور دلگداز لمحوں کی یادیں اس کے ذہن کے بام و در پر چراغاں کیے ہوئے تھیں اور وہ ان چراغوں کو سدا روشن رکھنا چاہتا تھا۔

اسپتال کی صاف ستھری اجلی اجلی نرسری کے پنگوڑوں میں پڑے نوزائیدہ بچوں کو دیکھنا ایک ایسا فرحت بخش اور روح افزا تجربہ تھا جس نے اس کے دل میں بچے کی چاہ میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔

جب وہ نرسری کے شفاف شیشوں سے اندر جھانک رہا تھا تو ایک زرد رو نوجوان لڑکی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اپنے شوہر کے ہمراہ نرسری تک پہنچی تھی۔ دونوں اس سے ذرا پرے کھڑے ہو گئے تھے اور بڑے اشتیاق سے نرسری میں نظریں دوڑانے لگے تھے۔

''ذرا پہچانو تو کون سا ہے۔'' نوجوان شوہر نے کہا۔

یقین نے کان ان دونوں کی طرف لگا دیے۔

''وہ رہا۔'' اسپتال کے مخصوص ڈھیلے ڈھالے لباس میں ملبوس زرد رو ماں نے انگلی کے اشارے سے بتایا۔

''اتنے سارے بچوں میں اسے کیسے پہچان گئیں تم؟'' نوجوان کی آواز سے استعجاب جھلک رہا تھا۔

''میرا بیٹا ہے، کیسے نہیں پہچانوں گی میں اسے۔''

یقین نہ چاہتے ہوئے بھی گردن موڑ کر نوجوان عورت کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو گیا۔

ممتا کا غرور اس کی زرد روئی پر غالب آ گیا تھا۔

جویا کی سلامتی کے ساتھ یقین کو بچے کی زندگی بھی عزیز محسوس ہو رہی تھی۔

وہ تو نرسری میں ان خالی پنگوڑوں کو بھی دیکھ آیا تھا جن میں سے کسی ایک میں اس کے اپنے بچے کو لیٹنا تھا۔

''خدایا! خدایا! جویا کو اپنی امان میں رکھنا۔'' یقین نے راہداری میں ٹہلتے ہوئے سچے دل سے دعا کی۔ ''اور..... اور..... ہمارے بچے کو بھی..... زندہ سلامت رکھنا میرے مالک۔''

اس کی آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے۔

''مالک! بیٹا دینا۔'' امی دل ہی دل میں دعا مانگ رہی تھیں۔

''مولا! بیٹا ہو یا بیٹی میری بچی کو ساتھ خیریت کے فارغ کرنا۔'' اماں سورۂ مریم پڑھنے کے بعد آنکھیں بند کیے جی ہی جی میں دعا کر رہی تھیں۔

ثریا نے فون پر سارہ آپا اور زہرا باجی کو جویا کے اسپتال جانے کی خبر دے دی تھی۔ سارہ آپا نے دفتر سے واپسی پر اور زہرا باجی نے ارشاد کے آنے کے بعد اسپتال جانے کو کہا تھا۔

اسپتال کے لیبر روم میں اس وقت تین عورتیں داخل تھیں، جبکہ دو ڈلیوری روم میں تھیں۔ ان سب کے متعلقین انتظار گاہ میں راہداری میں موجود تھے۔

ڈلیوری روم کا دروازہ کھلا۔

ایک نرس ایک نوزائیدہ بچے کو لیے باہر نکلی اور اس نے پوچھا۔ ''مسرت کے ساتھ کون ہے؟''

''جی ہم ہیں۔'' مسرت کے متعلقین انتظار گاہ اور راہداری سے نرس کی طرف لپکے۔

''مبارک ہو! بیٹا ہوا ہے۔''

باپ کا چہرہ غرور سے تمتمانے لگا۔

پھوپھی کھل اٹھی۔

یقین، امی اور اماں کے لیے انتظار کی گھڑیاں پھر شروع ہو گئیں۔

بڑی ڈاکٹر کی اس بات نے کہ بڑے آپریشن کے لیے بھی تیار رہا جائے، اماں، امی اور یقین تینوں کو متفکر کر دیا تھا۔ اماں کو جویا کی فکر تھی تو امی کو بڑے آپریشن کے نتیجے میں ہونے والے اخراجات کی فکر تھی۔ یقین تو پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ اسپتال کے اخراجات کے لیے اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔ اس کی اس بات پر امی نے ابا سے شکایتاً کہا تھا۔ "سنا آپ نے صاحب زادے نے کیا کہا ہے!"

"کیا؟"

"فرماتے ہیں، اسپتال کے اخراجات کے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ آپ ہی لوگوں کو کرنا ہوگا۔"

"ظاہر ہے۔" ابا بولے۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" امی نے تیوری چڑھا کر پوچھا تھا۔

"بھئی، یقین میاں تو ہر ماہ تنخواہ آپ کے حوالے کر دیتے ہیں۔"

"اور میں تو جیسے ساری ہڑپ کر جاتی ہوں۔"

"مجھے پتا ہے۔" ابا رسانیت سے بولے۔ "کہ یقین میاں کی تنخواہ میں بہو کا حصہ بھی ہوتا ہے اور خود یقین میاں کا بھی۔ آپ تو بس تنخواہ ہاتھ میں لینے کی گناہ گار ہوتی ہیں لیکن یقین میاں بے چارے بھی کیا کریں۔"

"کریں یہ کہ..... بیوی سے کہیں جمع پونجی نکالو..... وہ کماتی کس لیے ہیں۔"

"بری بات۔"

"بری بات کیوں..... بھئی ہم نے ملازمت پیشہ لڑکی دیکھی ہی اس لیے تھی کہ دونوں مل کر اچھی طرح گزارہ کر لیں گے۔ اس لیے تھوڑی لائے تھے کہ ہماری فکر بڑھ جائے۔ بہو بیگم اپنی تنخواہ کی بھنک نہیں پڑنے دیتیں اور میاں کی تنخواہ میں اپنا پورا حصہ بنا لیتی ہیں۔"

"کوئی بات نہیں، جب ساتھ رہتے ہیں تو اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر دل میلا نہیں کیا کرتے۔"

"چھوٹی بات!" امی نے تیز سی نگاہوں سے ابا کو دیکھا اور بولیں۔ "چلانا پڑے نا مہینہ بھر آپ کو گھر کا خرچ تو پھر معلوم ہو۔"

"آپ ایک چھوٹے سے گھر کی بات کرتی ہیں..... صاحب، ہم نے برس ہا برس ادارے چلائے اور نہیں گھبرائے۔"

"ادارے چلانے اور گھر چلانے میں بہت فرق ہوتا ہے ماسٹر صاحب۔"

"خیر قصہ مختصر..... جب آپ نے بیٹے کا گھر ہنسی خوشی بسا دیا تو اب اس مرحلے سے بھی ہنسی خوشی گزرنے کی کوشش کیجیے۔"

"گئے سے گیا بھی پانچ سات ہزار کا تو بل ضرور بنے گا اسپتال کا۔ مجھے تو ابھی سے فکر لگ گئی ہے۔ دیکھنے والوں کو تو بڑا ہرا بھرا نظر آتا ہے۔ مہینہ کیو نکر گزارتی ہوں، یہ مجھے پتا ہے یا میرے اللہ کو۔"

"فکر کرنے سے کبھی کچھ حاصل ہوا ہے۔ اللہ پر بھروسا رکھیے۔"

کہاں تو امی پانچ سات ہزار خرچے کی فکر سے گھبرائی جا رہی تھیں، کہاں بڑے آپریشن کا ہوا سر پر آ کھڑا ہوا! امی کی ایک ملنے والی کی بیٹی کے ہاں حال ہی میں آپریشن سے بیٹا پیدا ہوا تھا، بتا رہی تھیں تقریباً بتیس ہزار کا بل بنایا تھا اسپتال والوں نے۔

آپریشن کا سن کر امی گھر فون کرنے جا رہی تھیں کہ مدحت بجیا اور ابا اسپتال آ پہنچے۔ امی نے بڑے تفکر کے ساتھ انہیں یہ خبر سنائی۔

"آپ پریشان کیوں ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر نے آپریشن ضروری سمجھا ہوگا تبھی کہا ہے۔" ابا نے امی کو سمجھایا۔

"مجھے آپریشن کی فکر نہیں..... میری بلا سے ڈاکٹر ایک نہیں دس آپریشن کر ڈالیں۔"

"ہیں! تو پھر کس بات کی فکر ہے؟"

"خرچے کی فکر ہے ماسٹر صاحب..... اسپتال والے تو ڈھیروں بل بنا دیں گے۔"

"اللہ مالک ہے۔"

"پچیس تیس ہزار کا بل بنا دیا تو کیا ہوگا!"

"اللہ پر بھروسا رکھیے۔"

"یقین سے کہتی ہوں کہ بیوی کے کان میں یہ بات ڈال دیں کہ آپریشن کے اخراجات کے لیے انہیں اپنی جمع پونجی ڈھیلی کرنی ہوگی۔"

"ہرگز نہیں..... اس وقت آپ ایسی کوئی بات نہیں کریں گی۔"

"یہی تو وقت ہے بات کرنے کا..... ورنہ بعد میں تو بہو بیگم آنکھیں دکھائیں گی اور بیٹے صاحب اپنی جیب جھاڑ کر دکھا دیں گے کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔"

"آپ فکر نہ کیجیے امی۔" مدحت بجیا بولیں۔ "سب ہو جائے گا۔"

امی کی ساری فکر یک لخت دور ہو گئی۔

مدحت بجیا کا اتنا کہہ دینا ہی کافی تھا۔

اس سے پہلے بھی وہ بارہا گھر والوں کے کام آئی تھیں۔

شادی سے پہلے وہ کنبے کی کفالت میں ابا کا ہاتھ بٹاتی رہی تھیں۔

اپنی شادی کی ناکامی کے بعد دوبارہ اپنے کنبے سے آ ملنے پر وہ پہلے سے بھی زیادہ ہاتھ بٹانے لگی تھیں۔

نگہت کی شادی پر انہوں نے اپنا سارا زیور چپ چاپ نئے ڈیزائن میں گھڑوا کر نگہت کو چڑھا دیا تھا اور اس بات کی ہوا سوائے اپنے گھر والوں کے کسی اور کو نہ لگنے دی تھی۔

یقین کی شادی پر ولیمے کا سارا خرچ انہوں نے ہی اٹھایا تھا اور امی کی طرف سے جویا کو منہ دکھائی کا تحفہ بھی انہوں نے ہی امی کو لا کر دیا تھا۔

ہر ماہ اپنی آدھی تنخواہ وہ خاموشی سے امی کی مٹھی میں دبا دیا کرتی تھیں اور اس کے علاوہ بھی وہ ضرورت پڑنے پر اپنی خدمات پیش کر دیا کرتی تھیں، بالکل ایسے ہی رضاکارانہ انداز میں جیسے کہ وہ اس وقت آگے بڑھ آئی تھیں۔

اور عجیب بات تھی کہ ایسے موقعوں پر ان کی تسلی امی کو گھر کے مردوں کے تسلی دینے سے زیادہ مطمئن کر دیا کرتی تھی۔ بجیا کے تسلی دیتے ہی انہیں یوں لگتا جیسے پریشانی رفع ہو گئی ہو۔

خدا جانے یہ بجیا کے خلوصِ نیت کا فیض تھا یا کسی کی دعائیں کام آ گئیں کہ جویا آپریشن کے بغیر ہی اس جاں گسل مرحلے سے گزر گئی۔

رات کو ڈھائی بجے کے لگ بھگ جویا نے ایک بیٹی کو جنم دیا۔ نرس سفید تولیے میں لپٹی بچی کو لیے ڈیلیوری روم سے نکلی تو یقین، اماں، امی، مدحت بجیا سب ایک ساتھ اس کی طرف لپکے۔

"مبارک ہو جی بیٹی ہوئی ہے۔" نرس نے بجھی بجھی سی آواز میں بتایا۔

یقین کو مایوسی ہوئی۔

دونوں سمدھنوں نے خفت سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر اماں بولیں۔ "چلو اللہ نے خیر سے نمٹا تو دیا۔"

"بھئی، مجھے تو پوتے کی آرزو تھی۔" امی بولیں۔

"شکر کریں، اماں جی، سیزیرین نہیں کرنا پڑا۔" نرس بولی۔

"امی دیکھیں تو کتنی پیاری ہے۔ آنکھیں کیسی چمک رہی ہیں!" مدحت بجیا بولیں۔

"ہاں۔" امی نیم دلی سے بولیں۔

یقین جسے ذرا دیر پہلے مایوسی ہوئی تھی، بڑے اشتیاق سے بیٹی کو دیکھ رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا، جیسے اس کے دل کے آس پاس محبت کا کوئی ٹھنڈا ابھار بیٹھا اور سریلا چشمہ یک بیک پھوٹ نکلا تھا۔ بیٹے کی چاہ جانے کہاں رفو چکر ہو گئی تھی۔ وہ تو چیاں جیسی ننھی منی آنکھوں کے سحر میں ایسا الجھ گیا تھا کہ اسے اپنی شریک سفر کا خیال بھی ذرا دیر سے آیا۔

"باوا از ہر مدر سسٹر؟" یقین نے نرس سے پوچھا۔

"شی از آل رائٹ۔"

"یقین، پیاری ہے نا؟" مدحت بجیا نے یقین سے پوچھا۔

"ہوں۔" وہ شرما کر بولا۔

"بھئی، بیٹا ہو یا بیٹی سب اللہ کی دین ہوتی ہے اور بیٹی تو اللہ کی رحمت ہوتی ہے، نبی کا سلام ہوتی ہے۔" اماں نے وزدیدہ نظروں سے سمدھن کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا، پھر الٹا انہی سے تائید بھی چاہی۔ "کیوں بہن؟"

"جی۔" امی کو اثبات میں سر ہلانا پڑا۔

"بھئی، ہم نے تو نہ کسی نواسی کی پیدائش پر منہ لٹکایا نہ پوتی کے پیدا ہونے پر منہ بنایا۔" اماں نے مزید کہا۔

امی کو مسکراتے ہی بنی۔

لیکن جب جویا کو ریکوری سے باہر لایا گیا تو اس کا منہ بھی اترا ہوا تھا۔ اماں، امی اور مدحت بجیا تینوں انتظار گاہ میں تھیں۔ یقین جویا کے لیے پرائیوٹ روم کا بندوبست کر کے لوٹا ہی تھا کہ اس نے دو نرسوں کو جویا کو ریکوری روم سے باہر لاتے دیکھا۔ وہ جویا کی طرف لپکا اور نرسوں نے کچھ دیر کو انہیں تخلیہ دے دیا۔

"مبارک ہو۔" وہ اس پر جھکتے ہوئے بولا۔

جویا کے لبوں پر لرزش سی طاری ہو گئی۔

"کیا بات ہے؟"

"کچھ......نہیں" وہ اس سے نظریں چراتے ہوئے بولی مگر یقین نے اس کی آنکھوں میں پھیل جانے والی نمی کو ننگے ہاتھوں پکڑ لیا۔

"کیوں؟ رو کیوں رہی ہو؟"

"سب......سب تو کہتے تھے بیٹا ہوگا۔" وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔

"پگلی!" یقین مسکرا دیا۔ "ارے، اتنی پیاری بیٹی دی ہے اللہ نے کہ میرا تو دل خوش ہو گیا۔ آنکھیں کھول کر دیکھ رہی تھی مجھے۔"

جویا نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"کیا وہ سچ کہہ رہا تھا!"

"ہاں......بہت پیاری ہے!"

"مگر......"

"مگر؟"

"آپ کو......آپ کو تو بیٹے کی تمنا تھی۔"

"کوئی بات نہیں یار......پھر سہی۔" وہ آنکھ دبا کر بولا۔

جویا شرما گئی۔

"اگلے برس پھر آئیں گے یہاں۔" یقین کے چہرے پر مسرت آمیز شرارت رقصاں تھی۔

جویا نے تنبیہی نگاہوں سے اسے دیکھا مگر اس تنبیہ میں محبت تھی۔

"سب لوگ کہاں ہیں؟" جویا نے پوچھا۔

"تمہارے منتظر بیٹھے ہیں......بتاتا ہوں انہیں۔"

یقین انتظار گاہ کی سمت مڑنے ہی کو تھا کہ جویا کو ریکوری سے باہر لانے والی دونوں نرسیں پلٹ آئیں۔

"مسز! انہیں روم نمبر نائن میں لے جانا ہے۔" یقین نے انہیں بتایا۔

ان دونوں نے مسکرا کر کچھ اس طرح ایک دوسرے کو دیکھا، جیسے یقین نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو، پھر ان میں سے ایک بولی۔ "ہمیں پتا ہے جی!"

امی کو پتا چلا کہ یقین نے پرائیوٹ روم لیا تھا تو وہ سمدھن سے علیحدگی میں یقین سے ناگواری سے بولیں۔ "تم نے پرائیوٹ کمرا تو لے لیا، یہ بھی سوچا کہ بل کون دے گا۔"

"اللہ دے گا۔" یقین نے شانِ استغنا سے کہا۔

امی اس کا منہ دیکھتی رہ گئیں۔

یقین کے چہرے پر فکر کی ہلکی سی چھاپ بھی نہ تھی اور شاید اس لیے نہ تھی کہ اسے فکر کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ فکر کرنے والا تو اوپر بیٹھا تھا اور پہلے ہی بندوبست کر چکا تھا۔

کوئی دو ماہ پہلے یقین کو پہلی بار ایک پرائیوٹ کام مل گیا تھا جسے اس نے دفتر والوں ہی سے نہیں گھر والوں سے بھی چوری چھپے چپ چاپ نمٹا دیا تھا۔ تقریباً نو ہزار روپے مل گئے تھے۔ اس رقم کی ہوا اس نے نہ امی کو لگنے دی تھی، نہ جویا کو بلکہ ان پیسوں کو اس وقت کے لیے اٹھا کر رکھ لیا تھا اور اس وقت بہت مطمئن تھا۔

اللہ کے مسبب الاسباب ہونے کا مطلب زندگی میں اس سے پہلے اتنے بھرپور انداز میں اس کی سمجھ میں کبھی نہیں آیا تھا!

☆======☆======☆

اسپتال میں تو امی مصلحتاً چپ ہو رہیں لیکن اگلے روز گھر میں پھر یہ مسئلہ زیرِ بحث آ گیا۔ یقین بھی موجود تھا۔

"دیکھو بھئی۔ مجھ سے تو اسپتال کے بل کی امید رکھنا مت۔ میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہوتے، خدا جانے مہینہ کیسے کھینچتی ہوں۔"

"امی جان! آپ سے مانگ کون رہا ہے۔" یقین بولا۔

"جب تمہاری بیوی اپنی جمع پونجی ڈھیلی نہیں کریں گی تو تم ہی سے مانگو گے۔"

"امی، کیوں بحث میں الجھ رہی ہیں۔ میں نے کل آپ سے کہہ تو دیا تھا کہ آپ فکر نہ کریں۔" مدحت بجیا بولیں۔

"بلکہ آپ کیا کوئی بھی فکر نہ کرے۔" یقین نے کہا۔

"کیوں؟ کیا آسمان سے ٹپکیں گے نوٹ؟" امی کو بھی غصہ آ گیا۔

"کیا پتا ٹپک ہی جائیں۔"

"سن رہے ہیں ماسٹر صاحب، کیسے دو بدو جواب دینے لگی ہے اولاد۔" امی نے ابا سے شکایت کی۔

"بیگم صاحبہ! آپ بھی تو بس......"

"کھلنے لگا ہے میرا وجود آپ سب کو......اب کی بار فرزین آ جائے تو اس سے کہوں گی مجھے اپنے ساتھ جہاز پر لے چلے۔" امی روہانسی ہو گئیں۔

"آپ نہیں جا سکتیں۔" ذہین بالا۔

"کیوں نہیں جا سکتی۔" امی نے تیوری چڑھا کر ذہین کو دیکھا۔

"صرف بیوی بچے لے جانے کی اجازت ہوتی ہے۔"

"اچھا بھئی، یہ تو بتایئے کہ آپ نے پوتی کے لیے کوئی نام بھی سوچا؟" ابا امی سے بولے۔

"ہم بھلا کون ہوتے ہیں، نام سوچنے والے۔ ننھیال والے رکھیں گے نام۔ بڑی خالہ کا نام سارہ ہے، بھانجی کا نام پورا یا آدھا رکھ دیں گے۔ نانی پر رکھا تو ماں جویا ہیں، بیٹی کو یا درنہ پا یار کھ دیں گے۔"

"امی، کیا ہو گیا ہے آپ کو۔" مدحت بجیا مخاطب امی سے تھیں مگر کن انکھیوں سے یقین کو دیکھ

رہی تھیں، جس کے چہرے پر کچھ ناگواری کی کیفیت تھی۔

"یقین میاں! آپ نے کوئی نام سوچا؟" بابا نے پوچھا۔

"جی ہاں، ابھی ابھی آیا ہے ایک نام ذہن میں۔"

"کیا بھلا؟" بابا نے اشتیاق سے پوچھا۔

"ذلت۔"

سب نے چونک کر یقین کو دیکھا۔

"ذلت! یہ بھلا کیا نام ہوا؟"

"کل سے بس یہی ایک طعنہ سن رہا ہوں کہ بل کون دے گا...... بل کون دے گا...... بچی نہ ہوئی ذلت ہوگئی میرے لیے۔" یقین کی آواز بھرا گئی۔

امی آخر کو ماں تھیں۔ یقین کی بھرائی ہوئی آواز سے پسیج گئیں اور خفیف ہو کر بولیں۔

"خدانخواستہ میرا مقصد تمہیں ذلیل کرنا تھوڑی تھا۔"

"تو پھر کیا مقصد تھا!"

"میرا مطلب تو یہ تھا کہ خیر سے دلہن بخیریت اپنے ہاتھ پاؤں سے چھوٹیں۔ اصل مشکل مرحلہ تو اللہ کے کرم سے بخیر و عافیت طے ہوگیا۔ اللہ نہ کرے آپریشن کی نوبت نہ آئی۔ اب تو بس تین چار دن اسپتال میں گزارنے کی بات تھی۔ پرائیویٹ کمرے کے بجائے جنرل وارڈ میں بھی رکھا جا سکتا تھا دلہن کو...... ارے بھئی! جو دیکھ بھال پرائیویٹ کمرے والے مریض کی ہوتی ہے، وہی جنرل وارڈ والے کی بھی ہوتی ہے۔ دونوں کو ایک ہی ڈاکٹر ایک ہی نرسیں دیکھتی بھالتی ہیں۔ بچے رہتے بھی نرسری میں پھر کیا ضرورت تھی بھلا پرائیویٹ کمرا لینے کی...... میں تو ایک بات کر رہی تھی۔" امی کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔

مگر امی کا معذرت خواہانہ لہجہ بھی یقین کی خفگی دور نہ کر سکا۔

"ایک نام ہم بتائیں۔" نزہت منمنائی۔

"اتنا ڈرتے ڈرتے کیوں کہہ رہی ہو بتاؤ۔" بابا نے کہا۔

"بتائیں۔"

"ہاں ہاں، بتاؤ بیٹی۔"

"مریم۔"

یقین نے بے ساختہ چونک کر نزہت کی طرف دیکھا۔

عجیب اتفاق تھا!

اس نے اور جویا نے بھی بیٹی کے لیے یہی نام سوچ رکھا تھا۔

"بہت چھوٹا سا اور اچھا نام ہے۔" بابا بولے۔

"بہت مقدس بھی ہے۔" مدحت بجیا نے کہا۔

بابا نے یقین کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "یقین بیٹے تم بھی تو کچھ بولو۔"

"جی...... اچھا ہے۔"

"تمہیں پسند آیا؟"

"جی...... جی ہاں۔"

"بس تو منی کے لیے مجوزہ ناموں کی فہرست میں یہ نام بھی شامل رکھنا۔"

"یہ نام تو ناپ پر ہے بابا۔"

"بھئی واہ! سنا نزہت بیٹی تم نے؟"

"تھینک یو ویری مچ یقین بھائی۔" نزہت نے تشکر آمیز نگاہوں سے یقین کو دیکھا۔

"بہت پرانا نام ہے۔ تمہاری بھابی کو پسند آئے تب بات ہے۔" امی بولیں۔

یقین نے نزہت کی طرف دیکھا اور فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ "منی کا نام صرف اور صرف مریم ہوگا۔"

"اب تو پکا کا تھینک یو یقین بھائی۔" نزہت ذرا کھل کر مسکرائی۔

مطلع قدرے کھل گیا تھا!

☆=====☆=====☆

اسپتال میں جویا کے پاس مستقل قیام تو اماں کا رہا تاہم میکے اور سسرال دونوں طرف سے دیگر افراد کا آنا جانا رہا۔ پرائیویٹ اسپتال تھا اور پرائیویٹ کمرا لے رکھا تھا اس لیے اوقات ملاقات کی پابندی نہ تھی، چنانچہ ہر شخص اپنی سہولت کے مطابق آتا جاتا۔ اسی آمد و رفت کے نتیجے میں امی کی ملاقات مسز لطفی سے ہوئی جو جویا کے کمرے سے متصل پرائیویٹ روم میں اپنی بھانجی سے ملنے اور اس کے نوزائیدہ بیٹے کو دیکھنے کے لیے اسپتال آئی ہوئی تھیں۔

مسز لطفی سے امی کی شناسائی نرسری کے شیشوں سے جھانکتے ہوئے اس وقت ہوئی، جب وہ اپنی بھانجی کے نوزائیدہ بیٹے کو پنگوڑے میں کلبلاتے دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔

"آپ کا کون ہے یہاں؟" انہوں نے امی کو گہری نگاہوں سے اپنی طرف دیکھتے پا کر امی سے سوال کیا۔

"میری پوتی۔" امی نے جواب دیا۔

"کہاں؟ کون سی ہے؟"

"وہ ادھر کونے سے پانچویں پنگوڑے میں کروٹ لیے سو رہی ہے۔"

"اچھا! اچھا! ماشاءاللہ بڑی پیاری ہے۔"

"آپ...... آپ کس کے لیے کھڑی ہیں؟"

"یہ۔" انہوں نے انگلی کے اشارے سے بتایا۔ "یہ جو بچہ آنکھیں پٹ پٹا رہا ہے میری بھانجی کا بیٹا ہے۔"

"رشتے میں آپ کا نواسہ ہوا؟"

"جی...... جی ہاں۔"

''آپ کے اپنے کتنے بچے ہیں؟''

''خیر سے تین بیٹے ہیں۔''

''بیٹی؟''

''بیٹی کوئی نہیں دی خدا نے، حالانکہ بڑی خواہش تھی، میرے میاں کو بیٹی کی اور خود مجھے بھی۔''

''بس اللہ کی دین ہے، کسی کو بن مانگے بیٹی پر بیٹی دیے جاتا ہے، کسی کو خواہش کے باوجود محروم رکھتا ہے۔''

''صحیح کہتی ہیں آپ۔''

''بیٹے آپ کے کیا کرتے ہیں؟''

''ماشاءاللہ تینوں ملازمت پیشہ ہیں۔ سب سے بڑا بینک میں ہے، اس سے چھوٹا ایک غیر ملکی ایئر لائن میں ہے۔ تیسرا ابھی حال ہی میں پولی ٹیکنیک سے ڈپلوما کر کے اسٹیل مل میں ملازم ہوا ہے۔''

''شادی ہوئی کسی کی؟''

''جی ہاں، ایک کی کر دی ہے، اب دوسرے کی کرنے کا ارادہ ہے۔''

''اچھا! اچھا۔''

''لڑکی اپنے مطلب کی نہیں مل رہی ہے۔''

''کیسی لڑکی چاہیے آپ کو؟''

''اصل میں میرا بیٹا ہے، بہت سیدھا سادہ۔ یعنی آپ دیکھیں تو اسے دیکھ کر لگتا نہیں ہے کہ ایئر لائن میں ملازم ہوگا اور پندرہ ہزار تنخواہ ہوگی۔ میں چاہتی ہوں اس کے لیے مزاج کی سادہ لڑکی ملے۔ تیز طرار نہ ہو۔ پڑھی لکھی ہو اور خاندان اچھا ہو۔''

''خوبصورت لڑکی چاہیے ہوگی آپ کو تو؟''

''نہیں...... یہی تو عجیب بات ہے۔ میرا بیٹا کہتا ہے، لڑکی عام سی ہونی چاہیے، خوبصورت ہوگی تو اپنے ناز نخروں میں رہے گی۔''

''یہ تو بڑی سمجھداری کی سوچ ہے۔''

''وہ کہتا ہے لڑکی کی خوبصورتی کیا دیکھنا۔ شادی کے بعد اکثر خوبصورت عورتیں بھی بھدی ہو جاتی ہیں۔ میرے بیٹے کو دبلی پتلی سی لڑکیاں بالکل پسند نہیں۔ ماشاءاللہ خود بھی بھاری بھرکم بدن کا ہے، اس کے ساتھ بھرے بھرے جسم کی لڑکی ہی اچھی لگے گی۔''

''آپ ٹھیک کہتی ہیں۔'' امی نے تائید کی۔

''آپ کے کتنے بچے ہیں؟'' انہوں نے امی سے پوچھا۔

امی نے ان کے سوال کا جواب دیا۔

پھر وہ پوچھتی گئیں اور امی بتاتی گئیں۔

وہیں نرسری کے باہر کھڑے کھڑے انہوں نے ایک دوسرے کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔

مسز لطفی نے اپنے بیگ سے نوٹ بک اور قلم نکال کر امی سے ان کا فون نمبر پوچھ کر لکھا اور اپنا نمبر ایک چھوٹی سی چٹ پر لکھ کر انہیں تھماتے ہوئے کہا۔ ''آپ سے مل کر خوشی ہوئی، کبھی آیئے ہمارے گھر۔''

''ضرور۔'' امی بولیں۔ ''آپ بھی آیئے گا۔''

''انشاءاللہ۔''

دونوں ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہوئی تھیں اور رخصت ہوتے سمے یوں لگ رہا تھا، جیسے ان کے مابین برسوں سے آشنائی تھی۔

بیا کہا کرتے تھے، جب دو اجنبی خاندانوں میں رشتے داری ہونی لکھی ہو تو وہ ایک دوسرے کو یونہی اچھے لگنے لگتے ہیں۔

☆=====☆=====☆

اسپتال کا بل پانچ ہزار سات سو ساٹھ روپے بنا۔ بل کی ادائیگی یقین نے اس خفیہ رقم سے کی جو اس نے امی سے ہی نہیں جویا سے بھی چھپا کر رکھی ہوئی تھی۔

اپنے گھر والوں پر اس نے یہ ظاہر کیا کہ بل کی ادائیگی جویا کے میکے والوں نے کی تھی۔

اور جویا کو یہ بتایا کہ دفتر سے ایڈوانس لیا تھا مگر ساتھ ہی یہ بھی سمجھا دیا کہ امی، بیا اور رمشا باجیا وغیرہ کو وہ یہی بتائے کہ بل اس کے میکے والوں نے ادا کیا تھا۔

''جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت؟'' جویا نے کہا۔

''بھئی، سمجھا کرو۔ قرضہ تو میں نے ہی ادا کرنا ہے تو کیوں نہ تمہارے گھر والوں کا جھنڈا اونچا کر دوں۔''

''تھینک یو۔''

جویا کو اس احساس سے مسرت ہوئی کہ یقین اپنے گھر والوں پر اس کے میکے کی برتری قائم کر رہا تھا۔ اس کے دل میں یقین کی محبت اور عزت بڑھ گئی۔

یہی نہیں بلکہ بقیہ رقم میں سے یقین، جویا کے لیے ایک طلائی لاکٹ بھی خرید لایا اور اسے دیتے ہوئے بولا۔ ''یہ میری طرف سے ایک چھوٹا سا تحفہ ہے تمہارے لیے۔''

''کس سلسلے میں؟''

''یہ مریم کی پیدائش کی یادگار بن کر تمہارے گلے میں پڑا رہے گا۔''

''تھینک یو...... کیا یہ بھی دفتر سے قرض لے کر خریدا ہے؟''

''نہیں یار، تفریحی الاؤنس ملا تھا دفتر سے۔''

''کتنا؟''

''بس اتنا کہ یہ لاکٹ آ گیا۔ مگر دیکھو، اپنے گھر والوں کو بے شک بتا دینا کہ میں نے دیا ہے مگر میرے گھر والوں کو ہرگز نہ بتانا۔''

''پہنوں گی تو سب دیکھیں گے تو سہی۔''

''کہہ دینا اماں نے دیا ہے۔''

جویا کی آنکھوں میں احساسِ تشکر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔

''آپ بہت اچھے ہیں یقین!'' وہ جذبات سے بوجھل آواز میں بولی۔

''واقعی۔'' وہ مسکرا دیا۔

''ہاں۔''

جذبات کی شدت جویا کی آنکھوں میں نمی بن کر پھیل گئی۔

''کتنی خوش قسمت ہوں میں!'' جویا نے دل ہی دل میں سوچا۔ ''سارہ آپا اور زہرا باجی کے شوہروں سے بھی بڑھ کر خیال رکھنے والا شوہر ملا ہے مجھے۔''

اور یقین دل ہی دل میں اپنی کامیاب منصوبہ بندی پر خوش ہو رہا تھا، اترا رہا تھا۔

اسپتال کا بل بھی ادا ہو گیا تھا۔

گھر والوں کا احسان بھی نہ لینا پڑا تھا۔

جویا بھی خوش ہو گئی تھی۔

اس کے گھر والے بھی ہمیشہ کے لیے ممنون احسان ہو گئے تھے۔

اور کڑے وقت کے لیے اس کی خفیہ رقم کا راز بھی نہ کھلنے پایا تھا۔

ایک تیر سے کتنے شکار کیے تھے اس نے!

جویا کو جھولوں بھی بھنک مل جاتی تو اس کے ایسے بخیے ادھیڑتی کہ سارا جگ دیکھتا اور سنا پھر کبھی اس کی کسی بات کا اعتبار نہ کرتی۔ اسے ہمیشہ شک و شبہے کی نظر سے دیکھتی۔ سچ کو بھی جھوٹ جانتی اور قدم قدم پر اسے پکڑنے کی کوشش کرتی۔ کیا عجب کہ اپنے میکے والوں سے بھی کہہ دیتی کہ اس شخص کا اعتبار کبھی مت کرنا۔

بہر حال چونکہ جھوٹ پکڑا نہ گیا تھا اور یقین نے بڑی خوبصورتی سے اسے نبھا دیا تھا لہٰذا سسرال میں یقین کی خاصی اہمیت بڑھ گئی تھی!

اماں اس کے آگے بچھی بچھی جاتیں۔

ابا زیادہ شفقت کا مظاہرہ کرنے لگے تھے۔

سالیاں زیادہ خیال رکھنے لگی تھیں۔

اماں اٹھتے بیٹھتے یقین بیٹے کے قصیدے پڑھتیں اور کہتیں۔ ''جیسی عزت یقین نے ہمیں دی ہے۔ اللہ کرے، دنیا کا ہر داماد اپنی سسرال کو ایسی ہی عزت دیا کرے۔''

گھر میں بہو کے خیال سے اماں یقین کی نیکی کا چرچا کرنے سے گریز کرتیں۔ اسپتال سے جویا کے گھر آ جانے کے بعد انہوں نے بھیا سے کہا تھا۔ ''بیٹے! اسپتال کا بل یقین نے دیا تو خود ہے مگر اپنے گھر والوں کے سامنے ہم لوگوں کا نام کیا ہے۔ مگر تم یہ بات اپنی بیوی کو نہ بتانا۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ پھر...... کل کو وہ بھی یہی چاہیں گی کہ تم ادھر نام ہو ان کے میکے والوں کا۔''

''ظاہر ہے۔''

''بھئی، تمہاری مرضی...... ہمارا کام تو تمہیں اچھا برا سمجھانا ہے۔ ہمارا کیا اگر تم اس قسم کی باتیں بیوی کو بتاؤ گے تو کل کو مشکل تمہی کو ہو گی بار تمہی پر پڑے گا۔''

''میں تو جب کروں گا نا، جب میری جیب اجازت دے گی۔ یہاں اپنا ہی پورا کرنا مشکل ہوتا ہے، سسرال والوں کا نام کہاں سے کروں گا۔'' بھیا بولے۔

اماں کو یک گونہ تقویت اور مسرت کا احساس ہوا۔ مزید سمجھانے کو بولیں۔ ''بیٹے! جب ایسی باتیں تمہاری بیوی کے کان میں پڑیں گی تو اگر تم نہیں بھی کرو گے کچھ تو تمہاری بیوی تم سے چوری چھپے سسرال والوں کا بھرنا بھریں گی اور تمہارے مال پر اپنے میکے والوں کا نام کریں گی۔ ارے بیٹا، عورتیں بڑی چلتر ہوتی ہیں۔''

بھیا نے بھابی کو اسپتال کے بل والی بات بتائی تھی یا نہیں، خدا ہی بہتر جانتا تھا، باقی گھر والوں نے یہ بات بھابی سے البتہ چھپائی تھی۔

اور بل کی طرح جویا کے لاکٹ کی حقیقت بھی بھابی سے چھپائی گئی۔

البتہ زہرا باجی کو اماں نے ہدایت کر دی تھی کہ ارشاد کو دونوں باتیں بتا دے تاکہ اس کے کان کھلیں کہ اچھے داماد ایسے ہوتے ہیں۔

سارہ آپا کے میاں بے چارے پردیسی تھے۔ اپنی اچانک آمد سے گھر والوں کو حیرت زدہ کرتے اور جس خاموشی سے آتے، اسی خاموشی سے چھٹی گزار کر واپس چلے جاتے۔ سارہ آپا ان کی کمائی سیاہ کرتی یا سفید انہیں کوئی غرض نہ ہوتی۔ وہ تو بس کمانے والی مشین تھے۔ سارہ آپا میکے کا خوب بھرنا بھرتیں، آگے پیچھے کوئی اعتراض کرنے والا نہ تھا۔

یقین کی اپنائیت کا قصہ سن کر سارہ آپا اور زہرا باجی دونوں ہی بہت متاثر ہوئیں۔

جویا کی سسرال میں یقین کی زبانی یہ خبر سننے پر کہ اسپتال کے اخراجات جویا کے میکے والوں نے ادا کیے تھے، ملی جلی آراء کا اظہار کیا گیا۔

امی نے پہلی بار سنا تو انہیں خفت بھی ہوئی، ملال بھی۔ بیٹیوں کی ماں تھیں۔ جویا کے میکے والوں کی معاشی حیثیت کا انہیں اندازہ تھا، سفید پوشی کا بھرم رکھنے والے لوگ تھے۔ کمانے والا فرد ایک ہی تھا۔

امی تو یہ باور کیے بیٹھی تھیں کہ جب جویا کو اسپتال سے ڈسچارج کیے جانے کا وقت آئے گا تو یقین بل کی ادائیگی کے سلسلے میں بلا تردد اپنے گھر والوں ہی کا ممنون احسان ٹھہرے گا۔ مگر جو ہوا، وہ ان کی توقع کے قطعاً برعکس تھا۔ انہیں گمان بھی نہیں تھا کہ جویا کے میکے والے اسپتال کے اخراجات کی ادائیگی کا بار اپنے سر اٹھائیں گے۔

چنانچہ امی نے یقین کو گھرکی لگائی۔ ''یقین! تم نے ہمیں کانوں کان پتا بھی نہ چلنے دیا کیا۔ سوچتے ہوں گے دلہن کے گھر والے کہ بہو کے اسپتال کا خرچا تک نہیں ادا کر سکے یہ لوگ۔''

یقین کو تو موقع ہاتھ آیا۔

''کسی کو تو بل ادا کرنا ہی تھا۔ جویا اور بچی کو اسپتال والوں کے پاس رہن تو رکھا نہیں جا سکتا

تھا۔ آپ نے تو ہاتھ اُٹھا لیا تھا۔"

"تم تو ایسے کہہ رہے ہو، جیسے پہلے کبھی تمہارا کسی معاملے میں ہاتھ بٹایا ہی نہیں ہم نے۔" امی نے تیوری پر بل ڈالتے ہوئے کہا۔

"خیر بل ادا ہو گیا۔"

"مجھے تو کوفت ہو رہی ہے، اس خیال سے کہ وہ لوگ کیا کہیں گے۔"

"چلئے کوئی بات نہیں۔"

"اب بیٹی کے باپ بن گئے ہو تم بھی...... پتا چلے گا کہ بیٹی کے ماں باپ کیسے مجبور ہوتے ہیں۔"

بابا نے سنا تو انہیں بھی افسوس ہوا۔

امی بابا سے بولیں۔ "ایسا کیجیے، ہم اور آپ چلتے ہیں اور بہو کی اماں کی مٹھی میں دبا آتے ہیں بل کی رقم۔"

بابا نے امی کو یوں دیکھا، جیسے وہ کوئی احمقانہ بات کر رہی تھیں پھر بولے۔ "انہیں شرمندہ کرنا چاہتی ہیں!"

"شرمندہ کرنے کی کیا بات...... کہہ دیں گے، یہ ہمارا فرض تھا کہ بل ہم ادا کرتے۔"

"اب جو ہو گیا سو ہو گیا۔ آئندہ احتیاط رکھیے گا...... غلطی آپ کی ہے۔"

"میری غلطی!" امی نے نظر بگاڑ کر بابا کو دیکھا۔ "میری کیا غلطی ہے؟"

"آپ ہی نے شور مچانا شروع کر دیا تھا کہ اسپتال کا بل کون دے گا! پرائیویٹ کمرا کیوں لیا تھا؟ وغیرہ وغیرہ۔ ہو سکتا ہے، ان لوگوں کے کانوں تک ایسی کوئی بات پہنچ گئی ہو۔"

"تو کیا غلط مچایا تھا میں نے شور؟ دینا تو مجھی کو پڑتا یا پھر بے چاری مدحت کو اپنی جمع پونجی نکالنا پڑتی۔"

"دیکھیے بیگم صاحبہ" بابا رسانیت سے بولے۔ "ایسے موقعوں پر آدمی کو سوچ سمجھ کر بات کرنی چاہیے۔ جب یقین میاں اور بہو ہمارے ساتھ رہ رہے ہیں اور یقین میاں اپنی تنخواہ آپ کے ہاتھ میں لا کر تھماتے ہیں تو ان کا دکھ سکھ نمٹانا بھی آپ کے ذمے ہے۔"

"تنخواہ ہاتھ میں لینے کی گناہ گار تو ٹھہرا دیا آپ نے مجھے...... یہ بھی پتا ہے کہ یقین کی تنخواہ میں سے بہو کو کتنا جاتا ہے، خود یقین کو کتنا دینا پڑتا ہے اور...... میرے پاس کیا باقی بچتا ہے۔"

"اس سے قطعاً بحث نہیں۔"

"تو پھر کاہے سے بحث ہے۔"

"ناراض نہ ہوں۔" بابا امی کے تیور بگڑے دیکھ کر بولے۔ "ذرا ٹھنڈے دل سے میری بات سنئے۔" بابا نے توقف کیا، پھر بولے۔ "جب لوگ مل جل کر رہتے ہیں تو پھر یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ کون کیا دیتا ہے اور کون کیا لیتا ہے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ سب ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ساجھی ہیں یا نہیں؟ دلوں میں خود غرضی کا نفاق تو نہیں؟ لوگ جب ساتھ رہتے ہیں تو پھر ترازو اور باٹ سنبھال کر

نہیں بیٹھا کرتے...... بیگم صاحبہ، جب یقین اور بہو ہمارے ساتھ رہ رہے ہیں۔ چولہا ہانڈی مشترک ہے۔ کھانا پینا اکٹھا ہے تو پھر ہمارا دکھ سکھ بھی ایک ہونا چاہیے۔ یقین اور بہو کی خوشی ہماری خوشی، ان کا دکھ ہمارا دکھ، ان کے مسائل ہمارے مسائل، ان کی ضرورت ہماری ضرورت۔ سمجھیں؟"

امی نے شاکی نگاہوں سے بابا کو دیکھا۔ ایک گہری سانس کھینچی پھر کانوں کو ہاتھ لگا کر بولیں۔ "سات پشتوں کو نصیحت کر جاؤں گی کہ کبھی کسی لڑکی کو کسی ماسٹر سے مت بیاہنا ورنہ ساری زندگی لیکچر سنتے گزارے گی۔"

بابا دھیرے سے مسکرا دیے پھر بولے۔ "خاتون معظم! یہ فرمائیے کہ سات پشتوں میں جو لڑکے ماسٹر بنیں گے، ان کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟"

"اے ہے او کمبخت تو پھر سارے کے سارے کنوارے رہ جائیں گے۔"

بابا ہنس دیے پھر بولے۔ "بیگم صاحبہ، یاد کیا کریں گی آپ ہمیں جب ہم اس دنیا میں نہیں ہوں گے۔"

امی کو یوں لگا جیسے ان کا دل کسی نے پوری شدت سے مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔

"ایسی باتیں مت کیا کریں ماسٹر صاحب۔" وہ بوجھل آواز میں بولیں۔

"ارے بھئی مرنا برحق ہے۔"

"سچ ہے۔" امی نے تائید میں سر ہلایا، پھر گھٹی گھٹی آواز میں بولیں۔ "لیکن یہ بھی تو سچ ہے ماسٹر صاحب کہ اب اس عمر میں ہمیں ایک دوسرے کی جتنی ضرورت ہے، اتنی شاید پہلے کبھی نہ تھی۔"

بابا نے امی کو دل گرفتہ پایا تو اٹھ کر ان کے قریب آ بیٹھے اور بولے۔ "مگر جانا تو ہے...... اس ساتھ کو ایک نہ ایک دن ٹوٹنا تو ہے بیگم صاحبہ...... ہم دونوں میں سے کوئی ایک...... دوسرے سے پہلے ضرور جائے گا۔"

"ہر نماز کے بعد سچے دل سے دعا کرتی ہوں، اپنے اللہ سے کہ مجھے سہاگن اٹھانا اس دنیا سے۔" امی نے بابا کی طرف دیکھا، یک بیک ان کے لبوں پر جاں فزا سی مسکراہٹ آئی اور وہ بولیں۔ "ماسٹر صاحب، آپ کے کندھوں پر لد کر جاؤں گی...... یاد رکھیے گا۔"

"بہت خود غرض ہیں آپ بیگم صاحبہ۔" بابا نے شاکی نگاہوں سے امی کو دیکھا۔

"بات کہاں سے کہاں آ پہنچی...... بل کی بات تو درمیان ہی میں رہ گئی۔" امی نے کہا۔

"درمیان میں تو نہیں رہی، پوری ہو گئی تھی۔"

"کہاں پوری ہوئی تھی۔"

"بھئی، ہو گئی تھی...... میں نے کہا نا، اب یقین کے سسرال والوں سے اس موضوع پر بات کرنے کی ضرورت نہیں جو ہو گیا سو ہو گیا۔"

مدحت بجیا کو پتا چلا تو انہیں بھی تاسف ہوا کہ کیوں جویا کے میکے والوں پر بار پڑا۔ مگر نگہت نے سنا تو بولی۔ "اگر بل دیا ہے انہوں نے تو کوئی احسان نہیں کیا کسی پر...... بیٹیوں کو سب دیتے ہیں...... خود ہی تو بھابی کو لے گئی تھیں...... طریقہ یہی ہوتا ہے کہ جب میکے

والے بیٹی کو لے جاتے ہیں تو پھر سارا خرچا بھی وہی اٹھاتے ہیں۔"

"ہاں خیر، یہ تو ہے۔" امی نے تائید کی۔ "جن گھرانوں میں بیٹیوں کو ایسے وقت میں لے جانے کا دستور ہے خرچا میکا ہی اٹھاتا ہے۔"

"تو پھر آپ لوگوں کو ہمدردی کیوں ہو رہی ہے!"

"بے چارے سفید پوش لوگ ہیں مشکل ہو جاتا ہے۔" مدحت بجیا بولیں۔

"مشکل ہو جاتا ہے تو بیٹیوں کو لے جانے کا شوق کیوں ہے۔ رسمیں ریتیں چھوڑ کیوں نہیں دیتے یہ لوگ!"

"بس اپنے اپنے خاندان کے طور طریقوں اور رسم و رواج کے پابند ہوتے ہیں لوگ۔" بجیا نے دبی زبان سے کہا۔

"ٹھیک ہے تو پھر اس کی قیمت بھی ادا کریں۔" نگہت نے منہ بنایا اور بولی۔ "امی! آپ لوگوں کو بڑی جلدی لاڈ آنے لگتا ہے، دوسروں کا۔"

بجیا سمجھ گئیں کہ نگہت امی کی آڑ میں انہی کو سنا رہی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے بڑی رسانیت سے کہا۔ "نگہت، لاڈ کی بات نہیں، بس یہ سوچنا چاہیے کہ کوئی ہماری وجہ سے پریشانی میں نہ پڑے۔"

"کوئی نہیں پڑتا پریشانی میں، یہ آپ لوگوں کی بھول ہے۔ مجھ سے پوچھیے کہ اصل ڈراما کیا ہے۔" نگہت نخوت سے بولی۔

"ڈراما!" بجیا چونکیں۔ "کیسا ڈراما؟"

"بل ادا کیا ہوگا بھابی صاحبہ نے اور نام کیا ہوگا اپنے میکے والوں کا۔"

"ہوں۔" امی کی ہوں بڑی معنی خیز تھی۔

نگہت کی بات بجیا کے دل کو بھی لگی۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔" امی نے کہا۔ "واقعی یہی ڈراما ہوا ہوگا۔"

"اور کیا..... بھئی، ہر مہینے یقین بھائی کی تنخواہ سے بھابی کو الگ حصہ ملتا ہے اور خود بھی کماتی ہیں۔ آج تک اپنی تنخواہ کی ہوا نہیں لگنے دی انہوں نے کہ کتنی ہے۔ بہت چالاک ہیں بھابی..... دنیا بھر میں طرح کی عورتوں سے اٹھتی بیٹھتی ہیں۔ ان سے سو طرح کی چالاکیاں سیکھ کر آتی ہوں گی۔ اپنی چالاکیاں اب وہ ہمیں لوگوں پر آزمائیں گی۔" نگہت نے امی اور بجیا کے تاثرات کا جائزہ لینے کو توقف کیا اور امی کو زیادہ، مدحت بجیا کو کم متاثر دیکھ کر بولیں۔ "آپ لوگ سمجھیں یا نہ سمجھیں، میں بھابی کی ساری چالاکیاں سمجھتی ہوں..... میں تو یہ بھی جانتی ہوں کہ میکے سے جو کچھ لے کر آئیں گی وہ بھی ان کا اپنا ہی ہوگا۔ نام کر دیں گی میکے والوں کا۔"

"یہ بات یقین کو بتانی پڑے گی۔ وہ تو بیوی کے سامنے کاٹھ کے اُلو بن جاتے ہیں۔"

"بالکل بتایئے گا بلکہ انہیں سمجھایئے گا کہ عقل سے کام لیں۔"

"خاک عقل سے کام لیں گے۔ جب سے بیوی میکے گئی ہیں، وہ تو سسرال کے ہو رہے ہیں۔"

"امی، بچی کو تو آپ ننھیال والوں سے بالکل مت ملنے دیجیے گا۔"

"میں کیا نہ ملنے دوں گی، وہ تو چلی ہلائی آئے گی، جب سوا مہینہ نہانے کے بعد آئیں گی دلہن۔"

"شکر ہے، بیٹی ہوئی ہے۔"

امی نے حیران ہو کر نگہت کو دیکھا۔

یہ وہ کیا کہہ رہی تھی!

نگہت امی کی نگاہوں میں ملفوف لیکن حیرانی کا مطلب تاڑ گئی۔

"بیٹا ہوا ہوتا تو آسمان پر چڑھ جاتیں بھابی..... اچھا ہے، پہلی بیٹی ہوئی ہے۔ زیادہ اونچی نہیں اڑیں گی۔"

"مگر یقین تو بیٹی سے بھی بہت خوش ہیں۔" مدحت بجیا بولیں۔

"بیوقوف جو ٹھہرے۔"

"کیا مطلب؟"

"بیوی سمجھیں گی، یہ تو بیٹی ہونے پر بھی خوش ہیں۔"

"بیٹی ہونے پر تو تمہارے میاں بھی خوش ہوئے تھے بلکہ وہ تو دوسری بیٹی پر بھی خوش ہی نظر آئے تھے۔" مدحت بجیا نے کہا۔

نگہت نے برا منہ بنایا اور بغلیں جھانکنے لگی!

☆=====☆=====☆

امی کسی روز مسز لطیفی کے ہاں جانے کا پروگرام بنا رہی تھیں کہ ایک روز مسز لطیفی خود ہی آ گئیں۔ سوئے اتفاق ان دنوں ٹیلیفون خراب تھا لہٰذا وہ اپنی آمد کی پیشگی اطلاع نہ دے سکیں اور آتے ہی انہوں نے رسمی علیک سلیک کے بعد اس بات کی معذرت چاہی کہ وہ باوجود انتہائی کوشش کے فون پر اپنی آمد کی اطلاع نہ کر پائی تھیں۔

"کوئی بات نہیں مسز لطیفی، آپ کا اپنا گھر ہے، جب چاہیں آئیں..... اصل میں ہمارا فون کئی دن سے خراب ہے۔" امی نے کہا۔

"اس روز ہاسپٹل میں مل کر بڑی خوشی ہوئی تھی مجھے۔"

"مجھے بھی۔"

"اچھے لوگ قسمت سے ملتے ہیں۔"

"آپ کی محبت ہے۔"

"گھر آسانی سے مل گیا آپ کو؟"

"اکیلی ہوتی تو شاید نہ ملتا۔"

"کس کے ساتھ آئی ہیں؟"

"جی ہاں، بیٹا چھوڑ گیا۔"

"گیا۔"

''ارے! اسے اندر کیوں نہیں بلایا آپ نے؟''

''اصل میں اسے کسی کام سے جانا تھا۔ مجھے چھوڑتا ہوا چلا گیا...... کہہ رہا تھا، گھنٹے سوا گھنٹے کا کام ہے، واپسی پر مجھے لیتا جائے گا۔''

''آپ بیٹھیے میں دومنٹ میں آتی ہوں۔''

''کوئی تکلف مت کیجیے گا۔ بس چائے کی ایک پیالی پلا دیجیے گا بغیر شکر کے۔''

''بغیر شکر کی؟''

''جی ہاں، ذیابیطس کی مریضہ ہوں میں۔''

مدحت بجیا سے مسز لطفی کا ذکر امی نے کر رکھا تھا۔ ڈرائنگ روم سے نکل کر امی بجیا کے کمرے میں پہنچیں۔ انہیں سوتے سے جگایا اور بولیں۔ ''وہ جو اس روز اسپتال میں ملی تھیں، جنہیں اپنے بیٹے کے لیے کسی لڑکی کی تلاش ہے، وہی آئی ہیں۔ ذرا تم اٹھ کر نزہت سے کہو، چائے بنا کر لے آئے۔ اس سے کہنا ذرا ٹھیک ٹھاک ہو کر سامنے آ جائے کیا پتا اللہ نے یہ غیبی مدد ہی بھیجی ہو۔''

''آپ ان کے پاس جائیے، میں نزہت کو سمجھا کر آتی ہوں۔''

''گھنٹے سوا گھنٹے بعد بیٹا انہیں لینے کے لیے آئے گا۔ ہو سکتا ہے وہی ہو...... بہرحال جو بھی ہوا، اپنے بابا سے کہہ دینا ملنے کے لیے تیار رہیں۔'' امی نے قدرے عجلت میں بجیا سے کہا۔

''ٹھیک ہے۔''

بجیا نے سب سے پہلے تو جلدی جلدی خود منہ ہاتھ دھویا پھر بابا کو جا کر الرٹ کیا، اس کے بعد وہ نزہت کے کمرے میں پہنچیں اور اس سے کہا۔ ''امی کی کوئی ملنے والی آئی ہیں۔ انہیں اچھی سی چائے پلانی ہے۔''

''کون ہیں؟''

''ہیں کوئی۔''

''ہم جانتے ہیں انہیں؟'' نزہت نے پوچھا۔

''جی نہیں مگر جان جاؤں گی...... اور ہاں، چائے ذرا ٹھیک ٹھاک ہو کر لانا۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ......'' بجیا نے سرتاپا نزہت کا ناقدانہ جائزہ لیا۔ ''کپڑے تو ٹھیک ٹھاک ہیں، بس ذرا بالوں میں کنگھا پھیر لینا...... دوپٹہ بھی بدل لینا۔ وہ جو تمہارا ہلکا فیروزی سادوپٹہ ہے نا، وہ چلے گا، ان کپڑوں کے ساتھ۔''

''بائی دی وے، یہ کون خاتون ہیں جنہیں چائے اس قدر اہتمام سے پیش کرنے کی ہدایت کر رہی ہیں آپ ہمیں؟''

''ہیں ایک وی آئی پی۔'' بجیا مسکرائیں۔

''وی آئی پی!''

''ہاں، ویری امپورٹنٹ لیڈی۔''

''وجہ شہرت۔''

''میری جان! اس قدر بحث میں مت پڑو۔ جلدی سے چائے بنا لو انہیں واپس بھی جانا ہے۔''

''چائے پلانا ضروری ہے کیا؟''

''بہت ضروری۔''

''چائے کے ساتھ کچھ دائے بھی؟''

''جو گھر میں ہے، وہی چلے گا۔''

''گھر میں تو بسکٹ اور چپس ہیں۔ کہیے تو موجو سے گرم سمو سے منگوائے لیتے ہیں۔''

''جو بھی کرو، جلدی کرو۔''

''او کے باس۔''

بجیا نے محبت آمیز مسکراہٹ سے نزہت کو دیکھا اور کچن سے نکل کر ڈرائنگ روم کا رخ کیا جہاں امی مسز لطفی کے ساتھ محو گفتگو تھیں۔

تھوڑی ہی دیر میں بجیا کو اندازہ ہو گیا کہ مسز لطفی ایک بااخلاق خاتون تھیں۔ کسی زمانے میں سیکنڈری اسکول ٹیچر بھی رہ چکی تھیں، پھر گھریلو ذمے داریوں کے سبب ملازمت ترک کر دی تھی۔ شوہر سرکاری افسر ہوا کرتے تھے! دو سال قبل ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ اپنا گھر تھا، گاڑی تھی اور شاید اس گھر میں محبت کی وہ خوشبو بھی تھی جس کی مہک ان کی باتوں سے آ رہی تھی۔

نزہت چائے لے کر آئی تو مدحت بجیا نے ایک نظر نزہت کو دیکھا، پھر ان کی نگاہیں مسز لطفی پر جا ٹکیں۔ امی بھی انہی کو دیکھ رہی تھیں۔ امی اور مدحت بجیا کے چہروں پر کمرا امتحان میں بیٹھے ان طالب علموں کا سا اضطراب تھا جو پرچہ کھلنے کے منتظر تھے۔

نزہت کے سلام کے جواب دیتے ہوئے مسز لطفی نے ایک نظر نزہت کو دیکھا۔

''یہ میری چھوٹی بیٹی ہے نزہت۔''

''اچھا! اچھا۔''

نزہت اشیائے خورد و نوش ان کے سامنے میز پر چننے لگی۔ موجو اس کی مدد کو موجود تھا مگر مدحت بجیا بھی اٹھ گئیں۔

چائے پیش کر کے نزہت واپس جانے لگی تو مسز لطفی نے کہا۔ ''نزہت بی بی، آپ ہمارے ساتھ چائے نہیں پئیں گی؟''

نزہت کو ان کے لہجے میں عجیب سی ٹھنڈک محسوس ہوئی۔

''ہم...... چائے بہت کم پیتے ہیں۔''

''بیٹا! چائے نہ پئیں، بیٹھ تو جائیں ہمارے ساتھ۔''

نزہت نہ چاہتے ہوئے بھی بیٹھ گئی۔

مسز لطفی اس سے اس کے معمولات و مشاغل کی بات کرنے لگیں۔ باتیں ہو رہی تھیں اور ٹی کوزی کے نیچے رکھی چائے دانی میں چائے ابھی گرم تھی کہ موجو نے مسز لطفی کے بیٹے کے آنے کی

خبر پہنچائی۔

بجیا نزہت کو بہت خوبی سے منظر سے نکال لے گئیں۔

مسز لطیفی کا بیٹا بھاری بھرکم بدن کا نوجوان تھا۔ اس کا نام مسعود تھا۔ مسعود آیا تو امی نے مسز لطیفی کی اجازت سے بابا کو بھی ڈرائنگ روم میں بلوالیا۔

تعارف ہوا۔

باتیں ہوئیں۔

چائے پی گئی۔

اور جب مسز لطیفی اپنے بیٹے کے ساتھ جانے کو اٹھیں تو ان کی گرمجوش مسکراہٹ امی کے دل کو عجیب سی تقویت بخش رہی تھی۔

چلتے چلتے مسز لطیفی نے امی سے آہستہ سے پوچھا ''اجازت ہو تو ایک بات پوچھوں آپ سے؟''

''جی......جی......ضرور۔''

''چھوٹی بیٹی کی کہیں بات تو نہیں کر رکھی ہے آپ نے؟''

''ایک دو جگہ بات چل رہی ہے۔'' امی نے مصلحتاً جھوٹ بولا۔

''بات کہیں پکی تو نہیں ہوئی نا؟''

''ابھی تو نہیں ہوئی۔''

''مجھے آپ کی بیٹی اچھی لگی ہے لیکن مسعود کی شرط یہ ہے کہ لڑکی کو ایک نظر یہ خود بھی ضرور دیکھیں گے۔ کیا آپ لڑکی کو مسعود کو دکھا سکیں گی؟''

امی تذبذب میں پڑ گئیں۔

''آپ سوچ لیجیے میں ایک دو روز میں فون پر معلوم کرلوں گی آپ سے۔''

''فون تو ہمارا خراب ہے۔''

''ٹھیک ہے اگر فون پر رابطہ نہ ہوسکا تو میں خود آجاؤں گی۔''

''جی اچھا۔''

امی عجیب سی کیفیت میں تھیں۔

انہیں یقین نہ آرہا تھا کہ ایک اجنبی خاتون سے اتفاقی ملاقات کے نتیجے میں یہ بات بھی ہوسکتی تھی۔

نزہت کا بھاری بھرکم بدن معمولی نک سک تو ان کے لیے مستقل فکر کا باعث بنے ہوئے تھے۔ وہ اکثر سوچتی تھیں کہ اس کی شادی کا مسئلہ نہ جانے کیونکر حل ہوگا۔ جس سے بھی کہتیں وہ یہی کہتا موٹی لڑکیوں کے لیے ذرا مشکل سے رشتے ملتے ہیں۔

مشکل واقعی تھی بھی۔

جہاں بات چلی، بڑھنے سے پہلے ہی ختم ہوگئی۔

جس نے ایک بار دیکھا، وہ پلٹ کر نہیں آیا۔

اور مسز لطیفی کہہ رہی تھیں بھلا لڑکی پسند آگئی ہے!

امی نے اپنی اصل کیفیت ان پر ظاہر نہ ہونے دی، تاہم دل ہی دل میں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔

مسز لطیفی کو رخصت کرنے کے بعد امی، بابا اور مدحت بجیا کا ایک اجلاس ہوا جس میں یہ طے پایا کہ لڑکے کی خواہش پوری کر دینے میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔

امی خوش بھی تھیں، متذبذب بھی۔

ان گنت واہمے اور خدشات بھی انہیں ڈرا رہے تھے۔ مدحت بجیا کی دفعہ دھوکا جو کھا چکی تھیں۔

کبھی سوچتیں، لڑکے میں کوئی عیب نہ ہو۔

کبھی خیال آتا، ماں اور بیٹا دونوں ہی کہیں فراڈ نہ ہوں۔

''بیگم صاحبہ! آپ اطمینان رکھیے، میں سب معلومات کرلوں گا۔'' بابا نے تسلی دی۔

''ویسے بابا فراڈ لگتے تو نہیں۔'' بجیا بولیں۔

رات کو بستر پر لیٹنے کے بعد امی نے پھر وہی موضوع چھیڑ دیا۔ ان کی پریشانی اور خدشات بدستور تھے۔

''عجیب بات ہے صاحب، کل تک تو آپ ان خاتون کے قصیدے پڑھ رہی تھیں اور متفکر تھیں کہ اگر انہوں نے فون کیا تو فون خراب ہونے کی وجہ سے رابطہ نہ ہو سکے گا اور آج جب وہ آکر جاچکی ہیں تو آپ پریشان ہوتی جارہی ہیں۔''

''پریشان اس لیے ہوں کہ وہ نزہت کو پسند کرنے کا عندیہ دے گئی ہیں۔''

''بہت خوب۔'' بابا ہنس پڑے۔ ''کل تک پریشان تھیں کہ نزہت کا رشتہ کیونکر ہوگا کہاں ہوگا، اور آج جب خدا نے سبیل بنادی ہے تو آپ زیادہ پریشان ہورہی ہیں۔''

''یعنی آنکھ بند کرکے تو نہیں دی جاتی نا۔''

''آپ سے کہہ کون رہا ہے، آنکھیں بند کرکے دینے کو...... انشاء اللہ ہم اپنا ہر طرح سے اطمینان کریں گے، پھر بات بڑھے گی۔''

''اور اگر اطمینان کرنے کے چکر میں رشتہ ہاتھ سے نکل گیا تو؟''

''بھئی واہ! آپ بھی خوب ہیں...... کسی ایک بات پر تو ٹک جائیے...... ویسے میں ایک بات بتا دوں آپ کو...... یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے ہیں میں نے...... دنیا دیکھی ہے...... لوگوں کو برتا ہے...... ان کے چہرے اور ذہن پڑھ سکتا ہوں...... یہ لوگ مجھے غلط نہیں لگ رہے ٹھیک ٹھاک ہیں۔''

''غلط مدحت کے سسرال والے بھی کب لگتے تھے مگر......'' امی کی آواز گھٹ کر رہ گئی۔

''میں جانتا ہوں مدحت کی بربادی کا دکھ تیغ بن کر آپ کے دل میں اٹکا ہوا ہے...... مگر

دھوکا کھانے کے باوجود بھی انسانوں پر بھروسا کرنا پڑتا ہے۔ یہ ہم سب کی مجبوری ہے۔ اگر خدانخواستہ کوئی بدقسمتی ہمارا پیچھا نہیں کر رہی تو انشاء اللہ آپ مایوس نہیں ہوں گی۔ دیکھیے نا...... مدحت کے ایسے کے بعد ہم نے نگہت کے لیے افتخار پر بھی تو بھروسا کیا ہی تھا نا...... اللہ کا شکر ہے ٹھیک ٹھیک معاملہ رہا...... پھر اللہ پر بھروسا کر کے انسانوں کو آزمائیں گے۔"

"مجھے تو فکر کے مارے نیند نہیں آ رہی۔"

"ارے بیگم صاحبہ! کیوں فکر مند ہیں...... ویسے بھی ابھی تو وہ فقط عندیہ دے کر گئی ہیں۔ ابھی تو بہت سے مرحلے باقی ہیں۔"

"ویسے لڑکا آپ کو کیسا لگا؟"

"معقول ہے۔ پڑھا لکھا ہے۔ برسر روزگار ہے۔ سمجھدار ہے۔ بڑی متانت سے بات کی اس نے مجھے پسند آیا۔"

"ماسٹر صاحب! اگر بات چل گئی تو بہو بیگم گھر آنے پر حیران رہ جائیں گی کہ یہ میرے پیچھے کیا ماجرا ہو گیا۔"

"بہو بیگم کو آپ بہانے بہانے یاد تو کرتی ہیں۔"

"سمجھ رہی ہوں، کیا کہنا چاہ رہے ہیں آپ۔" امی نے تیز سی نگاہوں سے بابا کو دیکھا۔

"کیا بھلا؟"

"آپ سمجھتے ہیں، بہو کو میں اپنی دشمن سمجھتی ہوں۔"

"یہ میں نے کب کہا!"

"بہو سے کوئی دشمنی یا بغض نہیں ہے مجھے...... غصہ اس وقت آتا ہے، جب بہو بیگم چالاکی دکھاتی ہیں...... بدتمیزی اور بدزبانی کرتی ہیں...... یا جب یہ سمجھتی ہیں کہ یقین بس فقط انہی کا ہے۔ ہمارا تو جیسے اس پر کوئی حق، کوئی زور ہی نہیں۔"

"ویسے بیگم صاحبہ، آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں؟"

"جی فرمایئے۔"

"یہ تسلیم کر لینے میں کیا ہرج ہے کہ شادی کے بعد لڑکا بیوی کا زیادہ ہو جاتا ہے۔ آخر ہم بھی تو شادی کے بعد اپنی والدہ سے زیادہ آپ ہی کے ہو گئے تھے۔"

"ارے، جتنی خدمت ہم نے کی ہے، آپ کی والدہ کی وہ ہمارا اللہ ہی جانتا ہے۔"

"میں شکر گزار ہوں، آپ کا بلکہ جب تک زندگی ہے احسان مند رہوں گا۔"

"احسان کی کیا بات، یہ میرا فرض تھا اور وہ جنتی بی بی تھیں بھی محبت کیے جانے کے لائق۔"

"شکریہ۔" بابا بولے پھر انہوں نے قدرے توقف سے مزید کہا۔ "میری دعا ہے کہ آپ جتنی اچھی بہو ثابت ہوئیں، اتنی ہی اچھی ساس بھی ثابت ہوں۔"

امی کچھ نہیں بولیں۔

"اجازت ہو تو ایک بات کہوں۔"

"بھئی اجازت لے لے کر کیا بات کرتے ہیں...... کہیے۔"

"نگہت کبھی کبھی عقلمندی کی بات بھی کر جاتی ہے۔ اس کی بات پر ذرا سوچ سمجھ کر کان دیا کریں۔"

"آپ کو نہیں پتا، کبھی کبھی وہ کتنی عقلمندی کی بات کر جاتی ہے۔" امی نے بیک جنبشِ لب بابا کی بات رد کر دی۔

☆=====☆=====☆

دو روز بعد مسز لطفی نے فون کیا اور علیک سلیک کے بعد بولیں۔ "آپ نے ہماری درخواست پر غور کیا؟"

امی تکلفاً کچھ ہچکچائیں۔ ایک دم کیسے کہہ دیتیں کہ ہاں آیئے، اور لڑکے کو لڑکی دکھا دیجیے۔

"کیا لڑکے کو لڑکی دکھانا بہت ضروری ہے؟" امی نے پوچھا۔

"اصل میں بیٹے نے شرط ہی یہ ایک رکھی ہے۔ صاحبزادے کی کچھ اور ڈیمانڈ نہیں۔ نہ دراز قامتی، نہ گورا رنگ، نہ کالے بال، نہ امارت نہ جہیز، ان کا کہنا یہ ہے کہ امی ایک نظر لڑکی کو ضرور دیکھوں گا اگر پسند آ گئی تو کہہ دوں گا کہ بس یہ لڑکی ٹھیک ہے، اس سے بسم اللہ کیجیے۔"

"صاحبزادے کے ذہن میں اپنی پسند کا کچھ خاکہ تو ہوگا؟" امی نے ٹٹولنے کی کوشش کی۔

"میں نے بارہا پوچھا۔ بڑی بھاوج نے بھی پوچھا۔ کہتے ہیں، وضاحت کرنے سے قاصر ہوں۔ بس جو میری نظر کو بھا گئی میرے لیے تو وہی اچھی ہوگی۔"

"میں نے گھر میں صلاح مشورہ کیا تھا۔ اگرچہ ہمارے ہاں لڑکے کو لڑکی دکھانے کا فیشن نہیں ہے۔ لڑکے کے والدین اور بہن بھائی البتہ دیکھ لیں تو کوئی ہرج نہیں۔ مگر میرے شوہر اور بڑی بیٹی آپ لوگوں سے مل کر خاصے متاثر ہوئے ہیں اس لیے بحالت مجبوری آپ کی شرط پوری کرنے کی صلاح ٹھہری لیکن دیکھیے، بیٹوں، بہو وغیرہ کسی سے ذکر نہیں کیا ہے اب تک۔ ماسٹر صاحب نے کہا، ٹھیک ہے۔ پہلے لڑکا دیکھ لے لڑکی پھر اگر بات بڑھی تو سب کو بتا دیں گے۔ پہلے سے ڈھنڈورا پیٹنے سے کیا فائدہ۔"

"بالکل صحیح۔" مسز لطفی نے تائید کی۔

"مگر اس بات کا ذکر بعد میں بھی اور کسی سے نہیں کیا جائے گا کہ لڑکے کو لڑکی دکھائی گئی ہے۔ اصل میں ہم لوگ ابھی اتنے ماڈرن نہیں ہوئے۔"

"میں آپ کی بات سمجھ رہی ہوں۔ لڑکے کی یہ شرط نہ ہوتی تو میں ہرگز ایسی بات نہ کہتی آپ سے۔" مسز لطفی معذرت خواہانہ انداز میں بولیں۔

"خیر چلیے کوئی بات نہیں۔ آپ کی خوشی کی خاطر یہ بھی گوارا۔"

"ٹھیک ہے...... تو پھر کب آ جائیں ہم؟"

"جب جی چاہے آ جایئے، بس آنے سے پہلے اطلاع کر دیجیے گا تاکہ کہیں آنا جانا ہو تو ہم لوگ نہ جائیں۔"

''نہیں، ہماری وجہ سے آپ اپنا کوئی پروگرام ملتوی نہ کیجئے گا۔''

''جب آپ کے آنے کا پروگرام ہوگا تو دوسرا ہر پروگرام لازماً کینسل ہو جائے گا۔''

''میں ذرا صاحب زادے سے پوچھ لوں کہ انہیں کب فرصت ہوگی، بس پھر آپ کو بتاتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔''

ایک دوسرے سے اہلِ خانہ کی خیر و عافیت کے بعد بات چیت ختم ہوئی۔

شام کو مسز لطیفی نے پھر فون کھڑکا دیا۔ وہ اسی روز آنا چاہتی تھیں۔ امی نے اجازت تو دے دی مگر تشویش میں پڑ گئیں۔

''ماسٹر صاحب! ان لوگوں کی اتنی عجلت سے مجھے تو خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔'' امی نے ابا سے کہا۔

''لڑکی ابھی اپنے گھر میں ہے، دل نہ ٹھکے تو انکار کر دیجئے گا۔ پریشان کیوں ہوتی ہیں۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا، اتنی جلدی کیوں ہے انہیں؟''

''یہ کوئی تشویش میں پڑنے والی بات نہیں۔ جب آپ نے یقین کی شادی کا ارادہ کیا تھا تو کیا آپ کو بھی اسی طرح جلدی نہیں لگ گئی تھی۔ اللہ پر چھوڑ دیجئے اگر اس کے ہاں سے وقت مقرر ہے تو آپ یا وہ لاکھ دیر کریں، دیر نہیں ہوگی اور اگر اوپر سے جلدی وقت مقرر ہے تو آپ لاکھ ٹالیے، دیر نہیں ہوگی۔ جو دن اور وقت اوپر لکھا ہے اسے آپ ٹالے نہیں ٹال سکیں گی۔''

''حیرت ہوتی ہے ماسٹر صاحب کہ آپ کن کن باتوں پر اور کس کس طرح سے دل کو ٹھہرائے بیٹھے ہیں۔''

''دیکھ لیجئے۔''

''اچھا خیر، مغرب اور عشاء کے درمیان آ رہے ہیں وہ لوگ۔''

''بسم اللہ...... آنے دیجئے...... مہمان تو کوئی بھی ہوں...... کسی بھی قسم کے ہوں، اللہ کی رحمت ہوتے ہیں۔''

''نگہت کو فون کر کے بتا دیجئے ذرا کہ وہ لوگ آ رہے ہیں۔ اس نے کہا تھا، جب بھی وہ آئیں مجھے ضرور فون کر دیجئے گا۔''

''ٹھیک ہے، کیے دیتا ہوں۔''

''یقین ہو سکتا ہے کہ اس وقت گھر پر ہوں۔ ان سے کیونکر چھپائی جا سکے گی، پھر یہ بات؟''

''چھپانے کی ضرورت کیا ہے؟''

''وہ ابھی سے اپنی سسرال میں الم نشرح کر دیں گے۔''

''کرنے دیجئے۔''

''بہو بیگم کہیں گی بیٹی کی نمائش کی جا رہی ہے۔''

''کہنے دیجئے۔''

''بات ہو گئی تو خیر، نہ ہوئی تو بہو اور ان کے گھر والے ہنسیں گے۔''

''بہو کے گھر والے ہم ہیں، کیا بہو آپ اپنے اوپر ہنسیں گی؟''

''میں ان کے میکے والوں کی بات کر رہی ہوں۔''

''ہنسنے دیجئے، ایک تو آپ کی مشکل یہ ہے بیگم صاحبہ کہ آپ کو جہاں بھر کی فکر لگی رہتی ہے کہ فلاں یہ نہ سوچے فلاں یہ نہ کہہ دے۔ جس بات کو آپ کا دل...... آپ کا دماغ...... آپ کا ضمیر درست سمجھتا ہے اور آپ مطمئن ہیں کہ آپ کوئی غلط کام نہیں کر رہیں تو اس کے بارے میں ہرگز ہرگز دوسروں کی رائے کے بارے میں تشویش میں نہ پڑیں...... سمجھیں۔''

''میں ذرا مدحت اور نزہت کو جا کر سمجھا دوں کہ ان لوگوں کی خاطر تواضع کا بندوبست کر لیں، تب تک آپ نگہت کو فون کر دیں۔''

نگہت کو فون کروانے کی امی کو بہت فکر تھی۔ وہ جانتی تھیں کہ خدانخواستہ اسے اطلاع نہ کی گئی تو وہ بری طرح ناراض ہو جائے گی۔

☆=====☆=====☆

مغرب اور عشاء کے درمیان مسز لطیفی اپنے بیٹے اور بہو کے ہمراہ پہنچ گئیں۔ نگہت اور افتخار احمد ان سے پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ یقین مغرب کے بعد نہا دھو کر سسرال چلا گیا تھا۔ جب سے بیٹی ہوئی تھی، وہ گھر میں برائے نام ہی ٹھہرتا تھا۔ دفتر سے آنے کے بعد اسے سسرال کا ہڑکا لگا رہتا۔ امی نے اسے تیار ہوتے دیکھا تو کچھ نہ بتانا ہی بہتر سمجھا اور نگہت کے آنے پر اسے اور افتخار کو بھی اس سلسلے میں اعتماد میں لے لیا اور ان سے بولیں۔ ''دیکھو میاں، بات چلے یا نہ چلے، یقین کو پتا نہ چلے کہ نزہت کو ہم نے لڑکے کو دکھایا ہے۔''

افتخار احمد نے دیکھا کہ بیٹے کی نسبت وہ ان پر زیادہ اعتماد کر رہی تھیں تو بولے۔ ''آپ اطمینان رکھیے امی، میری زبان سے بھولے سے بھی یہ بات نہ نکلنے پائیں گی آپ۔''

''یقین سے چھپانے کا اور کوئی سبب نہیں، بس یہی ہے کہ وہ آج کل سسرال بہت آ جا رہے ہیں۔ پیٹ میں یہ بات نہ رکھ سکیں گے۔ بات بن گئی تو خیر نہ بنی تو وہ لوگ باتیں بنائیں گے۔''

امی کتنے پشتے باندھ رہی تھیں!

حالانکہ افتخار احمد سے وہ یہ توقع رکھتی تھیں کہ وہ اپنی سسرال سے کسی بات کا پردہ نہ رکھیں!

ویسے افتخار احمد سے یہ توقع نہ بھی رکھی جاتی تو وہ ایسے بھولے بادشاہ تھے کہ سسرال والوں سے کوئی بات راز نہ رکھ پاتے۔

مہمانوں کے سامنے جاتے ہوئے نزہت بری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔ اسے بھنک مل چکی تھی کہ امیدوار معاملہ بنفسِ نفیس تشریف لا رہے تھے۔

نزہت چائے لے کر کچن سے نکلنے لگی تو موجو نے کہا۔ ''چھوٹی باجی، جی ذرا خیال سے۔''

''کیوں؟'' نزہت نے اسے گھورا اور نزہت سے زیادہ نگہت نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

''جو کوئی دولہا کر کے لب آسکرا ایسے ہوں...''

نکہت مورل سپورٹ دینے کے لیے اس کے ساتھ ساتھ تھی۔

ڈرائنگ روم میں مدحت بجیا اور امی مہمانوں سے محوِ گفتگو تھیں۔ گھر کے مردوں کو ابھی ڈرائنگ روم میں نہ لایا گیا تھا۔ مہمانوں کی آمد سے قبل امی، مدحت بجیا اور نکہت نے باہمی صلاح مشورے سے یہ طے کیا تھا کہ پہلے چائے ڈرائنگ روم میں پہنچوادی جائے گی اور لڑکے کو نزہت کو دکھانے کے بعد بابا، افتخار اور ذہین کو ڈرائنگ روم میں بلایا جائے گا۔

نزہت بمشکل پانچ منٹ کے لیے ڈرائنگ روم میں مہمانوں کے سامنے ٹھہری۔ وہ انتہائی نروس ہو رہی تھی اور اس کی گھبراہٹ دیکھ کر مدحت بجیا کو اس پر ترس کے ساتھ پیار بھی آ رہا تھا۔

لڑکے نے نزہت کو دیکھا۔

مسز لطیفی اور ان کی بہو نے نزہت سے دو چار رسمی سی باتیں کیں۔

پھر نکہت بہانے سے نزہت کو وہاں سے لے گئی اور واپسی پر بابا، افتخار احمد اور ذہین کو اپنے ساتھ لیتی ہوئی دوبارہ ڈرائنگ روم میں پہنچی۔

چائے کا دور چلا۔

خاصی بے تکلفی سے باتیں کی گئیں۔

عشاء کے بعد جب مہمان جانے کو اٹھے تو مسز لطیفی نے آہستہ سے امی سے کہا۔ ''میں آپ کو فون کروں گی۔''

امی بولیں۔ ''رشتے ناتے تو مقدر سے ہوتے ہیں لیکن آپ سے جو تعلقات قائم ہوئے ہیں انہیں برقرار رہنا چاہیے۔''

''ان شاء اللہ۔''

مہمانوں کے رخصت ہوتے ہی نکہت نے فتویٰ دیا۔ ''لوگ بہت اچھے ہیں اور لڑکے کو نزہت پسند آ گئی ہے۔''

''تمہیں کیسے پتا؟'' مدحت بجیا نے پوچھا۔

''لڑکے کی نظریں بتا رہی تھیں۔''

''نکہت کا اندازہ درست ہے۔'' امی نے تائید کی۔

''نزہت کی بھی تو خبر لینی چاہیے۔'' مدحت بجیا بولیں۔ ''جس وقت وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو ٹرالی پر اس کے ہاتھ بری طرح لرز رہے تھے۔''

''بے چاری لڑکیاں!'' امی نے ترس کھایا۔

مسز لطیفی کا فون رات ہی کو آ گیا۔

لڑکے نے نزہت کو پسند کر لیا تھا!

امی کو تشویش نے آ لیا۔

''اتنی جلدی کیوں ہے ان لوگوں کو؟ کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو۔''

''گھبرایئے مت، اب ہم لوگوں کا کام شروع ہوا ہے۔ ہر طرح سے اطمینان کے بعد ہی ہاں

کریں گے ہم۔'' بابا نے امی کو ایک بار پھر اطمینان دلایا۔

اگلے ہفتے مسز لطیفی باقاعدہ طور پر نزہت کے لیے اپنے بیٹے کا رشتہ لے کر آئیں تو بابا نے ان سے کہا۔ ''بہن! ہمیں خوشی ہے کہ آپ نے ہم لوگوں کو یہ عزت بخشی۔ آپ لوگ ہمیں پسند آئے ہیں۔ تھوڑی سی مہلت دیجئے کہ میں اپنے اور اپنے اہلِ خانہ کے اطمینان کے لیے صاحب زادے کے بارے میں ممکنہ ذرائع سے کچھ معلومات کر سکوں۔ اپنا اطمینان ہوتے ہی ہم ان شاء اللہ آپ کو مطلع کر دیں گے۔''

''ان شاء اللہ آپ مطمئن ہوں گے۔'' مسز لطیفی نے بڑے وثوق سے کہا۔

اب یقین سے چھپانے کی ضرورت نہ تھی۔

امی نے اسے بتایا کہ نزہت کے لیے رشتہ آیا ہے تو وہ بہت خوش ہوا۔

یقین نے جویا کو یہ خبر سنائی تو بظاہر اس نے خوشی کا اظہار کیا مگر باطن میں وہ خوش نہ ہوئی۔

مدحت بجیا مریم کو دیکھنے کے لیے آئیں تو جویا نے ان سے نزہت کے لیے آنے والے رشتے کی تفصیل پوچھی۔ اماں بھی اس موقع پر موجود تھیں۔

مدحت بجیا کے جانے کے بعد اماں نے ایک سرد آہ کھینچتے ہوئے کہا۔ ''ایسی ایسیوں کے لیے اتنے اچھے اچھے رشتے مل جاتے ہیں۔''

نزہت کے خود اپنے گھر والے بھی حیران تھے کہ مسز لطیفی اور ان کے بیٹے کو نزہت کی کون سی ادا بھا گئی تھی۔ بابا نے سب کی حیرانی یہ کہہ کر رفع کر دی کہ جب رشتہ ہونا ہوتا ہے تو دل آپ ہی آپ ایک دوسرے کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔''

☆=====☆=====☆

ماں بننا جویا کو ایک ایسا تجربہ لگا جس میں سرخروئی کا احساس بھی تھا اور دھیما دھیما سا خمار بھی!

وہ بچی کو دیکھتی تو اسے اپنے سینے میں محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا محسوس ہوتا۔ آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر اسے یوں لگتا جیسے ایک نامکمل تصویر مکمل ہو گئی ہو۔

مکمل ہو جانے کا احساس اسے مغرور کر دیتا۔

ایک ان کہی سرشاری اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی۔

ماں بن کر شاید ہر عورت اسی طرح مغرور اور مسحور ہو جاتی ہو!

بیٹے کی بے پناہ خواہش کے باوجود بیٹی کی ماں بن کر بھی وہ کچھ کم خوش نہ تھی۔

بیٹی کو دیکھ کر اسے یوں لگتا جیسے اس کے دل کا کوئی ٹکڑا بچی کے روپ میں ڈھل کر اس کے بطن سے نگاہوں کے سامنے آ گیا تھا۔ وہ اسے دیکھتی اور جیتی تھی۔

چلّے کے دوران اماں نے اسے بہت سی ہدایتیں اور کافی نصیحتیں کی تھیں جنہیں وہ میکے سے سسرال آتے ہوئے اپنے پلو میں باندھ لائی تھی۔ جس ہدایت پر اماں کا بطورِ خاص زور رہا وہ یہ تھی کہ بچی کو یقین کے گھر والوں بالخصوص اماں، بہنوں سے نہ چمٹنے دیا جائے۔

[illegible] سسرالی لیڈی ڈیڑھ ماہ قبل از ولادت اور ڈیڑھ ماہ بعد ولادت ملنے

کا دستور تھا مگر جویا نے کچھ ایسی دانشمندی سے کام لیا کہ ڈیڑھ ماہ اِدھر ڈیڑھ ماہ اُدھر کی بجائے ایک ماہ بچی کی ولادت سے قبل اور دو ماہ ولادت کے بعد مل گئے۔ چلہ میکے میں گزارنے کے بعد جب وہ میکے سے سسرال لوٹی تو کوئی بیس روز کی چھٹی باقی تھی۔

سسرال واپس آنے کے بعد جویا نے اماں کی ہدایات کی پاسداری کی پوری کوشش کی' خاص طور پر اس ہدایت کی کہ بچی دادی اور پھوپھوں سے زیادہ نہ ملنے پائے۔ چنانچہ پندرہ سولہ دن وہ بچی کو اپنے پروں میں چھپائے بیٹھی رہی۔ اسے بہت کم اپنے کمرے سے باہر نکالتی اور جب باہر لاتی بھی تو سائے کی طرح اس کے ساتھ ساتھ رہتی۔ پہلے بیٹے کی پہلی اولاد تھی۔ امی کو تھی مریم پر ٹوٹ کر پیار آتا مگر جب وہ اسے اپنی آغوش میں لیتی تو جویا ان پر بری طرح مسلط رہتی۔

"ماسٹر صاحب! ذرا دیکھیے تو کس کی شکل ہے؟" امی بابا سے پوچھتیں۔

اور اس سے پہلے کہ بابا جواب دیتے جویا بول اٹھتی۔ "آنکھیں زویا کی طرح ہیں' ناک ہماری اماں کی طرح کھڑی اور دہانہ میرا ہے۔"

حالانکہ بچی ہو بہو یقین کا نقشہ لیے ہوئے تھی۔

"لمبے لمبے ہاتھ پاؤں کی ہے۔ قد ماشاءاللہ خوب لمبا ہوگا۔" امی کہتیں۔

"سارہ آپا کی طرح۔" جویا کہتی۔

دو مرتبہ تو امی نے چپ چاپ سنا پھر ناگواری سے بولیں۔ "بالکل یقین پر گئی ہے' ناک نقشہ بھی اسی کا ہے' قد بھی اس کی طرح لمبا ہوگا۔"

امی بچی کو شہد چٹاتیں تو جویا کو گھبراہٹ ہونے لگتی۔

"امی' زیادہ شہد مت چٹایئے گا۔"

ایک دو مرتبہ تو امی نے چپ چاپ سنا پھر تیوری پر بل ڈالتے ہوئے بولیں۔ "کیوں؟"

"اماں کہتی ہیں' شہد گرم ہوتا ہے' زیادہ دینے سے نقصان دہ ہو سکتا ہے۔"

"مجھے تمہاری اماں سے زیادہ پتا ہے۔"

جویا نے یوں منہ بنایا جیسے منہ میں کوئی کڑوی کسیلی چیز آگئی ہو۔

امی نے سکوری میں نیم کا کاجل پھاڑ کر بچی کو آنکھوں میں ڈالنا چاہا تو جویا بلبلائی۔ "نہیں امی' یہ مت ڈالیے گا۔"

"کیوں؟"

"اس کی آنکھوں میں کوئی تکلیف ہوگئی تو؟"

"نہیں ہوگی' ہم نے اس کے باپ کی آنکھوں میں بھی ڈالا تھا۔"

کسی نوزائیدہ کی آنکھوں میں کورا کاجل ڈالنا جویا کے لیے بھی کوئی ان دیکھا تجربہ نہ تھا۔ اپنے میکے میں اس نے اماں کو نہ صرف سارہ آپا' مونا باجی اور بھیا کے بچوں کی آنکھوں میں اس طرح کورا کاجل ڈالتے دیکھا تھا بلکہ خود اس کی اپنی بچی کی آنکھوں میں بھی وہ روزانہ یونہی سکوری میں پھا کورا کاجل بھرتی رہتی تھیں مگر مریم سے دادی کا لاڈ اسے ایک آنکھ نہ بھاتا۔

شاید اس لیے کہ بچی کی آنکھوں میں کاجل ڈالنے کے ساتھ ساتھ اماں نے اس کے کان میں یہ بات بھی ڈال دی تھی کہ وہ بچی اس کی ہے' اسی کی رہنی چاہیے۔ کوئی دوسرا اس سے زیادہ لاڈ نہ جتائے نہ اپنے سے ہلائے۔

جب تک جویا بچی کو کمرے میں رکھتی' گھر والوں کی نظریں اس کے کمرے کے بند دروازے پر لگی رہتیں۔ امی تلملاتی اور بڑبڑاتی رہتیں۔

"کیسی بدنصیب بھولی ہے' نمیں۔ ہر وقت دروازہ بند کیے پڑی رہتی ہے۔ کمبخت کو خفقان بھی نہیں ہوتا۔"

"بیگم صاحبہ! آپ خود کو خفقان میں کیوں مبتلا کرتی ہیں۔" بابا رسانیت سے سمجھاتے۔

"ماسٹر صاحب! ہمارا کوئی حق ہی نہیں ہے کیا بچی پر!" امی روہانسی ہو کر کہتیں۔

"کیوں نہیں ہے۔ بالکل ہے۔"

"مجھے تو لگتا ہے' جیسے بچی سے ہمارے رشتے کے بیچ یہ منحوس دروازہ حائل ہے۔" امی نے ایک روز جویا کے کمرے کے بند دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے رقت سے کہا۔

"بھئی آپ دروازہ کھول کر اندر جانے میں تردد کیوں کرتی ہیں؟" بابا بولے۔

"آپ کی بہو بیگم دروازہ اندر سے لاک رکھتی ہیں۔"

"چلیے کوئی بات نہیں۔ آپ اپنا دل برا مت کیجیے۔"

"کیسے نہ کروں۔ بیٹے کی اولاد ہے۔ خون جوش مارتا ہے تو بے کل ہو کر رہ جاتی ہوں۔ بہو بیگم تو آپ کی بچی کو گھنٹوں کمرے میں بند رکھنے کے بعد یوں ذرا سی دیر کو باہر نکال کر لاتی ہیں جیسے اسپتال یا جیل میں ملاقات کا وقت ہوتا ہے۔ ہر وقت اپنے کلیجے سے لگائے رہتی ہیں۔"

"فکر مت کیجیے' جوں جوں وقت گزرے گا' سب ٹھیک ہو جائے گا۔ جب کوئی نعمت نئی نئی ملتی ہے انسان کو تو اس کا یہی حال ہوتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہو کا رویہ اعتدال پر آجائے گا۔"

جویا بچی کو کمرے سے باہر لاتی تو بابا کے سوا سب اس کی طرف لپکتے۔ بابا دور دور سے اسے دیکھتے اور خوش ہوتے۔ امی اسے اپنی آغوش میں دبکا لیتیں۔

مدحت بجیا اور نزہت امی کے آس پاس بیٹھ کر محبت بھری نظروں سے بھتیجی کو دیکھنے لگتیں۔ کبھی پیار سے اس کے گال چھوتیں' کبھی اس کے ننھے منے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر مسرت کا اظہار کرتیں۔ وہ مسکراتی تو خود بھی مسکرانے لگتیں۔ وہ منہ بناتی تو ان کے چہروں سے تشویش جھلکنے لگتی۔ بابا کی طرح ذہین بھی اسے اکثر تو دور دور سے ہی دیکھ کر خوش ہوتا لیکن کبھی کبھی امی کے پاس بیٹھ کر بھی چٹکی' کبھی سیٹی بجاتے ہوئے اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرنے لگتا۔

بچی کو ددھیال والوں کے نرغے میں دیکھ کر جویا کو وحشت سی ہونے لگتی۔ اسے یوں لگتا جیسے اس کے خلاف کوئی گہری سازش کی جا رہی ہو۔ اس کا بس نہ چلتا کہ بچی کو ان سے چھین کر اس کے ساتھ ایسی جگہ جا چھپے جہاں ان میں سے کسی کے خیال کا بھی گزر نہ ہو۔

وہ مریم کو ان سے لے لینے کا بہانہ ڈھونڈتی۔

مریم منہ بسورنے لگتی۔

اور ادھر وہ روتی اُدھر جویا کے نام کی صدا پڑتی۔

"دلہن! آؤ بھئی بچی رو رہی ہے۔"

جویا کو اپنا آپ بڑا معتبر سا محسوس ہونے لگتا۔

بھرے پُرے کنبے میں کوئی ایک فرد بھی ایسا نہ تھا جو مریم کے لیے اس کا نعم البدل ثابت ہو سکتا۔ وہ مریم کو اپنی آغوش میں دبکائے اپنے کمرے میں لے جاتی۔

اس کے سینے میں ممتا کے سوتے ٹھاٹھیں مارنے لگتے۔

بچی اور وہ!

وہ اور بچی!

اس سے پہلے اتنا اپنا تو اسے اور کوئی محسوس نہ ہوا تھا کبھی۔

اماں بھی نہیں!

یقین بھی نہیں!

اپنے اور مریم کے بیچ اسے ایک اتھاہ تعلق محسوس ہوا

اسے یوں لگتا جیسے اس کا دل اور مریم کا ننھا وجود باہم پُراسرار طنابوں سے ایک دوسرے سے بندھے ہوئے تھے۔

اسے مریم پر ٹوٹ کر پیار آتا۔

مریم کی محبت میں وہ اکثر یقین کو بھی نظر انداز کر دیتی۔

"یار! اس گڑیا نے تو بڑی گڑبڑ کر دی۔" ایک روز یقین بولا۔

"کیسی گڑبڑ؟" وہ چونکی۔

"جب سے یہ بی بی آئی ہیں' تم نے اس بندہ مسکین کو تو بالکل ہی بھلا دیا ہے۔"

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"قسم کھا کر کہو کہ ایسی کوئی بات نہیں۔"

جویا جھوٹی قسم کھانے کا حوصلہ نہ کر سکی۔

یقین کا شکوہ بے جا یا غلط نہ تھا۔

یہ سچ تھا کہ مریم کی پیدائش کے بعد سے یقین کو پہلے جیسی توجہ دے ہی نہ پا رہی تھی بلکہ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ اس کی طرف سے کچھ عدم توجہی برت رہی تھی۔ توجہ دیتی بھی کیسے' سارا وقت تو مریم کی بیبا میں گزر جاتا تھا۔ دن تو دن رات بھی اسی کی نذر ہو جاتی۔ نیند میں بیس مرتبہ اٹھنا پڑتا۔ کبھی پوتڑا یا نہالچہ بدلنے کے لیے تو کبھی اسے دودھ پلانے کے لیے۔ رونے پر آتی تو اتنا روتی کہ جویا کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے۔ نان اسٹاپ روئے چلی جاتی۔ جاگنے پر آتی تو آنکھیں کھولے ٹکٹکی باندھے دودھیا ٹیوب لائٹ کو دیکھے چلے جاتی۔

جویا کی رات کبھی سوتے' کبھی جاگتے گزرتی۔

مریم روتی تو یقین کی نیند میں خلل پڑ جاتا۔ وہ کلبلانے لگتا۔ کبھی اٹھ بیٹھتا اور مریم کو چپ کرانے لگتا مگر کبھی نیند میں خلل پڑنے پر برا منہ بناتے ہوئے جویا سے کہتا۔ "کیا بات ہے یار' بچی اتنا کیوں رو رہی ہے؟ اسے چپ کراؤ نا۔"

"کرا تو رہی ہوں۔"

یقین کو بچی کا رونا برا نہ لگتا' اپنی نیند میں خلل پڑنا ناگوار گزرتا۔ صبح دفتر بھی تو جانا ہوتا تھا۔

جویا کو بچی کی خاطر جاگنے میں بھی کیف محسوس ہوتا۔ جب بے تحاشا روتی بچی اس کے سینے سے لگ کر دھیرے دھیرے چپ ہو جاتی تو اسے یوں لگتا جیسے بے قرار دل کو قرار آ گیا ہو۔

مریم کے رونے سے کبھی کبھی امی ابا یا مدحت بجیا میں سے بھی کسی کی آنکھ کھل جاتی۔ نزہت اور ذہین نیند کے بہت پکے تھے۔ امی سے سہا نہ جاتا۔ یقین اور جویا کے کمرے کے دروازے پر آ کر بآواز بلند پوچھتیں۔ "کیا بات ہے دلہن' بچی کیوں رو رہی ہے؟"

"ابھی چپ ہو جاتی ہے۔"

"کہیں پیٹ میں درد تو نہیں ہے؟"

جویا کمرے کا دروازہ کھولنے سے گریزاں رہتی مگر کبھی کھولنا بھی پڑتا۔ امی کمرے میں در آتیں۔ مریم کو جویا سے لے لیتیں اور کسی ماہر طبیب کی طرح اس کا معائنہ کرنے لگتیں۔ ہولے ہولے اس کا پیٹ دباتیں۔ اس کے ننھے ننھے ہاتھوں کی حرکات کا بغور جائزہ لیتیں۔ اگر وہ پیٹ دبائے جانے پر اور زیادہ رونے لگتی یا پھر بالکل چپ ہو جاتی تو امی کی تشخیص یہ ہوتی کہ پیٹ میں درد ہے اور اگر وہ اپنے ننھے منے ہاتھوں کو کانوں تک لے جا کر رو رہی ہوتی تو امی سمجھ جاتیں کہ کان میں درد ہے۔

پیٹ کا درد تشخیص ہونے پر امی چھوٹی کٹوری میں نیم گرم پانی لے کر گھٹی اور شہد اس میں ملا کر بچی کو پلا دیتیں۔ وہ چسر چسر کر کے مزے سے پی لیتی۔

کان کا درد تشخیص ہوتا تو امی سرسوں کے تیل میں لہسن کا ایک جوا یا نیم کی دو پتیاں جلوا کر تین چار قطرے تیل کے کان میں ٹپکا دیتیں۔

امی نے چھ بچے پالے تھے' ایسے متعدد مجرب اور کارآمد نسخے اور ٹوٹکے انہیں آتے تھے۔

اس قسم کے گھریلو نسخے اماں کو بھی بہت سے آتے تھے جنہیں وہ بچوں پر بڑی کامیابی سے آزمایا کرتی تھیں۔ پیٹ کے درد کے لیے گھٹی اور شہد' کان کے درد کے لیے لہسن کا تیل اور سینہ جکڑ جانے کے لیے دیسی انڈے کی زردی قسم کے نسخے انہوں نے مریم پر بھی آزمائے تھے۔ چھٹی کے بعد بچی کا سینہ ٹھنڈ سے اس بری طرح جکڑ گیا تھا کہ نمونیے کا اندیشہ ہو رہا تھا مگر اماں نے جھٹ بازار سے دیسی مرغی کے انڈے منگائے۔ ایک انڈا توڑ کر زردی الگ کی۔ آدھی بچی کو پلا دی آدھی سینے پر لیپ دی۔ دو دن میں بچی بھلی چنگی ہو گئی۔

مگر عجیب بات تھی کہ جب اماں مریم پر گھریلو نسخے آزماتیں تو جویا کے دل کو نہ جانے کیوں یقین سا ہوتا کہ جو نسخے وہ آزما رہی ہیں وہ شفا بخش ہوں گے' لیکن جب امی مریم پر کوئی دیسی یا گھریلو ٹوٹکا

آزماتیں تو جویا کا دل بے یقینی، تذبذب اور اشتباہ میں گھرا ہوتا۔ اسے یوں لگتا جیسے امی کا نسخہ مریم کی تکلیف میں افاقہ کرنے کی بجائے اس کی تکلیف میں اضافہ کردے گا۔

امی کے ہاتھوں مریم کی تکلیف میں افاقہ بھی جویا کی بے یقینی اور اشتباہ میں افاقہ نہ کرپاتا۔

اس کا جی چاہتا، گھٹی کی شیشی کوڑے دان میں ڈال دے۔

کڑوے تیل کی بوتل چھپا دے۔

اپنے کمرے کو ساؤنڈ پروف بنادے تاکہ نہ مریم کے رونے کی آواز باہر جاسکے اور نہ امی کی آواز باہر سے اندر آسکے۔

ایک روز تو اس نے گھٹی کی بوتل سچ مچ چھپا بھی دی مگر آدھی رات کو مریم کے رونے پر جب گھٹی کی شیشی کی ڈھونڈ پڑی تو یقین نے آنکھیں ملتے ہوئے خواب ناک آواز میں کہا۔ "ارے یار خود رکھ کر خود ہی بھول گئیں۔ کل ہی تو تم نے گھٹی کی شیشی میرے سامنے سائیڈ بورڈ کے نچلے خانے میں رکھی تھی۔"

"اوہو! کیا ہوگیا ہے میرے دماغ کو۔" جویا نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔

"اوئی! ایک بچے میں یہ حال ہوگیا ہے تمہارے دماغ کا۔" امی بولیں۔

جویا نے یقین کے گہرے مشاہدے کو دل ہی دل میں برا بھلا کہتے ہوئے سائیڈ بورڈ کا نچلا خانہ کھولا اور گھٹی کی شیشی نکال کر بادل ناخواستہ امی کو تھمادی۔

"بچوں کو پیٹ کے درد میں دینے کے لیے ایک دوا گرائپ واٹر بھی ہوتی ہے امی۔" یقین پوری طرح آنکھیں کھول چکا تھا۔

"مجھے پتا ہے۔" امی بولیں۔ "مگر گھٹی کی بات ہی اور ہوتی ہے۔ بچے کا پیٹ بالکل صاف کر ڈالتی ہے۔"

"پوتڑے بالکل کیچڑ ہوجاتے ہیں۔" جویا نے کہا۔

"یہی تو خوبی ہے گھٹی کی۔" امی بولیں۔ "سارا گند نکال دیتی ہے بچے کے پیٹ سے۔"

"اب کی بار ایسی جگہ چھپاؤں گی کہ ڈھونڈے سے بھی نہ ملے گی۔" جویا نے دل ہی دل میں سوچا۔

گھٹی کی افادیت سے جویا کو کوئی عناد نہ تھا۔

عناد تھا تو امی سے جو وقت بے وقت بچی سے لاڈ جتانے آجاتی تھیں اور جب وہ آتیں تو ان کے پیچھے پیچھے بیا اور اکثر مدحت بجیا بھی آجاتیں۔

وہ سب مریم کو اپنے نرغے میں گھیر لیتے۔

جویا کو اماں کی ہدایت یاد آتی۔

"بچی کو ددھیال والوں سے زیادہ مت ملنے دینا ورنہ انہی کی ہوکر رہ جائے گی۔"

جویا کو اپنا دم الجھتا محسوس ہوتا۔ اس کا جی چاہتا، بچی کو ان لوگوں کے حصار سے نکال کر دور بہت دور کسی ایسی جگہ جا چھپے جہاں ان میں سے کسی کا گزر نہ ہو۔

مگر ایسا ممکن کب تھا!

جوں جوں جویا کی چھٹی ختم ہونے کا وقت قریب آتا گیا، جویا کی فکر بڑھتی چلی گئی۔ بچی سے ایک منٹ بھی دور ہونے کو جی نہ چاہتا تھا۔ کبھی نوکری چھوڑ دینے کا سوچتی۔ کبھی چھٹی بڑھوانے کا ارادہ کرتی۔

نوکری چھوڑ دینا بہر حال آسان بات نہ تھی۔ ملازمت اور وہ بھی سرکاری کس مشکل سے ملتی ہے اور پھر یقین سے اس کی شادی میں اس کی ملازمت نے نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ سسرال والوں کو ایسی لڑکی کی ضرورت تھی جو ملازمت بھی کرتی ہو تاکہ میاں بیوی دونوں کمائیں اور خوش حالی سے زندگی بسر کریں۔

چھٹی البتہ بڑھوائی جاسکتی تھی۔ مگر کب تک؟

ایک نہ ایک دن تو جانا ہی پڑتا۔

اور پھر یہ کوئی پہلی اور آخری مرتبہ تو تھی نہیں، ابھی تو ابتدا ہوئی تھی۔ یقین کو تو کم از کم چھ بچوں کی خواہش تھی اور خود وہ بھی کم از کم چار بچوں کی تمنا تھی۔ دو بیٹے اور دو بیٹیاں تاکہ بہن، بہن کے لیے اور بھائی بھائی کے لیے نہ ترسے۔

یقین کو تو کنبہ بڑھانے کی اتنی جلدی تھی کہ اس نے اسپتال میں دوسرے دن ہی اس سے کہہ دیا تھا۔ "اگلے سال پھر آنا ہے یہاں۔"

"جی نہیں۔"

"کیوں؟" وہ چونکا۔

"کم سے کم دو سال کا وقفہ ضروری ہے۔"

"یار جلدی جلدی فارغ ہوجاؤ۔ آگے پیچھے سب ایک ساتھ پلتے چلے جائیں گے۔"

جویا نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

"کچھ اندازہ ہے کہ کیسا جاں گسل مرحلہ ہوتا ہے۔"

"مگر سنا ہے بچے کو دیکھتے ہی عورت ساری تکلیف بھول جاتی ہے۔"

"ہاں، یہ تو سچ ہے۔"

یہ جویا کے تجربے کی گواہی تھی۔

"تو پھر بسم اللہ۔" وہ مسکرایا۔

"نہ۔" جویا نے سر نفی میں ہلایا۔ "کم سے کم دو سال بعد۔"

بہر حال اگلے برس یا دو برس بعد جب بھی کبھی خدا نے چاہا تو اس مرحلے سے پھر گزرنا تھا اور اس کے بعد بھی پھر گزرنا تھا۔ میٹرنٹی لیو کے علاوہ اور کتنی چھٹی لے سکتی تھی وہ! ملازمت جاری رکھنا تھی تو ایک نہ ایک دن تو ملازمت پر واپس جانا ہی تھا۔

تنخواہ کے ساتھ اس کی جتنی چھٹی جمع تھی وہ تو اس نے سب کی سب شادی کے موقع پر دو ماہ کی رخصت میں گنوادی تھی بلکہ اس وقت بھی کچھ چھٹی بلا تنخواہ گزاری تھی۔ ابھی تو سلسلہ شروع ہوا تھا۔

بچوں کے ساتھ بیماری آزاری بھی بھگتنا تھی۔ چھٹی کے ہزار موقعے آنے تھے۔ ابھی چھٹی میں اضافہ کا سوچنا حماقت تھی۔

مگر بچی کو اوروں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر نوکری پر جانے کا خیال بھی جاں سلب تھا۔

ہزار فکریں دامنِ دل کو تھامے لے رہی تھیں۔ اسے فیڈ کون کرے گا؟

روئے گی تو کون چپ کرائے گا؟

اس کا پیشاب پاخانہ کون سمیٹے گا؟

صبح سے دوپہر تک کون اس پیار سے اس کی دیکھ بھال کرے گا جیسے کہ وہ ماں ہونے کے ناتے کرتی تھی؟

ان گنت وسوسے اور خدشے تھے۔

کہیں ایسا نہ ہو جائے۔

کہیں ویسا نہ ہو جائے۔

بدگمانی کا عالم یہ تھا کہ بچی کے سلسلے میں اس کا کسی پر بھی اعتبار کرنے کو دل نہ چاہتا۔

ملازمت اسے ایسی چھچھوندر معلوم ہونے لگی جسے نہ نگلتے بنے نہ اگلتے بنے۔

وہ اس لمحے کو کوستی جب ملازمت کی یہ زنجیر اس کے گلے میں بندھی تھی۔

پتا ہوتا کہ یہ وقت بھی آئے گا تو ادھر کی دنیا اُدھر ہو جاتی' کسی قیمت پر بھی وہ ملازمت نہ کرتی۔

ایسی بے بسی کی کیفیت تھی کہ الاماں!

کسی کونے میں منہ دے کر رونے کو جی چاہتا۔

جوں جوں چھٹی ختم ہونے کا وقت نزدیک آ رہا تھا' دل پر فکر و وحشت کے سائے گہرے ہوتے چلے جا رہے تھے۔

بچی کو دیکھتی تو اس خیال سے دل بھر آتا کہ ننھی سی جان صبح سے دوپہر تک بن ماں کے رہا کرے گی۔ اپنے گھر میں اماں بجوں سے مشورہ کیا تو اماں نے کہا' "نوکری کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ گھر بیٹھو اور بچی پالو...... جیسے ہم نے تم سب کو سینے سے لگا کر پالا ہے۔"

"آپ کا زمانہ اور تھا اماں۔" سارہ آپا بولیں۔

"تمہارا زمانہ اور کیا تھا؟" اماں نے ابرو چڑھاتے ہوئے آپا کو دیکھا۔

"ضرورتیں محدود تھیں اماں۔"

"تو تم لوگ بھی ضرورتیں محدود کیوں نہیں کر لیتیں؟"

"زمانہ بدل گیا ہے اماں۔" سارہ آپا نے نئے زمانے کی عورت کی نمائندگی کرنے کی کوشش کی۔

"کیا بدل گیا ہے؟"

"زندگی بہت تیز رفتار ہو گئی ہے۔ کمپی ٹیشن بڑھ گیا ہے۔"

"کیا بڑھ گیا ہے؟"

ابا جو اپنی کم گوئی کی عادت کے سبب چپ چاپ سن رہے تھے' مسکرا کر بولے۔ "کمپی ٹیشن کا مطلب ہے مقابلہ۔"

"کیسا مقابلہ؟ زندگی کوئی گھڑ دوڑ تھوڑی ہے کہ مقابلہ بڑھ گیا ہے۔"

"نیک بخت! زندگی ہے تو گھڑ دوڑ ہی۔" ابا نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"اے لو! زندگی کو گھڑ دوڑ بنا دیا انہوں نے تو...... اس کا مطلب ہے' ہم سارے انسان گھوڑے ہو گئے۔"

"گھڑ دوڑ ہی ہے سارہ کی ماں۔ جو دوسروں کو گراتا' لڑھکاتا اور روندتا آگے بڑھ گیا' وہ کامیاب۔ جو پس گیا سو پس گیا۔" ابا نے زندگی کے طویل سفر میں یہی تو دیکھا تھا۔

جویا کو ڈر سا لگنے لگا۔

اس نے مریم کے گرد اپنی بانہوں کا حصار تنگ کر دیا۔

کیا زندگی اتنا خوفناک کھیل تھی۔

"بھئی ہم نے تو اپنے بچوں کو اپنے سینے سے لگا کر پالا۔ روکھی سوکھی کھائی مگر مجال ہے کہ اپنے کسی بچے کو اپنی آغوش کی گرمی سے محروم رکھا ہو۔"

کاش! وہی زمانہ رہتا۔ جویا نے بیچ بیچ مریم کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے اپنے سینے کے اور بھی نزدیک کر لیا۔

"اچھا بھئی' تم ماں بیٹیاں باتیں کرو' میں دکان پر چلوں۔" ابا اٹھ کھڑے ہوئے۔ "جویا بیٹی! یقین میاں کب تک آنے کا کہہ گئے ہیں؟"

"ابا! ان کے کسی دوست کا ولیمہ ہے۔ میں تو مریم کی وجہ سے نہیں گئی۔ وہاں سے واپسی پر وہ مجھے لیتے ہوئے جائیں گے۔"

"اچھا! اچھا! ان کی واپسی تک انشاء اللہ ہم بھی گھر آ چکے ہوں گے۔"

ابا کے جانے کے بعد منقطع سلسلہ دوبارہ بحال ہو گیا۔ بھابی ہمیشہ کی طرح دور دور تھیں۔

"زندگی میں مقابلہ اتنا بڑھ گیا ہے جویا کہ ہمیں اپنے بچوں کی خاطر بگٹٹ دوڑنا پڑتا ہے۔" سارہ آپا بولیں۔ "دیکھو نا' بچوں کی خاطر ہی تو ارشد اتنے دور ہیں اور بچوں کے بہتر مستقبل کی خاطر ہی میں بھی نوکری کر رہی ہوں۔ تم سمجھ رہی ہو نا' میری بات۔"

"جی آپا!"

"ملازمت چھوڑنے کا خیال بھی دل میں نہ لانا۔ ملازمت اور وہ بھی سرکاری' آسانی سے کہاں ملتی ہے۔ جیسے جیسے وقت گزرے گا' تمہاری اور یقین کی ذمے داریوں میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ آج دو سے تین ہوئے ہو' کل خدا نے چاہا تو تین سے چار اور پھر پانچ بھی ہو جائیں گے۔ آج کل ہمارے تمہارے گھروں میں کنبے کے ایک فرد کے کمانے سے پورا نہیں پڑتا۔ زیادہ اور بہتر وسائل کے لیے سب کو مل جل کر جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔"

''ارے بھئی! تین تین کمانے والے ہیں تو سہی اس گھر میں اور بڑے میاں کی پلشن بھی آتی ہے۔'' اماں بولیں۔

''پلشن نہیں اماں پنشن!'' زرویا نے تصحیح کی۔

''تو چپکی رہ۔'' اماں نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

''اماں اس گھر میں تین کمانے والے ہوں یا دس۔ جویا اور یقین اس گھر میں رہتے ہوئے بھی اب ایک علیحدہ کنبہ ہیں۔ ان کی ذمے داریاں کوئی دوسرا شیئر نہیں کرے گا۔ انہیں اپنا بوجھ خود ہی اٹھانا پڑے گا۔ میاں بیوی دونوں کمائیں گے تو ہاتھ کھلا اور دل مطمئن رہے گا۔''

'ہاتھ کھلا کیونکر رہے گا آپا۔ یقین کی آدھی تنخواہ تو بڑی آپا سیٹ کر بیٹھ جاتی ہیں۔'' جویا بولی۔

''تقریباً کتنی رقم؟'' سارہ آپا نے پوچھا۔

جواباً جویا نے یقین کی تنخواہ کا نصف انہیں بتایا۔

''بہت سستے میں رہ رہے ہو تم لوگ۔'' سارہ آپا بولیں۔

''سستے میں!'' جویا نے کہا۔

''اور کیا' نہ مکان کا کرایہ دینا پڑتا ہے' نہ بجلی' گیس اور فون کے بل ادا کرنے پڑتے ہیں۔ ماشاءاللہ اچھا کھانے پینے کو ملتا ہے۔ نہ ماسی سے جھک جھک کرنا پڑتی ہے' نہ گھرداری کا کوئی خاص بوجھ ہے۔ سچ پوچھو تو بہت مزے میں ہو تم...... ہم سے پوچھو سب کچھ تنہا برداشت کرنا پڑتا ہے' کوئی اخراجات کا بار بٹانے والا ہے نہ ذمے داریوں کا بوجھ اٹھانے میں مدد کرنے والا۔ خوش قسمت ہو کہ نوکری پر جاؤ گی تو بچی کو غیروں کے رحم و کرم پر نہیں' اپنوں کی آغوش میں دے کر جاؤ گی۔'' سارہ آپا نے کہا۔

''بچی انہی کی ہو کر رہ جائے گی۔'' اماں نے کہا۔

''اماں' ہو کر کیا رہ جائے گی' وہ ہے ہی ان کی۔'' سارہ آپا جنہیں اپنے بچوں کی پرورش کے دوران دادی پھوپی کی کمی کا شدت سے احساس رہا تھا' بولیں۔

جویا الجھی الجھی سی دکھائی دینے لگی۔

اب تک جو گزرا' وہ تو گویا ایک دل خوش کن خواب تھا۔ زندگی کی اصل حقیقتیں تو اب نظر میں آنا شروع ہوئی تھیں۔ ''میری مخلصانہ ایڈوائس تو یہی ہے کہ تمہیں نوکری چھوڑنے کا خیال بھی مت کرنا۔ بہتر زندگی اور کنبے کے بہتر مستقبل کے لیے تمہیں یقین کے شانہ بشانہ چلنا چاہیے۔ خوش قسمت ہو کہ تمہارے پیچھے بھی بچی سے محبت کرنے والے لوگ موجود ہیں اور جو محبت کرتے ہیں' وہ دیکھ بھال بھی ٹھیک ٹھاک کرتے ہیں۔ دیکھ لو' ہمارے بچوں کو اماں نے کتنے پیار سے پالا ہے۔''

''اماں کی بات اور ہے آپا!''

''میں بھی نہیں۔''

''اماں نانی تھیں بچوں کی۔''

''تمہاری ساس تمہاری بچی کی دادی ہوں گی۔''

''دادی اتنا پیار کہاں کر سکتی ہیں۔''

''بھئی! ہم اس تجربے سے تو نہیں گزر سکے کہ ہمارے بچوں کی دادی تھیں ہی نہیں لیکن ہم نے سنا ہے کہ دادیاں بہت پیار کرتی ہیں پوتے پوتیوں سے...... ارے' دور کیوں جاتی ہو' مثال کے لیے کیا ہماری اماں بیٹے کے بچوں سے کچھ کم پیار کرتی ہیں۔''

''آپا! مجھے ڈر لگتا ہے۔''

''ڈر! کیسا ڈر؟''

''مریم جب صبح سے دوپہر تک دادی کے پاس رہے گی تو پھر مجھے کہاں پہچانے گی۔''

''پگلی!'' آپا یوں مسکرا دیں' جیسے جویا نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو۔ ''ماں سے اولاد کے رشتے پر کوئی دوسرا رشتہ حاوی ہو سکتا ہے بھلا۔''

کیوں اماں؟'' جویا نے اماں کی طرف دیکھا۔ ''کیا کروں؟''

''میں کیا بتاؤں بیٹی۔''

''اللہ کا نام لے کر اپنی ڈیوٹی ریزیوم کرنے کی تیاری کرو۔'' سارہ آپا بولیں۔ ''کتنے دن رہ گئے ہیں چھٹی ختم ہونے میں؟''

''مجھے اتوار کو جوائن کرنا ہے۔''

''گویا چار دن کی چھٹی اور ہے۔'' آپا نے کہا۔

''جی۔''

''فکر مت کرو' دادی دادا خوب مزے سے پالیں گے تمہاری بچی کو۔'' آپا نے اسے دلاسا دیا۔

مگر جویا کی فکر دور نہ ہوئی۔

اپنے گھر والوں سے مشورہ کر کے بھی اسے اطمینان نہ ہوا۔ تذبذب بدستور رہا۔ شادی کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ اپنے گھر والوں کا صلاح مشورہ بھی جویا کی پریشانی اور الجھن میں اضافہ کر سکا تھا۔ وہ بدستور اد هیڑ بن میں تھی۔

آخرکار اس نے یقین سے کہا۔ ''مریم کو چھوڑ کر اسکول جانے کو بالکل دل نہیں چاہتا میرا۔''

''تو نہ جاؤ۔'' وہ بڑے آرام سے بولا۔

''نہ جاؤں!'' اس نے چونک کر قدرے حیرانی سے یقین کو دیکھا۔

''ہاں' نہ جاؤ۔''

جویا کو اپنی کیفیت پر انتہائی حیرت ہوئی!

یقین کے جواب پر خوش اور مطمئن ہونے کی بجائے وہ مزید الجھن میں پڑ گئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' یقین نے بڑے پریم سے اس سے پوچھا۔

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔''

''کیا نہیں آ رہا سمجھ میں؟''

''نہ جاب چھوڑنے کو جی چاہتا ہے' نہ مریم کو چھوڑ کر اسکول جانے کو دل چاہتا ہے۔''

وہ ہنس دیا۔

''یہ تو بڑی گڑبڑ ہو گئی۔''

''آپ چاہتے ہیں کہ میں جاب کروں؟'' جویا نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ تمہاری مرضی ہے' جی چاہے کرو' جی چاہے نہ کرو۔'' وہ نظریں چرا کر بولا۔

جویا اس کے نظریں چرانے سے اور الجھ گئی۔

''مریم کس کے پاس رہے گی؟''

''مریم کی دیکھ بھال کرنے والے بہت۔''

''آپ کا کیا خیال ہے' اس کی ٹھیک طرح دیکھ بھال ہو جائے گی؟''

''کیوں نہیں ہو گی؟''

''اسے فیڈ کرنے کا مسئلہ ہو گا۔''

''کوئی مسئلہ نہیں' اوپر کا دودھ لگا دو۔''

''ڈبے کا دودھ؟''

''ڈبے کا یا گائے کا۔''

''ڈاکٹر نے کہا تھا' بچے کے لیے ماں کا دودھ بہترین ہوتا ہے۔''

''ڈاکٹر سے پوچھا ہوتا کہ اس کے اپنے بچے کاہے پر پلے ہیں۔''

''اس کی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے۔''

''اوہ!'' وہ مسکرا دیا۔

بہرحال جویا اس کی منشا سمجھ گئی تھی۔

وہ اس کی ملازمت کے حق میں تھا۔

یقیناً بچی کے لیے دودھ کا ڈبا' بوتل اور بوتل دھونے کا برش خرید لایا۔

جویا کا دل پگھلنے لگا۔

پلاسٹک کی چھاتی شفاف بوتل اپنے سر پر ربڑ کا نپل اوڑھے مریم کے لیے اس کے سینے سے پھوٹنے والے سوتوں کی جگہ لینے جا رہی تھی۔

جویا کی رخصت ختم ہونے سے پہلے مریم کو اوپر کا دودھ لگا دیا گیا۔

اپنی ننھی منی سیاہ آنکھوں کو ادھر ادھر گھماتے ہوئے وہ چسر چسر بوتل سے دودھ پیتی رہی اور اس کے ہر گھونٹ پر جویا کو اپنا دل کٹتا محسوس ہوتا رہا۔

اسے اماں کی خوش قسمتی پر رشک آنے لگا۔

کاش!

کاش! اماں کی طرح وہ بھی اپنے بچوں کو اپنی آغوش میں دبکا کر پال سکتی۔

پرانے اور نئے زمانے کی عورت کے درمیان ایک بہت بڑا اور وسیع فرق شاید یہ مجبوری اور

بے بسی ہی ہے۔ پرانی عورت بہت مجبور اور دقیانوسی ہوتے ہوئے بھی بہت آزاد' بااختیار اور خوش باش تھی۔ جبکہ نئے زمانے کی عورت بظاہر بہت خودمختار' آزاد اور روشن خیال ہونے کے باوجود بہت بے بس اور مجبور بھی۔

اماں نے اپنے بچوں کو اپنی آغوش کی گرمی میں دبکا کر پالا تھا۔

مگر جویا کو ننھی مریم کو اپنی آغوش سے نکال کر اس کی دادی کی گود میں دے کر نوکری پر جانا پڑا۔

☆=====☆=====☆

ماں بننے کے بعد اسکول میں پہلا دن جویا کو روز محشر سے کم نہ لگا کہ ہر ہر لمحہ کڑا تھا اور حساب مانگ رہا تھا۔

اب مریم کو بھوک لگی ہو گی!

کہیں رو نہ رہی ہو۔

شاید گیلے نہالچے پر پڑی ہو!

جانے کسی نے اس کی پوٹی بھی صاف کی ہو گی کہ نہیں!

ہائے! کہیں اکیلی نہ پڑی ہو!

خدا جانے کوئی اس کے رونے پر توجہ دے بھی رہا ہو گا کہ نہیں!

ممتا کے سوتے اسے مریم کی بھوک کا احساس دلا رہے تھے!

اس کا معصوم چہرہ اس کے تصور کے بام و در روشن کیے دے رہا تھا!

اس کی آغوش مریم کے ننھے منے وجود کی نرماہٹ کو گرماہٹ دینے کے لیے مچل رہی تھی!

اس کی سماعت مریم کے بلکنے سے تڑپ رہی تھی!

اوہ خدایا!

کیسے عذاب لمحے تھے!

ہر ہر لمحہ صدی بن کر بیت رہا تھا۔

اتنا لمبا تو شاید پہلے کبھی کوئی دن نہ ہوا تھا!

کون کہتا ہے کہ بائیس جون کا دن سال کا طویل ترین دن ہوتا ہے!

سال کا طویل ترین دن تو وہ دن ہوتا ہے جس روز کوئی ملازمت پیشہ ماں اپنے نوزائیدہ بچے کو پہلی بار اپنی آغوش کی گرمی سے نکال کر اس سے دور جاتی ہے۔

کسی بھی بات پر' کسی بھی محرومی پر اس کا دل اس درجہ مضطرب تو پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔

خدایا!

خدایا! یہ کیسی آزمائش تھی۔

اس کے سینے میں ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی ایک لہر دامن دل کو تر کرتی اس کی آنکھوں کے کناروں تک چلی آئی اور اس کی آنکھوں میں طغیانی سی مچ گئی!

پڑھاتے پڑھاتے یک بیک اس کی آواز رندھ سی گئی اور وہ طالبات پر یہ ظاہر کرتی کہ گویا یک بیک گلے میں کوئی وقتی خرابی ہو گئی تھی' کچھ لکھنے کے بہانے تختہ سیاہ کے رخ مڑ گئی۔

فری پیریڈ میں جب وہ اسٹاف روم میں جا کر بیٹھی تو اس کی ایک ساتھی نے پوچھا۔ ''مس جویا لمبی چھٹی کے بعد اسکول میں پہلا دن کیسا گزر رہا ہے؟''

شادی کے بعد بھی اسکول میں اسے ''مس'' ہی کہا جاتا تھا۔

''جی' بس ٹھیک ٹھاک۔''

''بیٹی یاد آ رہی ہے؟''

اوہ!

یہ کیسا سوال کر دیا تھا' اس کی ساتھی نے۔

دل دُکھا دینے والا!

اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے۔

''کیوں مس جویا' یاد آ رہی ہے بیٹی؟''

''جی یاد تو آ رہی ہے۔'' مسکرانے کی کوشش میں اس کی آواز رندھ گئی۔

''ہاں بھئی کیوں یاد نہیں آ رہی ہو گی۔'' ایک دوسری ساتھی نے جویا کو ترحم آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اس کی تائید کی پھر بولیں۔ ''میں جب اپنے بچوں کو گھر میں چھوڑ کر آیا کرتی تھی تو میرا دھیان سارا دن گھر میں پڑا رہتا تھا۔''

''مسز عتیق' جب آپ کا دھیان گھر میں رہتا تھا تو آپ اسٹوڈنٹس سے کیا انصاف کر پاتی ہوں گی۔'' مہندی لگے کھچڑی بالوں والی مس شمیم نے جن کی اپنے ساتھیوں میں وجہ شہرت ان کا چڑچڑا پن تھا طنزاً کہا۔

مسز عتیق نے مس شمیم کی مداخلت پر ناگواری کا خاموش اظہار انہیں ٹیڑھی نگاہ سے دیکھ کر کیا اور اسٹاف روم میں موجود دیگر خواتین نے مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

''خدا کا شکر ہے کہ اب تو چاروں بچے بڑے ہو چکے مگر ان کے بچپن میں بہت تکلیف اٹھائی ہم نے۔'' مسز عتیق بولیں۔

''تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت تھی مسز عتیق' آپ کے ہسبنڈ ماشاء اللہ بینک افسر ہیں۔ اچھا بھلا کماتے ہوں گے۔ آپ کو نوکری کرنے کی کیا ضرورت تھی' گھر بیٹھتیں۔'' مس شمیم بولیں۔

''مس شمیم! پلیز' میں آپ سے بات نہیں کر رہی ہوں۔'' مسز عتیق نے واضح ناگواری سے کہا۔

''بھئی' ہم تو کرتے ہیں' کھری بات۔ کسی کو بری لگتی ہے تو لگے۔'' مس شمیم نے اپنا محبوب جملہ دہرایا۔

''اونہہ!'' مسز عتیق نے گردن جھٹکی۔

جویا کو مریم بری طرح یاد آ رہی تھی۔

اس کا بس چلتا تو پر لگا کر اڑتی اور گھر جا پہنچتی۔

مگر یہ ممکن کب تھا!

اسکول کے اوقات کار کی پابندی بہر حال بھگتنا تھی۔

اماں کتنی خوش قسمت تھیں کہ انہوں نے اپنی اولاد کو اپنی آغوش کی گرمی میں دبکا کر پالا تھا۔

''زندہ باد اماں!''

تو کیا وہ خود مردہ باد تھی؟

اماں کی طرح وہ خود بھی عورت تھی۔ ماں تھی اور ماں ہونے کے ناتے اپنی اولاد کے بارے میں اتنی ہی حساس اور رقیق تھی جتنی کہ اماں تھیں یا کوئی بھی ماں ہو سکتی تھی۔ اسے بھی مریم سے اتنی ہی محبت تھی' جتنی کہ اماں نے اس سے' سارہ آپا سے یا بھیا سے کی ہو گی۔

ہاں اماں بھی تھیں۔

ہاں وہ بھی تھی۔

پھر بھلا اماں زندہ باد اور وہ مردہ باد کیونکر ہو سکتی تھی!

اماں تو محض گھر کی چار دیواری میں مسائل سے لڑی تھیں۔ اسے تو بیک وقت دو محاذوں پر لڑنا تھا۔ گھر کے اندر بھی اور گھر سے باہر بھی!

ماں بننے کے بعد اسکول میں اس کا پہلا دن خاصا کٹھن گزرا۔ بار بار جی چاہا کہ ہیڈ مسٹریس سے چھٹی لے اور گھر چلی جائے مگر پھر اس خیال سے رکی رہی کہ آج اگر چلی گئی تو کل کیا ہو گا؟

اسکول میں بالکل دل نہ لگ رہا تھا۔

اپنی ممتا پر صبر و برداشت کے پہرے لگائے' وہ چھٹی ہونے کا انتظار کرتی رہی۔

خدا خدا کر کے پہلا دن تو جوں توں گزرا۔

چھٹی کے بعد بس کا انتظار کرنے کی بجائے اس نے اسکول سے نکلتے ہی رکشہ پکڑا اور گھر پہنچی۔ مریم امی کے کمرے میں تھی۔ امی اپنی مسہری پر آلتی پالتی مارے مریم کا چھوٹا سا گدیلا جس پر صاف ستھری سوزنی بچھی ہوئی تھی اسے زانوؤں پر پھیلائے بیٹھی تھیں۔ مریم صاف ستھری فراک پہنے گدیلے پر لیٹی تھی۔ امی اسے فیڈر سے دودھ پلا رہی تھیں۔ بابا قریب ہی بیٹھے محبت سے دیکھ رہے تھے۔ مریم کی ننھی سی گردن اور چہرے پر پاؤڈر کی تھپکیوں کے آثار تھے۔ ننھی منی آنکھوں میں سرمے کی ڈوریاں تھیں۔ بوتل سے دودھ چسکتے ہوئے وہ ٹکر ٹکر امی کو دیکھ رہی تھی۔

بچی کے بخیر و عافیت ملنے پر جویا دل ہی دل میں خدا کا شکر بجا لائی۔

پہلی مرتبہ اسے امی اور بابا کا دم بہت غنیمت سا لگا۔ دونوں بچی کو اتنی محبت اور انہماک سے لیے بیٹھے تھے جیسے بھری کائنات میں وہی تو ایک چیز تھی دیکھنے اور پیار کرنے کی!

تھینک یو گاڈ!

تھینک یو!

بابا نے جویا کو دیکھتے ہی امی سے کہا۔ ''لو بھئی لو بہو آ گئیں۔ اب ہماری شغفت ختم۔''

جویا نے بچی کو منع اس کے فیڈر کے یوں امی سے جھپٹ کر اپنی آغوش میں دبکا لیا جیسے قرنوں بعد اس سے ملی تھی۔

امی دیکھتی رہ گئیں اور ان کے چہرے پر دھندسی چھا گئی۔

''روئی تو نہیں یہ؟'' جویا نے مریم کو پیار کرتے ہوئے پوچھا۔

امی جو مریم کے چھینے جانے پر آزردہ خاطر ہو گئی تھیں' قدرے تلخی سے بولیں۔ ''روئی بھی ہو تو کون سی کوئی انہونی بات ہو گئی' بچے کبھی روتے ہیں۔ وہ بچہ ہی کیا جو نہ روئے۔''

بابا نے مطلع ابر آلود ہوتے دیکھا تو بڑی خوبی سے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

''سناؤ بہو' تمہارا دن کیسا گزرا؟''

''ٹھیک ٹھاک۔''

''گڈ!''

دن کیسا گزرا' یہ وہی جانتی تھی۔

مریم کا خیال بار بار اس کے دل کو اپنی مٹھی میں دبوچتا رہا تھا۔

کئی گھنٹے کی جدائی کے بعد اسے اپنی آغوش میں دبکائے اس کے منے سے سر کو جا بجا بے تابانہ بوسے دیتی وہ اپنے کمرے کی طرف جانے کے لیے امی کے کمرے سے نکل گئی۔

''دیکھا!'' جویا کے جانے کے بعد امی شاکی لہجے میں بابا سے بولیں۔

''کیا؟'' بابا نے تجاہل عارفانہ سے کام لینے کی کوشش کی۔

''کس بری طرح جھپٹ کر لے گئیں آپ کی چہیتی بہو بیگم بچی کو میری گود سے۔''

''ماں ہے وہ۔'' بابا رسانیت سے بولے۔ ''کئی گھنٹے بعد دیکھا تھا' بچی کو ماممتا جوش میں آ گئی ہو گی۔''

''ماممتا وامتا کچھ جوش میں نہیں آئی۔ یہ جتانے کی کوشش کی ہے کہ بچی میری ہے۔'' امی نے ترشی سے کہا۔

''اس میں کیا شک ہے۔''

''ٹھیک ہے تو کریں' کل سے بچی کے لیے کسی آیا کا بندوبست۔''

''کیوں بھئی' دادی دادا کے ہوتے ہماری پوتی خدانخواستہ کسی آیا کے رحم و کرم پر کیوں چھوڑی جائے!''

''واہ ماسٹر صاحب واہ! بچی کی سیوا بھی کریں اور ہمارا کوئی حق بھی نہیں۔''

''بیگم صاحبہ' کون کہتا ہے کہ ہمارا کوئی حق نہیں۔''

''حق ہوتا تو آپ کی بہو اسے اس طرح جھپٹ لے جاتیں میری گود سے۔''

بابا دھیرے سے مسکرائے۔ کھنکھارے پھر بولے۔ ''ذرا دیر کو آپ یہ بھول جائیے کہ آپ ساس ہیں۔''

''کیا مطلب؟'' امی نے تیوری چڑھا کر بابا کو دیکھا۔

''مطلب یہ کہ ماں بن کر سوچیے۔'' بابا نے لحظہ بھر کو توقف کیا پھر بولے۔ ''فرض کیجیے کہ بہو کی جگہ آپ ہوتیں اور چھ سات گھنٹے کی جدائی کے بعد اپنی دو ماہ کی بچی کو دیکھتیں تو کیا اسی طرح بے تاب ہو کر پیار نہ کرتیں اسے؟''

''بالکل کرتی مگر......''

''مگر؟''

''جن لوگوں نے میری غیر موجودگی میں بچی کو اپنی ہتھیلیوں پر رکھا ہوتا' ان سے اس طرح شاید نہ چھینتی۔''

''شاید! یعنی ممکن ہے' جھپٹ بھی لیتیں۔'' بابا کی مسکراہٹ گہری پڑ گئی۔

''ماسٹر صاحب! آپ تو ایک ایک لفظ پکڑ لیتے ہیں۔''

''دل میلا مت کیجیے' بہو کی ماممتا کا جوش فطری اور بچی سے ہمارا محبت کرنا فطری...... اس کو ہتھیلیوں پر رکھ کر نہ ہم بہو پر کوئی احسان کریں گے نہ بیٹے پر۔ بچی ہماری ہے۔ ہمارا خون ہے۔ اولاد کی اولاد ہے۔ اس کی دیکھ بھال کر کے ہم بیٹے سے اپنی محبت کا رشتہ اور مضبوط کریں گے اور بس۔ ہر پچھلی نسل کا اگلی نسل سے رشتہ کڑیوں کی مانند ہے۔ کڑیوں سے کڑیاں ملتی چلی جاتی ہیں اور رشتوں کی زنجیر مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ کیا سمجھیں۔''

''ارے ماسٹر صاحب۔'' امی نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی۔ ''میں تو بس اتنا سمجھی کہ اولاد اور اولاد کی اولاد سے محبت ہماری بہت بڑی مجبوری ہے۔''

''بس...... بس...... بس اتنا سمجھ لینا ہی کافی ہے۔ اور جب یہ طے ہے کہ اولاد اور اولاد کی اولاد سے محبت ہماری مجبوری ہے تو پھر حکایتیں' شکایتیں کیسی! زندگی کو ہنسی خوشی گزاریے' سمجھیں۔''

امی کی عمر رسیدہ آنکھوں میں بابا کے لیے محبت اور غرور ڈولنے لگا۔

بابا کی معتدل مزاجی اور دانش مندی کا خاندان بھر میں چرچا تھا۔

امی کی ہم سن عورتیں ان کے مقدر پر رشک کرتی تھیں۔ کیسا دھیمے مزاج کا ہمسفر ملا تھا امی کو! زندگی کو بڑی دیانتداری سے برتنے اور سنبھل سنبھل کر چلنے والا!

بابا کے ساتھ امی نے بہت طویل سفر طے کیا تھا۔

اس طویل سفر میں ان گنت نشیب و فراز آئے تھے۔

بابا امی کا ہاتھ تھام کر چلتے تھے اور جہاں بھی انہیں ذرا سا بھی ڈگمگاتے پایا تھا' سنبھال لیا تھا۔

بابا کے دم سے دھوپ بھرے راستے بھی چھاؤں بن گئے۔

امی کسی بات پر کیسی ہی رنجیدہ اور ناخوش کیوں نہ ہوتیں' بابا اپنی نرم نرم باتوں سے ان کے دل سے ہر رنج مٹا دیتے۔

اور یہی انہوں نے اس وقت بھی کیا تھا۔

اپنے کمرے میں جا کر جویا مریم کے ساتھ ایسی منہمک ہوئی کہ اسے کھانے کا بھی خیال نہ رہا۔

موتیے نے آ کر [illegible] ''جویا بی بی [illegible] آپ کو کھانے کے لیے بلا رہے ہیں جی۔''

"کہنا' آپ لوگ کھائیں' بھابی منی کے سونے کے بعد کھائیں گی۔" جویا بولی۔

"ہاں جی ہاں' لائیں منی کو میں گود لے لیتا ہوں۔ آپ کھانا کھالیں جی۔" موجو نے اپنی خدمات پیش کرنی چاہیں۔

"میں نے تم سے کیا کہا۔" جویا نے موجو کو تنبیہی نگاہوں سے دیکھا۔

وہ خفیف ہو کر کان کھجانے لگا۔

"جاؤ۔"

"اچھا جی۔"

موجو نے جویا کا جواب بعینہ اہل خانہ کو پہنچایا جو کھانے پر جویا کے منتظر تھے۔

"جاؤ نزہت تم جا کر بلاؤ۔ سوا دو بج رہے ہیں۔ بچے والی ماں کو تو ویسے بھی بہت بھوک لگتی ہے۔" امی بولیں۔ "اور پھر دلہن کیا سوچیں گی کہ میرے بغیر سب کھانے بیٹھ گئے۔"

بیا نے امی کو محبت سے دیکھا۔

زندگی کی طویل مسافت میں ہمسفر رہنے والی اس عورت کا مزاج جلتے بجھتے قمقموں سے مشابہ تھا۔

غصہ ذرا دیر کا ہوتا پھر ٹھنڈی پڑ جاتیں۔

جن سے شکایت ہوتی' انہی سے محبت بھی کرتیں۔

ان کی ذات کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ کینہ پرور نہ تھیں اور ان کی اس خوبی کی جتنی گواہی بیا دے سکتے تھے شاید اور کوئی نہ دے سکتا تھا۔

ابھی ذرا دیر پہلے جویا کے خلاف حکایت و شکایت کا مرقع بنی بیٹھی تھیں اور اب اس کے بنا کھانا شروع نہ کرنا چاہتی تھیں بلکہ بڑی دلسوزی سے کہہ رہی تھیں' بچے والی ماں کو تو ویسے بھی بھوک بہت لگتی ہے۔

جویا مریم کو ہلکورے دے رہی تھی کہ نزہت اسے بلانے آ پہنچی۔

"چلئے بھابی کھانے پر آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔"

"تم لوگ کھاؤ میں بعد میں کھالوں گی۔"

"واہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ لائیے' مریم کو ہم سنبھال لیتے ہیں' آپ چل کر کھانا کھائیں۔"

"تم جاؤ پلیز!"

"اللہ نہیں...... پھر کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا...... کوفتہ بریانی پکی ہے آج...... ویسے بھی آپ کو بھوک لگ رہی ہو گی۔ امی کہہ رہی تھیں' بچوں والی ماؤں کو بھوک بہت لگتی ہے۔" آخری جملہ نزہت نے قدرے شرما کر ادا کیا۔

"تم جاؤ نزہت' کھانا کھاؤ...... میں بعد میں کھالوں گی۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا...... اچھا ایسا کریں' مریم کو بھی لے چلیں۔ ہم کھانا نکال دیا کریں گے آپ مریم کو گود میں لیے کھانا کھاتی رہیے گا۔"

تبھی مدحت' بجیا آ پہنچیں' پہلے انہوں نے مریم کو پیار کیا پھر بولیں۔ "کھانا آپ دونوں خواتین کا منتظر ہے۔"

"چلئے۔" نزہت نے جویا سے کہا۔

جویا کو جانے ہی بنی۔

اسکول میں پہلا دن خاصی بے قراری میں گزرا تھا۔ اگلے چند دنوں میں اس بے قراری میں بتدریج کمی ہوتی چلی گئی اور آخر کار جویا زندگی کے اس نئے ڈھب کی عادی ہو گئی۔

میکے سے سسرال آنے کے بعد اماں کی نصیحت پر عمل پیرا رہنے کی کوشش میں اس نے شروع شروع بچی کو ہر وقت کمرے میں محصور رکھنے کی جو کوشش کی تھی' اس نے اماں کا منہ چڑا دیا تھا۔ اماں کی ہدایت پر عمل پیرا رہنے کی صورت میں وہ زندگی کے اس نئے ڈھب سے کیونکر مفاہمت کر سکتی تھی۔

وہی لوگ جن سے اماں نے بچی کو دور رکھنے کا مشورہ دیا تھا' وہی اس کی عدم موجودگی میں بچی کے امین بن جاتے تھے۔

☆======☆=====☆

نزہت کے رشتے کی کھچڑی پکنا شروع ہوئی تو امی نے ابتدا میں تو جویا اور یقین دونوں ہی سے رازداری برتنے کی کوشش کی تاہم بعد میں یقین کو تو بتا دیا لیکن ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کر دی کہ جب تک بات پکی نہیں ہو جاتی' جویا اور اس کے گھر والوں کو پتا نہ چلے۔

"کیوں؟" یقین نے پوچھا۔

"اس لیے بیٹے کہ تمہاری شادی کے بعد ایک آدھ جگہ پہلے بھی نزہت کی بات تو چلی مگر بیل منڈھے نہ چڑھ پائی۔ اب اگر خدانخواستہ بات کہیں اٹک اٹکا گئی تو تمہارے سسرال والے مذاق اڑائیں گے۔"

یقین نے امی کی بات سے اتفاق کیا مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ جویا تو اب ان کے اپنے گھر کی فرد ہے' اس سے بھلا کیا چھپانا۔

"بیٹے! دلہن یہاں ہوتیں تو چھپانے کی کوئی ضرورت نہ تھی مگر وہ ان دنوں میکے میں ہیں۔ تم لاکھ منع کرو گے مگر وہ گھر والوں سے چھپا نہیں سکیں گی لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ابھی انہیں بھی نہ بتایا جائے' جب وہ گھر آ جائیں گی تو بتا دیں گے انہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" یقین مان گیا۔

بیا کو معلوم ہوا کہ جویا سے بھی رازداری برتی جا رہی ہے تو انہوں نے امی کو سمجھایا کہ یہ غلطی نہ کریں ورنہ جویا کو شکایت ہو گی۔

مگر امی نے بیا کے سامنے بھی اس رازداری کا وہی جواز پیش کیا جو وہ یقین کے سامنے پیش کر چکی تھیں۔ لیکن بیا نے یقین کے برعکس اس جواز سے اتفاق نہ کیا اور بولے۔ "بہو اب اس گھر کی فرد ہے' ان سے بھلا کیا پردہ؟ اب ہمارا اور ان کا ہر مسئلہ ہر راز مشترک ہے۔ نہ انہیں ہم سے کوئی بات چھپانی چاہیے نہ ہمیں ان سے کوئی راز رکھنا چاہیے۔ اگر وہ باہم ایک دوسرے سے اپنی کوئی بات

چھپاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ایک دوسرے کو فرد خاندان کی حیثیت سے قبول نہیں کیا ہے۔ بس حادثاتی طور پر ایک رشتے میں منسلک ہو گئے ہیں۔"

"ماسٹر صاحب! پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ بتادیں گے آپ کی بہو کو جب وہ ہمارے گھر آجائیں گی۔" امی نے کہا۔

یقین چند روز تو امی کے جواز کا پابند رہا پھر اس کے اندر کھد بدی شروع ہوئی اور آخر کار ایک روز اس نے جویا کو بتا ہی دیا کہ نزہت کے رشتے کی کہیں بات چل رہی ہے۔

"کہاں؟" جویا نے متجسس ہو کر پوچھا۔

"یہ مجھے نہیں پتا۔" یقین بولا۔

"امی آئیں گی تو میں ان سے پوچھ لوں گی۔" جویا نے کہا۔

"ارے نہیں، ابھی مت پوچھنا ان سے۔"

"کیوں؟"

"امی نے ابھی یہ بات گھر والوں کے علاوہ کسی کو بھی نہیں بتائی ہے۔ کہہ رہی تھیں بات پکی ہو جائے تو پھر بتاؤں گی۔"

"گویا میں گھر والوں میں شامل نہیں۔" جویا نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

"نہیں نہیں ایسی بات نہیں۔"

"تو پھر مجھے امی سے پوچھنے سے کیوں منع کر رہے ہیں آپ۔"

"بھئی وہ خود بتادیں گی تمہیں۔"

مگر ایسا نہ ہوا۔

جویا سے یقین کی اس گفتگو کے بعد دو تین مرتبہ امی بھی بہو اور پوتی کو دیکھنے کے لیے آئیں ابا بھی آئے مدحت بجیا اور نزہت نے بھی پھیرے لگائے مگر کوئی ایک بھی نزہت کے رشتے کے بارے میں منہ سے کچھ نہ پھوٹا اور اس لیے نہ پھوٹا کہ ابا نے مسز لطیفی کے بیٹے مسعود کے بارے میں اپنا اطمینان کرنے میں خاصا وقت لیا اور بخوبی مطمئن ہونے کے بعد جب امی نے مسز لطیفی کے ہاں فون کیا تو ان کے ملازم نے بتایا کہ سب گھر والے لاہور گئے ہوئے ہیں۔ امی کو یہ خدشہ ہوا کہ کہیں اور ان کے لڑکے کی بات نہ چل گئی ہو۔

جویا نزہت کے رشتے کا ذکر نہ کیے جانے پر اندر ہی اندر کھولتی رہی اور اماں نے اس کے غصے کو اور ہوا دی۔

"جویا! بڑے گھنے ہیں تمہارے سسرال والے۔ غیر سمجھتے ہیں تمہیں۔" اماں بولیں اور ان کی اس بات سے جویا کو سخت خجالت کا احساس ہوا۔

"نہ جانے کیا کیا باتیں چھپاتے ہوں گے وہ لوگ تم سے۔"

"ہوسکتا ہے۔" اس کے دل نے کہا۔

توہین ذات کے احساس سے جوالا مکھی اور بھی دہکنے لگا۔

چلہ پورا ہونے کے بعد وہ میکے سے سسرال آئی تو اماں کی ہدایت پر ڈیڑھ دو ہفتے تک سختی سے عمل پیرا رہنے میں توہین ذات کے احساس کا پورا دخل تھا۔ ملازمت پر جانے کی مجبوری نہ ہوتی تو شاید وہ مریم کو اماں کی ہدایات کے مطابق ددھیال والوں سے دور دور ہی رکھتی۔ اپنی مجبوری کے پیش نظر اس نے مفاہمت تو کرلی مگر دل کے چور گوشوں میں وہ کھٹک بدستور رہی کہ نزہت کے رشتے کی بات خواہ اس کا انجام جو بھی ہوا تھا اس سے کیوں چھپائی گئی تھی۔ اس نے تہیہ کر رکھا تھا کہ کسی نہ کسی موقعے پر وہ سسرال والوں سے اس بات کا شکوہ ضرور کرے گی۔ اسے اسکول جاتے آٹھ دس روز ہوئے تھے اور اس شام گھر کے تمام افراد لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی پر ایک ڈرامے کی ہفتے وار قسط دیکھ رہے تھے کہ اطلاعی گھنٹی بجی۔ موجو اٹھ کر باہر گیا اور ذرا دیر بعد ہی لپکا ہوا واپس آیا اور اس نے یہ خبر بہم پہنچائی۔

"وہ جی چھوٹی بی بی کی ساس آئی ہیں جی۔"

آن کی آن میں بھگدڑ سی مچ گئی۔

سب ٹی وی دیکھنا بھول گئے۔

اور امی یہ بھی بھول گئیں کہ جویا سے ہنوز یہ بات راز تھی۔

"ارے مدحت..... جلدی ذرا لپک کر انہیں ڈرائنگ روم کی طرف تو لے جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ادھر آ جائیں۔ میرا دوپٹہ ذرا ملگجا ہو رہا ہے میں بدل کر آتی ہوں۔"

جویا کان کھڑے کیے ایک ایک کو دیکھ رہی تھی۔

مدحت بجیا تو مہمان خاتون کے استقبال کو باہر لپک گئیں۔

امی نے دوپٹہ تبدیل کرنے کو اپنے کمرے کا رخ کیا۔

نزہت محجوب سی اٹھی اور لاؤنج سے کھسک لی۔

لاؤنج میں ابا، جویا اور ذہین رہ گئے۔

ذہین کی توجہ بدستور ٹی وی اسکرین پر مرکوز رہی۔

ابا نے کن انکھیوں سے جویا کو دیکھا۔

جویا نے انہیں اپنی جانب دیکھتے پایا تو بولی۔ "یہ موجو کیا کہہ گیا ابا..... نزہت کی ساس؟"

"احمق ہے وہ۔" ابا بولے۔ "ساس نہیں تو نکاح کے بعد بنیں گی اس بیوقوف نے ابھی سے انہیں نزہت کی ساس بنا دیا۔"

"کیا؟ کیا کہیں بات چل رہی ہے نزہت کی؟" جویا نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔"

"کہاں؟"

"تفصیل مجھے نہیں معلوم..... کوئی خاتون ہیں جن کے تین بیٹے ہیں۔ انہی کے ایک بیٹے سے رشتہ چل رہا ہے۔"

"کب سے؟"

"زیادہ پرانی بات نہیں۔"

"مجھ سے کسی نے ذکر نہیں کیا۔"

"شاید تمہاری ساس نے یہ سوچا ہو کہ بات چل نکلے تو تمہیں بتائیں۔"

"مگر میرا خیال ہے' گھر میں میرے علاوہ باقی سب کو معلوم ہے۔" بیا نے نظریں چرالیں۔

"کیا میرا خیال غلط ہے بیا؟"

"تمہاری ساس کے ذہن سے نکل گئی ہوگی بات ورنہ وہ بتاتیں ضرور تمہیں۔"

"اتنی اہم بات بھی امی کے ذہن سے نکل سکتی ہے بھلا۔" جویا کے لہجے میں طنز تھا۔

"بہو! تمہاری ساس اور ہم عمر کی جس منزل پر ہیں وہاں تو کبھی کبھی ذہن سے بہت کچھ نکل جاتا ہے۔" بیا نے بڑی رسانیت سے کہا۔

ذہین جو ٹی وی سے رخ پھیرے ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا' مسکراتے ہوئے بولا۔ "جی ہاں' جیسے امی مجھے اکثر و بیشتر پاکٹ منی دینا بھول جاتی ہیں۔"

"ابھی بھی تو کہیے صاحب زادے کہ ان کی اس بھول کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اکثر آپ ان سے دگنی پاکٹ منی بھی بٹور لیتے ہیں۔" بیا نے شگفتہ لہجے میں کہا۔

"یہ تو ہے۔" ذہین کی مسکراہٹ گہری پڑ گئی۔

"اچھا بہو' میں ذرا مسز لطیفی سے ملنے کی تیاری کرلوں۔" بیا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"مسز لطیفی!" جویا کے لہجے میں استفہامیہ کیفیت تھی۔

"اگر خدا کو منظور ہوا تو نزہت کی ہونے والی ساس۔" بیا نے بتایا۔

"اچھا تو وہ ہیں مسز لطیفی۔" جویا نے جی ہی جی میں کہا۔

بیا کے جانے کے بعد ذہین ٹی وی دیکھنے لگا۔

جویا بھی بظاہر ٹی وی اسکرین پر نگاہیں مرکوز کر کے بیٹھ گئی مگر اس کے من میں بڑی کھد بد ہو رہی تھی۔

اور ادھر ڈرائنگ روم میں امی مسز لطیفی سے یہ سننے کے بعد کہ وہ اپنے سوال کا جواب لینے کے لیے آئی تھیں' مدحت سے کہہ رہی تھیں۔ "مدحت' دلہن کو بلا لاؤ اور نزہت سے کہنا' چائے وائے بھجوائے۔"

"نہیں بہن' کوئی تکلیف مت کیجیے۔" مسز لطیفی بولیں۔

"تکلیف کی کیا بات مسز لطیفی۔ آپ کا اپنا گھر ہے۔" امی نے کہا۔

مدحت بجیا تعمیل ہدایت کے لیے ڈرائنگ روم سے چلی گئیں لیکن جب انہوں نے ٹی وی لاؤنج میں جا کر جویا سے ڈرائنگ روم میں چلنے کو کہا تو اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے بجیا سے پوچھا۔ "کوئی خاص مہمان آئی ہیں کیا؟"

بجیا جو نزہت کے رشتے کی بات کو جویا سے چھپائے جانے کی مخالفت میں بیا کی ہمنوا رہی تھیں

خفیف ہو کر اس سے نظریں چراتے ہوئی بولیں۔ "ہاں' وہ نزہت کے رشتے کی بات چل رہی ہے ایک جگہ..... لڑکے کی والدہ آئی ہیں۔"

"بہت مبارک ہو۔" جویا نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا پھر بولی۔ "لیکن آپ مجھے یہ خبر ایسے سنا رہی ہیں جیسے میں کوئی آؤٹ سائیڈر ہوں۔"

جویا کے لہجے میں درد بھی تھا' شکایت بھی۔

کچھ ایسی کیفیت جیسے کوئی بچہ اپنے وارث سے گلہ کر رہا ہو کہ اپنی میراث سے محروم رکھنا تھا تو تجھی کیوں بنایا؟

تب ہی بیا بنک سک سنوار کر پلٹ آئے۔

"اصل میں تم یہاں تھیں ہی کب جو بتایا جاتا۔ اب گھر آ گئی ہو تو بتا دیا ہے تمہیں۔" بجیا نے مدد طلب نظروں سے بیا کو دیکھا۔

"پلیز! غلط بیانی سے کام نہ لیجیے۔" جویا بولی پھر اس نے جارحانہ تیوروں سے بجیا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے سب معلوم ہے..... مجھ سے چھپایا ہی نہیں گیا بلکہ یقین کو بھی سختی سے ہدایت کر دی گئی تھی کہ مجھے اور میرے گھر والوں کو نہ بتایا جائے۔"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے جویا۔" بجیا بولیں۔

"میری اور درست فہمی کی گواہی آپ کے بھائی بھی دے سکتے ہیں۔"

بجیا نے شرمندہ ہو کر بیا کو دیکھا۔

بیا نے نظروں ہی نظروں میں ان سے کہا۔ "دیکھا! میں نے منع کیا تھا نا تمہاری امی کو۔"

ذہین گردن موڑے چپ چاپ دیکھ رہا تھا۔

"اچھا بہو' ناراضگی تھوک دو۔" بیا بولے۔

"اور مہمان سے ملنے چلو۔" بجیا نے گرہ لگائی۔

"میں کیا کروں گی مل کر۔" جویا کی ناراضگی بدستور رہی۔ وہ تو کتنے دن سے اس دن کی منتظر بیٹھی تھی۔

"کیا کروں گی مل کر!" بجیا نے قدرے اچنبھے سے اس کے الفاظ دہرائے پھر بولیں۔ "تمہارا تعارف ضروری ہے۔"

"ہاں" بیا نے تائید کی۔ "تم اس گھر کی بہو ہو۔"

"کاش! ایسا ہی سمجھا گیا ہوتا۔" اس کے لہجے میں تلخی تھی۔

"چلو شاباش۔" بجیا نے موقع کی نزاکت کے اعتبار سے لہجہ اختیار کیا۔

"چھوڑیں..... بارات والے دن میرج ہال میں تعارف ہو جائے گا۔"

بجیا نے پھر مدد طلب نگاہوں سے بیا کو دیکھا۔

بیا آگے بڑھے اور جویا کے روبرو جا ٹھہرے۔ "بہو!" انہوں نے دھیمے سُروں میں کہا۔ "تمہاری دل شکنی کی معافی چاہتا ہوں گھر والوں کی طرف سے۔"

جویا نے بے ساختہ چونک کر بیا کی طرف دیکھا۔

"آئی فیل سوری بہو!"

مدحت بجیا کو دل ہی دل میں یقین پر غصہ آنے لگا۔

کیا تھا اگر وہ نزہت کے رشتے کی بات کو کچھ دن اپنے پیٹ میں دبا کر رکھ لیتا۔

جلد یا بدیر جویا کو اس بات کا پتا تو چلنا تھا' چل جاتا لیکن اگر یقین نے اسے یہ بات نہ بتائی ہوتی تو اسے شکوہ نہ ہوتا۔

اور بیا کو جویا سے سب گھر والوں کی طرف سے معافی نہ مانگنی پڑتی۔

بیا کے معذرت خواہانہ لہجے نے جویا کو خفیف کر دیا اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بجیا اور بیا کی معیت میں ڈرائنگ روم کی طرف چل دی۔

لیکن ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی وہ یہ دیکھ کر جہاں کی تہاں رہ گئی کہ ڈرائنگ روم میں امی سے باتیں کرتی خاتون تو اس کی ایک سابقہ اسکول ٹیچر تھیں۔

"مسز لطیفی! یہ میری بہو ہیں۔" امی نے مسز لطیفی کی توجہ جویا کی طرف مبذول کرائی۔

مسز لطیفی کی آنکھوں میں شناسائی کی لہر ابھری۔

"جویا!" مسز لطیفی مسکرائیں۔

"السلام علیکم میڈم! آپ کیسی ہیں؟"

"بالکل ٹھیک ہوں بیٹا۔" مسز لطیفی بولیں' پھر انہوں نے امی کی طرف دیکھا جو انہی کو دیکھ رہی تھیں اور ان سے کہا "آپ کی بہو تو ہماری شاگرد نکلیں۔ بہت اچھی اسٹوڈنٹ ہوا کرتی تھیں یہ۔"

"بہو بھی بہت اچھی ہیں۔" بیا بولے۔

امی نے تیوری پر بل ڈال کر بیا کو دیکھا۔ پھر مسز لطیفی کے دکھانے کو مسکرانے کی کوشش کرنے لگیں۔

"یقیناً ہوں گی۔" مسز لطیفی نے بیا کی تائید کی۔

بیا نے کن انکھیوں سے امی کو دیکھا اور نظریں چرا لیں۔

"آؤ جویا' میرے پاس آ کر بیٹھو۔" مسز لطیفی نے بڑے پیار سے جویا سے کہا۔

جویا بڑے ادب سے ان کے پاس جا بیٹھی۔

"بھائی صاحب' آپ کو اور مدحت کو تو اندازہ ہوگا کہ جب استاد کو اپنا کوئی پرانا اسٹوڈنٹ ملے تو کتنی خوشی ہوتی ہے۔" مسز لطیفی کا روئے سخن بیا کی طرف تھا۔

"جی ہاں!" بیا نے تائید کی۔ "عجب رشتہ ہوتا ہے یہ بھی!"

استاد اور شاگرد کے بے لوث رشتے کی گہرائیوں کا اندازہ مدحت بجیا کو بھی خوب تھا۔ جب کوئی پرانا اسٹوڈنٹ ان سے ملنے کے لیے آتا تو وہ ان کی تقویت اور مسرت محسوس کرتی تھیں۔

"تم خود بھی تو کہیں پڑھا رہی تھیں شاید؟" مسز لطیفی نے جویا سے پوچھا۔

"جی ہاں' اب بھی پڑھا رہی ہوں میڈم!"

"عزیزاً!" مسز لطیفی مسکرائیں۔ "اب مجھے میڈم مت کہو آنٹی کہو۔"

ایک کمرے میں جا بجا استادوں کی موجودگی میں امی خود کو بالکل الگ تھلگ محسوس کر رہی تھیں مگر مسز لطیفی کے ایک جملے نے خلیج کو پاٹ دیا۔

"بہن! اب تو ہماری ضمانت آپ کے گھر ہی میں موجود ہے۔ کہیے کیا ارادہ ہے؟"

اگرچہ امی ہاں کرنے کو بے تاب بیٹھی تھیں' تاہم روایتاً انہوں نے اپنی اس بے تابی کا اظہار کرنے سے گریز کیا۔

"بھائی صاحب! آپ نے مسعود میاں کے بارے میں اطمینان کر لیا؟" مسز لطیفی نے بیا سے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"کوئی شکایت تو نہیں ملی؟"

"جی نہیں' ماشاء اللہ اچھا بچہ ہے۔"

مسز لطیفی خوش ہو گئیں۔

"بہت نیک اور سعادت مند ہے میرا بیٹا۔" مسز لطیفی بڑے فخر سے بولیں۔ "بلکہ ایک وہی کیا اللہ کا بڑا کرم اور احسان ہے مجھ پر کہ میرے تینوں ہی بچے ماشاء اللہ بہت اچھے ہیں۔"

جویا کو نزہت سے حسد سا ہونے لگا۔

نزہت کے لیے ان کے جس بیٹے کا رشتہ آیا تھا' اس کے تفصیلی کوائف سے یقین نے اسے بخوبی آگاہ کر رکھا تھا۔

تب بھی اس نے یہی سوچا تھا کہ رشتہ دینے والوں نے نزہت میں آخر دیکھا کیا تھا اور اب بھی وہ یہی سوچ رہی تھی۔

مزے کی بات یہ تھی کہ بقول یقین کے لڑکے نے نزہت کو خود بھی دیکھا اور پسند کیا تھا۔

شاید ایسی ہی کسی صورت حال کے لیے کسی نے پہلی مرتبہ یہ کہا ہوگا کہ دل آیا گدھی پر تو پری کیا چیز ہے!

جویا کے دل میں الاؤ سا پکنے لگا۔

زویا میں آخر کیا کمی تھی!

خوش شکل' خوش سیرت' خوش سلیقہ' خوش وضع' پڑھی لکھی سبھی کچھ تھی۔ مگر اماں کی فکر رفع ہونے کی کوئی صورت نہ نکل پائی تھی اب تک۔ حالانکہ ابا کی روز بروز کمزور ہوتی صحت کی وجہ سے اماں تو جویا کی شادی کے فوراً بعد ہی زویا کی فکر میں لگ گئی تھیں۔

یہ بات نہیں کہ زویا کے لیے رشتے نہ تھے۔ اپنے پرایوں میں کئی رشتے تھے مگر اس معیار کے نہ تھے جو اماں چاہتی تھیں۔

اماں کہتی تھیں' دوسری تین بہنوں سے زیادہ اچھے نہ سہی' کم از کم ان کی برابری کے کسی گھرانے میں تو جائے۔

جویا کی شادی کے بعد اماں ہر ملنے جلنے والی سے بس یہی ایک بات کہتی تھیں کہ زدیا کے لیے کوئی اچھا رشتہ بتائیں۔

سارہ آپا بھی اپنی سی کوشش کر رہی تھیں۔

اپنی قریبی ساتھیوں سے خود جویا نے بھی کہہ رکھا تھا۔ وہ تو فرزین کی ٹکر کا کوئی رشتہ دیکھنا چاہتی تھی زدیا کے لیے تاکہ سسرال کو دکھا سکے کہ کیا ہوا اگر انہوں نے زدیا کو قابلِ اعتنا نہ گردانا تھا۔ دنیا قدر دانوں سے خالی تھوڑی ہو گئی تھی۔

موئی بھدی نزہت کے لیے کیسا اچھا رشتہ مل گیا تھا!

کاش!

کاش! کسی طرح پتا چل گیا ہوتا جویا کو کہ اس کی سابقہ اسکول ٹیچر مسز لطیفی کو اپنے بیٹے کے لیے لڑکی کی تلاش تھی تو وہ زدیا کو دکھا دیتی انہیں۔

مجال تھی کہ زدیا کے سامنے نزہت کا چراغ جل پاتا۔

افسوس!

صد افسوس!

اب تو کفِ افسوس ہی ملا جا سکتا ہے۔

شاید نزہت نہ ہوتی' کوئی اور لڑکی ہوتی تو اماں کے صلاح مشورے سے کچھ نہ کچھ چکر چلا کر مسز لطیفی اور ان کے بیٹے کو شیشے میں اتارنے کی کوشش کی جاتی مگر نزہت سے زدیا کے رخ دھار موڑ دینا ممکن ہوتے ہوئے بھی ممکن نہیں تھا۔ ساری عمر طعنے سننے پڑتے کہ ہماری ہنڈیا اتار کر اپنی چڑھا دی۔

سسرال والے عمر بھر کے لئے نکو بنا لیتے اسے۔

کچھ عجب نہیں کہ زدیا کے لیے بھی مشکلات کھڑی کر دیتے۔

تھے تو سب بہت ہی ہوشیار اور گھاگ۔

چین سے تھوڑی رہنے دیتے اسے اور زدیا کو۔

ایسا نازک معاملہ تھا کہ اب تو اگر کسی وجہ سے نزہت سے مسز لطیفی کے بیٹے کی شادی کی بیل منڈھے چڑھنے سے رک بھی جاتی تو بھی زدیا کے لیے ہرگز نہ سوچا جا سکتا تھا۔

مٹی ڈالو جی۔

افسوس کرنے اور ذہن کو تھکانے سے فائدہ؟

ملکِ خدا تنگ نیست پائے مرا لنگ نیست!

زدیا کے لیے کوئی اور سہی!

تاہم مسز لطیفی کو رشتہ منظور کیے جانے پر انتہائی خوش دیکھ کر جویا کے دل میں یہ ضرور آیا کہ چپکے سے ان سے کہے۔ ''آپ اتنی خوش کیوں ہو رہی ہیں۔ لڑکی ہے تو میری نند مگر میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ بس یونہی سی ہے۔ کھانے پینے کی تو ایسی بھوکی ہے کہ [illegible]

کہا جائے۔''

اس کے آخری جملے کا مسز لطیفی یقین نہ کرتیں مگر اسے ان کے یقین کرنے یا نہ کرنے سے کیا۔

اسے تو بس حسد ہو رہا تھا نزہت سے۔

لشکارے مارتی گاڑیوں میں ٹھیک ٹھاک قسم کے مردوں کے ساتھ اونگی بونگی عورتوں کو بیٹھے اور اتراتے دیکھ کر وہ اکثر سوچا کرتی تھی کہ اتنی میلی میلی سی عورتوں کو اتنے اجلے اجلے مرد کیسے مل جاتے ہیں؟

آج اسے کسی حد تک اپنے اس سوال کا جواب مل گیا تھا۔

مسز لطیفی تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بیٹھی رہیں اور جب اٹھیں تو انہوں نے امی سے کہا۔ ''منگنی ہمارے ہاں رواج نہیں' ویسے بھی ہمارا دو تین ماہ کے اندر اندر شادی کرنے کا ارادہ ہے۔ آپ اجازت دیں تو جمعے کو ہم لوگ مٹھائی لے کر آ جائیں؟''

امی نے ابا کو دیکھا۔

''جیسے آپ کی خوشی۔'' ابا نے کہا۔

امی کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔

جمعہ دور ہی کتنا تھا۔

صرف تین دن تھے درمیان میں!

''ٹھیک ہے بہن آپ جمعے کو آ جائیں۔''

''شکریہ۔''

چلتے سے مسز لطیفی نے جویا کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے بڑی اپنائیت سے کہا۔ ''لڑکی! تم بہت مناسب جگہ ملی ہو مجھے۔'' جویا نے مسکرانے کی کوشش کی مگر دل اور لبوں میں بہت تضاد رہا۔

☆======☆======☆

مسز لطیفی کے جاتے ہی امی نے یہ خوشخبری سنانے کے لیے نگہت کو فون کیا۔ وہ بہت خوش ہوئی اور بولی۔ ''امی آپ کی بہو بیگم کو بھی پتا چل گیا ہوگا اب تو۔''

''ظاہر ہے بھئی' اب کیسے چھپایا جا سکتا تھا۔ اور چھپانے کی ضرورت بھی کیا ہے بھلا۔'' امی نے کہا۔

''بالکل!'' نگہت نے تائید کی۔ ''کیسا ردِ عمل رہا ان کا؟''

''کوئی خاص نہیں۔''

''ظاہر نہ کیا ہوگا مگر دل میں بہت جلی بھنی ہوں گی۔''

خدا ہی جانے۔''

رات کو آٹھ ساڑھے آٹھ بجے نگہت اپنے میاں اور بچوں کے ہمراہ مبارکباد کا کیک لیے آ پہنچی۔

''خدا کا شکر ہے امی کہ اب آپ جلد ہی نزہت کے فرض سے بھی سبکدوش ہو جائیں گی۔'' ناصر بولے۔

''ہاں میاں' بس اللہ کا بڑا کرم ہے۔ بہت فکر رہتی تھی مجھے نزہت کی۔''

نزہت سامنے آئی تو نگہت نے کہا۔ ''نزہت! جلدی جلدی اپنا ویٹ کچھ کم کرو۔''

''کیوں؟'' نزہت شرما کر بولی۔

''کیونکہ تمہیں دوسرے گھر جانا ہے۔''

''بھئی دوسرے گھر جانے کے لیے ہماری نزی کو ویٹ کم کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔ ان کے انتخاب کی اصل وجہ یہی ہے۔'' مدحت بجیا نے نزہت کو محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''عجب گھن چکر ہیں تمہارے سسرال والے۔'' ذہین نے نزہت کو چھیڑا۔ ''دنیا سلم لڑکیوں کی ڈیمانڈ کرتی ہے اور انہوں نے تمہیں پسند کرلیا۔''

''امی دیکھ رہی ہیں آپ ذہین کو۔'' نزہت نے شکایت کی۔

''ذہین!'' امی نے ذہین کو ٹوکا۔

''بہت پچھتائیں گے وہ لوگ تمہیں اپنے گھر لے جاکر۔'' ذہین آمادہ چھیڑ چھاڑ رہا۔

''کیوں بھئی؟'' افتخار احمد بولے۔ ''اتنی سگھڑ لڑکی تو ہے ہماری نزہت۔''

''جی ہاں اور کھانے پینے کی انتہائی شوقین بھی۔ دوسرے لوگ خوش ہوتے ہیں تو ہنستے مسکراتے ہیں۔ یہ خوش ہوتی ہیں تو کھاتی پیتی ہیں۔''

''امی! دیکھیے۔'' نزہت نے منہ بنایا۔

''لڑکیاں بازار جاتی ہیں تو جوتے کپڑے' کاسمیٹکس اور جیولری خریدتی ہیں' یہ باہر جاتی ہیں تو برگر' بروسٹ اور آئس کریم پر ہاتھ صاف کر کے لوٹتی ہیں۔'' ذہین مزید بولا۔

مدحت بجیا نے ذہین کا کان پکڑ لیا۔

''سوری بجیا!''

''مجھ سے نہیں' نزہت سے سوری کرو۔''

''ضروری ہے؟''

''بہت ضروری۔''

''آل رائٹ۔'' اس نے نزہت کی طرف دیکھا۔

نزہت مسکرا دی۔

''معاف کردو۔'' اس نے کہا پھر آہستہ سے بولا۔ ''چوہیا!''

''دیکھا دیکھا بجیا یہ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''معاف کردو نزہت۔'' بجیا بولیں۔

''ہرگز نہیں۔ انہوں نے مجھے چوہیا بھی کہا ہے۔''

''کتنی بری بات ہے ذہین۔'' مدحت بجیا نے اس کا کان چھوڑ کر پیار سے اس کے سر پر ایک دھپ لگائی۔

وہ کان سہلاتے ہوئے نزہت کی طرف دیکھ کر ایک مرتبہ پھر بولا۔ ''چوہیا۔''

''یہ دیکھیے پھر کہا انہوں نے۔''

''بہت بری بات ہے ذہین۔'' بجیا نے اسے گھورا پھر بولیں۔ ''بیٹیں مہمان ہوتی ہیں' چلی جاتی ہیں تو بہت یاد آتی ہیں۔ نزہت بھی اب اس گھر میں تھوڑے سے دن کی مہمان ہے۔ چلی جائے گی تو بہت یاد کیا کریں گے ہم سب۔''

اچانک امی رونے لگیں اور سب ان کی طرف متوجہ ہوگئے۔

ذہین کو یوں لگا جیسے اس صورت حال کا ذمے دار وہ تھا۔

''سوری امی۔'' وہ امی کے نزدیک بیٹھ کر ان کا شانہ دباتے ہوئے بولا۔

نزہت خاموشی سے منظر سے نکل گئی۔

تبھی پپا جو کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے' گھر آگئے اور امی کو روتے دیکھ کر بولے۔

''خیریت تو ہے؟''

''جی سب خیریت ہے۔'' بجیا نے انہیں اطمینان دلایا۔

''خیریت ہے تو تمہاری امی رو کیوں رہی ہیں؟ یہ خوشی کے آنسو ہیں یا غم کے؟''

''ملے جلے پپا۔'' افتخار احمد نے کہا۔

''یعنی؟''

''امی اس خیال سے رو رہی ہیں کہ نزہت اب کچھ دنوں کی مہمان ہیں اس گھر میں۔''

پپا دھیرے سے ہنس دیے۔

ان کی ہنسی نمناک تھی۔

''ارے صاحب' کیوں روتی ہیں۔'' پپا یہ کہتے ہوئے امی کے نزدیک بیٹھ گئے۔ ''خوش قسمت ہیں آپ کہ اچھے لوگ مل گئے۔ آنسو پونچھ کر اپنے اردگرد تو دیکھیے' ماشاء اللہ کتنی رونق اور کیسی رونق ہے آپ کے اردگرد۔ خوش قسمت ہیں ہم دونوں کہ اپنے بچوں کی خوشیاں دیکھ رہے ہیں۔'' امی نے اپنی آنکھیں پونچھ کر اپنے اطراف پر نظر ڈالی۔

واقعی کتنی روشنی اور رونق تھی!

رات تک بڑی رونق رہی۔

کھانے پر جویا کے سوا سبھی دل کھول کر ہنستے بولتے رہے۔

جویا بہت کم بولی اور ہنسی بھی تو کھوکھلے پن کے ساتھ!

اسے ان سب کے ہنسنے بولنے سے بھی کوفت ہو رہی تھی۔

کیوں؟

کیوں وہ سب اتنے خوش تھے؟

اسے اماں کا خیال آیا جو اس وقت شاید زریا کی فکر میں غلطاں بیٹھی ہوں گی یا پھر ابا کی گرتی ہوئی صحت کے بارے میں فکر مند یا شاید بھیا کی آمدنی میں اضافے کے لیے دعا گو۔ وہ ان سب کے ساتھ ہنسی بولی بھی تو بہت ہی بیزاری سے۔

اس کی مسکراہٹ بے جان تھی۔

اور ہنسی اتنی کھوکھلی کہ خود اس کی اپنی سماعت کو اجنبی سی محسوس ہوئی۔

کھانے کے بعد جویا اور اس کے پیچھے پیچھے یقین بھی اپنے کمرے میں چلے گئے۔ باقی سب لوگ لان پر چلے گئے۔

''بھابی کمرے میں کیوں چلی گئیں؟'' نگہت نے امی سے پوچھا۔

''کوئی نئی بات تھوڑی ہے' وہ جہاں گھر کے چار آدمیوں کو ہنستے بولتے دیکھتی ہیں ان کا موڈ بگڑ جاتا ہے۔''

''مجھ سے تو بھابی کے پر جلتے ہیں۔'' نگہت بولی۔ ''میں تو کبھی کبھی سوچتی ہوں یہاں آنا ہی چھوڑ دوں۔''

''نہیں نگہت ایسی کوئی بات نہیں۔'' مدحت بجیا رسانیت سے بولیں۔

''آپ کو پتا نہیں مگر میں خوب اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ آج بھی میری وجہ سے موڈ بگڑا ہوا تھا ان کا۔''

''نہیں بیٹی۔'' بابا بولے۔

''ان کا موڈ کسی اور بات پر بگڑا ہوا تھا۔'' بجیا نے کہا۔

''کس بات پر؟'' امی نے پوچھا۔

''بابا آپ بتایئے امی کو۔''

''بیگم صاحبہ! بہو کو اس بات کا شکوہ ہے کہ نزہت کے رشتے کی بات ان سے کیوں چھپائی گئی۔''

''چھپانے کی کیا بات' انہی کے سامنے بات ہوئی۔'' امی بولیں۔

''آج ان کے سامنے ہوئی مگر پہلے تو نہیں بتایا گیا نا۔''

''اول تو وہ یہاں تھیں کب..... اپنے میکے میں تھیں۔ دوسرے گھر کی ہر بات دوسروں کو بتانا ضروری نہیں ہوتا۔''

''دوسروں کو!'' بابا نے تعجب سے کہا۔ ''کیا مطلب ہے آپ کا؟ کیا بہو کوئی غیر ہیں؟''

''ہیں تو غیر ہی۔'' امی بولیں۔

''جب ہمارے گھر آ گئیں تو اپنی ہیں۔ دیکھیے' جب نزہت کے رشتے کی بات چلی اور آپ نے یقین میاں کو بہو کو بتانے سے منع کیا تو میں نے آپ کو یہی سمجھایا تھا کہ یہ غلطی نہ کریں مگر آپ نے میری نہ سنی اور اس خوش فہمی میں رہیں کہ یقین بہو کو کچھ نہ بتائیں گے مگر یقین نے انہیں سب کچھ بتا دیا نتیجتاً آج بہو کو شکایت کا موقع ملا۔''

''انہیں تو بس گلے شکوے ہی کرنے کا شوق ہے۔ یقین سے تو میں پوچھ لوں گی اچھی طرح کہ کیوں بتایا؟''

''تحمل سے..... تحمل سے یوں جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔

''اچھا سنایئے' کیجیے بہو بیگم کی وکالت۔''

''وکالت کی بات نہیں۔'' بابا بولے۔ پھر انہوں نے نگہت کو مخاطب کیا۔ ''نگہت بیٹی ایک بات بتانا سچ سچ۔''

''جی بابا۔''

''پہلے وعدہ کرو کہ سچ بولو گی۔ جو دل میں ہوگا' وہی زبان پر لاؤ گی۔''

''آپ اطمینان رکھیے۔''

''کیا تم یہ بات پسند کرو گی کہ افتخار میاں تم سے کوئی بات چھپائیں؟''

نگہت چپ رہی۔

''بولو بیٹی!''

''میری یہ مجال نہیں بابا کہ میں ان سے کوئی بات چھپا سکوں۔'' افتخار احمد بولے۔

''اچھا!'' نگہت کے لہجے سے تنبیہہ جھلک رہی تھی۔

''برا ماننے کی بات نہیں۔ افتخار میاں سچ کہہ رہے ہیں۔ وہ واقعی تم سے کوئی بات نہیں چھپا سکتے۔''

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟'' امی کے لہجے سے ہلکی سی خفگی عیاں تھی۔

''کہنا یہ چاہتا ہوں کہ کیا آپ یہ بات پسند کریں گی کہ آپ کے داماد آپ کی بیٹی سے کوئی بات چھپائیں؟ یعنی ان کے درمیان کوئی پردہ ہو؟''

''کون بیوقوف ماں یہ چاہے گی۔''

''گڈ!'' بابا بولے۔ پھر انہوں نے رسان لہجے میں کہا۔ ''بیگم صاحبہ! دوہرے معیار کیوں بنا رکھے ہیں آپ نے؟''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ جو بات آپ اپنی بیٹی کے لیے پسند نہیں کرتیں' وہ دوسرے کی بیٹی کے لیے کیوں پسند کرتی ہیں؟ میں زندگی میں آپ سے کوئی بات نہیں چھپا سکا جو میرا بیٹا اپنی بیوی سے چھپائے گا۔ آپ نے یقین کو ترغیب دی کہ وہ نزہت کے رشتے کی بات بہو کو نہ بتائے اور اس راز داری کا جواز اسے یہ سمجھایا کہ بہو اپنے گھر والوں کو بتا دیں گی اور اگر رشتہ نہ ہو سکا تو ہماری سبکی ہوگی۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جو چھپائی جاتی۔ لڑکیوں کی دس جگہ بات چلتی ہے' تب کہیں ایک جگہ بات بنتی ہے۔ بالفرض بہو کے گھر والوں کو یہ بات معلوم ہو جاتی اور رشتہ خدانخواستہ نہ ہو پاتا تو کون سی قیامت آ جاتی۔ بہر طور بحال ان لوگوں سے پردہ رکھنا بہت ہی ضروری تھا تو آپ کا کام یہ تھا کہ بیٹے کو بیوی سے راز رکھنے کی ہدایت نہ کرتیں بلکہ اسے سمجھا دیتیں کہ بیوی کو بتاؤ تو سمجھا دینا کہ رشتہ ہونے تک بات کو زیادہ نہ پھیلائے۔ بلکہ مجھ سے سچ پوچھیے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کو چاہیے تھا کہ بہو کو خود اعتماد میں لیتیں اور سمجھا دیتیں۔ وہاں آنا جانا رہتا ہی تھا آپ کا۔''

''معاف کیجیے گا مجھ سے یہ چونچلے نہیں ہوتے۔'' امی نے تنک کر کہا۔

"بیگم صاحبہ! یہ چوچلے نہیں زندگی کو سہل اور خوشگوار بنانے کی تدبیریں ہیں۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ہم دوسروں کی بیٹیوں کو بہو بنا کر اپنے گھر لے تو آتے ہیں مگر اپنے اور بہوؤں کے درمیان ایک اونچی فصیل کھڑی کر لیتے ہیں۔ ہم یہ تو چاہتے ہیں کہ جب ہماری اپنی بیٹیاں دوسرے گھروں میں جائیں تو ان سے بیٹیوں کا سا سلوک کیا جائے لیکن ہم اپنے گھر آنے والی دوسروں کی بیٹیوں سے بیٹیوں کا سا برتاؤ نہیں رکھ پاتے۔ ہم انہیں غیر سمجھتے ہیں اور عموماً دشمن کی نظر سے دیکھتے ہیں اور بدلے میں محبت کی نظر اور مؤدبانہ رویے کی توقع رکھتے ہیں۔ زندگی کے سینے میں ببول بو کر ہم گلاب اُگنے کی امید کیسے کر سکتے ہیں؟ دوسروں کو اپنا بنانے کے لیے پہلے ان کا بننا پڑتا ہے۔ بہو کو اپنا بنانے کے لیے ہمیں اس سے بیٹی کا سا سلوک کرنا چاہیے۔"

"بہو اس لائق بھی تو ہو۔"

"اگر بہو اس لائق نہیں ہے تو اسے لائق بنانا بھی ہمارا کام ہے۔"

"اچھا اب یہ بیگار بھی کریں ہم۔"

"بیگار! ارے بیگم صاحبہ یہ بیگار نہیں۔ ہماری اگلی نسلوں کی بہتری اور بقا کا راز اسی میں مضمر ہے۔"

"اچھا امی! ہم لوگ تو اب چلتے ہیں۔" نگہت نے اجازت چاہی۔

"بھئی جمعے کو وہ لوگ مٹھائی لے کر آ رہے ہیں۔ ایک دو روز کے لیے تم گھر آ جاؤ۔"

"سن رہے ہیں آپ امی کیا کہہ رہی ہیں۔" نگہت نے افتخار سے کہا۔

"میں نے کبھی منع کیا ہے تمہیں۔"

"سعادت مندی ہے آپ کی۔" بیا نے افتخار سے کہا۔

"اور ہاں! ایک بات تو میں تمہیں بتانا بھول ہی گئی۔" امی نگہت سے بولیں۔

"کیا؟"

"مسز لطفی تمہاری بھاوج کی ٹیچر رہ چکی ہیں۔"

"آپ کا مطلب ہے بھابی کی؟" نگہت چونکی۔

"جی ہاں۔"

"او ہو! یہ تو بڑی گڑبڑ ہو گئی۔"

"کیسی گڑبڑ؟" بیا نے پوچھا۔

"بہت چوکنا رہنا پڑے گا کہ کہیں بھابی ان سے کوئی الٹی سیدھی بات نہ کر دیں۔"

"کیسی بات؟" بیا بولے۔

"کچھ بھی گھر کی کوئی بھی ایسی ویسی بات۔"

"ارے بھئی ہمارے ہاں ایسی ویسی کیا بات ہوتی ہے بھلا...... ہم تو سفید پوشی کا بھرم رکھنے کی تگ و دو میں ہلکان ہوتے رہنے والے معصوم اور بے ضرر لوگ ہیں۔"

"پھر بھی ابا! احتیاط تو ضروری ہے نا۔"

"ہم سفید پوشوں کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ ہم ایک دوسرے سے ڈرتے ہیں اور ایک دوسرے کی صورتیں مٹی کر دینے کی تگ و دو میں رہتے ہیں۔"

بڑوں کی اس چوکڑی سے کچھ فاصلے پر نگہت کی دونوں بچیوں کو قصے کہانیاں سناتی نزہت نے بہ آواز بلند کہا۔ "نگہت باجی! افشاں کو نیند آ رہی ہے۔ آپ اگر کہیں تو ہم دونوں بچیوں کو اپنے کمرے میں لے جا کر سلا دیں۔"

"نہیں بھئی! اب ہم جا رہے ہیں۔"

اور ادھر جویا اپنے کمرے میں یقین سے کہہ رہی تھی۔ "آپ کی والدہ محترمہ نے مجھ سے راز داری برتنے کی کوشش تو بہت کی مگر خدا کی قدرت دیکھیے کہ لڑکے کی والدہ میری اسکول ٹیچر نکل آئیں۔ میٹرک میں سوشل اسٹڈیز پڑھایا کرتی تھیں وہ ہمیں۔"

"میں نے تو تم سے راز داری نہیں برتی نا۔" یقین بولا۔

"برت کر تو دیکھتے آپ۔"

"کیا ہوتا؟"

"وہ تو خیر وقت بتاتا۔"

"تھینک گاڈ کہ برا وقت نہیں آیا مجھ پر۔"

"اچھا! ایک بات کان کھول کر سن لیجیے آپ اور اپنی والدہ سے بھی کہہ دیجیے گا۔"

"ارشاد۔"

"اس مہینے جب آپ کو تنخواہ ملے گی تو آپ مجھے پانچ سو روپے اور بڑھا کر دیں گے۔"

"خیریت؟"

"مریم کا الاؤنس نہیں دیں گے؟"

"دینا تو چاہیے مگر......"

"مگر کیا؟"

"نزہت کی شادی کا قصہ بھی تو چھڑ گیا ہے۔ کھانے کی میز پر تمہارے سامنے ہی تو امی بتا رہی تھیں کہ وہ لوگ دو تین مہینے کے اندر اندر شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"کریں...... شوق سے کریں...... مگر مجھے بچی کا خرچا چاہیے۔" وہ تیور بگاڑ کر ناگوار لہجے میں بولی۔

"پلیز! نزہت کی شادی تک صبر کر لو۔" اس نے اس قدر لجاجت سے کہا کہ جویا چپ ہو رہی۔ شاید وہ نزہت کی شادی تک چپ ہی رہتی مگر اماں نے اسے ایسا نہ کرنے دیا۔

"خبردار جو تم یقین کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گئیں۔" اماں نے اسے سمجھایا۔ "بڑے بوڑھوں کا کہنا ہے گربہ کشتن روز اول۔ اگر تم نزہت کی شادی کی مروت میں چپ رہ گئیں تو لکھ لو میری بات کہ شادی کے بعد بھی تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔"

"کوئی بات نہیں اماں! اگر نہیں ملے گا تو میں خود کماتی ہوں اپنی بچی کی ضرورتیں خود پوری کر سکتی

ہوں۔"

"بیوقوفی کی باتیں مت کرو جویا۔ بچی کوئی تم جہیز میں نہیں لے گئی تھیں میکے سے۔ ان کی ذمے داری ہے وہی بوجھ اٹھائیں۔ تم نے یقین کو ایک مرتبہ عادت ڈال دی نا دیکھ لینا کہ یہ گھنٹی ہمیشہ کے لیے تمہارے گلے میں بندھ جائے گی۔ بچی کا خرچا تو تم زبردستی مانگو۔ سمجھیں۔"

"نزہت کی شادی تک صبر کیے لیتی ہوں اماں۔"

"ارے کیسا صبر اسی مہینے وصول کرنا بچی کا خرچا ورنہ ہمیشہ محروم رہوگی۔ ہم نے ایسے بہت سے مرد دیکھے ہیں جو بچوں کی ذمے داری بیویوں پر چھوڑ دیتے ہیں۔ تم نے میری بات نہ مانی تو بہت پچھتاؤ گی۔"

"نزہت کی شادی ہو کہاں رہی ہے بجو؟"

"بھئی بڑی اچھی جگہ ہو رہی ہے۔"

"واہ! خدا جانے ایسی ایسیوں کو اچھے بر کیسے مل جاتے ہیں۔" امی نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "میری تو زبان گھسی جا رہی ہے۔ زدیا کے لیے دعا کرتے کرتے سچ کہا ہے کسی نے روپ کی روئے کرم کی کھائے۔"

"اللہ پر بھروسا رکھیں اماں۔" جویا نے اماں کو تسلی دی۔

ٹیلی فون کی گھنٹی زور سے بجی۔

"ارے زدیا! جا کر دیکھ تو سہی کس کا فون ہے۔"

زدیا نے کال ریسیو کی۔

"ہیلو!" زدیا نے کہا۔

کوئی جواب نہیں ملا۔

"ہیلو!" زدیا نے دوبارہ کہا۔

"زدیا؟" ایک مردانہ آواز نے دھیرے سے پوچھا۔

"جی۔" زدیا ہڑبڑا گئی کہ یہ کون تھا جو اس بے تکلفی سے اس کا نام لے رہا تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ فون آپ ہی نے اٹھایا۔ اٹس می زدیا...... فرزین۔"

فرزین!

زدیا کا دل بے مہار دھڑکنے لگا۔

یہ کہاں سے بول رہا تھا وہ!

☆=====☆=====☆

زدیا کان سے ریسیور لگائے دم بخود کھڑی تھی۔

"یہ کیا!" فون ریسیو کیا تو وہ لائن پر ملا جو اسے اچھا لگنے لگا تھا۔

"تھینک گاڈ! کال آپ ہی نے ریسیو کی...... میں دعا مانگ رہا تھا کہ کوئی اور فون نہ اٹھائے اس وقت۔"

وہ چپ رہی۔

دل بے مہار دھڑک رہا تھا۔

"ہیلو!" فرزین کے لہجے میں یک گونہ بیتابی تھی۔

وہ بدستور خاموش رہی۔

"ہیلو!" وہ اور بھی زیادہ بے تابی سے بولا۔

زدیا کی خاموشی نہ ٹوٹی۔

"زدیا!" بے تابی دوچند ہو چکی تھی۔

"جی۔"

"شکر ہے! آپ لائن پر ہیں۔"

"بھو گھر آئی ہوئی ہیں بلا دوں انہیں۔"

"نو...... تھینک یو...... مجھے ان سے نہیں آپ سے بات کرنی ہے۔"

"مجھ سے!"

"جناب۔"

"آپ...... آپ کہاں سے بات کر رہے ہیں؟"

"پورٹ سعید سے۔"

"پورٹ سعید!" زدیا نے وضاحت طلب لہجے میں کہا۔

"جی...... یہ ایجپٹ کی بندرگاہ ہے۔"

"تو آپ مصر سے بات کر رہے ہیں۔"

"ہاں۔"

"اتنی دور سے؟"

"اکثر اس سے بھی بہت دور ہوتا ہوں...... اور کبھی کبھی اس سے بھی زیادہ تنہا فیل کرتا ہوں۔"

"کیوں؟ سمندر تو بہت خوبصورت ہوتا ہے۔"

"بشرطیکہ آدمی تنہا نہ ہو۔"

"جہاز پر تو آپ کے ساتھ بہت سارے لوگ ہوں گے۔"

وہ دھیرے سے یوں ہنس دیا جیسے زدیا نے کوئی احمقانہ سی بات کہہ دی ہو۔ پھر بولا۔ "کبھی کبھی بہت سارے لوگوں کے ساتھ ہونے کے باوجود آدمی تنہا ہوتا ہے۔"

"عجیب بات ہے!"

"زدیا کس کا فون ہے؟" اماں کی آواز سنائی دی۔

زدیا پر طاری سرشاری ٹوٹ گئی۔

"وہ! اماں......"

"اماں پوچھ رہی ہیں کس کا فون ہے...... میں...... میں انہیں بتا دوں ذرا۔"

"ایک منٹ...... ایک منٹ زدیا!" وہ لجاجت سے بولا۔

"جی...... کہیے۔"

"ایک بات پوچھوں آپ سے؟"

"جی...... مگر ذرا جلدی۔"

"آپ کو بھی...... کبھی...... میرا خیال آتا ہے کہ نہیں؟"

اس کے دل کی دھڑکن بڑھ گئی۔

کیسا عجیب سوال کر رہا تھا وہ!

اور...... اماں اُسے پکار رہی تھیں۔

"بولیے...... پلیز۔"

وہ کچھ نہ بول سکی۔

اس سوال کا جواب دینا آسان کب تھا۔

اُسے اپنے آپ سے بھی نظریں چُرانی پڑیں۔

وہ چند ثانیے اُس کے جواب کا منتظر رہا پھر بولا۔ "او کے...... نہیں دینا چاہتیں میرے سوال کا جواب تو نہ سہی...... مگر میں نے تو آپ کو اپنے پچھلے وائج میں بھی مس کیا تھا اور اس سفر میں بھی یاد کر رہا ہوں۔"

"کیوں؟" وہ پوچھنا چاہتی تھی مگر پوچھ نہ سکی۔

"ہولڈ کیجیے...... میں اماں اور بجو کو بتا دوں کہ آپ کا فون ہے۔"

"نہیں...... بالکل نہیں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ میں نے صرف آپ کو فون کیا تھا۔"

"یہ...... اچھی بات تو نہیں۔"

"کیا...... کیا اچھی بات نہیں۔"

"کہ آپ کا فون آئے اور گھر والوں کو پتا نہ چلے۔"

"آپ بتانا چاہتی ہیں؟"

"چھپاؤں بھی کیوں؟ چھپائی جاتی ہے بُری بات...... آپ کا فون آنا کوئی بُری بات تو نہیں ہے۔ ویسے بھی میں اپنے گھر والوں سے کوئی بات نہیں چھپاتی۔"

"او کے...... بتا دیجیے۔"

"ہولڈ کیجیے۔"

"او کے۔"

زویا نے ریسیور آہستگی سے نیچے رکھا اور اماں کو بتانے چلی گئی۔

فرزین کے دل میں اُس کی ایک اور ادا نے گھر کر لیا۔

جو لڑکی اپنے گھر والوں کے ساتھ اس حد تک سچی اور کھری تھی اُس کی چاہت کو دل میں بسا لینا

گھانے کا سودا تو نہ تھا۔

"فرزین کا فون!"

اماں اور جویا دونوں کو حیرت ہوئی۔

"تم نے پوچھ بھی لیا کہ کون سے فرزین کا؟" اماں نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "کوئی اور فرزین نہ ہو ایک نام کے بیسیوں ہوتے ہیں۔"

"جی ہاں...... میں نے اچھی طرح پوچھ لیا ہے...... بجو کے دیور ہی ہیں۔"

"اُس نے گھر فون کیا ہوگا...... میں وہاں نہیں ملی تو یہاں کر لیا۔" جویا نے کہا۔

زویا بہن کی خوش فہمی پر دل ہی دل میں مسکرا دی۔

"ہیلو!" پہلے جویا نے بات کی۔

"ہیلو بھابی...... کیسی ہیں؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں...... تم کیسے ہو؟"

"فرسٹ کلاس۔"

"کہاں ہو آج کل؟"

"پورٹ سعید پر۔"

"واپسی کب تک ہے؟"

"بس واپسی ہی کا سفر ہے۔"

"اور؟"

"آپ سنایئے...... یقین بھائی کیسے ہیں اور ہماری بھتیجی کیسی ہے؟"

"بھائی تمہارے مزے میں ہیں...... بھتیجی چچا کی واپسی کی منتظر ہے؟"

"ڈھیر ساری شاپنگ کی ہے میں نے اُس کے لیے۔"

"تھینک یو...... بائی دی وے تم نے یہاں فون کیسے کر لیا؟"

"کیوں یہاں فون کرنا منع ہے کیا؟"

"ہو سکتا ہے اُمی بجیا اور نگہت وغیرہ کو ناگوار گزرے۔"

"آپ کو تو ناگوار نہیں گزرا؟"

"نہیں...... مجھے تو خوشی ہوئی کہ تم نے سمندر پار سے یاد کیا۔"

"بس میرے اطمینان کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ کو ناگوار نہیں گزرا۔"

"تمہیں گھر سے پتا چلا ہوگا کہ میں یہاں ہوں۔"

"جی نہیں۔"

"تو پھر تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں یہاں ہوں۔"

"ارے صاحب دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔ ہمارے دل نے کہا کہ آپ یہاں ملیں گی اور ہم نے ڈائریکٹ یہاں کا نمبر ملا لیا۔"

"یہاں کا نمبر یاد تھا تمہیں؟"

"ہم ضروری فون نمبر وقت بے وقت کے لیے اپنی ڈائری میں محفوظ رکھتے ہیں۔"

"بڑے ہوشیار ہو۔"

"آپ کو اب معلوم ہوا۔"

"نہیں...... معلوم تو خیر پہلے سے ہے۔"

"ہاں...... خوبیاں بھلا کہاں چھپتی ہیں۔"

"زیادہ اترا مت جاؤ...... اچھا یہ بتاؤ' موسم کیسا جا رہا ہے؟"

"بہت اچھا...... آپ یہ بتائیے کہ گھر کا موسم کیسا ہے؟"

"اوں...... بس...... گزارا ہو رہا ہے۔"

"چلیے یہ بھی برا نہیں۔"

"گھر فون کرو گے؟"

"جی ہاں' کروں گا۔"

"ایک خوشخبری جو تمہیں سننے کو ملے گی' وہ میں پہلے ہی سنا دوں۔"

"جلدی سنایئے۔"

"پچھلی دفعہ جب تم نے فون کیا تو امی نے تمہیں نزہت کی شادی کی بات چیت کے بارے میں بتایا تھا۔"

"آں ہاں' بتایا تو تھا۔"

"جمعے کو وہ لوگ بات پکی کرنے کے لیے مٹھائی لے کر آ رہی ہیں۔"

"گڈ!"

"شادی کی تاریخ تمہارے آنے کے بعد طے ہوگی۔ امی اس چکر میں ہیں کہ نزہت کی رخصتی اور تمہارا ولیمہ ساتھ ہو۔"

"میرا ولیمہ!" وہ تعجب سے بولا۔

"ہاں۔"

"اس قسم کا کوئی ارادہ نہ رکھا جائے۔"

"کیوں بھئی؟"

"بس۔"

"ایک بات بتاؤ گے؟"

"ضرور۔"

"سچ سچ بتانا۔ تمہارے لیے تو بڑے زور و شور سے لڑکیاں دیکھی جا رہی تھیں۔ اور تم بھی خاموش رضامندی کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ اچانک تم نے انکار کیوں کر دیا تھا؟"

"راز کی بات ہے۔"

"کیا راز ہے؟"

"جانے دیجیے۔"

"بتاؤ نا۔"

وہ ہنس دیا اور بولا۔ "مذاق کر رہا ہوں۔ کوئی راز واز نہیں تھا۔"

"تو پھر انکار کیوں کر دیا؟"

"میں راضی ہی کب تھا۔"

"جھوٹ مت بولو...... اگر راضی نہیں تھے تو اسی دن کیوں منع نہیں کر دیا' جب امی اور بھیا وغیرہ پہلی مرتبہ تمہارے لیے لڑکی دیکھنے گئی تھیں۔"

"ہاں یہ غلطی مجھ سے ہوئی۔"

"اب کیا ارادہ ہے؟"

"ارادہ یہ ہے کہ اب ذرا امی وغیرہ سے بھی ہیلو ہائے کر لوں۔"

"بہت چالاک ہو' کیسی خوبصورتی سے بات ٹال گئے۔"

"اچھا آپ اپنے گھر میں سب کو میری طرف سے سلام دعا کہیے گا۔"

"اماں' فرزین سب گھر والوں کو سلام کہہ رہے ہیں۔" جویا نے پاس ہی کھڑی اماں کی طرف دیکھا۔

"وعلیکم السلام...... جیتے رہو۔" اماں نے بہ آواز بلند کہا اور جویا کی طرف دیکھتے ہوئے آنکھ دبا کر ریسیور اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

اماں کی اس غیر متوقع کارروائی پر جویا ان کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

"ہاں بیٹے' کیسے ہو؟" اماں نے بڑے پیار سے پوچھا۔

"فرزین! یہ ہماری اماں بات کر رہی ہیں تم سے۔" جویا نے اپنا منہ ماؤتھ پیس کے نزدیک لا کر زور سے کہا۔

"خدا کے فضل سے بالکل خیریت سے ہوں۔"

"اور تمہاری نوکری کیسی جا رہی ہے؟"

"جی...... آپ کی دعا سے بالکل ٹھیک۔"

"بیٹے' میں تو بہت دعائیں کرتی ہوں تمہارے لیے۔"

"شکریہ۔"

"بہت اچھے لگے ہو تم مجھے۔" اماں نے جویا کی طرف دیکھتے ہوئے پھر آنکھ دبائی۔

"بہت شکریہ۔"

جویا نے اماں کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا اور چہکی۔ "اماں ہی نہیں' ہمارے گھر میں سب تمہارے بہت مداح ہیں۔"

"تھینک یو۔" اس نے کہا' پھر بولا۔ "اچھا اب اجازت دیجیے گھر بھی فون کرنا ہے۔"

''گھر والوں کو بتاؤ گے کہ یہاں فون کیا تھا؟''

''کیا ضرورت ہے۔''

جویا کو یک گونہ مسرت کا احساس ہوا۔

''ٹھیک ہے۔''

''اوکے بھابی...... یقین بھائی کو میرا سلام کہیے گا...... مگر نہیں .... میں نے آپ کو فون کب کیا ہے۔''

''ہاں۔'' وہ ہنس دی۔

ریسیور رکھنے کے بعد جویا نے فاتحانہ نظروں سے اماں کو دیکھا۔ اُن کے چہرے پر مسرت آمیز مسکراہٹ تھی!

دفعتاً اماں کی نظر زویا پر پڑی اور وہ چونک کر بولیں۔ ''ہیں! تم یہاں کھڑی کیا سن رہی ہو؟''

''کچھ نہیں...... کچھ بھی نہیں اماں۔'' زویا خفیف ہو کر بولی۔

یک بیک اماں کی نگاہوں میں محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔

''بہن کو اچھی سی چائے تو پلا۔''

''اچھا اماں!''

''زویا چائے نہیں والے بھی۔'' جویا مسکرائی۔

''اوکے میڈم۔'' زویا نے نیم خم ہوتے ہوئے کہا اور جانے کو پلٹ گئی۔

☆=====☆======☆

جمعے کو مسز لطفی اپنی بہو بیٹوں اور دو چار قریبی عزیزوں کے ہمراہ مٹھائی لے کر آئیں تو گھر میں چھوٹے سے جشن کا سماں تھا۔ نگہت اور افتخار کے علاوہ امی اور بابا نے خاندان کے چند قریبی بزرگوں کو مدعو کر لیا تھا۔

مسز لطفی کے ہاں منگنی کا دستور نہ تھا۔ شگون کے طور پر وہ نزہت کو اوڑھانے کے لیے ایک کامدار دوپٹا لے آئی تھیں۔

بات پکی ہوگئی۔

شادی فرزین کی واپسی کے بعد ہونا قرار پائی۔

امی تو چاہتی تھیں کہ ایک پنتھ میں دو کاج ہو جائیں۔ فرزین کے ولیمے میں نزہت کی رخصتی کر دی جائے مگر پورٹ سعید سے فرزین کے فون کرنے پر جب امی نے اپنا عندیہ اُس پر ظاہر کیا تو اُس نے کہا تھا۔ ''فی الحال آپ صرف نزہت کی شادی کے بارے میں سوچیں۔''

''کیوں تمہارے بارے میں کیوں نہ سوچیں؟'' امی نے پوچھا۔

''کیونکہ جب میرا ارادہ ہوگا شادی کرنے کا میں آپ کو خود بتا دوں گا۔''

نگہت نے کہا۔ ''امی آپ فرزین کی باتوں میں نہ آئیں۔ کوئی اچھی سی لڑکی ہم لوگ دیکھ کر رکھتے ہیں جب فرزین آئیں گے تو انہیں دکھا کر بات پکی کر لیں گے۔''

بابا بولے۔ ''ہرگز نہیں...... شادی کوئی زبردستی کا سودا نہیں ہوتا۔ جب تک فرزین راضی نہ ہوں لڑکی دیکھنا ہوائی تیر چلانا ہوگا۔ پہلے فرزین کو راضی ہونا چاہیے۔''

''فرزین کے راضی ہونے کے انتظار میں نزہت کی شادی کو تو نہیں ٹالا جا سکتا۔'' امی نے کہا۔

''نزہت کی شادی ٹالنے کو کہہ کون رہا ہے۔ ویسے بھی آپ اپنی ہونے والی سمدھن کو زبان دے چکی ہیں۔ وعدہ کر چکی ہیں اُن سے کہ فرزین کے آتے ہی شادی کی تاریخ طے کر دی جائے گی۔''

''بھی تو میں فکر مند ہوں۔ فرزین راضی ہو جاتے تو اُن کا ولیمہ اور نزہت کی رخصتی ایک ساتھ ہو جاتی۔''

''کوئی بات نہیں۔ فرزین کا ولیمہ بعد میں سہی۔''

''ظاہر ہے۔'' امی اُداس ہو کر بولیں۔ ''اب یہ بتایئے کہ نزہت کی شادی کے اخراجات کیونکر پورے ہوں گے۔ اپنے پرایوں کو تو یہ معلوم ہے کہ گھر میں بہت خوش حالی ہے۔ سب یہ سمجھتے ہیں کہ چار چار کمانے والے ہیں گھر میں۔ آپ کی پنشن آتی ہے۔ جہاز پر جانے والا بیٹا خوب بھر بھر کے سامان لاتا ہے لیکن قبر کا حال تو مردہ ہی جانتا ہے۔ بہو بیگم نے آج تک اپنی کمائی کی ہوا تک نہیں لگنے دی۔ بیٹے صاحب آدھی تنخواہ ہاتھ میں رکھ کر ہر ذمے داری، ہر فکر سے مبرا کر لیتے ہیں خود کو۔ انہیں گھر چلانا پڑے تو دال آٹے کا بھاؤ معلوم ہو۔ خرچ کرنے والا مجبور بن جاتا ہے۔ ہاتھ میں پیسہ لینے کی تمہار ہوتی ہوں مگر پیسہ کس طرح خرچ ہوتا ہے یہ میں ہی جانتی ہوں۔ نوٹ اِدھر ہاتھ میں آیا اُدھر ختم۔ آپ کی پنشن مہینے کے آخری دنوں کا سہارا نہ ہو تو آخری دن کھینچنے مشکل ہو جائیں یا پھر بے چاری مدحت اچھے بُرے وقت کی ساتھی بنی ہوئی ہے۔ مسز لطفی کو زبان دے تو دی ہے مگر دل پر گھبراہٹ طاری ہے کہ اتنا بڑا مرحلہ سر کیسے ہوگا۔''

''بیگم صاحبہ، فکر مت کیجیے اللہ نے چاہا تو سر ہو جائے گا۔'' بابا نے تسلی دینے کی کوشش کی۔

''فکر کیسے نہ کروں۔ شادی بیاہ نمٹانا کوئی مذاق تھوڑی ہوتا ہے۔ شادی کا سلسلہ چھیڑ کر دیکھیے خرچ پر خرچ نکلا چلا آتا ہے۔''

''اللہ مالک ہے۔''

''کچھ کام اُس نے بندوں کے ذمے بھی کر رکھے ہیں۔ بتایئے آپ کیا دے رہے ہیں بیٹی کی شادی کے لیے؟''

''جو بن پڑے گا حاضر کر دیں گے۔''

''پھر بھی کچھ اندازہ تو ہو۔''

بابا دھیرے سے مسکرا دیے۔

''بتایئے۔''

''پچاس ساٹھ ہزار روپے مل جائیں گے آپ کو۔''

''پچاس ساٹھ ہزار؟'' امی نے حیرانی سے بابا کو دیکھا۔ ''کہاں سے لائیں گے آپ پچاس ساٹھ ہزار روپے؟''

"آپ بے ایمانی پر محمول نہ کریں تو بتاؤں۔"

"بھئی بتائیے تو۔"

"ریٹائرمنٹ کے وقت مجھے جو واجبات ملے تھے' اُن میں سے پچاس ہزار روپے میں نے بینک میں رکھ دیے تھے اور رکھے اسی نیت سے تھے کہ مدحت یا نزہت میں سے کسی کے کام آ جائیں گے۔ اب ضرورت پڑی ہے تو نکال لیں گے۔ پچاس ہزار اصل رقم ہے۔ کچھ پرافٹ مل جائے گا۔"

امی جو قدرے حیرانی سے سن رہی تھیں۔ بولیں۔ "آپ نے مجھے ہوا تک نہ لگنے دی۔"

"ہوا لگنے دی ہوتی تو آپ یہ رقم یقین میاں کی شادی پر لے چکی ہوتیں مجھ سے۔"

"واقعی یقین کی شادی بھی کتنی کھینچا تانی کے بعد نمٹائی تھی۔ وہ تو کہیے' ایک بیسی پڑی ہوئی مل گئی بروقت جو ضرورت پوری ہو گئی ورنہ بڑی مشکل ہو جاتی۔"

"اللہ رب العزت مسبب الاسباب ہے۔"

"اس وقت بڑی تسلی ہو گئی ہے مجھے۔ پچاس ہزار میں بہت سی ضرورتیں نمٹ جائیں گی' کچھ مدحت ہاتھ بٹائے گی۔"

"کچھ دونوں بھائی۔"

"یقین میاں سے آپ زیادہ توقع نہ رکھیے گا' نہ کوئی مطالبہ کیجیے گا۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ مجھے یقین ہے کہ ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔"

"نہ ہو۔" امی ترخ کر بولیں۔ "بہن بیٹیوں کے لیے سب کرتے ہیں اور اگر اپنی جیب خالی ہو تو قرض اُدھار لے کر کرتے ہیں۔"

"کیا آپ بھی یہ پسند کریں گی کہ یقین میاں' بہن کے فریضے سے سبک دوش ہونے میں ہاتھ بٹانے کے لیے اپنے شانوں پر قرض کا بوجھ چڑھا لیں۔"

"قرض کیوں لیں' بیوی سے لے لیں۔"

"بیوی سے مانگنا کوئی اچھی بات ہے!"

"میں مانگنے کو کب کہہ رہی ہوں۔"

"بیوی سے چھیننا بھی اچھا نہیں لگتا۔"

"جب بیوی خود غرض ہو' جس گھر میں رہے اس کے مسائل کا احساس نہ رکھتی ہو' اجنبی بنا کر رہے تو پھر اس سے چھیننا جھپٹنا' جور و ستم' زبردستی سب کچھ روا کرنا پڑتا ہے ماسٹر صاحب۔"

بیا دھیرے سے مسکرا دیے۔

تبھی مدحت بجیا آ پہنچیں۔

"آؤ بیٹی آؤ۔" بیا نے تپاک سے کہا۔

"کیا ہو رہا ہے امی جان؟" بجیا اُن کے نزدیک بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"بیٹا آج کل تو بس ایک ہی فکر سوار ہے ذہن پر۔"

"نزہت کی شادی کی فکر؟" بجیا کے لہجے میں یقین آمیز استفہامیہ کیفیت تھی۔

امی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

آپ بالکل فکر مت کیجیے۔ ہم سب کس مرض کی دوا ہیں۔ سب کچھ کر لیں گے ہم۔"

"پچاس ساٹھ ہزار تمہارے بیا دے رہے ہیں۔"

مدحت بجیا نے چونک کر بیا کی طرف دیکھا۔ "کہاں سے بیا؟"

"کچھ بچت کر رکھی تھی اس وقت کے لیے۔"

"آئی سی۔" بجیا نے بڑی محبت سے امی کے شانے پر اپنا ہاتھ دھر دیا اور بولیں۔ "امی جان۔ بیا صاحب ریٹائرڈ ہو کر اتنا کر سکتے ہیں تو ہم سب تو ان سروس ہیں امی۔ ان شاء اللہ نزہت کو دھوم دھام سے رخصت کریں گے۔"

"ایک بات کہوں بیٹی۔" بیا بولے۔

"جی۔"

"تم جیسی پڑھی لکھی اور باشعور لڑکی سے بہن کو دھوم دھام سے رخصت کرنے کی بات سننا کچھ عجیب لگا ہے مجھے۔"

"کیوں بیا؟" بجیا نے قدرے حیرانی سے بیا کو دیکھا۔

"بھئی' تمہارے منہ سے تو میں سادگی' کفایت شعاری اور چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے جیسی کوئی بات سننا چاہتا تھا۔"

مدحت بجیا مسکرا دیں۔

مگر اس مسکراہٹ میں واضح خفت بھی تھی!

"آئی ایم سوری بیا کہ میں آپ کی توقع پر پوری نہیں اتری۔"

"معاف کیا۔"

"لیکن بہت مایوس بھی نہ ہوں آپ میری طرف سے۔ رسمیں' رسمیں مجھے صرف اس حد تک اچھی لگتی ہیں' جب تک وہ تکلیف دہ نہ ہوں۔"

"یہ بھی غنیمت ہے۔"

"اچھا امی' یہ بتائیے کہ تیاری کب سے شروع ہو رہی ہے؟"

"جب تم ہمت کر لو۔" امی نے مسکرا کر بجیا کو دیکھا اور بولیں۔ "تم نے اور نگہت نے ہی مل کر کرنا ہے سب کچھ۔ میں تو ہو گئی ہوں اب بوڑھی۔"

"آپ فکر مت کیجیے کر لیں گے ہم۔"

"بیٹی! تمہاری امی ایک اہم فرد خانہ کو بھول گئی ہیں۔ اپنے ساتھ انہیں ضرور شامل کر لینا۔" بیا نے کہا۔

"کس کو بھول گئی ہوں؟" امی نے کہا۔

"اپنی بہو کو۔"

"بہو خود دور دور رہتی ہیں تو ہم کیا کریں۔" امی بولیں۔

"دوسروں کو اپنا بنانے کے لیے خود اُن کی طرف بڑھنا پڑتا ہے۔"

"ٹھیک ہے بوا! آپ اطمینان رکھیں۔ جویا کو ہم اپنے ساتھ ساتھ رکھیں گے۔" مدحت بجیا نے کہا۔

"مجھے تم سے یہی اُمید ہے۔"

"آپ کسی قسم کی فکر مت کیجیے۔" مدحت نے امی کو تسلی دی۔

☆=====☆=====☆

نزہت کی شادی کی تیاریوں نے گھر کی فضا میں رنگ بھر دیے۔

باہمی صلاح مشورے سے بوا کی رقم بعد کے اخراجات کے لیے محفوظ رکھی گئی اور جہیز کی خریداری کا آغاز مدحت بجیا کے پرس سے ہوا۔ کچھ رقم امی نے بھی گھر کے اخراجات سے بچا بچا کر اس وقت کے لیے جوڑ رکھی تھی مگر بجیا نے ہمیشہ کی طرح فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے امی سے کہا۔ "جب میرے پاس پیسے ختم ہو جائیں گے تو آپ سے لے لوں گی۔"

امی کے رُواں رُواں سے بجیا کے لیے دعا نکلی۔

بازار کے پھیرے لگنے لگے۔

دوپہر کو نگہت بچیوں کو اسکول سے لیتی ہوئی میکے آ جاتی۔ بجیا اور جویا کی واپسی کے بعد سب مل کر کھانا کھاتے اور پھر خریداری کے لیے بازار جانے کے لیے کمر کس لی جاتی۔ نگہت تو بڑے ذوق و شوق سے بازار جاتی اور گھنٹوں بازار میں گھومنے کے باوجود نہ تھکتی۔ بجیا کا وصف یہ تھا کہ تھک بھی جاتیں تو منہ سے نہ کہتیں بلکہ اگر کوئی کہتا۔ "تھک گئی ہیں بجیا؟" تو وہ مسکراتے ہوئے کہتیں۔ "نہیں نہیں، چلو مجھ میں بہت اسٹیمنا ہے۔"

جہیز کی تیاری میں نزہت کی پسند ناپسند کا پورا خیال رکھا جا رہا تھا کہ چیزیں بہر حال اُسی کو برتنا تھیں۔ لہٰذا اُس کی پسند ناپسند کا خیال رکھنا ضروری تھا۔

جویا ان لوگوں کے ساتھ جانے میں شروع شروع بہت متردد ہوئی۔ گلہ شکوہ بھی کیا کہ جب رشتہ طے ہونے تک رازداری برتی گئی تو اب پوچھنے سے فائدہ! نگہت اُس کے گلے شکوے پر بہت جز بز ہوئی مگر مدحت بجیا نے دونوں کو بڑی نرمی اور خوش اسلوبی سے سنبھال لیا۔ نگہت کو سمجھایا کہ ایسے موقعوں پر اپنوں کے گلے شکووں کو سر آنکھوں پر لیا جاتا ہے اور ازالہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جویا سے معذرت چاہی کہ اس کی دل آزاری ہوئی لیکن ساتھ ہی یہ بھی سمجھایا کہ جب ایک گھر میں بہت سے لوگ مل جل کر رہتے ہیں تو انہیں دل بڑے رکھنے چاہئیں۔

"آپ کے خیال میں میرا شکوہ بے جا ہے!" بجیا کے سمجھانے پر جویا نے شاکی لہجے میں کہا۔

"نہیں، میرا یہ مطلب نہیں۔" بجیا رسانیت سے بولیں۔

"تو پھر؟"

"میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک گھر میں رہنے والے لوگوں کو دوسروں کی جانب سے

اپنے حق میں ہونے والی زیادتی یا سہو کو درگزر کرنے کا حوصلہ رکھنا چاہیے۔"

"کیا دوسروں کو یہ لازم نہیں کہ وہ گلے شکوے کا موقع نہ آنے دیں؟"

"ہاں، سب سے بہتر اور اچھی بات تو یہی ہے۔"

"مجھے گلہ اس بات کا نہیں کہ مجھ سے رازداری کیوں برتی گئی۔ دُکھ اس بات کا ہے کہ مجھے غیر سمجھا گیا۔"

"ایسی بات نہیں جویا۔"

"یہی بات ہے، غیر نہ سمجھتے آپ لوگ تو چھپاتے کیوں؟"

"تمہارا کیا خیال ہے اس گھر میں رہنے والے لوگ ایک دوسرے سے بہت سی باتیں نہیں چھپاتے ہوں گے!" بجیا نے اُسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

جویا نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

"ہاں۔" بجیا نے اُسے یقین دلانے کی کوشش کی۔ "بہت سی باتیں گھر والے مجھ سے چھپا جاتے ہیں اور بہت سی باتیں مجھے گھر والوں سے چھپانی پڑتی ہیں۔"

جویا کی نگاہوں میں ڈولتی بے یقینی گہری پڑ گئی۔

"ہاں...... ہاں...... سچ کہہ رہی ہوں۔"

"یقین نہیں آتا۔"

"کیوں یقین نہیں آتا۔" بجیا نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بولیں۔ "ایک بات بتانا سچ سچ۔"

"جی۔"

"گو تم اب اس گھر کی فرد ہو لیکن کیا تم بھی بہت سی باتیں اس گھر کے دوسرے افراد سے نہیں چھپاتی ہو؟"

جویا نے نظریں چرا لیں۔

"بلکہ بہت سی باتوں کے سلسلے میں تو تم یقین سے بھی رازداری برتتی ہوں گی۔"

"جی نہیں۔" وہ گھبرا کر بولی۔

"جی ہاں۔" بجیا دھیرے سے مسکرائیں۔

جویا نے سٹپٹا کر انہیں دیکھا۔

"کیا تم اپنے میکے کی ہر بات یقین کو بتا دیتی ہو؟" بجیا نے اُسے گہری نگاہوں سے دیکھا۔

جویا نے نظریں چرا لیں۔

"تاہم مجھے یہ ماننے میں کوئی عار نہیں کہ جس بات کے چھپانے پر تمہیں صدمہ ہوا وہ کوئی ایسی بات نہ تھی جسے چھپایا جاتا...... اصل میں، میں تمہیں ایک بات بتاؤں جویا! امی یہ بات تم سے نہیں بلکہ تمہارے گھر والوں سے چھپانا چاہتی تھیں۔"

"میرے گھر والے خدانخواستہ بات بگاڑنے والے تو نہیں۔" جویا نے برا مناتے ہوئے کہا۔

"ہونسنے یا نہ ہونسنے کی بات نہیں۔ دراصل امی کو یہ خدشہ تھا کہ مسز لطیفی کے بیٹے سے نزہت کے رشتے کی بات نہ بنی تو شرمندگی ہوگی' حالانکہ امی کی یہ سوچ غلط تھی۔ بعض اوقات لڑکیوں کی ایک نہیں دس جگہ بات چلتی ہے' تب کہیں جا کر کسی ایک جگہ بات بنتی ہے۔" بجیا نے توقف کیا پھر بولیں۔ "بیٹیوں والوں کے عجیب و غریب کمپلیکس ہوتے ہیں جن کی تاویل بھی مشکل ہوتی ہے۔ بہر حال تمہیں جو صدمہ پہنچا' اس کے لیے میں سب گھر والوں کی طرف سے تم سے معذرت چاہتی ہوں۔"

بجیا نے معافی مانگنے کو ہاتھ بھی جوڑ دیے۔

"اب آپ مجھے شرمندہ نہ کیجیے۔" جویا نے اُن کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیے۔

مطلع چھٹ گیا۔

جویا کی خفگی دور ہوئی یا نہ ہوئی' اس میں کمی ضرور آ گئی اور نزہت کے جہیز کی تیاری میں وہ بھی بجیا اور نکہت کے ساتھ بازاروں کے پھیرے لگانے لگی۔

☆=====☆=====☆

نزہت آخری بہن تھی اور بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی۔

بجیا بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھیں' دل اور ہاتھ دونوں کی بہت کھلی۔ نزہت کے لیے پرس کھولا تو خالی ہونے تک کھولے ہی رکھا۔

جویا کے اپنے گھر میں خود اس سمیت یکے بعد دیگرے تین بہنوں کی شادیاں ہوئی تھیں اور ہر ایک جہیز کی تیاری میں معیار سے زیادہ تعداد اشیاء اور کفایت کا خیال رکھا گیا تھا۔ چنانچہ سارہ آپا اور مونا باجی کی طرح خود اس کے اپنے جہیز میں بھی اکثر چیزیں دوسرے تیسرے درجے کی تھیں مگر مدحت بجیا نے نزہت کے لیے خریدی جانے والی ہر شے میں کفایت کے بجائے معیار کو اہمیت دی' ہر چیز اوّل درجے کی خریدی۔

شادی کی تیاریاں نزہت کی ہونے والی سسرال میں بھی شروع ہو چکی تھیں۔ وہ لوگ نزہت کے کپڑوں اور جوتوں کے علاوہ انگوٹھیوں اور جوتوں کے ناپ بھی لے جا چکے تھے۔

سننے میں آیا تھا کہ زیور کے لیے خالص سونا لڑکے نے اپنے کسی شناسا سے سعودی عرب سے منگوایا تھا۔

جویا کو نزہت کے مقدر پر رشک آ آتا۔

کیا صورت تھی!

اور کیا سراپا!

مگر نصیب!

سننے میں تو یہ بھی آیا تھا کہ بیڈ روم کا فرنیچر افتخار احمد دے رہے تھے۔

ایک روز نکہت نے امی سے پوچھا۔ "یقین بھائی کیا دے رہے ہیں نزہت کو؟"

"پتا نہیں۔" وہ بولیں۔

"آپ نے پوچھا ہوتا اُن سے۔"

"تمہارے بابا نے منع کر رکھا ہے۔"

"کیوں؟" نکہت چونکی۔

"کہتے ہیں' وہ آدھی تنخواہ گھر کے خرچ میں اور آدھی بیوی کو دے دیتے ہیں' ان کے پاس بچتا ہی کیا ہوگا۔"

"نہ بچے' اس سے آپ کو کیا...... بھائی ہیں' کہیں سے بھی کچھ کریں۔ قرض ادھار لیں۔"

امی کچھ نہ بولیں۔

"آپ پوچھیے اُن سے کہ کیا دے رہے ہیں۔"

"بھئی' تمہارے بابا مجھے سختی سے منع کر چکے ہیں۔"

"بابا تو بس......" نکہت کو غصہ آ گیا۔ "آپ پوچھیے گا یقین بھائی سے۔"

"میں کچھ نہیں پوچھوں گی' تمہارے بابا ناراض ہوں گے۔"

امی کی جانب سے مایوس ہو کر نکہت نے بجیا کو اکسانے کی کوشش کی۔ "بجیا آپ تو اتنا کچھ کر رہی ہیں' امی سے کہیں یقین بھائی سے بھی تو کچھ مانگیں۔"

"کیا مانگیں؟"

"نزہت کی شادی کے اخراجات کے لیے وہ بھی کچھ دیں۔"

"یقین بے چارے کے پاس بچتا ہی کیا ہے۔"

"کسی سے قرض لے لیں۔"

"توبہ! کتنی بری بات! قرض کا بوجھ تو خدا دشمن پر بھی نہ ڈالے۔"

"بھائی سے لے لیں گے وہ۔"

"جان! کیوں فکر کرتی ہو' سب ہو جائے گا۔"

"وہ تو میں جانتی ہوں کہ سب ہو جائے گا۔"

"اچھا!" بجیا مسکرائیں۔ "جانتی ہو تو پھر فکرمندی کیوں؟"

"یقین بھائی پر بھی کچھ بار ڈالیں۔"

"اچھا بھئی' ڈال دیں گے۔" نکہت کی مزاج آشنا ہونے کے باعث بجیا نے بات ٹالنے کی کوشش کی۔

مگر نکہت کچی گولیاں کھیلی ہوئی نہ تھی۔

سمجھ گئی کہ وہ ٹال رہی تھیں۔

"مجھے کیا...... آپ ہی لوگ پچھتائیں گے۔ جب بھائی پر کوئی بار نہ پڑے گا تو بھابی بھی اڑی پھریں گی۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔" بجیا نے اُس کے اطمینان کے لیے نفسیاتی حربہ آزمایا۔ "میں امی کو سمجھاؤں گی کہ موقع دیکھ کر یقین سے بات کریں۔"

مگر نکہت کو اطمینان نہ ہوا۔

ایک رات کھانے پر اُس نے یقین سے خود ہی سوال کر ڈالا۔ ''یقین بھائی آپ نزہت کو کیا دے رہے ہیں؟''

امی' ابا' بجیا' یقین اور جویا سب ایک ساتھ چونک پڑے۔

امی نے ابا کو نگاہوں ہی نگاہوں میں یہ یقین دلانے کی کوشش کی نکہت کی اس شرارت میں اُن کا کوئی حصہ نہ تھا۔

یقین اور جویا کی نگاہیں ایک لمحہ کو باہم ٹکرائیں پھر جویا بڑی لاتعلق سی دکھائی دینے لگی۔

بجیا نے نظروں ہی نظروں میں نکہت سے کہا۔ ''بری بات' ایسی باتیں نہیں پوچھا کرتے۔''

مگر نکہت نے ایک شانِ استغنا کا مظاہرہ کیا۔

''ہاں یقین بھائی' آپ کیا دے رہے ہیں؟'' اُس نے پھر اپنا سوال دُہرایا۔

''بھئی...... جو دینا ہوگا' دے دیں گے۔'' یقین بولا۔

''پھر بھی...... کچھ تو سوچ رکھا ہوگا آپ نے اور بھابی نے۔'' نکہت نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

جویا کے چہرے سے ناگواری جھلکنے لگی۔

''نکہت بیٹی۔'' ابا رسان لہجہ میں بولے۔ ''تمہاری بہن اس گھر سے جو کچھ بھی لے کر رخصت ہوگی' وہ اس گھر کے تمام افراد کی طرف سے ہوگا۔ چیزوں پر لکھا تھوڑی ہوگا کہ یہ فلاں کی طرف سے ہے یا یہ فلاں نے دیا ہے۔''

نکہت جھینپ سی گئی اور بولی۔ ''وہ تو ٹھیک ہے ابا لیکن گھر والوں کو تو یہ معلوم ہونا چاہیے کس نے کیا دیا ہے۔''

''کیا ضرورت ہے معلوم ہونے کی۔'' ابا نے توقف کیا پھر بولے۔ ''جب ایک گھر میں لوگ مل جل کر رہتے ہیں تو اُن کا دکھ سکھ' لین دین سب مشترک ہوتا ہے۔''

یقین کو یوں لگا جیسے ابا نے اسے کسی بہت بڑی آزمائش سے بچا لیا تھا۔ کسی کڑے امتحان سے سرخرو ہو کر نکلنے میں مدد دی تھی۔

اس وقت ابا نہ ہوتے تو افتخار احمد کے سامنے کتنی سبکی ہوتی اُس کی!

جب سے نزہت کی شادی کی تیاریاں چھڑی تھیں' وہ خود اسی فکر میں تھا کہ کیا کرے۔ تنخواہ آتی تھی اور قربانی کے گوشت کی طرح بٹ جاتی تھی۔ دوسرا کوئی ذریعہ آمدن تھا نہیں۔ مریم کی پیدائش کے وقت اللہ نے ایک سبیل بنا دی تھی سو بحسن و خوبی تمام کام نمٹ گیا تھا۔ مگر یہ کام تو بہت بڑا تھا۔ ہزاروں نہیں لاکھوں کا کھیل۔

امی کہتی تھیں آخری بیٹی ہے۔ سب سے چھوٹی اولاد ہے۔ تین بھائیوں کی بہن ہے۔ شان سے رخصت ہونی چاہیے۔

مدحت بجیا نے تو خوب ہاتھ کھول کر خرچ کیا تھا اور کپڑوں اور زیور کی حد تک تو معاملہ تقریباً

نمٹا ہی دیا تھا۔ جویا ایک ایک بات کی بالتفصیل رپورٹ اُسے سناتی رہتی تھی۔ مگر ابھی بہت سے کام باقی تھے۔ نہ بھی ہوتے تو بھائی ہونے کے ناتے اُسے اپنا فرض کچھ نہ کچھ تو ادا کرنا ہی چاہیے تھا۔

مگر کیوں کر!

جویا سے مانگتے شرم آتی تھی۔

قرض جس سے مانگو وہی سولی اپنے پیٹوں پر بھاری ہونے کا نوحہ سنا دیتی۔

دفتر میں اپنے ایک دوست سے پریشانی کا ذکر کیا تو اس نے کہا۔ ''کمیٹی ڈالے لیتے ہیں۔ پہلی تمہیں دے دیں گے۔''

اُس کا دل کھل اٹھا۔

چلو کچھ تو صورت نکلی۔

طے پایا تھا کہ آتے مہینے تنخواہ ملنے پر کمیٹی جما لیں گے۔ بیس ممبر زجمع ہو گئے تھے۔ فی ممبر ہزار روپے مہینہ۔

گویا بیس ہزار ملنے تھے۔

اس نے سوچ رکھا تھا کہ کمیٹی ملتے ہی پوری رقم امی کے ہاتھ پر لا کر رکھ دے گا۔

مگر ابھی اُس نے اس کا ذکر کسی سے نہ کیا تھا۔

جویا سے بھی نہیں۔

اُسے خدشہ تھا کہ کہیں جویا یہ رولا ڈال کر کہ اب تنخواہ میں سے ہزار روپیہ مہینہ کمیٹی کا بھی جایا کرے گا' اُس کے ارادے کو متزلزل نہ کر دے۔ اُس نے سوچ رکھا تھا کہ جب کمیٹی مل جائے گی تو وہ جویا کو اعتماد میں لے گا اور دونوں مل کر یہ رقم دست بستہ امی کو پیش کریں گے۔

جویا نے دو چار مرتبہ اُس سے پوچھا بھی کہ نزہت کی شادی کے لیے وہ کیا دے گا اور کہاں سے دے گا مگر وہ اُس کے سوال کا جواب کمیٹی ملنے تک ٹال گیا تھا۔

اُس رات جب وہ دونوں کمرے میں آئے تو جویا نے دل میں چٹکی بھرنے والے انداز میں پوچھا۔ ''ہاں جناب' کیا دیں گے آپ اپنی بہن کو؟''

یقین نے جلبلا کر اُسے گھورا۔

وہ ہنس دی اور ایک ادا سے بولی۔ ''جناب! یہ ہم تھوڑی پوچھ رہے ہیں' آپ کی ہمشیرہ کا سوال دُہرا رہے ہیں۔''

''بیوقوف ہے وہ۔''

''بیوقوف نہیں' کائیاں کہیے۔ وہ آپ کو سب کے سامنے ذلیل کرنا چاہ رہی تھی۔''

''اونہہ!'' یقین نے غصے سے سر جھٹکا۔

''ویسے...... مجھے آپ پر بہت ترس آیا اس وقت۔''

''کیوں؟''

''دیکھیے نا اگر آپ نے بھی بجیا کی طرح اپنی جیب مضبوط کر رکھی ہوتی تو آج اس رُسوائی سے

دو چار نہ ہوتے۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"مطلب یہ کہ امی کو ہزار ڈیڑھ ہزار پر ٹرخایا ہوتا اور باقی رکھتے اپنے پاس تو آج آپ کی بھی اسی طرح واہ واہ ہوتی' جیسے بجیا کی ہو رہی ہے۔ کھایا پیا بھلا کون یاد رکھتا ہے۔"

"اچھا خیر چھوڑو" وہ منہ بنا کر بولا۔ "آفس والے ایک کمیٹی ڈال رہے ہیں۔ پہلی کمیٹی میری ہوگی' وہ دے دیں گے ہم امی کو۔"

جویا نے اس کی یہ بات چونک کر سنی۔

"کتنے کی پڑ رہی ہے؟"

"ہزار روپے کی مہینے کی۔"

"کتنے مہینے کی ہے؟"

"بیس مہینے کی۔"

"یعنی پونے دو سال چلے گی۔"

"ہاں۔"

"ہزار روپے مہینے آپ کہاں سے کریں گے؟"

"تنخواہ میں سے اور کہاں سے۔ پانچ سو تمہاری طرف سے کٹا کریں گے۔ پانچ سو امی کی طرف سے۔"

"میں تو اپنے حصے میں سے ایک پیسہ نہیں کاٹنے دوں گی...... سمجھے آپ۔" وہ جارحانہ تیوروں سے بولی پھر اس نے مزید اضافہ کیا۔ "ہر ہفتے دودھ کا ایک ڈبا پی جاتی ہے مریم۔"

"ماشاء اللہ کہو۔"

"خدانخواستہ بیمار ہو جائے تو ڈاکٹر کی فیس اور دواؤں کا خرچا...... مہینے میں دو چار نئے کپڑے بھی خریدتی ہوں اس کے لیے...... جیسے جیسے بڑی ہوگی' خرچ اور بڑھے گا۔"

"اللہ مالک ہے۔"

"میں صرف نزہت کی شادی تک خاموش ہوں اس کے بعد مجھے مریم کا خرچا الگ چاہیے۔" اس نے توقف کی پھر تیوری پر بل ڈالتے ہوئے بولی۔ "آپ چاہے بیس ہزار کی کمیٹی ڈالیں یا پچاس ہزار کی۔ مجھے اپنا اور بچی کا پورا خرچہ چاہیے۔ مریم کے لیے کم از کم ہزار روپے دیا کریں گے آپ مجھے۔"

"اچھا بھئی اچھا دے دیں گے۔" وہ شر رفع کرنے والے انداز میں بولا۔

"دے دیں گے نہیں' دینا پڑے گا۔"

"اوکے بابا اوکے۔" یقین' مریم کو جو بے خبر سوئی تھی' پیار کرنے کو اس پر جھک گیا۔ پیار کرنے کے بعد پلٹا تو جویا کو گہری نگاہوں سے اپنی طرف دیکھتے پایا۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" وہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔

جویا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کہا۔ "سوچ رہی ہوں' بہن اور گھر والوں کی آپ کو کتنی فکر ہے مگر میری اور بچی کی آپ کو کوئی فکر نہیں۔"

"کون کہتا ہے؟"

"میں کہتی ہوں۔"

"تم تو بیوقوف ہو۔" وہ اس کی ناک کی پھنگی کو چھوتے ہوئے بولا۔

"بہن کی خاطر بیس ہزار کا قرضہ چڑھانے کو تیار ہیں آپ اپنے اوپر۔" اس نے سنا کی نظروں سے یقین کو دیکھا۔

"بھئی قرضہ کہاں کمیٹی ہے' اتر جائے گی آہستہ آہستہ آہستہ۔"

"کمیٹی بھی ایک طرح کا قرضہ ہی ہوتا ہے۔"

"کیا کروں مجبوری ہے' کچھ تو کرنا ہے۔"

"مجبوری کیسی۔ ہر مہینے آدھی تنخواہ دے تو دیتے ہیں آپ اپنی امی صاحبہ کو۔ کیا ضرورت ہے قرضہ چڑھانے کی۔"

"تمہارا مطلب ہے' میں نزہت کو کچھ نہ دوں۔ اس کے فرض سے سبکدوشی میں گھر والوں کا ہاتھ نہ بٹاؤں۔"

"نہیں نہیں' شوق سے ہاتھ بٹائیے' مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ مجھے تو بس اپنے اور مریم کے خرچے سے مطلب ہے۔"

"بہت خود غرض ہو!" وہ اسے شاکی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"مجبوری ہے۔" جویا نے شانے اچکا کر کہا۔

"اونہہ!" وہ سر جھٹک کر بولا۔ "مجھے پتا ہوتا کہ تم اتنی خود غرض ثابت ہوگی تو میں کسی قیمت پر تم سے شادی نہ کرتا۔"

"کیا! کیا! کیا!" جویا نے آنکھیں نکالیں۔

"اونہہ!" اس نے دوبارہ سر کو جھٹکا پھر بولا۔ "پھنسا دیا مجھے یہ کہہ کر کہ لڑکی ملازمت پیشہ ہے۔ دونوں مل کر خوب اچھا گزارا کر لیں گے...... خاک گزارا ہو رہا ہے...... شادی کے بعد تو محتاج ہو گیا ہوں کوڑی کوڑی کو...... ایسی شادی سے تو میں بے شادی ہی اچھا تھا۔"

جویا دم بخود اسے دیکھ رہی تھی۔

یوں لگ رہا تھا جیسے اسے دھچکا پہنچا ہو۔

"اچھا!" کچھ دیر بعد وہ گھٹی گھٹی سی آواز میں بولی۔ "تو اس لیے کی تھی آپ نے مجھ سے شادی!"

"میں نے نہیں کی تھی بلکہ گھر والوں نے کروائی تھی۔"

جویا کی آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے۔

مجھے کیا ہوتا اگر آپ مجھ سے نہیں میری ملازمت سے شادی کر رہے ہیں تو میں نکاح کے

وقت انکار کر دیتی۔"

"اور مجھے پتا ہوتا کہ......"

"ہاں ہاں بولئے چپ کیوں ہو گئے......"

"کیا بولوں۔" یقین نے زہر خند نگاہوں سے اُسے دیکھا۔

"جو دل میں ہے بول ڈالئے۔ چھپائیے مت...... اب تو بھید کھل ہی گیا ہے کہ آپ نے مجھ سے نہیں میری ملازمت سے شادی کی ہے۔"

"اگر پتا ہوتا مجھے کہ تم اپنی تنخواہ یوں دبا دبا کر رکھو گی۔ آڑے وقت میں بھی ساتھ نہ دو گی...... تو میں نکاح کی نوبت ہی نہ آنے دیتا۔"

"ارے!" جویا نے صدمے کی کیفیت میں اسے دیکھا۔ "کیسے کھلے ہیں آج!"

"میں اس سے بھی زیادہ کھل سکتا ہوں۔ سمجھیں۔"

"اچھا!"

"ہاں ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی موجود تھی میرے لیے۔ مگر خدا بھلا کرے امی اور مدحت بجیا کا کہ انہوں نے یہ کہہ کر میرا بیڑا غرق کرا دیا کہ معمولی گھر کی ہے ہنسی خوشی گزارا کر جائے گی۔"

"آپ کا گھرانا تو جیسے شاہوں کا گھرانا ہے۔"

"تم سے بہتر ہیں۔"

"کر لی ہوتی نا کسی ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی سے شادی۔ میرا مقدر کیوں پھوڑا۔"

"شکر کرو کہ میرے پلے بندھ گئیں۔ ہوتی نا کسی کلرک سے شادی جو پندرہ اٹھارہ سو روپے مہینے میں زندگی گزروا تا تو پتا چلتا۔"

"ارے اب بھی کون سی اچھی گزر رہی ہے۔"

"کیوں؟ کیا تکلیف ہے؟"

"آرام بھی کیا ہے؟"

"اچھا کھاتی ہو اچھا پہنتی ہو۔ ہر طرح کا آرام ہے اور کیا چاہیے!"

"اونہہ! اور کیا چاہیے۔" اس نے بڑبڑاتے ہوئے یقین کی نقل اُتاری۔

"ہاں...... اور کیا چاہیے۔" یقین نے اُسے گھورا۔

"عورتیں سو قسم کے عیش کرتی ہیں۔"

"عورتیں سو قسم کے کام بھی کرتی ہیں۔"

"میں تو جیسے کچھ کرتی ہی نہیں۔"

"کیا کرتی ہو؟"

"کچھ نہیں کرتی؟" جویا نے منہ بسورتے ہوئے شاکی نظروں سے اُسے دیکھا۔

"کیا کرتی ہو! ہاں بولو نا کرتی ہی کیا ہو تم؟" اس نے توقف کیا۔ پھر بولا۔ "صبح تیار ہو کر اسکول چلی جاتی ہو۔ دوپہر کو آتی ہو تو کھانا تیار ملتا ہے۔ بچی کو گھر والے پال رہے ہیں۔ شام تک

آرام کرتی ہو۔ شام کو اُنھیں جی چاہا تو گھر کا کوئی کام کر لیا ورنہ وہی آرام۔"

جویا گھائل نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگی۔

پھر اچانک اُس کی آنکھیں بھر آئیں اور وہ اپنا چہرہ دوپٹے کے پلو سے ڈھانپ کر سسکنے لگی۔

آنسو!

عورت کے!

اور عورت بھی کون!

بیوی!

یقین خفیف ہو گیا، تاہم اُس نے اپنی خفت کا اظہار کرنے سے گریز کیا اور ایک طرف بیٹھ گیا۔

جویا کچھ دیر سسکتی رہی پھر مسہری پر کروٹ لے کر پڑ گئی۔

یقین نے کن انکھیوں سے اُس کی طرف دیکھا۔ پھر جی کڑا کر کے اُس کے نزدیک آیا اور اُس کا شانہ چھوتے ہوئے بولا۔

"سو گئیں کیا؟"

جویا نے اُس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

یقین کو تذلیل محسوس ہوئی لیکن اس نے مصلحت پسندی سے کام لیتے ہوئے کسی شدید ردِعمل کا اظہار کرنے سے گریز کیا۔

جویا مسہری پر سے اٹھی اور تکیہ لے کر فرش پر بچھے قالین پر پڑ گئی۔

یقین نے سگریٹ سلگائی اور کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔

کمرے میں سناٹا سا چھا گیا۔

جویا کے ذہن میں یقین کے الفاظ کی بازگشت گونجنے لگی۔

"پھنسا یا مجھے یہ کہہ کر کہ لڑکی ملازمت پیشہ ہے، دونوں مل جل کر خوب اچھا گزارا کر لیں گے...... خاک گزارا ہو رہا ہے...... شادی کے بعد تو محتاج ہو گیا ہوں کوڑی کوڑی کو...... ایسی شادی سے تو بن بیاہا ہی اچھا تھا...... اگر پتا ہوتا مجھے کہ تم اپنی تنخواہ یوں دبا دبا کر رکھو گی آڑے وقت میں بھی ساتھ نہ دو گی تو میں نکاح کی نوبت ہی نہ آنے دیتا...... ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی موجود تھی میرے لیے مگر خدا بھلا کرے امی اور مدحت بجیا کا کہ انہوں نے یہ کہہ کر میرا بیڑا غرق کرا دیا کہ معمولی گھر کی لڑکی ہے ہنسی خوشی گزارا کر جائے گی...... شکر کرو کہ میرے پلے بندھ گئیں۔ ہوتی نا کسی کلرک سے شادی جو پندرہ اٹھارہ سو روپے مہینے میں زندگی گزروا تا تو پتا چلتا...... کرتی ہی کیا ہو تم...... صبح تیار ہو کر اسکول چلی جاتی ہو۔ دوپہر کو آتی ہو تو کھانا تیار ملتا ہے۔ بچی کو گھر والے پال رہے ہیں۔ شام تک آرام کرتی ہو۔ شام کو اُنھیں جی چاہا تو گھر کا کوئی کام کر لیا ورنہ وہی آرام۔"

آنسو دھیرے دھیرے اُس کی آنکھوں سے نکل کر اس کے بالوں میں گم ہونے لگے۔

"کتنا بدتمیز آدمی ہے یہ! آج اس کا اصل روپ ظاہر ہوا ہے...... لالچی کہیں کا...... مجھ سے

اس لیے شادی کی کہ میں گھر کی گاڑی کھنچواؤں گی ...... اونہہ! ہرگز نہیں...... مر جاؤں گی مگر اپنی کمائی کا ایک پیسہ نہیں دوں گی اسے یا اس کے گھر والوں کو۔"

جویا نے دل ہی دل میں یقین کو بے نقط سنا ڈالیں۔

یقین کھڑکی کے نزدیک کھڑا سگریٹ پھونکتے ہوئے دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔ کیسی ناشکری عورت ہے یہ! اچھا کھاتی ہے' اچھا پہنتی ہے۔ ہر طرح کا آرام ہے۔ کوئی ذمے داری' کوئی فکر نہیں۔ کوئی طعن و تشنیع نہیں۔ اس پر بھی کہتی ہے آرام ہی کیا ہے...... اونہہ! اپنی اوقات بھول گئی ہے سالی...... باقی دو بہنوں سے نصیحت نہیں پکڑتی...... ایک صبح سے شام تک نوکری کرتی ہے۔ دوسری کی سسرال والوں نے لگامیں ایسی کھینچ رکھی ہیں کہ ٹی بی کی مریضہ نظر آتی ہے۔ یہی سالی عیش کر رہی ہے۔ اس پر بھی شکر نہیں کرتی۔ پیسے کی لوبھن ہے۔ اس کی جگہ کوئی بھی ورتا عورت ہوتی تو اس وقت تھال میں سجا کر اپنی بچت پیش کر دیتی اور کہتی لیں میاں جی آپ پر سب کچھ نثار۔

دزدیدہ نظروں سے جویا کی طرف دیکھتے ہوئے یقین کو جی ہی جی میں اس پر غصہ آنے لگا۔

اس کا جی چاہا' جویا کو کمرے کی کھلی کھڑکی سے باہر پھینک دے۔

مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔

دل کی دل ہی میں رہی اور وہ جویا کی طرف سے رخ پھیر کر دیوار کی طرف منہ کر کے پڑ گیا۔

نہ جانے کس پہر اس کی آنکھ لگ گئی۔

آنکھ کھلی تو مریم رو رہی تھی۔

وہ بجلی کی سی سرعت سے اٹھا اور مریم کو اس کے پنگوڑے میں سے اٹھا کر بہلانے کی کوشش کرنے لگا۔

مریم کے رونے کی آواز سن کر جویا بھی اٹھ بیٹھی۔

"آں...... آں...... آں۔" یقین اسے بازوؤں میں جھلاتے ہوئے گانے لگا۔

جویا کچھ دیر چپ بیٹھی دیکھتی رہی۔

بچی کا رونا بتدریج بڑھتا چلا گیا اور یقین نے اسے بہلانے کی خاطر بہت سی تدبیریں یکے بعد دیگرے آزما ڈالیں مگر اسے چپ ہونا تھا نہ ہوئی۔

بالآخر جویا بے تاب ہو کر اٹھی اور یقین کے قریب جا کر اس نے مریم کو اس سے لینے کی کوشش کی مگر وہ اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے پرے ہٹ گیا۔

جویا کو تذلیل کا احساس ہوا۔

بچی پہلے سے زیادہ رونے لگی اور اس کی بلکاہٹ جویا کے دل پر دھموکے برسانے لگی۔

"آ...... آ...... آ" یقین بچی کو بازوؤں میں جھلانے لگا۔

"ماں!" روتے روتے بچی کے منہ سے آواز نکلی۔

جویا کو یوں لگا جیسے وہ اسی کو پکار رہی تھی۔

ماں!

ماں!!

ماں!!!

"ماں صدقے۔" جویا بے محابہ یقین کے روبرو جا کھڑی ہوئی اور اس نے مریم کو اس سے لینے کی کوشش کی۔

یقین نے پھر اسے دھتکارنے والے انداز میں مریم کو اس سے پرے ہٹا لیا۔

جویا کو غصہ آ گیا۔

واہ! یہ کیا بات تھی۔

بچی بلک رہی تھی اور وہ اسے اس سے دور ہٹا رہا تھا۔

جویا نے بچی کو لینے کے لیے زبردستی کی۔

"رہنے دو۔" یقین بھبک کر بولا۔

"رو رہی ہے۔"

"چپ ہو جائے گی۔"

"مجھے دے دیجیے اسے۔" جویا نے بچی کو اس سے چھیننے کی کوشش کی۔

"رہنے دو۔"

"روتے روتے اس کا گلا پڑ جائے گا۔"

"رونے دو۔" یقین بولا اور بچی کو بہلانے کے لیے منہ سے عجیب و غریب آوازیں نکالنے لگا۔

"مجھے دے دیجیے۔" جویا نے عاجزانہ لہجے میں کہا۔

"کہہ دیا نا' رہنے دو۔"

"پلیز!" وہ لجاجت سے بولی۔

مگر یقین پر کوئی اثر نہ ہوا۔

بچی بدستور روتی رہی۔

"یہ چپ نہیں ہو گی۔" جویا وثوق سے بولی۔

"کیوں نہیں ہو گی؟" یقین نے اسے گھورا۔

"اسے بھوک لگی ہے۔"

یقین نے اسے دیکھا اور غرا کر بولا۔ "بھوک لگی ہے تو دودھ بنا کر دو اسے۔"

"دودھ بنانے کا وقت نہیں ہے' جتنی دیر میں دودھ بناؤں گی' اتنی دیر میں تو یہ رو رو کر ہلکان ہو جائے گی۔"

یقین اس کا مطلب سمجھ گیا اور اس نے بچی کو بلا مزاحمت اس کے سپرد کر دیا۔

جویا بچی کو بہلاتی بستر پر جا بیٹھی اور بچی کو فیڈ کرنے کے لیے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ اس کے منہ سے چند مبہم سی آوازیں نکلیں پھر اسے قرار آ گیا۔

یقین نے دزدیدہ نظروں سے ان دونوں کی طرف دیکھا۔

جویا نے اپنا سر اپنی آغوش میں دبکی مریم پر جھکا رکھا تھا اور اُس کے ننھے سے سر پر دھیرے دھیرے اپنا ہاتھ پھیر رہی تھی۔

یوں لگتا تھا جیسے اس وقت بچی اس کے لیے مرکزِ حیات و کائنات تھی۔ کچھ دیر یہ منظر یونہی ٹھہرا رہا۔

اچانک بچی نے ابکائی لی اور بہت سا دودھ اُگل دیا۔

جویا کے چہرے سے تشویش جھلکنے لگی۔

یقین اس کی طرف لپکا اور بچی کو اس کی گود سے جھپٹتے ہوئے بولا۔ "دودھ تک نہیں پلانا آتا بچی کو۔"

"آپ کو تو جیسے بہت آتا ہے۔" جویا نے بے ساختہ کہا مگر اپنی بات پر خود ہی خفیف بھی ہو گئی۔ یقین کا غصہ کافور ہو گیا۔

چند لمحے وہ ٹکٹکی باندھے اُسے دیکھتا رہا پھر ہنس دیا۔

جویا جھینپ گئی۔

"زبان کے زیادہ استعمال کا یہی نقصان ہوتا ہے کہ آدمی کو پتا ہی نہیں ہوتا کہ کیا کہہ رہا ہے۔"

"اچھا ذرا اسے پکڑیں میں اس کے کپڑے چینج کر دوں۔"

یقین بچی کو لے کر بیٹھ گیا۔

جویا الماری سے اُس کی دوسری فراک نکال لائی۔

"ہائے! کیسی نڈھال ہو گئی ہے دودھ اُلٹ کر۔"

"ٹھیک ہے...... گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔" یقین نے اُسے اطمینان دلایا۔

بچی کے کپڑے تبدیل کرواتے کرواتے دونوں میں یوں بات چیت شروع ہو گئی جیسے ابھی تھوڑی دیر پہلے اُن کے درمیان کوئی بدمزگی ہی نہ ہوئی تھی اور اسی دوران مریم پر غنودگی سی طاری ہو گئی۔

مریم کے سونے کے بعد اُسے اُس کے پنگوڑے میں لٹا کر جویا اپنے بستر کی طرف آئی تو اُس نے یقین کی آنکھوں میں اپنے لیے محبوبیت رقصاں پائی۔ جویا نے نظریں چرا کر بستر پر لیٹنے کا ارادہ کیا تو وہ اس کے پاس آ کھڑا ہوا اور اس کے دونوں شانوں پر اپنے ہاتھ دھرتے ہوئے بولا۔ "آئی ایم سوری۔"

جویا نے نگاہیں اُٹھا کر آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھا۔ "فار وہاٹ؟"

"یار!" وہ سر جھٹک کر اُلجھے سے لہجے میں بولا۔ "میں نے غصے میں جو کچھ کہا اُس پر مجھے شرمندگی ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" جویا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بوجھل آواز میں بولی۔ "اس کا ایک فائدہ تو ہوا۔"

"کیا؟" وہ چونکا۔

"میں اس خوش فہمی سے نکل آئی کہ آپ کو مجھ سے محبت ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ مجھے اپنی اوقات پتا چل گئی...... معلوم ہو گیا کہ آپ نے مجھ سے شادی کیوں کی؟"

"پلیز! مجھے شرمندہ مت کرو...... غصے میں آدمی اول فول بکتا ہے۔ میں نے جو کچھ کہا غصے میں کہا۔"

"اب آپ جو مرضی آئے کہیں اصل بات تو کھل چکی۔"

"دیکھو...... مجھے اس سے انکار نہیں کہ گھر والوں نے میرے لیے تمہارا یعنی ایک ملازمت پیشہ لڑکی کا انتخاب یقیناً اسی لیے کیا تھا کہ دونوں مل کر کما کھائیں گے مگر خدا گواہ ہے کہ شادی کے بعد میں نے کبھی تمہاری نوکری یا تنخواہ پر نظر نہیں رکھی...... یار کبھی؟ تم اپنے ایمان سے خود ہی بتاؤ؟"

وہ چپ رہی۔

"بولو۔" اُس نے کہا۔ "کیا کبھی میں نے تم سے اتنا بھی پوچھا کہ تمہاری تنخواہ کتنی ہے؟"

وہ بدستور خاموش رہی۔

"کبھی تم سے یہ چاہا کہ تم اپنی تنخواہ گھر میں خرچ کرو۔"

وہ پھر چپ رہی۔

"بولو...... پلیز!" اس کے لہجے میں بے تابی تھی۔

"اُوں ہوں۔" جویا نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"پھر...... پھر تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو!" یقین کے لہجے میں شکایت تھی۔

"آپ نے خود جو کہا۔"

"میں تو پاگل ہوں...... گدھا ہوں......"

جویا نے سٹپٹا کر اُسے دیکھا۔

"بیوقوف ہوں...... اُلو......" یقین جوشِ جذبات میں بولتا رہا۔

"بس...... بس...... بس......" جویا نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا۔ یقین شرمندہ سا ہو گیا۔

جویا کی نگاہوں سے اُس کے لیے محبت جھلکنے لگی۔

"تم نہیں جانتیں جویا کہ میں تمہیں کتنا آرام اور سکھ پہنچانا چاہتا ہوں۔ مگر افسوس کہ...... جو چاہتا ہوں کر نہیں پاتا...... ہم سفید پوش لوگوں کی عجیب مجبوریاں اور محرومیاں ہوتی ہیں۔ بہر حال شاید...... میں کبھی تمہیں وہ سب کچھ فراہم کر سکوں...... وہ سب کچھ دے سکوں جو دینا چاہتا ہوں۔" اس کی آواز بتدریج بوجھل ہوتی چلی گئی۔

جویا کو اُس کی آنکھوں میں ایک ہلکی سی آبی رو ہلکورے لیتی دکھائی دی۔

وہ بے چین ہو گئی۔

"مجھے کچھ نہیں چاہیے۔" وہ بولی۔

یقین نے قدرے حیرانی سے اُسے دیکھا۔ اس حیرانی میں بے یقینی بھی تھی۔

"مجھے صرف..... صرف آپ کی محبت چاہیے۔"

یقین نے اُسے اپنی بانہوں کے حصار میں لے لیا۔

جویا نے اپنے سر کو جھکا کر چہرہ اٹھاتے ہوئے نظریں اُس پر ٹکا دیں۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟"

"ایک بات کہوں آپ سے؟"

"ہاں..... کہو۔"

"کمیٹی منت ڈالیے گا۔"

"کمیٹی!" وہ مسکرا دیا۔ "تو گویا سُوئی وہیں اٹکی ہوئی ہے۔"

"بیس ہزار تو نہیں دس ہزار میں دے دوں گی آپ کو..... آپ زحمت کے لیے امی کو دے دیجیے گا..... چادر دیکھ کر پاؤں پھیلایئے۔ ہماری بس اتنی ہی حیثیت ہے۔"

یقین نے حیرانی سے اُسے دیکھا۔

یہ کیا کہہ رہی تھی وہ!

اُسے اپنی سماعت بے بھرم سی لگی۔

"کیا..... کیا کہہ رہی ہو تم؟"

"میں کہہ رہی ہوں بس دس ہزار دے دیجیے امی کو زحمت کے لیے۔"

"نہیں..... میں خود کچھ کرلوں گا۔"

جویا نے اُس کا بازو تھام لیا اور بولی۔ "میں اور آپ دو تو نہیں ہیں..... ایک دوسرے کے شریکِ سفر ہیں..... شریکِ زندگی ہیں۔"

وہ کچھ نہیں بولا۔

"بلاسود بلاشرط قرضہ ہوگا یہ۔" وہ مسکرائی۔

یقین اُسے گہری سوچ میں ڈوبی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"جب مرضی آئے واپس کردیجیے گا۔"

یقین ٹکٹکی باندھے اُسے دیکھتا رہا۔ اُس کی نگاہوں میں حیرانی، بے یقینی، کم مائیگی اور شرمندگی کی ملی جلی کیفیت تھی۔

"احسان کرنا چاہ رہی ہو مجھ پر!" وہ موہوم سے دُکھ سے بولا۔

"نہیں..... میں تو تھوڑی سی خودغرضی سے کام لے رہی ہوں۔"

"کیا مطلب!"

"میں نہیں چاہتی کہ آپ کمیٹی کی ادائیگی کے لیے ہر مہینے میرے الاؤنس میں سے پیسے کاٹیں۔ جو قرضہ میں آپ کو دوں گی جب بھی ہاتھ پڑے دے دیجیے گا واپس اور اگر نہیں بھی دیں گے تو کوئی بات نہیں۔"

یقین کے ہاتھ حرکت کرتے کرتے اس کے شانوں پر آ ٹکے۔

جویا محبت سے اُسے دیکھنے لگی۔

یقین کے ہاتھ اور اوپر اُٹھ آئے اور وہ اُس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر بولا۔ "تم عورتیں بھی عجیب مخلوق ہوتی ہو۔"

"کیوں بھئی؟"

"ہماری امی بھی ایسی ہی ہیں۔"

"کیسی؟"

"پل میں شعلہ پل میں شبنم۔"

"ہماری اماں بھی ایسی ہی ہیں۔"

"اچھا!"

"ہاں۔"

"اس کا مطلب ہے تم عورتیں ایک جیسی ہوتی ہو۔"

"ہاں..... شاید۔" اُس نے اپنا چہرہ یقین کے سینے میں چھپا لیا اور دھیمے سُروں میں بولی۔

"ہم ساری عورتیں ایک جیسی ہوتی ہیں..... محبت کی خوشبو سے گندھی..... نرم اور ملائم۔"

"آئی لو یو ڈارلنگ..... آئی لو یو۔" یقین نے اپنی ٹھوڑی اس کے سر پر ٹکاتے ہوئے کہا۔

جویا پر کیف سا طاری ہونے لگا۔

سچ کہا ہے کسی نے کہ سارے موسم انسان کے اندر سے پھوٹتے ہیں۔

وہ دونوں ایک دوسرے میں گم ہو رہے تھے۔

کوئی تیسرا انہیں دیکھتا تو کب یقین کرتا کہ کچھ دیر پہلے وہ لڑے بھی تھے۔

اماں کہا کرتی تھیں۔

"بیوی کا رشتہ بے حیائی کا رشتہ ہوتا ہے۔ اِدھر لڑتے ہیں اُدھر ایک۔ ان کے بیچ جو بولے وہی بیوقوف۔"

جویا کے گمان میں بھی نہ تھا کہ اُس کی اور یقین کی پہلی باضابطہ لڑائی اتنی جلدی صلح میں بدل جائے گی۔

اگلی صبح جب وہ جاگی تو اسے یوں لگا جیسے پچھلی رات شبِ عروسی تھی!

اسے مریم پر حیرت ہوئی جو رات بھر خلافِ معمول چُپ چاپ سوتی رہی تھی۔ ذرا بھی تو نہ روئی تھی وہ!

جویا بستر سے اُٹھی۔ ننگے پاؤں چلتی مریم کے پنگوڑے تک پہنچی اور جھک کر اس کے نرم و ملائم گال کو چومتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں کہا۔ "تھینک یو! تھینک یو میری جان! تم نہ ہوتیں تو تمہارے پاپا سے میری اتنی جلدی صلح نہ ہوتی شاید۔"

اس نے مریم کو مامتا بھری نگاہوں سے دیکھا پھر گردن موڑ کر مریم کے باپ کی طرف دیکھنے

تھی!

گہری نیند میں وہ مریم سے کچھ کم معصوم تو نہ دکھائی دے رہا تھا!

☆=====☆=====☆

اماں کو پتا چلا کہ جویا یقین کو دس ہزار روپے دینے کا وعدہ کر بیٹھی تھی تو انہوں نے سینہ پیٹ لیا۔

"اوہو! یہ کیا بیوقوفی کر بیٹھیں تم!"

"بس اماں' یہ بہت پریشان تھے۔ میں نے سوچا......"

"سوچا تو مگر اب انجام بھگتنے کو بھی تیار رہنا۔"

"کیسا انجام اماں؟"

"بیوقوف ہو تم...... بیویاں اپنے شوہروں سے اپنا پیسا دمڑی چھپاتی ہیں۔ نہ ہونے کا رونا روتی رہتی ہیں۔ اور تم نے یہ عقلمندی کی...... دیکھنا' ایک بار عادت ڈال دی تم نے میاں کو اپنے پیسے کی تو ساری زندگی سر پکڑ کر روؤ گی۔ ہر وقت اپنا دست نگر پاؤ گی تم یقین کو۔"

"نہیں اماں...... وہ ایسے نہیں ہیں۔"

"ارے جاؤ۔" اماں نے برا منہ بنایا۔ "تم ہمیں کیا بتاتی ہو۔ یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے ہیں۔ زندگی گزاری ہے' تجربہ حاصل کیا ہے۔ مرد کو ایک مرتبہ عورت سے لینے کی لت پڑ جائے تو جاتی نہیں۔"

"اچھا اماں اب تو غلطی ہو گئی۔" جویا ٹالنے والے انداز میں بولی۔

"عجیب زمانہ آ لگا ہے بھئی۔ ہمارے زمانے میں تو عورتیں مردوں سے پائی پیسے کی طلب گار رہا کرتی تھیں' اب شوہر بیویوں کے پیسے کا آسرا رکھتے ہیں۔ توبہ...... توبہ...... ارے جویا' تم ہو بہت بیوقوف...... جو پیسہ جمع ہے اس سب کا زیور بنا لو۔"

"اماں' اتنا زیور ہے تو سہی میرے پاس۔ دو سیٹ یہاں کے ہیں۔ تین ان لوگوں نے چڑھائے' چوڑیاں' زنجیر سب کچھ تو ہے۔ اب اور بنوا کر کیا کروں گی۔"

"ارے چوڑیاں اور بنواؤ' دوسرے ڈیزائن کی...... کڑے بنوا لو موٹے موٹے۔"

"جو ہے کافی ہے اماں۔"

"ارے ہٹو تم کیا سنو گی۔"

اماں اس پر خوب خفا ہوئیں۔ پھر وعدہ شکنی کا مشورہ دیا۔ مگر جویا کو وعدہ شکنی گوارا نہ ہوئی۔

"نہیں اماں...... اب کی بار تو دینے پڑیں گے۔"

"کیوں دینے پڑیں گے...... ٹال دینا...... کوئی بہانہ کر دینا۔"

"نہیں اماں...... یہ میں نہ کر سکوں گی۔"

"آخر کیوں؟"

"موقع ہی ایسا ہے...... عزت کا سوال ہے۔ بہن کی شادی ہے۔ کچھ نہ کچھ تو دینا ضروری ہے۔ اگر سچ پوچھے تو دس ہزار کچھ بھی نہیں۔"

"ایسا کرو پوری چیک بک ہاتھ میں تھما دو تم یقین کے یا پھر اپنی ساس کے۔" اماں غصے سے بولیں۔

"نہیں...... خیر اتنی تو بیوقوف نہیں ہوں میں۔"

"زیادہ عقلمندی کے دعوے مت کرو...... تمہیں عقلمند ہوتیں تو دس ہزار روپے دینے کا وعدہ نہ کرتیں۔"

"اماں' واپس دے دیں گے وہ...... میں نے کہہ دیا ہے اُن سے کہ یہ قرض ہو گا۔"

"اچھا!" اماں طنز سے بولیں۔ "ہم زندہ رہے تو بتا دینا کہ کتنی رقم واپس ہوئی۔"

"نہ بھی ہوئی تو کوئی بات نہیں۔"

"واہ! کتنے آرام سے کہہ دیا تم نے کہ کوئی بات نہیں۔"

"آئندہ خیال رکھوں گی اماں۔ ایسی کوئی غلطی نہیں کروں گی۔" جویا نے اماں کو اطمینان دلانے کی کوشش کی۔

"ہماری بلا سے بھئی' خیال رکھو یا نہ رکھو۔ آپ ہی نقصان اٹھاؤ گی۔"

"مگر سارہ آپا تو کہتی تھیں' عورت مرد کا ہاتھ بٹا کر کبھی نقصان میں نہیں رہتی۔ مرد کے دل میں اس کی محبت بڑھتی ہے اور زندگی کی گاڑی سبک رفتاری سے چلتی ہے۔"

آپا تک یہ بات پہنچی کہ وہ نند کی شادی کے لیے میاں کو دس ہزار روپے دے رہی تھی اور اماں اماں پر ناراضگی کا اظہار کر رہی تھیں تو وہ جویا سے رازداری سے بولیں۔ "بہت اچھا کر رہی ہو تم۔"

"مگر اماں تو بہت ناراض ہو رہی ہیں۔"

قدرے توقف سے آپا نے اُسے سمجھایا۔ "دیکھو میری ایک بات یاد رکھنا۔"

"جی...... جی آپا۔" وہ ہمہ تن گوش ہو گئی۔

"میاں بیوی ایک ہی راستے کے مسافر ہوتے ہیں۔ اُن کی منزل ایک ہوتی ہے۔ اُن کا دکھ سکھ' خوشی غم سب مشترک ہوتے ہیں۔ اولاد دونوں کی ہوتی ہے۔ گھر دونوں کا ہوتا ہے۔ تو پھر مال و جائیداد میں تیرا میرا کیوں۔" آپا نے توقف کیا پھر بولیں۔ "جہاں تیر میرا ہوتی ہے' وہاں نہ محبت ہوتی ہے نہ خلوص۔ خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتی ہوں' آج تک میں نے اپنے اور تمہارے بہنوئی کے پیسے میں کوئی تخصیص نہیں کی کہ یہ میرا ہے یا یہ اُن کا...... جو کچھ ہے سب اکٹھا' مشترک ہے۔ خدا نے بڑی برکت دے رکھی ہے۔"

سارہ آپا کا پہلے بھی بڑا احترام تھا جویا کے دل میں مگر اس سے پہلے وہ اسے اتنی معتبر کبھی نہ لگی تھیں۔

☆=====☆=====☆

جویا سے پیسے لیتے ہوئے یقین کو اچھا تو نہ لگا مگر ضرورت کی نوعیت شدید تھی۔ جویا سے پیسے لے کر اس نے امی کو دے دیے۔

امی نے چچا کو بتایا۔ "آپ کے بڑے صاحب زادے نے دس ہزار روپے دیے ہیں بہن کی

شادی کے لیے۔"

"ماشاءاللہ۔"

"ویسے ماسٹر صاحب اگر سچ پوچھیے تو فی زمانہ دس ہزار روپوں میں ہوتا تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

"ٹھیک کہتی ہیں آپ مگر اس نے جو دے دیا' وہی بہت۔"

"ہاں' یہی سوچ کر میں نے چپ چاپ پیسے رکھ لیے۔"

مدحت بجیا نے بھی بابا کی سی بات کی۔

نگہت نے سنا تو ٹھنک کر بولی۔ "صرف دس ہزار۔"

"ہاں۔"

"بہن کی شادی اور دس ہزار!" نگہت استہزائیہ لہجے میں بولی۔ "دس ہزار میں ہوتا کیا ہے۔"

"ہاں' یہی بات میں نے تمہارے بابا سے کہی تھی۔"

"وہ کیا بولے؟"

"کہنے لگے جو دے دیا' وہی بہت۔"

"اونہہ! بابا تو بس......" نگہت نے توقف کیا پھر بولی۔ "آپ نے یقین بھائی سے کہا تو ہوتا کہ دس ہزار میں بھلا کیا ہوگا۔"

"میں نے کچھ نہیں کہا۔"

"کیوں۔" نگہت نے اُکسایا۔ "زبردستی مانگتے۔"

"کیا مانگوں۔ وہ تو پہلے ہی کہہ گئے کہ میرے پاس ہوتا تو میں بہن کے لیے ہرگز پیچھے نہ رہتا بس یہی پیسے ہیں اور یہ بھی جویا سے لیے ہیں۔"

"اونہہ!" نگہت نے نخوت سے سر جھٹکا۔ "وہ دیں گی بھلا! ارے وہ تو دانت سے پیسہ پکڑ کے رکھنے والی عورت ہیں۔ اتنے دن ہم لوگ شاپنگ کے لیے اکٹھے بازار جاتے رہے۔ قسم لے لیجیے امی جو آپ کی بہو نے کبھی جھوٹوں سے کھلایا پلایا ہو۔ کہیں کھانے پینے بیٹھے بھی تو بجیا ہی نے پیسے دیے۔ آپ کی بہو نے تو کبھی اپنے پرس کی زپ تک نہیں کھولی۔" نگہت نے منہ بناتے ہوئے مزید کہا۔ "وہ دیں گی بھلا' دس ہزار روپے...... یقین بھائی بہت چالاک ہیں۔ ایک تیر سے دو شکار کھیل گئے۔ بیوی کا جھنڈا بھی اونچا کر دیا اور یہ کہہ کر کہ یہ پیسے بیوی سے لیے ہیں' گھر والوں کو مزید تقاضا کرنے کے قابل نہیں چھوڑا۔"

"کیا کریں!" امی اُداس ہو کر بولیں۔

"کچھ بھی نہیں کر سکتیں' آپ سوائے صبر کرنے کے۔"

"ہاں!" امی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور صبر کر لیا۔

"بالفرض بھابی نے دس ہزار دے بھی دیے تو کون سا کمال کیا۔ ہمارے بھائی کی کمائی جوڑتی بھی تو ہیں۔" نگہت کو چت ہی نہیں پٹ بھی اپنی رکھنی آتی تھی۔

"اور کیا۔" امی نے تائید کی۔

☆=====☆=====☆

فرزین واپس آیا تو گھر والوں نے اس کی شادی کی بات از سر نو چھیڑنا چاہی مگر وہ جانتا تھا کہ جو نام اس کے دل میں ہے' وہ زبان پر آ گیا تو گھر والوں کو آسانی سے ہضم نہ ہوگا۔ چنانچہ گھر کی فضا کو مکدر نہ کرنے اور نزہت کے ہاتھ پیلے کرنے کی خوشی پیلے کرنے کی خاطر اس نے آزمودہ نسخہ پھر آزمایا۔

"ابھی میرا کوئی ارادہ نہیں ہے شادی کرنے کا۔"

"بیٹا! دو چار لڑکیاں ہیں نظر میں۔ تم جس کے لیے ہاں کر دو وہی اچھی۔" امی نے محبت سے کہا۔

"امی جان! مجھے ابھی کرنی ہی نہیں ہے شادی۔"

"تو پھر کب کرو گے؟"

"جب ارادہ ہوگا' بتا دوں گا آپ کو۔"

"بیٹا! موقع اچھا ہے' ایک پنتھ دو کاج ہو جائیں تو کیا برا! تمہارے ولیمے کی دعوت میں نزہت اپنے گھر رخصت ہو جائے گی۔" امی نے رسان لہجے میں سمجھایا۔

"آپ میری فکر نہ کریں۔"

"سوچ لو بیٹا' بہت بچت ہو جاتی۔ ایک ہلّے میں تم دونوں بہن بھائی نمٹ جاتے۔"

"امی پلیز' آپ صرف نزہت کی بات کریں۔"

دیگر اہلِ خانہ نے بھی اپنے اپنے طور پر اس کو راضی کرنے کی کوشش کی مگر وہ سختی سے اپنے انکار پر ڈٹا رہا۔

مدحت بجیا نے اُسے اُسی کے کمرے میں رات کے وقت گھیرا۔

"ہاں جناب' کیوں انکار کر رہے ہیں آپ شادی سے؟"

"شادی بھی کوئی کرنے کا کام ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"اچھا!" بجیا نے اس کی مسکراہٹ کا اپنی نرم مسکراہٹ سے جواب دیتے ہوئے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔ "تو پھر کرنے کا کام کیا ہے؟"

"بہت سے کام ہیں۔"

"مثلاً؟" بجیا نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا۔

"مثلاً......" وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"ہاں' ہاں بولو۔"

"شادی کرنے سے تو اچھا ہے کہ آدمی موت کے کنوئیں میں موٹر سائیکل چلا لے۔"

"کیوں بھئی! اتنی خوفناک بات کیوں کر رہے ہو؟"

"آپ ڈر گئیں!" فرزین کی مسکراہٹ گہری پڑ گئی۔

"اور کیا...... اتنی خوفناک بات کرو گے تو کیا ڈروں گی بھی نہیں!"

"اچھا! خوفناک نہیں! کبھی کسی کو موٹر سائیکل چلاتے دیکھا ہے موت کے کنوئیں میں؟"

"موٹر سائیکل ہی نہیں' کار بھی چلاتے دیکھا ہے......"

"توبہ!" بجیا نے جھرجھری لی۔ اپنے کانوں کو ہاتھ لگایا اور بولیں۔ "زندگی میں صرف ایک مرتبہ دیکھا ہے میں نے موت کا کنواں...... خدایا! میں تو تمام وقت یہی سوچ سوچ کر ہلکی رہی کہ خدانخواستہ موٹر سائیکل گر گئی تو کیا ہوگا۔"

"ہونا کیا ہے! تا تا ئیں تا ئیں فش!"

"اور تم کہتے ہو شادی کرنے سے اچھا ہے کہ آدمی موت کے کنوئیں میں موٹر سائیکل چلانے لگے۔"

"میں اب بھی اپنے موقف پر قائم ہوں۔"

"موت کے کنوئیں میں گرنے والے کی ہڈی پسلی ایک ہو جاتی ہوگی۔"

"شادی کے کنوئیں میں گرنے والے کو خود اپنا کھوج نہیں ملتا۔"

"بکواس مت کرو...... اتنی خوفناک چیز نہیں ہے شادی۔" بجیا نے اُسے محبت سے گھورا۔

"اس سے بھی زیادہ۔" وہ پھر مسکرایا۔ "اچھے اچھے جنٹل مینوں کو ہم نے شادی کے بعد گھن چکر بنے دیکھا ہے۔ بیگم اور سسرال والوں کے سامنے "یورموسٹ اوبیڈینٹ سرونٹ" اور اپنے گھر والوں کے سامنے بھیگی بلی بنے نظر آتے ہیں۔"

"بلی نہیں بلے۔" بجیا نے مسکراتے ہوئے تصحیح کی۔

"او...... یس۔"

"سب اپنے اوپر ہوتا ہے...... سمجھے...... ہم نے بعض ڈفرز کو شادی کے بعد جنٹل مین بنتے بھی دیکھا ہے۔ ایک اسٹوڈنٹ تھا' میرا ایسا باؤلا کہ کیا بتاؤں۔ شادی اچھی لڑکی سے ہوئی۔ شادی کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ میرے پاس آیا تو میں اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اس کی بیوی نے اُس کی ساری چولیں ٹھونک پیٹ کر اسے اپنے مطلب کا بنا لیا تھا۔"

"یعنی کاٹھ کا اُلو۔"

"بکواس مت کرو۔" بجیا نے اُسے گھورا اور بولیں۔ "بہت پیارے بھائی ہو تم تو میرے۔"

"آں ہاں!" فرزین نے اپنی قمیص کا کالر کھڑا کرتے ہوئے گردن اکڑا لی۔

"ایک بات پوچھوں؟"

"جی...... ضرور پوچھیے۔"

"کون ہے وہ؟"

"کون!" فرزین نے چونک کر بجیا کی طرف دیکھا۔

بجیا اُس کو گہری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"انجان بننے کی اداکاری مت کرو' بتاؤ کہ وہ کون ہے۔"

"وہ! وہ کون؟"

"وہی جو تمہیں پسند ہے۔"

"مجھے تو کوئی پسند نہیں۔"

"جوتوں سمیت میری آنکھوں میں گھسنے کی کوشش مت کرو...... سمجھے۔"

وہ کھسیا کر کان کھجانے لگا۔

"کیا نام ہے اُس کا؟"

"آپ کو غلط فہمی ہوتی ہے بجیا۔"

"جھوٹ مت بولو۔"

"بلیوی...... ایسی کوئی بات نہیں۔"

"تم نہیں بتاؤ گے؟"

"کوئی ہو تو بتاؤں۔"

"میں بتا دوں؟"

اُس نے ہڑبڑا کر بجیا کی طرف دیکھا۔

بجیا زیر لب مسکرا دیں تو پھر بولیں۔ "چلو ایک موقع اور دے رہی ہوں' تم خود بتا دو۔"

"فار گاڈ......"

"اونہوں...... ہوں...... بے دھیانی میں بھی جھوٹی قسم نہیں کھانی چاہیے۔"

فرزین اُن کا منہ دیکھتا رہ گیا۔

آخر کو تھیں نا استاد۔

غلطی پکڑنا' اصلاح کرنا اور سیدھا راستہ دکھانا تو ان کے پیشہ ورانہ فرائض میں شامل تھا۔ اور اپنے لہجے کی نرمی' کبھی گرمی سے انہیں اپنے چھوٹوں سے اُن کے دل کے راز اگلوانا بھی آتا تھا۔

"بتا دوں میں؟"

اس نے ذرا کی ذرا بجیا کی طرف دیکھا پھر جھینپ کر نظریں چرا لیں۔

لیکن نہیں۔

نظریں چرانے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔

آدمی کوئی راز دوسروں سے چھپائے تو پھر نڈر ہو کر رازداری کو برقرار بھی رکھے۔

اس بہانے بجیا کے قیاس واندازے کی آزمائش ہی سہی!

"بتائیے۔" وہ نڈر ہو کر بولا۔

"بتا دوں؟"

"ہاں...... ہاں...... ہمیں بھی تو معلوم ہو کہ وہ کون ہے جس کا آتا پتا ہمیں خود معلوم نہیں۔"

بجیا نے کچھ اس طرح اُس کی طرف دیکھا' جیسے کہتی ہوں' اچھا یہ ڈھٹائی۔

"بتائیے نا۔" وہ بولا۔

''زویا۔'' بجیا نے کہا۔

فرزین دم بخود رہ گیا۔

اُس کی نگاہوں میں حیرتیں سمٹ آئیں۔

اور اُس کے ردِ عمل نے بجیا کے اندازے پر تصدیق کی مہر ثبت کر دی۔

''انکار کر سکتے ہو تو کر دو۔'' بجیا نے فاتحانہ مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

وہ چپ رہا۔

انکار کی جا تھی بھلا!

کسی قابلِ اعتبار اور مخلص رازدار کی ضرورت تو اُسے تھی ہی!

بجیا سے زیادہ قابلِ اعتبار اور مخلص رازداں تو اسے جگ بھر میں کوئی اور نہ مل سکتا تھا۔

بجیا اپنے دوستوں، رفقائے کار اور شاگردوں کی تو اکثر رازداں رہی تھیں۔ چھوٹے بہن بھائیوں میں فرزین پہلا تھا جس کا رازِ دل اُن کے ہاتھوں پکڑا گیا۔ تھا۔ جھینپا جھینپا سا فرزین اُنہیں بہت پیارا لگ رہا تھا۔

اس کے رازِ دل کو انہوں نے پہلی مرتبہ اس روز اُس کی آنکھوں سے جھانکتے پکڑا تھا جب وہ اور فرزین زویا کو اس کے گھر چھوڑنے گئے تھے۔

اور آج اس پر مہرِ تصدیق لگ گئی تھی!

''وہ لڑکی مجھے بھی پسند ہے مگر......''

وہ چونک کر اُن کی طرف دیکھنے لگا۔

''مگر امی آسانی سے تیار نہ ہوں گی۔''

''کیوں؟'' فرزین کے لب بے صدا رہے آنکھوں نے پوچھا۔

''کیونکہ جویا اتنی اچھی بہو ثابت نہیں ہو سکیں، جتنی کہ انہیں ایک پڑھی لکھی لڑکی ہونے کے ناتے ہونا چاہیے تھا۔''

وہ چپ چاپ بیٹھا بجیا کی بات سنتا رہا۔

''ہمارے ہاں بہت سی تعلیم یافتہ لڑکیوں کا المیہ یہی ہے کہ وہ اپنے چھوٹوں کے لیے راہ ہموار کرنے کی بجائے اکثر اپنے قدموں کے نیچے کی زمین بھی کھو بیٹھتی ہیں۔ مجھے ایسی تمام لڑکیوں سے زیادہ اُن سے ہمدردی محسوس ہوتی ہے جن کے لیے راہ ہموار کرنے کی بجائے وہ اسے مشکل بنا دیتی ہیں۔''

''مگر کسی ایک فرد کی سزا کسی دوسرے کو تو نہیں ملنی چاہیے۔'' وہ کچھ ہچکچاہٹ کے بعد بولا۔

''تم درست کہتے ہو مگر ہمارے ہاں کسی فرد کو اس کی علیحدہ حیثیت میں نہیں دیکھا جاتا۔ اس کی شناخت اور پرکھ کئی مختلف حوالوں سے ہوتی ہے۔ شادی شدہ لڑکیوں کے اُن سسرالوں میں رہ جانے والی بیٹھی غیر شادی شدہ بہنوں کی پرکھ کے حوالے بنتے ہیں۔ جویا نے اس گھر میں آنے کے بعد کوئی ایسی کارگزاری نہیں دکھائی جو زویا کے لیے کوئی مضبوط حوالہ یا بنیاد بن سکے۔

بات؟''

فرزین نے اثبات میں سر ہلایا۔

''حالانکہ مجھے یقین ہے کہ زویا چھوٹی ہونے کے باوجود اپنی بہن سے زیادہ سمجھدار اور اچھی لڑکی ثابت ہوگی۔''

وہ کشمکش میں گرفتار دکھائی دینے لگا۔

''نگہت بھی شاید مخالفت کریں گی۔''

''انہیں ہمارے گھر کے معاملات میں دخل نہیں دینا چاہیے۔'' فرزین نے اس تمام دورانیے میں زبان کھولی۔

''یہ بھی ہمارے سوشل سیٹ اَپ کا عمومی المیہ ہے کہ شادی شدہ لڑکیاں میکے کے معاملات میں دخل اندازی کو نہ صرف اپنا حق سمجھتی ہیں بلکہ اکثر اپنی نا سمجھی سے مسائل میں اضافہ کر دیتی ہیں۔''

''حالانکہ انہیں صرف اپنے گھر، میاں اور بچوں کی فکر ہونی چاہیے۔'' فرزین نے لقمہ دیا۔

''ہاں...... تم ٹھیک کہتے ہو۔''

''مجھے...... نگہت باجی کی...... مخالفت کی پرواہ نہیں۔'' وہ سرفروشانہ انداز میں بولا۔

''مگر امی کی ویٹو پاور کی پرواہ تو تمہیں بہرحال کرنی ہوگی۔''

''آپ ساتھ نہیں دیں گی؟''

''میں!'' بجیا نے کہا اور ان کی آنکھوں میں سلین سی اتر آئی۔

فرزین آس بھری نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگا۔

''میری بھلا کیا اہمیت!'' بجیا رندھی ہوئی آواز میں بولیں۔

فرزین انہیں یوں دیکھنے لگا جیسے انہوں نے کوئی ناقابلِ یقین بات کر دی ہو۔

''تم نے کبھی کسی خزاں رسیدہ پتے کو تیز ہواؤں کے دوش پر اُڑتے دیکھا ہے فرزین؟'' بجیا نے بھیگی ہوئی آواز میں کہا۔

فرزین انہیں دیکھے گیا۔

''میرے لیے اتنا ہی بہت ہے فرزین کہ مجھے دوبارہ اسی گھر میں پناہ مل گئی۔''

''ایسی باتیں کیوں کرتی ہیں آپ یہ گھر آپ کا ہے...... ہم سب آپ کے ہیں...... آپ سے پیار کرتے ہیں...... آپ کا احترام کرتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔''

کچھ دیر خاموشی رہی پھر وہ بولا۔ ''امی کو...... نگہت باجی کو...... آپ سب کو میری خوشی کی خاطر اس لڑکی کو تعصب کی ہر عینک اُتار کر دیکھنا ہوگا۔''

''بہت اچھی لگتی ہے تمہیں وہ؟''

فرزین نے بلا جھجک اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اور کے...... میں اپنی تمام تر بے دلی کے باوجود جس حد تک بھی

تمہارا ساتھ دے سکی ضرور دوں گی۔"

"تھینک یو سو مچ۔" وہ تشکر آمیز لہجے میں بولا۔

فرزین کے انکار سے مایوس ہو کر نزہت کی شادی کی تاریخ ٹھہرا دی گئی۔

☆=====☆=====☆

نزہت کی شادی کی تاریخ کیا ٹھہری ہنگامے جاگ اٹھے۔

کام اتنے بکھرے کہ سمیٹنے مشکل ہو گئے۔

مہمانداری ایسی شروع ہوئی کہ رکنے میں نہ آئی۔

مایوں بٹھائے جانے تک نزہت خود بھی کام کرتی رہی۔ اس کے مایوں بٹھائے جانے کے بعد اصل ہنگامہ شروع ہوا۔

مدحت بجیا نے یونیورسٹی سے پندرہ دن کی چھٹی لی۔

جویا نے بھی رخصت کی درخواست دی مگر اسکول میں امتحانات ہونے کے باعث اس کی درخواست منظور نہ کی گئی گھر والوں نے اس کی مجبوری کو ذمے داریوں سے فرار کا بہانہ قرار دیا۔

بالیقین فرزین ذہین افتخار سب ہی کو ایسے موقعوں پر بکھرنے والی نوع بنوع مصروفیات نے آگھیرا۔

مایوں کے ساتھ ہی گھر میں خاندان کی لڑکیوں اور لڑکوں کا میلہ بازار سا لگ گیا جو ایک دوسرے سے ہنسی ٹھٹھول کرتے رہتے۔

فرزین زویا کا بیتابی سے منتظر رہا۔

وہ بارات والے دن اپنے گھر والوں کے ساتھ آئی۔

یقین اسے دیکھتا رہ گیا۔

سچ کہا ہے کسی نے حسن دیکھی جانے والی شے میں نہیں۔ دیکھنے والے کی نظر میں ہوتا ہے۔ کاسنی رنگ کے کامدار ریشمی جوڑے اور ہلکے پھلکے میک اپ میں وہ فرزین کو بلا کی خوبصورت دکھائی دی۔

بارات کے ہنگاموں میں فرزین کی نگاہیں مستقل اس کا تعاقب کرتی رہیں۔ مووی میکر کے کان میں اس نے چپکے سے یہ بات پھونک دی کہ وہ جس حد تک بھی کیمرہ زویا پر رکھ سکتا ہے رکھے۔

اور اگر موقع مل جائے تو کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی طور پر انہیں اکٹھا دکھانے کی کوشش ضرور کرے۔

شاید وہ کیمرے کی آنکھ سے دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کی اور زویا کی جوڑی کیسی لگے گی!

اور شاید وہ گھر والوں کو بھی یہ منظر دکھانا چاہتا تھا!

شادی گاہ میں وہ تمام وقت زویا سے اکیلے میں بات کرنے کا موقع ڈھونڈتا رہا مگر اسے کامیابی نہ ہوئی۔ تاہم آرسی مصحف کے وقت اشارے کنایے میں ایک آدھ معنی خیز جملہ اس کی طرف پھینکنے کا موقع اسے مل گیا۔

شادی میں شریک فرزین کے ایک دوست نے چپکے سے زویا کی بابت خود فرزین سے

پوچھا۔ "یار! یہ لڑکی کون ہے؟"

"اے!" فرزین نے اسے گھورا۔ "اس کی طرف بھولے سے بھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھنا۔"

"اوہ! آئی سی!" پوچھنے والا خفیف ہو کر مگر معنی خیز انداز میں مسکرا یا دیا۔

کھانے کے وقت وہ حق میزبانی ادا کرنے کے بہانے زویا کے روبرو آ تھا اور بولا۔ "آپ کو کچھ چاہیے؟"

"جی نہیں...... شکریہ۔"

"اس نے ادھر ادھر دیکھا پھر دھیرے سے بولا۔ "آپ یقین کریں گی زویا کہ تین ماہ تک سمندر میں آپ کا خیال میرا ہمسفر بنا رہا۔"

زویا نے محتاط نگاہوں سے اپنے گرد و پیش کا ایک طائرانہ جائزہ لیا۔ چند گز پرے نگہت بظاہر ایک مہمان خاتون سے باتیں کرتے ہوئے گاہے گاہے اسی طرف دیکھ رہی تھی۔

"پلیز! آپ جائیے۔" وہ پلیٹ سے چمچے میں چاول لیتے ہوئے بولی۔

"کیوں؟ اتنی گھبرا رہی ہیں آپ؟"

"نگہت باجی اسی طرف دیکھ رہی ہیں۔ مجھے ان کی آنکھوں سے بہت ڈر لگتا ہے۔" وہ دھیمے سروں میں بولی۔

"جب مجھے ڈر نہیں تو آپ کیوں ڈرتی ہیں۔" وہ بڑی بے خوفی سے بولا۔

"پلیز! آپ چلے جائیے۔" وہ منمنائی۔

"او کے۔" وہ دھیرے سے بولا۔ مگر جانے سے پہلے اس نے کہا۔ "نزہت کے بعد میری باری ہے اور میں...... میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا!"

زویا نے ہڑبڑا کر اسے دیکھا اور چمچے میں بھرے چاول اپنے منہ تک لے جانے کی بجائے دوبارہ پلیٹ کی طرف لے گئی۔

"یس! آئی وانٹ ٹو میری یو۔" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

زویا نے ڈرتے ڈرتے نگہت کے رخ دیکھا۔

اس کی عقابی نگاہیں اسی طرف مرکوز تھیں۔

زویا کے دل میں ایک انجانا سا خوف پاؤں پسارنے لگا!

مگر جویا اس کے اس خوف سے یکسر بے نیاز شادی گاہ کی سہ منزلہ مرکزی عمارت کی دوسری منزل کو جانے والے گول زینے پر کھڑی فرزین کو زویا کے روبرو کھڑے دیکھ کر ایک عجیب سی خوشی اور طمانیت محسوس کر رہی تھی۔

اچانک اس کی نظر نگہت پر پڑی جو ان دونوں سے کچھ دور کھڑی انہی کو دیکھ رہی تھی۔ خوشی اور طمانیت کا احساس گہرا ہو گیا۔

"اونہہ! کیسی جل رہی ہو نگہت اس وقت!" اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

نگہت اُسے بہت بے وقعت سی لگ رہی تھی۔
شاید اس لیے کہ اس وقت وہ خود بلندی پر تھی!
اور شاید اس لیے بھی کہ فرزین نگہت کی ناک کے نیچے زویا کو التفات بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا!

☆=====☆=====☆

گھر والوں کا متفقہ خیال تھا کہ نزہت کے جانے کے بعد گھر کے کام کاج کے سلسلے میں امی کو قدرے دشواری ہوگی۔ نزہت کو گھر داری سے نوعمری سے ہی رغبت تھی۔ اسکول کے زمانے سے ہی اس نے گھر داری میں امی کا خاطر خواہ ہاتھ بٹانا شروع کر دیا تھا۔ گزشتہ تین چار برس سے رات کا کھانا پکانا اسی کے ذمے تھا۔ اکثر صبح کو بھی وہ یونیورسٹی جاتے جاتے امی کا ہاتھ بٹا جاتی۔ دھوبی کو کپڑے دینا اور لینا' دودھ والے سے ناقص دودھ دینے پر لڑنے جھگڑنے میں امی کی مدد کرنا' ماسی پر روک ٹوک میں امی کا ہاتھ بٹانا' موجود کی لگا میں کھینچے رکھنا اور اسی قسم کے دوسرے چھوٹے موٹے بیسیوں کاموں میں وہ آگے آگے رہتی تھی۔
اُس کے جانے کے بعد امی کو اس کی کمی کا شدت سے احساس ہوا۔
کتنے بہت سے کام سنبھال رکھے تھے اُس نے!
بیا تو اسے ''ہوم انسائیکلو پیڈیا'' کہا کرتے تھے۔
جس چیز کی ضرورت ہو اس سے مانگ لیجیے۔
جس شے کی تلاش ہو اُس سے پوچھ لیجیے۔
امی چیزیں رکھ کر بھول جاتیں اور نزہت اُنہیں یاد رکھتی۔
رات دو بجے بھی کوئی چیز اگر نہ مل رہی ہوتی تو نزہت کو جگا کر اُس سے پوچھ لیا جاتا اور وہ مطلوبہ شے فوراً لا حاضر کرتی۔
''یار تم تو پوری الٰہ دین کی جن ہو۔'' ذہین ہنس کر کہتا۔
نزہت کی مایوں سے ایک رات پہلے کھانے کی میز پر امی کا جی بھر آیا اور وہ رندھی ہوئی آواز میں بولیں۔ ''نزہت بیٹی بہت یاد آیا کرو گی تم ہم سب کو۔''
''خاص طور پر اُس وقت جب کچن میں چیزیں گتری ہوئی ملیں گی۔'' ذہین نے فرزین کو دیکھتے ہوئے شوخی سے آنکھ دبائی۔
''دیکھئے امی۔'' نزہت نے امی سے ذہین کی شکایت کی۔
''بُری بات ہے ذہین۔'' امی نے ذہین کو ٹوکا۔
''امی' جب کچن میں چیزیں گتری ہوئی ملیں گی تو چوہیا تو ضرور یاد آئے گی۔ کیوں فرزین بھائی؟'' ذہین نے فرزین کو بھی اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کی۔
''امی!'' نزہت نے منہ بسورا۔
''توبہ ہے کیسی بچی بنتی ہے یہ!'' جویا نے جی ہی جی میں کہا۔

''بھئی مت چھیڑو تم دونوں میری بچی کو۔''
ذہین نے کچھ کہنے کو منہ کھولنا چاہا مگر اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی بجیا بولیں۔ ''دیکھو اب اگر تم دونوں میں کسی نے نزہت کو کچھ کہا نا تو میں تم لوگوں کے کان کھینچوں گی...... سمجھے۔''
ذہین نے ایک ہاتھ سے کھانا کھاتے ہوئے اور دوسرے ہاتھ سے اپنے ایک کان کی لو کو مروڑتے ہوئے کہا۔ ''فرزین بھائی ایک بات بتائیں گے۔''
''ہوں...... کیا؟''
''آپ تو ساری دنیا گھومے ہیں۔ یہ بتایئے' کس ملک کی چوہیاں سب سے اچھی ہوتی ہیں؟''
''ذہین!'' بجیا نے ذہین کو گھورا۔
''بھئی' ہمیں تو اپنی چوہیا سب سے پیاری لگتی ہے۔'' فرزین نے بجیا کی تنبیہہ پر ایک شانِ استغنا کا مظاہرہ کیا۔
''امی۔'' نزہت نے پھر منہ بسورا۔
''ناصر صاحب۔'' امی نے بیا کو مخاطب کیا۔
''جی...... فرمایئے۔'' بیا نے امی کی طرف دیکھا۔
''شاباش ہے آپ کس قدر تحمل سے سن رہے ہیں...... ہماری زبان تو آپ کے یہ صاحبزادے کان شاید سمجھتے نہیں ہیں آپ ہی اپنی زبان میں سمجھایئے انہیں۔''
''کیا...... کیا سمجھاؤں؟''
''ارے' سن نہیں رہے۔ کتنی دیر سے یہ دونوں تنگ کر رہے ہیں نزہت کو۔''
''تنگ نہیں کر رہے' بہن سے اپنی محبت کا اظہار کر رہے ہیں۔''
''بہت خوب! وہ بے چاری روہانسی ہوئی جا رہی ہے اور آپ فرماتے ہیں کہ محبت کا اظہار کر رہے ہیں۔''
''غلط تھوڑی فرما رہا ہوں۔'' بیا مسکرا دیئے پھر بولے۔ ''اور یہ بات آپ بھی بخوبی سمجھتی ہیں۔''
امی قائل ہی دکھائی دینے لگیں۔
''ہاں' سمجھتی تو ہوں مگر ان دونوں کو یہ سوچنا چاہیے کہ بہن اب چند دن کی مہمان ہے اس گھر میں پھر تو پرائی ہو جائے گی۔''
''ویسے چوہیا' آج تم نے آلو بینگن زوردار بنائے ہیں۔'' ذہین بولا۔
''دیکھئے...... دیکھئے امی۔'' نزہت نے کہا۔
صاحبزادے! آج اور کھا لو تم بہن کے ہاتھ کا پکا کھانا۔''
''خیریت!'' ذہین چونکا۔
''کل مایوں ہے آج کے بعد تم نزہت کے ہاتھ کا پکا کھانا تو بھول جاؤ۔''

"کوئی بات نہیں۔" ذہین اک شانِ بے نیازی سے بولا۔ "اور بھی لوگ ہیں گھر میں جنہیں کھانا پکانا آتا ہے...... کیوں فرزین بھائی؟"

"ہاں۔" فرزین نے تائید کی۔ "امی زندہ باد!"

"بجیا زندہ باد!" ذہین مسکراتے ہوئے بولا۔

"بھابی زندہ باد!" فرزین نے کہا۔

جویا نے ہڑبڑا کر اُسے دیکھا۔

"ہاں بھئی کھانا ہماری بہو بھی عمدہ پکاتی ہیں۔" بابا بولے۔

"بشرطیکہ پکانے کی فرصت مل جائے۔" امی نے کہا۔

جویا نے خشونت سے اُنہیں دیکھا۔

تھیں نا آخر ساس!

کیسی چٹکی بھری تھی!

کتنے طنز بھری تھی!

"بشرطیکہ پکانے کی فرصت مل جائے۔"

اماں نے دوسرے تیسرے دن ہی اُسے سمجھا دیا تھا کہ کتنی ہی فرصت کیوں نہ ہو سسرال والوں کو وہ زیادہ کام کاج کر کے نہ دکھائے ورنہ سب کچھ اسی پر ڈال دیا جائے گا۔ جیسے زہرا باجی کی سسرال میں اُن پر ڈال دیا گیا تھا۔

کام جویا کو سب آتا تھا اور خوب آتا تھا مگر اماں کی نصیحت پلے میں باندھنے کے بعد وہ سسرال میں کام کے سلسلے میں اب تک خاصی متکلف رہی تھی۔

بقول اماں سسرال والوں کے درمیان رہ کر بہو کتنا ہی کام کیوں نہ کر لے حاصل کچھ نہیں ہوتا۔ سونے کا تاج کوئی نہیں پہناتا۔ مرغی اپنی جان سے جاتی ہے کھانے والوں کو سواد ہی نہیں آتا۔

بھلا اپنی جان گھسنے سے فائدہ!

بھئی زیادہ سے زیادہ یہی مشہور ہو جائے گا کہ بہو بڑی نکمی ہے کام نہیں کرتی۔

'نہیں کرتی۔'

'جاؤ جس کی جو مرضی آئے کر لے۔'

'نہیں کرتی!'

'نہیں کرتی!'

کام نہ کرنے کی صورت میں نکمی مشہور ہو جانے کی شرمندگی تھی بس۔

کام کرنے کی صورت میں تو ہزاروں بکھیڑے جان کو لگ جانے تھے۔

کبھی ساس کی ناز برداری

کبھی سسر کی کوئی فرمائش

کبھی نندوں کے نازنخرے

کبھی دیوروں کی آؤ بھگت

لاحول ولاقوۃ! اپنی جان گھسنے سے فائدہ؟

اماں نے کیسی اچھی اور کام کی نصیحت کی تھی۔

اللہ بھلا کرے اماں کا۔

کیسی کیسی کام کی باتیں باندھ دیتی تھیں اماں اُس کے پلو سے۔

ہاں بھئی ہر کوئی خواہ مخواہ جو بن گیا۔

اماں سے بڑھ کر اُس کا ہمدرد کوئی اور ہو سکتا تھا بھلا!

یوں کہنے کو تو کہنے والے کہہ دیتے تھے کہ ساس بھی ماں کی جگہ ہوتی ہے مگر کہنے اور تجربے سے گزرنے میں بہت ہوتا فرق ہے۔

اپنی ماں بھلا یوں نشتر چلاتی ہے کبھی!

جویا کو امی کی بات سن کر تاؤ آ گیا۔

"خود پکائیں میں تو نہیں پکاؤں گی۔" اُس نے دل ہی دل میں سوچا۔

بعد میں اماں سے صلاح مشورہ ہوا تو انہوں نے بھی پیٹھ تھپتھپا کر کہا۔ "ہرگز عادت مت ڈالنا ان لوگوں کو کام کر کے دینے کی ورنہ پلنگ پر بیٹھے پانی مانگا کریں گے۔ کہہ دو ہم نے اپنے میکے میں کام کیا ہی نہیں۔ ارے بھئی یہی کہیں گے نا 'کام نہیں آتا پھوہڑ ہے۔' جان مارنے سے پھوہڑ کہلانا بہت بہتر۔"

اماں کہہ تو رہی تھیں ٹھیک۔

جان مارنے سے پھوہڑ اور نکما کہلانا بہتر۔

مگر سسرال والے بھی کوئی آنکھ کے اندھے عقل کے کورے تو نہ تھے جو اتنی آسانی سے چھوڑ دیتے۔ امی تو کب سے منتظر تھیں کہ موقع آئے تو جویا کو جو بس اللہ ہنا اُتارنے کو ایک آدھ کام چھوا لیتی تھی کس کر کھونٹے سے باندھیں اور امی کے اس نیک ارادے کو مزید تقویت دینے میں نگہت پیش پیش تھی۔

خطرہ تھا تو مدحت بجیا سے کہ کہیں وہ نزہت کی شادی کے بعد رضا کارانہ طور پر اپنی خدمات کے ساتھ آگے نہ بڑھ آئیں۔ چنانچہ نزہت کی شادی سے چند روز قبل ایک خفیہ اجلاس میں امی نے مدحت بجیا کو سمجھایا۔ "دیکھو نزہت کے جانے کے بعد تمہیں زیادہ کام کاج کرنے کی ضرورت نہیں۔" بجیا سمجھ گئیں کہ کیوں منع کیا جا رہا تھا' تاہم انہوں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں امی؟"

امی کے جواب دینے سے پہلے ہی نگہت بولی۔ "اگر آپ نے کام سنبھال لیا نا تو پھر بھابی صاحبہ کچھ نہیں کریں گی۔"

"...... [illegible]" بجیا نے کہا۔

''اونہہ!'' نگہت نے سر جھٹکا۔ ''خاک کریں گی وہ مل جل کر...... سب کچھ آپ ہی پر چھوڑ دیں گی۔''

''نگہت ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' امی نے تائید کی۔

''یہ سنہری موقع ہے ان پر گھر کی کچھ ذمے داری ڈالنے کا۔ اگر یہ موقع آپ لوگوں نے گنوادیا تو بہت پچھتائیں گے آپ لوگ۔'' نگہت نے بڑی دلسوزی سے سمجھایا۔ ''صبح کو تو اُن کے پاس نوکری کا بہانہ ہے۔ شام کی تو کچھ ذمے داری ڈالئے ان پر۔''

''یہ بات صرف مجھی کو سمجھانے پہ اتنا زور کیوں؟'' بجیا اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ قدرے حیرانی سے بولیں۔

''کیونکہ آپ اپنی خدمات پیش کرنے میں بہت پیش پیش جو رہتی ہیں۔'' نگہت نے کہا۔

''اچھا بابا' خفا مت ہو' نہیں رہوں گی پیش پیش لیکن......''

''لیکن کیا؟''

''اگر جویا نے نہ کیا تو مجھی کو کرنا پڑے گا' امی بے چاری صبح کا کام دیکھ لیتی ہیں' ان کے لیے وہی بہت ہے۔''

''زبردستی کروائیے گا ان سے۔''

''او کے...... او کے۔''

''دیکھو بھئی ہمارا کیا ہے' ہم ٹھہرے سحری چراغ...... تم بھی کب تک ساتھ رہو گی...... خدا چاہے گا تو میرے دل کی تمنا پوری ہو کے رہے گی...... اس گھر کو بالآخر بہوؤں نے ہی سنبھالنا ہے۔ جویا خیر سے سب سے بڑی ہوں گی بہوؤں میں۔ انہیں گھر سنبھالنے کا سلیقہ ہونا چاہیے۔'' امی نے کہا۔

''سلیقہ!'' نگہت طنزاً ہنسی۔ ''سلیقہ تو ان میں نام کو نہیں۔''

''نہیں ہے تو سکھانا پڑے گا۔'' امی نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

''بجیا' بس آپ سن لیجیے کہ نزہت کے بعد آپ بڑھ بڑھ کر کام نہیں کریں گی۔'' نگہت نے جتایا۔

''ٹھیک ہے لیکن اگر گھر والوں کو پریشانی ہوئی تو مجبوری ہوگی۔''

''دو چار دن تم گھر والوں کی پریشانی کی طرف سے آنکھیں بند کر لینا اور دیکھنا کہ وہ کیا کرتی ہیں۔'' امی نے کہا۔

''ٹھیک ہے امی جان۔''

ادھر بجیا نے آنکھیں بند کیے رکھیں۔

اُدھر جویا ماں کی نصیحت پر کاربند رہی۔

دو چار دن ہی میں سب پر یہ حقیقت کھل گئی کہ نزہت کتنے کام کی لڑکی تھی۔

امی نے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ صبح کو کام کر دالیتی ہیں' زیادہ سے زیادہ شام کو دوبارہ کچن میں

کھڑی نہیں ہوسکتیں۔

بجیا نے کمر کسنے کی کوشش کی تو امی نے انہیں آنکھیں دکھائیں۔

چند دن تو بڑی افراتفری اور انتشار کی کیفیت رہی۔

کبھی باسی کھانے پر قناعت کر لی جاتی۔

کبھی ہوٹل سے نہاری اور نان کباب اور چپاتیاں منگوالی جاتیں۔

ایک روز ابا امی سے بولے۔ ''کیا بات ہے' نزہت کی شادی کے بعد ہمارے ہاں رات کا کھانا بس یونہی سا ہو گیا ہے؟''

''میں تیل دیکھ رہی ہوں' تیل کی دھار دیکھ رہی ہوں۔'' امی گمبھیر لہجے میں بولیں۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ آزما رہی ہوں کہ آپ کی بہو بیگم گھر کی ذمے داریوں سے کب تک لاتعلق رہتی ہیں۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''کیا نہیں سمجھے ابا؟'' مدحت بجیا نے مسکراتے ہوئے انٹری دی۔

''شکایت کر رہے ہیں' تمہارے ابا صاحب کہ نزہت کی شادی کے بعد رات کے کھانے کا مزہ نہیں رہا۔'' امی نے بجیا کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔

''امی جان' ابا کہہ تو رہے ہیں ٹھیک۔''

''ارے تو میں نے یہ کب کہا کہ غلط کہہ رہے ہیں۔'' امی نے ابا کو دیکھا پھر بولیں۔ ''کسی وقت یہ بات آپ اپنی بہو بیگم کے سامنے بھی ضرور کہیے۔''

''کوئی خاص سبب؟''

''ہاں...... انہی کی وجہ سے تو رات کا کھانا ڈھنگ سے نہیں مل رہا ہے آج کل۔''

''کیا مطلب؟'' ابا چونکے۔

''بھئی میں صبح سے دوپہر تک کا کام دیکھ لیتی ہوں...... بہو بیگم تو صبح اُٹھیں' بنی سنوریں اور بچی کو ہمارے اوپر چھوڑ اسکول چلی گئیں۔ واپس آئیں' کھانا کھایا اور بچی کو لے کر غڑاپ سے اپنے کمرے میں۔ اگر بچی سو گئی تو خیر' روئی تو دوبارہ میرے پاس ڈال گئیں۔ شام کو اُٹھیں' چائے بنائی' کسی کو دی' کسی کو نہ دی۔ میاں آئے تو پھر کمرے میں' بہت تیر مارا تو دس پانچ منٹ کو باورچی خانے میں آ کھڑی ہوئیں۔ دو باتیں سوجو کو سنائیں' دو چیزیں اِدھر سے اٹھا کر اُدھر دھریں۔ اللہ اللہ خیر صلا...... ارے بھئی اس طرح کوئی گھر چلتے ہیں۔''

''امی چاہتی ہیں اب جویا بھی گھر کی کچھ ذمے داری سنبھالیں۔'' مدحت بجیا بولیں۔

''سمجھ رہا ہوں...... سمجھ رہا ہوں بیٹی۔'' ابا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ پھر مزید بولے۔ ''تمہاری امی جو کچھ چاہتی ہیں' وہ بے جا نہیں بالکل ٹھیک ہے۔''

''شکر ہے پہلی بار آپ بہو کے خلاف کچھ تو بولے۔'' امی نے کہا۔

"بہو کے خلاف! نہیں میں بہو کے خلاف تو نہیں بول رہا۔ میں تو اُن کے حق میں اُن کی بھلائی کی بات کر رہا ہوں۔ انہیں گھر کے معاملات میں پوری دلچسپی لینی چاہیے۔"

"خدا آپ کا بھلا کرے ماسٹر صاحب' یہی میں بھی چاہتی ہوں اور اسی لیے میں نے نزہت کی شادی سے پہلے ہی مدحت کو سمجھا دیا تھا کہ نزہت کے جانے کے بعد یہ آگے بڑھ بڑھ کر کام نہ کریں' دلہن سے کروائیں مگر شاباش ہے دلہن کو کہ اُن کی رفتار نہیں بدلی' ویسی ہی بے ڈھنگی ہے۔ اس گھر کو وہ اپنا گھر تھوڑی سمجھتی ہیں' مہمانوں کی طرح رہتی ہیں۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ وہ اس گھر کو اپنا گھر نہیں سمجھتیں۔" بابا بولے۔

"ماسٹر صاحب! یہ بال میں نے دھوپ میں سفید نہیں کیے۔ آپ کی بہو بیگم اس گھر کو اپنا گھر سمجھیں تو گھر میں بھی باہر کے جوتے نہ چڑھائے رہیں اپنے پیروں میں۔"

"کیا مطلب؟" بابا نے چونک کر پوچھا۔

"گھر میں بھی وہ پکی شوز' ناگرہ یا سینڈلیں پہنے رہتی ہیں۔ اُن کے باتھ روم کے دروازے پر ہوائی چپلوں کا ایک جوڑا ضرور رکھا ہے بطورِ نمونہ' وہ باتھ روم میں جاتے ہوئے ہوائی چپلیں پہنتی ہیں' باقی تمام وقت وہ جوتے کھٹ کھٹاتی پھرتی ہیں۔"

"اس سے گھر کو اپنا گھر نہ سمجھنے کا کیا تعلق؟" بابا قدرے حیران تھے۔

"ماسٹر صاحب! گھر میں چپلیں پہن کر رہیں تو لگے کہ گھر میں ہیں۔ پرسوں ترسوں ہی کی بات ہے' بہو بیگم شوز پہنے گھر میں کھٹ پٹ کرتی پھر رہی تھیں۔ پڑوسن جو گھر آئی ہوئی تھیں' مجھ سے کہنے لگیں۔ کیا آپ کی بہو کہیں جا رہی ہیں؟ میں نے کہا نہیں تو...... کہنے لگیں' میں سمجھی کہیں جا رہی ہیں' ابھی جوتے پہن رکھے ہیں۔"

بابا دھیرے سے مسکرا دیے اور بولے۔ "کمال ہے' آپ خواتین بھی عجیب و غریب باتوں پر نظر رکھتی ہیں۔"

"عجیب و غریب کی کیا بات۔ مدحت سے بڑے مرتبے کی ملازم تو نہیں ہیں دلہن بیگم۔ دیکھ لیجیے' یونیورسٹی سے گھر آتے ہی مدحت جوتے' سینڈلیں اُتار ہوائی چپلیں پاؤں میں ڈال لیتی ہے۔ گھر کے حلیے میں ہو تو اُسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یونیورسٹی میں پڑھاتی ہوگی۔"

"بھئی' اپنے اپنے مزاج اور شوق کی بات ہوتی ہے۔ آپ کے اس اعتراض سے مجھے اتفاق نہیں کہ بہو گھر میں بھی جوتے یا سینڈلیں کیوں پہنے رہتی ہیں البتہ اس بات سے پورا اتفاق ہے کہ انہیں گھر کے کام کاج میں شریک ہونا چاہیے۔"

"یہ بات آپ سمجھایئے' ذرا اپنی بہو بیگم کو۔"

"کوشش کروں گا' بیگم صاحبہ۔"

امی نے بے یقینی سے بابا کو دیکھا کہ اُن سے اس قسم کی کسی کوشش کی توقع قدرے محال تھی۔

☆=====☆=====☆

اگلے دن شام کو جب جویا چائے بنا رہی تھی بابا کچن میں چلا [illegible] آئے ہوئے اور موجو [illegible]

بولے۔ "موجو! بیگم صاحبہ سے جا کر پوچھو' آج کیا پکے گا؟"

"ہیں جی!" موجو ٹرے میں چائے کے مگ رکھ رہا تھا' چونک کر بابا کو دیکھنے لگا۔

"بیگم صاحبہ سے پوچھو' رات کے لیے کیا پکے گا؟" بابا نے اپنی بات رسانیت سے دہرائی۔

"وہ جی۔" موجو کان کھجاتے ہوئے بولا۔ "بیگم صاحبہ نے میرے کو بول رکھیا اے جی' شام کے لیے میرے سے کچھ نہ پوچھیا کرو۔"

"اچھا!" بابا سوچ میں پڑ گئے۔

جویا بابا کو دیکھنے لگی۔

"دوپہر کا کھانا کچھ بچا رکھا ہے؟" بابا نے موجو سے پوچھا۔

"ہاں جی۔ تھوڑا ابولی آلو قیمہ بچا رکھیا اے اور تھوڑی ٹینڈوں کی بھاجی رکھی اے جی۔ کل کا تھوڑا سالن بھی بچا رکھیا اے جی فریج میں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" بابا نے اپنی ٹھوڑی کو کھجاتے ہوئے کہا۔ "ایسا کرتے ہیں' اس وقت دال خشکہ بنائے لیتے ہیں۔ دو چار چپاتیاں ڈال لیں گے۔ دوپہر کا اور کل کا سالن بھی کام آ جائے گا۔ چاول کہاں رکھے ہیں؟"

"ہیں جی!" موجو کے لہجے میں اچنبھا تھا۔

"میاں' اتنے حیران کیوں ہو رہے ہو۔ میں نے اتنا ہی تو پوچھا ہے کہ چاول کہاں رکھے ہیں؟"

"وہ پرلے کنستر میں جی۔" اُس نے اشارے سے بتایا۔

"اور دال؟" بابا نے جھک کر چاولوں کے کنستر کا ڈھکنا کھولتے ہوئے پوچھا۔

"کون سی جی؟"

"کون سی؟ ہاں' یہ ٹیڑھا سوال ہے۔" بابا سوچ میں پڑ گئے پھر کچھ کھنکھار کر گلا صاف کرتے ہوئے بولے۔ "کھڑے مسور کی پکا لیتے ہیں۔"

"ہیں جی!"

"میاں! ایک تو تم ہیں جی' بہت کرتے ہو...... دیکھو' کھڑے مسور کی دال ہے گھر میں یا نہیں؟"

"کھڑے مسور کی دال کون سی ہوتی ہے جی؟"

"کھڑے مسور کی دال نہیں سمجھتے...... ارے بھئی ثابت مسور کو کھڑے مسور کی دال بھی کہا جاتا ہے۔"

"اچھا جی...... وہ تو جی رکھی ہے۔"

"نکالو' آج وہی پکاتے ہیں۔"

"اچھا جی۔"

"دیکھو! پہلے ذرا تم مجھے کوئی [illegible] دے دو۔"

''سینی! وہ کیا ہوتی ہے جی؟''

''ارے میاں! تھال کو کہتے ہیں جس میں دال چاول بینے جاتے ہیں۔ بینا سمجھتے ہو؟''

''نہیں جی۔''

بیا نے موجو کے سر پر دھیرے سے ذھپ لگائی پھر مسکراتے ہوئے بولے۔ ''دال چاول چُن پھٹک کر صاف کرنے کو کہتے ہیں۔''

''اچھا جی۔'' موجو خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''شاباش! جلدی سے دو سینیاں نکالو اور ایک میں چاول ایک میں دال نکالو۔ رات کے کھانے کے لیے ہم دونوں پہلے چھنتے ہیں بیٹھ کر پھر پکائیں گے۔''

''ہیں جی؟'' موجو نے آنکھیں پھاڑ کر بیوقوفوں کی طرح بیا کو دیکھا۔

''ہاں جی!'' بیا مسکرا دیے پھر بولے۔ ''کیوں! پہلے کبھی دال چاول نہیں پکائے کیا تم نے؟''

''ناں جی..... میں نے تو پکائے ہیں جی پر.....''

''پر؟''

''آپ..... آپ نے اس آدن پہلے کبھی اس طراں کی بات نہیں کی جی۔''

''کس طرح کی؟''

''کھانا پکانے کی جی۔''

''اس سے پہلے کھانے کی اتنی پریشانی بھی تو نہیں ہوئی تھی کبھی..... جب سے نزہت بی بی گئی ڈھنگ کا کھانا ہی نہیں مل رہا مات کو..... اب ہم خود پکایا کریں گے۔''

''آپ کو کھانا پکانا آتا ہے جی؟'' موجو مجسم حیرت دکھائی دینے لگا۔

''نہیں بھی آتا تو سیکھ لیں گے..... میاں! دیکھنے سے سب کچھ آجاتا ہے..... ایک دو روز گھر والے بدمزہ کھانا کھالیں گے تو کیا ہوا پھر مزیدار بھی ملنے لگے گا..... کیوں بہو؟''

''جی!'' جویا نے اچانک مخاطبت پر چونک کر بیا کو دیکھا۔

موجو نے ایک سینی میں چاول نکال کر باورچی خانے کے سنگی تختے پر رکھے اور دوسری سینی میں دال نکالنے لگا۔

''نزہت کے جانے کے بعد سے رات کو دن کے باسی یا بازار کے کھانے پر گزارا کرنا پڑ رہا ہے۔ میرے خیال میں گھر کا پکا بدمزہ مگر تازہ کھانا بازار کے کھانے سے بہرحال بہتر ہوگا۔'' بیا نے چاولوں کی سینی اُٹھاتے ہوئے جویا سے پھر تائید چاہی۔ ''کیوں بہو! ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟''

''جی..... جی ہاں۔'' جویا کے لہجے میں خفت تھی۔

بیا نے کنکھیوں سے جویا کو دیکھا۔

وہ بیا سے نظریں چرائے کھڑی تھی!

تبھی بجیا باورچی خانے میں در آئیں اور بیا کو چاولوں کی سینی سمیت کھڑے دیکھ کر انتہائی تعجب سے بولیں۔ ''آپ! آپ کیا کر رہے ہیں بیا؟''

''بیٹی! رات کے کھانے کی تیاری کر رہے ہیں ہم دونوں۔''

''ہم دونوں!'' مدحت بجیا نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے جویا کی طرف نگاہ کی۔

''ہاں۔'' بیا بولے۔ ''موجو اور میں۔''

''کیا؟'' بجیا نے ٹپٹا کر بیا کو دیکھا۔ ''آپ!''

''ہاں..... میں..... بھئی! تم اور بہو تو تھکی ہوئی آتی ہو۔ امی تمہاری بے چاری صبح سے دوپہر تک کا کام نپٹتی ہیں۔ شام کا کام دیکھنے کی ہمت نہیں کر پاتیں۔ میں نے سوچا! رات کا کھانا میں ہی اپنے ذمے لے لوں۔ ویسے بھی نزہت کے جانے کے بعد رات کے کھانے کی پریشانی رہنے لگی ہے۔''

بجیا! بیا کی بات کا پس منظر بخوبی سمجھتے ہوئے بھی شرمساری ہوگئیں۔

''سوری بیا۔'' انھوں نے بیا کے ہاتھوں سے چاول کی سینی لیتے ہوئے کنکھیوں سے جویا کو دیکھا اور بولیں۔ ''آج کے بعد آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔''

''شکایت کی کیا بات بیٹی۔'' بیا روحانیت سے بولے۔ ''ریٹائرڈ آدمی ہوں آخر میرا بھی تو کچھ مصرف ہونا چاہیے۔ آدمی کام کرتا ہی اچھا لگتا ہے۔''

''لیکن ہر آدمی کا ایک مقام ہوتا ہے اور وہ اپنے مقام پر ہی کام کرتا اچھا لگتا ہے۔''

''ارے بیٹی! اپنے گھر کا کام کرنے میں کیا شرم! اپنے گھر کا کام ہم نہیں کریں گے تو کیا پڑوسی آکر کریں گے۔'' بیا نے بجیا کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے چاول کی سینی دوبارہ لینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''لاؤ آج ہم پکائیں گے کھانا..... مرد زیادہ اچھے خانساماں ہوتے ہیں۔''

''پلیز! اب آپ ہمیں زیادہ شرمندہ مت کیجیے۔ رات کا کھانا آج سے میں اور جویا پکایا کریں گے..... کیوں جویا! ٹھیک ہے نا؟''

''جی!'' جویا نے چونک کر بجیا کو دیکھا پھر بولی۔ ''جی ہاں۔''

''سوچ لو بیٹی۔'' بیا نے بجیا سے کہا۔

''ارے بیا! سوچنے کی کیا بات..... گھر کا کام ہم عورتیں نہیں کریں گی تو کیا مرد کریں گے۔''

بیا زیر لب مسکرا دیے پھر بولے۔ ''بعض گھروں میں گھر کا کام بھی مردوں ہی سے کروایا جاتا ہے بیٹی! ان گنہگار آنکھوں سے ہم نے بعض گھروں میں مردوں کو جھاڑو برتن اور ہنڈیا روٹی کرتے ہی نہیں بچوں کے پوتڑے بھی دھوتے دیکھا ہے۔''

''اور گھر کی عورتیں کیا کرتی ہیں؟'' بجیا مسکرائیں۔

''آرام..... فقط آرام۔''

''لعنت ہو ایسی عورتوں پر۔'' بجیا نے کنکھیوں سے جویا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

جویا چپ سی ہوگئی تھی۔

سمجھ گئی کہ اس مکالمے کا سیاق و سباق کیا تھا۔

اُس کے چہرے پر خشونت در آئی تھی۔

بابا نے اُس کی خشونت تازلی اور ماحول پر چھا جانے والی گھمبیرتا کو توڑنے کے لیے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔ ”بیٹی! ایک لطیفہ یاد آ گیا ہے سن لو۔“

”جی بابا۔“ بجیا ہمہ تن گوش ہو گئیں۔

”ایک پرائمری اسکول کے استاد نے اپنی جماعت کے بچوں کو ایک مضمون لکھنے کے لیے دیا جس کا عنوان تھا ”میرے والد“ ایک آٹھ سالہ بچے نے اپنے باپ کے بارے میں لکھا ”میرے والد بہت بہادر اور عظیم ہیں۔ وہ بڑے سے بڑا دریا پار کر سکتے ہیں۔ اونچے اونچے پہاڑوں پر چڑھ سکتے ہیں، شیر سے لڑ سکتے ہیں، دشمن کو مار سکتے ہیں لیکن...... وہ اپنا زیادہ وقت گھر کے جھوٹے برتن اور کپڑے دھونے میں گزارتے ہیں۔“

بجیا مسکرا دیں۔

مگر جویا کے چہرے پر بدستور تناؤ کی کیفیت رہی۔

بجیا اس کی ناگواری کو خاطر میں نہ لائیں۔

اُسے برا لگتا تو لگے۔

وہ بالی عمر کی کوئی نوخیز اور ناسمجھ لڑکی تو تھی نہیں۔

چھبیس ستائیس برس کی پڑھی لکھی سمجھدار عورت تھی۔

اسے اپنے فرائض اور ذمے داریوں کا احساس ہونا چاہیے تھا۔

اگر اُسے روایتی سسرال اور جھکیں رکھنے والی سسرال نہیں ملی تھی تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ وہ اس کا ناجائز فائدہ اُٹھاتی۔

اُسے تو اچھی سسرال ملنے پر اللہ کا شکر ادا کر کے اس گھر کے دھارے میں شامل ہو جانا چاہیے تھا، خود غرضی کو دل سے نکال کر بے غرضی سے اس گھر کے دکھ سکھ میں شامل ہو جاتی اور اپنے حقوق کے ساتھ فرائض پر بھی توجہ رکھتی۔

بابا استاد تھے۔

فطرتاً صلح جو اور امن پسند آدمی تھے۔

تھوڑے بہت مصلح بھی تھے۔

اپنی طویل پیشہ ورانہ زندگی میں انہوں نے بہت سے بگڑے ہوئے شاگردوں کو سدھارا تھا، سرزوروں کو لگام دی تھی۔

ڈرا یا دھمکا کر نہیں۔

جبر و تشدد سے نہیں۔

محبت اور رسانیت سے۔

حلیم الطبع اور دلسوزی سے۔

سہج سہج۔

جیسے کوئی ماہر رفوگر تانے کو تانے اور بانے کو بانے سے ملا کر رفوگری کرتا ہے۔

گھر کی بہو کو اس کے فرائض اور ذمے داریوں کا احساس دلانا بابا کے نزدیک زیادہ احتیاط طلب مرحلہ تھا۔

بجیا سمجھ گئیں کہ بابا کا کچن میں کام کرنے کے لیے آنا اصلاحِ احوال کی کوشش تھی۔ مگر

جویا نے اپنے دل ہی دل میں اسے بڑے میاں کی عیاری سے تعبیر کرتے ہوئے سوچا۔ ”کیسے ڈرامہ باز ہیں بڑے میاں کھانا پکانے کو آ کھڑے ہوئے۔ پچھلے جنم میں باورچی رہے ہوں گے۔“

”اچھا مدحت بیٹی! تم ہمارے ہاتھ کا بدذائقہ کھانا نہیں کھانا چاہتیں تو ہم چلے۔ تم اور بہو مل جل کر پکا لو۔“

بابا کچن سے چلے گئے۔

”اونہہ! کیسی چالاک سسرال ملی ہے مجھے...... خدا غارت کرے ان ڈرامہ بازوں کو۔“ جویا نے جی ہی جی میں سسرال والوں کو کوسا۔

چائے کے بعد وہ با دلِ ناخواستہ بجیا کے ساتھ رات کے کھانے کی تیاری میں لگ گئی۔

بجیا نے رات کے لیے دال خشکہ پکانے کے ساتھ ہی اگلے دن کے لیے کوفتے بنا کر رکھنے کا ارادہ بھی کر لیا اور کوفتوں کے لیے فریزر سے قیمہ نکالتے ہوئے انہیں شامی کباب بنا کر رکھنے کا خیال بھی آ گیا۔

”جویا! شامی کبابوں کا مصالحہ بھی اُبال کر رکھ لیتے ہیں۔ پیس کر کباب کل بنا لیں گے۔ کباب بنے رکھے رہیں تو وقت بے وقت کام آ جاتے ہیں۔ نزہت بے چاری نے ماؤں سے پہلے ڈھیروں کباب بنا کر رکھ دیے تھے فریزر میں، سب مہمانداری میں اُٹھ گئے۔“ بجیا نے کہا۔

اور جویا من ہی من میں بڑبڑا رہی تھی۔

”سوچا تھا اماں کے ہاں گئے تین چار دن ہو گئے۔ آج ضرور جاؤں گی مگر...... یہاں پھنس گئی۔“

کوفتوں کو بھی آنچ پر بھاپ دیتے ہوئے بجیا بولیں۔ ”کل صبح یونیورسٹی جانے سے پہلے میں مصالحہ دے دوں گی کوفتوں کو...... امی بے چاری کا کام کچھ ہلکا ہو جائے گا۔“

جویا نے تیز آنچ پر دھرے شامی کبابوں کے مصالحے میں چمچہ چلا کر دیگچی پر اتنی زور سے ڈھکنا رکھا کہ بجیا اور معوذ چونک گئے۔

”موجو! کھانے کا وقت ہو رہا ہے، ذرا فریج میں سے سلاد کا سامان تو نکال لانا۔“ بجیا بولیں۔

”اچھا جی۔“

موجو واپس پلٹا تو نزہت اور مسعود کے آنے کی خبر بھی لایا۔

”بہت یاد آ رہی تھی نزہت مجھے۔“ بجیا بولیں۔

”اونہہ“ جویا نے [illegible] جھٹکا۔

"جویا! تم ذرا کوفتوں کا خیال رکھنا' کہیں پانی خشک ہو کر لگ نہ جائیں' میں نزہت اور مسعود سے مل کر ابھی آئی۔" بجیا نے کچن کے دروازے کا رخ کرتے ہوئے کہا۔

جویا نے گردن کو خفیف سا موڑ کر ترچھی نگاہوں سے دروازے کے رخ دیکھا اور جی ہی جی میں پھنکاری۔

"اونہہ! اب تک تو نگہت بیگم کا ڈولا ہی کسار رہتا تھا' اب دوسری کی سواری بھی آیا کرے گی۔ خدا غارت کرے' ان ڈائنوں کو...... یک نہ شد دو شد۔"

دروازے کے رخ سے اس کی نظر پلٹی تو موجو کھیرا چھیلتے ہوئے گہری نگاہوں سے اسی کو دیکھ رہا تھا۔ جویا گڑبڑا گئی۔

موجو معنی خیز انداز میں مسکرا دیا۔

"لو جی بھابی جی...... اب آپ کو چھوٹی بی بی اور اماں کے دولھے واسطے کچھ میٹھا بھی بنانا پڑے گا...... اُدھر ہمارے گاؤں میں جو نئے نوے دولہا دلہن گھر آتے ہیں نا جی' اماں کو ہم لوگ میٹھا ضرور کھواتے ہیں۔"

"زیادہ باتیں نہ بناؤ' اپنا کام کرو۔"

"اچھا جی۔" موجو شرمندہ سا ہو گیا۔

چند لمحے خاموشی رہی پھر موجو بولا۔ "بھابی جی...... اگر جو نگہت باجی آ گئی اپنے بچوں کے ساتھ فیر تو کھانا کم پڑ جائے گا جی۔"

"تیرے منہ میں خاک۔" جویا منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

"ہیں جی۔"

"اپنا کام کرو۔" جویا نے موجو کو پھٹکارا۔

نزہت اور مسعود کے آنے کی خبر سن کر جویا کے دل میں اپنے میکے کی ہوک اٹھ رہی تھی۔

باورچی خانے میں نہ گھسی ہوتی تو اس وقت وہ بھی اپنے میکے میں بیٹھی ہوتی۔

اسے اپنی بے بسی پر کوفت ہونے لگی۔

لاحول ولاقوة!

اس کھڑاگ سے تو وہ پہلے والی زندگی اچھی۔

کیسی آزادی اور خوشی بھری کی زندگی تھی۔

بس کبھی کبھار کسی بات پر اماں ہی کی صلواتیں تو سننی پڑ جاتی تھیں۔ کسی اور کی مجال نہ تھی کہ کچھ کہہ سکے۔ یہاں تو ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا پڑتا تھا۔

اپنی مرضی سے نہیں' دوسروں کی مرضی سے چلنا پڑتا تھا۔

بجیا واپس آئیں تو انہوں نے کہا۔ "نزہت اور مسعود بھی ہوں گے کھانے پر' کوفتے تو تیار ہیں ہی' میرا خیال ہے' مصالحہ دے کر سالن بنا لیا جائے۔ دو چار چپاتیاں ڈال لیں گے۔ میز ذرا جم جائے گی۔ کیوں جویا ٹھیک ہے نا؟"

"ٹھیک ہے۔" وہ ماندے جی سے بولی۔

"ذرا تم مصالحہ بگھارنے کے لیے پیاز تو کتر دو۔" بجیا نے مزید کہا پھر اگلے ہی لمحے بولیں۔ "ایسے کرو' پہلے نزہت اور مسعود سے ہیلو ہائے کر آؤ۔"

"بڑے وی آئی پی ہیں نا جو ہیلو ہائے کر آؤں۔" جویا نے ناگواری سے سوچا۔

بہرحال ہیلو ہائے کرنا لازم تو تھی۔ وہ باورچی خانے سے نکل ہی رہی تھی کہ نزہت' مریم کو گود میں لیے آ پہنچی۔

"السلام علیکم بھابی۔"

"وعلیکم السلام۔" بڑی بھاوج ہونے کے ناتے اسے نزہت کو گلے لگانا پڑا۔ کیسی منافقت تھی! دل کہتا تھا۔

"دور...... دفع۔"

اور دکھاوے کو گلے سے لگانا پڑتا تھا!

"کیسی ہو؟"

"ٹھیک ٹھاک۔"

"مسعود کیسے ہیں۔"

"آپ خود پوچھ لیجیے گا۔" نزہت شرما گئی۔

"ہنی مون پر کب جا رہے ہو تم لوگ؟"

"منڈے کو۔"

جویا کو دیکھ کر مریم رونے لگی تھی

"آؤ...... آؤ میری جان۔" جویا نے مریم کو نزہت کی گود سے لے لیا۔

"ہو کیا رہا ہے؟" نزہت نے باورچی خانے میں ایک طائرانہ نگاہ دوڑائی۔

"کچن میں کیا ہو سکتا ہے۔" بجیا مسکرائیں۔

"سلام چھوٹی بی بی۔" موجو نے نزہت کو سلام داغا۔

"اتنی دیر میں۔" نزہت بولی۔

"میں نے سوچا تھا' پہلے آپ بھابی جی سے سلاما لیک کر لیں۔"

"کیسے ہو؟"

"بہت اچھا جی۔"

"بڑی زبردست خوشبو آ رہی ہے' کیا پکا رہی ہیں بجیا!"

"کوفتوں کی خوشبو ہے' ویسے تمہارا مرغوب کھانا دال خشکہ بھی تیار ہے۔"

"بجیا! ہم لوگ نہیں کھا سکیں گے۔"

"کیوں؟"

"ہم کہہ...... آج باہر کھانا کھائیں گے۔"

"یہ کون!" بجیا نے اُسے چھیڑا۔
"مسعود اور کون۔" وہ شرما کر بولی۔
جویا کو نزہت کے مقدر پر رشک آنے لگا۔
کیسے چوم چاٹ کر لے گئی تھیں مسز لطیفی اُسے!
سچ ہے جب رشتہ اوپر طے ہو تو لے جانے والے تمنا پا دیکھتے ہیں نہ بھدا پن۔ کچن کی کھڑکی سے فرزین نے اندر جھانکتے ہوئے پوچھا۔ "کیا پک رہا ہے جناب؟"
"السلام علیکم فرزین بھائی۔"
"ارے! جویا آئی ہے۔" فرزین مسکرا دیا اور پلک جھپکتے میں کچن میں در آیا۔
"فرزین بھائی!" نزہت جھکی پھر لجاجت سے بولی۔ "دیکھئے آپ ہمیں اُن کے سامنے ہرگز مت چھیڑیے گا۔"
"اُن کے..... کن کے..... کون کے؟" فرزین کی مسکراہٹ گہری پڑ گئی۔
"بھئی نزہت کے دولہا کے سامنے۔" بجیا بولیں۔
"بائی دی وے تمہارے دولہا ہیں کیسے؟"
"بہت اچھے۔"
"آں ہاں۔"
"جناب!"
"اچھا بھئی، کھانے کو تم نے منع کر دیا..... یہ بتا دیجیے گے کیا تم لوگ؟"
"جو آپ پلا دیں گی پی لیں گے۔"
"کافی بناؤں؟"
"لائیے ہم خود بنائے لیتے ہیں۔"
"نہیں جناب۔ آپ رہنے دیں۔ آپ اب اس گھر کے لیے مہمان ہو گئی ہیں۔ مہمانوں کی طرح رہیے۔"
"جی نہیں۔ آپ ہمیں نگہت باجی مت سمجھئے۔ ہمیں کام کے بغیر چین ہی نہیں پڑتا۔ دو منٹ میں کافی بناتے ہیں ہم سب کے لیے۔" نزہت نے کافی بنانے کی تیاری کی۔
"بائی دی وے کھانے کو کیوں منع کر دیا؟" فرزین نے پوچھا۔
"اِن لوگوں کا باہر کھانا کھانے کا پروگرام ہے۔" بجیا نے بتایا۔
"اے!" فرزین نے نزہت کو تنبیہی نگاہوں سے گھورا۔ "باہر کھا کھا کر اور موٹی ہو جاؤ گی سمجھیں۔"
"آپ فکر مت کیجئے آپ کے لیے ہم اپنے سے بھی زیادہ موٹی لڑکی ڈھونڈیں گے اور انہیں موٹی بھابی کہا کریں گے۔"
"شکریہ آپ کو کوئی ضرورت نہیں ہے یہ زحمت کرنے کی۔ لڑکی ہم خود ڈھونڈ لیں گے۔"

"اللہ! آپ کو شرم نہیں آئے گی۔"
"تمہارے میاں کو آئی تھی کیا؟"
نزہت نے شرما کر اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا اور بولی۔ "انہوں نے تھوڑی، ہماری ساس نے ڈھونڈی تھی اُن کے لیے لڑکی۔"
"ارے چھوڑو..... تم نہیں جانتیں، یہ لڑکے بڑے تیز ہوتے ہیں۔ لڑکی پسند خود کرتے ہیں اماں اور بہنوں کو اشارہ کر دیتے ہیں کہ اب آپ لوگ رشتہ لے کر جائیں..... کیا اپنے یقین بھائی نے بھی یہی نہیں کیا تھا؟"
جویا نے چونک کر فرزین کو دیکھا۔
"اتنا سفید جھوٹ مت بولو فرزین..... یقین بے چارے کو تو پتا بھی نہیں تھا کہ کہاں اور کون سی لڑکی پسند کی ہے ہم لوگوں نے اُس کے لیے۔" بجیا نے کہا۔
"بھابی!" فرزین نے روئے سخن جویا کی طرف کیا۔ "اچھا اگر آپ کو میری بات کا یقین نہیں تو آپ یقین بھائی سے پوچھیے گا کہ کیا امی اور بجیا وغیرہ سے پہلے ہی انہوں نے آپ کو اپنے لیے پسند نہیں کر رکھا تھا۔"
فرزین کے لبوں پر بکھری مسکراہٹ گواہ تھی کہ وہ مذاق کر رہا تھا۔
مگر جویا یک بیک انتہائی سنجیدہ بلکہ قدرے رنجیدہ بھی دکھائی دینے لگی اور ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔ "کاش ایسا ہی ہوتا۔"
بجیا، نزہت اور فرزین چونک کر اُسے دیکھنے لگے اور وہ مریم کو اپنی گود میں لیے چپ چاپ منظر سے نکل گئی۔
بجیا، نزہت اور فرزین نے ایک دوسرے کو دیکھا۔
نزہت نے نظروں ہی نظروں میں بجیا سے پوچھا۔ "انہیں کیا ہوا؟"
بجیا نے شانے اچکاتے ہوئے نگاہوں ہی نگاہوں میں جواب دیا۔ "پتا نہیں۔" پھر نزہت سے بولیں۔ "نزہت تم جاؤ کافی میں لے کر آتی ہوں۔"
"ہم لے جائیں گے بجیا۔"
"نہیں..... تم رہنے دو..... مسعود سوچیں گے کہ آتے ہی میری بیگم کو کام میں لگا دیا۔"
نزہت محجوب ہو گئی۔
"شاباش تم جاؤ میں لا رہی ہوں لیکن دیکھو امی سے جویا کی بات نہ کہنا۔"
"ہماری عادت آپ کو پتا ہے بجیا۔"
"مجھے پتا ہے لیکن احتیاطاً سمجھا رہی ہوں تمہیں۔"
"چلیے فرزین بھائی آپ بھی چلیے۔"
"تم چلو میں آتا ہوں۔"
نزہت کے جانے کے بعد فرزین نے موجودگی کے خیال سے بہت آہستہ سے

پوچھا۔ ”یہ بھابی کیا کہہ گئیں؟“
”اُن کی مرضی..... اُن کا جو جی چاہے کہہ جائیں..... کوئی منع کر سکتا ہے اُنہیں۔“
”بہت بڑی اور گہری بات کہہ گئی ہیں۔“ فرزین نے لحظہ بھر کو توقف کیا پھر بولا۔ ”میں تو سمجھتا تھا کہ بھابی بہت خوش اور مطمئن ہیں مگر جو بات وہ اِس وقت کہہ گئی ہیں اِس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ.....“
”کہ؟“ بجیا نے استفہامیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔
”کیا بھابی..... خوش نہیں ہیں؟“ اس نے دبی دبی آواز میں پوچھا۔
”میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ یہ تو وہی بتا سکتی ہیں۔“
اُس نے شانے اُچکائے پھر دروازے کا رُخ کرتے ہوئے بولا۔ ”آپ کافی لا رہی ہیں نا؟“
”بس ابھی لائی۔“

☆=====☆=====☆

کبھی کبھی ایک لمحے کی جھلاہٹ انتہائی شرمندگی اور پچھتاوے کا سبب بن جاتی ہے۔
کہنے کو تو جویا وہ بات کہہ گئی مگر بعد میں اُسے اِس خیال سے از حد کوفت ہوئی کہ فرزین نے خدا جانے کیا سوچا ہوگا۔
ویسے اپنے حسابوں اُس نے بات ایسی کچھ زیادہ غلط بھی نہ کہی تھی۔
ہر لڑکی کی طرح اُس نے بھی شادی سے پہلے کچھ سپنے دیکھے تھے۔
ہر شادی شدہ عورت کی طرح وہ بھی اپنے خوابوں کی تعبیر چاہتی تھی۔
اُس کا خیال تھا' شوہر اپنی پوری کمائی اُس کے ہاتھ پر لا کر دھرا کرے گا۔
وہ سیاہ و سفید کی مختار ہوگی۔
گھر کو اپنی مرضی سے چلائے گی۔
دونوں کمائیں گے۔
میاں کی تنخواہ سے گھر چلے گا۔
اُس کی تنخواہ سو بھی بچے گی۔
بڑے ٹھاٹھ کی زندگی ہوگی!
کوئی کچھ کہنے سننے والا نہ ہوگا۔
کوئی پابندی' کوئی مجبوری نہ ہوگی۔
جب جی چاہے گی' میکے آئے جائے گی۔
جسے چاہے گی' میکے سے بلا کر اپنے پاس رکھے گی۔
کبھی اماں اُس کے پاس رہا کریں گی' کبھی ابا کبھی زویا اور کبھی تینوں اکٹھے۔
کیا عجب کہ وہ تینوں کو مستقلاً ہی اپنے پاس رکھ لے۔
اپنی مرضی سے کھائے گی۔

اپنی پسند کا پہنے گی۔
مگر ساری سوچیں دھری کی دھری رہ گئی تھیں۔
یقین کی تنخواہ قربانی کے حصوں کی طرح تقسیم ہو جاتی۔
گھر ساس چلاتیں۔
بظاہر خود مختار ہوتے ہوئے بھی اُسے ہزاروں پابندیوں' ہزاروں مجبوریوں میں رہنا پڑتا۔
کہنے سننے کو ایک نگہت ہی بہت تھی۔
کمبخت! آفت کی پرکالہ! اللہ بچائے۔
گھر میں تو اپنی مرضی کا کھانے کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔
اپنی مرضی کا کھانا کھانے کے لیے جھوٹے سچے بہانوں سے یقین کے ساتھ باہر جانا پڑتا اور گھر سے باہر کھاتے ہوئے گھر والوں میں سے کسی کے دیکھ لینے کا دھڑکا لگا رہتا۔
اپنی پسند کا پہنتی تو ساس نندیں اپنی رائے بعد میں دیتیں پہلے اُنہیں یہ فکر لگ جاتی کے کتنے کا خریدا؟ کہاں سے لیا؟ کس سے سلوایا؟
اُس کے سارے خواب اُلجھ کر رہ گئے تھے اور خوابوں کے اُلجھ جانے پر وہ خود بھی اُلجھی اُلجھی رہنے لگی تھی۔
شادی سے پہلے میکے میں ایک اماں ہی تھیں' روک ٹوک کرنے والی۔
سسرال میں بیسیوں موقعوں پر اپنی مرضی کے خلاف جانا اور اپنے دل کو مارنا پڑتا تھا۔
بہت مہذب اور سمجھدار سسرال ملی تھی۔ نیچوں کی طرح ہر وقت ہائے ہائے پٹ پٹ نہ رہتی تھی مگر مہذب لوگ تو زیادہ کاری وار کرتے ہیں۔ ہنسی ہنسی میں ایسا بھالا مار جاتے ہیں کہ آدمی بلبلا کر رہ جائے۔
نہ پرواہ کرتے ہوئے بھی ایک ایک کے تیور دیکھنے پڑتے۔
توبہ! توبہ!
کس حکیم نے کہا ہے کہ شادی کرو۔
بے شادی ہی بھلے۔
ساری آزادی سلب ہو کر رہ جاتی ہیں۔
بچی کی پیدائش کے بعد تو سب بچی کی بہی خواہی کے بہانے اُس کے دشمن بن گئے تھے۔
فریج سے کوئی ٹھنڈی چیز مت کھانا' مریم کی ناک بہنے لگے گی۔
کوئی ثقیل چیز مت کھانا' بچی کے پیٹ میں درد ہو جائے گا۔
لیٹ کر دودھ مت پلاؤ' اس کا کان بہنے لگے گا۔
مریم کے کان میں درد ہوتا یا پیٹ میں..... ناک بند ہوتی یا بخار چڑھتا..... اُس کی ہر تکلیف کو لامحالہ جویا کی کسی بدپرہیزی یا بے احتیاطی سے ملانے کی کوشش کی جاتی۔
تم نے آئس کریم کھائی تھی نا' بچی کی ناک بہہ نکلی۔

کوئی غلط چیز کھائی ہوگی تم نے تبھی تو دست کر رہی ہے۔
رات کو کھلی پڑی رہی ہوگی تبھی بخار چڑھ گیا۔
بچی ریش ہوگئی لگتا ہے رات کو پیشاب میں بھیگی پڑی رہتی ہے۔
مریم کی ہر اچھی بات ددھیال والوں کے کھاتے میں جاتی۔
خوش مزاجی میں تو دادا پر گئی ہے!
بال پھوپھیوں کی طرح گھنے ہیں!
بیماری میں دادی کی طرح چپ پڑی رہتی ہے تنگ نہیں کرتی!
مسکراتی تو بالکل اپنے باپ کی طرح!
مریم کے بہانے بڑی چالاکی سے اُس پر پابندیاں عائد کرنے کوشش کی جاتی۔
سردیاں شروع ہوگئی ہیں بچی کو شام کے وقت لے کر مت نکلا کرو۔
دو دن کو میکے چلی جاتی ہو تم تو مریم کے بغیر سارا گھر اُداس ہو جاتا ہے۔
لاحول ولا قوۃ۔

فری پیریڈز اور وقفے میں جب وہ اور اُس کی قریبی کولیگز مل بیٹھ کر اپنی اپنی سسرال کی ہجو پڑھتیں تو بعض دفعہ تو کلیجہ منہ کو آنے لگتا۔

اُس کی ایک سسرال گزیدہ سینیئر کولیگ کہا کرتی تھیں کہ خدا لڑکی والوں کو عقل دے تو نکاح کے وقت لکھوا لیا کریں کہ شادی کے بعد اُن کی بیٹی سسرال میں نہیں رہے گی۔

مسز رحیم بخش بھی جو پورے اسٹاف میں ایسی واحد شادی شدہ خاتون تھیں جو بھری سسرال میں رہتے ہوئے بھی اپنے سسرال والوں کے خلاف کوئی شکایت کوئی حکایت نہ رکھتی تھیں ایک روز وہ بھی یہ کہہ بیٹھیں۔ "جوائنٹ فیملی سسٹم میں ایک نقصان یہ ہے کہ دادا' دادی اور پھوپھیوں کا بے جا لاڈ پیار بچوں کو بگاڑ دیتا ہے۔"

"ارے مسز رحیم بخش' آپ صرف بچوں کے بگڑنے کی بات کرتی ہیں سسرال میں رہنے سے پوری زندگی کا نقشہ ہی بگڑ جاتا ہے۔" مسز مصباح نے خاصے رقت انگیز لہجے میں کہا۔

"سچ کہتی ہیں مسز مصباح۔" مسز وحید الزماں نے درد بھری آواز میں تائید کی۔ "آدمی کی اپنی مرضی کی کچھ اہمیت ہی نہیں رہتی۔ اپنی انفرادیت کو سسرال کی اجتماعیت کی بھینٹ چڑھا دینا پڑتا ہے۔ ایثار و قربانی کا بکرا بننا پڑتا ہے۔"

"ہاں جی۔" اسٹاف روم کے انتہائی غربی گوشے میں کاپیاں چیک کرتی مسز نواز نے اپنی عینک کے ہلکے گلابی شیشوں کے پیچھے سے اپنی ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور سسرال والوں کی ہمارے میکے والوں سے تو جیسے دشمنی ہوتی ہے۔ جوں ہی میری ساس خبر لگتی ہے تا جی کہ میں امی جی کے گھر جانے لگی ہوں' اُن کا بلڈ پریشر ہائی ہونے لگتا ہے۔"

"مسز نواز ایک دم ٹھیک بول رہی ہیں۔" مسز انوری رئیس نے تائید کی پھر بولیں۔ "میں جب اپنے میکے جاتی ہوں تو میری ساس کا موڈ آف ہو جاتا مگر جب میری نندان آتے تو اُن اپنی بیٹیوں

کے آنے پر اتنے خوش ہوتے کہ میں بول نہیں سکتی ہوں۔"

"ہاں..... اپنی بیٹیوں کے آنے پر تو ہماری ساس صاحبہ بھی کھل اٹھتی ہیں۔" مسز مفتی بولیں۔ جویا کا تجربہ بھی کچھ مختلف تو نہ تھا سو اُس نے بھی تائید کی۔

نگہت کے آنے پر امی کیسے کھل اٹھتی تھیں!
ماموں اور خالائیں اس کی بیٹیوں کی کیسی ناز برداریاں کرتے تھے!
اور اب تو خیر سے نزہت بھی لائن میں لگ گئی تھی۔
نئے نئے دن تھے' وہ جب بھی مسعود کے ساتھ میکے آتی' سر آنکھوں پر جگہ پاتی۔

باورچی خانے کے دھندوں میں گھر جانے کے بعد جویا کو اس شام میکے نہ جا سکنے کا جو قلق تھا' نزہت اور مسعود کی آمد نے اس جلتی پر تیل کا کام کیا۔ جھلاہٹ کی کیفیت میں مریم کو لیے وہ سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

یقین تو بستر پر لیٹا ہوا تھا' بولا۔ "ارے بھئی آج تو تم اپنے گھر جانے کو کہہ رہی تھیں..... کیا پروگرام ملتوی کر دیا؟"

"کھانا پکانے میں لگ گئی۔"

"چلو..... کوئی بات نہیں..... کل چلے چلیں گے۔"

"کل کھانا نہیں پکانا ہوگا کیا!" وہ تلخ لہجے میں بولی۔ "آج نزہت آئی ہیں' کل نگہت آجائیں گی۔"

"نزہت آئی ہے!" یقین اُٹھ بیٹھا۔

"جی ہاں..... دونوں آئے ہیں..... نزہت اور مسعود۔"

"اوہو! کسی نے بتایا ہی نہیں۔" یقین اُٹھ کھڑا ہوا اور خاصی عجلت میں چپلی پاؤں میں پہن کر کمرے سے نکل گیا۔

جویا نے سر کو خفیف سا موڑ کر دروازے کے رُخ دیکھا اور اُس وقت تک دیکھتی رہی' جب تک یقین کمرے سے باہر نہ چلا گیا۔

"اونہہ!" جویا نے اُس کے جانے کے بعد سر کو جھٹکتے ہوئے زیر لب کہا۔ "یوں گئے ہیں' جیسے کوئی بیگم صاحبہ اپنے لاٹ صاحب کے ساتھ گھر آئی ہیں۔"

مریم کو گود میں لیے وہ ڈریسنگ ٹیبل کے روبرو آ کھڑی ہوئی اور اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے اُس کے کانوں میں فرزین کی آواز کی بازگشت گونجنے لگی۔

"اچھا اگر آپ کو میری بات کا یقین نہیں تو آپ یقین بھائی سے پوچھیے گا کہ کیا امی اور بجیا وغیرہ سے پہلے ہی انہوں نے آپ کو اپنے لیے پسند نہیں کر رکھا تھا۔"

"کاش نہ کیا ہوتا!" جویا کے اپنے الفاظ کی بازگشت تھی۔
جویا کی جھلاہٹ یک بیک شرمندگی میں بدل گئی۔

"اوہ!"

"یہ کیا کہہ آئی میں!"

"فرزین نے خدا جانے کیا مطلب نکالا ہو!"

اُس کے دل میں شرمندگی پاؤں پسار چکی تھی۔

"اور یہ..... میں..... میں یہاں کیوں چلی آئی!"

"مسعود سے ہیلو ہائے کرنے کے لیے جانا چاہیے تھا مجھے۔"

"اب کیونکر جاؤں!"

"شرمندگی کو لاکھ چھپاؤں گی مگر چھپ نہ پائے گی۔"

"یہ..... مجھے..... ہوا کیا تھا!"

"کتنی بُری طرح میں نے کہا..... کاش نہ کہا ہوتا..... فرزین ہکا بکا میرا منہ دیکھتا رہ گیا۔"

کتنی ہی دیر وہ شرمندہ شرمندہ سی آئینے کے روبرو کھڑی رہی۔

اُسے اپنے آپ سے نظریں ملاتے شرم آ رہی تھی۔

پھر

احساسِ شرمندگی ایک دھیمی دھیمی سی کوفت میں بدل گیا۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ صبح سے دوپہر تک اسکول میں خواری..... شام کو چائے بناؤ..... کھانا پکاؤ..... کھانا لگاؤ..... کھانا کھلاؤ..... اور..... ان کی بیٹیوں اور دامادوں کی آؤ بھگت بھی کرو..... واہ! ہم کوئی نوکر تو نہیں بن کر آئے اس گھر میں!"

آئینے میں نظر آنے والی عورت نے تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "ایک دن باورچی خانے میں کھڑی ہوئیں اور موڈ بگڑ گیا۔"

"اب روز کھڑا ہونا پڑے گا۔" جویا بولی۔

"تو کیا ہوا؟"

"کچھ ہوا ہی نہیں!"

"ہاں کیا ہوا! گھر بھی تو تیرا ہے۔" آئینے میں نظر آنے والی نے کہا۔

اُونہہ! جتنا ہے میرا مجھی کو پتا ہے۔"

"اوکے..... اوکے..... زیادہ غصہ مت کر۔"

"کیسے نہ کروں..... دل جلتا ہے۔"

"عقل سے کام لے..... یہ گھر تیرا ہی ہے۔ یہ دیکھ! نگہت اس گھر میں آ کر لاکھ بگڑی جائے لاکھ بی جمالو پن دکھا لے..... اس گھر سے اُس کا تعلق بس اب اتنا ہی ہے کہ وہ اس گھر کی بیٹی ہے..... نزہت موٹی بھدی بھی گئی..... بس ایک مدحت پڑی ہے' کیا عجب کہ اس کا بھی کچھ ہو جائے۔ بڑے میاں اور بڑی بی کوشش میں تو بہت ہیں..... اگر اس کا کچھ بندوبست نہ بھی ہوا اور وہ اسی گھر میں پڑی رہے تو بھی کیا نقصان، طلاق یافتہ ہونے کی وجہ سے دب کر رہتی ہے رہے بڑھا بڑھیا تو وہ بھلا کتنے دن کے..... آج مرے کل دوسرا دن۔ رہ گئے مجنوں بھائی تو یقین تو ہے ہی تیرا..... اگر قسمت ساتھ دے جائے اور زیبا بھی آ جائے اس گھر میں تو ذہین والی جب بھی آئے گی' اقلیت میں رہے گی۔ عقل پکڑ اور فرزین کو قابو میں کرنے کی کوشش کر..... تیکھی بن کر رہا کر اُس کے سامنے..... وہ قابو میں آ گیا نا تو سب دب جائیں گے۔ تیرا پلڑا بھاری ہوگا۔" آئینے میں نظر آنے والی شبیہ نے بڑی دلسوزی سے اُسے سمجھایا۔

ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے جویا نے اپنے چہرے کے بگڑے خطوط کو سنوارا اور اپنے چہرے پر پانی کے چھپکے مارنے کو باتھ روم میں گھس گئی۔

اِدھر لاؤنج میں بیا' مسعود' یقین اور فرزین ملکی سیاست پر گرما گرم گفتگو کر رہے تھے اور امی دھیرے سے مدحت بجیا سے پوچھ رہی تھیں۔ "دلہن کہاں ہیں؟"

"اپنے کمرے میں۔" بجیا نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"مجھے اُن کی یہ عادت زہر لگتی ہے۔"

"کون سی عادت امی؟"

"کوئی آئے جائے تو مل کر نہیں بیٹھتیں' اچھوتوں کی طرح دور دور رہتی ہیں۔ چلو افتخار تو پرانے ہو گئے ان کی عادت کو سمجھ گئے' مسعود پر کیا اثر پڑے گا۔"

"ہمیں تو بھابی کا موڈ کچھ آف لگ رہا تھا۔" نزہت بولی۔

"ارے اُن کا موڈ اچھا ہی کب ہوتا ہے۔" امی نے کہا۔

"آج تو انہوں نے بڑی عجیب سی بات کی۔"

"کیا؟" امی نے چونک کر نزہت کو دیکھا۔

"کہنے لگیں....."

بجیا کو بیک وقت انگلی اور نگاہوں سے تنبیہی اشارہ دیتے ہوئے دیکھ کر نزہت نے اپنی بات اُدھوری چھوڑ دی۔

"امی کو مت بتاؤ" بجیا خاموش تنبیہ کر رہی تھیں۔

"ہاں' کیا کہنے لگیں؟"

نزہت نے مددطلب نگاہوں سے بجیا کی طرف دیکھا۔

"کہہ رہی تھیں' کھانا پکانا بہت مشکل کام ہے۔" بجیا نے بڑی خوبی سے بات بنانے کی کوشش کی۔

نزہت نے نظروں ہی نظروں میں کہا..... "واہ! کیا بات بنائی ہے آپ نے!"

"اُن سے کہا ہوتا' بہت دن بٹھا کر کھلایا آپ کو..... اب کچھ آپ بھی کریں۔" امی بولیں۔

"ارے امی' چھوڑیے' بحث میں کیا پڑنا۔" مدحت بجیا نے رسانیت سے کہا۔

"بحث میں پڑنا ہو یا نہ پڑنا ہو گھر کا کام اب وہ بھی کریں گی۔" امی کا لہجہ دوٹوک تھا۔

"کیوں نہیں..... ضرور کرنا چاہیے۔"

"دیکھو..... بیگم صاحبہ آئی نہیں مسعود سے ملنے..... ارے پر جلتے ہیں' اُن کے میری بیٹیوں

اور دامادوں سے...... ہاں' ان کے اپنے گھر سے کوئی آ جائے تو دیکھو کیسی بچھ بچھ جائیں گی۔" امی نے قدرے فاصلے پر جمے مردانے کی طرف نگاہ کرتے ہوئے دبی دبی آواز میں دونوں بیٹیوں سے کہا۔

"کوئی آیا تھا کیا اُن کے گھر سے؟" نزہت سے پوچھا۔

"بیٹی کے گھر خالی ہاتھ نہیں آیا جاتا اسی لیے وہ مہینوں میں چکر لگاتے ہیں۔"

"اوہو! بڑے بزرگوں کی محفل جمی ہوئی ہے۔ ہمارا خیال ہے اب ہم مسعود سے اُٹھنے کو کہیں۔" نزہت نے کہا۔

"جلدی کاہے کی ہے۔"

"ان کا باہر کھانا کھانے کا پروگرام ہے۔ یہاں سے دیر سے اُٹھے تو گھر میں دیر سے پہنچیں گے...... ممی فکرمند ہوں گی۔"

"نزہت۔" امی نے رازداری سے پوچھا۔ "ساس کا رویّہ کیسا ہے تمہاری؟"

"وہ بہت اچھی ہیں امی اور ہم بھی انہیں آپ کی نصیحت کے مطابق اپنی ماں کی جگہ سمجھتے ہیں۔"

"بہت اچھا کرتی ہو بیٹی...... بڑوں کا ادب کرنا لازم ہے...... اور یہ جو لوگ کہتے ہیں نا کہ ساس اور بہو کا رشتہ بیری ہوتا ہے' بالکل غلط سوچ ہے یہ...... ارے 'بھئی' کاہے کا بیر...... بہو اگر یہ سمجھ لے کہ شوہر کی ماں اُس کی بھی ماں کی جگہ ہے تو کوئی لڑائی جھگڑا ہونے کا سوال ہی نہیں' اسی طرح ساس کو چاہیے کہ بہو کو بیٹی سمجھے۔"

"پلیز! اب سب سے اجازت لیجیے اور اُٹھ جائیے۔" نزہت نے بآوازِ بلند کہا اور مسعود اس کی مخاطبت پر متوجہ ہو گیا۔

"مدحت بیٹی! کھانا نہیں کھلاؤں گی بہن بہنوئی کو۔" بابا بولے۔

"کھانا تو تیار ہے بابا مگر ان لوگوں کا اپنا کچھ پروگرام ہے۔" بجیا بولیں۔

"اچھا! اچھا! جیسے ان کی خوشی۔" بابا نے کہا۔

"اجازت؟" مسعود نے اہلِ سسرال سے اجازت چاہی۔

نزہت بھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"دیکھو بیٹی۔" بابا نے نزہت کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے مشفقانہ لہجے میں کہا۔ "اپنی سسرال میں تم میکے کی سفیر ہو...... یہ سفارت تاحیات چلے گی...... کوئی شکایت نہ ہونے پائے مسعود میاں یا والدہ اور دیگر اہلِ خانہ کو تمہاری طرف سے۔"

"کوئی شکایت ملے تو ہمیں بھیجیے۔" امی بولیں۔

"گڈ! ویری گڈ!" بابا مسکرائے پھر امی کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ "بیگم صاحبہ! آپ کی یہ بات بہت پسند آئی ہے...... بیٹیوں کی ماؤں کو یہی سمجھانا چاہیے بیٹیوں کو۔"

مسعود اور نزہت کے جانے کے بعد امی نے یقین کو جتانے کے لیے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "دلہن کہاں ہیں...... ؟ مسعود سے ملنے تک نہیں آئیں!"

یقین نے نظریں چرالیں۔

"گھر کی بہو کو کم از کم اتنا تو خیال ہونا چاہیے کہ نیا نیا رشتہ جڑا ہے' اسے محبت اور افتخار والی لاٹھی سے نہ ہانکیں۔ کیا سوچیں گے مسعود۔"

یقین شرمسار دکھائی دینے لگا۔

اس کی خفت مٹانے کے لیے بجیا نے موضوع بدل دیا اور امی سے بولیں۔ "امی کل کے لیے کوفتے بنا دیے ہیں ہم نے۔"

"بھئی واہ!" بابا نے پھڑک کر کہا اور انکھیوں سے یقین کو دیکھنے کے بعد نگاہوں ہی نگاہوں میں بجیا کو موضوع بدل دینے پر داد دی۔

جویا مریم کو لیے لاؤنج میں آئی تو امی نے کچھ ناگواری سے کہا۔ "اب آئی ہو دلہن' جب نزہت اور مسعود چلے گئے!"

"چلے گئے!"

"ہاں...... اور کیا۔"

"سوری...... میں ذرا...... منہ ہاتھ دھونے چلی گئی تھی۔" جویا نے خفت سے کہا۔

بجیا اور فرزین نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا...... وہ دونوں جانتے تھے کہ جویا لنگرا بہانہ پیش کر رہی تھی۔ مگر وہ دونوں حیران تھے کہ جویا اس ناگواری کو کہاں چھپا آئی تھی جو کچن سے نکلتے وقت اُس کے چہرے سے مترشح تھی۔

"میرا خیال ہے' کھانا لگا دیا جائے۔" بجیا نے ماحول پر چھائی گمبھیرتا کو کم کرنے کی کوشش کی۔

"بہت نیک خیال ہے بیٹی!" بابا مسکرائے۔

بجیا' جویا اور موجو نے مل جل کر کھانا چنا۔

کھانے کے دوران جویا کا خوشگوار موڈ فرزین ہی نہیں بجیا کو بھی حیران کرتا رہا۔

☆=====☆=====☆

جویا کی بات فرزین کو کئی دن کھٹکتی رہی۔

اُس کی مسکراہٹ اُسے جھوٹی لگتی۔

ہنسی پر دھوکے کا گمان ہوتا۔

یقین کے ساتھ اُس کا ہنسنا بولنا اسے محض فریب محسوس ہوتا۔

وہ یقین کے ساتھ سچ مچ خوش ہوتی تو بھلا ایسے کیوں کہتی۔

لیکن کیوں؟

کیوں خوش نہیں تھی وہ!

فرزین اس کی ناخوشی کا سبب سمجھنے سے قاصر تھا۔

مگر وہ سبب جاننا ضرور چاہتا تھا۔

اور بقول بجیا سبب خود جویا ہی بتا سکتی تھی۔

شاید وہ اس کی ناخوشی کا سبب جاننے میں اتنی دلچسپی نہ رکھتا اگر اسے زویا سے دلچسپی نہ ہوتی۔ زویا کے سلسلے میں وہ انتہائی سنجیدہ تھا اور اس سے شادی کی خواہش کا اعتراف وہ بجیا کے روبرو کر بھی چکا تھا۔

بجیا کا خیال تھا، گھر والے راضی نہ ہوں گے۔

مگر اب تو صورت حال یک بیک یکسر پلٹی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

ابھی گھر میں جویا کی ناخوشی سے اس کے گھر والے بھی یقیناً آگاہ ہوں گے۔

جس گھر میں ایک بیٹی خوش نہ ہو کیا اسی گھر میں کوئی اپنی دوسری بیٹی دینا چاہے گا!

فرزین کا ذہن بری طرح گنجلک ہو رہا تھا۔

زویا سے اس کا کوئی اختیر نہ چلا تھا۔

بظاہر وہ پری وش یا حور شمائل بھی نہ تھی۔

مگر دل، دل ہی تو ہے۔

گدھی پر آ جائے تو وہ بھی پری دکھائی دینے لگتی ہے۔

زویا تو بہر حال ایک خوش شکل اور پرکشش لڑکی تھی۔

فرزین کا دل زویا پر اس بری طرح آ چکا تھا کہ اسے پا نہ سکنے کا محض خیال ہی اسے دل گرفتہ کر دیتا تھا۔

شاید محبت اسی کو کہتے ہیں۔

کسی کو پانے کی خواہش...... اور نہ پا سکنے کے خیال ہی سے بے تابی کا کبھی میٹھا اور کبھی دکھتا ہوا سا احساس!

گو فرزین مجنوں اور فرہاد کے قبیلے کا عاشق نہ تھا جو لیلیٰ اور شیریں کو نہ پا سکنے پر سودائی ہو جاتے ہیں اور اپنی جان دے دیتے ہیں، تاہم وہ ان محبت کرنے والوں میں سے ضرور تھا جو نارسائی کے کرب کو دل میں اتار لیتے ہیں اور پھر زندگی کتنی ہی خوشیاں ان کے قدموں میں ڈھیر کیوں نہ کر دے، وہ اپنے من میں اتری اس کسک کو کبھی نہیں بھول پاتے۔

وہ ان لوگوں میں سے تھا جو دوسروں کو محبت کرتا دیکھ کر ہنستے ہیں۔ عشق کو دماغ کا خلل قرار دیتے ہیں لیکن جب خود محبت کرتے ہیں تو اپنا راز دل آبگینے کی طرح سنبھال کر رکھتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں، پوری شدت کے ساتھ چاہتے ہیں اور اسے پانے کی جستجو بھی رکھتے ہیں۔

فرزین کا ارادہ تھا کہ نزہت کی شادی کے بعد امی کو اپنی پسند اور خواہش سے آگاہ کر دے گا۔ وہ کچھ پس و پیش کے بعد راضی ہو گئیں تو ٹھیک ورنہ گیند ان کے کورٹ میں ڈال کر انہیں سوچنے سمجھنے کے لیے چند ماہ کی مہلت دے کر خود سفر پر نکل جائے گا۔

وہ جانتا تھا کہ جب وہ گھر سے دور ہو تو گھر والے بالخصوص امی اس کے بارے میں کتنی القلب ہو جاتی ہیں۔ وہ فون کرے تو اس کی آواز سنتے ہی امی کی آواز بھرا جاتی ہے۔ اپنے اگلے سفر پر نکلنے سے قبل وہ امی کو اپنی پسند سے اس لیے آگاہ کر دینا چاہتا تھا کہ کیا عجب

دوری کے دوران کوئی انتہائی جذباتی لمحہ امی کو اس کی خوشی میں راضی ہو جانے پر مجبور کر دے مگر افسوس کہ جویا کی بات نے اسے متذبذب کر دیا تھا۔

وہ اس راہرو کی طرح ٹھٹکا کھڑا تھا جسے اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے ایک مہیب جنگل سے بھی گزرنا لازم ہو لیکن جنگل کے دہانے پر ہی ایک خوفناک چنگھاڑ نے اس کے قدم پکڑ لیے ہوں اور وہ ٹھٹکا ہوا یہ سوچ رہا ہو کہ منزل تک پہنچنے کے لئے اس چنگھاڑ کی پروا نہ کرتے ہوئے جنگل میں داخل ہو جائے یا خطرات میں پڑنے کی بجائے واپس پلٹ جائے۔

منزل کی چاہ واپس پلٹنے دیتی ہے بھلا!

سو فرزین بھی خطرات کا سامنا کرنے اور مشکلات سے گزرنے کو تیار تھا!

☆=====☆=====☆

نزہت کی شادی کے بعد یقین کو تنخواہ ملنے کے دن آئے تو جویا نے پہلے ہی سے جتانا شروع کر دیا کہ اب وہ کوئی ڈور رعایت نہیں کرے گی، مریم کے لیے کم از کم پانچ سو روپے ماہانہ مطلوب تھے۔

یقین شش و پنج میں پڑ گیا۔

اماں نے جویا کو اچھی طرح سکھا پڑھا دیا تھا کہ نزہت کی شادی تک جو رعایت ہو چکی، سو ہو چکی اب وہ بچی کے خرچے کے سلسلے میں یقین کو ذرا ڈھیل نہ دے ورنہ وہ بے پروا رہے گا اور آج ایک، کل پرسوں تین بچوں کا خرچا اسی پر آ پڑے گا۔ وہ کمائے گی اور بچے پالے گی۔

جویا نے دوٹوک لہجے میں یقین سے کہہ دیا۔ "اب آپ کی بہن کی شادی نمٹ چکی، اب مجھے مریم کا خرچا علیحدہ سے چاہیے۔"

"امی کے پیسے کم کروں گا تو وہ کیا سوچیں گی۔" یقین نے بڑی مسکین صورت بنا کر کہا۔

"جو جی چاہے سوچیں، مجھے پروا نہیں۔ دس ہزار جو میں نے نزہت کی شادی کے لیے آپ کو دے رکھے ہیں، وہ آپ جب جی چاہے دے دیجیے گا مگر مریم کا خرچ مجھے چاہیے۔"

"اچھا بھئی اچھا۔"

تنخواہ ملی تو جویا نے حسب تقاضا پانچ سو روپے اضافی اس سے جھپٹ لیے اور وہ اس فکر میں پڑ گیا کہ اب امی سے کیا کہے گا۔

امی کو پانچ سو روپے کم دیتے ہوئے اس نے دبی زبان سے کہا۔ "اس مہینے پانچ سو روپے جویا نے مریم کے لیے لے لیے۔"

"مریم کے لیے!" امی چونکیں۔

"جی!"

"کیا مطلب؟"

"مریم کا دودھ وغیرہ کا خرچا۔"

"اتنے دن سے بھی تو مریم کا خرچا چل ہی رہا تھا۔" امی قدرے ناگواری سے بولیں۔

"جی...... نزہت کی شادی کی وجہ سے جویا زیادہ تقاضا نہیں کر رہی تھی۔"

''اب تقاضا کیا!'' امی نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''جی۔''

''شاباش ہے بیوی نے تقاضا کیا اور تم نے دے بھی دیے پیسے...... دیکھ لو تم دو میاں بیوی مل کر ایک ننھی سی جان کا خرچا نہیں اُٹھا پائے...... ذرا سوچو کہ میں اتنے بڑے گھر کے تو خرچے کیسے پورے کرتی ہوں...... کچھ احساس ہوتا تمہیں میری پریشانی کا تو بیوی سے کہتے جو دیتا ہوں اُسی میں گزارہ کرنے کی کوشش کرو۔''

''پانچ سو روپے مہینے کا تو مریم دودھ ہی پی جاتی ہے امی۔''

''توبہ ہے توبہ! کیسے منہ بھر کر کہہ دیا تم نے کہ پانچ سو روپے کا تو دودھ پی جاتی ہے۔ کیسے باپ ہو...... زمین پر تھوکا کرو...... بچی کو ہوس لگ جائے گی۔''

یقین ذرا دیر کو تو امی کا منہ دیکھتا رہ گیا پھر صورت حال کو مزید منفعت بخش بنانے کو بولا۔ ''صاحبزادی کو ایک مرتبہ ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ تو ڈاکٹر کی صرف معائنہ فیس ہی دو سو روپے دینی پڑتی ہے۔''

یقین کا خیال تھا امی پھر جذباتی ہو جائیں گی۔

مگر ایسا نہ ہوا۔

''کھال نوچنے والے ڈاکٹروں کے پاس لے جاتے ہی کیوں ہو بچی کو...... سرکاری اسپتالوں میں ایک سے بڑھ کر ایک قابل ڈاکٹر بیٹھا ہے۔'' امی بولیں۔

''وہاں لمبی لمبی قطاروں میں کون کھڑا ہو امی...... نہ میرے پاس اتنا وقت ہے نہ جویا کو فرصت ہے اتنی۔''

''ارے بھئی اوّل تو ذرا ذرا سی بات پر ڈاکٹر کے ہاں دوڑنے کی ضرورت کیا ہے۔ اچھا فیشن نکلا ہے کہ ذرا بچے کا پنڈا گرم ہوا تو چلو ڈاکٹر کے پاس...... ذرا ناک بہی اور ڈاکٹر کے ہاں حاضری لازم...... ہم تو گھر ہی میں دیسی نسخوں سے کام چلا لیتے تھے۔''

''آپ کا زمانہ اور تھا امی۔''

''زمانہ اور نہیں ہوتا' زمانہ تو بس زمانہ ہوتا ہے۔ یہ کہو عورتوں کے دماغ خراب ہو گئے ہیں۔ تمہارے ابا ایک کمانے والے تھے اور سو طرح کے خرچے تھے۔ ہم ایک ایک پائی دیکھ بھال کر اُٹھاتے تھے۔ دل میں یہ خیال رہتا تھا کہ گھر میں جو پیسہ آتا ہے' بہت مشکل سے آتا ہے لہٰذا دیکھ بھال کر خرچ ہو...... آج کل کی عورتوں کی طرح کی بے حسی اور خود غرضی نہیں تھی ہمارے دل میں۔'' امی نے توقف کیا پھر بولیں۔ ''خیر آج کل کی ساری عورتیں تو بے حس اور خود غرض نہیں ہوتیں...... اور کیوں جاتے ہو اپنے گھر میں ہی مثال موجود ہے...... مدحت کو دیکھو' کیسی بے غرضی سے گھر کے ہر دکھ سکھ میں شریک رہتی ہے۔ نزہت کی شادی کے موقع پر اس نے کس کس طرح اور کتنا ہاتھ بٹایا' یہ میں ہی جانتی ہوں...... میرے رُوئیں رُوئیں سے اس کے لیے دعا نکلتی ہے۔''

یقین نے اعتراف میں سر ہلایا۔

''اپنے اور بچی کے خرچے کے سلسلے میں دلہن کو تمہارا ہاتھ بٹانا چاہیے ورنہ اُن کی نوکری کس کام کی...... ملازمت پیشہ لڑکی ہم لوگ لائے ہی اس لیے تھے کہ دونوں مل کر گزارہ کر لیں گے۔'' امی بولیں۔

''آپ لوگوں نے مجھے ایسا پھنسایا ہے کہ نہ ہنس سکتا ہوں' نہ رو سکتا ہوں۔'' یقین نے کہا۔

امی نے چونک کر یقین کو دیکھا۔

یہ کیا کہہ رہا تھا وہ!

امی تو سمجھتی تھیں کہ بیٹا شادی کے بعد بہت خوش تھا۔

امی کی دانست میں تو وہ کامل بیوی کا اسیر ہو چکا تھا۔

مگر وہ تو شکوہ کر رہا تھا!

اپنی بے اطمینانی کا واشگاف الفاظ میں اظہار کر رہا تھا۔

یقین نے کنکھیوں سے امی کو دیکھا۔

اُسے یک گونہ تقویت کا احساس ہوا۔

اپنی مطلب برآری کے لیے اُس نے جو داؤ چلا تھا' وہ نشانے پر لگا تھا۔

''بیٹا! اپنی اولاد کا برا کون سوچ سکتا ہے۔ ہم نے تو بھلا سوچا تھا...... ہمیں کیا پتا تھا کہ لڑکی ایسی ہو گی۔''

یقین دل ہی دل میں مسکرا دیا۔

''اتنی بُری بھی نہیں ہے امی جان۔'' اس نے بڑی مکاری سے سوچا۔

پانچ سو روپے کنولی کے احساس پر امی کے دل میں یہ خیال غالب آ گیا کہ جویا یقین کے حق میں اچھی بیوی ثابت نہیں ہوئی تھی۔

انہیں یقین کے مقدر پر تاسف ہونے لگا۔

یقین امی کے پاس سے اُٹھا تو دل میں ہنس رہا تھا۔

مدحت بجیا امی کے لیے چائے لے کر آئیں تو انہیں متفکر اور دلگیر پایا۔

''کیا بات ہے امی؟'' بجیا نے تشویش سے امی کو دیکھا۔

امی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری پھر بولیں۔ ''لوگ تو لڑکیوں کی قسمت اچھی ہونے کی دعائیں مانگتے ہیں' میں کہتی ہوں اللہ بہوئیں بھی اچھی دے۔''

''خیریت؟'' بجیا نے امی کے پاس بیٹھ گئیں۔

امی نے من و عن سارا قصہ بجیا کو سنا دیا۔

بجیا کو چند روز قبل جویا کی زبان سے ادا ہونے والے وہ الفاظ بھی یاد تھے جو اُس نے کچن میں فرزین کے مذاق کے جواب میں کہے تھے۔ اب امی کی زبانی یہ بات سن کر بجیا بھی اُلجھ گئیں۔

''میں تو پریشان ہو گئی ہوں یقین کی بات سن کر۔''

بجیا کیا کہتیں' ان سے کہ اگر وہ جویا کی بات سن لیتیں تو مزید پریشان ہو جاتیں۔

بابا جو اپنے کسی دوست سے ملنے گئے ہوئے تھے' مغرب کے بعد گھر لوٹے تو امی نے انہیں پورا قصہ سنانے کے بعد کہا۔

"اب بتایئے کیا کریں؟"

بابا جنہوں نے پورا قصہ انتہائی تحمل سے سنا تھا' مسکرا کر بولے۔ "بیگم صاحبہ' آپ اپنا فرض ادا کر چکیں۔ اب آپ کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں...... بہو اور بیٹا دونوں تعلیم یافتہ ہیں' سمجھدار ہیں۔ اپنا اچھا برا یقیناً سمجھتے ہیں۔ اب ہمارا اور آپ کا کام صرف اتنا ہونا چاہیے کہ اگر خدانخواستہ کسی مقام پر ان سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہوتے دیکھیں جس سے انہیں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو انہیں ٹوک دیں اور بس...... سوائے اس کے ان دونوں کو اپنے معاملات خود سلجھانے دیجئے۔ ایک بات بتایئے' کیا آپ نے کبھی یہ پسند کیا کہ میرے اور آپ کے درمیان کوئی تیسرا شخص مداخلت کرے؟"

"جی نہیں۔"

"تو بس...... بہو اور بیٹے کے معاملات بھی اُنہی پر چھوڑ دیجئے...... اُن کے بارے میں زیادہ پریشان نہ ہوں...... میں نے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے...... زندگی کا اتنا بھرپور تجربہ ہے میرے پاس کہ بقول شاعر بھانپ لیتا ہوں مضمون لفافہ دیکھ کر...... جہاں تک میرے مشاہدے اور حواس کی گواہی ہے' مجھے تو بہو اور بیٹا دونوں خاصے مطمئن اور خوش نظر آتے ہیں۔ ہو سکتا ہے یقین میاں جویا کی طرف سے بچی کے خرچے کی رقم وصول کیے جانے پر وقتی طور پر بہو سے ناراض ہو کر ایسی بات کہہ گئے ہوں۔" بابا نے توقف کیا پھر بولے۔ "اور بالفرض اگر یقین میاں خوش نہیں بھی ہیں تو بتایئے ہم اور آپ کیا کر سکتے ہیں' سوائے اس کے کہ اُن کے حق میں دعا کریں۔"

ہمیشہ کی طرح بابا کی تسلی اور سمجھانے بجھانے نے اس وقت بھی امی کے دل پر چھائی فکر و وحشت کو چھانٹ دیا۔ یقین جس نے امی خواہ مخواہ پریشان کر دیا تھا' اُن کی اس فکر و وحشت سے بے نیاز حجرے میں تھا۔

امی نے نگہت اور نزہت کو یہ کتھا سنائی تو نگہت نے کہا۔ "امی جی! میرے خیال میں تو یقین بھائی کو صلاح دیں کہ اگر اُن کا دل نہیں مل رہا ہے بھابی سے تو اُٹھا کر ان کی چھٹی کر دیں۔"

"کیا مطلب؟" امی بری طرح چونکیں۔

"مطلب یہ کہ ابھی تو ایک بچی ہے۔ کل کو دو ہو گئے تو زیادہ مشکل ہو جائے گی۔ زندگی عذاب میں گزارنے سے بہتر ہے کہ آدمی ایک ہی فیصلہ کر دے...... بھابی جیسی عورتوں کو پتا بھی جبھی چلتا ہے جب شوہر طلاق نامہ اُن کے ہاتھ میں تھما کر انہیں اُس کے ماں باپ کے گھر روانہ کر دیتے ہیں۔" نگہت نے کہا۔

"تم کیا کہہ رہی ہو نگہت!"

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ روز روز کے رونے اور جھک جھک سے ایک دن کا رونا بہتر...... اور بچی کو اگر وہ اپنے پاس رکھتی ہیں تو رکھنے دیں۔ بڑی ہو کر وہ بھی لوگوں کے پاس آ جائے گی۔ رہے یقین بھائی تو انہیں اب بھی بھابی سے کوئی بہتر لڑکی بھی مل جائے گی' آپ کی بار کسی کھاتے پیتے

گھرانے میں رشتہ کیجیے گا۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو نگہت۔" بجیا نے ٹوکا۔

"کوئی غلط بات کر رہی ہوں۔"

"اپنے پرائے سب ہنسیں گے۔" امی بولیں

"کیوں ہنسیں گے...... کیا طلاق' بیٹا یا دوسری شادی کرنا گناہ ہے۔"

"شریف گھرانوں میں طلاق کا سوچا بھی نہیں جاتا' گزارہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔" امی نے کہا۔

"ٹھیک ہے تو پھر رونا کاہے کا گزارہ کریں۔" نگہت منہ بنا کر بولی۔

مدحت بجیا نے نگہت کا موڈ آف ہوتے دیکھا تو رسانیت سے بولیں۔ "ہو سکتا ہے نگہت...... یقین کو جویا سے کوئی جینوئن شکایت ہو مگر حالات اتنے بُرے نہیں ہیں کہ خدانخواستہ اس انتہائی اقدام کا سوچا جائے۔"

تبھی جویا آ پہنچی اور وہ چاروں خاموش ہو گئیں۔

جویا کو ایک احساسِ اجنبیت نے آ گھیرا۔

یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ گھر والے اُس کے سامنے بات کرتے کرتے یوں چُپ ہو جاتے تھے جیسے زبانوں کو بریک لگ گیا ہو۔

اسی لیے وہ ایسے موقعوں پر دور دور رہنے کی کوشش کرتی تھی۔

جویا نے ان چاروں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور ان چاروں نے معنی خیز دزدیدہ نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"آیئے آیئے بھابی آپ ہی کا انتظار تھا۔" نزہت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا!؟" جویا نے بھی جواباً مسکرانے کی کوشش کی مگر اُس کے لہجے اور مسکراہٹ نے کہا "یقین نہیں آتا۔"

"آیئے بیٹھیے۔"

جویا بیٹھ گئی۔

"آج کیا پک رہا ہے بھابی؟"

"طاہری اور مٹر قیمہ۔"

"یہ طاہری اور مٹر قیمے کا کیا جوڑ؟"

"بیوقوف لڑکی' مٹر قیمے کے ساتھ تندوری نان منگوا لیں یا پھر چپاتیاں ڈال لیں گے گھر ہی میں۔" بجیا بولیں۔

"بھابی نے طاہری اور مٹر قیمہ اس طرح سے کہا کہ ہم سمجھے' مٹر قیمہ طاہری کے ساتھ کھایا جائے گا۔"

"تم سے کوئی بعید نہیں۔" بجیا مسکرائیں۔

"پرسوں ترسوں جب ہم لوگ آئے تو ہنڈیا لگی ہوئی تھی۔" نکہت نے طنزیہ کہا۔

"ہو جاتا ہے نکہت...... کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔" بجیا تحمل سے بولیں۔ "اصل میں ہوا یہ کہ میری ایک کولیگ آ گئیں، میں اُن سے باتیں کرنے بیٹھ گئی اور......"

"گھر میں اور لوگ بھی تو ہوتے ہیں۔" نکہت نے جویا کو انکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... مگر کبھی کبھی تو ہوٹلوں میں بھی ہنڈیا لگ جاتی ہے جہاں ایک دو نہیں، درجنوں باورچی ہوتے ہیں کھانا پکانے والے۔ بس وقت کی بات ہے۔ جویا بھی اتفاقاً اپنے کمرے میں چلی گئیں اور سالن لگ گیا۔" بجیا جانتی تھیں کہ نکہت کے اطمینان کے لیے پوری وضاحت پیش کرنا ضروری تھی۔

"برا مت مانئے گا...... ہمارے ہاں امی اور رزمہت کے سوا اور کسی کے ہاتھ میں ذائقہ نہیں۔"

جویا یہ جانتے ہوئے کہ نکہت اُسی پر چھینٹے کس رہی تھی، دل ہی دل میں اُسے برا بھلا کہتی رہی۔ وہاں بیٹھنا بھی اُسے دوبھر لگ رہا تھا مگر بادلِ ناخواستہ رسم نبھا رہی تھی۔

"میں ذرا سالن دیکھ آؤں۔" جویا کو اُٹھنے کا بہانہ ہاتھ آیا۔

جویا کے جانے کے بعد رزمہت بولی۔ "تو بھابی نے کام سنبھال لیا؟"

"ہاں بھئی سنبھال لیا۔"

"دیکھیں کتنے دن کے لیے۔" نکہت طنزیہ بولی۔

بجیا اور رزمہت نے ایک دوسرے کو دیکھا اور زیرِ لب مسکرا دیں۔

نکہت کا مطمئن ہو جانا واقعی بہت مشکل تھا۔

☆=====☆=====☆

بالآخر فرزین نے جویا سے پوچھ ہی لیا کہ کیا وہ اُس کے بھائی سے شادی کر کے خوش نہیں۔

"تم سے کس نے کہا؟" وہ بولی۔

"آپ نے خود کہا۔"

"میں نے!" اُس نے تجاہلِ عارفانہ کا مظاہرہ کیا۔

"جی...... آپ نے۔"

"کب؟" جویا نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"اُس روز جب میں نے مذاق میں کہا کہ یقین بھائی نے شادی سے پہلے آپ کو خود دیکھا اور پسند کیا تھا تو آپ نے کہا تھا، کاش نہ کیا ہوتا...... یاد آیا؟"

"ہاں یاد ہے مجھے۔"

"آپ کی اس بات سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟"

"کیا ظاہر ہوتا ہے؟"

"کیا یہ ظاہر نہیں ہوتا اس سے کہ آپ خوش نہیں ہیں۔"

"ارے۔" وہ ہنسی۔ "تم نے اسے سنجیدگی سے لے لیا۔"

"کیا آپ نے سنجیدگی سے نہیں کہا تھا۔" فرزین نے اُسے بے اعتباری سے دیکھا۔

"ارے نہیں...... میں نے تو مذاقاً کہا تھا۔"

"اس قدر منہ بگاڑ کر بھابی!"

"پتا ہے کیا...... اُس روز میں بہت اُلجھی ہوئی تھی۔"

"کیوں؟"

"بس اسکول میں ہیڈ مسٹریس سے کچھ جھک جھک ہو گئی تھی...... بہت اپ سیٹ تھی میں اُس دن۔"

"اوہ!" فرزین یوں ہنس دیا جیسے گھنگھور اندھیری رات میں بادلوں کے پیچھے سے یک بیک چاند نکل آئے۔

"پتا ہے کیا۔" وہ بولا۔ "کئی دن پریشان رکھا ہے مجھے آپ کی اس بات نے۔" اُس نے توقف کے بعد مزید کہا۔ "میں یہی سوچ کر پریشان ہوتا رہا کہ آپ خوش نہیں ہیں۔"

"بائی دی وے تم کیوں پریشان ہوئے؟"

"کیا مجھے پریشان نہیں ہونا چاہیے!"

"وہی تو پوچھ رہی ہوں کہ کیوں ہوئے...... بالفرض میں خوش نہیں بھی ہوں تو تمہیں پریشان ہونے کی کیا ضرورت؟"

کچھ دیر فرزین اُسے گہری نگاہوں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "بھابی! بعض گھرانوں میں سگے رشتے ایک دوسرے سے اجنبیوں کی طرح لاتعلق رہتے ہیں مگر ہمارے گھرانے کی خوش قسمتی یہ ہے کہ ہم نظامِ شمسی کی طرح ایک دوسرے کی کشش میں بندھے ہوئے ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے سے محبت ہے اور ہم ایک دوسرے سے لاتعلق نہیں رہ سکتے۔ آپ میرے بڑے بھائی کی شریکِ زندگی ہیں۔ ہمارے گھر کی فرد ہیں پھر بھلا میں آپ کی بات سن کر کیوں پریشان نہ ہوتا۔"

"ویسے آپس کی بات ہے۔" جویا نے آنکھیں پٹ پٹاتے ہوئے کہا۔ "تمہارے بھائی کے ساتھ تو میں خوش ہوں مگر شادی کر کے خوش نہیں ہوں۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"مطلب یہ کہ آدمی کو اپنی آزادی کھونی ہو تو شادی کی بیڑیاں پہن لے...... ساری آزادی رفو چکر ہو جاتی ہے۔"

"یقین بھائی سے تو آپ کو کوئی شکایت نہیں نا؟"

"اُن سے نہیں تو پھر کس سے شکایت ہوگی۔"

"پھر نہیں سمجھا میں۔"

جویا مسکرائی۔

"پھر دوبارہ آپس ہی کی بات ہے۔ نہ تمہارے بھائی شادی کرتے مجھ سے نہ میں اپنی آزادی کھوتی۔"

فرزین منہ اوپر کر کے یوں کھل کر ہنس دیا جیسے عمر قید پانے والے کسی مجرم کو سزا میں معافی کی نوید سنا دی گئی ہو پھر سرشاری سے لہجے میں بولا۔ ''کبھی کبھی ایک غلط فہمی کتنا پریشان کر کے رکھ دیتی ہے۔ کاش! میں نے یہ بات اُس دن آپ سے پوچھ لی ہوتی۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتیں کہ میں اس وقت خود کو کس قدر مطمئن پا رہا ہوں اور...... خوش بھی۔''

''دیکھ رہی ہوں۔'' جویا نے مسکراتے ہوئے کہا لیکن اگلے ہی لمحے اس کی مسکراہٹ نے گہری سنجیدگی کی جون لے لی۔

''اپنے ذاتی تجربے کے بعد میں نے یہ بات جانی ہے فرزین کہ جوائنٹ فیملی سسٹم میں رہنے والی بہو کو ہر قدم بہت سنبھل کر اٹھانا پڑتا ہے اور ہر بات بہت سوچ سمجھ کر زبان سے نکالنی پڑتی ہے...... بعض اوقات ایک چھوٹی سی اور غیر اہم بات کو بھی بہت سنجیدگی سے لے کر اس سے وہ معنی نکال لیے جاتے ہیں جو کہنے والے کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے۔''

فرزین نے جویا کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ ''گھر والوں کو پتا نہیں کیا شکایتیں ہیں بھابی سے...... اچھی تو ہیں۔''

اس کی چشم تصور میں زویا مسکرا رہی تھی۔

اب وہ نڈر ہو کر جنگل سے گزر سکتا تھا!

☆=====☆=====☆

سہ پہر کا وقت تھا۔

مدحت بجیا ایک ضروری ٹیلیفون کال کرنے کے لیے نیچے اُتریں تو اُنھوں نے دیکھا امی دم بخود سی یقین اور جویا کے کمرے کی کھڑکی سے کان لگائے کھڑی تھیں۔ مدحت بجیا کو دیکھتے ہی اُنھوں نے اپنے ہونٹوں پر اُنگلی رکھتے ہوئے خاموش رہنے اور اپنی نظر کے اشارے سے دبے پاؤں چلنے کی تنبیہ کی۔

''کیا ہوا امی؟'' بجیا نے امی کے نزدیک پہنچ کر دبی دبی آواز میں پوچھا۔

امی نے دوبارہ ہونٹوں پر اُنگلی رکھتے ہوئے بالکل خاموش رہنے کی ہدایت کی اور کھڑکی سے کان لگانے کا اشارہ دیا۔

بجیا نے کھڑکی کی طرف دیکھا۔

کھڑکی کھلی ہوئی تھی مگر اندر پردے تنے ہوئے تھے۔

بجیا نے کھڑکی سے کان لگا دیے۔

جویا کی آواز سنائی دی وہ کہہ رہی تھی۔

''کل آنے کا ارادہ تھا مگر بڑی بی کی بہن آ گئیں...... کیا بتاؤں کتنی کوفت ہوئی مجھے...... وہ ایسی جم کر بیٹھیں کہ کھانے کے وقت ہی اُٹھیں۔''

چند لمحوں کو خاموشی چھا گئی پھر دوبارہ جویا کی آواز سنائی دی۔

''ارے اماں! اتنا آنا جانا لگا رہتا ہے ان کم بختوں کا گھر کہ میں تو تنگ آ گئی ہوں...... بڑی بی کی دونوں بیٹیوں کی سواری تو ہر دوسرے دن آئی رہتی ہے۔''

ذرا دیر خاموشی پھر جویا کی رقت آمیز آواز سنائی دی۔

''سچی کہتی ہوں اماں! بہت تھک جاتی ہوں میں...... صبح نوکری...... شام کو ان منحوسوں کی غلامی...... رات کو ایسی بے سُدھ ہو کر پڑتی ہوں کہ ہوش نہیں رہتا۔''

توقف ہوا۔

پھر جویا کی آواز سنائی دی۔

''میرا بس چلے تو ان ڈائنوں کی صورت تک نہ دیکھوں۔''

چند سیکنڈ کی خاموشی کے بعد جویا کی آواز پھر سنائی دی۔

''ہاں فرزین ابھی چھٹی پر ہی ہے۔''

پل بھر خاموشی۔

پھر جویا بولی۔

''میں تو پوری کوشش میں ہوں اماں کہ زویا کی شادی فرزین سے ہو جائے...... بڑی بی نہ ہوتیں تو مدحت، نگہت اور نزہت سے تو میں نمٹ لیتی...... خیر اللہ مالک ہے۔ اچھا اماں! بہت لمبی کال ہو گئی ابا سے میرا اسلام کہیے گا...... اور زویا سے کہیے گا کوئی اچھی سی چیز بنا کر رکھے فریج میں...... ہو سکا تو آج ورنہ کل ضرور آئیں گے ہم لوگ...... اچھا خدا حافظ۔''

''سنا تم نے!'' امی نے دبی دبی آواز میں مدحت بجیا سے کہا پھر جارحانہ تیوروں سے بولیں۔ ''پوچھتی ہوں کمرے میں جا کر کیا تمہارے ہاں ساس نندوں کو ڈائنیں کہا جاتا ہے۔''

''امی جان! پلیز!'' مدحت بجیا نے امی کا بازو پکڑ لیا اور اُنھیں کھڑکی سے پرے ہٹا لائیں۔

''ذرا جا کر پوچھنے تو دو مجھے۔''

''رہنے دیجیے امی۔''

''یقین آ جائیں، ایک ایک بات بتاؤں گی اُنھیں۔''

''وہ تو بقول آپ کے پہلے ہی نالاں ہیں، خواہ مخواہ بات بڑھ جائے گی۔''

یقین کی چال اُسے کہاں کہاں بچا رہی تھی!

''سینے میں آگ سی لگ رہی ہے میرے۔''

بجیا نے تائید میں سر ہلایا۔

''اس دن کے لیے کرتے ہیں بیٹوں کی شادیاں کہ بہوئیں ہمیں بڑی بی کہیں، ڈائنیں کہیں۔'' امی نے بڑی دل گرفتگی سے کہا۔

بجیا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ اُنھیں اپنے کمرے میں رکھا وہ ٹیلیفون سیٹ یاد آ گیا تھا جس کے ذریعے جویا اور اس کی اماں کی باتیں سن کر وہ کافی دن صدمے کی کیفیت میں رہی تھیں۔

طلاقِ قرن!

اُنھیں اپنا خطاب یاد آ رہا تھا۔

"یقین میاں سچ کہتے ہیں...... اُن کی قسمت پھوٹ گئی۔" امی نے دردمندی سے کہا۔

"اب کیا ہو سکتا ہے امی۔"

"اور ذرا ڈھٹائی دیکھو...... فرزین کے چکر میں ہیں...... ارے' اس کے لیے تو منہ دھو کر رکھیں۔ اونہہ! ایک اپنی ہی بہن رہ گئی ہے میرے فرزین کے لیے۔"

بجیا کو فرزین سے کیا ہوا وعدہ یاد آیا۔

انہوں نے اُس سے کہا تھا کہ جب بھی موقع آیا' وہ انہیں اپنی حمایت میں پائے گا۔

لیکن کیا امی کے اپنے کانوں سے یہ سب کچھ سن لینے کے بعد بھی وہ فرزین کا ساتھ دے سکتی تھیں۔

بجا کہ زویا اچھی لڑکی تھی۔

فرزین کو پسند بھی تھی۔

مگر زویا اور جویا کی بنیاد ایک ہی تھی۔

زویا کی پرکھ کا حوالہ اُس کی ماں اور شادی شدہ بہنوں کے اُن کے سسرال میں رویے تھے۔

جویا کے کھوٹا ثابت ہونے کے بعد گھر والے زویا کو بھلا کیونکر قبول کر سکتے تھے۔

فرزین کی پسند اپنی جگہ مگر اُس کی پسند اور خوشی کی خاطر گھر کے مستقبل کو تو داؤ پر نہیں لگایا جا سکتا تھا۔

گھر کا مستقبل گھر کی بہوؤں پر ہی منحصر تھا۔

وہی گھر کو جنت بنا سکتی تھیں اور وہی دوزخ۔

جویا گھر کی پہلی بہو تھی۔

چاہتی تو گھر کو جنت بنانے کے لیے پہلی اینٹ رکھ سکتی تھی۔

مگر ایسا کرنے کے لیے اُسے پہلے اپنی ذات کی محبت سے دامن چھڑانا اور خود غرضی کو دل سے نکال پھینکنا پڑتا۔

پھر اگلی ساری منزلیں اُسی کی ہوتیں۔

ہر سنگ میل پر اسی کا نام لکھا ہوتا۔

لیکن افسوس کہ اُس نے مایوس کیا تھا۔

امی نے یقین سے تو جویا کی شکایت نہ کی' تاہم بابا کو ایک ایک بات بتائی۔

"بیگم صاحبہ!" بابا بولے۔ "میرے' آپ کے اور مدحت بیٹی کے علاوہ کسی چوتھے فرد کو پتا چلے یہ سب کچھ۔"

"کیوں؟"

"زخموں کی نمائش نہیں کی جاتی۔"

"تو کیا انہیں ناسور بننے کو چھوڑ دیا جاتا ہے!"

"دیکھیے' بیگم صاحبہ! ذاتی طور پر میرا یہ خیال ہے کہ جب جانوروں کو سدھایا جا سکتا ہے تو

انسانوں کو بھی سدھارا جا سکتا ہے۔ بہو بیگم کوئی جاہل لڑکی نہیں' پڑھی لکھی اور سمجھدار ہیں۔ ہمیں' آپ سب کو ان کو اپنے موافق سدھارنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ پیار اور دلسوزی سے اچھے اچھے وحشی رام ہو جاتے ہیں۔"

"وہ وحشی ہوتے ہیں' یہ بگڑی ہوئی بہو ہے۔ سدھارنا مشکل ہے۔"

"کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے۔"

"آپ کر لیجیے کوشش۔" امی بولیں۔

"اکیلا تو میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ ہم سب کو مل کر بہو کے سدھار کی کوشش کرنی ہوگی۔"

"معاف کیجیے۔" امی نے ہاتھ جوڑ دیے۔ "ہم میں سے کسی کے پاس اتنا فالتو وقت نہیں ہے۔"

"اس کا مطلب ہے' آپ یقین اور بہو کے درمیان فاصلہ بڑھانا چاہتی ہیں۔" بابا نے نفسیاتی داؤ آزمایا۔

"توبہ کیجیے...... میں کیوں چاہنے لگی۔"

"تو پھر اتنی بیزاری اور لاتعلقی ظاہر کرنے کے در پے کیوں ہیں...... یقین کا گھر بسائے رکھنا ہے تو اس کے اور بہو کے درمیان زیادہ سے زیادہ ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔"

"کون ماں چاہے گی کہ اُس کے بیٹے کا گھر بگڑے۔"

"بیٹے کا گھر بنائے رکھنا چاہتی ہیں تو بہو کی اصلاح کی کوشش کیجیے...... بہو کو گھر میں رکھنا ہے تو اُسے اپنے مطلب کا بنائیے...... اُسے اعتماد دیں...... اور اُس کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اُسے اپنے گھر کی اکائی میں ضم کرنے اور گھر کے ماحول میں جذب کرنے کی کوشش کیجیے...... اُسے احساس دلائیے کہ وہ ہم میں سے ہے۔ اس گھر کی فرد ہے ہم سب اُس کے ہیں۔ وہ اگر ہمیں کوئی غلط نام دے گی تو گویا اپنے ہی گھر کے فرد کو دے گی۔ وہ اگر ہمیں برا بھلا کہے گی تو کسی غیر کو نہیں' اپنے ہی گھر کے افراد کو برا بھلا کہے گی۔"

"اتنی محنت اور ریاضت میں کسی اچھے کام کے لیے نہیں کروں گی۔"

"اس سے اچھا کام اور کیا ہوگا' ہماری آئندہ نسلوں کی بہتری' بہو کی بہتری پر منحصر ہے۔"

امی چپ رہیں۔

"گھر یونہی بنائے اور آباد رکھے جاتے ہیں بیگم صاحبہ...... سب کو مل جل کر کام کرنا پڑتا ہے۔ اچھا ایک بات سنیے۔"

"جی۔"

"بہو کو فون پر جو باتیں کرتے سنا' اُن کا تذکرہ کسی چوتھے فرد سے نہ کیجیے گا...... نگہت اور نزہت سے بھی نہیں۔"

"وہ کوئی غیر ہیں!"

"وہ تو غیر نہیں البتہ بہو ہمارے گھر کی عزت ہے' اس کی تضحیک نہیں ہونی چاہیے کسی کے

سامنے۔"

امی نے بابا کو سنا کی نگاہوں سے دیکھا پھر بولیں۔" چاہے بہو ہماری کتنی ہی تضحیک کر دے؟"

"مت کہیے گا کسی سے ذکر اپنی ہی رسوائی ہوگی۔"

امی چند ثانیے بابا کو دیکھتی رہیں پھر بولیں۔" اچھا بھئی ٹھیک ہے۔"

"شکریہ۔"

"اور ہاں ایک میری بھی سن لیجیے۔"

"جی...... ارشاد۔"

"آپ کی بہو بیگم اپنی بہن کے لیے فرزین کے چکر میں ہیں مگر میں ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہونے دوں گی۔"

"جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں...... خدا کا شکر ہے کہ ہم نزہت سے فارغ ہو چکے...... آپ تلاش کیجیے کہ فرزین کا نام کس کے ساتھ لکھا گیا ہے۔"

"میرا تو اب یہ خیال ہے کہ باہر کی بجائے گھر ہی میں کوئی لڑکی دیکھی جائے۔ اپنے گھر کی لڑکی ہمیں اُلٹے سیدھے نام تو نہیں دے گی کم از کم۔"

"اس میں اپنے پرائے کی بات نہیں' تربیت کا قصور ہے اور بیٹیوں کی تربیت کرتی ہیں مائیں...... مجھے یاد ہے نزہت نے پہلے روز جب آپ کے سامنے اپنی ساس کے لیے مسعود کی ممی کے الفاظ استعمال کیے تو آپ نے فوراً اسے ٹوکا تھا کہ مسعود کی ممی تمہاری بھی ممی ہو گئیں۔ اس کے بعد میں نے کبھی اس کے منہ سے مسعود کی ممی نہیں سنا۔ مسعود کی والدہ کو وہ سیدھا سیدھا امی کہتی ہے۔"

"ناصر صاحب! ہمارے والدین نے ہمیں یہ سکھایا تھا کہ سسرال لڑکی کا اصل گھر اور حقیقی ٹھکانا ہوتا ہے اور سسرال والے ماں باپ اور بہن بھائیوں کی طرح ہوتے ہیں اور دکھ سکھ کے اصل ساتھی وہی ہوتے ہیں لہٰذا میں تو بیٹیوں کو یہی سمجھاتی ہوں۔"

"بہت اچھا کرتی ہیں۔"

☆=====☆=====☆

امی نے بابا کی ہدایت کے مطابق جویا کی باتوں کا کسی سے تذکرہ تو نہ کیا تاہم جویا سے اپنا رویہ بدل لیا۔

وہ اُس سے کھنچ گئیں۔

جویا کوئی بات کرتی تو وہ اُسے نظر انداز کر دیتیں۔

اُس کی کسی بات کا جواب دینا ضروری ہوتا تو بہت سپاٹ سے لہجے میں دیتیں۔

یہ فطری ردِعمل تھا۔

ان کی خفگی نے جویا کو کشمکش میں ڈال دیا۔

کوئی بات تو نہ ہوئی تھی۔

پھر بڑی بی کیوں کھنچ گئی تھیں۔

"خدا جانے کس بات پر اینٹھی ہوئی ہیں بڑی بی۔" جویا نے بارہا سوچا۔

"ٹھیک ہے...... بغیر کسی وجہ کے اینٹھی ہیں تو اینٹھی رہیں' میں بھی پروا نہیں کروں گی۔"

جویا سے سرد مہری اختیار کرنے کے ساتھ دوسرا کام امی نے یہ کیا کہ فرزین کے لیے لڑکی کے انتخاب کے سلسلے میں تینوں بیٹیوں سے خاندان کی لڑکیوں کے بارے میں صلاح مشورہ شروع کر دیا۔

جویا کی نیت بھانپنے کے بعد امی فرزین کی جلد از جلد کہیں نہ کہیں بات ٹھہرا دینا چاہتی تھیں تاکہ جویا اور اُس کے گھر والے فرزین پر نظر لگا کر نہ رکھیں۔

فرزین کی چھٹی ختم ہو چکی تھی اور وہ نئے جہاز پر سائن آن کر چکا تھا۔

اُس کی روانگی سے پہلے امی رشتہ پکا کر دینے کی خواہاں تھیں۔

مدحت بجیا نے فرزین کو نہ صرف امی کے ارادوں سے باخبر کر دینا ضروری سمجھا بلکہ وہ سب کچھ بھی بتا دیا جسے سن کر امی نے جلد از جلد کوئی فیصلہ کر دینا ضروری سمجھا تھا۔

فرزین اُلجھا ہوا تھا۔

جویا سے امی کی ناراضگی بجا۔

مگر زویا کا اس میں کیا دوش تھا!

امی نے گھر میں صلاح مشورہ کیا تو اکثریت نے انعم کے حق میں ووٹ دیے جو امی کے بھائی کی اکلوتی بیٹی تھی۔

"ماموں میاں جہیز بھی خوب دیں گے...... اکلوتی بیٹی ہے۔" نگہت بولی۔

"بھئی' مجھے جہیز دہیز سے غرض نہیں۔ میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ گھر کی لڑکی آئے جو ہماری عزت بھی کرے۔"

انعم کے حق میں اکثریتی فیصلہ ہونے کے بعد امی نے ماموں میاں کے ہاں باضابطہ رشتہ دینے کا ارادہ کیا تو بابا بولے۔" بیگم صاحبہ' فرزین کی رائے بھی تو معلوم کر لیجیے۔"

فرزین جسے مدحت بجیا سے لمحہ لمحہ کی خبر مل رہی تھی' اس لمحے کا منتظر تھا' جب اُس سے اُس کی رضا معلوم کی جائے۔

پوچھا گیا تو اُس نے کہا۔" ہرگز نہیں۔"

"کیوں؟" امی بولیں۔

"کیونکہ انعم مجھے پسند نہیں۔"

"مگر ہم سب کو تو پسند ہے۔" امی نے کہا۔

"زندگی مجھے گزارنی ہے امی!" اس نے کہا۔

"اگر انعم نہیں تو کیا کوئی اور لڑکی پسند ہے تمہیں؟" نگہت نے پوچھا۔

"ہاں...... ہے۔"

"کون ہے وہ؟" چونک کر پوچھا گیا۔

"زویا۔" اُس نے بے خوفی سے کہا۔

مدحت بجیا کے سوا سبھی بھونچکا رہ گئے۔

"اچھا تو یہ بات ہے! تمہاری بھاوج بہن کے لیے قابو کر چکی ہیں تمہیں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔"

"ہم اس گھر سے ایک ہی کو لا کر بھر پائے۔"

"ہو سکتا ہے بھابی آپ کے معیار پر پوری نہ اتری ہوں لیکن ایک گھر میں سب ایک جیسے نہیں ہوتے۔"

"ایک بات سمجھ لینا فرزین۔" امی نے اسے گہری اور فیصلہ کن نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر اس لڑکی سے تمہاری شادی ہوئی تو میں دودھ نہیں بخشوں گی تمہارا۔"

"ٹھیک ہے امی جان...... میں شادی کروں گا ہی نہیں۔" فرزین نے کہا۔

امی نے چونک کر اسے دیکھا۔

فرزین سے اس قدر بے باکی کی توقع نہ تھی انہیں!

امی اور فرزین کے درمیان یہ مکالمہ امی اور بابا کے کمرے میں ہوا اور جویا کو اس کی بھنک بھی نہ ملنے پائی۔

فرزین اسی ہفتے سفر پر چلا گیا۔

اور اسی ہفتے انکشاف ہوا کہ جویا دوبارہ امید سے تھی!

☆=====☆=====☆

جویا کے دوبارہ امید سے ہونے کی خبر سن کر بھی امی کا بگڑا ہوا موڈ ٹھیک نہ ہوا۔

جویا سے ان کی خفگی نے گھر کے ماحول پر تناؤ سا طاری کر رکھا تھا۔

یقین کئی مرتبہ جویا سے امی کی ناراضگی کا سبب پوچھ چکا تھا۔

اسے کچھ پتا ہوتا تو بتاتی۔

وہ تو خود ان کی اس اچانک اور بے سبب ناراضگی پر حیران تھی۔

کچھ بھی تو نہ ہوا تھا۔

نہ ایک لفظ اس نے کہا، نہ ایک لفظ انہوں نے سنا۔

بس اچانک ناراض ہو گئیں۔

اور ایک امی ہی نہیں باقی لوگ بھی جویا کو کھنچے کھنچے سے لگ رہے تھے۔

مدحت بجیا بات کرتیں بھی تو بہت رسمی سے انداز میں...... بلکہ قدرے سرد مہری سے اور نظریں چرا کر۔

نکہت تو پہلے ہی اکھڑی اکھڑی رہتی تھی۔

نزہت کے انداز میں بھی ایک محتاط سی روش جھلکنے لگی۔

اگرچہ امی نے نکہت اور نزہت کو جویا سے اپنی ناراضگی کا اصل سبب نہ بتایا تھا، بس اتنا ہی کہا تھا کہ کوئی بات اس کی بری لگ گئی تھی، تاہم امی کی باتوں سے وہ دونوں سمجھ گئی تھیں کہ جویا سے کوئی ایسی

غلطی سرزد ہوئی تھی جس سے انہیں تکلیف پہنچی تھی۔

اس کشیدگی سے یقین بھی محفوظ نہ رہا تھا۔ وہ جویا سے بات تو کرتا مگر امی اور مدحت بجیا کی موجودگی میں جویا سے بات کرتے ہوئے اس کے لہجے سے تکلف اور غیریت جھلکنے لگتی۔

بابا البتہ اسی طرح بات کرتے، تاہم بات کرتے ہوئے دزدیدہ نظروں سے امی کو دیکھے جاتے۔

بابا اور یقین کے سوا گھر کے تقریباً سبھی افراد سے جویا کے سفارتی تعلقات میں فرق آ گیا تھا۔

پھر اس گھر میں بھی اسے تنہائی سی محسوس ہوتی۔ اپنا میکہ یاد آتا جہاں آپس میں خفگیاں تو ہوتی تھیں مگر بات چیت ایک دو روز سے زیادہ نہ رکتی تھی۔

یہاں تو ایسی خاموشی ہوئی کہ اس کا دم الجھنے لگا۔

یہ بات نہیں کہ ان سے بات کیے بغیر وہ مری جا رہی تھی۔

تکلیف دہ بات یہ تھی کہ اس کشیدگی کا سبب پتا نہ چل رہا تھا اور وہ تنہا سی ہوتی جا رہی تھی۔

اس پر مستزاد یقین کا بار بار یہ استفسار کہ امی کس بات پر ناراض ہیں؟

"مجھے کیا پتا، آپ اپنی اماں جان سے خود ہی پوچھ لیجیے۔" ایک روز وہ چڑ کر بولی۔

"تم نہیں بتاؤ گی تو امی ہی سے پوچھنا پڑے گا۔"

"میرے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں کہ وہ کیوں ناراض ہیں۔"

"خیر ایسا تو نہیں ہو سکتا۔" یقین نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا۔

"کیا مطلب؟" وہ تیوریوں پر بل ڈالتے ہوئے بولی۔

"مطلب یہ کہ کوئی بات ہوئی ضرور ہے مگر تم مجھے بتانا نہیں چاہتیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے نہیں بتانا چاہتی۔" وہ اور چڑ گئی۔

یقین نے امی سے پوچھا تو وہ ٹال گئیں...... محض اس خدشے کے تحت کہ کہیں بات بڑھ نہ جائے۔

"امی پلیز، بتایئے نا۔" یقین مصر رہا۔

"بیٹے کہہ تو دیا کہ کوئی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر گھر کا ماحول اتنا کشیدہ کیوں ہو رہا ہے؟ آپ...... آپ جویا سے ناراض کیوں ہیں؟ بات کیوں نہیں کرتیں اس سے؟"

"ارے بیٹا، کوئی بات نہیں ہے...... اور اگر ہے بھی تو معمولی سی۔"

"مجھے بتایئے نا۔"

"یقین میاں، کیوں تشویش میں پڑتے ہو؟" بابا بولے۔ "کسی عقلمند نے تم جیسوں کے لیے کہا ہے کہ اگر عافیت میں رہنا چاہتے ہو تو ساس بہو کے بیچ مت بولو۔"

"بابا، پتا تو چلنا چاہیے کہ بات کیا ہے۔"

بابا مسکراتے ہوئے یقین کے نزدیک آ گئے اور رازداری سے بولے۔ "میاں! پتا چل بھی

جائے تو کیا، خواتین بالخصوص ساس بہو کے اکثر جھگڑے "کھودا پہاڑ نکلا چوہا" ثابت ہوتے ہیں۔ لہٰذا پہاڑ کھودنے کی مشقت اٹھانے سے فائدہ!" بابا نے لحظہ بھر کو توقف کیا پھر پہلے سے بھی زیادہ رازداری سے بولے۔ "آپس کی بات ہے...... تم تشویش میں مبتلا مت ہو۔ ان شاءاللہ دو چار دن میں افاقہ ہو جائے گا۔ تمہاری امی کو۔"

امی نے تیور بگاڑ کر بابا کو دیکھا تو ان کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

جویا کے دوبارہ امید سے ہونے پر گھر والوں نے ایسی بے اعتنائی برتی کہ وہ بجھ کر رہ گئی۔ اماں کو خبر ہوئی تو انہوں نے جویا کو سمجھایا۔ "بس اب زیادہ کام وام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

حالانکہ خود اپنی بہو کے لیے اماں کا فتویٰ یہ تھا کہ ایسے دنوں میں عورت جتنا کام کرے اتنا ہی اچھا۔ بے چاری بھابی ہر بچے کی دفعہ آخری دنوں تک گھر کے کاموں میں لگی رہا کرتی تھیں۔

سسرال والوں کی ناراضگی کا اس کے میکے میں ذکر چل ہی رہا تھا۔ اماں نے پوچھا۔ "بڑھیا کا دماغ کچھ ٹھیک ہوا؟"

"نہیں۔" جویا نے جواب دیا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا، بڑی بی اینٹھی کس بات پر ہیں۔"

"تمہیں سمجھ میں لانے کی ضرورت بھی نہیں۔ اینٹھی ہیں تو اینٹھی رہیں...... پرواہ کرے تمہاری جوتی۔ وہ ایک دفعہ نہ بولیں، تم سو دفعہ پیٹھ موڑ کر چلو۔"

"واہ اماں، یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" زویا نے لقمہ دیا۔ "اگر کوئی ہم سے خفا ہو اور ہم بھی اس سے نہ بولیں تو پھر اس میں اور ہم میں فرق کیا رہ جائے گا!"

"تو چپکی رہ۔" اماں نے اسے گھورا۔

جویا جسے سسرال والوں کی بے اعتنائی نے رنجیدہ کر رکھا تھا بولی۔ "نہیں اماں...... اسے منع نہ کیا کرو بولنے سے...... جتنا بولتی ہے، بولنے دیا کریں۔"

جویا کی آواز بتدریج بوجھل ہوتی چلی گئی۔

اماں اور زویا اسے دیکھنے لگیں۔

"بولنے دیا کریں اسے۔" اس نے بھیگی ہوئی آواز میں کہا۔ "ٹوکا نہ کریں...... اس گھر سے دوسرے گھر جانے کے بعد یہ کہاں بول پائے گی۔"

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے بھلا!"

"ہو سکتا ہے۔" جویا نے توقف کیا پھر بولی۔ "پورا پورا دن میں چپ کی ڈاٹ منہ میں لگائے گزار دیتی ہوں۔"

اس کے لہجے سے دل گرفتگی عیاں تھی۔

"کیوں لگائے رکھتی ہو ڈاٹ؟" اماں نے کہا۔ "بولا کرو...... بلکہ ڈنکے کی چوٹ پر بولا کرو۔"

"کس سے؟ کس سے بولا کروں؟ دیواروں سے! بڑی بی کے اینٹھ جانے سے تو سبھی کھنچ گئے ہیں مجھ سے۔"

"یقین تو ٹھیک ہیں نا تمہارے ساتھ؟"

"ہاں...... وہ بے چارے تو خیر ٹھیک ہیں۔"

"تو تم اوروں کی فکر کیوں کرتی ہو...... تمہیں تو بس اپنے میاں سے مطلب ہونا چاہیے...... اوروں کی پرواہ مت کرو۔"

"ٹینشن تو رہتی ہے نا اماں۔"

"ارے بھئی کا ہے کو ٹینشن رہتی ہے...... کوئی دیا کھاتی ہو تم کسی کا۔"

"جب ایک آدمی سے گھر کے سب لوگ منہ پھلائے ہوئے ہوں تو ٹینشن ہو ہی جاتی ہے۔"

"بھئی، ان مصیبتوں سے چھٹکارے کا علاج تو خیر تیر بہدف ہے مگر......"

"مگر کیا اماں؟" جویا نے یک گونہ بے تابی سے کہا۔

اماں نے زویا کو دیکھا اور تیوری چڑھا کر بولیں۔ "زویا! اتنی دیر ہو گئی بہن کو آئے ہوئے، تجھے اتنی توفیق نہ ہوئی کہ کچھ کھانے پینے کو اس کے سامنے لا کر رکھتی۔"

"اماں! آپو کھاتی پیتی سسرال سے تعلق رکھتی ہیں، بھوکی تھوڑی آئی ہیں۔" زویا مسکرائی۔

اماں نے جھک کر فرش پر سے اپنی چپل اٹھانے کی تیاری کی اور بولیں۔ "بتاؤں تجھے!"

"سوری اماں۔" زویا نے اپنے کانوں کو چھوا۔

جویا مسکرائے بنا نہ رہ سکی۔

"چل جا، چائے بنا بہن کے لیے۔"

"بہت اچھی سی چائے پیوں گی زویا۔" جویا نے مسکراتے ہوئے زویا کو دیکھا۔

"شیور میام!" زویا بولی پھر اس نے اماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اماں اور وہ علاج تو بتائیے جو آپ بجو کو بتانے والی تھیں، ہو سکتا ہے، کبھی میرے کام بھی آ جائے۔"

"جاتی ہے یا؟" اماں نے اسے گھورا۔ "بے شرم کہیں کی۔"

"او کے...... او کے اماں...... جا رہی ہوں۔"

زویا کے جانے کے بعد اماں جویا کی طرف متوجہ ہوئیں اور بولیں۔ "ان کم بختوں سے چھٹکارے کا آسان علاج یہ ہے کہ تم الگ ہو جاؤ ان سے۔"

"میں خود بھی یہ سوچتی ہوں اماں۔"

"مگر میں فی الحال تمہیں یہ مشورہ نہیں دے سکتی۔"

"کیوں اماں؟"

"زویا کا مسئلہ جو اٹکا ہوا ہے۔ تم الگ ہو گئیں تو تھوڑی بہت جو امید ہے، فرزین سے اس کی بات بن جانے کی وہ بھی جاتی رہے گی۔"

"ویسے اماں، امید رکھنا ہے فضول...... بڑی بی کا ارادہ اپنے بھائی کی بیٹی سے کرنے کا ہے۔ مگر تم تو بتا رہی تھیں کہ فرزین انکار کر کے گیا ہے۔"

"ہاں مگر بڑی بی چالاک ہیں، بیٹے کو کسی نہ کسی طرح شیشے میں اتار کر ہی دم لیں گی۔"

"اچھا!" اماں کا منہ اتر گیا۔

"ہاں...... بھائی سے آج کل بہت میل جول ہے۔ مجھے تو زویا کے لیے اب ذرا بھی امید نہیں رہی۔"

"کوئی بات نہیں...... ہمارا بھی اللہ مالک ہے...... کوئی تو لکھا ہوگا میرے بچی کے مقدر میں۔"

امی نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی پھر بولیں۔ "اگر یہ بات ہے تو تم کل کی علیحدہ ہوتی آج ہو جاؤ۔"

"میرا بس چلے تو گھڑی کی چوتھائی میں یہ کر گزروں۔"

"تو دیر کا ہے کی؟"

"یقین سے ایک آدھ مرتبہ بات کی میں نے اس سلسلے میں مگر وہ ٹال گئے۔"

"کیوں؟"

"بس......"

"بس کی کیا بات، تم دو ٹوک بات کرو...... کھل کر کہہ دو کہ نہیں رہ سکتیں تم ان لوگوں کے ساتھ۔"

جویا گہری سوچ میں دکھائی دینے لگی۔

"اپنا گھر ہوگا، اپنی حکومت ہوگی...... سمجھیں؟"

"جی اماں۔"

"کبھی بھولے بھٹکے ہم بھی آ جایا کریں گے تمہارے گھر...... تمہاری سسرال میں تو قسم لے لو مجھ سے کہ جب بھی جانا ہوا، میں اپنا دل جلا کر ہی واپس لوٹی...... جا کر ہم بیٹھے نہیں کہ تمہاری ساس نندیں نازل ہو جاتی ہیں اور تمام وقت چڑیلیں یوں چپکی بیٹھی رہتی ہیں جیسے اللہ نہ کریم ہم کچھ اٹھا کر بھاگ لیں گے ان کے گھر سے......"

جویا کے چہرے پر خفت ڈولنے لگی۔

"اماں چپکی تو وہ اس لیے بیٹھی رہتی ہیں کہ کہیں میں آپ لوگوں سے کوئی راز کی بات نہ کر لوں۔" جویا نے کہا۔

"ہاں ہاں، میں خوب اچھی طرح سمجھتی ہوں ان کی فطرت...... ارے تمہیں راز کی کوئی بات کرنی ہو تم سے تو کیا وہیں جا کر کریں گے...... اللہ نہ کرے ہمارا اپنا گھر مٹ گیا ہے کیا۔"

"چھوڑیں اماں، آپ اپنا دل نہ جلائیں۔" جویا بولی۔

"علیحدہ ہو جاؤ گی تو یہ پھیرے داریاں ختم ہو جائیں گی...... نجات مل جائے گی تمہیں ان کم بختوں سے۔"

جویا نے تائید میں سر ہلایا۔

"یقین کی تنخواہ کے حصے بخرے بھی نہ ہوا کریں گے...... دینا ضروری ہی ہوا تو یقین ماں کے ہاتھ پر مہینے کے مہینے ہزار پانچ سو رکھ دیا کریں...... لوگوں کو یہ بھی کہنے کو نہیں رہے گا کہ جو میاں کو [illegible] کر بیٹھ گئی...... تم سمجھ رہی ہونا میری بات؟"

"جی اماں۔"

"کام کی چخ چخ بھی جاتی رہے گی...... تم کوئی نوکرانی بن کر گئی ہو جو سب کی خدمت گزاری کرو...... الگ ہو جاؤ گی تو تم دونوں میاں بیوی اور بچی کا کام ہی کتنا...... اپنی مرضی ہوئی تو کھانا گھر میں پکا لیا اور اگر پکانے کو جی نہ چاہا تو باہر سے منگا لیا...... خرچا بھی کم ہوگا...... روک ٹوک بھی جاتی رہے گی، جہاں مرضی آئی گئے جب جی چاہا، واپس آ گئے...... نہ کوئی پوچھنے والا نہ کھچنے والا۔ اپنے گھر میں اکیلی ہوگی تو اپنی حکومت چلانا...... اکیلے رہنے کے بہت سے فائدے ہیں۔"

"ہاں، فائدے تو خیر بہت ہیں۔"

"یقین سے صاف بات کرو کہ میں اس جنجال میں نہیں رہ سکتی...... مجھے علیحدہ رہنا ہے۔"

"بات کروں گی۔"

"کروں گی نہیں کرو...... میری مانو تو جتنی جلدی ہو سکے، الگ ہو جاؤ...... ویسے بھی جب فرزین کے لیے بڑی بی اپنی بھتیجی کا رشتہ لینے پر راغب ہیں تو ساتھ رہنے سے فائدہ؟"

تبھی بھابی آ گئیں۔

اماں اور جویا انہیں دیکھ کر چپ ہو گئیں۔

جویا کو بھابی کی مسکراہٹ جھوٹی لگی۔

ان کا چہرہ اسے اپنا چہرہ محسوس ہوا!

اپنی سسرال میں ایسے موقعوں پر وہ بھی ایسی ہی اجنبیت محسوس کرنے لگی تھی، جیسی اس وقت بھابی کے چہرے سے جھلکتی دکھائی دے رہی تھی۔

☆======☆======☆

ادھر جویا اپنے سسرال والوں کی خفگی کا سبب سمجھنے سے قاصر تھی، ادھر امی کے دل میں جویا کی طرف سے ایسی کدورت براجمان ہو چکی تھی کہ بابا کا سمجھانا بجھانا بھی اس کدورت کو ان کے دل سے رفع نہ کر پا رہا تھا۔

غیر جانبداری سے دیکھا جاتا تو امی جویا سے اپنی ناراضگی میں سو فیصد نہ سہی، بڑی حد تک حق بجانب بھی تھیں۔

بجا کہ جویا سے چھوٹی موٹی خفگیاں تو اس کے اس گھر میں بیاہ کر آنے کے کچھ عرصے بعد ہی شروع ہو گئی تھیں اور یہ کوئی عجوبہ امر نہ تھا۔ جہاں چار برتن ہوں وہاں کھٹ پٹ ہو ہی جاتی ہے۔

والدین اولاد سے ناراض ہو جاتے ہیں۔

سگے بہن بھائیوں میں رنجشیں ہو جاتی ہیں۔

میاں بیوی لڑ پڑتے ہیں۔

بہو کی سسرال والوں سے کھٹ پٹ میں کیا اچنبھا!

مگر امی کو صدمہ اس بات کا تھا کہ جویا نے فون پر سسرال والوں کے لیے نازیبا زبان استعمال کی تھی۔ درحقیقت بجا تو امی کی [illegible] کے آخری لمحوں میں پہنچی تھیں۔ امی تو ان کے پہنچنے سے

پہلے کچھ اس قسم کے جملے سن چکی تھیں۔

''بڑھیا بہت چالاک ہے۔ ایسی چاپلوسی سے کام لیتی ہے کہ کیا بتاؤں۔ نگہت کا میاں تو تھا ہی غلام، اب اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اس نے نزہت کے میاں کو بھی الّو بنا لیا ہے۔ انہیں بیٹا بیٹا کر کے بلاتی ہیں بڑی بی۔''

''بڑے میاں تو میٹھی چھری ہیں۔ ظاہر میں بڑی میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہیں۔ بیٹی، بہو کہہ کر بات کرتے ہیں مگر اندر سے بڑے گہرے ہیں۔ باتوں باتوں میں گھر اوار کر جاتے ہیں، زہر لگتی ہیں مجھے بڑے میاں کی میٹھی باتیں۔''

''اماں! مان لیتی ہوں آپ کی یہ بات کہ بڈھا بڑھیا زیادہ عرصہ نہیں رہیں گے مگر مدحت کم بخت کے تو مرنے کا بھی کوئی چانس نہیں۔ بڑی بی جائیں گی تو یہ ان کی جگہ لے لے گی۔''

''نگہت مردار کو تو خدا غارت کرے۔ دس کی گانٹھ ہے۔ اسے دیکھتے ہی میرے بدن میں آگ سی لگ جاتی ہے۔''

اور بھی بہت کچھ سنا تھا امی نے اس دن!

اور اس کے بعد سے انہیں جویا زہر لگنے لگی تھی۔ اسے دیکھتے ہی امی کی سماعت میں اس کے زہر بھرے الفاظ کی بازگشت گونجنے لگتی!

جویا کا سامنا ہوتے ہی انہیں اپنا بلڈ پریشر بڑھتا محسوس ہونے لگتا!

ان کے گمان میں بھی نہ تھا کہ پیٹھ پیچھے جویا انہیں اور گھر کے دیگر افراد کو ایسے ایسے خطابات سے نوازتی ہو گی۔

جب وہ انہیں امی اور سسر کو پپا کہتی تو ان کا جی چاہتا پھٹ پڑیں اور کہیں امی اور پپا کیوں کہتی ہو۔ بڑھیا اور بڑے میاں کہو نا ہمیں!

امی کے لیے ضبط کرنا مشکل ہو جاتا!

بجا کہ جویا سے کئی مرتبہ چھوٹی موٹی رنجشیں ہوتی رہی تھیں مگر خدا گواہ تھا کہ جویا کے سامنے یا پیٹھ پیچھے ان میں سے کسی نے جویا کے لیے کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کیا تھا جس سے اس کی ذلت یا تضحیک ہوتی۔

جویا کی ''شعلہ بیانی'' امی کے ذہن پر اس بری طرح مرتسم ہوئی تھی کہ بار بار چک پھیری کی چلنے لگتی۔ جویا کے الفاظ انہیں اپنے بازو لگتے۔ رات کو سونے کے لیے بستر پر پڑتیں تو اس کے الفاظ کی بازگشت انہیں مضطرب کر کے رکھ دیتی۔

وہ دل ہی دل میں بہت دیانتداری سے یہ حساب لگانے کی کوشش کرنے لگتیں کہ قصور کس کا تھا؟

تسلیم کہ ان کے اپنے گھر کے لوگ بھی کوئی ماورائی مخلوق نہیں تھے۔ عام انسانوں کی طرح ان میں اچھائیاں بھی تھیں، برائیاں بھی...... خوبیاں بھی تھیں، خامیاں اور کمزوریاں بھی مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ جویا کو بہتوں سے اچھی سسرال ملی تھی۔ بچ کمینے اور زیادہ دکھ [illegible]

لوگ نہ تھے۔ درگزر اور مفاہمت سے کام لینے والے لوگ تھے۔

ایسے گھرانوں کی کمی تو نہیں جو اچھی بھلی بہوؤں سے بھی بجری قزاقوں کا سا سلوک کرتے ہیں، انہیں انسان نہیں دوسرے درجے کی مخلوق سمجھتے ہیں، ان پر ناروا ظلم روا رکھتے ہیں، انہیں مال غنیمت سمجھتے ہیں، استحصال کرتے ہیں ان کا۔

حسب توقع جہیز نہ لا سکنے پر بہو کو زندہ جلا دینا، کسی چھوٹی سی غلطی پر عورت کو گھر سے نکال دینا، اولاد نرینہ پیدا نہ ہونے پر اسے طلاق دے دینا اور ایسی ہی بہت سی مذموم حرکتیں دورِ جاہلیت کی نہیں، آج کے دور ہی کی وارداتیں تو ہیں۔

جویا کو تو چاہیے تھا کہ اچھے لوگوں سے سابقہ پڑنے پر خدا کا شکر کرتی اور ان کی قدر کرتی۔ اگر کہیں کسر تھی بھی تو مفاہمت کی کوشش کرتی۔ اپنے تعلیم یافتہ اور باشعور ہونے کا ثبوت دیتی مگر......!

اور اس مرتبہ تو اس کی باتیں پھانس نہیں، بھالے بن کر امی کے دل میں اٹک گئی تھیں۔

پپا نے حسب عادت بڑی رسانیت سے امی کے دل سے جویا کے خلاف کدورت کو دور کرنے کی کوشش کی مگر امی کو اس مرتبہ بہت غصہ تھا۔

''بس ماسٹر صاحب، اب آپ بہو کی وکالت مت کیجیے گا...... بہت دل دکھا ہے میرا اس کی باتیں سن کر...... ہم تو اسے بیٹی کی طرح سمجھیں اور وہ ہمیں بڑی بی کہے۔''

''بڑی بی ہیں نہیں کیا آپ؟'' پپا مسکرا دیے۔

امی نے پپا کو شاکی نگاہوں سے دیکھا پھر بولیں۔ ''آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں نے چھیلا چھبیلی بننے کی کبھی کوشش نہیں کی...... ہاں، میں ہوں بڑی بی مگر......'' امی کی آواز رندھ گئی۔

''مگر؟'' پپا نے کسی ماہر جراح کی طرح بہت آہستگی سے زخم کو چھیڑ کر اس کی گہرائی کا اندازہ کرنے کی کوشش کی۔

''جب میں بہو کو عزت دیتی ہوں تو اسے بھی چاہیے کہ مجھے عزت دے۔ خدا گواہ ہے اور آپ سب لوگ بھی کہ بہو کو میں اس کے منہ پر ہی نہیں پیٹھ پیچھے بھی دلہن ہی کہتی ہوں۔ بہت دل برا ہو جاتا ہے، اس کی کسی بات پر تب بھی میں اسے کوئی ایسا ویسا نام نہیں دیتی، دلہن ہی کہتی ہوں۔ کیا دلہن کا فرض نہیں بنتا کہ وہ بھی ہمارے سامنے ہی نہیں، پیٹھ پیچھے بھی احترام کریں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی ماسٹر صاحب کہ دلہن پیٹھ پیچھے ہمارے متعلق اس طرح کی باتیں کرتی ہوں گی۔ سچ پوچھیے تو مجھے تو اس دن کے بعد سے دلہن کی صورت بری لگنے لگی ہے۔ جب وہ سامنے پڑتی ہیں، میرے کانوں میں ان کے وہی الفاظ گونجنے لگتے ہیں...... مجھے اور میری بیٹیوں کو منحوس اور ڈائنیں کہتی ہیں، آپ کی بہو بیگم۔''

''آپ کی بھی ہیں۔'' پپا مسکرا کر بولے۔

''کاش! نہ ہوتیں۔''

''یہ نہ ہوتیں تو کوئی اور ہوتیں...... کسی نہ کسی لڑکی کو تو آپ کی بہو بننا ہی تھا...... شکر کیجیے کہ اپنی بہو پھر بھی بہت بھلی ہے۔ پیٹھ پیچھے ہی آپ کو برا کہتی ہے ورنہ بعض بہوئیں تو ڈنکے کی چوٹ پر ساس نندوں کو برا بھلا کہتی ہیں، سسرال والوں سے لڑتی جھگڑتی ہیں۔ نہ خود چین سے رہتی ہیں، نہ دوسروں

کوچین سے رہنے دیتی ہیں اور سسرالیوں کا ناک میں دم کر کے رکھتی ہیں۔"

"بہت بھلی ہیں بہو!" اماں نے بیا کی بات طنزیہ دہرائی۔

"بہت بری بھی نہیں۔" بیا دھیرے سے مسکرائے۔

"ایسی بہو آپ ہی کو مبارک۔"

"شکر ہے۔"

"شکر ہے!"

"بیگم صاحبہ! ہم تو شکر ادا کرنے والوں ہی میں سے ہیں...... بھئی دیکھیے، خدانخواستہ زیادہ بری مل جاتی تو ہم کیا کر لیتے۔ شکر ہے کہ اللہ نے ہمیں ایسی بہو دی ہے جس کی برائیاں، خامیاں اور کوتاہیاں برداشت کرنے کی ہمت ہے ہم میں۔"

امی نے شاکی نگاہوں سے بیا کو دیکھا۔

بیا اپنی جگہ سے اٹھ کر امی کے نزدیک آ بیٹھے اور اپنا بازو ان کے شانوں پر دراز کرتے ہوئے بولے۔

"بہو بیگم سے آپ کی ناراضگی نے نہ صرف گھر کے ماحول کو متاثر کر رکھا ہے بلکہ یقین میاں کی تشویش بھی بڑھتی جا رہی ہے...... کل بھی وہ مجھ سے پھر پوچھ رہے تھے کہ امی جویا سے ناراض کیوں ہیں..... گھر میں اپنے پرایوں کا آنا جانا لگا ہی رہتا ہے، اس سے پہلے کہ گھر کی بات باہر نکلے، بہو سے آپ کی ناراضگی ختم ہو جانی چاہیے۔"

"آپ میری جگہ ہوتے تب پوچھتی میں آپ سے۔" امی نے شاکی لہجے میں کہا۔

"کیا پوچھتیں؟"

"یہ کہ کیا بہو سے ناراضگی ختم کر سکتے ہیں آپ؟"

"بخدا! میں تو کر دیتا۔" بیا بولے۔ "دیکھیے بیگم صاحب، زندگی تو ہنسی خوشی اور مل جل کر رہنے کے لیے بھی بہت کم ہے اس میں ناراضگیوں اور نفاق کو جگہ کیوں دی جائے۔"

امی کچھ نہیں بولیں۔

"ایک مشورہ دوں آپ کو؟" بیا نے کہا۔

"جی..... فرمائیے۔"

"بہو کو ایک روز اپنے سامنے بٹھائیے اور کمرے کے دروازے کی چٹخنی چڑھا کر جتنے بھی گلے شکوے ہیں، آپ کو ان سے وہ سب کر ڈالیے۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے، گلے شکوے کرنے کی۔"

"آپ کو ضرورت نہ سہی مگر اس گھر کی فضا پر چھائی اس دھند کو چھانٹنے کے لیے جو جویا سے آپ کی ناراضگی کی وجہ سے چھائی ہوئی ہے، یہ عمل بہت ضروری ہے۔"

امی چپ رہیں۔

چند ثانیے بعد بیا نے مزید کہا۔ "اگر آپ اسی طرح چپ [illegible]

غلطی کا احساس کیوں کر ہوگا۔" بیا نے دو گھڑی کو توقف کیا پھر بولے۔ "زخم کے ناسور بن جانے کا اندیشہ ہو تو چیرا لگا کر صفائی کر دینی چاہیے...... بہو سے آپ کو جو شکایت ہے ضرور کریں، انہیں ان کی غلطی کا احساس دلائیں تا کہ وہ اس غلطی کو پھر نہ دہرائیں محتاط رہیں۔"

"خاک محتاط رہیں گی...... اس گھر میں نہ کہیں گی تو اپنے میکے جا کر ہمیں الٹے سیدھے خطابوں سے یاد کریں گی۔"

"ارے صاحب! اتنی گہرائیوں میں کہاں جاتی ہیں آپ...... آپ تو ساس ہیں، بیٹھے بیٹھے تو لوگ حاکم وقت کو برا کہتے ہیں۔"

"ناظر صاحب! نہ میں بہو سے کوئی گلے شکوے کرنا چاہتی ہوں، نہ سننا سنانا چاہتی ہوں۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجیے۔"

"ڈائیلاگ نہ کرنا ہمارا قومی المیہ ہے۔ ایک ہی گھر میں رہنے والے لوگ بھی ایک دوسرے کے خلاف گلے شکوے دل میں تو لیے پھرتے ہیں، رو برو بیٹھ کر بات نہیں کرتے، حالانکہ آمنے سامنے بیٹھ کر بات کرنے سے بہت سی شکایتیں دور ہو جاتی ہیں اور بہت سے مسائل حل ہو جاتے ہیں..... کیا آپ یہ چاہتی ہیں بیگم صاحب کہ بہو سے آپ کی ناراضگی کا قصہ گھر سے باہر جا پہنچے اور لوگ اپنے اپنے حسابوں قیاس آرائیاں کریں۔"

"آپ اطمینان رکھیے گھر کی بات گھر ہی میں رہے گی۔"

"کیسے؟"

"اس سے آپ کو کیا؟"

"چلیے..... ہمیں کچھ نہیں۔" بیا مسکرا دیے۔

بیا سے اس بات چیت کے بعد امی کے رویے میں یہ تبدیلی رونما ہوئی کہ انہوں نے گھر آنے والے اپنے پرایوں کے سامنے جویا سے بات چیت شروع کر دی مگر جب گھر میں باہر کا کوئی فرد نہ ہوتا تو وہ جویا سے بولنے چالنے سے اجتناب کرتیں۔

امی نے مصلحتاً اپنے رویے میں جو تبدیلی پیدا کی، اسے جویا نے منافقت سے تعبیر کرتے ہوئے اماں سے شکایتاً کہا۔ "ایسی چالاک ہیں بڑی بی کہ دوسروں کے سامنے تو بات کرنے لگتی ہیں مجھ سے مگر ویسے ان کی زبان پر میرے لیے تالا پڑ جاتا ہے۔ کوئی گھر آیا ہوا ہو تو اس کے سامنے بڑی میٹھی بن جاتی ہیں لیکن بعد میں وہی کڑوی کی کڑوی۔"

"کمبخت! کونین کی گولی!" اماں منہ بنا کر بڑبڑائیں۔

"کونین سے بھی کڑوی۔" جویا بولی۔

"ہوں!" اماں کے چہرے سے تشویش جھلکنے لگی۔ "اور کام کاج کون کر رہا ہے آج کل؟ تم تو تنگ کرتیں؟"

"کرنا پڑتا ہے..... کوئی چھوٹے منہ سے بھی نہیں کہتا کہ رہنے دو۔"

[illegible]

''تو پھر کیا کروں اماں؟''

''بھئی سیدھی بات بتائی ہے تمہیں کہ الگ ہو جاؤ۔''

''موقع کی تلاش میں ہوں...... کسی روز موقع دیکھ کر ان سے بات کروں گی۔''

''جب زویا کے لیے کوئی امید نہیں رہی تو پھر موقع کیا دیکھنا...... جتنی جلدی ہو سکے، اس جہنم سے نکل جاؤ۔''

جہنم!

کس قدر مناسب لفظ استعمال کیا تھا اماں نے۔

اس نے گھٹی گھٹی ایک سرد آہ کھینچی۔

آہ!

کیسے کیسے خواب دیکھے تھے اس نے شادی سے پہلے!

کتنی چاہت سے بیاہ کر لے گئے تھے یقین کے گھر والے اسے!

اور شادی کے بعد کچھ دن کیسے واری ہوتے رہے تھے سب اس پر!

ان دنوں اس کے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے تھے۔

وہ اڑی اڑی اور مسحور سی پھرتی تھی۔

ساس کا دلہن دلہن کہتے منہ نہ دکھتا تھا۔

یہاں بیٹھ جاؤ۔

یہ کھا لو۔

وہ پہن لو۔

اماں کے ہاں ہو آؤ۔

باہر گھوم پھر آؤ۔

کام کرنے کی ضرورت نہیں۔

آرام کرو۔

مریم کی دفعہ کیسے خوش تھے وہ سب!

مگر اس دفعہ!!

اس دفعہ تو سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

کسی نے پلٹ کر نہ پوچھا تھا کہ کیسی طبیعت تھی؟

کس اسپتال میں نام لکھوایا تھا؟

کوئی یہ نہ پوچھتا کہ چولہے کے سامنے کھڑی ہو کیا گرمی تو نہیں لگ رہی۔

یقین کے سوا سبھی کے رویے میں سرد مہری تھی۔

پیا کے التفات سے اسے دکھاوے کی بو آتی۔

کیسی ناقدری ہو رہی تھی اس کی!

مگر حیرت انگیز امر تھا کہ مریم کی قدر گھر میں روز بروز بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ سب دن بھر اسے اٹھائے اٹھائے پھرتے...... اس کی ہر ادا پر نثار ہوتے۔ اس کی حرکات سے محظوظ ہوتے اور تو اور نگہت بھی اس سے انتہائی محبت کرتی۔

''اونہہ! ہم سے نفرت ہماری بچی سے محبت!'' جویا سوچتی۔

بچی سے ان سب کو محبت کرتے دیکھ کر وہ کبھی کبھی متضاد کیفیات کا شکار ہو جاتی۔ کبھی اسے یک گونہ طمانیت اور خوشی کا احساس ہوتا مگر کبھی کبھی اس کا جی چاہتا، ننھی مریم کو اپنی آغوش میں چھپا کر کسی ایسی جگہ جا چھپے جہاں ان لوگوں میں سے کسی کا سایہ بھی نہ پہنچ سکے!

مریم اپنی اماں کی ان متضاد کیفیات سے قطعاً لاتعلق سی دادا، دادی، چچا اور پھوپھیوں کی محبت کے مزے لوٹ رہی تھی!

☆=====☆=====☆

اماں اکثر ایک مثل دہرایا کرتی تھیں کہ روپ کی روئے کرم کی کھائے...... نزہت کرم کی کھانے والوں میں سے نکلی!

شادی کے چند ماہ بعد ہی مسعود کی ترقی ہو گئی۔

نزہت کے سسرال والے زندہ دل لوگ تھے۔ کھانے پینے اور سیر و تفریح کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ زندگی کو بے دلی سے نہیں زندہ دلی سے گزارتے۔

مسعود کی ترقی ہوئی تو مسز لطفی نے سب سے پہلے تو شکرانے کے طور پر گھر میں قرآن خوانی اور درود و سلام کی محفل منعقد کی۔ بعد ازاں بڑی بہو کی فرمائش پر ایک فیملی پکنک کا پروگرام بنا ڈالا۔ گرمی کا موسم تھا۔ کسی ایسے پکنک پوائنٹ کی تلاش میں جہاں جا کر ٹھنڈک کا احساس بھی ہو اور سکون کا بھی نگہ انتخاب کینجھر جھیل پر جا کر ٹھہری۔

نزہت کے جیٹھ نے کہا۔ ''کوسٹر کا بندوبست میں کر دوں گا۔''

مسز لطفی بولیں۔ ''کوسٹر میں ہم چھ افراد جاتے کیا اچھے لگیں گے۔''

مسعود نے کہا۔ ''ایسا کریں، نزہت اور بھابی جان کے گھر والوں کو بھی مدعو کر لیں۔''

نزہت اور اس کی جیٹھانی دونوں ہی مسعود کی اس دریا دلی سے بہت خوش ہوئیں۔ مسز لطفی کو بیٹے کی تجویز سے ذرا اختلاف نہ ہوا۔

''ضرور!'' مسز لطفی نے کہا۔ ''پکنک پر تو جتنے لوگ ہوں، اچھا ہے...... اتنا ہی مزا آتا ہے۔''

ایک بڑی پکنک کا پروگرام بن گیا۔

نزہت اور مسعود نے امی سے اس پروگرام کا ذکر کیا تو وہ ٹال گئیں لیکن جب مسز لطفی نے فون کیا تو انہیں سمدھن کے منہ کو بادلِ ناخواستہ راضی ہونا پڑا۔

''نگہت اور ان کے میاں سے بھی کہہ دیجئے۔'' مسز لطفی بولیں۔

''کہا...... کہہ دوں گی۔''

''اور ہماری شاکرہ [illegible] ہم انہیں آرام سے لے چلیں گے، کوئی تکلیف نہ ہوگی

انہیں۔"

امی سمجھ گئیں کہ مسز لطیفی کی مراد جویا سے تھی۔

"جی..... کہہ دوں گی۔" امی نے خوش دلی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی۔

"ہماری بڑی بہو کے میکے والے بھی ہوں گے، آپ لوگ بھی ہوں گے، ماشاءاللہ بڑی رونق رہے گی۔" مسز لطیفی بولیں۔

بیا کو اس پروگرام کا علم ہوا تو خوش ہو کر بولے۔ "شکر ہے، شدید گرمی کے موسم میں کسی سمت سے تو کوئی خوشگوار جھونکا آیا۔"

"بیٹی کے ہاں جائیں گے، پھل پھلواری کا بندوبست کر لیجیے۔"

"کر لیں گے بیگم صاحبہ۔"

"صبح سے شام تک کا پروگرام ہے۔ کھانا وانا بھی پکوانا پڑے گا، ساتھ لے جانے کے لیے۔"

"ظاہر ہے۔"

"آپ کی بہو بیگم کو خاص طور سے دعوت دی ہے نزہت کی ساس نے۔"

"اچھے استاد اپنے شاگردوں کو یونہی عزیز رکھتے ہیں۔"

"اچھی استاد!" امی نے بیا کو معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا۔

"لاحول ولاقوۃ۔" بیا جھینپ گئے۔

"بھئی، میں تو یہ کہہ رہی تھی، خدا خیر کرے، سمدھن کی تعریف ہو رہی ہے..... ویسے ہیں بڑی زبردست عورت..... ساڑھی، جوڑا، پرس، سینڈلیں، سرخی، کاجل، اس عمر میں بھی جوانوں کی طرح رہتی ہیں۔"

بیا نے خاموشی میں عافیت جانی۔

"شرما گئے!" امی نے بیا کو چھیڑا۔

بیا بدستور چپ رہے۔

"یا مس صدیقی یاد آ گئیں؟"

"لاحول ولاقوۃ۔" بیا نے پھر کہا۔

"ارے بھئی، ہم شیطان تھوڑی ہیں جو آپ لاحول پڑھ رہے ہیں بار بار۔" امی کی مسکراہٹ گہری پڑ گئی۔

بیا اور جھینپ گئے پھر بولے۔ "عمر رسیدگی بھی آپ عورتوں کے عورت پن کا اکثر کچھ نہیں بگاڑ پاتی۔"

"ہاں بھئی تھے دار سمدھن ملی ہیں تو اب ہمیں بڑھاپے ہی کا طعنہ دیں گے آپ۔"

"لگتا ہے، آج آپ بہت موڈ میں ہیں۔"

"ارے ماسٹر صاحب۔" امی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ "بس کبھی کبھی آپ ہی سے دل لگی کر کے خوش ہو لیتی ہوں ورنہ تو......"

"ہاں کہیے نا، رک کیوں گئیں؟"

"اتنی پریشانیاں ہیں زندگی میں کہ اگر آپ سے کبھی کبھار ہنسی مذاق کر کے دل نہ بہلاؤں تو شاید سینہ پھٹ جائے۔" امی اچانک ہی بہت اداس نظر آنے لگیں۔

"کیا بات ہے؟" بیا نے بہت دلسوزی سے پوچھا۔

"کیا بتاؤں!" امی نے ایک سرد آہ کھینچی۔

"بتایئے تو سہی۔" بیا نے اصرار کیا۔

"فرزین بہت یاد آ رہا ہے مجھے۔"

"ان شاءاللہ، خیر بت ہی سے ہوں گے فرزین میاں۔"

"دل کو تو میرے بھی یہی یقین ہے مگر وہ جو ایک ماں میرے اندر بیٹھی ہے۔ وہ دل کو قرار سے کب رہنے دیتی ہے۔"

"پھر تو بڑی مجبوری ہے صاحب۔"

"فرزین سے مجھے ایسی امید بالکل بھی نہیں تھی۔"

"کیسی؟"

"دلہن کی بہن کی طرف دل لگا بیٹھنے کی۔"

"بیگم صاحبہ! دل ہی تو ہے..... دل پر کسی کا کیا اختیار!"

امی کے چہرے پر ناگواری ڈولنے لگی۔

"ویسے..... بیگم صاحبہ..... بیا ہچکچاتے ہوئے بولے۔ "فرزین نے اپنی زندگی آپ گزارنی ہے۔ کیا ہرج تھا اگر آپ اس کی خواہش رد نہ کرتیں۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" امی ناگواری سے بولیں۔ "ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے، دلہن کی بہن اس گھر میں نہیں آئے گی۔"

"کیوں؟"

"میں ایک ہی کو لا کر بھر پائی۔" امی نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ "بڑی ہماری امیدوں پر پوری نہیں اتری تو چھوٹی بھلا کیسے اترے گی..... ایک ہی ماں کے پیٹ میں پاؤں پھیلائے ہیں دونوں نے جیسی ایک ویسی ہی دوسری بھی ہوگی۔"

"یہ کوئی مسلمہ اصول نہیں..... ایک ہی والدین کی اولاد میں اکثر زمین و آسمان کا فرق بھی دیکھنے میں آیا ہے۔ ہوسکتا ہے، بہو بیگم کی بہن ان سے زیادہ اچھی ہوں۔"

"زیادہ اچھی!" امی نے ابرو چڑھاتے ہوئے بیا کو یوں دیکھا جیسے وہ کسی فاش غلطی کے مرتکب ہوئے ہوں پھر بولیں۔ "ماسٹر صاحب! دلہن اچھی کب ہیں جو ان کی بہن کے ان سے زیادہ اچھی ہونے کی توقع رکھی جائے!"

"کچھ نہ کچھ اچھائی تو ضرور ہوگی بہو میں۔"

"مجھے تو کوئی اچھائی نظر نہیں آئی۔"

"بیگم صاحبہ! یہ تو میں نہیں مان سکتا۔"

"کیوں؟"

"ہر آدمی متضاد صفات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ پلس اور مائنس پوائنٹس ہر شخص میں ہوتے ہیں...... ہماری بہو بیگم میں اگر کچھ خرابیاں ہیں تو کچھ اچھائیاں بھی ضرور ہوں گی۔"

"کاش ہوتیں!"

بابا زیر لب مسکرا دیے۔

"ساس کی نظر سے مت دیکھیے۔" بابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

امی نے ٹیڑھی نگاہوں سے بابا کو دیکھا اور بولیں۔ "آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے ساس تعصب کا دوسرا نام ہو!"

"جب بہو موضوع بحث ہو تو ساس کے معنی تعصب ہی ہوتے ہیں۔" بابا کی مسکراہٹ گہری پڑ گئی تھی۔

"اور جب ساس موضوع بحث ہو تو؟" امی نے ابرو چڑھائے۔

"تو بہو کے معنی تعصب ہو جاتے ہیں۔" بابا کی مسکراہٹ ہنسی میں تبدیل ہو گئی۔

"یعنی آپ بہو اور ساس کو ایک دوسرے کا بیری سمجھتے ہیں۔"

"خلق خدا سمجھتی ہے مگر میں نہیں سمجھتا۔"

"آپ کیا سمجھتے ہیں، ذرا یہ تو بتائیے۔"

"میں تو ساس کے معنی ماں اور بہو کے معنی بیٹی سمجھتا ہوں...... اور ماں بیٹی نام ہیں محبت کے۔"

امی لاجواب سی ہو کر بابا کا منہ تکنے لگیں پھر بولیں۔ "بہر حال مجھے فرزین کے لیے دلہن کی بہن کو اپنے گھر لانا کسی صورت گوارا نہیں۔"

"آپ کی مرضی ہے بیگم صاحبہ۔"

"فرزین جب سے گیا ہے، اس نے ایک فون نہیں کیا۔"

"حالانکہ فرزین میاں کا جہاز دو تین پورٹس پر رک چکا ہے۔"

"ہاں، پرسوں جب مدھو نے کمپنی فون کر کے پوچھا تو جہاز کسی بندرگاہ پر ٹھہرا ہوا تھا۔"

"خدا انہیں اپنی حفظ و امان میں رکھے۔"

امی رونے لگیں۔

"بھئی رونے کی کیا بات۔"

امی نے بھیگی آنکھوں سے بابا کی طرف دیکھا اور بولیں۔ "ماں کا دل ہوتا آپ کے سینے میں تو یہ بات ہرگز نہ کہتے۔" امی نے توقف کیا پھر رنجور لہجے میں کہا۔ "بہت یاد آ رہا ہے مجھے وہ۔"

بابا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بولے۔ "بیگم صاحبہ! فرزین میاں یاد تو مجھے بھی بہت آ رہے ہیں مگر...... کیا کیا جائے...... مجبوری...... اچھا خیر فی الحال تو یہ سوچیے کہ پکنک کے لیے کیا تیاری کرنی ہے۔"

امی نے چاہا کہ کہیں تیاری تو خیر ہو ہی جائے گی، پہلے نگہت کو تو فون کر دیا جائے کہ نزہت کی ساس نے اسے بھی دعوت دی تھی مگر وہ کچھ بھی نہ کہہ پائیں۔ الفاظ دھواں بن کر ان کے حلق میں گھٹ سے گئے اور ان کا دل بری طرح دکھنے لگا۔ فرزین اس وقت انہیں بری طرح یاد آ رہا تھا۔

"خدا جانے کیسا ہو گا میرا لال!" امی نے دل ہی دل میں سوچا اور فرزین کی یاد آنسو بن کر ان کی آنکھوں میں ہلکورے لینے لگی۔

☆=====☆=====☆

چار پانچ دن پکنک کی تیاریاں زور شور سے جاری رہیں۔

نگہت تو پکنک پر جانے کے لیے ایک عدد نیا جوڑا بھی خرید لائی۔

نگہت اور جویریہ دونوں کو مسز لطیفی نے نہ صرف سمدھن کے توسط سے پکنک پر چلنے کی دعوت کہلوائی بلکہ بعد میں دونوں کو خود بھی فون کر کے دعوت دی۔

جویریہ کو نزہت اور مسعود نے بھی بطور خاص دعوت دی اور یوں نزہت سے جویریہ کے سفارتی تعلقات میں گزشتہ دنوں کی نسبت قدرے بہتری رونما ہو گئی۔

جیسے جیسے پکنک کا مقررہ دن نزدیک آتا گیا، جویریہ سے گھر والوں کے تعلقات میں تیزی کا رجحان آتا چلا گیا۔ امی کا موڈ بھی قدرے بہتر ہو گیا۔

ایک روز قبل نزہت نے فون پر اس سے پوچھا۔ "بھابی، آپ کے پاس دھانی رنگ کا سوٹ تو ہے نا؟"

"ہاں...... کیوں؟"

"بجیا، نگہت اور ہم کل دھانی رنگ کے کپڑے پہنیں گے۔ آپ بھی اپنا دھانی سوٹ پہنیے گا۔" نزہت بولی۔

"ٹھیک ہے۔"

"بھابی، ہم نے تو کیمرے میں ریل ڈلوالی ہے، ہو سکے تو آپ بھی یقین بھائی کا کیمرہ ساتھ لے لیجیے گا۔"

"اور کچھ؟"

"اور......؟" نزہت سوچ میں پڑ گئی۔ "ہاں...... وہ فرزین بھائی کے کمرے میں واک مین رکھا ہے۔ وہ بھی ساتھ لے لیجیے گا۔"

"اور؟"

"بس۔"

شام کو نگہت اپنے میاں اور بچوں کے ساتھ میکے آ گئی۔ طے پایا تھا کہ پکنک کے لیے کرائے پر لی جانے والی کوسٹر نزہت کی سسرال سے اس کی جٹھانی کے میکے ہوتی ہوئی نزہت کے میکے پہنچے گی اور وہاں سے سب کو لے کر مقام مقصود کی طرف جائے گی۔

چونکہ پکنک کا پروگرام مسعود کی ترقی کی خوشی میں رکھا گیا تھا لہٰذا مسز لطیفی نے دونوں

بہوؤں کے میکے والوں سے کہہ دیا تھا کہ پکنک کے موقع پر کھانا پینا سب کچھ انہی کی طرف سے ہوگا، وہ لوگ کھانے اور پینے کا کوئی سامان ساتھ نہ لیں مگر پھر بھی امی نے ساتھ لے جانے کو مٹھائی اور پھل منگوا لیے تھے۔

تیاریاں بتا رہی تھیں کہ پکنک زبردست ہوگی۔

یقین نے جویا سے زدیا کو بھی ساتھ لے چلنے کو کہا تھا مگر اس نے منع کر دیا۔

"کیوں بھئی؟" یقین نے پوچھا۔

"بن بلائے تو کوئی اللہ میاں کے ہاں بھی نہیں جاتا۔"

"بلا تو رہے ہیں ہم۔"

جویا نے یقین کو یوں دیکھا جیسے اس نے کوئی بیوقوفانہ بات کہہ دی ہو پھر بولی۔ "آپ تو خود مہمان بن کر جا رہے ہیں۔"

"تو کیا ہوا؟"

"ہوا یہ کہ آپ کے گھر والوں میں سے کسی نے جھوٹوں بھی نہیں کہا کہ زدیا کو بھی لے چلو۔"

"ہم تو کہہ رہے ہیں جناب!"

"آپ کے کہنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔"

"اچھا! اتنے بے حیثیت ہو گئے ہم۔"

"لگتا ہے، اس گھر میں تو ہم دونوں ہی بے حیثیت ہیں اور رہیں گے۔" جویا کے لہجے سے دل شکستگی عیاں تھی۔

"فکر مت کرو، بہت جلد ایک پکنک تمہارے گھر والوں کے ساتھ منائیں گے..... ایک کلائنٹ نے کہہ رکھا ہے مجھ سے کہ جب بھی سمندر پر پکنک کا پروگرام ہو، ہٹ ان کی طرف سے مل جائے گی۔"

"بات پکنک کی نہیں ہے۔"

"تو پھر؟"

"جس گھر میں آدمی رہے، وہاں اس کی کچھ عزت، کچھ وقعت، کچھ اختیارات تو ہونے چاہئیں۔"

"بالکل ہونے چاہئیں۔"

"مگر میری تو اس گھر میں نہ کوئی عزت ہے نہ وقعت..... نہ کچھ اختیار۔" اس نے توقف کیا پھر بھرائی ہوئی سی آواز میں بولی۔ "جب جس کا جی چاہتا ہے، مجھ سے منہ پھلا لیتا ہے..... جب جس کی مرضی ہو، بے عزت کر دیتا ہے مجھے..... میرے گھر سے کبھی کوئی بھولے بھٹکے آ جائے تو ایسی رکھائی اور بے مروتی برتی جاتی ہے کہ کیا بتاؤں۔"

یقین کچھ قائل، کچھ شرمسار سا دکھائی دینے لگا۔ یوں لگتا تھا جیسے جویا نے جو کچھ کہا، اس سے انکار کی جا نہ پا رہا تھا وہ۔ ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے جویا نے دونوں ہاتھوں سے اپنے بالوں کو

سپیتا پھر دھیرے سے بولی۔ "ایک بات کہوں آپ سے؟"

"بولو۔"

"مانیں گے نا؟"

"بات بتاؤ تو سہی۔"

"ہم دونوں....."

"ہاں ہاں بولو بھی..... رک کیوں گئیں؟"

"الگ ہو جاتے ہیں ہم دونوں۔"

"الگ ہو جاتے ہیں! کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ..... اپنا الگ گھر بناتے ہیں۔"

یقین کے چہرے سے جویا کی بات سے اختلاف کا تاثر جھلکنے لگا۔

"ٹھیک ہے نا؟" جویا کے لہجے میں دل گرفتگی اور شکایت کی جگہ ایک معشوقانہ ادا نے لے لی تھی۔

"نہیں۔" یقین بلا تامل بولا۔

"کیوں؟" جویا نے تیوری چڑھائی۔

یقین پہلو بدل کر رہ گیا۔

"بولیے نا، کیوں؟"

یقین نے ذرا کی ذرا اس کی طرف دیکھا پھر کہا۔ "الگ گھر بنانا آسان نہیں ہوتا۔"

"مشکل کیا ہے؟" جویا نے قدرے ناگواری سے کہا۔

یقین چند ثانیے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "مشکل یہ ہے کہ ہمارے وسائل علیحدہ گھر بنانے کے لیے کافی نہیں۔"

"کرائے پر لے لیں گے۔"

یقین نے جویا کو یوں دیکھا جیسے اس نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو پھر بولا۔ "گھر صرف چار دیواری سے نہیں بنتا..... اور بھی بہت کچھ درکار ہوتا ہے گھر بنانے کے لیے۔"

"سب کچھ ہے تو سہی ہمارے پاس۔"

"کیا ہے؟"

"فرنیچر، برتن، استعمال کی چیزیں۔" جویا نے کہا۔

"بیوقوف ہو تم۔"

"اس میں بیوقوفی کی کیا بات ہے۔"

"اچھا خیر..... میں بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔"

"دو کمروں کا کوئی فلیٹ لے لیں گے کرائے پر، فی الحال ہم لوگوں کے لیے بہت ہوگا۔"

"پلیز!" یقین کے لہجے سے جھنجھلاہٹ عیاں تھی۔

"پلیز!" جویا کا لہجہ لجاجت میں ڈوبا ہوا تھا۔

یقین نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"کرایہ میں اپنی تنخواہ سے دے دیا کروں گی۔"

یقین نے پھر اس کی طرف دیکھا۔

"پلیز!" جویا نے اسے اپنی دلبرانہ مسکراہٹ سے رجھا کر رام کرنے کی کوشش کی۔

یقین کی نگاہوں میں گھائل سی کیفیت ڈولنے لگی۔

"تم مجھے میرے گھر والوں سے دور کر دینا چاہتی ہو۔" وہ شاکی لہجے میں بولا۔

"نہیں...... بائی گاڈ نہیں۔"

"تو پھر؟"

"آپ سب سے ملا کیجیے گا بلکہ...... بلکہ اپنی امی کو اپنی تنخواہ میں سے ماہوار کچھ پیسے بھی دے دیا کیجیے گا...... مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"کوئی اور بات کرو۔"

"پلیز! مان لیں نا میری بات۔" جویا نے اسے برمانے کو اپنی بانہیں اس کے گلے میں حمائل کر دیں اور کھلی آنکھوں خواب دیکھنے لگی۔ "اپنا گھر ہوگا...... پرائیویسی ہوگی...... ہمارے درمیان کوئی تیسرا نہیں آسکے گا۔"

"تیسرا تو آچکا ہے۔" یقین نے اپنی کورٹ میں سوئی ہوئی مریم کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا پھر مزید اضافہ کیا۔ "بلکہ چوتھا بھی آنے والا ہے۔"

"میں اوروں کی بات کر رہی ہوں جناب۔"

یقین جو اس کے بازوؤں کے لمس سے پسیج گیا تھا اپنے بازوؤں کو پیچھے رخ موڑ کر اسے اپنے بازوؤں کے شکنجے میں جکڑتے ہوئے بولا۔ "رات کے وقت اچھی اچھی باتیں کرتے ہیں...... سمجھیں۔"

جویا نے فی الحال اتنا ہی کافی جانا اور اس سلسلے میں باقی بات آئندہ کے لیے موقوف رکھی کہ اگلے روز پکنک پر جانے کے لیے موڈ خوشگوار رکھنا ضروری تھا۔

پکنک پر جانے والے قافلے میں مسز لطفی کا کنبہ، نزہت کی جٹھانی، مرشدہ کی والدہ، دو غیر شادی شدہ بہنیں، ایک بھائی اور جویا کی سسرال سے یقین کے سوا جملہ افراد کنبہ اور نگہت کا کنبہ شامل تھے۔

سب ہنستے بولتے، کھاتے پیتے اور گاڑی میں لگے کیسٹ پلیئر پر گانے سنتے پکنک پوائنٹ تک پہنچے اور سہ پہر تک وہاں رہے۔ جویا کی مرشدہ سے ایسی گاڑھی چھنی کہ واپسی کے وقت دونوں نے آتے وقت کی طرح اپنے اپنے میاں کے ساتھ بیٹھنے کی بجائے ایک ساتھ بیٹھنے کو ترجیح دی۔

ان کے یکجا بیٹھنے سے امی، مدحت بجیا، نگہت اور نزہت تینوں کو کھٹکا ہوا۔

امی نے نگہت اور نزہت کو جو اپنے میاؤں کے ساتھ بیٹھی تھیں، جویا کی بابت معنی خیز اشارہ دیا

اور اپنے ساتھ بیٹھی مدحت بجیا کے کان میں بولیں۔ "تمہاری بھاوج نزہت کی جٹھانی کے ساتھ بیٹھی ہیں کوئی الٹی سیدھی بات نہ کریں ان سے۔"

مدحت بجیا نے گردن موڑ کر دیکھا تو جویا اور مرشدہ کو ایک ہی نشست پر پہلو بہ پہلو بے حد خوشگوار موڈ میں بیٹھے پایا۔ ان کی نشست سے آگے والی نشست پر افشاں کھڑکی کے نزدیک بیٹھی ہوئی تھی اور کہکشاں اس کے ساتھ ہی منہ بسورے بیٹھی تھی۔

"کیا ہوا کہکشاں؟" نگہت نے پوچھا۔

مدحت بجیا نگہت کی آواز پر چونکیں۔

"مجھے کھڑکی کے پاس بیٹھنا ہے۔" کہکشاں بولی۔

"تم یہاں آجاؤ نانو کے ساتھ...... میں وہاں بیٹھ جاتی ہوں۔" مدحت بجیا اپنی سیٹ پر سے اٹھتے ہوئے بولی۔

مدحت بجیا نے جویا اور مرشدہ کے آگے کہکشاں کی جگہ لے لی اور کہکشاں امی کی سیٹ پر کھڑکی کے نزدیک جا بیٹھی۔

بجیا نے اپنے کان جویا اور مرشدہ کی طرف لگا دیے جو سر جوڑے چپکے چپکے باتیں کر رہی تھیں۔

"پاؤں بری طرح دکھ رہے ہیں میرے۔" جویا کہہ رہی تھی۔

"گھر جا کر کسی ٹب یا بالٹی میں نیم گرم پانی میں تھوڑا سا نمک ملا کر کچھ دیر کو پاؤں اس پانی میں ڈال کر بیٹھ جائیے گا۔" مرشدہ نے کہا۔

"آپ کو تھکن نہیں ہو رہی؟"

"ہاں، ہو رہی ہے مگر آپ کا معاملہ کچھ اور ہے اس لیے آپ کو زیادہ تھکن ہو گئی ہے۔" مرشدہ نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں، شاید یہی بات ہے۔"

"اسکول میں تو آپ بہت تھک جاتی ہوں گی؟"

"ہاں...... تھک تو جاتی ہوں۔"

"کھڑے ہو کر پڑھانا پڑتا ہوگا؟"

"جی ہاں...... زیادہ تر۔"

"ان دنوں میں زیادہ دیر تک مت کھڑی ہوا کیجیے ورنہ پیروں پر سوجن آنے لگے گی۔"

"یہ بھی کبھی آجاتی ہے۔"

"اللہ! پھر آپ کیا کرتی ہیں۔"

"کچھ بھی نہیں۔ گھر کے کام دھندوں میں بھول جاتی ہوں کہ پیروں پر سوجن ہے۔ اپنے بارے میں سوچنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔"

"ریئلی!"

"جی ہاں۔"

مدحت بجیا نے ان دونوں کی باتیں زیادہ بہتر طور پر سننے کے لئے اپنا سر اپنی نشست کے ساتھ ٹکا دیا۔

"بائی دا وے گھر میں آپ کی کیا مصروفیات رہتی ہیں؟"

"مت پوچھئے...... بری طرح تھک جاتی ہوں...... صبح نوکری، شام کو گھرداری۔"

"اوہ!" مرشدہ نے مزید ہمدردی کا اظہار کیا۔ "آپ تو واقعی بری طرح تھک جاتی ہوں گی۔"

"کیا کریں...... مجبوری۔"

"ایک بات پوچھوں آپ سے؟"

"جی۔"

"آپ کی ساس کیسی ہیں؟"

"کیا بتاؤں۔" جویا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"سمجھ گئی۔"

"اور نند؟"

"آپ اور نزہت خوش قسمت ہیں کہ آپ کی کوئی نند نہیں...... ورنہ......"

"ورنہ؟"

"ورنہ اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، سونے جاگنے غرض ہر معاملے پر چیک پوسٹ لگی ہوتی۔"

"رئیلی۔"

"جی ہاں۔"

"کیا نزہت بھی؟" مرشدہ کا سوال بظاہر ادھورا ہوتے ہوئے بھی بھرپور تھا۔

"کوئی کم نہیں...... ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔"

"اچھا!"

"جی۔"

"بظاہر تو نزہت سیدھی معلوم ہوتی ہیں۔"

"جی...... جلیبی کی طرح سیدھی۔" جویا نے پھوکے منہ سے مگر طنزاً کہا۔

مرشدہ ہنس دی۔

اور ان دونوں کی طرف کان لگائے بیٹھی مدحت بجیا کا رواں رواں سلگنے لگا۔

"اچھی بات کہی ہے آپ نے! جلیبی کی طرح سیدھی!! بائی دا وے ہسبنڈ آپ کے کیسے ہیں؟"

"بس...... ٹھیک ٹھاک۔"

"آپ لوگ کتنے بہن بھائی ہیں؟"

"ہم چار بہنیں ہیں اور دو بھائی۔"

"شادی کتنوں کی ہو چکی ہے؟"

"بس ایک بہن رہ گئی ہے...... ہماری اماں کو اس کی بڑی فکر رہتی ہے۔"

"ماؤں کو فکر رہتی ہی ہے۔"

"ہماری والدہ کو کچھ زیادہ ہی فکر رہی بیٹیوں کی اور وہ، شاید اس لیے کہ ہمارے ابا کی طبیعت آئے دن خراب رہتی ہے...... ہم سب دعا کرتے ہیں کہ زوبا بھی ابا کی زندگی میں ہی اپنے گھر بار کی ہو جائے...... سب اپنے اپنے طور پر کوشش میں بھی لگے ہوئے ہیں کہ کوئی اچھا رشتہ مل جائے، آپ کی نظر میں کوئی رشتہ ہو تو بتایئے گا۔"

"عمر کتنی ہوگی آپ کی بہن کی؟"

"زیادہ نہیں ہے، حال ہی میں گریجویشن کیا ہے۔"

"اور دیکھنے میں کیسی ہیں؟"

"بہت جاذب نظر...... نزہت کی شادی میں تو آئی تھی آپ نے دیکھی ہوگی۔"

"سوری...... مجھے یاد نہیں۔"

"اتنے لوگوں میں کب یاد رہتا ہے...... ویسے اگر اس سے آپ کا سرسری تعارف بھی ہو جاتا تو آپ اسے بھول نہ پاتیں...... بہت پیاری لڑکی ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے دیکھنے میں؟"

"ہر اعتبار سے اچھی ہے۔"

"اچھا!"

"جی...... اور یہ میں اس لیے نہیں کہہ رہی ہوں کہ وہ میری بہن ہے بلکہ وہ واقعی بہت اچھی ہے۔"

"آپ خود بھی بہت اچھی ہیں۔"

"ارے، میں تو کچھ بھی نہیں۔"

"نہیں...... واقعی بہت خوشی ہوئی مجھے آپ سے بات کر کے...... مسعود کی شادی میں تو بس سرسری ملاقاتیں رہی تھیں، آج آپ سے تفصیلی ملاقات رہی...... بہت مزا آیا آپ سے باتیں کر کے اب آپ سے میری دوستی برقرار رہنی چاہیے۔"

"ان شاء اللہ رہے گی...... اور جو کام میں نے آپ سے کہا ہے، وہ یاد رکھیے گا۔"

"زوبا کے رشتے کا نا؟"

"جی۔"

"ان شاء اللہ ضرور بتاؤں گی آپ کو...... ٹیلی فون پر آپ سے رابطہ رکھوں گی۔"

"ضرور...... مگر ہمارا ٹیلی فون ذرا بزی رہتا ہے...... ہماری ساس کو لمبی بات کرنے کی عادت ہے ٹیلی فون پر۔"

"نزہت بھی بہت دیر دیر تک بات کرتی ہیں۔"

"ان کے گھر میں سبھی کو عادت ہے فون پر لمبی بات کرنے کی۔"

"یعنی یہ وراثتی شوق ہے۔"

"یہی سمجھیے۔"

"خیر..... کوئی بات نہیں..... ہم لائن میں لگے رہیں گے، کبھی تو آپ کے گھر کا ٹیلی فون فرصت پائے گا ہی۔"

"مگر دیکھیے..... نزہت سے کچھ مت کہیے گا اس سلسلے میں۔"

"کس سلسلے میں؟"

"یہی کہ میں نے آپ سے زویا کے لیے کوئی رشتہ بتانے کو کہا ہے۔"

"اگر آپ نہیں چاہتیں تو نہیں بتاؤں گی۔"

"کسی اور بات کا ذکر بھی مت کیجیے گا..... میرا مطلب ہے ان باتوں کا جو میں نے آج آپ سے کی ہیں ورنہ میری شامت آ جائے گی۔"

"آپ اطمینان رکھیے..... ویسے سچ بتاؤں، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ لوگ ایسے ہوں گے۔ نزہت تو بہت قصیدے پڑھتی ہیں اپنے گھر والوں کے۔"

"ان کے اپنے گھر والے جو ہوئے۔"

"تعریف تو خیر آپ کی بھی کرتی ہیں وہ کہ ہماری بھابی بہت اچھی ہیں۔"

"حیرت ہے!"

"اور مجھے اس بات پر حیرت ہو رہی ہے کہ آپ کے سسرال والے بظاہر کیسے نفیس اور شائستہ نظر آتے ہیں۔"

"وہ ایک بڑا مشہور سا شعر ہے نا..... ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ..... دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا..... شاید یہ شعر شاعر نے ہمارے سسرال ہی کے لوگوں کے لیے کہا تھا۔"

"شاید اس بے چارے کی سسرال بھی آپ کی سسرال کی طرح ہی رہی ہوگی۔"

جویا ہنس دی۔

اور مرشدہ بھی اس کی ہنسی میں شریک ہو گئی۔

مدحت بجیا کو اپنے جسم کی رگوں میں خون کا دباؤ انتہا کو پہنچا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ انتہائی فکرمندی سے سوچ رہی تھیں۔

خدا معلوم جویا نے مرشدہ سے کس قسم کی باتیں کی تھیں!

خدانخواستہ اس کی باتوں سے نزہت کی ازدواجی زندگی کو کوئی آنچ پہنچی تو!

تو!

جویا جیسی عاقبت نااندیش بہو کا کیا بگڑے گا!

بے چاری سیدھی سادی نزہت مشکل میں پڑ جائے گی!

مدحت بجیا کا جی چاہا، سب کے سامنے جویا کا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیں، مرشدہ کو بتا دیں کہ جن لوگوں کی جویا اس سے غیبت کر رہی تھی، انہوں نے تو اس کی ایک نہیں بہت سی غلطیوں کو نظر انداز کر دیا تھا، چپ چاپ پی لیا تھا۔

کیا یہ اعلیٰ ظرفی نہیں تھی کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ جویا اپنی والدہ ماجدہ کے مشورے پر یقین کو بھی ہوئی شکر اور گھر والوں کو پڑھا ہوا نمک کھلاتی رہی تھی، کبھی بھولے سے بھی گھر میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا تھا!

کیا یہ بڑی بات نہیں تھی کہ جویا اور اس کی اماں کی فون پر نازیبا گفتگو سننے کے بعد بجیا نے چپ چاپ اسے پی لیا تھا۔ کیا عام ذہنیت کی ساس نندوں میں اتنی برداشت ممکن تھی کہ گھر کی بہو کو فون پر اپنی ماں سے سسرال والوں کی نسبت نامناسب گفتگو کرتے سنتیں اور اپنی ناراضگی کا اظہار کرنے کو فقط چپ ہو جاتیں..... نہ کوئی گلہ..... نہ شکوہ!

ہوتیں نا اگر کوئی عام سی ساس نندیں تو اسی وقت سیدھی جویا کے کمرے میں جا گھستیں اور ایسی جوتم بیزاری ہوتی کہ محلے والوں کے محلے والے بھی دیکھتے!

اور اس قسم کی جوتم بیزاری ساس نندوں کی جہالت یا غیر مہذب ہونے سے مشروط نہ تھی، اکثر بہت ہی مہذب، شائستہ اور خاندانی سسرال والوں کو بھی ذرا سی بات پر گھر کی بہو کے یوں چیتھڑے بکھیرتے دیکھا گیا تھا کہ اللہ دے اور بندہ لے!

خوش قسمت تھی جویا کہ در گزر کرنے والے لوگ ملے تھے!

مگر افسوس کہ اپنی اس خوش قسمتی پر خدا کا شکر ادا کرنے کی بجائے وہ عاقبت نااندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک ایسے گھرانے کی فرد سے اپنے سسرال والوں کی برائیاں کر رہی تھی جہاں کوئی ایسی بات اگر ہوتی بھی تو اس لیے نہیں پہنچنی چاہیے تھی کہ نزہت اس کی زد میں آ سکتی تھی!

مدحت بجیا کو نزہت اولاد کی طرح پیاری تھی۔ اس کے کسی مشکل میں پڑ جانے یا کسی تکلیف سے دوچار کرنے کا خیال بھی ان کے لیے تکلیف دہ تھا۔

اور پھر گھر کی بات کسی غیر متعلق فرد کے کان تک کیوں پہنچے بھلا!

امی کہا کرتی تھیں، جب ہم اپنوں کی برائی غیروں سے کریں تو سننے والے رو کر سنتے ہیں مگر ہنس کر اڑاتے ہیں۔

مدحت بجیا نے تو امی کی یہ بات عرصہ دراز سے اپنے پلو میں ایسے باندھ رکھی تھی کہ گھر کی کوئی اچھی بات کسی غیر متعلق تو کیا بسا اوقات متعلق فرد سے بھی نہ کرتیں، قریبی دوست احباب ملتے اور رسماً ان کی خیر و عافیت کے بعد جب نام بنام اہلِ خانہ کی خیریت دریافت کرتے تو وہ جویا کے بارے میں بھی بڑے اطمینان کا اظہار کرتیں۔

"بھابی جی کیسی؟" ایک دو نے نہیں بہت سوں نے بیسیوں مرتبہ پوچھا تھا۔

"بہت اچھی۔" وہ ہمیشہ یہی کہتیں۔

دوسروں سے جویا کی برائی نے کا فائدہ بھی کیا تھا!

گھر کی بات باہر جاتی اور امی کے بقول باہر کے لوگ رو کر سنتے ہنس کر اڑاتے۔

امی کی بات غلط بھی نہیں تھی۔

مدحت بجیا کا تجربہ گواہ تھا کہ جو لوگ غیروں کی ہمدردیاں بٹورنے کے لیے اپنے گھر کے قصے انہیں سناتے تھے، ان کے پیٹھ پیچھے خود انہی کو برا کہا جاتا تھا۔

مدحت بجیا تو اپنے ذاتی دکھ کا ذکر کرنے سے بھی گریز کرتی تھیں! جن کو معلوم تھا سو معلوم تھا، جنہیں نہ تھا، انہیں وہ خود بھی کچھ نہ بتاتی تھیں۔

جویا کے ذریعے گھر کی بات باہر جانے کے مزید امکانات کی پیش بندی بجیا کو اب ضروری محسوس ہو رہی تھی اور یہ پیش بندی گھر بھر میں صرف بیا ہی کر سکتے تھے۔

گھر پہنچنے کے بعد جب امی نے بجیا سے پوچھا۔ ''کیا باتیں کر رہی تھیں دلہن نزہت کی جٹھانی سے؟'' تو بجیا نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ''پتا نہیں۔''

''پتا کیوں نہیں، تم اتنے نزدیک تو بیٹھی تھیں اور میں دیکھ رہی تھی کہ وہ دونوں مستقل باتیں کیے جا رہی تھیں۔''

''امی جان، گاڑی کی گڑگڑاہٹ اور کیسٹ کے شور کی وجہ سے ان کی باتیں سن ہی نہیں سکی تھی۔''

''ہاں، شور تو بہت تھا..... بہرحال دلہن سے کسی اچھی بات کی امید رکھنا تو اب خود کو دھوکا دینا ہے۔''

بیا جو ان کی باتیں سن رہے تھے، بولے۔ ''بیگم صاحبہ! آپ بدگمانی کی انتہا کو چھو رہی ہیں۔''

''ماسٹر صاحب! جو کچھ میں نے اپنے کانوں سے سنا، آپ نے سنا ہوتا تو پھر آپ جانتے۔ میرے تو کانوں میں گونجتے ہیں دلہن کے الفاظ..... جب انہیں دیکھتی ہوں، دل میں بگولہ سا اٹھنے لگتا ہے..... اب وہ مجھے لاکھ امی جان کہیں، میرے کانوں میں تو بڑی بی اور بڑھیا کے الفاظ پھنس کر رہ گئے ہیں۔''

''جانے دیجیے۔''

''کیسے جانے دوں..... ارے، یہ کوئی اتنی آسانی سے جانے دینے والی چیز ہے..... جس لڑکی کو ہم اپنے سر آنکھوں پر بٹھا کر اس تمنا کے ساتھ گھر لائے ہوں کہ اب اس سے ہماری اگلی نسل چلے گی، اسے اتنی آسانی سے کیسے جانے دیا جا سکتا ہے۔''

''میں بہو کو جانے دینے کی بات نہیں کر رہا ہوں۔''

''سمجھ رہی ہوں..... میں سمجھ رہی ہوں آپ کا مطلب..... آپ یہی کہنا چاہتے ہیں نا کہ میں دلہن کی باتوں کو درگزر کر دوں۔''

''بالکل۔''

''نہیں..... نہیں ماسٹر صاحب۔'' امی کی آنکھوں میں نمی ہلکورے لینے لگی۔ ''اتنی آسانی سے نہیں کر سکوں گی..... بڑے بوڑھوں نے کہا ہے تلوار کا زخم بھر جاتا ہے، زبان کا گھاؤ نہیں بھرتا۔

دلہن کی باتوں سے جو صدمہ میرے دل کو پہنچا ہے وہ دھیرے دھیرے ہی زائل ہوگا..... آپ کی خوشی کو اور اپنے پرایوں کی زبانیں بند رکھنے کو میں دلہن سے بول تو لیتی ہوں..... آج بھی سب کے سامنے سارا دن بے شرمی سے بولتی ہی رہی دلہن سے مگر سچ پوچھیے تو میرے دل میں پھانس سی اٹکی ہے۔'' امی نے ایک سرد آہ کھینچی پھر بولیں۔ ''ہائے! جس لڑکی کو میں نے اپنے جگر کا گوشہ یقین سونپا، اس کی باتوں نے میرے دل میں ایسے بھالے مارے کہ کیا بتاؤں میں آپ کو۔''

''کچھ مت بتائیے، میں سب سمجھتا ہوں۔''

''اگر سمجھتے ہیں تو مجھے بتائیے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔'' امی رقت سے بولیں۔

''کیسا کیوں ہوتا ہے؟''

امی نے پھر ایک سرد آہ کھینچی اور بڑے دل گرفتہ لہجے میں بولیں۔ ''جن لڑکیوں کو ہم اپنی بیٹیاں بنا کر گھر لاتے ہیں، وہ ہمیں اپنا دشمن کیوں سمجھنے لگتی ہیں؟''

''یہ ملکیت کی جنگ ہوتی ہے بیگم صاحبہ۔''

''کیا مطلب؟''

''ساس سمجھتی ہے کہ بیٹا میرا ہے اور بہو سمجھتی ہے، میرا شوہر ہے۔''

''خدا جانتا ہے، میں ایسا نہیں سوچتی..... میں نے تو یہ سوچ کر کہ ہاتھی پھرے گاؤں گاؤں جس کا ہاتھی اس کا ناؤں..... یقین کو دلہن پر چھوڑ دیا..... کہ بس دونوں خوش رہیں مگر دلہن کو پھر بھی نہ جانے کس بات کا عناد ہے۔''

بیا نے ہمدردانہ نگاہوں سے امی کو دیکھا پھر یک بیک موڈ بدل کر شگفتہ لہجے میں بولے۔ ''بیگم صاحبہ، یہ متعدی مرض ہے جس سے ملکہ برطانیہ محفوظ نہ رہ سکیں تو بھلا آپ کیونکر محفوظ رہ سکتی ہیں..... ساس بہو کا جھگڑا برطانیہ کے محلوں میں بھی چلا ہے اور چلتا رہتا ہے..... کیوں مدحت بیٹی، غلط کہہ رہا ہوں کیا؟''

مدحت بجیا جو اپنی سوچوں میں الجھی بیٹھی تھیں، بے اختیار چونک گئیں۔

''جی..... جی بیا۔'' بجیا نے مسکرانے کی کوشش کی۔

''لگتا ہے، آج ہماری بیٹی تھک بہت گئی ہے۔'' بیا نے بجیا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی بیا، تھکن تو کافی ہوگئی ہے۔''

''جاؤ..... آرام کرو۔'' امی نے کہا۔

بجیا اپنے کمرے میں جا کر بستر پر پڑ تو گئیں لیکن نیند انہیں اپنی آنکھوں سے کوسوں دور معلوم ہو رہی تھی۔

جویا کے بارے میں امی کا شکوہ کچھ بے جا نہ تھا۔

آج پکنک سے واپسی پر راستے میں انہوں نے جویا اور مرشدہ کی باتیں سنی ہوتیں تو کتنی رنجیدہ ہوتیں!

☆=====☆=====☆

بجیا کو بابا سے علیحدگی میں بات کرنے کا موقع اگلے دن شام کے وقت ملا۔ انہوں نے مرشدہ سے جویا کی گفتگو بابا کے گوش گزار کی تو وہ ملول نظر آنے لگے۔

"بیٹی! تم اچھا کرتی ہو کہ اپنی امی سے ایسی باتیں چھپا جاتی ہو۔"

"مگر..... کب تک بابا؟ کب تک امی سے یہ باتیں چھپی رہیں گی؟ کبھی تو پہنچیں گی ان تک بھی..... جیسے میں نے تو فون پر جویا اور ان کی امی کی جو باتیں سنی تھیں، امی کو نہیں بتایا تھا۔ بلکہ بہرا ٹیلی فون سیٹ ہی اپنے کمرے میں چھپا کر رکھ دیا مگر..... مگر امی نے ایک دفعہ جویا کی باتیں خود اپنے کانوں سے سن لیں..... انہیں تکلیف پہنچی اور بجا پہنچی۔"

بابا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ ان کے چہرے سے دل گرفتگی اور تفکر عیاں تھا۔

"پتا نہیں، کیوں کرتی ہیں یہ لڑکیاں ایسے۔" بجیا بوجھل آواز میں بولیں۔ "یہ کیوں نہیں سوچتیں کہ سسرال کی عزت ہی میں ان کی اپنی عزت بھی ہے۔"

بابا بدستور چپ رہے۔

"امی ٹھیک تو کہتی ہیں..... یقین کی شادی کر کے تو ہم لوگ الجھن میں پڑ گئے۔"

"کہیں نہ کہیں کوئی سقم ضرور ہے بیٹی۔"

"آپ کا مطلب ہے بابا ہم لوگوں کا کچھ قصور ہے؟"

"ہو سکتا ہے، ایسا بھی ہو۔"

بجیا نے چونک کر بابا کو دیکھا۔

"اس قدر چونکنے کی بات نہیں بیٹی..... میں ایک امکانی بات کر رہا ہوں اور قطعاً غیر جانبداری کے ساتھ اس بنیاد پر کہہ رہا ہوں کہ ہم میں سے کوئی بھی اپنے آپ کو تو برا سمجھتا ہی نہیں، خواہ ہم کتنے ہی برے کیوں نہ ہوں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے کھاتے میں تو ہم خطاؤں کا خانہ خالی رکھنا ہی پسند کرتے ہیں، حالانکہ انسانی کیریکٹر کا ایک عمومی قاعدہ تو یہ ہے کہ نہ کوئی فرد مکمل طور پر نیک ہوتا ہے، نہ مکمل طور پر بد..... اگر کسی شخص میں کچھ اچھائیاں ہوتی ہیں تو کچھ برائیاں بھی ضرور ہوتی ہیں اور اگر برائیاں ہوتی ہیں تو اچھائیاں بھی ہوتی ہیں۔ برے سے برے آدمی میں بھی ایک نہ ایک خوبی ضرور پائی جاتی ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے جویا، اچھی ہیں، خرابی ہم لوگوں میں ہے۔" بجیا شاکی لہجے میں بولیں۔

بابا نے قدرے بے یقینی سے بجیا کو دیکھا دھیرے سے مسکرائے پھر بولے۔ "بیٹی! آج پہلی مرتبہ تم میری بات سمجھنے میں دشواری محسوس کر رہی ہو..... کیا بات ہے؟"

بجیا نے نظریں اٹھا کر بابا کی جانب دیکھا اور دھیمے سُروں میں کہا۔ "جویا پر مجھے بہت غصہ آنے لگا ہے بابا..... ہم لوگوں کو گھر سے باہر بھی رسوا کر رہی ہیں وہ اب۔"

بابا بڑے تدبر سے مسکرا دیے۔

مگر ان کی مسکراہٹ میں ہلکا سا حزنیہ رنگ بھی گھلا تھا!

"ایک پرانی کہاوت ہے بیٹی کہ چاند پر کتنی ہی خاک اڑاؤ چاند تو چاند ہی رہتا ہے۔"

"مگر دیکھنے والی آنکھوں میں تو دھول بھر جاتی ہے نا بابا۔"

"کوئی بات نہیں..... جنہیں اپنی آنکھوں میں دھول کھٹکے گی، وہ آنکھیں دھو لیں گے، جو اپنی آنکھوں کو گندا رکھنے کے عادی ہوں گے، وہ اپنی آنکھیں میلی کچیلی ہی رکھیں گے اور اپنی کم نظری کے سبب سمجھیں گے کہ چاند میلا ہے۔" بابا نے توقف کیا پھر بولے۔ استاد ہونا بھی اکثر دوسروں کے لیے مصیبت بن جاتا ہے۔ تم بھی کہو گی، بابا بات کہاں سے شروع کرتے ہیں، کہاں پہنچ جاتے ہیں۔"

"جی نہیں..... میں ایسا ہرگز نہیں کہوں گی کیونکہ میں خود بھی ایک استاد ہی ہوں۔" بجیا نے خوشگوار لہجے میں کہا..... وہ بھول گئیں کہ کچھ دیر پہلے بابا کے اور ان کے درمیان کیسی گھمبیر گفتگو ہو رہی تھی۔

بابا نے کھنکھار کر اپنا گلا صاف کیا پھر بولے۔ "بیٹی! بہو کا رویہ دیکھنے، براہ راست ان کی باتیں سننے، تمہاری امی سے، تم بہنوں سے اور بطور خاص تم سے۔ بہو بیگم اور ان کی والدہ کی باتوں سے آگاہی کے بعد میں جہاں تک سمجھ سکا ہوں، بہو ان لڑکیوں میں سے ہیں جو فطرت کی بری نہیں ہوتیں، ان کی تربیت میں سقم ہوتا ہے..... وہ ان لڑکیوں میں سے ہیں جو پڑھی لکھی تو ہوتی ہیں مگر ان کا علم ناقص ہوتا ہے..... جو خود تو شاید مخلص ہوتی ہیں مگر انہیں دوسروں کے خلوص پر شک ہوتا ہے..... جو شوہر کے گھر میں رہتے ہوئے بھی میکے کو اپنی جائے پناہ سمجھتی ہیں اور اسی لیے اپنی جڑوں کو اپنے اصل اور حقیقی گھر کی زمین میں نہیں اترنے دیتیں۔"

"آپ کے خیال میں ایسی لڑکیوں کا کیا علاج ہونا چاہیے؟"

"انہیں از خود سدھرنے کے لیے کچھ وقت دیا جائے اور نہ سدھریں تو ان کے اصلاح احوال کی کوشش کی جائے، دلسوزی سے ان کی خامیوں اور کوتاہیوں کا احساس دلا کر سدھارا جائے۔"

"بابا، جویا کوئی بچی تو نہیں ہیں کہ جنہیں اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کا علم نہ ہو۔"

بابا تدبر سے مسکرا دیے۔

"بیٹی! ہم میں سے زیادہ تر لوگ اس لاعلمی کا شکار ہیں۔ ساری زندگی اس خوش فہمی میں گزار دیتے ہیں کہ ہم بہت اچھے ہیں۔ ہم میں کوئی خامی نہیں۔ اسی لیے لازم ٹھہرتا ہے کہ جب کسی شخص کو اپنی برائیوں کا علم نہ ہو تو اس کے مخلص احباب اسے بتائیں کہ تم میں یہ برائی ہے، اسے دور کرنے کی کوشش کرو۔"

"جویا اپنی اماں کے مشوروں پر کسی اور کی نصیحت یا مشورے کو اہمیت تو نہیں دیں گی۔"

"کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے بیٹی..... بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ بیڑا تمہی کو اٹھانا چاہیے۔"

"مجھے بابا!" بجیا چونکیں۔

"ہاں۔"

"مجھے تو ان کی اماں پہلے ہی طلاق اور نہ جانے کیا کچھ کہے بیٹھی ہیں۔" بجیا نے دل گرفتہ لہجے میں کہا۔

کہہ رہا ہے شورِ دریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

بابا نے شعر پڑھا۔
"آپ کو پتا ہے، خاموش رہنے کی جدید توجیہ کیا کی جاتی ہے؟"
"کیا؟"
"خاموش رہنے والے کو بدھو گردانا جاتا ہے...... کمزور سمجھا جاتا ہے۔"
"حالانکہ اس سے بڑا عقلمند اور بہادر کوئی نہیں ہوتا۔" بجیا کے چہرے پہ ملال اور دکھ کی پرچھائیں لرزاں دیکھ کر بابا نے مزید کہا۔ "اور اس سے زیادہ عافیت میں بھی کوئی نہیں ہوتا...... سیانوں نے کہا ہے، ایک خاموشی سو بلاؤں سے بچاتی ہے۔"
"جویا کو آپ سمجھائیے بابا۔"
"میں؟" بابا نے ایک گہری سانس لی پھر بولے۔ "گھر میں تمہاری امی کے اور تمہارے ہوتے ہوئے میں کیا اچھا لگوں گا بہو کو سمجھاتا بجھاتا...... امی تمہاری پہلے ہی ناراض چل رہی ہیں بہو سے...... گھر میں کسی اور میں یہ اہلیت ہے نہیں...... بھی ذرا ریلی بھی ان ڈائریکٹلی تمہی سمجھاؤ بھاوج کو۔"
"جویا سے میری تو بس رسمی سی بات چیت رہ گئی ہے۔" بجیا کی آواز گھٹ سی گئی۔ "اتنے دن ہو گئے یقین نے چھوٹوں بھی ایک مرتبہ نہیں پوچھا کہ جویا سے میری بات چیت کم کیوں ہو گئی ہے۔"
"ہو سکتا ہے، یقین نے یہ بات نوٹ ہی نہ کی ہو۔" بابا نے بجیا کا دل رکھنے کو کہا۔
"جی نہیں، یہ بات نہیں ہے۔"
"تو پھر کیا بات ہے؟"
"راندۂ درگاہ...... کوئی حیثیت نہیں ہے میری، اس گھر میں۔" بجیا کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔
"ارے! ارے بیٹی! تم بھی! تم بھی اپنی امی اور نگہت کی سی باتیں کرنے لگیں۔"
"انسان تو میں بھی ہوں نا بابا...... تمام بشری کمزوریوں سے متصف۔"
"کاش! کاش! ایک بیٹی اور ہوتی میری تم جیسی۔" بابا نے بصد محبت بجیا کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"مگر اس کی قسمت مجھ جیسی نہ ہوتی۔" مدحت بجیا رندھی ہوئی آواز میں بولیں۔
بابا دل گیر دکھائی دینے لگے۔

☆======☆======☆

ماں نے جویا کے دل میں سسرال سے علیحدہ ہونے کی جو دھن ڈال دی تھی، وہ دن بدن زور پکڑتی چلی گئی۔
"تمہیں اس گھر میں تکلیف کیا ہے؟" یقین نے ایک روز زچ ہو کر کہا۔
"راحت بھی کیا ہے؟"

"پانچ ہزار ماہوار پر بھی نہیں ملے گا اتنا بڑا گھر۔"
"ہمیں اتنے بڑے گھر کی ضرورت ہی کیا ہے، چھوٹا سا فلیٹ لے لیں گے کرائے پر۔"
"اپنا گھر ہوتے ہوئے کرائے کے گھر میں رہنا بیوقوفی نہ ہوگی۔"
"اپنا گھر!" جویا نے طنزیہ نگاہوں سے اسے دیکھا پھر بولی۔ "یہ بھی ہمارا گھر کب ہے، آپ کے ابا جان کا گھر ہے۔"
"باپ کا گھر اولاد ہی کا ہوتا ہے۔"
"آپ اکلوتے نہیں ہیں، بہت سے دعوے دار ہیں۔"
"تو کیا ہوا! ہر ماہ کرائے کی علت تو نہیں۔"
"کرایہ! کرایہ! کرایہ۔" وہ زچ ہو گئی۔ "پہلے بھی کہا تھا کہ کرایہ میں دے دیا کروں گی اپنی تنخواہ میں سے۔"
"علیحدہ رہ کر نوکری کیونکر کر سکو گی؟"
"کیوں؟ کیوں نہیں کر سکوں گی؟"
"گھرداری کون دیکھے گا؟"
"میں اور کون؟"
مریم کی دیکھ بھال کون کرے گا؟"
"ہم دونوں۔"
"اور ہم دونوں کی عدم موجودگی میں وہ کس کے پاس رہا کرے گی؟"
"اماں کہہ رہی تھیں، میرے پاس چھوڑ دیا کرنا، اسکول سے واپسی پر لے جایا کرنا۔"
"اچھا! تو آپ اپنی اماں سے بھی ڈسکس کر چکی ہیں۔"
وہ خفیف ہو گئی۔
"بس سرسری ذکر ہوا تھا۔"
"میں قطعاً نہیں ہوں اس گھر سے علیحدہ ہونے کے حق میں۔"
"آپ بھلا کیوں ہوں گے...... آپ کو تکلیف ہی کیا ہے...... ساری پرابلمز تو مجھے فیس کرنا پڑتی ہیں۔" وہ غصے سے بولی۔
"کیا؟ کیا پرابلمز فیس کرنا پڑتی ہیں؟"
"نوکرانیوں کی طرح کام کرتی ہوں۔"
"سب عورتیں کرتی ہیں۔"
"اونہہ! آپ کی بہنیں کتنا کرتی ہیں۔"
وہ چپ رہا۔
"بولیں...... بولیں نا، اب چپ کیوں ہو گئے...... نگہت بیگم ہر دوسرے دن میاں اور بچوں کے ساتھ میکے آن پڑتی ہیں۔"

"مجھے پتا ہے، تمہیں ان لوگوں کا آنا بہت برا لگتا ہے۔"

"کیوں نہیں لگے گا! کھاتی ہے اور رعب جماتی ہے...... اونہہ!"

"آہستہ بولو کوئی سن لے گا۔"

"سن لے میں ڈرتی نہیں...... اپنی اماں بہنوں سے ڈرنے کو آپ ہی بہت ہیں...... اونہہ!"

"زبان بند کرو۔"

"نہیں کرتی۔"

"اچھا...... بولتی رہو...... بکواس کرتی رہو۔"

یقین نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونسیں اور کروٹ لے کر پڑ گیا۔

جویا کو سخت ذلت محسوس ہوئی۔ اس کا رواں رواں غصے سے تپنے لگا۔

"کیسا آدمی ہے یہ!" اس نے یقین کو جو دیوار کے رخ منہ کیے پڑا تھا، غصے سے دیکھتے ہوئے جی ہی جی میں سوچا۔

"عجیب عورت سے واسطہ پڑا ہے۔" یقین آپ ہی آپ کھول رہا تھا۔

"اسے تو بس اپنی اماں بہنوں سے محبت ہے...... میرا تو کچھ خیال ہی نہیں۔" جویا نے جی جلاتے ہوئے یقین کی جانب نفرت سے دیکھا۔

"اسے چار دن میں پتا چل جائے گا کہ الگ رہنے میں کتنا نقصان ہے۔" یقین نے جی کے جلتے ہی کانوں سے انگلیاں نکال لی تھیں۔

"کتنی بدتمیزی سے ڈانٹا ہے اس نے اس وقت مجھے۔" جویا کا دل بھر آیا۔

"دھونس تو دیکھو...... گھر کا کرایہ میں دے دیا کروں گی...... اونہہ! بڑی آئی کرایہ دینے والی۔" یقین چپ پڑا سوچ رہا تھا۔ "مجھے اگر معلوم ہوتا کہ نوکری کرنے والی عورت اپنے نخرے دکھائے گی تو ہرگز اس سے شادی نہ کرتا۔"

"گھر والوں نے پتا نہیں کیا دیکھا تھا جو ریجھ گئے...... قسمت پھوڑ دی میری...... بے شک کوئی کم تنخواہ والا مرد ہوتا، اماں بہنوں کے جنگل میں تو نہ پھنسا ہوتا۔" جویا مسہری کے کنارے پر یقین سے اتنے فاصلے پر لیٹی تھی جیسے وہ اس کے لیے نامحرم تھا۔

"بالکل بیکار عورت ملی ہے...... بات کو سمجھتی ہی نہیں...... اپنی بکواس کیے جاتی ہے...... اوقات سے زیادہ ملا ہے اس لیے دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا۔"

دونوں ایک دوسرے سے پیٹھ موڑے پڑے تھے اور دل ہی دل میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔

جویا کو یقین اس وقت دنیا کا بدتمیز ترین آدمی لگ رہا تھا!

اور یقین دل ہی دل میں جویا کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔

دونوں کو ایک دوسرے پر سخت غصہ آ رہا تھا!!

ایک دوسرے سے شدید نفرت محسوس ہو رہی تھی!!

دونوں اس لمحے کو کوس رہے تھے، جب ان کا مقسوم ایک دوسرے سے وابستہ کیا گیا تھا۔

اماں کہا کرتی تھیں، میاں بیوی کا رشتہ بڑا بے شرم رشتہ ہوتا ہے، ابھی لڑے ابھی صلح۔

اماں یہ بھی کہا کرتی تھیں کہ عورت مرد کا رشتہ بڑا بدذات رشتہ ہے۔ جب ایک دوسرے سے نظریں بدلنے پر آئیں تو ایک دوسرے کے بیری ہو جاتے ہیں۔

یقین اور جویا بھی اس وقت ایک دوسرے کے بیری ہو رہے تھے۔

"اپنی ماں بہنوں سے ڈرنے کو آپ ہی بہت ہیں...... بزدل کہیں کے۔" جویا کے الفاظ یقین کو کچوکے دے رہے تھے۔

"اچھا...... بولتی رہو...... بکواس کرتی رہو۔" یقین کے الفاظ جویا کے ذہن پر ہتھوڑے برسا رہے تھے۔

صبح جویا کو اسکول جانے کی جلدی ہوتی لہٰذا اسے سب کے ساتھ ناشتہ کرنے کا موقع ہی نہ ملتا۔ کبھی موجو، کبھی مدحت بجیا یا کبھی وہ خود چائے بنا لیتی اور اسکول جانے کے لیے تیار ہونے کے دوران بھاگتے دوڑتے ناشتہ کرتی۔ دیگر اہل خانہ بعد میں اکٹھے بیٹھ کر ناشتہ کرتے، تاہم امی، بپا اور یقین صبح ایک ایک پیالی چائے ضرور پیتے۔

اگلی صبح جب جویا نے یقین کے لیے چائے کی پیالی لا کر سائیڈ بورڈ پر رکھی تو یقین جو مریم کے جاگ جانے کے بعد اس سے کھیل رہا تھا، بڑی رکھائی سے بولا۔ "مجھے نہیں پینی...... لے جاؤ۔"

اس سے پہلے کہ جویا کچھ کہتی دروازے پر دستک ہوئی اور وہ دونوں ہی دروازے کی سمت متوجہ ہو گئے۔

جویا نے دروازہ کھولا۔

"بھابی جی...... امی جی بول رئی ایں...... جے منی جاگ گئی ہو تو دے دیں جی۔" موجو دروازے پر کھڑا تھا۔

موجو کی آواز یقین تک بھی پہنچ گئی۔

"ہاں، جاگ گئی ہے...... لے جاؤ۔" وہ دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے بآواز بلند بولا۔

جویا نے موجو کو اندر آنے کی راہ دی۔ وہ اندر آیا اور مریم کو لے کر دروازے کی طرف پلٹ گیا۔

"موجو، ذرا اخبار دے جانا۔" یقین نے کہا۔

"اچھا جی۔"

جویا نے وارڈروب سے اپنے کپڑے نکالے اور باتھ روم کا رخ کیا۔

باتھ روم سے نکلی تو یقین اخبار پڑھ رہا تھا اور چائے کی پیالی سائیڈ بورڈ پر جوں کی توں دھری تھی۔

سنگھار میز کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے بال آراستہ کرنے کے دوران جویا قدِ آدم آئینے کی وساطت سے چوری چوری یقین کو دیکھتی رہی۔ اس قدر بیگانہ بنا بیٹھا تھا وہ جیسے کوئی تعلق نہ ہو۔

"اونہہ! میں کب پرواہ کرتی ہوں۔" جویا نے غصے سے سوچا۔

بال آراستہ کرنے کے بعد اس نے حسب معمول کچن میں کھڑے کھڑے ناشتہ کیا۔ حالانکہ اس کا دل ذرا بھی نہ چاہ رہا تھا ناشتہ کرنے کو لیکن یقین کو بلکہ یقین سے زیادہ اس نے خود اپنے آپ کو یہ باور کرانے کے لیے حسب معمول ناشتہ کیا کہ اسے یقین کی ناراضگی کی ذرا پروا نہیں بلکہ وہ تو خود اس سے ناراض تھی!

ناشتے کے بعد اس نے کمرے میں آکر دوبارہ سنگھار میز کے روبرو کھڑے ہو کر میک اپ کیا اور اس دوران آئینے کے توسط سے گاہے گاہے یقین کا جائزہ لیتی رہی۔ پھر اس نے اپنا بیگ اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

یقین نے ناگواری سے اس کی سمت دیکھتے ہوئے سر کو جھٹکا اور دل میں سوچا۔ ''پتا نہیں یہ عورت خود کو سمجھتی کیا ہے!''

جویا کے جانے کے بعد اس نے سائیڈ بورڈ پر دھری چائے کی پیالی اٹھائی اور ایک گھونٹ بھرا۔ چائے بالکل ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور جویا کمرے میں داخل ہوئی۔

یقین سٹپٹا سا گیا۔ شرمندہ ہو کر اس نے چائے کی پیالی واپس پرچ پر رکھ دی۔

جویا نے سنگھار میز پر سے اپنی رسٹ واچ اٹھائی اور دروازے کا رخ کیا۔

''لاحول ولا قوۃ!'' یقین نے رنگے ہاتھوں اپنے پکڑے جانے پر شیطان کو مطعون کیا۔

''نخرے کریں گے تو اتنی ٹھنڈی چائے بھی نہیں ملے گی پینے کو۔'' جویا نے گھر سے نکلنے سے پہلے مریم کو پیار کرنے کے لیے امی ابا کے کمرے کا رخ کرتے ہوئے سوچا۔ امی کے رویے میں وہی سرد مہری تھی۔

ابا نے حسب معمول بڑی گرمجوشی سے جویا کو خدا حافظ کہا۔

جویا گھر سے نکل کر بس اسٹاپ کی طرف چل دی۔

مریم کی دفعہ سب نے کتنا خیال رکھا تھا اس کا! صبح کو یقین اسے گاڑی سے اسکول پہنچاتا تھا اور واپسی کے لیے امی کی ہدایت تھی کہ وہ کسی آرام دہ سواری سے گھر آئے۔

مگر اس مرتبہ!

اس مرتبہ سب نے بے اعتنائی پر کمر باندھ رکھی تھی۔

اور تو اور یقین بھی دشمنوں کی صفوں میں جا بیٹھا تھا!

چھوٹے منہ بھی اس نے اس بار ایک مرتبہ بھی نہیں کہا تھا کہ چلو، میں تمہیں اسکول تک ڈراپ کر دوں بلکہ ایک دو مرتبہ جب اس نے بے شرم بن کر خود ہی کہا کہ کم از کم صبح کو تو وہ اسے اسکول پہنچا دیا کرے تو وہ بڑی بے شرمی سے بولا۔ ''یار! پہلی دفعہ زیادہ احتیاط کی جاتی ہے۔ اب زیادہ احتیاط کی ضرورت نہیں...... ذرا صاحب زادے کو بھی بسوں کے جھٹکے کھانے دو۔''

☆=====☆=====☆

اس روز اسکول میں جویا کا بالکل دل نہ لگا۔ ہاف ٹائم میں ہی اس نے چھٹی لی اور میکے جا پہنچی۔

ان کے میکے والوں کے لیے یہ کوئی اچنبھے کی بات نہ تھی۔ کبھی کبھی وہ ایسا کرلیا کرتی تھی، بالخصوص امتحانات کے دنوں میں جب پرچہ ختم ہونے کے بعد اسکول کی چھٹی جلدی ہوتی اور اسے بازار وازار نہ جانا ہوتا تو وہ چھٹی کے مقررہ وقت تک اماں کے ہاں ٹھہرتی ہوئی گھر جایا کرتی تھی اور سسرال والوں کو یہ تاثر دیتی گویا کہ اسکول سے سیدھی گھر ہی آرہی تھی۔

اماں نے خیریت پوچھی تو اس نے اماں سے گزشتہ ملاقات کے بعد سے اب تک کی جملہ روئیداد ان کے گوش گزار کر دی۔ زدیا بھی چپ بیٹھی سنتی رہی۔

اماں بہت فکرمند دکھائی دینے لگیں۔

''میں آپ کو لکھ کر دیے دیتی ہوں اماں کہ وہ بدتمیز آدمی اپنی اماں بہنوں سے الگ نہیں ہوگا۔'' جویا نے یقین کی بابت خاصے ناشائستہ انداز میں بات کی۔

''فکر مت کرو۔'' اماں نے تھکی تھکی ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

''میرا تو دم گھٹنے لگا ہے اب اس گھر میں۔''

''بالکل گھٹتا ہوگا۔''

''لیکن ایک بات بتائیے بجو۔'' زدیا جو اب تک چپ بیٹھی سنتی رہی تھی، بولی۔ ''اگر یقین بھائی نے آپ کی بات مان لی تو مریم کس کے پاس رہا کرے گی؟''

''مریم کو رکھنے والوں کی کوئی کمی ہے۔'' اماں بولیں۔ ''ارے مریم کے رکھنے کو ہم بہت۔'' اماں نے جویا کی طرف دیکھتے ہوئے مزید کہا۔ ''اسکول جاتے ہوئے تم مریم کو میرے پاس چھوڑ دیا کرنا، واپسی پر اسے ساتھ لیتی ہوئی گھر چلی جایا کرنا...... مریم کی دیکھ بھال میں میرا دل بھی بہلا رہا کرے گا۔''

''اماں، آپ کا دل بہلانے کو تو آپ کے پوتے پوتی بہت۔'' جویا نے کہا۔

''خیر سے وہ بھی جیتے رہیں مگر بھئی نواسے نواسیوں کی محبت ہی اور ہوتی ہے۔'' اماں بولیں۔

''بجو! آپ مریم کو روز روز کیا چھوڑا اور لیا کریں گی، مستقل ہمارے پاس چھوڑ دیجیے گا۔ چھٹی والے دن لے جایا کیجیے گا آپ اپنے گھر۔'' زدیا نے کہا۔

''جی نہیں...... مریم کے بغیر تو میں ایک دن بھی نہیں رہ سکتی۔'' جویا بولی۔

''اولاد کے بغیر کوئی ماں بھی نہیں رہ سکتی۔'' اماں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بولیں۔ ''اولاد جوان کیا بوڑھی بھی ہو جائے تو ماں اس کے لیے بے چین رہتی ہے۔''

''جیسے آپ طارق بھائی کے لیے رہتی ہیں اماں۔'' زدیا نے کہا۔

''خدا غارت کرے، بدنصیب نشاط کو میرا بچہ چھین کر لے گئی مجھ سے۔'' اماں نے بہو کو کوسا۔

''سن لیجیے بجو۔'' زدیا نے معنی خیز نگاہوں سے جویا کو دیکھا۔ ''کہیں آپ کی ساس بھی آپ کو خدانخواستہ اسی طرح نہ کوسیں۔''

''چپکی رہ۔'' اماں نے زدیا کو آنکھیں دکھائیں۔ ''تجھے اتنی توفیق تو نہیں ہوئی کہ بہن کو کھانا وغیرہ''

''کھانا تو ابھی پک رہا ہے۔'' زدیا نے جویا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ڈبل روٹی آملیٹ اور چائے لے آؤں؟''

''کچھ بھی لے آؤ۔''

''اے ہے، بھوک لگ رہی ہے میری بچی کو...... جلدی اٹھ زدیا، جا کر بہن کے لیے کچھ لا۔''

''اچھا اماں۔'' زدیا اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ذرا سا منہ نکلا ہوا ہے۔'' اماں نے جویا کو تاسف سے دیکھا۔ ''صبح ناشتہ بھی کیا تھا کہ نہیں؟''

اماں کی مزید ہمدردی اور پیار سمیٹنے کو جویا نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''اے ہے! جبھی تو منہ ذرا سا نکلا ہوا ہے...... دیکھو بھئی، لڑائی جھگڑا ہو یا کچھ ہو، کھانا پینا مت چھوڑا کرو...... سمجھیں...... ایسے دنوں تو بھوک سے کلیجے کو کھرچن سی لگ جاتی ہے۔'' اماں نے توقف کیا پھر بڑی دلسوزی سے اس سے پوچھا۔ ''کسی نے تم سے کہا بھی نہیں ناشتہ کرنے کو؟''

''اونہہ!'' جویا نے سر کو جھٹکا دیا۔ ''وہاں کسی کو کیا پڑی ہے کہ کہے۔''

''خدا غارت کرے ان منحوسوں کو۔'' اماں نے جویا کے سسرال والوں کو کوسا۔ ''بدنصیبوں نے میری بچی کو پریشان کر دیا ہے۔ غضب خدا کا! اس حال سے میری بچی صبح سے بھوکی ہے۔'' اماں کا دل بھر آیا۔

جویا کو اس احساس سے انتہائی تقویت ملی کہ سسرال والوں کے لیے وہ کتنی ہی غیر اہم کیوں نہ سہی، میکے والوں کے لیے اہم تھی!

اماں دوپٹے کے پلو سے اپنی آنکھیں پونچھ رہی تھیں کہ بھابی آ گئیں اور بولیں۔ ''مجھے زدیا نے بتایا کہ تم آئی ہوئی ہو۔''

''اسلام علیکم بھابی۔''

''وعلیکم السلام...... کیسی ہو؟''

اس سے پہلے کہ جویا کچھ کہتی، اماں رقت آمیز لہجے میں بولیں۔ ''کیا بتائے بدنصیب کہ کیسی ہے۔''

بھابی جن سے اماں تینوں شادی شدہ بیٹیوں اور ان کی سسرالوں کی اکثر باتوں کے سلسلے میں رازداری برتتی تھیں اور انہیں اکثر بارہ پتھر پرے ہی رکھتی تھیں، چونک کر جویا کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔ ''خیریت؟''

''ارے، خیریت کہاں!'' اماں نے ایک سرد آہ کھینچی۔ ''بدبختوں نے جینا حرام کر رکھا ہے میری بچی کا۔''

''کس نے؟''

''یقین کی ماں بہنوں نے۔''

جویا اپنی آنکھوں پر دوپٹہ ڈھانپ کر رونے کی کوشش کرنے لگی۔ بھابی اس کے پاس ہی بیٹھ کر اسے دلاسا دینے لگیں۔ جویا نے اپنی آنکھیں سرخ کرنے کو آنکھیں زور زور سے دوپٹے سے رگڑنا

شروع کر دیں۔ اماں کبھی آنکھوں پر دوپٹہ رکھ کر سسر سسر اور کبھی ناک کو دوپٹے سے دبا دبا کر سوں سوں کرنے لگیں۔ زدیا چائے کی ٹرے لیے اماں کے کمرے میں آئی تو رقت زدہ منظر ٹھہرا ہوا تھا۔

''کیا ہوا اماں؟ بجو کیوں رو رہی ہیں؟'' زدیا نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''یونہی آٹھ آٹھ آنسو رلاتی ہیں ساس نندیں۔'' اماں نے بھابی کو کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

بھابی کے لیے یہ بوجھنا دشوار نہ تھا کہ ایسی بات انہی کو سنائی جا سکتی تھی۔

''ارے، سب ہماری طرح درگزر اور تحمل سے کام لینے والے تھوڑی ہوتے ہیں۔ بہوؤں کو ناک چنے چبوا کر رکھتے ہیں۔''

یہ تو بھابی کا دل ہی جانتا تھا کہ اماں کتنی درگزر اور تحمل سے کام لینے والی ساس تھیں!

بھابی اگر ایک چپ سے کام لے کر سو کو ہرانے اور اپنی جان پر تختی جھیل کر گھر کو گھر بنائے رکھنے کی خوبیوں سے متصف نہ ہوتیں تو ہر روز گھر میں ایک نیا معرکہ ہوتا۔

''ارے، ہماری طرح بہو کو چین سکون سے کم ہی لوگ رکھتے ہیں...... ساس نندیں ہر وقت کچھ کہتی رہتی ہیں...... اٹھتے بیٹھتے خون چوستی ہیں اور ایک کی سو سناتی ہیں۔''

بھابی چپ چاپ سنتی رہیں۔

ان کی یہی ایک چپ تو اماں کی سو کو ہرا دیا کرتی تھی۔

''چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے بجو۔'' زدیا نے کہا پھر بھابی سے بولیں۔ ''بھابی آپ چائے پئیں تو لاؤں؟''

''نہیں، بالکل نہیں۔''

''اچھا...... ہاں...... گوشت بھنائی پر آ گیا ہے۔ اس میں کوئی سبزی پڑے گی کیا؟'' زدیا نے پوچھا۔

''میں دیکھتی ہوں۔'' بھابی کو اٹھنے کا بہانہ ہاتھ آ گیا۔

''آلو رکھے ہیں وہی ڈال دو...... اور ہاں بھنائی اچھی طرح کرنا تمہارے ہاتھ کے سالن میں ہمیشہ کچے مصالحے کی بو آتی رہتی ہے۔''

بھابی کو سخت تاؤ آ گیا۔

ساس کے سوا سبھی ان کے ہاتھ کے ذائقے کے معترف تھے۔

مگر بھابی خاموش رہیں کہ خاموشی ہی میں عافیت تھی۔

بھابی کے جانے کے بعد اماں نے زدیا کو کھٹکتی ہوئی نگاہوں سے دیکھا اور بولیں۔ ''زدیا! جا...... جا کر بھاوج کا ہاتھ بٹا باورچی خانے میں۔''

زدیا سمجھ گئی کہ اماں جویا سے کچھ راز و نیاز کرنے کو اسے منظر سے ہٹانے کی کوشش کر رہی تھیں، ورنہ بھابی سے انہیں کتنی ہمدردی تھی یہ وہی کیا گھر کا بچہ بچہ جانتا تھا۔

''اماں! آپ کو بجو سے جو بات کرنی ہے، کر لیں میں نہیں سنوں گی! اور اگر سن بھی لیا تو کسی

سے نہیں کہوں گی۔'' زویا نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا۔

''بتاؤں تجھے!'' اماں نے اسے گھورا۔

''سوری اماں۔'' زویا کی مسکراہٹ گہری پڑ گئی۔

''چپکی رہ۔'' اماں نے اسے گھرکا۔

''زویا!'' بھابی کے پکارنے کی آواز کمرے تک پہنچی اور اماں کے حساب سے بہت بروقت پہنچی۔

''آئی بھابی۔'' زویا کمرے سے چلی گئی۔

''اماں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے جویا کے نزدیک سرک آئیں اور بڑی رازداری سے بولیں۔

''یقین سے ایک دفعہ پھر بات کر کے دیکھو۔''

''فی الحال تو میں بات ہی نہیں کروں گی..... دو چار دن چپ کی مار دوں گی انہیں..... کریں اپنی اماں بہنوں سے باتیں۔''

''بالکل ٹھیک..... مگر جب بات چیت شروع ہو جائے تو پھر بات چھیڑنا..... وہ نہ مانے تو پھر کچھ سوچیں گے۔'' جویا نے ایک سرد آہ کھینچی جو ٹھک سے اماں کے دل پر جا کر لگی۔

''بیٹی! تم اپنا دل برا مت کرو۔'' اماں بڑی دلسوزی سے بولیں۔

''کیسے نہ کروں اماں۔'' جویا رقت آمیز لہجے میں بولی۔ ''پہلے تو ایک کمبخت ہی سے چڑتی تھی مجھے اب تو ان سب کی صورتیں زہر لگنے لگی ہیں..... کم بخت ہیں بھی تو اتنے سارے..... گھر کے جس حصے میں جاؤ، ایک آدھا نظر آ جاتا ہے..... کہیں بڑے میاں ٹانگ پر ٹانگ دھرے اخبار کا مطالعہ فرما رہے ہوتے ہیں، کہیں بڑی بی گھات لگائے بیٹھی ہوتی ہیں..... کبھی مدحت تاک میں بیٹھی ہوتی ہے تو کبھی بڑی بی کی کوئی بیٹی داماد نازل ہو جاتے ہیں..... اماں آپ نے بہت بڑے جنجال میں پھنسا دیا مجھے۔''

جویا روہانسی ہو گئی۔

''ارے بیٹی! مجھے کیا پتا تھا کہ کم بخت ایسے نکلیں گے۔ میں نے تو تمہارے ابا سے کہا تھا کہ زہرا کا حال، دیکھ چکے..... اپنے بھی سمدھیانے بن کر دشمن بن گئے..... جویا کے لیے کوئی اکیلا لڑکا دیکھنا جس کے ساتھ اماں بہنوں کی چخ چخ نہ لگی ہو مگر تمہارے ابا کو تو ایک ہی ملاقات میں تمہارے سسرال والے ایسے بھائے کہ ہاں کرنے میں دیر نہ کی..... میں نے لاکھ کہا، اچھی طرح سوچ لو سمجھ لو مگر ان کا تو بس ایک ہی جواب تھا کہ بھرے خاندان میں بیٹی دو تو سب مل کر دکھ سکھ بناتے ہیں۔''

''دکھ خاک بنائیں گے۔'' جویا بڑبڑائی۔ ''ہاں تنخواہ میں اپنا حصہ خوب بنا لیتے ہیں۔'' اس نے توقف کیا پھر بولی۔ ''اماں! زویا کو آپ میری طرح مت پھنسایئے گا۔''

''توبہ کرو..... کان پکڑے میں نے جو میں اب کسی بڑے کنبے میں بیٹی دوں۔''

زویا نے چونک کر اماں کو دیکھا پھر اس کی نظر جویا پر آ رکی۔

اس کی نگاہوں میں ان گنت سوال مچل رہے تھے۔

من میں چپکے سے فرزین کا خیال در آیا تھا۔

وہ اماں اور جویا سے پوچھنا چاہتی تھی۔

کوئی اور کیوں!

فرزین کیوں نہیں؟

مگر بعض باتیں چاہنے کے باوجود نہیں پوچھی جا سکتیں۔

اس کی فصیلِ دل پر ایک ننھا سا دیا لرزاں تھا!

اور

عین اس لمحے اس سے ہزاروں میل دور سمندروں کا راہی فرزین اپنے دیوہیکل جہاز کے عرشے پر کھڑا سوچ رہا تھا۔

امی، بپا اور باقی گھر والے نہ جانے کیسے ہوں گے!

کراچی سے روانگی کے بعد اس کا جہاز اب تک یکے بعد دیگرے تین بندرگاہوں پر رکا تھا مگر کتنی عجیب بات تھی کہ اس بار اس نے ایک مرتبہ بھی گھر والوں کو فون نہیں کیا تھا۔

کتنے دن ہو گئے تھے اسے ان سب کی آوازیں سنے ہوئے!

سمندر اسے اپنی طرح بہت چپ بہت اداس لگ رہا تھا!!

☆======☆======☆

جویا اور یقین کے مابین ناراضگی دوسرے ہی دن کھانے کی میز پر گھر والوں پر کھل گئی۔ دن بھر دونوں اپنی اپنی جگہ الجھے الجھے رہے تھے۔ دونوں کے چہروں سے اضمحلال جھلک رہا تھا۔ بجیا نے امی کو اور امی نے بپا کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھا اور بپا نے یقین سے پوچھا۔ ''کیا بات ہے یقین بیٹے، آج کچھ خاموش ہو تم؟''

''کچھ نہیں بپا۔'' یقین نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

''تم کہتے ہو تو مانے لیتے ہیں مگر میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ کوئی بات ہے ضرور۔'' بپا نے کہا۔

''کتنی چالاکی سے بات کرتے ہیں بڑے میاں۔'' جویا نے سوچا۔

''میرے بچے کا منہ کیسا اترا ہوا لگ رہا ہے۔'' امی نے یقین کو دیکھتے ہوئے قدرے دل گرفتگی سے سوچا۔

یقین کو چپ چپ دیکھ کر مدحت بجیا کو بھی یقین پر ترس آنے لگا۔

خاموش تو جویا بھی تھی۔

چہرے سے اضمحلال اس کے بھی عیاں تھا۔

مگر امی، بپا اور مدحت بجیا کی تمام تر ہمدردیاں یقین کی خاموشی سمیت لے گئی! جویا کے اضمحلال کو کسی نے قابلِ اعتنا نہ گردانا۔

رات کو جب امی سونے کے لیے بستر پر لیٹیں تو انہوں نے بپا سے کہا۔ ''یقین کے لیے میرا دل بہت دکھتا ہے۔''

"خیریت؟"

امی نے ایک سرد آہ کھینچی پھر دل شکستہ لہجے میں بولیں۔ "اچھی لڑکی نہیں ملی، ہمیں یقین کے لئے۔"

"اب پچھتانے سے یا آپ کے دل دکھانے سے تو بہو بدل نہیں سکتی۔"

"ہاں، یہ تو خیر آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" امی نے دوبارہ سرد آہ کھینچی۔

"سمجھ میں نہیں آتا، کیا کیا جائے۔"

"اللہ پر چھوڑ دیجئے۔"

"لوگ بیٹیوں کے لئے نیک اور شریف لڑکوں کی دعائیں مانگتے ہیں۔ میں نے اپنے تجربے سے یہ سیکھا ہے کہ اللہ سے بیٹوں کے لئے بھی اچھی بہوئیں ملنے کی دعا کرنی چاہیے۔"

"بے شک!" بابا نے تائید کی۔

"ناصر صاحب!" امی نے دلگیر لہجے میں کہا۔ "سوچتی ہوں، آج تو ہم ہیں، یقین کے ساتھ، کل جب نہیں ہوں گے تو کیا ہوگا؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ جیسے آج آپ نے یقین کو جب دیکھا تو پوچھ لیا کہ بیٹے خاموش کیوں ہو۔ کل جب ہم نہیں ہوں گے تو کون ٹٹولے گا اس کا دکھ؟"

"یقین نے اپنی خاموشی کا سبب ہمیں نہیں بتایا تو کسی اور کو کب بتائے گا۔" بابا بولے۔

"مانا کہ نہیں بتایا اس نے مگر آپ نے پوچھا تو..... جب ہم نہیں ہوں گے تو کون پوچھے گا اس سے کہ....."

"کہ؟"

"کہ وہ چپ کیوں ہے۔"

بابا دھیرے سے مسکرائے پھر بولے۔ "بیگم صاحبہ، خدانخواستہ آپ بیٹے کی خاموشی کو اتنا طول دینا چاہتی ہیں یا..... خدانخواستہ آپ کا مستقبل قریب میں کہیں کوچ کا ارادہ ہے؟"

امی نے بابا کو تنبیہی نظروں سے دیکھا پھر بولیں۔ "زندگی کا بھلا کیا بھروسا۔"

"ہاں، زندگی کا تو خیر کوئی بھروسا نہیں۔"

امی نے ایک سرد آہ کھینچی پھر بولیں۔ "مجھے اللہ نے ایک بچی کی طرف سے تو دکھی کر ہی رکھا تھا، بیٹے کی طرف سے بھی دل کو کھٹکی لگ گئی ہے۔ یہی سوچ سوچ کر پریشان ہوئی جاتی ہوں کہ بہو اچھی نہیں ملی، بیٹے کا کیا ہوگا۔"

"میں نے کہا نا، اللہ پر چھوڑ دیجئے۔"

"ہائے! کیسا چپ تھا میرا بچہ! کھانا بھی بہت بے دلی سے کھایا ہے آج اس نے۔" امی نے کہا۔ "میرا تو دل دکھ رہا ہے اس کے لئے۔"

"بیگم صاحبہ! خاموش تو بہو بیگم بھی بہت تھیں اور کھانا انہوں نے بھی برائے نام ہی کھایا ہے۔"

"عورتوں کا کیا ہے، آدھا پیٹ تو پکاتے پکاتے یہ چکھ وہ چکھ میں بھر لیتی ہیں۔" امی ناگواری سے بولیں۔

"اچھا!" بابا زیر لب مسکرا دیئے۔ "یہ راز تو آپ نے آج پہلی دفعہ کھولا ہے۔"

بابا کی معنی خیز مسکراہٹ نے امی کو خفیف کر دیا۔

"دونوں ایک دوسرے سے اکھڑے اکھڑے لگ رہے تھے۔"

"ہاں، لگ تو رہے تھے۔" بابا نے تائید کی۔

"مجھے یہ گاڑی زیادہ دن چلتی نہیں لگتی۔"

"کیا مطلب؟" بابا چونکے۔

"مطلب یہ کہ ابھی شادی کو عرصہ ہی کتنا گزرا ہے جو یقین میاں اور دلہن کے درمیان ناراضگیاں بھی شروع ہو گئیں۔"

"بیگم صاحبہ! شادی کے ابتدائی سال ہی تو مرد اور عورت دونوں کے لئے آزمائشی عرصہ ہوتے ہیں۔"

"آزمائشی عرصہ؟" امی نے استفہامیہ نظروں سے بابا کی طرف دیکھا۔

"جی ہاں۔" بابا نے امی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "جیسے کوئی نئی ملازمت اختیار کرنے والے کسی شخص کو اپنی ملازمت پکی کروانے کے لئے آزمائشی عرصے کے دوران اپنی کارکردگی سے اپنے افسران یا مالکان کو مطمئن کرنا پڑتا ہے، اسی طرح میاں بیوی کو بھی شادی کے ابتدائی برسوں میں ہی ایک مضبوط، مستحکم اور پائیدار رشتے کی بنیاد ڈالنا پڑتی ہے۔" بابا نے توقف کیا پھر بولے۔ "میاں بیوی کا رشتہ کوئی عارضی ساتھ تو ہوتا نہیں، زندگی بھر کا بندھن ہوتا ہے۔ اس رشتے کے استحکام اور پائیداری کے لئے دونوں کا پُرخلوص ہونا لازم ہے۔ خلوص اور محبت کے بغیر اس رشتے میں استحکام اور مضبوطی نہیں آتی۔"

"توبہ! میاں بیوی کا رشتہ نہ ہوا کوئی عمارت ہو گئی کہ سیمنٹ، بجری یا سریے میں کوئی کسر ہوئی تو عمارت کی مضبوطی اور پائیداری مشکوک ہو جائے گی۔"

"جی ہاں، میاں بیوی کے دل میں ایک دوسرے کے لئے خلوص، محبت، عزت اور بے غرضی نہ ہو تو اس رشتے کی مضبوطی اور پائیداری مشکوک ہی رہتی ہے۔ مرد اور عورت ایک ہی گھر کی چھت تلے میاں بیوی کے رشتے میں بندھ کر زندگی گزارتے تو ہیں مگر زندگی کا صحیح مزا نہیں اٹھا پاتے۔ آپ نے دیکھا ہوگا بعض میاں بیوی بالکل کٹھ پتلیوں کی سی زندگی گزارتے ہیں۔ برس ہا برس اکٹھے رہتے ہیں مگر ایک دوسرے کو سمجھ نہیں پاتے۔"

"ان دونوں کا چکر بھی کچھ کچھ یہی لگتا ہے۔" امی کے لہجے سے فکرمندی جھلک رہی تھی۔

"یقین اور بہو کا؟" بابا کے لہجے میں استفہام تھا۔

"جی ہاں۔"

"ان بیچاروں کو ابھی ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع ہی کہاں ملا ہے۔ ابھی تو دو گام ہی چلے

ہیں دونوں۔"

"مگر یقین کو احساس ہو گیا ہے کہ بیوی اس کے مطلب کی نہیں ملی۔"

بابا کے لبوں پر مدبرانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیوں؟ مسکرا کیوں رہے ہیں آپ؟"

"مسکرانا منع ہے کیا؟"

"منع تو خیر کیا ہوگا مگر......"

"مگر؟"

"آپ مسکرائے تو یوں، جیسے میں نے کوئی غلط بات کہہ دی ہو۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔"

"تو پھر آپ اس طرح کیوں مسکرائے؟"

"بھئی، مسکرایا میں اس لیے کہ یقین کی عمر کے اکثر نوجوانوں کے ساتھ یہی ہوتا ہے۔"

"کیا...... کیا ہوتا ہے؟"

"بیوی کو پا کر شروع شروع ایسے خوش ہوتے ہیں، جیسے کوئی بچہ کوئی نیا کھلونا پا کر خوش ہوتا ہے۔ ان کے پاؤں زمین پر نہیں ٹکتے۔ ہواؤں میں اڑنے لگتے ہیں۔ بیوی انہیں آسمان سے اتری محسوس ہوتی ہے لیکن...... پھر دھیرے دھیرے وہی بیوی انہیں بالکل عام سی عورت معلوم ہونے لگتی ہے بلکہ کبھی کبھی وہ اسے آسمان سے یک بیک زمین پر پٹخ دینے سے بھی گریز نہیں کرتے اور اگر والدین کے بزرگوں اور دیگر متعلقین کا انتخاب ہو تو کچھ اسی طرح ناپسندیدگی کا فتویٰ جاری کر دیتے ہیں جیسے یقین نے کر دیا ہے۔" بابا نے توقف کیا پھر بولے۔ "بالفرض ایسی کوئی بات ہے بھی تو آپ یقین کی کسی شکایت حکایت کو ہرگز ہرگز خاطر میں نہ لائیے...... صاف کہہ دیجیے کہ میاں، تمہارے نصیب میں یہی عورت لکھی تھی۔"

"آپ کا مطلب ہے، اس بے چارے کی دلجوئی بھی نہ کروں!"

"ایسا کون سا پہاڑ ٹوٹ گیا ہے جو دلجوئی کی ضرورت ہو۔"

"ماسٹر صاحب! اچھی بیوی نہ مل سکنا پہاڑ ٹوٹنے سے بھی بڑا پہاڑ ہوتا ہے۔"

"اگر اچھی نہیں تو مجھے بہو بیگم بہت بری بھی نظر نہیں آتیں۔"

"عینک لگا کر دیکھیے ماسٹر صاحب۔"

"بیگم صاحبہ! ایک فرد میں آپ کو اپنے مطلب کی ساری خوبیاں نہیں مل سکتیں۔"

"چلیے مانا کہ ساری خوبیاں ایک شخص میں نہیں مل سکتیں مگر بدبخت میں کوئی ایک خوبی تو ہو۔"

"کیا یہ خوبی کم ہے کہ اس دور میں جب کہ بہوئیں شادی کے دوسرے دن ہی سسرال سے علیحدہ گھر بنانے کا سوچنے لگتی ہیں، ہماری بہو بے چاری ہمارے ساتھ رہ رہی ہے۔"

امی قائل سی دکھائی دینے لگیں۔

امی اور بابا دونوں، میں سے کسی کے گمان میں بھی نہ تھا کہ بیٹے اور بہو کے مابین ناراضگی کا سبب بہو کی علیحدہ گھر بنانے کی ضد ہی تھی۔

"مجھے بس ایک کھٹکا ہے۔" امی بولیں۔

"وہ کیا؟"

"یقین تو پہلے ہی کہے بیٹھے ہیں کہ یہ آپ لوگوں نے مجھے کہاں پھنسا دیا...... اب جو یہ ناراضگیاں شروع ہوئی ہیں دونوں میں تو......" امی نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"تو؟"

"کہیں کوئی اونچ نیچ نہ ہو جائے۔ مرد اگر عورت کی طرف سے مطمئن نہ ہو تو اسے عورت کی چھٹی کرنے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے...... طلاق...... طلاق...... طلاق...... لو بھی ہو گئی چھٹی...... اور مل گیا اپنے پرایوں کو ہزار باتیں بنانے کا موقع۔ کوئی کہتا ہے، عورت کا قصور تھا تو کوئی مرد کو قصوروار ٹھہراتا ہے۔"

بابا کے لبوں پر دھیمی سی مگر کرب آمیز مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ بولے۔ "بیگم صاحبہ! آپ نے تو طلاق...... طلاق...... طلاق کہنے میں تین سیکنڈ لگا دیے۔ کم ظرف اور کمزور مرد تو اکثر اس سے بھی کم وقت میں عورت کی چھٹی کر کے خود کو سورما ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تاہم آپ بیٹے اور بہو کی نسبت ایسی کوئی انتہائی فکر دل میں نہ لائیں۔ دونوں میں اگر کوئی واقعی ناراضگی ہے تو ان شاءاللہ جلد رفع ہو جائے گی۔ میاں بیوی میں کھٹ پٹ ہو ہی جاتی ہے۔ ساری دنیا میں میاں بیوی لڑتے جھگڑتے ہیں۔ کیا ہم آپ ایک دوسرے سے ناراض نہیں ہو جاتے تھے بلکہ اب بھی ہو جاتے ہیں۔"

"ماسٹر صاحب۔" امی کی نگاہوں میں غرور اور محبت کی ملی جلی کیفیت ہلکورے لینے لگی۔ "حسرت ہی رہی مجھے تو کہ کبھی تو آپ لڑے ہوتے۔"

"اچھا!" بابا قہقہہ مار کر ہنس دیے۔

"جی ہاں۔" امی نے توقف کیا پھر بولیں۔ "آج بتا رہی ہوں آپ کو کہ اکثر میں نے یہ سوچا ہے کہ خدا جانے میری یا میرے ماں باپ کی کون سی ایسی نیکی تھی جو خدا کو بھا گئی اور اس کے انعام میں اللہ نے مجھے آپ جیسا خوبرو دے دیا۔"

"ارے صاحب! کیوں شرمندہ کرتی ہیں۔ میں تو ساری زندگی اس خیال سے کبیدہ خاطر رہا کہ محدود وسائل والے مجھ جیسے آدمی کے ساتھ آپ نہ جانے کس کس مقام پر اپنا دل مسوس کر رہ گئی ہوں گی۔"

امی نے ایک سرد آہ بھری پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولیں۔ "عورت ہوں...... کمزور ہوں...... مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں کہ بہت دفعہ ایسا ہوا مگر...... مگر آپ کی محبت اور آپ کی باتوں نے میرے دل سے ہر محرومی کو مٹا دیا۔"

بابا دھیرے سے مسکرا دیے پھر سر جھکا کر دھیمے سُروں میں بولے۔ "اواخر عمر میں کیسے کیسے اعتراف، کیسے کیسے انکشاف ہوتے ہیں!"

"بھئی، آخری عمر میں ہی تو انسان یہ سوچتا ہے کہ اتنے عرصے تو دل میں یہ باتیں اور راز لیے

پھرے، اب جانا تو ہے جس قدر بوجھ ہلکا کیا جاسکتا ہے دل کا کرلیا جائے۔"

"واہ! کیا اچھی بات کی ہے، بیگم صاحبہ آپ نے!" بابا پھڑک اٹھے۔

"بیوی کس کی ہوں ماسٹر صاحب!" امی نے سر جھکا کر نیاز مندانہ انداز میں کہا۔

"جیتی رہیے......جیتی رہیے۔"

"لیجئے بات ہو رہی تھی یقین اور دلہن کی اور ہم بڈھا بڈھیا اپنی باتیں لے بیٹھے۔"

"کوئی نئی بات نہیں۔" بابا کی مسکراہٹ گہری پڑ گئی۔ "ہم بڈھا بڈھیا زندگی کی پٹڑی پر اکثر و بیشتر یونہی دور نکل جاتے ہیں۔"

"دور نہیں نکل جاتے بلکہ خود اپنی ہی پٹڑی پر چل پڑتے ہیں۔"

"غلطی کی درستی کا شکریہ!" بابا نے امی کو محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر؟" امی نے استفہامیہ نظروں سے بابا کو دیکھا۔ "کیا کیا جائے یقین اور دلہن کے درمیان رنجشیں نہ بڑھنے دینے کے لئے۔"

"ہمیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"خدانخواستہ یقین نے کسی وقت زبان سے کوئی ایسی ویسی بات نکال دی تو؟"

"بیگم صاحبہ! کس فکر میں پڑ گئیں آپ۔" بابا نے امی کو دلاسا دیا۔ "ایسی ویسی کوئی بات نہیں ہوگی۔"

"خدا کرے، آپ ٹھیک ہی کہتے ہوں۔"

"ویسے ایک بات بتائیے۔"

"جی......پوچھئے۔"

"بہو سے آپ بھی تو کچھ زیادہ مطمئن اور خوش نہیں ہیں۔ کیا ہرج ہے اگر یقین میاں بہو کی چھٹی کردیں اور آپ دوسری بہو گھر لے آئیں!"

امی نے ہڑبڑا کر بابا کو دیکھا۔

"یہ آپ کیسی بات کر رہے ہیں ماسٹر صاحب!"

"بھئی، ایک بات کہہ رہا ہوں۔" بابا نے اپنی مسکراہٹ کو سنجیدگی کی آڑ میں چھپانے کی کوشش کی۔

"توبہ کیجئے توبہ۔"

"کیوں بھئی۔؟"

"اپنے پرایوں کو ہنسنے کا موقع دینا ہے کیا!"

"اچھا ایک بات بتائیے۔"

"ایک بات تو آپ پوچھ چکے، اب یہ دوسری ہے۔"

"اچھا! اچھا!" بابا جھینپ کر مسکرا دیئے۔

"پوچھئے کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔" امی نے بابا کی طرف دیکھا۔

"اگر......" بابا نے گہری نگاہوں سے امی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "آپ کو اپنے پرایوں کے ہنسنے کا اندیشہ نہ ہو تو کیا آپ یقین کے بہو کو چھوڑ دینے پر خوش ہوں گی؟"

امی نے چونک کر بابا کو تیز سی نظروں سے دیکھا، چند ثانیے ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہیں پھر بولیں۔ "میں ماں ہوں، ماسٹر صاحب، ڈائن نہیں۔" امی کی آواز رندھ سی گئی۔ "کون ماں اپنے بیٹے کا گھر اجڑتے دیکھ کر خوش ہوسکتی ہے؟"

بابا کی نگاہیں امی پر مرکوز تھیں۔

"گھر بہت مشکل سے بستے ہیں ماسٹر صاحب! انہیں بسے ہی رہنا چاہیے۔" شدت جذبات سے امی کی آواز رندھ گئی تھی۔

☆=====☆=====☆

یقین اور جویا کے مابین پہلے بھی ناراضگیاں ہو چکی تھیں اور سب کی سب چند گھنٹوں یا حد سے حد ایک دو روز کشیدگی کے بعد ان دونوں کی صلح پر منتج ہوئی تھیں۔ صلح میں پہل عموماً یقین کرتا تھا مگر اس مرتبہ!

اس مرتبہ ناراضگی طول کھینچ گئی!

مریم کی معصومانہ شوخیاں بھی ان کے مابین پیدا ہو جانے والی کشیدگی کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔

خلوت میں یہ کشیدگی اور بڑھ جاتی!

ایک ہی کمرے میں، ایک ہی چھت تلے، ایک ہی بستر پر وہ اجنبیوں کی طرح ایک دوسرے سے لاتعلق پڑے رہتے۔ بات کرنا تو کجا ایک دوسرے سے اپنے سانسوں کی سرسراہٹیں بھی پنہاں رکھنے کی کوشش میں ان کا دم پھولنے لگتا۔ جویا اپنے سینے کو ساکت کرلیتی پھر بہت آہستگی سے سانس خارج کرتی۔

جویا چاہتی تھی، صلح میں پہل یقین کرے۔

یقین کا خیال تھا کہ جب اس کی کوئی غلطی نہیں تو وہ صلح کا ہاتھ کیوں بڑھائے۔

اپنی اپنی جگہ دونوں ڈٹے ہوئے تھے۔

جویا کو ماں سے خاطر خواہ کمک پہنچ رہی تھی۔ اسکول میں ایک دو قریبی دوستوں سے بھی صلاح مشورہ چل رہا تھا۔

یقین کو اس کے ایک رازداں دوست کی تائید و حمایت حاصل تھی۔

دونوں کے مابین ناراضگی کا دورانیہ جوں جوں بڑھتا جا رہا تھا، یقین کے گھر والوں بالخصوص امی کی تشویش بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

فکرمند تو بابا بھی تھے مگر وہ اور وں پر اپنا تفکر عیاں نہ ہونے دیتے۔

مشکل یہ تھی کہ ان دونوں کے درمیان ناراضگی کا سبب معلوم نہ ہو پا رہا تھا۔ دونوں میں سے کوئی بھی کچھ بتانے کو تیار نہ تھا۔ یقین سے پوچھا گیا تو وہ ٹال گیا۔ جویا سے معلوم کرنے کی کوشش کی گئی تو اس نے پٹھے پر ہاتھ نہ دھرنے دیا۔ ان دنوں اسکول سے گھر واپس آنے کے بعد وہ بہت دیر دیر

تک ٹیلی فون سیٹ کے ساتھ اپنے کمرے میں بند رہنے لگی تھی!

بجیا کا اپنے کمرے میں رکھے ٹیلی فون سیٹ کی طرف دھیان گیا اور انہوں نے ایک روز ذہین سے بہت رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "ایک کام کرو گے؟"

"ضرور۔"

"مگر بہت رازداری سے۔"

"رازداری سے!" ذہین نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں، اتنی رازداری سے کہ گھر میں تمہارے اور میرے سوا کسی تیسرے فرد کو پتا نہ چلے۔"

"کام کیا ہے؟"

"پہلے وعدہ کرو کہ کسی کو بتاؤ گے نہیں۔"

ذہین نے قدرے حیرانی سے بجیا کو دیکھا پھر متذبذب سے لہجے میں بولا۔ "ٹھیک ہے وعدہ۔"

"گڈ بوائے!" بجیا نے اس کا شانہ تھپتھپایا پھر بولیں۔ "میرے کمرے میں چپکے سے ایک ٹیلی فون سیٹ لگا دو جیسے تم نے ایک دفعہ پہلے بھی ایکسٹینشن لگایا تھا۔"

"بس اتنا سا کام۔" ذہین مسکرایا۔ "نو پرابلم۔" اس نے چٹکی بجائی اور بولا۔ "ابھی لگ جاتا ہے۔"

"ارے...... ارے ابھی نہیں۔"

"تو پھر؟"

"رات کو یا کسی ایسے وقت لگانا کہ کسی کو پتا نہ چلے۔"

"خیریت تو ہے بجیا؟"

"ہاں، خیریت ہی ہے۔"

"خیریت ہے تو ٹیلی فون ایکسٹینشن لینے میں اتنی رازداری کیوں برت رہی ہیں۔"

بجیا تذبذب میں پڑ گئیں پھر انہوں نے ذہین کو اعتماد میں لینے کا فیصلہ کرلیا۔

"وعدہ کرو کہ جو بات میں تمہیں بتاؤں گی، اس کا ذکر کسی سے نہیں کرو گے۔"

ذہین نے بجیا کو قدرے تعجب سے دیکھا پھر بولا۔ "ٹھیک ہے۔"

"وعدہ کر رہے ہو نا؟"

"جی...... جی۔"

بجیا نے قدرے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "بھئی، یقین اور جویا میں آج کل سے لڑائی اور دی بجیا کو ان کی طرف سے سخت تشویش لاحق ہے۔ میں فون اس لیے لگوا رہی ہوں کہ جویا اپنے گھر والوں کو فون کرتی ہی ہیں، ہوسکتا ہے فون کے ذریعے کچھ بھید مل جائے یقین سے ان کی ناراضگی کا۔" ذہین کے دل میں بجیا کا بڑا احترام تھا۔ ان کی بابت کوئی منفی خیال بھی ذہین کے لیے بعید از قیاس تھا۔ اس نے آنکھیں پھاڑ کر قدرے بے یقینی سے بجیا کو دیکھا اور کہا۔ "تو کیا...... کیا آپ بھابی کی ٹیلی فون کالز

سنیں گی؟"

ذہین کی نگاہوں میں ہلکورے لیتی حیرانی اور بے یقینی نے بجیا کو خفیف کر دیا۔

"مجبوری ہے۔" بجیا نے اس سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ "ان دونوں میں سے کوئی کچھ بتا نہیں رہا ہے اور امی کی پریشانی بڑھتی جارہی ہے۔ یہی ایک راستہ نظر آتا ہے مجھے ان کی وجہ ناراضگی معلوم کرنے کا۔"

"لیکن بجیا! دوسروں کی پرسنل کالز......" ذہین نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"ہاں، سننی تو نہیں چاہئیں مگر مجبوری کی حالت میں کبھی کبھی ناجائز بات بھی جائز ہو جاتی ہے۔" بجیا نے دلیل پیش کی۔

"او کے۔" ذہین بولا۔ "لگ جائے گا فون۔"

"مگر رازداری سے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔"

ذہین نے ٹیلی فون تار کو کہیں قالین کے نیچے سے گزار کر، کہیں کھڑکیوں اور دروازوں پر پڑے پردوں کی اوٹ میں چھپا کر بجیا کے کمرے میں تک پہنچایا اور بجیا کے کمرے میں رکھے ٹیلی فون سیٹ سے ملانے اور بجیا کو ڈائل ٹون سنوانے کے بعد گھنٹی کی آواز بہت دھیمی کر دی۔

بجیا نے ٹیلی فون سیٹ کو گتے کے ایک خالی ڈبے میں چھپا کر اپنی بک شیلف کے پیچھے اس طرح رکھ دیا کہ کمرے میں آنے جانے والے کسی فرد کی نظر اس پر نہ پڑنے پائے۔

"مجھے بھی سنوایئے گا۔" ذہین نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بجیا سے کہا۔

"بکواس مت کرو۔" بجیا نے اسے پیار سے جھڑکا۔

"اکیلے اکیلے سنیں گی؟" ذہین کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

"اپنا مقصد پورا ہوتے ہی نکال پھینکوں گی فون کو۔" بجیا نے چٹکی صفائی پیش کی۔

ان کی بات پر ذہین کی مسکراہٹ گہری پڑ گئی۔

بجیا جھینپ گئیں۔

ذہین ان کے کمرے سے چلا گیا۔

☆======☆======☆

اپنے کمرے میں ٹیلی فون سیٹ لگوا لینے کے بعد مدحت بجیا کو یقین اور جویا کے درمیان ناراضگی کا سبب دوسرے ہی دن معلوم ہوگیا۔

جب جویا ٹیلی فون سیٹ اپنے کمرے میں اٹھا لے گئی تو بجیا بھی کمرے میں آگئیں اور دروازے کی چٹخنی چڑھا کر جلدی سے گتے کے ڈبے میں رکھے ٹیلی فون سیٹ کی طرف لپکیں۔ بہت احتیاط سے جب انہوں نے ریسیور اٹھا کر اپنے کان سے لگایا تو جویا اور اس کی اماں کو باتیں کرتے پایا۔

"کھانا کھا لیا؟" جویا کی اماں پوچھ رہی تھیں۔

”ہاں..... کھالیا۔“ جویا روہانسے لہجے میں بولی۔

”کیا پکا تھا آج؟“

”پالک گوشت اور ماش کی دال۔“

”کل دوپہر تمہارے جانے کے بعد زویا شام تک بار بار افسوس کرتی رہی کہ بجو تھوڑی دیر اور رک جاتیں تو کڑھی چاول کھا کر جاتیں۔“

”دل تو میرا بھی بہت چاہ رہا تھا اماں مگر..... دیر ہو جاتی تو یہ لوگ پتا نہیں کیا سوچتے۔“

”جو مرضی آئے سوچیں۔ ارے بھئی، تم کوئی زر خرید تو ہو نہیں ان کی۔ دیر سویر ہونے کے سو بہانے کیے جاسکتے ہیں۔ تم ڈرتی ہی بہت ہو۔“

”ڈرنے کی بات نہیں اماں اور نہ ہی مجھے کوئی بہانہ پیش کرنے کی ضرورت ہے۔“

”تو پھر؟“

”میں نہیں چاہتی کہ ان لوگوں کو پتا چلے کہ کبھی کبھی میں اسکول سے آپ کے پاس ہوتی ہوئی یہاں آتی ہوں۔“

”چوری ہے کوئی ان کی۔“

”نہیں..... چوری تو خیر نہیں۔“

”اچھا خیر، یہ بتاؤ کہ یقین کا کیا حال ہے؟“

”وہی جو تھا۔“

”یعنی منہ پھولا ہوا ہے۔“

”ہاں۔“

”پھولا رہنے دو۔ دیکھو کب تک پھولا رہتا ہے۔“

”اماں، اب کی مرتبہ تو حد کر دی اس آدمی نے۔“

”اسے کہتے ہی چوری اور سینہ زوری..... کمبخت کہیں کا۔“

”بالکل نہیں بول رہے اماں۔“ جویا کا لہجہ شاکیانہ تھا۔

”نہ بولے..... تم پروا ہی مت کرو۔“

”اماں..... مجھے بہت وحشت ہو رہی ہے یہاں۔“

”ہاں..... ہاں وحشت تو ہو رہی ہو گی۔“

”کیا کروں اماں..... وہ تو بالکل بات نہیں کر رہے مجھ سے۔“

”نہ کرے..... تمہاری جوتی سے..... تیل دیکھو، تیل کی دھار دیکھو..... دیکھو کب تک نہیں بولتا۔“

”مجھے لگ رہا ہے، وہ نہیں بولیں گے..... مجھی کو جھکنا پڑے گا۔“

”خبردار..... جو تم نے ایسی غلطی کی۔ یوں تو اور حاوی ہو جائے گا وہ..... تم بھی ڈٹی رہو..... سمجھیں۔“

جویا چپ رہی۔

”ہیلو!“ اماں نے بے تابانہ کہا۔

”جی..... سن رہی ہوں۔“

”سمجھ گئیں نا تم میری بات؟“

”جی۔“

”بس ڈٹی رہو خود ہی بات کرے گا وہ۔“

”اور اگر نہ کی؟“

”ارے سو دفعہ کرے گا وہ۔“

جویا چپ رہی۔

”ہاں اور وہ جب بھی بات کرے، تم یہی کہنا کہ مجھے اب اس گھر میں نہیں رہنا۔ الگ گھر لے کر دو۔“ بجیا دم بخود رہ گئیں۔

”گھر کہاں لے سکتے ہیں وہ اماں۔“

”بھئی، میرا مطلب ہے کرائے پر۔“

”میں نے تو یہ تک کہا کہ کرایہ میں دے دیا کروں گی۔“

”بھئی، تم کیوں دے دیا کرو گی۔ مرد وہ ہے اس کو ذمے داری اٹھانی چاہیے۔ تم کیوں بڑھ بڑھ کر اپنی خدمات پیش کرتی ہو۔ اس سے کہو، کرایہ بھی تم دو گے، گھر کا سارا خرچا بھی تم اٹھاؤ گے۔“

”ہائے اماں..... نہیں، وہ بے چارے پر اتنا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی میں۔“

”اوہو!“ اماں ناگواری سے بولیں۔ ”ٹھیک ہے تو پھر اسے گھر میں بٹھاؤ۔ چولہا ہانڈی کرواؤ، بچے پلواؤ اور تم خود اٹھاؤ گھر کا بوجھ۔“

”آپ برا مان گئیں؟“

”نہیں، بہت اچھا مانی ہوں۔“

”اماں، میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ راضی ہو جائیں تو ہم مل جل کر گھر اچھی طرح چلا سکتے ہیں مگر یہ راضی تو ہوں کسی طرح۔“

”اماں بہنوں کے مرید ذرا مشکل ہی سے سیدھے رستے پر آتے ہیں..... دیکھو، میں تمہارے بھلے کو کہہ رہی ہوں کہ ڈٹ جاؤ تم بھی..... صاف کہہ دو کہ نہیں رہنا ہے مجھے اس بھنگڑ خانے میں۔“ جویا کچھ نہیں بولی۔

”سمجھ گئیں؟“

”جی..... جی اماں۔“

”بڑی بی کا کیا حال ہے؟“

”مزے میں ہیں۔“

”اور بڑے میاں؟“

''وہ بھی ٹھیک ہیں۔''

''اور؟''

''اور کیا! بس میں ہی دکھی ہوں۔'' جویا رقت آمیز لہجے میں بولی۔

''ہمت پکڑو۔''

''اماں، بہت اداس ہوں میں۔''

''ارے بھئی، کاہے کو اداس ہوتی ہو..... کھاؤ پیو..... عیش کرو۔''

''اماں! ان کے بغیر نہ کھانے پینے میں مزہ آتا ہے نہ کوئی اور بات اچھی لگتی ہے۔''

''تم تو پاگل ہو۔''

''شاید۔''

''دیکھو، یہ مرد ذات بڑی بدذات ہوتی ہے۔ جتنی اس کی منت کرو، اتنے ہی اس کے دماغ خراب ہوتے ہیں۔ یقین ایک دفعہ بات نہ کرے، تم سو دفعہ منہ پھیرو۔ دو دن میں مزاج ٹھکانے آجائیں گے اس کے۔''

''اماں! میں ان کی ناراضگی زیادہ دن برداشت نہیں کرسکتی۔''

''پھر وہی پاگل پنے اور بیوقوفی کی باتیں..... اپنی بات منوانی ہے تو برداشت کرو..... ورنہ سمجھ لینا کہ ساری زندگی علیحدہ نہیں ہو پاؤ گی تم..... یقین ساری عمر اماں بہنوں کی جوتیاں سیدھی کرتا رہے گا اور تم..... تم زندگی بھر اس جہنم میں جلتی رہو گی۔'' جویا کچھ نہیں بولی۔

''سمجھ رہی ہو میری بات؟''

''جی اماں۔''

''مریم کیسی ہے؟''

''ٹھیک ہے۔''

''ہے کہاں؟''

''دادی کے پاس۔''

''اسے دیکھے ہوئے کئی دن ہوگئے ہیں، کب سے کر آ رہی ہو اسے؟''

''دعا کریں اماں کہ یہ مان جائیں تو پھر انہی کے ساتھ لے کر آؤں گی اسے۔''

''ارے، تم اس کے مان جانے یا نہ ماننے کی پرواہ کیوں کرتی ہو۔ تم اس کی محتاج تو ہو نہیں، کھاتی کماتی اور اپنے پیروں پر کھڑی ہو۔ یہاں آنے جانے کے لئے اس کی پابند مت رہا کرو۔ بچی کو لیا اور رکشہ ٹیکسی میں بیٹھ کر یہاں آ گئیں۔''

''اماں، میں تو اکثر اسکول سے آتے ہوئے چوری چھپے چکر لگا ہی لیتی ہوں۔''

''اب ڈنکے کی چوٹ پر آنے جانے کی عادت بھی ڈالو..... نوکری کرنے والی عورت کو شوہر اور سسرال والوں کا اتنا پابند نہیں ہونا چاہئے۔ سمجھیں؟''

''جی اماں۔''

''تو پھر کب لا رہی ہو مریم کو؟''

''دیکھئے، کسی دن کوشش کروں گی۔''

''کسی دن! توبہ ہے جویا۔ بڑی کم ہمت ہو تم۔ کوشش کرنے کی کیا بات..... کوئی ہل بیل تو گاڑی میں جتیں گے نہیں۔ تمہارے یہاں آنے جانے کے لئے..... مریم کو لو اور آ جاؤ۔''

''اچھا!'' وہ نیم دلی سے بولی۔

''ٹھیک ہے تو بس تم آرام کرو۔''

''اچھا اماں۔''

''اور سنو، ایک دفعہ پھر سمجھا رہی ہوں کہ تمہیں اگر اس جہنم سے نکلنا ہے تو اپنی بات پر اڑی رہنا۔ کمزور مت پڑنا۔ یقین سے صاف کہہ دو کہ مجھے تو ہر قیمت پر علیحدہ ہونا ہے۔ نہیں رہوں گی میں اب تمہارے اماں باوا اور بھائی بہنوں کے ساتھ۔ سمجھ گئیں؟''

''جی ٹھیک ہے۔''

''اچھا مریم کو میری طرف سے پیار کرنا۔''

''جی اچھا۔''

''خدا حافظ!''

''خدا حافظ اماں۔''

جویا کے ریسیور رکھنے کے بعد بجیا نے بھی ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور ٹیلی فون سیٹ کو پہلے کی طرح اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

بجیا کے ذہن میں جھکڑ سے چل رہے تھے۔

تو یہ تھا جویا اور یقین کے درمیان ناراضگی کا سبب!

وہ اس گھر سے علیحدہ ہونا چاہتی تھی!!

اس گھر سے جو کنجِ عافیت تھا!

جو اپنے مکینوں کو ہر سرد و گرم سے بچانے کے لئے ہمیشہ اپنی بانہیں ایک مہربان اور مشفق ماں کی طرح وا رکھتا تھا۔

اس گھر سے یقین کے چلے جانے کا تصور ہی بہ شدت بجیا کو انتہائی تکلیف دہ محسوس ہو رہا تھا۔

''نہیں، یقین کو اس گھر سے کہیں نہیں جانا چاہئے۔'' بجیا نے اپنے ڈوبتے دل کو سہارا دیتے ہوئے سوچا۔

انہیں فکر سی ہوگئی تھی۔

''اللہ نہ کرے، یقین اس گھر سے چلا گیا تو؟'' رہ رہ کر ان کے ذہن میں یہی ایک خدشہ بگولے کی طرح اٹھ رہا تھا۔

یوں پیار تو ان سبھی بہن بھائیوں میں بہت تھا مگر بجیا کا پلڑا اس سلسلے میں ہمیشہ بھاری رہتا تھا۔ بہن بھائی انہیں اپنے عزیز تھے کہ ان کی خاطر وہ اکثر اپنے حصے کی خوشیوں سے خوشی خوشی دستبردار

ہو جایا کرتی تھیں۔ واسطے، درمے، سخنے ہر طرح سے وہ بہن بھائیوں کے کام آنے کے لیے تیار رہا کرتی تھیں۔

یقین اور وہ اوپر تلے کے بہن بھائی تھے۔ یقین انہیں اپنے بہن بھائیوں میں سب سے زیادہ عزیز تھا۔ اس کی ذرا سی تکلیف انہیں بے کل کر دیا کرتی تھی۔ اس گھر سے اس کے چلے جانے کا خیال بھی ان کے لیے انتہائی تکلیف دہ تھا۔

وہ جانتی تھیں کہ خدانخواستہ ایسا ہوا تو امی کو بابا کو بھی دکھ ہوگا۔

بابا کو اپنا کنبہ بہت عزیز تھا۔

برسوں پہلے کی ایک یخ بستہ شام کا ایک منظر آج بھی کبھی کبھی بجیا کی یادوں کے جھروکوں سے اپنی تمام تر رومانویت کے ساتھ جھانکنے لگتا تھا۔

ان دنوں یہ گھر نہیں تھا۔ بابا کو سرکاری مکان ملا ہوا تھا۔ بجیا یونیورسٹی میں پڑھ رہی تھیں۔ نزہت پرائمری اسکول میں زیر تعلیم تھی اور ان دونوں کے درمیان باقی تمام بہن بھائی بھی مختلف مدارج میں زیر تعلیم تھے۔ بابا گھر کے اخراجات پورے کرنے کے لئے شام کے اوقات میں ایک ٹیوشن سینٹر میں بھی جز وقتی ملازمت کیا کرتے تھے۔ اس یخ بستہ شام جب بابا حسب معمول ٹیوشن سینٹر جانے کے لئے تیار ہونے کے بعد کمرے سے برآمدے میں آئے تو وہ سب بہن بھائی فرش پر بچھی دری پر بیٹھے پڑھ رہے تھے۔ بابا انہیں دیکھ کر ٹھٹک گئے اور ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگے۔ امی باورچی خانے کے رخ سے بابا کے لئے چائے کی پیالی لے کر اس طرف آئیں تو بولیں۔ ”کیا دیکھ رہے ہیں ماسٹر صاحب؟“ بابا مسکرا دیئے اور امی سے چائے کی پیالی لیتے ہوئے بولے۔ ”نظام شمسی کو سمجھنے کے لئے کہیں دور جانے کی ضرورت تو نہیں۔“

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ۔“ بابا چائے کی پیالی لئے برآمدے میں پڑے تخت کے کنارے پر بیٹھ گئے اور ان سب بہن بھائیوں کو بصد محبت دیکھتے ہوئے امی سے بولے۔ ”بیگم صاحبہ! پہلے تو آپ یہ بتایئے کہ نظام شمسی سمجھتی ہیں آپ؟“

”اتنی جاہل بھی نہیں ہوں۔ میٹرک پاس کر رکھا ہے میں نے۔“

”سوری بھئی سوری۔ میں بھول گیا تھا۔“ بابا خفیف ہو کر مسکرا دیئے پھر بولے۔ ”جیسے سارے سیارے سورج کے گرد اپنے اپنے مدار پر رقصاں رہنے کی پابندی کر کے اس کائنات کو حسن اور ترتیب بخشے ہوئے ہیں، ویسے ہی سارے بچے بھی اپنے اپنے راستے کی پابندی کر کے اس گھر کو حسن بخشے ہیں...... دیکھئے تو کتنے اچھے معلوم ہوتے ہیں، یہ سب اس راستے پر چلتے ہوئے جو ہم نے ان میں سے ہر ایک کے لئے وضع کر دیا ہے۔“

امی نے ان سب کی طرف دیکھا اور فخر و انبساط سے مسکرا دیں۔

”کتنا خوب صورت ہے ہمارا یہ چھوٹا سا نظام شمسی!“ بابا نے دری پر بیٹھے اپنے چھ بچوں کو محبت سے دیکھا۔

امی بابا کو دیکھنے لگیں۔

بہت پیار اور بہت غرور سے!

پھر بولیں۔ ”ماسٹر صاحب! ہمارے نظام شمسی کا سورج بھی تو بہت روشن ہے۔“

”دعا کیا کیجئے بیگم صاحبہ کہ ہمارے نظام شمسی کے سیارے ہمیشہ اسی طرح اپنے اپنے مدار پر چلتے رہیں کوئی اپنے راستے سے نہ ہٹے ورنہ......“

”ورنہ؟“ امی بابا کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

”ورنہ...... پورا نظام ہی بکھر کر رہ جائے گا۔“

بجیا کی یادوں کے جھروکوں سے اس شام کا منظر جب بھی اپنی چھب دکھاتا، انہیں بابا روشن سورج دکھائی دیتے۔ امی چاند کی طرح تاباں نظر آتیں۔ بہن بھائی اپنے اپنے مدار پر رقصاں سیارے محسوس ہوتے۔ وہ دعا کرتیں کہ ان میں سے کوئی اپنے راستے سے ہٹنے نہ پائے۔

مگر...... آج آج انہیں یوں لگ رہا تھا، جیسے ان کی دعا مستجاب نہیں ہو پائی تھی...... کہیں کوئی کسر رہ گئی تھی شاید!

جویا کے ارادے نیک نہیں تھے۔

بجیا کو اس سے زیادہ اس کی اماں جان پر غصہ آ رہا تھا جو اسے گھر کی اکائی توڑ دینے پر اکسا رہی تھیں۔

یقین کی شادی کے بعد سے اب تک جویا کی نہ جانے کتنی باتیں ایسی تھیں جن کی بجیا نے کبھی اس خیال سے پردہ داری رکھی تھی کہ امی کو غصہ آئے گا اور گھر کی فضا مکدر ہوگی اور کبھی وہ گھر میں اپنی نازک حیثیت کے پیش نظر چپ رہی تھیں مگر اب نہ مصلحت کی جا تھی، نہ نظر پوشی کا موقع۔

جویا کو اماں جان کا مشورہ یہ تھا کہ ڈٹی رہے اور علیحدہ گھر بنانے کے مطالبے سے کسی قیمت پر دستبردار نہ ہو۔

یقین کے بارے میں انہی دونوں کی گفتگو سے یہ پتا چلا تھا کہ وہ علیحدہ ہونے کے حق میں نہیں تھا۔

مگر وہ بے چارہ تن تنہا کب تک ڈٹا رہ سکتا تھا۔

بیویوں کے سامنے تو اچھے اچھے کمزور پڑ جاتے ہیں، ازیر ہو جاتے ہیں، گھٹنے ٹیک دیتے ہیں اور ہتھیار پھینک دیتے ہیں۔

جس نے بھی کہا تھا، بہت صحیح کہا تھا اور غالباً کسی تکلیف دہ تجربے سے گزرنے کے بعد ہی کہا تھا کہ ”لاعلمی بھی انسان کے لئے ایک نعمت ہے۔“

واقعی!

لاعلمی انسان کو آگہی کے کرب سے بچاتی ہے۔

ایک ہی گھر میں بسنے والے لوگ اگر ایک دوسرے کی بہت سی باتوں سے لاعلم رہیں تو زندگی کا حسن بسا اوقات شاید اس طرح ماند پڑ جایا کرے جیسا کہ اس وقت بجیا کو محسوس ہو رہا تھا۔

وہ رنجیدہ تھیں۔

دل ہی دل میں پچھتا رہی تھیں کہ کیوں ڈیّن سے دوسرا فون لگوایا اور کیوں سنیں جویا اور اس کی اماں کی باتیں! لاعلم ہی رہتیں تو اچھا تھا۔

تا دیر بجیا دل گرفتہ سی بیٹھی رہیں پھر اٹھیں اور اس عزم کے ساتھ انہوں نے ٹیلی فون کا تار منقطع کر دیا کہ آئندہ کبھی وہ اسے چوری چھپے استعمال میں نہیں لائیں گی۔

کرب آگہی سے لاعلمی ہزار درجہ بہتر!

☆=====☆=====☆

امی کہا کرتی تھیں، ماں باپ اور اولاد، بہن بھائی اور میاں بیوی ایسے رشتے ہوتے ہیں جن میں کوئی رنجش ہو جائے تو دیرپا نہیں ہوتی۔ ابھی لڑے، ابھی صلح جیسے کوئی بات ہوئی ہی نہیں لیکن دوسرے رشتوں بالخصوص ساس بہو اور نند بھاوج میں خدانہ کرے، کوئی رنجش یا بدگمانی ہو جائے تو لاکھ کوشش کرو، پہلے کی سی بات نہیں آتی بلکہ اکثر تو رنجش جاتی ہی نہیں ہے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ نگاہوں میں اجنبیت نہ آنے پائے۔

چنانچہ امی کا کہنا یہ تھا کہ جہاں تک ہو سکے، ان دوسرے رشتوں میں کوئی رنجش نہ پیدا ہونے دی جائے کہ اگر ایک دفعہ دل میں بال آ گیا تو پھر کسی قیمت پر پہلے کی سی بات نہیں آتی۔ سسرال میں جویا کی طرف سے جس کے دل میں رنجش پیدا ہوئی، دور نہ ہو سکی۔ وہ اور بات تھی کہ دنیاداری کو بات چیت دھیرے دھیرے کبھی سے بحال ہو گئی مگر پہلے والی بات پیدا نہ ہو پائی۔

مدحت بجیا اور جویا میں بات چیت ہوتی تو وہ پہلے کی سی اپنائیت اور گرمجوشی دونوں میں سے کسی کے لہجے میں بھی نہ ہوتی۔ ایک دوسرے سے نظریں چرا کر بات کی جاتی۔ جیسے خطرہ ہو کہ نظریں مل گئیں تو دل کا بھید فاش کر دیں گی۔ مخاطبت بھی اجنبیوں کی طرح ہوتی۔ جویا کو مخاطب کرتے ہوئے نہ بجیا اس کا نام لیتیں، نہ جویا انہیں بجیا کہتی۔ تم اور آپ سے کام چلایا جاتا اور دلوں میں ایک احساس غیریت کنڈلی مارے مستقل براجمان رہتا۔

بجیا کے دل سے جویا کے خلاف پرانی شکایتیں حکایتیں ابھی مندمل نہ ہو پائی تھیں کہ ٹیلی فون پر جویا اور اس کی اماں کی گفتگو سن کر ایک نیا مقدمہ جویا کے خلاف داخل دفتر ہو گیا۔

اس شام جب باورچی خانے میں دونوں کا آمنا سامنا ہوا تو بجیا نے کچھ اس طرح جویا سے بات کی جیسے ان کی مخاطب جویا نہیں، باورچی خانے کی دیواریں تھیں کہا۔ ”تم الگ کیوں ہونا چاہتی ہو؟“

جویا نے بے ساختہ چونک کر بجیا کی طرف یوں دیکھا جیسے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو پھر نظریں جھکا لیں۔

”بولو“ بجیا نے کہا۔

جویا چپ رہی۔

”یہ بھی سوچا کہ الگ ہونے کے بعد رہو گی کہاں؟“

وہ بدستور خاموش رہی۔

''یہاں آخر پریشانی کیا ہے؟''

جویا خود کو مکالمے کے لئے تیار کرنے کی کوشش میں ہنوز چپ رہی۔

اس کی خاموشی بجیا کو گراں معلوم ہونے لگی۔

''ساتھ رہنے میں سو آرام ہوتے ہیں۔'' بجیا نے کہا۔

''سو تکلیفیں بھی ہیں۔''

بجیا چونکیں۔

''کیا تکلیفیں ہیں؟''

''میں بحث میں نہیں پڑنا چاہتی۔''

''بحث میں پڑنے کی بات نہیں اگر کوئی تکلیف ہے تو بتاؤ۔'' بجیا نے رسانیت سے کہا۔

''مجھے کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ میرا واسطہ اپنے شوہر سے ہے...... بس۔'' جویا نے ناگواری سے کہا۔

بجیا ذرا دیر کو دم بخود رہ گئیں پھر تلخی سے بولیں۔ ''ہوسکتا ہے تم اس گھر میں صرف یقین ہی سے اپنا رشتہ سمجھتی ہو مگر یقین کا اس گھر کے ہر فرد سے ایک مضبوط رشتہ ہے۔''

جویا نے کام سے ہاتھ روک کر بجیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور بولی۔ ''آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟''

اس کی ڈھٹائی پر بجیا کو غصہ آیا مگر وہ مصلحت کوشی اختیار کرتے ہوئے بڑے تحمل سے بولیں۔

''خدانخواستہ تم لوگ علیحدہ ہوئے تو امی اور ابا کو بہت صدمہ ہوگا۔''

جویا یوں مسکرائی جیسے بجیا نے کوئی احمقانہ بات کہی ہو...... پھر بولی۔ ''ہمارا علیحدہ ہونا کوئی انہونی یا انوکھی بات تو نہیں ہوگی۔''

''مریم کی دیکھ بھال کون کرے گا؟''

''یہ ہماری پرابلم ہوگی، کسی اور کو اس سلسلے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''بہت افسوس کی بات ہے کہ تم مجھ سے اس لہجے میں بات کر رہی ہو۔''

''اونہہ!'' جویا دل ہی دل میں پھنکاری۔ ''لاٹ صاحب کی بچی ہیں جو میں ہاتھ باندھ کر بات کروں۔''

''حالانکہ میں نے تمہیں ہمیشہ نگہت اور نزہت کی طرح اپنی چھوٹی بہن سمجھا ہے۔''

''میں نے بھی آپ کی شان میں کبھی کوئی گستاخی نہیں کی۔'' جویا کے لہجے میں تضحیک آمیز طنز تھا۔ بجیا کتنی ہی متحمل اور ٹھنڈے مزاج کی سہی، بہرحال تھیں تو انسان ہی...... انہیں اپنی رگوں میں خون ابلتا محسوس ہونے لگا۔

''گستاخی!'' انہوں نے غصے سے کہا۔ ''تم صرف گستاخی کی بات کرتی ہو...... جو جو خطابات تم نے اور تمہاری اماں نے ہم سب گھر والوں کو دے رکھے ہیں اگر میں دہرا دوں تو تم نظریں ملا سکو گی

اس گھر میں کسی سے بھی۔''

ذرا دیر کو جویا کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا!

بجیا کیا اس نے اور اماں نے ان سب کے تضحیک آمیز نام رکھ رکھے تھے۔

مگر!

مگر ان کی ہوا تو یقین کو بھی نہیں لگ سکتی تھی۔

یقین کے گھر میں کسی اور کو کیسے پتا چل سکتا تھا!

بے پر کی اڑا رہی تھیں بجیا بیگم یا شاید اندھیرے میں تیر چلا رہی تھیں، اس خوش فہمی کے ساتھ کہ شاید کوئی نشانے پر جا لگے۔

''کوئی خطابات نہیں دے رکھے ہیں، میں نے اور میری اماں نے۔'' جویا نے بڑی ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ناگواری سے بجیا کو دیکھا۔

''کہو تو دہراؤں؟'' بجیا نے تیز تیکھی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

جویا ان کی نگاہوں کی تاب نہ لا سکی اور اس نے نظریں چرا لیں۔

''امی کو تم لوگ بڑھیا کہتے ہو...... ابا کو بڈھا...... مجھے طلاقن...... نگہت کو لپ جمالو...... نزہت کو موٹی بھدو......'' بجیا غصے میں کہتی چلی گئیں اور انہوں نے جویا اور اس کی اماں کے چند جملے دہرا ڈالے جویا دم بخود رہ گئی۔

''اس کمبخت کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوگیا!'' اس نے سہم کر دل ہی دل میں سوچا۔

''اور بھی بہت سی باتیں ہیں جنہیں بنیاد بنا کر ہم تم سے اور تمہارے گھر والوں سے جھگڑ سکتے تھے مگر ہم کم ظرف نہیں کہ جاہلوں اور فسادیوں کی طرح لڑائی جھگڑا کرتے رہیں، ہمیں برداشت اور درگزر سے کام لینا آتا ہے۔''

''خدایا! پہلے بڑے میاں کو نہ جانے کیونکر نمک اور شکر کا پتا چل گیا اور اب...... اللہ توبہ بڑے خطرناک ہیں یہ لوگ تو! کہاں پھنس گئی میں!'' جویا نے دل ہی دل میں سوچا۔

اچانک اسے اپنا دل بھی بڑی غیر محفوظ سی جگہ محسوس ہونے لگی!

جب بجیا اس کے اور اماں کے درمیان ہونے والی بہت سی ایسی باتیں دہرا سکتی تھیں جن کا اماں کے اور اس کے سوا کوئی تیسرا راز دار نہ تھا تو کیا عجب کہ ان لوگوں کو دل کی باتیں بھی معلوم ہو جاتی ہوں۔

توبہ! توبہ!

اب تو کوئی بات سوچنی بھی ہو تو ان سے چھپ کر سوچنی پڑے گی!

اسے ڈر سا لگنے لگا۔

اور بدستور بجیا کہہ رہی تھیں۔

''دوسروں کی شرافت سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہئے۔ ہم لوگ اگر کچھ کہتے سنتے نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم بیوقوف یا بے حس ہیں...... کوئی اور گھر ہوتا تو اب تک تمہاری اور تمہاری اماں

کی باتوں پر نہ جانے کتنے لڑائی جھگڑے ہو چکے ہوتے...... ذرا سوچو کہ اگر تمہاری بھاوج تمہارے گھر والوں کے لئے ایسی الٹی سیدھی باتیں کریں تو تم لوگ کیا کرو گے؟"

جویا کچھ شرمندہ، کچھ ہراساں دل ہی دل میں مستقل ایک ہی نکتے پر غور کر رہی تھی کہ یہ باتیں ان کو پتا کیسے چلیں!

سسرال سے الگ ہونے والی بات کے بارے میں تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ یقین نے بتائی ہو گی مگر اماں کے اور اس کے درمیان ہونے والی باتیں انہیں کیسے معلوم ہوئیں!

کیا ان کم بختوں نے جاسوسی کے آلے لگا رکھے تھے گھر میں!

اگر ایک کو معلوم تھیں یہ باتیں تو اس کا مطلب ہے سب کو معلوم تھیں۔

کیا یقین کو بھی!

مگر یقین نے تو کبھی بھولے سے بھی ذکر نہیں کیا تھا۔

گھنا کہیں کا۔

اسے یقین سمیت اپنے تمام سسرال والے یک بیک بڑے مشکوک سے محسوس ہونے لگے۔

"ہم سب نے تمہیں پیار دیا، گھر کی عزت سمجھا اور تم نے......" بجیا نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا پھر قدرے توقف سے بولیں۔ "تمہاری جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو ایسی سسرال ملنے پر شکر ادا کرتی۔"

"اونہہ! بڑی اچھی سسرال ملی ہے۔" جویا دل ہی دل میں بولی۔

"امی اور ببا اگر سنیں کہ تم اور تمہاری اماں کس قدر تضحیک سے ان کا ذکر کرتی ہو، کیسے کیسے نام دیتی ہو، ہم سب لوگوں کو تو کتنا افسوس ہوا نہیں۔"

جویا چونکیں۔

تو کیا امی اور ببا کو معلوم نہیں تھا!

اگر انہیں معلوم نہیں تھا تو پھر ان محترمہ کو کیسے معلوم ہوئی تھیں، وہ سب باتیں۔

جویا کشمکش میں پڑ گئی۔

"ہم لوگ جھگڑالو ہوتے تو اب تک نہ جانے کتنی باتوں پر جھگڑا ہو چکا ہوتا۔ بہت چھوٹی سی بات ہے مگر بڑی بھی بنائی جا سکتی تھی۔ شادی کے موقع پر جو تصویریں کھینچی تھیں اور مووی بنی تھی اور ایک دفعہ تو دیکھنے کے گناہ گار ضرور ہوئے ہم پھر تم نے ایسی تالے میں رکھیں کہ دوبارہ فرمائش پر بھی نہ دکھائیں۔ زندگی اس طرح خود غرضی سے نہیں گزرتی۔ جب ایک گھر میں لوگ مل کر رہتے ہیں تو دکھ سکھ، چیزیں سب کچھ شیئر کرنا پڑتا ہے۔"

"تصویریں اور مووی میں نے افشاں اور کہکشاں کی وجہ سے الماری کے لاکر میں رکھ دی تھیں۔ وہ جب آتی تھیں تو تصویریں اور مووی دکھانے کی فرمائش کرتی تھیں۔" جویا نے اپنے طور پر صفائی پیش کر کے اپنی خفت مٹانے کی کوشش کی۔

حالانکہ حقیقت وہی تھی جو بجیا بیان کر چکی تھیں۔

"بالفرض یہی بات تھی تو...... بچیاں تصویریں اور مووی کتنی دفعہ دیکھتیں۔ دو دفعہ، چار دفعہ

آٹھ دفعہ...... بس آخر کار دل بھر جاتا ان کا۔ اور تم اگر انہیں محبت کی نظر سے دیکھتیں تو بیس مرتبہ تصویریں اور مووی دکھانا بھی مائنڈ نہ کرتیں مگر میں نے خود ایک دفعہ نہیں کئی مرتبہ یہ بات نوٹ کی کہ بچیاں بہت پیار سے تمہارے کمرے میں جاتیں اور تم انہیں کسی نہ کسی بہانے سے اپنے کمرے سے نکال باہر کرتیں حالانکہ بات اتنی سی تھی کہ تم نئی نئی اس گھر کی فرد بنی تھیں۔ بچیاں بلکہ ہم بھی ایکسائیٹڈ تھے اور کسی نہ کسی بہانے تمہارے آس پاس رہنا چاہتے تھے۔"

جویا کی خفت نے کھسیانے پن کی جون لے لی۔

"آپ! آپ گڑے مردے کیوں اکھاڑ رہی ہیں؟"

"کیونکہ تم نے موقع دیا ہے۔" بجیا کے دھیمے پڑ جانے والے غصے کو ہوا سی ملی۔

"ہاں ہاں، میں بہت بری ہوں۔ شیطان ہوں...... آپ لوگ سب کے سب فرشتے ہیں۔" جویا رقت آمیز لہجے میں بولی۔

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"یہی بات ہے۔" جویا روہانسی ہو گئی۔ "آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ آپ سب بہت اچھے ہیں، میں اور میرے گھر والے برے ہیں۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔ ہمارے ہاں کبھی کسی نے ایسا نہیں کہا۔"

"کیوں نہیں کہا۔ امی نے کئی مرتبہ میری اور میرے گھر والوں کی انسلٹ نہیں کی۔"

"میرا خیال ہے ایسا کبھی نہیں ہوا؟"

"ہاں، اپنی بات تو سب بھول جاتے ہیں۔" جویا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "زویا بے چاری قسمت کی ماری ایک مرتبہ دو دن رہنے کے ارادے سے آئی اور امی نے ایک ہی دن میں اسے ایسا بے عزت کیا کہ دوبارہ اس نے کبھی نام تک نہیں لیا میرے پاس آ کر رہنے کا۔"

"میں نے اور یقین نے زویا سے معذرت کر لی تھی، معافی مانگ لی تھی اس سے۔"

"جی ہاں، آپ لوگ بہت اچھے، بہت مہذب جو ہوئے۔ اچھے لوگوں کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ آدمی کو بے عزت کیا اور معافی مانگ لی۔" جویا تلخ لہجے میں بولی۔

بجیا کچھ کہنا ہی چاہتی تھیں کہ جویا نے ان کے بولنے سے پیشتر مزید کہا۔ "آپ لوگوں کا تو یہ رویہ ہے کہ جب مرضی آئے منہ پھلا لیتے ہیں مجھ سے...... ابھی کچھ دن پہلے کیا ہوا تھا جو آپ سب نے مجھ سے بولنا بند کر دیا تھا اور اب بھی کون سا رخ دے کر بات کرتے ہیں آپ لوگ مجھ سے۔"

"کوئی تو بات ہوئی ہو گی جس نے ہم سب کو دکھ پہنچایا اور ہم نے لڑنے جھگڑنے کی بجائے بات چیت بند کر کے ناراضگی کا اظہار کیا۔" بجیا بولیں۔

"کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔" وہ پورے شد و مد سے بولی۔

"ہوئی تھی......"

"کیا بات تھی، بتایئے۔"

"ہر بات بتائی نہیں جاتی۔"

"کوئی بات ہو تو آپ بتائیں نا...... جب کوئی بات ہی نہیں تھی تو آپ بتائیں گی کیا۔"

"تھی کوئی ایسی بات جس نے ہمیں رنج پہنچایا تھا۔" بجیا بھی اپنے موقف پر ڈٹی رہیں۔

"کوئی بات نہیں تھی۔" جویا دوٹوک انداز میں بولی۔

"بتادوں......؟"

"بتایئے......"

بجیا کے جی میں آیا کہ اس کی وہ ساری باتیں دہرادیں جو انہوں نے اور امی نے اسے فون پر اپنی اماں سے کہتے سنی تھیں مگر انہوں نے بات بڑھانے سے گریز کیا۔

"چھوڑو، رہنے دو۔"

"نہیں...... نہیں بتایئے نا۔"

بجیا چپ رہیں۔

"آپ تو یہ کہتی ہیں نا کہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو ایسی سسرال ملنے پر شکر کرتی اور میں کہتی ہوں کہ یہ میرا ہی حوصلہ ہے کہ میں نے اتنے دن گزار لیے۔ کوئی اور لڑکی ہوتی تو دوسرے ہی ہفتے الگ ہوجاتی، آپ لوگوں سے۔"

"کیوں؟ دوسرے ہفتے کون سی افتاد پڑ گئی تھی؟"

"ارے چھوڑیے...... گنوانے بیٹھ گئی نا تو......"

"تو......؟"

"تو میرا ہاتھ ہوگا اور آپ سب کے گریبان...... شادی کے بعد برگر کھا آئے تھے ہم دونوں باہر سے، اسی پر آپ کی امی جان کا موڈ بگڑ گیا تھا۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ امی ایسی ہیں ہی نہیں۔"

"میں تو پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ میں بُری...... میری سات پشتیں بُری...... اچھے تو آپ لوگ ہیں...... میری قسمت خراب تھی کہ میں بُری آپ اچھوں میں آ پھنسی۔" جویا نے دونوں ہاتھ جوڑے اور بولی۔ "اسی لیے میں اس گھر کو سلام کرکے جانا چاہ رہی ہوں یہاں سے۔"

عین اسی لمحے ببا کی آواز نے ان دونوں کو چونکا دیا۔

"بہو بیگم، آج چائے نہیں پلائیں گی کیا؟"

جویا نے ببا کی بات کا جواب نہیں دیا اور تیزی سے باورچی خانے سے نکل گئی۔ اس کے اس طرح جانے کو ببا نے قدرے حیرانی سے دیکھا پھر مدحت بجیا کے نزدیک آ کھڑے ہوئے اور تشویش سے بولے۔ "کیا بات ہے بیٹی؟"

"کچھ نہیں...... کچھ نہیں ببا۔" بجیا نے نظریں چراتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی۔

"کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔"

"کچھ نہیں ببا...... آپ چلیے میں آپ کے اور امی کے لیے چائے لے کر آتی ہوں۔"

"میری طرف دیکھو۔"

"جی...... جی۔" بجیا نے ببا کی طرف دیکھنے کی کوشش کی۔

"کیا بات ہے؟" ببا کے لہجے میں فکرمندی تھی۔

"کچھ...... کچھ نہیں...... کچھ بھی تو نہیں ببا۔"

"بیٹا! مجھ سے چھپا رہی ہو...... اپنے باپ سے؟"

بجیا کو یوں لگا جیسے ان کے حلق میں ڈھیروں دھواں سا اکٹھا ہوگیا ہو۔

کیسے بتاتیں وہ ببا کو کہ ان کے شمسی نظام کو خطرہ لاحق تھا۔

"بولو...... کیا بات ہے؟"

بجیا نے ببا کی طرف دیکھا اور ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بولیں۔ "جویا کو ہم سب سے بہت شکایتیں ہیں ببا۔"

"بس اتنی سی بات!" ببا مسکرا دیے۔

"آپ اسے اتنی سی بات کہہ رہے ہیں۔" بجیا حیرانی سے بولیں۔ "حالانکہ شکایتیں تو ہمیں ہیں ان سے۔"

ببا ہنس دیے۔

بجیا ان کا منہ دیکھنے لگیں۔

"خود کو معصوم اور دوسرے کو خطاوار سمجھنا ہم انسانوں کی فطرت ہے بیٹا...... آدم اور حوا نے بھی اپنی خطا کا دوش شیطان کو دیا تھا۔"

"مگر پھر بھی انہیں اپنی غلطی کی سزا تو بھگتنی ہی پڑی۔"

"ہاں۔" ببا اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔ "وہ تو ہر خطاوار کو بھگتنی ہی پڑتی ہے...... جزا اور سزا کا اصول تو مسلمہ ہے بیٹی۔" ببا نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پوچھا۔ "یہ موجو کہاں ہے؟"

"ہر اسالہ ختم ہوگیا تھا وہ لینے بھیجا ہے۔"

تبھی امی مریم کو لیے آ پہنچیں۔

"ماسٹر صاحب! بچی کو ٹہلانے کا وقت ہوگیا ہے۔"

"حاضر بیگم صاحبہ حاضر بس ذرا چائے پی لوں۔"

"آج چائے ابھی تک بنی کیوں نہیں؟" امی بولیں۔

"اچھا ہے بیگم صاحبہ...... تھوڑی بہت تبدیلی بھی کبھی ہوتی رہنی چاہیے، کھانے پینے کے اوقات کا ورد وظیفہ سا معلوم ہونے لگتا ہے۔" مریم کا گال محبت سے چھوتے ہوئے ببا کی آنکھوں میں محبت ڈولنے لگی۔

امی نے مریم کے گال، ہونٹ، پیشانی، ہاتھ بیتابانہ چومنا شروع کردیے اور پھر مریم کو اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ مریم کے لیے محبت ان کی آنکھوں سے جھانک رہی تھی۔

بجیا نے اس منظر کی تاب نہ لا کر نظریں چرا لیں۔

☆=====☆=====☆

شام ڈھلے یقین دفتر سے گھر واپس لوٹا تو جویا بستر پر لیٹی تکیے میں منہ دیئے پڑی تھی۔ یقین جو اس سے اپنے سفارتی تعلقات بحال کرنے کے لیے کسی مناسب موقعے کی تاک میں تھا، اس کا کندھا دھیرے سے ہلاتے ہوئے روٹھے روٹھے سے لہجے میں بولا۔ "کیا بات ہے، ایسے کیوں پڑی ہو؟"

جویا سسرال والوں سے کتنی ہی متنفر کیوں نہ سہی، یقین سے اس کا جسم و جاں کا رشتہ تھا۔ کئی دن بعد اس کے ہاتھ کا لمس پاتے ہی اس کی کیفیت آن کی آن میں ہو گئی۔

"اٹھو بھئی، بتاؤ کیا بات ہے؟" یقین نے کہا۔

جویا کے جسم میں ارتعاش سا طاری ہو گیا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے؟" یقین اس کے نزدیک بیٹھ گیا اور اس کے بالوں میں دھیرے دھیرے اپنی انگلیاں گھمانے لگا۔

جویا کو یوں لگا جیسے اس کے دکھتے وجود پر کوئی مہربان ہاتھ دھیرے دھیرے مرہم آلودہ نرم نرم پھاہے رکھ رہا ہو۔

شدت جذبات سے اس پر رقت سی طاری ہو گئی اور وہ بدستور تکیے میں منہ دبائے گھٹ گھٹ کر رونے لگی۔

"کیا ہوا؟" یقین پریشان ہو گیا۔

وہ کچھ نہیں بولی، اسی طرح گھٹ گھٹ کر روتی رہی۔

یقین اپنے ہاتھوں کے لمس سے اسے دلاسا دیتے ہوئے اسے اٹھا کر بٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔

جویا نے تکیے سے منہ نکالا تو دوپٹے سے آنچل میں چھپا لیا۔

"کیا بات ہے؟ کسی نے کچھ کہہ دیا؟"

جویا کے رونے میں کمی ہوئی تو وہ بولا۔ "اگر تم نہیں بتاؤ گی تو مجھے گھر والوں سے پوچھنا پڑے گا...... بتاؤ نا جان، کیا ہوا؟"

جویا اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو ہتھیلی کے رخ دوہرا کر کے بھیگی بھیگی آنکھوں سے انگلیوں کے ناخنوں کو دیکھنے لگی، اس کے لبوں پر ہلکی ہلکی سی لرزش تھی۔

"ہاں...... بتاؤ...... کیا بات ہے؟"

"آج...... آج آپ کی...... بڑی بہن صاحبہ نے بہت برا بھلا کہا ہے مجھے۔" وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔

"بجیا نے!" وہ کچھ بے یقینی اور حیرانی سے بولا۔

جویا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیوں.........؟"

"انہی سے پوچھیے۔" جویا نے اپنا انداز نشست جوں کا توں رکھا۔

"کوئی تو بات ہوئی ہوگی؟"

"کچھ بھی نہیں...... میں کچن میں گئی تو......"

"تو.........؟"

"تو انہوں نے بے نقط سنانا شروع کر دیں۔"

"حیرت ہے!" یقین کی بے یقینی ہنوز برقرار تھی۔ "بجیا ایسی ہیں تو نہیں۔"

"چھپی رستم ہیں وہ۔"

یقین نے متذبذب سی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"بظاہر میٹھی بنی رہتی ہیں مگر اندر ہی اندر جڑیں کاٹتی ہیں...... میں تو بتاتی نہیں آپ کو...... سارا دن امی اور بابا کے کان بھرتی رہتی ہیں وہ۔"

"کان بھرتی رہتی ہیں۔"

"ہاں......"

"کس سلسلے میں؟"

"ہم دونوں کے خلاف۔"

"ہم دونوں کے خلاف!"

"ہوں.........."

"مگر ہم نے کیا کیا ہے جو وہ ہمارے خلاف کان بھرتی رہتی ہیں۔"

"کان بھرنے کے لیے کسی کا کچھ کرنا ضروری تھوڑی ہوتا ہے۔ جھوٹی سچی لگاتی رہتی ہیں۔"

"مگر...... بجیا تو...... وہ تو بہت...... بہت اچھی ہیں۔"

"جتنی اچھی ہیں، میرا دل ہی جانتا ہے۔"

"تمہیں کوئی غلط فہمی تو نہیں ہوئی؟"

"بچی نہیں ہوں میں۔" وہ غرائی۔

"اچھا، یہ تو بتاؤ کہ کہا کیا انہوں نے؟"

جویا اسے گہری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ "آپ نے ان سے کہا تھا کہ ہم لوگ الگ ہونا چاہتے ہیں؟"

یقین بے ساختہ چونکا۔ "نہیں...... نہیں تو۔"

"کہا تو ہوگا ورنہ انہیں کیسے پتا چلا تھا؟"

"بخدا! نہیں کہا میں نے۔"

جویا تذبذب میں پڑ گئی۔

اگر یقین سچ کہہ رہا تھا تو پھر بجیا کو کیسے پتا چلا تھا؟

"میں کچن میں گئی تو انہوں نے اسی بات پر لڑنا شروع کر دیا مجھ سے کہ تم الگ کیوں ہونا چاہتی ہو...... پھر انہوں نے الٹی سیدھی باتیں کرنا شروع کر دیں اور خوب لڑیں مجھ سے...... کہنے لگیں۔ تم ناشکری ہو تمہاری جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو ایسی سسرال ملنے پر اللہ کا شکر ادا کرتی۔ مجھے اور میرے گھر

والوں کو کم ظرف، جاہل، فسادی اور پتا نہیں کیا کیا کہا۔"

"یقین نہیں آرہا مجھے۔"

"آپ کو بھلا کیوں یقین آنے لگا...... آپ کو تو بس اپنی امی اور بہنوں کی باتوں پر یقین آتا ہے، بیوی کو تو آپ گھاس ہی نہیں ڈالتے۔"

"غلط بات مت کرو۔"

"غلط نہیں، میں بالکل صحیح کہہ رہی ہوں۔"

"بیوقوف ہو تم۔"

"ہاں...... ہاں...... میں تو بیوقوف ہوں...... عقلمند تو آپ کی اماں بہنیں ہیں یا پھر آپ کے ابا جان۔"

"آہستہ بولو......"

"کیوں...... مجھے ڈر ہے کسی کا جو آہستہ بولوں۔"

"گھر والے سنیں گے۔"

"سننے دیں...... میں پروا نہیں کرتی۔"

"تم چاہتی کیا ہو؟" یقین کو غصہ آگیا۔

"میں اس جہنم سے نکلنا چاہتی ہوں۔"

"دیکھو، میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں تم سے کہ یہ ممکن نہیں ہے۔"

کیوں ممکن نہیں ہے؟"

"بس۔" وہ دوٹوک لہجے میں بولا۔

"آپ تو یہ چاہتے ہیں کہ میں اس گھر میں دوسرے درجے کی مخلوق بنی آپ کے گھر والوں کی الٹی سیدھی سنتی چلی جاؤں...... کوئی اور مرد ہوتا تو جا کر بہن سے پوچھتا کہ تم نے میری بیوی کو برا بھلا کیوں کہا؟ کیوں لڑیں اس سے؟ مگر آپ...... آپ تو......"

"پوچھ لوں گا...... پوچھنے کی مہلت تو دو...... دفتر سے آیا ہوں، سانس تو لینے دو مجھے۔"

"لیجیے...... خوب سانسیں لیجیے...... اتنی سانسیں لیجیے کہ میری سانس گھٹ جائے۔"

جویا رونے لگی۔

"لاحول ولا قوۃ! کیا مصیبت ہے۔" یقین وارڈ روب سے اپنے کپڑے نکال کر پوری قوت سے جھٹکتے ہوئے بولا۔

"مجھے مصیبت کہہ رہے ہیں۔" جویا روتے ہوئے بڑبڑائی۔

"ارے بابا! تمہیں نہیں کہہ رہا ہوں۔"

"تو پھر کسے کہہ رہے ہیں؟"

ببا مریم کو ٹہلانے کے لیے گھر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ امی لاؤنج میں تھیں۔ جویا اور یقین کی آوازیں ان تک پہنچیں تو وہ گھبرا کر اٹھیں اور لاؤنج سے نکل کر یقین اور جویا کے کمرے کے باہر دم

سادھ کر اور کان لگا کر کھڑی ہو گئیں۔

"بہت بے صبری عورت ہو تم۔" یقین کہہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے، میں تو بے صبری ہوں...... آپ دوسری لے آئیں نا۔" جویا نے روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"لے آؤں گا، دوسری ہی لے آؤں گا۔" یقین غصیلی آواز میں بولا۔

جویا کے رونے اور بڑبڑانے کی آواز سنائی دی۔

کمرے کے اندر اٹیچڈ باتھ روم کا دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔

جویا کی آواز بتدریج دھیمی پڑتے پڑتے بالآخر بند ہوگئی۔

امی دبے پاؤں وہاں سے ہٹیں اور باورچی خانے میں کام کرتی مدحت بجیا کے پاس چلی آئیں اور موجو سے جو بجیا کا ہاتھ بٹا رہا تھا، بولیں۔ "موجو! میں لاؤنج میں چائے کی پیالی چھوڑ آئی ہوں، اٹھا تو لا۔"

"اچھا جی............"

موجو کے جانے کے بعد امی نے بجیا سے بڑی رازداری سے کہا۔ "آج یقین اور دلہن میں کھٹ پٹ ہو رہی ہے۔"

"اچھا!......" بجیا چونکیں۔ "آپ کو کیسے پتا چلا؟"

"سن کر آئی ہوں...... کمرے سے باہر آرہی تھیں دونوں کی آوازیں...... دلہن رو رہی تھیں اور یقین کہہ رہے تھے کہ دوسری لے آؤں گا۔"

بجیا کچھ فکرمند سی دکھائی دینے لگیں۔

"میرا تو دل گھبرا رہا ہے مدحت!" امی زیادہ پریشان دکھائی دینے لگیں۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ یقین......"

"اطمینان رکھیے...... کچھ نہیں ہوگا۔" بجیا نے بڑے بھروسے کے ساتھ کہا۔

"مجھے تو اس گاڑی کے زیادہ چلنے پر شک ہے۔" امی کے لہجے سے فکرمندی جھلک رہی تھی۔

"ارے امی جان، یقین غصے میں کہہ گئے ہوں گے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔" بجیا نے امی کو تسلی دی۔

"شریف لوگ ایسی باتیں غصے میں بھی منہ سے نہیں نکالتے...... میرا تو جی چاہا تھا کہ کمرے میں جا گھسوں اور یقین کو لتاڑوں کہ ایسی بات کیوں کہی...... آج زبان سے کہی ہے ایسی بات، کل کو خدا نہ کرے......" امی نے توقف کیا پھر بولیں۔ "مدحت میرا تو دل گھبرا رہا ہے۔"

"امی جان! آپ پریشان نہ ہوں۔"

"ارے! پریشان کیسے نہ ہوں...... شادی کو ابھی عرصہ ہی کتنا گزرا ہے کہ بہو بیٹے میں دوسری لانے کی باتیں ہونے لگیں۔"

"میں آپ کو پکے کاغذ پر لکھ کر دے سکتی ہوں کہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ دوسری لانے والے کہتے

نہیں، لا کر بٹھا دیتے ہیں۔"

"خدا نہ کرے۔" امی نے ہول کر کہا۔

"ہاں..... خدا نہ کرے۔" بجیا نے امی کی تائید کی۔ "خدا جویا اور جویا جیسی لڑکیوں کو عقل دے۔"

موجو لاؤنج سے چائے کی خالی پیالی لے کر واپس آیا تو دونوں چپ ہو رہیں اور امی نے واپس جانے کے لئے کچن کے دروازے کا رخ کیا اور جاتے جاتے تھم کر بجیا سے بولیں۔ "آج دلہن باورچی خانے میں بھی نہیں آئیں؟"

"آئی تو تھیں۔"

"پھر.........؟"

"پھر چلی گئیں۔"

"کیوں.........؟"

"ان کی مرضی۔"

"ہوں۔" امی نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا، ایک ٹھنڈی سانس بھری اور باورچی خانے سے نکل گئیں۔

ببا، مریم کو ٹہلا کر گھر واپس لوٹ چکے تھے۔

☆=====☆=====☆

یقین اپنے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آیا تو امی، ببا اور ذہین لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ امی جو اس وقت تک پوری صورت حال ببا کے علم میں لا چکی تھیں، ببا کو معنی خیز اشارہ دے کر انجان سی بن گئیں۔

"آؤ بیٹا آؤ۔" ببا نے یقین سے بڑے تپاک سے کہا۔

یقین کو دیکھ کر مریم اس کی جانب بیتابانہ لپکی۔ یقین نے جھک کر اسے گود میں اٹھایا اور پیار کرتے ہوئے ببا کے نزدیک ہی بیٹھ گیا۔

"بچوں کے دم کی بھی کیا رونق ہوتی ہے۔" ببا بولے۔ "مریم کو گود میں لیتے ہی تمہارے چہرے پر بشاشت آ گئی۔"

یقین مسکرا دیا اور ذہین اسے رشک سے دیکھنے لگا۔

"اور سب خیریت بیٹا!" ببا نے یقین سے پوچھا۔

"جی..... جی ہاں۔"

"دفتر کیسا جا رہا ہے؟"

"ٹھیک ٹھاک۔"

امی نے نگاہوں ہی نگاہوں میں ببا کو پھر معنی خیز اشارہ دیا۔

جواباً ببا نے نظروں ہی نظروں میں امی کو صبر سے کام لینے کا مشورہ دیا۔

"آج تھکے تھکے سے لگ رہے ہو، معلوم ہوتا ہے، دفتر میں کام کچھ زیادہ تھا؟"

"جی..... بس....."

امی زیادہ مضطرب دکھائی دینے لگیں۔

"پوچھتا ہوں بھئی، پوچھتا ہوں۔" ببا نے آنکھوں ہی آنکھوں میں امی کو اطمینان دلایا۔

یقین کچھ متذبذب سا نظر آ رہا تھا۔

ببا نے یقین سے کچھ پوچھنے کا ارادہ کیا۔

مگر ببا کے کچھ پوچھنے سے پیشتر ہی یقین نے محتاط سے لہجے میں پوچھا۔ "آج گھر میں..... کچھ بات ہوئی تھی کیا؟"

ببا اور امی دونوں چونکے..... ذہین نے باری باری ان سب کو دیکھا۔

"کیسی بات؟" ببا نے پوچھا۔

"جویا..... اور....."

"اور.....؟؟" ذہین نے پُر تجسس لہجے میں پوچھا۔

"بجیا کے درمیان۔" یقین نے ہچکچاتے ہوئے اپنا فقرہ مکمل کیا۔

"میرے علم میں نہیں۔" ببا نے کہا پھر امی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "بیگم صاحبہ، آپ کے علم میں ہے؟"

"نہیں..... میرے خیال میں تو کوئی بات نہیں ہوئی۔" امی نے وثوق سے کہا۔

"کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوا ہوگا..... اتنا جھوٹ تو وہ بول نہیں سکتی۔"

"کون؟" امی نے پوچھا۔

"جویا........."

"بیٹا بات کیا ہے، کھل کر بات کرو۔" ببا متحمل مزاجی سے بولے۔

"بجیا نے اسے کچھ برا بھلا کہا ہے؟" یقین نے شاکی لہجے میں بولا۔

"مدحت نے!" ببا نے حیرانی اور بے یقینی سے کہا۔

"جی........."

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" امی نے پُر یقین انداز میں کہا پھر مزید بولیں۔ "وہ بھی کسی کو کچھ کہتی ہے؟"

ذہین نے تائید میں گردن ہلائی۔

"اس کا مطلب ہے، میں جھوٹ بول رہا ہوں۔" یقین کی آنکھوں سے ناگواری اور لہجے سے زچی جھلک رہی تھی۔

"تو میں جھوٹ بول رہی ہوں؟" امی کو بھی غصہ آ گیا۔

"آرام سے آرام سے......" ببا نے بڑے تحمل سے کہا۔

"مجھے جھوٹا قرار دیا جا رہا ہے......" امی نے ببا کی عدالت میں یقین کے خلاف مقدمہ داخل

دفتر کیا۔

"امی! پلیز آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔" یقین بولا۔

"میں سب سمجھتی ہوں۔"

"کیا سمجھتی ہیں؟"

"بیوی کی حمایت میں تم بہن کے خلاف بول رہے ہو۔"

"نہ میں کسی کی حمایت میں بول رہا ہوں، نہ کسی کے خلاف...... میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ جویا اور بجیا کے درمیان کچھ نہ کچھ بات ہوئی ضرور ہے...... بغیر کسی بنیاد کے جویا اپنے دل سے اتنا بڑا جھوٹ بول نہیں سکتی۔"

امی کچھ بولنے کے درپے ہوئیں مگر بابا نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے چپ رہنے کی ہدایت کی اور بولے۔ "بیگم صاحبہ! ذرا معلوم تو ہونے دیں کہ قصہ کیا ہے؟" پھر انہوں نے یقین کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔ "ہاں میاں، ذرا تفصیل سے بتاؤ کہ معاملہ کیا ہے؟"

"بجیا نے جویا کو ڈانٹا ڈپٹا اور اسے اور اس کے گھر والوں کو برا بھلا کہا ہے۔" یقین نے بتایا۔

"وجہ............؟"

"وجہ مجھے معلوم نہیں۔"

"معلوم تو کرتے۔"

"کس سے معلوم کرتا؟"

"جویا سے اور کس سے؟"

"وہ بہت اپ سیٹ ہے...... شاید اب بھی رو رہی ہو۔"

"حیرت ہے کہ گھر میں اتنی بڑی بات ہوگئی اور ہمیں پتا تک نہ چلا...... مدحت کا کسی کو ڈانٹنا ڈپٹنا اور برا بھلا کہنا کسی اور کے لئے باعث حیرت امر ہو یا نہ ہو، میرے لئے ہے...... وہ تو بہت ہی متحمل مزاج ہے۔"

"بابا! آپ بھی امی کی طرح مجھے جھوٹا سمجھ رہے ہیں۔"

"اوہو! میاں، ایسی کوئی بات نہیں...... خدانخواستہ میں تمہیں جھوٹا نہیں کہہ رہا اور نہ تمہاری امی کا یہ مطلب تھا...... ہمیں تو اس امر پر حیرت ہوئی کہ مدحت اور بہو میں ہونے والی کھٹ پٹ کی ہمیں کانوں کان خبر نہ ہوئی۔"

"خبر تو اس وقت ہوتی جب جویا بھی کچھ بولی ہوتی۔"

"تمہارا مطلب ہے، زیادتی مدحت کی طرف سے ہوئی؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

تبھی بجیا یقین کے لیے چائے لے آئیں۔

"اچھا ہوا تم خود آگئیں۔" امی بولیں۔

"خیریت؟" بجیا نے ان سب پر ایک نظر ڈالی۔

"ایسی کیا بات کہہ دی تم نے دلہن سے جوان کے آنسو ہی نہیں تھم رہے؟" امی بولیں۔

"میں نے......!"

"ہاں......"

"کوئی خاص بات نہیں...... لیکن اگر جویا نے مائنڈ کیا ہے تو میں ایکسکیوز کرلوں گی۔"

یقین نے بابا کو پوچھا ایسی نگاہوں سے دیکھا جیسے کہتا ہو سن لیا آپ نے!

"بیٹی! بات کیا تھی آخر؟" بابا نے یقین سے نظریں چراتے ہوئے پوچھا۔

بجیا شش و پنج میں پڑ گئیں۔

"بتاؤ بیٹا!" بابا نے کہا۔

بجیا کو خفت کے احساس نے آگھیرا!

انہیں یوں لگا جیسے وہ چھوٹی سی بچی تھیں جسے اس کی معمولی سی خطا پر شرمسار کیا جا رہا تھا۔ گھر میں اپنی کمزور حیثیت کے جس احساس کے تحت وہ ہر قدم پھونک پھونک کر رکھتی تھیں، وہ اس وقت سیلن بن کر ان کی آنکھوں کے کناروں کو نم کر گیا تھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ بھیگی ہوئی آواز میں بولیں۔ "میں نے جویا کو ان کی کسی غلطی پر ٹوکنے اور کچھ سمجھانے کی کوشش کی تھی۔"

"معاف کیجیے گا بجیا!" یقین تلخ لہجے میں بولا۔ "وہ اس گھر کی فرد ہے، آپ کی یونیورسٹی کی کوئی اسٹوڈنٹ نہیں۔"

بجیا دم بخود رہ گئیں۔

یقین کہہ رہا تھا!

ان کا بھائی......!

وہ بھائی جو ان کی بہت عزت کرتا تھا۔

جس نے ان کے سامنے کبھی زبان نہیں کھولی تھی۔

بجیا کی آنکھوں میں آبی رو دیں ہلکورے لینے لگیں۔

زیر آب قرینوں سے انہوں نے یقین کو دیکھا۔

اس کا چہرہ انہیں بہت اجنبی سا لگا۔

کس قدر بدل گیا تھا وہ!

یہ اس یقین کا چہرہ تو نہیں تھا جس کے لیے وہ اپنا دل ہی نہیں پرس بھی کھلا رکھتی تھیں، جس کی شادی پر انہوں نے ماؤں کی طرح دل کے ارمان نکالے تھے! جوان کی گاڑی کو اپنی سمجھ کر استعمال کرتا تھا اور وہ بھی بھولے سے بھی احسان نہ جتاتی تھیں۔ جو اور بھی بہت سے معاملات میں ان کا ممنون احسان تھا۔

وہ انہیں بہت بے رحم سا لگا۔

بیوی کی حمایت میں اس نے بیک جنبش انہیں، امی اور بابا کے سامنے کٹہرے میں کھڑا کر دیا تھا

اور اب ان سے یوں نظریں چرائے بیٹھا تھا، جیسے کوئی رشتہ ہی نہ تھا۔
آنسو دھواں بن کر ان کے حلق میں اتر گئے۔
مزید خفت اور ذلت سے بچنے کو بجیا منظر سے نکل آئیں۔
امی اور بابا نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ذہین دم بخود بیٹھا تھا۔
یقین نے فتح مندانہ نگاہوں سے امی کو دیکھا اور بولا۔ ''آپ مجھے جھوٹا سمجھ رہی تھیں۔''
امی نے اس سے نظریں چراتے ہوئے بابا کو دیکھا۔
بابا اور امی کی نظریں ملیں اور جھک گئیں۔ ذہین کے لیے یہ منظر ناقابلِ برداشت ہو گیا۔
یقین مریم کو گود میں لیے اٹھتے ہوئے بولا۔ ''مانتا ہوں کہ بجیا بہت کام آتی ہیں اس گھر کے لیکن انہیں فرشتہ اور دوسروں کو شیطان نہ سمجھا جائے۔ جو یا اتنی بری بھی نہیں کہ اس کی کسی بات کا اعتبار ہی نہ کیا جائے۔''
امی کو قدرے حیران اور دل گرفتہ چھوڑ کر یقین چائے کی پیالی جوں کی توں چھوڑ کر مریم کو گود میں لیے لاؤنج سے چلا گیا۔ ذہین بھی چپ چاپ اٹھا اور لاؤنج سے باہر نکل گیا۔
امی نے کھوئی کھوئی آنکھوں سے بابا کو دیکھا۔
بابا نے اپنی ہمدردانہ مسکراہٹ سے انہیں دلاسا دینے کی کوشش کی۔
''ماسٹر صاحب!'' امی کو اپنی آواز کنوئیں سے آتی محسوس ہوئی۔ ''کتنے دن سے ہم تو اس خیال سے ڈرے بیٹھے تھے کہ یقین اور دلہن میں شاید کھنچا تانی ہے مگر بیٹے نے تو بیوی کی حمایت میں ہمیں بکھان کر رکھ دیا۔''
بابا اپنی جگہ سے اٹھ کر امی کے نزدیک آ بیٹھے اور دلاسا دینے والے انداز میں ان کے شانوں پر اپنا بازو دراز کرتے ہوئے بولے۔ ''بیگم صاحبہ! شکر کیجیے کہ آپ کی یہ فکر تو دور ہوئی کہ خدانخواستہ بیٹے اور بہو میں کھنچا تانی ہے۔''
امی نے اپنی گردن کو خفیف سا گھما کر شاکی نگاہوں سے بابا کو دیکھا اور بولیں۔ ''کس کس طرح آپ مجھے سہارا دیتے ہیں ماسٹر صاحب!''
''کیا نہیں دینا چاہیے؟''
امی نے بصد محبت و الفت بابا کو دیکھا۔ چند ثانیے، ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہیں پھر ان کے لبوں پر موہوم سی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے بولیں۔ ''ماسٹر صاحب! جس دن آپ نے سہارا کھینچا میں دھڑام سے گر پڑوں گی۔''
بابا کا ہاتھ بہت محبت سے امی کا شانہ تھپکنے لگا۔
دفعتاً امی چونکیں اور بولیں۔ ''ماسٹر صاحب! مدحو کو بلا کر پوچھیے تو ذرا کہ بات کیا تھی؟''
''اونہوں۔'' بابا نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔ ''کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔''
''کیوں......؟''
''کیونکہ وہ خود ہی بتا گئی ہے کہ اس نے بہو کو ان کی کسی غلطی پر ٹوکنے اور سمجھانے کی کوشش کی تھی۔''

''پتا تو چلے کہ غلطی کیا تھی؟''
''بہتر ہے کہ مدحت سے اس معاملے میں مزید پوچھ گچھ نہ کی جائے...... وہ بہت رنجیدہ ہو کر گئی ہے۔''
''ہاں، میں نے بھی دیکھا تھا۔'' امی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور دل گرفتہ لہجے میں بولیں۔ ''اٹھتے بیٹھتے اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ اب کی بار کسی نیک اور چین دینے والے آدمی سے مدحت کا نصیب کھل جائے۔''
''اللہ اپنے بندوں کی حاجتوں اور دعاؤں سے غافل نہیں، وہ ضرور دے گا۔''
کچن میں بجیا پیاز کترنے کی آڑ میں اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش کر رہی تھیں اور موجو ان سے استفہامیہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ''باجی جی! آج پیاز بہوتی لگ رہی ہے جی، آپ کی آنکھاں کو؟''
''ہاں۔'' بجیا نے اپنی آواز کی بھراہٹ کو دبانے کی پوری کوشش کی۔
تبھی ذہین کچن میں داخل ہوا۔
''چھوٹے بھائی، آ جائے؟'' موجو نے مسکراتے ہوئے ذہین سے کہا۔
بجیا نے بے ساختہ گردن موڑ کر پیچھے دیکھا اور ذہین کو باورچی خانے میں کھڑے پا کر کچھ خفیف سی ہو گئیں اور بھیگی ہوئی آواز میں بولیں۔ ''بہت تیز پیاز ہے۔''
''موجو!'' ذہین نے گمبھیر آواز میں موجو کو مخاطب کیا۔
''ہاں جی......''
''میرا کوئی کرتا شلوار تو استری کر دینا ذرا۔''
''کون سا جی؟''
''کوئی سا بھی۔''
''ابھی......؟''
''ہاں ابھی۔''
''اچھا جی......''
موجو کو منظر سے ہٹانے کے بعد ذہین بجیا کے نزدیک آ کھڑا ہوا۔
''بہت تھل بدار پیاز ہے۔'' بجیا ذہین کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ کر سکیں۔
''میں بچہ نہیں ہوں۔'' ذہین بولا۔
بجیا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ ٹکٹکی باندھے انہیں دیکھ رہا تھا۔
''ایسے کیوں گھور رہے ہو؟'' بجیا نے مسکرانے کی کوشش کی۔
''مجھے غصہ آ رہا ہے آپ پر۔''
''کیوں؟'' بجیا ہنس دیں مگر ان کی ہنسی کھوکھلی تھی۔

"یقین بھائی نے آپ کی انسلٹ کی اور آپ چپ چاپ رہیں۔"
"کوئی بات نہیں، بہن بھائیوں میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔" بجیا نے تحمل سے کہا۔
"کہیں یہ اس فون کا شاخسانہ تو نہیں جو آپ نے اپنے کمرے میں لگوایا تھا؟"
"شش......!" بجیا نے ہڑبڑا کر پہلے ذہین کی طرف پھر اِدھر اُدھر دیکھا پھر بولیں۔
"دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔" بجیا کی ہڑبڑاہٹ ذہین کو اپنے خیال کی تائید محسوس ہوئی۔
"اوکے...... اگر آپ دیواروں کے کانوں سے ڈرتی ہیں تو میں اپنا کان آپ کے نزدیک لے آتا ہوں۔" ذہین نے اپنا کان بجیا کے نزدیک کیا پھر بولا۔ "بتایئے کچھ پتا چلا آپ کو اس فون سے؟"

"کچھ نہیں۔" بجیا نے مسکرانے کی کوشش کی۔
"نہیں بتائیں گی تو میں سب کو بتا دوں گا کہ آپ کے کمرے میں ایک آلہ جاسوسی لگا ہے۔"
"میں نے نکال پھینکا ہے جناب۔"
"کیوں؟" وہ چونکا۔
"کیونکہ...... لاعلمی بھی ایک نعمت ہے۔"
"نہیں سمجھا میں۔"
"میں سمجھائے دیتی ہوں مگر......"
"مگر کیا......؟"
"پہلے تمہیں ایک وعدہ کرنا ہوگا۔"
"وعدہ......!"
"ہاں......"
"کیا بھلا......؟"
"کہ جو کچھ میں تمہیں بتاؤں گی، تم اس کا ذکر کسی سے نہیں کرو گے۔"
"اوکے......"
"وہ فون میں نے یقین اور جویا کے درمیان ناراضگی کی وجہ معلوم کرنے کے لیے لگوایا تھا اور وجہ مجھے پتا چل گئی...... اپنا مقصد پورا ہوتے ہی میں نے فون نکال دیا۔"
"کیا وجہ پتا چلی؟"
"جویا ہم لوگوں سے علیحدہ ہونا چاہتی ہیں۔"
"علیحدہ ہونا چاہتی ہیں! کیا مطلب؟"
"مطلب یہ کہ اپنا علیحدہ گھر بنانا چاہتی ہیں۔"
"شوق سے بنائیں، کس نے منع کیا ہے؟"
"بیوقوف لڑکے! ساتھ رہنے میں بہت عافیت ہوتی ہے۔"
"میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ جب سے یقین بھائی کی شادی ہوئی ہے ہمارے گھر کا ماحول ہی

بدل گیا ہے۔ آئے دن جھگڑے اور ناراضگیاں رہنے لگی ہیں...... کبھی بھائی اور بھابی ایک دوسرے سے ناراض ہو جاتے ہیں، کبھی بھابی ہم لوگوں سے بلاوجہ موڈ بگاڑ لیتی ہیں...... آئی ایم فیڈ اپ...... میں تو پریشان ہو گیا ہوں۔"
"تم کیوں پریشان ہوتے ہو؟"
"کیونکہ میں اسی گھر کا فرد ہوں۔ اس گھر میں رہنے والے لوگوں کی خوشیوں، غموں، لڑائی جھگڑوں اور ناراضگیوں سے بے پرواہ نہیں رہ سکتا۔"
بجیا اسے ہمدردانہ نگاہوں سے دیکھنے لگیں۔
"میرا خیال ہے، آپ نے بھابی صاحبہ کو یہی سمجھانے کی کوشش ہو گی کہ وہ الگ گھر نہ بنائیں؟"
"ہاں۔" مدحت بجیا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔
"بنانے دیں انہیں الگ گھر۔"
"نہیں...... امی اور بیا کو بہت دکھ ہوگا۔"
"ہم سب سنبھال لیں گے امی اور بیا کو...... ان جھگڑوں سے تو نجات مل جائے گی...... یقین بھائی آپ کی انسلٹ تو نہیں کر سکیں گے۔" ذہین جذباتی ہو گیا تھا۔
"اچھا...... سنو...... تمہیں میری قسم، ٹیلی فون والی بات کسی کو مت بتانا۔"
"اوکے...... اوکے۔"

☆=====☆=====☆

یقین اپنے کمرے میں آیا تو جویا بدستور اٹوانٹی کھٹوانٹی لیے پڑی تھی۔
"اٹھو۔" وہ اس کا بازو تھپتھپاتے ہوئے بولا۔
جویا ویسے ہی لیٹی رہی۔
"اٹھو بھئی...... بجیا سے بات کی ہے میں نے۔"
وہ کھٹک گئی۔
"خدا جانے کیا بکواس کی ہوگی مدحت بیگم نے۔"
"اٹھ کر بیٹھو۔" یقین کے لہجے میں ہلکی سی جھلاہٹ تھی۔
وہ اٹھ بیٹھی۔
یقین نے مریم کو اس کے زانو پر بٹھایا اور خود بھی جویا کے نزدیک ہی بیٹھ گیا۔
جویا خود کو احتساب کے لیے تیار کرنے لگی۔
"میں نے بجیا سے بات کی ہے۔" یقین بولا۔
"انہوں نے تو سارا دوش مجھے دے دیا ہوگا...... ساری غلطی میری بتائی ہوگی...... اماں کو اور مجھے برا بھلا کہا ہوگا۔" وہ بازپرس سے بچنے اور خود کو معصوم ظاہر کرنے کو گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔
"نہیں...... انہوں نے کچھ نہیں کہا۔" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

جویا نے حیرانی اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔
"وہ ایک لفظ نہیں بولیں کیونکہ غلطی انہی کی تھی۔"
جویا کی حیرانی بڑھ گئی۔
"تمہاری خاطر میں نے پہلی مرتبہ بجیا سے تیز ہو کر بات کی۔"
جویا نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔
"بجیا نے تمہیں جو کچھ کہا میں..... میں اس کی معافی چاہتا ہوں۔" یقین سر جھکا کر بولا۔
جویا متذبذب دکھائی دینے لگی۔
"امی سے بھی کچھ تلخی ہو گئی اس سلسلے میں۔"
جویا سوچ میں پڑ گئی۔
کیا واقعی وہ سچ کہہ رہا تھا؟
کیا واقعی اماں اور بہن نے اس سے کچھ نہیں کہا سنا تھا؟
جویا کو وہ مشکوک سا دکھائی دیا۔
کہیں وہ اس کے ساتھ کوئی کھیل کھیلنے کی کوشش تو نہیں کر رہا تھا؟
کہیں ایسا تو نہیں کہ ایک طرف وہ اماں، بہن کو خوش کر آیا ہو اور اب اسے خوش کرنے کی کوشش کر رہا ہو!
اسے یقین ناقابلِ اعتبار سا لگنے لگا۔
"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔
"یقین نہیں آ رہا۔" اس نے کہا۔
"کس بات کا؟"
"کہ آپ میری خاطر اپنی امی اور اپنی قابلِ احترام بہن کو کچھ کہہ سن سکتے ہیں۔"
"یار! بہت جل ککڑی ہو۔"
جویا جس کے دل سے احتساب کا خدشہ جاتا رہا تھا، بڑے ناز سے بولی۔ "آپ پر اب سب سے زیادہ حق میرا ہے..... سمجھے۔"
"او کے..... او کے سرکار۔" یقین اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔
جویا کی نگاہوں میں بھی یقین کے لیے محبت امڈ آئی۔
"اٹھو..... کہیں چلتے ہیں۔" وہ اس کا بازو تھپتھپاتے ہوئے بولا۔
"کہاں.....؟"
"تم اٹھو تو سہی۔"
"اماں کے ہاں؟" جویا کی نگاہوں میں استفہامیہ کیفیت تھی۔
"نہیں، اماں کے ہاں کل دن چلیں گے..... آج اپنا ملاپ سیلیبریٹ کریں گے۔" یقین مسکرا کر بولا۔ "کھانا بھی باہر ہی کھائیں گے۔"

جویا کے لبوں پر بڑی جاں فزا سی فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔
یقین سے ملاپ کی خوشی کی سرشاری میں وہ بھول گئی کہ وجہ لڑائی تو جوں کی توں اپنی جگہ موجود تھی!
وہ سج دھج کر یقین کے ساتھ باہر چلی گئی۔ مریم بھی ان کے ہمراہ تھی۔
ان کے جانے کے بعد امی شاکی لہجے میں بولیں۔ "دیکھا آپ نے ماسٹر صاحب؟"
"جی ہاں، دیکھا اور خوش بھی ہوا۔"
"خوش ہوئے!"
"جی ہاں..... شکر ادا کیا اللہ کا کہ بیٹے اور بہو بیگم کے درمیان ناراضگی ختم ہو گئی۔"
امی لاجواب سی ہو کر ابا کا منہ تکنے لگیں۔
رات کو دونوں کافی دیر سے گھر واپس آئے۔
اگلے دن ہفتہ وار ی تعطیل تھی۔
حسب دستور ناشتہ دیر سے اور اکٹھے کیا گیا۔
بجیا خلاف معمول بہت چپ چپ اور اداس نظر آئیں۔
امی کی گمبھیر خاموشی یقین سے ان کی ناراضگی کا اعلان کرتی رہی۔
جویا اور یقین باہم شیر و شکر مگر دیگر افراد کنبہ سے اکھڑے اکھڑے سے دکھائی دیئے۔
بیا کن انکھیوں سے کبھی ایک، کبھی دوسرے کو دیکھتے اور ہلکی پھلکی گفتگو کرتے رہے۔
یقین کو امی اور بجیا سے اکھڑا اکھڑا دیکھ کر جویا کو انوکھی طمانیت اور خوشی محسوس ہوئی۔
ناشتے کے بعد یقین نے اس سے کہا۔ "چلو اماں کے ہاں چلتے ہیں، آج دن وہیں گزاریں گے۔"
جویا کو تو کہنے کی دیر تھی۔
وہ میکے پہنچی تو سارہ آپا بھی اپنے بچوں کے ساتھ چھٹی کا دن میکے میں گزارنے آئی ہوئی تھیں۔ جویا کو خوش خوش دیکھ کر اماں بھی کھل اٹھیں۔
یقین سے علیحدگی میں انہوں نے جویا سے پوچھا۔ "یقین علیحدہ ہونے پر راضی ہو گئے؟"
"پتا نہیں۔" جویا بولی۔
"ہیں!" اماں چونکیں۔ "یہ کیا بات ہوئی؟"
"جویا! بھئی میرا مشورہ تو یہ ہے کہ تم سسرال والوں کے ساتھ ہی رہو۔" سارہ آپا نے کہا۔
"کیوں غلط مشورہ دے رہی ہو سارہ۔" اماں ناگواری سے بولیں۔
"اماں، بالکل صحیح مشورہ دے رہی ہوں میں۔" سارہ آپا نے کہا پھر جویا کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔ "سو طرح کے فائدے ہوتے ہیں ساتھ مل کر رہنے سے۔"
"مثلاً.....؟"
"مثلاً گھر کے سب لوگ دکھ سکھ میں ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں۔ ملازمت پیشہ

ماؤں کو گھر کے کام کاج اور بچوں کی دیکھ بھال کے سلسلے میں ہراساں نہیں ہونا پڑتا...... آج کل تو نوکروں پر بھی اعتبار نہیں رہا...... ابھی چند دن پہلے کی بات ہے کہ میری ایک کولیگ کا نوکران کے ڈھائی سالہ بچے کو تنہا گھر میں بند کر کے گھر کی قیمتی اشیاء لے کر فرار ہو گیا۔ بے چاری نے اس خوف سے پولیس کو رپورٹ بھی نہیں کی کہ کہیں بعد میں خدانخواستہ وہ ان کے بچے کو یا انہیں کوئی زک نہ پہنچا دے۔" آپا نے توقف کیا پھر بولیں۔ "بہت فائدے ہوتے ہیں جوائنٹ فیملی سسٹم میں...... ہماری طرح یہ نہیں سوچنا پڑتا کہ آج فلاں جگہ جانا ہے، دیر سے واپسی کا احتمال ہے، بچوں کو کہاں چھوڑ کر جائیں؟"

"مگر میری ایک کولیگ کہتی ہیں کہ جوائنٹ فیملی میں رہنے سے بچے دادا دادی اور پھوپھیوں، چچاؤں کے لاڈ پیار سے بگڑ جاتے ہیں۔" جویا بولی۔

"ہو سکتا ہے۔" آپا نے بڑی وسیع القلبی سے تائید کی۔ "مگر میں سمجھتی ہوں، جوائنٹ فیملی میں رہنے کے فائدے زیادہ ہیں نقصانات کم۔"

"سارہ! تم اپنا لیکچر رہنے دو۔" اماں بولیں۔ "جویا کے لیے سسرال سے علیحدہ ہو جانا ہی اچھا ہے۔"

"ٹھیک ہے آپ لوگ زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہیں...... میں تو آپ بیتی اور جگ بیتی دونوں ہی سنا رہی ہوں۔"

"دیکھو جویا تم سارہ کی باتوں پر نہ جانا۔"

"اماں! پلیز، اسے میرے خلاف ورغلایئے مت۔" آپا مسکراتے ہوئے بولیں۔ دفعتاً ان کی نظر جویا کے گلے میں پڑے نئے لاکٹ پر گئی۔ "جویا! نیا لاکٹ بنوایا ہے کیا؟"

"جی...... جی آپا...... کمیٹی نکلی تھی میں نے لاکٹ بنوالیا۔"

"ڈیڑھ پونے دو تولے کا تو ہوگا۔" آپا نے اپنی نگاہوں سے لاکٹ کے وزن کا اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

"پونے دو تولے سے تھوڑا سا کم۔"

"دیکھا میرا اندازہ کتنا درست ہوتا ہے۔"

"آپ کے میاں سعودی عرب کے شیوخ میں سے ہیں، آپ کا نہیں تو کیا ہم غریبوں کا اندازہ درست ہوگا۔" جویا مسکرا کر بولی۔

"اچھا، بکواس مت کرو۔" آپا نے اسے گھورا۔

"اصل بات تو درمیان میں ہی رہ گئی۔" اماں بولیں۔

"کون سی بات اماں؟" آپا نے پوچھا۔

"جویا کے اپنی سسرال سے علیحدہ ہونے کی بات۔"

"ارے اماں، رہنے دیں...... سب کے ساتھ ہے، چین سے ہے۔"

"آپا، اتنی چین سے بھی نہیں ہوں۔"

"اچھا......!"

"جی ہاں...... آپ مزے میں ہیں، نہ کوئی پوچھنے والا، نہ گھنے والا۔"

"بھئی، جویا تم مجھے یہ بتاؤ کہ بنا کسی فیصلے کے یقین سے تمہاری صلح کیسے ہوئی؟" اماں نے کہا۔

"بس اماں ہو گئی۔" جویا نے تھکی تھکی ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"بتاؤ تو سہی، کیسے ہوئی؟"

"پتا نہیں کیسے مدحت کو پتا چل گیا کہ میں علیحدہ ہونا چاہتی ہوں۔ بس اس بات پر وہ بیگم صاحبہ مجھ سے خوب لڑیں کہ ہمارے اماں ابا کو صدمہ ہوگا پھر پتا نہیں، کیا کیا کہا سنا...... کہنے لگی، تم نے اور تمہاری اماں جان نے ہم سب کے اپنے سیدھے نام رکھے ہوئے ہیں۔ ہماری جگہ کوئی اور لوگ ہوتے تو خوب جھگڑا کرتے تم سے...... شکر کرو کہ تمہیں اتنی اچھی سسرال ملی ہے...... اور بھی بہت کچھ کہا سنا اس نے۔"

"اور تم سنتی رہیں؟"

"تو پھر کیا کرتی؟"

"اچھا...... پھر؟"

"پھر جب شام کو یہ گھر آئے تو میں نے ان سے شکایت کی۔"

"پھر......؟"

"پھر انہوں نے بہن کی خوب خبر لی۔"

"بہت اچھا کیا۔" اماں خوش ہو کر بولیں۔

"مجھے بھی بہت خوشی ہوئی۔" جویا نے کہا۔

"پھر کیا ہوا؟"

"بس پھر انہوں نے مجھ سے کہا کہ میری بہن نے جو کچھ کہا سنا، اس کی میں معافی چاہتا ہوں۔"

"پھر؟" اماں نے بے تابانہ پوچھا۔

"پھر یہ مجھے باہر لے گئے۔"

"اور صلح ہو گئی۔" آپا مسکرا کر بولیں۔

"جی۔" جویا نے چونک کر انہیں دیکھا پھر خود بھی مسکراتے ہوئے بولی۔ "جی ہاں اور باہر کھانا بھی کھایا۔"

"بہت بیوقوف ہو تم۔" اماں بولیں۔

جویا نے چونک کر اماں کی طرف دیکھا۔

"بہترین موقع تھا اپنی بات منوانے کا...... اور ڈٹ جاتیں کہ اب تو بس مجھے الگ ہی ہونا ہے۔ تم آج کل کی لڑکیوں کو میاؤں سے اپنی بات منوانے کا ڈھنگ ہی نہیں آتا۔ میاں ایک وقت کا

کھانا باہر کھلا دیتے ہیں اور تم سات خون معاف کر دیتی ہو..... توبہ توبہ! ایسا بھی کیا چٹورپن۔"
جویا خفیف ہوگئی۔
"اماں، چٹورپن کی بات نہیں..... یہ واقعی بہت شرمندہ تھے..... باقاعدہ معافی مانگی انہوں نے مجھ سے۔"
"ارے جاؤ۔" اماں نے قدرے ناگواری سے سر جھٹکا۔
"چچ..... چچ..... چچ!" آپا ہمدردانہ لہجے میں بولیں۔ "غلطی بہن کی اور معافی بے چارے یقین کو مانگنی پڑی۔" آپا نے توقف کیا پھر رازداری سے بولیں۔ "ویسے جویا کیا سچ مچ تم نے ان لوگوں کے نام رکھ رکھے ہیں؟"
"ارے، تمہیں مردوں کی ہیرا پھیری کا نہیں پتا..... بیوی کو رام کرنے کو اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیتے ہیں اور اماں بہنوں کو رام کرنے کے لیے ان کے سامنے بیوی کو برا بھلا کہنے بیٹھ جاتے ہیں..... یقین نے انہیں رام کرنے کو ان سے معافی تلافی کر لی ہوگی اور دوسری طرف اماں بہنوں کے سامنے انہیں برا کہا ہوگا۔" اماں بڑی کامیابی سے آپا کے استفسار کا جواب گول کر گئیں۔
"نہیں اماں، یقین ایسے نہیں ہیں۔" جویا بولی۔
"مثل مشہور ہے، مردوں کی پھیری اماں تیری کہ میری۔"
"ذرا دیکھوں تو آج زویا اور ہماری بھاوج کیا پکا رہی ہیں۔" آپا بور ہو کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔
آپا کے جانے کے بعد جویا نے ادھر اُدھر دیکھا پھر اماں سے رازداری سے بولیں۔ "اماں! میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ان کم بختوں کو ہماری ہر بات پتا کیسے چل جاتی ہے..... قسم خدا کی، مدحت نے ہماری باتیں حرف بحرف دہرائیں میرے سامنے۔"
"کیا پتا، کیسے معلوم ہو جاتا ہے۔" اماں کے لہجے سے تشویش جھلک رہی تھی۔
"مجھے تو ڈر لگنے لگا ہے ان لوگوں سے۔"
"اب تو مجھے بھی فکر ہوگئی ہے۔ ان کم بختوں کے بارے میں کوئی اچھی بری بات کرتے ہوئے احتیاط رکھنی پڑے گی..... ارے، کہیں مؤکل تو نہیں ہیں ان میں سے کسی کے قبضے میں جو انہیں ہر بات پتا چل جاتی ہے۔"
"کچھ پتا نہیں، مؤکل قبضے میں ہیں یا وائرلیس لگے ہیں گھر میں؟"
"خیر احتیاط رکھو۔"

☆=====☆=====☆

گھر کا ماحول مکدر ہوئے پانچ چھ دن ہو چکے تھے۔
امی، یقین اور جویا سے کھنچی کھنچی تھیں۔
یقین اور جویا نے ایک دوسرے اور مریم کے سوا گھر کے باقی تمام افراد کو نظر انداز کر رکھا تھا۔
مدحت بجیا ایک عجیب سی کیفیت میں مبتلا تھیں۔ یقین نے جویا کی حمایت میں جس طرح ان کی تذلیل کی تھی، ایک طرف انہیں اس کا دکھ تھا تو دوسری جانب انہیں ایک عجیب سا احساس جرم

کچوکے دے رہا تھا۔ یقین کی شادی کے بعد اس سے قبل بھی کئی مرتبہ گھر کی فضا یونہی مکدر رہ چکی تھی لیکن اس مرتبہ بجیا کو یوں لگ رہا تھا، جیسے اس بار وجہ تکدر وہی تھیں..... یقین کی خاموشی اور کھنچاؤ سے انہیں اذیت ہی نہیں ذلت بھی محسوس ہو رہی تھی۔
پانچ چھ دن اسی اذیت میں گزارنے کے بعد بالآخر بجیا نے اس برزخ سے نکل کر آنے کا فیصلہ کیا۔
"ہیلو!" بجیا کی کال یقین نے اپنے دفتر میں ریسیو کی۔
"یقین! میں..... میں بجیا بول رہی ہوں۔"
"جی..... فرمایئے۔"
بجیا کو اس کے لہجے کی سرد مہری سے دکھ ہوا۔
"یقین....." بجیا بوجھل آواز میں بولیں۔ "تمہیں..... کم از کم اتنا تو پوچھنا چاہیے تھا کہ..... جویا کو میں نے اس کی کس غلطی پر ٹوکا تھا۔"
"چھوڑیے..... جانے دیجیے۔"
"نہیں..... نہیں یقین..... نہیں..... میں نہیں چاہتی کہ تمہارے دل میں میری طرف سے کوئی غلط فہمی جڑ پکڑے۔" بجیا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
یقین کچھ نہ بولا۔
قدرے توقف سے بجیا نے مزید کہا۔ "میں نے جویا کو صرف اتنا سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ اپنی والدہ کے بہکائے میں آ کر ہم لوگوں سے اتنی متنفر نہ ہو کہ ہمیں اپنا دشمن سمجھنے لگے۔"
"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کو یہ وہم کیسے ہوا کہ جویا کو اس کی والدہ بہکاتی ہیں؟"
"وہم نہیں..... یہ حقیقت ہے۔"
"چلیے یہی سہی..... مگر آپ کو اس حقیقت کا علم کیسے ہوا؟"
یقین کا کاٹ دار لہجہ چغلی کھا رہا تھا کہ اس نے بجیا کی بات کا اعتبار نہیں کیا تھا۔
"تم میری بات کا یقین نہیں کرنا چاہتے شاید۔"
"میں یقین کر بھی لوں تو جویا تو نہیں تسلیم کرے گی کسی ایسی بات کو جو ہوئی ہی نہ ہو۔"
"ہوئی کیوں نہیں..... میں نے اپنے کانوں سے سنی ہیں ان دونوں کی باتیں۔"
"پلیز! ایسی بات نہ کیجیے جس کا یقین نہ کیا جا سکے..... کیا جویا کی والدہ اتنی بیوقوف ہیں کہ وہ آپ کے سامنے اپنی بیٹی کو بہکائیں گی..... میں..... میں نہیں مان سکتا۔"
بجیا کو یوں لگا، جیسے یقین کے سامنے ان کی رہی سہی عزت بھی خطرے میں پڑ گئی ہو۔ وہ اس کشمکش میں مبتلا ہو گئیں کہ یقین کو حقیقت حال بتائیں یا نہ بتائیں۔
چپ رہتیں تو یقین کی بدگمانی بڑھ جانا یقینی تھی۔
زبان کھولتیں تو چغل خوری کا الزام لگ سکتا تھا۔
چند لمحوں کی کشمکش کے بعد انہوں دھیمی آواز میں کہا۔ "میں نے ٹیلی فون پر سنی تھیں ان کی

باتیں۔"

"ٹیلی فون پر!" یقین کے لہجے میں استعجاب آمیز بے یقینی تھی۔

"ہاں۔" بجیا نے دھیرے سے کہا۔ "شروع شروع جویا اکثر بہت بہت دیر کے لیے فون اپنے کمرے میں لے جاتی تھیں...... لے تو خیر وہ اب بھی جاتی ہیں...... میں...... میں اور گھر کے دوسرے لوگ فون کی ضرورت ہونے پر بہت پریشان ہوا کرتے تھے۔ گھر میں ایک فالتو ٹیلی فون سیٹ پڑا تھا، وہ ہم نے لگوا لیا مگر...... پہلے ہی دن فون پر جویا اور ان کی والدہ کی ایسی عجیب و غریب گفتگو سننے کو ملی کہ میں نے اس ڈر سے کہ کہیں کسی روز امی یا کسی اور نے ان کی باتیں سن لیں تو بات بڑھ جائے گی، ٹیلی فون سیٹ اسی دن نکلوایا اور چھپا دیا۔"

"کس قسم کی باتیں سنیں آپ نے؟"

"بس...... کچھ تکلیف دہ ہی تھیں...... جویا کی والدہ کی باتیں سن کر مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کوئی سمجھ دار عورت نہیں ہیں...... تعویذ گنڈوں کے چکر میں رہتی ہیں...... تمہارے سوا ہم سب گھر والوں کا وہ بڑی تضحیک سے ذکر کرتی ہیں...... ہم سب کو الٹے سیدھے خطابات دے رکھے ہیں انہوں نے...... مثلاً مجھے طلاقن کا نام دے رکھا ہے......"

"اچھا!"

"ہاں...... اور جویا کو الٹی سیدھی پٹیاں بھی ان کی اماں ہی پڑھاتی ہیں...... علیحدہ ہونے کا مشورہ بھی انہوں نے ہی دے رکھا ہے۔"

"مگر...... یہ تو حال ہی کی بات ہے، آپ کو کیسے پتا چلی؟" یقین کے لہجے میں تجسس جھلک رہا تھا۔

"ٹیلی فون ہی کے ذریعے۔"

"مگر آپ تو کہہ رہی تھیں کہ آپ نے پہلے دن ہی فون نکلوا دیا تھا۔؟"

"ہاں۔" بجیا خفیف ہو کر بولیں۔ "نکلوا دیا تھا لیکن......"

"لیکن......؟"

"تمہاری اور جویا کی حالیہ ناراضگی کی وجہ معلوم کرنے کے تجسس میں، میں نے پچھلے دنوں پھر چپکے سے فون اپنے کمرے میں لگوا لیا تھا۔"

"ہوں۔" یقین نے ایک گہری سانس کھینچی پھر بولا۔ "جواب بھی یقیناً لگا ہوا ہوگا؟"

"نہیں...... میں نے پھر نکلوا دیا تھا کیونکہ جویا اور ان کی اماں کی باتیں سن کر مجھے پھر انتہائی کوفت ہوئی تھی۔"

"ہوں...... اب ہم سنیں گے ان کی باتیں۔"

"نہیں...... تم نہیں سنو گے...... اور نہ ہی گھر میں کسی سے اس بات کا ذکر کرو گے۔"

"کیوں......؟"

"کیونکہ گھر میں صرف بجیا کو اتنا معلوم ہے کہ جویا تمہیں پڑھی ہوئی شکر اور ہم سب گھر والوں کو

عمل کیا ہوا نمک کھلاتی رہی ہیں یا پھر وہ بیبن کو تھوڑی سی بھن گن ہے کیونکہ فون اسی نے لگایا تھا۔"

"شکر اور نمک کا کیا قصہ ہے؟"

"اپنی والدہ کے مشورے پر جویا تمہیں اپنا اسیر کرنے اور ہم سب کی زبانیں بند کرنے کے لیے کسی پیر صاحب کی دم کی ہوئی شکر تمہیں اور نمک ہم سب کو کھلاتی رہی ہیں۔"

"لاحول ولاقوۃ۔ کیا جہالت ہے۔"

"خیر...... تم ذکر نہیں کرو گے کسی سے بھی ان ساری باتوں کا۔"

"کیوں ذکر نہ کروں...... یہ تو میں ضرور پوچھوں گا۔"

"خواہ مخواہ بدگمانیاں بڑھیں گی...... بہتر ہے کہ کوئی پوچھ گچھ نہ کرو۔"

"تو پھر آپ نے مجھے یہ سب کچھ بتایا کیوں؟ اس سے تو بہتر تھا کہ نہ بتاتیں۔"

"خدا کی قسم، ہرگز نہ بتاتی مگر...... تمہاری خاموشی مجھے کچوکے دے رہی تھی...... مجھے یوں لگ رہا تھا کہ تم مجھے قصوروار سمجھ رہے ہو...... یہ سمجھ رہے ہو کہ جویا کے ساتھ میں نے خدانخواستہ کوئی زیادتی کی ہے...... یقین کرنا میں نے جویا کو یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ اس گھر سے علیحدہ ہونے کا نہ سوچیں کیونکہ اس سے امی اور بیا کو دکھ پہنچے گا۔"

"علیحدہ ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

بجیا کو یک گونہ طمانیت ہوئی اور یقین سے سارا شکوہ جاتا رہا۔

شام کو جب یقین دفتر سے گھر لوٹا تو بجیا سے اس کی بات چیت بحال دیکھ کر جویا خاصی چونکی۔

"مبارک ہو!" اس نے تخلیے میں یقین سے کہا۔

"کس بات کی مبارک باد دے رہی ہو؟"

"بہن بھائی میں صلح کی۔"

"تمہیں کوئی اعتراض!" یقین تلخ لہجے میں بولا۔

"مجھے بھلا کیوں اعتراض ہونے لگا۔" جویا نے تیوری چڑھا کر کہا۔

"ہوگا بھی تو کوئی لفٹ نہیں کرائے گا تمہارے اعتراض کو۔"

جویا کو تضحیک کا احساس ہوا۔

"لگتا ہے، آج کچھ گھول کر پلا دیا ہے آپ کی بہن صاحبہ نے۔"

"یہ جاہلوں اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کا شعبہ ہے، میری بہن ان لوگوں میں سے نہیں۔"

جویا نے چونک کر اسے تیز سی نگاہوں سے دیکھا اور بولی۔ "کیا مطلب ہے آپ کا؟"

یقین اس کے روبرو آ کھڑا ہوا اور اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اس کے دونوں شانوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر بولا۔ "ڈیئر! مطلب پھر کبھی سمجھائیں گے ہم آپ کو۔"

جویا کو اس کی نگاہوں سے خوف سا محسوس ہونے لگا۔

☆=====☆=====☆

یقین نے ایسی خفیہ گھات لگائی کہ جویا تو جویا، گھر میں کسی کو بھی کانوں کان خبر نہ ہو سکی۔

فرزین کی نوکری کے طفیل گھر میں بڑے ہی تھیں، دو عدد جبکی ٹیپ رکارڈرز بھی موجود تھے۔
یقین اپنے دفتر کے اسٹور سے ایک پرانا مگر کارآمد ٹیلی فون سیٹ کسی بہانے مستعار لے آیا اور گھر کی چھت پر جمع ڈھیروں الم غلم چیزوں کے درمیان اس نے بالا ہی بالا انتہائی راز داری سے گھات لگا کر جویا اور اماں کی ٹیلی فون کال ریکارڈ کرلی۔

بجیا نے غلط نہیں کہا تھا۔

بیوی اور خوشدامن کی گفتگو سن کر یقین کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

کیسی معیوب گفتگو تھی دونوں کی۔

یقین کو بجیا کی صداقت کا ثبوت تو ایک ہی کال سننے سے مل گیا مگر مزید تجسس نے اسے دوبارہ گھات لگانے پر مجبور کردیا۔

پھر وہی قابلِ اعتراض اور غیر مہذب اندازِ گفتگو سننے کو ملا۔

یقین کو جویا پر جو غصہ آیا سو آیا ساس سے تو اسے نفرت سی محسوس ہونے لگی۔

اس کے سامنے تو وہ کیسے سلیقے سے بڑی سی چادر اوڑھ کر معتبر اور باوقار بن کر بیٹھتی تھیں اور بیٹا بیٹا کر کے مخاطب کرتی تھیں۔ اتنے پیار سے اور میٹھے لہجے میں بات کرتیں جیسے منہ سے شہد ٹپک رہا ہو۔

مگر ٹیلی فون پر!

ٹیلی فون پر تو وہ قطعاً مختلف عورت معلوم ہوئی تھیں۔

بیٹی کی سسرال والوں کے بارے میں ان کا اندازِ گفتگو بہت نامناسب بلکہ غیر مہذب تھا اور بیٹی کو سسرال والوں کے خلاف ورغلانے اور شوہر کی نافرمانی کی ترغیب دلانے میں کوئی کسر نہ چھوڑتی معلوم ہوتی تھیں وہ۔

ان کے عزائم خاصے مجرمانہ اور خوفناک تھے۔

ایک موقعے پر انہوں نے جویا سے کہا۔ ”ٹھیک ہے اگر یقین اپنے گھر والوں کو نہیں چھوڑنا چاہتا تو ہم بھی ایسا کام کریں گے کہ گھر والے خود اسے چھوڑ جائیں گے۔“

”کیسے اماں؟“ جویا نے پوچھا۔

”پیر صاحب سے سفلی عمل کروائے دیتی ہوں۔ شرطیہ میدان صاف ہونے کی گارنٹی دیتے ہیں پیر صاحب۔“

”اماں، سنا ہے جس پر سفلی عمل کردیا جائے، وہ پاگل بھی ہوسکتا ہے، مر بھی سکتا ہے۔“

”ہاں، صحیح سنا ہے تم نے۔“

”نہیں اماں، ایسا خوفناک کام مت کروایئے...... کچھ ایسا بندوبست ہو جائے کہ یقین کا دل کھٹا ہو جائے ان لوگوں کی طرف سے۔“

”بھئی، وہ شکر کا عمل اسی لیے تو تھا مگر تم ایسی کم ہمت نکلیں کہ تم نے ڈر کر عمل درمیان ہی میں چھوڑ دیا۔ جب یقین تمہارا غلام بنتا تو گھر والوں سے اس کا دل آپ ہی پھر جاتا۔“

”اماں، بڑے میاں کو پتا نہیں کیسے معلوم ہو گیا تھا، بس میں ڈر گئی۔“

”یا تو ذرا دبا کام کرلو...... تمہیں کیا بتاؤں کہ پیر صاحب کتنے پہنچے ہوئے ہیں۔“

”مجھے اندازہ ہے اماں۔“ جویا نے توقف کیا پھر بولی۔ ”فرزین تین دن کے عمل سے ہی موم ہو گیا تھا...... پکا قابو میں آ جاتا اگر کم بخت یہ اماں بیچ میں نہ ہوتیں۔“

”اسی لیے تو کہتی ہوں میدان صاف کروا ان کا...... کروا دو کم بختوں پر سفلی عمل۔“

”نہیں اماں، مجھے ڈر لگتا ہے...... کم بخت بھوت بن کر رات کو ڈرانے آیا کریں گی۔“

اماں قہقہہ مار کر ہنس دیں۔

”جویا تو تو بہت ہی بزدل ہے۔“

”وہ تو میں ہوں اماں۔“

”اچھا خیر گھر آؤ پھر بیٹھ کر بات کریں گے۔“

”آج ارادہ تھا اماں...... آخری دو پیریڈز فری تھے، میں نے میڈم سے چھٹی بھی لے لی تھی۔ سوچا تھا، انٹرول کے بعد والے پیریڈ اپنی کسی ساتھی سے ادل بدل کر انٹرول ہوتے ہی نکل لوں گی اور آپ کے پاس کچھ دیر رکتی ہوئی گھر جاؤں گی مگر ایجوکیشن آفس سے کچھ افسران اسکول کے دورے پر آ گئے اور سارا پروگرام غارت کر کے رکھ دیا...... اب دیکھئے، ایک آدھ دن میں یا تو میں یقین کے ساتھ آؤں گی ورنہ اسکول سے آدھی چھٹی لے کر آؤں گی آپ کے پاس۔“

”طبیعت کیسی ہے؟“

”بس...... ٹھیک ہے۔“

”تائب اور متلی دل لے رہی ہونا؟“

”ارے اماں، اس جہنم میں کس کا دل چاہتا ہے کچھ کھانے کو...... بڑی بی کا بس چلے تو پورا فریج اپنی بیٹیوں کے تلخ وں میں اتار دیں۔“

”اللہ تمہاری مشکل آسان کرے۔“

یقین کو جویا کی اماں کا وجود کانٹے کی طرح کھٹکنے لگا اور یہ کھٹک اتنی بڑھی کہ جب جویا نے حسب عادت بڑے لاڈ سے اس سے میکے جانے کی فرمائش کی تو وہ ناگواری سے بولا۔ ”نہ میں تمہیں وہاں لے کر جاؤں گا اور نہ تم آئندہ جانے کی کوشش کرنا۔“

”کیوں؟“ جویا نے چونک کر آنکھیں نکالیں۔

”بس......“

”بس کا کیا مطلب؟“ جویا نے تیور بگاڑے۔

”بس کا مطلب ہے نو آر گومنٹ۔“

”آپ کو ہو کیا گیا ہے!“ جویا نے کچھ اس طور اسے دیکھا جیسے اس کی دماغی صحت کو مشکوک سمجھتی ہو۔

”میں نے کہہ دیا نا...... تم وہاں نہیں جاؤ گی۔“ وہ دو ٹوک لہجے میں بولا۔

”کیوں نہیں جاؤں گی؟“

"اس لیے کہ......"
"رک کیوں گئے؟"
یقین کو اپنا سانس پھولتا محسوس ہونے لگا۔
"ہوں بولیے نا...... کیوں پابندی لگا رہے ہیں آپ مجھ پر اماں کے ہاں جانے کے سلسلے میں؟"
یقین نے آنکھیں نکال کر اسے دیکھا۔
"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟...... منع کرنے کی وجہ بتایئے۔"
"وہ گھر جانے کے لائق ہے؟" یقین کے لہجے میں تلخی عیاں تھی۔
"کیوں؟" جویا نے تیوری چڑھائی پھر بھر کر بولی۔ "کیوں نہیں ہے؟"
"بتا دوں کیوں نہیں ہے؟"
"بتایئے......"
یقین نے جبڑے بھینچ لیے۔
"اماں بہنوں نے کان بھر دیے ہوں گے۔"
"بکواس مت کرو۔" وہ دہاڑا۔
جویا اس کا منہ دیکھنے لگی۔
یقین نے غصے سے اسے دیکھا اور بولا۔ "تمہاری والدہ صاحبہ جس قسم کی باتیں کرتی ہیں، انہیں سننے کے بعد میں تو کیا کوئی بھی داماد ایسی ساس سے ملنا جلنا پسند نہیں کرے گا۔"
"میں بچی نہیں ہوں، سب سمجھتی ہوں۔"
"کیا سمجھتی ہو؟" یقین نے پھر آنکھیں نکالیں۔
"آپ کی اماں بہنوں نے میری اماں کے خلاف آپ کے کان بھرے اور آپ نے ان کا اعتبار بھی کر لیا۔"
"کسی نے کان نہیں بھرے ہیں میرے۔" وہ غصے سے بولا۔
"بالکل بھرے ہیں۔" وہ بضد رہی پھر اس نے جوتوں سمیت یقین کی آنکھوں میں اترنے کی کوشش کی۔ "میری اماں نے کبھی کوئی غلط بات نہیں کی۔"
بیویوں کا کارآمد نسخہ استعمال کرتے ہوئے جویا اپنی آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔
"کوئی غلط بات نہیں کی تمہاری اماں نے؟" یقین نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا۔
"ہاں۔" وہ رقت آمیز لہجے میں بولی۔
"اور اگر میں ثبوت فراہم کر دوں؟"
لمحہ بھر کو وہ دم بخود رہ گئی۔
خدا جانے کیا ثبوت تھا اس کے پاس!
پھر خوف پر تجسس غالب آ گیا۔

ذرا دیکھا تو جائے، کیا ثبوت ہے؟
کون سا ایسا جاسوسی آلہ ہے ان لوگوں کے پاس؟
"ہاں بتایئے...... بتایئے کیا ثبوت ہے آپ کے پاس۔"
یقین کو اس کی ڈھٹائی پر غصہ آ گیا۔
"سوچ لو...... ثبوت دے دیا تو ڈوب مرو گی تم...... نظریں نہیں ملا سکو گی مجھ سے۔"
جویا کو سخت تضحیک کا احساس ہوا۔
کس لہجے میں بات کر رہا تھا وہ اس سے!
اس سے قبل تو اس نے کبھی اتنی تضحیک سے بات نہیں کی تھی اس سے۔
ان کے مابین ناراضگی اور لڑائی پہلے بھی ہوئی تھی مگر...... جو الفاظ اس نے اس وقت ادا کیے تھے، اس قسم کے الفاظ پہلے کبھی نہیں کہے تھے۔
ڈوب مرو گی!
نظریں نہیں ملا سکو گی۔
یا اللہ، ایسی کیا بات تھی!
کیا ثبوت تھا اس کے پاس؟
رنج، غصہ، تشویش اور تجسس کی ملی جلی کیفیت سے جویا کی عجیب کیفیت تھی۔
"بتایئے کیا ثبوت ہے؟" وہ سرفروشانہ انداز میں بولی۔
"اچھا!" یقین کو اس کی ڈھٹائی اور دیدہ دلیری پر تاؤ آ گیا۔ "بتاتا ہوں۔"
وہ آگے بڑھا اور الماری کے اوپر دھرا بریف کیس ایک جھٹکے سے کھینچ کر نیچے اتارنے کے بعد اس نے کھڑے کھڑے بریف کیس کھولا اور اٹا کٹ بھرے بریف کیس کی نچلی تہہ سے اس نے ایک کیسٹ نکال کر بریف کیس کو نیچے رکھا اور کیسٹ سائیڈ بورڈ پر رکھے ہوئے ٹیپ ریکارڈر میں لگا کر ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا۔
جویا دم بخود اس کی حرکات و سکنات دیکھتی رہی۔
کیسٹ کا فیتہ چلا۔
جویا کو پہلے اماں کی آواز سنائی دی پھر اپنی۔
اس کا اوپر کا سانس اوپر، نیچے کا نیچے رہ گیا۔
یقین نے اپنی خشونت آمیز نگاہیں جویا کے چہرے پر گاڑ رکھی تھیں۔
جوں جوں کیسٹ کا فیتہ ایک طرف سے کھل کر دوسری طرف لپٹتا چلا گیا، جویا کے چہرے پر سراسیمگی اور شرمندگی کے سائے گہرے ہوتے چلے گئے۔
یقین یک ٹک اسے دیکھتا رہا۔
جویا کو یقین سے نظریں ملانا محال ہو رہا تھا۔
دفعتاً اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھانے لگا۔ من من بھر کے قدموں سے وہ بدقت

مسہری تک پہنچی اور اپنا بایاں ہاتھ دونوں آنکھوں پر ڈھانپتی مسہری کے کنارے پر ٹک گئی۔
کیسٹ کا فیتا چلتا رہا۔
جویا پانی پانی ہوتی رہی۔
آوازوں کا تماشا ختم ہو جانے کے بعد سناٹا چھا گیا تو یکے بعد دیگرے دو کھٹکے دبانے کی آواز سنائی دی۔
یقین نے ٹیپ ریکارڈر بند کرنے کے بعد سوئچ بھی آف کر دیا تھا۔
جویا بدستور آنکھوں پر ہاتھ ڈھانپے دم بخود بیٹھی رہی۔
''سن لیا!'' یقین نے کہا۔
یقین کی آواز اسے کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی۔
اس کے ذہن میں بگولے سے اٹھ رہے تھے۔
تو یہ تھا اصل ماجرا!
اس کی اور اماں کی ٹیلی فون کالز ٹیپ کی جارہی تھیں۔
خدا جانے کب سے کی جارہی ہوں گی۔
شاید اول دن سے۔
شاید پیر صاحب والے چکر سے پہلے۔
بہر حال جب سے بھی سہی تھی تو بہت غلط بات۔
کس قسم کے لوگ تھے یہ!
جرم اور سیاست کی دنیاؤں میں تو ٹیلی فون کالز ٹیپ کیے جانے کا اکثر ذکر سنا تھا اس نے مگر یہ اپنی نوعیت کا پہلا تجربہ تھا اس کے لیے۔
بھلا گھروں میں بھی اس طرح ٹیلی فون ٹیپ کیے جاتے ہیں بھی!
جویا کا کوئی ہمدرد اور سچا بہی خواہ ہوتا تو اسے بتاتا کہ ہاں ایسا نہیں کیا جاتا کیونکہ گھروں کی چار دیواریوں کی دنیا جرم و سیاست کی دنیاؤں کی طرح بے اعتبار اور بدگمان نہیں ہوتی بلکہ محبت اور ایک دوسرے پر اعتماد سے عبارت ہوتی ہے..... اور ایسا کیا جانا بھی نہیں چاہیے..... لیکن..... اگر ایسا کیا جانے لگے تو..... تو شاید لوگ جرم و سیاست کی بے اعتباریوں اور بدگمانیوں کو بھول جائیں اور گھر کی چار دیواری میں اکٹھے رہنے والے بیشتر لوگوں کے چہرے داغ دار اور مسخ نظر آنے لگیں۔
کوئی ہوتا جویا کا ہمدرد اور رہنما تو اسے سمجھاتا کہ بی بی! غنیمت ہے تمہاری اور تمہاری اماں کی بہت سی نامناسب باتوں کا یقین اور تمہارے سسرال والوں کو وہم و گمان بھی نہیں ورنہ تمہاری جو تھوڑی بہت عزت اس گھر میں بنی ہوئی ہے، وہ بھی نہ ہوتی۔
کاش! کوئی ہوتا جویا کو صحیح راستہ سمجھانے والا تو اسے سمجھاتا کہ کسی کے پیٹھ پیچھے بھی اس کے لیے دیکھ بھال کر بات کی جانی چاہیے..... زبان کا غلط استعمال اور لغو خیالی انسان کو شرمسار اور رسوا بھی کر سکتی ہے..... جیسے اس وقت وہ خود شرمندہ اور رسوا ہوئی بیٹھی تھی۔

''میں نے کہا تھا نا..... ڈوب مرو گی..... نظریں نہیں ملا سکو گی مجھ سے۔'' یقین کی آواز اسے سیسے کی مانند اپنی سماعت میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی۔
واقعی وہ نظریں نہ ملا پا رہی تھی اس سے۔
شاید آس پاس ڈوب مرنے کی کوئی جگہ ہوتی تو ڈوب بھی مرتی۔
اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ فون پر اماں سے اس کے طویل مذاکرات اور راز و نیاز یہ گل کھلا دیں گے۔
اسے یقین سے اپنا منہ چھپانے کو جگہ نہ مل رہی تھی۔
یقین نے کیسٹ سائڈ بورڈ پر پھینکا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆=====☆=====☆

اگلی صبح جویا خاصی پژمردہ سی اسکول گئی۔
''کیا بات ہے جویا، آج تمہارا چہرہ بہت اترا ہوا ہے؟'' مسز عتیق نے کہا۔
''ہاں واقعی۔'' مسز جعفری نے تائید کی۔
''خیریت تو ہے؟'' عائشہ افتخار نے پوچھا۔
''بس ایسے ہی..... طبیعت ذرا ٹھیک نہیں ہے۔'' اس نے ٹالنے کی کوشش کی۔
''گویا، آج آپ آدھی چھٹی پر اور کل سے ایک دو روز کی کیژول لیو پر جارہی ہیں۔'' مس شمیم کا لہجہ حسب عادت طنزیہ تھا۔
''پلیز!'' جویا نے تنبیہی نظروں سے انہیں دیکھا۔
''بھئی، ہم تو کرتے ہیں کھری بات کسی کو بری لگتی ہے تو لگے۔'' یہ مس شمیم کا مرغوب و محبوب جملہ تھا۔
جویا کا چھٹا پیریڈ فری تھا۔
ساتواں مسز مدنی نے لے لینے کا وعدہ کیا۔
دو پیریڈ پہلے وہ اسکول سے نکلی اور میکے جا پہنچی۔
یقین کی عائد کردہ پابندی کی خلاف ورزی کرنے کو نہیں!
اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے۔
یقین کا فقرہ ''ڈوب مرو گی'' پھانس بن کر اس کے دل میں کھٹک رہا تھا اور اسے یقین تھا کہ اس خلش کا مداوا اماں کے پاس ضرور ہوگا۔
ادھر جویا اماں کو سارا احوال سنا رہی تھی، ادھر یقین نے محض یہ دیکھنے کو کہ جویا اس کی عائد کردہ پابندی کی کس حد تک پاسداری کرتی ہے، تقریباً بارہ بجے کے لگ بھگ اس کے اسکول فون کیا۔ اس سے بات کرنا تو مقصود تھا نہیں، صرف اس کی اسکول میں موجودگی کی تصدیق کرنا چاہتا تھا، چنانچہ اس ارادے کے ساتھ نمبر ملایا کہ اگر وہ موجود ہوئی تو اپنا سیاق و سباق بتائے بغیر کال ڈراپ کر دے گا۔
''مس جویا تو جا چکی ہیں۔'' اس کے استفسار پر بتایا گیا۔

"جاچکی ہیں؟" وہ چونکا۔

"جی ہاں...... آپ کون؟"

اس نے جھٹ کریڈل ہاتھ سے دبادیا۔

تو وہ اسکول میں نہیں تھی!

یقیناً اپنے گھر گئی ہوگی۔

یقین کو غصہ آ گیا۔

وہ اگر ایک معتدل مزاج اور شریف النفس شوہر بنا رہا تھا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ جویا اس کے حکم کی اس دیدہ دلیری سے خلاف ورزی کرتی۔

وہ عورت تھی......

بیوی تھی......

شوہر کی اطاعت اس پر لازم تھی۔

اسے دب کر رہنا چاہیے تھا۔

اس کے حکم کی اطاعت کرنی چاہیے تھی۔

کل اس نے اس کے میکے جانے پر پابندی عائد کی اور آج وہ خود ہی چلی گئی۔

اس سے پوچھے بغیر!

خودسری اور بے خوفی کی انتہا تھی۔

یقین جویا کے چوری چھپے میکے آمدورفت سے جب تک لاعلم تھا...... تھا...... بات علم میں آنے اور پابندی عائد کردینے کے باوجود بھی جویا کا میکے جانا اسے اپنی مردانگی کے لیے ایک للکار محسوس ہوا۔

اس نے جویا کے میکے کا نمبر ملایا۔

"ہیلو!" کال جویا کی بھاوج نے ریسیو کی۔

"ہیلو! یقین بول رہا ہوں۔"

"اچھا، اچھا! کیسے ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں۔" وہ قدرے سرد مہری سے بولا۔ "جویا تو نہیں آئیں؟"

"ہاں آئی ہوئی ہیں۔"

"ذرا بات کرائیے گا۔"

"ضرور...... ہولڈ کرو۔"

"جویا، یقین کا فون ہے۔" بھابی نے باآواز بلند کہا۔

"اوہ!" جویا نے گھبرا کر اماں کی طرف دیکھا۔

"کیوں گھبراتی ہو، فون ہی تو آیا ہے۔" اماں بولیں۔

"انہیں پتا چل گیا اماں کہ میں یہاں آئی ہوئی ہوں۔" جویا خوف زدہ سی نظر آ رہی تھی۔

"تو کیا ہوا؟" اماں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"انہوں نے منع کیا تھا کہ نہ میں تمہیں وہاں لے کر جاؤں گا، نہ تم خود سے جاؤ گی۔"

"ارے واہ! بڑا آیا رعب جمانے والا...... کیسے نہیں آؤ گی تم یہاں...... تمہارے باپ کا گھر ہے، سو مرتبہ آ سکتی ہو تم یہاں۔"

"وہ بہت ناراض ہوں گے اماں۔"

"ارے بھئی، کیوں ہاتھ پاؤں چھوڑے دے رہی ہو...... آؤ میرے ساتھ...... کرتے ہیں اس سے بات۔"

"مجھے...... مجھے ڈر لگ رہا ہے اماں...... دیکھیے کتنے ٹھنڈے ہو رہے ہیں میرے ہاتھ۔"

"اوہو!" اماں نے ذرا غصے سے کہا۔ "بہت ہی بزدل ہو تم...... چلو آؤ۔"

"مجھ سے بات نہیں ہوگی اماں۔"

"تم آؤ تو سہی۔" اماں نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کھینچا۔

"آپ...... آپ ہی کیجیے گا بات۔"

"مجھے کوئی ڈر ہے...... میں تو کرلوں گی...... تم آؤ تو سہی۔"

"جویا تمہارا فون ہے۔" بھابی نے اماں کے کمرے میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"سن لیا ہے۔" اماں بولیں۔

بھابی اماں کے لہجے اور تیوروں پر دل ہی دل میں کھولتی پلٹ گئیں۔

جویا سراسیمہ سی اماں کے ساتھ ہولی۔

"ہیلو!" اماں نے ریسیور کان سے لگاتے ہوئے کہا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔"

یقین نے "اماں" اور اماں نے "بیٹے" کا لفظ معمول کے برخلاف حذف کردیا تھا۔

"مجھے جویا سے بات کرنی ہے۔"

"پہلے مجھ سے تو کرلو۔"

"پلیز! آپ جویا سے بات کرائیے۔" وہ ناگواری سے بولا۔

اماں نے اشاروں ہی اشاروں میں جویا کو بتایا کہ یقین اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔ جویا نے ہاتھ جوڑ کر ملتجی انداز میں اشاروں ہی میں اماں سے کہا۔ "میں بات نہیں کروں گی، آپ ہی کیجیے۔"

"جویا سے بھی بات ہوجائے گی۔ پہلے ہم سے تو بات کرلو۔"

"اوکے...... خدا حافظ۔"

یقین نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

اماں کے تیور یک بیک بدل گئے...... انہوں نے ریسیور کان سے ہٹایا اور اسے دشمن کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے نخوت سے بولیں۔ "اونہہ! پتا نہیں کیا سمجھتا ہے اپنے آپ کو۔"

اماں نے ریسیور زور سے کریڈل پر پٹخ دیا۔

"کیا ہوا اماں؟" جویا گھبرا کر بولی۔

"فون رکھ دیا ہے اس نے اور کیا ہوا؟"

"اب کیا ہوگا؟"

"اب دوٹوک بات ہوگی۔"

"کس سے؟"

"تمہارے سسرال والوں سے اور کس سے۔"

"اچھا اماں...... میں...... میں جاؤں اب؟"

"کہاں......؟"

"گھر......"

"کوئی ضرورت نہیں...... جب تک میری بات نہ ہو جائے تم نہیں جاؤ گی۔"

"کیا بات کریں گی آپ؟"

"جب کروں گی تو سن لینا۔"

"ٹھیک ہے، آپ کر لیجئے گا بات مگر ذرا دیکھ بھال کے۔"

"مجھے تم عقل دینے کی کوشش مت کرو...... مجھے سب معلوم ہے کہ کس سے کس طرح بات کرنی چاہیے...... میرا تو خون کھولا کر رکھ دیا ہے اس وقت یقین نے...... میں نے کہا، پہلے ہم سے تو بات کر لو، بدتمیز نے خدا حافظ کہا اور فون بند کر دیا۔"

"وہ کل سے بہت غصے میں ہیں۔"

"دیکھ لوں گی کیسا غصہ ہے۔"

"میں...... میں...... اپنے گھر جا رہی ہوں۔"

"خبردار جو تم گئیں...... ہماری عزت کا کچھ تو پاس کرو...... جب تک یقین سے یا تمہارے ساس سسر سے میری بات نہیں ہو جاتی، تم وہاں نہیں جاؤ گی۔"

"ٹھیک ہے...... آپ...... آپ فون کر لیں۔"

"میں کیوں کروں...... وہ خود کریں گے۔"

"پتا نہیں، یقین اب کتنی دیر میں دوبارہ فون کریں گے اور کیا پتا کریں بھی یا نہ کریں...... اور گھر والوں کو تو یہ معلوم ہی نہیں ہوگا کہ میں یہاں ہوں۔"

"فکر مت کرو، یقین فون کر کے بتا دے گا انہیں۔"

"پتا نہیں کب...... کتنی دیر بعد بتائیں۔" جویا کچھ پریشان سی دکھائی دینے لگی۔

"چاہے دس سال بعد بتائیں تم چپ چاپ بیٹھی رہو۔" اماں دوٹوک لہجے میں بولیں۔

"نہیں اماں۔" جویا گھبرا کر بولی۔ "مجھے زیادہ دیر ہوگئی تو مریم رونے لگے گی۔"

"رونے دو...... اچھا ہے...... خوب پریشان کرے وہ ان لوگوں کو۔"

"اماں، پلیز!" وہ ملتجی انداز میں بولی۔

"چپ کر کے بیٹھ جاؤ...... سمجھیں!" اماں نے توقف کیا اور جویا کو پریشان دیکھ کر رسان لہجے میں بولیں۔ "تم گھبراؤ مت...... ذرا مجھے بات کر لینے دو، ورنہ تو وہ لوگ شیر ہوتے چلے جائیں گے اور یقین تمہیں بری طرح دبا لے گا۔"

جویا کشمکش میں پڑ گئی۔

"جا کر ہاتھ منہ دھوؤ اور آرام سے بیٹھو۔"

"آپ...... ان لوگوں سے کہیں گی کیا؟"

"جو میرے دل میں آئے گا، کہوں گی۔"

جویا منہ لٹکا کر بیٹھ گئی۔

"ایسی رونی صورت بنا کر مت بیٹھو...... گھر میں بھاوج بھی ہیں، وہ خوش ہوں گی تمہارا منہ لٹکے دیکھ کر۔"

جویا نے بے بسی سے اماں کی طرف دیکھا۔

"زویا آج کل کتنے بجے تک آجاتی ہے یونیورسٹی سے؟"

"بس آتی ہی ہوگی، امتحان ہو رہے ہیں آج کل اس کے...... آج شاید تیسرا یا چوتھا پرچا ہے۔" اماں لحظہ بھر کو تھمیں پھر بولیں۔ "اے ہاں جویا، وہ تمہاری نند کی جیٹھانی نے کوئی رشتہ نہیں بتایا زویا کے لیے۔"

"ابھی تک تو نہیں بتایا۔"

"ارے بھئی، کون بتاتا ہے...... ہر ایک کو تو اپنی اپنی پڑی ہے...... اچھے رشتوں کا ایسا کال ہے کہ جس کی نظر میں کوئی مناسب رشتہ آئے، وہ پہلے اپنوں کو کھپانے کی فکر کرتا ہے۔"

"جی۔" جویا دھیرے سے بولی۔ اس کا ذہن اس وقت بری طرح سے الجھ رہا تھا۔

"توبہ!"

ایک کے بعد دوسری پریشانی کھڑی ہوتی چلی جا رہی تھی۔

اسے پتا ہوتا کہ یقین اسے یوں رنگے ہاتھوں پکڑ لے گا تو ہرگز ہرگز میکے نہ آئی ہوتی۔

ماندے قدموں سے وہ کچن میں بھابی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ بھابی نے حسب عادت دخل در معقولات سے گریز کیا۔ وہ ان بہوؤں میں سے تھیں جو سسرال میں اس طرح رہتی ہیں جیسے بتیس دانتوں کے بیچ زبان اور یہ احتیاط بھابی کو بہت عافیت میں رکھتی تھی۔

زویا کی یونیورسٹی سے واپسی سے قبل ابا، دکان پر بھیا کے لیے کھانا پہنچانے والے لڑکے کے ہمراہ دکان سے گھر آ پہنچے اور جویا کو دیکھ کر کھل اٹھے۔

"کیسی ہو بیٹیا؟"

"ٹھیک ہوں ابا۔"

لڑکا ٹفن کیریئر اور چائے کا تھرماس لے کر گیا ہی تھا کہ زویا بھی آ گئی۔

"ہیلو! ہیلو! ہیلو! کیسی ہیں بجو؟"

"فائن...... تم سناؤ۔"

"جناب! فی الحال تو زوروں کی بھوک لگ رہی ہے۔"

"جلدی سے چینج کر کے آ جاؤ میں بھابی کے ساتھ مل کر کھانا نکالتی ہوں۔"

"بائی دی وے...... آج آپ اتنی دیر تک کیسے؟ کیا سسرال والوں کو بتا کر آئی ہیں؟" زویا نے پوچھا۔

جویا نے دزدیدہ نظروں سے اماں کو دیکھتے ہوئے زویا کے استفسار کے جواب میں کہا۔

"ہاں...... ہاں۔"

"گڈ!"

زویا چینج کرنے چلی گئی۔

کھانے کے دوران ابا نے اس سے یقین کی خیروعافیت پوچھی۔ زویا مریم کی باتیں کرتی رہی۔

جویا بظاہر تو باتیں کرتی رہی مگر اس کا ذہن کہیں اور پہنچا ہوا تھا۔ بار بار وہ اپنی کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھنے لگتی اور اس کے کان ٹیلی فون کی گھنٹی پر لگے تھے جو یقین کا فون آنے کے بجائے گونگے کا گڑ کھائے پڑا تھا۔

☆=====☆=====☆

کھانے کے بعد بھابی اور زویا باورچی خانہ سمیٹنے میں لگ گئیں۔ جویا اماں اور ابا کے ساتھ ان کے کمرے میں آ گئی۔

ابا نے کھانے کے بعد بھی جویا کو اپنے گھر جاتے نہ دیکھا تو بولے۔ "بیٹی! مریم کو بھی ساتھ لے آئی ہوتیں۔"

جویا نے دزدیدہ نظروں سے اماں کو دیکھا پھر بولی۔ "ابا میں...... میں تو اسکول سے آ گئی تھی یہاں۔"

"مریم اتنی دیر تمہارے بغیر اطمینان سے رہ لی ہو گی ان لوگوں کے پاس؟"

ابا کے اس استفسار پر جویا کے دل میں درد کی ایک لہر اٹھی اور اس نے مدد طلب نگاہوں سے اماں کی طرف دیکھا۔

"ارے بھئی، کیوں نہ رہ لی ہو گی...... آخر وہ صبح سے دوپہر تک بھی تو رہتی ہی ہے ماں کے بغیر ان لوگوں کے پاس۔"

"وہ تو خیر مجبوری کی بات ہے۔" ابا نے کہا۔

"آپ کو بیٹی کا آنا برا لگ رہا ہے کیا!"

"لاحول ولاقوۃ، سارہ کی ماں کیسی بات کرتی ہو تم۔"

"پوچھا پاچھی تو آپ اسی طرح کر رہے ہیں، جیسے بیٹی کا آنا برا لگا ہو اور آپ چاہتے ہوں کہ وہ جلد از جلد یہاں سے چلی جائے۔"

"بخدا! ایسی کوئی بات نہیں...... میں نے تو مریم کے ننھے سے دل کا خیال کرتے ہوئے پوچھا تھا۔" ابا نے توقف کیا پھر بولے۔ "بڑوں کی طرح بچے بھی اپنے احساسات کی دنیا میں رہتے ہیں...... بھوک، پیاس، خوشی، غم، دکھ، تکلیف، انتظار...... ان سب باتوں کا خوب اظہار کرتے ہیں وہ۔"

اماں اپنی جگہ سے اٹھ کر ابا کے نزدیک جا بیٹھیں اور رازداری سے بولیں۔ "جویا کو میں نے روک لیا ہے۔"

"کوئی خاص بات؟" ابا کو امی کے رازدارانہ انداز نے چونکا دیا۔

"آپ کی بھاوج سے بھی چار ہاتھ آگے نکلے جویا کے سسرال والے تو۔"

"خیریت؟" ابا سیدھے ہو بیٹھے۔

"ارے بھئی لڑکی اپنی مرضی اور خوشی سے کچھ کر ہی نہیں سکتی...... قدم قدم پر پابندی...... قدم قدم پر پہرے...... ہمارے ٹیلی فون تک ٹیپ کیے جاتے ہیں اس گھر میں۔"

"اچھا!"

"جی ہاں۔"

"بڑی عجیب بات ہے!"

"اسی لیے کہتی تھی میں کہ ذرا اچھی طرح چھان پھٹک لیجیے مگر آپ کو تو بس بیٹی کا بوجھ سر سے اتار پھینکنے کی جلدی تھی۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو نیک بخت!"

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔" امی نے پورے شدومد سے کہا پھر قدرے توقف سے بولیں۔ "اچھی طرح دیکھا نہ بھالا، اٹھا کر لڑکی کو جھونک دیا...... کتنا کہا میں نے کہ بڑا کنبہ ہے، کہیں میری بچی کسی جنجال میں نہ پھنس جائے مگر آپ نے میری ایک نہ سنی۔"

"خیر یہ تو تم نہیں کہہ سکتیں...... تمہاری مرضی کے بغیر بیٹی بیاہ کر جا سکتی تھی اس گھر میں؟"

"ہاں تو آپ نے جو کہا کہ اچھی طرح پوچھ گچھ کروالی ہے...... اچھا خاندان ہے، پڑھے لکھے لوگ ہیں۔"

"میں تو اب بھی یہی سمجھتا ہوں۔"

"شاباش ہے! اب بھی یہی سمجھتے ہیں۔" اماں نے توقف کیا پھر طنزیہ لہجے میں بولیں۔ "گھر کی بہو اور اس کے گھر والوں کے ٹیلی فون ٹیپ کرنا تو اچھے خاندان کی خاص نشانی ہوتی ہے شاید!"

"بھئی! میں پہلی دفعہ ایسی بات سن رہا ہوں۔"

"میں نے بھی پہلی دفعہ ہی سنی ہے۔"

"لیکن...... بالفرض اگر ایسا کیا بھی گیا ہے تو اس میں پریشانی کی کیا بات؟"

"اچھا! پریشانی کی کوئی بات ہی نہیں۔"

"اگر ٹیلی فون پر کوئی غلط بات نہیں کی گئی جو مجھے یقین ہے کہ نہیں کی گئی ہوگی تو اس میں پریشانی کی کیا بات۔"

"اور سنیے آپ کے داماد صاحب نے جویا پر یہ پابندی بھی لگا دی ہے کہ وہ یہاں نہیں آئے گی۔"

"کہاں......؟"

"ہمارے گھر؟"

"کیوں......؟"

"یہی بات تو اس سے پوچھنے کے لیے میں نے جویا کو روک لیا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں نے جویا کو گھر بٹھا لیا ہے اور اب اس وقت تک سسرال نہیں بھیجوں گی، جب تک وہ لوگ اپنی غلطی پر شرمسار نہیں ہو جاتے اور معافی نہیں مانگ لیتے۔"

"یہ غلطی مت کیجیے...... بیٹی کو اس کے گھر بھیجیے اور آپ کو جو بھی شکایت ہے، گھر کے بزرگوں سے وہیں جا کر کیجیے۔"

"میری جانتی ہے جوتی...... ضرورت ہوگی تو سو دفعہ وہ لوگ خود ہی آئیں گے۔"

"بہت نازک معاملہ ہے...... انجام غلط بھی ہو سکتا ہے۔"

"غلط یا صحیح...... آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں جو سوچ لیتی ہوں، سو سوچ لیتی ہوں۔"

☆=====☆=====☆

جویا کی سسرال میں تین ساڑھے تین بجے تک تو سب اس گمان میں رہے کہ شاید اسے کسی کام میں دیر ہو گئی ہو یا شاید شاپنگ کے لیے بازار چلی گئی ہو مگر جب دھوپ سنہری سے زرد پڑنے لگی تو تشویش شروع ہوئی۔

"مدحت بیٹی، ذرا دلہن کے اسکول تو فون کرو۔"

"اسکول تو کب کا بند ہو چکا ہوگا امی۔"

"چپراسی، چوکیدار کوئی تو ہوگا۔"

بجیا نے نمبر ملایا۔ دیر تک گھنٹی بجتی رہی مگر کسی نے فون کال ریسیو نہیں کی۔

"ان کے میکے کا نمبر ملا کر دیکھو۔"

"وہاں گئی ہوتیں تو بتا کر جاتیں یا وہاں پہنچ کر فون کر دیا ہوتا...... وہاں نہیں ہوں گی وہ۔"

"ہاں، کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو...... لیکن فون کر کے پوچھ لینے میں کیا حرج ہے۔"

"خواہ مخواہ پریشان ہو جائیں گے وہ لوگ بھی۔"

"چلو...... تھوڑی دیر اور دیکھ لو۔"

سردیوں کے دن تھے۔

عصر کی اذان سوا چار ساڑھے چار بجے کے درمیان ہو رہی تھی۔

عصر کا وقت ہوتے ہی امی کی فکر بڑھ گئی۔

"اتنی دیر تو کبھی نہیں کی دلہن نے...... اللہ نہ کرے، کوئی الٹی سیدھی بات نہ ہو گئی ہو۔" امی کو ہول سا آنے لگا۔

بیا بھی جو اتنی دیر سے امی کو تسلی دیتے آ رہے تھے متفکر دکھائی دینے لگے۔

"مدحت! یقین کو فون کرو۔" امی نے کہا۔

"دس پندرہ منٹ اور دیکھ لیجیے بیگم صاحبہ۔" بیا نے یقین کے پریشان ہو جانے کے خیال سے کہا۔

"اچھا...... تب تک دلہن کے میکے تو فون کر دو بیٹی۔"

"کر دوں بیا؟"

"ارے، ان سے کیا پوچھتی ہو کر دو...... اللہ نہ کرے، کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو ان لوگوں کو شکوہ تو نہ ہوگا کہ ہمیں بتایا تک نہیں۔"

بجیا نے اجازت طلب نظروں سے ابا کو دیکھا۔

"کر دو بیٹی۔"

بجیا نے جویا کے میکے کا نمبر ملایا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجتے ہی جویا کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

ابا کے چہرے پر چھائی تشویش میں امید اور قدرے طمانیت کا رنگ گھل گیا۔

زدیا جو حقیقت احوال سننے کے بعد کچھ دل گرفتہ اور فکر مندی بیٹھی تھی، ٹیلی فون کی طرف بیتابانہ لپکی۔

"ہیلو!" اس نے گرم جوشی سے کہا۔

"کون؟" مدحت بجیا نے پوچھا۔

زدیا نے بجیا کی آواز پہچان کر جویا کو قریب آنے کا اشارہ دیا اور بجیا کے استفسار کے جواب میں بولی۔ "جی...... میں...... میں زدیا بول رہی ہوں۔"

"کیسی ہو زدیا؟"

"جی...... بالکل ٹھیک ہوں۔"

"گھر میں سب خیریت؟"

"جی ہاں۔"

"زدیا...... آج...... آج...... جویا ابھی تک گھر نہیں پہنچی ہیں...... ہم لوگ سب بہت فکر مند ہیں۔"

"بجو تو یہاں ہیں۔"

"وہاں ہیں؟" بجیا چونکیں۔

"جی...... جی ہاں...... یہ لیجیے بات کیجیے ان سے۔"

زدیا نے جویا کو ریسیور دینا چاہا مگر اماں نے اس کی اجازت نہ دی اور ریسیور خود اچک لیا۔

"ہیلو......"

"جویا؟" بجیا کے لہجے میں استفہام تھا۔

"نہیں...... جویا کی اماں۔" اماں بڑے کروفر سے بولیں۔

"السلام علیکم آنٹی۔"

"وعلیکم السلام...... آج ہم غریبوں کی یاد کیسے آ گئی؟" اماں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"یاد تو اکثر آتی ہے آنٹی۔" بجیا خفت سے بولیں۔ "لیکن کیا بتاؤں، اتنی مصروف رہتی ہوں کہ......"

"ہاں بھئی، آپ کا تو سارا گھرانا ہی مصروف رہتا ہے...... فارغ تو دنیا میں بس ایک ہم ہی ہیں۔" اماں کا انداز اور طنزیہ ہو گیا۔

"شرمندہ نہ کیجیے آنٹی۔"

"ارے بھئی۔" اماں طنزیہ ہنسی ہنسیں۔ "ہماری کیا اوقات کہ ہم آپ جیسے معزز لوگوں کو شرمندہ کر سکیں...... خیر...... کیسے یاد کیا؟"

"وہ...... جویا ابھی تک گھر نہیں پہنچی تھیں۔"

"بہت جلدی خیال آ گیا آپ لوگوں کو!"

"نہیں...... فکر مند تو ہم لوگ بہت دیر سے تھے مگر یہ خیال تھا کہ شاید جویا بازار وازار چلی گئی ہوں۔ جب زیادہ دیر ہونے لگی تو ہم نے ادھر اُدھر نمبر گھمانا شروع کیے۔"

"ادھر اُدھر نمبر گھمانے کی کیا ضرورت تھی۔" اماں نے جویا کو دیکھتے ہوئے آنکھ دبائی پھر بولیں۔ "لڑکی کے دو ہی گھر ہوتے ہیں...... میکہ یا سسرال...... سسرال سے ناراض ہو کر لڑکی میکے ہی آتی ہے سو جویا بھی میکے آ گئی۔"

"میں سمجھی نہیں آنٹی۔"

اماں دھیرے سے طنزیہ ہنسی ہنسیں پھر بولیں۔ "معاف کرنا اتنی نا سمجھ تو نہیں ہو تم کہ مجھ جیسی جاہل عورت کی بات نہ سمجھ سکو...... یونیورسٹی میں اچھے اچھوں کو عقل دیتی ہو تم تو۔"

"آنٹی...... میں...... میں اس کا مطلب واقعی نہیں سمجھی۔"

"اچھا! تو اور آسان زبان میں سمجھائے دیتی ہوں میں۔" اماں نے توقف کیا پھر لہجہ بدل کر ناگواری سے بولیں۔ "ذرا یہ تو بتاؤ مدحت کہ تمہاری اپنی بہنوں کے کتنے ٹیلی فون ٹیپ کیے جاتے ہیں ان کی سسرالوں میں۔"

"جی!" مدحت بجیا نے چونک کر کہا۔ وہ متذبذب دکھائی دے رہی تھیں۔

"ہاں۔" اماں نے تلخی سے کہا۔

"آئی ایم سوری آنٹی...... میں آپ کی بات پھر نہیں سمجھ پائی۔"

"یہ بتاؤ، ہمارے اور ہماری بچی کے ٹیلی فون کیوں ٹیپ کیے جاتے ہیں؟"

"ٹیپ کیے جاتے ہیں!" بجیا نے حیرانی سے کہا۔

"ہاں۔"

"آنٹی! میں...... میں کچھ نہیں سمجھ پا رہی۔"

"انجان مت بنو...... یہ سب کیا دھرا تم ماں بہنوں کا ہی ہے...... یقین کے کان بھر بھر کے تم لوگوں نے اسے بیوی کے خلاف کر دیا ہے۔"

"نہیں آنٹی...... آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے...... ایسی کوئی بات نہیں۔"

"اور پھر بھائی صاحب آپ کے پابندی لگاتے ہیں ہماری بچی پر کہ تم اپنے ماں باپ کے گھر نہ خود جاؤ گی، نہ میں لے کر جاؤں گا۔"

"آپ کا مطلب ہے...... یقین...... یقین نے کہا ایسا؟"

"جی ہاں۔"

"یقین کیجیے، ہمیں بالکل نہیں معلوم۔"

"خیر...... انہوں نے تو پابندی لگائی تھی نا، ہماری بچی آ گئی ہے ہمارے پاس اور اب کسی فیصلے کے بغیر واپس نہیں جائے گی۔"

"اوہ!" بجیا کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "آنٹی! امی نماز پڑھ رہی ہیں، میں تھوڑی دیر بعد ان سے آپ کی بات کراتی ہوں...... کیا...... کیا جویا سے میری بات ہو سکتی ہے؟"

"وہ بات کرنے کے لائق ہے کہاں...... جب سے آئی ہے بے چاری کے آنسو ہی نہیں تھم رہے...... گھر کی بہوؤں کے ساتھ بھلا کوئی ایسا سلوک کیا جاتا ہے۔"

"اماں مریم کا تو پوچھیں۔" جویا نے دبی دبی سی آواز میں کہا۔

اماں نے اپنے ہونٹوں پر انگلی دھرتے ہوئے اسے خاموش رہنے کی ہدایت کی۔

"آنٹی خدا جانتا ہے، ہم لوگوں نے تو جویا کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی...... آپ پوچھ لیجیے جویا سے۔"

"میں نے سب پوچھ رکھا ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے آنٹی، میں تھوڑی دیر بعد امی سے بات کراتی ہوں آپ کی۔"

"میری طرف سے کہہ دینا، اپنی امی سے کہ آنٹی پوچھ رہی تھیں۔ کس صحیفے میں لکھا ہے کہ گھر کی بہو کے ٹیلی فون ٹیپ کیے جائیں۔"

بجیا چپ رہیں۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ مجھے بھی نماز کو دیر ہو رہی ہے۔" اماں نے جویا کو دیکھتے ہوئے آنکھ دبائی۔

بجیا نے لاؤنج سے امی کے کمرے کا رخ کیا۔

امی نماز پڑھ چکی تھیں۔

بابا بھی مسجد سے گھر آ چکے تھے۔

"کچھ پتا چلا؟" امی نے بجیا کو دیکھتے ہی پوچھا۔

"جی ہاں...... جویا اپنے میکے میں ہیں۔"

"میکے پہنچی ہوئی ہیں اور فون تک نہیں کیا۔"

"ناراض ہو کر گئی ہیں وہ۔"

"ہیں! ناراض ہو کر۔" امی چونکیں۔

بابا بھی چونک کر بجیا کو دیکھنے لگے۔

بجیا بیٹھ گئیں اور امی اور بابا کو جویا کی اماں سے اپنی بات چیت تفصیلاً بتانے لگیں۔

"یہ ٹیلی فون ٹیپ کرنے کا کیا چکر ہے؟" امی نے جو ساری بات سن کر از حد متفکر نظر آنے لگی تھیں، پوچھا۔

"پتا نہیں امی!" بجیا نے نظریں چرانے کی کوشش کی۔

مگر امی سے نظریں چرانے کی کوشش میں ان کی نظریں بابا کی نگاہوں سے مل گئیں۔

بابا معنی خیز نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

کہنے کو تو بجیا نے امی سے کہہ دیا۔ "پتا نہیں" مگر ان کے دل میں ایک احساس پشیمانی ابھر رہا تھا۔ ان کا دل کہہ رہا تھا کہ ہو نہ ہو یہ کسی نہ کسی طور اس گفتگو کا شاخسانہ تھا جو انہوں نے یقین کے دل سے اپنے خلاف بدگمانی کو دور کرنے کے لیے اس کے دفتر میں ٹیلی فون پر اس سے کی تھی۔

وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھیں کہ اب اس سے آگے نہ جانے کیا گل کھلے!

وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ بات چل نکلی ہے اور جب پوری طرح کھلے گی تو اس داستان کا نقطہ آغاز بہر طور انہی کے کھاتے میں جائے گا۔

جویا اور اس کی اماں کی ٹیلی فون پر گفتگو پہلی بار دانستہ یا نادانستہ انہوں نے ہی تو سنی تھی۔

اسی حوالے سے بابا کو نمک اور شکر کے قصے سے چپکے سے انہوں نے ہی تو آگاہ کیا تھا۔

اسی لیے اس وقت بابا نے قدرے مشتبہ نگاہوں سے انہیں دیکھا تھا۔

دوسری مرتبہ ٹیلی فون ایکسٹینشن لگوانے کے لیے انہوں نے ذہین کو اپنے اعتماد میں لے کر اس سے یہ کام کروایا تھا۔ بات بڑھی اور اس نے اگر راز نہ بھی کھولا تو دل میں تو بہر حال یہ ضرور سوچے گا کہ یہ شاخسانہ انہی کے کرتوتوں کا ہے۔

"خدایا! کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو کیونکر نظریں ملا سکوں گی میں ان سب سے۔" بجیا سوچ رہی تھیں۔

فون پر جویا اور اس کی اماں کی نامناسب گفتگو کا قصہ یقین تک بھی انہی کے ذریعے پہنچا تھا۔

اپنی عزت بچانے اور ساکھ برقرار رکھنے ہی کو سہی مگر یقین کو بتایا تو انہوں نے ہی تھا ورنہ اس کے تو فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی۔

اس نے کہا تھا نا کہ "اب ہم سنیں گے۔"

"منع تو کر دیا تھا انہوں نے۔"

لیکن وہ باز رہا ہوتا تو بات کیوں بڑھتی۔

شاید اس نے ٹیلی فون کال ٹیپ کر لی ہو۔

یا شاید جویا کو محض ڈرانے دھمکانے کو کوئی بات کہہ دی ہو۔

بہر حال برا ہوا تھا۔

جویا کی اماں کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ بات دبانے نہیں بڑھانے کے موڈ میں تھیں۔

"چلو میری بات کراؤ دلہن کی اماں سے۔" امی نے بجیا سے کہا۔

"تحمل سے...... تحمل سے کام لیجیے بیگم صاحبہ۔" بابا حسب عادت بہت پر سکون سے انداز میں بولے۔

"ماسٹر صاحب!" امی نے تیوری پر بل ڈالتے ہوئے بابا کی طرف دیکھا۔ "یہ کوئی تحمل سے کام لینے کا موقع ہے!"

بابا دھیرے سے مسکرا دیئے۔

"یہی تو تحمل سے کام لینے کا موقع ہے بیگم صاحبہ۔"

"ارے! بہو روٹھ کر میکے جا بیٹھی ہے اور آپ تحمل سے کام لینے کو کہہ رہے ہیں۔ اپنے پرائے سب ہنسیں گے کہ لو بہو رکھنی نہ آئی ان لوگوں کو...... آدھے اگر بہو کو قصور وار ٹھہرائیں گے تو آدھے ہمیں بھی گناہ گار قرار دیں گے۔"

"ہاں، یہ تو آپ ٹھیک کہتی ہیں...... اور اسی لیے تحمل سے کام لینے کا مشورہ دے رہا ہوں میں آپ کو...... ایسے موقعوں پر جلد بازی اور جذباتیت معاملات کو اکثر و بیشتر زیادہ الجھا دیتی ہے بلکہ گنجلک بنا دیتی ہے۔"

"موقع کی نزاکت اور مصلحت کو سمجھئے ماسٹر صاحب۔" امی زیادہ پریشان نظر آنے لگیں۔

"خدانخواستہ ذرا بھی اس بات کی ہوا لگ گئی نا کسی اور کو کہ بہو بیگم روٹھ کر میکے چلی گئی ہیں تو پچھ سے کچھ باتیں بنیں گی...... دوسرے یہ کہ بچی کا ساتھ ہے...... صبح سے دوپہر تک تو ماں کی دوری برداشت کر لیتی ہے وہ ننھی سی جان مگر دلہن کی واپسی کا وقت ہوتے ہی ہڑکنے لگتی ہے۔ ڈھائی تین بجے سے جو رونا شروع کیا تو کسی صورت چپ ہی نہ ہو کر دے رہی تھی۔ مو جو بہلانے کو نکلا ہوا ہے۔ وہ لے کر چلنے گا تو تھوڑی دیر کو آپ لے کر ٹہلانے نکل جائیں گے مگر پھر......؟"

"پریشان نہ ہوں۔"

"پریشان نہ ہوؤں تو اطمینان سے بھی کیونکر رہ سکتی ہوں۔"

"آپ کی فکر اور پریشانی کا پورا احساس ہے مجھے۔"

"تو چلیے اٹھ کر سمدھن سے بات کرتے ہیں ہم دونوں۔"

"فون پر بات کرنا مناسب نہیں ہوگا۔"

"ٹھیک ہے تو ان کے گھر چلتے ہیں۔"

"ضرورت پڑی تو چلیں گے...... ضرور چلیں گے...... ذرا یقین میاں کو تو دفتر سے گھر آ لینے دیجیے...... معلوم تو ہو کہ قصہ کیا ہے؟ کیوں پابندی لگائی انہوں نے بیوی کے میکے جانے پر......"

"مجھے تو ہول اٹھ رہے ہیں...... دماغ گم سا ہوا جا رہا ہے میرا تو۔" امی نے اپنے سر پر زور زور سے ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"ایسا کیجیے، آپ کچھ دیر کو لیٹ جائیے...... آنکھیں بند کر کے اور ہر فکر کو ذہن سے جھٹک کر۔"

امی اپنا چہرہ دوپٹے کے پلو سے ڈھانپ کر رونے لگیں۔

بجیا کے دل میں احساس پشیمانی گہرا ہو گیا۔

"پلیز! پلیز امی؟" وہ امی کو حوصلہ دینے لگیں۔

"بیٹی لٹا دو اپنی امی کو۔"

"مجھ سے نہیں لیٹا جائے گا...... بہت پریشان ہوں میں۔"

"اوہو!" بابا نے امی کے قریب بیٹھ کر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بولے۔ "ہم سب کے ہوتے کیوں پریشان ہوتی ہیں آپ؟"

امی نے پرنم آنکھوں سے بابا کو دیکھا اور ملتجی لہجے میں بولیں۔ "ماسٹر صاحب! دلہن کو لے آیئے۔"

"لے آئیں گے...... لے آئیں گے بھئی۔" بابا نے تسلی دی۔

"کسی کو ہنسنے کا موقع نہ ملے۔"

بابا نے امی کے شانے پر ہاتھ رکھا اور رسان لہجے میں بولے۔ "بیگم صاحبہ! ہماری بہو کا گھر سے خفا ہو کر میکے چلا جانا کوئی انہونی بات تو ہے نہیں جو آپ اتنی پریشان ہو رہی ہیں...... ارے بھئی، بہوئیں سسرال سے ناراض ہو کر میکے آتی جاتی ہی رہتی ہیں۔"

"لوگ باتیں بھی خوب بناتے ہیں۔"

بابا دھیرے سے مسکرا دیئے پھر بولے۔ "ہمارے سماجی نظام کی ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ ہم اپنے آپ سے زیادہ لوگوں کی فکر کرتے ہیں...... اپنے ضمیر سے زیادہ لوگوں سے خوف زدہ رہتے ہیں۔" بابا نے توقف کیا پھر امی سے بولے۔ "ایک بات بتایئے...... کیا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ بہو سے کوئی زیادتی ہوئی، آپ کے ہاتھوں۔"

امی سوچ میں پڑ گئیں پھر بولیں۔ "کسی غلط بات پر روک ٹوک کی قسم کھا نہیں سکتی، مگر خدا گواہ ہے کہ کوئی ظلم، زیادتی یا حق تلفی نہیں کی میں نے۔"

"بس...... تو آپ پرسکون ہو کر لیٹ جایئے...... اللہ بہتر کرے گا۔"

"مدحت! بیٹی مجھے سکون کی ایک گولی تو دینا، میری دواؤں کی ڈبیا میں سے نکال کر۔" بجیا نے امی کو گولی دی۔

امی نے گولی پانی سے نگلی پھر لیٹ گئیں اور آنکھیں بند کر لیں۔

بجیا خاموشی سے کمرے سے نکل گئیں۔

"بیگم صاحبہ! میں ذرا مریم کو دیکھتا ہوں جا کر...... آپ اسی طرح آرام سے لیٹی رہیے گا۔" بابا نے امی کی جانب دیکھا۔

امی کی آنکھیں بند تھیں اور پپوٹوں پر لرزش طاری تھی۔

بابا امی سے مریم کو دیکھنے کا بہانہ کر کے کمرے سے نکلے مگر بجیا کی تلاش میں لاؤنج میں جھانکتے کچن میں جا پہنچے۔

"کیا کرنے لگیں بیٹی؟"

"جی۔" بجیا بے ساختہ چونکیں۔ لحظہ بھر کو انہوں نے بابا کی طرف دیکھا پھر نظریں چراتے ہوئے بولیں۔ "چائے بنا رہی ہوں بابا۔"

"امی تو شاید تمہاری ابھی نہیں پئیں گی چائے۔"

"جی...... جی۔"

"بیٹی......" بابا ان کے بہت نزدیک آ کھڑے ہوئے۔

بجیا کو احساسِ خجالت و پشیمانی نے گھیر لیا۔

"ایک بات بتاؤ گی؟"

"جی۔ جی بابا۔"

"یہ ٹیلی فون ٹیپ کرنے کا کیا قصہ ہے؟"

"پتا نہیں۔"

"کیا واقعی؟"

بجیا نے بے ساختہ چونک کر قدرے خائف نگاہوں سے بابا کو دیکھا اور فقط اتنا کہا۔ "جی۔"

"میرا مطلب ہے...... کیا واقعی تمہیں نہیں معلوم؟"

"جی...... جی نہیں۔"

"اچھا!" بابا نے کچھ اس طرح کہا جیسے کہتے ہوں۔ "یقین تو نہیں آتا کہ تمہیں معلوم نہیں لیکن تم کہتی ہو تو یقین کیے لیتا ہوں۔" پھر بولے۔ "تم نے بہو کی والدہ سے پوچھا تو ہوتا۔"

بجیا خاموش رہیں۔

بابا نے دزدیدہ نظروں سے انہیں دیکھا اور بولے۔ "جب تک تم چائے بناؤ، میں ذرا مریم کو دیکھ کر آ رہا ہوں۔"

"اسے تو موجو لے گیا ہے باہر...... گھمانے کے لیے۔"

بابا تھم گئے۔

پلٹے......

پھر دوبارہ بجیا کے نزدیک آ رکے اور بولے۔ "موجو اعتبار کا لڑکا ہے مگر بیٹی پھر بھی احتیاط اور عقلمندی کا تقاضا یہی ہے کہ آنکھ بند کر کے اعتبار نہ کیا جائے۔"

بجیا نے بابا کی طرف دیکھا اور تائید میں سر ہلاتے ہوئے بولیں۔ "جی...... جی بابا...... آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔"

بابا نے دوبارہ کچن کے دروازے کا رخ کیا۔

بجیا نے گردن کو خفیف سا موڑتے ہوئے ترچھی نگاہ سے ان کی سمت دیکھا اور چند ساعتوں میں ایک دبے دبے سے ہیجان سے گزر گئیں۔

"بابا!" انہوں نے گھٹی گھٹی آواز میں پکارا۔

بابا تھم گئے اور پلٹ کر بولے۔ "ہاں، کیا بات ہے بیٹی!"

بجیا کسی مجرم کی طرح شرمندہ شرمندہ سی بابا کے روبرو آ گئیں۔

"کیا بات ہے؟" بابا کے لہجے میں تشویش بھی تھی اور دلسوزی بھی۔

"بابا! ٹیلی فون...... ٹیپ کرنے کا...... کیا قصہ ہے...... یہ...... یہ تو مجھے معلوم نہیں مگر......" بجیا رک گئیں۔

"مگر......؟"

"مگر میں نے جویا کے ایک دو فون ضرور سنے تھے۔"

"وہ تو تم نے مجھے بتایا تھا مگر...... وہ تو بہت پرانی بات ہو گئی۔"

"ابھی...... کچھ عرصہ قبل...... پھر...... پھر مجھ سے یہ غلطی ہو گئی...... میں...... میں جویا اور یقین کے درمیان...... ناراضگی کا سبب جاننا چاہتی تھی۔"

"اوں ہوں۔" بابا سوچ میں پڑ گئے۔

بجیا نے خفیف ہو کر انہیں دیکھا۔

"ناراضگی کا سبب معلوم کر سکیں تم؟"

"جی...... وہ تو معلوم ہو گیا۔"

"کیا......؟"

بجیا متذبذب سی دکھائی دینے لگی تھی۔

"کیا سبب معلوم ہوا؟"

"آپ...... آپ سنیں تو شاید...... آپ کو افسوس ہو۔"

"اونہوں۔" بابا نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں زود رنج نہیں ہوں بیٹی۔"

بجیا کشمکش سے دوچار نظر آنے لگیں۔

"کیا وجہ معلوم ہوئی تھی؟"

"وہ...... بابا...... جویا...... ہم لوگوں سے علیحدہ ہونا چاہتی ہیں۔" بجیا نے اس قدر حزم و احتیاط سے کہا جیسے انہیں کسی آبگینے کو ٹھیس پہنچنے کا احتمال ہو۔

مگر بجیا کے خدشے کے برعکس بابا خاصے پُرسکون رہے۔

"آپ...... آپ کو شاک نہیں پہنچا بابا؟" بجیا نے قدرے حیرانی سے پوچھا۔

بابا دھیرے سے مسکرا دیے پھر ایک گہری سانس کھینچنے کے بعد بولے۔ "بیٹی کوئی انہونی بات تو نہیں ہے یہ۔"

بجیا کے جی میں آیا، بابا سے پوچھیں کہ کیا ایک سیارے کے اپنے مدار سے ہٹنے سے ان کا نظامِ شمسی درہم برہم نہیں ہو جائے گا؟

مگر وہ کچھ نہ پوچھ سکیں۔

بابا کا منہ دیکھتی رہ گئیں۔

"بیٹا! زندگی میں تو بہت کڑے کڑے مقامات آتے ہیں، ان سے کیا ڈرنا۔"

بجیا ٹکٹکی باندھے اسی حیرانی سے انہیں دیکھتی رہیں۔

"اچھا اس حد تک تو ٹھیک ہے کہ تم نے بہو اور ان کی والدہ کی کال سنی لیکن...... ٹیلی فون ٹیپ کرنے کا کیا قصہ ہے، یہ کیسے پتا چلے؟"

"ہو سکتا ہے......" بجیا نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"بولتے بولتے رک کیوں گئیں؟"

"ہوسکتا ہے یہ میرا وہم ہو بیا۔"

"کیا......؟"

"ایسے ہی ذہن میں خیال سا آیا......مبہم سا کہ کہیں......"

"کہیں......؟"

"یقین ایسا نہ کر بیٹھے ہوں۔"

بیا بے ساختہ چونکے پھر بولے۔"کیا یقین کو کچھ سن گن تھی؟"

بجیا نے سر جھکا کر دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیسے......؟"

"میں نے......ہی......ذکر کر دیا تھا۔"

"تم نے! مگر کیوں؟"

"میں ہرگز ذکر نہ کرتی بیا مگر یقین مجھے قصور وار سمجھتے رہتے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"یقین اس دن کے بعد کافی کھنچ گئے تھے مجھ سے۔"

"کس دن کے بعد؟"

"وہی جب انہوں نے جویا کی حمایت میں میری انسلٹ کی تھی......وہ اس غلط فہمی میں تھے کہ شاید میں نے بلا وجہ جویا سے زیادتی کر دی ہے۔" بجیا نے قدرے توقف کیا پھر بولیں۔"میں......میں اپنی پوزیشن کلیئر کرنا چاہتی تھی۔"

بیا گہری سوچ میں پڑ گئے پھر کچھ توقف سے بولے۔"کبھی کبھی وضاحت سلجھاؤ کے بجائے اور الجھاؤ پیدا کر دیتی ہے بیٹا۔"

بجیا خفیف اور متفکر سی نظر آنے لگیں۔

"بہرحال......اللہ مالک ہے۔" بیا نے کہا۔

"مجھے تو خفقان سا ہو رہا ہے۔" امی کی آواز نے بیا اور بجیا دونوں ہی کو چونکنے اور کچن کے دروازے کے رخ دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

"ارے! ہم تو آپ کو لٹا کر آئے تھے بیگم صاحبہ۔" بیا بولے۔

"مجھے کسی کل چین ہی نہیں آ رہا۔"

بیا نے ہمدردانہ نگاہوں سے امی کو دیکھا اور بولے۔"آپ کی مشکل یہ ہے کہ آپ اولاد کے معاملے میں بہت زود رنج واقع ہوئی ہیں۔"

"کیا کروں؟" امی روہانسی ہو گئیں۔

"اگر کر سکتی ہیں تو فکر مت کیجیے......اللہ رحم کرے گا۔"

"یقین کو فون کر کے بتا دیجیے۔"

"نہیں......کوئی ضرورت نہیں......جب وہ گھر آئیں گے تو بتا دیا جائے گا۔"

"ماسٹر صاحب! شام سر پر کھڑی ہے۔"

"یقین کے آنے پر ہی کچھ بات ہو گی۔"

امی کے چہرے سے مایوسی جھلکنے لگی۔

بیا نے اپنا بازو امی کے شانوں پر دراز کرتے ہوئے بڑی دلسوزی سے کہا۔"تب تک کے لیے آپ کو میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ اپنے کمرے میں چلیں اور بستر پر لیٹ جائیں......کچھ دیر قبل ہی آپ نے سکون آور گولی لی ہے۔ اگر سکون آور دوا لینے کے بعد انسان پُرسکون ہونے کی کوشش نہ کرے تو اس سے نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔"

امی نے ایک سرد آہ کھینچی!

بیا انہیں بڑی محبت سے اپنے ہمراہ لیے کمرے کی طرف چل دیے۔

☆=====☆=====☆

اماں کے کہنے پر جویا میکے میں رک تو گئی تھی مگر اس کا دھیان مسلسل مریم کی طرف لگا ہوا تھا اور وہ قیاس اور تفکرات کی بھول بھلیوں میں الجھی ہوئی تھی۔

اس وقت مریم سو رہی ہو گی۔

اب فیڈنگ کا وقت ہو گیا ہے۔

خدا جانے کیا دیا ہو گا؟

دودھ یا دلیہ!

میرے نہ پہنچنے سے پریشان تو ہو گی۔

کہیں رو نہ رہی ہو؟

شاید بڑے میاں اسے بہلانے لے گئے ہوں۔

پتا نہیں گھر والوں کا کیا ری ایکشن ہو گا؟

شاید خوش ہوں۔

شاید نہیں یقیناً خوش ہوں گے کہ اچھا ہوا اس بلا سے جان چھوٹی۔

ہاں بلا ہی تو سمجھتے ہیں مجھے وہ لوگ۔

ہائے! کاش......اماں میری بات تو کرا دیتیں ذرا مدحت بیگم سے......میں اندازہ تو کرتی کہ کیا تاثرات ہیں ان محترمہ کے۔

امی خوش ہوں گی اماں بیٹی بلکہ بہت خوش کہ ہماری حرکتوں پر نظر رکھنے والی گئی۔

جناب! میں اتنی آسانی سے جانے والی نہیں۔

اکیلی بھی نہیں جاؤں گی۔

جاؤں گی تو یقین کو بھی لے کر جاؤں گی۔

بہرحال آج تو وہ بہت خوش ہو لیں۔ انہیں پتا اس وقت لگے گا جب میں یقین کو لے کر الگ

ہو جاؤں گی۔

مگر یقین کتنے بے ایمان آدمی ہیں!

اور بے مروت بھی۔

ایک تو ٹیلی فون ٹیپ کروائے یا پتا نہیں خود کیے اور اوپر سے پابندی کہ اماں کے ہاں نہیں جاؤ گی۔

کیوں نہیں جائیں گے بھئی، ہم اپنی اماں کے گھر!

خدانخواستہ کوئی بیچ تھوڑی دیا ہے ہماری اماں نے ہمیں سسرال والوں کے ہاتھ جو ہم میکے نہ جانے کی پابندی بھگتیں۔

ابھی، ہم سسرال کو چھوڑ سکتے ہیں، میکے کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتے۔

مریم کہیں رو نہ رہی ہو؟

مجھے دیکھتے ہی کیسے لپکتی ہے میری طرف!

بڑی بی تک کی گود چھوڑ دیتی ہے۔

میری بچی......

میری جان!

مریم کے تصور کے ساتھ ہی اس کے دل میں بیٹھے بیٹھے سے درد کی لہریں مدوجزر مچاتی رہیں اور جوں جوں شام ہوتی گئی، مریم کے لیے اس کی بے تابی بڑھتی چلی گئی۔ اماں کا اسے باتوں میں لگائے رکھنا بھی اس سلسلے میں نسخۂ شفا ثابت نہ ہو سکا۔

زدیا خاطر مدارات میں لگی رہی۔

بجو! یہ کھا لیں۔

بجو! چائے پی لیں۔

بیٹھے بیٹھے تھک گئی ہوں گی، ذرا کمر سیدھی کر لیں

ڈائجسٹ میں اس مہینے ایک بہت اچھا افسانہ چھپا ہے اگر پڑھیں تو لا کر دوں۔

"دے دو۔" اس نے نیم دلی سے کہا۔

زدیا نے ڈائجسٹ لا کر دیا اور مذکورہ افسانے کی نشاندہی بھی کی۔

جویا نے پڑھنا شروع کیا مگر تھوڑا سا پڑھ کر ہی چھوڑ دیا۔

دل ہی نہ لگا۔

مریم کا خیال جو آ گیا تھا دل میں!

شام کو ابا نے دکان پر جاتے ہوئے اماں سے رازدارانہ کہا۔ "نیک بخت! ذرا احتیاط سے کام لینا۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"مطلب یہ کہ بیٹی کو روک کر تم نے اچھا نہیں کیا ہے۔"

اماں نے تیوری بگاڑ کر ابا کو دیکھا اور بولیں۔ "بیٹی کا ایک وقت کا کھانا کھل گیا ہے کیا آپ کو؟"

"لاحول ولا قوۃ۔" ابا خجل ہو گئے۔

"کیا شیطان ہوں میں جو مجھ پر لاحول پڑھا جا رہا ہے؟" اماں نے ناگواری سے کہا۔

"نیک بخت! سمجھنے کی کوشش کرو۔" ابا نے رسانیت سے کہا۔ "بیٹی کی سسرال سے کوئی آئے تو اسے اس کے گھر بھیج دینا۔"

"پہلے دس سناؤں گی ان لوگوں کو..... قائل کروں گی انہیں..... پھر بھیجوں گی بیٹی کو۔"

"ٹھنڈے مزاج سے..... ذرا ٹھنڈے مزاج سے کام لینا..... ہم بیٹی والے ہیں..... بیٹی والے دب کر رہتے ہیں۔"

"بیٹی والے ہیں تو کیا ہوا۔ دب کر تو نہیں رہ سکتے ہم۔"

"بھئی، دبنا پڑتا ہے۔"

"آپ دبیے، میں نہیں دبنے والی۔"

"اچھا بھئی اچھا۔" ابا نے ہمیشہ کی طرح بہت جلد ہار مان لی۔

مگر جاتے جاتے ابا پھر پلٹ آئے اور اماں کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "نیک بخت! میں تمہارے غصے سے واقف ہوں..... بس..... اتنا خیال رکھنا کہ بات بڑھنے نہ پائے۔"

"جائیے..... جائیے..... آپ دکان پر جائیے..... میں نمٹ لوں گی سب سے۔"

ابا نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اماں کے سامنے کر دیے اور انتہائی لجاجت سے بولے۔ "سر سفید ہو چکا ہے میرا..... کوئی شرمندگی یا رسوائی نہ جھیلنی پڑ جائے۔"

"کچھ بھی ہو میاں..... میں ان لوگوں کو سناؤں گی تو ضرور..... سمجھا کیا ہے انہوں نے..... اللہ نہ کرے، کوئی بے وارثی تو نہیں ہے ہماری بچی۔"

"ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے..... مگر ہمیں اپنی بچی کی اولاد کا بھی تو منہ دیکھنا ہے..... خدا جانے کتنی بے تاب ہو گی مریم جویا کے لیے۔"

"اچھا ہے نا، ذرا ستائے تو سہی دادی، پھوپی اور باپ کو۔"

"اور اس کے اپنے منے سے دل پر جو گزر رہی ہو گی وہ!" ابا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بولے۔ "وہ معصوم تو کسی سے کچھ کہہ بھی نہ پائے گی۔"

"جائیے میاں..... آپ دکان جائیے۔" اماں نے کہا۔

"جا رہا ہوں نیک بخت، جا رہا ہوں۔"

اور ادھر اماں ابا کے کمرے میں جویا اور زدیا سر جوڑے بیٹھی تھیں۔

"بجو! اگر یقین بھائی آپ کو لینے کے لیے نہ آئے تو......؟" زدیا نے انتہائی فکرمندی سے کہا۔

جویا نے ٹیڑھی نظروں سے زدیا کو دیکھا اور ناگواری سے بولی۔ "تو میں مر نہیں جاؤں گی۔"

"مریم کا کیا ہوگا؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" جویا نے چونک کر زویا کی طرف دیکھا۔

"میرا مطلب ہے خدانخواستہ یقین بھائی آپ کو لینے کے لیے نہ آئے تو مریم رات کو کس کے پاس رہے گی؟"

"ارے! مریم کی وجہ سے تو ان کے اچھے بھی آئیں گے۔" اماں نے جو کمرے میں داخل ہوتے ہوئے زویا کی بات سن چکی تھیں، بڑے زعم سے کہا۔

"ہیں بجو؟" زویا نے جویا سے تائید چاہی۔

"تو چپکی رہ۔" اماں نے زویا کو گھرکا۔ "تجھے کیا فکر پڑی ہے؟"

زویا خجل ہوگئی۔

"اماں! میں تو اس لیے پوچھ رہی ہوں کہ بجو مریم کی وجہ سے فکرمند اور اداس ہو رہی ہیں۔"

"کیا ضرورت ہے اداس ہونے کی؟" اماں نے جویا کی طرف دیکھتے ہوئے تسلی دی۔ "اللہ رکھے بھرا پرا خاندان ہے...... ہم سب تمہارا خیال رکھنے والے ہیں...... اور اللہ کا بڑا شکر ہے کہ تم اپنے پیروں پر کھڑی ہو...... کسی کی محتاج نہیں ہو۔"

جویا چپ رہی۔

"بھئی دیکھو...... میں تو جانتی ہوں سیدھی بات...... خیر سے شادی ہوگئی تمہاری...... اللہ نہ کرے اب اگر کوئی اونچ نیچ ہو بھی جائے تو تم میاں سے کہہ سکتی ہو کہ میاں میرا گزارا نہیں ہوسکتا تمہارے ساتھ...... تم اپنی اماں بہنوں کے پاؤں دابو، میں اپنا گزارا کر سکتی ہوں۔" اماں نے توقف کیا پھر بولیں۔ "لڑکیوں کی نوکری کا یہی تو فائدہ ہے کہ میاں پر رعب جما سکتی ہیں۔"

"اماں! وہ رعب میں آنے والے نہیں۔" جویا نے کہا۔

"ٹھیک ہے نہ آئیں...... وہ اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش...... جب ان کی عقل ٹھکانے آجائے تو تمہیں آکر لے جائیں۔"

"مگر اس وقت تک مریم کا کیا ہوگا اماں؟" زویا نے کہا۔

"تو چپکی رہ۔" اماں نے اسے گھورا پھر جویا کو دیکھتے ہوئے بولیں۔ "مریم ہی تو تمہارے میاں کی لگام بنے گی۔"

جویا اماں کو یوں دیکھنے لگی جیسے پوچھتی ہو۔ "کیا مطلب؟"

اماں نے اس کی نگاہوں میں لہراتا سوال پڑھ لیا۔

"ارے بیٹی۔" وہ جویا کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے رازدارانہ انداز میں بولیں۔ "یہ جو مرد ذات ہوتی ہے نا، یہ اولاد ہی کے ذریعے عورت کے قبضے میں آتی ہے...... تم دیکھتی رہو...... یقین آکر تم سے معافی نہ مانگیں تو میرا نام بدل دینا۔"

☆=====☆=====☆

دفتر سے اٹھنے سے پہلے یقین نے ایک مرتبہ پھر سسرال فون کیا۔

"ہیلو!" کال خوش دامن نے ریسیو کی۔

یقین نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ دھر کر دم سادھ لیا۔

"ارے بھئی کون بول رہا ہے؟"

یقین بدستور دم سادھے خوش دامن صاحبہ کے قرب و جوار کی آوازیں سننے کی کوشش میں رہا۔

"خدا جانے کون شیطان ہے۔"

یقین ٹپٹا گیا۔

"کون ہے اماں؟" زویا کی آواز پہچاننا یقین کے لیے دشوار نہ تھا۔

"کوئی بدذات ہے، بول ہی نہیں رہا۔"

یقین کو اپنی خاموشی پر خوب صلواتیں سننے کو مل رہی تھیں۔

"ہیلو!" خوش دامن صاحبہ نے انتہائی بیزاری سے کہا۔

یقین چپ رہا۔

"کم بخت! منحوس مارا! پھوٹ ہی نہیں رہا منہ سے...... لے سنتا رہ۔" اتنا کہہ کر خوش دامن صاحبہ نے ریسیور زور سے کریڈل پر دے مارا۔

اور یوں یقین جویا کی اس کے میکے میں موجودگی یا عدم موجودگی کا اندازہ کرنے میں ناکام رہا۔

یقین کی واپسی تک امی گھنٹہ سوا گھنٹہ غنودگی میں رہنے کے بعد قدرے پرسکون ہوچکی تھیں۔

یقین دفتر سے گھر واپس لوٹا تو ذہن کے کسی بام و در پر اس امید کی شمع ٹمٹما رہی تھی کہ شاید جویا گھر واپس آچکی ہو۔

گھر والوں کا خیال تھا کہ اسے آتے ہی ازخود کچھ بتانے کے بجائے اس کے پوچھنے پر رسانیت سے بتایا جائے۔

امی اور ربا سے علیک سلیک کرنے کے بعد وہ حسب معمول اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ اس خیال کے ساتھ کہ وہ یقیناً آچکی ہے جبھی تو امی اور ربا نے کچھ نہیں کہا تھا۔

مگر کمرے میں داخل ہونے پر سناٹے نے اس کا سواگت کیا۔

ایک لمحے کو اسے یوں لگا جیسے اس کے ساتھ کائنات نے بھی دم سادھ لیا ہو۔

پھر وہ آگے بڑھا اور بریف کیس سائڈ بورڈ پر رکھ کر الٹے قدموں کمرے سے نکل گیا۔

جویا کی تلاش میں گھر چھاننے کے بعد وہ دوبارہ اپنے کمرے میں آپہنچا اور تھکی تھکی نگاہوں سے چہار اطراف دیکھنے لگا۔

دفعتاً اس کی نظریں کارنس پر دھری تصویر پر جا رکیں!

سنہرے فریم میں جکڑی رنگین تصویر میں وہ اور جویا بڑی خوش دلی سے مسکرا رہے تھے۔ یہ ان کی شادی کے دوسرے دن ولیمے کی تقریب میں کھینچی گئی ایک تصویر تھی۔ اس تصویر کو ٹکٹکی باندھے دیکھتے ہوئے وہ آگے بڑھا اور تصویر کو کارنس پر سے اٹھا کر اپنی آنکھوں کے بہت نزدیک لے آیا اور اس کے

تصور میں یک بیک چراغاں سا ہو گیا۔

کتنی پُررونق تھی وہ تقریب!

دھنک رنگ سرسراتے آنچل، جھلملاتی روشنیاں، مشامِ جاں کو معطر کرتی خوشبوئیں اور مترنم قہقہے اس روز یکجا ہو گئے تھے۔

وہ بہت خوش تھا!

قدم زمین پر نہ ٹک رہے تھے اور نظر جویا کے چہرے سے نہ ہٹ رہی تھی۔

شاید کولمبس بھی نئی دنیا دریافت کر کے اتنا خوش نہ ہوا ہو گا جتنا کہ وہ جویا کو پا کر ہوا تھا۔

کیسی سجل تھی وہ!

اس کا وجود ابٹن اور حنا کی جاں پرور خوشبوؤں میں بسا ہوا تھا۔

اس کی آنکھوں میں خمار تھا اور ہونٹ رسیلے۔

اس کی مسکراہٹ دلنشین تھی اور شرماہٹ دلربا۔

زرتار دوپٹے کے ہالے میں اس کا دلکش چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح کھلا پڑا تھا۔

خاندان کے کنوارے لڑکوں اور اپنے غیر شادی شدہ دوستوں کے مقابلے میں یقین خود کو بہت معتبر سا محسوس کر رہا تھا!

تقریب ولیمہ کے دوران اس کے ایک شادی شدہ دوست نے قدرے رازداری سے پوچھا۔

"کیسا محسوس کر رہے ہو یقین؟"

"بہت ایکسائیٹڈ ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"آں ہاں!" دوست نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اسے گہری نگاہوں سے دیکھا۔

"اٹس ریئلی ونڈرفل!"

جویا کو پا کر وہ دنوں مسرور و مسحور رہا تھا۔

شاید ہمیشہ ہی رہتا۔

مگر برا ہو حد سے تجاوز کر جانے والی احتیاجات اور خواہشات کا جنہوں نے اس کی خوشی کو جلد ہی حسد کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیا اور اس کے اور جویا کے درمیان چھوٹی چھوٹی جھڑپیں اور خفگیاں ہونے لگی تھیں۔

اور اس سے بھی زیادہ برا ہو جویا کی اماں کا کہ جن کے سکھائے پڑھائے نے نوبت یہاں تک پہنچا دی تھی کہ آج وہ اسی کمرے میں جہاں جویا کی سرگوشیوں اور مترنم ہنسی کے ساز بجتے تھے، سناٹے اور ویرانی میں ڈوبا کھڑا تھا۔

کتنی ہی دیر وہ تصویر پر نگاہیں جمائے ماضی کی یادوں میں گم بیٹھا رہا۔ یادوں کا سلسلہ ٹوٹا تو اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے تصویر کو دوبارہ اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

اس نے پھر چہار اطراف نظر دوڑائی۔

دل دکھنے لگا۔

عجیب بات تھی جس عورت پر اس کا دل دن بھر پیچ و تاب کھاتا رہا تھا، اس کی گھر میں عدم موجودگی کا خیال ہی اس کے دل کو ہجر و فراق کی ناقابلِ بیان کسک سے دوچار کیے دے رہا تھا۔

"عجیب بیوقوف عورت ہے...... بھلا گھر چھوڑ کر جانے کی کیا ضرورت تھی؟" اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے وہ زیرِ لب بڑبڑایا۔

مسہری پر پڑے کوٹ کو دیکھتے ہوئے اس کے دل میں چبھن سی ہونے لگی۔

جویا کبھی ناراض بھی ہوتی تو اس کا کوٹ کبھی اس طرح نہ ڈالتی تھی۔

یقین کو یوں لگا، جیسے اسے اور جویا کو بچھڑے قرن بیت گئے تھے اور اس کا کوٹ قرنوں سے مسہری پر پڑا بے اعتنائی کا شکوہ کر رہا تھا۔

اس پر ایک ہیجان سا طاری ہونے لگا۔ دائیں ہاتھ کو مٹھی کی صورت بند کر کے بائیں ہاتھ میں دبوچتے ہوئے وہ پھر بڑبڑایا۔ "سالی! اماں کے کہے پر چلتی ہے۔"

ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے وہ اپنے جوتوں کے تسمے کھولنے کو جھکا تو اس کے تصور میں جویا کا چہرہ جھلملانے لگا۔

"لائیے سرکار، ہم اتار دیں آپ کے جوتے۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کے قدموں میں جھک گئی۔

"نہیں۔" اس نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔ "یہ ہاتھ جوتے اتارنے کے لیے نہیں ہیں۔"

"تو پھر کاہے کے لیے ہیں؟" اس نے بصد ناز پوچھا۔

"یہ...... یہ اس لیے ہیں۔" اس نے اس کے ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگا لیے۔

وہ محجوب ہو گئی۔

وارڈ روب سے اپنا کرتا پاجامہ نکالا تو وہ پھر یاد آ گئی!

پرسوں ہی تو اس نے اس کے گھر میں پہننے کے تین چار جوڑے استری کر کے وارڈ روب میں ٹانگے تھے۔

کس کس بہانے یاد آ رہی تھی وہ!

اور لاؤنج میں امی انتہائی فکرمندی سے بابا سے کہہ رہی تھیں۔ "یقین نے ابھی تک کچھ پوچھا نہیں دلہن کے بارے میں......!"

"فکر مت کیجیے، پوچھیں گے۔"

مگر یقین نے چینج کرنے کے بعد کمرے سے باہر نکلنے پر بھی کچھ نہیں پوچھا۔

اس کی خاموشی سے امی کو اچنبھا ہوا۔ بابا کو بھی یہ بات تعجب خیز محسوس ہوئی اور بجیا کے دل میں پچھتاوے کا احساس گہرا پڑنے لگا۔

"کاش! میں نے یقین کو کچھ نہ بتایا ہوتا۔" انہوں نے دل ہی دل میں سوچا۔

یقین لاؤنج میں آ کر مریم سے کھیلنے لگا۔

امی اور بجیا نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"عجیب عورت ہے! ابھی تک کا خیال نہیں کیا۔" یقین کے دل کو پھر جویا کو یاد کرنے کا بہانہ ہاتھ آ گیا۔

اس نے مریم کو اپنے سینے سے لگاتے ہوئے سوچا۔ "اس معصوم کا بھلا کیا قصور تھا؟"

"یقین بیٹے!" امی نے بصد حزم واحتیاط سے پکارا۔

"جی... جی امی۔" وہ چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوا۔

"تم نے... ان کے بارے میں نہیں پوچھا۔" امی نے اسی حزم واحتیاط کا مظاہرہ کیا۔

"کیا... کیا نہیں پوچھا امی جان؟"

"کہ... کہ وہ کہاں ہیں؟"

"مجھے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔"

"کیوں؟" اب امی چونکیں۔

"وہ جہاں ہے خوش ہے۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ وہ کہاں ہیں؟" امی نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"جی... جی ہاں۔"

"کہاں ہیں؟" امی کو شاید یقین نہ آیا تھا۔

"اپنی اماں کے گھر اور کہاں۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا بیٹے؟"

"بس چل گیا۔"

"وہی تو میں پوچھ رہی ہوں کہ کیسے؟"

"بس... پتا چل ہی گیا۔"

"پھر بھی بتاؤ تو سہی کیسے؟"

لیکن اس سے پہلے کہ وہ ان کی اس بات کے جواب میں پھر کچھ بولتا مریم نے اپنی توتلی زبان میں اس سے پوچھا۔ "بابا! ماما تاں ایں؟"

یقین بے ساختہ چونکا۔

آن کی آن، اس کی آنکھوں میں گلابی ڈورے سے پھیل گئے۔

وہ دبی دبی ہیجانی کیفیت سے دوچار دکھائی دینے لگا۔

"ماما تاں ایں بابا!" مریم نے پھر پوچھا۔

"آئس کریم کھانے چلیں؟" اس نے مریم کا دھیان بٹانے کی کوشش کی۔

"نائیں۔" اس نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ "ماما پاچھ جانا اے۔"

"او کے... او کے بیٹا۔" وہ امی اور بجیا سے نظریں چراتا مریم کو اپنے سینے سے لگائے اٹھ کھڑا ہوا۔

"لاؤ اسے مجھے دے دو۔" امی بولیں۔

"نائیں... نائیں... ماما پاچھ... ماما پاچھ جانا اے۔" مریم مچلنے لگی۔

"اچھا... او کے... او کے... چلتے ہیں ماما پاس۔" یقین اسے بہلاتے ہوئے لاؤنج سے باہر نکل گیا۔

بجیا اس کے لیے چائے لے کر آئیں تو وہ وہاں نہ تھا۔

بجیا ٹھٹک گئیں۔

"امی جان! یقین کہاں گئے؟" انہوں نے پوچھا۔

"مریم ماں کے پاس جانے کو مچل رہی تھی... اسے لے کر گئے ہیں۔"

"جویا کو لینے؟" بجیا خوش ہو کر بولیں۔

"نہیں بھئی۔"

"تو پھر؟" بجیا کی خوشی بجھ سی گئی۔

"یہیں کہیں ہوں گے یا شاید بچی کو بہلانے کے لیے گھر سے باہر نکل گئے ہوں۔"

"دیکھتی ہوں۔" بجیا نے کہا اور یقین کی پیالی لیے لاؤنج سے نکل کر یقین کے کمرے کی طرف چل دیں۔

یقین اپنے کمرے ہی میں تھا اور مریم کو بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

بجیا ادھ کھلے دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر کمرے میں داخل ہوئیں اور انہوں نے چائے کی پیالی سائیڈ بورڈ پر رکھنے کے بعد یقین سے مریم کو لینے کے لیے ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔ "لاؤ، اسے مجھے دے دو اور تم چائے پی لو۔"

"نائیں! ماما پاچھ۔" مریم پھر مچلی۔

"آؤ نا میری جان چل رہے ہیں ماما پاس۔" بجیا نے مریم کو لے لیا۔

یقین نے چائے کی پیالی اٹھالی۔

بجیا نے مریم کو کندھے سے لگا لیا اور اسے دھیرے دھیرے تھپکنے لگیں۔

"ماما پاچھ چلو۔" مریم رونے لگی۔

بجیا اور یقین نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر نظریں چرا لیں۔

"بابا چائے پی لیں پھر چلتے ہیں ماما پاس۔" بجیا نے مریم کو دلاسا دیا۔

وہ چپ ہو گئی۔

"ایک بات پوچھوں تم سے؟" بجیا نے یقین سے کہا۔

یقین نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کن انکھیوں سے بجیا کی طرف دیکھا۔

"جویا کی والدہ اپنے ٹیلی فون ٹیپ کیے جانے کا گلہ کر رہی تھیں... کہیں تم نے تو...؟" بجیا نے اپنا سوال ادھورا چھوڑ دیا۔

"ان سے کہا ہوتا آپ نے کہ کچھ شرم کریں وہ۔"

"بری بات! امی کی جگہ ہیں وہ۔" بجیا کا لہجہ تنبیہی تھا۔

"کاش! امی کی طرح بھی ہوتیں۔" یقین نے توقف کیا پھر بولا۔ "مجھے یاد ہے، نگہت ایک مرتبہ افتخار بھائی سے کسی بات پر روٹھ کر آ گئی تھی تو امی نے اسے الٹے قدموں اس کے گھر لوٹا دیا تھا...... میں ہی چھوڑنے گیا تھا اسے...... مجھے امی کے الفاظ نہیں بھولتے...... انہوں نے نگہت سے کہا تھا، اب کی بار تو تم میاں سے لڑ جھگڑ کر یہاں آ گئیں۔ آئندہ کبھی میاں سے لڑ جھگڑ کر اس گھر کی دہلیز پر آنے کی کوشش مت کرنا...... اس دن کے بعد مجھے نہیں یاد کہ نگہت پھر کبھی اس طرح سے یہاں آئی ہو۔"

"ساری مائیں ہماری امی کی طرح نہیں سوچتیں۔" بجیا بولیں۔

"مگر سوچنا اسی طرح چاہیے۔" یقین نے کہا۔

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"کون سے سوال کا؟"

"کیا تم نے...... ٹیلی فون...... میرا مطلب ہے جویا اور......؟"

"جی ہاں۔" وہ بجیا کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "میں نے ٹیپ کر رکھی ہے ان دونوں ماں بیٹی کی گفتگو...... واللہ! کیا شائستہ گفتگو فرماتی ہیں دونوں!"

بجیا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

تو گویا ان کا قیاس درست تھا!

ان کے دل میں پچھتاوے کا احساس اور گہرا ہو گیا تھا۔

"اس کا مطلب ہے، ان کی شکایت بجا ہے۔"

"شکایت!" وہ تیوری چڑھا کر غصے سے بولا۔ "انہیں تو شرمندہ ہونا چاہیے...... معذرت کرنی چاہیے ہم سب سے۔"

"غلطی میری ہے۔" بجیا دھیرے سے بولیں۔

"کیوں؟" وہ چونکا۔ "آپ کی کیا غلطی؟"

"نہ میں تم سے تذکرہ کرتی نہ تم ان کی ٹیلی فون کال ٹیپ کرتے۔"

"بری باتیں چھپتی کب ہیں...... کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی کے ذریعے کھل ہی جاتی ہیں...... آپ نہ بتاتیں تو کسی اور ذریعے سے پتا چل جاتا مجھے۔"

"مجھے شرمندگی نہ ہوتی...... اس وقت مجھے یوں لگ رہا ہے، جیسے جویا کے گھر سے جانے کی ذمے دار میں ہوں۔" بجیا گھٹی گھٹی آواز میں بولیں۔

"آپ شرمندہ کیوں ہوتی ہیں...... غلطی جویا کی ہے اور جویا سے زیادہ ان کی والدہ محترمہ کی۔"

"میں گلٹی فیل کر رہی ہوں یقین۔" بجیا نے سر جھکا کر دھیمے سُروں میں کہا۔

"مت کیجیے۔"

"چلو...... ہم دونوں جویا کو لینے چلتے ہیں۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔" وہ تیور بگاڑ کر بولا۔

"کیوں......؟"

"وہ خود گئی ہے خود ہی آئے گی۔" اس نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"پلیز!" بجیا نے منت آمیز لہجے میں کہا۔

"نہیں بجیا۔" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

"ہم لوگ تو اسی بات کا انتظار کر رہے تھے کہ تم آؤ تو جویا کو لینے کے لیے جائیں۔"

"میں نہیں جاؤں گا۔" وہ اٹل انداز میں بولا۔

"تم میری کوفت اور شرمندگی میں اضافہ کر دینا چاہتے ہو۔"

"آپ جو مرضی میں آئے کہیے...... مگر...... میں اسے لینے کے لیے کسی قیمت پر نہیں جاؤں گا۔"

"یہ ضد ہے؟"

"جی نہیں...... فیصلہ۔"

"تمہیں میری جان کی قسم یقین۔"

یقین نے بجیا کو دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں شکوہ کن کیفیت تھی۔

"آپ میری طبیعت سے اچھی طرح واقف ہیں۔" وہ بولا۔ "میں چھوٹی چھوٹی باتوں کو اپنی انا کا مسئلہ نہیں بناتا لیکن جب کسی بات پر اڑ جاتا ہوں تو بس اڑ جاتا ہوں۔"

یقین غلط نہیں کہہ رہا تھا۔

وہ واقعی ایسا ہی تھا۔

شاذ ہی کسی بات کو اپنی انا کا مسئلہ بناتا اور جب ایک مرتبہ کسی بات پر اڑ جاتا تو شاذ ہی اپنے مؤقف سے پیچھے ہٹتا۔

اسے اپنی بات پر ڈٹے دیکھ کر بجیا مایوس اور متفکر نظر آنے لگیں۔

☆=====☆======☆

امی اور بیا کو یقین کے اٹل ارادے کی خبر ہوئی تو وہ بھی فکر میں پڑ گئے۔

"دیکھا ماسٹر صاحب!" امی بولیں۔ "میرے خدشے درست ثابت ہوئے نا۔"

"کیسے خدشے بھئی؟"

"کتنے دنوں سے میرے دل کو دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں بیٹے اور بہو میں کوئی اونچ نیچ نہ ہو جائے، آخر ہوئی نا وہی بات۔"

"ارے بیگم صاحبہ! پریشان کیوں ہوتی ہیں۔"

"کنارہ ہوا اپنے بیٹا کی بات؟" امی نے بیا کی طرف دیکھا پھر دل گرفتہ لہجے میں بولیں۔ "بہو روٹھ کر میکے جا بیٹھی ہیں اور بیٹے صاحب اسے منا کر لانے پر آمادہ نہیں اور یہ فرما رہے ہیں کہ

پریشان کیوں ہوتی ہیں...... پریشان نہ ہوں تو کیا خوش ہوؤں؟"

"فکر مت کیجئے...... صاحب زادے اگر نہیں جا رہے ہیں بہو بیگم کو لانے کے لیے تو نہ جائیں ہم اور آپ چلتے ہیں۔"

"تو پھر دیر کیوں کر رہے ہیں...... چلیے۔"

"آپ تیار ہو جائیں۔"

"ہاں بیٹے کی سسرال جانا ہے، تیار تو ہونا پڑے گا۔" امی نے کہا پھر انہیں یک بیک کسی اہم بات کا خیال آیا۔" ارے ہاں...... یقین سے آپ یہ تو پوچھ لیں کہ ٹیلی فون ٹیپ کرنے کا کیا قصہ ہے تا کہ اگر وہ کچھ کہیں تو ہم جواب تو دے سکیں...... چپ نہ بیٹھے رہیں۔"

بیا اور مدحت بجیا نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"ٹھیک ہے، میں معلوم کیے لیتا ہوں تب تک آپ تیار ہو جائیں۔"

امی اپنے کمرے میں جانے کو اٹھیں۔

بجیا وہیں ٹھہری رہیں۔

امی کے جانے کے بعد بیا نے ان سے پوچھا۔" ہاں بیٹی، پوچھا بھائی سے اپنے کہ ٹیلی فون ٹیپ کرنے کا کیا قصہ ہے؟"

"جی ہاں...... پوچھا تھا۔"

"کیا جواب دیا انہوں نے؟"

بجیا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔" انہوں نے ٹیلی فون کالز ریکارڈ کرنے کا اعتراف کیا۔"

"کیا؟" بیا بے ساختہ چونکے۔" یعنی......؟"

"جی!" بجیا نے پھر اثبات میں سر ہلایا۔" جویا اور ان کی اماں کی ٹیلی فون کالز یقین نے ریکارڈ کی تھیں۔"

"لیکن کیوں؟"

"سوری بیا! یہ نہ میں نے پوچھا نہ انہوں نے بتایا...... میں تو یہ سن کر ہی دم بخود رہ گئی کہ یقین نے ایسا کیا تھا۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" بیا زیر لب بڑبڑائے۔" یہ آج کل کے نوجوان کیسی کیسی حرکتیں کر بیٹھتے ہیں...... بھلا کیا ضرورت تھی ٹیلی فون کالز ٹیپ کرنے کی۔" بیا نے توقف کیا پھر فکر مندی سے بولے۔ "بہو اور ان کی والدہ کو ٹیلی فون کالز ریکارڈ کیے جانے کا علم کیونکر ہوا؟"

"سوری! یہ بھی نہیں پوچھا میں نے...... ذرا اطمینان سے پوچھوں گی۔"

"تم کیا پوچھو گی...... مجھے پوچھنا پڑے گا صاحب زادے سے۔"

"بیا! رات ہوئی جا رہی ہے، پہلے تو آپ اور امی وہاں سے ہو آئیں۔"

"ہاں...... وہاں سے آ کر پوچھوں گا صاحب زادے سے۔" بیا کے چہرے سے تفکر عیاں

تھا۔" اب وہاں جا رہے ہیں تو بات تمہاری امی پر بھی کھل ہی جائے گی۔"

"جی...... ظاہر ہے۔"

"انہیں اعتماد میں لے کر سب کچھ بتانا پڑے گا تا کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب دینے کے لیے پہلے سے تیار ہوں۔"

"راستے میں بتا دیجئے گا آپ انہیں۔"

"ہوں۔" بیا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"چلئے ماسٹر صاحب!" امی نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"بیگم صاحبہ! بہت جلدی تیار ہو کر آ گئیں آپ تو؟" بیا موڈ بدل کر بولے۔

"مجھے کون سا میک اپ کرنا تھا ماسٹر صاحب۔"

"کر لیا ہوتا بھئی، آخر کو سمدھن سے ملنے اور بہو بیگم کو لانے جا رہی ہیں۔"

امی نے تیکھی نظروں سے بیا کو دیکھا۔

بیا کی مسکراہٹ گہری پڑ گئی۔

"ذہین تو گھر میں ہیں نہیں، یقین ہی سے کہیے کہ وہ ہمیں اپنی سسرال پہنچائیں۔" امی نے بیا سے کہا۔

"یقین شاید نہ جائیں۔" بجیا بولیں۔

"کیوں......؟"

"وہ جویا کے اس طرح گھر جا کر بیٹھ جانے پر کافی ناراض ہیں۔"

"غصہ تو مجھے بھی بہت آ رہا ہے دلہن پر...... بھلا سمجھ دار بہو بیٹیاں کوئی ایسی حرکتیں کیا کرتی ہیں۔" امی بولیں۔

"اچھا خیر...... اس وقت اس بحث میں نہ پڑیے۔" بیا نے بجیا کی جانب دیکھا اور بولے۔ "بیٹی گاڑی کی چابی تو لا دو۔"

امی چونکیں۔

"ماسٹر صاحب! کیا گاڑی آپ چلائیں گے؟"

"گھبرائیے مت۔" بیا مسکرائے۔" گاڑی چلانا آتی ہے مجھے۔"

"وہ تو مجھے پتا ہے۔"

"تو پھر اس قدر متوحش ہو کر یہ کیوں پوچھا آپ نے کہ گاڑی آپ چلائیں گے۔"

"رات ہوا چاہتی ہے ٹریفک بہت ہوگا۔"

"آپ اطمینان رکھیے...... خدا نے چاہا تو بحفاظت آپ کو منزل مقصود تک پہنچاؤں گا۔"

"ماسٹر صاحب! میں اس خیال سے کہہ رہی ہوں کہ ریٹائرمنٹ کے بعد سے آپ کبھی کبھار ہی گاڑی چلاتے ہیں۔ گاڑی چلانے کی پریکٹس نہیں رہی ہے اب آپ کو...... رات ہونے والی ہے، سڑکوں پر اس وقت بہت رش ہوگا، گاڑیوں کا اور ہمیں جلدی پہنچنا ہے اور جلدی لوٹ کر آنا ہے۔"

''ان شاءاللہ۔'' بابا بولے۔

بجیا گاڑی کی چابی لے کر پلٹیں تو انہوں نے چابی بابا کو دیتے ہوئے امی سے کہا۔ ''مریم جویا کے لیے مچلتے ہوئے سوئی ہے۔ جلدی آجائیے گا آپ لوگ تاکہ اگر وہ جاگ جائے تو جویا کے لیے پھر نہ روئے۔''

''ٹھیک ہے۔''

گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سن کر یقین نے اپنے کمرے کی کھڑکی کا پردہ سرکا کر باہر جھانکا تو بابا کو اسٹیرنگ وہیل سنبھالے اور امی کو فرنٹ سیٹ پر ان کے ساتھ بیٹھے دیکھا۔

یہ جانتے ہوئے کہ بابا کافی عرصے سے ماسوائے کسی ہنگامی صورت حال کے شاذ ہی ڈرائیونگ کرتے تھے۔ وہ کھڑکی کا پردہ سرعت سے کھینچ کر عجلت اپنے کمرے سے باہر نکلا...... لیکن جب تک وہ پورچ میں پہنچا گاڑی جا چکی تھی اور بجیا گیٹ بند کر رہی تھیں۔

''کہاں گئے ہیں امی اور ابا؟''

''تمہاری سسرال۔''

''کیوں؟'' وہ تیوری چڑھا کر بولا۔ ''کیا ضرورت تھی جانے کی؟''

''اب تو گئے۔'' بجیا باطمینان بولیں۔

یقین جز بز دکھائی دینے لگے۔

''ایک بات تو بتاؤ۔'' بجیا نے یقین کے ساتھ برآمدے کی جانب پلٹتے ہوئے کہا۔

''کیا بات؟'' وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔

''تم نے ٹیلی فون کال ٹیپ کیوں کیں آخر؟''

یقین چلتے چلتے تھم گیا پھر تلخ لہجے میں بولا۔ ''جویا کو اس کا اصل چہرہ دکھانے کے لیے۔'' اس نے لحظہ بھر کو توقف کیا پھر بولا۔ ''تاکہ وہ اپنے روپ سے مکر نہ سکے۔''

''کیا مطلب؟''

''میں نے اسے ٹیپ کی ہوئی کیسٹ سنوا کر اس کا اصل روپ اسے دکھا دیا...... بلکہ...... اس کی اماں کی اصلیت بھی دکھا دی اسے۔''

''اچھا نہیں کیا تم نے۔''

''اچھا یا برا...... اس کا فیصلہ تو وقت کرے گا۔'' اس کے لہجے سے تلخی جھلک رہی تھی۔

☆=====☆=====☆

امی اور بابا کی گاڑی جویا کے میکے کی گلی میں پہنچی تو زوبا گھر کے نیم وا دروازے پر کھڑی ثمینہ اور عاطف کو ٹھیلے والے سے مونگ پھلی اور چلغوزے دلوانے کے لیے مول تول کر رہی تھی۔ گاڑی میں بیٹھے افراد پر نظر پڑتے ہی وہ مول تول بھلا کر اور قدرے خفیف سی ہو کر اپنے قدموں پلٹی اور برآمدے کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے جویا سے جو برآمدے میں بیٹھی بڑی بے دلی سے ٹی وی دیکھ رہی تھی، بآواز بلند کہا۔ ''آپ کے ساس سسر آئے ہیں۔''

آن کی آن کھلبلی سی مچ گئی۔

اماں جو گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے تخت پر نیم دراز تھیں، اٹھتے ہوئے جویا سے بولیں۔ ''لو تم خواہ مخواہ منہ لٹکائے بیٹھی تھیں۔''

جویا جو شام سے متفکر اور اداس بیٹھی تھی، کھل اٹھی۔

''میں تم سے کہہ رہی تھی ناکہ ان کے تو اچھے بھی آئیں گے۔'' اماں نے اپنے پیروں میں چپلیں پہنتے ہوئے فاتحانہ انداز میں جویا سے کہا۔

جویا قائل سی دکھائی دینے لگی۔

''جائیں، جا کر استقبال کریں نا ان کا۔'' زوبا نے مسکراتے ہوئے جویا سے کہا۔

''چپکی رہ۔'' اماں نے اسے گھڑکا پھر جویا کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے ہدایت کی۔ ''جاؤ تم اندر جاؤ۔''

جویا اماں کا منہ دیکھنے لگی۔

''اندر جاؤ۔'' اماں نے بڑی رسانیت سے کہا۔

''کیوں اماں؟'' وہ قدرے حیرانی سے بولی۔

''اوہو! سمجھا کرتے ہیں بھئی۔''

وہ خاک نہ سمجھ پائی۔

اماں برآمدے سے صحن کی طرف پیش قدمی کرنے کو تھکی کھڑی تھیں کہ گھر کا نیم وا دروازہ کھلا اور امی اور بابا ثمینہ اور عاطف کی معیت میں گھر میں داخل ہو گئے۔

اماں نے اب خاصی خشونت سے جویا کو دیکھا اور لبوں کو برائے نام حرکت دیتے ہوئے انتہائی چابکدستی مہارت سے منہ ہی منہ میں بولیں۔ ''میں تم سے اندر جانے کو کہہ رہی ہوں۔''

جویا کو اماں کی بے وقت خشونت ناگوار گزری تاہم وقت کی نزاکت کے مدنظر وہ ساس اور سسر سے نظریں ملنے سے پہلے ہی تیزی سے اندر چلی گئی۔

امی نے بابا کو دیکھا اور نظروں ہی نظروں میں کہا۔ ''دیکھا آپ نے بہو کو؟''

''کوئی بات نہیں۔'' بابا نے انہیں نگاہوں ہی نگاہوں میں سمجھایا۔ ''ہم بات کو الجھانے نہیں، سلجھانے کے لیے آئے ہیں۔''

''السلام علیکم بہن!'' بابا نے بڑی گرم جوشی سے اماں سے کہا۔

''وعلیکم السلام۔'' اماں نے سرد مہری سے جواب دیا۔

''السلام علیکم۔'' امی نے سمدھن کے نزدیک پہنچتے ہوئے کہا۔

''وعلیکم السلام۔'' اماں کے لہجے میں وہی سرد مہری تھی۔

زوبا نے گھر آئے مہمانوں کو بصد ادب سلام کیا۔

''وعلیکم السلام...... جیتی رہو...... کیسی ہو بیٹی؟'' بابا نے زوبا کے سر پر ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔

امی کو زوبا کو دیکھ کر ناگوار سا احساس ہوا۔

اس معمولی سی لڑکی کی خاطر فرزین ان سے ناراض تھا۔

''آج بڑے لوگ ہم غریبوں کے گھر کا راستہ کیسے بھول گئے؟'' اماں نے استہزائیہ نگاہوں سے امی اور بیا کو دیکھا۔

''دیکھا!'' امی نے شاکی نگاہوں سے بیا کو دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں کہا۔ ''سنا آپ نے، کیسے طنز فرما گئیں آپ کی سمدھن۔''

''کوئی بات نہیں۔'' بیا نے نظروں ہی نظروں میں ان کی ڈھارس بندھائی پھر سمدھن سے بولے۔ ''آپ کا شکوہ بجا ہے لیکن کیا بتائیں بہن......''

''کچھ مت بتایئے...... مجھے سب معلوم ہے...... میں اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ آپ اس گھر سے لڑکی تو بیاہ کر لے گئے مگر آپ نے سمدھیانے کو کبھی اہمیت نہیں دی۔''

''ایسی کوئی بات نہیں۔''

''بالکل یہی بات ہے...... میں تو کرتی ہوں، صاف بات...... لگی لپٹی رکھتی نہیں...... میری صاف گوئی کسی کو بری لگتی ہے تو لگے۔''

زویا کو خفت سی ہونے لگی۔

یہ بھی بھلا کوئی تک تھی کہ اماں مہمانوں کو عزت و تکریم سے بٹھانے اور ان کی خاطر تواضع کرنے کے بجائے گلے شکووں میں لگ گئی تھیں۔

''پلیز! آپ لوگ اندر چل کر بیٹھیے تو سہی۔'' زویا نے بیٹھک کی طرف رہنمائی کرنے کی کوشش کی۔

''ہاں ہاں، بیٹی ضرور بیٹھیں گے بلکہ چائے بھی پئیں گے۔'' بیا نے خوش دلی سے کہا۔

''جی ضرور۔''

''ذرا ہماری بہو کو تو بلا دو بیٹی!''

''اسے چھوڑیے...... پہلے آپ بڑوں سے تو بات کرلیں۔'' امی نے کہا۔

بیا خجل سے ہو گئے۔

امی نے بیا کو دیکھا۔

''کوئی بات نہیں۔'' بیا نے پھر انہیں تسلی دی۔

زویا کی معیت میں امی اور بیا بیٹھک میں آ بیٹھے۔ اماں بھی ساتھ ساتھ تھیں۔

''آپ لوگ چائے اسٹرانگ پسند کریں گے یا......؟'' زویا نے پوچھا۔

''ہم اعتدال پسند لوگ ہیں بیٹی۔'' بیا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''نہ زیادہ اسٹرانگ ہو نہ......''

''جی بہتر۔''

زویا کے جانے کے بعد اماں، امی اور بیا نے دزدیدہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں اماں کی نگاہیں امی کی نظروں سے ٹکرا گئیں۔

''جب سے جویا گھر آئی ہے مسلسل روئے جارہی ہے۔''

''کیوں، خیریت؟''

''شاباش ہے بھائی صاحب۔'' اماں بولیں۔ ''پروفیسر ہو کر ایسی بات کرتے ہیں آپ...... لڑکی سسرال سے میکے آ کر روئے تو خیریت کا کیا سوال؟''

''بہن! ابھی تو ہم جاننا چاہتے ہیں کہ بات کیا ہے؟'' بیا انتہائی تحمل سے بولے۔

اماں یوں سنبھل بیٹھیں جیسے میدان میں اترا چاہتی ہوں۔

''خیر سے آپ لوگ بھی بیٹیوں والے ہیں۔'' اماں نے امی اور بیا دونوں کو دیکھتے ہوئے تمہید باندھی پھر بولیں۔ ''آپ کی بیٹیاں اپنی اپنی سسرال میں کتنی سختیوں اور نگرانی میں رہتی ہیں۔''

''میں سمجھا نہیں، آپ کی بات؟''

''کتنے ٹیلی فون ٹیپ کیے جاتے ہیں آپ کی بیٹیوں کے ان کی سسرالوں میں؟''

''کیا مطلب!'' بیا نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''انجان مت بنیے، آپ کے صاحب زادے بیوی کو اتنی سختی میں رکھتے ہیں کہ اس بے چاری کی مجھ سے فون پر بات چیت تک ٹیپ کرتے ہیں۔''

''یہ...... یہ آپ سے کس نے کہا؟'' بیا نے پھر تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے بے ساختہ چونکنے کا مظاہرہ کیا۔

''اس بحث میں پڑنے سے کوئی فائدہ نہیں کہ کس نے کہا اور کس نے نہیں کہا۔''

''اگر ایسا ہوا ہے تو برا ہوا ہے۔''

''آپ کا مطلب ہے، میں جھوٹ بول رہی ہوں؟''

''نہیں بہن، میرا مطلب خدانخواستہ یہ ہرگز نہیں۔''

''تو پھر آپ نے اگر کا لفظ کیوں استعمال کیا...... ایسا ہوا ہے۔'' اماں نے آخری فقرہ زور دے کر ادا کیا۔

''آپ کہتی ہیں تو ضرور ہوا ہوگا۔''

''میں کیا کہتی ہوں...... یقین نے جویا کو ٹیپ سنوائی ہے۔''

''اچھا!''

''جی ہاں۔'' اماں کے چہرے سے غصہ جھلک رہا تھا۔ ''اور پھر پابندی لگا دی بیوی پر کہ اب تم میکے نہیں جاؤ گی۔''

''ہمارے علم میں نہیں۔''

''دیکھیے بھائی صاحب، آپ کے علم میں ہو یا نہ ہو...... میں تو کرتی ہوں صاف اور کھری بات...... میری بیٹی کوئی جاہل اور گنوار تو ہے نہیں...... تعلیم یافتہ ہے...... کھاتی کماتی ہے...... اپنے قدموں پر کھڑی ہے...... بہت دن رہ لی وہ سختیوں میں...... اب نہیں رہے گی۔''

''سختیاں گنوایئے تو سہی۔'' امی نے ناگواری سے کہا۔

''گنوانے بیٹھوں گی تو رات بیت جائے گی۔'' اماں نے کہا اور پھر مزید بولیں۔ ''بھرے کنبے

میں لڑکی بتیس دانتوں میں زبان کی طرح رہتی ہے...... یہ سختی کیا کچھ کم ہے؟"

"توبہ...... توبہ...... ایسے تو نہ ہو کہیے آپ میرے گھر کو۔" امی برا مان گئیں۔

"بھئی، مجھے لگی لپٹی کی عادت نہیں...... میں تو کھری بات کرتی ہوں...... کسی کو بری لگتی ہے تو شوق سے لگے۔ اذیت دی جاتی ہے میری بچی کو...... مارا جاتا ہے اسے۔"

"غلط...... بالکل غلط۔" امی نے کہا۔

"میرا خیال ہے، ایسا کبھی نہیں ہوا۔" بابا نے امی کی تائید کی۔

"ہاں...... ہاں...... ہم تو ہیں ہی جھوٹے۔" اماں بپھر کر بولیں۔

"بہن! ان باتوں کی صفائی یقین اور جویا کے آمنے سامنے ہونے پر انحصار رکھے۔" بابا نے کہا۔

"میری بچی کس حال میں ہے...... صبح نوکری پر جاتی ہے اور شام کو آپ لوگ اسے باورچی خانے میں جھونک دیتے ہیں، ذرا رحم نہیں آتا آپ کو اس پر؟"

"اول تو کام اتنا نہیں، دوسرے مدحت اور ملازم لڑکا بھی ساتھ لگے رہتے ہیں۔" امی بولیں۔

"بہن!" بابا بولے۔ "میرا خیال ہے، یہ شکوے شکایتیں اور ان کی معافی تلافی بعد کے لیے اٹھا رکھی جائے۔ فی الحال تو آپ ہماری بہو کو بلوا دیجیے...... واپس جانا ہے کیونکہ بچی دوپہر سے ماں کے لیے بے چین ہے۔"

"جویا تو نہیں جائے گی۔" اماں دوٹوک لہجے میں بولیں۔

بابا نے چونک کر ان کی طرف دیکھا، تاہم امی کے چہرے کے تاثرات سے یوں لگا جیسے ان کے لیے سمدھن کی بات غیر متوقع نہ تھی۔

"میں سمجھا نہیں۔" بابا بولے۔

"یقین منہ چھپا کر کیوں بیٹھ گئے، انہیں آنا چاہیے تھا۔"

"وہ تو آ رہے تھے مگر ہم نے سوچا، ہم لے آتے ہیں اپنی بہو کو۔" بابا نے مصلحتاً غلط بیانی سے کام لیا۔

"وہی آئیں...... انہی سے بات ہوگی۔"

"اس کا مطلب ہے، ہماری کوئی اہمیت ہی نہیں۔" امی نے قدرے ناگواری سے کہا۔

اماں چپ رہیں۔

"بہن! فی الحال تو آپ ہماری بہو کو ہمارے ساتھ بھیجیے...... کل ان شاء اللہ العزیز ہم بہو بیٹے کے ساتھ دوبارہ حاضر ہوں گے اور آپ کے تمام گلے شکوے سنیں گے اور ان کے ازالے کی کوشش کریں گے۔"

"جب تک یقین نہیں آ جاتے، جویا نہیں جائے گی۔" اماں نے پھر کہا۔

"بچی پریشان ہوگی۔" بابا رسانیت سے بولے۔

"اس کی پریشانی کا خیال ہے تو اسے کسی کے ہاتھ بھجوا دیں یہاں۔"

"یہ کیا بات ہوئی بھلا۔" امی نے تیوری چڑھا کر کہا۔

بابا نے چپکے سے امی کا ہاتھ دبا کر انہیں بات نہ بڑھانے کی تلقین کی۔

امی نے تیز ترچھی نگاہوں سے بابا کو دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں بولیں۔ "بولنے کیوں نہیں دیتے آپ مجھے؟"

"بہن! ہم اپنی بہو کی اور آپ کی ہر جائز شکایت سنیں گے اور اس کے ازالے کی کوشش بھی کریں گے...... اگر قصور ہمارے بیٹے کا ہوا تو ہم آپ کے سامنے ہی اس کی خبر لیں گے۔"

اماں چپ رہیں۔

"اب تو آپ ہماری بہو کو بلوا دیجیے۔"

"جب آپ اپنے بیٹے کو لے آئیں گے تو وہ بھی سامنے آ جائے گی۔"

"چلیے ماسٹر صاحب، اٹھیے۔" امی کو تاؤ آ گیا اور وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

تبھی بھابی، مہمانوں کی تواضع کے لئے لوازمات کی ٹرے لیے بیٹھک میں داخل ہوئیں۔ چائے زویا لے کر آ رہی تھی۔

"السلام علیکم۔" بھابی نے کہا۔

"وعلیکم السلام۔" بابا نے ان کے سلام کا جواب مسکراتے ہوئے دیا۔

امی نے سلام کا جواب نہیں دیا اور دوبارہ ناگواری سے بولیں۔ "اٹھیے ماسٹر صاحب!"

"بیگم صاحبہ۔" بابا نے محبت سے امی کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "بیٹھیے۔" پھر ٹرے میں دھرے لوازمات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے۔ "انہیں یوں چھوڑ کر چلے جانا کفرانِ نعمت ہوگا۔"

"تشریف رکھیے آنٹی!" بھابی نے بڑی شائستگی سے کہا۔

"بیٹھیے...... بیٹھیے...... ہم غریبوں کی چائے تو پی کر جائیے۔" اماں بولیں۔

امی نے قدرے خشونت سے بابا کی طرف دیکھا۔

"دیکھا آپ نے سمدھن کو...... کیسے طنز و تشنیع کے تیر چلا رہی ہیں۔" امی نے بابا سے آنکھوں ہی آنکھوں میں شکایت کی۔

"بیٹھ جائیے۔" بابا نے امی کو بصد محبت دیکھتے ہوئے کہا پھر مسکراتے ہوئے بولے۔ "چائے اللہ تعالیٰ کی ایسی کراماتی نعمت ہے کہ دنیا کے بہت سے جھگڑے تو فریقین چائے کی ایک ایک پیالی پر چکا سکتے ہیں۔"

"بیٹھیے...... بیٹھیے...... چائے سے کیا ناراضگی۔" اماں بولیں۔

امی بادلِ ناخواستہ بیٹھ گئیں۔

دفعتاً اماں کی نظر بیٹھک کی ادھ کھلی کھڑکی کی طرف اٹھی تو جالی دار پردے کے پیچھے انہیں جویا کا چہرہ جھلکتا دکھائی دیا۔ وہ انکھیں اور مہمانوں سے کچھ کہے سنے بنا کمرے سے باہر چلی گئیں۔

"اللہ ایسی فرماں بردار بہو سب کو دے۔" امی نے سمدھن کی بہو کو توصیفی نگاہوں سے دیکھا۔

"شکریہ۔" بھابی نے کہا۔

"ہماری بہو بھی ماشاءاللہ بہت اچھی ہے۔" بابا بولے۔

بھابی معنی خیز انداز میں مسکرا دیں۔

باہر برآمدے میں اماں دبی دبی آواز میں جویا سے کہہ رہی تھیں۔ "تمہارے ساس سسر کی میں نے خبر لے لی ہے۔"

"بس اماں، اب اس سے زیادہ مت کہیے گا۔"

"ارے! میں تو ان کے دانت کھٹے کر دوں گی۔"

"اماں! یقین نے مجھے مارا تو خیر کبھی نہیں۔ آپ نے یہ کیوں کہہ دیا کہ مارا جاتا ہے۔"

"ارے بھئی، اپنا پلڑا یوں ہی بھاری کیا جاتا ہے۔" "اب تم بھی ڈٹی رہنا اس بات پر کہ مارا جاتا ہے۔"

"اماں! مجھے ان لوگوں کے ساتھ جانے دیں، مریم رو رہی ہوگی۔"

"وہی تو کمزوری ہے ان کی...... تم دیکھتی رہو، اس کی وجہ سے تو سو دفعہ آئیں گے یہ لوگ۔"

"اور اگر نہ آئے؟"

"کیسے نہیں آئیں گے...... بچوں کی وجہ سے اچھے اچھے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔"

زویا چائے کی ٹرے لیے ان کے نزدیک آ رکی تھی۔

"بالفرض نہ آئے تو؟"

"اوہو! جویا، ایک تو تم وہمی بہت ہو۔"

"کیا ہوا؟" زویا نے آہستہ سے پوچھا۔

"کتنی دفعہ سمجھایا ہے تجھے کہ بڑوں کی بات میں دخل مت دیا کر...... "اماں نے اسے گھورا۔

"سوری اماں۔"

"جا، چائے لے کر جا...... دلہن وہیں ہیں، کوئی الٹی سیدھی بات نہ کر دیں۔"

"بھابی ایسی نہیں ہیں اماں۔" زویا دھیرے سے بولی۔

"چپکی رہ...... بحث مت کیا کر۔" اماں نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"سوری اماں!"

زویا بیٹھک کی طرف چلی گئی۔

"اچھا دیکھو...... ان کے سامنے بالکل مت پڑنا...... سمجھیں؟"

جویا نے الجھی الجھی نگاہوں سے اماں کو دیکھا۔

"تم دیکھنا، شرطیہ دوبارہ آئیں گے۔" اماں نے بڑے وثوق سے جویا کو تسلی دی اور بولیں۔

"یقین آئے گا تو میں بس ایک ہی شرط رکھوں گی کہ الگ گھر بنائیں۔"

وہ قدرے مطمئن نظر آنے لگی۔

"بس اب تم اندر جاؤ...... چائے پی کر وہ لوگ جائیں گے تو تم پر نظر نہ پڑنے پائے ان کی۔"

جویا کچھا کچھی سی اماں کے کمرے کی طرف چلی گئی۔

اماں بیٹھک میں پلٹیں تو بابا بولے۔ "ارے بہن! ہم تو سمجھے تھے کہ آپ ہماری بہو کو لینے گئی ہیں۔"

"شکر ہے، آپ کو بہو کی قدر تو محسوس ہوئی۔" اماں کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"ارے صاحب! ہم تو اول دن سے اپنی بہو کے قدر دان ہیں...... کیوں بیگم صاحبہ صحیح کہہ رہا ہوں نا؟"

"اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔" اماں نے کسیلے لہجے میں کہا۔

امی نے منہ بناتے ہوئے جلدی جلدی چائے کے گھونٹ بھرے اور پیالی میز پر رکھ دی۔

بھابی اور زویا واپس چلی گئی تھیں۔

چائے پینے کے بعد بابا نے امید بھری نظروں سے اماں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "بہن! کیا حکم ہے اب ہمارے لیے؟"

"یقین کے سامنے آئے بنا بات نہیں ہوگی۔"

"اچھا...... جیسے آپ کی مرضی۔" بابا مایوس ہو کر بولے۔

امی اور بابا اٹھ کھڑے ہوئے۔

اماں انہیں رخصت کرنے کو اٹھیں۔

رسم مشایعت میں سرد مہری غالب رہی۔

☆-----☆-----☆

یقین کو واثق امید تھی کہ امی اور بابا گئے ہیں تو جویا کو ساتھ لے کر ہی لوٹیں گے...... ویسے بھی کوئی اتنی بڑی بات تو ہوئی نہیں تھی کہ جویا کی واپسی کی امید نہ ہوتی۔ جھگڑے ہر گھر میں اور ناراضگی سارے میاں بیویوں میں ہوتی رہتی ہے۔ یقین کو افسوس اس بات کا تھا کہ جویا نے اپنی ناسمجھی کے باعث گھر کی بات گھر سے باہر پہنچا دی تھی!

بجا کہ کسی غیر گھر نہیں اپنے میکے ہی۔

مگر اس کا اصل گھر تو اب اس کی سسرال ہی تھی۔

اس گھر کی بات باہر جانے میں سسرال والوں کی ہی نہیں، اس کی اپنی بھی رسوائی تھی۔

یقین دل میں تہیہ کیے بیٹھا تھا کہ جویا گھر واپس لوٹے گی تو دو چار دن اس سے بالکل بات نہیں کرے گا اور اپنی خاموشی، سرد مہری اور ناراضگی سے اسے یہ احساس دلائے گا کہ اس نے اس کی حکم عدولی کر کے اچھا نہیں کیا تھا۔

ہاں، یہ حکم عدولی ہی تو تھی کہ اس نے کہا نہ میں تمہیں تمہارے میکے لے کر جاؤں گا نہ تم خود جاؤ گی اور وہ آپ ہی آپ میکے جا پہنچی۔

حکم عدولی ہی نہیں، سرکشی تھی یہ۔

اور عورت کی سرکشی کمزور سے کمزور مرد کو بھی نہیں بھاتی۔

عورت کو عورت بن کر رہنا چاہیے۔

مرد کے منہ کو نہیں آنا چاہئے۔

امی اور پپا کے جانے کے بعد ان کی واپسی تک وہ اپنی ہی سوچوں میں غوطہ زن چشم تصور سے عجب تماشے دیکھتا رہا۔

کبھی جویا نادم نادم سی اس کے سامنے آ کھڑی ہوتی اور خجالت سے کہتی۔ "آئی ایم سوری۔"

وہ اسے گھور کر دیکھتا اور اس کی طرف سے رخ پھیر لیتا۔

وہ اس کے عقب سے اس کے گلے میں اپنی بانہیں حمائل کر دیتی اور خفت سے کہتی۔ "اے جی! کیا بہت خفا ہیں مجھ سے؟"

وہ گردن موڑ کر نگاہ اوپر اٹھاتے ہوئے غصے سے اسے دیکھتا اور کسیلے لہجے میں کہتا۔ "نہیں..... بہت خوش ہوں..... میرا سر فخر سے اونچا کر دیا ہے آپ نے۔"

"پلیز! غصہ تھوک دیں۔"

"دور ہٹو۔" وہ اس کی بانہوں کے حصار کو توڑنے کی کوشش کرتا۔

"پلیز!" وہ گڑگڑانے لگتی اور اس کے گلے میں اپنی بانہوں کا حصار اور تنگ کر دیتی۔

"تنگ مت کرو۔" وہ زچ ہو کر کہتا۔

وہ اس کی گردن کے گرد اپنی بانہوں کا گھیرا توڑ دیتی اور دونوں ہاتھ جوڑتی اس کے سامنے آ کھڑی ہوتی۔ "پلیز! معاف کر دیں۔"

وہ گھور کر ناگواری سے اسے دیکھتا۔

جویا اپنی مسکراہٹ سے اسے لبھانے کی کوشش کرتی۔

وہ بیزاری سے منہ بناتا ہوا اٹھتا اور کھڑکی کے نزدیک جا کھڑا ہوتا۔

"اے جی!" جویا اس کے نزدیک آ کر اس کا بازو تھامتے ہوئے بڑے پریم سے کہتی۔

وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر مسہری کی طرف بڑھتا اور بستر پر لیٹ کر اپنا بازو موڑ کر آنکھوں پہ ڈھانپ لیتا۔

جویا اس کے پاس آ بیٹھتی اور اس کے سینے پر اپنا سر رکھ کر گنگنانے لگتی۔

روٹھے ہو تم
تم کو کیسے مناؤں پیا
بولو نا..... بولو نا......

وہ کروٹ بدل کر پڑ جاتا۔

جویا ہار نہ مانتی۔

گنگناہٹ جاری رکھتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کر مسہری کے دوسرے کنارے پر جا بیٹھتی۔

"کیا ہے؟" وہ اسے گھورتا۔

"معاف کر دیں نا۔" وہ لجاجت سے کہتی۔

وہ اٹھ بیٹھتا اور اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے ہوئے اسے خشونت سے دیکھنے لگتا۔

جویا نظریں چرانے لگتی۔

"پتا ہے، کتنا شرمندہ ہوا ہوں تمہاری وجہ سے میں اپنے گھر والوں کے سامنے!"

وہ شرمندگی سے سر جھکا لیتی۔

"جاؤ..... اپنی اماں کے ہاں جاؤ۔"

"دھکے بھی دیں گے تو نہیں جاؤں گی۔"

"تمہیں احساس ہے کہ دن بھر کتنی کوفت میں مبتلا رہا ہوں میں!"

"سوری!" وہ سر جھکا کر کہتی۔

"اونہہ! سوری!" وہ دانت کچکچاتے ہوئے کہتا۔ "تم سمجھتی ہو تمہارے سوری کہہ دینے سے میری کوفت کا ازالہ ہو جائے گا؟"

وہ اپنا سر اور جھکا لیتی۔

وہ اسے برا بھلا کہتا رہتا۔

جویا کا سر جھکتے جھکتے اس کے شانے پر آ ٹکتا۔

وہ چپ ہو جاتا اور اس کی گھنی زلفوں کی بھول بھلیوں میں گم ہو کر آنکھیں موند لیتا۔

مگر.....

آنکھ کھلنے پر اسے پتا چلا کہ امی اور پپا خالی ہاتھ لوٹے تھے۔

اسے تاؤ بھی آیا، کوفت بھی ہوئی۔

پپا نے کہا۔ "میاں! تمہاری ساس نے تمہیں بلایا ہے۔"

"کیوں؟" وہ تیور بگاڑ کر بولا۔

"کچھ گلے شکوے ہیں انہیں تم سے وہی کرنا چاہتی ہیں۔"

"ہوں!" اس نے سر کو زور سے جھٹکا دیا۔

"تمہاری ساس کو شکایت ہے کہ تم ان کی بیٹی کو مارتے پیٹتے ہو۔"

"بکواس کرتی ہیں وہ۔" اس نے غرا کر کہا۔

"بری بات بڑوں کے لئے اس طرح بات نہیں کرتے۔" پپا نے ٹوکا۔ "اچھا یہ بتاؤ تم نے ان کے ٹیلی فون کیوں ریکارڈ کیے؟"

"انہیں آئینہ دکھانے کے لئے۔" وہ زہر خند لہجے میں بولا۔

پپا دھیرے سے مسکرا دیئے۔ پھر متحمل لہجے میں بولے۔ "بیٹا! ہر آدمی کو آئینے میں صرف اپنا ہی چہرہ سیدھا دکھائی دیتا ہے۔ دوسرے کا چہرہ کتنا ہی خوشنما کیوں نہ ہو تھوڑا بہت ٹیڑھا ضرور معلوم ہوتا ہے۔"

یقین ان کی طرف یوں دیکھنے لگا جیسے ان کی بات سے اسے اتفاق نہ ہو۔

"تجربہ کر کے دیکھ لو۔" پپا بولے۔

یقین نے شانے اچکائے پھر شاکی نظروں سے پپا کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ کا مطلب

ہے وہ بہت نیک...... بہت اچھی ہیں۔"

"بات نیک و بد کی نہیں۔"

"تو پھر؟"

ببا یقین کے نزدیک آ کھڑے ہوئے اور اس کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے دلسوز انداز میں بولے۔ "میاں! کس کس کو...... کب کب...... اور کہاں کہاں آئینہ دکھاتا پھرے آدمی۔"

"کم از کم ان لوگوں کو تو دکھا ہی دیا جائے جن کے ساتھ قید زندگی جھیلنا ہو۔"

ببا کے چہرے پر پہلے سے زیادہ گہری مدبرانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بیٹے!" وہ دھیرج سے بولے۔ "جن کے ساتھ زندگی گزارنی ہو، ان کے بہت سے اسقام سے نظر پوشی کرنی پڑتی ہے۔ اسقام کا مطلب سمجھتے ہو میاں؟"

یقین نے نفی میں سر ہلایا۔

"سقم کی جمع ہے اور اس کا مطلب ہے برائیاں، عیوب، نقائص۔"

"برائیوں اور عیوب سے نظر پوشی کی جائے تو سامنے والا شخص نظر پوشی کرنے والے کو بدھو یا بزدل ہی سمجھتا رہتا ہے۔"

"لیکن ایک نہ ایک دن اسے یہ تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے کہ اس کے عیوب سے نظر پوشی کرنے والا بدھو یا بزدل نہیں اعلیٰ ظرف ہے۔"

یقین کے لبوں پر دھیمی مگر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک!"

"ایسی بھی کیا بے اعتباری صاحب زادے!" ببا نے توقف کیا پھر بولے۔ "زندگی بے اعتباری سے نہیں، یقین اور بھروسے سے نمو اور حسن پاتی ہے۔"

"شاید، ہمیشہ تو ایسا نہیں ہوتا...... یقین اور بھروسے کی نقابیں کھینچنے پر کبھی کبھی بڑے مکروہ چہرے نکلتے ہیں۔"

"ہاں۔" ببا نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ایسا بھی ہوتا ہے کبھی کبھی...... بلکہ اکثر۔"

یقین اپنی بات کی تائید پر مغرور سا نظر آنے لگا۔

"اسی لیے......" ببا نے لحظہ بھر توقف کرنے کے بعد مزید کہا۔ "نقاب کھینچنے کے بجائے عافیت اکثر اسی خوش گمانی میں ہوتی ہے کہ پس پردہ کوئی خوش رو ہوگا۔"

"یعنی ساری زندگی آدمی خود کو فریب دیتا رہے!"

"خود فریبی کے سہارے ہی سہی، زندگی چین سے گزر جائے تو سودا مہنگا نہیں۔"

یقین بے یقینی سے ببا کو دیکھنے لگا۔

"یہ آپ کہہ رہے ہیں ببا! آپ...... جو قدم قدم پر ہمیں نیک و بد اور غلط اور صحیح میں تمیز رکھنے کا درس دیتے رہے ہیں۔"

ببا ایک مرتبہ پھر اسی تدبر اور دانش مندی سے مسکرا دیے

"بیٹا! زندگی دو اور دو چار کے اصول سے نہیں گزاری جاتی۔ زندگی فلیکسبلٹی یا لچک کی متقاضی ہوتی ہے...... لچک نہ ہو تو زندگی ضرب کھاتے ہوئے آئینے کی طرح تڑخ جاتی ہے...... بلکہ...... کبھی کبھی پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔ زندگی سے بہت ٹیکٹ فلی نمٹنا پڑتا ہے میاں۔"

"دوسروں کی برائیوں سے نظر پوشی کر کے۔" یقین کے لہجے میں استہزا بھی تھا اور دبی دبی سی احتجاجی کیفیت بھی۔

"کوئی حرج نہیں بیٹا۔" ببا نے رسانیت سے کہا۔

"اگر آپ اپنے کانوں سے سن لیں نا کہ آپ کی بہو اور ان کی والدہ محترمہ ہم لوگوں کے بارے میں کتنی بدتمیزی سے بات کرتی ہیں تو......"

"تو......؟" ببا نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تو ان کی صورتیں دیکھنے کے روادار نہ رہیں۔"

"بیٹا! میرا تمہارے اس خیال سے متفق ہونا ضروری نہیں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ مجھے جن لوگوں سے تعلق رکھنا مقصود ہو، انہیں میں ان کی تمام اچھائیوں اور تمام برائیوں سمیت قبول کرتا ہوں۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" یقین نے توقف کیا پھر بولا۔ "جن سے تعلق رکھنا ہو انہیں یہ ضرور بتانا چاہیے انہیں کہ تم میں یہ اچھائی ہے اور یہ برائی؟"

"کرتا ہوں...... یہ بھی کرتا ہوں...... حتی المقدور اصلاح احوال کی کوشش بھی کرتا ہوں لیکن جہاں مجھے یہ اندیشہ ہو کہ میری کوشش اصلاح احوال، حالات کو سدھارنے کے بجائے بگاڑ بھی سکتی ہے وہاں میں اللہ رب العزت کے حضور اپنی بے بضاعتی کا اعتراف کرتے ہوئے مالک حقیقی سے دعا کرتا ہوں کہ وہی اصلاح احوال کی کچھ صورت نکالے۔"

"میں نے بھی اصلاح احوال ہی کی کوشش کی ہے۔ لوگ برا مان گئے ہیں تو مانیں۔"

"عزیزم!" ببا نے یقین کے شانے پر پھر اپنا ہاتھ دھرتے ہوئے دلسوز لہجے میں کہا۔ "دوسروں کی اصلاح احوال اس دنیا کا مشکل ترین کام ہے...... جراحی اور شیشہ گری سے بھی زیادہ خطرناک اور حساس کام ہے یہ...... بہت دھیرے دھیرے اور نزاکت سے کیا جانا چاہیے ورنہ اصلاح کے بجائے انتشار پیدا ہو جاتا ہے...... تم نے بہو اور ان کی والدہ کی ٹیلی فون کالز ریکارڈ کر کے اور پھر ٹیپ بہو کو سنوا کر اچھا نہیں کیا...... سامنے تو سامنے اب تمہارے پیچھے بھی بہو تم سے خائف رہیں گی۔"

"اچھا ہے نا...... یہی تو میں چاہتا ہوں۔"

"نہیں بیٹے...... اگر کوئی خوف کے مارے آپ کے خلاف کچھ نہ بولے تو یہ تو کوئی بات نہیں۔ تعریف کی بات تو یہ ہے کہ آپ کی محبت دوسروں کو آپ کی عزت اور اطاعت پر مجبور کر دے...... مرد کی بڑائی اسی میں ہے کہ وہ اپنے حسن سلوک سے عورت کے دل میں اپنی ایسی محبت پیدا کر دے کہ ساری دنیا بھی اگر اس مرد کے خلاف ہو تو وہ ایک عورت ساری دنیا کے مقابلے پر ڈٹ کر کھڑی ہو

جائے اور علی الاعلان اپنے مرد کی اچھائی کی گواہی دے۔"

یقین کچھ شرمسار، کچھ قائل سا دکھائی دینے لگا۔

"بیٹا! قاضی صاحب کوئی جادو پڑھ کر تو پھونک نہیں دیتے ہیں کہ جس سے دو یکسر اجنبی گھرانوں کے لڑکے اور لڑکی میں رشتہ ازدواج قائم ہو جاتا ہے...... باہمی الفت اور انسیت، ایک دوسرے پر اعتماد اور بھروسا انہیں حقیقی معنوں میں ایک دوسرے کا شریک زندگی بناتے ہیں...... پورب کی دلہن پچھم کے دولہا کی ایسے ہی اسیر تھوڑی ہو جاتی ہے۔ مرد اپنے حسن سلوک سے اس کے دل میں اپنی محبت پیدا کر کے اسے اپنا مطیع بناتا ہے...... عورت کو اپنا بنانے کے لئے مرد کو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے صاحب زادے...... کبھی اس کی کسی کوتاہی اور خامی سے نظر پوشی کرنا پڑتی ہے، کبھی اس کی ذرا سی اچھائی پر اسے دل کے سنگھاسن پر بٹھانا پڑتا ہے۔"

"سب کچھ مرد ہی کرے...... عورت کچھ نہ کرے۔" یقین شاکی لہجے میں بولا۔

"نہیں...... عورت کا کام تو مرد سے بھی زیادہ مشکل ہے...... اسے تو مرد کو اپنا بنانے کے لئے کبھی اپنے حسنِ کردار کو کام میں لانا پڑتا ہے، کبھی حسنِ سلیقہ کو...... کبھی وہ محبت سے کام لیتی ہے، کبھی ناز و انداز سے...... کبھی اسے ریاضت کرنی پڑتی ہے، کبھی اطاعت...... عورت کو تو مرد کے دل کو تسخیر کرنے کے لئے سوا لاکھ حربے آزمانے پڑتے ہیں...... پھر بھی......" ببا نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

"پھر بھی!" یقین نے استفہامیہ نظروں سے ببا کو دیکھا۔

ببا کچھ متردد سے دکھائی دینے لگے۔

یقین بدستور انہیں استفہامیہ نظروں سے دیکھتا رہا۔

"آپس کی بات ہے۔" ببا سرگوشی کرنے کو جھک گئے پھر بولے۔ "عورت بے چاری کے ہزار جتن کرنے کے باوجود ہماری برادری کے بعض مرد عورت کے نہیں بنتے۔"

"بے چاری!" یقین نے تلخی سے ببا کا لفظ دہرایا پھر خوابِ خرگوش میں گم مریم پر نظر ڈالتے ہوئے سر جھٹک کر بولا۔ "اپنی اولاد کی بھی پروا نہیں کرتی۔"

تبھی امی جو مدحت بجیا کو یقین کی سسرال کا احوال سنانے بیٹھ گئی تھیں۔ بجیا کے ہمراہ یقین کے کمرے میں داخل ہوئیں اور بولیں۔ "ماسٹر صاحب! دیر ہو رہی ہے، کب جائیں گے آپ لوگ؟"

"چلو بیٹا چلتے ہیں۔" ببا نے یقین کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"کہاں؟" وہ چونکا۔

"تمہاری سسرال۔"

"کیوں؟" یقین منہ بناتے ہوئے بولا۔

"دلہن کو لینے اور کیوں؟" ببا کے کچھ بولنے سے پیشتر ہی امی نے کہا۔

"جی نہیں...... میں کہیں نہیں جاؤں گا۔" یقین نے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔

"کیوں؟ کیوں نہیں جاؤ گے؟" امی نے کہا۔

"وہ خود گئی ہے، خود آئے گی۔"

"تم اس گمان میں بھی نہ رہنا۔" امی بولیں۔ "گھر کے بڑے گئے، جب ان کے ساتھ نہ بھیجا تمہاری ساس نے بچی کو تو...... بلکہ انہوں نے تو بچی کو ہمارے سامنے تک نہ آنے دیا۔"

"آپ لوگ گئے کیوں...... آپ کو جانا ہی نہیں چاہئے تھا۔"

"کیا اپنے پرایوں کو ہنسانا چاہتے ہو...... کیا کہیں گے لوگ کہ بہو رخصتی نہ آئی۔" امی بولیں۔

"مجھے کسی کی پروا نہیں۔"

"کسی کی نہیں، اس معصوم کی تو پروا کرنی ہی پڑے گی تمہیں۔" امی نے مریم کے نزدیک جا کر بہت دھیرے سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"تمہاری امی ٹھیک کہتی ہیں بیٹے۔" ببا نے تائید کی۔ "اولاد کا خیال کرنا پڑتا ہے۔"

"ٹھیک ہے...... پال لیں گے۔" اس کے انداز میں ایک سرفروشانہ کیفیت تھی۔

"بچوں کو ماں اور باپ دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔" امی نے سمجھایا۔

"بلکہ اکثر ماں کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے بچے کو۔" ببا نے کہا۔

"جن کی مائیں مر جاتی ہیں، وہ بھی تو پل ہی جاتے ہیں۔" یقین بولا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو بیٹا؟"

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں امی۔" وہ منہ بگاڑ کر بولا۔

"اچھا خیر...... تم اپنے ببا کے ساتھ جاؤ اور دلہن کو لے آؤ۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا، کس قسم کے لوگ ہیں آپ۔" اس نے ناگواری سے کہا۔

امی اس کا منہ دیکھنے لگیں۔

"وہ خود گئی ہے، خود آئے گی۔"

"میں تمہاری یہ بات پہلے بھی سن چکی ہوں اور یہ بھی کہہ چکی ہوں تم سے کہ وہ خود نہیں آئے گی۔"

"نہ آئے۔"

"بری بات بیٹا...... چھوٹی چھوٹی باتوں کو یوں نہیں بڑھایا کرتے۔" امی پیار سے بولیں۔

"چھوٹی بات! آپ اسے چھوٹی بات کہہ رہی ہیں...... وہ میرے منع کرنے کے باوجود وہاں چلی گئی، نہ صرف چلی گئی بلکہ جا کر بیٹھ گئی وہاں...... آپ لوگ گئے، آپ کے ساتھ نہیں آئی...... اب میں اسے لینے کے لئے جاؤں...... نو...... نیور۔"

امی نے بے بسی سے ببا کی طرف دیکھا۔

"چلو بیٹا...... چلتے ہیں۔" ببا نے یقین کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"خدا کے واسطے ببا...... مجھے مجبور مت کیجئے۔"

"تمہاری ساس نے شرط رکھی ہے کہ جب تک تم نہیں آؤ گے، وہ جویا کو نہیں بھیجیں گی۔"

"شرط!" وہ غصے سے بولا۔ "شرط رکھی ہے انہوں نے؟" اس نے پل بھر توقف کیا پھر ناگواری سے بولا۔ "انہیں تو شرمندہ ہونا چاہئے کہ بیٹی کو الٹی سیدھی پٹیاں پڑھاتی رہتی ہیں۔"

"جو ہوا، اس پر خاک ڈالو...... سسرال جاؤ اور دلہن کو گھر لے آؤ۔" امی نے کہا۔

"میں نے کہہ دیا نا نہیں جاؤں گا۔"

"اور یہ بچی جو دن بھر ہڑکتی رہتی ہے ماں کے لئے۔"

"دو چار دن میں عادی ہو جائے گی۔"

"اور تم...... تم کیا کرو گے؟"

"چین سے رہوں گا۔"

"بیٹا...... ضد مت کرو...... گھر بار نہیں بستے۔"

"مجھے بار بار بسانے کی ضرورت بھی نہیں...... میرے لئے یہی ایک تجربہ بہت ہے۔"

امی بیٹھ گئیں اور انہوں نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا، پھر سسکنے لگیں۔

مدحت بجیا انہیں تسلی دینے لگیں۔

یقین کچھ خفیف سا ہو کر امی کے پاس آ بیٹھا اور ان کے شانوں پر اپنا بازو دراز کرتے ہوئے بولا۔

"آپ پریشان مت ہوں۔"

اچانک نگہت کی آواز نے ان سب کو چونکا کر دروازے کی سمت متوجہ کر لیا۔

"السلام علیکم!" وہ دروازے پر اپنی دونوں بچیوں کے ساتھ ٹھٹکی کھڑی تھی۔

"وعلیکم السلام۔" صرف بجیا نے اس کے سلام کا جواب دیا۔

"خیریت تو ہے؟" وہ ایک ایک کا منہ تشویش سے دیکھتی آگے بڑھی۔ دونوں بچیاں مدحت کی طرف لپک چکی تھیں۔

نگہت کو اس کے سوال کا کوئی جواب نہ ملا۔

"کیا بات ہے امی؟" اس نے امی کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

امی دوپٹے سے منہ ڈھانپ کر رونے لگیں۔

"کیا ہوا بجیا؟" نگہت پریشان دکھائی دینے لگی۔

"جویا اپنے گھر چلی گئی ہیں۔" بجیا نے دھیرے سے بتایا۔

"کیوں؟"

"ناراض ہو کر۔"

"ارے! تو اس میں رونے کی کیا بات ہے امی؟" نگہت نے کہا اور نظر اٹھا کر یقین کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولی۔ "دوبارہ چانس مل جائے گا بھائی کو۔"

یقین نے تیوری چڑھا کر اسے دیکھا۔

جویا نے بارہا اس سے نگہت کی ناخلقی کی شکایت کی تھی اور وہ ہمیشہ ہی ٹال جایا کرتا تھا مگر اس

وقت اسے یوں لگا جیسے نگہت کے بارے میں جویا کی تمام شکایات بجا اور درست تھیں۔

"کیا بکواس ہے۔" اس نے نظر بگاڑ کر نگہت سے کہا۔

نگہت کی مسکراہٹ آن کی آن کافور ہو گئی اور اس کا منہ بن گیا۔

بجیا نے صورت حال فوراً بھانپ لی۔

"بیٹی! اکیلی آئی ہو یا افتخار میاں کے ساتھ؟" بجیا نے موقعے کی نزاکت کے پیش نظر موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"جی...... وہ بھی آئے ہیں۔"

"کہاں ہیں؟"

"لاؤنج میں۔"

"اٹھیے بیگم صاحبہ۔" بجیا نے امی سے کہا۔

امی نے بھیگی آنکھوں سے بجیا کو دیکھا۔

"چلیے...... افتخار میاں آئے ہیں۔" بجیا نے امی کا بازو پکڑ کر انہیں اٹھنے میں مدد دی۔

امی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

نگہت نے یقین کو قدرے خشونت سے دیکھتے ہوئے دروازے کا رخ کیا۔

یقین کے سوا سبھی آگے پیچھے کمرے سے چلے گئے۔

وہ کمرے میں تنہا رہ گیا۔

سناٹا اس کی رگوں میں سنسناہٹ بن کر نفوذ کرنے لگا۔

اسے یوں لگا، جیسے وہ دنیا میں یکہ و تنہا رہ گیا تھا۔

خدایا!

کتنا سناٹا تھا!

اور کس قدر تنہائی!

کمرے کی جان لیوا خاموشی میں اس کی نظریں ٹامک ٹوئیاں مارنے لگیں۔

دفعتاً اس کی نگاہیں کارنس پر دھری تصویر پر جا رکیں۔

یہ اس کی اور جویا کی شادی کی تصویر تھی!

مجسم تصور نے زنگ سے یادوں کا ایک در کھول دیا۔

وہ کھو سا گیا۔

روشنیاں، خوشبوئیں، قہقہے اور...... جویا!

بہت دیر وہ ماضی کی یادوں میں گم سا رہا۔

یادوں کا یہ سلسلہ ٹوٹا تو اس نے جویا کو موجود نہ پایا۔

اس کا دل مضطرب ہو کر رہ گیا۔

اسے یوں لگا، جیسے ایک جویا کے اس گھر سے چلے جانے سے ساری دنیا خالی ہو گئی تھی!

وہ چند ثانیے، ٹکٹکی باندھے تصویر کو دیکھتا رہا پھر اس نے اپنی آنکھوں کو دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور انگلیوں سے دباتے ہوئے ایک گہری سانس کھینچی اور دوبارہ آنکھیں کھول کر مریم کی طرف بڑھ گیا جو گہری نیند سو رہی تھی۔

جھک کر اس نے بہت آہستگی سے مریم کی پیشانی کو بوسہ دیا اور دھیرے دھیرے اس کے سر پر اپنا ہاتھ پھیرنے لگا۔

"سالی [illegible]! عورت! معصوم بچی کا بھی خیال نہیں۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔

مریم کلبلائی۔

اس نے دھیرے سے اپنا ہاتھ اس کے سر سے ہٹا لیا اور تھکا تھکا سا مسہری کے کنارے پر ٹک گیا۔

لاؤنج میں افتخار احمد امی سے کہہ رہے تھے۔ "امی جان! طبیعت کچھ خراب معلوم ہوتی ہے آپ کی؟"

"ہاں..... بس ذرا سر میں تکلیف ہے۔" امی نے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا۔

امی نہیں چاہتی تھیں کہ افتخار احمد پر گھر کی بات کھلے۔ داماد کتنے ہی شریف اور بھلے کیوں نہ ہوں، بیٹی کو طعن و تشنیع سے بچائے رکھنے کو دامادوں سے بہت سی باتیں چھپانی پڑتی ہیں۔ سو امی نے بھی یقین کے کمرے سے نکل کر لاؤنج کی طرف آتے ہوئے سب کو ہدایت کر دی تھی کہ جویا کے میکے چلے جانے کا قصہ افتخار احمد سے راز رکھا جائے۔

گھر کی صورت احوال افتخار احمد پر نہ کھلنے دینے کی خاطر نگہت زیادہ دیر میکے میں نہیں رکی اور بچیوں کے جوتے خریدنے کے بہانے افتخار کو جلد اٹھا لے گئی۔

ان کے جانے کے بعد امی نے بابا سے کہا۔ "یقین نے تو صاف انکار کر دیا جانے سے۔ اب بتائیے کیا کریں؟"

"ہوں!" بابا سوچ میں پڑ گئے۔

"تب سے مجھے یہ دھڑکا لگا ہوا تھا۔" امی نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"میں اور آپ چلیں بابا؟" بجیا بولیں۔

"ابھی تو آئے ہیں، ہم وہاں سے..... دلہن کی اماں ضدی عورت معلوم ہوتی ہیں۔ یقین کے جائے بغیر وہ نہیں بھیجیں گی بیٹی کو۔" امی نے کہا۔

"تمہاری امی ٹھیک کہہ رہی ہیں بیٹی۔"

"کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے؟"

"حرج تو کوئی نہیں۔"

"تو پھر چلیے۔"

"اجازت ہے بیگم صاحبہ!" بابا نے امی کی طرف دیکھا۔

"اچھی طرح سوچ سمجھ لیجیے..... سمدھن کے تیور تو آپ دیکھ ہی آئے ہیں۔"

"ایسے موقعوں پر کسی کے تیور دیکھنے کے بجائے مصلحت پر نظر رکھنی چاہیے۔"

"یقین سے ایک دفعہ اور پوچھ لیجیے..... شاید وہ راضی ہو جائیں جانے کو۔"

"امی، آپ یقین کو اچھی طرح جانتی ہیں..... انہیں غصہ یا تو آتا نہیں اور جب آتا ہے تو خوب آتا ہے۔ پھر اپنی ضد کے آگے وہ کسی کی نہیں سنتے۔"

امی کے چہرے سے تائید کی کیفیت جھلکنے لگی۔

"چلیے بابا..... فی الحال تو ہم دونوں چلتے ہیں..... اللہ مالک ہے۔"

"وہ لوگ سوچیں گے، اب کیسے لپک لپک کر آ رہے ہیں یہ لوگ۔" امی کے لہجے سے خجالت جھلک رہی تھی۔

"کچھ ایسا غلط بھی نہیں سوچیں گے وہ لوگ۔" بابا نے کہا۔

امی اور بجیا دونوں نے چونک کر استفہامیہ نظروں سے بابا کی طرف دیکھا۔

بابا امی کے نزدیک بیٹھ گئے اور انتہائی تحمل لہجے میں بولے۔ "ہمارے ہاں شادی دو افراد نہیں، دو گھرانوں کا ملن ہوتا ہے۔ رشتہ ازدواج میں بندھنے والے لڑکا اور لڑکی اگر ایک ہی خاندان کے ہوں تو خیر لیکن اگر ان کا تعلق دو مختلف خاندانوں سے ہو تو نئے رشتے کی پائیداری اور استحکام کے لیے دونوں گھرانوں میں میل جول اور ربط ضبط زیادہ رہنا چاہیے تاکہ دونوں گھرانوں کے افراد ایک دوسرے کو سمجھیں اور تعلقات مضبوط سے مضبوط تر ہوں..... لیکن..... دیکھنے میں آ رہا ہے کہ لڑکے اور لڑکی کی شادی کے بعد دونوں گھرانے ایک دوسرے کے نزدیک آنے کے بجائے عموماً ایک دوسرے سے دور ہو جاتے ہیں۔ لڑکی والے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ بس ہمارا تعلق تو داماد سے ہے اور صرف اسی سے رہنا چاہیے اور لڑکے والے یہ سوچ لیتے ہیں کہ ہمیں اپنی بہو سے مطلب، اس کے گھر والوں سے کیا سروکار۔ نتیجتاً دونوں گھرانوں کے مابین خلیج حائل ہوتی چلی جاتی ہے اور تعلقات مضبوط ہونے کے بجائے کمزور ہوتے چلے جاتے ہیں۔" بابا نے لمحہ بھر کو توقف کیا پھر بولے۔ "ہمارے ہاں بھی یہی ہوا ہے۔ بہو گھر لانے کے بعد ہم نے بہو کے گھر والوں سے تعلقات بڑھانا تو کجا برقرار رکھنے کی کوشش بھی نہیں کی لہٰذا اگر بہو کی والدہ شکوہ کریں تو بجا ہوگا۔"

"انہوں نے تو جیسے بہت کوشش کی تعلقات برقرار رکھنے کی۔" امی شاکی لہجے میں بولیں۔

"اس سے بحث نہیں کہ انہوں نے کوشش کی یا نہیں کی..... ہم نے اگر کی ہوتی تو اب اس وقت دوبارہ وہاں جانے میں خجالت محسوس نہ ہوتی۔"

"ماسٹر صاحب! قریبی رشتے داروں کی خیر خبر لینے کا وقت نہیں ملتا تو آدمی سمدھیانے والوں کے ہاں چکر کیونکر لگاتا پھرے۔"

"بیگم صاحبہ! ہمارے بزرگ بھی تو آخر یہ وضع داریاں نبھاتے ہی تھے۔"

"وہ زمانہ اور تھا ماسٹر صاحب..... لوگوں کے پاس وقت تھا، فرصت تھی..... اب زندگی مصروف ہو گئی ہے۔"

"زندگی ہمیشہ ہی سے مصروف ہے بیگم صاحب..... اور زمانہ بھی اب بھی زمانہ ہی ہے..... ہم بدل گئے ہیں۔"

"ہم بدل گئے ہیں!" امی نے وضاحت طلب نظروں سے بابا کی طرف دیکھا۔

"جی ہاں..... ہم خود غرض ہو گئے ہیں..... دلوں میں مطلب پرستی نفوذ کر گئی ہے..... جس گھر سے بہو لاتے ہیں وہ اس گھر کا راستہ بھول جاتے ہیں اور جس گھر میں اپنی بیٹی دیتے ہیں وہ اس گھر کے سارے راستے اپنے گھر کی طرف موڑ دیتے ہیں۔"

"اوہو! آپ پھر لیکچر دینے بیٹھ گئے..... جانا ہے تو جائیے۔"

"چلیں بیٹی!"

"جی بابا۔"

"کہاں جا رہے ہیں آپ لوگ؟" یقین کی آواز نے امی، بابا اور بجیا تینوں کو چونکا دیا۔

"جویا کو لانے۔" بجیا بولیں۔

"کوئی ضرورت نہیں۔" وہ غصے سے بولا۔

"پاگل ہو گئے ہو۔" بجیا نے کہا۔

"بیٹا!" امی رسانیت سے بولیں۔ "بچھڑے کو بیے اور روٹھے کو منائے بغیر گزارا نہیں ہوتا۔"

"رہنے دیجئے اسے وہیں..... چھوڑ دیجئے اسے اس کے حال پر..... چار دن میں دماغ ٹھکانے آ جائیں گے اس کے۔"

بابا نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے یقین کو خاموش رہنے کا اشارہ دیا اور بجیا کی جانب دیکھتے ہوئے بولے..... "چلو بیٹی۔"

یقین کو دزدیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بجیا بابا کے ہمراہ ہو لیں۔

☆=====☆=====☆

"بہت برا کیا تم نے۔" ابا نے اماں سے کہا۔ "اس گھر میں یقین کی حیثیت ماں باپ سے بڑھ کر تو نہیں ہو سکتی..... ساس سسر آئے تھے جویا کو لینے کے لئے تو بھیج دیا ہوتا بیٹی کو ان کے ساتھ۔"

ابا کو جویا کی فکر رات نو بجے ہی گھر واپس کھینچ لائی تھی۔

"جب تک کوئی فیصلہ نہ ہو جائے، کیسے بھیج دیتی۔" اماں تیور بگاڑ کر بولیں۔

"فیصلہ!" ابا تعجب سے بولے۔ "کیسا فیصلہ؟"

"مجھے جویا کو اس کے گھر سے الگ کروانا ہے ورنہ زہرا کی طرح یہ بھی دب کر رہ جائے گی سسرال والوں کے درمیان۔"

"کیا بیوقوفی کی باتیں کرتی ہو..... میں نے دوپہر کو بھی تمہیں سمجھایا تھا کہ......"

"ہاں بھئی، میں تو بیوقوفی کی بات ہی کرتی ہوں ذرا عقلمندی کی آپ کر دکھائیں۔"

"جویا سسرال سے الگ ہو گئی تو اس کے بچے کون پالے گا؟"

"آپ فکر مت کریں، آپ کو نہیں پالنے پڑیں گے۔"

"دیکھو، جو لڑکیاں سسرال والوں کے ساتھ رہتی ہیں، ہزار فکروں اور پریشانیوں سے بچی رہتی ہیں۔"

"اچھا! اچھا! آپ اپنی منطق اور دانش مندی اپنے پاس رکھیں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ کس قدر بیوقوفی کی تم نے جویا کو اس کے ساس سسر کے ساتھ نہ بھیج کر۔"

"یقین کو بلوایا ہے میں نے، وہ آئے گا تو اس کے سامنے ایک ہی شرط رکھوں گی کہ الگ گھر لے اور جویا کو لے جائے۔"

"یعنی!" ابا چونکے۔ "یعنی الگ گھر لینے تک آپ جویا کو اس کے گھر نہیں جانے دیں گی؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ جانے دوں..... بٹھائے رکھوں گی، میں جویا کو اپنے پاس۔"

"نیک بخت!" ابا دونوں ہاتھ جوڑ کر لجاجت سے بولے۔ "کیوں بیٹی کا گھر اور اپنی عزت داؤ پر لگانے کے درپے ہو..... میرے سفید بالوں ہی کا خیال کرو۔"

"ارے! کیوں اس قدر وحشت زدہ ہوئے جا رہے ہیں۔" اماں بھنک کر بولیں۔

"وحشت زدہ اس لئے ہوا جا رہا ہوں کہ بیٹیوں کے معاملے بہت نازک ہوتے ہیں..... بعض اوقات رائی کا پہاڑ بن جاتا ہے..... ذرا سی غلطی کو ہم نے زندگی بھر کا پچھتاوا بھی بنتے دیکھا ہے..... ہمارے ماموں ابراہیم کی اکلوتی بیٹی زرینہ کا قصہ کیا تھا..... بس یہی کہ وہ کسی بات پر روٹھ کر میکے آ بیٹھی تھی۔ ماموں ابراہیم نے کہا، داماد آئے تو وہ بیٹی کو اس کے سسرال بھیجیں گے..... چوبیس سال وہ بے چاری بیٹھی رہی، شوہر کو آنا تھا نہ آیا بلکہ اس نے تو دو سال بعد ہی دوسری شادی کر لی..... زرینہ کو وہ نہ تو لینے کے لئے آیا، نہ ہی طلاق دی..... زرینہ بے چاری آخر میں سنکی ہو گئی تھی..... سنا ہے، جب مری تو کوئی دو بوند پانی حلق میں ٹپکانے کو اس کے پاس نہ تھا۔ ماں باپ اسی کا روگ دل سے لگائے مر چکے تھے اور وہ بالکل اکیلی رہ گئی تھی اور ماموں ابراہیم اپنی زندگی کے آخری دنوں میں ماموں ابراہیم بہت پچھتاتے تھے کہ بیٹی کو گھر کیوں بٹھایا؟"

"اللہ رکھے ہماری جویا کے دیکھ بھال کرنے والے بہت ہیں۔" اماں نے بڑے غرور سے کہا۔

"دیکھو لڑکی کے کتنے ہی دیکھ بھال کرنے والے کیوں نہ ہوں، شادی کے بعد اس کا والی وارث صرف اور صرف اس کا شوہر ہوتا ہے۔" ابا نے توقف کیا پھر انتہائی فکر مندی سے بولے۔ "تم نے بیٹی کو اس کے گھر بھیجنے کے لئے داماد کے آنے کی شرط تو رکھ دی خدانخواستہ تمہارے داماد صاحب نہ آئے تو......؟"

"کیسے نہیں آئیں گے...... آپ تیل دیکھئے، تیل کی دھار دیکھئے۔"

"فی الحال تو میں تمہیں دیکھ رہا ہوں اور تمہارے تیور مجھے کچھ اچھے دکھائی نہیں دے رہے۔" ابا کے چہرے پر چھائی فکر مندی کے سائے گہرے پڑ گئے۔ "آصف کو بتایا تھا میں نے وہ بے چارہ بھی بہت فکر مند ہو گیا۔ مجھے جلدی گھر بھیج دیا کہ جویا کے سسرال والے آئیں تو صلح صفائی کر لیں۔"

"ان کی فکر آپ نے بھلی کہی...... میں سب سمجھتی ہوں۔"

"کیا سمجھتی ہیں؟"

"انہیں تو یہ فکر ہوئی ہوگی کہ بس کہیں ان کی روٹیاں توڑنے نہ بیٹھ جائے۔"
"کیسی باتیں کرتی ہو نیک بخت۔"
"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔" اماں نے منہ بگاڑ کر کہا۔ "لیکن جویا کے لئے نہ آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت ہے، نہ آپ کے بیٹے کو...... جویا خیر سے اپنے پیروں پر کھڑی ہے۔"
"نیک بخت!" ابا کھنکھار کر بولے۔ "اگر عورت کا اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ہی کافی ہوتا تو والدین بیٹیوں کی شادی کے لئے فکر مند ہونے کے بجائے انہیں خود کفیل کر دینے ہی کو ترجیح دیتے۔"
ادھر اماں اور ابا میں گفتگو ہو رہی تھی، ادھر جویا برآمدے میں ٹی وی کے سامنے چپ چاپ اور بے سدھ سی بیٹھی تھی۔ بظاہر اس کی نگاہیں ٹی وی اسکرین پر تھیں مگر باطن وہ کہیں اور پہنچی دکھائی دے رہی تھی۔
"یہ کون سا پروگرام چل رہا ہے بجو؟" زویا نے باورچی خانے سے نکل کر برآمدے میں آتے ہوئے پوچھا۔
جویا چونکی پھر کھوئے کھوئے سے انداز میں بولی۔ "پتا نہیں۔"
"ہیں!" زویا مسکرا دی۔ "دیکھ تو رہی ہیں آپ بڑے غور سے۔"
جویا نے ایک گہری سانس کھینچی۔
"کیا بات ہے بجو؟" زویا اس کے نزدیک ہی بیٹھ گئی۔ "کیا آپ کو گھر یاد آ رہا ہے اپنا؟"
جویا نے کوئی جواب نہیں دیا۔
"مریم یاد آ رہی ہے؟"
یہ کیا سوال کر دیا تھا زویا نے!
جویا کا دل دکھنے لگا۔
اس کی آنکھیں بھر آئیں۔
"ویسے......" زویا نے اپنے اردگرد نظر دوڑائی پھر آہستہ سے بولی۔ "اماں نے آپ کے ساس سسر کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا۔"
"تم نہیں جانتیں۔ وہ اسی لائق ہیں...... ظاہر میں میٹھے بنے رہتے ہیں مگر بڑے گہرے ہیں۔"
"بجو! اتنے برے تو نہیں لگتے وہ لوگ۔"
"تم نہیں جانتیں زویا۔"
"اچھا!" زویا چپ ہو رہی۔
"مریم میرے پاس ہو تو میں پلٹ کر بھی نہ دیکھوں ان لوگوں کی طرف۔"
"یقین بھائی کی طرف بھی نہیں۔"
"ہاں۔"
"واقعی!" زویا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"بے ایمان!" جویا نے دل ہی دل میں کہا۔
اسے اتنی ہی خفت محسوس ہونے لگی جتنی اس وقت ہوئی تھی جب یقین نے اسے اس کی اور اماں کی ٹیپ شدہ ٹیلی فون کال سنوائی تھی۔
اچانک گھر کے دروازے کے باہر گاڑی رکنے کی آواز سنائی دینے پر وہ دونوں چونک کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔
"شاید یقین بھائی آئے ہوں۔" زویا نے کہا۔
جویا کا دل بے مہار دھڑکنے لگا۔
گاڑی کے دروازے کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔
زویا لپک کر دروازے تک پہنچی اور جھری میں سے جھانکنے لگی۔ گلی میں لگے بجلی کے کھمبے کی روشنی میں اسے مدحت بجیا اور ابا گاڑی سے اترنے کے بعد دروازے کی طرف بڑھتے دکھائی دیے وہ الٹے قدموں برآمدے کی طرف لپکی جہاں جویا منتظر نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔
"آپ کے سسر اور مدحت بجیا۔" زویا نے آہستہ سے بتایا۔
جویا اٹھ کھڑی ہوئی۔
"مریم کو لائے ہیں کیا؟"
"جی نہیں۔"
جویا بجھ سی گئی۔
"جاؤ! اماں کو بتاؤ۔"
"ٹھیک ہے، میں اماں کو بتاتی ہوں، آپ دروازہ کھولئے۔"
"جی نہیں...... میں نہیں کھولوں گی۔"
"اگر یقین بھائی آئے ہوتے تو کھٹاک سے کھول دیتیں، ہے نا؟"
دروازے پر دستک سنائی دی۔
"باتیں مت بناؤ، جا کر اماں کو بتاؤ۔"
دستک پھر سنائی دی۔
"میں دروازہ کھولتی ہوں، آپ بتا دیں اماں کو۔"
زویا نے دروازے کا رخ کیا اور جویا اماں کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔
"دیکھا" اماں نے فاتحانہ نظروں سے ابا کو دیکھا۔ "آ رہے وہ تو سو دفعہ آئیں گے۔"
"مگر تمہاری شرط کے مطابق تمہارے داماد نہیں آئے۔"
"وہ بھی آ جائے گا۔" اماں نے جویا کی طرف دیکھا پھر بولیں۔ "تمہارا سامنا تو نہیں ہوا ان لوگوں سے؟"
"جی نہیں۔"
"بس جب تک میں نہ کہوں تم سامنے مت پڑنا۔"

''کیوں؟'' ابا بولے۔

''بس میں نے کہہ جو دیا۔''

''لیکن وجہ بھی تو بتاؤ بھئی۔''

''اونہوں!'' اماں نے منہ بنایا۔ ''بحث کا موقع نہیں ہے۔''

''اچھا میں تو چلوں یا مجھے بھی سامنے نہ پڑنے کی ہدایت ہے۔''

''بس ایک خیال رکھیے گا۔''

''وہ کیا؟''

''دب کر بات کرنے کی ضرورت نہیں۔''

''بھئی، ہم بیٹی کے ماں باپ ہیں، دب کر بات کرنا تو ہمارا مقدر ہے۔''

''میاں! اسی طرح کی باتیں کر کر کے آپ نے اپنی بھاوج کو تو شیر کر دیا مگر اب اچھی طرح سن لیں کہ جویا کو میں زہرا کی طرح سسرال کی چکی کے پاٹوں میں نہیں پسنے دوں گی۔ جویا کے لئے میں سینہ ٹھونک کر آ گئی ہوں میدان میں اور اب ڈٹی ہی رہوں گی۔''

''ہاں ابا، دب کر بات کرنے کی کیا ضرورت ہے بھلا۔'' جویا بولی۔

ابا جویا کا منہ دیکھنے لگے۔

''اب چلتے ہیں یا میں جاؤں؟''

''چلیے صاحب چلیے۔''

جویا اماں کے کمرے ہی میں ٹھہری رہی۔

☆======☆======☆

اماں اور ابا بیٹھک میں پہنچے تو زدیا مہمانوں کا سواگت کر کے انہیں بٹھا چکی تھی۔ اماں اور ابا کو دیکھتے ہی ببا اور مدحت بجیا علیک سلیک کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''معاف کیجیے گا بہن، پھر آپ کو تکلیف دینے آ پہنچے ہیں۔'' ببا نے دھیمی سی خفت کے ساتھ کہا۔

''آپ کا گھر ہے سر آنکھوں پر آئیے۔'' ابا بولے۔

''کسی بہانے تو آپ لوگوں کے پھیرے لگے۔'' اماں کے لہجے میں طنز تھا۔ ''ورنہ مدحت تو بھاوج کو لے جانے کے بعد اس گھر کا راستہ ہی بھول گئی تھیں۔''

''نہیں آنٹی، میں اس کے بعد بھی کئی مرتبہ آئی ہوں۔''

''دو چار مرتبہ کا آنا بھلا کیا آنے میں آتا۔'' اماں بولیں۔

''آپ کی شکایت بجا ہے آنٹی۔''

''بہن! بہت مصروف رہتی ہے بیٹی ہماری۔'' ببا بولے۔

''بیٹی کی حمایت میں بول رہے ہیں بھائی صاحب۔'' اماں نے کہا پھر لہجہ بدل کر بولیں۔ ''آج کے دور میں مصروف بھلا کون نہیں...... فالتو وقت تو شاید کسی کے بھی پاس نہیں۔''

''آپ ٹھیک کہتی ہیں آنٹی لیکن......''

''لیکن کیا؟''

''آپ بھی تو ہمارے گھر گنی چنی مرتبہ ہی آئی ہیں۔''

''برا مت ماننا مدحت اور برا لگے تو میرے منہ پر کہہ دینا۔'' اماں نے منہ بگاڑ کر کہا۔ ''تمہاری امی نے میل جول بڑھانے والا رویہ ہی کب رکھا۔ جب بھی ہم گئے، ایسے ملنے جیسے غیروں کے ہاں ہو کر آئے ہوں۔''

''امی دل کی بری نہیں ہیں آنٹی۔''

''دل کے برے تو ہم بھی نہیں ہیں، بس زبان تھوڑی سی کڑوی ہے۔ کسی کو بری لگتی ہے تو مجبوری...... جو ہمارے دل میں ہوتا ہے، وہی زبان پر ہوتا ہے۔''

''بہن! یہ تو بہت بڑی خوبی ہے۔ کیوں صاحب؟'' ببا نے ابا کی طرف دیکھتے ہوئے تائید چاہی۔

''بے شک۔''

اماں خوش ہو گئیں۔

''خیر...... آپ یہ بتائیے کہ دوبارہ کیسے تکلیف کی؟''

''اپنی بہو کو لینے حاضر ہوئے ہیں۔ گھر سونا پڑا ہے، بہو کے بغیر۔''

''یقین نہیں آئے؟''

''وہ بھی آ جائیں گے بہن...... وہ یہاں نہیں آئیں گے تو اور کہاں جائیں گے۔'' ببا نے رسانیت سے کہا۔

''ایکسکیوزمی۔'' بجیا موقع تاک کر اندر جانے کو اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ''میں اندر جا سکتی ہوں؟''

اماں کچھ متردد اور معترض سی نظر آنے لگیں مگر ابا نے بڑی گرمجوشی سے بجیا کی ہمت بڑھائی۔

''ہاں ہاں، جاؤ بیٹی جاؤ...... تمہارا اپنا گھر ہے۔''

اماں نے ابا کو آنکھیں دکھانے کی تیاری کی مگر ابا ان کی آنکھوں کو ذرا خاطر میں نہ لائے۔

بجیا بیٹھک کے دروازے سے اندر چلی گئیں۔

بھابی اور زدیا راہداری میں کھڑی چپکے چپکے باتیں کر رہی تھیں۔ بجیا نے بھابی سے علیک سلیک کی پھر زدیا سے پوچھا۔ ''جویا کہاں ہیں؟''

''جی...... بجو......'' زدیا کشمکش سے دوچار دکھائی دینے لگی۔

''تم سے یوں لگ رہا ہے جیسے ہم پہلی مرتبہ لڑکی دیکھنے کے لئے آئے ہیں۔'' بجیا مسکرا کر بولیں۔

زدیا خفیف ہو کر مسکرا دی۔

''چلیے...... میں لئے چلتی ہوں آپ کو بجو کے پاس...... ویسے وہ بڑی اپ سیٹ ہیں۔''

''تم فکر مت کرو، میں سیٹ کر دوں گی انہیں۔''

"آیئے۔"

مدحت بجیا زویا کے ساتھ ہولیں۔

جویا جو اماں کے کمرے میں تھی، مدحت بجیا کو دیکھتے ہی چونک گئی۔

بجیا کو ایک ناگوار سے احساس نے آلیا۔

"السلام علیکم۔" اپنی اصل کیفیت کو چھپاتے ہوئے بجیا نے بظاہر خوشگوار لہجے میں کہا۔

جویا متذبذب دکھائی دینے لگی۔

"مجھے اجازت؟" زویا نے بجیا سے پوچھا۔

"جی ہاں، بالکل اجازت ہے آپ کو..... ویسے بھی ہمیں تخلیہ درکار ہے۔"

"فرشی سلام بجالانے کی ضرورت تو نہیں مجھے؟" زویا مسکرائی۔

"جی نہیں..... آپ سیدھی سیدھی جائیں۔"

"اوکے..... تھینک یو۔"

زویا کے جانے کے بعد بجیا جویا کی طرف متوجہ ہوئیں۔

دل میں تو انہیں اس پر بے حد غصہ آرہا تھا کہ اپنی غلطی پر نادم اور متاسف ہونے کے بجائے چوری اور سینہ زوری کے مصداق وہ میکے آ بیٹھی تھی اور محض اس کی وجہ سے بابا کو دوبارہ خفت جھیلنا پڑ رہی تھی۔

تاہم مصلحت وقت کے پیش نظر بجیا نے بڑی نرمی سے کہا۔ "یقین سے تمہیں کوئی شکایت تھی تو ہم لوگوں کو بتایا ہوتا۔"

جویا کچھ نہیں بولی۔

"مریم دن بھر یاد کرتی رہی تمہیں..... روتے روتے سوئی ہے اور وہ بھی یقین کے آفس سے آنے کے بعد۔"

جویا کے دل پر ایک ان کہی بیتابی طاری ہوگئی۔

سینے میں کرب کا ایک بگولا سا اٹھا۔

اس کا بس چلتا تو اڑ کر مریم کے پاس جا پہنچتی اور اسے اپنے سینے سے لگا کر آغوش میں دبوچ لیتی۔

"عجیب بے حس ماں ہے۔ جسے ننھی سی بچی کا بھی خیال نہیں۔" بجیا نے دل ہی دل میں جویا کو لعن طعن کی۔

لیکن بظاہر بڑی اپنائیت سے اس کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے بولیں۔ "سمجھدار لڑکیاں ایسی حرکت نہیں کرتیں۔"

"کیسی حرکت؟" جویا نے قدرے ناگواری سے کہا۔

"اپنا گھر چھوڑ کر آنے کی۔"

"میرا گھر ہے کہاں!"

"تو کیا تم اسے اپنا گھر نہیں سمجھتیں؟"

جویا کچھ نہیں بولی۔

"تمہیں اس طرح نہیں آنا چاہئے تھا۔ پتا ہے، تمہارے گھر نہ پہنچنے پر ہم سب کتنا پریشان ہوئے۔"

"وہ تو خوش ہوئے ہوں گے۔" جویا منمنائی۔

"کون، یقین؟"

"جی ہاں۔"

"ارے نہیں..... وہ تو بہت اپ سیٹ ہیں۔"

جویا نے بے یقینی سے بجیا کی طرف دیکھا۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔" بجیا نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی پھر بڑے پیار سے بولیں۔

"چلو تیار ہو جاؤ گھر چلنے کو۔"

وہ متذبذب دکھائی دینے لگی۔

"چل رہی ہو نا؟"

"نہیں۔" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

"کیوں؟" بجیا چونکیں۔

"جب تک..... جب تک اماں اجازت نہیں دیں گی..... میں..... میں کہیں نہیں جاؤں گی۔"

بجیا کو سخت تاؤ آیا۔

"اماں!" انہوں نے دانت بھینچتے ہوئے دل ہی دل میں سوچا۔ "اماں ہی تو بس کی گانٹھ ہیں..... وہ ڈھنگ کی ہوتیں تو یہ دن کاہے کو آتا۔"

"اور..... خدانخواستہ..... اماں نے اجازت نہ دی تو؟" انہوں نے جویا کو گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تو..... میں..... اماں کی مرضی کے خلاف تو کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گی۔" وہ بڑے آرام سے بولی۔

"مریم کے بغیر رہ لوگی؟"

اس نے تڑپ کر بجیا کی طرف دیکھا پھر بولی۔ "کیا مطلب ہے آپ کا؟"

بجیا کہنا تو یہ چاہتی تھیں کہ یقین مریم کو کسی قیمت پر تمہیں نہیں دیں گے مگر ان کی زبان سے مصلحتاً یہ الفاظ ادا ہوئے۔ "مریم کو تمہاری ضرورت ہے۔"

بجیا کچھ دیر اس کے پاس بیٹھی اسے سمجھانے بجھانے کی کوشش کرتی رہیں پھر اٹھتے ہوئے بولیں۔ "اچھا..... میں ذرا دیکھوں کہ آنٹی اور بابا میں کیا باتیں ہو رہی ہیں۔"

جویا اپنی جگہ پر بیٹھی رہی۔

بجیا [illegible] واپس پہنچیں تو سمدھن سے بابا کے مذاکرات حتمی دور میں تھے۔ وہ دونوں ک

انداز میں کہہ رہی تھیں۔ "جب تک یقین سے میری بات نہیں ہو جاتی، میں جویا کو نہیں بھیجوں گی۔"

بیا نے سمدھی کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولے۔ "بھائی صاحب! کچھ آپ ہی سفارش کیجئے ہماری۔"

وہ بڑی خفت سے مسکرا دیے اور بیوی کی جانب دیکھتے ہوئے منمنائے۔ "نیک بخت! یقین بھی اپنا ہی بچہ ہے جانے دو۔"

"میاں! اپنا بچہ سمجھتے ہیں ہم تو...... اپنا نہ سمجھا ہوتا تو اپنے دل کا ٹکڑا کیوں دے دیا ہوتا۔ ہم نے تو یقین کو اپنا بیٹا جانا تھا افسوس کہ انہوں نے اچھا نہیں کیا ہمارے ساتھ...... بھلا ناخنوں سے گوشت جدا ہوا ہے کبھی جو یقین نے ہماری بچی پر ہم سے ملنے کی شرط لگا دی۔"

"غصے میں کہہ دیا ہوگا اس نے۔" بیا نے رفع دفع کرنے والے انداز میں کہا۔

"بھائی صاحب! اور بھی بہت سی باتیں ہیں۔" وہ منہ بگاڑ کر بولیں۔ "یقین کی چھوڑیے اور گھر والوں نے بھی ہماری بچی کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں رکھا۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے بہن...... بہو کو تو ہم نے بیٹی کا درجہ دیا ہے۔"

"کہاں بھائی صاحب...... برا مت مانئے گا، کبھی آپ کی بیگم صاحبہ کا منہ بگڑ جاتا ہے، کبھی نگہت آ کر طعن و تشنیع کرنے لگتی ہیں...... کبھی مدحت ڈانٹ دیتی ہیں بھاوج کو...... بھلا بہوؤں سے کوئی ایسا رویہ رکھا جاتا ہے۔"

"میں...... میں نے ڈانٹا!" بجیا سٹپٹا کر بولیں۔

"جویا بے چاری کو بخشا تو کسی نے بھی نہیں۔"

"آپ...... آپ...... جویا کو بلا کر پوچھ لیں آنٹی کہ...... میں نے کب کچھ کہا۔" بجیا شرمسار سی نظر آ رہی تھیں۔

"مجھے کسی پوچھ گچھ میں نہیں پڑنا...... سب اچھی طرح معلوم ہے مجھے...... اتنے عرصے سے برداشت ہی کر رہی تھی مگر...... اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے۔" انہوں نے بیا کی طرف دیکھا پھر شاکی لہجے میں بولیں۔ "جو کچھ میری بچی کے ساتھ اس گھر میں ہوا، ایسا نہ کبھی دیکھا نہ سنا۔ توبہ توبہ! فون تک ٹیپ کیے جاتے ہیں...... بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی۔"

"یہ یقین کی غلطی ہے...... میں نے اسے کافی برا بھلا کہا ہے۔" بیا کچھ شرمندہ ہو کر بولے۔

بجیا کو اچانک تاؤ آ گیا۔

واہ! یہ کیا بات تھی بھلا کہ جس قصے کے ذکر پر جویا کی اماں کو خود شرمندہ ہونا چاہئے تھا اس پہ بیا خفیف ہو رہے تھے۔

"آنٹی!" بجیا بولیں۔ "معاف کیجئے گا...... جس قسم کی باتیں آپ لوگ ہم لوگوں کے لئے کرتی رہی ہیں، انہیں سن کر یقین تو کیا کوئی بھی شخص غصے میں آ سکتا ہے بلکہ سچ پوچھئے تو ہم سب نے بہت برداشت اور درگزر سے کام لیا ہے...... کوئی اور لوگ ہوتے تو نہ جانے کتنا فساد کر چکے ہوتے۔"

بیا دم بخود رہ گئے۔

انہیں بجیا سے اس قدر جارحانہ مداخلت کی توقع نہ تھی۔

"سوال یہ ہے کہ فون ٹیپ کیوں کیے گئے۔" جویا کی اماں بھڑک کر پھر بولیں۔ "پیٹھ پیچھے تو لوگ بادشاہوں کو بھی برا کہتے ہیں۔ کیا سب ایک دوسرے کی یونہی جاسوسی کرتے ہیں...... ہمارے تو فون پکڑ میں آ گئے کیا تمہیں خبر نہیں کہ تم لوگ ہمیں کس قدر برا بھلا کہتے ہو...... ارے بھئی، جب دل جلتا ہے، کسی کا تو وہ تو کچھ بھی کہہ سکتا ہے...... جسے تکلیف پہنچے گی، وہ تو چلائے گا بھی برا بھلا بھی کہے گا۔"

بجیا کچھ کہنے کو تھیں مگر بیا نے انہیں نظروں ہی نظروں میں شر رفع کرنے کا مشورہ دیا اور سمدھن سے بولے۔ "آپ ٹھیک کہتی ہیں۔"

بجیا نے شاکی نظروں سے بیا کو دیکھا اور نگاہوں میں بولیں۔ "واہ بیا یہ کیا بات ہوئی!"

"مصلحت وقت یہی ہے۔" بیا نے ان کے شکوے کا آنکھوں ہی آنکھوں میں جواب دیا۔

گھڑی کی سوئیاں ساڑھے گیارہ بجانے کو تھیں۔

جویا اور زدیا اماں کے کمرے میں مقدمے کا فیصلہ سننے کی منتظر بیٹھیں تھیں۔

بھیا دکان سے گھر آ چکے تھے اور اس وقت بیوی کے ساتھ اپنے کمرے میں بیٹھک اور اپنے کمرے کی مشترکہ کھڑکی سے کان لگائے بیٹھک میں ہونے والے مذاکرات سن رہے تھے۔

"اماں بہت بڑی غلطی کر رہی ہیں۔" بھابی نے گھٹی گھٹی آواز میں میاں سے کہا پھر انہیں ٹہوکا دے کر بولیں۔ "سنیں! آپ جا کر سمجھائیں نا اماں کو۔"

بھیا متذبذب دکھائی دینے لگے۔

"جائیے نا۔" بھابی کے لہجے میں بے چینی بھی تھی تشویش بھی۔

"بھئی، میں کیا سمجھاؤں۔ اماں کو خود سمجھنا چاہئے۔"

"اماں تو یہ سمجھ رہی ہیں شاید کہ یہ لوگ بار بار آئیں گے...... بعض دفعہ چھوٹی سی غلطی بہت بڑی بات بن جاتی ہے۔ جائیں...... پلیز۔" بھابی نے اتنی لجاجت سے کہا کہ وہ مجبور ہو گئے۔

اپنے کمرے سے نکل کر بیٹھک میں جانے میں بھیا کو بمشکل سات سیکنڈ لگے۔

"آئیے...... آئیے آصف میاں۔" بیا بڑے تپاک سے اٹھے۔

رسمی علیک سلیک کے بعد دو چار منٹ ادھر ادھر کی باتیں ہوئیں پھر اصل موضوع چھڑ گیا۔ اماں نے بھیا کو بڑے دلسوز لہجے میں جویا پر ہونے والے مظالم کی تفصیل سنائی۔ بھیا یوں سنتے رہے جیسے اس سے پہلے نہ ابا نے انہیں کچھ بتایا تھا، نہ بیوی نے اور نہ ہی انہوں نے کمرے کی کھڑکی سے لگ کر کچھ سنا تھا۔

بیا اور بجیا کے چہروں پر خفت کے سائے ڈولتے رہے۔

سب کچھ سننے کے بعد بھیا بولے۔ "بہرحال اب گھر کے بزرگ جویا کو لینے آئے ہیں تو انکار تو نہیں کیا جا سکتا۔"

بیا یک بیک کھل اٹھے۔

"واہ میاں! جیتے رہئے...... جیتے رہئے۔"

اماں نے تیوری چڑھا کر بجیا کو دیکھا پھر بولیں۔ "اور اگر بہن کو تمہاری پھر تکلیف پہنچی کوئی؟"

"تو ہم مر نہیں گئے۔" بجیا بولے۔

اماں ان لوگوں میں سے تھیں جو بعض اوقات چھوٹی سی بات پر بری طرح بکھر جاتے ہیں اور کبھی ذرا سی بات پر بے پناہ خوش ہو جاتے ہیں۔

بجیا کی تسلی نے اماں کا دل بڑا کر دیا۔

"دیکھیے بھائی صاحب۔" اماں نے ابا کی طرف روئے سخن کیا۔ "اس وقت میں صرف اپنے بچے کے کہنے پر جویا کو آپ کے ساتھ بھیج رہی ہوں۔"

اماں بظاہر سیدھی سادی گھریلو عورت ہوتے ہوئے بھی ایک تیر سے دو شکار کھیل گئیں اور سدھی کے ساتھ خود اپنے بیٹے پر بھی احسان دھر دیا۔

"شکریہ...... شکریہ...... بہت بہت شکریہ۔" ابا کھل اٹھے۔

بجیا کے چہرے کے تاثرات بھی بدل گئے اور وہ مطمئن دکھائی دینے لگیں۔

"مدحت بیٹی! بہن سے اجازت لو اور بہو سے جا کر کہو کہ جلدی سے اپنے گھر چلنے کو تیار ہو جائیں۔" ابا نے کہا۔

"اجازت ہے آنٹی؟"

"ارے بھئی تمہاری چیز ہے اجازت کی کیا ضرورت۔"

بجیا اندر چلی گئیں۔

ابا نے اطمینان کا سانس لیا کہ ایک پریشان کن دن آخرکار ایک خوشگوار انجام سے ہمکنار ہو گیا تھا۔

☆======☆======☆

جویا، رات بارہ بجے کے لگ بھگ ابا اور مدحت بجیا کے ہمراہ گھر پہنچی تو گاڑی کا ہارن سن کر ذہین نے گیٹ کھولا اور جویا کو گاڑی میں بیٹھا دیکھ کر بولا۔ "اخاہ! بھابی آ گئیں۔"

جویا کے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ اسے یوں لگا جیسے ذہین اس پر طنز کر رہا تھا۔

پورچ میں گاڑی رکنے کے بعد جویا گاڑی سے اتری تو اس کے دل پر ملے جلے احساسات کی یورش تھی۔ اپنے گھر لوٹ آنے کی خوشی بھی تھی۔ گھر والوں سے قدرے شرمندگی بھی۔ کچھ کھو دینے کا احساس بھی تھا، کچھ پا لینے کی سرشاری بھی۔

اندر پہنچی تو امی اور یقین کو لاؤنج میں بیٹھے پایا۔

یقین پر نظر پڑتے ہی وہ ٹھٹک گئی۔

جویا کو دیکھتے ہی یقین اٹھا اور لاؤنج سے چلا گیا۔

جویا دیکھتی رہ گئی۔

امی کا دل چاہا، جویا کو بے نقط سنائیں مگر گھر کی چار دیواری میں ہمیشہ دل کا چاہا کب پورا ہوتا ہے۔

جویا نے امی کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔" امی کے لہجے میں قدرے سرد مہری تھی۔

"اللہ توبہ! کتنا جھوٹ بولتے ہیں بڑے میاں۔" جویا نے دل ہی دل میں سوچا۔ "راستے میں کہہ رہے تھے کہ تمہاری امی پریشانی سے ادھ موئی پڑی ہیں...... یہ ادھ موئی پڑی ہیں! یا ہٹی کٹی بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی ہیں۔"

"لیجیے بیگم صاحبہ، ہم آپ کی بہو کو لے آئے۔" ابا نے یک لخت ماحول پر چھا جانے والی سرد مہری کو توڑنے کی کوشش کی۔

"شکریہ!"

جویا نے محسوس کیا کہ ان کے لہجے میں احساس تشکر کی جگہ دو دھاری تلوار کی سی کاٹ تھی۔

ابا نے آنکھوں ہی آنکھوں میں امی کو صلاح دی کہ وہ جویا کی خطا درگزر کر کے اسے اپنے سایہ عاطفت میں لے لیں۔

امی نظروں ہی نظروں میں انکاری ہو گئیں۔

ابا کی نگاہوں میں لجاجت تیرنے لگی۔

آخرکار امی پسیج گئیں۔

"یہاں...... میرے پاس آ کر بیٹھو۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" جویا نے دل ہی دل میں کہا اور امی کے نزدیک بیٹھ گئی۔

امی کے دل میں آیا کہ کڑک کر پوچھیں۔ "کیوں جی! یہی تربیت دی ہے تمہارے گھر والوں نے کہ معصوم بچی کو چھوڑ کر گھر بیٹھ جاؤ۔" مگر ان کے منہ میں دھری مصلحت کی زبان نے کہا۔ "دلہن! تمہیں جو شکایت تھی ہم سے کی ہوتی۔"

"اونہہ!" جویا دل ہی دل میں پھنکاری۔ "آپ تو جیسے بڑی اہمیت دیتیں نا میری شکایت کو۔"

"ہم سب الگ پریشان ہوئے اور معصوم بچی الگ تڑپتی رہی۔" امی نے مزید کہا۔

جویا کو ایک احساس تفاخر ہوا۔

"ہوں! اب پتا چلی نا بڑی بی کو میری اہمیت۔"

اس نے دل ہی دل میں اماں کو داد دی۔

کس قدر درست ہوتے ہیں ان کے اکثر اندازے!

دعوے سے کہا تھا انہوں نے کہ بچی کی وجہ سے ان لوگوں کے اچھے بھی آئیں گے۔

زندہ باد اماں!

زندہ باد!

اسے یوں لگا، جیسے اماں کی دانائی نے سسرال میں اس کی توقیر یک بیک بہت بڑھا دی ہو۔

"جاؤ، بہو جا کر مریم کو دیکھو اور یقین میاں کا حال چال پوچھو۔" بیا نے کہا پھر مزید بولے۔
"شادی شدہ مرد کی بھی عجیب مشکل ہے، شریکِ حیات کے بغیر لنڈورا سا معلوم ہونے لگتا ہے..... کیوں بیگم صاحبہ، ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟"

"ہاں۔" امی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بولیں۔ "اللہ عورت کی عقل ٹھکانے رکھے۔"

ہائیں!

جویا کے دل میں خشونت امنڈ آئی۔

"شروع کر دی نا، بڑی بی نے طعنے بازی۔" اس نے جبڑے بھینچتے ہوئے سوچا۔ "کیسی چنگی لی ہے دل میں بڑھیا نے..... زہر لگتی ہیں مجھے۔"

"پلنے کو تو بن ماؤں کے بچے بھی پل جاتے ہیں دلہن مگر جب اللہ رکھے، ماں باپ ہوں تو بچے اپنے ماں باپ کے سائے میں ہی اچھے لگتے ہیں۔" امی بولیں پھر انہوں نے جویا کو سمجھایا۔ "دیکھو آئندہ ایسی حرکت مت کرنا۔ اچھی بہو بیٹیاں ایسا نہیں کیا کرتیں۔"

اچھی بہو بیٹیاں!

یعنی اسے مطعون کیا جا رہا تھا۔

احساس تفاخر دفو چکر ہو گیا!

ہائے! کون تھا وہ حقیقت شناس جس نے پہلی مرتبہ کہا تھا کہ ساس تو کاٹھ کی بھی بری۔

کیسی مسکی صورت بنا کر پہنچ گئی تھیں، بڑی بی اس کے میکے۔

"جاؤ بہو، اپنے کمرے میں جاؤ۔" بیا بولے۔

"بڑے میاں پھر بھی بھلے ہیں۔" اس کے دل نے کہا۔

"مگر بڑی بی!"

"اُف اللہ! حرفوں کی بنی ہوئی ہیں۔"

ساس کی قربت سے اس کا دم الجھنے لگا۔

"جاؤ، جا کر اس بدنصیب کی خبر لو۔" امی رقت آمیز لہجے میں بولیں۔

"اونہہ! میں تو جیسے خوش نصیبی کے ہنڈولوں میں جھول رہی ہوں۔" وہ دل ہی دل میں پھنکاری اور اپنے کمرے کی طرف جانے کو اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کھانا کھانا ہو تو رکھا ہے۔" اس کے جاتے جاتے مدحت بجیا بولیں۔

"اونہہ! بس چلے تو مجھے کھانے کے بجائے زہر کھلا دیں۔" اس نے سوچا۔ "کھانا رکھا ہونے کو یوں جتا رہی ہیں، جیسے ہمارے گھر میں تو کھانا ہوتا ہی نہیں۔"

"کھا کر آئی ہوں۔" اس نے بجیا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور لاؤنج سے نکل گئی۔

"توبہ توبہ کیا ڈھٹائی ہے ذرا جو شرمندگی ہو۔" لاؤنج سے اس کے نکلتے ہی امی نے کہا۔

جویا دبے پاؤں لاؤنج کی کھڑکی کے نزدیک ٹھٹک گئی۔

"بیگم صاحبہ اب آپ بھی چل کر آرام کیجئے۔" بیا بولے۔

"آپ کی سمدھن نے داماد کے جاتے ہی بیٹی کو بھیج کیونکر دیا؟" امی پوچھا۔

"بس بھیج دیا۔"

"وہی تو پوچھ رہی ہوں کیسے۔"

"اپنے بیٹے کے کہنے پر۔"

"میرے سامنے تو وہ ماش کے آٹے کی طرح اکڑ رہی تھیں۔"

کھڑکی کی آڑ میں ٹھٹکی جویا نے دانت بھینچ لئے۔

کس قدر اہانت سے ذکر کیا جا رہا تھا اماں کا!

"اکڑیں تو وہ ہمارے سامنے بھی کچھ کم نہیں۔" بجیا بولیں۔

"اچھا!"

"مجھے تو بہت غصہ آیا اور میں نے انہیں دو چار سنا دیں۔"

"اچھا کیا۔"

"دیکھ لیا ماسٹر صاحب آپ نے اپنی سمدھن کو!"

"کوئی بات نہیں۔"

"سن لیا مدحت؟"

"بیا کی برداشت کی بھی داد دینی پڑتی ہے امی۔"

"معلوم نہیں کس ٹھنڈی مٹی کے بنے ہیں تمہارے بیا۔"

"ہمارے جانے کے بعد یقین نے کچھ کہا تو نہیں؟" بجیا نے پوچھا۔

"بہت غصہ ہوئے کہ کیوں بار بار جا رہے ہیں آپ لوگ وہاں..... وہ سمجھیں گے۔ پتا نہیں کیوں اتنے گر پڑ رہے ہیں۔"

"آپ نے یقین سے یہ تو پوچھا ہوتا کہ بیوی کو مارتے پیٹتے کیوں ہو۔"

"پوچھا تھا مگر یقین تو کہتے ہیں کہ انہوں نے کبھی انگلی تک نہیں چھوائی ہے۔"

"میں نہیں مان سکتا کہ بہو کی والدہ ایسی بے بنیاد بات کریں گی..... جب ٹیلی فون والی بات درست ہے تو اس میں بھی کچھ نہ کچھ صداقت ضرور ہو گی۔"

"یقین تو قسم کھا گئے۔"

"خیر..... میں بھی سمجھاؤں گا اور موقع دیکھ کر آپ بھی سمجھایئے گا کہ عورت پر رذیل اور کمزور لوگ ہاتھ اٹھاتے ہیں..... لاحول ولاقوۃ..... خدا جانے کہاں سے سیکھی یہ قبیح حرکت یقین نے۔"

لاؤنج کے باہر کن سوئیاں لیتی جویا کو اماں کی نصیحت یاد آئی۔

"اب تم بھی ڈٹی رہنا اس بات پر کہ تمہیں مارا جاتا ہے۔"

کتنی عقلمند اور دور اندیش تھیں اماں!

کیسی ترپ چال چلی تھی انہوں نے کہ یقین کو اس کے اپنے والد برا بھلا کہہ رہے تھے!

"شکر ہے خدا کا..... پریشانی دور ہوئی..... پتا نہیں صبح کس کا منہ دیکھا تھا جو دن اس قدر

پریشانی میں گزرا۔"

"بیگم صاحبہ میں نے تو آپ ہی کا دیکھا تھا۔"

امی نے بابا کو شاکی نظروں سے گھورا۔

بابا ہنس دیے۔

"دیکھی تم نے اپنے بابا کی بات۔" امی شاکی لہجے میں بولیں۔

"مذاق کر رہے ہیں امی۔"

"اونہہ!" لاؤنج کے باہر جویا اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے زیر لب بڑبڑائی۔" بڑے میاں اور بڑی بی اس عمر میں بھی دل لگی سے باز نہیں آتے۔"

"چلیں بھئی چلیں اب سویا جائے۔" بابا بولے۔

جویا بے آواز کھڑکی کے پاس سے ہٹ کر پنجوں کے بل تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

☆=====☆=====☆

جویا کمرے میں پہنچی تو کمرے کی بتی بجھی ہوئی تھی۔ اپنے اندازے سے کام لیتی وہ سوئچ بورڈ تک پہنچی اور بتی جلا دی۔

یقین بستر پر چت لیٹا ہوا تھا۔ مریم اس کے نزدیک ہی اپنا چھوٹا سا مخملیں لحاف اوڑھے سو رہی تھی۔ جویا کو دیکھتے ہی یقین کی آنکھوں میں خشونت کی لہر ابھری اور اس نے کروٹ لے کر اپنا بازو زاویہ قائمہ پر موڑتے ہوئے مریم پر تان دیا۔

جویا کو توہین و ذلت کا احساس ہوا۔

"اونہہ جیسیں کرتے بات تو نہ کریں۔" اس نے سوچا۔" مجھے صرف اپنی بچی کی پرواہ ہے اور کسی کی نہیں۔"

مسہری کے دوسرے کنارے کی طرف آ کر اس نے مریم کو پیار کرنا چاہا مگر یقین نے اپنا بازو بدستور اس کے اوپر تانے رکھا۔ جویا کو غصہ آ گیا۔

اس نے مریم کو یقین کے بازو کے نیچے سے سرکا کر اٹھانے کا ارادہ کیا مگر یقین نے اپنا بازو بچی کے سینے پر رکھ دیا۔

اس نے غصے سے یقین کو دیکھا پھر بولی۔" بچی میری بھی ہے۔"

"بہت جلدی خیال آ گیا بچی کا۔" وہ تند لہجے میں بولا۔

"چھوڑیں..... ہٹائیں اپنا ہاتھ۔" جویا نے یقین کا بازو مریم پر سے ہٹانے کی کوشش کی۔

"دور ہٹو۔" یقین نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

وہ دم بخود رہ گئی۔

"کیوں؟" اس نے نظر بگاڑ کر پوچھا۔

"تمہارا اس سے رشتہ کیا ہے؟" وہ غصے سے بولا۔

"ماں ہوں اس کی۔"

"تبھی اس معصوم کو چھوڑ کر اپنے باپ کے گھر چلی گئی تھیں۔"

"کوئی گناہ تو نہیں کیا میں نے وہاں جا کر۔"

"جی نہیں..... آپ نے تو بہت بڑا کارنامہ سر انجام دیا ہے۔ آپ کو تو نوبل انعام دیا جانا چاہیے۔" وہ طنز سے بولا۔

جویا کو تضحیک کے احساس نے آ لیا۔

وہ تو یہ سمجھ رہی تھی کہ یقین اس کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لے گا۔ اس کی دن بھر کی کلفت پر اپنی الفت کے پھاہے دھرے گا مگر.....

وہ تو چرکے لگا رہا تھا۔

جویا اپنے پہلو پر دہری ہوتے ہوئے مریم پر جھک گئی اور اسے دیوانہ وار پیار کرنے لگی۔

"دکھاوے کا پیار!" وہ زہر خند لہجے میں بولا۔

جویا نے تڑپ کر گردن موڑتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

کتنا اجنبی لگ رہا تھا وہ!

اور کس قدر بے مروتی برت رہا تھا وہ اس سے!

"اپنی اماں جان سے اب کون سا نیا سبق پڑھ کر آئی ہو؟" وہ اسے گھورتے ہوئے بولا۔

"میری اماں سے تو آپ کو بیر ہو گیا ہے۔"

"ابھی کیا..... ابھی تو میں ایسا بیر باندھوں گا ان سے کہ تم دیکھو گی۔"

"میں دیکھنے والی نہیں ہوں۔ سمجھے آپ۔"

"ہاں۔" اس نے جویا کو استہزائیہ نگاہوں سے دیکھا۔" تم دیکھنے والی کب ہو۔ تم تو اپنی اماں کے مشوروں پر چلنے والی ہو۔"

"اماں! اماں! اماں! لگتا ہے، آپ کو میری اماں فوبیا ہو گیا ہے۔" وہ مسہری سے اٹھ کر تن کر کھڑی ہو گئی۔

یقین نے زقند لگائی اور اس کے روبرو آ کھڑا ہوا۔

دونوں جانی دشمنوں کی طرح ایک دوسرے کو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگے۔

یقین کچھ دیر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسے گھورتا رہا پھر بولا۔" کتنی دفعہ مارا ہے نانا نے تمہیں؟"

جویا کو اماں کی ہدایت یاد آ گئی۔

"بہت دفعہ۔"

یقین نے یک بیک اس کی کلائی اپنے ہاتھ میں دبوچ لی۔

جویا اس اچانک حملے کے لئے تیار نہ تھی، گھبرا کر اسے دیکھنے لگی۔

یقین نے اس کی کلائی پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے کلائی مروڑ دی۔

''آہ!'' اس کے منہ سے گھٹی گھٹی سی ایک چیخ نکلی۔

''اب الزام کو سچ کر دکھاؤں گا میں...... پہلے تو نہیں مارتا تھا' اب ماروں گا۔''

یقین نے اسے زور کا جھٹکا دیا اور مسہری پر دھکیل دیا۔

وہ قدرے خوف زدہ ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

''کسی کی شرافت کا یہ مطلب نہیں کہ لوگ اس کا ناجائز فائدہ اٹھائیں۔'' یقین اسے گھورتے ہوئے بولا۔

جویا کو وحشت اور صدمے نے آلیا۔

خدایا! یقین کا یہ روپ کس قدر مختلف تھا۔

وہ تو بہت ہی شریف' بے ضرر اور ٹھنڈے مزاج کا قدرے رومینٹک آدمی ہوا کرتا تھا۔

وہ رونے لگی۔

''آنسو بہانے کی ضرورت نہیں ہے...... سمجھیں۔''

یا اللہ! کیا ہو گیا تھا اسے۔

وہ تو اس کے آنسوؤں پر پگھل جایا کرتا تھا۔

یہ ضرور اماں بہنوں کے سکھائے پڑھائے کا اثر تھا کہ آج وہ اس کے آنسوؤں پر موم ہونے کے بجائے درشتی سے کہہ رہا تھا۔ ''آنسو بہانے کی ضرورت نہیں۔''

اسے روتے دیکھ کر یقین دل میں شرمندگی محسوس کرنے لگا۔ جی چاہا آگے بڑھے اور کہے۔ ''سوری جانم! دراصل دن بھر اتنا اپ سیٹ رہا کہ مجھے اپنی زبان پر قابو نہیں رہا...... آئی ایم رئیلی سوری۔'' مگر عقل نے دل کو لگام دی۔

''خبردار! ایسا کبھی مت کرنا...... سالی اور سر پر چڑھ جائے گی۔''

دل نے سفارش کی۔ ''وہ رو رہی ہے۔''

''رونے دو۔'' عقل نے بڑے جلا دینے سے کہا۔ ''عورت کے آنسوؤں سے مرد کو پسیجنا نہیں چاہئے ورنہ ساری زندگی سالی رو کر ہی دکھاتی رہتی ہے۔''

''اوکے...... اوکے۔'' دل عقل کے بہکائے میں آ گیا۔

اور جویا دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔ ''غلطی ہوئی جو میں آ گئی۔''

تادیر دونوں مسہری کے دو مختلف کناروں پر خاموش بیٹھے رہے پھر یقین اپنی جگہ سے اٹھا اور تکیہ چادر لے کر قالین پر پڑ گیا۔

جویا مریم کے نزدیک ہو کر اس کے ننھے سے لحاف تلے اپنا ہاتھ ڈال کر اس کا پیٹ ٹٹولنے لگی۔

''پتا نہیں میری بچی نے کچھ کھایا بھی ہے کہ نہیں؟''

اس کا دل تڑپ گیا۔ وہ اٹھی اور مریم کے لئے دودھ لانے کو کمرے سے نکل گئی۔

یقین نے گردن اٹھا کر اسے دروازے سے جاتے دیکھا اور منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔ ''سالی چلتی ایسی تن کر ہے جیسے صوفیہ لارین کی فرسٹ کزن ہو۔''

کمرے میں واپسی پر مریم کو دودھ پلاتے ہوئے جویا نے بڑے تاسف سے سوچا۔ ''خدا جانے صبح کس کا منہ دیکھا تھا۔''

یقین کروٹ لیتے ہوئے منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔ ''کیسی عورت ہے...... جھوٹوں بھی نہیں کہا کہ آپ نیچے کیوں لیٹ گئے۔''

''یقین میاں! ایک بات یاد رکھنا...... اپنی جگہ کبھی نہیں چھوڑنی چاہئے بندے کو...... اپنی جگہ چھوڑنے والے اسی طرح پچھتاتے ہیں' جیسے اس وقت تم پچھتا رہے ہو...... سردی کا موسم ہے۔ رات کو جب سردی بڑھے گی تو چادر میں قلفی جم جائے گی تمہاری۔'' ہمزاد بولا۔

''اللہ مالک ہے۔''

''پیارے! اللہ تو سبھی کا مالک ہے۔ پر اس نے بندے کو عقل اس لئے دی ہے کہ کچھ وہ خود بھی کر لیا کرے۔''

یقین نے پاؤں سے سر تک چادر تانی اور آنکھیں موند لیں۔

دن بھر کی تکان اور کوفت نے جلد ہی اسے نیند کے بازوؤں میں دے دیا لیکن رات گئے جب سردی بڑھی تو اس نے کروٹ پر کروٹ بدلنی شروع کر دی۔ کئی مرتبہ جی چاہا کہ اٹھے اور لحاف میں جا گھسے مگر انا آڑے آ گئی۔

نیند کی متوالی جویا نرم گرم لحاف میں دبک کر ایسی سوتی کہ رات کے آخری پہر مریم کے کلبلانے اور رونے پر اس کی آنکھ کھلی۔ جاگی تو دیکھا کہ یقین گھٹنے پیٹ میں دیے گٹھڑی بنا پڑا تھا۔

''بہت اچھا ہے۔ پڑے رہیں اسی طرح ٹھٹھرے ہوئے۔'' اس نے دزدیدہ نظروں سے قالین پر پڑے یقین کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔

مگر اس کے من میں بیٹھی اس کی ہمزاد نے کہا۔ ''کتنی بری بات ہے جویا...... خدانخواستہ اسے ٹھنڈ لگ گئی۔ نمونیہ ہو گیا تو؟''

''ہو جائے...... مجھے پرواہ نہیں۔'' جویا کے ذہن میں رات کی لڑائی کا نقشہ گھوم رہا تھا۔

''پرواہ نہیں تو چھوڑ دے اسے۔''

''کیوں چھوڑ دوں!''

''کوئی بات نہیں...... وہ خود چھوڑ دے گا تجھے...... جو عورتیں اپنے مردوں کی پرواہ نہیں کرتیں' ان کا یہی انجام ہوتا ہے۔''

جویا کو سسرال والوں اور خود یقین سے کتنے ہی گلے شکوے سہی مگر اسے یقین سے محبت تھی اور اسے کھو دینے کا تصور بھی اس کے نزدیک جاں گسل تھا۔

ٹک ٹک کرتی وال کلاک کی طرف نظر اٹھی تو پونے چار کا عمل تھا۔ اسے احساسِ شرمندگی نے آگھیرا کہ رات بھر وہ لحاف اوڑھے سوتی رہی تھی اور یقین محض ایک چادر میں پڑا رہا تھا۔ بجا کہ یقین سے اس کی اچھی خاصی کھٹ پٹ ہوئی تھی اور دونوں ایک دوسرے سے ناراض تھے مگر میاں بیوی میں رنجش کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے دکھ تکلیف سے بے نیاز ہو جائیں یا ایک دوسرے

کو آزار پہنچا کر خوش ہوں۔

وہ لحاف سے نکلی اور اس نے مسہری سے لحاف کھینچ کر بہت آہستگی سے یقین پر ڈال دیا۔ یقین کلبلایا اور اس نے ایک جھٹکے سے لحاف اتار پھینکا۔

جویا نے یہ سمجھتے ہوئے کہ شاید وہ نیند میں تھا' دوبارہ لحاف اسے اوڑھا دیا۔

یقین نے پھر لحاف اتار پھینکا اور چادر میں سے اپنی منڈیا نکال کر غراتے ہوئے بولا۔ ''کیا ہے؟'' جویا کچھ خجل سی ہو گئی۔

وہ اٹھ بیٹھا اور اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے طنزیہ بولا۔ ''اماں کا نشہ اتر گیا ہے کیا جو اس خاکسار کا خیال آ گیا۔''

''توبہ! یہ شخص تو اماں کا جانی دشمن بن گیا ہے۔'' اس نے سوچا پھر یقین کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''جیسے آپ کو اپنی امی عزیز ہیں' ایسے ہی مجھے بھی اپنی اماں بہت پیاری ہیں۔''

''پیاری ہیں تو انہیں اپنی زبان میں پیار سے سمجھا دو کہ تمہارا گھر بگاڑنے کی کوشش نہ کریں۔'' غصے سے بولا۔

''وہ میری ماں ہیں' دشمن تو نہیں۔'' اس نے تلخی سے کہا۔

''تمہاری اماں جیسی مائیں دشمن ہی ہوتی ہیں۔ سمجھیں۔'' اس نے آنکھیں نکال کر جویا کو دیکھا۔

''میں نے رات کو بھی بہت برداشت کیا اور اب بھی بہت برداشت کر رہی ہوں۔'' وہ منہ بنا کر بولی۔ پھر اس نے غصے سے کہا۔ ''آپ میری اماں کو زیادہ برا نہ کہیں ورنہ......''

''ورنہ؟'' اس نے جویا کو گھورا۔

''ورنہ...... خواہ مخواہ بات بڑھ جائے گی۔''

''اچھا!'' وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ناگواری سے بولا۔ ''بڑھاؤ...... دیکھتا ہوں کہاں تک بڑھتی ہے بات۔''

''میں نے غلطی کی نا جو میں آ گئی۔''

''نہ آتیں۔''

''کیوں بھیجا تھا' اپنے ابا اماں کو۔''

''میں نے ہرگز نہیں بھیجا تھا...... وہ خود ہی گئے تھے۔''

''منع کر دیا ہوتا انہیں...... روک لیا ہوتا۔''

''میں نے تو روکا تھا۔''

''اتنی چاہت تو کسی کو بھی نہیں ہے میری اس گھر میں کہ وہ آپ کی مرضی اور منشا کے بغیر مجھے لینے کے لیے چل دیا ہو گا۔''

''تم میں ایسی خوبی ہی کب ہے جو کسی کو تمہاری چاہت ہو۔''

''اچھا! کوئی خوبی ہی نہیں۔''

''یہ تو بتاؤ۔''

''قسمت خراب تھی میری جو میں اس گھر میں آ گئی۔'' وہ روہانسی ہو کر بولی۔

''قسمت تو میری خراب تھی جو تم جیسی عورت میرے پلے پڑ گئی۔''

جویا کی آنکھیں بھر آئیں۔

''دوسری کر لیں۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''دوسری کرنے کا طعنہ مت دیا کرو ورنہ......''

''ورنہ؟''

''تمہارے دل کی یہ حسرت مٹا دوں گا۔''

جویا رونے لگی۔

وہ دوبارہ چادر میں منہ لپیٹ کر پڑ گیا۔

جویا سوں سوں کرتی رہی' روتی رہی۔

یقین کچھ دیر بے حس و حرکت پڑا رہا پھر چادر سے منہ نکال کر اسے دیکھتے ہوئے غرایا۔ ''کیا بیوہ ہو گئی ہو جو یوں بیٹھی رو رہی ہو۔''

''اللہ کرے' بیوہ ہی ہو جاؤں۔'' جویا نے دل ہی دل میں کہا۔

لیکن اگلے ہی لمحے اس نے خود کو لعن طعن کی۔ ''توبہ توبہ! کیسی منحوس بات آئی تھی میرے ذہن میں۔''

''روں روں مت کرو...... سو جاؤ پڑ کر۔'' یقین نے کہا۔

''نہیں سوتی۔''

''مت سو...... میری بلا سے...... ویسے بھی تم خوب خراٹے لے لے کر سو چکی ہو۔''

''تو کیا اب سونے پر بھی پابندی لگانے کا ارادہ ہے!'' وہ بھبک کر بولی۔

''پابندی کو تم خاطر میں کب لاتی ہو۔'' وہ طنزاً بولا۔

جویا سمجھ گئی کہ وہ اسے طعنہ دے رہا تھا اس بات کا کہ وہ اس کے منع کرنے کے باوجود اماں کے ہاں کیوں چلی گئی تھی۔

''میں نہ تو اس گھر کو چھوڑ سکتی ہوں' نہ اپنے ماں باپ کو چھوڑ سکتی ہوں۔''

اس نے چادر سے اپنا چہرہ نکالا اور دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔ ''جاؤ بابا' انہی کے ساتھ جا کر رہو۔''

''چلی جاؤں گی...... چلی جاؤں گی۔''

''میں شکرانے کے نفل پڑھوں گا۔''

وہ دوبارہ رونے لگی۔

''لاحول ولا قوۃ۔'' وہ کروٹ لیتے ہوئے زور سے بولا۔

''کیا شیطان ہوں جو لاحول پڑھ رہے ہیں۔''

''شیطان اتنا ابل مینرڈ نہیں ہے...... موقع دیکھ کر آتا ہے۔''

''ہاں ہاں' میں تو ابل مینرڈ ہوں۔ جنگلی ہوں جاہل ہوں۔''

''اپنی تعریف آپ کر رہی ہو۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' وہ چادر کے اندر ہی سے بولا۔

جویا نے اس کی چادر پکڑ لی اور زور سے جھنجوڑتے ہوئے بولی۔ ''آپ چاہتے کیا ہیں؟''

وہ اٹھ بیٹھا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر اسے گھورتے ہوئے بولا۔ ''میرا پیچھا چھوڑ دو۔''

جویا چند ثانیے اسے دیکھتی رہی پھر گھٹنوں میں اپنا چہرہ چھپا کر رونے لگی۔

یقین نے اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا اور بے بسی سے بولا۔ ''تم کیا چاہتی ہو؟''

''آپ کیا چاہتے ہیں؟'' وہ گھٹنوں سے اپنا چہرہ نکال کر بولی۔

''میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تمہاری اماں ہمارے معاملات میں اپنی ٹانگ نہ اڑائیں۔ انہیں سمجھا دو کہ اگر انہوں نے ہمارے معاملات میں مداخلت بند نہ کی تو یہ گاڑی نہیں چل سکے گی۔''

''کون سی گاڑی؟''

''ہماری زندگی کی گاڑی...... ہم دونوں کا رشتہ۔''

جویا اس کا منہ دیکھنے لگی۔

یقین سر سے پاؤں تک چادر تان کر دوبارہ قالین پر پڑ گیا۔

جویا اٹھی اور مسہری پر مریم کے پاس جا لیٹی۔ لحاف اس نے یقین کے پاس ہی پڑا رہنے دیا۔

صبح ہونے میں کچھ زیادہ دیر نہ تھی۔

جویا کو اماں کی یاد بری طرح ستا رہی تھی!

☆=====☆=====☆

جویا نے سوچا تھا' اسکول سے واپسی پر یا تو کھڑے کھڑے اماں کے پاس ہو لے گی اور انہیں گزشتہ رات کی کتھا سناتی ہوئی گھر لوٹے گی ورنہ راستے میں کسی پبلک کال آفس سے انہیں فون کر کے سارا قصہ بتا دے گی مگر اماں نے آگاہی احوال کے لئے اس سے بھی زیادہ مستعدی اور بے تابی کا مظاہرہ کیا۔

پتا نہیں' اماں بے چاری نے رات بھی کیونکر گزاری ہوگی!

دوسرا پیریڈ تھا اور وہ کلاس لے رہی تھی کہ چپراسی نے آ کر بتایا۔ ''آپ کا فون آیا ہے مس۔''

''میرا؟''

''جی۔''

''کہاں سے؟''

''یہ میرے کو نہیں معلوم۔'' چپراسی بولا۔ ''میڈم نے میرے کو بولا۔ مس جویا سے جا کے بولو ان کا فون آیا ہے۔''

''اچھا آ رہی ہوں۔''

اس نے طالبات کو خاموش بیٹھے رہنے کی ہدایت کی اور کمرۂ جماعت سے نکل کر ہیڈ مسٹریس

کے کمرے کی طرف چل دی۔

''شاید ان کا فون ہو...... رات کے رونے کی معافی مانگنے کے لئے کیا ہو۔'' اس کے دل نے کہا۔

''اجی ہاں! وہ ایسے نہیں...... رات دیکھا تھا' کیسے غرا غرا کر بات کر رہے تھے...... اونہہ۔''

اس نے سر کو جھٹکا۔

اتنے میں وہ ہیڈ مسٹریس مسز ہاشمانی کے دفتر تک آ پہنچی۔

''ایکسکیوزمی میڈم۔'' اس نے کمرے کے دروازے پر پڑا پردہ ہٹا کر اندر جھانکتے ہوئے کہا۔

''آیئے...... آیئے آپ کا فون ہے۔''

وہ آگے بڑھی اور اس نے میز پر کریڈل کے قریب اوندھا رکھا ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

''ہیلو!'' اس نے بصد احتیاط کہا۔

''کون؟'' آواز تو اماں سے ملتی جلتی تھی۔

''جویا!''

''ہاں...... کیا حال ہے؟'' تصدیق ہوگئی کہ وہ اماں ہی تھیں۔

''السلام علیکم اماں۔''

''وعلیکم السلام...... رات سے اب تک تمہاری فکر میں ہوں۔'' اماں نے کہا۔

اس کا جی بھر آیا' اس خیال سے کہ اس دنیا میں جہاں یقین جیسا بے مہر اور کٹھور شخص رہتا تھا' اماں جیسی مہربان اور ہمدرد ہستی بھی تھی۔

''کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں۔'' وہ رقیق لہجے میں بولی۔

''نہیں...... ٹھیک تو نہیں لگ رہیں تم مجھے۔''

ہائے! کیسی ہمدرد تھیں اماں۔

بغیر بتائے انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ٹھیک نہیں تھی۔

ٹھیک ہی کہتے ہیں لوگ کہ محبت کرنے والوں کے دل ہماری تکلیف پر پہلے ہی کھٹک جاتے ہیں' سو اماں کو بھی الہام ہو گیا تھا کہ وہ دکھ میں تھی...... ناخوش تھی!

اس کی آنکھوں میں نمی سی آ گئی۔

''آواز بتا رہی ہے تمہاری کہ تم ٹھیک نہیں ہو۔'' اماں بولیں۔

اس کے لبوں پر لرزش سی طاری ہو گئی۔

مسز ہاشمانی کی موجودگی کا احساس اسے محتاط رہنے پر مجبور کر رہا تھا۔

''جویا!'' اماں کے لہجے میں یک گونہ بے تابی عود کر آئی۔

''جی۔'' وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔

اس کا جی چاہا اُڑ کر اماں کے پاس جا پہنچے اور اپنا دل کھول کر ان کے سامنے رکھ دے۔

"کیا بات ہے؟ کچھ کہا سنا ہے اُن لوگوں نے؟"

وہ چپ رہی۔

"یقین کا رویہ کیسا رہا؟"

"بہت برا۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"مجھے معلوم تھا...... مجھے معلوم تھا کہ وہ بدذات یہی کرے گا مگر یہ تمہارے ابا کو لگی ہوئی تھی کہ بیٹی کو گھر بھیجو...... دو چار دن کو گھر بیٹھ جاتیں تو بھاری ہو کر جاتیں......" اماں جو ایک دم بھڑکی تھیں یک بیک ہی ویسی ہی پڑ گئیں اور رنجور لہجے میں بولیں۔ "کیا کہا اس خبیث نے؟"

"جو منہ میں آیا کہا۔"

"خدا سمجھے اس منحوس کو۔" اماں نے غصے سے کہا۔

جویا نے دوپٹے کا پلو ناک کے نتھنوں کے نزدیک کر کے دو مرتبہ زور سے سوں سوں کی۔

مسز ہاشانی جو بظاہر کسی فائل کی ورق گردانی میں منہمک نظر آتی تھیں، جویا کی طرف دیکھے بنا بولیں۔ "بیٹھ جایئے مس جویا، بیٹھ کر بات کریں۔"

جویا کو ان کے لہجے سے غیر معمولی ہمدردی کی جھلک آئی۔ ان کا کرسی آفر کرنا بھی ہمدردی کی علامت تھی، وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"کچھ بتاؤ تو سہی کہا کیا اس نے؟"

"آپ کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔"

"کیوں؟" اماں بھبک کر بولیں۔ "میں نے اس کی بھینس مار لی ہے کیا؟"

جویا نے کنکھیوں سے مسز ہاشانی کی طرف دیکھا جو ایک بارعب ہیڈ مسٹریس ہونے سے قطع نظر ایک سوشل ورکر، آزادیٔ نسواں کی علمبردار اور مردوں کی زیادتیوں کے خلاف مظلوم عورتوں کی حامی و مددگار بھی تھیں۔

ٹیلی فون پر اماں تھیں اور روبہ نگاہ مظلوم عورتوں کی حامی و ناصر مسز ہاشانی!

جویا کی آنکھیں چھلک اٹھیں۔

"اماں، بہت...... بہت زیادتی کی انہوں نے میرے ساتھ۔"

"کمبخت! منحوس مارا۔" اماں نے منہ بھر کر یقین کو کوسا۔

جویا نے کنکھیوں سے مسز ہاشانی کو دیکھتے ہوئے اپنے منہ اور ماؤتھ پیس کے درمیان خلا کو اپنے بائیں ہاتھ کے نیم ہالے میں کیا اور آہستہ سے بولی۔ "مارا بھی مجھے۔"

"ہیں!" اماں چونکیں۔ "مارا بھی!" پھر دانت پیستے ہوئے یقین کو مزید کوسا۔ "خدا کرے مردود کے ہاتھ ٹوٹ جائیں...... کیڑے پڑیں اس کے ہاتھوں میں...... رعشہ آ جائے کمینے کے ہاتھوں میں۔"

جویا نے پھر دو تین مرتبہ سوں سوں کیا۔

مسز ہاشانی نے کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہارے ساس سسر کچھ نہیں بولے؟"

"انہیں پتا ہی نہیں۔"

"ارے وہ سب کچھ جانتا ہوگا...... بڑی بی نے خوب کان بھرے ہوں گے بیٹے کے...... یہ کمبخت ساس نندیں بڑی حرفوں کی بنی ہوئی ہیں بہوؤں پر بیٹوں سے سختیاں کروائے جائیں گی اور انجان بنی رہیں گی۔"

اماں کی بات اس کے دل کو لگی۔

"کیسا منحوس ہے ہاتھ بھی اٹھا لیا۔" اماں کے لہجے سے ملال جھلک رہا تھا۔ "کمبخت کا ہاتھ کھل گیا ہے ایک بار تو اب بار بار اٹھائے گا۔"

"کیا کروں اماں؟" وہ دھیرے سے بولی۔

"کرو کیا...... اپنے ابا کو دعائیں دو جنہوں نے میری ایک نہ چلنے دی...... یقین ناک رگڑتا ہوا آتا اور ہماری ساری شرطیں مانتا...... خیر، اللہ مالک ہے، ہم کوئی چور تھوڑی ہیں جو یقین کی طرح سامنے آنے سے گھبرائیں اور منہ چھپا کر بیٹھ جائیں...... تمہارے سسر نے کل کہا تھا کہ ہم آپ کے تمام گلے شکوے سنیں گے اور ان کے ازالے کی کوشش کریں گے۔ میں انہیں فون کر کے کہوں گی کہ بیٹے کو ساتھ لے کر آئیں اور ہماری سنیں ورنہ پھر ہم خود آتے ہیں...... بس پھر تم دیکھنا میں کیسے نمٹتی ہوں سب سے۔"

"ٹھیک ہے۔" جویا کو اماں کی بات سے بڑی ڈھارس بندھی۔

"تم فکر نہ کرو...... جب تک تمہاری ماں زندہ ہے، تمہیں فکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں...... بھائی نے بھی کل تمہارے سسر کو جتا دیا تھا کہ اب اگر کوئی ایسی ویسی حرکت کی یقین نے جویا کے ساتھ تو ہم سر نہیں گے۔"

جویا کو انتہائی تقویت کا احساس ہوا۔

"تم بالکل تسلی رکھو...... اچھا۔"

"جی...... جی اچھا۔"

"ٹھیک ہے پھر...... خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔"

ریسیور کریڈل پر دھرتے ہوئے جویا نے مسز ہاشانی کا شکریہ ادا کیا۔

انہوں نے جویا کی طرف دیکھا اور بڑے نرم لہجے میں بولیں۔ "کوئی بات نہیں۔" جویا ان کے کمرے سے جانے کو تھی۔

"بیٹھئے مس جویا۔" مسز ہاشانی نے اسے ہمدردانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

جویا جو شادی کے بعد بھی اسکول میں مس جویا ہی کہلاتی تھی، متذبذب نظروں سے مسز ہاشانی

"بیٹھیے...... بیٹھیے۔" مسز ہاشمانی نے پھر کہا۔

وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

مسز ہاشمانی نے اس کی طرف دیکھا اور ہمدردانہ لہجے میں بولی۔ "کیا بات ہے مس جویا، کچھ پریشان ہیں کیا؟"

ہمدردی اور وہ بھی افسر کی جانب سے!

جویا کا دل بھر آیا اور اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"آئی ایم سوری، مس جویا۔ میں نے آپ کی باتیں اوور ہیئر کیں۔" مسز ہاشمانی معذرت خواہانہ انداز میں بولیں۔

"کوئی بات نہیں میڈم۔" وہ بوجھل آواز میں بولی۔

"پرابلم کیا ہے؟"

جویا کے لبوں پر لرزش سی طاری ہو گئی۔

"شاید...... میں آپ کی کچھ مدد کر سکوں۔" مسز ہاشمانی نے کہا۔

جویا اس حقیقت سے بخوبی آشنا تھی کہ کسی نجی یا سرکاری معاملے میں مسز ہاشمانی کی ہمدردیاں حاصل کر لینے والے اسٹاف ممبرز عموماً فائدے ہی میں رہا کرتے تھے سو اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میڈم میں بہت پریشان ہوں"

"کیوں؟ کیوں پریشان ہیں؟"

"مجھے...... میرے سسرال والے...... بہت تنگ کرتے ہیں"

مسز ہاشمانی کے لبوں پر مدبرانہ مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ بولیں۔ "مس جویا، سسرال والے کس کو تنگ نہیں کرتے۔"

جویا نے بے ساختہ چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

مسز ہاشمانی کی مسکراہٹ گہری پڑ گئی۔

جویا تو کچھ سی کیفیت میں انہیں ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی۔

"مگر پھر بھی۔" مسز ہاشمانی کچھ دیر توقف کے بعد بولیں۔ "پھر بھی انہیں بھگتنا پڑتا ہے کیونکہ......" مسز ہاشمانی رک گئیں۔ ہاتھ بڑھا کر انہوں نے مرمریں پیپرویٹ اٹھایا اور اسے اپنے سامنے رکھ کر دھیرے دھیرے اسے دائروی حرکت دیتے ہوئے بولیں۔

"پریشان تو کرتے ہیں مگر کام بھی آتے ہیں۔"

جویا نے متذبذب نظروں سے انہیں دیکھا۔

مسز ہاشمانی مسکرائیں پھر شانے اچکا کر بولیں۔ "آئی ڈونٹ نو مس جویا کہ آپ کا تجربہ کیا ہے؟ مگر میرا تجربہ یہ کہتا ہے کہ ہم ورکنگ ویمن کے بچوں کے لئے دادا، دادی سے بہتر بے بی سٹم نہیں مل سکتا۔" انہوں نے توقف کیا پھر کہا۔ "ایم آئی رونگ مس جویا؟"

جویا مسز ہاشمانی سے کیسے اختلاف کرتی!

دادا اور دادی مریم کا کتنا خیال رکھتے تھے!

کتنی ناز برداری کرتے تھے دونوں اس کی!

دادا، دادی ہی کیا، پھوپھیاں اور چچا بھی نثار رہا کرتے تھے اس پر۔

نگہت بھی چاہے اس سے کتنی ہی اکھڑی رہتی مگر بھتیجی کا خوب لاڈ کرتی۔

اور مدحت بجیا تو اسے ہتھیلی کا چھالا بنائے رکھتیں۔

ددھیال والے دن بھر اسے چومتے چاٹتے رہتے۔

جویا کو تو اکثر خبر ہی نہ ہوتی کہ کب اسے بھوک لگی اور کب کس نے اسے کچھ پلا دیا، کب کس نے اس کا ہاتھ منہ صاف کر کے کپڑے تبدیل کروا دیے اور کب اس نے دادی یا پھوپھی کے ہاتھوں حوائج ضروریہ سے فراغت حاصل کی۔

وہ ذرا روئی نہیں کہ ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے نے اسے اپنی گود میں لیا۔

شام کو دادا بلاناغہ اسے گود میں لے کر ٹہلانے کو باہر لے جاتے۔

رات کو مدحت بجیا اسے لوریاں سنا کر سلاتیں۔

ذہین گھوڑا بن کر اسے اپنی پشت پر سواری کرواتا۔

اس کے سامنے نگہت کی بچیوں کو گھر والے کم ہی خاطر میں لاتے۔

وی آئی پی بچہ بنی ہوئی تھی وہ!

بھلا کیسے کہہ دیتی جویا کہ مسز ہاشمانی "رونگ" تھیں۔

"وہ تو ٹھیک ہے میڈم لیکن......"

"لیکن؟"

"میرے سسرال والے بہت تیز ہیں...... خاص طور پر میری ساس اور نندیں۔"

مسز ہاشمانی پھر مسکرائیں اور بولیں۔ "مس جویا، ساس نندیں تو سب کی سب ایک ہی میٹریل کی بنی ہوتی ہیں، بس ذرا فنشنگ کا فرق ہوتا ہے۔"

جویا اُن کا منہ دیکھنے لگی۔

"یہ بتایئے کہ...... آپ کے ہسبینڈ کیسے ہیں؟"

"پہلے اچھے تھے...... ٹھیک تھے مگر......"

"مگر؟"

"اب وہ بھی بدلتے جا رہے ہیں۔"

"یہی ہوتا ہے۔"

جویا نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"شادی جوں جوں پرانی ہوتی جاتی ہے، مرد بدلتے چلے جاتے ہیں۔ وہ بیوی کو بھی روٹین کی چیز سمجھنے لگتے ہیں۔"

"آئی ایم سوری میڈم...... کیا ہاشمانی صاحب بھی......؟"

"اوہ نو۔" مسز ہاشمانی نے بڑے شدومد سے نفی میں گردن ہلائی اور بولیں۔ "میں نے خود کو روٹین کی چیز نہیں بننے دیا مس جویا...... میں اٹھارہ گریڈ کی عورت ہوں۔ مجال نہیں کہ ہاشمانی صاحب میرے سامنے اونچی آواز سے بھی بات کر جائیں۔ سسرال والے بھی رعب میں رہتے ہیں' ساس کے ساتھ میں نے ہاشمانی صاحب کی ایک بہن کو بھی ساتھ رکھا ہوا ہے۔ بیوہ ہیں بے چاری۔ ایک بیٹا ہے ان کا جو کالج میں پڑھ رہا ہے۔ ماں بیٹے کو ہم ہی سپورٹ کرتے ہیں۔ میں سوچتی ہوں' ملازمت کی ان لوگوں پر خرچ کر دیا۔ آخر غریب اور ضرورت مند رشتے داروں کے بھی تو ہم پر کچھ حقوق ہوتے ہیں۔"

مسز ہاشمانی تائید طلب نگاہوں سے اسے دیکھنے لگیں۔

"جی...... جی میڈم۔" اس نے پُرزور تائید کی۔

"میں نے مجبوراً اور ضرورتاً رکھا ہوا ہے ان لوگوں کو اپنے ساتھ۔" مسز ہاشمانی شانے اُچکاتے ہوئے بولیں۔

"میڈم! میں بھی بس مجبوراً رہ رہی ہوں ان لوگوں کے ساتھ۔" جویا تنو کی سی کیفیت میں بولی

"وہائے ڈونٹ یو میک یور اون ہوم مس جویا؟ آپ اپنا علیحدہ گھر کیوں نہیں بنا لیتیں؟" مسز ہاشمانی نے کہا۔

آہ!

یہ کیسا دل دُکھانے والا سوال کر دیا تھا مسز ہاشمانی نے!

علیحدہ گھر بنانا تو اس کی سب سے بڑی تمنا بن چکی تھی۔

"میں تو چاہتی ہوں میڈم۔" وہ بوجھل آواز میں بولی۔

"تو بنا لیں۔" مسز ہاشمانی نے یوں کہا جیسے علیحدہ گھر بنانا کوئی کھیل تھا۔

"میرے ہسبینڈ نہیں مانتے۔"

"کیوں؟"

"وہ اپنے گھر والوں سے الگ نہیں ہونا چاہتے۔"

"انہیں سمجھائیں آپ کہ مل جل کر ناخوش رہنے سے بہتر ہے کہ الگ مگر خوش خوش رہا جائے۔"

"وہ یہ بات نہیں سمجھتے میڈم...... بہت ضدی ہیں وہ۔"

"کوشش کرتی رہیں' شاید مان جائیں۔"

"وہ کبھی نہیں مانیں گے۔" جویا تلخی سے بولی۔

"پھر تو دعا ہی کی جا سکتی ہے۔"

"ان پر دعا اثر کرے گی نہ دوا۔"

"اچھا!"

"جی...... میری انہیں ذرا پرواہ نہیں۔ فکر ہے تو بس اپنے گھر والوں کی' اپنی اماں بہنوں کی۔" شدتِ جذبات سے جویا کی آواز رندھ سی گئی۔

مسز ہاشمانی اسے ہمدردانہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

"اتنے بے رحم ہو گئے ہیں وہ کہ اب تو...... اب تو مجھے میرے میکے بھی نہیں جانے دیتے۔"

جویا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"ریئلی!" مسز ہاشمانی نے بے یقین لہجے میں کہا۔

جویا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہی مسٹ بی کریزی اوین......"

کوئی اور وقت ہوتا تو جویا مسز ہاشمانی کے یقین کو "کریزی" کہنے کا یقیناً برا مناتی لیکن اس وقت اسے تسلی سی ہوئی۔

ہاں' شاید دیوانہ ہی ہو گیا تھا وہ۔

"یہ تو سراسر...... ایکسپلائٹیشن ہے ایک تعلیم یافتہ ورکنگ وومن کا استحصال تو...... نو مس جویا ...... خود کو...... ایکسپلائٹ مت ہونے دیں اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں سے ملنا آپ کا حق ہے۔ آپ اس سلسلے میں اپنے ہسبینڈ سے لڑ سکتی ہیں بلکہ آپ کو لڑنا چاہیے۔"

"لڑ ہی تو رہی ہوں میڈم۔"

"گڈ!" مسز ہاشمانی نے توصیفی نظروں سے اسے دیکھا اور بولیں۔ "میں آپ کے لیے دعا کروں گی۔"

"تھینک یو میڈم!"

مسز ہاشمانی نے اس کی نم آنکھوں پر اپنی مسکراہٹ کے پھاہے رکھنے کی کوشش کی۔

جویا کچھ دیر تو دلگیری بیٹھی رہی پھر اس نے کہا۔ "مجھے اجازت ہے میڈم۔"

"شیور...... سوری مس جویا میں نے آپ کے پرسنل معاملے میں مداخلت کی۔"

"اوہ نو میڈم...... آپ کی باتوں سے مجھے بہت حوصلہ ملا ہے۔ بہت ریلیکسڈ فیل کر رہی ہوں میں۔"

"مجھے کمزور عورت اچھی نہیں لگتی۔ بی بریو...... او کے؟"

"یس میڈم۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

☆=====☆=====☆

دوپہر کو ابا دکان سے گھر آئے تو کھانا کھانے کے بعد اماں نے اُن سے کہا۔ "میں نے جویا کو فون کیا تھا اُس کے اسکول...... بہت پریشان تھی وہ۔"

"کیوں؟"

"سسرال والوں نے طعنہ و تشنیع الگ کی اور کمبخت اس منحوس مارے نے میری بچی کو مارا الگ۔"

"کس نے؟ یقین نے!"

"جی ہاں..... آپ کے لاڈلے داماد نے۔" اماں طنز سے بولیں۔

"لیکن کیوں؟"

"یہ تو آپ اُسی سے پوچھئے گا کہ کیوں مارا اس بدبخت نے۔"

ابا کچھ فکرمند سے دکھائی دینے لگے۔

"وہ خود لینے کے لئے آتا جویا کو تو میں اُس کی خبر ضرور لیتی مگر آپ نے میری چلنے ہی نہ دی خیراب میں جویا کے سسر کو فون کردوں گی کہ زبان دی ہے تو بیٹے کو لے کر آئیں۔ ہماری شکایت سنیں اور اس کا ازالہ کریں۔"

"ارے بھئی اُن کا کیا قصور!"

"اُن کا قصور یہ ہے کہ نہ آتے بیٹے کے سفارشی بن کر۔"

"نیک بخت! ماں باپ اولاد سے اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ہوتے ہیں۔"

"چولہے میں جائے ایسی محبت۔" امی نے پل بھر کو خاموشی اختیار کی پھر بولیں۔ "یقین آتا تو میں اُسے ایسا ذلیل کرتی کہ سر نہ اُٹھا پاتا۔"

"بھلی عورت! دامادوں کو بھلا کون عقلمند ذلیل کرتا ہے۔ دامادوں کی تو عزت کی جاتی ہے تاکہ جواب میں وہ بھی عزت کریں۔"

"اونہہ!" اماں نے سر جھٹکا پھر تلخ لہجے میں بولیں۔ "ہم نے کون سی بے عزتی کی دامادوں کی..... ارے اس کمبخت یقین کو تو سر پر بٹھایا مگر دیکھ لیں' کیسے دل میں چنگیاں بھر رہا ہے۔"

"تم دل پر زیادہ لے رہی ہو۔"

"اے واہ! دل پر لینے کی کیا بات۔" اماں نے تیور بگاڑے پھر بولیں۔ "وہ ہمارے ٹیلی فون ٹیپ کرے اور ہم چپ رہیں۔ وہ ہماری بچی کو برا بھلا کہے اور ہم کہیں شکریہ..... وہ ہمارے جگر کے ٹکڑے کو مارے اور ہم کہیں مہربانی۔"

"میری مانو تو کچھ بھی نہ کہو۔" ابا بولے۔

"کیا مطلب؟" اماں نے ٹیڑھی نگاہوں سے اُنہیں دیکھا۔

"مطلب یہ کہ بیٹیوں کے معاملے نازک ہوتے ہیں۔ ہماری جانب سے مداخلت جتنی کم ہو اچھا ہے۔"

"سو دفعہ سن چکی ہوں میں آپ کی یہ بات۔" اماں تڑخ کر بولیں۔

"چلو ایک دفعہ اور سہی۔"

اماں نے خاصی ناگواری سے ابا کو دیکھا پھر دوٹوک لہجے میں بولیں۔ "اب تو پنچایت بٹھاؤں گی میں۔"

"میرے خلاف؟"

"آپ کے ناخلف داماد کے خلاف۔" اماں نے لحظہ بھر کو توقف کیا پھر مزید کہا۔ "آج اگر

جویا کے میاں نہ آئے تو فون کردوں گی کہ اپنی زبان کی لاج رکھنے کو اپنے بیٹے کو لے کر آئیں تو سہی۔"

"فرض کیا' وہ آگئے تو؟"

"تو یقین کو بھگو بھگو کے ماروں گی۔"

"ایسی غلطی بھی مت کرنا۔ داماد بعض اوقات ذرا سی بات پر بگڑ جاتے ہیں۔"

"ارے بگڑ جائے' مجھے پرواہ نہیں..... جو ہماری بچی کو چین سے نہ رکھے' وہ جائے جہنم میں۔"

"دیکھو نیک بخت' میرا خیال تو یہ ہے کہ فی الحال تم زیادہ طیش میں نہ آؤ۔ ذرا صبر اور تحمل سے کام لو۔"

"صبر اور تحمل جائے جہنم میں..... آپ اپنی نصیحتیں اپنی جیب میں رکھیے۔ میں جانتی ہوں' زہرا کی دفعہ آپ نے کون سا ساتھ دیا! کب اُس کے آنسو پونچھے جواب جو با کے پونچھیں گے..... مجھی کو خبر لینی پڑے گی اِن لوگوں کی۔"

"دیکھو سارہ کی ماں......"

"بس..... بس مجھے کچھ سمجھانے کی ضرورت نہیں۔" اماں اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

"بھئی سنو تو......"

"مجھے کچھ نہیں سننا۔" اماں نے اتنا کہا اور رُخ پھیر کر خفا خفا سی بیٹھ گئیں۔

اُن کے لئے یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ وہ اکثر ان کی بات سننے سے یونہی انکار کردیا کرتی تھیں۔

انہیں کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے ابا نے زدیا کو باآواز بلند پکارا۔

"جی ابا۔" زدیا لپکتی ہوئی آئی۔

"بیٹی! ذرا اپنی اماں کے کندھے تو دبا دو۔ بلڈ پریشر ہائی ہو رہا ہے ان کا۔" ابا نے اماں کو دُزدیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے زیرِلب مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

زدیا نے اماں کی جانب دیکھا پھر ابا کی طرف نگاہ کی اور صورتِ حال بھانپ گئی۔

ابا نے مسکراتے ہوئے اسے معنی خیز اشارہ دیا۔

وہ اماں کی طرف بڑھی اور ان کے نزدیک پہنچ کر بولی۔ "کندھے دباؤں اماں۔"

"گردن دبا دے تاکہ مجھے بھی نجات مل جائے اور تم لوگوں کے کلیجوں میں بھی ٹھنڈک پڑ جائے۔" اماں بھڑکیں۔

زدیا اُن کے نزدیک بیٹھ گئی اور اُن کے کندھے دباتے ہوئے بولی۔ "کیا ہوا اماں؟ کیوں غصے ہو رہی ہیں؟"

"دماغ خراب ہوگیا ہے میرا۔ پاگل ہوگئی ہوں۔ باؤلے کتے نے کاٹ لیا ہے مجھے۔" اماں ایک سانس میں بولیں۔

"خدانہ کرے..... کیسی باتیں کررہی ہیں اماں۔"

"وہ کمبخت مردود یقین میری بچی پر ظلم کرے..... طعنہ و تشنیع کرے..... اُسے مارے پیٹے اور مجھے اُس کے خلاف شکوہ شکایت کی اجازت بھی نہ ہو تو کیا دماغ میں کھنچاؤ سے پاگل نہیں ہو جاؤں گی

میں۔"

"اللہ پر چھوڑ دیں اماں۔" ژویا بوجھل آواز میں بولی۔

"سارے کام اللہ ہی پر نہیں چھوڑے جاتے' کچھ بندوں کو بھی کرنا پڑتا ہے۔" اماں نے کہا۔

"یہ......یقین بھائی کو ہو کیا گیا ہے۔ پہلے تو وہ ایسے نہیں تھے۔"

"ارے وہ گھنا ہمیشہ کا ایسا ہی ہوگا۔ اوپر کینچلی چڑھا رکھی تھی۔ وہ اُتری تو اصل روپ ظاہر ہو گیا۔"

"کینچلی! اماں کینچلی تو سانپ کے اوپر ہوتی ہے۔"

"برا داماد سانپ سے کم نہیں ہوتا۔"

"لاحول ولا قوۃ" ابا بڑبڑائے۔

اماں نے گردن موڑ کر ابا کو گھورا اور بولیں۔ "ہم کوئی شیطان ہیں جو لاحول پڑھا جا رہا ہے۔"

"آپ کو تھوڑی کہہ رہے ہیں اماں۔" ژویا نے کہا۔

"تو چپکی رہ!" اماں نے ایک ہی جھٹکے میں اس کے ہاتھ اپنے کندھے پر سے ہٹا دیے اور ابا کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔ "جویا کی سسرال کے لیے تو میں اکیلی ہی کافی ہوں۔"

☆=====☆=====☆

یقین کے علاوہ گھر والوں میں سے بس امی جی نے رات کو جویا کو کچھ ہدایت نصیحت کی تو کی' اگلے دن کسی نے کچھ نہیں کہا سنا۔

دلوں میں البتہ گلے شکوے تھے سو تھے۔

جویا کے اسکول چلے جانے کے بعد امی بہت دیر یہاں سے جویا کے بارے میں شکوے شکایتیں کرتی رہیں' تاہم دوپہر کو جب وہ اسکول سے گھر واپس لوٹی تو کھانے کی میز پر سب اسی طرح اکٹھے بیٹھے جیسے گزری کل سے پہلے بیٹھتے رہے تھے۔

کھانا معمول کے مطابق کھایا گیا۔

باتیں بھی ہوتی رہیں۔

نوالے بھی لیے جاتے رہے۔

جویا سسرال والوں سے بدگمان تو کافی دنوں سے چلی آ رہی تھی مگر اس روز کھانے کے دوران انہیں معمول کے مطابق ہنستے بولتے دیکھ کر وہ دل ہی دل میں سوچتی رہی کہ ان لوگوں کا ہنسنا بولنا محض دکھاوا ہے یا......!

کسی نے بھولے سے بھی اُس سے گزری کل کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔

کسی قسم کی طعن وتشنیع نہیں کی۔

کوئی سوال نہیں کیا۔

سب یوں تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

خدا جانے یہ منافقت تھی یا مصلحت!

ریاکاری تھی یا مکاری!

یا پھر وہ سمجھ نہ پا رہی تھی!

ان کی سادہ باتوں میں بھی وہ گہرے معنی اور طعن وتشنیع ڈھونڈنے کی کوشش کرتی رہی۔

ان کی مسکراہٹیں اُسے اپنے وجود میں کھبتی محسوس ہوتی رہیں۔

وہ ان لوگوں سے نظریں چرانے کی کوشش کرتی رہی۔

شادی کے بعد وہ ان گنت مرتبہ اپنے میکے گئی تھی۔

مگر کل کا جانا کیسا جانا تھا کہ آج اس گھر میں سب اپنی اپنی جگہ پر تھے مگر وہ خود کو اپنی جگہ پر نہ پا رہی تھی۔

کچھ گڑبڑ سی ہو گئی تھی۔

جیسے دائرے کا ایک نقطہ نکل جانے پر باقی تمام نقطے ایک خطِ مستقیم کی شکل دھار کر بھی ایک دوسرے سے مربوط اور منضبط ہوں مگر دائرے کی ترتیب سے نکل جانے والا نقطہ خود کو معلق اور تنہا پا رہا ہو!

وہ خود کو سب سے الگ تھلگ' معلق اور تنہا پا رہی تھی اور یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ اپنی اس تنہائی پر وہ رنجیدہ تھی یا شرمندہ!

کھانے کے بعد جب وہ اپنے کمرے میں آئی تو کارنس پر دھری اپنی اور یقین کی تصویر کو دیکھ کر اس کے ذہن میں بگولا سا اُٹھا۔

پچھلی رات کیسی کڑوی کسیلی باتیں کی تھیں یقین نے!

اُسے ایک ایک بات یاد آنے لگی۔

توبہ! کس قدر بے مروت نکلا تھا یہ شخص!

پھر اماں کی تسلیوں کی بازگشت اسے دلاسا دینے لگی۔

"ہم کوئی چور تھوڑی ہیں جو یقین کی طرح سامنے آنے سے گھبرائیں اور منہ چھپا کر بیٹھ جائیں۔ تمہارے سسر نے کل کہا تھا کہ ہم آپ کے تمام گلے شکوے سنیں گے اور ان کے ازالے کی کوشش کریں گے۔ میں انہیں فون کر کے کہوں گی کہ بیٹے کو ساتھ لے کر آئیں اور ہماری سنیں ورنہ پھر ہم خود آتے ہیں...... بس پھر تم دیکھنا' میں کیسے خبر لیتی ہوں سب سے۔"

"اچھا ہے' اماں خوب خبر لیں ان سب کی۔" جویا نے سوچا۔ "میں کوئی لاوارث تھوڑی ہوں۔"

اس کا جی چاہا' اماں سے فون پر بات کرے مگر دل کو ایک خوف نے آ لیا۔ "ہو سکتا ہے اماں جذبات یا غصے میں پھر کوئی ایسی ویسی بات کر بیٹھیں اور وہ ریکارڈ ہو جائے۔"

سیل فون بہت ناقابلِ اعتبار سی شے محسوس ہونے لگا تھا۔

شام کو جب یقین دفتر سے واپس لوٹا تو وہ کمرے میں تھی۔ یقین کو دیکھتے ہی اُس کے تیور ایسے بدل گئے جیسے اس سے کوئی واسطہ ہی نہ تھا۔ وہ چپ چاپ کمرے سے یوں نکل گئی جیسے یقین اس کے

لئے کوئی نامحرم تھا۔

یقین دیکھتا رہ گیا!

کپڑے تبدیل کر کے وہ کمرے سے باہر نکلا تو امی اور ابا لاؤنج میں مریم کی معصوم شوخیوں سے محظوظ ہو رہے تھے۔ مریم اُسے دیکھتے ہی اپنے ننھے منے بازو وا کرتے ہوئے اس کی طرف لپکی۔ وہ جھکا' اسے گود میں اٹھایا اور پیار کرتے ہوئے امی اور ابا کو دزدیدہ نظروں سے دیکھتا وہیں بیٹھ گیا۔

مریم اپنی معصومانہ شوخیوں سے اُس کا دل بھی بہلانے لگی۔

امی ابا سے بجلی کے روز افزوں بل پر اپنی تشویش کا اظہار کرنے لگیں۔

کچن میں مدحت بجیا منتظر تھیں کہ جویا یقین کے لئے خود چائے بنا جائے۔

مریم کچھ دیر یقین کے پاس رہی پھر امی کی گود میں جا بیٹھی۔

''میں تو کہتی ہوں' بجلی کا میٹر بدلوا لیں۔'' امی نے ابا سے کہا۔

''بیگم صاحبہ' میٹر بالکل ٹھیک ہے۔''

''تو پھر بل کیوں زیادہ آ رہا ہے؟''

''کیونکہ بجلی کے نرخ بڑھ گئے ہیں اور ہم بجلی کی چوری نہیں کرتے۔''

یقین کو چائے کی طلب ہو رہی تھی۔

کچن میں بجیا چپ چاپ منتظر تھیں کہ یقین کے لئے چائے جویا ہی بنائے۔

مغرب کا وقت ہونے والا تھا۔

ابا نماز کی تیاری کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

یقین لاؤنج سے اُٹھا اور کچن کی کھڑکی سے اندر جھانکتے ہوئے اس نے کہا۔ ''بجیا! ایک پیالی چائے مل جائے گی؟''

''ہاں...... ہاں...... کیوں نہیں۔''

یقین نے دزدیدہ نظروں سے جویا کو دیکھا۔

کمبخت! کس قدر انجان بنی کھڑی تھی' جیسے کوئی تعلق ہی نہ تھا اُس سے۔

وہ اُس کی بے رخی پر جی ہی جی میں کڑھتا واپس پلٹ گیا۔

اس کے جانے کے بعد بجیا کچھ دیر اس انتظار میں رہیں کہ یقین کے لئے چائے بنانے کو کیتلی جویا چولہے پر رکھے۔

''بہن صاحبہ سے کہا ہے تو وہی بنائیں' میں کیوں بناؤں۔'' جویا نے غصّے سے سوچا۔

آخر کار بجیا نے چائے کے لئے پانی اُبلنے کو کیتلی چولہے پر رکھ دی۔

چائے بنانے کے بعد بجیا نے جویا سے کہا۔ ''لو دے آؤ یقین کو۔''

وہ اَن سنی کر گئی۔

''ٹھنڈی ہو جائے گی۔ چائے دے آؤ یقین کو۔'' بجیا نے پھر کہا۔

وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

''توبہ! کیا ڈھٹائی ہے۔'' بجیا نے جبڑے بھینچتے ہوئے سوچا اور یقین کے لئے چائے لے کر کچن کے دروازے کا رُخ کیا۔

''بس اب اماں بہنوں ہی سے فرمائشیں کریں چائے پانی کی۔'' جویا نے ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے دل ہی دل میں کہا۔

''میری گردن سب سے پتلی ہے اس گھر میں۔'' بجیا نے کچن سے باہر نکلتے ہوئے سوچا اور اپنے اوپر انہیں آپ ترس آنے لگا۔ ''کیا بگڑ جاتا قسمت کا جو میرے ساتھ اتنا برا سلوک نہ کرتی!''

اور بجیا کے ہاتھوں چائے لیتے ہوئے یقین نے قدرے تلخی سی کیفیت میں سوچا۔ ''سالی کیسی طوطا چشم عورت ہے معلوم ہوتا کہ ایسی نکلے گی تو کسی قیمت پر شادی نہ کرتا میں اس سے۔''

باورچی خانے میں جویا کی بیگانگی کا منظر بار بار یاد آ کر اس کی کوفت میں اضافے کا موجب بن رہا تھا۔

لاحول ولاقوہ!

چائے پینے کے بعد جویا سے ایک مرتبہ پھر سامنا ہوا تو اُس نے پہلے سے زیادہ بے رُخی کا مظاہرہ کیا اور وہ جھنجلا کر رہ گیا۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے یکے بعد دیگرے چار چھ سگریٹ پھونک ڈالے پھر اُٹھا تیار ہوا اور کسی سے کچھ کہے سنے بنا گھر سے باہر چلا گیا۔

گھر سے باہر دوستوں میں وقت گزاری جویا کی بے رخی کا زہر پینے سے بہر حال بہتر تھی!

رات کو وہ جان بوجھ کر دیر سے گھر لوٹا۔

گیٹ موجو نے کھولا۔

کمرے کا دروازہ بند تھا مگر مقفل نہ تھا۔ دروازہ کھول کر وہ کمرے میں داخل ہوا تو نائٹ بلب کی دھیمی سی روشنی میں جویا قالین پر مسہری کی آڑ میں کروٹ لئے پیروں سے شانوں تک چادر تانے پڑی تھی۔

اگر وہ سو رہی تھی تو اس کی نیند میں خلل ڈالنے کی خاطر وہ خاصی دیر کمرے میں بہانے کھٹ پٹ کرتا رہا۔

پہلے زور سے دروازہ بند کیا۔

پھر ٹیوب لائٹ جلائی۔

جوتے اُتار کر زور سے پٹخے۔

وارڈ روب کھولی۔

زور سے بند کی۔

اٹیچڈ باتھ کا دروازہ زور سے کھولا اور اس سے زیادہ زور سے بند کیا۔

کپڑے تبدیل کر کے نکلا تو ایک مرتبہ پھر باتھ روم کا دروازہ زور سے بند کیا۔

مگر اس کے سارے حربے ناکام رہے۔

سوتے کو تو جگا لیا جائے مگر جاگتے کو کون جگائے!

جویا دم سادھے پڑی رہی ٹس سے مس نہ ہوئی۔

یقین نے سائیڈ بورڈ پر دھرے جگ سے ڈھائی گلاس پانی غٹا غٹ پیا پھر تین چار سگریٹ پھونکے۔ دیر تک ٹہلتا رہا اور ٹہلنے کے دوران بار بار غصے سے جویا کی طرف بھی دیکھتا رہا جو دیوار کے رخ منہ کیے پڑی تھی۔ آخری سگریٹ کا ٹوٹا دیوار سے رگڑ کر بجھانے کے بعد کمرے کی کھڑکی سے باہر پھینکتے ہوئے اس نے غصے سے جویا کی طرف دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں کہا۔ "سالی ایسے پڑی ہے جیسے مرگئی ہو۔"

اسے زور کی بھوک لگ رہی تھی کہ دوست چائے کافی تو پلا دیتے ہیں، کھانے کو کم ہی پوچھتے ہیں۔ وہ اس غلط فہمی کے ساتھ گھر لوٹا تھا کہ جویا کھانے کو ضرور پوچھے گی اور وہ تھوڑے سے رد و کد کے بعد کھانا کھانے پر آمادہ ہو جائے گا مگر......!

اس نے بید کے موڑھے کو اتنے زور کی کک لگائی کہ وہ پہلے اچھلا پھر لڑھکتا ہوا سنگھار میز کے نزدیک جا رکا۔

اس نے غصے سے پہلے جویا کی طرف پھر موڑھے کو دیکھا۔

"بھائی! میرا کیا قصور؟" موڑھے نے پوچھا۔

یقین نے مسہری پر سے تکیہ اٹھا کر قالین پر پھینکا۔ مسہری کی زیریں دراز کھینچی اور اس میں سے دھلی ہوئی چادر نکالی۔

آخری مرتبہ جویا کو دشمن کی طرح گھور کر دیکھا۔

ٹیوب لائٹ بجھائی۔

نائٹ بلب جلا رہنے دیا۔

اور دل ہی دل میں جویا کو برا بھلا کہتے ہوئے قالین پر لیٹ گیا۔

"سالی نے کھانے کو بھی نہیں پوچھا۔"

جویا کو بھی غصہ آ رہا تھا۔

یقین کے انتظار میں سارے گھر والوں نے رات کا کھانا دیر سے کھایا تھا۔ وہ سب کے کہنے پر کھانے کے لیے بیٹھ تو گئی تھی مگر چند ہی نوالے کھا سکی تھی اور وہ بھی انتہائی بے دلی سے۔ اس کا خیال تھا یقین آ کر منائے گا تو تب کھائے گی۔ ہو سکتا ہے وہ بازار ہی سے کچھ کھانے پینے کو لیتا آئے۔

ہرگز!

بروسٹ!

تلی ہوئی مچھلی!

چرغہ!

کڑاہی گوشت!

یا

یخنی!

دونوں مل کر کھائیں گے!

مگر......!!

کتنا بے ایمان تھا وہ۔

اکیلے ہی اکیلے باہر کھا پی کر چلا آیا۔

خوب ٹھونس ٹھونس کر آیا ہوگا۔ سینہ بھاری ہو رہا ہوگا۔

جب ہی تو ایک نہ دو پورے تین گلاس پانی کے غٹا غٹ پی گیا۔

ہاں آواز آئی تھی تین مرتبہ جگ سے گلاس میں پانی انڈیلنے کی۔

پیٹو!

بے مروت!

بے وفا کہیں کا!

خدا کرے انتڑیاں لگ جائیں اسے۔

اور ایسی لگیں کہ پردہ فاش ہو جائے اس کے چٹورپن کا!

جو کچھ کھا پی کر آیا ہو نکل جائے۔

اور اماں بابا، بہن بھائی سب دیکھ لیں۔

ورنہ اماں بیگن صبح کو بیٹھ کر ترس کھائیں گی کہ ہائے رات کو میرا بچہ، میرا بھائی بھوکا سویا تھا۔

وہ بھوکا سوئے گا بھلا!

حرفوں کا بنا ہوا ہے!

ہائے! کیسا بے مہر آدمی ہے، جھوٹے منہ بھی نہ پوچھا کہ تم نے کچھ کھایا پیا بھی یا نہیں؟

"اور یہ......!

یہ تم نیچے کیوں پڑی ہو!

اوپر لیٹو۔

پلنگ تمہارے بغیر ویران اور اداس ہے۔

یقین نے کروٹ بدلی اور زور سے ٹانگ فرش پر مارتے ہوئے دل ہی دل میں بولا۔ "کیسی بدتمیز عورت ہے!"

ایسی عورت کا کیا فائدہ جو آرام پہنچانے کی بجائے بے آرام کر دے۔

لاحول ولاقوۃ! زندگی عذاب کر دی ہے سالی نے!

بس چلے تو میں اس کی اماں کو تو اٹھا کر کہیں دور پھینک آؤں۔

کس حکیم نے کہا ہے کہ شادی کرو۔

کنوارے بالے ہی اچھے۔

یوں خوار تو نہیں تھا۔

کیسی غرمی پڑی ہے سالی!

جی چاہتا ہے اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دوں اسے۔

دونوں دل ہی دل میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے نیند کی آغوش میں چلے گئے۔

جویا کو سردی لگی تو اس نے مسہری پر رکھا لحاف جوں کا توں دھیرے دھیرے نیچے کھینچا اور دبک کر پڑ گئی۔

رات گئے یقین کو سردی اور بھوک نے ایک ساتھ ستانا شروع کیا تو اس نے سردی سے بچنے کے لیے مسہری کی طرف دیکھا مگر......

وہاں لحاف موجود نہ تھا۔ نظر دوڑانے پر معلوم ہوا کہ نصف بہتر لحاف میں دبکی پڑی تھیں۔

''سالی! خود غرض کہیں کی۔'' اُس نے سوچا۔

بھوک کے مارے آنتیں قل ہو اللہ پڑھ رہی تھیں۔

بھوک!

اور وہ بھی سردی کی!

معاذ اللہ!

آخرکار وہ اُٹھ بیٹھا۔

سگریٹ سلگائی اور کش لینے شروع کر دیے۔

مگر سگریٹ سے سردی جاتی ہے اور بھوک مٹتی ہے بھلا۔

سگریٹ بجھا کر دوبارہ سونے کی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی۔

آخرکار جھنجلا کر اٹھا اور مسہری کے اس پار قالین پر لحاف میں دبکی پڑی جویا کے اوپر سے لحاف کھینچ کر اتار پھینکا۔

وہ گھبرا کر اٹھ گئی۔

دونوں نے غرا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

''چادر تک کیا ہوا؟'' وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

''آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''شرم آنی چاہیے تمہیں۔ ایک تو غلطی کی اوپر سے......''

''ہاں ہاں بولیے رک کیوں گئے۔''

''نخرے دکھاتی ہو۔''

''میرے تو جیسے بڑے چاہنے والے بیٹھے ہیں نا اس گھر میں جو میں نخرے دکھاؤں گی۔''

''بکواس مت کرو۔''

''ہاں میں تو بکواس کرتی ہوں...... پھول تو آپ کی ماں بہنوں کے منہ سے جھڑتے ہیں۔''

''زبان بند کرو ورنہ......''

''ورنہ؟''

''ورنہ میرا ہاتھ اُٹھ جائے گا۔''

وہ زقند لگا کر اس کے روبرو آ کھڑی ہوئی اور ڈھٹائی سے بولی۔ ''اٹھائیں...... اٹھائیں ہاتھ...... ماریں مجھے۔''

وہ آنکھیں نکال کر اسے گھورنے لگا۔

جویا نے اس کا گریبان پکڑ لیا اور جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔ ''ماریں نا...... مٹا لیں اپنے دل کی حسرت۔''

یقین نے اس کے ہاتھ پکڑ لیے' جھٹکے سے اپنا گریبان چھڑایا اور اسے غصے سے دیکھتے ہوئے غرا کر بولا۔ ''دفع ہو جاؤ۔''

وہ صدمے کی کیفیت میں چند ثانیے اسے دیکھتی رہی پھر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا کر رونے لگی۔

''زندگی عذاب کر کے رکھ دی ہے۔'' وہ بولا۔

''میری زندگی تو جیسے بہت ثواب میں گزر رہی ہے۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''تنگ آ چکا ہوں میں تم سے۔''

''میں بھی آپ کی صورت دیکھنا نہیں چاہتی۔''

''کیا...... کیا......'' یقین نے دانت پیستے ہوئے آنکھیں نکالیں پھر بولا۔ ''صورت نہیں دیکھنا چاہتیں تو پھر یہاں کیا کر رہی ہو۔ جاؤ دفع ہو یہاں سے۔''

''چلی جاؤں گی...... چلی جاؤں گی...... آپ کی یہ حسرت بھی مٹا دوں گی۔'' وہ روتے ہوئے مسہری کے کنارے پر بیٹھ گئی۔

''یہ کہو نا کہ اپنی اماں کی حسرت پوری کر دو گی۔''

''میری اماں تو کانٹا بن کر کھٹک رہی ہیں' آپ سب کے دلوں میں۔''

''شٹ اَپ!'' وہ دھاڑا۔

''یو...... شٹ اَپ!''

''کیا...... کیا! مجھے شٹ اَپ کہتی ہے۔'' وہ اسے گھورتے ہوئے آگے بڑھا اور اس کے سر پہ دائیں بائیں زوردار دو ہتڑ لگائے۔

وہ کلپ کلپ کر رونے لگی۔

اس کے رونے کی آواز سن کر سب سے پہلے مدحت بجیا کی آنکھ کھلی اور وہ گھبرا کر اپنے کمرے سے نکل آئیں۔

''بند کرو اپنے یہ مگرمچھ کے آنسو۔'' یقین دھاڑا۔

''نہیں رہوں گی...... نہیں رہوں گی میں اب اس گھر میں۔'' جویا چلائی۔

مدحت بجیا گھبرا گئی اور بیا کے کمرے کی طرف دوڑیں۔

ذرا دیر میں امی' مدحت بجیا اور روزین سب اُن کے کمرے کے باہر آ جمع ہوئے۔

’’جس عورت کو مرد کے کھانے پینے کا خیال نہ ہو...... اس کے آرام کی پرواہ نہ ہو وہ کس کام کی...... بھوکا پیاسا لوٹا‘ پوچھا تم نے کھانے کو!‘‘ یقین غصّے سے بولا۔

’’آپ کو تو جیسے بڑا خیال ہے...... بہت پرواہ ہے میری۔‘‘

’’تمہاری پرواہ کرنے کو تمہاری ماں بہت۔‘‘

’’آپ کی پرواہ کرنے کو بھی آپ کی اماں بہنیں بہت...... چائے بنا کر دی تو تھی بہن نے...... کھانا بھی اُنہی سے مانگ لیا ہوتا۔‘‘

’’زبان بند نہ کی تو......‘‘

’’تو قتل کر دیں گے مجھے؟‘‘

’’ہاں! قتل ہی کر دوں گا۔‘‘

’’لاوارث نہیں ہوں۔ مجھے قتل کر کے بچ آپ بھی نہیں سکیں گے۔‘‘

’’وارثوں کو دیکھ رکھا ہے تمہارے...... بٹ پونجیے کہیں کے۔‘‘

’’کیا...... ! کیا...... ! میرے گھر والوں کو بٹ پونجیے کہہ رہے ہیں۔‘‘

’’تمہاری زبان چلنا بند نہ ہوئی تو اور بھی بہت کچھ سنو گی۔‘‘

’’میں کوئی لاوارث نہیں ہوں جو سنوں گی۔‘‘

’’ذرا دامت دو اپنے وارثوں کا۔ بلا لو انہیں کرتا ہوں ابھی تمہارا فیصلہ۔‘‘

باہر امی نے متوحش ہو کر بیا کو دیکھا۔

بیا نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں خاموش رہنے کی ہدایت کی۔

امی نے دروازے پر دستک دینی چاہی مگر بیا نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا۔

جویا کے رونے اور بڑبڑانے کی آواز بدستور آ رہی تھی۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور یقین نے کمرے سے باہر نکل کر دروازہ پوری شدت سے بند کیا۔

یوں غیر متوقع طور پر دروازہ کھلنے پر وہ سب چونک گئے۔

یقین ان سب کو دیکھ کر ٹھٹکا‘ پھر غصّہ‘ صدمہ اور خجالت کی ملی جلی کیفیت میں اُن سے نظریں چُراتے لمبے لمبے ڈگ بھرتا لاؤنج کی طرف چلا گیا۔

امی‘ بیا‘ بجیا اور ذہین نے متذبذب نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر لاؤنج کی طرف چل دیے۔

یقین لاؤنج میں تشنجی سی کیفیت میں بیٹھا تھا۔

وہ سب اسے پھر ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے چُپ چاپ یوں بیٹھ گئے جیسے پُرسہ دینے آئے ہوں۔

یقین جز بز سا ہو کھانی وہ پینے لگا۔

’’کیا بات ہے بیٹے؟‘‘ بیا نے دھیرج سے پوچھا۔

یقین نے پہلو بدلا اور نظریں چُراتے ہوئے بولا۔ ’’اُسی سے پوچھیے۔‘‘

’’تم سے کیوں نہ پوچھوں۔‘‘ بیا انتہائی متحمل انداز میں بولے۔

یقین نے ذرا کی ذرا بیا کی طرف دیکھا پھر بولا۔ ’’اُس کا دماغ خراب ہو گیا ہے...... پاگل ہو گئی ہے وہ۔‘‘

’’میاں! اسی لئے تو غصّہ حرام ہے کہ جس کو آتا ہے اُس کا دماغ درست نہیں رہتا۔‘‘

یقین نے چونک کر بیا کو دیکھا۔

کیا وہ بالواسطہ طور پر اسے بھی پاگل کہنے کی کوشش کر رہے تھے۔

’’ہوا کیا؟‘‘ امی نے پوچھا۔

یقین نے شاکی نظروں سے امی کی طرف دیکھا پھر بولا۔ ’’منع کر رہا تھا میں کہ چلی گئی ہے تو لینے مت جائیں اُسے...... چار دن میں دماغ ٹھکانے آ جاتے اُس کے مگر آپ لوگ...... آپ لوگوں نے میری نہ مانی۔ لے آئے اُسے سر پر بٹھا کر...... اُس کے تو دماغ خراب ہونے ہی تھے۔ اُس کی ماں نے زیادہ چابی بھر کر بھیجا ہے اسے...... وہ عورت نہیں بسنے دینا چاہتی یہ گھر۔‘‘

’’لیکن کیوں؟ کیوں بیٹا؟ کیوں نہیں بسنے دینا چاہتیں وہ بیٹی کا گھر...... کیا کوئی ماں بیٹی کا گھر اجاڑ کر خوش ہو سکتی ہے؟‘‘

’’بعض مائیں شاید ہوتی ہیں۔‘‘ یقین زہرخند لہجے میں بولا۔ ’’اسی طرح جیسے یہ عورت ہو گی نہ۔‘‘

’’بیٹا! وہ تمہاری ماں کی جگہ ہیں۔‘‘ بیا نے سمجھایا۔

’’پلیز بیا! امی کو نہ ملائیں اس سے...... وہ فسادی عورت ہے۔‘‘ یقین تلخی سے بولا۔

’’بیٹا! جیسے تمہیں اپنی ماں پیاری ہیں‘ ویسے ہی بہو کو بھی اپنی والدہ عزیز ہو گی۔‘‘ بیا نے رسانیت سے سمجھایا۔

’’آخر ایسی بات کیا ہوئی جو تم ساس سے اتنے اُکھڑ گئے؟‘‘ امی بولیں۔

یقین کچھ نہیں بولا۔

’’اور اُدھر وہ بھی تم سے بہت بگڑی ہوئی ہیں۔‘‘ امی نے توقف کیا پھر بولیں۔ ’’اور ہاں ٹیلی فون ٹیپ کرنے کا کیا قصہ ہے؟‘‘

’’ہاں اسی پر تو بگڑی ہوئی ہیں بڑی بی۔‘‘ یقین بولا۔ ’’میں نے اُن کی بیٹی کو ان کا اصلی چہرہ جو دکھا دیا ہے۔‘‘

ذہین نے معنی خیز نظروں سے بجیا کو دیکھا۔

بجیا نے خفیف ہو کر نظریں چُرا لیں۔

’’بہت ناراض ہیں وہ اس بات پر۔‘‘ امی نے کہا۔

’’مجھے پرواہ نہیں۔‘‘

’’خیر...... آج کیا بات ہوئی جو تم میاں بیوی لڑ پڑے؟‘‘

یقین خاموش رہا۔

"تمہاری امی نے کچھ پوچھا ہے میاں۔" بابا بولے۔

"اس کے گھر والوں کو بلا کر کہیے، لے جائیں اسے۔"

"پاگل ہوئے ہو۔" امی نے ڈانٹا۔

"ہوا تو نہیں ہوں مگر...... ہو جاؤں گا۔"

"مسئلہ کیا ہے؟" بابا نے کہا۔

"میں بتاؤں بابا۔" بجیا بولیں۔

امی، بابا، زین اور خود یقین نے بھی چونک کر بجیا کی طرف دیکھا۔

"ہاں بتاؤ۔" امی نے کہا۔

"جویا اور اُن کی والدہ چاہتی ہیں کہ......" بجیا دُزدیدہ نظروں سے یقین کو دیکھنے لگیں۔

"کہ؟" امی کے لہجے سے بے تابی جھلک رہی تھی۔

"کہ یقین اپنا الگ گھر بنائیں۔"

"کیا مطلب؟" امی کے چہرے پر دُھندی چھا گئی تھی۔

امی کے چہرے پر چھائی دُھند کا عکس بابا کے چہرے پر بھی دیکھا جا سکتا تھا۔

یقین کچھ نادم، کچھ اُلجھا اُلجھا سا دکھائی دینے لگا۔

امی کے سوال کے جواب میں بابا انتہائی تحمل سے بولے۔ "مطلب یہ کہ...... ہماری بہو اپنا گھر بنانا چاہتی ہیں۔"

"ماسٹر صاحب!" امی گھٹی گھٹی آواز میں بولیں۔ "کتنی آسانی سے آپ نے کہہ دیا کہ بہو اپنا گھر بنانا چاہتی ہیں...... تنکا تنکا جوڑ کر آشیانہ بنتا ہے، دوسرا گھر بنانے کے لیے ایک بسے بسائے گھر کی رونقیں چھین لینا کہاں کا انصاف ہے!"

امی کے لہجے میں شکوہ، ملال اور انجانے سے خوف کی ملی جلی سی کیفیت تھی۔

"بیگم صاحبہ! یہ تو دستورِ دنیا ہے۔ ہر عورت اپنا گھر بنانے کی متمنی ہوتی ہے بلکہ گھر بنانے کی خواہش عورت کے خمیر میں شامل ہوتی ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں، چھوٹی چھوٹی بچیاں اپنی گڑیوں کے گھر کتنی چاہت سے سجاتی ہیں۔"

امی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری پھر بولیں۔ "گڑیوں کے گھر سجانا دوسری بات ہے اور انسانوں کے بسے بسائے گھروں کا بٹوارا کر دینا اور بات۔"

"بھئی آخر آپ نے بھی تو اپنا گھر بنایا ہے۔"

"جی ہاں بالکل بنایا مگر اس طرح کہ جس گھر میں ہم بیاہ کر گئے، وہاں ایسے رچ بس گئے کہ وہ گھر آپ ہی آپ ہمارا بن گیا۔ خدا گواہ ہے کہ ہم نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے کی کوشش کبھی نہیں کی...... ساس کو ماں کا درجہ دیا اور کبھی خود غرضی اور الگ گھر اپن نہیں دکھایا...... ہم سب کے ساتھ مل جل کر رہے۔"

"ہاں اس کی گواہی تو میں بھی دوں گا بلکہ یہ اعتراف کرنے میں بخل سے کام نہیں لوں گا کہ

آپ نے زندگی کے ہر گرم و سرد میں بہت خلوص اور بے غرضی سے میرا ہی نہیں، میرے گھر والوں کا ساتھ دیا۔"

امی دل گرفتہ نظر آنے لگیں۔

"اگر آپ اس قدر خلوص اور بے غرضی سے میرا ساتھ نہ دیتیں تو شاید میں ہمیشہ ایک اسکول ماسٹر ہی رہتا اور زندگی میں اتنی طمانیت اور آرام حاصل نہ کر پاتا۔"

"آہ!" امی نے ایک سرد آہ کھینچی پھر بولیں۔ "مگر جب ہماری باری آئی تو لوگ خود غرض بن گئے۔" امی نے توقف کیا پھر رنج، شکوہ اور غصے کی ملی جلی کیفیت میں بولیں۔ "بہو بیگم کو اس گھر میں تکلیف کیا ہے جو وہ علیحدہ گھر بنانا چاہتی ہیں۔"

"ضروری نہیں کہ کوئی تکلیف ہی ہو۔ میں نے کہا نا گھر بنانا عورت کی فطرت ہے۔"

"کام کا اُن پر کوئی بار نہیں...... ہر طرح کا آرام ہے۔ دوپہر کو اسکول سے آتی ہیں تو پکا پکایا ملتا ہے۔ شام کو تھوڑا بہت کام کیا تو کیا اگر نہیں کیا تو کوئی باز پُرس نہیں...... خرچ اخراجات کی انہیں فکر نہیں...... بچی کی زیادہ تر دیکھ بھال ہم لوگ کرتے ہیں اور اللہ نے چاہا تو آئندہ آنے والوں کی بھی اسی طرح دیکھ بھال کریں گے۔ بہو کو تو شکر ادا کرنا چاہیے کہ بنا بنایا گھر ملا ہے انہیں۔ ارے بھئی، ہم آپ بھلا کتنے دن کے...... ہمارے بعد سب کچھ انہی کا ہوگا...... خیر سے گھر کی سب سے بڑی بہو ہوں گی۔ سنبھل کر چلیں اور عقل سے کام لیا تو انہی کا سکہ چلے گا اس گھر میں۔"

"عقل!" یقین نے تلخ لہجے میں کہا پھر سر جھٹکتے ہوئے بولا۔ "وہ اپنی عقل سے تھوڑی اپنی ماں کی عقل سے کام لیتی ہے۔"

"بہر حال...... چاہے اپنی عقل سے کام لیں، چاہے اپنی ماں کی عقل سے...... میں اس گھر کو کسی قیمت پر ٹوٹنے نہیں دوں گی۔ نہیں ٹوٹنے دوں گی میں اس گھر کو۔" امی کی آواز شدتِ جذبات سے بتدریج رُندھتی چلی گئی۔

"ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے۔" بابا نے انتہائی رسانیت سے کہا۔ "آپ کا فرمان بجا اور سر آنکھوں پر لیکن...... ہمیں اور آپ کو اپنے بچوں کی خوشی میں راضی رہنا چاہیے۔ اگر یقین میاں اور بہو بیگم علیحدہ گھر بنانا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے۔"

امی رونے لگیں۔

یقین نے چونک کر امی کی طرف دیکھا، اُس کے چہرے پر خفت سی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور امی کے پاس جا کر اُن کے شانوں پر اپنا بازو دراز کرتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں بولا۔ "میں کہیں نہیں جا رہا امی۔"

اس کی تسلی فوری طور پر کوئی اثر نہ دکھا سکی۔

"پلیز!" وہ لجاجت سے بولا۔

امی نے دوپٹے کا پلّو اپنی آنکھوں پر سے ہٹا کر یقین کو دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولیں۔ "بڑی تکلیفیں اُٹھا کر پالا پوسا ہے ہم نے تم لوگوں کو۔"

"بیگم صاحبہ! کوئی احسان نہیں کیا ہم نے۔" بابا نے کہا پھر لحظہ بھر کے توقف سے مزید بولے۔ "اولاد کو پال پوس کر بڑا کرنا اور اُس کی صحیح تعلیم و تربیت ماں باپ کا فرض ہے، سو ہم نے بھی اپنی اولاد کو پال پوس کر اُسے پڑھا لکھا کر اپنا فرض ادا کیا۔"

امی نے بھیگی ہوئی آنکھوں سے بابا کی طرف دیکھا اور بولیں۔ "آپ کی طرح کی قناعت اور توکل میں کہاں سے لاؤں!"

بابا نے یقین کی جانب دیکھا اور بولے۔ "مزے کی بات یہ ہے بیٹے کہ میں نے قناعت اور توکل تمہاری امی سے سیکھا۔" پھر انہوں نے رُخ مدحت بجیا کی طرف کیا۔ "مدحت بیٹی ایک زمانے میں صرف اسی روپے تنخواہ ملا کرتی تھی مجھے۔ تمہاری امی اسی میں گزارہ کرتی تھیں۔"

"کاش! اسی روپے ہی رہتے ماسٹر صاحب۔" امی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور دل گرفتہ لہجے میں بولیں۔ "مگر ہمارے بچے ہمارے پاس ہی رہتے۔ آہ! بیٹیاں اپنے گھروں کو چلی گئیں..... بیٹوں میں سے ایک سمندر کا مسافر ہوا اب دوسرے کے اُڑنے کی خبر سن کر دل تھام کے بیٹھ گئی ہوں۔ کیا اولاد اسی لئے پالی جاتی ہے ماسٹر صاحب کہ کوئی اِدھر کوئی اُدھر چلا جائے؟"

"آپ کیوں گھبرا رہی ہیں امی..... میں کہیں نہیں جاؤں گا۔" یقین نے امی کو پھر دلاسا دیا۔

دفعتاً کال بیل کی آواز نے ان سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"یہ اس وقت کون آ گیا بھئی۔" بابا اُٹھتے ہوئے بولے۔

"آپ بیٹھئے بابا میں دیکھتا ہوں۔" یقین بھی اُٹھا۔

"میاں! تم تو اپنے کمرے میں جاؤ۔" بابا نے نرمی سے کہا اور لاؤنج کے دروازے کا رُخ کیا۔

"آپ ٹھہریے نا میں دیکھ رہا ہوں۔"

یقین لمبے لمبے ڈگ بھرتا بابا سے پہلے ہی لاؤنج سے باہر نکل گیا۔

بابا امی کے نزدیک آ بیٹھے اور بولے۔ "بیگم صاحبہ! یہی ریت ہے ہمیں اور آپ کو ہنس کر یا رو کر بہر حال سمجھوتا کرنا ہوگا۔ عقلمندی اسی میں ہے کہ خوشی خوشی سمجھوتہ کیا جائے۔ پرندوں کو دیکھئے دن بھر مارے مارے پھرتے ہیں اور دانا دُنکا لا کر اپنے بچوں کے منہ میں ڈالتے ہیں اور پھر خود ہی انہیں اُڑنا سکھا کر آزاد فضاؤں کے سپرد کر دیتے ہیں۔"

امی نے ایک سرد آہ کھینچی۔

"اگر علیحدہ ہو کر بہو اور بیٹا خوش رہ لیں تو مہنگا سودا نہیں۔" بابا نے رسانیت سے سمجھایا اور مدحت بجیا کی طرف تائید طلب نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولے۔ "کیوں مدحت بیٹی تمہارا کیا خیال ہے؟"

اس سے پہلے کہ بجیا کچھ کہتیں یقین لاؤنج کے دروازے پر نمودار ہوا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ "امی دیکھیے تو کون آیا ہے۔"

سب نے چونک کر یقین کی طرف دیکھا۔

یقین کے پیچھے فرزین دونوں ہاتھوں سے بیگز پکڑے ٹھٹکا ہوا کھڑا تھا۔

"فرزین! میرا بچہ!" امی بے تابانہ اٹھیں۔ اُن کی بھیگی آنکھوں میں افسردگی کے ساتھ مسرت ہلکورے لینے لگی تھی۔

فرزین آگے بڑھا اور امی کے نزدیک پہنچ کر اُن کا پیار لینے کو نیم خم ہو گیا۔

امی نے اُس کے سر کو بوسہ دیا اور بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

"امی جان، پلیز!" فرزین لجاجت سے بولا۔

مگر امی کے آنسو نہ تھمے۔ وہ زار و قطار روئے چلی گئیں۔

"کب پہنچے بیٹا؟"

"اوہ!"

فرزین چونکا۔

کیسی سہو ہو گئی تھی اُس سے!

کسی سے سلام دعا کرنے کا خیال نہ رہا تھا!

"السلام علیکم بابا۔" وہ اپنی سہو پر خفیف ہو کر بولا۔

"وعلیکم السلام..... جیتے رہو۔" بابا نے دعا دی پھر اپنا سوال دُہرایا۔ "پہنچے کب؟"

"آج شام..... جہاز کو برتھ نہیں ملی ہے ابھی، میں تو بوٹ سے نکل آیا۔"

"بیٹھو..... اور اپنی امی کو بھی بٹھاؤ۔"

"بیٹھئے امی۔"

"تمہیں دیکھ کر سینے میں ٹھنڈک سی پڑ گئی ہے۔"

"آپ کیسی ہیں بجیا؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"اور تمہارا کیا حال ہے؟" فرزین کا رُخ ذوبین کی طرف تھا۔

"جی ٹھیک ٹھاک ہوں۔"

"اور سب خیریت؟" فرزین نے گرد و پیش پر طائرانہ نظر دوڑائی۔

"ہاں میاں اللہ کی مہربانی سے سب خیریت ہے۔" بابا بولے۔

"آپ سب لوگ اس وقت اپنے کمروں میں ہونے کی بجائے یہاں اور سونے کی بجائے جاگ کیوں رہے ہیں؟"

وہ سب چور نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"میاں! مل جل کر بیٹھنے میں راحت بھی ہوتی ہے برکت بھی۔" بابا نے بات بنانے کی کوشش کی۔

"مگر اس وقت بابا!"

ایک بار پھر سب چور سے بن گئے اور انکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"کوئی پرابلم ہے کیا؟" فرزین نے پوچھا۔

"نہیں...... نہیں تو۔"

"تو پھر امی رو کیوں رہی تھیں؟"

"اوہ!"

تو اُس نے دیکھ لیا تھا!

"بھئی! تمہاری امی کبھی کبھی شوقیہ بھی رونے لگتی ہیں۔" بابا نے بات کو ٹالنا چاہا۔

"فار گاڈ سیک بابا! مجھ سے مت چھپائیے...... بہت مدتوں بعد ضرور گھر آیا ہوں مگر اتنا غیر بھی مت سمجھئے کہ گھر کی بات مجھ سے چھپائی جائے۔"

فرزین کی بات پر امی، مدحت بجیا اور ذہین نے چونک کر بابا کو دیکھا۔

بابا خفیف سے نظر آنے لگے۔

"ارے نہیں بیٹا...... ایسی کوئی بات نہیں۔ تم سے بھلا کیا چھپائیں گے ہم۔"

"تو پھر بتائیے نا! امی رو کیوں رہی تھیں۔"

"کوئی خاص بات نہیں تھی فرزین۔" یقین سر جھکا کر کسی اقبالی مجرم کی طرح بولا۔ "جویا سے کچھ جھگڑا ہو گیا تھا میرا...... بس امی اسی پر ذرا پریشان ہو گئی تھیں۔"

"آئی سی۔" پھر جیسے اسے اچانک خیال آیا۔ "ارے ہاں، مریم کیسی ہے؟"

"فرسٹ کلاس۔"

"بڑی ہو گئی ہو گی اب تو؟"

"ہاں...... خیر سے۔"

فرزین نے جھک کر ایک شاپنگ بیگ سے ایک خوب صورت سی گڑیا نکالی اور بولا۔ "مریم کے لئے۔"

"بہت پیاری ہے۔"

پھر وہ شاپنگ بیگز میں سے فارن کے آئٹمز یکے بعد دیگرے نکالتا چلا گیا۔ ذہین ایک ایک چیز کو دیکھنے لگا۔ ہر سفر سے واپسی کے بعد بڑے اور بھاری اسباب کا کسٹم ہونے تک وہ اَن گنت بدیسی سوغاتیں یونہی شاپنگ بیگز اور سفری تھیلوں میں بھر بھر کر گھر لاتا رہتا تھا۔

"امی جان! آپ کے لئے بہت عمدہ شہد اور زیتون لایا ہوں۔"

"بیٹا! مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں، میرے لئے تو بس تمہارا آ جانا ہی بہت ہے۔" امی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بولیں۔ "بہت یاد کیا میں نے تمہیں اس مرتبہ۔"

فرزین سمجھ گیا کہ امی شکوہ کر رہی تھیں۔

اپنی خیر و عافیت سے مطلع نہ کرنے کا!

وہ شرمندہ سا دکھائی دینے لگا۔

یکایک اُس کے دل میں میٹھے میٹھے سے درد کی ایک لہر اُٹھی۔

خدا جانے وہ کیسی ہو گی!

جس کی خاطر وہ اپنے گھر والوں سے کئی ماہ روٹھے رہنے کے بعد آج گھر لوٹا تھا۔

"میں نے بھی آپ کو بہت یاد کیا۔" وہ امی سے بولا۔

"اور اسے بھی!" دل نے کہا۔

"بیٹے! سفر کیسا گزرا؟"

"ہمیشہ کی طرح بابا۔"

"یعنی؟"

"یعنی اچھا...... اور آپ کو مس کرتے ہوئے۔"

"فرزین بھائی! بڑی زبردست چاکلیٹس ہیں۔" ذہین نے جو فرزین کی لائی ہوئی سوغاتوں کا جائزہ لینے میں مصروف تھا، چاکلیٹ کے ایک ڈبے میں آراستہ نوع بنوع بناوٹ کی دیدہ زیب چاکلیٹوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایمسٹرڈیم سے لی تھیں۔" فرزین بولا۔

"اگر بطور خاص کسی کے لئے نہ لائے ہوں تو ایک دو نرائی کروں۔"

"شیور۔" فرزین زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔

"بابا آپ لیں گے؟"

"نہیں میاں! چاکلیٹس تم بچوں کے کھانے کے لئے ہوتی ہیں، ہم بڈھے طوطوں کے لئے نہیں۔"

"امی آپ کو دوں؟"

"نہیں...... دوبارہ دانت صاف کرنے پڑ جائیں گے۔"

"بجیا۔" ذہین نے ڈبا بجیا کی طرف بڑھایا۔

بجیا نے بہت احتیاط اور نزاکت سے ایک چاکلیٹ ڈبے میں دھرے سانچے میں سے اُٹھائی۔

ذہین نے خود بھی ایک چاکلیٹ لی۔

بجیا نے چاکلیٹ منہ میں لینی چاہی۔

"بجیا۔" فرزین نے معنی خیز کھنکار کے ساتھ بجیا کو اپنی طرف متوجہ کیا اور چاکلیٹ نہ کھانے کا اشارہ کیا۔

بجیا کی نگاہوں میں تذبذب ڈولنے لگا۔

ذہین نے بڑے مزے سے چاکلیٹ منہ میں لی۔

مگر یہ کیا؟

آخ تھو!

فرزین بے ساختہ ہنس دیا۔

چاکلیٹ مصنوعی تھی۔

اسفنج اور ربڑ کی بنی ہوئی!

بجیا کی چاکلیٹ اُن کے ہاتھ ہی میں تھی۔

"فرزین بھائی۔" ذہین نے منہ بناتے ہوئے شاکی نظروں سے فرزین کو دیکھا پھر بجیا کو خبردار کیا۔ "بجیا! مت کھایئے گا۔"

"تم فکر مت کرو میں بجیا کو پہلے ہی سگنل دے چکا ہوں۔"

"اچھا!"

"ہوا کیا؟" امی نے پوچھا۔

"امی جان' چاکلیٹ مصنوعی ہے۔" ذہین بولا۔

"مصنوعی!"

"جی ہاں...... ربڑ کی بنی ہوئی ہے...... فرزین بھائی کیا باقی بھی مصنوعی ہیں؟"

"ٹرائی کرلو۔" فرزین مسکرایا۔

"جی نہیں...... اتنا بیوقوف بھی نہیں ہوں۔" ذہین نے ڈبے میں رکھے سانچے میں سے ایک اور چاکلیٹ اُٹھائی اور اسے اپنی انگلیوں اور انگوٹھے کے درمیان دباتے ہوئے بولا۔ "کیا کمال کی چیز بنائی ہے۔ بالکل اصلی لگتی ہے۔"

"واقعی!" بجیا نے اپنی چاکلیٹ کو بھی اُلٹ پلٹ کر بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"ذرا دیکھیے تو سہی امی۔" ذہین نے امی کو چاکلیٹ دکھائی۔

"دیکھوں تو۔" ببا نے ہاتھ بڑھا کر بجیا سے چاکلیٹ لی اور اُسے دیکھنے لگے۔

تبھی موجو جو فرزین کے کال بیل بجانے پر نیند سے جاگ کر سرونٹ کوارٹر سے گیٹ پر جا پہنچا تھا لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔ "وہ جی ٹیکسی والا پیسے منگ رہا ہے جی۔"

"او مائی گاڈ!" فرزین اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے اُٹھا۔

"یار! مجھے بھی یاد نہیں رہا۔" یقین شرمندگی سے بولا۔

"امی! سو روپے تو دیجیے گا۔ پاکستانی کرنسی نہیں ہے میرے پاس۔"

"مدھو بٹیا بھائی کو پیسے تو لادو۔"

"جی امی ابھی لائی۔"

"کیسی حماقت ہوئی مجھ سے اندر آ کر بھول ہی گیا کہ باہر ٹیکسی والے کو کھڑا چھوڑ آیا ہوں اور یار موجو تم کتنے بیوقوف ہو تم نے بھی آ کر نہیں یاد دلایا۔"

"وہ جی میں سمجھا جی آپ لا رہے او پیسے' میں جی ٹیکسی والے نال باتیں کرنے لگیا جی...... مہاراگرائیں ہے جی۔"

"موجو" ذہین نے اُسے مخاطب کیا۔

"ہاں جی۔"

"چاکلیٹ کھانی ہے؟"

"ناں جی آپ کھاؤ۔"

"یار! ایک تم بھی لے لو۔ فرزین بھائی لائے ہیں۔"

"اچھا جی ڈے دیں فیر۔"

ذہین نے چاکلیٹ کا ڈبا اُس کی طرف بڑھایا۔ اُس نے دیکھ بھال کر بیضوی بناوٹ کی ایک چاکلیٹ اُٹھائی اور منہ میں ڈال کر منہ چلانا شروع کیا مگر...... اگلے ہی لمحے اس کے چہرے پر ایک ناگواری کیفیت اُبھری اور اس نے چاکلیٹ منہ سے اپنی ہتھیلی پر اُلٹ دی۔

ذہین' فرزین اور یقین بے ساختہ ہنس پڑے۔

امی اور ببا نے مسکرانے پر اکتفا کی۔

بجیا پیسے لیے واپس لوٹ آئی تھیں۔

تینوں بھائیوں کے ہنسنے کی آواز جویا کے کمرے تک بھی پہنچی تھی اور وہ دانت بھینچے دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔

بیل بجی تھی اور گیٹ کھلنے کی آواز بھی آئی تھی' پتا نہیں کون آیا ہے اس وقت۔ شاید نگہت آئی ہو' کسی شادی وادی سے۔ کمبخت سب کیسے ٹھٹھے لگا رہے ہیں

مذاق اُڑا رہے ہیں میرا۔

خدا پوچھے ان لوگوں کو۔

میرا بس چلے تو ایک ایک کو......

شدتِ رنج و غم سے اس کا رُواں رُواں سلگ رہا تھا۔

کیسا بے مروت اور خود غرض آدمی ہے۔

جا کر بیٹھ گیا اپنے گھر والوں کے ساتھ۔

سب سے اونچی ہنسی کی آواز اسی کی تھی۔

ہاں ہاں' مجھے جلایا جا رہا ہے۔

اماں بھی تو خوش ہو رہی ہوں گی۔

فرزین نے بجیا سے پیسے لیے اور ٹیکسی والے سے معذرت کرنے اور کرایہ دینے کے لیے باہر چلا گیا۔

جویا کچھ دیر کڑھتی رہی' بڑبڑاتی رہی۔

پھر اس نے اپنے آپ سے کہا۔ "چھوڑو جی! ہم دل کیوں جلائیں' وہ اگر خوش ہے اپنے گھر والوں کے ساتھ تو ہم بھی اماں سے بات کرتے ہیں۔"

اماں سے بات!

بھلا کیسے ممکن ہے!

فون تو لاؤنج میں رکھا ہے اور وہاں اس وقت چڑیلوں اور بھوتوں کی محفل جمی ہے۔

راج ہے جی ان کا!

خدا کرے مر جائیں یہ سب۔

نہیں......نہیں۔

اللہ توبہ!

سب نہیں۔

یقین کو کچھ نہ ہو۔

"ہیں!" اسے اپنی عقل پر تاسف ہونے لگا۔

کتنی پاگل تھی وہ کہ جو شخص اُسے آزار پہنچانے کا موجب بنا تھا' اسی کے محفوظ و مامون ہونے کی دعا گو تھی۔

لاؤنج سے ہنسنے بولنے کی آوازیں اُس کے کمرے تک پہنچ رہی تھیں مگر وہ الفاظ سمجھنے اور ملی جلی آوازوں میں فرزین کی آواز پہچاننے سے قاصر تھی۔

کتنے بے ایمان اور مکار تھے یہ لوگ۔

اُسے اکیلا چھوڑ کر سارا ریوڑ اکٹھا مل بیٹھا تھا اور اب کیسی ہا ہو ہو رہی تھی۔

وہ خود کو بہت تنہا محسوس کرنے لگی۔

کون کہتا ہے کہ مرد عورت کے دکھ سکھ کا ساتھی ہوتا ہے۔

وہ کمبخت تو عورت کو دکھی کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔

سب سے بلند قہقہہ یقین ہی کا تو تھا۔

یہ لو!

پھر قہقہے اُبلے۔

جویا کو اپنے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ اُترتا محسوس ہونے لگا۔

وہ بلبلا کر اٹھی اور اس نے دیوانہ وار کھڑکیوں کے پٹ بند کر کے اندر سے چٹخنیاں چڑھانی شروع کر دیں۔

دھڑ دھڑ کھڑکیاں بند ہونے کی آواز لاؤنج تک پہنچی۔

اہل خانہ دُزدیدہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ یوں لگتا تھا' جیسے وہ سب ایک دوسرے سے شرمندہ ہوں۔ جیسے کھڑکیوں کی دھڑ دھڑاہٹ کا ذمے دار خود کو سمجھتے ہوں۔

یقین کی خفت دیدنی تھی۔

فرزین پر حیرانی اور تذبذب کی ملی جلی کیفیت طاری تھی۔

"چلو بیٹا' تم تھکے ہوئے ہو گے آرام کر لو۔" بجیا نے فرزین سے کہا۔

"چلو بیٹا"۔ امی نے بھی تائید کی۔

جویا نے اپنے کمرے کا دروازہ اتنے زور سے بند کیا کہ اگر لاؤنج میں بیٹھے اہل خانہ کھڑکیوں کی دھڑ دھڑاہٹ نہ سن چکے ہوتے تو ان کا اُچھل پڑنا اور تشویش میں مبتلا ہو جانا یقینی تھا۔

یقین پہلے سے زیادہ شرمسار دکھائی دینے لگا۔

"اوکے"۔ فرزین نے کنکھیوں سے یقین کی شرمندگی کو تاڑتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے

اب سویا جائے۔"

"فرزین' آج تو تم ذہین کے کمرے میں سو جاؤ۔ کل تمہارا کمرا جھاڑ پونچھ دیں گے۔" بجیا بولیں۔

"بہتر"۔

"مدحت بیٹی! یہ سب چیزیں سمیٹ کر رکھ دو۔" امی نے بجیا کو فرزین کی لائی ہوئی سوغاتوں کی بابت ہدایت کی۔

فرزین یقین کی طرف بڑھا اور دل جویانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "گڈ نائٹ بھائی...... ان شاء اللہ صبح ملاقات ہو گی آپ سے۔"

"بشرطیکہ تم یقین کے دفتر جانے سے پہلے اُٹھ گئے۔" مدحت بجیا نے خواہرانہ محبت سے فرزین کو دیکھا۔

"کوشش کروں گا۔" فرزین مسکرا کر بولا۔

"ہمارے ایک لیکچرر کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی کام کے بارے میں یہ کہتا دکھائی دے کہ کوشش کروں گا تو سمجھ لو کہ نیت میں کچھ فتور ہے۔" ذہین نے کہا۔

"یہ جی فتور کا کیا مطلب ہے جی؟" موجو جو بڑے انہماک سے ان کی باتیں سن رہا تھا بولا۔

ذہین نے پہلے اس کے سر پر دھپ لگائی پھر بولا۔ "فتور کا مطلب ہوتا ہے گڑبڑ۔"

موجو اپنی کم عقلی پر کچھ شرمندہ سا نظر آنے لگا۔

"موجو۔ ذرا یہ سامان تو اُٹھواؤ۔" بجیا نے موجو کو اپنی مدد کے لئے طلب کیا۔

"اچھا جی"۔

جویا نے جو اپنے کمرے میں خود کو ہیجانی کیفیت میں مبتلا پا رہی تھی' ایک بند کھڑکی کو بہت آہستگی سے کھولا اور دوبارہ پوری قوت سے بند کیا۔

کھڑکی کی دھڑ دھڑاہٹ نے لاؤنج میں موجود اہل خانہ کو پھر چونکا دیا۔

ایک دوسرے سے نظریں چرا کر ایک دوسرے کو شب بخیر کہتے ہوئے وہ سب لاؤنج سے باہر نکل گئے۔ یقین بھی غصے اور شرمندگی کی ملی جلی کیفیت میں لاؤنج سے باہر نکل آیا اور اس نے گھر والوں پر یہ ظاہر کیا کہ گویا ان کی طرح وہ بھی اپنے کمرے میں جائے گا مگر اپنے کمرے تک پہنچ کر وہ کچھ دیر کمرے کے باہر راہداری میں ٹھٹک کر کھڑے رہنے کے بعد دوبارہ لاؤنج میں شب بسری کے ارادے سے پلٹ آیا!

لیکن وہ لاؤنج میں پڑے دیوان پر لیٹنے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ بابا قطعاً غیر متوقع طور پر واپس لوٹ آئے!

یقین انہیں دیکھ کر خفیف ہو گیا۔

"کیا بات ہے بیٹے؟" بابا نے بڑی دلسوزی سے پوچھا۔

"کچھ...... کچھ نہیں بابا۔"

"اپنے کمرے میں کیوں نہیں گئے؟"

بات بنانے کی جانب تھی کہ وہ تو "رنگے ہاتھوں" پکڑا گیا تھا۔

"چلو شاباش اپنے کمرے میں جاؤ۔" بابا نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

وہ متذبذب نظر آنے لگا۔

"چلو بیٹے۔"

"وہ......وہ......بدتمیزی کرے گی بابا۔" اس نے غصّے سے کہا۔

"کب تک؟" انہوں نے بڑے تحمل سے کہا۔

وہ لاجواب ہو کر اُن کا منہ دیکھنے لگا۔

بابا نے دلسوز نگاہوں سے اسے دیکھا پھر بولے۔ "بیٹے! اچھی بیوی کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی بسر کرنا کوئی کمال کی بات نہیں اور نہ ہی خودسر اور بگڑی ہوئی عورت سے لاتعلقی اختیار کر لینا مردانگی ہے۔ قابلِ تعریف بات تو یہ ہے کہ آپ کے حصے میں کوئی سرپھری اور بگڑی ہوئی عورت آئے اور آپ اُسے اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھال کر عزت اور شرافت کی زندگی بسر کرنے کی کوشش کریں۔"

یقین کی آنکھوں میں بے بسی کی کیفیت ڈولنے لگی۔

بابا اسے اپنے دوست، ہمدرد اور مسیحا محسوس ہوئے۔

"بابا وہ......وہ تنگ کرتی ہے مجھے۔" اس نے بوجھل آواز میں کہا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا بیٹا۔" بابا نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے تسلی دی۔ "مردوں کی طرح عقل اور حوصلے سے کام لو۔"

اس نے ایک گہری سانس کھینچی۔

"جاؤ اپنے کمرے میں جاؤ۔"

"میں جاؤں گا تو وہ پھر بکواس شروع کر دے گی۔"

"تم نے سنا نہیں ایک خاموشی سو فتنوں کو ہرا دیتی ہے۔"

بابا کافی دیر تک اُسے سمجھاتے رہے اور اُن کے اصرار پر آخر کار اُسے اپنے کمرے میں جانا ہی پڑا۔

جونہی وہ کمرے میں داخل ہوا جویا نے بڑبڑانا شروع کر دیا۔ "میری قسمت پھوٹ گئی۔ اس شادی سے تو اچھا تھا کہ مجھے موت آ جاتی۔ اماں بہنوں کے ساتھ بیٹھ کر قہقہے لگانے تھے تو شادی کیوں کی تھی۔"

وہ بڑبڑائے گئی اور یقین کا خون کھولنے لگا۔

"کیا بکواسی عورت تھی۔"

کئی مرتبہ یقین کا جی چاہا پھٹ پڑے اور ترکی بہ ترکی سنائے مگر کئی ماہ بعد فرزین کی آمد کا خیال مانع رہا۔

وہ دیر تک بکتی جھکتی اور اُسے اشتعال دلانے کی کوشش کرتی رہی۔

یقین، بابا کی نصیحت کا دامن تھامے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتا رہا۔

آخر کار وہ چپ ہو گئی۔

پھر شاید سو گئی۔

یقین کی آنکھوں میں بھی نیند اتر آئی۔

☆=====☆=====☆

صبح کو وہ پھولی پھولی سی اٹھی۔ منہ ہاتھ دھونے کے بعد کچن میں جا کر مریم کے لئے حسبِ معمول بوتل میں دودھ بھرا اور کمرے میں آ کر بوتل سوتی ہوئی مریم کے منہ میں لگا کر اسکول جانے کے لئے تیار ہونے لگی۔

مدحت بجیا نے امی اور بابا کو ناشتہ دیا پھر خود بھی مکھن لگے دو توس اور چائے کا مگ ہاتھ میں لے کر برآمدے میں بیٹھ گئیں۔

جویا تیار ہونے کے بعد ناشتہ کئے بغیر اسکول چلی گئی۔ فرزین سو رہا تھا، اس کے آنے کی کوئی سن گن نہ ہوئی اُسے۔

بجیا انکھیوں سے اُس کے تیور دیکھتی رہیں۔

اونہہ!

کیسے منہ پھلا رکھا تھا اس نے ان سے بھی۔

جب اُس نے بات نہیں کی تو وہ بھلا کیوں بات کرتیں اُس سے۔

گیٹ سے نکل کر اُس نے اتنی زور سے گیٹ بند کیا کہ امی آواز سن کر اپنے کمرے سے نکل آئیں۔

"یہ گیٹ اتنی زور سے کس نے بند کیا؟" انہوں نے بجیا سے پوچھا۔

"آپ کی بہو نے۔"

"گئیں؟"

"جی ہاں۔"

امی کچھ دکھی، کچھ متفکر سی برآمدے میں ہی بیٹھ گئیں۔

"یہ ہو کیا گیا ہے اسے!" امی نے فکرمندی سے کہا۔

"شاید وہ چاہتی ہیں کہ ہم لوگ تنگ آ کر ہاتھ جوڑ کر خود کہہ دیں کہ علیحدہ ہو جاؤ۔"

امی کے چہرے پر کرب سا پھیل گیا۔

"ہو جائے علیحدہ ہونا چاہتی ہے تو ہو جائے۔"

بجیا نے چونک کر امی کی طرف دیکھا۔

کس قدر غیر متوقع طور پر یہ بات کہی تھی انہوں نے!

"ہمیں تنگ نہ کرے۔" امی بوجھل آواز میں بولیں پھر انہوں نے مزید کہا۔ "ان جھگڑے فسادوں کے عادی کب ہیں ہم......رات بھی جب وہ کھڑکیاں دروازے دھڑ دھڑا رہی تھی تو میرے

دل پر دھوکے سے پڑ رہے تھے اور اب صبح ہی پھر......"

"آپ پریشان نہ ہوں امی۔" بجیا نے انہیں دلاسا دیا۔

"اولاد اس لئے پالی جاتی ہے کوئی کہ آدمی بڑھاپے میں عذاب میں مبتلا ہو جائے۔" امی نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ "فرزین میرا بچہ کئی مہینوں بعد سفر سے تھکا ہوا گھر لوٹا ہے' کیا سوچے گا وہ کہ یہ گھر ہے یا جھنڈا رخانہ۔"

تبھی بابا بھی آگئے۔

"مخل ہو سکتا ہوں آپ ماں بیٹی کی محفل میں؟" بابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا ہوا آپ آگئے۔ امی بہت پریشان ہو رہی ہیں۔" بجیا بولیں۔

"کیوں؟"

"جویا کی طرف سے پریشان ہیں۔"

"خدا کسی کو ماں نہ بنائے۔" امی گلوگیر آواز میں بولیں۔

"جملہ غلط ہے۔" بابا کرسی کھینچ کر امی کے نزدیک بیٹھ گئے اور زیر لب مسکراتے ہوئے بولے۔ "بیگم صاحبہ! آپ غالباً یہ کہنا چاہ رہی تھیں کہ خدا کسی کو ساس نہ بنائے۔"

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"مگر میں تو ہوں۔" بابا بولے۔ "کیونکہ روتی بسورتی زندگی مجھے قطعاً پسند نہیں۔"

"مجھے یہ بتائیے کہ ان دونوں کا ہوگا کیا؟" امی کے لہجے سے تشویش جھلک رہی تھی۔

"کن دونوں کا؟"

"آپ کے بیٹے اور بہو کا۔"

"وہ خود جانیں۔ ہمیں فکر مند ہونے کی کیا ضرورت...... کیوں بیٹی؟" بابا نے بجیا سے تائید چاہی مگر نظروں ہی نظروں میں کہا۔

"تمہاری امی کی فکر رفع کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"سن رہی ہو اپنے بابا کی بات!" امی نے بھی بجیا کی طرف دیکھا۔

"بابا کہہ تو ٹھیک رہے ہیں امی۔"

"ہیں! تم بھی ان کی ہاں میں ہاں ملا بیٹھیں۔"

بجیا نے انکھیوں سے بابا کو دیکھا پھر بولیں۔ "بابا' آپ یقین اور جویا کا کچھ فیصلہ کرا ہی دیجئے۔"

"کیسا فیصلہ؟" بابا چونکے۔

"اگر جویا علیحدہ ہونا چاہتی ہیں تو امی اس پر راضی ہیں۔"

"واقعی!" بابا نے چونک کر بے یقینی سے امی کی جانب دیکھا۔

"ہاں...... روز روز کی چخ چخ سے ان کا علیحدہ ہو جانا ہی بھلا۔" امی کے لہجے سے بادل ناخواستگی عیاں تھی۔

"بیگم صاحبہ! بہت عقلمندی کا فیصلہ کیا ہے آپ نے۔"

"صبح بخیر!" فرزین کی آواز نے ان تینوں کو فرزین کی طرف متوجہ کر دیا۔

"ارے! اتنے سویرے جاگ گئے!" بجیا بولیں۔

"جناب عالی! ڈیوٹی پر جانا ہے مجھے...... رات تو یہ کہیے کہ میں بس بھاگ نکلا وہاں سے۔" اس نے توقف کیا پھر بولا۔ "عجیب بات ہے' سمندر میں مہینوں گزر جاتے ہیں لیکن کنارے پر پہنچتے ہی اپنے گھر اور گھر والوں کا خیال آتا ہے...... پھر تھنگ کا انتظار مشکل ہو جاتا ہے۔"

"اچھا یہ بتاؤ' ناشتے میں کیا لو گے؟" بجیا اُٹھ ہوئیں۔

"جو سب لیں گے۔"

"سب کون؟"

"گھر والے اور کون!"

"امی' بابا اور میں تو ناشتہ کر چکے...... یقین کو ابھی دیر ہے ناشتہ کرنے میں...... ویسے بھی چھٹیاں ہیں' وہ حضرت گیارہ بجے سے پہلے نہیں اُٹھیں گے۔"

"ہاں' انہیں تو میں نے دیکھ لیا' گھوڑے بیچ کر سو رہے ہیں۔ بائی دی وے بھابی؟"

"وہ تو اسکول جا چکیں۔"

"آں ہاں۔"

"ہاں تو جناب' کیا لینا پسند کریں گے آپ ناشتے میں؟"

"ایک کپ چائے۔"

"صرف؟"

"تو یہ ہے تمہاری اسمارٹنس کا راز!" بجیا اُسے محبت سے دیکھتے ہوئے مسکرائیں۔

"نہیں' صرف یہی نہیں۔"

"تو پھر؟"

"بتاؤں گا' پہلے آپ چائے تو پلائیں۔"

"او کے۔"

بجیا کچن کی طرف چلی گئیں۔

فرزین امی کے نزدیک بیٹھ گیا اور بولا۔ "ہاں امی جان اور سنائیں۔"

"کیا سناؤں بیٹا؟"

وہ کچھ محتاط سا ہو بیٹھا۔

"یہ بتائیے کہ بھائی اور بھابی میں جھگڑا کیا ہے؟"

امی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"کیا جھگڑا ہے بابا؟"

"بس وہ علیحدہ ہونا چاہتی ہیں۔"

"گڈ! بہت اچھا آئیڈیا ہے یہ!"

امی نے چونک کر فرزین کی طرف دیکھا۔

"میں جھگڑے کا سبب پوچھ رہا تھا بجیا۔"

"ایک سبب تو یہ ہے کہ بہو علیحدہ ہونا چاہتی ہیں اور یقین غالباً اس پر راضی نہیں۔"

"ہاؤ فنی! بھائی کیوں راضی نہیں۔ انہیں تو خوش ہونا چاہئے علیحدہ گھر بنانے پر۔"

بجیا نے دزدیدہ نظروں سے امی کے تاثرات کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔

اُن کے چہرے پر دبے دبے سے صدمے کی کیفیت تھی۔

"چلئے ایک وجہ تو یہ ہوئی اور...... اور کیا وجہ ہے ان دونوں میں جھگڑے کی؟"

"یقین کے اپنی ساس سے کچھ اختلافات ہو گئے ہیں۔"

"کس قسم کے اختلافات؟"

"وہ انٹرفیر کرتی ہیں یقین اور بہو کے معاملات میں اور یہ بات یقین کو پسند نہیں۔"

"یقین بھائی کیا' یہ بات تو کوئی بھی پسند نہیں کرے گا...... بھابی کی مدر کو انٹرفیر کرنے کا کیا حق ہے...... بلکہ انہیں کیا کسی کو بھی حق نہیں کہ وہ دوسروں کے معاملات میں انٹرفیر کرے۔"

"بیٹے! ہمارے ہاں تو کیا جاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں لوگ دوسروں کے معاملات میں مداخلت کرنا اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں۔"

"جی۔" فرزین نے تائید میں سر ہلایا پھر تائید طلب انداز میں بولا۔ "مگر بجیا' یہ ہے تو غلط بات نا؟"

"ہاں بالکل غلط۔"

"بھابی اپنی مدر کو منع نہیں کرتیں کہ وہ انٹرفیئر نہ کریں؟"

امی اور بجیا دونوں میں سے کوئی اُس کے اس سوال کا جواب نہ دے سکا' تاہم امی نے کہا۔ "وہ تو میکے جا کر بیٹھ گئی تھیں' بڑی مشکل سے تمہارے پپا لے کر آئے انہیں۔"

"اچھا!"

"ہاں۔"

"کب کی بات ہے؟"

"پرسوں ہی کی تو بات ہے۔" امی شاکی لہجے میں بولیں۔ "مریم کو یہیں چھوڑ گئی تھیں۔ بے چاری بچی دن بھر تڑپتی رہی ماں کے لئے۔"

"یعنی حالات کافی خراب ہیں۔"

"بہت زیادہ۔"

"میں ذرا چینج کر لوں...... آٹھ بجے تک مجھے واپس پہنچنا ہے۔" فرزین اُٹھ کھڑا ہوا۔

اُس کے جانے کے بعد امی اور بجیا بھی کمرے میں چلے گئے۔

فرزین ڈیوٹی پر جانے کے لئے تیار ہونے کے بعد لاؤنج میں آیا تو بجیا اُس کے لئے چائے

ہی نہیں ہلکا پھلکا ناشتہ بھی تیار کر چکی تھیں۔

"موڈ تو نہیں تھا لیکن آپ نے بنا دیا ہے تو اب تھوڑا بہت کھانا ہی پڑے گا۔" اُس نے کہا۔

"تھینک یو۔"

وہ ناشتہ کرنے لگا۔

بجیا اُس کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔

"اب بتاؤ اس مرتبہ تمہاری اس غیر معمولی اسمارٹنس کا راز کیا ہے؟"

اُس کے لبوں پر گھائل سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بتاؤ۔" بجیا نے بہت پیار سے اصرار کیا۔

"رہنے دیجئے' کیا کریں گی جان کر۔"

"اپنے اوپر آزماؤں گی اور کیا کروں گی۔"

اُس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

بجیا کو اس کا ٹھنڈی سانس بھرنا معنی خیز محسوس ہوا۔

"بتاؤ بھی۔"

بجیا کا خیال تھا' وہ کہے گا' زویا کی بابت امی کی مخالفت سے بہت صدمہ پہنچا تھا اُسے اور یہی صدمہ اُس کے دبلاپے کا سبب بنا تھا۔

مگر بجیا کا اندازہ غلط ثابت ہوا!

"آپ سب کو اس مرتبہ بہت مِس کیا۔" وہ دھیمے سُروں میں بولا۔

بجیا نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا اور اس کے چہرے سے اس کے دل کا راز کھوجنے کی کوشش کی مگر اس کے چہرے کے تاثرات نے انہیں اس کے دل کا راز بتانے سے گریز کیا۔

"اسے بھی مِس کیا؟" وہ دھیمے سُروں میں بولیں۔

"کسے؟" اس نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لینے کی کوشش کی۔

"جس کی خاطر تم امی سے ناراض ہو کر گئے تھے۔"

وہ سیدھا ہو بیٹھا۔

"ایک بات بتاؤں آپ کو......"

بجیا ہمہ تن متوجہ نظر آنے لگیں۔

"وہ مجھے اچھی لگی تھی اور بس۔"

"تھی سے کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ......" وہ سر جھکا کر چائے کی پیالی کے سنہرے کنارے پر اپنی انگلی گھماتے ہوئے بولا۔ "اب کیا کہوں میں آپ سے۔"

"جو دل میں ہے' کہہ ڈالو۔"

اُس نے بجیا کی طرف دیکھا اور بولا۔ "کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم کسی اور موضوع پر بات

کریں؟''

بجیا کو اس کی آنکھوں میں دور کہیں اُداسی جھلکتی نظر آئی۔

''بہتر یہ ہوگا کہ ہم اس وقت اس موضوع کو ترک کر کے اپنی اپنی جاب پر جانے کی تیاری کریں اور کسی اور وقت اس موضوع پر تفصیل سے بات کریں۔''

فرزین مسکرا دیا اور بولا۔ ''خیال یہ بھی برا نہیں۔''

''اوکے تو تم اپنی چائے ختم کرو اور میں اپنے کپڑے سا استری کروں۔'' بجیا اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆======☆======☆

جویا ایک عجیب کیفیت میں گھر سے نکلی تھی۔

یقین پر اُسے بے پناہ غصہ تھا۔

سسرال والے بے رحم اور سفاک محسوس ہو رہے تھے۔ کمبخت صبح ہی صبح ناشتہ ٹھونس ٹھونس کر بیٹھ گئے اُس سے جھوٹوں منہ بھی نہ کہا کہ ناشتہ کرلو۔

اپنی ذات اُسے انتہائی قابلِ رحم لگ رہی تھی۔

اسکول پہنچی تو ایک ساتھی مسز باسط نے کہا۔ ''خیریت تو ہے جویا آج تو چہرہ بہت اُترا اُترا سا لگ رہا ہے؟''

اس کا جی بھر آیا۔

غیروں کو خیال تھا۔

نہیں خیال تھا تو اُن کو جن کو کہ ہونا چاہیے تھا۔

کسی نے صبح پوچھا کہ رات کیا بات ہوئی تھی؟ ناشتہ کیوں نہیں کر رہیں؟ چہرہ اُترا ہوا کیوں ہے؟

اُس کا دل بُری طرح دُکھنے لگا۔

''آج لپ اسٹک کیوں نہیں لگائی آپ نے؟'' مس تسنیم نے پوچھا۔

''کیا بات ہے بھئی آج اُداس اُداس ہو؟'' مسز فاروقی بولیں۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' اُمتہ السبحان نے کہا۔

ہمدردوں کے ہجوم میں وہ یک بیک رقیق ہوگئی۔

آنکھوں میں آنسو اُمنڈ آئے اور وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر رونے لگی۔

آن کی آن اسٹاف روم میں موجود تمام ساتھیاں اس کے گرد آ کھڑی ہوئیں۔

''کیا ہوا جویا؟''

''کیا ہوا کچھ تو بتاؤ؟''

''ایزی...... ایزی جویا......''

''پلیز!''

''فار گاڈ سیک بتاؤ تو سہی کیا ہوا؟''

ہمدردانہ استفسارات نے جویا پر اور زیادہ رقت طاری کر دی۔

جویا کی قریبی دوست اور رازداں باور کی جانے والی ٹیچر سے دیگر اسٹاف ممبرز جویا کے رونے کا سبب پوچھنے لگیں۔

''سسرال والوں کی طرف پریشان ہے بے چاری۔'' اُنہوں نے بتایا۔

''ہائے بے چاری!''

تمام ساتھیاں جویا کی دلجوئی اور آنسو پونچھنے میں ایسی مصروف ہوئیں کہ گھنٹی کی آواز کو بھی خاطر میں نہ لائیں۔

مسز ہاشانی راؤنڈ لیتی اسٹاف روم تک پہنچیں تو یہ منظر دیکھ کر اسٹاف روم میں در آئیں۔ انہیں دیکھ کر سب چوکنا ہو گئیں۔

مسز ہاشانی پر معاملہ کھلا تو وہ جویا کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے بولیں۔ ''ہمت سے کام لیں جویا۔''

اُن کے ہاتھ کا لمس پا کر جویا کلپ کلپ کر رونے لگی۔

''اُٹھو جویا منہ دھولو...... پلیز۔''

طالبات اسٹاف روم کی کھڑکیوں سے جھانکنے لگیں۔

''کیا بات ہے؟'' مسز ہاشانی نے کڑک کر انہیں گھورا۔

لڑکیاں بھاگ کھڑی ہوئیں۔

''کم آن مس جویا۔'' مسز ہاشانی نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے دلاسا دینے کی کوشش کی اور مسز فاروقی سے بولیں۔ ''مسز فاروقی پلیز مس جویا کا منہ ہاتھ دھلوائیں۔''

''اوکے میڈم!''

جویا کا منہ ہاتھ دھلوایا گیا اور جب اُس نے اپنی ساتھیوں کو یہ بتایا کہ وہ بھوکی پیاسی گھر سے آئی تھی تو اُن کا رویہ مزید ہمدردانہ ہو گیا۔

مس اُمتہ السبحان نے اُسے اپنے تھرماس سے چائے اور بیگ سے ایک سینڈوچ نکال کر دیا۔

مسز فاروقی نے پانچ کا نوٹ دے کر آیا کو اسکول کینٹین کی طرف دوڑایا کہ بسکٹ کا ایک پیکٹ خرید لائے۔

دن بھر اسٹاف ممبرز میں چہ میگوئیاں ہوتی رہیں۔

جویا کی سسرال والوں کو جی بھر کر لعنت ملامت کی گئی۔

بعض نے دبی دبی زبان میں جویا کے بھی کچھ کم نہ ہونے کا قیاس کیا۔

جویا کو اپنی اپنی بساط بھر سبھی نے مشورے دیے۔

کسی نے کہا 'سسرال والوں سے دب مت۔'

کسی نے کہا 'الگ ہو جاؤ۔'

جتنی زبانیں تھیں اُتنی باتیں۔

جویا اور اُس کے سسرال والے اس روز موضوعِ سخن ٹھہرے!

انٹرول میں جب وہ اماں کو فون کرنے کے لئے مسز ہاشانی کے دفتر جانے کا ارادہ کر رہی تھی کہ چپڑاسی نے آ کر کہا۔ ''مس جی! آپ کا فون آیا ہے۔''

وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

شاید اماں نے کیا ہو فون۔

ہو سکتا ہے یقین کا ہو۔

اُونہوں! وہ کاہے کو کرے گا بھلا!

اسے اپنی اماں بہنوں کے ساتھ ٹھٹھے لگانے سے فرصت ہے بھلا!

دل ہی دل میں یقین اور اس کے گھر والوں کو برا بھلا کہتی وہ مسز ہاشانی کے دفتر تک جا پہنچی۔

مسز ہاشانی دفتر میں نہ تھیں...... غالباً راؤنڈ پر تھیں یا شاید کسی کام سے اسکول سے باہر گئی ہوئی تھیں۔

ٹیلی فون ریسیور کریڈل سے الگ میز پر دھرا تھا۔

''ہیلو۔'' جویا نے کال ریسیو کی۔

''جویا؟'' استفہامیہ انداز میں کہا گیا۔

''جی...... جی ہاں۔''

''پہچانیے تو بھلا کہ ہم کون؟''

جویا تذبذب میں پڑ گئی۔

آواز اور لہجہ کچھ جانا پہچانا' کچھ انجانا سا لگا۔

''پہچانا نہیں؟''

''سوری...... میں بالکل نہیں پہچان پا رہی ہوں۔''

جویا کا قیاس نہ جانے کہاں کہاں ٹاک ٹوئیاں مارتا پھر رہا تھا۔

☆=====☆=====☆

''مرشدہ بول رہی ہوں...... نزہت کی جیٹھانی۔''

''اوہ! مرشدہ! کیسی ہیں آپ؟''

''اچھی ہوں...... آپ سنائیے۔''

''بس گزر رہی ہے۔''

''میں نے آپ کی سسرال فون اس لئے نہیں کیا کہ کہیں آپ کے سسرال والوں کو تشویش نہ ہو کہ مرشدہ نے ہماری بہو کو فون کیوں کیا۔''

''اچھا کیا آپ نے۔''

''بھئی...... اگر آپ مجھے نہ بتاتیں تو میں تو ان لوگوں کو بہت اچھا سمجھتی رہتی۔''

''ایسے تیز لوگ ہیں کہ ان کا کاٹا پانی نہ مانگے۔''

''خدا بچائے۔''

''اب کیا بچائے گا۔ اب تو آپ لوگ پھنس چکے۔''

''ویسے ہماری دیورانی تو بے چاری اچھی ہیں۔''

''جی ہاں۔'' جویا استہزائیہ انداز میں بولی۔ ''کھانے پینے کے معاملے میں تو بہت ہی اچھی۔''

مرشدہ ہنس دیں۔

''ہاں، ذرا کھانے پینے کی شوقین ہیں۔''

''ذرا کھانے پینے کی!'' جویا نے مرشدہ کے الفاظ دہرائے اور بولی۔ ''انہیں تو اللہ میاں نے بنایا ہی اسی مقصد کے لئے ہے۔ اُن کا بس چلے تو کھانے پینے کے سوا دوسرا کوئی کام ہی نہ کریں۔'' جویا نے پل بھر کو توقف کیا پھر بولی۔ ''خیر...... آپ یہ بتائیے کہ آج کیسے یاد کیا؟''

''وہ...... اصل میں آپ نے چھوٹی بہن کا ذکر کیا تھا نا۔''

''ہاں، ہاں۔''

''ایک رشتہ ہے۔ میں نے اسی سلسلے میں فون کیا ہے۔''

''اچھا...... اچھا۔''

''لڑکا کسی جرمن فرم میں ملازمت کرتا ہے۔ تین بہنیں ہیں، دو بھائی۔ والدہ حیات ہیں، والد کا پچھلے سال انتقال ہو چکا ہے۔ اچھے لوگ ہیں۔ اپنا ذاتی مکان ہے، لڑکے کے پاس موٹر سائیکل

ہے۔ اب کار خریدنے کا ارادہ ہے۔ اگر آپ اپنی بہن کے لئے انٹرسٹڈ ہوں تو بات کی جائے ان لوگوں سے؟"

"میں اپنی والدہ سے ذکر کردوں گی۔"

"کب؟"

"ہوسکا تو آج ہی۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر آپ مجھے بتا دیجئے گا کہ آپ لوگ انٹرسٹڈ ہیں یا نہیں۔"

"میں اماں کو آپ کا نمبر نہ دے دوں، وہ ڈائریکٹ ہی بات کرلیں گی۔"

"جیسے آپ کی مرضی...... ویسے لوگ بہت اچھے ہیں، لڑکے کے والد منسٹری آف ورکس میں سیکشن آفیسر ہوا کرتے تھے۔ اچھا گھرانا ہے۔ لڑکے کو اس کے اپنے خاندان میں کئی گھرانے بیٹیاں دینے کو تیار ہیں مگر لڑکے کی والدہ خاندان سے باہر کرنا چاہتی ہیں۔"

"آپ کیسے جانتی ہیں ان لوگوں کو؟"

"اصل میں یہ لوگ کسی زمانے میں ہمارے پڑوس میں رہا کرتے تھے۔ بہت شریف لوگ ہیں۔"

"شریف تو ہمارے سسرال والے بھی بہت لگتے ہیں۔"

"جی" مرشدہ قدرے محتاط لہجے میں بولی۔

"مگر یہ میں ہی ہوں کہ گزارہ کر رہی ہوں۔ آج کل ہمارے میاں صاحب نے ہمارے میکے جانے پر پابندی لگا رکھی ہے۔"

"کیوں؟"

"اماں بہنوں کے سکھائے پڑھائے میں آکر۔"

"یہ تو بہت غلط بات ہے۔"

"ان کے ہاں یہی ہوتا ہے شاید...... اپنی بیٹیاں تو اگر دو دن نہ آئیں تو کھد بد مچنے لگتی ہے۔ آپ تو دیکھتی ہی ہوں گی، نزہت کس قدر پابندی سے میکے آتی جاتی ہے۔"

"جی ہاں، مسعود ہر دوسرے تیسرے دن لے جاتے ہیں۔"

"ذرا آپ کسی وقت ان کے کان میں ڈال دیجئے گا تو یہ بات۔"

"کون سی بات؟"

"یہی کہ تم تو پابندی سے ان کی بیٹی کو میکے لاتے لے جاتے ہو، بہو کو دیکھو کہ وہ لوگ کتنی سختی میں رکھتے ہیں۔"

"اصل میں......" مرشدہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "ہم لوگ ایک دوسرے کے معاملات میں کم ہی مداخلت کرتے ہیں۔"

"چلئے ٹھیک ہے۔" جویا اپنی بات کھو کر شرمندہ سی ہوگئی مگر اپنی خفت مٹانے کو بولی۔ "ایسی باتیں کسی نہ کسی طرح پہنچ ہی جاتی ہیں کانوں تک۔"

"جی۔"

"آپ نے جس رشتے کا ذکر کیا ہے، میں کوشش کروں گی کہ والدہ کو آج ہی بتا دوں۔"

"سوری! میں نے آپ کو اسکول میں ڈسٹرب کیا۔"

"نہیں...... نہیں کوئی بات نہیں۔ ویسے بھی اس وقت ہماری میڈم سیٹ پر نہیں ہیں اس لئے آرام سے بات ہوگئی۔"

"چلئے یہ بھی اچھا ہوا۔ اچھی بات ہے پھر...... میں آپ کے جواب کا انتظار کروں گی۔"

"او کے۔"

"اجازت؟"

"خدا حافظ۔"

اسکول ٹیلی فون کے غیر ضروری استعمال کے خدشے کے تحت مسز ہاشانی ٹیلی فون سیٹ کو عموماً مقفل رکھا کرتی تھیں تاہم ایک چابی آفس سپرنٹنڈنٹ کے پاس بھی رہا کرتی تھی۔ مسز ہاشانی کی عدم موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جویا نے ایک ضروری ٹیلی فون کرنے کے لئے آفس سپرنٹنڈنٹ سے چابی مانگی اور میکے کا نمبر ملا لیا۔

کال بھابی نے ریسیو کی۔ اماں باتھ روم میں تھیں، ان کے آنے میں دو تین منٹ لگ گئے۔

اماں کی آواز سنتے ہی جویا کا دل بھر آیا۔

"اور...... سب خیریت؟"

خیریت!

کہاں تھی خیریت!

"نہیں۔" وہ روہانسی ہوکر بولی۔

"کیا ہوا؟"

اماں سے بڑھ کر ہمدرد اور مسیحا کون ہوسکتا تھا بھلا!

اس نے رندھی ہوئی آواز میں اماں کو گزشتہ روز کی رپورٹ پیش کردی۔

اماں بڑبڑاتی رہیں۔

یقیناً وہ اس کے گھر والوں کو منہ بھر بھر کر کوستی رہیں۔

"خدا غارت کرے۔ منحوسوں کو...... جیسا میرا دل دکھاتے ہیں یہ کمبخت، ویسے ہی ان کا بھی کوئی دل دکھائے۔" اماں نے کلستے ہوئے بد دعا دی۔

"ارے اماں ماں کے دل کو کوئی نہیں دکھا سکتا۔"

"اللہ دکھائے گا۔"

"آپ بڑے میاں سے بات کرنے کے لئے آنے کو کہہ رہی تھیں۔"

"ہاں، کہہ تو رہی تھی۔"

"تو پھر کب آئیں گی؟"

"ارے، بس کیا بتاؤں۔ یہ تمہارے ابا نے لٹیا ڈبو دی۔"

"کیا ہوا؟"

"رات میں نے کہا کہ دیکھو، جویا سسرال چلی تو گئی ہے مگر بات وہیں کی وہیں ہے۔ بڑے میاں بھی وعدے کے مطابق نہیں آئے۔ چلو ہم دونوں چلتے ہیں۔ کہنے لگے، تم ان کے گھر گئیں اور بات بڑھ گئی تو بلوائی کہلاؤ گی۔ کرنا ہی ہے تو انہیں اپنے گھر بلا کر بات کرو۔"

"تو اپنے گھر ہی بلا لیں۔"

"بلانے میں ہماری بے عزتی ہے۔ اُنہیں خود آنا چاہئے۔ اچھے بھلے ناک رگڑتے ہوئے آئے تھے۔ اسی وقت دو ٹوک بات ہو جاتی۔ اس وقت ہمارا پلڑا بھاری ہوتا۔ دبنگ ہو کر بات کرتے ہم اُن سے۔ خیر تم فکر مت کرو۔ اب ایسا کرو تم کہ موقع دیکھ کر اپنا زیور سمیٹ کر اور بچی کو ساتھ لے کر گھر آ جاؤ۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے اماں؟" وہ سٹپٹا کر بولی۔

"کیوں نہیں ہو سکتا؟"

"مجھے ڈر لگے گا۔"

"اوہو! ڈر لگنے کی کیا بات...... کسی بہانے سے نکل آؤ بس۔"

"گھر سے کوئی آ کر مجھے نہیں لے جا سکتا؟"

"ہاں...... یہ بھی ہو سکتا ہے بلکہ ایک ترکیب اسی وقت آئی ہے ذہن میں۔"

"وہ کیا؟"

"محلے میں حفیظ صاحب کے بیٹے کی شادی تو ہو ہی رہی ہے۔ میں تمہاری ساس کو فون کروں گی کہ جویا اور یقین کا بلاوا بھی ہے، وہ کمبخت تو کس منہ سے آئے گا، میں اس بہانے تمہیں خود آ کر لے جاؤں گی۔ بس تم زیور وغیرہ اور مریم کو لے کر آ جانا، پھر تم دیکھنا کیسے دوڑے ہوئے آئیں گے یہ لوگ۔"

"ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے اماں۔" جویا اماں کی دانائی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکی۔

واہ! کیا کمال کا دماغ پایا تھا اماں نے!

"کب کریں گی فون؟"

"بس ابھی کروں گی تاکہ ان کم بختوں کو یہ شبہ بھی نہ گزرے کہ تم سے کوئی بات ہوئی ہے میری۔"

"اچھا اماں...... وہ...... نزہت کی جیٹھانی مرشدہ کا فون آیا تھا تھوڑی دیر پہلے۔"

"کیوں؟"

"میں نے آپ کو ایک مرتبہ بتایا تو تھا کہ زویا کے رشتے کے لئے کہا تھا میں نے اس سے...... آج ایک رشتہ ہی بتانے کو فون کیا تھا اُس نے۔ کہہ رہی تھی، اچھے لوگ ہیں۔ لڑکا جرمن کمپنی میں ملازم ہے۔ ماں ہے۔ تین بہنیں ہیں، دو بھائی۔"

"دفعان کرو۔ بھول کر بھی میں نہیں دوں گی زویا کو کسی بھرے کنبے میں۔ پھر فون کریں تو کہنا، کوئی اکیلا لڑکا ہو تو بتائیں۔ ویسے ایک دو سے اور بھی کہہ رکھا ہے میں نے۔"

"وہ تو خیر کیا فون کریں گی ہمی کو فون کرنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے کر لیں گے۔"

"اچھا اماں، کافی دیر ہو گئی۔ اب فون رکھ رہی ہوں...... آپ بڑی بی کو یاد سے فون کر لیجئے گا۔"

"بس ابھی کرتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے، میں تھوڑی دیر آس پاس ہی رہتی ہوں، آپ کی جو بات ہو اُن سے مجھے بتا دیجئے گا۔"

"اچھی بات ہے۔"

کریڈل پر ریسیور رکھتے ہوئے جویا نے سوچا۔ "اماں سے بات کر کے دل کا بوجھ کتنا ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے! قرار سا آ جاتا ہے دل کو۔

ٹیلی فون لاک کر کے وہ چابی آفس سپرنٹنڈنٹ کو دینے کے لئے مسز ہاشانی کے کمرے سے نکل گئی۔

☆======☆======☆

ماں نے سمدھن سے اس طریقے سے بات کی کہ اُن کو اپنی نیت پر ذرا بھی شبہ نہ ہونے دیا۔

امی نے بھی اپنے دل کی کدورت اُن پر ظاہر نہ ہونے دی۔ حالانکہ دو روز پہلے جب وہ جویا کو لینے کے لئے اُس کے میکے گئی تھیں تو سمدھن کا رویہ اور طنزیہ انداز میں بات کرنا انہیں بہت بری طرح کھلا تھا۔

"میری طرف سے دلہن پر کوئی پابندی نہیں۔ جہاں چاہیں، آنے جانے کی اجازت ہے مگر آپ اپنے داماد سے اجازت لے لیجئے۔" امی نے کہا۔

"گھر میں بزرگوں کے ہوتے مجھے چھوٹوں سے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔" اماں بولیں۔

"آپ کا کہنا درست مگر بیوی کے کہیں آنے جانے کے لئے شوہر کی اجازت شرعاً بھی ضروری ہے۔"

"بس اب آپ ہی اجازت دلوائیں بیٹے سے بھی۔"

"آپ خود بات کر لیں نا...... آپ کی اولاد کی جگہ ہے وہ۔"

"بے شک! بس اپنی عزت سے ڈرتی ہوں۔ یقین نے اگر منع کر دیا تو مجھے افسوس ہوگا۔ آپ ایسا کریں، بھائی صاحب سے کہلوائیں، میرا خیال ہے، یقین اُن کو انکار نہیں کریں گے۔"

"میں کہے دیتی ہوں اُن سے۔"

"خدا آپ کا بھلا کرے۔"

"شادی ہے کب؟"

"شادی تو پرسوں ہے مگر بلاوا کل دونوں مہندیوں کا بھی ہے۔"

"برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں۔"

"جی......جی۔"

"محلے داروں نے داماد کو بلاوا نہیں دیا۔"

"بلاوا تو خیر دونوں کا ہے مگر یقین بھلا کہاں شریک ہوں گے۔"

"یہ آپ نے کیسے فرض کر لیا؟"

"مجھے اندازہ ہے۔"

"آپ کا اندازہ غلط بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"چلیں، آپ کہہ کر دیکھ لیں۔ خدا کرے، میرا اندازہ غلط ہی ہو۔"

"خیر دونوں کو بلاوے کی بات تو میں نے برسبیل تذکرہ کر دی۔ یقین ویسے بھی ابھی دو چار دن زیادہ وقت فرزین کو دیں گے۔ کل رات ہی اترے ہیں فرزین میاں جہاز سے۔"

"یقین اجازت دے دیں تو میں خود آ کر لے جاؤں گی جویا کو۔" اماں فرزین کا تذکرہ پی گئیں۔

"ضرور آئیے، آپ کا گھر ہے لیکن اگر صرف دلہن کو لے جانے ہی کی بات ہے تو خدا رکھے، یہاں سے کوئی پہنچا دے گا انہیں۔"

"اللہ رکھے، ادھر بھی بھرا کنبہ ہے۔"

سمدھن سے بات کرنے کے بعد اماں نے جویا سے بات کی۔

"اُف اللہ! فرزین آیا ہوا ہے اور مجھے اسی گھر میں رہتے ہوئے کانوں کان خبر نہیں۔ دیکھ لیں اماں، یہ اوقات ہے میری اس گھر میں۔" جویا روہانسی ہو کر بولی۔

"مگر وہ آیا کب!" وہ گہرے غور و خوض میں ڈوب گئی۔

"تم اپنا دل چھوٹا مت کرو۔ اب کی بار آ جاؤ۔ ان لوگوں کو ناک چنے نہ چبوا دوں تو میرا نام بدل دینا۔ ارے کوڑی پھیرے لگائیں گے سب کے سب۔"

جویا کو اماں کے دلاسہ دینے سے بڑی طمانیت کا احساس ہوا۔

وہ اس وقت کے تصور ہی سے سرور محسوس کرنے لگی، جب اس کے سسرال والے نادم و شرمندہ اس کے میکے کے کوڑی پھیرے لگائیں گے!

امی نے بابا سے بات کی۔

بابا نے یقین سے سفارش کی۔

یقین نے کہا۔ "نہیں بابا، جویا اب وہاں نہیں جائے گی اور اگر جائے گی تو مجھ سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔"

"صاحبزادے، بے وقوفی کی باتیں کیوں کرتے ہو۔ ناخنوں سے گوشت جدا ہوا ہے کبھی!

تمہاری بہنوں کو اگر ان کے شوہر یہاں آنے سے روک لیں، منہ ملنے دیں ہم لوگوں سے تو؟"

بابا حسب عادت دھیرے دھیرے رسان لہجے میں اسے سمجھانے بجھانے لگے۔

یقین اپنے متردد ہونے کے جواز پیش کرنے لگا۔

مذاکرات جاری تھے کہ فرزین گھر آ پہنچا اور امی نے اسے بریفنگ دے کر بابا کی معاونت کے لیے لاؤنج میں بھیج دیا۔

فرزین کو دیکھ کر بابا نے موضوع بدلنا چاہا تو وہ بولا۔ "پلیز! آپ لوگ اپنی گفتگو جاری رکھئے، میں کوئی غیر نہیں ہوں۔"

"ارے نہیں میاں، ایسی کوئی بات نہیں۔"

"کیوں جناب، کیوں اجازت نہیں دے رہے ہیں آپ بھابی کو ان کے گھر جانے دینے کی؟" فرزین نے یقین سے کہا۔

بابا اور یقین نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

"جانے دیں۔" وہ سفارشی انداز میں بولا۔

"تمہیں نہیں معلوم یار۔" یقین اُلجھے اُلجھے سے لہجے میں بولا۔

"ٹھیک ہے، آپ یہی سمجھ لیں کہ مجھے کچھ معلوم نہیں...... پھر بھی میں یہی کہوں گا کہ جانے دیں انہیں۔"

"فرزین میاں درست کہہ رہے ہیں۔"

بابا اور فرزین کافی دیر اسے سمجھاتے بجھاتے رہے۔

آخر کار اس نے گھٹنے ٹیک دیئے۔

"ٹھیک ہے۔ جیسے آپ لوگوں کی مرضی۔"

"میاں! اس معاملے میں مرضی تو تمہاری ہی اہمیت رکھتی ہے۔"

"اوکے، چلی جائے۔"

"ایسے نہیں یقین بھائی۔" فرزین نے کہا۔

"تو پھر کیسے؟"

"میاں! منہ بنا کر نہیں مسکرا کر اجازت دو۔"

"ٹھیک ہے۔"

فرزین نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا مگر بابا نے نگاہوں ہی نگاہوں میں کہا۔ "بس کافی ہے۔"

"امی کے کمرے میں شرٹس لا کر رکھی ہیں میں نے...... اس سے پہلے کہ ذہین آ کر دھاوا بولے، آپ اپنے لیے پسند تو کر لیجئے چل کر۔" فرزین نے یقین سے کہا۔

"چلئے صاحبزادے۔" بابا نے اٹھتے ہوئے یقین کا شانہ تھپتھپایا۔

تینوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

فرزین کی ابھی تک جویا سے ملاقات نہ ہوئی تھی۔ لاؤنج سے وہ اسی سے ہیلو ہائے کرنے کی

نیت سے نکلا۔

جویا مریم کے ساتھ ٹیرس پر تھی۔

''السلام علیکم۔''

جویا نے بے ساختہ چونکنے کی اداکاری کی۔ ''ارے! تم کب آئے؟''

''باضابطہ طور پر تو آج مگر جہاز سے چھلانگ لگا کر پچھلی رات ہی آگیا تھا۔'' وہ مریم کو گود میں اٹھاتے ہوئے بولا۔

''اچھا!''

''صبح آپ سے ملاقات ہی نہ ہوسکی۔''

''کسی نے تمہارے آنے کی خبر ہی نہ دی۔''

''جب میں اٹھا تو آپ اسکول جا چکی تھیں۔''

''کوئی بات نہیں...... مجھے گھر میں ہونے والے اکثر واقعات کی اسی طرح خبر نہیں دی جاتی۔'' وہ شاکی لہجے میں بولی۔ ''تمہارے آنے کی خبر تو مجھے ابھی ابھی تمہیں دیکھ کر ہی ملی ہے۔''

''مریم کو اس کی گڑیا پسند آئی؟'' فرزین نے مریم کو پیار کرتے ہوئے کہا جو اس سے زیادہ مانوس نہ ہونے کے باعث اس کی گود میں کچھ گھبرا سی رہی تھی۔

''کون سی گڑیا؟'' جویا بولی۔

''بھئی لافنگ ڈول لائے ہیں چاچو اپنی اس پیاری سی گڑیا کے لئے۔'' فرزین نے مریم کا گال چھوتے ہوئے کہا۔

''شاید کلیئرنس نہیں ملی ہے ابھی تک بے چاری کو۔'' جویا کا لہجہ طنزیہ تھا۔

فرزین کو اس کا طنزیہ لہجہ ناگوار گزرا لیکن ساتھ ہی اسے اس بات پر بھی کوفت ہوئی کہ امی نے اب تک مریم کو اس کی گڑیا کیوں نہیں دی تھی۔

''چلیے...... ہم لے کر آتے ہیں، آپ کی ڈول دادی جان سے۔'' فرزین مریم کو گود میں لئے مڑا۔

''چاچو سے کہو، رہنے دیں۔'' جویا نے مریم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیوں صاحب، کیوں رہنے دیں؟''

''کسی اور کے کام آجائے گی۔''

''بائی دی وے کس کے؟''

''کسی کے بھی۔''

گو وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کا اشارہ نگہت کی بچیوں کی طرف تھا لیکن اس نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ''اس گھر میں گڑیوں سے کھیلنے والا کوئی اور بھی ہے کیا؟''

وہ کچھ نہیں بولی۔

''چلو بیٹا۔'' وہ مریم کو پیار کرتے ہوئے بولا۔ ''اگر کوئی اور ہے بھی تو وہ ڈول صرف اور صرف

آپ کے لئے آئی ہے۔''

مریم کو گود میں لئے وہ زیریں منزل کو جانے والے زینے کی طرف چلا گیا۔

☆=====☆=====☆

اماں نے ایسی ترپ چال چلی کہ جویا کی غیر معمولی تیاری بھی کسی کو شک میں مبتلا نہ کر پائی۔

اماں نے کہا تھا کہ وہ ثریا کے ساتھ چار پانچ بجے تک اسے لینے کے لئے پہنچ جائیں گی۔

جمعرات کی دوپہر اسکول سے واپسی کے بعد جویا نے اماں کی ہدایت کے مطابق اپنے سارے زیورات، دو چار اچھے، دو چار روزمرہ استعمال کے جوڑے، دو جوڑی جوتے، میک اپ کا سامان بیگ میں رکھا۔ مریم کے لئے علیحدہ بیگ تیار کیا جس میں اس کی ضرورت کی چھوٹی موٹی بہت سی چیزیں رکھیں۔ شادی میں شرکت کرنے جا رہی تھی اور تین چار دن میکے میں رہنے کا ارادہ تھا۔ چنانچہ سسرال میں کسی کو تشویش نہ ہوئی کہ اتنا اسباب کیوں لے جا رہی تھی۔

تین سوا تین بجے اس کی ساری تیاری مکمل تھی۔

گھر والے اپنی لاعلمی کے سبب بالکل مطمئن تھے مگر اس کے دل کا چور اسے بار بار ڈرا رہا تھا۔ بات کھل جانے، راز فاش ہو جانے کا دھڑکا اسے خود اپنی سانسوں سے بھی سہمائے دے رہا تھا!

اماں کا انتظار اسے بے حد صبر آزما محسوس ہو رہا تھا۔

اماں نے کہا تھا کہ وہ ثریا کے ساتھ ٹیکسی میں اسے لینے کے لئے آئیں گی اور کھڑے کھڑے اس کے سسرال والوں سے سلام علیک کر کے اسے اور مریم کو اسی ٹیکسی میں لے جائیں گی۔

اسے خوف تھا کہ کہیں سسرال والوں سے اماں کی علیک سلیک کے دوران کوئی ایسی بات نہ ہو جائے کہ اس کی ساری تیاری دھری رہ جائے۔

حالانکہ امی نے تو کہا تھا کہ جویا کو سسرال سے کوئی پہنچا دے گا اس کے میکے مگر اماں نے اُن کی پیشکش شکریے کے ساتھ ٹال دی تھی۔

امی نے زیادہ اصرار اس خیال سے نہ کیا، مبادا وہ یہ سمجھ بیٹھیں کہ انہیں آنے سے روکا جا رہا تھا۔

تقریباً ساڑھے تین بجے کے لگ بھگ فرزین جہاز پر سے اپنا کچھ سامان لے کر گھر پہنچا اور مزید سامان لینے کے لئے دوبارہ پورٹ جانے لگا تو جویا اس سے بولی۔ ''مجھے گھر چھوڑ دو گے؟''

''ضرور۔'' فرزین کو دیر جاناں پر جانے کا موقع ملا تو وہ کھل اٹھا۔

''مگر تمہاری اماں تو ادھر آئیں گی۔'' امی نے جویا سے کہا۔

''اونہہ! بڑی بی کو کیسی کھلبلی مچی۔'' جویا نے ناگواری سے سوچا۔

''انہیں آپ فون کر دیجیے بھابی کہ آپ خود آ رہی ہیں۔'' فرزین بولا۔

''ہاں، یہ ٹھیک ہے۔''

امی نہیں چاہتی تھیں کہ فرزین جویا کے گھر جائے مگر اسے روکنا کوئی نیا مسئلہ کھڑا کر سکتا تھا۔

جویا اماں کو فون کرنے کے لئے لاؤنج میں چلی گئی۔

امی کچھ پریشان سی مدحت بجیا کے پاس پہنچیں اور بولیں۔ ’’فرزین دلہن کو اُن کے میکے پہنچانے جا رہے ہیں۔‘‘

’’کیوں؟‘‘

’’دلہن نے فرمائش کی تھی اُن سے۔‘‘

’’مگر انہیں تو اُن کی اماں لینے آنے والی تھیں۔‘‘

’’تمہاری بھاوج حرفوں کی بنی ہیں۔ لڑکے کو بہانے سے کھینچ کر لے جا رہی ہیں اپنے میکے...... میں تو گھبرا رہی ہوں کہ کہیں کوئی اُلٹی سیدھی چال نہ چل جائیں یہ لوگ۔‘‘

’’آپ گھبرایئے مت، فرزین سمجھ دار ہے۔‘‘

’’تم نہیں جانتیں مدحت، عورتیں کتنی چالباز ہوتی ہیں۔‘‘

مدحت بجیا مسکرا دیں اور بولیں۔ ’’امی جی! ہم بھی تو عورتیں ہی ہیں۔‘‘

’’خدا نہ کرے جو تم میں چالبازی اور مکاری ہو۔‘‘ امی نے لحظہ بھر کو توقف کیا پھر کہا۔ ’’ایسا کرو مدحو تم چلی جاؤ بھائی کے ساتھ۔‘‘

’’نہیں امی...... مجھے بیچ میں کر ساتھ لگنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔‘‘

امی کے چہرے پر تشویش کے سائے گہرے پڑ گئے۔

’’آپ اطمینان رکھیں امی۔‘‘ بجیا نے امی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے انہیں تسلی دی۔ ’’کچھ نہیں ہوگا۔‘‘

’’دیکھو مجھے کسی قیمت پر یہ گوارا نہیں کہ اُس گھر کی دوسری لڑکی خدا نہ کرے اس گھر میں آ جائے۔‘‘

’’ٹھیک ہے، ٹھیک ہے امی لیکن......‘‘

’’لیکن؟‘‘

’’اگر خدا نے فرزین کی قسمت میں اسی گھر کی لڑکی لکھ رکھی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس بات کو ہونے سے نہیں روک سکتی۔ اگر مقدر میں لکھا ہے تو فرزین وہاں جائیں یا نہ جائیں، یہ بات ہو کر رہے گی۔‘‘

’’میں تو کہہ رہی ہوں، تم چلی جاؤ ساتھ...... باہر سے باہر ہی لے آنا فرزین کو۔‘‘

’’امی جان! پلیز آپ مجھے مجبور نہ کریں۔‘‘

’’میری خاطر۔‘‘ امی گڑگڑا دیں۔

’’اچھا چلیے...... مگر دیکھیں، میں خود نہیں کہوں گی فرزین سے اُن کے ساتھ جانے کو۔ آپ کوئی بہانہ بنا کر بھیجئے گا مجھے ان کے ساتھ۔‘‘

’’ٹھیک ہے...... چلو۔‘‘

’’نہیں، آپ فرزین سے بات کرنے کے بعد مجھے آواز دے کر بلا لیجئے گا تاکہ جویا کو یہ شبہ نہ گزرے کہ میں پلاننگ کے تحت جا رہی ہوں۔‘‘

’’صحیح ہے۔‘‘

امی برآمدے میں پہنچیں تو فرزین جویا کے دونوں بیگ اُٹھا رہا تھا۔

’’دلہن فون کر دیا تم نے اپنے گھر؟‘‘ امی نے پوچھا۔

’’جی...... کر دیا...... بس وہ نکلنے ہی والی تھیں۔‘‘

’’چلو اچھا ہے، سواری پکڑنے کی بھاگ دوڑ سے بچ گئیں وہ اور سوا سو روپے بھی ضائع نہ ہوں گے کرائے میں۔‘‘

’’کیسا دل نوچتی ہیں بڑی بی۔‘‘ جویا نے دانت بھینچتے ہوئے سوچا۔ ’’جتا رہی ہیں بڑی بی کہ اماں کے سوا سو روپے بچانے کے لیے تم نے خود سواری کس لی...... حالانکہ میرے جلدی کرنے کا سبب کچھ اور ہے، جب کھلے گا تا ان لوگوں پر تو تڑپ کر رہ جائیں گے۔‘‘ وہ تصوری تصور میں سسرال والوں کی اس پریشانی اور تلملاہٹ سے محظوظ ہونے لگی جس سے وہ جلد ہی دوچار ہونے جا رہے تھے۔

’’فرزین بیٹے! دلہن کو اُن کے گھر چھوڑنے کے بعد تم کس طرف سے ہوتے ہوئے جاؤ گے؟‘‘ امی نے پوچھا۔

’’کوئی کام ہے آپ کو؟‘‘

’’مدحت کو بھیجوں گی ذرا بندر روڈ تک۔‘‘

’’خیریت؟‘‘

’’سرمہ ختم ہو گیا ہے، وہ منگواؤں گی۔‘‘

’’میں لیتا آؤں گا۔‘‘

’’نہیں، مدحت خاص نسخے سے بنوا کر لاتی ہیں۔‘‘

’’نسخہ مجھے دے دیجئے۔‘‘

’’ارے بیٹا! تمہیں نہ جانے کیا اُٹھا کر دے دیں۔‘‘

فرزین نے بیگ فرش پر رکھے اور مسکراتا ہوا امی کے روبرو آ کھڑا ہوا اور بولا۔ ’’کیا اتنا بے وقوف دکھائی دیتا ہوں شکل سے؟‘‘

امی نے محبت سے اسے دیکھا، اپنا دایاں ہاتھ اس کے چہرے کو مس کیا پھر اپنے ہاتھ کو چومتے ہوئے بولیں۔ ’’مجھ سے پوچھو کہ کتنی پیاری ہے یہ شکل۔‘‘

’’کیا مسکہ لگایا ہے بڑی بی نے!‘‘ جویا دل ہی دل میں بولی۔

’’امی جان! اس وقت تو میں بھابی کو چھوڑتے ہوئے جہاز پر جاؤں گا، کچھ اور سامان لانا ہے وہاں سے۔ بجیا کو کل دل لے جاؤں گا۔‘‘

’’بیٹا! کل تو خیر وہ خود بھی چلی جائیں گی۔‘‘

’’آج کے لیے سوری امی۔‘‘

’’چلو...... کوئی بات نہیں۔‘‘ امی مایوس ہو کر بولیں۔

’’چلیے بھابی۔‘‘

"اجازت ہے امی؟" جویا نے بظاہر بڑی سعادت مندی سے کہا۔

اس کی سعادت مندی پر امی کو قدرے طمانیت کا احساس ہوا کہ وہ بغیر اجازت طلب کیے منہ اٹھا کر چل دیتی تو کوئی اس کا کیا بگاڑ لیتا۔

"ہاں.....جاؤ.....بس ذرا مریم کا خیال رکھنا.....ٹھنڈ سے بچانا ہے۔"

"آپ فکر نہ کیجیے۔" جویا نے بڑے رسان لہجے میں کہا۔

اسے اماں کی ایک مثل یاد آئی۔

ماں سے زیادہ چاہے پھاپھا کٹنی کہلائے۔

"چلیے جناب، مجھے دیر ہو رہی ہے۔" فرزین بولا۔

"خدا حافظ۔"

"جاؤ.....فی امان اللہ۔"

مدحت بجیا منتظر ہی رہیں کہ امی کب انہیں پکاریں۔

گاڑی اسٹارٹ کرنے کی آواز سن کر وہ خود ہی چلی آئیں۔

"کیا ہوا امی؟"

"ہونا کیا تھا، چلے گئے۔"

"آپ نے بہانہ کیا کیا تھا؟"

"میں نے کہا، مدحت کو میرے لیے سرمہ لینے جانا ہے مگر فرزین بولے، مجھے تو جہاز پر جانا ہے کل لے جاؤں گا۔"

بجیا نے امی کو متفکر دیکھ کر تسلی دی۔ "آپ فکر نہ کریں، امی فرزین اپنا اچھا برا خوب سمجھتے ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے بیٹی مگر فرزین ایسی بات کہہ چکے ہیں کہ چوکسی رکھنا پڑتی ہے، خیر اللہ مالک ہے۔"

اور فرزین جویا کے میکے جانے والے راستے پر گاڑی دوڑاتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ "کیسی مثل نکل آئی ہے اسے دیکھنے کی!"

اسے نزہت کی شادی یاد آ گئی۔

"کیا سوچتی ہوگی وہ کہ سینہ ٹھونک کر کہا تھا، تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور پھر پلٹ کر پوچھا تک نہیں۔ یوں غائب ہو گیا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔"

اُسے اس کا سامنا کرنے کے خیال ہی سے شرمندگی محسوس ہونے لگی۔

"بھابی کو باہر کے باہر چھوڑ دوں گا، اندر نہیں جاؤں گا۔" اس نے سوچا۔

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔" عقل نے مہر تائید ثبت کی۔

"میاں! اگر بھابی کو باہر کے باہر چھوڑ دو گے تو اسے کیونکر دیکھ پاؤ گے۔" دل بولا۔

"چلو نہیں دیکھیں گے۔ دل پر پتھر رکھ کر پلٹ جائیں گے۔"

"عجیب گھامڑ آدمی ہو! اسی کو دیکھنے کی چاہ میں تو بھابی کو چھوڑ رہے ہو۔" دل نے آنکھیں

دکھائیں۔

عقل اور دل باہم جھگڑتے اور ایک دوسرے کو قائل کرنے کی کوشش کرتے رہے اور فرزین درِ جاناں پر جا پہنچا۔

گاڑی روک کر ہارن بجانے کے بعد پہلے وہ خود گاڑی سے اُترا۔

پھر بھاوج اور بھتیجی کے لیے دروازہ کھولا اور بھتیجی کو لے کر بھاوج کو گاڑی سے بہ سہولت اترنے کا موقع دیا۔

بھتیجی کو بھاوج کے سپرد کر کے گاڑی کا عقبی دروازہ کھولنے کے بعد سامان اُتار رہا تھا کہ درِ جاناں کھلا اور "اس" کا چہرہ دکھائی دیا۔

برق سی چمکی۔

یہاں سے وہاں تک!

ایسا اجیارا پھیلا کہ وہ اسباب اُٹھائے جویا کے ساتھ ساتھ چل پڑا۔

"السلام علیکم۔" اس نے حیا بار نظروں سے اسے دیکھا اور جواب کا انتظار کیے بغیر جویا کی گود سے مریم کو لے کر اسے پیار کرنا شروع کر دیا۔

فرزین کے تصور نے اسے نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچا دیا!

برآمدے میں پہنچ کر اس نے سامان رکھا اور بولا۔ "اچھا بھابی مجھے اجازت؟"

"یہ کیا بات ہوئی! نہ سلام نہ دعا.....نہ ٹھنڈا نہ گرم..... مجھے اجازت؟" اماں کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"السلام علیکم آنٹی۔" وہ خفیف ہو کر بولا۔

"وعلیکم السلام.....بھئی یہ کیا تک کہ ابھی آ کر کھڑے ہوئے نہیں اور جانے کی اجازت مانگ رہے ہو۔"

"اصل میں.....مجھے جہاز پر جانا ہے۔"

"جانتے ہیں بھئی، جانتے ہیں ہم کہ تم خیر سے جہاز پر انجینئری کرتے ہو مگر کہیں آدمی آئے جائے تو وہ گھڑی کو بیٹھتا تو ہے۔"

"وہ.....بات یہ ہے کہ.....ایک تو جہاز سے کچھ سامان گھر لانا ہے مجھے.....دوسرے میرے کوئی دوست ملنے کے لیے آئیں گے۔ جہاز پر انہیں وقت دے رکھا ہے میں نے..... میں وہاں نہ ہوا تو وہ واپس چلے جائیں گے۔"

"پانچ منٹ سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" جویا بولی۔ پھر اس نے روئے سخن زویا کی طرف کیا۔ "زویا، چائے ٹھنڈا کچھ لے تو آؤ۔"

"اپنی بیٹی کو سنبھالیں۔" اس نے مریم کو جویا کے سپرد کرنے کی تیاری کی۔

"بھابی چائے اُدھار رکھیے۔"

"بھئی ہم کچھ اُدھار نہیں پلائیں گے۔" جویا بولی۔

"ایسی کوئی بات نہیں، میں ذرا جلدی میں ہوں۔"

جویا نے کچھ کہنا چاہا مگر اس کے کچھ بولنے سے پیشتر ہی اماں نے نظروں ہی نظروں میں اُس سے کہا۔ "جانے دو۔"

جویا کے چہرے کے تاثرات یک بیک متغیر ہو گئے۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" اس نے فرزین سے کہا۔

"آئی ہوپ۔ آپ مائنڈ نہیں کریں گی۔"

"بالکل نہیں۔"

"تھینک یو۔"

فرزین کی نظریں زویا کی نگاہوں سے ملیں اور اُسے یوں لگا، جیسے وہ کہہ رہی تھی۔

اپنی وہ بات یاد ہے نا تمہیں؟

"آئی وانٹ ٹو میری یو۔"

یاد ہے نا تمہیں؟

نکہت کی شادی میں تم نے مجھ سے کہا تھا کہ تم مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو۔

کب؟

کب ایفا کرو گے تم اپنا وعدہ؟

میں انتظار کر رہی ہوں۔

تمہارا اور صرف تمہارا انتظار!

فرزین نے نظریں چرا لیں۔

"او کے بھابی..... اچھا آنٹی چلتا ہوں۔"

"خدا حافظ۔"

جویا اسے چھوڑنے کے لئے دروازے تک گئی اور مریم کے ساتھ اس وقت تک دروازے پر کھڑی رہی، جب تک اُس کی گاڑی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو گئی۔

اس کے جانے کے بعد دروازہ بند کر کے برآمدے کا رُخ کرتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں سوچا۔ "کتنا اچھا ہوتا اگر یقین کی کوئی بہن نہ ہوتی، بس بھائی ہوتے۔"

اسے اپنی کولیگ مسز مدنی یاد آئیں جو کہا کرتی تھیں، ساس نندیں فساد کی جڑ ہوتی ہیں ورنہ دیور جیٹھ تو بھاوجوں کو بہت چاہتے ہیں۔

اماں بہنیں نہ ہوتیں تو فرزین کتنا اچھا لڑکا تھا۔

زویا اس سے شرمائی ہوئی کتنی اچھی لگ رہی تھی!

وہ فرزین کو رخصت کر کے واپس پلٹی تو اماں اور زویا کو اپنا منتظر پایا۔

"گیا؟" اماں نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" وہ اماں کے نزدیک بیٹھ گئی۔ "اماں! آپ نے اسے رکنے سے منع کیوں کر دیا؟

چائے کیوں نہیں پلانے دی اسے؟"

اماں نے اُس کی طرف یوں دیکھا جیسے اس نے کوئی احمقانہ بات کہی ہو پھر بولیں۔ "شاباش ہے تمہاری عقل کو۔"

"کیوں؟ کیا ہوا؟"

"سسرال والوں سے نمٹنے جا رہی ہے اور تم دیور کی آؤ بھگت کروانا چاہتی ہو..... ارے بھئی، اسی گھر کا آدمی تو ہے وہ۔"

"اس بے چارے کا کیا قصور!"

"کل کو باقیوں کے بارے میں پوچھنے نہ بیٹھ جانا کہ ان کا کیا قصور۔"

"فرزین تو بہت اچھا لڑکا ہے اماں..... نہ کسی کی اچھائی میں نہ برائی میں..... میرا تو بہت دل تھا اس پر۔"

"جس گلی جانا نہیں اُس کا ذکر کیا۔" امی ناگواری سے بولیں۔ "اب تو اگر تمہاری سسرال کا کوئی آدمی سونے کا بھی بن کر آ جائے تو میں اس کے جھاڑو نہ ماروں..... اچھا خیر یہ بتاؤ زیور تو اپنا سب لے آئیں نا؟"

"جی۔"

"بس..... اب تم بیٹھو اور تماشا دیکھو۔"

زویا جو ماں اور بہن کی منصوبہ بندی سے لاعلم تھی، چونک کر اُن کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"کیسا تماشا!" وہ سوچ رہی تھی۔

"اب نکالوں گی میں تمہارے میاں کی ساری طرم خانی۔" اماں کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

"کیا کریں گی اماں؟" زویا نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"چل ری..... بڑوں کی باتوں میں ٹانگ نہ اڑایا کر۔"

"اماں! بھائی نظر نہیں آئے۔" جویا نے کہا۔

"انہیں میں نے چار چھ دن کو ان کے میکے چلتا کر دیا ہے۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ انہیں حفیظ صاحب کے بیٹے کی شادی میں شریک ہونے سے زیادہ میکے جانے کا چاؤ آ رہا تھا۔ میں نے سوچا، اچھا ہے خرچے سے بچ جائیں گے، سب کا ایک ایک جوڑا تو نیا بنتا ہی، دوسرے کل کلاں کو تمہاری سسرال والوں سے ٹھنتی تو تمہارے بھائی پر بھی برا اثر پڑتا نا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تمہاری ریس میں تمہاری بھاوج بھی میکے جا کر بیٹھ سکتی ہیں۔"

"اللہ نہ کرے، انہیں ہم لوگ یا ہمارے بھیا اتنا تنگ تھوڑی کرتے ہیں۔" جویا بولی۔

"بھئی یہ کون دیکھتا ہے۔ لوگ تو بس برابری پر آ جاتے ہیں۔ ہماری طرح کوئی بہو رکھ کر تو

دکھائیے ذرا۔"

حقیقت یہ تھی کہ بھائی کو اماں جتنی پابندیوں اور سختی میں رکھتی تھیں اس کا اندازہ بھابی ہی کو تھا جو اپنے میکے کی کمزوری کی وجہ سے اکثر اماں کی زیادتی پر بھی کوئی احتجاج نہ کرتی تھیں۔ اب کی بار بھی تقریباً تین ماہ کے بعد اجازت دی تھی اماں نے انہیں اُن کے میکے جا کر چار پانچ دن رہنے کی۔

اماں کے نزدیک تو دنیا کی مظلوم ترین بہوئیں اُن کی بیٹیاں زہرا اور جویا تھیں۔

☆=====☆=====☆

جویا کو میکے گئے چند گھنٹے ہی ہوئے تھے کہ امی کو مریم کی یاد آنے لگی۔ اُس کی ہڑک میں بہو کے کمرے میں جھانکا تو مریم کا...... "کف سیرپ" سائیڈ بورڈ پر رکھا دکھائی دیا۔ اُلٹے قدموں امی بپا کے پاس پہنچیں اور دُہائی دی۔ "بار بار کہا میں نے کہ بچی کی دوا ضرور ساتھ لے جانا۔ کھانسی کا دھکا جب تک پوری طرح بند نہ ہو جائے کھانسی کا شربت دیتی رہنا مگر دلہن بیگم شیشی یہیں چھوڑ گئیں۔"

"بیگم صاحب! بھول گئی ہوں گی بہو بیگم۔" بپا بولے۔

"بھولیں نہیں، ضد میں چھوڑ کر گئی ہیں۔"

"ضد! کیسی ضد؟"

"میں بار بار یاد دلا رہی تھی نا کہ دوا ضرور لے جانا بچی کی، وہ ضد میں دوا یہیں چھوڑ گئیں۔ مسہری کے سرہانے سجا کر گئی ہیں شیشی کہ لو اور کہو۔"

"بیگم صاحبہ! بدگمانی اچھی بات نہیں۔" بپا نے رسانیت سے سمجھایا۔

امی نے شاکی نظروں سے بپا کو دیکھا پھر بولیں۔ "بدگمانی نہیں ہے یہ۔"

"تو پھر کیا ہے؟" بپا دھیرے سے مسکرائے۔

"مجھے اُن کی فطرت کا اچھی طرح پتا ہے۔ وہ جان بوجھ کر چھوڑ گئی ہیں بچی کی دوا۔"

"ٹھیک ہے۔ مانا کہ آپ کا خیال درست...... اگر بہو جان بوجھ کر یا ضد میں دوا چھوڑ کر گئی ہیں تو بچی کے لئے دوا کی ضرورت پڑنے پر وہ خود ہی پریشان ہوں گی...... آپ بھلا کیوں پریشان ہوتی ہیں۔"

"میں اس لئے پریشان ہو رہی ہوں کہ بچی کو تکلیف ہوگی۔"

"بہو ماں ہیں بچی کی، تکلیف انہیں ہم سے زیادہ تکلیف دے گی۔ سمجھیں؟"

امی مزید بحث کی گنجائش نہ پا سکیں، تاہم آدھ پون گھنٹے بعد ہی انہوں نے جویا کے میکے کا فون کھڑکھڑا ڈالا۔

"دلہن! بچی کی کھانسی کی دوا تم یہیں چھوڑ گئیں۔"

"کوئی بات نہیں۔" وہ بڑے اطمینان سے بولی۔ "ابا سے منگوا لوں گی دکان سے۔"

امی سخت تلملائیں۔

ٹیلی فون پر بات چیت ختم کرنے کے بعد کمرے میں آئیں تو چہرے پر خشونت تھی۔

"خیریت؟" بپا نے پوچھا۔

"میں نے بچی کی دوا کا یاد دلایا بہو بیگم کو تو نہ معذرت نہ افسوس...... بڑے آرام سے بولیں، کوئی بات نہیں ابا سے منگوا لوں گی دکان سے...... اُونہہ! ہمیں دھونس دے رہی ہیں اپنے بھیا کے میڈیکل اسٹور کی۔"

بپا بے ساختہ ہنس دیئے۔

"کیوں؟ ہنسنے کی کیا بات؟" امی نے تیور چڑھا کر پوچھا۔

"ہنسنے کی بات یہ ہے کہ ہم لوگ بسا اوقات چھوٹی چھوٹی اور غیر اہم باتوں کو بھی کس قدر اہم بنا لیتے ہیں۔" بپا بولے۔

"یہ چھوٹی بات ہے!"

"اتنی بڑی بھی نہیں جو آپ کو اس قدر پریشان کر ڈالے۔"

"تو بہ سے جواب میں اپنی کوئی پریشانی آپ پر ظاہر کروں۔"

"سوچ لیجئے۔"

"کیا سوچ لیجئے؟"

"اپنی کوئی پریشانی چھپا سکتی ہیں آپ اس خاکسار سے؟"

"ارے! یہی تو مسئلہ ہے۔"

بپا مسکرا دیئے۔

"اچھا، یہ بتایئے پوتی سے بھی بات ہوئی؟"

امی کے چہرے کے تاثرات یکسر بدل گئے۔

"ارے مت پوچھئے کیسی ٹھنڈک سی پڑی ہے سینے میں میرے اُس کی آواز سن کر۔"

"دوا کا تو محض بہانہ تھا، اصل میں آپ پوتی کی آواز سننا چاہتی تھیں۔"

امی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری پھر بولیں۔ "بچوں کے دم کی بھی کیا رونق ہوتی ہے۔ مریم کے بغیر گھر سنسان پڑا ہے۔"

"کوئی بات نہیں، دو چار دن میں آ جائے گی۔ ننھیال والوں کا بھی حق ہوتا ہے بچوں پر۔"

"ہمیں کوئی انکار تھوڑی ہے اس بات سے۔ ارے بھئی جب ہمیں اپنی نواسیاں اچھی لگتی ہیں تو دوسروں کو بھی بیٹیوں کی اولاد یونہی پیاری ہوتی ہوگی۔"

"بس یہی ہے تعمیری اور مفاہمانہ سوچ۔"

اور اُدھر اماں، جویا سے کہہ رہی تھیں۔

"بڑھیا نے تمہارے آنے کے بعد پورے کمرے کی تلاشی لی ہوگی، تبھی تو پتا چلا ہوگا کہ دوا وہیں رہ گئی ہے۔"

"دوا تو خیر اوپر ہی رکھی تھی اماں مگر آپ صحیح کہتی ہیں تلاشی تو لی ہوگی انہوں نے یہ دیکھنے کو کہ دو جگہوں میں آخر کیا کیا سمیٹ کر لے گئی ہے۔"

"الماری کو تالا تو لگا کر آئی ہو نا؟"

"نہیں اماں، رہ ہی کیا گیا تھا جو تالا لگاتی۔"

"چلو ٹھیک ہے، ویسے بھی ایسی حرافاؤں کے لیے تالے کھولنا کیا مشکل۔"

"ہاں۔ یہ بھی ٹھیک کہتی ہیں آپ۔" جویا کے دل میں کھد بدی ہونے لگی۔ "اماں! کچھ پرائز بانڈ بھول آئی ہوں میں اپنی الماری میں۔"

"اے ہے کتنے؟"

"پانچ پانچ سو کے دس بانڈز۔"

"کتنا سمجھایا تھا کہ ساری قیمتی چیزیں لے کر نکلنا مگر تم بہت ہی لاپرواہ اور بھلکڑ ہو..... اب کیا ہو سکتا ہے۔"

"ویسے کپڑوں کے نیچے دبا کر رکھے ہوئے ہیں میں نے۔"

"ارے، وہ تو الماری کی بنیادوں تک کو کھنگال ڈالیں گی۔ خیر اب کیا رونا آیۃ الکرسی پڑھ کر اپنے گھر کی رُخ منہ کر کے دم کر دو اور اللہ کی حفاظت میں دے دو۔"

جویا دل ہی دل میں آیۃ الکرسی پڑھنے لگی۔

"آؤ ذرا ہم بھی تو اپنی بہو کی الماری کی خیر خبر لیں۔" اماں نے جویا سے کہا۔

جویا نے منہ ہی منہ میں آیۃ الکرسی پڑھتے ہوئے اماں کو ذرا ٹھہرے رہنے کی تلقین کی پھر انداز سے اپنے سسرال کے رخ منہ کر کے زور زور سے تین پھونکیں مارنے کے بعد اماں سے بولی۔ "بھابی کے فرشتوں کو بھی پتا نہیں ہوگا کہ آج تک ہم ان کی الماری کا لاک کتنی مرتبہ کھول چکے ہیں چھوٹی چینچی سے۔"

"بھئی، اللہ نہ کرے ہم کوئی چور ڈاکو تھوڑی ہیں..... اور کون سا کوئی بری نیت سے کھولتے ہیں تالا۔ ہم تو بس یہ دیکھتے ہیں کہ بہو کی پونجی کتنی خرچ ہوگئی..... کتنی ہے..... مہینوں بعد جا کر چیک کرتے ہیں ہم۔"

اماں کے ساتھ وہ بھابی کے کمرے کی طرف چل دی۔

زویا رات کو حفیظ صاحب کے بیٹے کی مہندی میں جانے کے لیے کپڑے استری کر رہی تھی۔

☆=====☆=====☆

جمعے کو جویا کی سسرال سے تین چار مرتبہ فون آیا۔ دادا، دادی، پھوپھی، چاچو سب مریم کو مس کر رہے تھے اور اُن سب کی زبانی معلوم ہوا کہ مس یقین بھی کر رہا تھا اسے۔

"اُونہہ! مس کرتے تو فون نہ کرتے۔" جویا نے سوچا۔

"ارے، یہ جو فون کھڑکا رہے ہیں نا، یہ بھی بس دکھاوا ہے، چاہت کسی کو بھی نہیں۔" اماں بولیں۔

"اماں ٹھیک کہتی ہیں۔" جویا نے سوچا۔

اماں غلط کہہ سکتی تھیں بھلا!

یقین کی بے مروتی کے خیال سے جویا کا دل دُکھنے لگا۔

اُس کا نہ سہی بیٹی کا تو خیال کیا ہوتا۔

اسے تو فون کرتا۔

ڈائریکٹ نہ سہی کسی سے نمبر ملوا لیتا اور اسی کے ذریعے مریم کو فون پر بلوا کر بات کر لیتا۔

یقین کی بے مروتی کا اس نے اماں سے شکوہ کیا تو وہ بولیں۔ "میری ایک بات یاد رکھنا، مرد عورت کے منہ سے بچوں کو پیار کرتا ہے۔ اگر وہ بیوی کا نہیں تو اولاد کا بھی نہیں۔"

ہائے! کیسا سنگدل ثابت ہوا تھا وہ!

رات کو حفیظ صاحب کے بیٹے کی شادی میں جانا ہوا تو ملنے جلنے والوں میں سے ایک ایک نے اُس سے یقین کے بارے میں پوچھا۔

"میاں کہاں ہیں تمہارے؟"

"وہ نہیں آئے۔"

"کیوں؟"

"دفتر کا کچھ کام تھا۔"

"اتوار کو دفتر!"

"وہ..... دفتر کے کام سے حیدر آباد گئے ہوئے ہیں۔" اُس نے بات بنائی۔

"بچی بہت پیاری ہے تمہاری۔"

"شکریہ۔"

"کس پر گئی ہے۔"

"مجھ پر اور کس پہ۔"

"نہیں بھئی تم سے زیادہ اچھی ہے۔"

"جویا کے دولہا بہت خوب صورت ہیں بھئی..... باپ پر گئی ہے بیٹی۔"

جویا کے دل میں درد کی ایک لہری اُٹھی۔

کاش! یقین دل کا بھی خوب صورت ہوتا۔

کتنا بے ایمان ہے وہ!

اماں، بہنوں کے ساتھ خوب خوش ہوگا وہ تو۔

بیڈ پر پھیل پھیل کر سو رہا ہوگا۔

اماں بہنیں میرے خلاف ورغلانے کو کمرے ہی میں آ بیٹھی ہوں گی۔

اوہ، میرے خدا!

چار دن بعد تو نیا مہینہ شروع ہو جائے گا۔

زیادہ دن رہنا پڑا مجھے اماں کے گھر تو اس مرتبہ ساری تنخواہ سسرال کے تلوں میں اُتر جائے گی۔

اوہو! کیسے غلط وقت پر آ گئی ہوں۔

ذرا خیال نہ رہا ورنہ تنخواہ کے بعد ہی آتی۔

خیر اب کیا ہو سکتا ہے۔

سنیچر کو بھی مریم کے لئے دادا، دادی، پھوپھی، چچاؤں سبھی کے فون آئے مگر نہ آیا تو باپ کا نہ آیا۔

اماں کی اس بات پر مہر تصدیق لگ گئی کہ مرد بچوں کو عورت کے منہ سے پوچھتا ہے۔

سنیچر کی رات ولیمہ تھا۔

جویا دل چاہنے کے باوجود ولیمے میں نہ گئی۔

پھر سب یقین کے بارے میں پوچھتے۔

کس کس کو جواب دیتی وہ!

اور کتنا جھوٹ بولتی!

زویا نے کہا۔ "جب آپ نہیں جا رہیں تو میں بھی نہیں جاتی۔"

اماں کو اکیلے ہی جانا پڑا کہ محلے داری کا معاملہ تھا، نہ جاتیں تو حفیظ صاحب کی بیگم کو شکوہ ہوتا۔

اتوار کی صبح امی نے یقین سے کہا۔ "دلہن شادی سے نمٹ گئی ہوں گی، تم دفتر سے جلدی اُٹھ کر انہیں لیتے ہوئے گھر آ جانا۔"

"امی، پلیز آپ مجھ سے وہاں جانے کو نہ کہیے۔"

امی تھیں تو ساس ہی۔

بیٹے کو سسرال سے اس قدر متنفر پا کر انہیں یک گونہ طمانیت محسوس ہوئی۔

"اچھا ٹھیک ہے، نہ جاؤ میں کسی اور کو بھیج کر بلوا لوں گی دلہن کو۔"

دوپہر سے سہ پہر تک یہ اُمید رہی کہ شاید جویا اسکول سے واپسی کے بعد اپنا اسباب سمیٹ کر میکے سے کسی کو ساتھ لے کر گھر آ جائے مگر جب انتظار لاحاصل رہا تو امی نے ذہین سے کہا۔ "بیٹے! میں فون کیے دیتی ہوں دلہن کو کہ وہ تیار رہیں، تم جا کر لے آؤ انہیں۔"

"فرزین بھائی سے کہیے وہ لے آئیں گے۔" ذہین نے کنی کترائی۔

"اس کی ڈیوٹی ہے رات کو جہاز پر۔"

امی فرزین کو وہاں بھیجنا نہ چاہتی تھیں۔

"رات ابھی دور ہے امی۔" ذہین بولا۔

"اُفوہ! بحث میں کیوں پڑتے ہو، جاؤ جا کر لے آؤ انہیں۔"

"اچھا...... چلا جاتا ہوں۔" ذہین نے کان کھجاتے ہوئے نگاہوں ہی نگاہوں میں فرزین کی منت کی کہ وہ چلا جائے۔

"کوئی بات نہیں امی...... یہ حضرت نہیں جانا چاہتے تو میں لے آتا ہوں بھابی کو۔"

امی نے بے ساختہ چونک کر خاصی مشکوک نظروں سے فرزین کو دیکھا اور بولیں۔ "نہیں نہیں بیٹا تم رہنے دو۔"

فرزین امی کے روبرو آ کھڑا ہوا پھر گردن موڑ کر ذہین کی جانب دیکھتے ہوئے اسے آنکھوں

ہی آنکھوں میں کمرے سے باہر جانے کا اشارہ کیا۔

ذہین کے جانے کے بعد فرزین نے رُخ دوبارہ امی کی طرف کیا اور بولا۔ "مجھ پر بھروسا رکھیے، آپ کی مرضی اور خوشی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔"

امی دم بخود رہ گئیں۔

فرزین چند ثانیے انہیں دیکھتا رہا پھر ایک گہری سانس کھینچنے کے بعد بولا۔ "لیکن آپ کو راضی کرنے کی کوشش بہرحال کرتا رہوں گا۔"

اس نے کارنس پر سے گاڑی کی چابی اُٹھائی اور اسے اُچھال کر مٹھی میں دبوچتے ہوئے بولا۔

"میں لینے جا رہا ہوں بھابی کو۔"

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے چلا گیا۔

امی تحیر اور صدمے کی ملی جلی کیفیت سے نکلنے کے بعد باہر آئیں تو فرزین جویا کو لینے کے لئے جا چکا تھا۔

انہوں نے جویا کو تیار رہنے کے لئے کہنے کو اس کے میکے کا نمبر ملایا تو کال سمدھن نے ریسیو کی۔ علیک سلیک کے بعد امی نے کہا۔ "فرزین میاں دلہن کو لینے پہنچ رہے ہیں، اُن سے کہیے گا تیار رہیں کیونکہ فرزین کو رات کو ڈیوٹی پر جانا ہے، آخر کچھ دیر آرام بھی کریں گے۔"

"جویا تو ابھی نہیں آ رہی۔" اماں دوٹوک لہجے میں بولیں۔

"اب تو شادی، ولیمہ سب نمٹ گیا ہوگا۔"

"ہاں، شادی ولیمہ تو خیر نمٹ گیا مگر آپ لوگوں سے تو بات شروع ہی نہیں ہوئی ابھی۔"

"میں کچھ سمجھی نہیں۔"

"یقین طے کر لیں کہ بیوی کو رکھنا ہے یا نہیں۔"

"کیا پھر کوئی بات ہو گئی؟"

"اتنی انجان مت بنیں آپ...... اس روز میں نے غلطی کی جو بیٹے کے کہنے پر جویا کو بھیج دیا...... نہ آپ کے شوہر اپنے وعدے کے مطابق بیٹے کو لے کر آئے، نہ بیٹے صاحب نے اپنی روش بدلی بلکہ زیادہ طعنہ زنی اور مار پیٹ شروع کر دی بیوی کے ساتھ...... کیا شریفوں میں ایسا ہوتا ہے؟"

"بہن! میں تو خود پریشان ہوں، خدا جانے کس کی نظر لگ گئی ہے میرے گھر کو...... معلوم ہوتا ہے جیسے کسی دشمن نے سیہی کا کانٹا پھینک دیا ہے میرے گھر میں، خواہ مخواہ کا جھگڑا ہے یقین اور دلہن میں۔"

"خواہ مخواہ نہیں...... جان بوجھ کر آوازار کیا جا رہا ہے میری بچی کو۔" اماں بگڑ کر بولیں۔ "یقین بیوی سے لڑ جھگڑ کر اپنے کمرے سے نکلیں اور آپ سب بیٹھ کر قہقہے لگائیں۔ مذاق اُڑائیں، میری بچی کا تو کیا گزرے گی اس کے دل پر۔"

"یہ آپ سے کس نے کہا؟"

"چلیں، جویا نے ہی کہا...... میں آپ سے صرف اتنا پوچھتی ہوں کہ کیا یہ انسانیت ہے؟"

بہوؤں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے!"

"خدا کی قسم ایسی کوئی بات نہیں ہوئی...... غلط فہمی ہوئی ہے آپ کو بھی اور دلہن کو بھی۔"

"بس...... بس...... اب مجھے ایک نہیں سننی...... بیٹی میری اپنے گھر آ گئی ہے، اللہ نہ کرے کسی کی محتاج نہیں...... اپنے پیروں پر کھڑی ہے، اب اگر کوئی بات ہوگی تو یقین کی موجودگی میں...... بس خدا حافظ۔"

"بہن سنئے تو۔"

"مجھے کچھ نہیں سننا۔ آپ کو اگر بات کرنی ہے تو آپ دونوں میاں بیوی بیٹے کو لے کر آ جائیں۔"

"ٹھیک ہے، آ جائیں گے مگر اس وقت تو آپ......"

اماں نے سمدھن کی پوری بات سنے بغیر ہی ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

امی کو سخت سبکی محسوس ہوئی اور غصہ بھی آیا۔

یہ کوئی تمیز تھی کہ پوری بات سنے بغیر ریسیور رکھ دیا۔

سمدھن کا فون آنے کے بعد اماں نے جویا کو ہدایت کی۔ "فرزین لینے کے لئے آ رہا ہے تمہیں، نہ تم اس کے سامنے آنا، نہ مریم کو آنے دینا۔"

"اماں، اس بے چارے کا کیا قصور۔"

"خواہ مخواہ کی باتیں مت کرو۔ تمہارے سسرال والے سب کے سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔" اماں بولیں۔ پھر انہوں نے زویا کو ہدایت کی۔ "وہ آئے گا تو دروازہ کھولنے کی ضرورت نہیں، میں خود کھولوں گی۔"

زویا کو اماں پر سخت غصہ آیا۔

خدا جانے کیوں کر رہی تھیں وہ یہ سب کچھ؟

اسے جویا پر بھی تاؤ آیا۔

"اچھی بھلی سسرال ہے کمبخت کو...... نہ جانے کیوں لڑائی جھگڑا رکھتی ہیں...... چند روز پہلے ہی تو جھگڑ کر آئی تھیں۔ توبہ! کتنا خراب دن گزرا تھا وہ! اور اب پھر...... پتا نہیں اماں اور بجو کیا کر کے رہیں گی۔" زویا نے سوچا۔

فرزین آیا تو اماں نے خود دروازہ کھولا اور اسے اندر بلانے کی بجائے دروازے پر کھڑے کھڑے اس سے کہا۔ "تمہاری امی سے بات ہو گئی ہے میری فون پر جویا نہیں جائے گی۔"

"خیریت تو ہے آنٹی؟" فرزین ان کے بگڑے ہوئے تیوروں سے چونکا۔

"جس گھر میں ہماری بیٹی کو چین سکون نہ ہو وہاں اس کے جانے سے فائدہ۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"اپنی امی اور بہنوں سے جا کر پوچھو۔ جنہوں نے میری بچی کا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ اپنے بھائی سے پوچھو جو بیوی پر ظلم کرتا ہے، مارتا پیٹتا ہے اُسے۔"

فرزین جسے گھر والوں کی زبانی تھوڑے بہت حالات کا علم ہو چکا تھا بولا۔ "آپ برا نہ منائیں تو ایک بات کہوں۔"

"ہم میں پتا کہاں ہے جو برا منائیں گے۔" اماں طنزاً بولیں۔

فرزین کو ان کا طنزیہ لہجے میں بات کرنا برا لگا مگر وہ موقع کی مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بڑے تحمل سے بولا۔ "آپ بھابی اور یقین بھائی کے معاملات میں دخل دینا چھوڑ دیں۔"

"بے وارثی چھوڑ دوں اپنی بچی کو۔" اماں نے تیوری چڑھا کر فرزین کو دیکھا پھر کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولیں۔ "خدا بچائے تمہارے گھر والوں سے...... گھروں کا جھگڑا ہے۔"

اپنے گھر والوں کی تضحیک پر فرزین کو غصہ آ گیا۔

"آنٹی! آپ بھابی سے بات کرا دیں میری تا کہ میں ان سے پوچھ لوں کہ وہ گھر چل رہی ہیں یا نہیں۔" اس نے غصے کے عالم میں کہا۔

"بھابی سے پوچھنے کی کیا ضرورت...... میں جو کہہ رہی ہوں کہ وہ نہیں جائے گی۔" اماں بڑی رعونت سے بولیں۔

"تو نہیں جائیں گی وہ؟"

اماں نے ناک پر انگلی دھری اور فرزین کو ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم اردو سمجھتے ہو کہ نہیں؟"

فرزین شرمندہ ہو گیا۔

عین اسی لمحے اس کی نظر دروازے کی آڑ میں کھڑی اور کن سوئیاں لیتی زویا پر پڑی۔

"ٹھیک ہے جی۔" اس نے اماں سے کہا اور پلٹ گیا۔

اماں بھی سرعت سے مڑیں اور انہوں نے زور سے دروازہ بند کیا۔ یہ کارروائی اتنی اچانک تھی کہ زویا کو اماں کی نظروں سے بچ کر اِدھر اُدھر ہو جانے کا موقع ہی نہ ملا۔ اماں نے اسے دیکھا تو ان کی نگاہوں میں ناگواری امنڈ آئی۔

"کمبخت!" انہوں نے ایک زوردار دوہتڑ اس کی کمر پر رسید کیا اور بولیں۔ "تو کیا کر رہی تھی یہاں!"

"سوری اماں۔" زویا نے کان دباتے ہوئے کہا۔

"چل دفع ہو یہاں سے۔"

زویا شرمندہ ہو کر لمبے لمبے ڈگ بھرتی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

فرزین گاڑی اسٹارٹ کر رہا تھا۔

اماں کو برآمدے میں آتے دیکھ کر جویا جو کمرے کی کھڑکی سے جھانک رہی تھی، برآمدے سے نکل آئی۔

"کیا ہوا اماں؟" اس نے پوچھا۔

"ہونا کیا تھا......"

"اندر تو بلا لیا ہوتا اُسے۔"

"ارے چھوڑو۔"

"کیا کہہ رہا تھا؟"

"کچھ کہنے کو منہ تھا اُس کا۔"

زوبیا کو اماں پر غصہ آ رہا تھا اور اپنا غصہ وہ مسہری کی چادر کو کھینچ کر اُتارنے کے بعد اسے زور زور سے جھٹک کر نکال رہی تھی۔

"بے چارے کو کتنی باتیں سناؤ الیس اماں نے۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔

"کیا کہتا ہوگا وہ کہ کتنے بدتمیز لوگ ہیں، اندر بلا کر بٹھایا تک نہیں۔" اس نے سوچا۔

اب کیا اُمید رہ گئی تھی؟

فرزین گھر واپس ہوا تو امی نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ہوا؟ دلہن کو نہیں لائے!"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"عجیب عورت ہیں وہ۔" فرزین ناگواری سے بولا۔

"دلہن!"

"اُن کی والدہ محترمہ۔"

اماں کو یک گونہ مسرت اور طمانیت ہوئی کہ فرزین کے چہرے کے تاثرات جویا کی اماں سے بدظن ہو جانے کی غمازی کر رہے تھے۔

"خیریت؟" امی نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔

"وہ کہتی ہیں، جب تک یقین بھائی سے اُن کی بات نہیں ہو جائے گی وہ بھابی کو نہیں بھیجیں گی۔"

"ہوا کیا آخر؟"

"انہی سے پوچھئے گا۔ مجھے کیا معلوم۔"

"یقین تو کسی قیمت پر نہیں جائیں گے وہاں۔" امی وثوق سے بولیں۔

"تو پھر کوئی اور بھی نہ جائے ورنہ میری طرح شرمندہ ہو کر لوٹنا پڑے گا۔"

"کچھ معلوم تو ہو کہ کہا کیا انہوں نے۔"

"اب اس تفصیل میں جانے سے کیا فائدہ۔"

"بہرحال اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ میں نے اس گھر کی دوسری لڑکی لانے سے کیوں انکار کیا تھا۔"

یقین خاموش رہا۔

"بیٹیاں ماؤں کے نقش قدم پر چلتی ہیں، انہی سے سیکھتی ہیں۔ اسی لئے سیانے کہتے ہیں کہ جس گھر سے لڑکی بیاہ کر لانی ہو اس کی ماں کو دیکھو کہ وہ کیسی ہے اگر ماں اچھی ہے تو بیٹی بھی اچھی

تربیت بھی اچھی کی ہوگی۔ میں نے دلہن کی ماں کا رویہ دیکھ کر ہی تمہیں منع کیا تھا ورنہ مجھے تمہاری خوشی کے آڑے آنے میں کے رکعت کا ثواب۔" امی نے لوہا گرم دیکھ کر زوردار ضرب لگائی۔

"میں سونے جا رہا ہوں، سات سوا سات بجے کے قریب جگا دیجئے گا مجھے۔"

"ٹھیک ہے۔"

فرزین بوجھل ذہن کے ساتھ اپنے کمرے میں بستر پر جا لیٹا۔

☆=====☆=====☆

یقین دفتر سے گھر واپس ہوا تو امی، بیا اور مدحت بجیا جو سر جوڑے متفکر بیٹھے تھے، معمول کے مطابق نظر آنے کی کوشش کرنے لگے۔

یقین کپڑے تبدیل کرنے اور منہ ہاتھ دھونے کے بعد لاؤنج میں آیا تو بجیا نے اسے چائے لا کر دی۔ امی جو پُرسکون نظر آنے کی کوشش کر رہی تھیں کچھ مضطرب اور متفکر سی دکھائی دینے لگیں۔

"کیا بات ہے امی طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟" یقین نے پوچھا۔

"ہاں۔" امی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ "طبیعت تو ٹھیک ہے، کچھ پریشان ہوں۔"

"کیوں؟"

امی نے دُزدیدہ نظروں سے پہلے بیا کی جانب دیکھا پھر یقین کی طرف نگاہ کی اور بولیں۔

"فرزین گئے تھے دلہن اور بچی کو لینے مگر...... تمہاری ساس نے انہیں بھیجنے سے انکار کر دیا۔"

یقین چونکا۔

امی، بیا اور مدحت بجیا تینوں نے دیکھا کہ آن کی آن اس کے چہرے پر رنج، غصہ اور پشیمانی کی ملی جلی کیفیت چھا گئی۔

تینوں کو یقین کی یہ کیفیت دیکھ کر رنج ہوا۔

مگر یقین جلد ہی اپنی اس کیفیت کو دباتے ہوئے بظاہر بڑے تحمل سے بولا۔ "نہ بھیجیں...... اس میں پریشانی کی کیا بات!"

"نہیں بیٹا ایسی باتیں نہیں کرتے۔" امی نے سمجھایا۔

"روز روز کی بک بک سے تنگ آ چکا ہوں میں۔"

"بیٹا! ہم بھی خوش نہیں ہیں اس صورت حال سے۔" بیا بولے۔

"اور کیا۔" بجیا نے تائید کی۔

"دلہن اچھی بھلی خوش خوش گئی تھیں شادی میں، وہاں جا کر پتا نہیں کیا ہوا۔" امی نے کہا۔

"ماں نے پھر کوئی اُلٹی سیدھی پٹی پڑھا دی ہوگی اُسے۔"

"خیر...... تم عقل سے کام لو۔ بچی کے باپ ہو...... اللہ نے چاہا تو جلد ہی دوسرے بچے کے باپ بھی بن جاؤ گے۔"

"امی جان! میں ہی عقل سے کام لوں وہ نہ لے۔" یقین شاکی لہجے میں بولا۔

"میاں! ہم تو یہی چاہتے ہیں کہ تم دونوں ہی عقل سے کام لو لیکن اگر دونوں نہ کر سکیں تو کوئی ایک

تو ضرور عقل سے کام لے۔" بابا نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... مجھے یہ بھی گوارا ہے کہ وہ عقل سے کام نہ لے لیکن......"

"لیکن؟"

"یہ کسی صورت گوارا نہیں کہ وہ اپنی ماں کی عقل سے کام لے...... انتہائی بے وقوف عورت ہے وہ۔"

تبھی فرزین لاؤنج میں داخل ہوا۔

"کس کا ذکر ہو رہا ہے یقین بھائی؟"

"اپنی ساس صاحب کا ذکر خیر کر رہے ہیں۔" بابا بولے۔

"ہاربیل!" فرزین نے بلا تردد کہا پھر یقین کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "انہی کا حوصلہ ہے جو اس قسم کی ساس کو برداشت کر رہے ہیں۔ میں ہوتا ان کی جگہ تو ساس ہی نہیں بیوی کو بھی چھوڑ کر بھاگ لیتا۔"

فرزین کی بات نے یقین کو ندامت سے دوچار کر دیا۔

"فرزین میاں! مرد بھاگا نہیں کرتے سمجھے۔" بابا نے کہا

فرزین خفیف ہو گیا۔

یقین قدرے پرسکون سا دکھائی دینے لگا۔

"یقین بھائی۔" فرزین نے امی کے نزدیک بیٹھتے ہوئے کہا۔ "آپ بھابی اور ان کے گھر والوں سے اپنے اختلافات کو...... آئی مین ان کا کوئی حل کیوں نہیں نکال لیتے...... بیٹھ کر بات کریں اور معاملہ سلجھائیں۔"

"بات کروں۔" یقین نے ناگواری سے کہا۔ "اس عورت سے جو اپنی بیٹی کا گھر اجڑنا چاہتی ہے۔ نو...... نیور...... میں اس سے بات نہیں کروں گا۔"

"آپ سے چھوٹا ہوں یقین بھائی لیکن ایک بات ضرور کہوں گا۔" فرزین نے توقف کیا پھر بولا۔ "جہاں ڈائیلاگ نہیں ہوتا، ایک دوسرے کی باتیں اور شکایتیں سنی نہیں جاتیں وہاں مسائل کم ہونے کی بجائے بڑھتے ہی رہتے ہیں۔"

"بہت خوب! فرزین میاں، بہت عمدہ بات کی ہے آپ نے۔" بابا بولے۔

فرزین اترا سا گیا۔

مدحت بجیا نے اسے انگوٹھا دکھاتے ہوئے شاباش دی۔

یقین قدرے خفیف دکھائی دینے لگا۔

"بیٹا۔" بابا نے یقین سے کہا۔ "میرا مشورہ بھی یہی ہے۔ سن لو بیٹھ کر کہ تمہاری ساس کیا کہتی ہیں۔ کیا شکایت ہے انہیں تم سے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی کوئی شکایت ایسی جینوئن ہو کہ جس کا ازالہ کر کے تم اپنی اور بہو کی زندگی بہتر اور خوشگوار بنا سکو۔"

"میں ان سے بات کیے بغیر ہی جانتا ہوں کہ وہ اور ان کی بیٹی کیا چاہتی ہیں۔"

"کیا چاہتی ہیں؟" فرزین نے پوچھا۔

"وہ صرف یہ چاہتی ہیں کہ میں ان کی بیٹی کو اس گھر سے علیحدہ رکھوں۔"

"تو رکھ لیجئے...... کیا حرج ہے اس میں۔" فرزین بڑے آرام سے بولا۔

یقین نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور آن کی آن اس کی نگاہوں میں خشونت ڈولنے لگی۔

"ناممکن۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

امی کے چہرے پر اطمینان کی کیفیت نظر آتی تھی۔

"دنیا میں کوئی بات ناممکن نہیں ہوتی یقین بھائی۔" فرزین نے کہا۔

"چھوڑو اس قصے کو۔ کوئی اچھی بات کرو۔" یقین بولا۔

"اس سے اچھی بات کیا ہو گی کہ ہم سب اس مسئلے پر غور کریں کہ آپ اور بھابی کیونکر خوش رہ سکتے ہیں۔"

"بیٹا! ہم سب کی یہی خواہش ہے۔" بابا بولے۔

"میں تو دن رات یہی دعا کرتی ہوں کہ اللہ ان دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے زیادہ محبت پیدا کرے اور یہ ہنسی خوشی رہیں۔" امی نے کہا۔

"میرا خیال ہے امی...... آپ اور بابا یقین بھائی کو لے کر بھابی کے گھر جائیں اور اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کریں۔"

"میں وہاں نہیں جاؤں گا۔" یقین بولا۔

"تو پھر مسئلہ کیسے حل ہو گا!"

"نہ ہو۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔"

"بیٹا! مجھے تو مریم ایسی یاد آ رہی ہے کہ کیا بتاؤں...... بار بار دل میں ہوک اٹھتی ہے...... تین چار دن اس آس میں چپ چاپ گزار دیئے کہ اتوار پیر تک دلہن گھر آ جائیں گی مگر......" امی کی آواز بتدریج رندھتی چلی گئی۔

یقین نے فرزین کی جانب دیکھا اور بولا۔ "دیکھ لیا تم نے...... میں الگ ہو گیا تو امی رہ سکیں گی مریم کے بغیر!"

"روز ملوانے کے لئے لے آیا کیجئے گا آپ امی سے۔" فرزین بڑے اطمینان سے بولا۔

"بے وقوف ہو تم۔" یقین نے آنکھیں نکالیں۔

"اس عزت افزائی کا شکریہ۔" فرزین مسکرایا۔

"اچھا بھئی، یہ بحث ختم...... میرا خیال ہے، ہمیں چلنے کی تیاری کرنی چاہئے۔" بابا نے کہا۔

"کہاں؟" یقین نے کہا۔

"تمہاری ساس سے مذاکرات کرنے۔"

"پلیز ابھی رہنے دیجئے۔" یقین منہ بنا کر بولا۔

"بیٹا! بیٹھے رہنے سے مسئلہ حل ہوگا بھلا...... یہ روز روز بہو کا میکے جا کر بیٹھ جانا کوئی اچھی بات تو نہیں...... کل گھر سے باہر بات نکلے گی تو لوگ ہنسیں گے۔" امی نے کہا۔

"آپ لوگوں نے پہلے بھی میری بات نہیں مانی تھی...... گئے اور اُسے سر پر بٹھا کر لے آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہفتہ بھی نہیں گزرا کہ اس نے دوبارہ پھر وہی حرکت کر ڈالی۔"

"اسی لئے تو کہہ رہی ہوں کہ کوئی مستقل حل نکالو۔" امی نے پھر اپنی بات دہرائی۔

"چھوڑ دیجئے اسے اس کی حالت پر۔" یقین نے غصے سے کہا۔ "ورنہ آپ لوگ اگر اسے بار بار منا کر لاتے رہے تو میری زندگی مزید عذاب ہو جائے گی۔"

"اور مجھے بچی جو بار بار یاد آ رہی ہے۔" امی بولیں۔

"ایک بات بتائیے۔" یقین نے امی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کو مریم زیادہ عزیز ہے یا میں؟"

امی اس کے اس غیر متوقع سوال پر کچھ دیر مذبذب نظروں سے اسے دیکھتی رہیں پھر بولیں۔

"میں جھوٹ یا منافقت سے کام کیوں لوں...... مریم تمہارے دم سے ہے۔"

"او کے...... تو میری خاطر مریم کی دوری برداشت کر لیجئے۔ میں نادان نہیں ہوں، بہت سوچ سمجھ کر جویا کو اس کے حال پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کر رہا ہوں۔"

امی زیادہ مذبذب دکھائی دینے لگیں۔

"ٹھیک ہے امی۔" فرزین بولا۔ "بھائی اپنے مسائل کو زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔" پھر اس نے بابا سے اپنی بات کی تائید چاہی۔ "کیوں بابا آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میاں! بات تو تمہاری سو فیصد درست ہے لیکن...... ہم بوڑھے لوگوں کو تم نوجوانوں سے یہ خطرہ رہتا ہے کہ کہیں تم لوگ جذبات میں آ کر کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھو۔" بابا نے توقف کیا پھر بولے۔ "بیٹا! ہم بوڑھے لوگ فیملی یونٹی کے سلسلے میں بہت کانشس ہوتے ہیں۔ ہم خاندان کی اکائی کو بہر صورت برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں، کسی بھی صورت گھر کا شیرازہ بندھا رہنا چاہئے۔" بابا نے یقین کی طرف دیکھا اور کہا۔ "بیٹے! تم اگر یہ سمجھتے ہو کہ تم اپنے مسائل سے تنہا نمٹ سکتے ہو تو ٹھیک ہے۔ بس یہ خیال رہے کہ ہم سب تمہیں خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔"

یقین تلخی سے مسکرا دیا۔

بابا کہہ رہے تھے۔ "ہم سب تمہیں خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔"

خوشی تو نہ جانے کہاں جا چھپی تھی!

زندگی تلخ اور بے مزا بلکہ بدمزا ہو گئی تھی۔

اس سے تو لاکھ درجے بہتر تھا کہ وہ شادی نہ کرتا۔ روز روز کی یہ جھک جھک، بک بک تو نہ ہوتی جو اسے اپنے ہی ماں باپ اور بہن بھائیوں کے سامنے نادم اور رُسوا کر دیا کرتی تھی۔

اپنے دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ لاؤنج سے جانے کو اٹھا تو امی نے کہا۔ "بیٹے! ذرا یہ ضرور دیکھ لینا کہ دلہن اپنے ساتھ کیا کیا لے گئی ہیں۔"

"ارے امی، جو لے گئی ہے، لے جانے دیجئے۔ چیزوں سے کوئی زندگی گزرتی ہے بھلا۔"

کہنے کو تو وہ امی سے یہ بات کہہ آیا لیکن اپنے کمرے میں جا کر اس نے وارڈ روب کی تلاشی لی تو پتا چلا لاکر میں زیورات کے تمام ڈبے خالی پڑے تھے۔ جویا کی ایک نہیں چاروں کلائی گھڑیاں بھی غائب تھیں۔

پونے آٹھ بجے کے لگ بھگ فرزین ڈیوٹی پر چلا گیا۔ رات کے کھانے کے بعد سب اپنے اپنے کمروں میں جا گھسے۔ یقین اپنے کمرے میں پہنچا تو کمرے کی ویرانی نے اس کے دل میں یاسیت کے سائے پھیلا دیئے۔ اپنا خالی بستر اور مریم کا پالنا دیکھ کر اس کے دل میں درد کی لہر سی اٹھی۔ سگریٹ سلگا کر وہ کمرے کی کھڑکی کے نزدیک جا کھڑا ہوا اور باہر نیم تاریکی میں یوں نظریں دوڑانے لگا جیسے جویا اور مریم وہیں کہیں چھپی تھیں۔

یہی گھر تھا جہاں رات گئے تک گہما گہمی اور رونق رہا کرتی تھی مگر گھر کی بہو نے تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود اپنی بیوقوفی اور عاقبت نااندیشی کے سبب گھر کی رونقوں کو سناٹوں کی نذر کر دیا تھا۔

اور اُدھر جویا کے میکے میں ابا انتہائی فکرمندی سے اماں سے کہہ رہے تھے۔ "تم اچھا نہیں کر رہیں سارا کی ماں، کہیں ایسا نہ ہو کہ......"

"چپ رہیں جی۔" اماں غصے سے بولیں۔ "آپ تو ہمیشہ کے بزدل آدمی ہیں۔ آپ تو بس اسی ڈر میں رہا کیجئے کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے۔"

اور زویا کے کمرے میں جویا، مریم کو اپنے پہلو میں لئے لیٹی تھی اور دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔ "کوئی وہاں سے آئے یا نہ آئے مجھے پرواہ نہیں۔ مریم میرے پاس ہے۔" مگر اس کے دل کے کسی گوشے میں اماں کی بٹھائی ہوئی یہ یقین دہانی بھی اسے "مورل سپورٹ" دے رہی تھی کہ اسے دو چار دن صبر سے کام لینا ہوگا۔ یقین کے تو اچھے بھی آئیں گے اسے لینے کے لئے۔

☆======☆======☆

چار پانچ دن اس پر سُنو چیش رفت نہیں ہوئی۔

جویا کی سسرال میں اٹھتے بیٹھتے، بہانے بہانے مریم کو یوں یاد کیا جاتا رہا جیسے وہ کوئی یادگار قصہ پارینہ تھی جس کا اب محض ذکر ہی تسکین دل کا موجب بن رہا تھا۔

اس وقت سوئی تھی۔

اس وقت جاگی تھی۔

اب دودھ دینے کا وقت ہو گیا ہے۔

اب اسے کھچڑی کھلانے یا سوپ پلانے کا وقت ہے۔

اس وقت ماں کی راہ تکنے لگتی تھی۔

اس وقت دادا اُسے ٹہلانے کے لئے باہر لے جاتے تھے۔

امی جتنی دفعہ یقین اور جویا کے کمرے میں جھانکتیں، انہیں ہول سا آنے لگتا۔

ہے اتو ہے! کیسی ویرانی چھائی ہوئی تھی کمرے میں۔

کمرے میں مریم کی چیزیں، اس کے کھلونے، اس کا پالنا دیکھ دیکھ کر امی کا دل بری طرح دُکھنے لگتا۔ آنکھیں بھیگ جاتیں۔

موجو، ماسی اور ہر آنے جانے والے سے یہ بات چھپائی جا رہی تھی کہ جویا بچی کے ساتھ اپنے میکے جا بیٹھی ہے۔ نگہت نے افتخار سے اور نزہت نے اپنی پوری سسرال سے یہ بات راز رکھی ہوئی تھی۔

ماسی جیسے گھر والوں کی طرح سنیچر تک یہی خبر رہی تھی کہ جویا کسی شادی میں شرکت کے لئے میکے گئی ہوئی ہے، اتوار سے بلاناغہ پوچھ رہی تھی۔ "دلہن صیب کدوں آن گے جی؟" اور امی اسے روزانہ آج کل کا بہلاوا دے رہی تھیں۔

منگل کے دن سارا کام نمٹانے کے بعد وہ امی کی پائنتی پکڑ کر بیٹھ گئی اور بڑی رازداری سے بولی۔ "دلہن صیب آن گے ناں؟"

اس کے لہجے میں استفسار سے زیادہ تشویش اور بے یقینی تھی۔

"ہاں، ہاں کیوں نہیں آئیں گی۔" امی نے اس سے نظریں چراتے ہوئے بظاہر بڑے اعتماد سے کہا۔

"مینوں مریم گڈی بہوتی یاد آ ؤندی اے جی!" ماسی بولی۔

امی کا دل کسی منہ بند پھوڑے کی طرح ٹیسیں دینے لگا۔

گھر کی ملازمہ کہہ رہی تھی کہ مریم گڑیا اسے بہت یاد آتی تھی۔

ان کی تو جان تھی مریم جسے انہوں نے لاڈ پیار سے نہیں دل سے پالا تھا۔

کسی کو اندازہ تھا کہ اس کی پرورش میں انہوں نے کس قدر حزم واحتیاط سے کام لیا تھا۔

اس کی پیدائش کے بعد چاہنے والوں نے کھلونوں کا ڈھیر لگا دیا تھا اس کے لئے۔

رنگ برنگے جھنجنے۔

پلاسٹک اور سیلولائیڈ کے نوع بنوع جانور۔

فر کا موٹا تازہ بھالو، بندر اور پنک پینتھر۔

چھوٹی بڑی کاریں۔

سیٹی بجاتی ریل۔

بیٹری سے چلنے والا ہوائی جہاز۔

دیسی اور بدیسی وضع قطع کی گڑیاں۔

لیکن امی کو یہ سارے کھلونے مریم کے لئے انتہائی ناموزوں معلوم ہوتے۔ کوئی اس کے لئے بہت بڑا تھا، کوئی بھاری اور کسی کے ضرر رساں ہونے کا خدشہ تھا۔ ایک روز امی بجیا کے ساتھ بازار گئیں تو وہاں انہیں مریم کے لئے ایک حسب منشا کھلونا مل گیا۔ شفاف پلاسٹک کی ایک چھوٹی سی تھیلی میں فوم اور پیراشوٹ میٹریل سے بنے ہوئے دو بونے پہلو بہ پہلو جڑے بیٹھے تھے۔ امی کو ان کے رنگ بہت بھائے۔ دکاندار سے کہا، بونوں کو تھیلی سے نکال کر دکھائے۔ انہیں اچھی طرح الٹ پلٹ کر

دبا دبا کر دیکھا اور بولیں۔ "بچوں کے لئے ایسے ہی کھلونے اچھے ہوتے ہیں، نرم ملائم، بچی کو نقصان پہنچنے کا خطرہ نہیں ہوگا۔"

امی مریم کے لئے مذکورہ کھلونا خرید لائیں اور ننھی مریم نے ان کھلونوں کی بابت اپنی پسندیدگی کا اظہار انہیں اپنی ننھی ننھی مٹھیوں میں دبوچ کر منہ میں لے کر اور غوں غاں کر کے کیا۔

بجیا نے ان بونوں پر فی البدیہہ ایک نظم کہہ ڈالی۔

نظم موجو نے زبانی رٹ ڈالی اور اکثر لہک لہک کر گاتا۔

چھوٹے چھوٹے بونے ہیں
یہ مریم کے کھلونے ہیں
اک سرخ ہے اک زرد ہے
زرد کے سر میں درد ہے
جو سرخ ہے شریف ہے
جو زرد ہے شریر ہے
شریف اور شریر کو
اک جگہ بٹھا دیا
پتا ہے آپ کو بھلا؟
کمال یہ کس نے کیا!
یہ دادو کا کمال ہے
جنہوں نے دیکھ بھال کر
خریدے ہیں بازار سے
کھلونے نرم نرم سے
ننھی مریم کے لئے

گو اب مریم بڑی ہو گئی تھی اور اپنے دوسرے کھلونوں سے بے دھڑک کھیلتی تھی مگر موجو اکثر یہ نظم لہک لہک کر گایا کرتا تھا۔ اس نے مریم کی عدم موجودگی میں بھی اس نظم کا ورد رکھا ہوا تھا اور دن میں دو تین مرتبہ ضرور موجو کی زبانی اس نظم کے بول امی کے کان میں پڑتے تو انہیں مضطرب کر دیتے۔ ان کا جی چاہتا اڑ کر جویا کے میکے جا پہنچیں اور مریم کو اپنی آغوش میں دبکا کر گھر لے آئیں۔

گھر پر ان دنوں سناٹا چھایا ہوا تھا۔

یقین بظاہر نارمل رہنے کی کوشش کرتا، یوں جیسے اسے جویا کے میکے جا بیٹھنے کی چنداں پرواہ نہ ہو...... جیسے مریم اسے ذرا یاد نہ آتی ہو...... مگر...... اس کی ہزار احتیاط کے باوجود اس کی آنکھیں اس کے باطنی مدوجزر کی چغلی کھا جاتیں۔

وہ گھر میں یوں پھرتا جیسے کوئی چیز کہیں رکھ کر بھول گیا ہو!

جیسے کچھ تلاش کر رہا ہو!

تین چار دن امی چپ چاپ یہ سب کچھ دیکھتی رہیں پھر انہوں نے بیا سے کہا۔ "ناصر صاحب! ہمارے اور آپ کے یوں لاتعلق بیٹھنے سے بات نہیں بنے گی، کچھ کیجئے۔"

"آپ نے اُس روز یقین میاں کی بات سن ہی لی تھی، وہ نہیں چاہتے کہ ہم مداخلت کریں۔"

"انہوں نے خود بھی تو کچھ نہیں کیا ہے اب تک۔"

"ہوسکتا ہے، بہو کو اُن کی غلطی کا احساس دلانے کے لئے وقت دے رہے ہوں انہیں یا پھر کسی حکمت عملی سے کام لینے کیلئے خود یقین کو کچھ وقت درکار ہو۔"

"نہ بہو کو اپنی غلطی کا احساس ہوگا، نہ یقین کوئی حکمت عملی اختیار کر پائیں گے۔ جتنا وقت گزرے گا، اتنی ہی بات اُلجھتی چلی جائے گی۔"

"ہاں، یہ تو ہے کہ جتنا وقت گزرے گا، معاملہ زیادہ گمبھیر ہوتا چلا جائے گا۔"

"آپ ہی کچھ کیجئے ناصر صاحب، میرا تو دل تڑپ رہا ہے مریم کو دیکھنے کے لئے..... رات بھی خواب میں دیکھا کہ ہاتھ پھیلائے میری طرف لپکی چلی آرہی ہے۔"

شام کو جب یقین سے بات ہوئی تو وہ بولا۔ "بگڑے ہوؤں کو سیدھے راستے پر لانے میں کچھ وقت لگتا ہے۔"

بیا نے امی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "صاحب زادے کہہ تو ٹھیک رہے ہیں۔"

"مجھے تو مریم بہت یاد آرہی ہے۔" امی کی آواز یک بیک بھرا گئی۔

"میں جانتا ہوں، میں جانتا ہوں امی مگر..... مجھے تھوڑا سا وقت دیجئے۔" یقین نے امی کے شانوں پر اپنا بازو دراز کرتے ہوئے انہیں دلاسہ دینے کی کوشش کی۔

☆=====☆=====☆

جویا کے میکے میں ابا، بھیا اور زدیا دائیں بازو کی جماعت بن گئے تھے۔ ان کا مشترکہ خیال یہ تھا کہ اماں نے جویا کو گھر بٹھا کر اچھا نہیں کیا تھا۔

اماں حزب اختلاف بنی ہوئی تھیں اور انہیں جویا کو گھر بٹھانے پر نہ پچھتاوا تھا، نہ شرمندگی بلکہ اُن کا کہنا تو یہ تھا کہ جویا کو تو اس کے ماں بننے سے پہلے ہی میکے بٹھا لیا جانا چاہیے تھا تاکہ کوئی سخت اور فیصلہ کن قدم اٹھانے سے پہلے بچوں کا منہ نہ دیکھنا پڑتا۔

جویا اماں کی معمول بنی ہوئی تھی اور جیسا وہ کہہ رہی تھیں، وہی کر رہی تھی۔

رہیں بھابی تو وہ بے چاری ہر معاملے کی طرح اس معاملے میں بھی خاموش تماشائی بنی ہوئی تھیں اور تماشا دیکھ رہی تھیں۔

مریم شروع شروع دو تین دن بہت زیادہ ہُڑکی اپنے ددھیال والوں کے لئے مگر پھر بتدریج بہلنا شروع ہوگئی۔

جویا جسے اماں نے پچھلی مرتبہ کی طرح اس مرتبہ بھی یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ یقین اور اُس کے گھر والے ناک سے لکیریں کھینچتے اُسے لے جانے کے لئے آئیں گے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ فکرمند ہوتی چلی جا رہی تھی۔

اماں اس کی ہمت بندھاتیں۔ "تم فکر کاہے کو کرتی ہو، آج نہیں تو کل اُن کے تو اچھے بھی آئیں گے۔"

"نہ آئے تو؟"

"تو بھی فکر کی کیا ضرورت..... بچی تمہارے پاس ہے۔ زیور تم اپنا لے ہی آئی ہو، نوکری تمہارا سب سے مضبوط کھونٹا ہے۔ کوئی ایسی ویسی بات ہو بھی گئی تو اپنے بچوں کو آرام سے پال لوگی۔"

زدیا چپکے چپکے کہتی۔ "بجو! اماں کی باتوں میں مت آئیے گا۔"

جویا سوچتی۔ "زدیا کو کیا پتا کہ میں کتنے ٹارچر میں رہتی ہوں اس گھر میں۔"

ابا اور بھیا میں سے کسی نے بھی جویا سے براہ راست کوئی بات نہ کی مگر ان کے تیور اُسے چپکے چپکے سمجھاتے۔ "اپنے گھر چلی جاؤ جویا۔"

وہ ابا اور بھیا سے نظریں چرا لیتی۔

سارہ آپا کا سعودی عرب سے فون آیا اور اُن سے بات ہوئی تو اماں نے جملہ حاضرین و سامعین کو اشارے سے منع کر دیا کہ انہیں جویا کی اس کے سسرالی والوں سے ناچاقی کے بارے میں کچھ نہ بتایا جائے۔

کافی دنوں کے بعد بھولے بھٹکے ایک روز طارق بھائی بھی گھر والوں سے ملنے آپہنچے۔ عرصے بعد جویا کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور بولے۔ "ارے بھئی، ایک روز یقین سے ملاقات ہوئی تھی، بتایا اُس نے تمہیں؟"

اُن کے سوال کا جواب دینے کی بجائے اس نے چونک کر پوچھا۔ "کب؟"

"دو ڈھائی ماہ پہلے۔"

گویا کافی پرانی بات تھی۔ اس کے میکے آبیٹھنے سے پہلے کی تاہم اس نے یہ جاننا ضروری سمجھا کہ ملاقات کہاں ہوئی تھی۔

"کیپری کے سگنل پر..... درمیان میں ایک دو گاڑیاں اور تھیں، بس دور دور سے ہیلو ہیلو ہوئی..... اچھا لڑکا ہے۔" طارق بھائی نے بتایا۔

"جی ہاں، کتنا اچھا..... میں ہی جانتی ہوں۔" اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

پانچویں چھٹے دن امی نے بیا سے کہا۔ "بس اب حد ہو چکی..... یقین تو کچھ کر نہیں رہے۔ میں خود بات کرتی ہوں دلہن کے میکے۔"

"یقین میاں خفا ہوں گے۔"

"یقین کو بتائے گا کون۔"

"بری بات۔" بیا بولے۔

"کیا بری بات!" امی نے تیور بگاڑ کر پوچھا۔

"جیسے ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری اولاد ہمارے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچائے، اسی طرح اولاد بھی تو ہم سے بھی چاہتی ہوگی کہ ہم اس کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچائیں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ جب بیٹے نے وہاں رابطہ کرنے سے منع کیا ہے اور ہم نے اس سے اتفاق بھی کیا ہے تو ضروری ہے کہ ہم پابند رہیں۔"

"ماسٹر صاحب! دن گزرتے جا رہے ہیں، ایسے معاملات کو سلجھانے میں دیر اچھی نہیں ہوتی۔ نہ اِدھر سے کوئی گیا ہے، نہ اُدھر سے کوئی آیا ہے۔ میں فون کر کے دیکھوں تو سہی کہ اُدھر خاموشی کیوں ہے۔"

"بیٹے کو بتائے بغیر ہرگز مت کیجیے گا فون۔"

"بھئی، بڑے ہم ہیں کہ وہ۔"

"بیگم صاحبہ! کبھی کبھی چھوٹوں کا پابند بن کر رہنے میں بھی کوئی ہرج نہیں۔"

"مریم کی آواز سننے کو کان ترس گئے ہیں میرے۔"

"بس......بس...... آپ کی اصل پرابلم اصل میں یہی ہے کہ آپ اپنی پوتی کو مس کر رہی ہیں۔"

"تو کیا غلط کر رہی ہوں!"

"نہیں...... بالکل حق بجانب ہیں۔"

"تو پھر کیوں منع کر رہے ہیں مجھے فون کرنے کو۔"

"منع تو نہیں کر رہا البتہ یہ ضرور کہہ رہا ہوں کہ بیٹے کو بتا دیجیے۔"

"آپ کو معلوم ہے اچھی طرح کہ اسے جب ضد چڑھتی ہے تو وہ کسی کی نہیں سنتا۔ وہی کرتا ہے جو اس کے دل میں آتا ہے۔"

"تو انتظار کیجیے اور دیکھیے کہ کیا آتا ہے صاحب زادے کے دل میں۔"

☆=====☆=====☆

بہا نے بہت صحیح کہا تھا، ایک مرتبہ کہ شادی شدہ مرد کی پرابلم یہ ہے کہ بیوی کے بغیر لنڈورا معلوم ہونے لگتا ہے۔

یقیناً ہفتہ عشرہ تو اسی انتظار میں رہا کہ شاید سسرال والے خود رجوع کریں یا شاید جویا کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے یا پھر مریم ددھیال والوں کے لیے اتنی ہڑکے کہ جویا اور اس کے گھر والے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائیں۔

مگر اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔

جھلا کر اس نے از خود رابطہ کرنے کے بہانے ڈھونڈنے شروع کیے۔

وارڈروب کا لاکر بالکل خالی کر گئی تھی وہ۔

اس سے یہ پوچھنے کے بہانے فون کیا جا سکتا تھا کہ تمام زیورات کیوں غائب ہیں؟ ٹھیک ہے، وہ شادی میں شرکت کرنے گئی تھی مگر ٹیکا جھومر، نتھ اور ایک نہ دو چاروں رسٹ واچز بھی لے جانے کا جواز؟

مگر نہیں۔

زیورات کے بارے میں فکرمندی ظاہر کر کے اپنے آپ کو مادہ پرست ثابت کرنے سے فائدہ!

اُونہوں! اس بہانے سے تو بات کرنا مناسب نہ تھا۔

اوکے

مریم کی خیریت پوچھنے کے بہانے بات کی جا سکتی تھی۔

نہیں۔

یہ بھی نہیں۔

وہ مریم کو ہمیشہ کے لیے اس کی کمزوری باور کرے گی۔

اس پر تو یہ ثابت کرنا تھا کہ ہم جھکنے والے نہیں۔

اوکے......تو پھر؟

اس سے یہ پوچھنے کے بہانے فون کیا جا سکتا تھا کہ فرزین نے جو مفلر لا کر دیا تھا، اسے کہاں ٹھونس گئی تھی وہ!

پتا ہے کہاں سے ملا تھا؟

دھوبی کے ہاں جانے والے کپڑوں میں سے۔

کیسی لاپروا عورت تھی!

نیا مفلر میلے کپڑوں میں ٹھونس کر رکھ دیا تھا۔

مگر نہیں۔

فون کرنے کے لیے یہ بہانہ بھی پھسپھسا تھا۔

وہ اگر یہ کہہ دیتی کہ خود ڈھونڈ لو تو؟

پھر؟ اور کیا بہانہ ہو سکتا تھا؟

ہاں......! وارڈروب میں کچھ پرائز بانڈز بھی تو رکھے تھے۔

گڈ!

یہ ذرا ٹھسے دار اور مرعوب کن بہانہ تھا۔

زیورات کے بارے میں کوئی پوچھ گچھ نہ کر کے اور پرائز بانڈز کے بارے میں بتا کر اس پر واضح کیا جا سکتا تھا کہ ہم روپے پیسے اور سونے چاندی کی پروا نہ کرنے والے لوگ ہیں۔

اس بہانے پر دل ٹھک گیا۔

مگر فون گھر پر کیا جائے یا اسکول میں!

گھر پر تو اماں فوراً کوئی پٹی پڑھا دیں گی۔

اوکے......اسکول کے نمبر پر بات کی جائے۔

اسکول کے نمبر پر فون کیا تو اس نے محتاط لہجے میں کہا۔ "گھر پہ فون کیجیے گا۔"

اُس کے محتاط لہجے سے یقین نے یہ جانا کہ وہ اسکول والوں سے رازداری برت رہی تھی اور گھر کی بات اُن کے سامنے نہ کرنا چاہتی تھی۔

حالانکہ ایسا نہ تھا۔

میاں اور سسرال والوں سے اس کا ناراض ہو کر میکے آ بیٹھنا تو ''ٹاک آف دی اسکول'' بنا ہوا تھا!

اُن کی زیادتیوں اور مظالم کی رودادیں وہ اسٹاف روم میں ایسے دل گیر انداز میں اپنی ساتھیوں کو سناتی کہ سب اس کی قوت برداشت اور صبر جمیل کی داد دیتیں۔

اب وہ اور بات تھی کہ اس کی پیٹھ مڑتے ہی بعض دوست نما ساتھیاں بھی یہ کہتی ہوئی پائی جاتیں کہ تالی کبھی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔ قصور جویا کا بھی تھا!

یقین نے گھر فون کیا تو وہ اسکول والے لہجے سے یکسر مختلف لہجے میں بولی۔ ''کیا بات ہے؟''

وہ بھول گیا کہ اسے پرائز بانڈز کی بات کرنی تھی۔

''مریم کیسی ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''بہت جلدی خیال آ گیا!'' وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔

''بکواس مت کرو۔'' اسے غصہ آ گیا۔

اس نے ایک کہا، نہ دو اور ریسیور کریڈل پر دے مارا۔

یقین کے کان سے لگے ریسیور سے ٹوں ٹوں سنائی دینے لگی۔

اماں نے جویا کو ہدایت کی۔ ''بس اب کسی کا بھی فون آئے تم فون مت اُٹھانا۔''

یقین چند ثانیے ریسیور کان سے لگائے دم بخود بیٹھا رہا پھر اس نے ریسیور کو کان سے ہٹایا اور اپنی آنکھوں کے سامنے کر کے اسے یوں گھورنے لگا جیسے جویا کو دیکھ رہا تھا۔ چند سیکنڈز اسی کیفیت میں گزرے۔ پھر اس نے بھی ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔

''سالی! عورت ہے یا بلا!'' غصہ اور تضحیک کے احساس سے اس کا خون کھولنے لگا۔ ''پھوہڑ'' اُس نے دانت پیستے ہوئے سوچا۔

غصہ کم ہوا تو اس نے دوبارہ نمبر ملایا اور اس ارادے سے ملایا کہ اب اگر اس نے بدتمیزی کی تو اسے ایسی سنائے گا کہ اللہ دے اور بندہ لے۔

مگر کال اماں جان نے ریسیو کی۔

اس نے دل ہی دل میں لاحول پڑھتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

اماں نے جویا سے بولیں۔ ''وہی ہوگا۔''

''وہ تھے تو بولے کیوں نہیں؟''

''ارے، کس منہ سے بولے گا مجھ سے۔''

رات کو یقین نے پھر فون کیا۔

''ہیلو!'' اماں نے لپک کر کال ریسیو کی۔

لاحول ولا قوۃ، پھر اماں جان تھیں۔

بڑی بی ناگن بنی بیٹھی تھیں فون پر۔

اس نے ریسیور پھر رکھ دیا۔

''یہ خاموش فون اُسی کے آ رہے ہیں۔'' اماں پُریقین تھیں۔

جویا جو سسرال کی یک تک خاموشی سے متفکر تھی، کچھ حوصلہ پا گئی۔

اماں نے کہا۔ ''تم دیکھتی رہو، یہاں آ کر معافی نہ مانگے تو جو چور کی سزا وہ میری سزا۔''

یقین نے اگلے روز دفتر سے پھر اُس کے اسکول فون کیا۔ اس نے آواز سنتے ہی فون رکھ دیا۔

یقین کو سخت سبکی محسوس ہوئی۔

''سالی! بہت ذلیل عورت ہے۔'' اس نے غصے سے جبڑے بھینچتے ہوئے سوچا۔

دوپہر کو لنچ کے بعد اس نے پھر فون کیا۔

کال جویا کی بھابی نے ریسیو کی۔

علیک سلیک کے بعد وہ بولا۔ ''بھابی! جویا سے بات کروا دیں گی؟''

''آپ ہولڈ کریں، میں بلاتی ہوں۔''

وہ کافی دیر ہولڈ کیے رہا۔

پھر کسی نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر لائن منقطع کر دی۔

وہ سر ہاتھوں میں تھام کر گم صم بیٹھ گیا۔

دوست، رفیق کار اور کسی حد تک رازداں منیر احمد نے پوچھا۔ ''بات ہوئی؟''

''کہاں یار، وہ فون پر آتی ہی نہیں۔''

''آتی نہیں یا آنے نہیں دیا جاتا؟'' وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

''ہے بی..... ہو سکتا ہے وہ اماں نے پابندی لگا رکھی ہو..... مگر.....''

''مگر کیا؟''

''اسکول میں تو اماں نہیں ہوتیں۔ نہیں یار، اصل میں وہ خود ہی بدتمیز اور خودسر عورت ہے۔''

''ایک مشورہ دوں؟''

''ہاں..... کیا؟''

''تھوڑا سا ڈراوا دے دو بھابی کو۔''

''کیسا ڈراوا؟''

''یار! عورت کو مرد کی طرف سے بس ایک ہی ڈراوا کافی ہوتا ہے۔'' منیر ذرا اور کچھ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ''طلاق کا ڈراوا دے دو..... بیوی تو بیوی اُس کا باپ بھی ڈر جاتا ہے طلاق کے نام سے۔''

''بھائی! بیوی کا باپ تو بہت ہی شریف آدمی ہے..... ساری گڑبڑ اُس کی ماں نے کر رکھی ہے۔''

"طلاق کی دھمکی سے اماں بھی ڈر جائیں گی۔"

"یار فی الحال تو ایسا کرو کہ میں تمہیں نمبر دیتا ہوں۔ ذرا ملا کر اپنی بھابی کو بلا دو فون پر۔"

"میں...... میں بلاؤں!؟"

"ہاں...... ایسا کرو، یہ کہنا کہ ڈائریکٹوریٹ سے بات کر رہا ہوں، جیسے ہی فون پر آ جائے، فون مجھے دے دینا۔"

"او کے۔"

تدبیر کامیاب رہی۔

جویا فون پر آ گئی اور منیر نے آنکھ دباتے ہوئے ریسیور جھٹ یقین کو تھما دیا۔

"ہاں...... اگر تم نے میری بات سنے بغیر فون رکھا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" یقین نے کہا۔

اس کی آواز سنتے ہی جویا کا اوپر کا سانس اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا۔

بے ایمان کہیں کا!

کتنی مکاری سے فون پر بلوایا اُسے!

"کیا کر لیں گے؟" وہ اس کی دھمکی پر بگڑ کر بولی۔

"طلاق دے دوں گا، تمہیں۔" وہ غرایا۔

"او کے، پہلے آپ طلاق دے دیں پھر بات کیجئے گا۔" اُس نے یہ کہا اور فون رکھ دیا۔

یقین کچھ دیر سکتے کی کیفیت میں رہ گیا۔

خجالت سی خجالت تھی۔

منیر سے نظریں چراتے ہوئے اُس نے ریسیور رکھ دیا۔

"کیا ہوا یار؟"

"کچھ نہیں...... لائن کٹ گئی۔" اُس نے جھوٹ بولا۔

"دوبارہ ملاؤں؟"

"نہیں...... رہنے دو، گھر جا کر فون کروں گا۔"

"ڈھیٹ عورت ہے۔ طلاق کے نام سے بھی نہیں ڈری۔" یقین کو شدید غصہ آیا۔

جویا نے اماں کو بتایا کہ ڈائریکٹوریٹ سے فون کا تو محض بہانہ تھا، اصل میں یقین بات کرنا چاہتا تھا۔

"کمبخت! فراڈی!" اماں غصے سے بولیں پھر پوچھا۔ "کیا کہہ رہا تھا؟"

"کہنے لگے، میری بات سنے بغیر تم نے فون رکھا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ میں نے کہا کیا کر لیں گے تو بولے، طلاق دے دوں گا۔"

"کیا! کیا!" اماں نے آنکھیں نکالیں۔ "کیا کہہ رہا تھا، طلاق دے دوں گا۔"

"جی۔"

"اس سے کہتیں، ایسی گیدڑ بھبکیاں کسی اور کو دے۔"

"میں نے زیادہ بات ہی نہیں کی۔"

"اچھا کیا۔" اماں اُس کی پیٹھ ٹھونکنے والے انداز میں بولیں۔

☆=====☆=====☆

شام کو یقین دفتر سے گھر جانے کو نکلا تو اس کی طبیعت بہت مکدر تھی۔

کچھ ٹیلی فون پر جویا کے تضحیک آمیز رویے کے سبب اور کچھ اس لئے کہ مریم اسے بہت یاد آ رہی تھی۔

کتنے دن ہو گئے تھے اُسے مریم کو دیکھے ہوئے!

نہ جانے کیسی تھی وہ!

گھر جانے کی بجائے وہ ساحل سمندر پر جا پہنچا اور ایک بلند مقام پر بیٹھ کر سمندر اور ساحل کا نظارہ کرنے لگا۔ بلا مبالغہ سینکڑوں افراد آئے ہوئے تھے ساحل پر سیر و تفریح کے لئے۔ بوڑھوں اور جوانوں کے ساتھ بچے بھی تھے جو ساحل پر یہاں سے وہاں تک پھیلے ہوئے تھے۔

اورنج ٹی شرٹ اور بلیو جینز میں ملبوس مریم کی عمر کی ایک بچی اور اس کے جوان ماں باپ یقین کی توجہ کا بطور خاص مرکز بنے رہے۔ ماں اور باپ دونوں ہی بچی کو خوش کرنے کی تدبیروں میں لگے ہوئے تھے۔ کچھ دیر باپ بچی کے ساتھ ایک بڑی سی رنگ برنگی گیند سے کھیلتا رہا اور ماں ریت پر بیٹھی انہیں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی رہی۔ پھر دونوں نے بچی کا ایک ایک ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے درمیان میں لئے ساحل پر چہل قدمی کرنے لگے۔ تھوڑی دور جانے کے بعد ایک ساربان ملا تو انہوں نے بچی کو اونٹ پر سواری کے لئے بٹھایا اور خود ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر پہلو بہ پہلو چلنے لگے۔

یقین اپنی جگہ پر بیٹھا انتہائی محویت سے انہیں تا حد نظر دیکھتا رہا۔

اسے بچی کے باپ پر رشک آنے لگا۔

کتنا خوش قسمت تھا وہ کہ بیوی اور بچی دونوں اس کے ساتھ تھیں!

واپسی پر جب وہ تینوں دوبارہ اس کی حد نگاہ میں آئے تو انہیں مطمئن اور مسرور دیکھ کر اس کے دل میں ہوکیں سی اٹھنے لگیں۔

سورج سمندر میں ڈوب رہا تھا۔

اُفق کی سرخی اس کی آنکھوں میں اتر آئی۔

ڈوبتی شام کے سائے درد بن کر اس کے دل میں پھیل گئے۔

دور سمندر میں جہازوں کی بتیاں جلیں تو اس کے دل میں پھیلا درد بھی لو دینے لگا۔

کتنا تنہا ہو رہا تھا وہ جویا اور مریم کے بنا!

زندگی بے کیف اور بے مقصد محسوس ہو رہی تھی۔

وہ گھر جانے کو اٹھا تو تنہائی بھی اس کے سنگ سنگ ہو لی۔ اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس سے زیادہ تنہا اور مجبور شخص دنیا میں کوئی اور نہ تھا!

☆=====☆=====☆

دیکھتے ہی دیکھتے جویا کو میکے آئے مہینہ بھر ہو گیا۔

نہ اُدھر سے کوئی آیا نہ اِدھر سے کوئی گیا۔

جویا کے سسرال والوں کی بابت اماں کا یہ دعویٰ کہ ناک سے لکیریں کھینچتے معافی تلافی کرنے کے لئے آئیں گے، دھرا رہ گیا۔

کہاں کی معافی اور کہاں کی تلافی، اُن لوگوں نے تو ایسی چُپ سادھی کہ جویا کو وحشت ہونے لگی۔

اماں کے سکھانے میں آ کر وہ سسرال سے میکے چلی تو آئی تھی مگر یہ حقیقت تھی کہ وہ اس گھر سے اپنا تعلق توڑنا ہرگز نہ چاہتی تھی۔

یقین سے اُسے لاکھ شکوے سہی مگر محبت تھی۔

اُس کے اور یقین کے درمیان رفاقت کا رشتہ تھا۔

ایک دوسرے کے شریکِ زندگی تھے وہ!

سب سے بڑی بات یہ کہ وہ اُس کی بچی کا باپ تھا۔

وہ بچی جو اُسے مرکزِ حیات و کائنات لگتی تھی۔

جسے دیکھ کر وہ اپنی ہر کلفت بھول جاتی تھی۔

جس کی مسکراہٹ اس کے رگ و پے میں سرور سا بھر دیتی تھی۔

جس کو سینے سے لگاتے ہی اُس کے سینے میں ٹھنڈک سی پڑ جاتی۔

اپنے ننھے ننھے بازو پھیلائے جب وہ کبھی "مما" اور کبھی "ماما" کہتی اس کی طرف لپکتی تو اُسے اپنا وجود بڑا ارفع اور اعلیٰ محسوس ہونے لگتا۔

اسی بچی کے طفیل تو وہ ماں کے منصب پر فائز ہوئی تھی۔

ماں!

وہ ہستی جس کے قدموں تلے جنت ہوتی ہے۔

جنت تو اماں کے قدموں تلے بھی تھی۔

مگر نہ جانے کیوں!

کیوں اُسے کبھی کبھی ایسے محسوس ہونے لگتا، جیسے سسرال سے اماں کے قدموں میں آ بیٹھ کر اُس نے کوئی فاش غلطی کر دی تھی۔

برزخ میں محسوس کر رہی تھی وہ خود کو ان دنوں!

گھر میں بھیا اُسے اپنی طرف سے کچھ اینٹھے اینٹھے، کچھ اُکھڑے سے نظر آتے۔

اسکول میں ساتھیاں طرح طرح کے سوالات کرتیں اور نوع بنوع خدشات کا اظہار کر کے اُسے ہولا دیتیں۔

سسرال سے کوئی آیا کہ نہیں؟

میاں کسی اور چکر میں تو نہیں؟

بچی باپ کو یاد کرتی ہے؟

ڈلیوری کہاں ہوگی؟

سسرال والوں کی طرف سے خاموشی اچھی نہیں، کچھ گڑبڑ نہ کر دیں کہیں۔

ایک روز شمسہ نیازی نے بڑی رازداری سے کہا۔ "تمہاری ساس نندیں یقین بھائی کو کہیں اور نہ پھنسا دیں؟"

"کیا مطلب؟" اُس نے چونک کر پوچھا۔

"بھئی، بیوی ناراض ہو جائے میاں سے تو ساس نندیں اُلٹی سیدھی پٹیاں پڑھانے لگتی ہیں لڑکے کو...... دوسری شادی کے خواب دکھانے لگتی ہیں اُسے۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو شمسہ!" جویا دبی دبی ناگواری سے بولی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔"

"پلیز! بہت پریشان ہوں میں...... مجھے مزید پریشان نہ کرو۔"

"یقین بھائی کو میں فون کر دوں۔"

"کس لئے؟"

"اُن سے کہوں گی کہ آپ کی بیگم بہت پریشان ہیں، انہیں آ کر لے جائیں۔"

"نہیں...... نہیں۔"

"نہیں کیوں؟"

"وہ سمجھیں گے، میرے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا۔"

"اگر وہ یہ سمجھیں گے تو غلط تو نہیں سمجھیں گے۔ اگر اُن کے بغیر گزارہ ہو سکتا تو تم پریشان اور اتنی ناخوش کیوں دکھائی دیتیں۔"

"یہ تم کہہ رہی ہو!" جویا نے بے یقینی سے شمسہ نیازی کو دیکھا۔

"جی ہاں، یہ میں فرما رہی ہوں۔" شمسہ نیازی نے کہا۔

"مگر......"

"مگر کیا؟"

"تم نے تو ایک مرتبہ مجھے سمجھایا تھا کہ جب کبھی اپنے حق پر آنچ آتے دیکھو تو ناانصافی کرنے والا خواہ تمہارا شوہر ہی کیوں نہ ہو، اُس کا بھی گریبان پکڑ لینا۔"

شمسہ نیازی کے چہرے پر بڑی مدبرانہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں...... بالکل...... بالکل سمجھائی تھی میں نے تمہیں یہ بات۔" اُن کی مسکراہٹ میں انتہائی سنجیدگی حلول کر گئی۔ "لیکن میری جان، یہ کب کہا تھا، میں نے تم سے کہ تم اپنا گھر چھوڑ دینا۔ اپنا گھر چھوڑ کر کوئی مضبوط رہ سکتا ہے جو تم رہ لوگی۔ اپنی ہوم گراؤنڈ پر کمزور کھلاڑی بھی خود کو مضبوط محسوس کرتا ہے۔ چاہے کچھ ہو جاتا، تمہیں گھر نہیں چھوڑنا چاہئے تھا اپنا۔"

جویا کو شمسہ نیازی کی باتیں حقیقت محسوس ہوئیں!

درخت کی شاخ پر بیٹھ کر وہ کتنی چالاکی سے اپنی جان چھڑا رہی تھیں۔
سچ ہے، اس زمانے میں سچا دوست عنقا ہے۔
برے وقت میں سب آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔
اسی طرح دامن چھڑا لیتے ہیں جیسے اس وقت شمسہ نیازی چھڑا گئی تھیں۔
آل رائٹ!
آل رائٹ شمسہ کبھی تم پر بھی وقت پڑ سکتا ہے۔
خدا نے چاہا تو ضرور پڑے گا۔
پھر پوچھوں گی تم سے!
''میرا دوستانہ اور مخلصانہ مشورہ تو یہی ہے کہ تم کسی بھی طرح اپنی سسرال چلی جاؤ۔'' شمسہ نیازی نے بڑے ہی ہمدردانہ لہجے میں کہا۔
کسی بھی طرح!
کیا مطلب تھا شمسہ نیازی کا؟
کوئی گری پڑی تھی وہ جو 'کسی بھی طرح' سسرال جانے کا سوچتی۔
بقول اماں اب تو دو ٹوک بات ہوگی اُس کے سسرال والوں سے۔
ہمیشہ کی طرح، اماں اُسے اپنی مسیحا، نجات دہندہ اور آخری اُمید محسوس ہونے لگیں۔
بھیا کے تیور، ابا کا تفکر، زویا کی ہمدردانہ باتیں، ساتھیوں کے مشورے اور خدشات سب کے مقابلے میں اماں اُسے ایک مضبوط قلعہ لگیں۔
کتنی حوصلہ مند تھیں اماں!
ذرا گھبراہٹ نہ تھی اُنہیں۔
بلکہ جب وہ گھبرانے لگتی تو اُسے دلاسا دیتیں، اس کی ہمت بندھاتیں۔
''ارے، تم دل کاہے کو چھوڑتی ہو۔ تمہیں تو ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن ہی ہوئے ہیں گھر بیٹھے، ہم نے تو اپنے جاننے والوں میں ایک ٹوٹا گھر بیس برس بعد دوبارہ بستے دیکھا۔ میاں ناک رگڑتے ہوئے آئے اور بیوی کو لے گئے۔'' ایک روز اماں نے کہا۔
بیس برس بعد!
خدایا!
دونوں بوڑھے ہوگئے ہوں گے۔
وہ سہم کر رہ گئی۔
بیس برس میں تو اُس کا سارا سر چٹا ہو جائے گا۔
شاید چہرے پر جھریاں بھی پڑ جائیں۔
نہ اچھے کپڑے چھب دکھائیں گے اس کے بدن پر نہ وہ زیور پہنتی اچھی لگے گی۔
بیس برس میں تو مریم بھی شادی کے لائق ہو جائے گی۔

دوسرا بھی جوان ہو جائے گا۔
تو کیا اتنے عرصے تک بچے باپ کے بغیر پلیں بڑھیں گے۔
کیا بتائے گی وہ اُنہیں اُن کے باپ کے بارے میں!
''اماں! بیس سال تو بڑی لمبی مدت ہوتی ہے۔'' وہ خاصے متفکر لہجے میں بولی۔
''ہاں..... مگر بات والے لوگ پرواہ نہیں کرتے۔''
''بوڑھی ہوگئی ہوں گی وہ بے چاری تو۔''
''ہاں بوڑھی ہوگئیں مگر ہار نہیں مانی۔''
''بچے تھے؟''
''دو بیٹے تھے، دونوں باپ نے رکھ لیے تھے اپنے پاس..... بیس سال تک بدبخت نے ماں سے نہیں ملنے دیا اُنہیں۔''
''چچ..... چچ.....''
''مگر جب صلح صفائی ہوگئی تو دونوں بیٹے جتنے ماں کے تھے، اتنے باپ کے نہیں تھے۔''
''لیکن اس سے ان بیس سالوں کی تلافی تھوڑی ہوتی ہوگی اماں۔''
''بھئی، بات والے لوگ بس اپنی انا کی پرواہ کرتے ہیں۔''
''میں ہوتی تو.....''
''تو؟''
''کچھ نہیں۔'' اس نے اماں سے نظریں چراتے ہوئے بجھی بجھی سی آواز میں کہا۔
''اپنے دل کو مضبوط رکھو۔ سمجھیں۔''
''جی..... جی اماں۔''
''اب یہ پورے خاندان کی عزت کا سوال ہے۔ یقین نے آخر کیا سوچ کر طلاق کی بات کی۔ کیا سمجھا ہے اُس نے کہ ہم طلاق کے نام سے ڈر جائیں گے۔ تم اب اُس کے پاس جاؤ گی تو سر اونچا کر کے ورنہ.....''
''ورنہ؟''
''ورنہ یقین تمہیں ساری زندگی دبا کر رکھے گا۔ سسرال والے بھی کمزور سمجھ کر جوتی کی نوک پر لے لیں گے تمہیں۔'' اماں نے توقف کیا پھر بولیں۔ ''یقین نے جو طلاق کی بات کی ہے، اس میں گھر والوں کا صلاح مشورہ ضرور شامل ہوگا۔''
''اماں، خدانخواستہ وہ اپنا کہا پورا نہ کر دکھائیں کہیں۔''
''تم ڈرتی کیوں ہو..... منا لے وہ اپنے دل کی حسرت..... اللہ رکھے تمہارا اور تمہارے بچوں کا خیال رکھنے والے بہتیرے۔''
''بھیا کا موڈ روز بروز بگڑتا چلا جا رہا ہے۔''
''پرواہ مت کرو..... کسی پر بوجھ نہیں ہو۔ تم خیر سے اپنے پیروں پر کھڑی ہو۔ اسی لیے میں

زویا کے پیچھے پڑی رہتی ہوں کہ پندرہ جماعتیں پڑھ کر گھر کیوں بیٹھ گئی ہے، سولہ پوری کرے اور اپنے پیروں پر کھڑی ہو..... لڑکی کے مقدر کا کچھ پتا نہیں ہوتا..... اگر آج تم نوکری نہ کر رہی ہوتیں تو اتنی مضبوط ہوتیں بھلا!''

وہ کچھ نہیں بولی۔

اپنی مضبوطی یا کمزوری کا اندازہ خود اُس سے بہتر اور کون کر سکتا تھا۔

زیادہ نہیں، چند ہی دن پہلے کی تو بات تھی، جب وہ مقررہ تاریخ پر معائنے کے لیے اپنی ڈاکٹر کے پاس گئی تو اکیلے پن کے خیال نے اُسے تمام وقت ایک احساسِ محرومی سے دوچار رکھا۔ انتظارگاہ میں موجود دوسری عورتوں کے مقابلے میں وہ خود کو بہت بے آسرا اور کمزور محسوس کرتی رہی۔ مریم کی دفعہ یقین شروع سے آخر تک سائے کی طرح ساتھ ساتھ رہا تھا اور اس مرتبہ بھی وہ ڈاکٹر کی گزشتہ اپائنٹمنٹ تک اس کے ساتھ ہی تھا۔ معائنے کی مقررہ تاریخ کو وہ دفتر سے چھٹی لیتا، اسے مقررہ وقت سے پہلے ہی اسپتال پہنچا دیتا اور جب تک وہ معائنہ کرا کے باہر نہ آ جاتی، انتظارگاہ کے آس پاس ہی منڈلاتا رہتا۔ کبھی جوس کا ڈبا خرید کر اسے دے جاتا، کبھی کیفے ٹیریا سے ٹھنڈی بوتل لا دیتا۔ باری آنے میں دیر ہوتی تو وہ اُسے بنفسِ نفیس کیفے ٹیریا میں لے جاتا۔ اسپتال سے واپسی پر وہ راستے میں کہیں نہ کہیں رُک کر کچھ کھانے پینے کے بعد گھر واپس لوٹتے۔

اگرچہ مریم کی دفعہ کے مقابلے میں اس مرتبہ گھریلو حالات کی نوعیت خاصی مختلف چل رہی تھی مگر اس کے باوجود اسپتال جانے والے دن دونوں اپنی پرانی فارم میں واپس آ جاتے۔ ایک روز پہلے گھر میں کیسی ہی چپقلش کیوں نہ ہوئی ہوتی، یقین اُسے روایتی اہتمام سے اسپتال لے جاتا۔ اُس کا اسی طرح خیال رکھتا۔ جب تک وہ فارغ نہ ہو جاتی، انتظارگاہ کے قرب و جوار میں منڈلاتا رہتا۔ کبھی اُسے کچھ کھانے پینے کو لا کر دیتا، کبھی اُسے اشارے سے باہر بلا کر اس سے یوں باتیں کرنے لگتا جیسے اُسے ''ڈیٹ'' پر لایا ہو!

مگر اس مرتبہ!

اس مرتبہ وہ رکشہ کے دھچکے کھاتی اسپتال پہنچی تھی۔

انتظارگاہ کے باہر کوئی اُس کا منتظر نہ تھا۔

کسی نے اُسے کچھ کھانے پینے کو لا کر نہیں دیا۔

کسی نے یہ نہیں کہا کہ بیٹھے بیٹھے تھک گئی ہو تو آؤ تھوڑی دیر لان پر ٹہلا لاؤں تمہیں!

وہ اُن عورتوں کو رشک اور حسرت سے دیکھتی رہی، جن کا خیال رکھنے والے اُن کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔

کیسا غرور اور سرشاری تھی اُن عورتوں کی آنکھوں میں!

اُس کے دل میں بار بار کسک سی اُٹھتی رہی۔

اُس نے یہ تو ہرگز نہیں چاہا تھا کہ یقین ایسی بے تعلقی اختیار کرلے۔

چیک اپ کے بعد جب وہ اسپتال سے باہر نکلی تو آدھ پون گھنٹے انتظار کے بعد ایک خالی

رکشہ مل سکا۔

گھر پہنچی تو پیاس کے مارے حلق خشک ہو رہا تھا اور بھوک سے کلیجا بیٹھا جا رہا تھا۔

یقین پر اُسے غصہ بھی آ رہا تھا اور اُس کی یاد بھی ستا رہی تھی۔

بے ربط دل پر دھیمے دھیمے ایک ہی لَے موجزن تھی اور وہ یہ کہ یقین کے بنا زندگی پُر لطف نہیں!

☆=====☆=====☆

خوش تو یقین بھی نہیں تھا۔

بیوی اور بچی کے بنا زندگی ادھوری اور بے مزا سی لگتی۔

ہجوم میں بھی تنہائی کا احساس ہوتا بلکہ سچ تو یہ تھا کہ ہجوم میں تنہائی کا احساس خلوت کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہوتا۔

خوش باش جوڑوں کو دیکھ کر اس کے دل میں ٹیسیں اُٹھنے لگتیں۔

عیالدار مردوں کو دیکھ کر نگاہوں میں رشک اُمنڈ آتا۔

مریم کی یاد درد بن کر دل میں پھیل جاتی۔

چشمِ تصور کی کرشمہ سازیاں کبھی کبھی مریم کو اُس کے تصور میں کھینچ لاتیں اور وہ تا دیر اُس سے کھیلتا اور اُس کی معصوم اداؤں سے محظوظ ہوتا رہتا۔

''بابا جان۔'' وہ اپنی ننھی ننھی بانہیں اس کے گلے میں حمائل کر کے کہتی۔

''بابا کی جان۔'' وہ اسے اپنے سینے سے چمٹا لیتا۔

عجیب تھا یہ رشتہ بھی!

پُر انبساط اور جاں پرور!

کبھی کبھی جویا بھی بری طرح یاد آتی۔

سالی لڑتی تھی تو کیا، زندگی میں ہلچل تو مچائے رکھتی تھی۔

اُس کے جانے سے ایوانِ حیات کے بام و در سناٹوں میں ڈوب گئے تھے۔

نہ کوئی گلہ شکوہ۔

نہ آنسوؤں کی رم جھم

کمبخت روتی ہوئی بھی اچھی لگتی تھی۔

اس کے بغیر بھی کوئی زندگی ہے۔

نہ کوئی لڑائی جھگڑا۔

نہ کوئی فرمائش اور تقاضا۔

لاحول ولاقوۃ!

اس سناٹے سے تو جی اُوبا جا رہا تھا۔

اس سناٹے سے گھبرا کر ہی تو وہ ایک روز جویا کے اسکول کی چھٹی کے وقت اُس کے اسکول جا پہنچا تھا۔ گاڑی اُس نے اسکول کے باہر ایک دکان کی آڑ میں کھڑی کی تھی اور آنکھوں پر سیاہ چشمہ

چڑھا کر اُس کے انتظار میں اسکول کے صدر دروازے پر نگاہیں لگا کر بیٹھ گیا تھا۔ اُس کا خیال تھا وہ تنہا، اُداس اور پژمردہ سی اسکول سے نکلے گی اور تھکے تھکے قدموں سے بس اسٹاپ کی طرف چل دے گی۔ جب وہ کچھ دور پیدل جا چکے گی تو وہ گاڑی اسٹارٹ کرے گا اور اُسے راستے میں جا پکڑے گا۔

بس پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔

مگر......!

اُس کی توقع کے برعکس وہ اپنی آٹھ دس ساتھیوں کے جھرمٹ میں ہنستی بولتی اسکول کے صدر دروازے سے نکلی اور باہر کھڑی ایک ٹویوٹا کرولا میں جسے ایک بوڑھا شوفر نما شخص چلا رہا تھا، عقبی نشست پر اپنی دو ساتھیوں کے ہمراہ بیٹھ کر چلی گئی۔

وہ دیکھتا رہ گیا بلکہ کچھ دیر کو تو دم بخود رہ گیا۔

''اونہہ! سالی کے یہ ٹھاٹھ ہیں۔'' اُس نے سکتے کی کیفیت سے نکل آنے پر سر جھٹکتے ہوئے سوچا۔

کون بتاتا اُسے کہ جن دو خواتین کے ساتھ بیٹھ کر وہ گئی تھی، ان میں سے ایک مسز باسط کے شوہر نامدار ان دنوں اپنے دفتر میں عارضی طور پر باس کے قائم مقام بنے ہوئے تھے اور رسقہ شاہی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بیگم کو دفتر کی گاڑی سے ''پک اینڈ ڈراپ'' دلوا رہے تھے۔ مسز باسط کے گھر اور اسکول کے راستے میں جویا کا میکا اور مسز رفیع کا گھر بھی پڑتا تھا۔ مسز باسط اپنے میاں کے دفتر سے ملنے والی عارضی سہولت سے ان دونوں کو بھی مستفیض کر کے انہیں اپنا رہین منت بنا رہی تھیں۔

سخت جھنجلاہٹ کی کیفیت میں اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور ایک ہیجانی سی کیفیت میں اسے پہلے سے دوسرے پھر تیسرے اور چوتھے گیئر میں اُٹھاتا چلا گیا۔

اسپتال میں جویا کے معائنے کی تاریخ کو اُسے صبح آنکھ کھلتے ہی جویا کا خیال آیا اور دفتر جانے کے لئے تیار ہوتے ہوئے جی میں آیا کہ دفتر جانے کی بجائے اسپتال جا پہنچے اور جویا کو حیران کر دے لیکن پھر اُس نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔

اُسے ضرورت ہوتی تو وہ خود نہ بلاتی اُسے۔

اپنے آپ جا کر خود کو بے وقعت کرنے سے فائدہ!

وہ تو ہمدردی میں جائے گا اور اس کا دماغ عرشِ معلٰی پر جا پہنچے گا بلکہ اُس کی اماں جان کا بھی۔

رہنے دو نہیں جاتے۔

وہ دفتر چلا گیا۔

گھر والے جو اُٹھتے بیٹھتے اسے ساس سے مذاکرات کرنے اور بیوی اور بچی کو گھر لے آنے کی ترغیب دیتے رہتے تھے، کچھ دنوں سے یوں چپ سے ہو گئے تھے جیسے کسی جاں بہ لب مریض کو دواؤں سے مایوس ہونے کے بعد دعاؤں پر چھوڑ دیا جائے...... بلکہ شاید اب تو دعاؤں میں بھی شدت کی جا رہی تھیں۔

امی تو کچھ خفا خفا سی لگتی تھیں۔

شاید اس لئے کہ افتخار احمد اور مسعود پر بات کھل گئی تھی۔

آخر کتنے دن بات چھپی رہ سکتی تھی اور کیا کیا جھوٹے بہانے گھڑے جا سکتے تھے جویا کے میکے جا بیٹھنے کے سلسلے میں۔

ایک روز افتخار احمد نے خود ہی نگہت سے کہہ دیا۔ ''مجھے تو لگتا ہے، تمہاری بھابی اور بھائی میں کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔''

نگہت جو میاں سے جھوٹ بولتے بولتے تنگ آ چکی تھی، کچھ نہ بولی۔

''اس سے پہلے تو تمہاری بھابی اتنے دن اپنے میکے میں کبھی نہیں رہیں۔''

''ہاں۔'' نگہت نے کچھ خفیف ہو کر کہا۔

''کچھ گڑبڑ ہے نا؟''

''ہاں...... شاید!''

''یار، چھپاتی کیوں ہو۔ صاف صاف کہہ دو کہ ہاں ہے۔''

''غلطی بھابی کی ہے۔'' وہ میاں سے نظریں چرا کر بولی۔

''غلطی کسی کی بھی ہے، دونوں میں گڑبڑ تو چل رہی ہے نا۔''

''چھوڑیں نہیں کیا۔'' نگہت نے میاں سے نظریں چراتے ہوئے بات ٹالنے کی کوشش کی۔

''بھئی، اتنے لاتعلق تو نہیں رہ سکتے ہم...... یار، صلح صفائی کی کوشش نہیں کر رہے ہیں کیا تمہارے اور تمہاری بھابی کے گھر والے؟''

''یقین بھائی کہتے ہیں، انہیں کچھ عرصے کو اُن کے حال پر چھوڑ دیں۔ بہت پریشان کیا ہے انہوں نے بھائی کو۔''

''جانِ من! بیویاں تو اللہ میاں نے بنائی ہی اس لئے ہیں کہ اپنے شوہروں کو پریشان کریں، تم بھلا کم پریشان کرتی ہو مجھے۔''

نگہت کا اوپر کا سانس اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا۔

مرنجان مرنج شوہر افتخار احمد بھی ہوا دے رہے تھے۔

نگہت نے اماں کو بتایا تو وہ بھی فکرمند ہو گئیں۔

فکرمند ہونے والی بات ہی تھی۔

داماد یونہی تو بگڑا کرتے ہیں۔

مسعود بھی جب آتے، جویا کے بارے میں ضرور پوچھتے۔

نگہت نے نزہت کو مشورہ دیا کہ وہ از خود مسعود کو اصل بات بتا دے تو بہتر ہوگا۔

چنانچہ مسعود کو بھی پتا چل گیا۔

امی کو دونوں دامادوں کے سامنے سخت شرمندگی ہوئی۔

کیا سوچتے ہوں گے دونوں کہ کتنے دن یہ لوگ کیسے کیسے جھوٹ بولتے رہے!

جویا کی تو جو غلطی تھی سو تھی، یقین نے اُس سے بڑھ کر غلطی کی!

کتنا سمجھایا سب نے کہ جا کر ساس سے بات کر لو مگر اُس نے کسی کی نہ سُنی۔

چلا گیا ہوتا تو دامادوں کے سامنے یوں شرمندگی نہ ہوتی۔

دامادوں پر بات کھلنے کے بعد امی نے تہیہ کر لیا کہ اب اگر یقین ساری زندگی بھی جویا کو گھر نہ لائے تو وہ اس سے کچھ نہیں کہیں گی۔ مریم سے اپنی محبت کے سلسلے میں انہوں نے دل پر پتھر رکھ لیا تھا۔

بابا یوں لاتعلقی اختیار کر لینے کے حق میں تو نہ تھے، تاہم دیکھنا چاہتے تھے کہ یقین کب اور کس حد تک اس مسئلے سے تنہا نمٹ پاتا ہے اور کب اس سلسلے میں اوروں کی مدد کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔

نزہت بجیا بے چاری بری پھنسی تھیں۔

صبح نوکری شام کو گھر داری۔

جب تک نزہت رہی، بہت آرام رہا۔ زیادہ تر کام اس نے خود ہی سنبھال رکھے تھے۔ بہت کم کام کرنے دیتی تھی وہ انہیں۔ جویا کے جانے کے بعد بجیا کو احساس ہوا کہ نزہت کے بعد جویا نہ کرتے ہوئے بھی کتنی مددگار دیتی تھی گھر داری میں۔

بے چاری بجیا!

رات کو بستر پر پڑتیں تو صبح تک ہوش نہ رہتا۔

مگر اب یہ تھوڑی کہہ سکتی تھیں، وہ یقین اور گھر والوں سے کہ میں کام کر کر کے تھک جاتی ہوں، جویا کو گھر لائیں کہ وہ کچھ تو ہاتھ بٹائیں۔

فرزین جو یکے بعد دیگرے کئی سفر کر کے سمندر سے اوب چکا تھا، سائن آف کر کے جہاز سے اتر گیا تھا۔ اس کا ایک ساتھی اپنا تین کمروں کا ایک فلیٹ فروخت کر رہا تھا۔ گھر والوں سے صلاح مشورہ کر کے اس نے مذکورہ فلیٹ خرید لیا تھا۔ بھائی اور بھاوج کے مابین کشیدگی نے اُسے بھی تشویش میں مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ اس کشیدگی سے گھر کے تمام افراد متاثر اور متفکر تھے۔ گھر کا ماحول یکسر بدلا ہوا تھا اور فریقین کے مابین مذاکرات کا متقاضی تھا۔

☆=====☆=====☆

جویا کے میکے آ بیٹھنے کی خبر بھابی کے میکے والوں کو تو کب کی ہو چکی تھی مگر بھابی نے ان لوگوں کو سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ وہ اس سلسلے میں کسی اور سے کچھ نہ کہیں سنیں ورنہ اُن کی شامت آ جائے گی۔

ان لوگوں نے تو کسی سے کچھ نہ کہا سنا مگر پھر بھی اوروں کو خبر ہو ہی گئی۔

خالہ بی کو پتا چلا تو وہ بولیں۔ ''ہماری بہن جویا کے سسرال والوں کی چک وک پر لٹو ہو گئیں۔ اور بھئی یہ پیسے والے لوگ اپنے سے دبتے ہوئے گھر کی بہو کو تو جوتی کی نوک پر رکھتے ہیں۔ آپا کو چاہئے تھا کہ اپنے برابر کے لوگوں سے رشتہ جوڑتیں۔''

چھوٹی چچی نے خوب بغلیں بجائیں اور کہا۔ ''بہت اچھا ہوا...... مجھے تو دلی خوشی ہوئی جیٹھانی صاحبہ کو غرور بھی بہت ہو گیا تھا۔ جویا کی شادی کے اگلے ہی دن انہوں نے تو ایسی آنکھیں بدلیں کہ مجھے روہانسا کر دیا۔''

ممانی صاحبہ خوش ہو کر میاں سے بولیں۔ ''آپ کی بہن نے جویا کے لئے میرے بھائی کا پیغام ٹھکرا کر بڑی بددعا لی تھی میری...... مجھے تو خوشی ہوئی۔''

''کیسی باتیں کرتی ہو۔'' ماموں میاں نے بیگم پر آنکھیں نکالیں۔

''میں تو ایسی ہی کرتی ہوں۔'' ممانی صاحبہ نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے کہا۔

دیکھتے ہی دیکھتے سارے خاندان میں بات پھیل گئی اور برسوں سے اس گھر کا رستہ بھولے ہوئے عزیز رشتے دار بھی پُرسہ دینے اور بال کی کھال نکالنے کو پہنچنے لگے۔

ابا نے اماں سے کہا۔ ''کتنا سمجھایا تھا میں نے تمہیں مگر تم نے میری ایک نہ سنی۔''

''آپ کے سمجھانے بہکانے میں آ کر میں اپنی بچی کو اس آگ میں تو جلتا چھوڑ نہیں سکتی تھی۔''

''ہزار طرح کے سوال کرتے ہیں لوگ۔''

''کریں...... مجھے پروا نہیں۔''

''مگر میں تو شرمندہ ہوتا ہوں...... کل ہی بڑے بھائی آئے تھے دکان پر اور دبی زبان سے پوچھ رہے تھے۔ سنا ہے، جویا کی علیحدگی ہو گئی ہے اس کے شوہر سے...... علیحدگی کا مطلب سمجھتی ہو تم!''

''اپنے بھائی اور بھاوج کا تو ذکر مت کیا کریں آپ میرے سامنے...... خون کھولنے لگتا ہے میرا...... ان سے کہا ہوتا آپ نے کہ تم لوگوں سے پھر بھی بہت غنیمت ہیں جویا کے سسرال والے۔''

''غنیمت تھے تو بیٹی کو گھر بٹھانے کی غلطی کیوں کی؟''

''اوہو! ایک تو آپ مصلحت کو نہیں سمجھتے۔ اور، آپ کے بھائی بھاوج کو یہ بتانا ضروری ہے کہ تمہارے ساتھ تو محض رشتے کی لاج رکھنے کو گزارہ ہو رہا ہے ورنہ ہم زہرا کو کب کا گھر بٹھا چکے ہوتے۔''

طارق بھائی کو بھی خبر ہو گئی۔ ایک روز آئے اور جویا سے بولے۔ ''خیریت تو ہے...... پچھلی دفعہ جب میں یہاں آیا تب بھی تم یہیں تھیں۔''

''جی...... جی ہاں...... بس اتفاق ہے۔''

''اتفاق ہے یا نااتفاقی ہے؟''

''جی۔'' اس نے چونک کر طارق بھائی کو دیکھا۔

''مجھے کسی نے بتایا ہے کہ تمہارے اور...... یقین کے درمیان کچھ نااتفاقی چل رہی ہے۔''

جویا نے مدد طلب نگاہوں سے اماں کو دیکھا۔

''ہو جاتی ہے...... میاں بیوی میں نااتفاقی ہو ہی جاتی ہے۔'' اماں نے ترچھی نگاہوں سے طارق بھائی کی طرف دیکھا اور چبھتے ہوئے لہجے میں بولیں۔ ''تمہارے اور تمہاری بیوی کے درمیان اَن بن نہیں ہوتی ہے کیا؟''

طارق بھائی کچھ کہنا ہی چاہتے تھے مگر اماں نے ان کے بولنے سے پیشتر ہی کہا۔ ''ہم تمہارے ساتھ نہیں رہتے تو کیا ہوا، ایک ایک بات کی خبر رہتی ہے ہمیں...... پتا ہے ہمیں اچھی طرح کہ تمہاری بیگم صاحبہ کیا رویہ رکھتی ہیں تمہارے ساتھ۔''

طارق بھائی خفیف ہو گئے اور بولے۔ "میں تو پوچھ رہا تھا اماں۔"

"جب تم نے اپنی دنیا ہی الگ بسا رکھی ہے تو تمہیں ہمارے دُکھ سُکھ سے کیا غرض۔"

طارق بھائی زیادہ شرمندہ دکھائی دینے لگے۔

سارہ آپا سعودی عرب سے واپس ہوئیں تو جویا کو میکے آئے دوسرا مہینہ ختم ہونے کو تھا۔ انہوں نے جویا کے یقین سے ناراض ہو کر گھر بیٹھ جانے پر سخت تاسف کا اظہار کیا اور اماں سے شاکی لہجے میں بولیں۔ "اتنی دفعہ میری آپ سب سے ٹیلی فون پر بات ہوئی، کسی نے مجھے کچھ نہیں بتایا اس سلسلے میں۔"

"بتانے سے فائدہ کیا تھا...... تم خوامخواہ پریشان ہوتیں۔" اماں بولیں۔

"ایسے دنوں میں جویا کو اپنے گھر ہونا چاہئے اماں۔"

"یہ بھی اس کا اپنا ہی گھر ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر......" آپا نے بات ادھوری چھوڑی۔

"تمہیں نہیں پتا، یقین نے اور اس کے گھر والوں نے جویا کو کتنا تنگ کر رکھا تھا۔"

"آپ بات کرتیں اُن سے...... پوچھتیں کہ کیوں تنگ کرتے ہیں؟"

"ارے، وہ سب کے سب بہت بدذات ہیں۔ یقین کمبخت کو بلوایا مگر وہ آ کر ہی نہیں دیا۔"

"بڑوں سے بات کی ہوتی۔"

"بڑے تو ایسے گھاگ اور فتنہ پرور ہیں کہ اللہ بچائے...... یقین کرو ہی تو اُلٹی سیدھی پٹیاں پڑھاتے ہیں۔ ایک روز جویا کو فون کر کے بولا، طلاق دے دوں گا۔"

"خدا نہ کرے۔" آپا ہول کر بولیں۔

"مجھے تو ایسا تاؤ آیا کہ کیا بتاؤں...... میں نے کہا دے دے۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہیں اماں۔"

"تو اور کیسی باتیں کروں۔ کمبخت مردود نے پلٹ کر نہ ہماری بچی کی خبر لی، نہ اپنی بچی کا حال پوچھا۔"

"آپ خود تو کہتی ہیں کہ مرد اولاد کو بیوی کے منہ سے پوچھتا ہے۔"

"ہاں تو غلط تھوڑی کہتی ہوں۔"

"بس تو جب آپ کی بیٹی میاں کے پاس نہیں تو وہ آپ کی نواسی کو کیوں پوچھے۔"

اماں پہلو بدل کر رہ گئیں۔

"خیر آپ فکر نہ کریں۔ اب میں آ گئی ہوں۔ میں خود بات کروں گی یقین سے۔"

"نہ...... ہرگز نہیں...... ہرگز مت بات کرنا۔"

"کیوں؟"

"وہ سمجھے گا، بیٹی کا رکھنا بھاری پڑ رہا ہے انہیں۔"

سارہ آپا نے بحث میں اُلجھنا مناسب نہ سمجھا۔

جویا سے بات ہوئی تو آپا نے بڑی رازداری سے پوچھا۔ "اماں بتا رہی تھیں کہ یقین تمہیں مارتے پیٹتے بھی ہیں...... کیا واقعی؟"

"جی" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کیا اکثر؟" آپا کے لہجے میں تشویش تھی۔

"یعنی اگر شوہر بیوی کو اکثر نہ مارے بس یونہی کبھی کبھار تفریحاً مار دے تو کوئی بری بات نہیں۔" وہ استہزائیہ لہجے میں بولی۔

سارہ آپا نے بے ساختہ چونک کر اُس کی طرف دیکھا پھر کچھ خفیف سی ہو کر بولیں۔ "تم نے میری بات کا غلط مطلب لیا ہے جویا۔" انہوں نے توقف کیا پھر بولیں۔ "مرد کا عورت پر ہاتھ اُٹھانا تو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔"

وہ قدرے اضطرابی کیفیت میں اپنے بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ کی انگلیاں چٹخانے لگی۔

"اور اماں کے پاس تمہارے آنے پر پابندی کیوں لگائی یقین نے؟"

"اُنہی سے پوچھئے گا۔"

"اُن سے تو خیر میں پوچھ ہی لوں گی، پہلے تم تو کچھ بتاؤ۔"

جویا کی اضطرابی کیفیت، دھیمے دھیمے سے ہیجان کا روپ دھار گئی۔

"میں...... میں کیا بتاؤں۔"

"مسئلہ کیا ہے؟"

وہ چپ رہی۔

"چھوٹے موٹے لڑائی جھگڑے تو میاں بیوی کے درمیان ہوتے ہی رہتے ہیں، ایسی کیا بات ہوئی تمہارے اور یقین کے بیچ کہ تم اپنا گھر چھوڑ کر چلی آئیں۔"

"کیا یہ میرا گھر نہیں ہے؟"

"ہے...... بالکل ہے...... مگر...... تمہارا اصل گھر اب وہی ہے۔"

"وہ گھر!" وہ کسیلے لہجے میں بولی۔ "وہاں تو اب میں کسی قیمت پر نہیں جاؤں گی۔"

"کیوں؟"

"زہر لگتے ہیں مجھے وہ لوگ۔"

"کون؟ یقین اور اُن کے گھر والے۔"

"اُن کے گھر والے۔"

"یقین تو نہیں ناں؟"

زویا کمرے میں در آئی۔

"سسرال والوں کے ساتھ نہیں رہنا چاہتیں؟ ہے نا؟"

"کسی قیمت پر بھی نہیں۔"

"یعنی سسرال والوں سے علیحدہ ہونا چاہتی ہو۔"

"وہ لوگ ساتھ رہنے کے لائق ہی نہیں۔"

"دیکھو، میں تمہیں پہلے بھی سمجھاتی رہی ہوں کہ مل جل کر ساتھ رہنے کے بہت فائدے ہوتے ہیں۔"

"نہیں چاہئے مجھے کوئی فائدہ۔" وہ ناگواری سے بولی۔ "آپا ملی ہوتی نا آپ کو میری طرح کی سسرال تو پھر آپ کو پتا چلتا۔"

آپا اُس کا منہ دیکھتی رہ گئیں۔

وہ بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھیں۔ والدین کی پہلی اولاد ہونے کے ناتے انہیں پیار بھی بہت ملا تھا اور چھوٹے بہن بھائیوں کی طرف سے عزت بھی حاصل رہی تھی۔ اماں اور ابا مختلف معاملات میں اکثر اُن سے صلاح مشورہ رکھتے تھے۔ چھوٹے بہن بھائی اُن سے رہنمائی لیتے تھے اور اُن کی بات کو اہمیت دیتے تھے۔

جویا کا زویا کی موجودگی میں یوں ترخ کر جواب دینا سارہ آپا کو انتہائی ناگوار گزرا، وہ اُٹھیں اور خاموشی سے کمرے سے چلی گئیں۔

جویا نے کن انکھیوں سے زویا کی طرف دیکھا اور اُسے اپنی طرف دیکھتے پا کر کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔

"آپا، شاید ناراض ہو گئی ہیں۔" زویا بولی۔

"میں کیا کروں۔" جویا پر شرمندگی اور تناؤ کی ملی جلی کیفیت تھی۔

زویا چپ ہو رہی۔

جویا سے کسی بحث میں اُلجھنا فضول تھا۔ چند دن سے وہ کافی اُلجھی ہوئی تھی۔

زویا اُٹھی اور آپا کی طرف چلی گئی۔

جویا کو یوں لگا، جیسے وہ ساری دنیا سے کٹ کر یک و تنہا رہ گئی ہو۔

اُس کے لبوں پر ارتعاش سا طاری ہو گیا اور آنکھوں میں آنسو اُمنڈ آئے۔

سارہ آپا اپنے گھر جانے لگیں تو زویا انہیں خدا حافظ کہنے کے لئے حسب معمول دروازے تک گئی اور دروازے پر رُک کر ان سے بولیں۔ "آپا! پلیز آپ بجو سے ناراض مت ہوں۔"

آپا کچھ نہیں بولیں۔

"اصل میں وہ آج کل کافی پریشان ہیں۔"

"جو لوگ دوسروں کی نہیں سنتے، وہ اسی طرح پریشان رہتے ہیں۔" آپا قدرے غصے سے بولیں۔

"وہ غلطی بجو کی نہیں ہے۔" زویا نے آہستہ سے کہا۔

"بجو کی نہیں تو پھر کس کی ہے؟"

زویا نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کی تصویر بن گئی۔

"اماں کی۔" اس نے چند ثانیے بعد دھیرے سے کہا۔

"اماں کی کیا غلطی ہے؟"

"بجو کو انہوں نے ہی تو بلا کر بٹھایا ہے گھر پر حالانکہ ابا نے بہت منع کیا، میں نے بھی اماں کو سمجھایا مگر آپ کو پتا ہے، مجھے تو اماں بولنے ہی نہیں دیتیں، کہتی ہیں تُو چپکی رہ۔"

"ٹھیک ہے..... میں مانتی ہوں لیکن..... جویا کو اللہ میاں نے عقل دی ہے نا۔" سارہ آپا نے کہا۔

"چند روز سے کافی پریشان ہیں وہ۔"

"اگر اس نے عقل نہ پکڑی تو وہ اس سے بھی زیادہ پریشان ہو گی۔"

"اچھی آپا، آپ زیادہ ناراض نہ ہوں، بجو سے ورنہ اس مسئلے کا حل کون نکالے گا۔ میں تو دعا مانگ رہی تھی کب سے کہ آپ آ جائیں تو یقیناً بھائی اور بجو کی صلح کروا دیں۔ سچ گھر کا ماحول اتنا ڈپریسو سا ہو گیا ہے..... مجھے لگتا ہے، بھیا کو بھی بجو کا گھر بیٹھنا اچھا نہیں لگ رہا ہے۔"

سارہ آپا کچھ پسیج گئیں۔

"فکر مت کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔" آپا نے زویا کو تسلی دی۔

زویا کے دل کو قرار سا آ گیا۔

"ناراض ہو کر تو نہیں جا رہی ہیں نا آپ بجو سے؟"

آپا مسکرا دیں۔

"بولیں نا آپا۔"

"نہیں۔" آپا نے کہا۔

"تھینک یو۔"

"اچھا اب چلتی ہوں میں۔"

"آپا کچھ کریں گی نا بجو کے لئے؟"

"ان شاء اللہ!"

رات کو جب زویا سونے کے لئے بستر پر لیٹی تو فرزین کے تصور نے اُسے اپنے حصار میں لے لیا۔

'خدا جانے کہاں ہو گا وہ۔'

'شاید پھر کسی سفر پر نکل لیا ہو۔'

اُس نے گھٹی گھٹی سی ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

اس روز اماں نے کتنا بے عزت کیا اُسے!

حالانکہ اُس بے چارے کا کیا قصور تھا۔

اسے اماں پر غصہ آنے لگا۔

اور جویا پر بھی!

اتنے تعلقات بگاڑ لئے ہیں اماں نے جویا کے سسرال والوں سے کہ اب اگر فرزین ہی اسٹینڈ

لے لے تو اور بات ورنہ ویسے تو کوئی اُمید نہیں دکھائی دیتی اس بات کی کہ وہ لوگ فرزین کے لئے بھی ہمارے گھر پیغام لے کر آئیں۔

اسے کوفت اور بیم ورجا کی ملی جلی کیفیت نے آلیا۔

خدا کرے، کوئی معجزہ ہو جائے۔

حالات بالکل بدل جائیں۔

یا......

فرزین ٹوٹ جائے۔

کون تھا جو اُسے بتاتا کہ فرزین ٹوٹ جانے کے مرحلے سے کب کا گزر چکا تھا۔ شاید اس کی ریاضت بار آور بھی ہو جاتی اگر...... اگر جویا نے عقل وتحمل سے کام لیا ہوتا۔

اُس نے دبی دبی سی ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کروٹ بدلی۔

دفعتاً اس کی سوچ کا دھارا بھی بدل گیا۔

شاید...... شاید بجو کو اپنی سسرال میں واقعی بہت پرابلمز ہوں۔

ہوسکتا ہے، اُن کے سسرال والے بقول اُن کے ہاتھی کے دانتوں کی طرح کھانے کے اور اور دکھانے کے اور ہوں۔

ہاں بھئی، لوگوں کو برتے بغیر اُن کی اصلیت کہاں کھلتی ہے۔

جس پر بیتتی ہے، وہی جانتا ہے دوسرا بھلا کیا جانے۔

میری خاطر بجو بندھی تو نہیں بیٹھی رہ سکتی تھیں اُس گھر میں۔

اچھا ہوا آ گئیں۔

یقین بھائی کو دیکھو، کتنے بے مروت ہیں۔ بجو تو بجو پلٹ کر مریم تک کی خبر نہیں لی۔

ظاہر میں تو کتنے اچھے لگتے ہیں یقین بھائی۔

بڑے سوفٹ اسپوکن اور خوش مزاج سے۔

اور وہ......!

وہ تو یقین بھائی سے بھی زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔

کاش!

کاش......!

وہ بس آرزو ہی کر سکتی تھی۔

اُس کے دل میں دھیمی دھیمی کسک سی ہونے لگی۔

☆=====☆=====☆

سارہ آپا نے یقین کو اگلے ہی روز اس کے دفتر کے نمبر پر فون کیا۔ گھر پر فون کرنا انہوں نے مناسب نہ سمجھا تھا۔

''کیوں بھئی، یہ تم دونوں ہمارے پیچھے لڑ کیوں بیٹھے؟'' آپا نے بڑی اپنائیت سے یقین سے

پوچھا۔

''میں تو کوئی نہیں لڑا۔'' وہ چھوٹے پھونکے سے لہجے میں بولا۔

''تو پھر الگ الگ کیوں ہو؟''

''یہ تو آپ اپنی بہن سے پوچھئے۔''

''وہ کیا بتائے گی...... وہ تو پرلے درجے کی بے وقوف ہے۔''

''جی نہیں...... بہت سیانی ہے وہ۔''

آپا بے ساختہ ہنس پڑیں پھر بولیں۔ ''چلو پھر تو تم نقصان میں نہیں ہو۔''

''کون کہتا ہے نقصان میں نہیں ہوں۔ سراسر نقصان میں ہوں۔ شادی کر کے عذاب میں پڑ گیا ہوں...... ایسی شادی سے تو بہتر ہے کہ آدمی شادی ہی نہ کرے۔''

''ارے...... ارے...... ارے...... کیوں اتنے ڈپریس ہو رہے ہو۔'' سارہ آپا پرسان لہجے میں بولیں۔

یقین جسے کافی دنوں بعد کوئی سہارا ہاتھ لگا تھا، بولا۔ ''آپ ڈپریس ہونے کی بات کرتی ہیں، میں پاگل ہو چلا ہوں۔''

''پاگل ہوں تمہارے دشمن۔''

''دشمن کہاں پاگل ہوں گے۔ وہ تو مزے میں ہیں...... خوب خوش ہیں...... عیش کر رہے ہیں۔''

''جویا کو کہہ رہے ہو؟'' آپا پر اشتباہ لہجے میں بولیں۔

''اُس بے وقوف سے دشمنی باندھنا خود اپنے آپ سے دشمنی کرنا ہے۔''

آپا ایک بار پھر ہنس دیں۔

''بھئی عجیب آدمی ہو تم! جب میں نے جویا کو بے وقوف کہا تو تم نے اُسے سیانی قرار دیا اور اب خود گردان رہے ہو اُسے بے وقوف۔''

وہ خفیف سا ہو گیا۔

''سچ بتاؤ کسے کہہ رہے ہو تم اپنا دشمن؟''

''چھوڑیں...... جانے دیں۔''

''نہیں...... نہیں، جب بات کر رہے ہو تو کھل کر کرو۔''

''آپ کو بھی برا لگ جائے گا اسی طرح جیسے......'' یقین نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''جیسے؟''

''جیسے آپ کی ہمشیرہ کو لگ گیا۔''

''تم مجھے اس وقت...... جویا کی بہن مت سمجھو۔''

''تو پھر کیا سمجھوں؟''

''ایک ہمدرد...... دوست...... بہی خواہ...... تمہاری بھی اور جویا کی بھی۔''

اُس نے ایک گہری سانس کھینچی۔

''کم آن...... ایزی فیل کرو اور جو تمہارے دل میں ہے، کہہ ڈالو۔''

وہ بدستور چپ رہا۔

''ہیلو!''

''جی...... سُن رہا ہوں۔''

''یہ سمجھو کہ تم اپنی بڑی بہن سے بات کر رہے ہو۔''

''بُرا مت مانیے گا۔''

''بالکل نہیں مانوں گی۔''

''پرومس!''

''پرومس۔''

''جویا کو بگاڑنے میں سارا ہاتھ آپ کی...... '' وہ کہتے کہتے رُک گیا۔

''ماں کا ہے۔'' سارہ آپا نے گرہ لگائی۔

وہ پہلے چونکا پھر کچھ خفیف سا ہو گیا۔

''مانتی ہوں۔'' آپا بڑے تحمل سے بولیں۔ ''اور یہ بھی مانتی ہوں کہ جویا نے ناسمجھی سے کام لیا ہے حالانکہ...... حالانکہ وہ ایسی ناسمجھ ہے نہیں۔ بہرحال قصور جس کا بھی ہو، خامی جہاں بھی ہو...... ہمارے بچوں پر اس کا اثر نہیں پڑنا چاہیے...... تم سمجھ رہے ہو نا، میری بات؟''

''جی!''

''تم دونوں کے لڑائی جھگڑے سے کوئی دوسرا شخص اتنا متاثر نہیں ہوگا، جتنے تمہارے بچے۔'' آپا نے لحظہ بھر کو توقف کیا پھر بولیں۔ ''تم لوگ اب اکیلے نہیں ہو۔ دو نہیں ہو، تین ہو اور خدا نے چاہا تو جلدی تین سے چار بھی ہو جاؤ گے، اب اپنے لیے نہیں اپنے بچوں کے لیے سوچو۔ اُن کے مستقبل کی فکر کرو۔''

''یہ باتیں آپ جویا کو سمجھائیے۔''

''دونوں کو سمجھا رہی ہوں...... دیکھو، مریم کو نانا، ماموں کتنا ہی پیار کیوں نہ دیں، کتنا ہی خیال رکھیں اُس کا جو بات تمہاری ہے، وہ کسی کی نہیں ہو سکتی۔'' آپا کچھ پھر اُنہوں نے کہا۔ ''یہ بتاؤ، مریم یاد نہیں آتی تمہیں؟''

''کیوں نہیں یاد آتی۔''

''تو پھر کیوں دور کر رکھا ہے تم نے اُسے اپنے آپ سے!''

''دور میں نے نہیں کیا، اُس کی ماں نے اُسے مجھ سے دور کر رکھا ہے۔ وہ دور لے گئی ہے اُسے مجھ سے۔''

''چلو مانا لیکن کوئی سمندر پار تو لے نہیں گئی ہے وہ اُسے، بس چند میل کا فاصلہ ہے، کیوں نہیں لینے آ گئے تم اُسے؟''

''میں کیوں لینے آؤں۔ وہ خود گئی ہے خود آئے۔''

''بھئی، اس سے تو غلطی ہوئی۔ ہو سکتا ہے، خود آتے شرمندہ ہوتی ہو، تم آ جاؤ اُسے لینے کے لیے۔''

''ہرگز نہیں آؤں گا۔'' وہ دوٹوک لہجے میں بولا۔

''کیوں بھئی؟''

''میری مرضی۔'' اُس کے لہجے میں تلخی تھی۔

''یہ کیا بات ہوئی!''

''اِدھر کی دنیا اُدھر ہو جائے تو بھی نہیں لینے آؤں گا۔''

''میرے کہنے پر بھی نہیں؟''

''نہیں۔''

''شاید انا کا مسئلہ بنا لیا ہے تم نے اسے۔''

''جو مرضی آپ سمجھ لیں۔''

''تو پھر یہ مسئلہ کیونکر حل ہو۔''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''اماں کی شرط یہ ہے کہ تم آؤ گے جویا کو لینے تو وہ بھیجیں گی اسے۔''

''وہ خاطر جمع رکھیں، میں نہیں آؤں گا۔'' اُس نے پل بھر کو توقف کیا پھر غصے سے بولا۔ ''اور ایک بات اور جویا اس گھر میں آئی بھی تو زکے گی نہیں پھر اسی طرح جائے گی وہ اس گھر سے۔''

''کیوں؟ کیوں آخر؟''

''کیونکہ وہ میرے گھر والوں کے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہتی۔''

''بے وقوف ہے وہ...... خیر بالفرض اگر یہ بات ہے تبھی تو تم اُسے علیحدہ گھر میں کیوں نہیں رکھتے؟''

''معاف کیجئے گا، میرے پاس سعودیہ کی کمائی نہیں ہے۔''

سارہ آپا سمجھ گئیں کہ وہ خود اُنہی پر بالواسطہ طنز کر رہا تھا۔ اُنہوں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری پھر بولیں۔ ''تمہیں کیا پتا یقین کرو سعودیہ کی کمائی والوں کو کیسے کیسے دُکھ اور صدمات جھیلنے پڑتے ہیں...... کتنے نفسیاتی مسائل کا شکار ہوتے ہیں وہ لوگ...... ارشد کے یہاں نہ ہونے سے میں کس قدر تنہا اور بے آسرا محسوس کرنے لگتی ہوں خود کو کبھی کبھی، اس کا اندازہ مجھی کو ہے۔''

یقین سمجھ گیا کہ اُنہیں اس کا طعنہ ناگوار گزرا تھا۔

''ہمارا کام تو تم لوگوں کو سمجھانا ہے، نہ سمجھو تو تمہاری مرضی...... لیکن خدا حافظ کہنے سے پہلے میں ایک بات ضرور کہوں گی۔'' آپا نے توقف کیا پھر کہا۔ ''والدین چاہے سعودیہ کی کمائی کی خاطر ایک دوسرے سے دور ہوئے ہوں یا اپنی حماقتوں کے سبب، اُن کی اولاد کو کسی نہ کسی صورت میں اُن کی دوری کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ تمہیں اندازہ نہیں کہ ٹوٹے یا بکھرے ہوئے کنبوں کے کیا کیا جذباتی اور

نفسیاتی مسائل ہوتے ہیں۔"

یقین چپ رہا۔

"فیملی کے خدانخواستہ ٹوٹنے سے بہتر ہے کہ اسے کمپرومائز کے ذریعے بندھا رکھا جائے۔" وہ چپ چاپ سنتا رہا۔

سارہ آپا کی بہت سی باتوں پر چراغ پا ہو جانے کے باوجود یقین کو اُن کی ٹیلی فون کال زنداں میں یک بیک در آنے والے خوش گوار جھونکے کے مترادف محسوس ہو رہی تھی۔

خدا خدا کر کے اس طرف سناٹا تو ٹوٹا تھا۔

مریم کو دیکھے کتنے دن ہو گئے تھے۔

تڑپ رہا تھا وہ اُس کے لیے۔

لیکن اُس نے مصلحتاً سارہ آپا پر اپنی تابی کا اظہار نہ کیا تھا کہ جویا اور اُس کی اماں تو اِسے اُس کی کمزوری تصور کرتیں۔

جہاں اتنے دن گزرے تھے، وہاں چند دن اور سہی۔

☆======☆======☆

اِدھر سارہ آپا نے مفاہمت کا راستہ ہموار کرنے کی کوشش کی اور اُدھر فرزین گھر والوں پر یقین کی عائد کردہ پابندی کو توڑ کر جویا سے ملاقات کے لئے اُس کے اسکول جا پہنچا۔

جویا کے لئے اُس کی آمد ایک اچنبھا تھی۔

"کیوں آئے ہو؟" وہ نظریں گاڑ کر بولی۔

"آپ سے ملنے۔"

"مجھ سے ملنا تھا تو گھر آئے ہوتے، یہ اسکول ہے۔"

"جانتا ہوں کہ یہ اسکول ہے لیکن...... گھر آیا تھا آپ کے تو آپ کی امی نے ملنے ہی نہ دیا آپ سے...... دروازے سے لوٹا دیا۔"

"اچھا...... خیر...... بولو...... کیوں ملنے آئے ہو مجھ سے؟"

"اتنے دن بعد جہاز سے اُترا اور آپ گھر سے غائب...... یہ بھلا کہاں کی شرافت ہے۔"

وہ کچھ نہیں بولی۔

"قسم خدا کی، بہت بوریت ہو رہی ہے۔ گھر میں سب منہ لٹکائے بیٹھے رہتے ہیں...... اب تو چچیا بھی نہیں رہی گھر میں جو مزے دار کھانے ہی پکا کر کھلا دے...... ایمان سے، بہت بور ہو رہا ہوں۔"

"میں کیا کر سکتی ہوں بھئی؟" وہ قدرے بیگانگی سے بولی۔

"کر سکتی ہیں کہ آپ مریم کو لے کر گھر آجائیں۔"

"اس گھر میں تو مجھے نہیں آنا۔"

"آپ آ تو جائیں، یقین بھائی کو سمجھا بجھا کر آپ کا علیحدہ گھر بھی کروا دیں گے...... امی، ابا

کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے، آپ لوگوں کے علیحدہ رہنے پر۔"

"تمہارے بھائی پہلے اماں سے معافی مانگیں پھر کوئی دوسری بات ہو گی۔"

"بائی دی وے بھائی سے غلطی کیا ہوئی ہے؟"

"دیکھو، یہ اسکول ہے، یہاں میں اپنی پرسنل لائف اور پرسنل پرابلمز کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔"

"اوکے۔" وہ خفیف ہو کر بولا۔

"مجھے کلاس لینی ہے۔"

"پلیز! گھر آجائیں...... اگر آپ علیحدہ رہنا چاہتی ہیں تو کوئی بات نہیں، آپ گھر آئیں تو سہی مل بیٹھ کر اس مسئلے کا کوئی حل نکال لیں گے۔" وہ تقریباً گڑگڑا دیا۔

"اب جو فیصلہ کریں گی اماں کریں گی۔"

"ٹھیک ہے، آپ گھر تو آیئے۔"

"میں نے کہہ دیا نا، میں اب اُس گھر میں نہیں آؤں گی۔" اُس نے قدم آگے بڑھا دیئے۔

"سنیئے تو؟"

"سوری! میں کچھ سننا نہیں چاہتی۔" اُس نے کہا اور اُسے راہداری میں کھڑا چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔

فرزین کو سخت توہین کا احساس ہوا۔

لاحول ولاقوة۔

عجب سر پھری فیملی ہے۔

کسی کی سنتے ہی نہیں۔

امی غلط تو نہیں چڑتیں ان لوگوں سے۔

میں تو بھابی کو خاصی معقول سمجھتا تھا۔

مگر......!

ہو سکتا ہے، وہ بھی ایسی ہی ہو۔

نہیں...... نہیں...... وہ ایسی نہیں لگتی۔

کتنی عجیب بات ہے کہ اُس کی اماں کی طرف سے دل کھٹا ہو گیا...... بھابی سے بھی وہ پہلے والی بات نہیں رہی مگر...... اُس کی طرف سے دل بدگمان نہیں ہوتا۔

خیر بدگمان ہو یا نہ ہو، کھیر تو ٹیڑھی بن گئی ہے۔

بے اختیار اُس کے لبوں سے ایک گھٹی گھٹی سی سرد آہ نکلی۔

دل میں ٹیسیں سی اُٹھنے لگیں۔

گو حالات بہت گمبھیر، بہت اُلجھے ہوئے تھے مگر پھر بھی اُس کے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں ایک موہوم سی اُمید اسی طرح ٹمٹما رہی تھی، جیسے تاریکیوں میں ڈوبے کسی لق و دق ویرانے میں دور

بہت دور ٹمٹماتا ہوا کوئی دیا تھکے ماندے مسافرانِ برہنہ پا کو حوصلہ دے۔

لیکن......!

بھلا ہو اماں کا جنہوں نے جویا کے سسرال والوں کو ڈرانے دھکانے کی خاطر اپنے ماموں زاد بھائی حشام الدین سے اُن کا ماہرانہ صلاح مشورہ لے کر صورت احوال کو اور گنجلک کر دیا۔

حشام الدین پیشے کے اعتبار سے وکیل تھے۔ خاندان بھر میں جب کسی کی گوٹ کسی چوکھی میں پھنس جاتی تو وہ حشام الدین سے صلاح لینا نہ بھولتا۔ اماں نے جویا کے سسرال والوں کی ہٹ دھرمی پر چراغ پا ہو کر اپنے گھر والوں سے چوری چھپے حشام الدین سے رجوع کیا اور انہیں جویا کے سسرال والوں کے ظلم و ستم کی داستان ایسے دلدوز لہجے میں سنائی کہ وہ بولے۔ ''آپا جی! ایسے خراب لوگوں میں شادی کیوں کر دی آپ نے جویا کی؟''

''ارے بھیا! کیا بتاؤں...... خدا بھلا کرے، تمہارے بہنوئی کا جو سب کو اپنی طرح سیدھا سچا اور شریف سمجھتے ہیں۔ وہ اس رشتے کے حق میں زیادہ تھے۔''

''خیر...... اب آپ کیا چاہتی ہیں؟''

جویا بھی اماں کے ساتھ تھی۔

حشام الدین کے استفسار پر اماں نے جویا کی طرف دیکھا اور کچھ اس طور جیسے اب تک جو کچھ ہوا، اسی کی مرضی سے تو ہوا تھا بولیں۔ ''ہاں بھئی، بتاؤ۔''

''میں کیا بتاؤں؟'' وہ آہستہ سے بولی۔

''بیٹا! تم نہیں بتاؤ گی تو اور کون بتائے گا...... مسئلہ تمہارا ہے۔ اہلِ معاملہ تم ہو اور تم ہی سے پوچھا جائے گا۔'' حشام الدین بولے۔

جویا پر ایک اضطرابی سی کیفیت طاری ہو گئی۔

''طلاق لینا چاہتی ہو؟'' حشام الدین بولے۔

جویا نے بے ساختہ ٹپٹا کر اُن کی طرف دیکھا۔

وہ اُسے بڑے بے رحم اور سفاک سے لگے۔

کتنے آرام سے کہہ دیا تھا، انہوں نے۔ ''طلاق لینا چاہتی ہو؟''

اُس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

حشام الدین نے اماں کی طرف دیکھا اور نظروں ہی نظروں میں پوچھا۔ ''آپ کیا چاہتی ہیں؟''

''بھیا! اگر یہ اکیلی ہوتی نا تو میں گھڑی بھر کی دیر نہ لگاتی، ان ظالموں سے اسے چھٹکارا دلوانے میں مگر مسئلہ یہ ہے کہ اب یہ اکیلی نہیں رہی۔ ایک بچی کا ساتھ ہے دوسرا......'' اماں کہتے کہتے رک گئیں۔

حشام الدین سمجھ گئے کہ وہ کیا کہنا چاہ رہی تھیں۔

جویا جھینپ سی گئی۔

''ہوں۔'' حشام الدین نے اماں کی تائید میں سر ہلاتے ہوئے ایک گہری سانس کھینچی۔

''کچھ ایسا بندوبست کرو بھیا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔'' اماں نے کہا۔

''یعنی؟''

''یعنی یہ کہ بات بگڑے بھی نہیں اور ان کو نصیحت بھی ہو جائے۔''

''ہوں۔'' حشام الدین سوچ میں پڑ گئے۔

''میں......'' جویا نے دھیرے سے زبان کھولی۔

حشام الدین اور اماں دونوں ہمہ تن اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''میں...... میں الگ گھر میں رہنا چاہتی ہوں۔''

''تمہارا مطلب ہے، سسرال والوں سے علیحدہ؟''

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ہوں۔'' حشام الدین نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''گویا شوہر سے علیحدہ نہیں ہونا چاہتیں تم؟''

''جی نہیں۔''

''کوئی مسئلہ نہیں آپا بی۔'' حشام الدین نے اماں سے تسلی آمیز لہجے میں کہا پھر جویا کے سر پر ہاتھ دھرتے ہوئے بولے۔ ''شاباش بٹی، شاباش! اچھی بیٹیوں کا یہی شیوہ ہوتا ہے کہ وہ عزت سے گزارہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔''

''ارے بھیا، کسی اور کو ملی ہوتی ایسی بیوی تو وہ پاؤں دھو دھو کر پیتا مگر وہ...... ہمارا داماد وہ تو ناشکرا ہے...... میں نے تو اب بھی پیغام بھجوایا تھا کہ اگر بیوی کو لے جانا ہے تو آ کر بات کرے ہم لوگوں سے مگر وہ تو ایسا ڈھیٹ نکلا کہ آ کر جھانکا تک نہیں۔''

''آپ فکر مت کیجئے آپا بی، اس کے تو اچھے بھی آئیں گے۔'' حشام الدین نے خم ٹھونک کر دعویٰ کیا۔

اماں مطمئن بلکہ مسرور دکھائی دینے لگیں۔

''بس بھیا، کسی طرح ٹھکانے لگا دو اُسے تو میں ساری زندگی تمہارا احسان نہیں بھولوں گی۔'' اماں نے پیشگی شکرانے کے اظہار کے طور پر ہاتھ جوڑ دیئے۔

''کیوں شرمندہ کرتی ہیں آپا بی۔'' حشام الدین نے توقف کیا پھر بولے۔ ''ایک نوٹس بھجوائے دیتے ہیں آپ کے داماد کو۔''

''نوٹس...... کیا مطلب؟''

''ڈرانا دھکانا ہی تو ہے نا؟''

''ڈرانا دھکانا بھی اور سیدھے راستے پر لانا بھی۔''

''آجائے گا...... آجائے گا...... تھانے کچہری سے تو اچھے اچھے سیدھے راستے پر آجاتے ہیں آپا بی۔''

"کیا نوٹس دیں گے حشام ماموں؟" جویا نے پوچھا۔

"بھئی، تمہارے میاں کو وارننگ دیں گے کہ شرافت سے سیدھے رستے پر آ جاؤ اور بیوی کو رکھنا چاہتے ہو تو اس کے لئے علیحدہ گھر کا بندوبست کرو۔ بیوی بچوں کا پورا خرچا اُٹھاؤ۔"

"کورٹ میں بلائیں گے انہیں؟"

"ضرورت پڑی تو کورٹ میں بھی بلوالیں گے۔"

"اچھا ہے۔" جویا نے سوچا۔ "ذرا پتا چلے گا انہیں کہ ہم اتنے کمزور نہیں جتنا وہ لوگ سمجھتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے بھیا حشام الدین، اللہ کا نام لے کر نوٹس بھجوانے کا بندوبست کرو۔" اماں نے منظوری دے دی۔

"ٹھیک ہے۔"

"ہاں مگر دیکھو، فی الحال یہ بات تمہارے گھر سے کہیں اور نہ نکلے۔"

"کون سی بات آپا جی؟" حشام الدین کی بیوی صالحہ جو گفتگو کے دوران چائے بنانے کو اُٹھ گئی تھیں، چائے کی ٹرے لیے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولیں۔

"جویا کے میاں کو نوٹس بھجوا رہی ہوں۔"

"کس بات کا؟"

"اس بات کا کہ بیوی بچوں کو رکھنا ہے تو الگ گھر لے۔" اماں نے تو ٹھیک کیا پھر حشام الدین کی بیوی سے تائید چاہی۔

"کیوں ٹھیک ہے نا؟"

"بالکل ٹھیک۔" صالحہ بیگم نے پرزور تائید کی پھر جویا کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔ "مردوں کی لگامیں کھینچ کر رکھنا پڑتی ہیں۔"

"جی ہاں، جیسے موصوفہ نے میری کھینچ رکھی ہیں۔" حشام الدین مسکرائے۔

صالحہ بیگم نے میاں کو گھورا۔

"صالحہ بھابی ذرا خیال رکھنا، فی الحال نوٹس بھجوانے کی بھنک کسی اور کو نہ ملے۔ ہمارے اپنے گھر والوں میں سے بھی کسی کو نہیں۔" اماں نے صالحہ بیگم کو اعتماد میں لینے کی کوشش کی۔

"آپ فکر مت کریں آپا جی، مگر...... یہ اپنے گھر والوں سے چھپانے کی کیا بات......؟" صالحہ بیگم نے اماں اور جویا کو مشکوک نظروں سے دیکھا۔

"ارے بھئی، تمہیں پتا ہے، بیاہی لڑکی میکے آ بیٹھے تو بن بیاہی سے زیادہ بھاری لگنے لگتی ہے۔ جویا کے دادا بھائی سب کی یہی رضا تھی کہ حالات جیسے بھی ہیں لڑکی گزارہ کر لے...... دیکھو نا، خواہ مخواہ بھٹی کا ایندھن بنے رہنے سے فائدہ...... سیر کے ساتھ سوا سیر بننا پڑتا ہے، تب کہیں خاطر میں لاتے ہیں دوسرے لوگ...... جب نوٹس پہنچے گا، تب پتا چلے گا ان لوگوں کو۔"

"صالحہ بیگم! تھانے کچہری کا دستور یہ ہے کہ جو پہلے پہنچ جائے، وہ مدعی اور سامنے والا ملزم۔"

حشام الدین بولے۔

"بس تو ہم تو مدعی بن گئے۔" اماں نے بڑے فخر و انبساط سے کہا پھر نہال ہو کر بولیں۔ "سٹی گم ہو جائے گی ہمارے داماد صاحب اور اُن کے گھر والوں کی جب ہرکارہ انہیں نوٹس پہنچائے گا۔"

جویا کو یک گونہ تقویت اور مسرت کا احساس ہوا۔

حشام الدین کے ہاں سے گھر واپس لوٹتے ہوئے جویا نے چشمِ تصور سے یقین کو عدالت کے کٹہرے میں نادم و رسوا کھڑے دیکھا۔

کرسی عدل پر بیٹھا منصف اپنے سامنے میز پر دھری میزان کے پیچھے بیٹھا کہہ رہا تھا۔ "ملزم یقین احمد پر مدعیہ جویا یقین احمد سے بدسلوکی، ظلم و جبر اور تشدد کے الزامات ثابت ہو چکے ہیں۔ مجرم کو تاحیات قید با مشقت کی سزا سنائی جاتی ہے۔ یہ سزا وہ اس گھر میں کاٹے گا جو وہ بطور جرمانہ مدعیہ کو اپنے باپ کے گھر سے علیحدہ خرید کر یا کرائے پر لے کر دے گا۔ مجرم اپنی بیوی پر ہاتھ اُٹھانے، طعنہ زنی اور بے جا پابندیاں عائد کرنے اور اسے جبر میں رکھنے کا مرتکب ہوا ہے لہٰذا سزا کے طور پر وہ ساری زندگی سر جھکا کر اور شرمندہ ہو کر رہے گا اور مدعیہ کے سامنے بھی اونچی آواز سے بات نہیں کرے گا۔ عدالت برخاست ہونے سے قبل اس اُمید کا اظہار کرتی ہے کہ اس مؤقر عدالت کا یہ تاریخی فیصلہ معاشرے کے جملہ شوہروں کو بیویوں کے حق میں نرم اور مہربان رہنے پر مجبور کرے گا۔ عدالت برخاست کی جاتی ہے۔"

خوب!

بہت خوب!

کرسی عدالت پر بیٹھے ہوئے منصف نے کیا عمدہ فیصلہ صادر کیا تھا!

جویا اس فیصلے کے تصور ہی سے شاداں و فرحاں ہو رہی تھی۔

کتنا مزا آئے گا۔

اب معلوم ہوگا یقین صاحب کو دال آٹے کا بھاؤ۔

جب نوٹس ملے گا تو یقین صاحب کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ جائیں گی۔

☆=====☆=====☆

حشام الدین کو اول تو اماں سے اپنی رشتے داری کا پاس، دوسرے یہ احساس کہ اُنہوں نے جس معاملے میں اپنے گھر والوں سے بھی رازداری برتی تھی، اس معاملے میں اُن پر اعتماد کیا تھا اور مدد چاہی تھی، یقین کے نام نوٹس جاری کرنے کو حشام الدین نے اپنے باقی تمام کاموں پر فوقیت دی۔

ڈاک کا ہرکارہ حسب معمول دوپہر کو یقین کے نام سربمہر لفافہ پہنچا گیا۔

یقین کے نام خط آنا کوئی عجوبہ بات نہ تھی مگر لفافے پر وکیل حشام الدین کی مہر نے گھر والوں کو تشویش میں مبتلا کر دیا۔

امی نے بابا سے کہا۔ "کھول کر دیکھ لیں کیا ہے؟"

"اُنہوں...... کسی کا خط کھولنا اخلاقی جرم ہے۔" بابا بولے۔

"مجھے پتا ہے مگر گھر میں ایسا مسئلہ چھڑا ہوا ہے کہ فکر رہتی ہے۔ کسی غیر کا خط تھوڑی کھول رہے ہیں، ہمارے اپنے بچے کا خط ہے۔"

"ٹھیک ہے مگر اصول تو اصول ہے۔"

"اچھا" امی مایوس ہوگئیں۔ "شام کو یقین کے آنے تک دل سُولی پر اٹکا رہے گا۔"

"مجبوری ہے بیگم صاحب۔"

شام کو یقین کے آنے پر لفافہ کھلا تو ملفوف کے اندراجات نے یقین کو دم بخود کردیا۔

نوٹس تھا جو جویا کے وکیل حسام الدین کی طرف سے بنام یقین احمد!

وکیل صاحب نے یقین پر الزامات کی بوچھاڑ کے بعد اُسے نوٹس دیا تھا کہ اگر اُس نے اُس کی موکلہ کے لیے اپنے گھر والوں سے علیحدہ رہائش کا بندوبست نہ کیا تو وہ اس سے خلع طلب کرنے کی درخواست داخل عدالت کردے گی۔

امی جو یقین کے چہرے کا رنگ متغیر ہوتے دیکھ کر فکر مند ہوگئی تھیں بولیں۔ "کس کا خط ہے بیٹے؟"

یقین نے امی کی بات کا جواب دینے کے بجائے لفافہ اور ملفوف بیا کی طرف بڑھا دیئے۔

امی نے دوبارہ بڑی بے تابی سے پوچھا۔ "بیٹا بتاؤ تو کس کا خط ہے؟"

"آپ کی بہو صاحبہ نے نوٹس بھجوایا ہے۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔

"نوٹس! کیسا نوٹس؟"

"بہو کے وکیل کی طرف سے نوٹس آیا ہے کہ یقین اُن کے لئے علیحدہ رہائش کا بندوبست کریں۔" یقین کی بجائے بیا بولے۔

"یہ بھی تو بتایئے کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو وہ کیا کرے گی؟" یقین نے بیا کی جانب دیکھا۔

"کیا کریں گی؟" امی تشویش سے بیا کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

بیا چُپ رہے۔

"بتایئے نا ماسٹر صاحب، میرا تو دل ہولے جا رہا ہے۔"

بیا بدستور خاموش رہے۔

"بتایئے نا۔" امی کے لہجے میں بے تابی تھی۔

"محترمہ کے لئے علیحدہ گھر کا بندوبست نہ کیا گیا تو وہ خلع کا مقدمہ کریں گی۔" یقین نے کڑوے کسیلے لہجے میں کہا۔

امی نے دہل کر کلیجا تھام لیا۔

"اسی لئے کہتی تھی بیٹا کہ اپنی سسرال چلے جاؤ اور بات کرلو مگر تم نے میری ایک نہ سنی۔" امی نے متاسف لہجے میں کہا۔

"بات کرنے کے لائق ہیں وہ لوگ۔" یقین غصے سے بولا۔

"دنیا ہنسے گی کہ ماسٹر صاحب کی بہو نے میاں کے وارنٹ نکلوا دیئے۔"

"امی جان! وارنٹ نہیں ہیں یہ...... نوٹس ہے۔" فرزین نے امی کی پریشانی کم کرنے کو کہا۔

"نوٹس ہی سہی مگر بہو نے وکیل کر کے عدالت سے تو رشتہ جوڑ ہی لیا ہے نا...... غضب خدا کا، کیسا زمانہ آگیا ہے کہ بیوی فرماتی ہیں میاں سے کہ الگ گھر کا بندوبست نہ کیا تو خلع لے لوں گی۔"

"میں اُس کے خلع مانگنے سے پہلے ہی اُسے طلاق دے دوں گا۔" یقین بولا۔

"کیا بکواس ہے۔" بیا دھاڑے۔

سب نے چونک کر بیا کی طرف دیکھا۔

بیا شعلہ بار نظروں سے یقین کی طرف دیکھ رہے تھے۔

امی کو انجانے سے خوف نے آلیا۔

"کم ظرف مردوں کی طرح تم نے طلاق کا لفظ اتنی آسانی سے زبان سے کیسے نکال دیا؟"

یقین شرمندہ سا نظر آنے لگا۔

بیا اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُس کے نزدیک جا کھڑے ہوئے اور بولے۔ "کسی واقعی اور شرعی عذر کے بغیر طلاق کا لفظ زبان سے نکالنا مردوں کا شیوہ نہیں...... یہ کم ظرف، کمزور اور بودے مردوں کا کام ہوتا ہے کہ ذرا سی بات ہوئی اور طلاق دینے کھڑے ہوگئے۔"

"اُسے بھی تو دیکھئے...... وکیل سے نوٹس بھجوادیا...... خلع کی دھمکی دے رہی ہے۔" یقین جسے بیا کی ڈانٹ نے انتہائی شرمندہ کردیا تھا، خفیف لہجے میں بولا۔

"تم چلے گئے ہوتے وہاں تو شاید نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔" بجیا بولیں۔

"آپ چپ رہیں۔" یقین نے غرا کر بجیا کو دیکھا اور کہا۔ "سارا کیا دھرا تو آپ ہی کا ہے۔"

"میرا!" بجیا نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

یقین کی بات نے اُنہیں ایسا صدمہ پہنچایا تھا کہ وہ دھک رہ گئی تھیں۔

امی، بیا اور فرزین یقین کی طرف کچھ اس طور دیکھ رہے تھے، جیسے اس کی دماغی صحت پر شبہ ہو۔

"جی ہاں...... آپ کا۔" یقین نے آنکھیں نکال کر بجیا کو گھورا اور بولا۔ "نہ آپ نے چوری چھپے ٹیلی فون سیٹ لگا کر جویا اور اُس کے گھر والوں کی باتیں سنی ہوتیں، نہ مجھے بتاتیں نہ میں اپنے کانوں سے سنتا، نہ یہ سارا فساد کھڑا ہوتا...... سارا قصور آپ کا ہے۔"

بجیا کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔

اُن کا سر چکرا رہا تھا اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھایا جا رہا تھا۔

اُنہیں یوں لگ رہا تھا، جیسے وہ اوندھے منہ گر پڑیں گی اور پھر ساری زندگی کسی کو منہ نہ دکھا سکیں گی!

انہوں نے شاید کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ وہ بھائی جو اُنہیں اپنی جان سے زیادہ عزیز تھا، ایک روز اُنہیں سب کے سامنے یوں رُسوا کردے گا کہ وہ اپنے آپ سے بھی نظریں ملاتے شرمندگی محسوس کریں گی۔ اُن کا بس نہ تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیتیں۔

فرزین کچھ سمجھنے اور کچھ نہ سمجھنے والی کیفیت میں ڈوبا ہوا تھا۔

"اوہو! تو یہ قصہ تھا ٹیلیفون کا۔" امی دل ہی دل میں سوچ رہی تھیں۔

بابا جنہیں سارا قصہ معلوم تھا، بجیا کی کیفیت کا دُزدیدہ نظروں سے جائزہ لیتے ہوئے یقین سے بولے۔ "کچھ احساس ہے تمہیں کہ تم کس سے بات کر رہے ہو۔"

"نہیں...... کچھ احساس نہیں ہے مجھے...... پاگل ہو گیا ہوں میں۔" یقین بھبک کر بولا۔

بابا جہاں کے تہاں رہ گئے۔

امی نے آنکھیں پھاڑ کر یقین کو دیکھا۔

کیا ہو گیا تھا اسے!

کہیں واقعی پاگل تو نہیں ہو گیا تھا وہ!

بابا جن کے سامنے وہ نظر نہیں اٹھاتا تھا، انہیں جواب دے رہا تھا وہ!

اور اتنی بدتمیزی سے......

بجیا اپنا صدمہ بھول گئیں۔

بابا تو اس گھر کے لیے لائٹ ہاؤس تھے!

مینارہ نور تھے!

اپنی اولاد کے دنیا میں آنے کا وسیلہ تھے!

اُن سے گستاخی کرنا گناہ تھا۔

یقین جب اُنہی سے بدتمیزی کر رہا تھا تو وہ بھلا کس گنتی میں تھیں۔

بابا سے اس کا بدتمیزی کرنا فرزین کو بھی ناگوار گزرا۔

"یقین بھائی، کیا ہو گیا ہے آپ کو؟" فرزین نے دبے دبے غصے سے کہا۔

"کہا نا...... پاگل ہو گیا ہوں میں۔"

فرزین نے خفیف ہو کر دزدیدہ نظروں سے بابا کو دیکھنے کی کوشش کی مگر اس کی چوری بابا ہی کے ہاتھوں پکڑی گئی۔

امی انتہائی دل گرفتہ دکھائی دے رہی تھیں۔

بجیا سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ اُن کی آنکھوں میں اُمنڈ آنے والی آبی رُودوں نے اُن کی بصارت کو قدرے دھندلا سا دیا تھا۔

وہ سوچ رہی تھیں۔

یقین سے میری محبت کا جو ناتا تھا یک بیک پارہ پارہ ہو گیا ہے، اسے شاید میں ساری زندگی بھی سمیٹنے کی کوشش کرتی رہوں تو نہ سمیٹ پاؤں گی۔

ایک لمحے میں بساط حیات کا نقشہ یکسر بدل گیا تھا!

کتنی بدہیئت لگ رہی تھی زندگی!

جیسے چمکتے آئینے پر کسی نے پتھر مار کر تار عنکبوت سا نقش کھینچ دیا ہو۔

بجیا کو اپنے حلق میں گھٹن سی محسوس ہونے لگی۔

کتنا خیال رکھتی ہوں میں یقین کا مگر یقین......!

اوہ! کیسا انسلٹنگ تھا یقین کا رویہ میرے ساتھ!

امی، بابا، فرزین...... یہ سب لوگ چپ کیوں ہیں؟

یقین کو یہ احساس کیوں نہیں دلا رہے کہ اُس سے غلطی ہوئی ہے۔

خدایا! اتنا سناٹا کیوں ہے؟

کوئی تو کچھ بولے۔

یقین کو لعن طعن کرے۔

شاید!

شاید کوئی کچھ نہیں کہے گا۔

میں...... میں بے آسرا ضرور ہوں مگر اتنی کمزور بھی نہیں۔

کسی پر بوجھ نہیں ہوں۔

اپنا بوجھ آپ اُٹھا رکھا ہے میں نے۔

اپنے درد کی صلیب خود اٹھا کر چل رہی ہوں میں اپنے کندھوں پر۔

چاہوں تو چار کا بوجھ اور اٹھا سکتی ہوں۔

گاہے گاہے اُٹھاتی ہی رہتی ہوں۔

میری جگہ نگہت ہوتی تو اس وقت یقین میاں کو اپنی جان چھڑانا مشکل ہو جاتا۔

بجیا کے لبوں پر ارتعاش سا طاری ہو گیا۔

رنج اور صدمے کی شدید کیفیت سے مغلوب پا رہی تھیں وہ خود کو!

"اتنی ذلت کے بعد بھی میں یہاں کیوں بیٹھی ہوں؟" انہوں نے اپنے آپ سے پوچھا۔

کیا مزید ذلت اور رسوائی کے انتظار میں!

مجھے یہاں سے اُٹھ جانا چاہیے۔

آئی مسٹ لیو۔

اپنی آنکھوں میں ہلکورے لیتے آنسوؤں کو سب سے چھپاتی وہ اٹھیں اور کسی سے کچھ کہے بغیر لاؤنج سے چلی گئیں۔

امی، بابا اور فرزین دیکھتے رہ گئے۔

اُن کے جانے کے بعد تینوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر یقین کی طرف دیکھنے لگے جو سر جھکائے اُلجھا اُلجھا سا بیٹھا تھا۔

امی نے فرزین کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ کہنا چاہا مگر بابا نے انہیں نظر کے اشارے سے تلقین کی کہ وہ کوئی ایسی بات نہ کہیں جس سے یقین کے مشتعل یا خفا ہو جانے کا امکان ہو۔

امی غالباً ایسی ہی کوئی بات کہنا چاہتی تھیں جو وہ بابا کا اشارہ پا کر چپ رہیں۔

اچانک......!

بابا آگے بڑھے اور انہوں نے اپنا ہاتھ بڑے تحمل سے یقین کے شانے پر رکھ دیا۔
یقین بے ساختہ چونک کر بابا کی طرف دیکھنے لگا۔
اس کی نگاہوں میں بے یقینی کے ساتھ احساسِ ندامت بھی تھا اور احساسِ بے بسی بھی۔
امی اور فرزین نے حیرانی سے بابا کو دیکھا۔
ایسی متحمل مزاجی اور وسیع القلبی سب کے حصے میں کہاں آتی ہے بھلا!
دفعتاً......!
یقین نے اپنے شانے پر سے بابا کا ہاتھ جھٹکا، اپنی جگہ سے اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا لاؤنج سے چلا گیا۔
بابا کچھ خفیف سے ہو گئے تھے۔
امی نے خائف نظروں سے بابا کی طرف دیکھا اور روہانسے لہجے میں بولیں۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے ماسٹر صاحب!''
بابا امی کے نزدیک آ بیٹھے اور ان کے شانوں پر اپنا بازو دراز کر کے انہیں تسلی دینے لگے۔
''کسی کی نظر لگ گئی ہے میرے گھر کو۔'' امی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولیں۔
''سب ٹھیک ہو جائے گا امی۔'' فرزین نے دلاسہ دیا۔
''گھبرائیں مت...... بیگم صاحبہ!''
''ادھر بہو آنکھوں میں آنسو لیے چلی گئی...... ادھر یقین بولا رہا ہے...... اور مجھے اس نوٹس کی فکر لگی ہے...... بہو بیگم نے اچھا نہیں کیا ہمارے ساتھ۔''
''ہاں...... اچھا تو نہیں کیا۔'' بابا نے تائید کی۔
''اب کیا ہوگا؟''
''اللہ مالک ہے۔''
''جس کو پتا چلے گا، ہنسے گا کہ ماسٹر صاحب کی پہلی ہی بہو نے یہ چاند چڑھا دیا۔'' امی بوجھل آواز میں بولیں۔
''بابا، بات نہ کی جائے بھابی اور ان کے گھر والوں سے۔''
''ہاں بیٹا کریں گے...... ضرور کریں گے۔''
''ویسے ذاتی طور پر میرا خیال ہے کہ یقین بھائی اور بھابی کے درمیان کسی طرح کمپرومائز کرا کے انہیں الگ ہی کر دیا جائے۔'' فرزین نے امی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
''بیٹا! میں کوئی منع کرتی ہوں۔'' امی نے فرزین کی نگاہوں کا مطلب سمجھتے ہوئے کہا۔ ''میں تو اس پر بھی تیار ہوں۔''
''یقین بھائی کو سمجھایا جائے کہ وہ اپنی بیگم کی خواہش کے مطابق انہیں الگ رکھیں۔''
''لیکن علیحدہ گھر بنانا بھی تو آسان نہیں ہوتا۔''
''کرائے پر لے لیں۔''

''کرائے پر لینے کے لئے پہلے تو مٹھی بھر ایڈوانس رقم دینی پڑتی ہے پھر پہلی تاریخ آنکھ جھپکتے میں سر پر آ کھڑی ہوتی ہے۔''
''مٹھی بھر رقم دینے کی کیا ضرورت...... جو فلیٹ میں نے خریدا ہے اس میں رہ لیں۔''
''مگر وہ تو تم کرائے پر اٹھانے کو کہہ رہے تھے؟''
''کرائے پر اٹھانے کی بجائے بھائی اور بھابی کا مسئلہ حل ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے۔''
بابا گہری نگاہوں سے فرزین کو دیکھ رہے تھے۔
''کیوں بابا؟ کیا خیال ہے؟''
بابا کے لبوں پر بڑی نرم، شفیق اور میٹھی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔
''میرا خیال کیا پوچھتے ہو صاحب زادے۔'' بابا نے مسکراتے ہوئے توصیفی نگاہوں سے فرزین کو دیکھا اور بولے۔ ''مجھے تمہاری بات سے جو خوشی ہوئی ہے، اس کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا...... شاباش بیٹے شاباش! جیتے رہو...... بہن بھائیوں کو اسی طرح خلوص اور بے غرضی سے ایک دوسرے کے کام آنا چاہیے۔''
''فرزین بیٹے! ذرا بہن کو تو جا کر دیکھو۔'' امی نے کہا۔
''جی اچھا امی۔'' فرزین نے سعادت مندی سے کہا اور جانے کو اٹھا۔
''ماسٹر صاحب! یہ ٹیلیفون سننے اور سنانے کا کیا قصہ تھا جس پر یقین نے بہن سے اتنی بدتمیزی کر ڈالی۔''
فرزین جاتے جاتے ٹھٹک گیا۔
''ارے بھئی، کچھ بھی نہیں۔'' بابا نے ٹالنے کی کوشش کی۔
''بتایئے نا ماسٹر صاحب!'' امی نے اصرار کیا۔
''ہاں بابا، میں بھی جاننا چاہتا ہوں۔'' فرزین بولا۔
بابا پس و پیش میں پڑ گئے۔
''بھئی، جہاں تک میرے علم میں ہے...... گھر میں کبھی ایک ٹیلیفون سیٹ اور بھی لگایا گیا تھا۔''
''ہاں، میں نے ہی لگوایا تھا کیونکہ دلہن گھنٹوں فون اپنے کمرے میں بند رکھتی تھیں، ہم سب کو پریشانی ہوتی تھی۔''
''بس سارا فساد اسی کا ہے...... اس فون پر مدحت نے کہیں بہو اور ان کی والدہ کی باتیں سن لیں، بعد میں یقین سے ذکر کر بیٹھیں...... یقین نے بھی دوسرا فون لگا کر بہو اور ان کی والدہ کی باتیں سن لیں بس اسی پر انہوں نے بہو پر سختی کی کہ میکے نہیں جاؤ گی، گھر والوں سے فون پر بات نہیں کرو گی وغیرہ وغیرہ۔''
''او ہو! یہ بات ہے۔'' امی نے پل بھر کو توقف کیا پھر بولیں۔ ''آخر ایسی کیا باتیں سن لی تھیں یقین نے جو پابندیاں لگا دیں؟''
''ارے بھئی، کوئی خاص بات نہیں تھی...... جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، بہو کی والدہ چاہا نہ

خیالات رکھنے والی ایک بے وقوف خاتون ہیں جو اپنی دانست میں تو اولاد کی ہمدرد ہوتی ہیں مگر درحقیقت دشمنی کر رہی ہوتی ہیں۔"

فرزین نے تائید میں سر ہلایا۔

اچانک باہر کار پورچ میں گاڑی اسٹارٹ کرنے کی آواز سنائی دی۔

فرزین لاؤنج سے کار پورچ کے رُخ کھلنے والے آہنی جنگلے کی طرف بڑھا اور اس نے بھاری پردے سرکا کر باہر دیکھا تب تک یقین گاڑی کو گیٹ کے رُخ موڑ چکا تھا۔

"کون ہے؟" امی نے پوچھا۔

"یقین بھائی کہیں جا رہے ہیں۔"

"کہاں؟" امی نے یوں پوچھا جیسے یقین، فرزین کو بتا کر ہی تو جا رہا تھا۔

فرزین نے شانے اُچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔

یقین نے گاڑی کو اتنی ریس دی کہ امی گھبرا گئیں اور کلیجا تھام کر بولیں۔ "الٰہی خیر ہو۔ ماسٹر صاحب! ذرا دیکھئے تو یہ لڑکا غصے میں کہیں اپنے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا لے۔"

بابا خاصی عجلت میں لاؤنج سے باہر لپکے مگر اُن کے پورچ میں پہنچنے تک یقین گاڑی کو انتہائی تیز رفتاری سے گھر کے مین گیٹ سے باہر نکال کر لے جا چکا تھا۔

آہنی صدر دروازے کے دونوں پٹ چوپٹ کھلے پڑے تھے!

یقین جس قدر تیز رفتاری سے گاڑی لے گیا تھا، اُس سے بابا کو بھی انجانا سا خوف محسوس ہو رہا تھا!

☆=====☆=====☆

شام گہری پڑ رہی تھی۔

اماں اور جویا برآمدے میں تخت پر بیٹھی بھنڈیاں کاٹ رہی تھیں اور باتیں بھی کئے جا رہی تھیں۔

بھابی حسب معمول رات کے کھانے کی تیاری کے لئے باورچی خانے میں تھیں۔

بچوں کے امتحانات ہو رہے تھے۔ زویا انہیں لیے صحن میں بیٹھی تھی اور پڑھا رہی تھی۔ مریم اور بھیا کا چھوٹا بیٹا ان کے نزدیک ہی کھیل رہے تھے۔

"حسام ماموں تو کہہ رہے تھے، زیادہ سے زیادہ اتوار تک نوٹس مل جائے گا انہیں مگر آج تو منگل ہو گیا اماں!" جویا دھیمی آواز میں اماں سے بولی۔

"ڈاک میں ایک دو روز کی دیر سویر ہو ہی جاتی ہے۔" اماں نے کہا۔

جویا نے اندر ہی اندر ایک گھٹی گھٹی گہری سانس کھینچی پھر بولی۔ "اگر وہ لوگ نوٹس کو بھی پی کر بیٹھ گئے تو؟"

"ایسا اندھیر نہیں مچا ہے۔"

دفعتاً اطلاعی گھنٹی بجی۔

اس سے قبل دروازے پر گاڑی رکنے کی آواز بھی سنائی دی تھی جسے اس لیے اہمیت نہ دی گئی تھی کہ صبح سے شام تک گاڑیاں گلی میں آتی جاتی رہتی تھیں۔ سارہ آپا کی گاڑی ہوتی تو انہوں نے گاڑی روکتے ہی ہارن ضرور بجایا ہوتا۔

دروازے پر دستک کی آواز سن کر سب چونکے۔

"زویا، ذرا دیکھو تو کون آیا ہے؟" اماں نے بآواز بلند زویا سے کہا۔

"اچھا اماں!"

زویا اُٹھی اور اس نے لپک جھپک صحن عبور کرنے کے بعد گھر کے صدر دروازے میں موجود سوراخ سے باہر جھانکا۔ یہ بھیا نے خود کیا تھا تاکہ گھر کی خواتین کسی کے آنے پر دیکھ بھال کر دروازہ کھولیں اور بے محابا کسی اجنبی کے سامنے پڑنے کا احتمال نہ رہے۔ اگلے ہی لمحے وہ اُلٹے قدموں مڑی اور تقریباً دوڑتی ہوئی برآمدے تک پہنچی۔

"یقین بھائی آئے ہیں۔" اس کے لہجے میں سرخوشی اور گھبراہٹ کی ملی جلی کیفیت تھی۔

اماں اور جویا نے چونک کر پہلے زویا کو پھر ایک دوسرے کو دیکھا۔

چند ثانیوں کو ان کے ہاتھ جہاں کے تہاں رہ گئے، پھر اماں نے دوبارہ زویا کی طرف دیکھتے ہوئے چھری تھال میں رکھ دی اور بصد اطمینان بولیں۔ ''آنے دے...... یقین ہی آئے ہیں ملک الموت تو نہیں آ گیا جو تو اس طرح ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بات کر رہی ہے۔''

اطلاعی گھنٹی دوبارہ بجی۔

''اماں، ہاتھ پاؤں تو میرے بھی چھوٹنے جا رہے ہیں۔'' جویا نے کہا۔

''اے ہے!'' اماں نے تنبیہی تیوروں سے جویا کو دیکھا پھر بولیں۔ ''تم لوگوں نے تو میرا دودھ پی کر کھو دیا..... چلو اٹھو تم اندر جاؤ اور ہاں...... زویا مریم کو بھی اندر لے جا۔'' پھر انہوں نے دروازے کے سمت پیش قدمی کرتے ہوئے کہا۔ ''دیکھتی ہوں میں کیوں آیا ہے...... کس ارادے سے آیا ہے؟''

اطلاعی گھنٹی پھر بجی اور اس مرتبہ زیادہ زور سے۔

''کیا وحشت ہے بھئی! آ رہی ہوں..... آ رہی ہوں۔'' اماں بڑبڑائیں۔

دروازے پر پہنچ کر اماں نے گردن موڑ کر برآمدے کے رخ دیکھا۔

جویا کمرے میں جا رہی تھی اور زویا مریم کو ساتھ لیے اس کے پیچھے پیچھے تھی۔

''کون؟'' اماں نے دروازے کے سوراخ سے آنکھ لگاتے ہوئے پوچھا۔

جواب میں دروازہ بری طرح دھڑ دھڑا دیا گیا۔

''کسی کے دروازے پر جانے کی تمیز ہے یا نہیں؟'' اماں نے قصداً اتنی بلند آواز سے کہا کہ یقین سن پائے اور دروازہ کھول دیا۔

''تم!'' یقین کو دیکھ کر انہوں نے بے ساختہ چونکنے کا تاثر دینے کی کوشش کی اور ایک طرف کو ہو گئیں۔ یقین نے تیوری چڑھا کر جارحانہ انداز میں انہیں دیکھا اور اندر داخل ہو گیا۔

اماں نے گردن موڑ کر ناگواری سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دروازہ بند کیا اور اس کی طرف بڑھیں۔

''کہاں ہیں وہ؟'' یقین نے کڑے تیوروں سے پوچھا۔

''کون؟'' اماں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لینے کی کوشش کی۔

''میری بیوی اور بچی۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔ نہ سلام نہ دعا..... نہ خیریت نہ عافیت..... کہاں ہیں وہ!'' آخری فقرہ اماں نے یقین کی نقل میں ادا کیا۔

''میں زیادہ بات نہیں سننا چاہتا..... سمجھیں آپ۔'' یقین نے اپنی دائیں انگشتِ شہادت کو تنبیہی انداز میں حرکت دیتے ہوئے غصے سے کہا۔

جویا اور زویا جو کمرے میں کھڑکی پر پڑے پردے کی اوٹ سے جھانک رہی تھیں سہم گئیں۔

''جاؤ..... جاؤ..... یہ رعب کسی اور پہ چلانا۔'' اماں بولیں۔

اس نے جبڑے بھینچتے ہوئے اماں کو دیکھا اور بولا۔ ''مجھے اپنی بیوی سے بات کرنی ہے۔''

''بڑے آئے بیوی والے..... اتنے دنوں بعد خیال آیا ہے بیوی کا اور بچی کا۔'' اماں ہاتھ لہرا کر بولیں۔

دونوں بچے جو صحن میں بیٹھے پڑھ رہے تھے، اماں اور یقین میں گرما گرمی ہوتے دیکھ کر کچھ خوف زدہ سے ہو گئے۔

''میں خود دیکھ لیتا ہوں۔'' یقین برآمدے کا رخ کرتے ہوئے بولا۔

''اے میاں! کسی اور ہوا میں مت رہنا..... یہ میرا گھر ہے۔'' اماں نے اپنے سینے پر بڑے غرور سے ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔

''اونہہ!'' یقین نے گردن جھٹکی۔

''اب جو بات ہو گی، وکیل کے ذریعے ہو گی۔'' اماں بولیں۔

''شٹ.....'' وہ دانت پیستے ہوئے غرایا۔

''کیا کہا؟'' اماں نے اس کی برافروختگی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ٹیڑھی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''جہنم میں گیا، آپ کا وکیل اور جہنم میں گئیں.....'' اماں کو غصے سے گھورتے ہوئے اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''بجو! بہت غصے میں لگ رہے ہیں یقین بھائی۔'' کمرے کی کھڑکی کے پردے کی اوٹ سے جھانکتی ہوئی زویا نے بہن سے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

جویا کا سراپا دھیرے دھیرے لرز رہا تھا۔

''ہاں ہاں..... رک کیوں گئے! کہہ دو..... کہہ دو..... کر دو ہمیں بھی جہنم رسید۔'' اماں چلائیں۔

''میرا بس چلے تو......'' وہ پھر غرایا اور اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

اماں کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

یقین ان کی مسکراہٹ سے جزبز سا دکھائی دینے لگا۔

''تمہاری بس تو چل چکی..... اب ہماری بس چلے گی..... عدالت میں..... خوب زنانے سے۔'' اماں مزے لے لے کر بولیں۔

یقین کی آنکھیں شعلہ بار دکھائی دینے لگیں۔

وہ اماں کے عین روبرو آ کھڑا ہوا اور انہیں دشمن کی طرح دیکھنے لگا۔

''زویا..... زویا..... میں..... گر..... رہی ہوں۔'' جویا نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا اور چکرا کر نیچے بیٹھ گئی۔ کھڑکی کا پردہ دھیرے دھیرے اس کی گرفت سے پھسلتا اور نکلتا چلا گیا۔

''بجو! بجو پلیز حوصلہ رکھیں۔'' زویا نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

''کسی کو بلا لو زویا..... بلا لو کسی کو..... ورنہ..... ورنہ کچھ ہو جائے گا۔'' جویا نے فرش پر ٹانگیں

پھیلاتے ہوئے سر دیوار سے پٹک دیا۔

"کس کو...... کس کو بلاؤں بجو؟"

تبھی بھابی گھبرائی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں اور انہوں نے متوحش لہجے میں کہا۔ "جویا! یقین آئے ہیں...... اماں سے لڑائی ہو رہی ہے شاید ان کی۔"

جویا نیم جاں سی ہو رہی تھی۔

"اچھا ہے، ذرا پتا چلے ان اماں بیٹیوں کو۔ بھابی دل ہی دل میں خوش تھیں۔

"بھابی! دکان پر فون کر کے ابا یا بھیا کو بلا لیں؟" زردیا نے اجازت طلب انداز میں کہا۔

"ہاں بلانا تو چاہیے، یقین بہت غصے میں لگ رہے ہیں۔"

باہر اماں اور یقین میں تکرار ہو رہی تھی اور دونوں صحن سے برآمدے میں آ پہنچے تھے۔

زردیا دکان پر فون کرنے کے لیے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

بھابی نے جویا کی طرف دیکھا، اسے متوحش دیکھ کر انہیں یک گونہ مسرت ہو رہی تھی، تاہم بظاہر انہوں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ "تسلی رکھو جویا...... گھبراؤ مت...... میں باہر جا کر دیکھتی ہوں۔"

بھابی کمرے سے چلی گئیں۔

جویا کی نظر مریم پر پڑی۔ وہ مسہری کے قریب کھڑی بڑے غور سے اسی کو دیکھ رہی تھی۔

"ماما!" ماں کو اپنی طرف دیکھتے پا کر وہ بولی۔

"جی...... جی جان!" جویا مضطرب ہو کر اٹھی اور مریم کو پیار کرتے ہوئے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"آپ...... لوئی...... ہیں؟" مریم بولی۔

باہر لو اور تیز ہو گئی تھی۔

مریم کو چھوڑ کر جویا کھڑکی کی طرف بڑھی اور دوبارہ باہر جھانکنے لگی۔

"آپ نے وکیل سے نوٹس تو بھجوایا ہے لیکن یہ سمجھ لیں کہ اس کی بہت مہنگی قیمت ادا کرنی پڑے گی آپ کو۔" یقین بھڑک کر کہہ رہا تھا۔

"وکیل سے نوٹس!" بھابی نے جی ہی جی میں حیران ہوتے ہوئے سوچا۔ "تو یہ گڑ چھوڑا ہے اماں جان اور ان کی لاڈلی نے کھلیا میں!"

بھابی بظاہر کتنی ہی محتاط گو اور اچھی سہی تھیں تو بہو!

"کیا...... کیا مہنگی قیمت ادا کرنے کی دھمکی دے رہے ہو تم!" اماں نے آنکھیں نکالیں۔

"آپ کی لاڈلی بیٹی تو خلع طلب کرنے کی خواہش مند ہے نا میں...... میں اسے سیدھی سیدھی طلاق دے کر روز روز کی بک بک ختم کر دوں گا۔"

جویا لرز کر رہ گئی۔

"اف اللہ! خلع طلب کرنے کی بات!" بھابی حیران ہو رہی تھیں۔ "اور ہمارے فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔"

زردیا دوسرے کمرے میں فون پر ابا کو جلدی جلدی ساری صورت حال سے آگاہ کرنے کے بعد کہہ رہی تھی۔ "ابا! پلیز آپ جلدی سے گھر آ جائیے۔"

"آتا ہوں...... آتا ہوں بیٹی۔"

"ابا! دیر مت کیجئے گا...... رکشہ ٹیکسی سے آ جائیں۔"

"اچھا...... اچھا آ رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، ابا! میں فون بند کر رہی ہوں...... یقین بھائی بہت غصے میں آئے ہیں۔"

"تسلی رکھو...... آتا ہوں۔"

ابا سے بات کرنے کے بعد زردیا لپک کر جویا کے پاس پہنچی۔

"کر دیا فون؟" جویا نے پوچھا۔

"جی۔"

زردیا اس کے پہلو بہ پہلو کھڑی ہو کر کھڑکی سے جھانکنے لگی۔

"کہاں ہے بلائیے اسے۔" یقین کہہ رہا تھا۔

"آہستہ...... آہستہ بات کریں...... محلے والے سنیں گے تو کیا کہیں گے؟" بھابی نے یقین کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"سننے دیں...... ذرا محلے والوں کو بھی تو معلوم ہو کہ ان لوگوں نے داماد کے نام نوٹس نکلوا دیا ہے۔"

"بجو! کس نوٹس کی بات کر رہے ہیں یہ؟" زردیا نے آہستہ سے پوچھا۔

جویا نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے اسے خاموش رہنے کی ہدایت کی۔

زردیا پھر کھڑکی سے جھانکنے لگی۔

"آرام سے...... ٹھنڈے ہو کر بات کرو۔" بھابی نے یقین سے رسانیت سے کہا۔

"جہنم میں گیا ٹھنڈا ہونا۔"

"بیٹھ تو جاؤ۔"

"میں بیٹھنے کے لیے نہیں، فیصلہ کرنے کے لئے آیا ہوں...... تنگ آ چکا ہوں روز روز کی اس جھک جھک سے۔"

"ہم بھی بھر پائے۔" اماں چمک کر ہاتھ لہراتے ہوئے بولیں۔ "کر دو...... کر دو فیصلہ...... مٹا لو اپنے دل کی حسرت۔"

یقین نے بلبلا کر اماں کو گھورا۔

جویا اور زردیا کو ڈر لگنے لگا۔

"روز کی سر پکڑ کر تم بھی اور تمہاری بیٹی بھی۔"

جویا کا دل ڈوبنے لگا۔

"خدایا!"

وہ اماں سے کس قدر اہانت آمیز لہجے میں بات کر رہا تھا!
آپ کے بجائے تم سے بات کر رہا تھا ان سے!
"تم" کے بعد اگلا درجہ "تو" تھا۔
تو کیا وہ اور...... اور زیادہ اہانت سے بات کرنے جا رہا تھا، اماں سے!
"ہم رو دیں یا ہنسیں تم اپنے دل کی حسرت مٹالو۔" اماں بولیں۔ "بے آسرا مت سمجھنا اسے، اپنے پیروں پر کھڑی ہے وہ...... سمجھے۔"
"اس کا دماغ آپ ہی نے زیادہ خراب کیا ہے۔" یقین نے دانت کچکچائے۔
"میرے منہ نہ لگو...... اپنے بڑوں کو بلاؤ اور کرو جو فیصلہ کرنا ہے۔"
"مجھے کسی کو بلانے کی ضرورت نہیں...... میں خود فیصلہ کر سکتا ہوں۔" اس نے تیوریاں چڑھاتے ہوئے کمروں کے رخ دیکھا۔
جویا نے سہم کر کھڑکی کا پردہ چھوڑ دیا تھا، ہم زدیا بدستور کھڑکی سے لگی کھڑی رہی۔
"ارے جاؤ جاؤ...... خود فیصلہ کرنے والوں کی یہ صورتیں نہیں ہوتیں...... اماں بہنوں کی اجازت کے بغیر تم دم تو مار نہیں سکتے، فیصلہ خاک کرو گے؟"
وہ اماں کو کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھنے لگا پھر اس کی آنکھوں میں یک بیک ایک فیصلہ کن سی کیفیت ابھری۔
"میں......" وہ اٹل لہجے میں بولا، "آپ کی بیٹی کو طلاق دیتا ہوں۔"
اماں کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔
بھابی ہکا بکا دکھائی دینے لگیں۔
کمرے میں زدیا نے سٹپٹا کر جویا کی طرف دیکھا۔
جویا حواس باختہ نظر آتی تھی۔
"میں...... جویا کو...... طلاق دیتا ہوں۔" یقین نے الفاظ کے معمولی سے ردوبدل کے ساتھ دوسری مرتبہ کہا۔
"پلیز!" بھابی گڑگڑائیں۔ "ہوش سے کام لو۔"
اماں دم بخود یقین کو دیکھ رہی تھیں۔
جویا نے بے بسی سے زدیا کو دیکھا۔
زدیا نے نظریں چرالیں۔
"میں......" یقین نے شعلہ بار نظروں سے اماں کو دیکھتے ہوئے توقف کیا۔
"بابا!" دفعتاً ایک ننھی سی صدا نے یقین کو چونکا دیا۔
مریم کمرے کے دروازے سے برآمدے میں نکل آئی تھی اور یقین کو پکار رہی تھی۔
یقین جیسے بھول گیا کہ وہ کیا کہنے جا رہا تھا۔
کتنے دنوں بعد اسے یہ آواز سنائی دی تھی!

کتنے دنوں بعد اسے مریم کا معصوم چہرہ دکھائی دیا تھا!
وہ بے تابانہ اس کی طرف لپکا اور اس نے جھک کر مریم کو اپنی گود میں اٹھا لیا۔
"میرا بیٹا۔" اس نے بچی کو اپنے سینے سے لگا لیا اور اسے پیار کرنے لگا۔
"بابا! چیجی لائے؟"
"او...... میرا بیٹا...... بہت ساری چیز لاؤں گا، میں اپنے بیٹے کے لئے۔" اس نے مریم کو سینے سے چمٹاتے ہوئے کہا۔
ذرا دیر کو ان دونوں کے سوا ساری کائنات جیسے ساکت سی ہو گئی تھی۔
جویا اور زدیا کمرے کے دروازے پر آ کھڑی ہوئی تھیں۔
"بابا!"
"جی بیٹا؟"
مریم نے اپنی ننھی سی انگلی اٹھائی اور اماں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "نانا۔"
یقین کے چہرے سے مسکراہٹ کافور ہو گئی اور اس کی نگاہوں میں خشونت عود کر آئی۔
دفعتاً اس کی نظر کمرے کے دروازے پر زدیا کے ہمراہ کھڑی جویا پر پڑی۔
جویا نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کی منت کی۔
وہ مریم کو لیے کسی روبوٹ کی طرح مڑا اور اس نے اماں کے نزدیک ٹھٹک کر گھر کی چاروں عورتوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے دوٹوک لہجے میں کہا۔ "میں اپنی بچی کو لے جا رہا ہوں۔"
اماں سٹپٹا گئیں۔
مگر وہ اپنی گھبراہٹ چھپاتے ہوئے آنکھیں نکال کر بولیں۔ "خبردار جو تم اسے لے گئے۔"
"اونہہ!" وہ استہزائیہ انداز میں مسکرایا اور اٹل لہجے میں بولا۔ "لے جا رہا ہوں...... ہمت ہے تو روک کر دکھائیں۔"
یقین نے صحن کا رخ کیا۔
جویا سرتاپا کانپ کر رہ گئی۔
زدیا کو اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس ہونے لگا۔
کچھ ہی عرصے میں کتنا پیار ہو گیا تھا اسے مریم سے! اسے دیکھ کر دل میں محبت کی میٹھی میٹھی لہریں موجزن ہو جاتیں اور وہ سوچتی جب اسے اتنا پیار ہے مریم سے تو ماں ہونے کے ناتے جو کو کتنی پیاری لگتی ہو گی وہ!
جویا بے قرار ہو کر یقین کے پیچھے لپکی اور اس سے پہلے کہ وہ مریم کو لیے گھر کے دروازے سے نکل جاتا، اس نے اس جا لیا۔
"پلیز! مت لے جائیں اسے۔" وہ گڑگڑائی۔
یقین ٹھٹک گیا اور اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔
کتنی بدلی ہوئی لگ رہی تھی وہ!

کمزور

زرد زرد

آنکھوں کے گرد حلقے

چہرہ ستا ہوا

لباس ملگجا

بال قدرے منتشر

اس کا جی چاہا پوچھے۔

"کہاں گیا تمہارا وہ رنگ و روپ؟

اتنی اداس کیوں ہو؟

مر تو نہیں گیا میں

زندہ ہوں

پھر تم کسی بیوہ کی طرح سوگوار کیوں ہو؟"

چند ثانیے وہ چپ چاپ کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر یک بیک اسے یوں لگا جیسے یہ سب کچھ محض دکھاوا تھا۔

"ماما!" مریم نے اپنا ہاتھ جویا کی طرف بڑھایا۔

مگر یقین نے اس کا ننھا سا ہاتھ اپنے توانا ہاتھ میں دبا لیا اور دروازے کے رخ مڑا۔

"پلیز!" وہ اس کا بازو پکڑتے ہوئے گڑگڑائی۔

اماں، بھابی اور رزدیا صحن میں آ گئی تھیں۔

یقین نے پھر پلٹ کر دیکھا۔

اس کی نظریں جویا کے چہرے سے ہوتی اماں پر جا ٹھہریں اور خشونت برسانے لگیں۔

ایک جھٹکے سے اس نے اپنا بازو جویا کی گرفت سے چھڑایا اور دروازے سے نکل گیا۔

جویا نے گردن موڑ کر مدد طلب نظروں سے اماں کی طرف دیکھا اور روہانسی ہو کر بولی۔ "اماں، مریم کو روک لیں۔"

اماں جو اس کی طرف بڑھ رہی تھی، تیزی سے دروازے کی طرف بڑھیں اور باہر نکل گئیں مگر اس وقت تک یقین مریم کو لے کر گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔

"اماں روک لیں۔" جویا بلبلائی۔

اماں نے گاڑی کی کھڑکی کا ادھ کھلا شیشہ یوں پکڑ لیا جیسے اسے پکڑ لینے سے گاڑی انہی کے رحم و کرم پر تو آ جائے گی۔

یقین نے سوئچ میں چابی لگاتے ہوئے اماں کو ترچھی نظروں سے دیکھا۔

"دیکھو...... اچھا نہیں کر رہے ہو تم۔" اماں جھک کر گاڑی کی کھڑکی سے اندر جھانکتے ہوئے بولیں۔ مریم صورت حال سے قطعاً بے نیاز یقین کے پہلو سے لگی بیٹھی تھی۔

یقین نے گاڑی کو گیئر میں ڈالا اور اماں کی گرفت سے کھڑکی کا شیشہ نکال لے گیا۔

اماں خالی ہاتھ کھڑی رہ گئیں۔

جویا کا دل حلق میں آن اٹکا اور وہ رونے لگی۔

اماں اہلِ محلہ میں سے کسی کے دیکھ لینے کے خوف سے تیزی سے دروازے کے رخ پلٹیں۔

بھابی اور رزدیا دونوں جویا کو سنبھالا دینے کو آگے بڑھیں۔

"کم بخت...... منحوس کہیں کا...... دو گھڑی کا ہیضہ آئے اسے۔" اماں منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی گھر میں داخل ہوئیں اور انہوں نے جویا کو تسلی دیتے ہوئے گھر کا دروازہ بند کر لیا۔

"فکر مت کرو...... حسام الدین تو اس کے باپ سے بھی لے لیں گے بچی کو۔"

مگر جویا کا دل کسی دلاسے پر اعتبار کرنے کو آمادہ نہ تھا۔

وہ مرغِ بسمل کی طرح تڑپ رہی تھی اور بھیا کے بچے حیران و پریشان اسے دیکھ رہے تھے۔

"بجیا...... آہستہ...... پلیز...... محلے والے سنیں گے۔" رزدیا گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔

اماں، بھابی اور رزدیا اسے سمجھاتی بجھاتی کمرے میں لے گئیں۔

جویا کو دنیا، ڈوبتی ہوئی سی لگ رہی تھی۔

ذرا سی دیر میں یقین اس کا دل نوچ کر لے گیا تھا۔

اماں بھابی کی طرف سے بدگمان تو ہمیشہ ہی رہا کرتی تھیں مگر اس وقت انہیں ان کا وجود بری طرح کھٹک رہا تھا۔

"بہوئیں بھلا کب پردہ رکھتی ہیں۔ جو ہماری بہو رکھ لیں گی۔" اماں جی ہی جی میں سوچ رہی تھیں۔ "ایک ایک کو الم نشرح کریں گی کہ یقین آیا تھا، طلاق کے الفاظ بولے اور بچی کو جویا سے چھین کر لے گیا۔"

اماں کو بھابی سے نظریں ملاتے خفت سی ہو رہی تھی۔

"روتی کا ہے کو ہو تم؟" اماں نے جویا کو تسلی دی۔ "روئیں تمہارے دشمن۔" اماں نے کن انکھیوں سے بھابی کی طرف تکا، اس طرح دیکھا جیسے وہی تو جویا کی دشمن تھیں۔

"میں...... میں مریم کے بغیر نہیں رہ سکتی۔" جویا رقت آمیز لہجے میں بولی۔

"کہہ کون رہا ہے تم سے مریم کے بغیر رہنے کو...... مریم کہیں نہیں جاتی...... آ جائے گی۔" اماں نے کہا۔

"آپ ایسے ہی کہتی ہیں۔" جویا کے لہجے میں احتجاج اور سرکشی کی کیفیت تھی۔

اماں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا کہ جن پہ تکیہ تھا، وہی پتے ہوا کیوں دینے لگے۔

"آپ نے تو یہ بھی کہا تھا کہ وہ لوگ ناک سے لکیریں کھینچتے آئیں گے...... لیکن...... اب اور بہلانے کی کوشش مت کریں مجھے...... اب میں آپ کی باتوں میں نہیں آؤں گی۔"

بھابی کو یک گونہ تسکین ہوئی۔

"اچھا ہے، اب ماں بیٹی میں چلے گی، انہوں نے سوچا، اب کھلی نا، بیٹی پر اماں جان کی

حقیقت۔ بڑی بی کا اگر بس چلتا تو سارہ اور زہرا کو بھی انہوں نے گھر پر ہی بٹھا رکھا ہوتا۔

ابا گھر پہنچے تو گھر کا نقشہ ہی بدلا دیکھا۔

اماں، یقین کے آنے اور جانے کی کتھا سنا چکیں تو ابا جو دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھے ہوئے تھے، ایک ٹھنڈی سانس بھرنے کے بعد اماں کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ ''اسی لیے سمجھاتا تھا تمہیں کہ کچھ عقل سے کام لو۔''

''میں نے کون سا بے عقلی سے کام لیا ہے؟'' اماں بولیں۔

''نہیں..... آپ نے تو بہت عقل مندی دکھائی داماد کو وکیل سے نوٹس بھجوا کر۔'' ابا طنز اور غصے سے بولے۔

''نوٹس خدانخواستہ اس لیے تھوڑی بھجوایا تھا کہ وہ کھڑے کھڑے آئے اور طلاق طلاق کہہ کر چلا جائے۔''

''ایسی عاقبت نااندیشیوں کا انجام یہی ہوتا ہے..... بھگتو اب۔'' ابا نے غصے سے اماں کو گھورا۔

''ہاں ہاں، ہمیں پتا ہے کہ ہمیں خود ہی نمٹنا ہوگا..... آپ نے پہلے کون سا ساتھ دیا اور تیر مار لیے جواب مار لیں گے..... آپ کی اور آپ کے بیٹے کی صلاح تو یہ تھی کہ لڑکی کو اسی جہنم میں جلنے دیا جائے۔''

''جو آگ تم اپنی بے وقوفی سے لگا بیٹھی ہو، جویا کا اس جہنم میں جلنا اس آگ میں سلگنے سے بہتر ہوتا۔''

''توبہ توبہ! ایسے بے حس باپ بھائی اللہ کسی کو نہ دے۔''

''اور تم جیسی کور عقل ماں بھی اللہ کسی کو نہ دے..... مجھے تو حسام الدین پر بھی غصہ آرہا ہے۔''

''حسام بے چارے کا کیا قصور!''

''ہاں، قصور تو خیر سراسر آپ ہی کا ہے مگر حسام کو چاہیے تھا کہ وہ رشتے داری کا خیال کرتے ہوئے ایک مرتبہ ہی کبھی مجھ سے تو صلاح لے لیتے۔''

''حسام الدین وکیل ہیں اور وکیل صلاح لیتے نہیں، دیتے ہیں۔''

''خوب صلاح لی تم نے اور خوب دی انہوں نے..... انجام دیکھ لو۔''

''اچھا..... اب زیادہ طعنہ تشنیع نہ کریں۔''

''بیٹی ٹھوکروں تمہاری کہ خوب اچھا کیا؟'' ابا غصے سے بولے

''ابا..... اچھے ابا.....'' اچانک جویا دونوں ہاتھ جوڑتی، آنکھوں میں آنسو لیے ابا کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''مریم کو لا دیں ورنہ میں مر جاؤں گی۔''

جویا کی رقت اور بے بسی نے ابا کو لرزا کر رکھ دیا۔

مرد ہونے کے باوجود وہ خود کو بہت رقیق اور کمزور محسوس کرنے لگے۔ گھٹنوں پر ہاتھ دھر کر اٹھے اور جویا کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔ ''اپنی ماں کو دعائیں دو جن کی بے وقوفی اور ضد نے تمہیں یہ دن دکھایا ہے۔''

''کیا کیا ہے میں نے؟'' اماں نے تڑپ کر کہا۔

''یہ سوال تم اپنے آپ سے کرو۔'' ابا نے انہیں غصے سے گھورا۔

''نیکی برباد گناہ لازم۔'' اماں بھنک کر بولیں۔

''نیکی!'' ابا نے انہیں گھورا۔ ''یہ نیکی کی ہے تم نے بیٹی کے ساتھ..... خدا نا سمجھ اور عاقبت نااندیش عورت سے ہر گھر کو بچائے۔''

بھابی کو از حد طمانیت اور مسرت کا احساس ہوا۔

''ہاں ہاں، اب اس عمر میں یہی انعام ملے گا، ہماری عمر بھر کی وفاداری کا۔'' اماں اپنی آنکھوں میں آنسو بھر لائیں۔

''تم رو دیا دھو دو۔ جو غلطی ہے سو ہے۔'' ابا کو زندگی میں غالباً پہلی مرتبہ اماں پر اتنا غصہ آیا ہوا تھا کہ ان کے آنسوؤں سے بھی وہ قطعاً نہ پسیجے۔

اماں کو سخت ہتک محسوس ہوئی اور وہ تیزی سے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

سب دیکھتے رہ گئے۔

اماں کے جانے کے بعد ابا نے جویا کی طرف دلسوز نظروں سے دیکھا اور بولے۔ ''بیٹی! تم تو پڑھی لکھی اور سمجھدار تھیں۔''

جویا کو یوں لگا جیسے ابا نے ایک فقرے میں جہاں بھر کی ملامت اس کے منہ پر دے ماری ہو۔

وہ پانی پانی ہوگئی۔

''مجھے یہ تھوڑی پتا تھا ابا کہ ایسا ہوگا۔'' وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔

''کسی کو بھی یہ پتا نہیں ہوتا..... اس قسم کے کیسوں میں غلطی کا احساس عموماً اسی وقت ہوتا ہے، جب پانی سر سے گزر چکا ہوتا ہے..... ذرا ذرا سی بات پر بسے بسائے گھر اجڑ جاتے ہیں اور پچھتاووں کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہتا..... صرف تین سیکنڈ لگتے ہیں گھر بگڑنے میں..... مرد تو تین مرتبہ طلاق کا لفظ ادا کرتا ہے اور عورت کے لیے زندگی عذاب ہو جاتی ہے۔''

جویا کا دل بیٹھنے لگا۔

ابا گہری فکر میں ڈوب گئے۔

اچانک اماں روتی اور بڑبڑاتی ہوئی وارد ہوئیں۔ انہوں نے چکن کی سفید چادر اوڑھ رکھی تھی جو وہ گھر سے کہیں باہر آتے جاتے اوڑھا کرتی تھیں اور پرس بغل میں دبا رکھا تھا۔

سب چونک گئے۔

اماں تھمیں اور انہوں نے ابا کو گھورتے ہوئے کہا ''میرا وجود کھٹکتا ہے نا آپ سب کو..... جا رہی ہوں میں۔''

زویا گھبرا کر اماں کی طرف لپکی اور بولی۔ ''کہاں جا رہی ہیں اماں؟''

اماں نے خشونت سے زویا کی طرف دیکھا اور بولیں۔ ''ڈوبنے۔''

''خدا نہ کرے۔'' زویا کانپ سی گئی۔

"جب سب کے سامنے مجھے یوں ذلیل اور رسوا کریں گے تمہارے باوا تو ڈوبنے کے سوا اور کیا چارہ رہے گا میرے پاس۔"

ابا نے اماں کو دیکھا پھر ان کے روبرو آ کھڑے ہوئے اور بولے۔ "نیک بخت! اب تو عقل سے کام لو۔"

"ارے، میں نیک بخت کہاں...... میں تو کم بخت ہوں...... بے عقل ہوں۔" اماں رقت آمیز لہجے میں بولیں۔ "اسی لیے جا رہی ہوں آپ کے گھر سے۔"

"میرے گھر سے!" ابا نے تعجب سے کہا۔ "گھر میرا کہاں، گھر تو تمہارا ہے...... اپنی راجدھانی چھوڑ کر جا کہاں رہی ہو؟" ابا نے لفظ "راجدھانی" قدرے طنز سے ادا کیا۔

"میری مرضی جہاں جاؤں...... آپ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے۔" اماں نے قدم آگے بڑھائے۔ زویا اور بھابی نے ان کا راستہ روک لیا۔

"نہیں اماں!" زویا ان کا بازو پکڑ کر لجاجت سے بولی۔ "پلیز! ایسا مت کریں۔"

"تو چپکی رہ۔" اماں نے اس کا ہاتھ جھٹکا اور نظریں بگاڑ کر غصے سے بولیں۔ "خبردار، جو تو نے مجھے روکا۔"

"اماں! پلیز......" بھابی نے منت سے انہیں دیکھا۔

"ہٹ جاؤ۔" اماں نے بھابی کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور تیوری چڑھا کر بولیں۔

"خوب سمجھتی ہوں...... دل میں تو تمہارے لڈو پھوٹ رہے ہوں گے کہ اچھا ہے بڑھیا دفعان ہو۔"

بھابی شرمندہ سی ہو گئیں۔

"اونہہ!" انہوں نے دل ہی دل میں کہا۔ "گدھے پر بس نہ چلا گدھیا کے کان اینٹھ دیئے۔"

"کیسی باتیں کرتی ہیں اماں...... میں بھلا ایسا سوچ سکتی ہوں۔" وہ دھیمی آواز میں بولیں۔

"غلط کہہ رہی ہوں تو جو چور کی سزا وہ میری سزا...... میں تو کرتی ہوں صاف بات، کسی کو بری لگتی ہے تو لگے۔" اماں نے ابا کی طرف دیکھا اور بولیں۔ "جا رہی ہوں...... آپ سب لوگ گھی کے چراغ جلانا۔" پھر وہ سب کی طرف کچھ اس طرح دیکھنے لگیں جیسے کہتی ہوں، کوئی تو مجھے روکے۔

جویا جو اپنی رقت پر قابو پا چکی تھی، آگے بڑھی اور اماں کے نزدیک جا کر بولی۔ "آپ جا کہاں رہی ہیں؟"

اماں جو کچھ دیر قبل اس کے یہ کہنے پر کہ اب وہ ان کی باتوں میں نہیں آئے گی، اس سے کچھ خفا ہو گئی تھیں، قدرے ناگواری سے بولیں۔ "کیوں جب مردوں کے لئے جگہ ہے تو کیا ہم زندوں کے لئے جگہ نہیں ہوگی اس زمین پر...... ارے جا پڑوں گی، اپنے کسی بھائی بہن کے ہاں۔"

"اور مجھے کس کے آسرے پر چھوڑے جا رہی ہیں؟"

"اللہ رکھے، تمہارے باپ بھائی ہیں...... بھاوج ہیں...... بہنیں ہیں۔" اماں نے طنز سے کہا۔

"روکا تو مجھے آپ نے تھا۔"

"غلطی ہوئی۔" اماں نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بھڑک کر جویا کو دیکھا پھر بولیں۔ "جاؤ چلی جاؤ۔ ابھی تو گنجائش ہے تمہارے اس گھر جانے کی مگر...... پھر آ کر نہ کہنا مجھ سے کہ یہ ظلم ہوتا ہے، وہ ستم ہوتا ہے۔"

جویا دم بخود رہ گئی اور ایک صدمے کی کیفیت میں اماں کو دیکھنے لگی۔

ابا اس کے تاثرات کا جائزہ لیتے اس کی طرف بڑھ آئے اور بولے۔ "غلط نہیں کہہ رہی ہیں یہ۔"

جویا کو یوں لگا جیسے اسے اس گھر سے چلے جانے کو کہا جا رہا تھا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

مگر ابا نے اس کے آنسوؤں سے پسیجنے کے بجائے اس وقت کو اسے نصیحت کرنے کے لئے گراں قدر جانتے ہوئے کہا۔ "بیٹی! لڑکی کا اصل گھر اس کے شوہر کا گھر ہوتا ہے اور...... اچھی بیٹیاں میکے آ کر کبھی بھی سسرال کی شکایت نہیں کرتیں۔"

"جا رہی ہوں میں۔" اماں نے پھر کہا۔

زویا نے منہ بسورتے ہوئے ابا کو دیکھا اور گڑگڑا کر بولی۔ "ابا، پلیز، روک لیں اماں کو۔"

ابا آگے بڑھے اور اماں کے قریب جا کر غصے سے بولے۔ "تم نے اس گھر سے قدم باہر نکالا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

سب چونک گئے۔

اماں ہکا بکا ابا کا منہ دیکھنے لگیں۔

"ایک حد ہوتی ہے شرافت کی...... میری شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش مت کرو...... سمجھیں۔"

اماں تصویر حیرت بنی سناٹے کی کیفیت میں کھڑی تھیں۔

"ساری عمر تم نے اپنی چلائی ہے۔ اب میری چلے گی...... چلو چپ کر کے بیٹھ جاؤ۔"

بھابی، جویا، زویا اور بچے سب دم بخود تھے۔

"سنا نہیں تم نے، میں کیا کہہ رہا ہوں۔" ابا نے یک بیک اماں کی بغل میں سے پرس کھینچا اور زویا کی طرف اچھالتے ہوئے اماں سے بولے۔ "چلو سیدھی طرح اندر چلو۔"

اماں پر صدمے اور شرمندگی کی کیفیت طاری تھی۔

وہ کوئی آمر نہ تھیں۔

چھوٹی سی خوشی پا کر خوش اور ذرا سی بات پر رنجیدہ ہو جانے والی سیدھی سادی گھریلو عورت تھیں۔ مگر اس گھر میں ہمیشہ ان کے حکم کا سکہ چلا تھا۔

ہمیشہ ان کی بات سنی گئی تھی۔

ابا بھی ہمیشہ سر تسلیم خم کیے رہتے تھے۔

مگر آج......!

جویا اور زویا تو خیر بیٹیاں تھیں...... اپنی تھیں...... مگر بہو!

اماں کو بھابی کے سامنے سخت خفت محسوس ہو رہی تھی۔

کیسی خوش ہو رہی ہو گی بہو کہ ساس کو لتاڑ رہے ہیں سسر صاحب!

مزید ذلت اور رسوائی سے بچنے کا فقط ایک ہی راستہ تھا کہ اماں وہی کرتیں جو ابا کہہ رہے تھے۔

بھابی کو نظروں سے دیکھتی ہوئی وہ برآمدے کی طرف پلٹیں اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی برآمدے میں بچھے تخت پر جا بیٹھیں۔

ابا، بھابی، جویا، زویا سب چند ثانیے ٹھٹکے، اماں کی حرکات و سکنات دیکھتے رہے پھر ایک دوسرے کو کن انکھیوں سے دیکھتے برآمدے کی طرف بڑھ گئے۔

توہین اور ذلت کے احساس سے اماں کا جی بھر آیا اور وہ اپنی چادر کے پلو سے منہ ڈھانپ کر کلپ کلپ کر رونے لگیں۔

بھابی، جویا اور زویا نے ان کی دلجوئی کو ہاتھ بڑھانا چاہا مگر ابا نے انہیں اشارے سے منع کر دیا۔

اماں جی بھر کر رو چکیں تو ابا ان کے قریب بیٹھ گئے اور بولے۔ ''اب بیوقوفی چھوڑو...... اور نکال سکتی ہو تو بیٹی کو طوفان سے نکالنے کی کوشش کرو۔''

ابا کے لہجے میں تندی کے ساتھ ایک دلسوز کیفیت بھی تھی۔

☆=====☆=====☆

جس تیز رفتاری سے یقین گاڑی لے گیا تھا، اس نے گھر والوں کو تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔

گاڑی کی رفتار اور آواز اتنی تھی کہ بجیا بھی گھبرا کر اپنے کمرے کی کھڑکی سے جھانکنے لگی تھیں۔

ادھر امی نے کہا۔ ''الٰہی خیر۔''

ادھر بجیا کی جذباتی کیفیت یکسر بدل گئی۔

دل ہی دل میں آیۃ الکرسی پڑھ کر انہوں نے چاروں اور پھونکا اور دعا کی۔ ''مولا! شہر کے سارے رستوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھنا...... یقین جہاں بھی گیا ہو، اپنی رحمتیں اس کے ساتھ ساتھ رکھنا مالک۔''

ابا اور بھائی گھر سے باہر نکلتے تو بجیا چپکے سے اپنی دعائیں یونہی ان کے سنگ کر دیا کرتی تھیں۔

آج یقین کے تیوروں اور اس کی غیر معمولی تیز رفتاری نے ان کی دعا میں خشوع و خضوع کا رنگ زیادہ گہرا کر دیا تھا۔

کچھ دیر پہلے یقین پر انہیں جو غصہ تھا، وہ جاتا رہا۔

''وہ جہاں بھی گیا ہو، خدا کرے خیریت سے گھر لوٹے۔'' انہوں نے صدق دل سے دعا کی۔

بجیا اپنے بہن بھائیوں میں سب سے زیادہ متحمل مزاج تھیں۔

پیار تو انہیں اپنے سبھی بہن بھائیوں سے تھا مگر یقین بہت پیارا تھا انہیں اور اسی لیے وہ اس کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو اکثر درگزر کر دیا کرتی تھیں۔

ابا کہا کرتے تھے کہ جن لوگوں سے تعلق توڑنا ممکن نہ ہو، انہیں ان کی تمام خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ قبول کرنا چاہیے۔

غصے اور صدمے کی کیفیت میں وہ یقین سے متنفر ہو کر اپنے کمرے میں چلی آئی تھیں مگر اب اسی کے لیے متفکر ہو رہی تھیں۔

دفعتاً دروازے پر دستک سنائی دی۔

''کون؟'' انہوں نے پوچھا۔

''میں ہوں فرزین۔''

''آ جاؤ۔''

فرزین دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔

اس نے بجیا کے تاثرات کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔ شاید وہ اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ یقین کے رویے نے انہیں کتنا آزار پہنچایا تھا۔

''یہ...... یقین...... کہاں گئے ہیں؟'' بجیا نے پوچھا۔

فرزین کو یوں لگا، جیسے اس کی سماعت اور بصارت...... دونوں دھوکا دے رہی تھیں۔

''جی!'' اس نے متذبذب نظروں سے بجیا کی جانب دیکھا۔

''میں پوچھ رہی ہوں، یقین اتنی تیزی سے گاڑی لے کر کہاں گئے ہیں؟''

فرزین بجیا کے نزدیک جا کھڑا ہوا اور انہیں کچھ بے یقینی، کچھ اشتباہ سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''آپ کی بلا سے۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''میرا مطلب ہے...... آر یو آل رائٹ؟''

''کیوں، مجھے کیا ہوا ہے؟''

''یقین بھائی سے ناراض نہیں ہیں آپ؟''

''کیوں؟''

''کیونکہ انہوں نے آپ کے ساتھ بدتمیزی جو کی۔''

بجیا کے چہرے پر حزنیہ سی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ بڑے تحمل سے بولیں۔ ''کوئی بات نہیں، بہن بھائیوں میں تو ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔''

فرزین کی نگاہوں میں ڈولتی حیرانی کا رنگ گہرا پڑ گیا۔

''کوئی اور ہوتا آپ کی جگہ تو شاید کافی دن تک یقین بھائی کا نام بھی اپنی زبان پر لانا پسند نہ کرتا...... کوئی اور کیوں نگہت باجی ہی ہوتیں آپ کی جگہ تو ایک ہنگامہ کھڑا کر دیتیں اور شاید یقین بھائی کی صورت تک دیکھنے کی روادار نہ ہوتیں۔''

بجیا نے فرزین کی طرف دیکھا اور بولیں۔ ''ہو سکتا ہے...... مگر...... میں تو شاید اپنے بھائی بہنوں کو دیکھے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتی۔''

فرزین بڑی محبت و بڑے احترام سے بجیا کو دیکھنے لگا۔
"مجھے اپنی انا نہیں، انسان پیارے ہیں۔" بجیا نے کھڑکی سے باہر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔
"یو آر گریٹ...... یو آر گریٹ بجیا" فرزین بولا۔
"گریٹ تو بابا ہیں فرزین، جن سے میں نے ایسی بہت سی چھوٹی چھوٹی مگر بہت کام کی باتیں سیکھی ہیں۔" بجیا نے توقف کیا پھر بہت تشویش سے پوچھا۔ "کچھ معلوم ہے کہاں گئے ہیں یقین؟"
فرزین نے نفی میں سر ہلا دیا۔
"گاڑی اتنی تیزی سے نکال کر لے گئے ہیں کہ میں تو ڈر گئی۔"
"امی اور بابا بھی پریشان بیٹھے ہیں۔"
"تو کیا ان سے بھی کچھ نہیں کہہ کر گئے؟"
"اونہوں" فرزین نے نفی میں سر ہلا دیا۔
"چلو تو پھر ہمیں امی اور بابا کی طرف چلنا چاہیے۔"
"چلیے۔"
یقین کی واپسی تک سبھی تشویش میں رہے۔
خدا جانے کہاں گیا تھا وہ!
اتنی تیز رفتاری سے تو گاڑی اس نے شاید کبھی بھی نہیں نکالی تھی۔
فکر اور ہول کے مارے امی کے پیٹ میں بگولے سے اٹھتے رہے۔
امی، بابا، بجیا اور فرزین اندازوں اور قیاس آرائیوں سے ایک دوسرے کو اور خود کو بہلاتے رہے۔
یقین کے اس کی سسرال جانے کی طرف بھی قیاس کیا گیا مگر امی نے کہا۔ "انہیں سسرال جانا ہوتا تو یہ نوبت ہی کیوں آتی...... سسرال وہ کسی قیمت پر نہیں جا سکتے۔"
امی کی بات غلط نہ تھی۔
چنانچہ یہ قیاس رد قرار پایا۔
جس قیاس پر سب سے زیادہ اجماع ہوا وہ یہ تھا کہ یقین جویا کے بھجوائے ہوئے نوٹس پر کسی وکیل سے صلاح مشورہ لینے گیا تھا۔
مگر اس کی واپسی پر مریم کو اس کے ساتھ دیکھ کر اس سے کچھ پوچھے بغیر ہی اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ وہ اپنی سسرال گیا تھا۔
مریم کو دیکھ کر سب گھر والے کھل اٹھے، بالخصوص امی تو نہال ہو گئیں۔
مگر جویا کہاں تھی؟
وہ ساتھ کیوں نہ آئی تھی؟
یقین سے استفسار کیا گیا تو وہ کچھ بتائے بنا امی اور بابا سے نظریں چراتا مریم کو امی کے پاس چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"ماسٹر صاحب! جا کر پوچھیے تو سہی یقین سے کہ دلہن کو کیوں نہیں لائے؟"
"جاتا ہوں...... جاتا ہوں...... ذرا تحمل سے کام لیں...... باہر سے آنے والے شخص سے آتے ہی پوچھ کچھ نہیں شروع کر دیتے، خدا جانے وہ کس موڈ میں ہو۔"
"مجھے تو جتنی مریم کے آنے کی خوشی ہو رہی ہے، اتنی ہی دلہن کے نہ آنے پر فکر بھی ہو رہی ہے۔" امی نے مریم کو پیار کرتے ہوئے کہا۔
"آپ کی تشویش بجا ہے مگر پانچ دس منٹ انتظار کیجیے اور دیکھیے کہ یقین میاں خود آ کر کچھ بتاتے ہیں یا ہمیں جا کر پوچھنا پڑے گا۔"
"چلیں کیے لیتے ہیں انتظار۔"
اور یقین اپنے کمرے میں متضاد کیفیات میں ڈوبا بیٹھا تھا۔
کبھی سوچتا:
جو ہوا وہ بہت اچھا ہوا۔
سالی اسی لائق تھی کہ اسے چھوڑ دیا جاتا۔
بلکہ بہت دیر کر دی۔
بہت پہلے چھٹی کر دینی چاہیے تھی اس کی تو۔
ہر وقت جھک جھک رکھتی تھی۔
کبھی امی اور بابا کے پاس دیر تک بیٹھ جانے پر ناراض۔
کبھی گھر کا کام کرنے پر منہ پھلا لیتی تھی۔
کبھی یقین کو پچھتاوے آ گھیرتے۔
برا کیا جو طلاق کا لفظ منہ سے نکالا۔
سچ کہا ہے کسی نے کہ غصہ آدمی کا دشمن ہوتا ہے۔
کاش! غصہ نہ آیا ہوتا۔
کبھی خود کو برا بھلا کہنے لگتا۔
غصہ آیا تھا تو منہ لپیٹ کر گھر ہی میں پڑ گیا ہوتا۔
وہاں بھلا کیوں گیا؟
اور گیا بھی تو لڑنے جھگڑنے اور اس قدر ہنگامہ بازی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟
اور پھر...... طلاق...... طلاق بھی بک آیا...... کمینوں، ذلیلوں کی طرح۔
اب بھگت!
پال بیٹھ کر مریم کو۔
اسے یوں لگ رہا تھا جیسے ساری غلطی اسی کی تھی...... قصور وار وہی تھا۔
بابا کمرے میں آئے تو وہ پشیمانی کی کیفیت میں بیٹھا تھا۔
"خیریت تو ہے صاحب زادے!" بابا نے اس کے نزدیک آ کر اس کے شانے پر ہاتھ

دھرتے ہوئے پوچھا۔ "بچی کو لے آئے، بہو کیوں نہیں آئیں؟"

وہ مضطرب سا ہو گیا۔

"بیٹا! کیوں نہیں آئیں بہو؟" بابا نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

وہ بابا سے اپنا منہ چھپانے کی کوشش کرنے لگا۔

"بولو میاں!"

بابا کے لہجے میں اصرار کی کیفیت نے اسے سمجھا دیا کہ راہِ فرار مسدود تھی..... جواب دینا ہی ہوگا۔

"وہ..... وہ..... اب..... نہیں آئے گی۔" اس نے اٹکتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟" بابا چونکے۔

"میں..... میں نے....."

"ہاں ہاں بولو..... چپ کیوں ہو گئے؟"

"میں..... میں روز روز کی بک بک ختم کر آیا ہوں..... طلاق دے دی ہے میں نے اسے۔"

"کیا!" بابا سناٹے میں آ گئے۔

یقین کے لیے بابا کی جذباتی کیفیت کا اندازہ کرنا دشوار نہ تھا۔

قدرے توقف سے بابا نے رنج اور غصے کی ملی جلی کیفیت میں کہا۔ "کیا کہا تم نے؟"

یقین تامل کی منزل سے گزر چکا تھا۔

"وہ اس گھر میں رہنے کے لائق تھی ہی نہیں۔"

بابا نے غصے سے آنکھیں نکالیں اور بولے۔ "تم کون ہوتے ہو اس امر کا فیصلہ کرنے والے کہ کون اس گھر میں رہنے کے لائق ہے اور کون نہیں؟"

یقین نے کچھ خفیف، کچھ خائف ہو کر بابا کو دیکھا۔ وہ ایک ہیجانی کیفیت سے دوچار دکھائی دے رہے تھے۔

"بابا.....!" وہ کچھ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "لڑتے جھگڑتے زندگی گزارنے سے بہتر ہے کہ آدمی ایک فیصلہ کر کے کنارے ہو جائے۔"

"اور وہ جو منجدھار میں رہ جائیں گے۔" بابا یک بیک اس طرح چلائے کہ یقین حواس باختہ ہو کر ان کا منہ دیکھنے لگا۔

"بولو..... ان کا کیا ہوگا؟" بابا زیادہ بلند آہنگی سے چلائے۔

یقین بدستور اسی کیفیت میں رہا۔

"کیا قصور ہے اس معصوم کا جسے تم اس کی ماں سے چھین لائے ہو؟" بابا زیادہ غصے میں دکھائی دینے لگے اور تحقیر سے بولے۔ "شرم آنی چاہیے تمہیں۔"

یقین دم بخود انہیں دیکھتا گیا۔

بابا تو انتہائی متحمل مزاج آدمی تھے!

چھوٹی چھوٹی باتوں پر طیش میں نہ آنے والے۔

بڑی بڑی باتوں پر بھی صبر و برداشت سے کام لینے والے۔

وہ تو اولاد کی غلطیوں پر بڑی نرمی سے ٹوکتے اور بڑی دلسوزی سے اصلاحِ احوال کی کوشش کیا کرتے تھے۔

پہلی بار وہ انہیں اس قدر طیش کے عالم میں دیکھ رہا تھا۔

بابا کی آواز دوسرے کمروں تک بھی جا پہنچی تھی۔

امی، بجیا، فرزین اور ذہین آگے پیچھے لپکے ہوئے یقین کے کمرے تک پہنچے اور بابا کی غصے بھری آواز سن کر ٹھٹک گئے جو ان سب کی آمد سے بے نیاز یقین کو ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ "بروکن فیملیز کی پرابلمز کا اندازہ ہے تمہیں! نہ تمہارا کچھ بگڑے گا نہ تمہاری بیوی کا..... تم دونوں کی غلطیوں کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا، بے چارے بچوں کو۔"

"کیا ہوا؟ کیا ہوا ماسٹر صاحب!" بابا کے خاموش ہو جانے پر امی نے بڑی تشویش سے پوچھا۔

"ان سے پوچھیے۔" بابا نے ناگواری سے یقین کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا ہوا بیٹے!" امی نے یقین سے پوچھا۔

وہ کچھ نہیں بولا۔

"آپ ہی کچھ بتائیے۔" امی نے روئے سخن دوبارہ بابا کی طرف کیا۔

بابا نے یقین کو زہر خند نگاہوں سے گھورا پھر طنزیہ بولے۔ "بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے کر آ رہے ہیں آپ کے صاحب زادے۔"

امی قدرے پریشان ہو کر استفہامیہ نظروں سے یقین کو دیکھنے لگیں۔

"مردانگی کا ثبوت دے کر آ رہے ہیں جناب!" بابا چبھتے ہوئے لہجے میں بولے۔

"آخر ہوا کیا ہے؟ پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہیں؟"

"طلاق دے آئے ہیں بیوی کو۔"

امی، بجیا، فرزین، ذہین سب چونک پڑے۔

"نہیں!" امی نے دہل کر کلیجہ تھام لیا اور بابا کو بے یقین نظروں سے دیکھتے ہوئے گھٹی گھٹی آواز میں بولیں۔ "نہیں ماسٹر صاحب!"

"ہاں۔" بابا متنفر نظروں سے یقین کو دیکھتے ہوئے دہاڑے پھر بولے۔ "میری بات کا اعتبار نہیں تو خود صاحب زادے سے پوچھ لیجیے۔"

امی نے یقین کے قریب جا کر اس کا بازو تھام لیا اور متذبذب نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔ "کیا یہ سچ ہے بیٹا!"

یقین نے ان سے نظریں چراتے ہوئے کسی مجرم کی طرح سر جھکا لیا۔

امی نے بے بسی سے بابا کی طرف دیکھا۔

"مل گیا جواب؟" پپا بولے۔

امی پر رقت طاری ہوگئی۔

"یہ تم نے کیا کیا یقین؟" وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولیں اور پھر اپنا آنچل منہ پر ڈھانپ کر یک بیک بلک بلک کر رونے لگیں۔

مدحت بجیا جو صدمے کی کیفیت میں کھڑی تھیں، انہیں تسلی دینے کو آگے بڑھ آئیں۔

فرزین اور ذہین یوں کھڑے تھے، جیسے کسی میت کو کاندھا دینے آئے ہوں۔

چند ثانیوں کو منظر ساکت سا ہوگیا۔

پھر فرزین کی آواز نے سناٹے کا سینہ چیرا۔

"نان سینس!" اس نے سر کو جھٹکتے ہوئے کہا۔

پپا، بجیا اور ذہین نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

یقین نے اس کی طرف دیکھا نہیں، تاہم اس کے چہرے پر بکھرتی خفت میں ناگواری بھی جھلکنے لگی۔

فرزین مزید کچھ کہے سنے بنا کمرے سے نکل گیا۔

اس کے پیچھے پیچھے ذہین بھی چلا گیا۔

بجیا نے امی کو مسہری کے کنارے پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ "آپ بیٹھیے میں آپ کے لئے گلوکوز لاتی ہوں۔"

یقین کسی مجرم کی طرح نظریں چرائے سر جھکائے ایک طرف بیٹھ گیا۔

امی آپ ہی آپ چپکے سے کٹہرے میں جا کھڑی ہوئیں اور بحیثیت ساس خود ہی اپنا احتساب کرنے لگیں۔

سوال پر سوال ہوتے چلے گئے۔

یقین کی شادی کے بعد ابتدائی دنوں کے سوا کیا کبھی تم نے بہو سے اظہار اپنائیت کیا؟

کیا کبھی اس سے اس محبت سے بات کی جس کا اظہار تم اپنی بیٹیوں سے کرتی ہو؟

بہو کو خوش دیکھ کر کبھی خوش ہوئیں تم؟

اسے رنجیدہ دیکھ کر کبھی دل دکھا تمہارا؟

اس کے کھانے پینے کو محبت سے دیکھا؟

اسے پہنے اوڑھے دیکھ کر کبھی ویسے خوش ہوئیں، جیسے اپنی بیٹیوں کو دیکھ کر خوش ہوا کرتی ہو؟

بیٹے کو بہو کی طرف ملتفت پا کر اس طرح مسرور ہوئیں جیسے دامادوں کو بیٹیوں کی جانب ملتفت دیکھ کر ہوتی ہو؟

کیا بہو اور بیٹے کو دیر تک یکجا پا کر اس طرح خوش ہوئیں جیسے بیٹیوں اور دامادوں کو دیکھ کر ہوا کرتی ہو؟

کیا ایک دفعہ بھی تم نے بہو کو اپنے گھر کا فرد جان کر اسے اس طرح اپنا رازدار بنانے کی کوشش

کی جیسے تم دکھ سکھ کی ہر بات بیٹیوں سے کر لیتی ہو؟

کیا بہو کے میکے والوں کو وہ عزت اور مقام دینے کی کوشش کی جو اپنی بیٹیوں کے سسرال والوں کو دیا کرتی ہو؟

اس خود احتسابی پر امی کو خاصی حیرت انگیز صورت احوال کا سامنا ہوا۔

وہ تو خود کو بہت اچھی اور بے ضرر ساس سمجھتی تھیں مگر غیر جانبداری سے اپنے احتساب پر معلوم ہوا کہ...... دوسری ان گنت ساسوں سے بہتر ہونے کے باوجود نہ صرف بہو بلکہ اس کے میکے والوں کے حق میں بھی جانے انجانے میں نہ جانے کتنی زیادتیاں اور کوتاہیاں سرزد ہوگئی تھیں ان سے!

امی کو پچھتاووں نے آلیا۔

کیوں نظر رکھتی تھی، میں اس کی ایک ایک حرکت پر!

کیوں اس کی اچھی بات میں بھی برائی کا پہلو دیکھنے کی کوشش کرتی تھی میں؟

کیوں چڑتی تھی، میں اس کے میکے والوں سے!

کیوں چھپاتی تھی، میں گھر کی ایک ایک بات اس سے؟

کیوں نگہت کے بہکائے میں آ کر میں اس سے چھوٹی چھوٹی باتوں پر منہ پھلا لیتی تھی؟

گھر کے دھندے اس کے آنے سے پہلے بھی تو سب کے سب چلتے ہی تھے مگر ہم نے اس سے ذرا مروت اور رعایت نہ کی...... مریم کی دفعہ تو بے چاری آخری دن تک باورچی خانے میں کام کرتی رہی...... اور اب بھی کر ہی رہی تھی۔

جویا کے عیبوں میں بھی امی یوں ہنر تلاش کر رہی تھیں، جیسے مرنے والے کے لواحقین دنیا جہان کی خوبیاں مرحوم سے وابستہ کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔

نگہت کی تو چھوڑو، وہ تو مزاج کی ازلی تیز ہے۔ مدحت بھی نند پنا، کھانے میں پیچھے نہ رہیں۔

بھلا کیا ضرورت تھی ٹیلی فون سننے کی!

بھئی بیٹیاں سو طرح کا دکھ سکھ کہتی سنتی ہیں اپنے گھر والوں سے۔

کیا ہماری بیٹیاں نہیں کرتیں ہم سے سو طرح کی رازداریاں!

اگر ان کے میاں اور سسرال والے یوں کان لگائے رکھنے لگیں تو ہمیں بھی اتنا ہی تاؤ آئے گا، جتنا دلہن کی ماں کو آیا۔

جو اپنی غلطی ہے سو ہے۔

کچھ اس طرح جیسے مرنے والے کے دشمن بھی اس کے عیبوں سے صرف نظر کر لیا کرتے ہیں، امی نے بھی جویا کی واقعی غلطیاں اور کوتاہیاں بھی اس کے کھاتے سے حذف کر دیں۔

اتنی بری تو نہ تھی وہ۔

ہماری نہ سہی، کسی کی تو بیٹی تھی وہ بھی۔

کیا تھا اگر اسے بھی تم نے اپنی اولاد ہی کی جگہ سمجھا ہوتا۔

امی نے یقین کی طرف دیکھا تو ان کا کلیجا منہ کو آنے لگا۔

ہائے! اکیلا رہ گیا تھا وہ۔

کس قدر شرمندہ اور دل شکستہ بیٹھا تھا، وہ جیسے عمر بھر کی پونجی ہار آیا ہو۔

مدحت بجیا امی کے لئے پانی کے گلاس میں گلیکسوز ڈی گھول کر لائیں تو امی نے ایک دو گھونٹ لے کر انہیں شاکی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''دیکھا، تمہاری ایک غلطی نے کتنا بڑا نقصان پہنچایا ہے؟''

''جی!'' بجیا نے شپٹا کر امی کو دیکھا۔

''نہ تم فون سنتیں، نہ یقین کو بتاتیں اور نہ یہ سب کچھ ہوتا۔''

بجیا کو شدید صدمہ پہنچا۔

یقین تو یقین اب امی بھی اس کو خرابیٔ احوال کا ذمہ دار ٹھہرا رہی تھیں۔

''بیگم صاحبہ!'' بیا نے تنبیہی نظروں سے امی کو دیکھا۔ ''براہ مہربانی بندر کی بلا طویلے کے سر منڈھنے کی کوشش مت کیجئے۔''

''بندر کسے کہہ رہے ہیں ماسٹر صاحب؟''

''آپ کے صاحب زادے کو۔'' بیا نے بلاتردد کہا۔

کوئی اور موقع ہوتا تو شاید اس برجستگی کو لطیفہ سمجھا گیا ہوتا لیکن اس وقت یقین نے ہڑبڑا کر بیا کی طرف دیکھا۔

''وہ مرد ہی کیا جو بیوی کو اپنی مرضی کے سانچے میں نہ ڈھال سکے۔''

یقین پر آنچ آتے دیکھ کر امی کی ممتا ڈھال بن کر یقین کے دفاع کو کھڑی ہو گئی۔

''معاف کیجئے گا۔ آپ کی بہو بیگم ان عورتوں میں سے نہیں تھیں جو شوہر کی مرضی پر چلتی ہیں۔''

یقین سے اپنی محبت کے ہاتھوں امی بھول گئیں کہ ابھی ذرا دیر پہلے ہی تو وہ جویا کو باعزت بری کر چکی تھیں۔

''عورت کوئی بھی مرد کے اشاروں پر نہیں چلنا چاہتی، یہ مرد کا کام ہے کہ وہ اپنی مرضی کے موافق بنائے اسے..... مردانگی یہ نہیں کہ طلاق، طلاق، طلاق کہہ آئے..... مردانگی یہ ہے کہ مرد ایک سرکش اور بے لگام عورت کو اپنی مرضی کا تابع بنائے۔''

''مار پیٹ اور گالم گلوچ ہمارے خاندان کا شیوہ کب ہے؟''

''مگر انہوں نے تو اس روایت کا بھی پاس نہ رکھا۔''

''اس کی اماں کی اس الزام تراشی کے بعد کہ مار پیٹ کی جاتی ہے، بس ایک دفعہ ہی ہاتھ اٹھایا تھا میں نے۔'' یقین جو بہت دیر سے چپ تھا اپنے دفاع میں بولا۔

''اصل میں سارا فساد تو دلہن کی اماں کا ہے۔'' امی نے کہا۔

''بجا..... سو فی صد بجا بیگم صاحبہ!'' بیا بتدریج دھیمے پڑتے جا رہے تھے۔ ''میری تشخیص بھی یہی ہے..... بلکہ سچ پوچھئے تو بہو کا مرض ہی فقط یہ تھا ورنہ میرے خیال میں وہ اتنی بری نہ تھیں کہ ان سے رشتہ ہی ختم کر لیا جاتا۔''

''ہاں بیٹا!'' امی نے یقین کی طرف دیکھتے ہوئے بیا کی تائید کی۔ ''یہ تو ٹھیک کہہ رہے ہیں تمہارے بیا۔'' امی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری پھر کہا۔ ''بہت سوں کی بہوؤں سے بہتر تھی ہماری بہو۔''

''ہوں!'' بیا کے چہرے پر دکھ آمیز طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ ایک گہرا سانس کھینچ کر بولے۔ ''انسان کی قدر اس کے دور جانے یا مرنے کے بعد ہی آتی ہے۔''

یقین کے دل میں درد کی لہریں ٹھاٹھیں مارنے لگیں۔

امی کی آنکھیں پھر بھیگ گئیں۔

''میرا دل تو یہ سوچ سوچ کر ڈوبے جا رہا ہے کہ میری مریم کا کیا ہوگا اور..... اور اس معصوم کا کیا ہوگا جو ابھی اس دنیا میں آیا بھی نہیں۔'' امی نے رقت آمیز لہجے میں کہا اور منہ پر دوپٹہ ڈھانپ کر پھر رونے لگیں۔

بیا ان کے نزدیک گئے اور ان کا شانہ دھیرے دھیرے تھپتھپاتے ہوئے انہیں دلاسا دینے کی کوشش کرتے ہوئے بجیا سے جو بہت آزردہ اور شرمندہ سی بیٹھی تھیں، بولے۔ ''بیٹی! اپنی امی کو ان کے کمرے میں لے جاؤ ورنہ ٹینشن لے کر یہ اپنی طبیعت خراب کر لیں گی۔''

''چلئے امی!'' بجیا نے آہستہ سے کہا۔

خود اپنی آواز بجیا کو دنیا کے دوسرے کنارے سے آتی محسوس ہو رہی تھی!

☆=====☆=====☆

جویا کے میکے میں موت کا سا سماں تھا۔

زویا نے سارہ آپا کو فون کر دیا تھا۔

ابا کے آنے کے گھنٹہ بھر بعد بھیا بھی دکان بند کر کے گھر آ گئے تھے مگر اس وقت تک اماں اور ابا میں تکرار ختم ہو چکی تھی، تاہم دل گرفتگی، تشویش اور پچھتاوے تھے، سوچتے تھے۔ صورت احوال علم میں آنے پر بھیا خاصی ترشی سے بولے۔ ''خاندان میں کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہے ہم۔''

''کیوں، خاندان میں اس سے پہلے کسی لڑکی کی اس کے میاں سے علیحدگی نہیں ہوئی ہے کیا؟'' اماں تیور بگاڑ کر بولیں۔

بھیا سمجھ گئے کہ اماں کا اشارہ بڑی پھوپی کی بیٹی نرگس کی طرف تھا جسے دو سال پہلے طلاق ہو گئی تھی۔

''ہاں ہوئی ہے۔'' بھیا منہ بگاڑ کر بولے۔ ''لیکن انجام بھی دیکھ لیں۔ نرگس کے میاں کا تو کچھ نہیں بگڑا، ٹھاٹ سے دوسری شادی کر لی اس نے..... نقصان میں نرگس ہی رہی..... پوچھتا ہے اسے کوئی اب..... خود تو خوار ہوئی، اپنے ساتھ تین بچوں کا مستقبل بھی تاریک کر دیا..... کل جب اس کی بچیوں کی شادی بیاہ کا وقت آئے گا تو کون شادی کرے گا طلاق یافتہ ماں کی بیٹیوں سے۔''

''کیوں؟'' اماں جو کل تک نرگس کی بدزبانی اور پھوہڑپن کے قصے دہراتی نہ تھکتی تھیں، نظر بگاڑ کر بولیں۔ ''اللہ نہ کرے، کیا عیب ہے نرگس میں..... ٹھیک ہے، نہیں بن سکی میاں سے اس کی،

بس ہو گئی طلاق۔"

"خیر...... میں بحث نہیں کرنا چاہتا...... یہ تو وقت دکھائے گا آپ کو۔" بھیا نے آخری فقرہ ذو معنی لہجے میں ادا کیا۔

"مجھے کیوں دکھانے لگا۔" اماں تڑپ کر بولیں۔ "سب سمجھتی ہوں، میں تمہارا مطلب...... نرگس پر بات رکھ کر بہن کو ستا رہے ہو...... ارے تم جیسے بھائی ہوں نا سب کے تو بہنیں بے چاری میاں اور سسرال والوں کے ظلم کی بھینٹ چڑھ جائیں۔"

"ظلم! ظلم؟ ظلم! خواہ مخواہ کا پروپیگنڈا!" بھیا بھڑک کر بولے۔ "ظلم سہنے والیوں کی یہ صورتیں نہیں ہوتیں جو آپ کی بیٹی کی ہے۔"

"میری بیٹی تمہاری بھی کچھ لگتی ہے کہ نہیں؟" اماں غصے سے بولیں۔

"ارے بھئی بات کو کیوں بڑھا رہی ہو۔" ابا نے جواب تک چپ چاپ سن رہے تھے، مداخلت کی۔

"بات میں بڑھا رہی ہوں یا آپ کا بیٹا میرے زخموں پر نمک پاشی کر رہا ہے۔" اماں نے تیوری پر بل ڈال کر ابا کو دیکھا۔

"میرا بیٹا تمہارا بھی کچھ لگتا ہے۔" ابا نے اماں کا ادھار چکانے کی کوشش کی۔

"میرا کچھ لگتا ہوتا تو اس وقت میرے درد کا احساس کرتا...... میرا دکھ بانٹتا...... میرے زخموں پر نمک نہ چھڑکتا۔"

"جو دکھ خود مول لیے جائیں، انہیں کوئی نہیں بانٹتا۔" بھیا بولے۔

"اس سے کہہ دیں، میرے منہ نہ لگے۔" اماں نے ابا کی طرف مدد طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے بھیا کے لیے تنبیہی لہجے میں کہا۔

بھیا نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا مگر ابا ان کے بولنے سے پیشتر ہی خود بولے۔ "میاں کیوں بات بڑھاتے ہو۔"

"بات بڑھانے کی بات نہیں ابا...... اماں نے جویا کو خود شہ دے کر گھر بٹھایا۔"

"یہ تم نہیں بول رہے، تمہاری بیوی نے تمہارے منہ میں اپنی زبان رکھ دی ہے...... اس نے بھر رکھے ہیں تمہارے کان۔"

"ارے بھئی، اس بے چاری کے پیچھے کیوں پڑتی ہو۔"

"بے چاری!" اماں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "جتنی بے چاری ہے، وہ میں خوب سمجھتی ہوں۔"

جویا اور زویا باہر برآمدے میں اماں کے کمرے سے کان لگائے کھڑی تھیں اور بھابی اپنے کمرے میں بیٹھی کن سوئیاں لے رہی تھیں۔

"شکر کریں کہ ایک بہو تو اچھی مل گئی آپ کو۔" بھیا بولے۔

کن سوئیاں لیتی بھابی کو خوشی ہوئی کہ میاں ان کی حمایت لے رہے تھے۔

اماں بھیا کے طنز کو پا گئیں کہ وہ طارق کی بیوی کی نا خلفی کا طعنہ دے رہے تھے انہیں۔

جویا کو شرمندگی ہوئی کہ اس کی وجہ سے اماں کو بھیا کی کتنی باتیں سننی پڑ رہی تھیں۔

دفعتاً اطلاعی گھنٹی کی آواز نے ان سب کو اپنی اپنی جگہ چونکا دیا۔

"شاید آپا آئی ہوں یا پھر ہو سکتا ہے کہ آپ کی سسرال سے کوئی آیا ہو۔" زویا نے جویا کی طرف دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا اور برآمدے سے صحن کی طرف لپکی۔

جویا بے پاؤں برآمدے سے کمرے میں چلی گئی۔

زویا نے دروازہ کھولا تو سارہ آپا کو بچوں کے ساتھ دروازے پر کھڑے پایا۔

"اماں کہاں ہیں؟" آپا نے گھر میں داخل ہوتے ہی پوچھا۔

"اپنے کمرے میں۔" زویا نے بتایا۔

"اور جویا؟"

"وہ میرے کمرے میں ہیں۔"

"تم لوگ زویا آنٹی کے پاس ٹھہرو۔" آپا نے بچوں سے کہا اور خود زویا کے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

"آنٹی! کیا ہوا ہے؟" بچوں نے قدرے تشویش سے پوچھا۔

"کچھ نہیں...... کچھ بھی تو نہیں......" زویا نے انہیں ٹالنے کی کوشش کی، پھر بولی۔ "اچھا یہ بتاؤ، کچھ کھانا پینا ہے؟" اس کے خیال میں بچوں کو بہلانے اور ان کا دھیان بنائے رکھنے کی یہ بہترین تدبیر تھی۔

بچوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور معنی خیز انداز میں مسکرا کر زویا کی طرف دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"او کے...... تو چلو کچن کی طرف چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں، کیا ہے وہاں آپ کے کھانے پینے کے لیے۔"

زویا کے کمرے میں جویا، سارہ آپا کے سینے سے لگی گھٹ گھٹ کر رو رہی تھی اور آپا دل گرفتہ لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ "اسی لیے سمجھاتی تھی میں تمہیں کہ اپنا بھلا برا خود سمجھو اور عقل سے کام لو۔"

عقل سے کام لینے کا وقت گزر چکا تھا۔

اب تو پچھتاوے تھے اور بس!

جویا سے مل کر سارہ آپا اماں اور ابا کی طرف چلی گئیں۔

آپا کے جانے کے بعد وہ کمرے کی کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔

رات پہلے بھی اندھیری ہی ہوا کرتی تھی مگر آج......!

جتنی اندھیری آج تھی رات اتنی شاید پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔

پچھتاوے اسے کچوکے دینے لگے۔

کتنی چھوٹی چھوٹی سی باتیں تھیں جن پر وہ اپنا گھر بگاڑ بیٹھی تھی۔

سو طرح کا آرام تھا، اسے اس گھر میں۔

ہر وہ راحت میسر تھی جس کی اس جیسی متوسط گھرانے کی کوئی لڑکی شادی کے بعد متمنی ہو سکتی تھی۔

عزت حاصل تھی، اسے اس گھر میں۔

اپنی مرضی کی مختار تھی، وہ وہاں۔

برائے نام ذمے داریوں کے عوض اسے سو طرح کے حقوق حاصل تھے۔

بجا کہ اس گھر میں سبھی خیر خواہ نہ تھے اور جو خیر خواہ تھے تو وہ سو فی صد نہ تھے مگر پھر بھی یہاں سے لاکھ بہتر تھا وہاں۔

وہاں اگر وہ کسی ایک کی سنتی تھی تو دو کو سنا بھی دیتی تھی۔

کسی اور پر نہ سہی یقین پر تو اپنے دل کی بھڑاس نکال ہی لیتی تھی۔

مگر یہاں......!

یہاں تو بھیا نے جب سے وہ آئی تھی، منہ چڑھا رکھا تھا اور آج بھی کس قدر برہمی کا اظہار کیا مگر وہ ایک لفظ نہ بول پائی نہ پہلے نہ آج۔

کہتی بھی تو کیا اور کس برتے پر!

یہ گھر اور اس گھر کے لوگ تو جیسے پرائے ہو گئے تھے اس کے لیے۔

آج شام یقین کے جانے کے بعد سے تو ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا اسے۔

شرم آ رہی تھی اسے اس گھر میں رہتے ہوئے۔

اپنا گھر بری طرح یاد آ رہا تھا اسے۔

''اپنا گھر!''

اس گھر میں تو اس نے اپنی نادانی سے دراڑیں ڈال دی تھیں۔

اس کا دل دھڑکنے لگا۔

کتنے بھی برے سہی پھر بھی اچھے تھے وہ سب لوگ۔

بھیا کی طرح دو ٹکے کی اوقات تو نہ کر کے رکھتے تھے اس کی۔

یقین کیسا ہی بے مہر سہی اپنا تو تھا۔

اسے پچھتاووں نے آ گھیرا۔

کاش! میں اماں کے کہنے میں آ کر یہاں نہ آ بیٹھی ہوتی۔

مگر اب کیا ہو سکتا تھا!

جو ہونا تھا، وہ تو ہو چکا تھا۔

اندھیرے میں نظریں دوڑاتے ہوئے اسے ہول سا محسوس ہونے لگا۔

کیسی مہیب تھی یہ تاریکی!

اس کے مستقبل کی طرح!

کون جانے آئندہ کیا ہونے جا رہا تھا!

اسے اس خیال سے وحشت سی ہونے لگی کہ کل جب وہ اپنے ماتھے پر طلاق یافتہ ہونے کا لیبل لگا کر معاشرے میں نکلے گی تو لوگ کیا کہیں گے!

کیسی کیسی باتیں بنائیں گے!

اسے ڈر لگنے لگا۔

اچانک اس کے دل سے خوف و وحشت کی ایک لہر اٹھی اور شکم میں پھیل گئی۔

اسے اپنے شکم میں تکمیل کے مراحل طے کرتے اس بچے کی بدبختی پر ملال ہونے لگا جس کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی اس کے ماں باپ کے درمیان ایک خلیج حائل ہو گئی تھی!

ایک سرد آہ کھینچتے ہوئے وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ گئی۔

مسہری کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے ذرا کی ذرا تھم کر بتی بجھائی پھر منہ لپیٹ کر نیم جان سی بستر پر لیٹ گئی۔

سچ کہا ہے کسی نے کہ نیند سولی پر بھی آ جاتی ہے۔

تادیر کروٹیں بدلنے کے بعد بالآخر اسے بھی نیند آ ہی گئی۔

مریم اس کے پہلو میں نہ تھی مگر اس کا خیال سوتے سوتے بھی اس کے دل سے چمٹا ہوا تھا۔

☆=====☆=====☆

رات گئے درد کی ایک لہر نے جویا کو نیند سے جگایا تو ہر سو ہو کا عالم تھا۔ زویا اس سے ذرا پرے گہری نیند سو رہی تھی۔

اپنے پہلو کو مریم کے ننھے سے وجود کی حدت سے محروم پا کر جویا ذرا دیر کے لیے اس درد کو بھول گئی جس نے اسے نیند سے جگایا تھا۔

اس کے دل میں کسک سی ہوئی۔

خدا جانے مریم کس کے پاس سو رہی ہو گی؟

آہ! کس بے رحمی سے یقین اسے چھین کر لے گیا تھا۔

پتا نہیں، مستقلاً وہ کس کے پاس رہے گی؟

قانون خدا جانے کیا کہتا ہے؟

سنا ہے کہ لڑکا یا شاید...... لڑکی ماں کے پاس رہتی ہے۔

نہ جانے کیا فیصلہ ہو گا؟

بہر حال فیصلہ جب ہو گا تب ہو گا، مریم اس وقت اس کے پاس نہ تھی۔

دل میں چبھن سی ہوئی اور خوف و وحشت کے مرغولے اس کے پیٹ میں پھیلنے لگے۔

درد کی ایک ویسی ہی لہر اٹھی۔

یہ درد انجانا نہ تھا!

مگر ڈاکٹر کی دی ہوئی تاریخ تو ابھی چھبیس دن دور تھی۔

درد آہستہ آہستہ بڑھنے لگا۔

وہ بے چین ہو کر اٹھ بیٹھی۔

ڈیڑھ دو گھنٹے تو وہ خاموشی سے سہتی رہی لیکن پھر برداشت کا یارا نہ رہا۔

اس نے زویا کو پکارا۔

تیسری چوتھی آواز پر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور اسے بیٹھے دیکھ کر اس کی طرف لپکی۔

"کیا ہوا بجو؟" اس نے پوچھا۔

وہ کراہی۔

"کیا ہوا؟" زویا کے لہجے میں انتہائی تشویش تھی۔

"آپا چلی گئیں؟" اس نے پوچھا۔

"وہ تو چلی گئی تھیں رات ہی کو...... جاتے ہوئے دوبارہ یہاں آئیں تو آپ سو چکی تھیں۔"

زویا نے بتایا۔

"ذرا...... اماں کو تو جگا دو۔"

"خیریت؟"

"ہاں! ہاں...... ذرا اٹھا دو انہیں...... میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔"

زویا نے اماں کو جگا کر انہیں جویا کی طبیعت خراب ہونے کی اطلاع دی تو وہ گھبرا کر اس کے کمرے کی طرف لپکیں۔

احوال پوچھا تو آثار نے کہا، بے موقع ہی کچھ گڑبڑ تھی۔

رات کا پچھلا پہر!

اسپتال جانے کی ضرورت!

گاڑی نہ گھر میں موجود نہ باہر مین روڈ پر پہنچنے سے پہلے ملنے کا امکان!

اور مین روڈ گھر سے تقریباً ڈھائی تین فرلانگ دور!

پہلے اماں نے سوچا، کسی کو جگا کر آس پڑوس میں کسی سے مدد مانگی جائے لیکن پھر سارہ آپا کو بلانا زیادہ بہتر سمجھا۔

ابا نے کہا۔ "اتنی رات کو وہ بھلا کیسے آئے گی؟"

"آ جائے گی...... وہ آپ مردوں سے زیادہ بہادر ہے۔" اماں بولیں۔

"اور بچے!"

"انہیں بھی ساتھ لے آئے گی...... یہاں چھوڑ دے گی انہیں۔"

"بھئی، الٹے بانس بریلی کیوں...... میں جا کر مین روڈ سے کوئی گاڑی پکڑ لاتا ہوں۔"

"جتنی دیر میں آپ آئیں گے، اتنی دیر میں سارہ بھی آ جائے گی۔"

"صاحب زادے کو جگائے لیتا ہوں۔"

"نہیں...... کوئی ضرورت نہیں ہے...... یاد نہیں رات کتنی باتیں سنائیں اس نے مجھے۔" اماں

نے تیوری چڑھاتے ہوئے ابو کو دیکھا پھر زویا سے بولیں۔ "زویا ذرا سارہ کا نمبر تو ملا کر دے مجھے۔"

"اچھا اماں!"

"جویا اس وقت اپنے گھر ہوتی تو اتنی پریشانی تو نہ ہوتی۔" ابا بولے۔

"بس...... موقع ملتے ہی طعنے دینا شروع ہو گئے نا۔" اماں نے ابرو چڑھائی۔

"طعنے کا کیا سوال، ایک بات کر رہا ہوں۔"

"اچھا...... اچھا......" اماں کو ابا کی بات بری لگی۔

زویا نے آپا کا نمبر ملا کر ٹیلی فون کا ریسیور اماں کو پکڑا دیا۔

گھنٹی بجتی رہی مگر فون کسی نے نہ اٹھایا۔

اماں نے دوبارہ نمبر ملوایا۔

سہ بارہ ملوایا۔

جواب ندارد!

"اللہ جانے کیا بات ہے...... کیوں نہیں اٹھا رہا کوئی فون؟"

"ہو سکتا ہے، خراب ہو۔" ابا نے قیاس ظاہر کیا۔

"کیا کریں؟" اماں بے بسی سے بولیں۔

"میں مین روڈ سے ٹیکسی پکڑ لاتا ہوں۔"

"جائیں تو پھر جلدی کریں۔"

جویا کو ایک ایک لمحہ گزارنا دوبھر ہو رہا تھا۔

اپنے گھر میں ہوتی تو اب تک یقیناً اسے اسپتال لے جایا جا چکا ہوتا۔

ابا کے جانے کے بعد زویا دبی زبان میں اماں سے بولی۔ "بھائی کو جگا دوں اماں...... وہ بھی ساتھ چلے جائیں گے۔"

"نہیں...... کوئی ضرورت نہیں...... بھائی کے منہ میں بھابی کی زبان رات سنی نہیں تھی کیا؟"

اماں نے ناگواری سے کہا۔

"نہیں اماں، بھابی ایسی نہیں ہیں۔" زویا نے آہستہ سے کہا۔

"چپکی رہ۔" اماں نے ڈانٹا۔ "بحث مت کیا کر مجھ سے۔"

ابا کو جانے اور ٹیکسی لے کر واپس آنے میں کافی دیر لگی۔ ٹیکسی ملی بھی تو ایسی جس کے انجر پنجر ڈھیلے تھے مگر ڈرائیور تیز رفتاری کا عادی معلوم ہوتا تھا۔

اسپتال پہنچنے پر ڈیوٹی ڈاکٹر نے معائنے کے بعد بتایا کہ بچہ قبل از وقت ہی دنیا میں آنے کے لیے تیار تھا اور ولادت میں کچھ زیادہ دیر نہ تھی۔

جویا کو وسوسوں نے آ گھیرا۔

پتا نہیں کیا ہو گا؟

بچہ صحیح سلامت بھی ہو گا کہ نہیں؟

خدانخواستہ کوئی ڈی فارمیٹی نہ ہو۔

لیبر روم میں آہنی پارٹیشن کے دوسری طرف بھی ایک نوجوان لڑکی پہلی بار دردزہ سہہ رہی تھی۔

اس کی جیٹھانی اس کے پاس تھی۔ گو کمرے میں مردوں کا داخلہ ممنوع تھا لیکن ڈاکٹرز اور نرسوں کی نظر بچتے ہی اس کا شوہر کمرے میں در آیا۔ لڑکی کے پاس موجود اس کی جیٹھانی کمرے سے باہر چلی گئی اور پارٹیشن کے دوسری طرف سے دھیمی دھیمی سرگوشیاں سنائی دینے لگیں۔

لڑکی کہہ رہی تھی۔ "میں نے نرس سے کہا، میں ڈلیوری روم میں اس شرط پر جاؤں گی کہ میرے ہسبنڈ بھی میرے ساتھ ہوں۔"

"پھر کیا بولی وہ؟" شوہر نے بے تابانہ پوچھا۔

"اس نے مجھے ڈانٹ دیا۔"

"یار! یہ لوگ تو ادھر لیبر روم میں بھی نہیں آنے دیتے، میں تو پتا نہیں، کس طرح چکر چلا کر آ جا رہا ہوں۔"

"امین...... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" لڑکی بولی۔

"ڈرنے کی کیا بات...... میں ہوں نا تمہارے پاس۔"

جویا جوان کی سرگوشیاں سننے کی خاطر سکاریوں کو منہ میں گھونٹے پڑی تھی۔ مضطرب ہو کر رہ گئی۔

یقین کی کمی کا احساس اس کے دل کو اپنی مٹھی میں دبوچنے لگا۔

آہ!

کہاں تھا وہ؟

کاش! اس وقت وہ اس کے سرہانے موجود ہوتا اور اسی طرح اسے دلاسا دیتا، جیسے پارٹیشن کے دوسری طرف اس لڑکی کا شوہر اسے دے رہا تھا۔

جویا کی آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے۔

اماں شاید ابا سے کچھ بات کرنے باہر گئی ہوئی تھیں۔

دفعتاً شدید درد کی ایک لہر اٹھی اور جویا نے کمرے میں پارٹیشن کے اس طرف ایک غیر مرد کی موجودگی کے باوجود ایک فلک شگاف چیخ ماری۔

پارٹیشن کے اس طرف موجود نوجوان سرعت سے لیبر روم سے نکل گیا۔

اماں لپکی ہوئی کمرے میں پہنچیں۔

اماں کے پہنچنے تک وہ دوسری چیخ مار چکی تھی۔

اس کے شکم میں نمو پانے والی ننھی سی جان دنیائے رنگ و نور میں قدم رنجہ فرمانے کے لئے بے قرار تھی۔

جاں گسل لمحے بالآخر گزر ہی گئے۔

نئی زندگی کی پہلی صدا کان میں پڑتے ہی وہ بھول گئی کہ ابھی ایک لمحہ پہلے وہ کس کرب سے

دوچار تھی۔

وہ اس وقت سب کچھ بھول گئی تھی اور صرف یہ جاننا چاہتی تھی کہ اس کے بطن سے جنم لینے والا وجود بیٹا تھا یا بیٹی!

اس نے سوالیہ نگاہوں سے ڈاکٹرز اور نرسوں کو دیکھا۔

"ریلیکس۔" ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے اس کا شانہ تھپتھپایا۔

اس کی نگاہوں میں بدستور وہی سوال تھا۔

"بیٹا ہوا ہے۔" اسے رسانیت سے بتایا گیا۔

اس کے رگ و پے میں مسرت کی ایک ناقابل بیان لہر دوڑ گئی۔

اس کا دل جھوم اٹھا۔

در و دیوار تک اسے مبارکباد دے رہے تھے۔

یقین!

یقین!

یقین!

کہاں ہو تم یقین؟

اس کا رواں رواں اسے پکار رہا تھا۔

دیکھو

دیکھو تو سہی، میں تمہارے بیٹے کی ماں بن گئی ہوں۔

آہ!

کہاں ہو تم یقین؟

اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

بہت بڑی خوشی ملی تھی اسے مگر یقین کے بنا یہ خوشی ادھوری لگ رہی تھی۔

وہ ہوتا اس وقت یہاں تو کتنا خوش ہوتا!

وہی کیا سب بہت خوش ہوتے۔

ڈلیوری روم سے باہر ایک نرس بچے کو اماں کو دکھاتے ہوئے مبارکباد دے رہی تھی۔

"ایک منٹ...... ایک منٹ سسٹر، میں ذرا بچے کے نانا کو بلا لوں۔"

"اس کا باپ کہاں ہے؟"

"وہ...... وہ باہر گیا ہوا ہے۔" اماں نے بات بنائی اور ابا کو خوشخبری سنانے کے لئے لپکیں۔

جویا کو ریکوری ہال میں لے جانے کی تیاری ہو رہی تھی اور وہ آنکھیں بند کئے ایک غیر یقینی اور مبہم مستقبل کے خوف سے ڈر رہی تھی۔

پتا نہیں، قانون کیا کہتا ہے؟

کیا میرا بچہ اپنے باپ کی محبت سے محروم رہے گا؟

اور اگر قانون نے اسے باپ کے حوالے کر دیا تو......؟
"تو" کے آگے اَن گنت سوالیہ نشان تھے۔

☆=====☆=====☆

ابا فجر کی نماز کے بعد گھر واپس ہوئے تو زدیا نے دروازہ کھولا۔
اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتی، ابا نے کہا۔ "بھانجا مبارک ہو۔"
"بھانجا!" زدیا نے حیرانی سے کہا۔
"ہاں۔"
اوہ تو صاحب زادے وقت سے پہلے ہی تشریف لے آئے تھے۔
شاید اپنی ماما اور بابا کے جھگڑے سے خوف زدہ ہو کر!
گزشتہ رات سارہ آپا کے آنے کے بعد جب اماں، ابا، بھیا، بھابی اور سارہ آپا سر جوڑ کر بیٹھے اور وہ سب کے لیے چائے بنا کر لے گئی تو یہ نکتہ موضوع گفتگو بنا ہوا تھا کہ یقین نے دو طلاقیں دی تھیں، صلح کی گنجائش تھی۔
"ابا! بھیا اور بھابی کو جگاؤں؟"
"اب جاگنے کا وقت ہو ہی گیا ہے...... جاگیں گے تو بتا دینا۔"
"بجو کی سسرال والوں کو بتائیں گے ابا؟"
"بتانا تو چاہیے لیکن......"
"لیکن کیا ابا؟"
"یہ کام تمہاری اماں کو کرنا چاہیے۔"
"ٹھیک ہے۔" وہ بولی۔ "سارہ آپا کا تو شاید فون خراب ہے...... آپ لوگوں کے جانے کے بعد میں نے کئی دفعہ ان کا نمبر ملایا مگر کسی نے کال ریسیو ہی نہیں کی...... گھنٹی بجے جاتی ہے۔"
"پھر ملا کر دیکھو۔"
"تھوڑی دیر پہلے ہی ملایا تھا ابا...... زہرا باجی کو فون کر کے ان سے کہتی ہوں کہ وہ آپا کا نمبر ملائیں، ہو سکتا ہے ادھر سے مل جائے۔"
"زہرا ابھی سو رہی ہوگی، اطمینان سے فون کر دینا اسے تو۔"
"جی اچھا...... چائے بناؤں آپ کے لیے؟"
"ابھی نہیں...... تھوڑی دیر لیٹوں گا...... اگر سو جاؤں تو جگا دینا...... تمہاری اماں کے لیے ناشتہ پہنچانا ہے۔"
"ٹھیک ہے ابا!"
چھ سوا چھ بجے بھابی جاگیں تو زدیا نے انہیں خوش خبری سنا کر متحیر کر دیا۔
"ارے ہمیں خبر تک نہ ہوئی۔" بھابی بولیں۔
"بس جلدی میں لے گئے، اماں اور ابا انہیں۔"

"خدا کرے، ایسا نیک بخت بچہ ہو کہ ماں باپ میں صلح کرا دے۔"
"بھابی ہو تو سکتی ہے نا صلح؟"
"ہاں...... ایک یا دو طلاقیں دی جائیں تو صلح ہو سکتی ہے...... تین مرتبہ طلاق دے دی جائے تو پھر صلح نہیں ہو سکتی...... اچھا یہ بتاؤ جویا کی سسرال میں خبر کی کسی نے؟"
"ابا کہہ رہے تھے، یہ اماں کا کام ہے، وہی کریں گی...... ہاں بھابی، اماں کے لیے ناشتہ بھی بنانا ہے۔ ابا لے کر جائیں گے۔"
"تم ٹفن کیریئر اور تھرماس وغیرہ دھوؤ، میں ابھی آتی ہوں۔"

☆=====☆=====☆

بھابی اور زدیا اماں کے لیے ناشتہ بنا ہی رہی تھیں کہ اسپتال سے اماں کا فون آ گیا۔ خیر و عافیت کے تبادلے کے بعد اماں نے پوچھا۔ "ابا کیا کر رہے ہیں تمہارے؟"
"سو رہے ہیں۔"
"اور میں ناشتے کا انتظار کر رہی ہوں۔"
"بس اماں، تھوڑی دیر میں پہنچ جائے گا آپ کا ناشتہ۔"
"کیوں...... کیا ہوائی جہاز سے بھجوا رہی ہے جو تھوڑی دیر میں پہنچ جائے گا۔"
"اماں، ادھر ناشتہ تیار ہوگا ادھر ابا لے کر نکل پڑیں گے۔"
"بیگم صاحب، جاگ گئیں؟"
"کون اماں؟" اس نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیا۔
"تمہاری بھاوج اور کون؟"
"جی...... جی ہاں...... بہت دیر ہوئی۔"
"خبر سنا دی انہیں؟"
"جی...... کہہ رہی تھیں، مجھے جگا دیا ہوتا، میں بھی ساتھ چلی جاتی۔"
"اونہہ!" اماں ناگواری سے بولیں۔
"اماں، آپ نے بجو کی سسرال فون کیا؟"
"زیادہ بڑی مت بنا کر...... مجھے جس کو کرنا ہوگا، کر دوں گی فون۔"
"زہرا باجی کو بھی نہ کروں؟"
"اسے کر کے بس اتنا کہہ دو کہ جویا کے ہاں بیٹا ہوا ہے...... اور کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں، سمجھیں؟"
زدیا سمجھ گئی کہ اماں طلاق والی بات کو زہرا باجی کی سسرال نہیں پہنچانا چاہتی تھیں۔
مگر کب تک!
کب تک چھپائی جا سکے گی یہ بات!
خدانخواستہ صلح نہ ہوئی تو پتا چل ہی جائے گا سب کو۔

"سارہ کو بتایا؟" اماں نے پوچھا۔

"ان کا تو نمبر ہی نہیں مل کے دے رہا..... آپ ادھر سے کریں، شاید مل جائے۔"

"اچھا ٹھیک ہے مگر پھر بھی احتیاطاً تم اس کے دفتر فون کر دینا۔"

"جی اچھا۔"

بھیا کو خبر بھابی نے سنائی، کوئی اور اس خبر پر ان کا ردعمل نہ دیکھ سکا۔

پونے آٹھ بجے کے لگ بھگ ابا، اماں کے لیے ناشتہ لے کر نکل لئے۔

آٹھ بجے کے بعد اماں کا دوبارہ فون آیا، سارہ آپا سے ان کا رابطہ نہ ہو سکا تھا۔

"اماں، آپ نے یقین بھائی کو بھی فون کیا کہ نہیں؟" اس نے دبی زبان سے پوچھا۔

"تجھے اتنی بے چینی کیوں ہے؟"

"اماں، جب صلح ہو سکتی ہے تو اچھا ہے نا، اسی بہانے صلح ہو جائے۔"

"تو چپکی رہ..... بڑی آئی بڑوں کے معاملات میں دخل دینے والی۔"

سارہ آپا سے ان کے دفتر میں تقریباً نو بجے کے بعد زویا کی بات ہوئی تو آپا نے اس کی آواز سنتے ہی گھبرا کر کہا۔ "خیریت تو ہے؟"

"جی ہاں، سب خیریت ہے..... آپ کا فون ملا ملا کر تھک گئی میں، گھنٹی بجتی رہی، کسی نے اٹھایا ہی نہیں۔"

"فون خراب ہے ہمارا۔"

"میں اماں سے یہی کہہ رہی تھی۔"

"یہ بتاؤ، صبح صبح فون کرنے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟"

"ہم تو پچھلی رات سے فون کر رہے ہیں آپ کو..... جویا بجو کے ہاں بیٹا ہوا ہے۔"

"ارے، کب؟"

"آج صبح پونے چار بجے۔"

"اوہ! بہت اچھی خبر ہے یہ تو۔"

"بھابی کہہ رہی تھیں خدا کرے، ایسا خوش قسمت بچہ ہو کہ اماں ابا کی صلح کرا دے۔"

"آمین!"

"مگر آپا، کوئی بجو کی سسرال میں خبر تو کرے۔"

"وہاں خبر نہیں کی کسی نے؟"

"میں نے اماں سے کہا تھا مگر انہوں نے تو مجھے ڈانٹ دیا۔"

"فکر مت کرو..... میں کرتی ہوں ان لوگوں کو خبر۔"

"شکر ہے خدا کا، آپ سے رابطہ تو ہوا۔"

"او کے زویا..... میں جویا کی سسرال فون کرتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے آپا لیکن....."

"لیکن کیا؟"

"کہیں اماں ناراض نہ ہوں۔"

"اسپتال کا نمبر ہو تو دو مجھے، پہلے میں اماں ہی سے بات کرتی ہوں۔"

☆=====☆=====☆

گزشتہ روز دانستہ یا نادانستہ جو کچھ ہوا، یقین کے دل و دماغ پر اس کا اثر اتنا غالب تھا کہ اگلے روز وہ دفتر بھی نہیں گیا۔ ناشتہ بھی کیا تو انتہائی بے دلی سے۔

یقین ہی کیا، سب دل گرفتہ تھے، یوں جیسے گھر میں اللہ نہ کرے میت ہو گئی ہو۔

مدحت بجیا افسردہ تو تھیں ہی، ایک ناکردہ جرم کا احساس بھی انہیں کچوکے دے رہا تھا۔ امی کے وہ الفاظ بار بار ان کی سماعت میں گونجنے لگتے کہ جو کچھ ہوا، ان کے فون سننے اور یقین کو بتانے کی وجہ سے ہوا۔

اپنے دل پر لے لیے تھے انہوں نے امی کے وہ الفاظ!

جب یاد کرتیں، دل دکھنے لگتا۔

شرمندگی سی ہونے لگتی۔

جبکہ امی تو کہہ کر شاید بھول گئی تھیں ورنہ مدحت بجیا کے ساتھ ان کے رویے میں کچھ تو تبدیلی نظر آتی۔

صبح جب وہ حسب معمول یونیورسٹی جانے کے لیے کپڑوں پر استری کرنے لگیں تو امی نے کہا۔ "مدحو، آج گھر ہی میں رہو، کہیں مت جاؤ..... دل بہت پریشان اور طبیعت اداس ہے آج۔"

بجیا تذبذب میں پڑ گئیں۔

دل ان کا بھی بہت پریشان اور طبیعت ان کی بھی بہت اداس تھی۔

آج تو وہ بہر صورت گھر سے باہر جانا چاہتی تھی۔

چند گھنٹوں ہی کو سہی۔

اپنے پیشہ ورانہ فرائض کی انجام دہی سے زیادہ خود کو بہلانے کے لیے!

مگر مشکل یہ بھی تو تھی کہ وہ امی اور ابا کی بہت سعادت مند اور فرماں بردار بھی تھی۔

امی نے جانے سے منع کیا تو بمشکل چند لمحے متذبذب رہنے کے بعد وہ ہمیشہ کی طرح فرماں برداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولیں۔ "جی..... ٹھیک ہے۔"

سو آج بجیا بھی گھر پر ہی تھیں۔

مگر سب کے گھر میں ہونے کے باوجود گھر پر اداسی کے سائے منڈلا رہے تھے!

غنیمت تھا کہ مریم امی اور ابا کے پاس تھی اور اس نے اپنی معصوم اداؤں سے انہیں بہلا رکھا تھا لیکن بار بار وہ اپنی ماں کو یاد کر چکی تھی اور اس کے پاس جانے کی فرمائش بھی۔

نو پونے نو بجے کے لگ بھگ جب ابا حسب معمول موجو کے ہمراہ سودا سلف لینے کے لیے بازار چلے گئے تو امی مریم کو لاؤنج میں لے گئیں جہاں یقین پہلے ہی سے بیٹھا تھا۔ اسے چپ چاپ

دیکھ کر امی کو تکلیف ہوئی۔

ہائے! کتنا لٹا لٹا سا لگ رہا تھا وہ، جیسے طلاق جویا کو نہیں خود اسی کو ہوئی ہو۔

امی نے مریم کو اس کے پاس بٹھایا اور خود بھی یوں خاموش بیٹھ گئیں، جیسے کسی کی موت پر پرسہ دینے کے لیے آنے والے بیٹھا کرتے ہیں۔

خدا جانے کون بدنصیب ہوتے ہوں گے وہ لوگ جو بہوؤں کو بیٹوں سے چھڑوا کر خوش ہوتے ہوں گے!

یقین مریم سے باتیں کرنے اسے کھلانے اور بہلانے میں لگ گیا مگر امی کی جہاندیدہ نگاہوں نے بھانپ لیا کہ وہ مضطرب اور دل گرفتہ تھا۔

مریم کو بہلانے اور کھیل کھلانے سے زیادہ وہ خود کو بہلانے کی کوشش کرتا نظر آ رہا تھا۔

امی سے اس نے نظریں چرا رکھی تھیں اور امی کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ اس سے کیا بات کریں، خاموشی انہیں چبھ رہی تھی۔

بجیا چائے لائیں تو منہ سے ایک لفظ بولے بغیر ایک پیالی امی کے سامنے اور ایک یقین کے نزدیک ہی چھوٹی میز پر رکھ کر چپ چاپ چلی گئیں۔

یوں لگ رہا تھا، جیسے سب گونگے ہو گئے تھے۔

بابا بازار سے لوٹے تو انہوں نے خاموشی کو زبان دے دی۔

''ہاں بھئی، کیا ہو رہا ہے؟'' انہوں نے کن انکھیوں سے یقین کی طرف دیکھتے ہوئے امی سے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

امی نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے مریم کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''سوچ رہی ہوں، اس معصوم کا کیا ہوگا؟''

بابا ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے امی کے نزدیک بیٹھ گئے اور بولے۔ ''ہونا کیا ہے...... وہی ہوگا جو علیحدہ ہونے والے والدین کے بچوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔''

امی نے گھٹی گھٹی سی ایک سرد آہ کھینچی۔

''طلاق کو کھیل سمجھ لیا ہے لوگوں نے حالانکہ......'' بابا کے لہجے سے غصہ اور خفگی جھلک رہی تھی۔ قدرے توقف سے انہوں نے مزید کہا۔ ''خدا کے نزدیک یہ عمل جائز ہوتے ہوئے بھی ناپسندیدہ ہے۔''

''دلہن کے گھر سے کوئی آیا گیا بھی نہیں۔''

''کم وہ لوگ بھی نہیں ہیں...... انتہائی عاقبت نااندیش!''

''نوٹس تو ادھر سے پہلے ہی بھجوایا جا چکا ہے...... اب تو مہر، جہیز اور بچوں کا مسئلہ اٹھائیں گے وہ لوگ۔''

''بالکل اٹھائیں گے۔''

''سوا لاکھ مہر ہے...... کون دے گا!''

''طلاق دینے والا اور کون۔''

یقین نے پہلو بدلتے ہوئے بابا کی طرف دیکھا۔

سوا لاکھ!

وہ اگر بک بھی جاتا تو سوا لاکھ روپیہ مہر ادا نہ کر پاتا۔

دفعتاً ٹیلی فون کی گھنٹی نے امی، بابا اور یقین تینوں کو چونکا دیا۔

یقین جوں کا توں بیٹھا رہا۔

دوسری گھنٹی بجی۔

بابا نے اٹھ کر کال ریسیو کی۔

''اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو آپ بابا بات کر رہے ہیں'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

''جی بالکل درست...... مگر آپ کون؟''

''میں سارہ بات کر رہی ہوں...... جویا کی بڑی بہن۔''

''اچھا...... اچھا...... اچھا'' بابا تپاک سے بولے۔

''کون ہے؟'' امی نے بابا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

بابا نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ دھرتے ہوئے امی کو بتایا۔ ''یقین کی بڑی سالی سارہ ہیں۔''

یقین چونکا۔

امی اپنی جگہ سے اٹھ کر بابا کے نزدیک آ کھڑی ہوئیں اور یوں کان لگا دیے جیسے سارہ کی آواز سن ہی تو رہی تھیں۔

''ایک خبر سنانی تھی آپ کو۔'' سارہ آپا نے کہا۔

''کیا کہہ رہی ہیں ماسٹر صاحب!'' امی نے تجسس سے پوچھا۔

بابا نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ دیا اور فون پر بولے۔ ''جو خبر آپ سنانا چاہتی ہیں، اس نے کل شام سے جملہ اہل خانہ کو مضمحل کر رکھا ہے۔''

''آپ کون سی خبر کی بات کر رہے ہیں۔''

''اپنے صاحب زادے کی حماقت اور...... برا مت مانیے گا...... آپ کے گھر والوں کی عاقبت نااندیشی کی...... کاش! انہیں بروکن فیملیز کی تکالیف کا اندازہ ہوتا۔'' بابا تاسف سے بولے۔

''میں نے بھی یقین کو یہی سمجھایا تھا مگر......''

''یقین سے بات ہوئی تھی آپ کی؟''

''جی ہاں...... حال ہی میں ہوئی تھی...... جویا اگرچہ میری بہن ہے مگر مجھے یہ اعتراف کرنے میں عار نہیں کہ غلطی اس کی بھی ہے۔''

''اور ایسے لوگوں کی غلطیوں کا خمیازہ ان کی آئندہ نسلیں بھگتتی ہیں۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ...... بہر حال فی الحال تو یہ خوش خبری سنئے کہ آپ کے ہاں پوتا ہوا ہے۔'' سارہ آپا نے کہا۔

''اچھا!'' بابا کے لہجے میں استعجاب بھی تھا اور سرخوشی بھی اور...... ایک موہوم سا دکھ بھی!

''کیا کہہ رہی ہیں؟'' امی نے پھر بے تابی سے پوچھا۔

''بیگم صاحبہ! پوتے کی دادی بن گئی ہیں آپ۔'' بابا نے بتایا۔

یقین چونکا۔

اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔

''میری طرف سے اور سب گھر والوں کی طرف سے آپ سب کو بہت بہت مبارک۔'' سارہ آپا نے کہا۔

''تھینک یو...... تھینک یو...... آپ سب کو بھی مبارک۔''

''آئیں گے نا آپ لوگ؟''

''کیوں نہیں...... ضرور۔''

''آنٹی سے سلام کہیے گا۔''

''بہتر۔''

''اجازت؟''

''اچھی بات۔''

''خدا حافظ!''

''خدا حافظ...... اور خوش خبری سنانے کا شکریہ۔''

ریسیور رکھنے کے بعد بابا امی کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ بولیں۔ ''میری تو بات کروا دیتے۔''

''منع تھوڑی کیا تھا میں نے...... کر لیتیں آپ بھی بات۔''

بابا نے یقین کی طرف دیکھا۔

وہ یوں کھڑا تھا، جیسے میگھا میں نہا کر بھی پیاسا ہو۔

بابا آگے بڑھے اور اس کے روبرو جا کھڑے ہوئے۔

یقین نے بابا کو ملتجی نظروں سے دیکھا۔

چند ثانیے بابا اسے خفگی باندھے ہمدردانہ نظروں سے دیکھتے رہے پھر اس کے شانے پر اپنا ہاتھ دھر کر بولے۔ ''مبارک ہو!''

بابا کے لہجے سے یوں لگا، جیسے انہوں نے مبارک باد کے بجائے پُرسہ دیا ہو۔

یقین مضطرب سا دکھائی دینے لگا۔

امی نے مریم کو پیار کرتے ہوئے کہا۔ ''بیٹا! بھائی آیا ہے۔''

''بھائی!'' مریم نے معصومیت سے کہا۔

''ہاں...... بھائی۔'' امی اسے اپنے سینے سے چمٹاتی یقین کی طرف بڑھ آئیں اور اسے بابا سے بھی زیادہ ہمدردانہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

یقین کے لبوں پر لرزش سی طاری ہو گئی۔ اس نے مریم کو امی کی گود سے لے کر اپنے سینے سے لگا

لیا اور اس کا گال چوم کر بولا۔ ''اگر یہ سامنے نہ آ گئی ہوتی تو شاید سب کچھ ختم ہو گیا ہوتا۔''

''اب بھی کیا بچا ہے صاحب زادے!'' بابا چبھتے ہوئے لہجے میں بولے۔

یقین خفیف سا ہو کر مسکرا دیا اور مریم کو بے تابانہ چومنے لگا۔

اس کی مسکراہٹ میں معنی خیزی بھی تھی، شرم ساری بھی۔

''بولو کیا بچا ہے؟'' بابا نے قدرے خفگی سے کہا۔

''بابا...... !'' وہ نظریں جھکا کر بولا۔ ''اگر...... اگر...... دو مرتبہ...... طلاق کہی گئی ہو...... تو......؟''

بابا کی نگاہوں میں حیرانی اور خوشی کی ملی جلی کیفیت ہلکورے لینے لگی۔

''کیا؟'' بابا کے اس ایک لفظ میں ایک مکمل سوال پنہاں تھا۔

''جی بابا!'' وہ دھیرے سے بولا۔

''دوسری خوش خبری، بیگم صاحبہ!'' بابا نے معنی خیز نظروں سے امی کی جانب دیکھا۔

''ارے! مدھو اور فرزین کو تو بھتیجے کی خبر سنا دوں۔'' امی نے دروازے کا رخ کرتے ہوئے کہا۔

''اونہوں!'' بابا نے یقین کی موجودگی کا لحاظ کیے بنا خاصی بے تکلفی اور محبت سے امی کا بازو پکڑ لیا اور یقین کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے بولے۔ ''یہ حضرت بنفس نفیس انہیں یہ خوش خبری سنائیں گے۔''

یقین نے معافی طلب نظروں سے بابا کی طرف دیکھا۔

بابا اس کی نگاہوں سے اس کے دل کا بھید تاڑ گئے۔

''جی نہیں۔'' انہوں نے دوٹوک لہجے میں کہا۔ ''کوئی اور نہیں، آپ خود سنائیں گے انہیں یہ خبر...... بالخصوص مدحت کو۔''

یقین متذبذب دکھائی دینے لگا۔

امی کا بازو چھوڑ کر بابا آگے بڑھے اور ایک مرتبہ پھر یقین کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔ ''آدمی کو چاہیے کہ غصے میں بھی رشتوں کا احترام برقرار رکھے۔'' بابا نے توقف کیا پھر کہا۔ ''کل بہن کو ناراض کر دیا تم نے...... بیٹا! بڑی بہن تو ماں کی جگہ ہوتی ہے اور بہن بھی کیسی! کتنا خیال رکھتی ہے وہ تمہارا بلکہ...... ہم سبھی کا۔''

یقین قائل اور شرمندہ سا نظر آنے لگا۔

''جاؤ...... بہن کو یہ خوش خبری سناؤ۔''

یقین ہچکچایا۔

''جاؤ میاں...... روٹھے کو منانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اسے اپنی خوشیوں میں شریک کرنے کی کوشش کی جائے۔''

یقین [illegible]

"ارے بیٹے ماسٹر صاحب، یہ بھلا کیا جائیں گے...... میں خود جا کر سناتی ہوں، سب کو یہ خوش خبری۔"

"نہیں...... نہیں، بیگم صاحبہ...... یقین میاں خود جا کر سنائیں گے...... جاؤ...... جاؤ میاں۔"

بابا نے یقین کو چمکارا اور بولے۔

"جلدی کرو...... صاحب زادے کی رونمائی کو اسپتال بھی جانا ہے۔"

یقین کو ناقابل بیان مسرت کے احساس نے آلیا۔

بیٹے کا باپ بن چکا تھا وہ!

بابا اس کی مسرت کا بخوبی ادراک رکھتے تھے۔

خود یقین کی پیدائش پر وہ بھی تو اتنے خوش ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنی آدھی سے زیادہ تنخواہ احباب و اقارب کو مٹھائی کھلانے میں خرچ کر دی تھی۔ برس ہا برس بعد بھی اس خوشی کی محض یاد ہی انہیں نئی توانائی بخش دیا کرتی تھی۔

پہلی بار بیٹے کا باپ بن کر شاید ہر مرد کا چہرہ اسی طرح دمکنے لگتا ہے، جیسے یقین کا چہرہ دمک رہا تھا اس وقت!

"جاؤ میاں، پھر اسپتال جانا ہے۔" بابا بولے۔

"بابا کسے اسپتال جانا ہے اور کیوں جانا ہے؟" فرزین بابا کی بات سنتا لاؤنج میں داخل ہوا۔

"آپ کے بھتیجے تشریف لے آئے ہیں۔" بابا نے مسکراتے ہوئے فرزین کی طرف دیکھا۔

"خیر سے بھتیجے کے بھی چچا بن گئے ہو۔" امی بولیں۔

"ریئلی!" فرزین نے فوری طور پر خوش گوار ردعمل کا اظہار کیا لیکن پھر کن انکھیوں سے یقین کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "لیکن اب کیا فرق پڑتا ہے امی!"

"صاحب زادے! فرق پڑے گا۔" بابا معنی خیز لہجے میں بولے۔

"کیسے؟ کیسے فرق پڑے گا؟"

"تمہارے بھائی نے سب کچھ ختم نہیں کیا...... اس گھر میں بہو کی واپسی ممکن ہے...... گنجائش ہے اس کی۔"

"بابا!" فرزین نے تیوری پر بل ڈالتے ہوئے کہا۔ "خواہ کچھ ہو بھابی، اب اس گھر میں نہیں آئیں گی۔"

امی، بابا، یقین تینوں چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

☆=====☆=====☆

چند لمحے یوں گزرے جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا تھا۔

پھر یقین نے اس خاموشی کو توڑا۔

"کیوں؟ کیوں نہیں آئے گی وہ یہاں؟" اس نے تیوری پر بل ڈالتے ہوئے خشونت سے فرزین کی طرف دیکھا۔

فرزین اس کی خشونت سے ذرا خائف دکھائی نہ دیا اور برملا بولا۔ "کیونکہ جب سے آپ کی شادی ہوئی ہے، گھر کا ماحول ہی بدل گیا ہے۔"

"کیا بدل گیا ہے گھر کا ماحول؟" یقین نے بھڑک کر کہا۔

"میرا خیال ہے، نہ آپ کو اس قدر انجان بننا چاہیے، نہ مجھے اس سوال کا جواب دینے کی ضرورت ہے جو کچھ ہے سب کے سامنے ہے۔"

"کیا؟ کیا ہے سب کے سامنے؟"

"یہی گھر تھا جہاں ہم سب مل کر بہت خوشی خوشی اور اطمینان کے ساتھ رہا کرتے تھے مگر اب یہاں...... لڑائی جھگڑے، تلخیوں اور رنجشوں کے سوا کچھ نہیں۔"

"فرزین بیٹے۔" بابا نے بات بڑھتے دیکھ کر فرزین کو انتہائی ملائمت سے ٹوکا۔ ان کے لہجے میں ملائمت اور دلسوزی کے ساتھ ہلکی سی تنبیہ بھی تھی۔

"بابا پلیز، بولنے دیجیے مجھے۔" فرزین نے کہا پھر اسی لہجے میں بولا۔ "یہی گھر تھا جہاں قہقہے گونجا کرتے تھے...... سب مل جل کر رہا کرتے تھے مگر اب اسی گھر میں خاموشی ہے...... ویرانی ہے۔"

امی نے دبی دبی سی ایک سرد آہ کھینچی۔

فرزین غلط نہیں کہہ رہا تھا۔

واقعی کتنی رونق رہا کرتی تھی اس گھر میں!

بابا بھی جانتے تھے کہ فرزین غلط نہیں کہہ رہا تھا۔

مگر بابا نہیں چاہتے تھے کہ بات بڑھے، سو انہوں نے بڑے تدبر سے کہا۔ "بیٹا! تمہاری دو بہنیں اپنے گھر بار کی ہو گئیں...... افراد خانہ کی تعداد کم ہو جائے تو خاموشی ہو ہی جاتی ہے۔"

"سوری بابا۔" فرزین نے کہا۔ "مجھے آپ سے اتفاق نہیں۔"

امی اور بابا نے چونک کر پہلے اسے پھر ایک دوسرے کو دیکھا۔

گھر گھر گھومنے والا اور گھر کی معیشت کا مضبوط ترین ستون فرزین ان کے دوسرے بچوں کے مقابلے میں قدرے بے باک ضرور تھا مگر اس سے پہلے اس نے بابا کی کسی بات کو یوں کبھی رد نہ کیا تھا۔

یقین نے کچھ اس طرح امی اور بابا کو دیکھا جیسے کہتا ہو۔ "سن لیجیے اپنے فرماں بردار صاحب زادے کی بات!"

یقین کی نگاہوں کی کاٹ نے امی کو خفیف کر دیا، تاہم بابا اس کاٹ کو قطعاً خاطر میں نہ لائے۔

"نگہت باجی کی شادی کوئی نئی بات نہیں۔" فرزین بولا۔ "کئی سال ہو چکے ان کی شادی کو اور ان کی شادی کے بعد بھی اس گھر میں ویسی ہی رونق رہا کرتی تھی بلکہ شاید افتخار بھائی اور نگہت باجی کے آ جانے سے گھر کی رونق اور بڑھ جایا کرتی تھی...... رہی نزہت تو وہ تو بھابی کے بعد گئی ہے اپنے گھر۔"

فرزین نے توقف کیا پھر بولا۔ "گھر کی رونق اگر افراد خانہ کی تعداد سے مشروط ہوتی ہے بابا تو بھابی کے آنے سے گھر کی رونق میں اضافہ ہونا چاہیے تھا اور اگر اضافہ نہ ہوتا تو کم از کم برقرار تو رہنا چاہیے تھا اس گھر کی رونق کو لیکن...... ہم سب نے دیکھا کہ بھابی کے آنے کے بعد گھر کی رونق بڑھنا تو درکنار

گھر میں سول وار کی سی کیفیت ہوگئی...... میں تو پچھتا رہا ہوں کہ اچھے بھلے شپ سے سائن آف کیوں کیا...... جہاز پر ہی رہتا تو اچھا تھا۔"

بابا نے اس کے شانے پر ہاتھ دھرا اور تھپتھپاتے ہوئے بولے۔ "سب ٹھیک ہو جائے گا بیٹے۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا بابا!" فرزین نے ناگواری سے سر کو جھٹکا۔ "میں تو بھائی کی شادی کے بعد سے یہی تماشا دیکھ رہا ہوں...... آئی ایم فیڈ اپ آف آل دس نان سینس۔"

"وہاٹ ڈو یو مین؟" یقین ایک دم بھڑک اٹھا۔ "کیا مطلب ہے تمہارا نان سینس کہنے سے؟ کیا چاہتے ہو تم چھوڑ دوں میں جویا کو؟" اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ بجیا تک بھی جا پہنچی اور وہ گھبرا کر لاؤنج کی طرف لپکیں۔ امی متوحش ہو کر یقین اور فرزین کو دیکھنے لگیں۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" فرزین نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

بجیا لاؤنج کی داخلہ گاہ پر سرسراتے پردوں کی آڑ میں ٹھٹک گئیں۔

فرزین کی استہزائیہ نگاہوں نے یقین کو مشتعل کر دیا۔ مٹھیاں بھینچ کر اور دانت پیستے ہوئے اس نے فرزین کو دیکھا اور بولا۔ "میں...... میں......"

"ایزی...... ایزی بیٹے...... آرام سے بات کرو۔" بابا نے یقین کو سمجھایا۔

"اسے دیکھ رہے ہیں آپ؟" یقین نے فرزین پر آنکھیں نکالتے ہوئے بابا سے شکایت کی۔

"میں تم دونوں کو دیکھ رہا ہوں۔" بابا رسانیت سے بولے۔ "اور چاہتا ہوں کہ تم دونوں اشتعال میں آنے کے بجائے تحمل سے بات کرو۔"

یقین نے تیز سی نظروں سے فرزین کی طرف دیکھا۔

"میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ جب بھابی اس گھر میں رہنا نہیں چاہتیں تو انہیں دوبارہ اسی گھر میں لانے کی غلطی نہ کی جائے...... انہیں اپنا علیحدہ گھر بنانے دیا جائے...... شاید...... اس طرح وہ بھی خوش رہ سکیں اور ہم سب بھی۔"

"میں تمہارا مطلب اچھی طرح سمجھتا ہوں۔" یقین اسے دیکھتے ہوئے غرایا۔

"کیا سمجھتے ہیں؟" فرزین کے تیور ایک مرتبہ پھر بگڑ گئے۔

"تم چاہتے ہو ہم اس گھر سے نکل جائیں...... در بدر ہو جائیں اور...... تم یہاں اکیلے راج کرو...... تم...... تم اس گھر پر قبضہ جمانا چاہتے ہو۔"

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔"

"میں ٹھیک سمجھ رہا ہوں۔"

"او کے؟" فرزین نے شانے اچکائے۔

"یہ گھر تمہارا نہیں ہے میرے باپ کا ہے۔"

"میرے بھی باپ کا ہے۔"

"اوہو! کیا حماقت ہے بھئی!" بابا زچ ہو گئے۔

"آپ سن رہے ہیں بابا ان کی باتیں؟" اب کی بار فرزین مدعی تھا۔

"صاحب زادے! میں آپ دونوں کی باتیں سن رہا ہوں...... اور آپ دونوں کو دیکھ بھی رہا ہوں...... اور یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ دونوں کی تربیت میں مجھ سے کس مقام پر کوتاہی ہوئی جو آپ دونوں یوں دو بدو لڑ رہے ہیں کہ نہ بڑے کو بڑے پن کا لحاظ ہے نہ چھوٹے کو بڑے کی مروت ہے...... میاں، شریف اور پڑھے لکھے لوگوں میں یوں تو تکرار نہیں ہوتی۔"

دونوں کچھ شرمندہ سے دکھائی دینے لگے۔

"بات میں نے تو شروع نہیں کی بابا!" یقین بولا۔

"کاش! آپ بات ختم کرنے والے ہوتے۔" بابا نے کہا۔

یقین جھینپ سا گیا۔

بابا نے فرزین کی جانب دیکھا۔ ان کی نگاہوں میں دلسوزی کے ساتھ بازپرس کی کیفیت بھی تھی۔

ان نظروں کی تاب نہ لا کر فرزین نے نظریں چرالیں اور کچھ شرمندگی سے بولا۔ "میں نے تو ایک بات کی تھی بابا...... بھائی نے اسے اتنا بڑھا دیا۔"

"بات وہی اچھی ہوتی ہے جو سلیقے سے کی جائے...... بجائے یہ کہنے کے کہ بھابی اب اس گھر میں نہیں آئیں گی، آپ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ بھابی اب اپنے گھر میں جائیں گی۔"

فرزین کو شرمندگی نے آ لیا تاہم اس نے اپنی خجالت یقین پر ظاہر نہ ہونے دی اور بابا سے بولا۔ "آپ ہی تو کہا کرتے ہیں بابا کہ مسائل کے عارضی نہیں مستقل حل تلاش کیے جانے چاہئیں۔"

"مجھے اپنے کہے سے انکار نہیں لیکن بیٹے ہر بات کا ایک موقع ہوتا ہے...... یہ موقع اس بات کا نہیں تھا۔"

"سوری بابا...... بے سلیقہ اور بے موقع بات تو کل بھی ہوئی تھی آپ کے سامنے تب تو آپ نے کسی کو کچھ نہیں کہا۔" فرزین کے لہجے میں شکایت تھی۔

"کون سی بات؟" بابا چونکے۔

"بجیا کی کل کتنی انسلٹ کی گئی مگر ہم میں سے کسی نے نوٹس نہیں لیا۔" فرزین نے تلخی سے کہا۔

یقین کے چہرے پر شرمندگی چھا گئی۔

"یہ تم نے کیسے جانا کہ کسی نے نوٹس نہیں لیا؟"

"میں سب جانتا ہوں بابا۔"

بابا دھیرے سے کچھ اس طرح مسکرا دیے جیسے فرزین نے کوئی بچکانہ بات کہہ دی ہو پھر بڑے متحمل لہجے میں بولے۔ "صاحب زادے! سب جاننے کا دعویٰ کرنے والے اکثر کچھ نہیں جانتے...... کیا سمجھے!"

فرزین بابا کا منہ دیکھنے لگا۔

"میں متنازعہ باتیں تاوقتیکہ ناگزیر نہ ہوں، زبان سے نکالنے سے عموماً گریز کرتا ہوں مگر اس

وقت تم سب کے سامنے علی الاعلان ایک ایسی بات کہہ رہا ہوں جس کا اعلان ضروری نہیں۔"

امی، یقین اور فرزین تینوں ہمہ تن گوش بابا کی طرف متوجہ ہو گئے۔

خدا جانے کیا بات کہنے جا رہے تھے وہ!

"مدحت مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے...... اسے دکھ پہنچانے والا میرا دوست نہیں ہو سکتا۔"

یقین نے یکبارگی چونک کر بابا کی طرف دیکھا پھر اس کی نگاہیں فرزین کی نگاہوں میں ڈولتی تحقیر آمیز کیفیت سے ملیں اور اس نے شرمندہ ہو کر اس سے نظریں چرا لیں۔

لاؤنج کے باہر کھڑی بجیا پر شدید جذباتی کیفیت طاری ہو گئی۔

ان کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔

دکھ سے نہیں۔

اپنی اہمیت کے احساس سے۔

انہیں یہ تو معلوم تھا کہ بابا انہیں بہت چاہتے ہیں۔

مگر......

انہیں بابا کی محبت کی گہرائی کا اندازہ آج ہی ہوا۔

وہ بھول گئیں کہ یقین نے کل کیا کہا تھا۔

وہ بھول گئیں کہ جس شخص سے ان کا زندگی بھر کا ساتھ بندھا تھا وہ اس نے کیا کیا آزار پہنچائے تھے انہیں۔

ذرا دیر کو وہ اپنی زندگی کا ہر دکھ، ہر محرومی بھول گئیں۔

انہیں بس یہ یاد رہا کہ بابا کو وہ سب سے زیادہ عزیز تھیں۔

اتنی عزیز کہ بابا کہہ رہے تھے وہ، اسے دکھ پہنچانے والا میرا دوست نہیں ہو سکتا!

اوہ!

تھینک یو بابا!

تھینک یو سو مچ!

"مجھے یہ کہنے میں کوئی تردد نہیں کہ مدحت تم سب بہن بھائیوں میں سب سے زیادہ سمجھدار اور صبر و تحمل سے کام لینے والی لڑکی ہے۔"

"ماسٹر صاحب! خیر سے مدحت سب سے بڑی جو ہے بہن بھائیوں میں۔" امی بولیں۔

"اونہوں بیگم صاحبہ!" بابا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "بہت سے بڑوں کو بلکہ بوڑھوں کو بھی ہم نے اس قسم کی صفات سے عاری دیکھا ہے...... دور کیوں جاتی ہیں اپنے ہی گھر میں نگہت اور نزہت کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ نگہت کے مقابلے میں نزہت زیادہ سمجھدار اور موقع شناس ہے یا نہیں؟"

امی قائل سی دکھائی دینے لگیں۔

"ہاں میاں!" بابا نے روئے سخن یقین کی طرف کیا۔ "کھڑے سوچ کیا رہے ہو...... ہاسپٹل

نہیں جانا ہے کیا؟"

"چلا جاؤں گا۔" وہ پھولے پھولے سے لہجے میں بولا۔

"چلا جاؤں گا کا کیا مطلب...... بھئی، ہم سب چلیں گے...... باجماعت...... مٹھائی لے کر...... لیکن اس سے پہلے ایک ضروری بات یہ کہ...... تم مدحت کو مناؤ۔"

"اونہہ!" فرزین تلخی سے بولا۔ "وہ بے چاری کسی سے ناراض ہی کب ہوتی ہیں جو کسی کو انہیں منانے کی زحمت اٹھانا پڑے۔"

"تم چپ رہو۔" یقین نے اسے گھورا۔

"کیوں چپ رہوں...... اس گھر کا فرد ہوں میں...... مجھے بولنے کا پورا اختیار ہے۔"

لو پھر بھڑک اٹھی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" یقین نے آنکھیں نکالیں۔ "بولو، جی بھر کر بولو۔"

"ارے بھئی کیا ہو گیا ہے تم دونوں کو۔" امی بولیں۔

یقین جو دروازے کا رخ کر چکا تھا، ٹھٹکا اور امی کی جانب دیکھتے ہوئے تلخ لہجے میں بولا۔ "دونوں کو نہیں۔" پھر اس نے شعلہ بار نظروں سے فرزین کی طرف دیکھا اور طنز سے بولا۔ "ڈالرز اور پاؤنڈز نے اس کا دماغ خراب کر دیا ہے۔"

"یا اللہ!" امی نے سر ہاتھوں میں تھام لیا اور گڑگڑا کر بولیں۔ "خوشی کے موقع پر تم دونوں لڑ جھگڑ کیوں رہے ہو؟"

"خوشی!" فرزین بھڑک کر بولا۔ "کیسی خوشی امی!" اس نے یقین کی طرف دیکھا اور کہا۔ "ان کے اور ان کی بیوی کے جھگڑوں نے تو ہمارے گھر کا سکھ چین ہی چھین لیا ہے...... اور وہ ان کی ساس...... اونہہ! ایسی غیر مہذب عورت کہ خدا بچائے...... یہ جاتے ہیں تو جائیں، ہم میں سے کوئی ہاسپٹل نہیں جائے گا۔"

یقین جو ٹھٹکا ہوا گردن موڑے کھڑا تھا، تڑپ کر بولا۔ "تم کیا سمجھتے ہو...... کسی کے نہ جانے سے میں مر جاؤں گا...... اونہہ! آئی ڈیم کیئر۔" وہ دروازے کے رخ مڑا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

بابا صدمے کی کیفیت میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔

لاؤنج سے باہر نکلتے ہی یقین نے بجیا کو سامنے کھڑے پایا۔

ایک لمحے کو وہ ٹھٹکا۔

بجیا نے کچھ کہنا چاہا۔

مگر وہ آگے بڑھ گیا۔

"یقین......" بجیا نے گھٹی گھٹی سی آواز میں اسے پکارا۔

لیکن وہ نہیں تھما اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا۔

لاؤنج میں امی فرزین سے کہہ رہی تھیں۔ "تمہیں یہ نہیں کہنا چاہیے تھا فرزین کہ بھابی اب اس گھر میں نہیں آئیں گی۔"

"کیوں نہیں کہنا چاہیے تھا امی۔" فرزین بولا۔ "گھر کا سکون درہم برہم کر کے رکھ دیا ہے ان لوگوں نے۔"

بابا نے ایک گہری سانس کھینچی پھر بولے۔ "بیٹے! کسی جھیل کے ٹھہرے ہوئے پانی کی سطح پر جب باہر سے کوئی پتھر آ کر گرتا ہے تو کچھ دیر کو تو ہلچل مچی رہتی ہے لیکن باہر سے پھینکا گیا کنکر پتھر جونہی جھیل کی تہہ میں اپنی جگہ بنا لیتا ہے، جھیل کی سطح پھر ویسے ہی پُرسکون ہو جاتی ہے۔ بہو بھی جب اس گھر میں اپنی جگہ بنالیں گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"آپ کا مطلب ہے، وہ پھر اسی گھر میں آئیں گی؟" فرزین نے استفہامیہ نظروں سے بابا کو دیکھا۔

"شاید!" بابا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"بابا، یقین بھائی اور بھابی کا جھگڑا ہی اس بات پر ہے کہ وہ اپنا گھر علیحدہ بنانا چاہتی ہیں۔"

"میاں! اگر وہ علیحدہ گھر بنالیں تو ہمیں اعتراض نہیں لیکن...... اگر وہ دوبارہ اسی گھر میں آنا چاہیں تو ہمیں انہیں روکنا بھی نہیں چاہیے...... کیوں بیگم صاحبہ! آپ کا کیا خیال ہے؟" بابا نے امی کی جانب دیکھا۔

"میں کیا کہوں ماسٹر صاحب!" امی روہانسی دکھائی دے رہی تھیں۔ "آج ان دونوں بھائیوں نے دوبدو لڑ کر میرا تو سارا مان ہی چکنا چور کر دیا...... میں تو سوچتی تھی، بیٹیاں اپنے اپنے گھر بار کی ہو جائیں گی اور یہ تینوں بھائی مل جل کر اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اسی گھر میں رہیں گے مگر...... ابھی ایک ہی کی بہو آئی ہے کہ یہ دونوں بھائی لڑ پڑے۔" امی اپنا دوپٹہ منہ میں رکھ کر سسکنے لگیں۔

بابا ان کے پاس جا بیٹھے اور انہیں تسلی دیتے ہوئے بولے۔ "بیگم صاحبہ! دل چھوٹا مت کیجیے...... ایسا تو ہوتا ہے...... جہاں دو برتن ہوں، ان میں آپس میں کھٹک ہو ہی جاتی ہے۔"

امی نے تڑپ کر بابا کی طرف دیکھا اور بولیں۔ "ہم نے تو انہیں لڑنے جھگڑنے کا سبق کبھی نہیں دیا...... ہمیشہ مل جل کر رہنا سکھایا۔"

بابا بڑے تدبر سے مسکرائے پھر انہوں نے حسب عادت انتہائی متحمل لہجے میں کہا۔ "ماں باپ تو ہم سمیت شاید کوئی بھی اپنی اولاد کو لڑنے جھگڑنے کا سبق نہیں دیتے مگر بعض باتیں نہ چاہنے کے باوجود بھی ہو جاتی ہیں۔"

مدحت بجیا جو یقین کے جانے کے بعد کچھ دیر باہر ہی کھڑے رہ کر لاؤنج کی صورت حال کا اندازہ کرنے کی کوشش کرتی رہی تھیں، لاؤنج میں در آئیں۔

"آؤ بیٹی آؤ۔" بابا تپاک سے بولے۔ "تم نے خوش خبری سنی؟"

"کیسی خوش خبری بابا؟" بجیا چونکیں۔

"بھتیجا ہوا ہے تمہارے ہاں۔"

"اچھا!" بجیا کھل اٹھیں۔

"اور...... خوشی کے موقع پر تمہارے دونوں بھائی لڑ رہے ہیں۔" امی نے شاکی انداز میں کہا۔

"کیوں؟"

امی نے فرزین کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "انہوں نے کہہ دیا بھابی اب اس گھر میں نہیں آئیں گی، بس یقین کو ان کی بات بری لگ گئی۔"

"فرزین نے غلط تو نہیں کہا جو اب اس گھر میں آ بھی کیسے سکتی ہیں۔" بجیا بولیں۔

"آ تو خیر سکتی ہیں...... ابھی راستہ کھلا ہے...... یقین نے دو مرتبہ طلاق دی ہے...... فی الحال صلح کی گنجائش ہے۔"

"فرزین کو یہ بات معلوم نہیں ہوگی اس لیے شاید انہوں نے یہ بات کہی ہوگی۔"

"نہیں۔" فرزین نے مداخلت کی۔

بجیا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے یہ بات اس لیے کہی کہ جب وہ اس گھر میں رہنا نہیں چاہتیں تو کیوں رکھا جائے انہیں یہاں۔ بنائیں یقین بھائی اپنا گھر علیحدہ۔"

"فرزین!" بجیا نے اپنی نرم مسکراہٹ سے ماحول پر چھائی ہوئی یاسیت اور تناؤ کم کرنے کی کوشش کی۔ "یہ وقت تم پر بھی آ سکتا ہے۔"

"آ جائے۔" وہ سرفروشانہ انداز میں بولا۔ "دو باتیں ہوں گی...... یا تو وہ میرے راستے پر چلے گی ورنہ اس کا راستہ اور میرا اور ہوگا۔"

"شرم کرو، امی اور بابا کے سامنے اتنی بے شرمی سے باتیں کر رہے ہو؟"

"کوئی بات نہیں میاں، کوئی بات نہیں۔" بابا نے حوصلہ افزایانہ نظروں سے فرزین کو دیکھا پھر بجیا سے بولے۔ "بیٹی والدین اور اولاد میں، بُعد جس قدر کم ہو اچھا ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے، اولاد جتنی بدتمیز ہو اچھا ہے۔" امی نے بابا کو تیز سی نگاہوں سے دیکھا۔

"بدتمیزی اور قربت میں بہت فرق ہے بیگم صاحبہ...... میں اولاد اور ماں باپ کے درمیان قربت کی بات کر رہا ہوں...... اس کا حامی ہوں...... اچھا خیر، آپ انہیں اور پوتے کی رونمائی کو چلنے کی تیاری کریں...... مدحت بیٹی! تم بھی چلو گی نا؟"

"ضرور......"

فرزین نے سر کو جھٹکا پھر بولا۔ "بابا! مانا کہ آپ بہت کول مائنڈڈ ہیں...... فراخ دل ہیں، دوسروں کی غلطیوں کو درگزر کر دیتے ہیں پر ایک چیز ہوتی ہے سیلف رسپیکٹ...... اردو میں اسے پتا نہیں کیا کہتے ہیں......"

"شاید عزتِ نفس۔" بجیا نے لقمہ دیا۔

"ہاں شاید...... بہرحال کچھ اس کا خیال بھی رکھیے بابا۔"

"کہنا کیا چاہتے ہو؟" بابا نے فرزین کی جانب دیکھا۔

"میں نے سنا ہے کہ پہلی بار جب بھابی ناراض ہو کر اپنے گھر گئیں تو انہیں آپ ہی لوگ منا کر گھر لائے تھے...... کیا بھائی اور بھابی ساری زندگی اسی طرح لڑتے جھگڑتے رہیں گے اور آپ لوگ

اسی طرح جھکتے اور صلح صفائی کراتے رہیں گے...... یہ کیا بات ہوئی کہ بھائی آپ کے اور امی کے سمجھانے بجھانے پر تو بھابی کو لینے کے لیے ان کے گھر گئے نہیں پھر جب گئے تو طلاق دے کر چلے آئے...... اور اب جب بیٹے کی خبر سنی تو اتنے ایکسائیٹڈ ہوئے کہ صلح پر راضی ہو گئے...... یہ محض جذباتیت ہے، جبکہ زندگی بہت سوچ سمجھ کر گزارنا پڑتی ہے...... لیو دیم الون بابا...... چھوڑ دیں ان دونوں کو ان کے حال پر اور نمٹنے دیں، خود اپنے مسائل سے آپ...... جب انہیں معلوم ہوگا کہ کوئی صلح کرانے والا نہیں ہے تو لڑیں گے بھی ذرا دیکھ بھال کر۔"

"ہوں!" بابا نے گویا تائید میں سر ہلایا پھر امی کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ "سن رہی ہیں آپ اپنے صاحبزادے کی عقل افروز باتیں؟"

"سن رہی ہوں مگر انہیں کیا پتا کہ یقین کس بری طرح پھنس گئے ہیں...... سارا قصور دلہن کا ہے۔"

امی نے کل جتنی اچھائیاں اور خوبیاں جویا کے کھاتے میں ڈالی تھیں، بیک جنبش ان کا صفایا کر ڈالا۔

"اچھا بھئی، چلنے کا کیا پروگرام ہے؟" بابا کے لہجے میں ہلکی سی بے تابی تھی۔

فرزین قدرے جز بز دکھائی دینے لگا۔

بابا نے اس کی کیفیت تاڑ لی۔

"میرے ایک چیف انجینئر نے ایک مرتبہ کہا تھا...... جب آپ کسی دشمن کو اس کی غلطی کا احساس دلانا چاہتے ہوں تو اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کی خوشی سے نظریں چرالیں۔" بابا دھیرے سے مسکرائے...... اپنی جگہ سے اٹھے اور فرزین کے نزدیک پہنچ کر اس کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے بولے۔ "میاں! کبھی کبھی زندگی کو بے سوچے سمجھے محض جذباتیت کے سہارے گزارنے میں بھی بڑا لطف آتا ہے۔"

"او کے۔" اس نے شانے اچکائے۔

"بیٹا!" بابا کے لہجے میں انتہائی مٹھاس اور آنکھوں میں ڈھیروں محبت تھی۔ "اولاد کے دکھ سکھ سے نظریں چرانے کے لیے ماں باپ کو بہت ہمت چاہیے اور مجھ جیسا کمزور آدمی اتنی ہمت نہیں کر سکتا۔"

فرزین بابا کا منہ دیکھنے لگا۔

"ارے بھئی، نگہت اور نزہت کے ہاں تو خبر کر دیجئے۔" امی بولیں۔

"آپ نہیں جائیں گی بجیا!" فرزین نے بجیا کی طرف دیکھتے ہوئے حکمیہ انداز میں کہا۔

بجیا نے بصد محبت فرزین کی طرف دیکھا پھر مسکراتے ہوئے بولیں۔ "سوری فرزین...... تمہیں پتا ہے، میں تو چھوٹی چھوٹی خوشیوں کی تلاش میں رہتی ہوں...... بلکہ تم بھی چلو ہمارے ساتھ۔"

"جی نہیں! مجھے بھائی کی ساس صاحبہ سے بار بار ذلیل ہونے کا کوئی شوق نہیں۔" وہ جل کر بولا۔

امی، بابا اور بجیا تینوں لاؤنج سے چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد وہ بڑے صوفے کے ہتھے پر زوردار مکا رسید کرتے ہوئے صوفے پر پسر گیا۔ اسے لارنس یاد آ گیا جس سے اس کی دوستی یورپ میں ہوئی تھی۔

لارنس نے کہا تھا۔ "تم ایشیائی لوگ بڑے جذباتی ہوتے ہو۔"

لارنس کی بات کی اس نے بڑے شدومد سے مخالفت کی تھی...... دلیلیں دے کر اسے قائل کرنے کی کوشش کی تھی۔

مگر اس وقت بہت دل گرفتہ اور شکست خوردہ سی کیفیت میں ڈوبا وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا...... لارنس نے غلط نہیں کہا تھا!

☆=====☆=====☆

سارہ آپا نے جویا کی سسرال میں آپ سے آپ خبر نہ کر دی تھی بلکہ اماں کو آمادہ کر کے ان کی اجازت سے اطلاع کی تھی۔ آپا جانتی تھیں کہ اماں کو اعتماد میں لیے بغیر خبر کی گئی اور جویا کے سسرال والے اچانک اسپتال پہنچ گئے تو اماں مزید بگڑ سکتی تھیں۔ زویا کا فون سننے کے بعد وہ دفتر سے چھٹی لے کر سیدھی اسپتال پہنچی تھیں۔

مبارک سلامت کے بعد جب سارہ آپا نے اماں سے پوچھا۔ "جویا کی سسرال میں خبر کروائی آپ نے؟" تو وہ تیوری پر بل ڈال کر بولیں۔ "کیا ضرورت ہے؟"

"ضرورت تو خیر ہے۔" سارہ آپا نے دبی زبان سے کہا۔

"وہ بدذات آیا...... بچوں کی اور بچی کو یوں جھپٹ کر لے گیا جیسے چیل گوشت جھپٹ کر لے جاتی ہے اور تم کہتی ہو، اطلاع کرنے کی ضرورت ہے...... گنجائش چھوڑی ہے اس کم بخت نے اطلاع کرنے کی؟"

"گنجائش ہے تبھی تو کہہ رہی ہوں۔"

"ارے چھوڑو، وہ منحوس یہاں آئے گا اور اس ننھی سی جان کو بھی ماں سے چھین کر لے جائے گا۔"

"ایسی نوبت ہی کیوں آنے دی جائے؟"

"نوبت ہم نے آنے دی ہے یا وہ خود بدذات ہے؟" اماں بگڑ کر بولیں۔

آپا جو اماں کے مزاج سے بخوبی آشنا تھیں، رفع دفع کرنے والے انداز میں بولیں۔

"چھوڑیں...... جو ہوا سو ہوا اب صلح کی کوشش کرنی چاہیے۔"

اماں کی تیوری پر سو بل تھے۔

"دیکھیں نا اماں!" سارہ آپا رسانیت سے بولیں۔ "جویا اب اکیلی تو ہے نہیں...... ماشاء اللہ دو بچوں کا ساتھ ہے...... بات کو بڑھانے کے بجائے صلح صفائی کی کوشش ہونی چاہیے۔"

اماں کے چہرے سے غصہ ہویدا تھا۔

"ویسے میں آپ کو بتا دوں......" سارہ آپا نے محتاط لہجے میں کہا۔ "جہاں تک میرا اندازہ ہے،

جویا خود بھی یہی چاہتی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ چاہتی ہے تو جائے۔" اماں بھڑک کر بولیں۔

"ایسے کیسے اماں...... ہم لوگ بیٹھ کر بات کریں گے یقین اور اس کے گھر والوں سے...... کچھ دباؤ ڈالیں گے ان پر...... ان کی سنیں گے اور اپنی سنائیں گے...... یقین نے جو غلط الفاظ زبان سے نکالے اس پر قائل کریں گے اسے...... پھر صلح کی بات ہوگی۔"

"صلح کی رٹ تم ہی لوگوں نے لگا رکھی ہے، وہ نہیں کرے گا صلح...... اس مردود کو صلح کرنا ہوتی تو زبان پر طلاق کا لفظ لاتا ہی کیوں؟"

"اماں آدمی غصے میں اول فول بک تو دیتا ہے، بعد میں پچھتاتا بھی ہے...... وہ بھی پچھتایا ہوگا۔"

"اس کی شکل ہے پچھتانے والوں کی۔"

آپا بے ساختہ مسکرا دیں اور اماں کی بات پر ازراہ تفنن بولیں۔ "اس کی شکل تو خیر پچھتانے والوں ہی کی ہے۔"

"لکھ لو میری بات، وہ صلح ولح نہیں کرے گا...... اس کی اماں بہنیں کوئی دوسری لے کر آئیں گی اس کے لیے۔"

"خدا نہ کرے۔"

"جب بندے چاہیں تو خدا کیوں نہ کرے...... جس گھر میں ایسی حرافہ ماں بہنیں ہوں، وہاں یہی ہوتا ہے...... ایک بیٹے کے لیے ایک بہو پر قناعت تھوڑی کرتی ہیں، ایسی ماں بہنیں...... وہ تو یقین کو نہ جانے کیسے کیسے سبز باغ دکھا رہی ہوں گی کہ ہم اب کی بار ایسی لائیں گے، ویسی لائیں گے۔"

"مزا تو جب ہے اماں کہ ان کے سارے منصوبے دھرے رہ جائیں۔" سارہ آپا نے ترپ چال چلی۔

آپا کا نشانہ خطا نہ ہوا۔

"خبر کر کے تو دیکھیں کہ بیٹے کا باپ بن کر کیا ردِعمل ہوتا ہے یقین کا۔"

"وہ نہیں آئے گا۔ نہ وہ آئے گا، نہ اس کے گھر والے۔"

"آزمانے میں کیا حرج ہے؟"

"آزمانے کا فائدہ؟"

"تاکہ بعد کو پچھتاوا نہ ہو کہ جب صلح کی گنجائش تھی تو ہم لوگوں نے کوشش کیوں نہ کی؟"

اماں متذبذب سی دکھائی دینے لگیں۔

سارہ آپا نے لوہا کچھ گرم ہوتے دیکھا تو ضرب لگائی۔

"اس سے اچھا موقع بعد میں ہاتھ نہ آئے شاید...... اس وقت تو ایسا موقع ہے کہ مصالحت کی کوشش بھی ہو جائے گی اور ہمارا بھرم بھی رہ جائے گا۔"

"تمہاری جو مرضی آئے کرو۔" اماں نے بین بین سا جواب دیا۔

"ایسے نہیں اماں...... ذرا خوشی خوشی اجازت دیں...... آخر نواسہ ہوا ہے۔"

"کر دو۔" اماں نے نیم دلی سے کہا پھر لہجہ بدل کر بولیں۔ "مگر پھر وہی بات کہتی ہوں کہ وہ نہیں آئے گا۔"

"کوئی بات نہیں، ہم تو اپنا فرض پورا کر دیں گے۔"

"کرو بھئی، فرض پورا کرو۔" اماں کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا۔

سارہ آپا نے اسپتال ہی سے جویا کی سسرال فون کر دیا۔

اماں کو یقین نہیں تھا کہ ادھر سے کوئی آئے گا۔

یقین تو سارہ آپا کو بھی نہیں تھا۔

اور جویا کو بھی نہیں، جس نے سارہ آپا کے اسپتال پہنچنے پر ان کے ہاتھوں سے اپنے لیے پھول اور اپنی پیشانی پر ان کی نرم گرم میٹھی چمکار لیتے ہوئے ان کا ہاتھ چپکے سے اپنے ہاتھوں میں دبوچ کر سرگوشی میں ان سے کہا تھا۔ "آپا! پلیز وہاں اطلاع کر دیں، شاید کوئی آ جائے۔"

جس لفظ کو وہ کل تک محض ایک بھبکی اور ایک دھمکی اور ذرا دا سمجھتی تھی، اس نے وقوع پذیر ہو کر اس کے دل و دماغ کی ساری چولیں کس دی تھیں۔

طلاق!

خدایا! کیسا مہیب لفظ تھا!

وہ خوفزدہ تھی۔

اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ اس لفظ کے ساتھ دنیا کا سامنا کیونکر کر پائے گی؟

اپنے پرائے سبھی ہنسیں گے۔

ہزار طرح کی باتیں بنائیں گے۔

اور بچے!

ان کا کیا بنے گا؟

ان کا مستقبل کیا ہوگا؟

اگر اس کے پاس رہے تو باپ سے محرومی!

باپ کے پاس رہے تو سوتیلی ماں کے رحم و کرم پر!

کیا زمانے کی ٹھوکروں میں پلیں گے؟

اسے رہ رہ کر اماں پر غصہ آ رہا تھا۔

اس کی بربادی کی ذمے دار وہی تھیں۔

ماں ہونے کے ناتے ان کا کام تو یہ تھا کہ اس کو بھلی سیکھ دیتیں نہ کہ انہوں نے ایسا اکسایا کہ وہ اپنے پیروں پر آپ کلہاڑی مار بیٹھی۔

کاش! ان کے کہنے میں آ کر وہ اپنا گھر نہ چھوڑ بیٹھتی۔

سسرال والے شریف لوگ تھے ورنہ ہوتے کوئی لچے لفنگے تو پرچہ کٹا دیتے کہ مال اسباب لے

کر بھاگ گیا ہے۔

کیسی غلطی کی اماں نے حشام ماموں کے ذریعے یقین کے نام نوٹس جاری کروا کے!

نہ نوٹس جاری ہوتا، نہ یقین کو تاؤ آتا۔

اور وہ اگر بپھر کر آ ہی گیا تھا تو اماں کو چاہیے تھا، اسے بٹھاتیں، آرام سے بات کرتیں، انہوں نے تو آتے ہی اس کے لتے لینے لیے۔

دامادوں سے بھلا کوئی اس طرح بات کی جاتی ہے؟

دامادوں سے بات کرنے کا سلیقہ تو کوئی یقین کی امی سے سیکھے...... بیٹا، میاں کہتے زبان سوکھتی ہے ان کی۔

سامنے ہی نہیں، پیٹھ پیچھے بھی وہ دامادوں کا اسی قدر عزت اور محبت سے ذکر کرتی ہیں۔

ایک اماں ہیں کہ یقین کو منحوس، مردود، کمبخت، بدذات، ذلیل، کمینہ، لفنگا، شہدہ، اُلو کا پٹھا سبھی کچھ کہہ ڈالا۔

اسے اماں کے ساتھ اپنے اوپر بھی غصہ آ رہا تھا۔

کیوں آئی ان کی باتوں میں؟

کیوں ان کے سکھائے پڑھائے پر کان دھرا؟

طلاق شدہ عورت کا کوئی مستقبل ہوتا ہے بھلا؟

لوگ عجیب عجیب نظروں سے دیکھتے ہیں۔

اسکول میں اس کے اسٹاف میں زمرد باجی تھیں تو سبھی اس کی مثال۔ ان کے بارے میں کوئی کچھ کہتا تھا، کوئی کچھ۔

کوئی کہتا تھا، ان کا شوہر خراب تھا۔ کوئی کہتا تھا، وہ خود خراب تھیں۔

بعض اسٹاف ممبرز تو ان کی کردار کشی کرتے بھی نہ چوکتی تھیں۔

اچھے کپڑے پہنتیں تو نشانہ بنتیں۔ میک اپ کرتیں تو بہتان طرازیاں کہ میاں نے چھوڑ دیا۔

اب یہ اہتمام کس کے لیے؟

اپنی طرف سے غافل ہو جاتیں تو کھد بد مچنے لگتی کہ سنیاس کیوں لے لیا۔

کل سے آج کے دوران جویا کی کیفیت ہی کچھ سے کچھ ہو گئی تھی۔

اپنی کوتاہیوں اور نادانیوں کا احساس بہت گہرا تھا۔

سسرال کو اپنا گھر سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی اس نے۔

سسرال والوں کو ہمیشہ اپنا حریف سمجھا۔

میکے میں اماں بعض اوقات ایک ہی سانس میں دس دس باتیں سنایا کرتی تھیں اور وہ ان میں سے ایک کو بھی دل پر نہ لیتی۔ ہنس کر ٹال جاتی کہ اماں ہی نے تو ڈانٹا ہے، کسی غیر نے تو نہیں۔ اماں کوئی دشمن تھوڑی ہیں کہ ان کی بات کا برا منایا جائے یا اسے دل پر لے کر بیٹھا جائے مگر شادی کے بعد سسرال میں اسے ساس کی دلسوز نصیحت بھی تیر بن کر لگتی تھی۔ کئی کئی دن کو منہ پھلائے پھرتی تھی وہ......

میکے میں ہر صورت، ہر تکلیف ہنس کر برداشت کرتی تھی مگر سسرال میں مجال ہے کہ کوئی تکلیف اپنے حصے میں آنے دی ہو۔

یقین طلاق طلاق کیا کہہ کر گیا جویا کو یوں لگ رہا تھا، جیسے وہ ایک دم انتہائی بے وقعت ہو گئی ہو۔

طبیعت مضمحل اور ناشاد تھی۔

بیٹے کی ماں بن کر بھی وہ چپ اور اداس تھی!

☆=====☆=====☆

فرزین سے تکرار کے بعد یقین گھر سے نکلا تو اس کے دل و دماغ کی عجیب کیفیت تھی۔

ایک ہیجان سا طاری تھا اس پر۔

غصہ بھی تھا۔

بیزاری تھی۔

اور اک احساسِ بے بسی بھی۔

فرزین پر اسے بری طرح غصہ آ رہا تھا۔

کوفت ہو رہی تھی اسے۔

فرزین کے اور اس کے مابین برادرانہ بے تکلفی تو تھی مگر اس نے ایسی بدتمیزی پہلے کبھی نہیں کی تھی۔

گھر سے نکلنے کے بعد اپنی سوچوں میں گم وہ خاصی دور تک پیدل چلتا چلا گیا۔

یہ بھی کوئی زندگی ہے یار کہ آدمی کا اپنا کوئی گھر نہ ہو...... وسائل اتنے محدود ہوں کہ آدمی بس جی ہی سکے۔ اس نے سوچا۔

اپنا گھر ہے تو سہی۔

کہاں ہے؟

جہاں تو رہتا ہے اور کہاں۔

نہیں یار...... اس کے تو کئی دعوے دار ہیں...... شادی کے بعد باپ کا نہیں، اپنا گھر ہونا چاہیے آدمی کے پاس تاکہ فرزین کی طرح کوئی یہ نہ کہہ سکے بھابی اب اس گھر میں نہیں آئیں گی۔

کیسا چالاک ہے فرزین!

شادی سے پہلے ہی اس نے اپنا گھر بنا لیا۔

اپارٹمنٹ ہے تو کیا اپنا تو ہے۔

اسے فرزین سے حسد محسوس ہونے لگا۔

مجھے پیش کش کی تھی کہ آپ اور بھابی رہ لیں اس گھر میں۔

بابا کی گڈ بکس میں آنا چاہتا تھا۔

انہیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ مجھ سے ہمدردی رکھتا ہے۔

اونہہ! ٹھوکوں گا بھی نہیں میں اس کے گھر پہ۔
کتنی توہین کی ہے آج اس نے میری!
کبھی جو اس سے بات کروں میں اب۔
اونہہ! بھائی اب اس گھر میں نہیں آئیں گی۔
کوئی بات نہیں اب ہم اپنا گھر بنا کر دکھائیں گے اسے۔
سمجھتا کیا ہے خود کو!
ہاسپٹل جا کر جویا سے یہی بات کروں گا کہ اب میں اسے اس گھر میں نہیں رکھوں گا...... اپنا علیحدہ گھر بنائیں گے۔
کہاں سے بناؤ گے میاں؟
بھئی پہلے کرائے پر لیں گے پھر آہستہ آہستہ اپنا گھر بھی بنا لیں گے۔
کرائے پر!
اس میں تعجب یا ہنسی کی کیا بات؟
ساری دنیا کے لوگ اپنے ذاتی گھروں میں تو نہیں رہتے۔
ہیں! میں جا کہاں رہا ہوں؟
چلو بازار تک آ گیا ہوں تو مٹھائی خرید لیتا ہوں...... بابا کہہ رہے تھے نا، سب چلیں گے...... باجماعت اور مٹھائی لے کر...... مٹھائی خرید کر وہ اس خیال کے ساتھ گھر واپس لوٹا کہ گھر والوں کے ساتھ ہاسپٹل جائے گا مگر...... گاڑی آہنی گیٹ کے جھروکوں سے جھانکتی دکھائی نہ دی۔
کہیں چلے نہ گئے ہوں وہ لوگ؟ دل کو کھٹکا سا ہوا۔
نہیں...... مجھے لیے بغیر جا تو نہیں سکتے۔
ہو سکتا ہے، انہوں نے یہ سوچا ہو کہ تم اکیلے ہی نکل لیے۔
ہاں...... یہ ہو سکتا ہے۔
گھنٹی بجانے پر موجو گیٹ کھولنے کے لیے آیا۔ اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتا، اس نے اپنا ساؤنڈ بکس آن کر دیا۔ ”ہیں جی...... آپ!“ موجو نے اس قدر تعجب سے اسے دیکھا جیسے وہ برسوں بعد گھر لوٹا ہو۔
”امی لوگ تو آپ کو گھر میں تلاش کر رہے تھے جی!“ وہ بولا۔
بیوقوف ایسے کہہ رہا ہے جیسے میں کوئی سوئی تھا جسے تلاش کیا جا رہا تھا۔
”خیر جی، وہ سب لوگ منے نوں ویکھن واسطے اسپتال چلے گئے جی۔“
”گئے؟“
”ہاں جی۔“
”کون کون گیا ہے۔“
”بابا...... امی جی...... بجیا اور مریم رانی۔“

”اچھا!“ وہ گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔
”آپ نے وی جانا اے؟“
”زیادہ جرح مت کیا کرو، اچھا!“ اس نے موجو کو گھورا۔
”اچھا جی!“ موجو کھسیانا ہو کر اپنا کان کھجانے لگا۔
”اب آیا نا اپنی اوقات پر...... فوراً فری ہونے لگتا ہے۔“
یقیناً مضمحل سا گھر میں داخل ہو گیا۔
اسے سخت تاسف ہو رہا تھا کہ کیوں گھر سے نکل گیا تھا۔
گھر والوں کے ساتھ اسپتال چلا جاتا تو اچھا تھا۔
امی، بابا، بجیا سب کی طرف سے مورل سپورٹ رہتی۔
اب اکیلا کیونکر جایا جائے۔
ٹیکسی بھی لو تو وہ بروقت نہ پہنچ سکے گی۔
سب کے بعد تو نظریں جھکا کر ہی جانا پڑے گا۔
سب کے ساتھ جاتا تو بہت بندھی رہتی اور نظریں بھی نہ جھکانا پڑتیں۔
مٹھائی اس نے لاؤنج میں میز پر رکھ دی اور ملول و مضمحل صوفے پر بیٹھ گیا۔
”اب کیا کیا جائے؟“ ذہن میں بس یہی ایک سوال تھا۔
”چلتے ہیں اللہ مالک ہے...... سب لوگ تو ہوں گے وہاں۔“
”جویا کی اماں جان بھی ہوں گی۔“
”ہاں وہ تو لازماً ہوں گی۔“
”اس عورت کا تو منہ دیکھنے تک کو جی نہیں چاہتا میرا۔“
”مجبوری ہے۔“
”لاحول ولاقوۃ۔“
”چھوڑ و یار پہلے گھر والوں کو ہو آنے دو...... جب دوبارہ کوئی جائے گا تو ہم بھی ساتھ ہو لیں گے۔“
”مگر صاحب زادے کو دیکھنے کو دل جو بے تاب ہوا جا رہا ہے۔“
”دل کو قابو رکھو۔“
”منہ تو میٹھا کر لیا جائے۔“
وہ مٹھائی کا ڈبا کھولنے کو اٹھا لیکن اچانک ہی اس کا ارادہ بدل گیا۔
”دفتر والوں کو معلوم ہو گا کہ بیٹا ہوا ہے تو ان کا منہ بھی تو میٹھا کرانا ہی پڑے گا...... ایسا کرتے ہیں، یہ ڈبا دفتر والوں کی نذر کر دیں تاکہ کوئی تو ٹمٹے۔“
”ہاں یار، یہ ٹھیک ہے۔“
”دفتر میں حاضری بھی لگ جائے گی اسی بہانے اور اپنے یار غار منیر احمد سے بھی صلاح مشورہ

ہو جائے گا۔"

اس نے مٹھائی کا ڈبا اٹھایا اور لاؤنج سے باہر نکل کر بآوازِ بلند ہانک لگائی۔ "موجو میں جا رہا ہوں۔ گیٹ بند کر لو۔"

"اچھا جی۔" آس پاس سے ہی موجو کا جواب آیا۔

جب تک وہ گیٹ تک پہنچا، موجو بھی گیٹ بند کرنے آ گیا۔

"آپ اسپتال جا رہے ہو جی؟" موجو نے پوچھا۔

"اپنے کام سے کام رکھو۔"

"اچھا جی!"

☆======☆======☆

سارہ آپا کے فون کرتے ہی جویا کی نظریں دروازے پر لگ گئی تھیں۔

وہ کسی پرائیوٹ وارڈ میں تھی جہاں کل چار بستر تھے۔ علی الصباح جب اسے وارڈ میں پہنچایا گیا تو اس سے پہلے ہی وہاں ایک مریضہ موجود تھی۔ باقی بیڈز خالی پڑے تھے۔ ساڑھے نو بجے کے لگ بھگ جب سینئر ڈاکٹرز نے راؤنڈ لیا تو مذکورہ خاتون کی چھٹی کر دی تھی۔ یوں اب اس وارڈ میں جویا ہی تھی۔ پورے وارڈ پر راج تھا، اماں جہاں چاہ رہی تھیں، اٹھ بیٹھ رہی تھیں۔

سارہ آپا آئیں تو کچھ دیر اماں سے مذاکرات کے بعد اُن کی آمادگی سے جویا کے سسرال میں اطلاع کرنے کے لیے باہر چلی گئیں۔ اسپتال کے استقبالیہ سے انھوں نے فون کیا۔ وہاں سے آنے کے بعد کچن میں گئیں، جویا کو دودھ گرم کر کے دیا اور اماں کو تازہ چائے بنا کر پلائی۔ ابا بے چارے صبح ناشتہ دے کر واپس چلے گئے تھے اور دوپہر کے لیے اماں نے اُن کی ڈیوٹی لگا دی تھی کہ کھانا پہنچا ئیں گے۔

گھر سے زویا کا فون آیا کہ وہ اور بھابی بچے کو دیکھنے کے لیے اسپتال آنا چاہ رہی تھیں تو اماں نے ڈپٹ کر کہا۔ "شام کو آنا، تو رات کا کھانا بھی لیتی آنا۔"

سارہ آپا کچن میں گئیں تو وہاں ایک مریضہ کی تیمار دار نے بتایا کہ نرسری میں ایک عورت کے چار جڑواں بچے بھی موجود تھے۔ تین بیٹے اور ایک بیٹی۔ آپا نے کچن سے واپسی پر یہ خبر اماں کو سنائی تو وہ بولیں۔ "بھئی، میں ضرور دیکھوں گی ان بچوں کو۔" سو آپا اماں کو مذکورہ بچے دکھانے لے گئیں۔

جویا دروازے پر نظریں لگائے پڑی تھی۔

ہر آہٹ پر اُس کا دل دھڑکنے لگتا۔

ایک موہوم سی آس تھی کہ شاید وہاں سے کوئی آ جائے۔

کوئی کیوں؟

یقین!

اس مرتبہ کتنی خواہش تھی یقین کو بیٹے کی۔

شاید وہ اپنے گھر میں ہوتی۔ یقین سے ناچاقی نہ ہوتی تو اس وقت بھی کسی پرائیوٹ وارڈ کی

بجائے پرائیوٹ روم میں ہوتی اور کمرا پھولوں، پھلوں، رنگ برنگے کھلونوں اور تہنیت ناموں سے سجا ہوا ہوتا...... اس وقت فقط ایک کارڈ تھا، اُس کے سرہانے اور ایک گلدستہ جو سارہ آپا لے کر آئی تھیں۔

سسرال سے کوئی آ جائے تو کتنا اچھا لگے گا کہ ایک کارڈ اور ایک گلدستہ!

لیٹے ہی لیٹے ہاتھ بڑھا کر اس نے کارڈ کو الٹا کر کے رکھ دیا اور گلدستہ اپنے سرہانے اس طرح رکھا کہ آدھا تکیے کے نیچے چھپ گیا۔

"آپا آ کر پوچھیں گی تو کہہ دوں گی پھول سرہانے رکھ لیے ہیں تازگی کا احساس ہو رہا ہے۔"

قدموں کی چاپ سنائی دی۔

دل بے مہار دھڑکنے لگا۔

نرس نے وارڈ میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ "بی بی! بچے کو فیڈ کیا تم نے؟"

"جی!" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اوکے۔" نرس پلٹ گئی۔

"مریم نہ جانے کیسی ہوگی!" اُس کے دل میں درد کی لہر اٹھی اور اُس کی آنکھوں کے کنارے نم کر گئی۔

"تم اتنے ظالم تو نہ تھے یقین کہ میرا دل نوچ کر لے گئے۔" اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے سوچا۔

پھر قدموں کی چاپ سنائی دی...

اونچی ایڑی والے زنانہ سینڈلوں کی کھٹ پٹ اور مردانہ جوتوں کی ملی جلی آوازیں بتدریج نزدیک سے نزدیک تر ہوتی سنائی دیں۔

اُس کی نظریں دروازے پر لگی تھیں۔

اچانک اس کی نظروں میں جوت سی جاگ اٹھی اور وہ کہنیوں کے سہارے اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔

امی، ببا، بجیا اور اُن کے ساتھ مریم!

پھول۔

کارڈز۔

مٹھائی۔

"اسلام علیکم۔" اُس نے کہا۔

"وعلیکم السلام۔"

ببا نے دستِ شفقت اس کے سر پر رکھ دیا۔

بجیا نے مریم کو گود میں اٹھا کر پلنگ پر اس کے نزدیک بٹھا دیا۔

دونوں طرف ایک عجیب سی کیفیت تھی۔

امی سوچ رہی تھیں۔ "اس لڑکی نے میرے گھر کا سکون برباد کر دیا۔"

بجیا اُس سے نظریں ملائے بغیر گرم جوشی سے عاری لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔ ”منا تو نرسری میں ہوگا؟“

”جی!“

جویا کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ایک بار پھر بھیڑیوں کے نرغے میں پھنس گئی ہو۔

عجیب تھا یہ سلسلہ بھی۔

آگ بجھ ہی نہ پائی تھی۔

جب طنابیں ٹوٹنے لگتیں تو سب متوحش ہو جاتے۔ اپنا اپنا احتساب کرنے لگتے۔ اپنے اپنے گریبان میں جھانکنے لگتے...... خود کو برا بھلا کہتے لیکن...... جونہی ٹھہراؤ آتا پھر دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف کدورت اور نگاہوں میں نفرت عود کر آتی!

یقین کہاں تھا؟

کیوں نہیں آیا تھا؟

اس نے مریم کو پیار کرتے ہوئے سوچا۔

”یقین میاں پہنچے؟“ بیا نے پوچھا۔

وہ چونکی اور نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ”جی...... جی نہیں۔“

اور اگلے ہی لیحے اس نے بدگمانی کو اپنے دل میں جگہ دیتے ہوئے سوچا۔ ”بڑے میاں کتنی چالاکی دکھا رہے ہیں...... یقین آتے تو ان کے ساتھ ہی نہ آتے۔“

امی نے جویا کے قرب و جوار کا ناقدانہ جائزہ لیا۔

”توبہ! کیا بے کسی اور بے سروسامانی تھی!“

ایک تھرماس، ایک پانی کی بوتل، ایک ڈسپوزی ایبل گلاس، دو پلیٹیں اور ایک کلو مٹھائی کا ادھ کھلا ڈبا جس میں سے چند گلاب جامنیں جھانک رہی تھیں۔

امی کو بہو کی اس بے سروسامانی پر ترس آنے لگا لیکن پلک جھپکتے ان کی سوچ کا رنگ بدل گیا۔

”یہ ہے ان کی میکے کی اوقات...... سسرال سے اسپتال آئی ہوتیں تو اس وقت کچھ اور ہی ٹھاٹ ہوتے۔ کسی تھرماس میں چائے ہوتی، کسی میں دودھ، کسی میں جوس۔“

”منا بھیا دیکھنا ہے؟“ بجیا نے مریم کے گال چھوتے ہوئے پوچھا۔

مریم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”چلیے بیگم صاحبہ! پوتے کو تو دیکھ آئیں۔“

امی اُٹھ کھڑی ہوئیں اور مریم کو چمکارتے ہوئے بولیں۔ ”چلو تمہیں بھی منا بھائی دکھا لائیں۔“

”نہیں...... نہیں...... یہ غضب بھی مت کیجیے گا۔ دیکھا نہیں، کتنی مشکل سے تو اجازت دی ہے ان لوگوں نے اُسے اندر لانے کی۔“

”مجھے پتا ہے ماسٹر صاحب۔“

”اچھا بہو، بچے کو دیکھ کر آتے ہیں ہم لوگ۔“ بیا نے کہا۔

ان کے جانے کے بعد اس نے مریم کو اپنے سینے سے لگاتے ہوئے سوچا۔ ”یہ لوگ تو آگئے یقین کیوں نہیں آئے؟“

اماں اور سارہ آپا واپس لوٹیں تو مریم کو دیکھ کر چونک گئیں۔

”مریم کو کون لایا؟“ آپا نے پوچھا۔

”اس کے دادا دادی لے کر آئے ہیں۔“

”کہاں ہیں؟“

”نرسری کی طرف گئے تھے، آپ لوگوں کو ملے نہیں؟“

”ہم تو ذرا کینٹین چلے گئے تھے۔ اماں کا پیٹ اپھر رہا تھا، صبح سے بھوکی تھیں نا انہیں۔“

”اب میرا دماغ اپھر رہا ہے۔“ اماں بولیں۔

سارہ آپا نے چونک کر اماں کی طرف دیکھا اور صورت حال تاڑ کر دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے لجاجت سے بولیں۔ ”آپ کو اپنے سارے بچوں کی قسم اماں، ان لوگوں سے مزید مت بگاڑیے گا۔“

اماں نے خشونت سے بیٹی کو دیکھا پھر بولیں۔ ”شرم نہ آئی سارہ تجھے مجھ کو ایسی قسم دیتے۔“

”کچھ مت بولیے گا...... وہ اگر دو باتیں کہیں بھی تو سن لیجیے گا۔“

”تمہیں شوق ہے دشمنی سننا میں تو جا رہی ہوں۔ جب وہ چلے جائیں گے تو آجاؤں گی۔“

اماں نے دروازے کا رخ کرتے ہوئے کہا۔

دفعتاً امی اور بیا ایک ساتھ اور بجیا اُن کے پیچھے پیچھے وارڈ میں داخل ہوئے اور بیا نے کہا۔

”کہاں جا رہی ہیں بہن؟“

اماں ٹھٹک گئیں۔

”آپ کو نواسہ مبارک ہو۔“ بیا نے خوش گوار لہجے میں کہا۔

”آپ کو بھی مبارک ہو۔“ اماں اکھڑے اکھڑے انداز میں بولیں۔

”ماشاء اللہ! بہت پیارا ہے۔“ امی پہلے پوتے کی پیدائش پر پھولی نہ سمائے دے رہی تھیں۔

”بچے کے کان میں اذان دلوا دی؟“ بیا نے پوچھا۔

”ہاں...... نانا نے دے دی۔“

”ماشاء اللہ۔“

”مدحت بیٹی، منہ تو میٹھا کرواؤ سب کا۔“ بیا بولے۔

”اوہ...... آئی ایم سوری بیا...... بالکل بھول گئی میں۔“

”کوئی بات نہیں۔“

”اور میں بھی بھول گئی۔“ سارہ آپا مسکرائیں اور اُنہوں نے ادھ کھلا مٹھائی کا ڈبا کھول کر پہلے بیا پھر امی اور بجیا کے سامنے کر دیا۔

بجیا نے مٹھائی کے دو ڈبوں میں سے ایک کھولا اور سب سے پہلے اماں کے سامنے کیا۔

”نہیں...... میری طبیعت اچھی نہیں۔“ اماں نے رکھائی سے کہا۔

"ہاں، مدحت اماں کی طبیعت کچھ خراب ہے، سیون اپ پلا کر لائی ہوں میں ابھی۔" سارہ آپا نے تائید کی۔

"اچھا آپ تو لیں۔"

"ضرور بھئی، کیوں نہیں لوں گی۔"

"مُنّے کا کوئی نام بھی سوچا کسی نے؟" بجیا بولیں۔

"ہاں..... یہ بہت اہم معاملہ ہے۔"

"اس کے بابا کو تو علی بہت پسند ہے۔" جویا دھیرے سے بولی۔

اماں نے چونک کر قدرے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"اچھا نام ہے..... چھوٹا اور مبارک۔" سارہ آپا بولیں۔

امی، بابا اور بجیا کوئی پون گھنٹہ بیٹھے رہے۔ انہیں یقین کا انتظار تھا مگر وہ نہیں آیا۔ وہ لوگ جانے کو اُٹھے تو جویا نے کہا۔

"مریم کو میرے پاس رہنے دیں۔"

امی اور بجیا نے بابا کو دیکھا۔

بابا بولے۔ "بیٹا! اگر اسپتال والے اجازت دیں اسے تمہارے پاس رہنے کی تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔"

"وہ اجازت کہاں دیں گے..... اچھا..... لے جایئے۔"

"زویا کے پاس بھجوا دینا۔" اماں نے لقمہ دیا۔

"نہیں اماں، اسے رہنا تو وہیں ہے۔" جویا نے کہا۔

سسرال والوں نے چونک کر اُسے دیکھا۔

اماں جو دیر سے اس تاک میں تھیں کہ کوئی بات نکلے تنک کر بولیں۔ "رہنے کی جا چھوڑی ہے باپ نے۔"

سارہ آپا دم بخود رہ گئیں۔

بالآخر اماں کو بہانہ مل ہی گیا تھا۔

اتنی بڑی قسم کا پاس بھی نہ رکھا تھا انہوں نے!

"بہن!" بابا نے رسانیت سے کہا۔ "جو کچھ ہوا، اس پر ہمیں افسوس بھی ہے اور شرمندگی بھی..... یقین نے واقعی بہت نا سمجھی کا ثبوت دیا۔"

"یقین سے کہہ دینا آپ کہ میرے گھر کی دہلیز تو اب وہ کبھی چڑھیں نہیں۔"

جویا نے گھبرا کر آپا کو دیکھا۔

"اماں!" آپا کے لہجے میں لجاجت بھی تھی، تنبیہ بھی۔

بابا دھیرے سے مسکرائے پھر بولے۔ "معاف کیجئے گا بہن..... میں یقین سے ہرگز یہ بات نہیں کہوں گا کیونکہ آپ کی بیٹی کے رشتے سے وہ خدا نے چاہا تو دس مرتبہ آپ کی دہلیز چڑھیں گے۔"

"رشتہ! کیسا رشتہ! رشتہ تو آپ کے بیٹے صاحب ختم کر گئے۔"

"اللہ کا ہی کرم ہے کہ ختم نہیں کیا۔"

اماں کے چہرے پر خشونت ٹپک رہی تھی۔

"بہن! گھر بنتے مشکل سے ہیں، ٹوٹنے میں ایک لمحہ لگتا ہے..... ہمیں اور آپ کو اپنی اولاد کو یہی تلقین کرنی چاہیے کہ گھر بنا کر رکھیں۔"

اچانک جویا کی سسکیوں نے ان سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔

"ارے..... ارے....." بابا اس کی طرف بڑھے اور اس کے سر پر اپنا ہاتھ دھرتے ہوئے بولے۔ "روتی کیوں ہو! ابھی تو ہم زندہ ہیں۔"

جویا بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"تم فکر مت کرو..... تسلی رکھو..... یقین میاں کے تو میں نے ایسے کان کھینچے ہیں کہ وہ ساری زندگی یاد رکھیں گے اور ابھی مزید خبر لوں گا میں اُن کی۔"

"میں بھی بیٹیوں والی ہوں..... کسی بیٹی کا گھر اُجڑتے دیکھ کر کب خوش ہو سکتی ہوں۔" امی نے رقت سے کہا۔ "مجھے پتا ہے کہ بیٹی کا گھر بگڑنا ماں کے لیے کتنا بڑا صدمہ ہوتا ہے۔"

سارہ آپا دزدیدہ نظروں سے مدحت بجیا کو دیکھنے لگیں۔

جویا کو روتے دیکھ کر مریم خوف زدہ دکھائی دینے لگی تھی۔

"نہیں میری جان، تم پریشان مت ہو۔" امی نے اسے اپنے سینے سے چمٹا لیا اور جویا کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔ "جب اولاد ہو جائے تو ماں باپ کو اپنے لیے نہیں اولاد کے لیے سوچنا اور اُنہی کے لیے جینا چاہیے۔"

رخصت ہوتے سمے بجیا نے جویا سے کہا۔ "نگہت اور نزہت کو فون کر دیا تھا ہم نے، وہ شاید شام کو آئیں گی۔"

اس کا جی چاہا پوچھے یقین کب آئیں گے مگر الفاظ زبان پر آ کر رُک گئے!

☆======☆======☆

دفتر میں مبارک سلامت کا غلغلہ اور منہ میٹھا کرانے کا سلسلہ تھما تو وہ اپنے رازداں اور مشیر خاص منیر احمد کے پاس جا بیٹھا۔

"یقین صاحب! آج بیٹے کی خوشی میں کام کی چھٹی ہے کیا؟" ایک رفیق کار نے پاس سے گزرتے ہوئے از راہِ مذاق کہا۔

جواباً اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

بیوی سے یقین کی ناچاقی کے تمام حالات منیر کے علم میں تھے ہی تازہ ترین حالات سننے کے بعد اُس نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے تمہارا اور بھابی کا رشتہ بال بال بچا ہے۔"

"یار! میں تو اتنے غصے میں تھا کہ بچی نہ آ گئی ہوتی تو شاید میں تیسری مرتبہ بھی کہہ بیٹھتا۔"

"ایک بات بتاؤ۔" منیر احمد نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "بالفرض تیسری

مرتبہ بھی کہہ دیتے تم تو.....؟"

"تو کیا؟"

"میرا مطلب ہے، کیا تم خوش اور مطمئن ہوتے؟"

"کیسی بات کر رہے ہو یار..... بیوی کو طلاق دے کر بھی خوش اور مطمئن ہو سکتا ہے کوئی آدمی؟"

"کیوں نہیں..... بیوی تنگ کرنے والی ہو تو شوہر اُس سے جان چھڑا کر خوش ہی ہوتا ہے اور مطمئن بھی رہتا ہے۔"

"مگر..... وہ..... تمہاری بھابی تنگ کرنے والی نہیں ہے۔"

"تو پھر کیا ہے؟ تنگ کرنا اور کسے کہتے ہیں!"

"یار! بس ذرا سی بیوقوف عورت ہے..... اپنی جاہل ماں کے کہنے پر چلتی ہے اور تو کوئی برائی نہیں ہے اُس میں۔"

"بیٹے کا باپ بننے کی خوشی میں تم بھول رہے ہو کہ اپنی ماں کے کہنے پر چل کر بھابی نے نہ صرف اپنی اور تمہاری بلکہ شاید تمہارے گھر والوں کی زندگی بھی اجیرن کر رکھی ہے۔"

"ہاں وہ تو ہے..... بہرحال پھر بھی میں اُسے چھوڑنا نہیں چاہتا۔"

"بندوبست تو تم نے پورا کر دیا تھا..... بچی نہ آ گئی ہوتی تو سارا قصہ ختم تھا۔ آج تم بھابی کو اپنی بیوی کہنے کے حق سے محروم ہو چکے ہوتے۔"

"ٹھیک کہتے ہو تم۔" وہ شرمندہ سا ہو گیا۔

"اچھا اس واقعے کے بعد تمہاری سسرال سے کسی نے رابطہ کیا تم سے؟"

"اُونہوں۔"

"حیرت ہے!" منیر نے توقف کیا پھر بولا۔ "آدمی تم شریف مل گئے ہو اُن کو..... تعجب ہے کہ وہاں سے کوئی نہیں آیا تمہارے پاس..... ان لوگوں کو چاہیے تھا کہ بھاگے ہوئے آتے تمہاری طرف اور معافی تلافی کی کوشش کرتے..... طلاق کا لفظ تو اچھے اچھوں کی سٹی گم کر دیتا ہے اور جس گھر کی بیٹی کو خدانخواستہ طلاق ہو جائے وہاں تو رونا پڑ جاتا ہے..... یار، معاف کرنا، مجھے تو تمہارے سسرال والے کچھ بے حس لگتے ہیں۔"

"بس یار....." یقین شرمندہ سا ہو گیا۔

"بھابی نے بھی رابطہ نہیں کیا؟"

"ماں کی اجازت کے بغیر وہ رابطہ کیسے کر سکتی تھی..... ماں کی اجازت کے بغیر تو وہ دم نہیں مار سکتی..... ویسے بھی وہ بے چاری تو اسپتال میں پڑی ہے۔"

"بے چاری!" منیر نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

یقین نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

کیا وہ طنز کر رہا تھا!

"بیٹے کی اطلاع کس کے ذریعے ملی تمہیں؟"

"میری بڑی سالی نے گھر پر فون کیا تھا۔"

"کیا تمہارے گھر سے کوئی گیا وہاں؟"

"ہاں..... امی، ابا اور بہن..... میرا بھی ارادہ تھا جانے کا مگر میں کچھ دیر کو کسی کام سے گھر سے باہر چلا گیا اور میرے پیچھے وہ لوگ نکل لئے۔"

"اچھا ہوا تم نہیں گئے۔"

"اچھا ہوا!" یقین نے قدرے استعجاب سے اس کے الفاظ دہرائے۔ "کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تمہیں نہیں جانا چاہیے۔"

"میں نہیں جاؤں گا تو بات بنے گی کیسے؟ تمہاری بھابی سے صلح کیونکر ہو گی؟" وہ بیتابی سے بولا۔

"آرام سے آرام سے..... زیادہ بے چین مت ہو..... سمجھے..... میرا مشورہ تو یہ ہے کہ جب تم نے اندھا دھند اتنا بڑا قدم اُٹھا ہی لیا ہے تو بھابی اور اُن کے گھر والوں کو کچھ دن لٹکا کر رکھو..... یہ کیا کہ کل تم نے طلاق دی اور آج صلح پر کمر باندھ رہے ہو..... جب اتنا بڑا اسٹیپ لیا ہے اور تمہارے پاس موقع بھی ہے تو ان کی رسی کھینچ کر رکھو اور دیکھو کہ وہ کچھ سدھرتے ہیں یا نہیں..... اسٹینڈ لو یار..... بھابی اور ان کے گھر والوں کی رسی کھینچنے کا یہ بہترین موقع ہے..... تمہارے اسٹینڈ لینے سے اگر ان لوگوں نے کچھ سبق سیکھ لیا اور راہ راست پر آ گئے تو فبہا ورنہ صلح تو تم نے کرنی ہی ہے۔"

یقین گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"مشورہ تو تمہارا اچھا ہے لیکن....."

"لیکن؟"

"میں اپنے بیٹے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"دیکھ لینا..... دیکھ لینا..... بیٹا تمہارا کہیں بھاگا تو نہیں جا رہا۔"

"بھاگا تو نہیں جا رہا لیکن میں..... میں اُسے دیکھنے کے لیے زیادہ انتظار بھی نہیں کر سکتا..... بہت بے تاب ہوں میں اُسے دیکھنے کے لیے۔"

"اغوا کروا لیں اُسے؟" منیر احمد نے ازراہ مذاق کہا۔

"ماں اُس کی مر جائے گی۔"

"بہانے بہانے ذکر کرتے ہو بھابی کا!" منیر احمد نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"کیوں نہ کروں بھئی شریکِ زندگی ہے وہ میری..... میرے بچوں کی ماں ہے۔"

"تبھی طلاق دینے جا پہنچے آپ۔"

یقین خفیف ہو گیا پھر بولا۔ "شکر کرتا ہوں خدا کا کہ اس نے بقول تمہارے بال بال بچا لیا

میرے اور تمہارے بھابی کے رشتے کو ورنہ......"

"ورنہ آج تم دوسری کی تلاش میں نکلے ہوئے ہوتے۔"

"جی نہیں...... پچھتا رہا ہوتا اور...... آج بیٹے کی پیدائش پر شاید اتنا خوش نہ ہو پاتا۔"

"بہر حال میرے مشورے پر عمل کر کے دیکھو، شاید اللہ شفا دے۔"

"ویسے تمہاری بھابی کو اگر پتا چل جائے کہ میرے مشیر تم ہو تو......"

"تو کہیں وہ اپنی مشیر کو میرے مقابلے پر نہ لا کھڑی کریں۔" منیر احمد مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہارا مطلب ہے اُس کی ماں؟"

"جناب!"

"آئی ہیٹ ہر...... نفرت ہوگئی ہے مجھے اس عورت سے۔"

"کتنی بدقسمت ہے تمہاری ساس!"

یقین نے قدرے تعجب سے منیر احمد کو دیکھا کہ وہ کیوں ترس کھا رہا تھا جویا کی ماں پر!

"اگر عقل اور محبت سے کام لیتیں وہ تو شاید...... بلکہ یقیناً تمہاری صورت میں ایک پلا پلایا بیٹا ملتا انہیں...... میں نے دیکھا ہے کہ بہوئیں تو عموماً بیٹیاں نہیں بن پاتیں مگر داماد اکثر اپنی ساسوں کے بیٹے ثابت ہوتے ہیں۔"

"یار! خدا کی قسم میں تو ان کی بہت عزت کرتا تھا۔ اُنہیں امی کا سا احترام دیتا تھا...... اور شاید ہمیشہ اُنہیں اپنی ماں کی طرح ہی سمجھتا رہتا مگر انہوں نے اپنی عزت خود گنوائی۔"

"شاید ایسی اَن گنت بدقسمت عورتیں ہوں گی ہمارے معاشرے میں جو دامادوں کی صورت میں بیٹے پا کر بھی اپنی نادانی کی وجہ سے اس نعمت سے محروم رہتی ہیں۔"

"بلکہ شاید دوسرے معاشروں میں بھی ہوں گی ایسی عورتیں۔"

"ضرور ہوں گی۔"

"اچھا......" یقین نے اُٹھنے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا۔ "تو تمہارے خیال میں مجھے صلح میں جلدی نہیں کرنی چاہیے؟"

"یہ میرا مخلصانہ مشورہ ہے، آگے تمہاری مرضی۔"

"آئی ول ویٹ...... او کے یار...... تھینک یو ویری مچ فار یور سنسیئر ایڈوائس...... آفس آیا ہوں تو تھوڑا سا کام بھی کر لوں۔"

"او کے۔"

یقین منیر احمد کے پاس سے اُٹھا تو اُس کا ذہن پہلے کی طرح بوجھل اور تھکا تھکا نہ تھا۔

گھر پہنچنے کے بعد امی اور پپا کو موجو کی زبانی جب یہ معلوم ہوا کہ یقین ان کے جانے کے بعد مٹھائی لے کر گھر آیا تھا اور پھر چلا گیا تھا تو انہوں نے یہی جانا کہ شاید وہ ان کے آنے کے بعد اسپتال پہنچا ہوگا اور ایک آدھ گھنٹے میں گھر لوٹ آئے گا۔ مگر جب وہ دوپہر تک بھی نہ پلٹا تو امی کو تشویش ہوئی اور وہ پپا سے بولیں۔ "دیکھ لیا ماثر صاحب، صاحبزادے ایسے گئے کہ اب تک گھر نہیں لوٹے۔"

پپا جو کسی کتاب کی ورق گردانی میں منہمک تھے، کتاب سے نظریں ہٹائے بنا اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔ "ہوں۔"

"ہوں کیا کر رہے ہیں، ادھر دیکھ کر بات کیجیے۔"

پپا نے عینک آنکھوں پر سے ہٹا کر سر پر چڑھائی اور امی کی جانب دیکھتے ہوئے بولے۔ "جی فرمایئے، کیا کہہ رہی ہیں آپ؟"

"کہہ رہی ہوں، آپ کے صاحب زادے بیوی کے پاس ایسے گئے کہ وہیں کے ہو رہے۔"

"اچھا ہے۔"

"کیا اچھا ہے...... اسپتال میں بیوی کی پٹی سے لگ کر بیٹھ جانے میں کیا اچھائی ہے بھلا...... ارے بھئی، بچے کو دیکھتے، پیار کرتے، بیوی کا حال چال پوچھتے اور لوٹ آتے۔"

"بیگم صاحبہ! آپ بھول رہی ہیں شاید کہ جب ہمارے ہاں پہلا بیٹا پیدا ہوا تھا تو میں نے پانچ دن میں بمشکل دس گھنٹے اسپتال سے باہر گزارے تھے۔ پرائیوٹ کمرا تھا، آپ ہی کی سیوا کرتا رہا تھا۔"

"بیٹے ماثر صاحب۔" امی شرما گئیں۔ "کیسی باتیں کرتے ہیں۔"

"کیا غلط کہہ رہا ہوں؟"

"نہیں غلط تو خیر نہیں کہہ رہے۔"

"تو پھر صاحب زادے پر اعتراض کیوں...... یہ وہی صاحب تو ہیں جن کی پیدائش کا ذکر کر رہا ہوں...... باپ کا آخر کچھ تو اثر آئے گا ہی بیٹے میں۔"

"ہماری آپ کی بات اور تھی، ان کی بات اور ہے...... خدانخواستہ ہم بہو کی طرح بے لگام تھوڑی تھے اور اللہ بخشے ہماری ماں بھی خدا نہ کرے یقین کی ساس کی طرح کفن پھاڑ کر بولنے اور دامادوں کو دو کوڑی کا سمجھنے والی تھوڑی تھیں...... خدا مغفرت کرے، دامادوں کی عزت کرتی تھیں وہ...... یقین کی ساس تو ایسے بھگو بھگو کر مارتی ہیں کہ خدا کی پناہ...... اللہ بچائے! میں نے ایسی عورت نہیں دیکھی۔"

"بیگم صاحبہ، زندگی میں سبھی بھلے لوگ نہیں ملتے...... یقین کی ساس واقعی ٹیڑھی اور تنگ مزاج عورت ہیں، بہر حال اب تو سابقہ پڑ ہی چکا ہے، سو بھگتنا ہے۔"

"اسی لیے سیانے کہتے ہیں کہ بہو تلاش کرو تو لڑکی سے پہلے اس کی ماں کو دیکھو۔"

"اسے کلیہ بہر حال نہیں بنایا جا سکتا۔ مستثنیات ہر جگہ ہوتی ہیں۔ بعض بہت اچھی ماؤں کی بیٹیاں اچھی نہیں ہوتیں اور بعض خراب ماؤں کی بیٹیاں بہت اچھی بھی دیکھی گئی ہیں...... پھر ایک ہی ماں کی کوکھ سے جنم لینے والی بیٹیاں مختلف مزاج اور مختلف طبیعتوں کی پائی گئی ہیں۔"

"خیر یقین گئے تھے تو انہیں اتنی دیر نہیں کرنی چاہیے تھی...... عجب وتیرہ ہے، آج کل کے لڑکوں کا، بیوی کو سامنے پا کر بس اسی کے ہو رہتے ہیں...... حالانکہ یقین کو کرنا یہ چاہیے تھا کہ کھڑے کھڑے جاتے اور لیے دیے سے واپس آ جاتے۔"

"بیگم صاحبہ! زیادہ پریشان مت ہوں، صاحب زادے آجائیں گے۔" بابا نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے عینک سر پر سے آنکھوں پر اتاری اور دوبارہ مطالعے میں مصروف ہو گئے۔

جوں جوں وقت گزرتا گیا، امی کی تشویش اور بے تابی بڑھتی چلی گئی۔

"بھائی کو دیکھا تم نے اپنے۔" انہوں نے بجیا سے شاکی لہجے میں کہا۔ "بیوی کے پاس گئے تو وہیں کے ہو رہے۔"

"حالانکہ ان کی ساس کا موڈ ٹھیک نہیں تھا۔"

"توبہ! توبہ! اس عورت سے تو خدا بچائے۔" امی نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ "یقین بہت غلط جگہ پھنس گئے ہیں..... خدا جانے زندگی کیسے گزرے گی!"

"ویسے جویا کی حالت کافی پتلی لگ رہی تھی۔" بجیا بولیں۔ "بہت کمزور لگیں، مجھے تو۔"

"میاں کی طرح کے عیش تھوڑی ہوں گے میکے میں..... اور اگر عیش ہوں بھی تو اپنے گھر کا سا آرام بھلا ملتا ہے کہیں..... اپنے گھر اور اپنے مرد کی بات ہی اور ہوتی ہے۔"

اپنا گھر!

ایک گھٹی گھٹی سی سرد آہ بجیا کے سینے میں زخمی چڑیا کی مانند پھڑ پھڑا کر رہ گئی۔

دوپہر گزری

سہ پہر ہو گئی۔

یقین نہ آیا۔

"لگتا ہے، یقین تو بیوی کے ساتھ اب اسپتال ہی میں رہیں گے۔" امی کی تشویش اور بے چینی اب غصے میں بدل چکی تھی۔

بابا مسکرا دیے۔

"ہم خوشامد کرتے رہے اتنے دن کہ جا کر بہو کو گھر لے آؤ تو لائے نہیں اور..... اب وہاں جا بیٹھے۔"

"آپ کو تو خوش ہونا چاہیے بیگم صاحبہ کہ بیٹے کے اس کی سسرال سے تعلقات بحال تو ہوئے۔"

"اونہہ!" امی نے گردن جھٹکی۔

بابا انہیں دیکھنے لگے۔

"یوں بیوی کے غلام بن کر تو یقین اپنی رہی سہی عزت بھی کھو دیں گے۔" امی نے تلخی سے کہا۔

بابا امی کے نزدیک آ بیٹھے اور بولے۔ "کسی نے سچ کہا ہے کہ عورت ایک سربستہ راز ہے۔ اس کی پرتیں جتنی کھولیے اتنی ہی یہ گم ہوتی چلی جاتی ہے۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" امی نے ابرو چڑھا کر بابا کو دیکھا۔

"مطلب یہ ہے کہ بہو اور بیٹے میں کشیدگی تھی تو آپ بیٹے سے اس لیے ناراض تھیں کہ وہ بیوی کو منانے کیوں نہیں جاتے اور اب جب وہ بیوی کے پاس گئے ہیں تو آپ پریشان ہیں کہ وہ آ گئے

کیوں نہیں..... اصل میں بات یہ ہے کہ ساس کتنی ہی اچھی ہو، ہوتی تو ساس ہی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"چھوڑیے کیا کریں گی مطلب سمجھ کر۔"

"میں سب سمجھتی ہوں۔"

"سمجھتی ہیں تو تجاہلِ عارفانہ کیوں!" بابا مسکرا دیے۔

عصر کے بعد نگہت بھتیجے کو دیکھنے کے لیے اسپتال جاتے ہوئے دونوں بچیوں کو میکے میں چھوڑنے کو کھڑے کھڑے گھر آئی تو امی نے اس سے کہا۔ "اسپتال جا رہی ہو تو یقین سے کہنا، بس اب گھر کی راہ بھی دیکھیں۔"

افتخار احمد جو طلاق والے قصے سے لاعلم تھے بولے۔ "امی جان، خدا خدا کر کے تو یقین بھائی نے اُدھر کی راہ دیکھی ہے۔ جتنی دیر وہ وہاں رہیں اچھا ہے۔"

"زن مرید شوہر اچھے نہیں لگتے۔" نگہت تنک کر بولی۔

افتخار احمد نگہت کو کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے گنگنانے لگے۔

ہم آہ بھی بھرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

"کون قتل ہو گیا؟" نگہت نے ترچھی نظروں سے افتخار احمد کو دیکھا۔

"تھا ایک مردِ شریف۔" افتخار احمد بولے۔

"شعر و شاعری چھوڑیے اور چلیے۔"

"چلیے جناب۔"

ان کے چلتے چلتے امی نے نگہت کو آہستہ سے سمجھایا۔ "دلہن کی اماں کو ایسا کوئی موقع نہ دینا کہ انہیں تمہارے میاں کے سامنے طلاق کی بات نکالنے کا موقع ملے..... انہیں تو نہ اپنی عزت پیاری ہے نہ دوسروں کی۔"

"ہم تو کھڑے کھڑے جائیں گے اماں..... آپ کی بہو اور ان کے گھر والے اس لائق ہیں ہی نہیں کہ ان سے زیادہ بات کی جائے۔"

"تم کہتی تو ٹھیک ہو مگر کیے کو تو بھگتنا ہے..... یقین خود تو نہیں لائے، ہمی نے ڈھونڈی تھی ان کے لیے یہ لڑکی..... بس یہ کہو، مقدر کا کچھ پتا نہیں ہوتا اور جہاں مقدر بندھا ہو، وہاں آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں ورنہ ہم دشمن تھوڑی تھے یقین کے کہ ایسے گھرانے میں جا گھستے۔"

افتخار احمد جو آگے بڑھ چکے تھے، تھم کر پیچھے دیکھتے ہوئے نگہت سے بولے۔ "واپس نہیں آنا ہے؟ امی سے باقی باتیں واپسی پر کر لینا۔"

"اچھا امی!"

"جاؤ..... فی امان اللہ۔"

نگہت کو گئے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ نزہت کا فون آ گیا۔ مسعود کے ساتھ وہ بھی اسپتال

جانے کو گھر سے نکل رہی تھی۔

☆=====☆=====☆

شام کو دفتر سے چھٹی کے بعد یقین حسب معمول گھر نہیں گیا۔ جیسے گرم چوٹ ٹھنڈی پڑنے کے بعد دکھن پیدا کرتی ہے، ویسے ہی اُسے بھی گھر جا کر فرزین کے سامنے پڑنے کا خیال تکلیف دہ محسوس ہو رہا تھا۔

"صبح کتنی بدتمیزی کی تھی اس نے!"

اس کے فقرے اور جملے بازگشت بن کر یقین کی سماعت میں گونج رہے تھے۔

"آئی ایم فیڈ اپ آف آل دس نان سینس" اُس کا یہ جملہ بار بار یقین کے ذہن پر ہتھوڑے کی ضرب جیسی کیفیت پیدا کر دیتا۔

"بدتمیز! گستاخ! ہمیں نان سینس کہتا ہے۔" یقین ایک ہیجانی سی کیفیت میں سوچ رہا تھا۔

"چار پیسوں نے اس کا دماغ عرشِ معلی پر پہنچا دیا ہے..... گھر والوں نے بھی تو اسے جھنڈے پر چڑھا رکھا ہے..... یہ لحاظ بھی نہ کیا اس نے کہ بڑے بھائی سے بات کر رہا ہوں..... اونہہ! خدا جانے کیا سمجھتا ہے اپنے آپ کو..... اب ساری زندگی کلام نہیں کروں گا میں اس سے۔"

چائے کی ایک پیالی کے بہانے بہت دیر وہ ایک ریستوران میں بیٹھا رہا۔

بیٹے کو دیکھنے کو بہت دل چاہ رہا تھا اس کا۔

مگر منیر احمد کا مشورہ بھی خاصا مدلل محسوس ہوتا تھا۔

واقعی تھوڑی رسی تو کھینچنی چاہیے ان لوگوں کی۔

لیکن اگر کچھ اثر نہ ہوا ان پر تو؟

کوئی بات نہیں پھر بھی گھاٹے کی بات نہیں۔

کم از کم یہ تو پتا چل جائے گا کہ جویا گھر بسائے رکھنے میں کس حد تک انٹرسٹڈ ہے۔ اگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا تو پکی چھٹی کر دوں گا اس کی۔

حوصلہ ہے پکی چھٹی کرنے کا؟

کٹھن ہے مگر ساری زندگی بے یقینی کی کیفیت میں بسر کرنے سے کسی ایک فیصلے پر پہنچ جانا بہتر ہے۔ اوکے!

اوکے جویا بیگم! یہ تمہارا ٹرائل ہے..... آزمائش ہے..... دیکھنا ہے کہ تم مجھ سے کتنی سنسیئر ہو!

مگر یار، بچے کو دیکھنے کو بہت جی چاہ رہا ہے۔

اوکے۔

ہے ایک صورت۔

بھئی جس ہاسپٹل میں جویا ہے، وہاں بچے تو ماؤں سے علیحدہ نرسری میں رکھے جاتے ہیں نا، بس فیڈنگ کے لیے نرس لے آتی ہے بچے کو ماں کے پاس..... باقی وقت تو بچے نرسری میں ہوتے ہیں..... آل رائٹ، چپکے سے وہاں جا کر دیکھ لیں گے صاحب زادے کو۔

لیکن اگر کسی نے دیکھ لیا تو؟

پروا نہیں۔

میرا بچہ ہے..... میں باپ ہوں اُس کا..... اُسے دیکھ سکتا ہوں۔

گڈ! یہ ہوئی نا مردوں کی سی بات۔

ٹھیک ہے تو پھر چلو۔

بتیاں جل اُٹھنے کے بعد وہ اسپتال پہنچا۔

دربان کی سو منتیں کر کے نرسری تک پہنچ ہوئی۔

نرسری میں بچوں کی دیکھ بھال پر مامور ایک نرس سے اُس نے استدعا کی کہ وہ مسز جویا یقین کا بے بی دیکھنا چاہتا تھا۔

اینگلو انڈین نرس نے سر سے پاؤں تک اُسے دیکھا اور پوچھا "آپ کون ہے؟"

"میں باپ ہوں۔" اُس نے بتایا۔

"کس کا؟"

لاحول ولاقوۃ! یہ بھلا کیا سوال تھا۔

"بچے کا۔"

"اوہ! آئی سی۔" نرس نے کہا۔ "تو آپ سعودی عرب سے واپس آ گیا؟"

وہ چونکا۔

اچھا تو اسپتال والوں سے اُس کے بارے میں یہ غلط بیانی کی گئی تھی۔

نرس نے ننھا لچھے میں لپٹا گل گوتھنا سا بچہ اسے لا تھمایا اور بولی۔ "ابھی تھوڑا دیر ہی پہلے آپ کا دونوں سسٹرز اور ان کا ہسبینڈ بھی دیکھ کر گیا ہے۔"

بچے کو بازوؤں میں لیا تو اُسے یوں محسوس ہوا جیسے پوری کائنات اس کے بازوؤں میں سمٹ آئی ہو۔

اُس کی آنکھیں بند تھیں۔

شاید سو رہا تھا۔

رنگت گلابی۔

بال بالکل سیاہ

کلائی میں ایک ننھا سا پٹا اور اس پر لکھا تھا۔ "بے بی آف جویا" ساتھ ہی پیدائش کی تاریخ، وقت اور بچے کا وزن بھی لکھا تھا۔

عجیب کیفیت تھی یقین کے دل کی!

باپ بننا واقعی ایک دلگداز تجربہ ہے!

مگر

بیٹے کا باپ بننا انتہائی سحر آفریں تجربہ!!

مسکراتے ہوئے اُس نے پہلی مہرِ محبت، بہت آہستگی سے اپنے بیٹے کی پیشانی پر ثبت کردی۔

☆=====☆=====☆

نگہت اور نزہت بھتیجے کو دیکھ کر اسپتال سے میکے آئیں تو امی نے چھوٹتے ہی پوچھا۔ ''یقین اب بھی نہیں آئے!''

''وہ وہاں تھے ہی کب جو آتے۔'' نزہت نے کہا۔

''تھے ہی کب!'' اماں نے قدرے تعجب سے نزہت کے الفاظ دہرائے پھر بولیں۔ ''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ وہ وہاں گئے ہی نہیں۔'' نگہت بولی۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے، وہ تو صبح کے گئے ہوئے ہیں وہیں۔''

''میں نے بھابی سے پوچھا تھا کہ یقین بھائی کب گئے آپ کے پاس سے تو وہ حیران ہوکر کہنے لگیں، وہ آئے ہی کب جو جاتے۔''

''جھوٹ بول رہی ہوں گی۔'' امی بولیں۔

''وہ تو اُن کی بہت پرانی عادت ہے۔'' نگہت گردن اُٹھا کر ایک ادائے خاص سے طنزاً بولی۔

''اس قدر صفائی سے جھوٹ بولتی ہیں وہ کہ جوتوں سمیت آنکھوں میں اُتر جاتی ہیں۔''

''ماسٹر صاحب! ماسٹر صاحب!'' امی ہر مشکل وقت کی طرح اس وقت بھی ابا کو پکارتی ہوئی اٹھیں اور لاؤنج کی طرف چلیں، جہاں ابا دونوں دامادوں اور فرزین سے بیٹھے باتیں کررہے تھے۔

''سنا آپ نے ماسٹر صاحب؟'' امی نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''کیا؟ کیا ہوا؟''

''نگہت اور نزہت بتارہی ہیں کہ دلہن نے کہا، یقین تو وہاں پہنچے ہی نہیں۔''

''اچھا!'' ابا چونکے۔

''ہوسکتا ہے، وہ چھپا رہی ہوں مگر ہمیں غافل نہیں بیٹھنا چاہیے۔ آئے دن اس طرح کی خبریں آتی رہتی ہیں اخبار میں کہ لڑکے کا سسرال والوں سے یا بیوی سے کچھ اختلاف تھا، سسرال والوں نے قتل کرا، اللہ نہ کرے......'' امی نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

ابا تشویش میں پڑے ہوئے تھے۔ فرزین بھی فکر مند دکھائی دے رہا تھا۔

''ماسٹر صاحب! میرا تو دل ہولا جارہا ہے۔'' امی نے کلیجا دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

''گھبرائیے مت، گھبرائیے مت۔''

''کیسے نہ گھبراؤں...... میرا تو دل بیٹھا جارہا ہے...... ایسی منحوس بہو آئی گھر میں کہ جس دن سے آئی ہے، پریشانی ہی پریشانی ہے۔''

''لاحول ولاقوۃ! آپ بھی بہو کی والدہ کی طرح جاہلوں کی سی باتیں کرنے لگیں۔''

''پتا کیجیے...... پتا کیجیے، اُس کے بارے میں...... آپ خود اسپتال جائیں اور بہو سے پوچھیں۔''

''اچھا بھئی اچھا، جاتے ہیں۔''

''یا اللہ! یا اللہ، میرے بچے کی خیر ہو۔'' امی نے گڑگڑا کر دعا کی۔

بجیا، نگہت اور نزہت جو اُن کے پیچھے پیچھے لاؤنج میں چلی آئی تھیں، انہیں تسلی دینے کی کوشش کرنے لگیں۔

''صبح سے ہم اسی خیال سے غافل بیٹھے ہیں کہ یقین اسپتال گئے ہوں گے...... سو جو بتارہا تھا، مٹھائی کا ڈبا لے کر آئے تھے، وہی لے کر گئے بھی...... مٹھائی کا ڈبا لے کر یقین اور کہاں جاسکتے ہیں بھلا۔''

''بیگم صاحبہ، مٹھائی لے کر جانے کی تو خیر سو جگہیں ہوسکتی ہیں...... جب آدمی خوش ہوتو وہ ساری دنیا کو اپنی خوشی میں شریک کرنا چاہتا ہے۔'' ابا بولے۔

''ہوسکتا ہے دفتر گئے ہوں۔'' مسعود نے قیاس ظاہر کیا۔

''دفتر سے تو وہ آج چھٹی پر تھے اور بالفرض اگر گئے بھی ہوں تو انہیں تو بہت پہلے گھر واپس آجانا چاہیے تھا۔'' ابا نے کہا۔

''اچھا اب آپ اسپتال جائیں اور پوچھ گچھ کریں۔'' امی بولیں۔

''میں چلتا ہوں آپ کے ساتھ۔'' افتخار احمد نے گاڑی کی چابی میز سے اُٹھائی۔

''افتخار بھائی، آپ بیٹھے، میں جاتا ہوں ابا کے ساتھ۔'' فرزین اٹھ کھڑا ہوا۔

''آپ گھبرائیے مت امی، ہمیں یقین ہے کہ بھائی ان شاء اللہ خیریت سے ہوں گے۔'' نزہت نے امی کو دلاسا دیا۔

''آمین!''

امی کا قیاس نہ جانے کہاں کہاں غوطے کھاتا پھر رہا تھا۔

بدگمانیاں بجیا کے دل کو بھی ڈرا رہی تھیں۔

سب فکر مند تھے۔

☆=====☆=====☆

ابا اور فرزین کو گئے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ یقین آگیا۔

''مبارک! مبارک!'' افتخار احمد یقین کو دیکھتے ہی بڑی گرمجوشی سے بولے۔

''تھینک یو۔''

نگہت، نزہت اور مسعود نے بھی مبارکباد دی۔

''کہاں چلے گئے تھے یا شیخ جو گھر بھر کو پریشان کردیا؟'' افتخار احمد نے کہا۔

''پریشان ہونے کی کیا بات...... دفتر گیا تھا۔''

''دیکھا، میرا اندازہ درست تھا نا۔'' مسعود نے کہا۔

''مگر دفتر سے اتنی دیر میں واپسی!'' بجیا نے منقطع سفارتی تعلقات بحال کرنے کی کوشش کی۔

''کبھی کبھی دیر بھی ہوجاتی ہے۔''

"اسپتال گئے تھے؟" امی نے پوچھا۔

اُس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کتنا جھوٹ بولتی ہیں دلہن۔" امی نے نگہت اور نزہت کی طرف دیکھا اور بولیں۔ "تم لوگوں نے پوچھا تو کہہ دیا کہ یقین اسپتال آئے ہی نہیں۔"

"ہاں بھائی، ہم نے تو بھابی نے بھی کہا کہ آپ اُن کے پاس پہنچے ہی نہیں۔" نگہت بولی۔

"ہاں، وہاں تو نہیں گیا تھا۔"

سب چونکے۔

"تو پھر؟" امی نے پوچھا۔

"بچے کو دیکھنے گیا تھا، دیکھ کر واپس آ گیا۔"

"یقین بھائی۔" افتخار احمد بولے۔ "بس اب ناراضگی تھوک دیں...... صلح کر لیں بھابی سے۔"

"ایکسکیوزمی...... میں ذرا چینج کر لوں۔" وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

اُس کے تیوروں سے سب سمجھ گئے کہ وہ اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

جاتے جاتے وہ ٹھٹکا اور اس نے امی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "مریم کہاں ہے؟"

"میرے کمرے میں نگہت کی بچیوں کے ساتھ کھیل رہی ہے۔" امی نے جواب دیا۔

"مریم کیسے آ گئی؟" افتخار نے پوچھا۔

"ہم لوگ بچے کو دیکھنے گئے تھے تو اُسے لے آئے۔" امی نے بات بنائی۔

تو یہ اولادوں سے کیسی پردہ داری رکھنی پڑتی تھی۔

"اچھا امی، اب ہم لوگ چلتے ہیں۔" نزہت بولی۔

"کھانا کھائے بغیر کوئی نہیں جائے گا۔" بیجیا نے کہا۔

"دیر ہو جائے گی ہم لوگوں کو۔" نزہت نے دبی زبان سے کہا۔

امی اُٹھیں اور یقین کے کمرے تک جا پہنچیں۔ دروازہ کھلا ہوا تھا پھر بھی امی نے احتیاطاً ہلکی سی دستک دینا ضروری سمجھی۔

"ہاں...... کون ہے؟ آ جائیں۔"

امی اندر داخل ہو گئیں۔

یقین جو بستر پر نیم دراز تھا، انہیں دیکھ کر سیدھا ہو بیٹھا۔

"بیٹا! میں تم سے یہ کہنے آئی ہوں کہ افتخار اور مسعود کے سامنے ایسی ویسی کوئی بات نہ کرنا، طلاق وَلاق کا تذکرہ نہیں کیا ہے ہم نے اُن سے۔"

وہ خاموش رہا۔

"اسپتال گئے تھے تو دلہن کے پاس کیوں نہ ہو کر آئے...... تمہارے بیا اور فرزین تمہاری تلاش میں وہاں پہنچیں گے تو وہ کیا سوچیں گی۔"

وہ چونکا۔

"فرزین کیوں گیا ہے وہاں؟" اُس نے برافروختہ ہو کر کہا۔

"کیوں؟ کیا حرج ہے؟ بھتیجے کو دیکھ آئیں گے وہ بھی۔"

"کوئی تعلق نہیں مجھ سے یا میرے بچوں سے اُس کا۔" وہ غصے سے بولا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو بیٹا! وہ بھائی ہے تمہارا۔"

"کوئی نہیں ہے میرا بھائی۔"

"آہستہ...... افتخار اور مسعود تک آواز پہنچی تو وہ کیا سوچیں گے۔"

"بھائی اس قسم کی باتیں کرتے ہیں جیسی اُس نے کیں۔" یقین کی آنکھوں میں شدتِ رنج سے سُرخی تیرنے لگی۔ "اسے کیا حق تھا یہ کہنے کا کہ بھابی اب اس گھر میں نہیں آئیں گی...... کیا سمجھتا ہے وہ کہ اس گھر کے علاوہ میرا کوئی اور ٹھکانا نہیں ہو سکتا۔"

"تم غلط سمجھے ہو بیٹا! فرزین نے حقیقتاً کسی بُرائی سے یہ بات نہیں کہی تھی...... اُن کا مطلب یہ تھا کہ جب بھابی علیحدہ گھر چاہتی ہیں تو انہیں اس گھر میں کیوں لایا جائے۔"

"آپ اس کی حمایت مت لیں، امی میں اس کا مطلب اچھی طرح سمجھتا ہوں...... وہ مجھے ذلیل کرنا چاہتا تھا سو اُس نے کر لیا۔"

"نہیں بیٹے، ایسی کوئی بات نہیں۔"

"اپنے پیسے پر اِتراتا ہے وہ۔"

"اوہو! کیسی باتیں کر رہے ہو۔"

"ٹھیک کہہ رہا ہوں میں۔" وہ بھبک کر بولا۔ "اور آپ سب لوگ اُس سے دبتے ہیں...... اُس کے پیسے سے مرعوب ہیں۔"

امی کے تیور بھی بگڑ گئے۔

"اول تو ایسا کون سا من برس رہا ہے اُس پر اور اگر کچھ ہے بھی اُس کے پاس تو ہم نے اُس کا پیسہ کون سا قبر میں لے جانا ہے اپنی...... ہمارے پاس تو جو کچھ تھا، ہم نے تمہی لوگوں کی تعلیم اور تربیت پر خرچ کر دیا۔ اب اگر تم لوگ ہمارے بڑھاپے میں ہمارا کچھ خیال کر لو، تو تمہاری سعادت مندی، نہ کرو تو کوئی زور نہیں...... لالچ بہرحال ہمیں تم میں سے کسی سے کچھ نہیں۔"

اپنی بات کی ابتداء امی نے قدرے تیز ہو کر غصے سے کی مگر بات کے اختتام تک وہ قدرے رنجیدہ دکھائی دینے لگیں۔

یقین خاموش رہا۔

"فرزین اگر تمہارا بھلا نہ چاہتا تو تم سے یہ کیوں کہتا کہ آپ لوگ میرے فلیٹ میں رہ لیں۔"

"لعنت بھیجتا ہوں میں اُس کے فلیٹ پر...... سڑک پر جا پڑوں گا مگر اُس کا احسان نہیں لوں گا...... میرا اب اُس سے یا اُس کی کسی چیز سے کوئی تعلق نہیں رہا...... اور جویا کے سلسلے میں بھی کوئی مجھ سے کچھ نہ کہے۔"

امی کو رنج اور خوف کی ملی جلی کیفیت نے آ لیا۔

اُنہیں یوں لگا جیسے ان کی اور بابا کی عمر بھر کی ریاضت اکارت گئی تھی۔

تمام عمر دونوں اپنے بچوں کو اتفاق اور محبت سے رہنے کی تعلیم و تربیت دیتے رہے تھے اور اپنی کامیابی پر نازاں اور مسرور تھے لیکن......!

ایک احساسِ نارسائی دُکھ بن کر امی کے دل میں دھوئیں کی چادر بن کر پھیل گیا۔

اُن کا دل بیٹھنے لگا۔

اُنہیں یوں لگا، جیسے یقین اور فرزین پھر کبھی محبت کی اس زنجیر میں نہ بندھ پائیں گے جس نے ان دونوں کو بہت مضبوطی سے ایک دوسرے کے قریب کر رکھا تھا۔

یقین نے وارڈ روب سے کپڑے نکالے اور باتھ روم میں گھس گیا۔

امی بہت دل شکستہ سی اُس کے کمرے سے نکل آئیں۔

☆=====☆=====☆

نرس بچے کو فیڈ کروانے کے لیے جویا کے پاس لائی تو اس نے بچے کو جویا کی گود میں دینے کے بعد اُس کا گال پکڑ کر بہت آہستگی سے کہا۔ ''کیوٹ! اپنا باپ کی طرح ہینڈسم ہوئیں گا۔''

''باپ تو اس کا بہت بدصورت ہے۔'' جویا نے مذاقاً کہا۔

''اوہ نو...... ہی از ویری ہینڈسم۔'' نرس بولی۔

جویا بے ساختہ چونکی۔

''آپ کو کیسے پتا سسٹر؟'' اُس نے پوچھا۔

''میرے کو مالوم ہے...... میں نے دیکھا ہے تمہارا ہسبینڈ کو۔''

''کب؟ کہاں؟''

''ابھی تھوڑا دیر پہلے جبھی وہ اس کو دیکھنے کا واسطے آیا تھا۔'' نرس نے جویا کی آغوش میں بچے کی پوزیشن درست کرتے ہوئے کہا۔

''اسے دیکھنے!'' جویا کی نگاہیں اماں کی نگاہوں سے جا ملیں۔

''بابا، تم اتنا حیران کائے کو ہوتا...... ڈونٹ وری۔'' نرس نے آنکھ دبائی۔ ''ام تم سے سعودیہ کا پرفیوم تو نہیں مانگتا۔''

''اوہ نو سسٹر، یہ بات نہیں ہے۔'' وہ شرمندہ ہو گئی۔

''او کے۔'' نرس مسکرائی۔ ''تم اسے فیڈ کرو...... آئی ایم جسٹ کمنگ۔''

نرس کے جانے کے بعد اماں نے جویا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''دیکھا...... اسپتال میں بھی چین سے نہیں بیٹھنے دے رہا کم بخت ہمیں۔''

''اماں!'' وہ بچے کے سر پر بہت محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ ''کچھ پریشان تو نہیں کیا انہوں نے ہمیں۔''

''رسوا تو کر دیا۔'' اماں بھبک کر بولیں۔

''کیا رسوا کر دیا؟''

''ہم نے اپنی عزت کی خاطر اسپتال میں سب کو یہی بتایا کہ داماد ہمارا سعودی عرب گیا ہوا ہے اور وہ منحوس چوروں کی طرح آ کر اپنا چہرہ دکھا گیا۔''

''کوئی بات نہیں...... کیا سعودی عرب جانے والے واپس نہیں آ سکتے۔''

''یوں چوروں کی طرح نہیں آتے، لدے پھندے آتے ہیں۔ نرسوں، آیاؤں اور جمعداروں پر نوٹ برساتے ہوئے۔''

''کوئی بات نہیں۔ ہم خود خوش کر دیں گے ان سب کو...... اللہ کا شکر ہے اماں، میں کسی کی محتاج نہیں، خود کماتی ہوں۔''

''مگر وہ ناشکرا تو پھر بھی طلاق کہہ کر چلا گیا۔'' اماں نے توقف کیا پھر بڑبڑائیں۔ ''بڑا بیچ آ رہا تھا سازہ کو تمہاری سسرال میں خبر کرنے کو...... میں نے کہا تھا نا وہ نہیں آئے گا...... دیکھ لو باہر کے باہر ہی بچے کو دیکھ کر چلا گیا، یہ جتانے کو کہ اولاد میری ہے...... ارے، وہ تمہارے سسرال والے بھی بس بچے پر اپنا حق ظاہر کرنے کو آ گئے تھے...... ہماری کوئی اہمیت نہیں ہے یقین اور اُس کے گھر والوں کی نظروں میں...... خدا کی قسم، اُنہیں دیکھ دیکھ کر میرا تو خون کھولتا رہا۔'' جویا نے اماں سے نظریں چرا لیں۔

واقعی کس قدر بے توقیر کر کے رکھ دیا تھا یقین نے اُسے اماں کی نظروں میں! کتنی بے مروتی دکھائی تھی اس نے!

صبح سے وہ دروازے پر نظریں لگائے پڑی تھی مگر وہ آیا اور باہر کے باہر ہی بچے کو دیکھ کر چلا گیا!!

اُس کی خبر تک نہ لی۔

اُس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

ہونٹوں سے سرد آہ نکلی۔

اماں غلط نہیں کہہ رہی تھیں شاید کہ...... یقین اور اُس کے گھر والوں کی نظروں میں اُس کی کوئی وقعت نہ تھی۔

کسی نے اُس کا درد بٹانے کی کوشش نہیں کی۔

یہ نہ پوچھا کہ جویا تم کیسی ہو!

کسی چیز کی ضرورت تو نہیں تمہیں!

بڑے میاں نے اُس کے رونے پر البتہ ضرور تسلی دی سر پہ ہاتھ رکھ کر مگر...... مگر اس طرح نہیں کہ اس کے ڈوبتے دل کو سہارا محسوس ہوتا۔

اماں کا دعویٰ پورا ہوا۔

میری آس تو تم نے خاک میں ملا کر رکھ دی یقین۔

اس طرح آنے سے تو بہتر تھا کہ تم اسپتال آتے ہی نہیں ہوتے۔

اُمید کا دیا تو نہ بجھتا۔

تمہارے میری طرف نہ آنے کا مطلب یہی تو ہے نا کہ تم نے اپنا اور میرا راستہ جدا کر لیا ہے۔"

میں ایسا کب چاہتی تھی لیکن۔

یہ تم نے کیا کیا یقین!

کیوں مجھ پر اتنا ستم کیا!

کیوں مجھے اندھیروں میں دھکیل ڈالا!

مہیب مستقبل دانت نکوسے اُس کے سامنے کھڑا تھا اور وہ لرزاں تھی!

بیا اور فرزین آئے اور انہوں نے اس سے یقین کے بارے میں پوچھا تو وہ گھائل سے لہجے میں بولی۔ "جی۔۔۔ سسر سے سنا ہے کہ آئے تو تھے مگر بچے کو دیکھ کر باہر کے باہر ہی چلے گئے۔"

"کیا۔۔۔ کیا مطلب، تمہارے پاس نہیں ہو کر گئے؟" بیا نے پوچھا۔

"جی نہیں۔" وہ سر جھکا کر دل گرفتگی سے بولی۔

بیا کی جہاندیدہ نظروں سے اُس کی کیفیت چھپی نہ رہ سکی۔

"بہن!" انہوں نے اماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ مجھے اپنی بہو سے تنہائی میں کچھ باتیں کرنے کی اجازت دیں گی؟"

اماں نے تیوری چڑھا کر بیا کو دیکھا اور بولیں۔ "مجھ سے کیا پردہ!"

"بجا" بیا نے کہا پھر ملتجی انداز میں بولے۔ "پھر بھی۔۔۔ صرف دو باتیں کرنے کی اجازت چاہوں گا۔"

"کر لیں بھئی کر لیں۔۔۔ ہم تو غیر ٹھہرے۔" اماں نے ناگواری سے یہ کہتے ہوئے باہر جانے کو پر تولے۔

"نہیں۔۔۔ بخدا یہ بات نہیں۔"

"تو پھر کیا بات ہے؟" اماں نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا۔

"بیٹیاں اپنے گھر بار کی اور خود مختار ہو کر بھی بسا اوقات ماں باپ کے سامنے کھل کر اپنے دلی جذبات ظاہر نہیں کر پاتیں۔۔۔ لحاظ رہتا ہے انہیں ماں باپ کا۔"

"کریں بھئی کریں، آپ بات مگر۔۔۔ اسے بہو اب آپ کس برتے پر کہہ رہے ہیں۔۔۔ بیٹے کا رویہ تو آپ کے سامنے کچھ اور ہی ظاہر کر رہا ہے۔" اماں یہ کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں۔

اماں کے جانے کے بعد بیا نے فرزین کی طرف دیکھا اور بولے۔ "میاں، ایک منٹ کو آپ بھی باہر جائیں۔"

فرزین کمرے سے باہر نکل گیا۔

فرزین کے جانے کے بعد بیا نے جویا سے کہا۔ "دیکھو بہو، اس وقت ہم دونوں کے سوا تیسرا کوئی نہیں ہے یہاں، میں تم سے صرف ایک بات پوچھوں گا۔۔۔ خدا کو حاضر ناظر جان کر بالکل کھرا جواب دینا مجھے کسی لاگ لپیٹ کے بغیر۔"

جویا نے دم سادھ لیا۔

خدا جانے کیا پوچھنے جا رہے تھے وہ اُس سے اس قدر رازداری کے ماحول میں!

"سچ سچ بتانا بیٹی۔" بیا نے لحظہ بھر کو توقف کیا پھر بولے۔ "یقین کے ساتھ رہنا چاہتی ہو تم یا نہیں؟"

ایک لمحے کو ان کا سوال ٹکٹکی بن کر اس کے دل پر اٹک گیا۔

"بالکل سچ بتانا۔"

سچ!

اُس کا جی بھر آیا۔

سچ تو یہ تھا کہ وہ یقین کے بنا ادھوری تھی۔

ہزار ضبط کے باوجود اس کی آنکھوں میں جل تھل سی مچ گئی۔

بیا کے سوال کا جواب ٹپ ٹپ کر کے اُس کی آنکھوں سے گرنے لگا۔

"ہوں!" بیا نے ایک گہری سانس کھینچی پھر بولے۔ "گو مجھے اپنے سوال کے جواب کا اندازہ ہو گیا ہے مگر اندازے کبھی کبھی غلط بھی ہوتے ہیں۔۔۔ میں تمہاری زبان سے جواب سننا چاہوں گا۔"

اُس کا سر اور جھک گیا۔

آنکھیں اور بہہ نکلیں۔

"اگر یقین کے ساتھ گزارہ ہو سکتا ہے تمہارا اور تم بغیر کسی جور و جبر کے بخوشی اُن کے ساتھ رہنے پر آمادہ ہو تو ٹوٹتی ہوئی زنجیر کو ٹانکا لگانے کی کوشش کی جائے۔"

وہ ایک شدید جذباتی کیفیت سے دوچار پا رہی تھی خود کو۔

"بولو بہو۔"

"جی۔" اُس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

"کسی جبر یا مصلحت کے بغیر کہہ رہی ہو؟"

اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"معاف کرنا، یہ بات میں نے اس لئے پوچھی کہ جبر اور مصلحت کے تحت کیے جانے والے فیصلے دیرپا نہیں ہوتے۔"

"میں۔۔۔ میں۔۔۔ اُنہی کے ساتھ۔۔۔ رہنا چاہتی ہوں بیا" وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی اور یک بیک اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر گھٹ گھٹ کر رونے لگی۔

بیا نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔

اسے یوں لگا جیسے کسی مسیحا نے اُس کے زخم پر پھایا دھر دیا ہو!

اسپتال سے واپسی پر راستے میں بیا نے فرزین سے بڑی ملائمت سے کہا۔ "فرزین میاں! آج بھائی کے ساتھ تھوڑی سی زیادتی کر گئے آپ۔"

فرزین نے چونک کر ذرا کی ذرا بیا کی جانب دیکھا پھر بولا۔ "بیا! میں۔۔۔ میں بھائی کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔۔ انہوں نے میری بات کو غلط انداز میں لیا تو اس میں میرا کیا قصور؟"

”بیٹے، کوئی اور شاید تمہاری اس بات کا یقین کر لے اور تمہیں بے قصور قرار دے ڈالے مگر میں ایسا نہیں کروں گا...... جتنی تمہاری عمر ہے اُس سے دوگنا میرا تجربہ حیات ہے...... تم نے جو کچھ کہا، اپنے حقیقی معنوں میں کہا...... وجہ بہرحال کچھ بھی سہی تم نے یہ بات کہ بھابی اب اس گھر میں نہیں آئیں گی، برسبیل تذکرہ ہرگز نہیں کہی تھی اور اگر تم اصرار کرو گے کہ تمہارا یہ مطلب نہیں تھا کچھ اور تھا تو کم از کم میں یقین نہیں کروں گا۔“

فرزین شرمندہ دکھائی دینے لگا۔

بیانے جائے فرار چھوڑی ہی نہ تھی۔

”بیا، آپ دیکھیے نا، گھر کا ماحول کیا سے کیا ہو گیا ہے۔“

”میں جانتا ہوں کہ تم بے وجہ مشتعل نہ ہوئے تھے مگر بیٹا، میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا۔“ بیا پل بھر کو تھمے پھر گمبھیر لہجے میں بولے۔ ”زندگی میں کبھی بھی کسی شخص کی کمزوری پر ہاتھ نہ ڈالنا۔“

”میں سمجھا نہیں آپ کی بات کا مطلب۔“

”مطلب یہ کہ تم جانتے ہو کہ یقین میاں کے پاس فی الحال کوئی اور ٹھکانا نہیں ہے اپنے اور اپنے بچوں کے لیے...... ایسے میں تمہاری اس بات سے انہیں تکلیف ہی پہنچی ہو گی راحت نہیں......“

”میں انہیں ہرٹ تو نہیں کرنا چاہتا تھا۔“

”زندگی میں اکثر ایسا ہوتا ہے بیٹا...... کہ ہم دوسروں کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتے مگر انجانے میں ایسا کر بیٹھتے ہیں۔ یہ غلطی سرزد ہو جاتی ہے ہم سے۔“ وہ چپ رہا۔

”اس غلطی کے ازالے کی بہترین اور موثر ترین صورت یہ ہوتی ہے کہ ہم بلاتامل اُس شخص سے معافی مانگ لیں جسے ہماری نادانستگی میں ہم سے کوئی تکلیف پہنچ گئی ہو۔“

فرزین متذبذب دکھائی دینے لگا۔

”ویسے بھی بیٹا یقین تمہارے بڑے بھائی ہیں۔ اُن کا ادب لحاظ تو رکھنا ہی چاہیے تمہیں اور نوین میاں کو بھی۔“

فرزین کی کیفیت بدستور رہی۔

”موقع دیکھ کر معذرت کر لینا بھائی سے۔“

”مگر بیا، ایک بات تو ہے کہ بھابی کو اب دوبارہ اس گھر میں نہیں آنا چاہیے۔“

”وہ دوسری بات ہے میاں۔“ بیا کا لہجہ اور مسکراہٹ دونوں میں ایک معنی خیزی تھی۔

☆=====☆=====☆

یقین کا موڈ خراب دیکھ کر نگہت اور نزہت زیادہ دیر میکے میں نہیں ٹھہریں۔ بیا نے اسپتال سے واپس آنے کے بعد یقین کو پند و نصیحت کا ارادہ کیا تو امی بولیں۔ ”یقین سے فی الحال کوئی بات مت کیجیے گا۔“

”کیوں؟“

”موڈ خراب ہے اُن کا۔“

”خیریت؟“

”وہی صبح والا قصہ...... سخت ناراض ہیں وہ فرزین سے...... مجھے تو خوف آ رہا ہے ماسٹر صاحب...... بھائیوں میں ٹھن جائے تو کبھی بھی ساری زندگی خلش نہیں جاتی...... شیشے میں بال پڑ جائے تو پہلے کی سی خوبصورتی کہاں آتی ہے!“

”اسی لیے شیشے کو اور رشتوں کو سنبھال کر رکھنا چاہیے ورنہ بہو کی طرح رونا پڑتا ہے۔“

”بہو کی طرح رونا پڑتا ہے! کیا مطلب؟“

”لگتا ہے، بہو کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے...... میں نے پوچھا، سچ سچ بتاؤ، یقین کے ساتھ رہنا چاہتی ہو یا نہیں تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں اور بولیں، جی رہنا چاہتی ہوں۔“

”مگر......“

”مگر؟“

”یقین نے تو کہہ دیا ہے کہ وہ بیوی کے سلسلے میں کسی کی کوئی بات سننا نہیں چاہتے۔“

”آپ سے یہ بات کس نے کہی؟“

”خود یقین نے کہا مجھ سے۔“

بیا سوچ میں پڑ گئے۔

”اب کیا ہو گا ماسٹر صاحب؟ میرا تو دل بیٹھا جا رہا ہے۔“

”پریشان مت ہوں بیگم صاحبہ...... ابھی تو خیر نہیں، کل دن کو موقع دیکھ کر بات کروں گا میں یقین سے۔“

مگر جب بیا نے یقین سے بات کی تو کچھ تو منیر احمد کے مشورے کے زیر اثر اور کچھ فرزین سے ہونے والی بدمزگی کے باعث اس نے خاصے اُکھڑے اُکھڑے سے رویے کا مظاہرہ کیا اور بولا۔ ”وہ اب یہاں نہیں آئے گی۔“

”تو پھر کہاں جائے گی؟“

”پڑی رہے اپنے ماں باپ کے گھر، ذرا پتا تو چلے اُسے اور اُس کے گھر والوں کو۔“

”کیا...... کیا پتا چلے گا!“ بیا غصے سے بولے۔ ”چھٹی کرتا ہے بیوی کی تو پوری طرح کرو، یوں باندھ کر رکھنے سے فائدہ!“

یقین نے چونک کر بیا کی طرف دیکھا۔

اسے بیا کی طرف سے ایسی بات کی قطعاً توقع نہ تھی۔

”سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، جب عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی میعاد کو پہنچنے لگیں تو یا انہیں اچھی طرح سے رکھو یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کرو اور اُن کو آزار پہنچانے کے لیے نہ روک رکھو۔ یہ سراسر زیادتی ہے اور ایسا کرنے والا اپنی ہی جان پر ظلم کرتا ہے...... بندوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ اللہ کے احکام سے ہنسی نہ کرو۔“

یقین دم بخود رہ گیا۔

اُس کا خیال تو یہ تھا کہ بیا اس کی منت سماجت کریں گے..... سمجھائیں بجھائیں گے مگر انہوں نے زیادہ دماغ سوزی کی بجائے بہت آرام سے کہہ دیا کہ بیوی کو رکھنا نہیں تو اسے پوری طرح رخصت کرو۔

یہ کیا ہوا منیر احمد!

کیا بتا دوں بیا کو کہ ایک ہمدرد دوست کے مشورے پر چل رہا ہوں؟

نہیں چھوڑ رہنے دو۔

بیا نے کسی اور سے یہ بات کہہ دی تو ہنسی بھی اُڑائی جا سکتی ہے کہ لو اپنی عقل کی بجائے دوستوں کی عقل سے کام لیتا ہے۔

یقین کا وہ حال تھا کہ آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا!

☆=====☆=====☆

یقین کے ساتھ زیادہ دماغ کھپانے کی بجائے بیا نے اپنے اور جویا کے گھر والوں کو اعتماد میں لینا زیادہ مناسب سمجھا۔ گو اماں ہنوز اینٹھی اینٹھی تھیں مگر پنچوں کی رائے اور سب سے بڑھ کر جویا کی مرضی نے انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔

اسپتال سے جویا کی چھٹی پانچ دن بعد کی گئی۔

اس شام یقین دفتر سے گھر لوٹا اور حسب معمول اپنے کمرے کی طرف جانے لگا تو بیا نے اسے پکارا، وہ ٹھٹک گیا۔

''جی۔'' اس نے گردن موڑ کر بیا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ادھر آؤ..... پہلے میری سنو۔''

وہ مڑا اور بیا کے قریب جا پہنچا۔

''بیٹھو۔''

وہ مذبذب سا اُن کے پاس بیٹھ گیا۔

خدا جانے کیا کہنے جا رہے تھے وہ۔

''دیکھو میاں۔'' بیا بولے۔ ''شریعت اسلام میں گو طلاق جائز ہے مگر حلال چیزوں میں طلاق اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے۔ اسی لیے قرآن اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح تعلیم یہ ہے کہ میاں بیوی کی علیحدگی سے پہلے ہر ممکن کوشش کر لینی چاہیے کہ جن اسباب کی بنا پر علیحدگی اختیار کی جا رہی ہے، وہ سُدھر جائیں..... صلح کرانے والوں پر زور دیا گیا ہے کہ وہ میاں بیوی کے درمیان کشیدگی کی وجوہ معلوم کر کے اُن کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کریں۔ تاہم جب صلح ممکن نہ ہو سکے اور جدائی ناگزیر قرار پائے تو فریقین اور منصفین کو چاہیے کہ اللہ پر بھروسا کریں اور میاں بیوی ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں۔'' بیا نے توقف کیا پھر بولے۔ ''تیسری طلاق کے بعد شریعت کی رو سے مرد کے لیے حکم ہے کہ وہ عورت کو عدت گزارنے کے لیے اسی گھر میں جگہ دے جہاں وہ خود رہتا ہے اور جب عورت عدت گزار لے تو اسے حسن سلوک کے ساتھ رخصت کرے اور اگر کوئی شیر خوار بچہ

عورت کی گود میں پرورش پا رہا ہو تو مرد کی ذمے داری ہے کہ وہ عورت کو اس کی اُجرت دے۔''

یقین دم سادھے بیا کی بات سن رہا تھا۔

بیا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری پھر دل گرفتہ لہجے میں بولے۔ ''بہو کو دو طلاقیں تم دے ہی چکے..... ہم نے صلح صفائی کے لیے تمہیں سمجھانے بجھانے کی حتی الوسع کوشش کر دیکھی..... خیر تمہاری مرضی..... بیوی کو چھوڑنا ناگزیر ہی سمجھ لیا تم نے تو شریعت کے مطابق عمل کرو..... عورت کا جو حق بنتا ہے، وہ اسے ضرور دو۔'' یقین سٹپٹا گیا۔

خدایا! یہاں تو بساط ہی اُلٹی دکھائی دے رہی تھی۔

''اور.....''

''ہاں ہاں بولو، رُک کیوں گئے؟''

''بچوں کا کیا ہوگا؟'' یقین نے کہا۔

''یہ تو تمہیں سوچنا چاہیے تھا۔''

اُس نے سر جھکا لیا۔

''تمہارے فیصلے کے بعد اسی گھر میں عدت گزار کر بہو یہیں سے رخصت ہوں گی۔'' بیا نے دھیمے سُروں میں کہا پھر بولے۔ ''بہو کو گھر لے آئے ہیں ہم تا کہ عزت سے رخصت کیا جا سکے۔''

یقین نے ہڑبڑا کر بیا کی طرف دیکھا۔

''چھوٹے بچے کا ساتھ ہے، بہو کو گھر میں اِدھر اُدھر کہیں ڈالا نہیں جا سکتا تھا، فی الحال انہیں تمہارا ہی کمرا دے دیا ہے..... کمرے میں جاؤ تو بگڑنا مت ان پر..... تھوڑے عرصے کی بات ہے پھر تو وہ چلی ہی جائیں گی۔''

''کہاں؟ کہاں چلی جائے گی؟'' وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولا۔

''جہاں اللہ لے جائے گا۔ قرآن مجید کی سورہ النساء میں ہے کہ میاں بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ پر بھروسا رکھیں، اللہ اپنی کشائش سے ہر دو کو غنی کر دے گا۔ مطلب یہ کہ دونوں میں سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ایک کے بغیر دوسرے کا گزارہ نہ ہوگا۔ ان شاء اللہ دونوں کے لیے اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی وسیلہ بنا دیں گے۔''

یقین کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا، کیا کہے، کیا کرے!

''جاؤ..... بچے سے تو مل آؤ۔''

'مل آؤ!'

'کیا مطلب!'

'یار منیر احمد، تم نے تو بڑی گڑبڑ کروا دی۔'

یقین کے ہاتھوں کے طوطے ایک ایک کر کے اُڑے چلے جا رہے تھے!

☆=====☆=====☆

''جاؤ۔'' بیا نے پھر کہا۔

وہ کھوئی کھوئی نگاہوں سے بیا کو دیکھنے لگا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو میاں! بیوی سے قطع تعلقی کے باوجود اولاد تو ہماری ہی رہے گی۔" بیا نے گردن موڑ کر معنی خیز نظروں سے امی کی جانب دیکھتے ہوئے تائید چاہی۔

"ہاں اور کیا۔"

"جاؤ بھئی۔" بیا کے لہجے میں اصرار کی کیفیت تھی۔

"اور دلہن پر گرجنے برسنے اور کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں۔" امی بولیں۔

"ہاں، بے چاری اس گھر میں اب کچھ ہی دنوں کی مہمان ہیں۔" بیا نے کہا۔

خدایا!

یہاں تو پانسا ہی پلٹ رہا تھا۔

"اور بچے کا کوئی نام وام بھی سوچ لو۔ بے چارے بچے کا اب تک کوئی نام ہی نہیں رکھا گیا ہے۔" امی نے کہا۔

"بیگم صاحبہ! جب ماں اور باپ کے رشتے میں دراڑیں ہوں تو بچے بے چارے یونہی بے نام ونشان رہتے ہیں۔"

"غلطی میری تو نہیں۔" وہ جز بز ہو کر بولا۔

"اونہوں۔" بیا نے تادیبی نظروں سے اسے دیکھا۔ "غلطی آپ کی تھوڑی ہے، ہماری ہے کہ ہم نے آپ کا گھر بسا کر شاید اس احسان کا شکریہ ادا کرنے کی کوشش کی جو ہمارے بڑوں نے ہمارا گھر بسا کر ہم پر کیا تھا...... غلطی آپ کی تھوڑی ہے، ہماری ہے کہ ہم نے آپ کو اور آپ کے بال بچوں کو شاد و آباد دیکھنے کی چاہ کی...... غلطی آپ کی کہاں ہماری ہے کہ ہم نے گھر کی دیواروں میں دراڑیں پڑتے دیکھ کر لیپا پوتی کرنے کی کوشش کی...... آپ تو بس یونہی جسٹ فار اے چینج بیوی کو طلاق طلاق کہہ آئے تھے۔ غلطی ہماری ہے جو ہم نے ٹوٹتے رشتوں کو جوڑنے کی کوشش کی۔ غلطی آپ کی تھوڑی ہے۔ آپ تو مرد ہیں، بادشاہ آدمی ہیں۔ ذرا تاؤ میں آئے اور عورت کی چھٹی کی۔ غلطی تو ان بدقسمت بچوں کی ہے جو یہ سوچے سمجھے بنا اس دنیا میں آ گئے کہ سر پھرے ماں باپ انہیں پیار کی چھاؤں دینے کی بجائے انہیں حوادث زمانہ کے رحم و کرم پر بھی چھوڑ سکتے ہیں۔"

غصے اور جذبات کی شدت سے بیا کی آواز لحظہ بہ لحظہ بوجھل ہوتی چلی گئی اور یقین کا سر جھکتا چلا گیا۔

پچھتاوے اور ندامت کی کیفیت نے اس کے دل میں برکھا رت کی کسی مخزون شام کی سی اُداسی اور رقت پھیلا دی۔

کچھ دیر کو سناٹا سا چھا گیا۔

پھر بیا نے کہا۔ "جائیں اس بدقسمت بچے کی خیر خبر لیں جو یتیموں کی طرح اس گھر میں آیا ہے۔"

"اللہ نہ کرے۔" امی نے ہول کر کہا پھر معترض لہجے میں بولیں۔ "کیسی باتیں کر رہے ہیں

ماسٹر صاحب! اللہ اس بچے کے باپ کو سلامت رکھے۔"

بیا نے امی کی طرف دیکھا اور بولے۔ "بیگم صاحبہ! بیگم صاحبہ! جن بچوں کے باپ زندہ ہوتے ہوئے بھی اُن کے سروں پر سے ہاتھ اُٹھا لیں، اُن کی حالت یتیموں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوتی۔"

"اللہ رکھے، یقین اپنے بچوں کا پورا خیال رکھیں گے۔"

"یہ آپ کا خیال ہے جس سے آپ کے صاحب زادے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔" بیا نے کن انکھیوں سے یقین کی طرف دیکھتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا۔ "یہ تو اور بازار سے لے آئیں گے گر ٹوٹ گیا۔"

"کیا ٹوٹ گیا؟" امی چونکیں۔

بیا نے بے ساختگی میں اپنے لبوں پر آ جانے والی مسکراہٹ کو دبانے کی کوشش کی اور بولے۔ "جامِ جم۔"

"جامِ جم کا ذکر بھلا کہاں سے آ گیا؟"

"آج کل کے بچوں نے میاں بیوی کے رشتے کو جامِ جم ہی تو سمجھ رکھا ہے ورنہ اس رشتے کو احتیاط سے سنبھال کر نہ رکھیں...... جدھر دیکھیے علیحدگی یا طلاق کی باہو چکی ہوئی ہے...... کھیل سمجھ لیا ہے ان نادانوں نے طلاق کو...... شوہر صاحب سمجھتے ہیں تو نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی اور بیوی کہتی ہے، اس مرد کے بغیر بھی زندگی گزر سکتی ہے۔"

امی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری پھر بولیں۔ "ماسٹر صاحب! بعض دفعہ بڑی بری گزارنی پڑ جاتی ہے۔"

"وہ بعد کی بات ہے...... پہلے کون سوچتا ہے۔"

"ہاں۔" امی نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے دوبارہ ٹھنڈی سانس بھری۔

"جاؤ بھئی! کب تک یوں کھڑے رہو گے۔"

یقین نے بیا کی طرف دیکھا۔ اس کا جی چاہا ان سے کہے، آپ علیحدگی اور طلاق کو موضوع گفتگو کیوں بنائے ہوئے ہیں۔ صلح اور مفاہمت کی بات کیجئے نا۔

مگر وہ دل کی بات زبان پر نہ لا سکا۔

کس منہ سے کہتا وہ بات۔

کتنا سمجھایا تھا گھر والوں نے اُسے۔

کتنی منت سماجت کی تھی۔

جویا سے اُس کی صلح کرانے کے لیے۔

لیکن...... اُس نے کسی کی سنی بھلا!

نہ جانے کس زعم میں تھا۔

اس وقت سب اُس کا ساتھ دینے کو تیار تھے مگر وہ کسی کی سننے پر آمادہ نہ تھا۔

اور آج......!

اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ یکہ و تنہا اور بے یار و مددگار رہ گیا ہو۔

امی اور بیا سے نظریں چراتا وہ اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

☆=====☆=====☆

نیم وا دروازہ ہونے پر جویا نے جو بچے کو فیڈ کر رہی تھی، بے ساختہ چونک کر دروازے کے رخ دیکھا۔

یقین دروازے پر کچھ اس طرح کھڑا تھا جیسے برسوں بعد گھر لوٹنے والے شخص کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ زندگی کی ڈور کو کہاں سے پکڑے!

اُسے دیکھ کر وہ اپنا دوپٹہ اپنی آغوش میں دودھ چسکتے بچے پر یوں تاننے کی کوشش کرنے لگی جیسے کوئی نامحرم سامنے آ گیا ہو۔

یقین نے دروازہ بند کر کے قفل چڑھا دیا۔

جویا نے سر جھکا لیا اور کوشش کرنے لگی کہ اُس سے نظریں نہ ملا پائیں۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتا اور موندھا کھینچ کر ایک گہری سانس لیتا اُس پر بیٹھ گیا۔

جویا نے کن انکھیوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

کتنا تھکا ہوا لگ رہا تھا وہ!

اُس کی قمیض کی سفیدی میں نیلاہٹ کی نسبت پیلاہٹ تھی۔

شاید گھر میں دھوئی گئی تھی اور دھونے والے نے قمیض کو نہ نیل دیا تھا، نہ کلف لگایا تھا۔ وہ جھک کر جوتوں کے تسمے کھولنے لگا۔

جویا نے دزدیدہ نظروں سے دیکھا، اس کے جوتوں کی چمک قدرے ماند پڑی ہوئی تھی۔

وہ تو چھٹی والے دن موجو کے سر پر کھڑی ہو کر یقین کے جوتوں کے تمام جوڑے چمکواتی تھی۔

شادی کے بعد گھر والوں نے تو اس کے جوتوں، کپڑوں اور روزمرہ ضرورت کی چھوٹی موٹی چیزوں سے قطعاً ہاتھ اُٹھا لیا تھا۔

امی نے صاف کہہ دیا تھا کہ اب یقین کے جوتوں کپڑوں اور ضرورت کی چیزوں کی ذمہ دار وہی ہوگی۔

شادی سے پہلے اماں بہنیں خیال رکھتی تھیں مگر شادی کے بعد تو وہ بیوی کا محتاج ہو گیا تھا۔

اُس کے جانے کے بعد شروع شروع میں کتنی پریشانی ہوئی تھی اُسے!

ایک قمیض کی تلاش میں وہ اکثر پوری وارڈ روب اُلٹ ڈالتا۔

پھر رفتہ رفتہ اُسے عادی ہونا پڑا تھا۔

امی اور مدحت بجیا بھی اس کے جوتوں کپڑوں اور ضرورت کی چیزوں کا خیال رکھنے کی کوشش کرتیں مگر اُن کا دھیان اور بھی بہت سے معاملات پر اس طرح بٹا ہوا ہوتا کہ وہ جویا کی طرح یقین کی ایک ایک چیز سینت سینت کر رکھ نہ پاتیں۔

جوتے اُتار کر وہ جوتوں کو اُن کی جگہ پر رکھنے کے لیے اُٹھا۔

جویا نے چپکے چپکے اُس کی طرف دیکھا۔

کیسا اضمحلال تھا اُس کی چال میں!

چہرہ بھی اُترا ہوا تھا۔

اس کا دل دُکھنے لگا۔

وارڈ روب سے کپڑے نکال کر وہ باتھ میں گھس گیا۔

جویا نے اپنے گردوپیش پر نظر ڈالی۔

اسپتال سے چھٹی تو نو بجے ہی مل گئی تھی مگر گھر پہنچتے پہنچتے بارہ بج گئے۔ اسپتال کا بل بیا نے ادا کیا تھا، حالانکہ اماں کو بہت تردد ہوا اور انہوں نے منہ بگاڑ کر کہہ بھی دیا کہ ہم ایسے گئے گزرے نہیں کہ اسپتال کا بل نہ دے سکیں مگر بیا نے اپنی متانت اور عاجزی سے اُن کا تردد دور کر دیا۔

جویا کی رضا معلوم کرنے اور یقین کے اُکھڑے ہوئے تیور دیکھنے کے بعد بیا نے جویا کو گھر لانے کے لیے باقاعدہ منصوبہ بندی کی تھی اور اس سلسلے میں جویا اور اس کے میکے والوں میں سے سارہ آپا کو پوری طرح اعتماد میں لیا تھا۔ باقی لوگوں سے انہوں نے یہ کہا تھا کہ یقین شرمندگی کی وجہ سے سامنے آنے سے گریزاں ہے۔ بیوی سے مفاہمت کے بعد شرمندگی دور ہو جائے گی تو وہ سسرال ضرور آئے گا تاہم جویا اور سارہ آپا کو بیا نے بتا دیا تھا کہ یقین بدستور اینٹھا ہوا ہے اور اُسے یا تو وقت منائے گا یا پھر جویا۔

اگرچہ اس منصوبہ بندی میں یہ کھٹکا بہرحال تھا کہ اگر یقین بدستور اُکھڑا رہا اور اس نے اپنے پٹھے پر ہاتھ نہ دھرنے دیا تو؟

مگر جویا ہر کھٹکا، ہر خطرہ مول لینے کو تیار تھی۔

آر یا پار۔

بیا نے جویا اور سارہ آپا کو یقین دہانی کرا دی تھی کہ اگر یقین نے کوئی انتہائی قدم کیا اور مفاہمت کے سارے دروازے بند کر دیے تو جویا دونوں بچوں کے ساتھ ہمیشہ اُن کے لیے بیٹی کی طرح عزیز رہے گی۔

اس سلسلے میں بیا نے اپنے گھر میں یقین کے سوا سبھی کو اعتماد میں لیا تھا۔

جویا گھر آ گئی تھی۔

دوپہر سے اب تک وہ بیسیوں مرتبہ اپنے گردوپیش پر نظر ڈال چکی تھی۔

سب کچھ کم و بیش اسی طرح تھا، جیسے وہ چھوڑ کر گئی تھی مگر اس کے باوجود کسی خلا، کسی کمی کا احساس اُس کے دل کو کھٹکنے لگا تھا۔

ساری چیزیں اپنی جگہ پر ہونے کے باوجود کسی چیز کی کمی محسوس ہو رہی تھی دل کو!

وہی گھر تھا۔

وہی کمرا۔

وہی لوگ۔
مگر پھر بھی ایک کھٹک سی تھی۔
یقین کے آنے سے پہلے وہ یہ سمجھتی رہی کہ شاید یقین کی کمی تھی اور اُس کے آجانے سے سب ٹھیک ہو جائے گا۔
دل کو کوئی کھٹک نہ رہے گی۔
کمی کا احساس جاتا رہے گا۔
مگر ایسا نہ ہوا۔
یقین آچکا تھا مگر پھر بھی کسی چیز کی کمی محسوس ہو رہی تھی اُسے۔
دل میں دُھند سی چھا گئی۔
وہ سوچ میں پڑ گئی۔
اور پھر اُس نے سمجھ لیا کہ بجا دولخت ڈور کے معلق سروں کو باہم گرہ لگانے کی کوشش تو کر رہے تھے مگر وہ ڈور پہلے کی طرح بے عیب نہ رہی تھی۔
جوڑ تو جوڑ ہے۔
آنکھوں سے جھانکنے لگتا ہے۔
جب سے وہ گھر آئی تھی، سسرال والے اُس کا خیال تو رکھ رہے تھے مگر اُن کی آنکھوں سے کبھی کبھی گلہ جھانکنے لگتا کہ کاش، وہ اُن کے گھر کی عزت کو یوں داؤ پر لگا کر گھر سے نہ گئی ہوتی۔
زبان سے کسی نے اس سے کچھ نہ کہا تھا۔
سب کا رویہ "گڈی گڈی" تھا۔
مگر بس نگاہ ایک شکایت، ایک گلہ تھا سو تھا۔
اس کے دل میں ایک احساسِ ندامت، ایک احساسِ زیاں پاؤں پسارنے لگا۔
لیکن
ایک شوریدہ سر لہر اُبھری اور اس احساسِ ندامت کو بہا کر لے گئی۔
"اُونہہ!" اس نے سر جھٹکتے ہوئے دل ہی دل میں سوچا۔ "اپنا گھر چھوڑ کر کون جاتا ہے بھلا، انہی لوگوں نے تو مجبور کر دیا تھا مجھے..... میٹھی چھری بن کر آدمی کو مارتے ہیں یہ لوگ۔"
اس کی نگاہوں میں خشونت ڈھلنے لگی۔
"میری ہمدردی میں نہیں لائے ہیں یہ لوگ مجھے..... اپنی عزت، اپنی شرم کو لائے ہیں..... دنیا والے پوچھتے تو کہ ہوا کیا تھا..... ساری غلطی بہو کی تو نہیں ہو سکتی، کچھ قصور تو تمہارا بھی ہوگا۔"
سامانِ حرب پھر تیار ہونے لگا۔
سسرال والے اسے پھر سے بے ایمان، مکار اور دوغلے سے معلوم ہونے لگے!
اس پہلوان کی طرح جو ایک مرتبہ زیر ہو جانے کے بعد اگلے راؤنڈ کے لئے نئے سرے سے اُٹھ کھڑا ہوا ہو اور نئے داؤ پیچ آزمانے کی سوچ رہا ہو۔ وہ بھی نئے داؤ پیچ آزمانے کی سوچنے لگی۔

سارہ آپا نے اسپتال کے کمرے میں بڑی رازداری سے اسے سمجھایا تھا۔ "دیکھو، تم پڑھی لکھی ہو، دو بچوں کی ماں بن چکی ہو..... اماں سے عقل لینے کی بجائے اپنی عقل سے کام لینا۔"
"میرے پاس اتنی عقل کہاں ہے آپا کہ میں یقین کے گھر والوں کا مقابلہ کر سکوں..... بہت تیز لوگ ہیں وہ۔"
"تم بھی تیزی سیکھو۔"
"تیزی سیکھنے سے کہاں آتی ہے آپا..... وہ تو فطرت میں ہوتی ہے..... یقین کی امی اور بہنیں ظاہر میں تو ایسی میٹھی بنی رہتی ہیں کہ کیا بتاؤں۔"
"تم بھی میٹھی بنی رہا کرو۔"
"اماں نے ہمیں دوغلا پن سکھایا کہاں..... وہ تو خود بھی کھری ہیں اور ہمیں بھی ویسا ہی اُٹھایا۔"
"دوغلا پن نہیں، جویا مصلحت کوشی ہوتی ہے..... بے شک اماں نے ہمیں مصلحت کوشی نہیں سکھائی مگر تمہیں چاہئے کہ تم خود سیکھو..... کامیاب زندگی گزارنے کے لئے مصلحت سے کام لینا ضرور آنا چاہئے..... میں تو اماں سے بھی کہتی ہوں کہ ہر وقت کھری نہ بنی رہا کریں، کبھی کبھی مصلحت سے بھی کام لے لیا کریں۔"
"آپا بہت مشکل ہوتا ہے وہ بات کرنا جو آپ کے دل میں نہیں ہوتی۔"
"مگر سو بلاؤں سے محفوظ رہنے کو اس ایک مشکل سے گزرنا ہزار درجے بہتر ہے۔"
"اصل میں آپ کی ساس نندیں ہوتیں نا تو....." جویا کہتے کہتے رک گئی۔ سسرال کے دروازے اپنے لئے دوبارہ وا ہوتے دیکھ کر وہ خود کو تازہ دم پا رہی تھی۔
آپا مسکرا دیں اور بولیں۔ "تو شاید میں تم سے بھی زیادہ جیلس ہوتی اپنی ساس نندوں سے کیونکہ میں اپنی چیزوں کے سلسلے میں انتہائی پوزیسو ہوں۔"
جویا اُن کا منہ دیکھنے لگی۔
"ایسی ہی باتوں کیلئے تو انگریز کہتا ہے، بٹ نیچرل..... یعنی ساس اور بہو..... نند اور بھاوج ایک دوسرے سے بہت یا تھوڑی پُرخاش رکھے بنا رہ ہی نہیں سکتیں شاید..... جو بہت اچھی ہوتی ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ، ان کے دل میں بھی ایک دوسرے کے لئے کچھ نہ کچھ کدورت، کوئی نہ کوئی شکایت ضرور ہوتی ہوگی مگر کیا حرج ہے کہ اس کدورت کو دل میں چھپا ہی رہنے دے کر خوشگوار زندگی بسر کرنے کی کوشش کر لی جائے۔"
وہ چپ رہی۔
"تھوڑی سی منافقت سیکھ لو۔" آپا نے پیار سے اُس کا شانہ دبا کر کہا۔
اس نے آپا کی طرف مشکور نظروں سے دیکھا اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "کوشش کروں گی آپا۔"
مگر کہاں کی کوشش!

کیسی کوشش !!

دل پھر آمادہ بغاوت ہوا جا رہا تھا۔

بلکہ آمادہ جنگ !

پھر اُن سب کی نگاہوں کی زد میں رہنا پڑے گا۔

کیا کھایا؟

کیا پیا؟

کیا پہنا؟

کہاں سے آئے؟

کہاں گئے؟

کوئی نیا کپڑا ، نیا جوتا پہن لیتی تو پہلا سوال یہی ہوتا کہ یقین لائے ہیں؟

لاحول ولاقوۃ!

مگر بھی ، میکے میں بھی کون سا امن و امان تھا۔

اپنے پرایوں سبھی کو یہ فکر لگی ہوئی تھی کہ اتنے دن سے میکے میں کیوں ہوں؟

حالانکہ اماں نے ڈھکے چھپے لفظوں میں بھابی کو تنبیہ کر دی تھی کہ طلاق والی بات گھر سے باہر نہ نکلے مگر بھابی بھلا باز رہتی ہوں گی اپنے گھر والوں کو بتانے سے۔

ضرور بالضرور تذکرہ کیا ہوگا۔

بہر حال اللہ کا بڑا کرم ہوا کہ یقین نے تیسری مرتبہ نہیں کہا ورنہ کہاں یہ گھر ہوتا اور کہاں میں ہوتی۔

بس اب یقین سے کسی قیمت پر اور کبھی نہیں بگاڑنی ہے۔

بگاڑنے کی بات تو بعد میں ہوگی ، پہلے اُسے منا تو لو بی بی۔

اوکے باتھ روم سے برآمد تو ہوں۔

وہ باتھ روم کے دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

اور یقین شاور لیتے ہوئے دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔

بیا تو بہت آگے جا پہنچے۔

طلاق۔

عدت۔

دے دلا کر رخصت کرنا۔

بچے کی پلوائی کا خرچا۔

نہیں بابا نہیں۔

چھوڑنے دوڑنے کی کون کافر سوچ رہا ہے۔

جو ہوا ، اُسی پر پچھتاوا ہے۔

بہر حال پھر بھی ..... جویا کے آگے بچھنا ہر گز نہیں ہے ..... تھوڑا پریشر میں رکھنا ہے اُسے۔

اوکے۔

مگر بیا سے یہ کون کہے گا کہ چھوڑنا نہیں صلح کرنا ہے۔

کریں گے بھی ..... کچھ نہ کچھ کریں گے۔

مگر اُس کے سامنے منہ لٹکا کر بیٹھنے اور بے چارہ بننے کی ضرورت نہیں۔

یوں ظاہر کرو جیسے پرواہ ہی نہیں۔

اس کے بغیر بھی خوش ہو اور رہ سکتے ہو۔

وہ نہا دھو کر باتھ روم سے نکلا تو جویا بچے کو فیڈ کرنے کے بعد اُس کے بستر پر لٹا چکی تھی۔

یقین نے کن انکھیوں سے بچے کی طرف دیکھا۔

کیسے مزے سے سو رہا تھا وہ۔

اپنے اماں بادا کی سوچوں اور فکروں سے یکسر بے نیاز اور بے پرواہ۔

یقین کے دل میں شفقت پدری مچلنے لگی۔

جی چاہا بچے کو اپنے بازوؤں میں اُٹھا کر اتنا چومے اتنا چومے کہ وہ اپنی ننھی منی آنکھیں کھولنے پر مجبور ہو جائے۔

مگر کچھ عجب نہیں کہ جویا بچے کو اس کی کمزوری سمجھ کر اکڑ جائے۔

وہ بچے سے اپنی فطری محبت کو مصلحتاً دل میں دبائے وارڈ روب کی طرف بڑھ گیا۔

جویا نے کن انکھیوں سے اُسے دیکھا۔

کیا بے مروت آدمی ہے بچے کی طرف دیکھا تک نہیں۔

اُونہہ! جو میرے بچے کا نہیں ، وہ میرا بھی نہیں۔

ہوں ہوں؟

بگاڑنی نہیں ہے اُس سے۔

جو دو طلاقیں دے چکا ہے ، وہ تیسری بھی دے سکتا ہے۔

خواہ مخواہ جگ ہنسائی ہوگی۔

وارڈ روب میں کپڑے لٹکانے کے بعد مڑا تو جویا بچے کے نزدیک ہی لیٹ چکی تھی۔

اُونہہ! جتا رہی ہے کہ بچہ میرا ہے۔

یقین کو جویا سے حسد سا محسوس ہونے لگا۔

وہ کن انکھیوں سے اسے اور بچے کو دیکھتے سنگھار میز کی طرف بڑھا اور دراز سے ناخن تراش نکال کر جویا کے رخ پیٹھ کر کے مسہری کے کنارے پر بیٹھ گیا اور ناخن تراشنے لگا۔

جویا کا دل بھر آیا۔

کیسی بے رخی تھی!

بے مروت نے اتنا بھی نہ پوچھا کہ زندہ ہو یا مر گئیں!

بچے کو چھوا تک نہیں۔

اماں ٹھیک کہتی ہیں کہ مرد اولاد کو عورت کے منہ سے پوچھتا ہے۔

جو میرا نہیں وہ بھلا اولاد کا کب ہوگا!

ٹھیک ہے، نہ پوچھے۔

میں اپنے بچوں پر اپنی ساری زندگی قربان کر دوں گی۔

یقین کا کیا ہے، یہ تو دوسری کرلیں گے۔

کرلیں۔

مجھے پرواہ نہیں۔

میرے لئے میرے بچے کافی ہیں۔

مگر طلاق نہیں چاہئے مجھے۔

اپنے بچوں کو میں طلاق یافتہ ماں کے بچے نہیں کہلواؤں گی۔

مریم بڑی ہوگی...... اس کی شادی بیاہ ہوگی تو باپ کا تو ضرور پوچھیں گے لوگ۔

ٹھیک ہے...... مجھے طلاق نہ دے...... خود دوسری کرلے...... مجھے میرے بچوں کے ساتھ رہنے دے۔

اُس نے اپنا دایاں ہاتھ بصد حزم و احتیاط بچے پر رکھ دیا اور بظاہر آنکھیں موند کر پلکوں کے جھروکوں سے یقین کو دیکھنے لگی جو ان دونوں کی طرف پشت کئے بیٹھا تھا۔

بچہ درمیان میں نہ ہوتا تو شاید وہ بھی یقین کی طرف سے رُخ پھیر لیتی۔

کمرے میں گمبھیر سناٹا تھا۔

ناخن تراشنے کے بعد اس نے سائیڈ بورڈ پر سے تین ہفتے پرانا ہفت روزہ اُٹھایا اور کرسی پر بیٹھ کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔

"پرانا رسالہ ہے، ورق ورق چاٹ رکھا ہوگا مگر اس وقت ایسے پڑھا جا رہا ہے جیسے تازہ شمارہ ہو۔" جویا نے کن انکھیوں سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔

بچہ سو رہا تھا۔

جویا کو باتھ جانے کی حاجت ہوئی اور وہ بہت آہستگی سے بستر سے اُٹھ کر باتھ روم میں چلی گئی۔

باتھ روم کا دروازہ بند ہوتے ہی یقین بیتابانہ اُٹھا اور بچے کو بڑے اشتیاق انداز میں پیار کرنے لگا۔ وہ اُس کا جانشین تھا۔

اس کی آئندہ نسلوں کا امین تھا۔

یقین کو بیا پر غصہ آنے لگا۔

کتنے آرام سے کہہ دیا، انہوں نے کہ بہو کو گھر لے آئے ہیں ہم تاکہ عزت سے رخصت کیا جا سکے۔ کیا بگڑ جاتا ان کا جو دونوں کی صلح کرا دیتے۔

وہ بھول گیا کہ بیا نے تو ہر ممکن کوشش کی تھی صلح کرانے کی۔

باتھ روم میں پانی گرنے کی آواز سنتے ہی یقین دوبارہ اپنی جگہ پر جا بیٹھا۔

جویا باتھ روم سے نکلی تو وہ اُسی بے نیازی سے بیٹھا رسالہ پڑھ رہا تھا۔

جویا کو اس کی بے التفاتی پر سخت ملال ہوا۔

کیسی بے رُخی برت رہا تھا وہ اس سے۔

بچہ کلبلایا اور رونے لگا۔

جویا نے اُسے اُٹھایا اور اپنی آغوش میں دبکا کر اُسے فیڈ کرنے لگی۔

یقین اُٹھا اور رسالے کو سائیڈ بورڈ پر رکھنے کے بعد دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔

دروازے کے رخ دیکھتے ہوئے جویا کے ذہن میں بیا کے الفاظ کی بازگشت گونجی۔ "یقین کو تمہی رام کرو گی بہو۔"

اُونہہ! رام کرنے کی نوبت تو تب آئے، جب وہ لفٹ کرائیں۔

نظر بھر کر دیکھ تک تو رہے نہیں ہیں وہ میری طرف۔

اپنی بے وقعتی کے احساس سے جویا ملول ہوگئی۔

لیکن اگلے ہی لمحے بچے کی ننی منی آنکھیں اس کے دل کو تقویت اور حوصلہ بخشنے لگیں۔ اُس نے سر جھکایا اور اپنے لب بہت آہستگی سے بچے کے ننھے منے سر سے مس کر دیئے۔

کچھ دیر بعد دروازہ آہستگی سے کھلا اور امی کمرے میں در آئیں۔

جویا جو بچے کو فیڈ کر رہی تھی، قدرے محجوب ہوگئی۔

امی اس کے نزدیک آ بیٹھیں اور بڑی رازداری سے بولیں۔ "یقین نے کوئی بات کی؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

امی نے گہری نگاہوں سے جویا کو دیکھا۔ ان کی نگاہوں میں تشویش سے زیادہ تشکیک تھی۔

کیا وہ سچ کہہ رہی تھی؟

"بچے کو تو پیار کیا ہوگا؟" امی کے لہجے میں استفسار سے زیادہ یقین کا عنصر تھا۔

اس نے پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

"کیا!" امی نے تشکیک آمیز استعجاب سے اسے دیکھا۔ "بچے کو بھی پیار نہیں کیا!"

"جی" وہ دل گیر لہجہ میں بولی۔ "پلٹ کر دیکھا تک نہیں اسے۔"

امی متفکر سی دکھائی دینے لگیں۔

"تم خود ہی بولی ہوتیں یقین سے۔" انہوں نے کہا۔

"بات کرنے کا موقع تو ملتا۔" وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

"تم خود نکالتیں موقع۔"

وہ چپ رہی۔

امی نے ایک گہری سانس کھینچی پھر دلسوز انداز میں بولیں۔ "کیا کریں بھئی...... مرد کو اللہ تعالیٰ

نے طاقت دی ہے، بڑا بنایا ہے...... زعم میں رہتا ہے وہ...... عورت اُس کے مقابلے میں کمزور اور بے بس ہے...... بے چاری کو مرد کی بڑائی تسلیم کرنی ہی پڑتی ہے...... جھکنا ہی پڑتا ہے اس کے آگے...... کیا کر سکتی ہے بے چاری...... مجبور جو ٹھہری۔"

جویا نے مذبذب نظروں سے اُنہیں دیکھا۔

وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ امی مرد کی وکالت کر رہی تھیں یا عورت کی۔

امی کی جہاندیدگی نے اس کی کیفیت بھانپ لی۔

وہ سرک کر جویا کے نزدیک ہو گئیں اور راز دارانہ انداز میں بولیں۔ "لیکن عورت اگر عقل سے کام لے تو اپنی مجبوری اور کمزوری کے باوجود مرد کو زیر کر سکتی ہے...... اپنا غلام بنا سکتی ہے۔"

جویا نے تشکیک سے اُنہیں دیکھا۔

ساس ہو کر وہ ایسی بات کیونکر کہہ رہی تھیں۔

کون ساس بہو کو یہ سمجھا سکتی ہے کہ عقل سے کام لے کر وہ اپنے مرد کو جو اُس کا بیٹا بھی ہے، اپنا مطیع بنا سکتی ہے!

"ایک بات بتاؤں تمہیں۔" امی نے زیادہ راز دارانہ انداز میں کہا۔ "اپنی تمام تر بڑائی، عقل اور طاقت کے باوجود مرد ذات ایسی بیوقوف ذات ہے کہ عورت ہاتھ جوڑ کر بس اتنا کہہ دے اُس سے کہ معاف کر دو تو سات خون معاف کر دیتا ہے۔"

جویا اُنہیں پھر تشکیک سے دیکھنے لگی۔

"ہاں ہاں...... سچ کہہ رہی ہوں دلہن۔" امی نے پُر زور لہجے میں کہا۔ "مرد کیسا ہی اکھڑ اور سر پھرا ہو، عورت اس کے سامنے بس ذرا سا جھک جائے تو کم بخت عورت کے تلوے چاٹنے لگتا ہے۔"

ساس کی زبان اور ایسی باتیں!

جویا کو اُن کی نیت پر شک سا ہونے لگا۔

"میرا یقین تو بہت ہی سادہ اور مروت والا بچہ ہے، نہ جانے اس مرتبہ اتنی ضد کیوں چڑھ گئی ہے اُسے۔" امی نے پل بھر کو توقف کیا پھر بولیں۔ "برا مت ماننا...... میں دہرانا نہیں چاہتی مگر تمہیں سمجھانے کو حق کی بات کہنا ضروری ہے...... اصل میں تمہارے میکے جا بیٹھنے سے یقین کو بہنوئیوں اور دوسرے لوگوں کے سامنے شرمندگی تو ہوئی شاید اسی کا اثر ہے کہ وہ کسی کی بات سننے پر آمادہ نہیں...... بہر حال مجھے اللہ کی ذات پر اور یقین کی فطرت سے پوری اُمید ہے کہ تم ایک مرتبہ معذرت کر لو گی اس سے تو وہ غصہ تھوک دے گا۔"

جویا چپ بیٹھی رہی۔

"سمجھیں دلہن؟"

"جی۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

"اللہ نہ کرے، کوئی اونچ نیچ ہو جائے تو دونوں طرف ہنسنے والے بہت ہوں گے، ہمدرد کم...... کیوں موقع دیا جائے لوگوں کو ہنسنے کا...... گھر کی بات گھر ہی میں ختم ہو جائے تو اچھا۔"

جویا اختلاف رائے کے لئے زیر زبر کی گنجائش بھی نہ پا سکی۔

"اب تم گھر آ گئی ہو تو عزیز رشتے دار بچے کو دیکھنے کے لئے ضرور آئیں گے۔ کسی پر کچھ ظاہر ہونے سے پہلے ہی تم دونوں کا راضی نامہ ہو جائے تو اچھا ہے۔ تمہارے سسر کا عقیقے کا بھی خیال ہے۔ خوشیاں تبھی اچھی لگتی ہیں، جب دل ٹھکانے ہو۔"

بات تو ٹھیک تھی۔

بیٹے کی پیدائش پر اُسے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو چکا تھا۔

"تمہارے دونوں نندوئیوں تک کو بھنک نہیں ہے اس بات کی...... اُنہیں بس یہی معلوم ہے کہ تم دونوں میں ناراضگی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ اُن پر بھی بات کھلے...... اس لئے جتنی جلدی یہ معاملہ سلجھ جائے، اچھا ہے...... تم سمجھ رہی ہو نا، میری بات۔"

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ویسے بات سلجھنے میں مشکل بھی کیا ہے۔" امی نے دھیرے سے اُس کا گھٹنا دبایا اور راز دارانہ انداز میں بولیں۔ "وہ بیوی ہی کیا جو اپنے مرد کو رام نہ کر سکے...... مرد کو جھکانے کے لئے عورت کو پہلے خود جھکنا پڑتا ہے...... خیر سے اب تم دو بچوں کی ماں ہو۔ اپنے لئے نہیں تو بچوں کے لئے سوچو۔" امی نے بہت محبت سے پوتے کے وجود پر دھیرے سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"اُنہیں تم دونوں ہی کی ضرورت ہے۔"

جویا سوچ رہی تھی، اماں نے تو کہا تھا۔ "سسرال والے لے جا تو رہے ہیں تمہیں مگر طعنہ و تشنیع بہت کریں گے۔"

مگر...... دوپہر سے اب تک کوئی طعنہ و تشنیع نہ ہوئی تھی۔ بظاہر سب بہت اپنائیت سے پیش آ رہے تھے۔

مدحت بجیا نے بہت عمدہ سوپ بنا کر دیا تھا اسے۔

سپہر کو امی نے اچھوانی پلائی تھی۔

مدحت بجیا دیر تک سمجھاتی رہیں کہ عورت کے لئے محفوظ ترین پناہ گاہ، اُس کا اپنا گھر ہوتا ہے۔

شادی سے پہلے ماں باپ کا گھر۔

شادی کے بعد شوہر کا گھر۔

اچانک ابا کی آواز نے اُسے اور امی کو چونکا دیا۔

"بیگم صاحبہ! کہاں ہیں آپ؟" وہ کہہ رہے تھے۔

"یہاں دلہن کے پاس ہوں ماسٹر صاحب۔" امی نے دروازے کے رخ منہ کرتے ہوئے بہ آواز بلند کہا۔

دروازے پر پھر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"ہاں ہاں، اندر آ جائیے ماسٹر صاحب۔"

دروازہ کھلا اور ابا اندر جھانکتے ہوئے بولے۔ "اجازت ہے؟"

"آیئے آیئے۔"

"کیا ہو رہا ہے؟" بابا نے موڑھے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"دلہن کو سمجھا رہی ہوں کہ یقین کو کھونٹے سے باندھنے کی کوشش کریں...... رسی نہ تڑوانے دیں۔"

"ویسے......" بابا نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر جویا کی طرف دیکھتے ہوئے رازداری سے بولے۔

"بہو، میں نے صاحب زادے پر ایک نفسیاتی حربہ آزمایا تو ہے دیکھو، کیا ردِعمل ظاہر فرماتے ہیں۔"

جویا کا جی چاہا پوچھے کیا نفسیاتی حربہ آزمایا تھا انہوں نے، مگر وہ جی کے چاہنے پر عمل نہ کر پائی۔

"ماسٹر صاحب! مجھے تو آپ کے حربے سے ڈر لگ رہا ہے، خدا نہ کرے یقین...... نہیں بھئی، نہیں میں تو کہتی ہوں دلہن صلح کا ہاتھ بڑھا دیں...... بات کو اور اُلجھانے سے کیا فائدہ۔" امی کہتیں پھر انہوں نے جویا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "پتا ہے انہوں نے کیا کہا ہے یقین سے؟"

"کیا؟" جویا کی آنکھوں نے پوچھا۔

"انہوں نے یقین سے کہا ہے کہ بہو کو ٹانگ کر نہ رکھو، فیصلہ کرنا ہے تو کر ڈالو۔"

جویا نے گھبرا کر پہلے امی پھر بابا کو دیکھا۔

بابا اُس کی گھبراہٹ تاڑ گئے۔

"تم پریشان مت ہو بہو، میں نے یقین پر محض نفسیاتی دباؤ ڈالنے کے لیے ایسا کیا ہے۔"

"ماسٹر صاحب! مجھے یہی تو ڈر ہے کہ کہیں اس دباؤ کا کوئی اُلٹا اثر نہ ہو جائے۔"

"بہو تھوڑی سی عقل سے کام لیں تو ان شاء اللہ کوئی اُلٹا اثر نہیں ہوگا، بالکل سیدھے ہو جائیں گے یقین میاں...... بے شک، ساری برائی ہم پر ڈال دیں بہو مگر یقین میاں کو مٹھی میں لے لیں۔"

"ہاں دلہن، تم یقین سے کہنا، آپ کے ابا جان تو ہمارا گھر برباد کرنا چاہ رہے ہیں، اُن کی آپ ایک مت سنیں، اپنے بچوں کا منہ دیکھیں۔"

جویا دم بخود اُن کی باتیں سن رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔

کیا وہ دونوں واقعی اس کے ہمدرد تھے۔

اُس کے بہی خواہ تھے۔

لیکن انہیں اُس کا ہمدرد اور بہی خواہ بننے کی ضرورت کیا تھی بھلا؟

"بہو! گھروں کو آباد کرنے میں وقت لگتا ہے اور آباد رکھنے کے لئے مسلسل ریاضت کرنا پڑتی ہے البتہ اُجڑنے میں دیر نہیں لگتی، پل بھر میں سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ تمہارا گھر آباد رہے۔" بابا نے اُٹھتے ہوئے انتہائی دلسوزی سے کہا اور اس کے نزدیک آ کر اپنا ہاتھ اُس کے سر پر دھر دیا۔

ابا بھی جب بیٹیوں کو کوئی بات سمجھاتے تو اپنا دستِ شفقت یونہی ان کے سروں پر رکھ دیا کرتے تھے۔

لحظہ بھر کو جویا کو یوں لگا، جیسے ابا کا دستِ مشفق اُس کے سر پر تھا۔

یک بیک اس پر رقت سی طاری ہو گئی اور وہ اپنا چہرہ گھٹنوں میں دبا کر گھٹ گھٹ کر رونے لگی۔

"ارے! ارے! رو رہی کیوں ہو بہو۔" بابا اس کا سر تھپتھپانے لگے۔

"روئیں تمہارے دشمن۔" امی نے کہا۔

"ہم سب تمہارے ساتھ ہیں بہو۔" بابا نے دلاسا دیا۔

"غلطی انسان ہی سے ہوتی ہے، تم سے بھی ہو گئی۔" امی بولیں۔

"اپنے صاحب زادے کی غلطی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"ماسٹر صاحب! میں یقین کی حمایت تو نہیں لے رہی جو آپ مجھ پر طعن و تشنیع کرنے لگے۔ یقین صرف میرا ہی تو نہیں، آپ کا بیٹا بھی تو ہے۔"

"انتہائی جذباتی اور عاقبت نااندیش۔"

"اس میں میرا کیا قصور۔" امی کے لہجے میں بے بسی تھی۔

بابا نے اپنا ہاتھ اس کے سر سے دھیرے سے ہٹا لیا۔

"مزید کسی حماقت کا مرتکب ہوا وہ تو ساری زندگی کے لئے قطع تعلق کر لوں گا اُس سے۔"

"مجھے کیا سنا رہے ہیں ماسٹر صاحب، آپ نے اُس سے خود ہی تو کہا ہے کہ......"

"آزمانے کے لئے کہا ہے۔ دیکھتا ہوں، کتنا ذی ہوش اور کتنا عاقبت نااندیش ثابت ہوتا ہے وہ۔"

"عجیب آزمائش ہے بھئی...... ارے، کان کھینچتے ہوئے آپ اس کے دو ہتڑ لگاتے اور کہتے خبردار جو اب کوئی غلطی کی۔"

"بیگم صاحبہ، جس کے پاس ذرا سی بھی عقل ہو اُس سے کبھی کبھی یہ کہنا بھی سودمند ثابت ہوتا ہے کہ جاؤ غلطی کرو، خود بھگتو گے۔"

"ارے، اُس کے پاس عقل ہے کہاں...... بہت ہی سیدھا بچہ ہے وہ میرا۔"

"ساری ماؤں کو اپنے بچے سیدھے ہی نظر آتے ہیں۔"

جویا اپنا رونا بھول گئی تھی۔

"آپ بہو کو سمجھانے کے لئے آئے تھے یا مجھ سے لڑنے؟"

"نہ بہو کو سمجھانے نہ آپ سے لڑنے۔" بابا بولے۔ "بہو کو کچھ سمجھانے کی ضرورت اس لئے نہیں کہ ماشاء اللہ پڑھی لکھی، تہذیب یافتہ اور باشعور ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ اس بحران سے نہ صرف خود بخیریت نکل جائیں گی بلکہ ہم سب کو بھی نکال کے جائیں گی اور...... آپ سے لڑ کر میں اپنا ریکارڈ خراب نہیں کرنا چاہتا۔" بابا نے لحظے بھر کو توقف کیا پھر جویا کو مخاطب کرتے ہوئے بولے۔ "بہو اتنے سال ہو گئے ہماری شادی کو خدا کا شکر ہے کہ کبھی کوئی ایسی بدمزگی نہیں ہوئی ہمارے درمیان جو ہمارے یا ہمارے بچوں کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتی۔"

"ویسے چھوٹی موٹی لڑائیاں ماشاء اللہ ہمیشہ رہیں۔" امی نے بابا کو ترچھی نگاہوں سے دیکھتے

ہوئے جویا کو بتایا۔

''بیگم صاحب، انہیں لڑائیاں کہہ کر ان کا حسن ماندمت کیجئے۔ یکسانیت سے انسان بیزار ہونے لگتا ہے۔ زندگی میں گا ہے گا ہے تھوڑی سی ہلچل مچانے کے لئے میاں بیوی میں خواہ رسما ہی سہی تھوڑی سی کھٹ پٹ ذہنی چاہئے ورنہ دوسرے لوگ انہیں منافق سمجھنے لگتے ہیں۔'' ببا کے لبوں پر نمودار ہونے والی مسکراہٹ بتدریج گہری پڑتی چلی گئی۔

''بہت اچھی گزر گئی ماسٹر صاحب۔'' امی نے کہا۔

''اچھا اب اٹھیے، کہیں صاحب زادے یہ نہ سمجھیں کہ ان کے خلاف کوئی بند کمرا سازش کی جا رہی ہے۔''

''سازش تو خیر کی جا رہی ہے۔''

''سازش نہیں، اصلاحِ احوال کی کوشش کیجئے بیگم صاحب..... کیوں بہو؟''

''جی۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''اچھا۔'' امی اٹھتے ہوئے جویا سے بولیں۔ ''میاں کو رسی ڈالنے کی کوشش کرو۔''

''ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔'' ببا نے کہا۔ ''بی ریلیکسڈ بہو ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' جاتے جاتے دونوں نے بچے کو پیار کیا۔

اُن کے جانے کے بعد جویا الجھ سی گئی۔

کیا تھے یہ لوگ!

نہ بر ہمی

نہ طعن و تشنیع۔

نہ بدخواہی

نہ تلخی

اپنے بیٹے کے مقابلے میں وہ اُس کی پشت پناہی کر رہے تھے۔

اسے تسلی اور دلاسا دے رہے تھے۔

اسے سمجھا بجھا رہے تھے۔

اسے بحران سے نکلنے کی تدبیریں سجھا رہے تھے۔

اس نے تو اپنی بیشتر شادی شدہ سہیلیوں اور کولیگز کو شاکی پایا تھا کہ سسرال والے انہیں چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی انتہائی پریشر میں رکھتے ہیں۔ بہت معمولی باتوں پر انتہائی ٹینس کر دیتے ہیں انہیں۔

اور یہاں!

وہ سسرال والوں کو دھوکا دے کر سب کچھ سمیٹ سمٹا کر میکے جا بیٹھی تھی۔ اماں نے اس کے سسرال والوں کی دل آزاری اور یقین کی تذلیل میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ اس کی نادانی اور اماں کی جذباتیت کی وجہ سے یقین اسے دو طلاقیں دے بیٹھا تھا۔

کیا کسر رہ گئی تھی بھلا!

مگر پھر بھی......

پھر بھی ببا تسلی دے رہے تھے کہ ''بی ریلیکسڈ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

اگر یہ منافقت تھی تو کمال کی!

مصلحت کوشی تھی تو لاجواب!

☆=====☆=====☆

یقین کمرے سے نکلنے کے بعد بھی اِدھر کبھی اُدھر کچھ اس طرح اٹھتا بیٹھتا رہا، جیسے حضرت آدم غلطی کے بعد جنت سے نکل کر پچھتائے پھرے ہوں گے۔

گھر والے چپ چاپ دیکھتے رہے۔

کسی نے اس سے کچھ نہیں کہا سنا۔

جب کہ وہ چاہ رہا تھا کہ کوئی کچھ کہے۔

نکہت اور نزہت کو جویا کے گھر آنے کی خبر مل چکی تھی، سو مغرب کے بعد آگے پیچھے دونوں میکے آ گئیں۔ نزہت کے ہمراہ ان کی ساس مسز لطفی بھی مبارکباد دینے کے لئے آ گئیں۔ یقین کے چند قریبی ننھیالی اور ددھیالی رشتے دار بھی مبارکباد دینے کے لئے آئے۔ امی اور ببا نے بڑی خوش دلی سے مبارکباد قبول کی، جب کہ یقین قدرے جھینپا جھینپا سا نظر آتا رہا۔

دل میں چور تو چھپا ہوا تھا نا!

ایک کھٹک، ایک خلش سی تھی۔

بیم و رجا کی کیفیت تھی۔

ہو سکتا ہے، جویا مصالحت پر تیار نہ ہو۔

اس کی خاموشی تو یہی ظاہر کر رہی ہے۔

ہو سکتا ہے اس کے گھر والے نہ چاہیں کہ مصالحت ہو۔

اماں تو اس کی شاید بالکل نہ چاہیں گی۔

اودھر ببا نے بھی تو کہہ دیا ہے کہ بہو کو ہم اس لئے گھر لائے ہیں کہ فیصلہ کر کے عدت کے بعد انہیں عزت سے رخصت کیا جا سکے۔

او یار منیر احمد، مروا دیا تمہارے مشورے نے۔

نہ تم مشورہ دیتے نہ میں اکڑتا۔

اب میں کس منہ سے کہوں گھر والوں سے کہ میں تو صلح کرنا چاہتا ہوں۔

نکہت اور نزہت نے امی اور مدحت بجیا سے قسطوں میں حال احوال پوچھا مگر دونوں نے اپنے شوہر اور نزہت نے اپنی ساس پر اصل صورت حال ظاہر نہ ہونے دی۔

نکہت نے امی سے کہا۔ ''آپ لوگ خوامخواہ جلدی کر رہے ہیں۔ بھائی کو کچھ دن تو ضرور لٹکا کر رکھنا چاہئے، اصل غلطی تو انہی کی ہے۔''

"جلدی اس لئے کر رہے ہیں کہ گھر کی بات دوسروں پر نہ کھلے۔"

"آپ کیا سمجھتی ہیں، آپ لوگوں کے جلدی کرنے اور بھائی بھابی کی صلح ہو جانے کے بعد یہ بات کبھی نہیں کھلے گی یا ہر والوں پر کہ بھائی نے بھابی کو دو طلاقیں دے دی تھیں؟"

"صلح کے بعد کھل جائے تو کوئی بات نہیں۔"

"کوئی بات کیسے نہیں، باتیں بنانے والے تو پھر بھی باتیں بنائیں گے امی۔"

"مگر کچھ کم بنائیں گے۔"

نزہت، مسعود اور مسز لطیفی زیادہ دیر نہیں ٹھہرے، تاہم نگہت اور افتخار رات کے کھانے تک رکے رہے۔ کھانا حسب معمول سب نے ساتھ کھایا، ماسوائے جویا کے جسے ہلکا پھلکا تقریباً پرہیزی کھانا اس کے کمرے میں بھجوا دیا گیا تھا۔ افتخار احمد اشاروں کنایوں میں یقین کو چھیڑتے رہے۔

"کیا بات ہے یقین بھائی، جب سے ہم آئے ہیں آپ کو اپنے کمرے کی طرف جاتے نہیں دیکھا ہم نے؟"

"کیا بھابی سے دوستی نہیں ہوئی ابھی تک؟ یا پکی پکی دوستی ہوئی ہے؟"

یار یقین بھائی، یہ اچھی بات نہیں کہ بھابی کمرے میں اکیلی ہیں اور آپ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"یقین بھائی، صاحب زادے کی مٹھائی تو کھالی اب ایک مٹھائی اور کھانی ہے...... پتا ہے کس بات کی"

"آپ کی اور بھابی کی دوستی کی!"

طلاق والا قصہ افتخار احمد کے سان گمان میں بھی نہ تھا۔ وہ تو فقط یہی جانتے تھے کہ جویا کے میکے جا بیٹھنے پر یقین اس سے ناراض تھا۔

جاتے جاتے نگہت نے افتخار سے علیحدگی میں بجیا سے کہا۔ "بڑا بھابی کو سر پر بٹھا کر گھر تو لے آئے ہیں، اب آپ لوگ ذرا سخت ہو کر رہیں۔"

مدحت بجیا دھیرے سے مسکرا دیں۔

ان کی مسکراہٹ نے نگہت کی تیوریوں پر بل ڈال دیے۔

"کیوں آپ مسکرائیں کیوں؟"

"مسکرانا منع ہے کیا؟"

"مجھے یوں لگا جیسے میں نے کوئی بیوقوفی کی بات کی ہو۔"

"دیکھو نگہت۔" مدحت بجیا گہری سنجیدگی سے بولیں۔ "سختی اور درشتی سے نہ تو کسی کی اصلاح کی جا سکتی ہے، نہ معاملات بہتر ہوتے ہیں۔"

"اصلاح!" نگہت طنزاً مسکرائی پھر بولی۔ "آپ نے کتے کی دُم والی مثل تو ضرور سنی ہوگی۔"

"بری بات نگہت۔" بجیا نے ناگواری سے کہا۔ "تمہاری بڑی بھاوج ہیں وہ۔"

"بدقسمتی سے۔"

"بری بات۔"

"آپ بری کہیں یا اچھی، سچی بات یہ ہے کہ بھابی مجھے اچھی نہیں لگتیں...... مجبوراً برداشت کرتی ہوں میں انہیں۔"

"تمہیں ایسی باتیں نہیں کہنی چاہئیں نگہت۔"

"آپ شاید بھول رہی ہیں کہ بھابی اور ان کی اماں جان نے آپ کو کیا نام دے رکھا ہے۔"

"مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کس نے مجھے کیا نام دے رکھا ہے۔ ویسے بھی میں تکلیف دہ باتوں کو جلد بھلا دینے کی عادی ہوں۔" بجیا نے ایک گھٹی گھٹی سی سرد آہ کھینچی، پھر آگے بڑھ کر نگہت کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے بڑی متانت سے بولیں۔ "بابا کہتے ہیں، جیسے آپ میلے کپڑوں اور ٹوٹے جوتوں کو پھینک نہیں دیتے بلکہ انہیں دوبارہ استعمال میں لانے کے لئے کپڑوں کو دھوتے اور جوتوں کو گنٹھواتے ہیں، اسی طرح جن لوگوں سے کوئی گلہ شکوہ ہو ان سے ہمیشہ کے لئے دشمنی نہیں باندھنی چاہئے یا قطع تعلق نہیں کرنی چاہئے بلکہ درگزر کر کے یا پھر بات چیت کے ذریعے دل صاف کر کے تعلقات بحال کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔"

"بہت مشکل ہے...... کم از کم میرے لئے۔"

"بھائی سے تعلق رکھنا چاہتی ہو؟"

"کیوں نہیں؟ بھائی سے تعلق ٹوٹ سکتا ہے بھلا۔"

بجیا دھیرے سے مسکرا دیں اور بولیں۔ "تو تمہیں بھابی سے بھی تعلق رکھنا ہوگا۔"

"دیکھیں گے۔" نگہت نے ایک ادائے بے نیازی سے کہا۔

"ویسے بڑی بہن ہونے کی حیثیت سے ایک مشورہ ہے میری طرف سے تمہارے لئے۔"

"جی...... کہئے۔"

"بشرطیکہ تم برا نہ مناؤ اور مجھ سے ناراض نہ ہو جاؤ۔"

"چلئے نہ برا مناؤں گی، نہ ناراض ہوؤں گی۔"

"بھائی بھاوج کے معاملات میں جس قدر کم مداخلت کی جائے، اچھا ہے...... ان سے اچھے دوستوں کی طرح ملو...... کوئی توقع نہ باندھو، بہت مزے میں رہو گی۔"

"توقع!" نگہت استہزائیہ انداز میں ہنسی پھر تلخ لہجے میں بولی۔ "ہم کسی سے کوئی توقع نہیں رکھتے۔"

"یہ بھی غلط ہے۔ زندگی میں بعض لوگوں سے توقعات باندھنی ہی پڑتی ہیں ورنہ زندگی کٹھن ہو جائے۔ اب جیسے میں تم سے اور نزہت سے اتنی توقع تو ضرور رکھتی ہوں کہ اگر کبھی مجھے کسی مدد کی ضرورت پڑی تو بہن ہونے کے ناتے تم میرے کام ضرور آؤ گی۔ بھائیوں سے بھی کچھ کم مگر بھلے کی توقع رکھتی ہوں میں لیکن بھاوج اگر میرے کسی کام آجائیں تو میں ان کی احسان مند ہوں گی، ان کی مہربانی کو اپنا حق سمجھوں گی اور اگر وہ مہربانی نہ کریں تو چونکہ میں نے کوئی توقع نہیں باندھ رکھی ہے ان سے اس لئے کوئی برائی لوں گی اپنے دل پر ان کی طرف سے اور نہ مجھے کوئی صدمہ پہنچے گا۔"

نکہت نے شاکی نگاہوں سے بجیا کو دیکھا پھر بولی۔ "بابا کی پروفیسری نے تو ہمیں اکثر نقصان میں رکھا ہی ہے، خدا آپ تو ایسا نہ کیا کریں۔"

بجیا مسکرا دیں۔

"اچھا اب اجازت..... افتخار اور بچیاں انتظار کر رہی ہیں۔"

"او کے۔"

نکہت اور افتخار کے جانے کے بعد یقین تکیہ اور چادر لے کر لاؤنج میں پڑ گیا۔

امی، بابا اور بجیا تینوں شام سے اسی تاک میں تھے کہ یقین دوبارہ کب اپنے کمرے میں جائے، بجیا نے اسے لاؤنج میں لیٹتے دیکھ کر کہا۔ "مچھر بہت ہو رہے ہیں آج، سو جو اسپرے کرے گا لاؤنج میں۔"

وہ کچھ نہیں بولا۔

تکیہ صوفے پر رکھا اور سر سے پاؤں تک چادر تان کر لیٹ گیا۔

بجیا نے امی کو خبر کی۔

امی نے بابا سے کہا۔ "سنا ماسٹر صاحب، صاحب زادے اپنے کمرے کی بجائے ٹی وی لاؤنج میں سو رہے ہیں۔"

"اچھا!" بابا تشویش میں پڑ گئے۔

"جی ہاں..... مجھے تو لگتا ہے، یقین دنیا کو ہم پر ہنسائیں گے۔" امی بھرائی ہوئی آواز میں بولیں۔

"ہم سے زیادہ خود ان کی اپنی ہنسی اڑے گی..... میاں بیوی میں علیحدگی ہو تو کچھ لوگ ایک کو برا کہتے ہیں، کچھ دوسرے کو قصوروار ٹھہراتے ہیں..... معصوم دونوں میں سے کوئی بھی قرار نہیں پاتا..... لوگ زندگی دونوں کی اجیرن کر دیتے ہیں۔"

"آپ جا کر سمجھائیے نا یقین کو کہ بیوقوفی نہ کریں..... دنیا کو ہنسنے کا موقع نہ دیں..... مصالحت کر لیں بیوی سے۔"

"بہت خوب! شام کو میں نے کچھ اور کہا ہے ان سے، اب کچھ اور سمجھاؤں۔"

"تو کیا آپ سچ مچ یہ چاہتے ہیں کہ یقین بہو کا پکا فیصلہ کر دیں؟"

"اتنا بیوقوف سمجھتی ہیں آپ مجھے۔"

"تو پھر آپ یقین کو سمجھاتے کیوں نہیں؟"

"نہ یقین میاں بچہ ہیں نہ بہو..... دونوں سے مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا اب دیکھیے کہ کون کس قدر عقل مندی کا ثبوت دیتا ہے۔"

"مجھے تو یہ ڈر ہے کہ....."

"اللہ پر بھروسا رکھنے والے ڈرا نہیں کرتے..... ہم دو نادانوں کی بیوقوفی سے ٹوٹتے ہوئے ایک گھر کو اپنی ناقص عقل کو استعمال میں لاتے ہوئے بچانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ ہو سکتا

ہے ہمارے اقدامات غلط ہوں لیکن مجھے اپنے رب کی ذات سے امید ہے کہ ہماری نیت کو دیکھتے ہوئے وہ ہمارے غلط اقدامات کے باوجود بھی راست نتائج سامنے لائے گا۔"

"ماسٹر صاحب۔" امی نے محبت بھری نگاہوں سے بابا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "ڈوبتے دل کو کیسے سہارا دے دیتے ہیں آپ۔"

"اب آپ اطمینان سے سو جائیے اور دیکھیے کہ آنے والی صبح ہمارے لیے کیا لے کر آتی ہے۔"

"اطمینان ہم ماں باپ کے مقدر میں کہاں..... اولاد کی طرف سے کبھی کوئی فکر، کبھی کوئی بے چینی۔" امی نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا اور بستر پر لیٹنے کی تیاری کرنے لگیں۔

اور

جویا کے گھر میں اماں ابا سے کہہ رہی تھیں۔ "جویا کو لے تو گئے ہیں وہ لوگ مگر میرا دل کہہ رہا ہے کہ کچھ اچھا سلوک نہیں ہوگا اس کے ساتھ وہاں۔"

"نیک بخت! اتنے برے نہیں ہیں وہ لوگ۔"

"بری تو ایک میں ہوں بس، باقی تو ساری دنیا اچھی ہے۔" اماں تنک کر بولیں۔

"ایک تو تم ہر بات اپنے اوپر لے جاتی ہو۔"

"ہر بات..... بس برائیاں لے لیتی ہوں اپنے اوپر۔" اماں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ جویا کے اس کے گھر جانے کے بعد سے تم بہت پریشان ہو۔ فکر مت کرو، خدا نے چاہا تو کچھ تکلیف نہیں پہنچے گی ہماری بچی کو۔"

مگر ابا کے دلاسے سے اماں کو اطمینان ہونا تھا نہ ہوا۔

طرح طرح کے واہمے ستا رہے تھے انہیں۔

جویا کے سسرال والوں کی طرف سے عجیب و غریب خدشات انہیں ہولائے دے رہے تھے۔

یقین پر اعتبار کرنے کو دل آمادہ نہ تھا۔

جویا کی طرف سے متفکر بھی تھیں اور اس پر غصہ بھی آ رہا تھا۔

سسرال جا کر ایک فون تک کرنے کی توفیق نہ ہوئی تھی اسے۔

بجا کہ ادھر سے بھی تو کیا جا سکتا تھا۔

مگر اُدھر سے کیوں نہیں؟

کیا ممکن ہو گئی تھی جویا وہاں جا کر یا تختی میں آ گئی تھی!

اماں کو سارہ آپا کی یہ منطق سخت کھل رہی تھی کہ ایک دو روز فون و دن نہ کیا جائے۔

کیا خبر ان لوگوں نے کیا سلوک کیا ہو جویا کے ساتھ۔

اخباروں میں آئے دن خبریں آتی تو رہتی ہیں کہ میاں یا سسرال والوں نے لڑکی کو زندہ جلا کر مار دیا۔ میاں نے بیوی کو قتل کیا اور فرار ہو گیا۔

اللہ نہ کرے جویا کو بھی.....

تو یہ تو یہ کیسے کیسے وہم ستا رہے تھے دل کو
اماں جن کی آنکھیں نو ساڑھے نو بجے ہی نیند سے بوجھل ہونے لگتی تھیں، آج پٹ کھلی ہوئی تھیں اور وہ کروٹ پہ کروٹ بدل رہی تھیں۔
صبح کا انتظار انہیں پہاڑ معلوم ہو رہا تھا۔

☆=====☆=====☆

جویا اپنے کمرے میں سیلنگ فین کی چک پھیریوں میں نگاہیں الجھائے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔
نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔
یقین شام کو کمرے سے جانے کے بعد واپس نہیں پلٹا تھا۔
وہ کمرے سے نکلی نہیں تھی، کچھ کمزوری، کچھ خفت کے سبب۔ اگرچہ اپنا ہی گھر تھا مگر ایسے حالات میں واپس لوٹی تھی کہ شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔
دل میں ایک خدشہ سا تھا کہ شاید واپس ہی جانا پڑ جائے۔
یقین اسے رکھنے پر آمادہ نہ ہوا تو اس کا واپس جانا لازم تھا۔
آثار تو بظاہر خطرناک ہی دکھائی دے رہے تھے۔
یقین کے دل میں ملاپ کی ہوتی تو وہ ایسا اکھڑا اکھڑا کیوں دکھائی دیتا۔
بچے کو بھی ایک نظر نہیں دیکھا۔
پتا نہیں کیا ہوگا!
میکے واپس جانا پڑا تو بڑی ذلت کا سامنا ہوگا۔
بھیا نے بات چیت تو پہلے ہی کم کر دی تھی، خدانخواستہ دوبارہ میکے جانا پڑا تو شاید وہ بالکل ہی تھوک دیں گے۔
اماں ابا بھلا کب تک بیٹھے رہیں گے۔
بھائی بھاوج کے ساتھ رہنا عذاب سے کم کیا ہوگا۔
خدایا! زندگی کی ناؤ کس منجدھار میں آ پھنسی تھی۔
ایک ناقابل بیان اضطراب اس کی رگ رگ میں سرایت کرنے لگا۔
اس قدر بے یقینی کا سامنا تو زندگی میں پہلے کبھی نہ کرنا پڑا تھا۔
ہائے! اس سے تو اچھا تھا کہ شادی نہ ہوئی ہوتی۔
اماں ابا کے گھر میں ایسی کلفتیں کب تھیں۔
کیسی بے فکری کا زمانہ تھا!
طالب علمی کے زمانے میں زیادہ سے زیادہ فکر بس یہی رہا کرتی تھی کہ پڑھنا ہے اور امتحان پاس کرنا ہے یا پھر گھر کا تھوڑا سا کام کاج وہ بھی بشرط فرصت۔
ملازمت کے بعد بس یہ فکر رہتی تھی کہ کل کون سے کپڑے پہننے ہیں۔۔ جی چاہا تو گھر کا کوئی کام کاج کر لیا، زبردستی نہ تھی۔

کبھی کبھی تو شام کی سوئی صبح ہی کی خبر لیتی۔
آزاد پنچھی تھی۔
نہ کوئی روک نہ ٹوک۔
اماں نے کبھی کسی بات پر ڈانٹا تو ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیا یا پھر مسکرا کر ٹال دیا۔
لاحول ولاقوۃ
کون کہتا ہے شادی کرو۔
ایک شادی ہزار جھنجھٹ۔
میاں کو خوش رکھو۔
سسرال والوں سے بنا کر رکھو۔
گھر داری سنبھالو۔
بچے پیدا کرو۔
انہیں پالو۔
شوہر خفا ہو تو اس کے قدموں میں گر جاؤ۔
چھی چھی! وہ پہلی آزاد زندگی اچھی تھی۔
لیکن وہ تو اب خواب و خیال ہو چکی تھی۔
اب تو زندگی کے اس دوسرے روپ سے ہی نباہ کرنا تھا۔
ویسے......
اگر گڑبڑ نہ ہوئی ہوتی۔
سسرال والے نہ ہوتے۔
بس یقین، وہ اور بچے۔
اور اپنا گھر۔
تو شاید زندگی کا یہ دوسرا روپ بھی کچھ برا نہ ہوتا۔
اصل مسئلہ تو ہنوز اپنی جگہ پر موجود تھا یعنی اپنا گھر۔
اپنا گھر!
اونہہ! ابھی تک تو سسر کے گھر کے بھی لالے پڑے ہوئے تھے۔
دروازے پر ہلکی سی دستک سنائی دی۔
یقین!
دل نے سرگوشی کی۔
مگر یقین کو دستک دینے کی کیا ضرورت تھی۔
دروازہ اندر سے بند تھوڑی تھا، وہ پٹ کھول کر برملا اندر آ سکتا تھا۔

پھر کون ہو سکتا تھا۔

وہ دوپٹہ سنبھالتی اٹھ بیٹھی۔ بستر سے اٹھی اور دروازے تک پہنچی۔

"کون؟" اس نے پوچھا۔

"میں ہوں۔" دھیمی آواز میں جواب ملا۔

اس نے دروازہ کھول دیا۔

امی اندر آ گئیں۔

"سو گئی تھیں کیا؟"

"جی نہیں۔"

"تمہارے میاں ٹی وی لاؤنج میں پڑے سو رہے ہیں۔"

وہ خفیف سی ہو گئی کہ اس کی وجہ سے تو وہ کمرا چھوڑ گیا تھا۔

"بس میں تمہیں یہی بتانے آئی تھی۔" امی نے ہمدردانہ اور رازدارانہ لہجے میں کہا پھر مسہری کی طرف پیش قدمی کی اور جھک کر بہت آہستگی سے بچے کے سر کو چومتے ہوئے بولیں۔ "ماشاء اللہ، کیسا پیارا بچہ ہے، ذرا جو رونے کی آواز سنائی دی ہو دن بھر......" پھر جویا کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

"باپ پر گیا ہے۔"

امی واپس جانے کو مڑیں اور جاتے جاتے جویا کے قریب ٹھٹک کر بولیں۔ "مجھے تو مدحت نے بتایا کہ یقین تو ٹی وی لاؤنج میں پڑے ہیں۔ میں نے تمہارے سسر سے کہا تو وہ بولے دونوں کو جو سمجھانا تھا سمجھا دیا۔ اب دیکھنا ہے کہ کون کتنی عقل مندی کا ثبوت دیتا ہے۔"

امی چلی گئیں۔

وہ شکستہ قدموں سے پلٹ کر مسہری پر جا بیٹھی۔

"کیا کیا جائے؟" اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے سوچا۔

اس کے ذہن میں مختلف ممکنات ابھرنے اور ڈوبنے لگے۔

ٹی وی لاؤنج میں جا کر یقین کا شانہ دھیرے سے ہلانا اور اس کے جاگنے پر ہاتھ جوڑ کر رقت بھری آواز میں یہ کہنا "مجھے معاف کر دیجیے" اسے قدرے توہین آمیز منظر لگا۔

بجا کہ پہلا قدم امی نے اٹھایا تھا مگر قصوروار وہ بھی کچھ کم نہ تھا۔ رسائیت سے بات کرنا، طلاق کہنے کی کیا ضرورت تھی۔

یقین کے سرہانے بیٹھ کر اسے اپنی سسکیوں سے جگانا اور آنسو بہا کر اسے مائل بہ کرم ہونے پر مجبور کر دینا گویا رحم کی بھیک مانگنا محسوس ہوا۔

اس کے پائینتی بیٹھ کر اس کے پیروں کو اپنے ہاتھوں میں دبوچ کر گڑگڑانے اور معافی مانگنے کا تصور بھی جویا کے لیے کچھ دل خوش کن نہ تھا۔

اس کا بازو ہلا کر اسے جگانا اور کمرے میں چلنے کو کہنا البتہ قدرے غنیمت منظر تھا۔

تادیر وہ مختلف ممکنات پر غور کرتی رہی۔ پھر اس نے بچے کے چند نیپیز اور پوتڑے سمیٹے، بچے

کو اس کے گدیلے اور رضائی سمیت اٹھایا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

ٹی وی لاؤنج کی بتی بجھی ہوئی تھی، تاہم کچن میں روشن ٹیوب لائٹ نے لاؤنج میں نیم تاریکی کا سماں پیدا کر رکھا تھا۔

جویا بچے کو لیے ایک ہاتھ میں اس کے نیپیز اور پوتڑے دبوچے کچھ جھجکتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی اور بہت احتیاط سے چلتی ہوئی یقین کے نزدیک جا کھڑی ہوئی جو صوفے پر سر سے پاؤں تک چادر تانے سو رہا تھا۔

"سنیے۔" جویا نے اسے پکارا۔

اس نے سر مو حرکت نہ کی۔

پتا نہیں، سو رہا تھا یا بن رہا تھا۔

جویا نے اس کا بازو دھیرے سے ہلایا۔

"ہاں۔" اس نے جس طرح ہڑبڑا کر چادر اپنے منہ سے اُتاری، اس سے جویا کو یقین ہو گیا کہ وہ واقعی سو ہی رہا تھا۔

جویا کو بچے سمیت اپنے نزدیک کھڑی دیکھ کر وہ اٹھ بیٹھا۔

"آپ...... کمرے میں چلے جائیں...... میں یہاں سو جاتی ہوں۔" وہ دھیرے سے بولی۔

وہ بدستور چادر اپنے گھٹنوں پر رکھے بیٹھا رہا۔

"اٹھیے۔"

"نہیں...... میں یہیں ٹھیک ہوں۔" وہ بولا اور اس نے چادر سنبھالتے ہوئے دوبارہ صوفے پر لیٹنے کی تیاری کی۔

"پلیز!" وہ گڑگڑائی۔ "آپ اپنے کمرے میں لیٹ جائیے، میں یہاں پڑ جاتی ہوں۔"

اس کے الفاظ بدل گئے تھے۔

اپنے کمرے میں!

تو کیا اس کمرے کو اب وہ اپنا کمرا نہ سمجھ رہی تھی۔

پڑ جاتی ہوں!

کتنی بے بسی تھی ان الفاظ اور اس کے لہجے میں۔

اسے غصہ آنے لگا بابا پر...... اور تمام گھر والوں پر۔

کیا بگڑ جاتا جو سب مل کر ان دونوں کی صلح کرا دیتے۔

اسے یوں لگا، جیسے ساری دنیا نے اسے اور جویا کو تنہا اور بے یارومددگار چھوڑ دیا تھا۔ کوئی ان دونوں کا ہمدرد اور بہی خواہ نہ تھا۔

ایک دوسرے کے شانے کے سوا انہیں کوئی دوسرا شانہ میسر نہ تھا جس پر سر رکھ کر وہ آنسو بہا سکتے۔

جویا بچے کو لیے لاؤنج میں بچھے قالین پر بیٹھ گئی۔ ہاتھ میں دبوچے ہوئے بچے کے کپڑے

اس نے ایک طرف رکھے اور بچے کو اس کے گدے اور رضائی سمیت قالین پر لٹا کر اپنا دوپٹہ تکیے کی جگہ اپنے سر کے نیچے رکھ کر قالین پر لیٹ گئی۔

یقین چپ چاپ بیٹھا دیکھتا رہا اور جویا کے قالین پر لیٹ جانے کے بعد سوچوں میں گھر گیا۔

کیسے بے ایمان تھے سب گھر والے!

اپنے اپنے کمروں میں صاف ستھرے اور نرم و ملائم بستروں پر سو رہے تھے۔

اور گھر کی بہو..... پانچ چھ روز کی زچہ اپنے بچے کے ساتھ کھردرے قالین پر پڑی تھی!

مدحت بجیا نے تو مجھے ٹی وی لاؤنج میں لیٹتے دیکھا تھا۔

کیا تھا اگر کہہ دیتیں۔ ''یہاں کیوں لیٹ رہے ہو، اپنے کمرے میں جاؤ۔''

ویسے تو بہت عاقلہ بنتی ہیں۔

امی ابا کو صلاح مشورے دینے میں پیش پیش رہتی ہیں۔

مگر میرے لاؤنج میں لیٹنے کو چپ چاپ پی گئیں۔

اصل میں یہ لوگ چاہتے ہی نہیں کہ ہماری صلح ہو۔

احسان فراموش، یقین بھول گیا کہ گھر والوں نے کتنی کوشش کی تھی کہ ان دونوں میں مخاصمت زیادہ نہ بڑھے، مفاہمت ہو جائے۔

وہ بھول گیا کہ پہلی مرتبہ جویا کے میکے جا بیٹھنے پر اس کے گھر والے ہی تو تھے جو جویا کو گھر واپس لائے تھے۔

وہ بھول گیا کہ دوسری مرتبہ بھی گھر والوں نے ہر ممکن کوشش کی تھی۔

وہ گھر والوں کا ہر احسان، ہر ہمدردی بھول گیا۔

اُسے تو بس اتنا یاد تھا اس وقت کہ وہ، جویا اور ان دونوں کا نومولود بیٹا اس وقت ایک لٹے پٹے اور بے آسرا کنبے کی طرح ٹی وی لاؤنج میں پڑے تھے۔

اسے یوں لگا جیسے زندگی کی گاڑی ہچکولے کھاتی چلی جا رہی تھی۔ باہر روشنی تھی۔ آس پاس کے ڈبوں میں لوگ اسی طرح خواب خرگوش کے مزے لیتے رہیں گے۔ اس کے ڈبے میں اسی طرح اندھیرا رہے گا...... جویا قالین پر اسی بے کسی کی حالت میں پڑی رہے گی...... بچہ اسی طرح پڑا رہے گا...... اور پھر ایک دن جب وہ اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کرے گا تو اس کے گھٹنے جواب دے چکے ہوں گے...... اس کی جگہ ایک چٹے سر والا بوڑھا ہوگا اور جویا کی جگہ ایک کھانستی ہوئی جاں بلب بڑھیا اور ان کا بیٹا...... وہ خدا جانے کہاں ہوگا!

چادر کو اپنے گھٹنوں سے ہٹا کر صوفے پر ایک طرف پھینکتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے ننگے پاؤں اٹھا۔

جویا اپنا بازو موڑ کر آنکھوں پر دھرے چپ پڑی تھی۔

وہ پنجوں کے بل اس کے نزدیک جا بیٹھا اور اس کی آنکھوں پر دھرے بازو کو دھیرے سے چھوتے ہوئے بولا۔ ''سنو!''

اس نے سر مو حرکت نہیں کی۔

بازو تلے اس کی آنکھوں میں جل تھل مچی ہوئی تھی۔

''اٹھو۔'' وہ اس کے بالوں میں اپنی انگلیاں پھیرنے لگا۔

وہ بدستور لیٹی رہی۔

ہیں! یہ کیا!

یقین کو یوں لگا جیسے اس کی انگلیاں کسی سیل رواں کو چھو آئی تھیں۔

مضطرب ہو کر اس نے جویا کا بازو اس کی آنکھوں پر سے ہٹایا اور اپنی انگلیاں بیتابانہ اس کی آنکھوں پر پھیرنے لگا۔

اس کی آنکھیں تو آنسوؤں میں ڈوبی پڑی تھیں۔

''اٹھو...... شاباش۔'' وہ اس کا بازو تھپتھپاتے ہوئے دھیرے سے بولا۔

جویا نے دوبارہ اپنا بازو آنکھوں پر دھر لیا اور گھٹ گھٹ کر سسکیوں سے رونے لگی۔

یقین جھکا اور اپنا بازو اس کے شانوں تلے دے کر اور دوسرے ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اٹھنے پر مجبور کرنے لگا۔

وہ اٹھ بیٹھی۔

یقین نے بچے کو گود میں اٹھایا۔

جویا نے دوپٹا لیا، بچے کے کپڑے اٹھائے۔

اسے سہارا دیے وہ اپنے کمرے میں لے گیا۔

بچے کو لٹانے اور جویا کو بٹھانے کے بعد وہ اس کے نزدیک آ بیٹھا۔

کچھ دیر دونوں خاموش بیٹھے رہے پھر یقین نے اس خاموشی کو توڑا۔ ''اگر تم غلطی نہ کرتیں تو یہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا۔''

جویا نے بھیگی پلکیں اٹھائیں، ذرا کی ذرا اس کی طرف دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں۔

''بولو کیا ملا؟ کیا ملا تمہیں اس گھر سے جا کر؟''

لاؤنج کی نسبت اب وہ زیادہ کھل کر رونے لگی۔

''نہ آتی مریم اس روز میرے سامنے اور بک جاتا، میں ایک مرتبہ پھر وہی بکواس...... تو......؟''

وہ روتی رہی۔

یقین نے کوئی دلاسا دینا ضروری نہ سمجھا۔

اچانک جویا نے دونوں ہاتھ جوڑے اور انہیں اپنے لبوں سے مس کرتے ہوئے یقین کو بھیگی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے گڑگڑا کر بولی۔ ''مجھے معاف کر دیں۔''

یقین لحظہ بھر کو دم بخود رہ گیا۔

وہ عورت جو کبھی فاتح بن کر اس کی اقلیم دل میں داخل ہوئی تھی، اس وقت گڑگڑا کر اس سے معافی مانگ رہی تھی۔

اسے یوں لگا، جیسے وہ اپنے منصب سے بہت نیچے اُتر آئی تھی۔

وہی اُسے دوبارہ اُس منصب پر پہنچا سکتا تھا۔

اس نے اپنے ہاتھ آگے بڑھائے اور جویا کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

جویا کے دل پر چھائی بے یقینی اور بے قراری ایک ناقابلِ بیان طمانیت اور سرشاری میں تبدیل ہو گئی۔

اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ "یاد رکھنا، اب کوئی چانس نہیں رہا ہے تمہارے پاس۔"

کیا وہ دھمکی دے رہا تھا؟

ڈرا رہا تھا اُسے!

اوکے۔

اب تو سب کچھ قبول۔

سب کچھ گوارا۔

بقول یقین اصل غلطی تو اس کی تھی، نہ وہ گھر سے گئی ہوتی نہ یہ سب کچھ ہوتا۔

اس کے ہاتھ چھوڑ کر کہنی کے بل وہ بیٹے کی طرف جھک گیا اور رضائی اس کے منہ پر سے ہٹا کر اسے میٹھی میٹھی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "نام کیا رکھا ہے اس کا؟"

جویا نے دوپٹے کے پلو سے اپنی ناک پونچھی اور بھیگی ہوئی آواز میں بولی۔ "آپ کو تو علی پسند ہے نا؟"

"ہاں پسند تو ہے مگر تمہاری پسند کا بھی رکھا جا سکتا ہے۔"

"علی۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"تھینک یو۔"

امی جو جویا کے کمرے سے آنے کے بعد اپنے بستر پر پڑ گئی تھیں، رات گئے باتھ روم جانے کو اٹھیں تو یہ دیکھنے کو کہ یقین کس حال میں تھا، لاؤنج کی کھڑکی تک نکل آئیں۔

یقین صوفے پر نہ تھا۔

پکا یقین کرنے کو امی لاؤنج میں داخل ہوئیں اور بتی جلا کر دیکھا۔

صوفے پر چادر اور تکیہ پڑا تھا۔

یقین غائب تھا۔

امی کو یک گونہ اطمینان ہوا۔

لیکن اگلے ہی لمحے ایک وسوسہ دل میں لہرایا۔

کہیں اور نہ چلا گیا ہو۔

جیسے اُس روز ہم سارا دن اسی گمان میں رہے کہ اسپتال گیا ہوگا مگر......

بتی بجھا کر وہ الٹے پیروں اپنے کمرے میں لوٹیں اور بابا کو جگا کر بولیں۔ "ماسٹر صاحب! یقین میاں لاؤنج سے غائب ہیں۔"

"اچھا!" بابا چونکے پھر رسانیت سے بولے۔ "اپنے کمرے میں چلے گئے ہوں گے۔"

"کیسے معلوم ہو سکے گا۔"

"صبح ہی معلوم ہو سکے گا۔"

"ماسٹر صاحب، مجھے ڈر ہے کہ کہیں اور نہ چلا جائے، جیسے اُس روز اسپتال کی بجائے......"

"ہاں مگر پلٹ کر پہنچے گھر ہی...... آپ اطمینان رکھیے بیگم صاحبہ...... دنیا گول ہے، یقین میاں کہیں بھی چلے جائیں، پھیر پھر کر گھر ہی لوٹیں گے۔"

"اوہو مذاق مت کیجیے...... میرے تو دل کو کچھ ہو رہا ہے...... ذرا لاؤنج میں چل کر دیکھیے تو سہی، کہیں کوئی پرچہ ورچہ نہ چھوڑ گئے ہوں۔"

بابا زیرِ لب مسکرا دیے۔

"اٹھیے نا ماسٹر صاحب۔"

"اچھا بھئی اٹھتا ہوں...... اٹھتا ہوں۔"

امی کے ساتھ بابا لاؤنج میں پہنچے تو لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اُن کی نظر ایک پوتڑے پر پڑی جو شاید جویا کے ہاتھوں سے وہاں گر پڑا تھا۔

بابا نے جھک کر پوتڑا اٹھایا اور اس کا ایک کونا پکڑ کر اسے جھلاتے ہوئے امی سے بولے۔ "یہ مل گیا پرچا۔"

"پرچا کہاں، پوتڑا ہے۔"

"مگر اس وقت یہ پوتڑا پرچا ہی بن گیا ہے اور زبانِ حال سے جانے والے کا پتا دے رہا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ رات جب ہم لوگ یہاں سے اٹھے تو یہاں دور دور تک کوئی پوتڑا نہیں تھا۔"

"ویسے میں نے بہو کو جا کر بتا تو دیا تھا کہ یقین لاؤنج میں سو رہے ہیں۔"

"بس بس ٹھیک ہے...... آپ پریشان نہ ہوں...... آپ کے پوتے کا یہ پوتڑا بتا رہا ہے کہ کچھ نہ کچھ ہو گیا ہے۔"

"ماسٹر صاحب! سنا ہے کہ ایک یا دو طلاق کے بعد دوبارہ نکاح کرنا پڑتا ہے۔"

بابا مسکرا دیے پھر امی کے شانوں پر اپنا بازو دراز کرتے ہوئے بولے۔ "اس مسئلے پر صبح بات ہو گی، فی الحال تو آپ کمرے میں چلیے۔"

اچانک یقین کے کمرے سے بچے کے رونے کی آواز آئی۔

اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے امی یک بیک یقین کے کمرے کے نزدیک تھم گئیں اور دروازے پر دستک دے ڈالی۔

امی نے یہ کارروائی اتنی تیزی سے کی کہ بابا دیکھتے رہ گئے۔

دروازہ کھلا اور جویا نے باہر جھانکا۔

''بچہ کیوں رو رہا ہے دلہن؟''

''بستر بھگو دیا ہے۔ چینج کر رہی ہوں۔''

''یقین کہاں ہیں؟'' امی نے آہستہ سے پوچھا۔

''کمرے میں ہیں۔''

امی کا دل کھل اٹھا۔

''اچھا! اچھا! دروازہ بند کر لو۔''

دروازہ بند کرتے ہوئے جویا نے دل ہی دل میں سوچا۔ ''ان لوگوں کو رات کو بھی قرار نہیں۔''

امی اور بیا بہت بشاش سے اپنے کمرے میں واپس ہوئے۔

☆=====☆=====☆

جذبات کی رو میں یقین ٹی وی لاؤنج سے اٹھ کر جویا کے ساتھ کمرے میں آتو گیا اور دونوں کے مابین گلہ شکوہ اور معافی تلافی بھی ہو گئی مگر امی اور بیا کی غیر متوقع آمد نے اسے خجالت سے دوچار کر دیا۔

کیا سوچتے ہوں گے وہ دونوں کہ یا تو وہ کسی کی سننے کو تیار نہیں تھا یا کسی سے کچھ کہنے سنے بغیر بیوی کے کمرے میں جا پہنچا!

جویا کو اس نے دو طلاقیں دی تھیں اور ایسی حالت میں جب کہ وہ ماں بننے والی تھی۔ اسلامی شریعت میں طلاق کا نصاب نہیں ہے۔ ایک مرد اپنی بیوی کو زیادہ سے زیادہ تین طلاقیں دے سکتا ہے، ایک یا دو طلاقوں کے بعد اسے دوران عدت بیوی سے رجوع کا حق اور عدت گزر جانے کے بعد بھی حلالہ کے بغیر دوبارہ نکاح کرنے کا حق باقی رہتا ہے۔ تیسری طلاق دے دینے پر مرد کے لئے یہ دونوں حق ساقط ہو جاتے ہیں۔

ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے ڈالنا از روئے شریعت سخت گناہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی مذمت فرمائی ہے، تاہم گناہ ہونے کے باوجود ائمہ اربعہ کے نزدیک بیک وقت تین طلاقیں دے دینے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ تین طلاقوں کے بعد مرد کو عدت کے دوران رجوع کا حق ساقط ہو جاتا ہے اور حلالہ کے بغیر مطلقہ عورت سے اس کا دوبارہ ازدواجی رشتہ قائم نہیں ہو سکتا۔

ایک یا دو طلاقوں کی صورت میں مرد کو عدت کے اندر عورت سے رجوع کا حق رہتا ہے اور عدت گزرنے کے بعد بھی مرد اور عورت باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں، حلالہ کی شرط نہیں ہوتی۔ دو طلاقوں کے بعد مرد کے پاس ساری زندگی صرف ایک طلاق کا حق رہتا ہے جہاں اس کی زبان بہکی عورت سے اس کی قطعی علیحدگی لازم۔

حاملہ عورت کی عدت وضع حمل تک ہے۔ بچہ پیدا ہوتے ہی عورت عدت سے باہر ہو جاتی ہے۔ خواہ وضع حمل طلاق کے چند گھنٹوں بعد ہی ہو جائے۔

چونکہ یقین نے جویا کو حالت حمل میں طلاق دی تھی لہٰذا بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کی عدت ختم ہو گئی تھی اور یقین کا حق رجوع ساقط ہو گیا تھا۔ اب دونوں کی صلح کا صرف ایک طریقہ تھا اور وہ تھا ان دونوں کا باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح۔

صلح کے لئے رضامند تو وہ دونوں ہی تھے۔ مگر جویا نے اس کا اظہار کر دیا تھا، جب کہ یقین کچھ تو فرزین سے اپنی کھٹ پٹ اور کچھ منیر احمد کے مشورے کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

یقین کے ہاں امی، بیا، بہنوں اور بھائیوں کے علاوہ کسی کو بھی طلاق والے قصے کی بھنک نہیں تھی۔ گھر کے ملازم سو جو سے بھی پردہ رکھا گیا تھا۔ اہل خانہ کی خواہش تھی کہ کسی بھی طرح یقین اور جویا کی صلح ہو جائے۔

جویا کے میکے میں ابا اور تینوں بہنوں کی بھی اول دن سے یہی خواہش تھی۔ جویا کی مرضی پا کر اماں نے بھی مجبوراً گھٹنے ٹیک دیے تھے۔ بھابی بھی یہی چاہتی تھیں کہ جویا اپنے گھر چلی جائے تاہم بھیا نے ان دونوں کی صلح کے لئے دوبارہ نکاح کی شرط سن کر قدرے ناگواری سے ابا سے کہا... ہمارے گھر میں یہ سب کچھ نہیں ہوگا۔

ابا نے چونک کر انہیں دیکھا پھر بڑی نرمی سے بولے۔ ''بیٹے، تمہاری بہن کے گھر کو کسی صورت بچانا تو ہے نا۔''

''اونہہ!'' بھیا نے گردن جھٹکی ابا کی طرف دیکھا اور خشونت سے بولے۔ ''کب تک بچاتے رہیں گے!''

''جویا کو ٹھوکر لگ چکی ہے...... عقل مند ہوئی تو سنبھل کر چلے گی۔'' ابا نے کہا۔

''وہ! وہ سنبھل کر چلے گی۔'' بھیا نے طنز سے کہا پھر بہت وثوق سے بولے۔ ''آپ دیکھ لیجئے گا، وہ دوبارہ یہیں بیٹھی ہوگی۔''

اماں نے گھائل نگاہوں سے بھیا کو دیکھا اور پر ملال لہجے میں بولیں۔ ''اچھے بھائی ہو!''

''آپ نے۔'' بھیا نے تڑپ کر اماں کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''آپ ہی نے بے جا شہ دی اسے۔''

اماں جو زویا کو اسپتال میں جویا کے پاس چھوڑ کر کچھ دیر کو گھر آئی ہوئی تھیں، ہکا بکا ہو کر انہیں دیکھنے لگیں۔

''کسی کو منہ دکھانے کے لائق تو نہیں رہے ہم۔'' بھیا نے تلخی سے کہا۔

اماں جو ذرا دیر پہلے بھیا کی بات سے پہنچنے والے صدمے پر قابو پا چکی تھیں غصے سے بولیں۔

''کیوں، ایسی کیا قیامت ٹوٹ پڑی؟''

''کچھ بھی نہیں...... کچھ بھی نہیں ہوا...... بس وہ لوگ جنہیں یہ پتا چلے گا کہ آپ کی صاحبزادی کا دوبارہ نکاح ہوا ہے، وہ ذرا محظوظ ہو لیں گے اس خبر سے۔'' بھیا نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''پتا جن کو بھی چلے گا، تمہاری بیگم صاحبہ ہی سے پتا چلے گا...... ہم میں سے تو کوئی ادھر کی اُدھر کرنے سے رہا۔''

بھابی جو دیوار سے کان لگائے کھڑی تھیں، دل ہی دل میں بولیں۔ "بڑی بی کو میرا تو بہت ہی درد رہتا ہے۔"

"ایک وہی تو نہیں ہے بتانے والی۔" بھیا نے بیوی کی حمایت لی۔

"فوراً حمایت میں بولے بیوی کی!" اماں نے کہا۔

"حمایت میں بولنے کی کیا بات ہے...... وہ بے چاری تو نہ کسی کے اچھے میں نہ برے میں۔"

"اے ہئے! بے چاری!" اماں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

بھیا نے ٹیڑھی نظروں سے اماں کو دیکھا اور جلے بھنے انداز میں بولے۔ "آپ کو تو طارق کی بیوی اچھی لگی ہیں۔"

"تم کون ہوتے ہو اس کا طعنہ دینے والے؟" اماں نے تڑپ کر کہا۔

اماں کے تڑپنے سے بھیا کو یک گونہ تسکین محسوس ہوئی۔

"کیسی لگی بڑی بی کو!" بھابی نے سوچا۔

"طارق اور وہ اچھے ہیں جو اس گھر کے معاملات سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔" بھیا بولے۔

اماں نے چونک کر بھیا کو دیکھا پھر بھڑک کر بولیں۔ "تم بھی نہ رکھو واسطہ۔"

"نہیں رکھوں گا۔" بھیا نے کہا۔ "چلا جاؤں گا آپ کے گھر سے۔"

بھابی کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔

کتنی آرزو تھی انہیں اپنا علیحدہ گھر بنانے کی۔

مگر میاں بھولے سے بھی اس گھر سے ہلنے کی بات نہ کرتے تھے۔

صد شکر کہ آج پہلی بار یہ بات منہ سے نکالی تو سہی انہوں نے!

"ہاں ہاں چلے جاؤ۔" اماں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "اگر طارق کے بغیر زندہ رہ سکتے ہیں ہم تو تمہارے چلے جانے سے بھی مر نہیں جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے، چلا جاؤں گا۔"

"میں سب سمجھتی ہوں کہ کون تمہارے کان بھرتا ہے۔"

"کون بھرتا ہے!" بھیا نے غصے سے کہا۔

"تمہاری بیوی اور کون...... وہی سکھاتی پڑھاتی ہے تمہیں۔"

"میں گدھا ہوں نا جو اس کے سکھانے پڑھانے میں آ جاؤں گا۔"

"مجھے کیا پتا گدھے ہو یا گھوڑے۔"

"ارے بھئی، اصل مسئلہ سلجھانے کے بجائے تم ماں بیٹا آپس میں کیوں الجھنے لگے!" ابا نے مداخلت کی۔

"دیکھ رہے ہیں ابا کیسی دل جلانے والی باتیں کرتی ہیں اماں۔"

"ہاں ہاں، میں ہی بری لگتی ہوں سب کو...... کانٹا بن کر کھٹکتی ہوں سب کے دل میں...... موت کیوں نہیں آ جاتی مجھ بدنصیب کو۔" اماں دوپٹے سے منہ ڈھانپ کر روتے ہوئے بین کرنے لگیں۔

"نیک بخت! کیوں بات کو بڑھاتی ہو!" ابا نے سمجھایا۔

اماں نے بلبلا کر اپنے منہ پر سے دوپٹہ ہٹایا اور بھیگی آنکھوں سے ابا کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

"بات میں بڑھا رہی ہوں یا آپ کا بیٹا!"

"تمہارا بھی ہے۔"

"نہیں میرا کوئی تعلق نہیں۔"

"سن لیا ابا۔" بھیا نے ابا کو جتایا۔

"ہاں ہاں میں تو بری ہوں...... بہت ہی بری۔"

"اوہو!" ابا پریشان ہو کر بولے۔ "ارے بھئی اصل مسئلے پر بات کر کے اسے سلجھاؤ۔" پھر انہوں نے لجاجت سے بھیا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹے! تم سے بھی میں یہی درخواست کروں گا۔"

"ابا آپ لوگوں کی جو مرضی آئے کریں، مجھے شریک نہ کریں اس معاملے میں۔" بھیا نے انتہائی بیزاری سے کہا۔

"کیوں؟" ابا چونکے۔

"بس۔" بھیا نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی بیٹے! تم اس گھر کے فرد بلکہ سب سے اہم فرد ہو۔"

بھیا نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور ابا سے بولے۔ "میں ایسی اہمیت سے معافی چاہتا ہوں...... مجھے غیر اہم ہی رہنے دیں۔"

ابا دم بخود رہ گئے۔

ان کے چہرے کے تاثرات سے یہ اندازہ کرنا محال نہ تھا کہ بھیا کی بات نے انہیں صدمہ پہنچایا تھا۔ تاہم وہ اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے بولے۔ "مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔"

"مجھے بھی یہ امید نہیں تھی ابا کہ جس بہن کو ہم رخصت کر چکے ہیں، اس کا دوبارہ نکاح پڑھوانے کی نوبت آئے گی۔"

"بیٹے! غلطی انسان ہی سے ہوتی ہے اور ہر غلطی کا کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے۔"

"ٹھیک ہے، وہی ادا کریں کفارہ جنہوں نے غلطی کی ہے۔" بھیا نے دزدیدہ نظروں سے اماں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جویا تمہاری بہن ہے بیٹے۔" ابا تحمل سے بولے۔

"میری بدقسمتی ہے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو...... بہن سنے اگر تمہاری تو اسے کتنا افسوس ہو...... کیا تم نہیں چاہتے کہ وہ دوبارہ اپنے گھر چلی جائے۔"

"ہمیں دنیا کے سامنے تماشا بنا کر نہ جائے۔" بھیا نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

”نکاح وکاح وہ لوگ اپنے گھر ہی میں کریں۔ یہاں نہیں ہوگا یہ تماشا۔“

”تماشا!“ ابا نے قدرے ناگواری سے بھیا کی جانب دیکھا پھر بولے۔ ”اللہ تعالیٰ کی ٹھہرائی حدود کو تماشا کہہ رہے ہو۔“

بھیا شرمندہ سے ہوگئے۔

”عجیب بات ہے۔“ ابا نے قدرے توقف سے کہا۔ ”تم بہن کی اس کے شوہر سے صلح پر خوش نہیں، جب کہ خدا کا ٹھہرایا ہوا حکم ہے کہ ایک یا دو طلاقوں کے بعد اگر میاں بیوی عدت میں یا عدت کے بعد بھی باہمی رضامندی سے صلح کرنا چاہیں تو ان کے رشتے دار ان کی صلح میں مانع نہ ہوں...... روڑے نہ اٹکائیں۔“

”روڑے اٹکانے کی بات نہیں ابا...... ذرا سوچیں تو کیا یہ اچھا لگے گا کہ......“

”میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔“ ابا نے کہا۔ ”لیکن یہ خدا کا مقرر کردہ اصول ہے۔“

”ٹھیک ہے...... جویا کو لے جائیں وہ لوگ اور جو کچھ کرنا ہے وہیں کریں۔“

”بیٹا! ان سے یہ کہنا کتنا عجیب معلوم ہوگا کہ......“ ابا نے اپنی بات ادھوری چھوڑتے ہوئے اماں کی طرف دیکھا۔

”مجھے کیا دیکھتے ہیں!“ اماں تنک کر بولیں۔ ”بیٹی کو جا کر بتائیں کہ ادھر بھائی راضی نہیں، اُدھر وہ بدذات یقین اسے دیکھنے تک نہیں آیا، باہر سے باہر بچے ہی کو دیکھ کر چلا گیا پھر آخر کس برتے پر وہ جانا چاہ رہی ہے وہاں۔“

ابا نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی۔ وہ انتہائی متفکر نظر آرہے تھے۔

متفکر تو بیا بھی تھے۔

جویا اپنی حرکتوں پر نادم تھی اور یقین سے مصالحت کے لئے معافی تلافی کرنے کو تیار تھی۔ بیا نے اسے تسلی دے رکھی تھی کہ سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا مگر یقین تو گھر میں کسی سے سیدھے منہ بات ہی نہ کر رہا تھا۔ مصالحت کا راستہ نکلتا تو کیونکر!

بہت سوچ بچار کے بعد بیا نے بالآخر جویا اور سارہ آپا سے کھل کر بات کی اور انہیں صاف صاف بتا دیا کہ یقین اینٹھا ہوا تھا اسے یا تو وقت منائے گا یا جویا!

جویا نے کہا۔ ”میں ان سے معافی مانگ لوں گی۔“

”مگر معافی تو تم تب مانگو گی نا جب یقین ہمارے ہاں آئیں یا تم وہاں جاؤ۔“ سارہ آپا بولیں۔

”کوئی بات نہیں وہ نہ آئیں، میں چلی جاؤں گی۔“

”ایسے کیسے جاسکتی ہو!“

جویا سمجھ گئی کہ آپا کی مراد نکاح سے تھی۔

”اماں تو قیامت مچادیں گی۔“ آپا نے بیا سے کہا۔

”ان سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یقین شرمندگی کی وجہ سے سامنے آنے سے گریزاں ہیں۔ بیوی

سے صلح کے بعد شرمندگی میں کمی ہوگی تو وہ سسرال ضرور آئیں گے۔“

”ہاں یہ کہا تو جاسکتا ہے مگر......“ آپا نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

”مگر؟“ بیا نے استفہامیہ لہجے میں کہا۔

”یقین اگر جویا کے جانے پر بھی راضی نہ ہوئے تو؟“

”تو یقین کا سوشل بائیکاٹ کردیں گے ہم سب گھر والے۔“

”درست!“ آپا بولیں۔ ”لیکن جویا کا دوبارہ اماں کے گھر آنا ہم سب کے لئے شرمندگی کی بات ہوگی، بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ گھر میں بھاوج بھی ہیں۔ وہ اوروں سے پردہ رکھ لیں گی مگر اپنے گھر والوں سے تو ضرور کہیں گی اور بات اِدھر ایک کی زبان سے نکلی اُدھر کوٹھوں چڑھی۔“

”آپا رسک تو لینا ہی ہوگا۔“ جویا نے کہا۔

آپا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

کیسے شوہر پرستانہ انداز میں بات کی تھی اس نے!

”سارہ بی بی! یقین میاں کو پریشرائز تو ہم ہر طرح سے کریں گے، آگے اللہ مالک ہے۔“ بیا نے کہا۔

آپا کچھ دیر کو سوچ میں پڑ گئیں پھر بولیں۔ ”سوچ رہی ہوں اماں سے یہ بات کہنا کتنا مشکل ہے کہ جویا کو بغیر کسی ضمانت، بغیر کسی پکی بات کے یونہی بھیج دیا جائے۔“

”میں بات کر کے دیکھوں؟“ بیا نے کہا۔

”دیکھ لیں۔“

بیا نے اماں ابا سے بات کی تو کہا۔ ”یقین کو گھر میں سب نے اس قدر برا بھلا کہا ہے اس واقعے کے بعد کہ اب وہ شرمندگی کی وجہ سے آپ لوگوں کے سامنے آنے سے بھی گریزاں ہیں۔ ان شاء اللہ نکاح کا شرعی تقاضا پورا ہونے کے بعد بیوی سے دوبارہ رشتہ استوار ہوجائے گا تو اس شرمندگی میں کمی ہوگی اور یقین کی جھجک دور ہوجائے گی۔“ بیا نے توقف کیا پھر ہچکچاتے ہوئے بولے۔ ”اگر آپ لوگ برا نہ منائیں تو ہم اسپتال سے بہو کی چھٹی کے بعد انہیں گھر لے جائیں اور شرعی تقاضے کی انجام دہی کا بندوبست وہیں کرلیں۔“

اماں اور ابا نے کن انکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

ان کی نگاہوں میں معنی خیزی کے ساتھ بے بسی کا احساس بھی تھا۔

”آپ لوگ اطمینان رکھیں، بہو ہمارے لئے بیٹیوں کی طرح ہیں۔“ بیا نے کہا مگر دل میں ان کے یہ کھٹک تھی کہ اگر یقین نے بیوی کے ساتھ بھی وہی سرد مہری اور بیگانگی رکھی جس کا مظاہرہ وہ گھر والوں کے سامنے کر رہا تھا تو؟

بہرحال رسک تو لینا تھا۔

”کیوں بھئی کیا کہتی ہو تم؟“ ابا نے اماں سے پوچھا۔

”گھر میں صلاح مشورہ کر کے جواب دیں گے۔“ اماں نے اپنی مجبوری کے باوجود اپنا بھرم

کھلنے نہ دیا۔ بہاسے بات کے بعد ابا نے اماں سے کہا۔ ''نیک بخت! یہ تو نہیں کمک بجھو...... اللہ نے بھرم رکھ لیا جو بیٹی کے سسر نے خود وہ بات کہہ دی جو ہم ان سے کہنا چاہ رہے تھے...... اللہ اپنے مجبور بندوں کی مجبوریاں سمجھتا ہے اور عزت رکھتا ہے...... سبحان اللہ...... کیا شان ہے میرے مولا کی!''

''آپ نے جویا سے تو اس بات کا ذکر نہیں کیا نا ابھی؟'' اماں نے پوچھا۔

''کس بات کا؟''

''یہی کہ بھائی نے کہا ہے، نکاح ہمارے گھر سے نہیں ہوگا۔''

''میں اتنا احمق نہیں ہوں...... یہ بتاؤ تم نے تو کچھ نہیں کہہ دیا اس سے؟''

''نہیں ابھی تو نہیں کہا تھا مگر ارادہ تھا کہ موقع دیکھ کر اس کو بتادوں کی یہ بات۔''

''اچھا ہوا جو نہیں کہا، اسے افسوس ہوتا۔''

مگر...... یقین کو آنا چاہیے تھا...... آ کر معافی مانگتا ہم سب سے۔''

''نیک بخت! خبردار اب ایسی ویسی کوئی تیخ نہ لگانا...... شکر کرو کہ عزت رہ گئی اور ہمیں بیٹی کے سسرال والوں پر اپنی مجبوری نہیں کھولنا پڑی۔''

اماں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری پھر بولیں۔ ''یقین کا منہ تک دیکھنے کی روادار نہیں ہوں میں لیکن کیا کہیے کہ مجبوری۔''

''مجبوری نہیں نیک بخت، عافیت اسی میں ہے کہ بیٹیاں اپنے گھروں میں رہیں اور عزت سے رہیں، اپنے بیٹے کی باتیں تو سن ہی لیں تم نے...... ارے بھئی، بہن کے گھر کا دروازہ کھل رہا ہے اس کے لیے تو خوشی خوشی اسے رخصت کرو نہ کہ روڑے اٹکانے کھڑے ہو گئے۔ کیا بہن کو بٹھا کر تم کھلاؤ گے اسے!''

''توبہ کریں...... ایسے چاہنے والے بھائی نہیں...... بہن گھر آ کر بیٹھی تو منہ پھلا لیا۔''

''اسی لیے نیک بخت...... اسی لیے کہتا ہوں کہ بیٹیاں اپنے گھروں میں خوش رہیں۔''

''نہ جانے کیوں یقین پر اب میرا دل نہیں ٹھکتا...... بدذات نے بہت ستایا ہے۔''

''دل صاف کرلو اس کی طرف سے ورنہ......''

''ورنہ؟''

بدگمانی تمہاری آنکھوں سے جھانکے گی اور یقین کا دل بھی صاف نہ ہو سکے گا تمہاری طرف سے۔''

''کیوں؟ میں نے کیا کیا ہے بھلا!''

''بھئی دتالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی...... کچھ شکایتیں اگر تمہیں یقین سے ہیں تو کچھ اسے بھی ہوں گی تم سے۔''

''آ جائے...... سامنے آ جائے۔'' اماں ہنک کر بولیں۔ ''اور گنائے اپنی شکایتیں۔''

''نہ۔'' ابا نے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''نہ اُدھر سے شکایتیں ہوں نہ تم کرو گی...... جو ہوا اس پر خاک ڈالو آئندہ احتیاط رکھو۔''

''اچھا آپ ذرا دارالعلوم جا کر مولانا سے یہ پوچھیے گا کہ جویا کو اس طرح سے اس کی سسرال بھیجنا صحیح بھی ہے یا نہیں؟''

''خدانخواستہ جویا ایسے ویسے تو نہیں رہنے جا رہی ہے وہاں...... اس کے سسر عالموں کی طرح دین کا علم رکھتے ہیں۔ ان چند دنوں میں میری جب بھی ان سے بات ہوئی، میں بہت متاثر ہوا۔ سنا نہیں تم نے وہ آج بھی شرعی تقاضے کی انجام دہی کی بات کر رہے تھے۔ ویسے اس قصے کے بعد قرآن مجید کی ہر اس آیت کی تفسیر میں نے خود بھی پڑھی ہے جو طلاق کے مسئلے کے بارے میں ہے۔ سورہ بقرہ کی ایک آیت کی تفسیر یہ ہے کہ ایک یا دو طلاقوں کے بعد عدت کے اندر مرد عورت سے رجوع کر سکتا ہے لیکن عدت کے بعد اسے یہ حق نہیں رہتا البتہ مرد اور عورت آپس میں رضامندی سے دوبارہ نکاح کے ذریعے صلح کر سکتے ہیں۔'' ابا نے توقف کیا پھر بولے۔ ''ویسے آج تم نے ایک بات بہت عقل مندی کی کی۔''

''کون سی بات؟''

''جویا کے سسر سے یہ جو کہا کہ گھر میں صلاح مشورہ کر کے جواب دیں گے۔''

''آخر کچھ تو رعب رکھنا تھا ان پر۔''

''دل خوش کر دیا تم نے۔''

اماں نے ترچھی نظروں سے ابا کو دیکھا اور بولیں۔ ''میری کسی بات سے تو خوش ہوئے آپ ورنہ ساری زندگی مجھ میں کیڑے نکالتے ہی گزاری۔''

''کیسی باتیں کرتی ہو۔'' ابا کچھ خفیف سے ہو گئے پھر بولے۔ ''خدا تمہیں سلامت رکھے۔''

''دل میں تو یہ کہتے ہوں گے کہ بڑھیا مرے تو دوسری لاؤں۔''

''وہ بھی بڑھیا ہی ہوگی۔''

''اس عمر میں جوان تو ملنے سے رہی۔''

''نہیں...... بوڑھا رئیس ہو تو جوان بھی مل جاتی ہے۔'' ابا مسکرا کر بولے۔

''اچھا مذاق چھوڑیں، یہ بتائیں جویا کے سسر کو جواب کیا دیں گے۔''

''ارے بھئی، جواب کیا دینا ہے...... کہہ دیں گے بسم اللہ...... لے جائیں۔''

''کہہ دیجیے گا، بیٹا ہمارا تیار نہیں تھا، بڑی مشکل سے اسے سمجھایا بجھایا ہے۔'' ابا کی طرف دیکھتے ہوئے اماں نے آنکھ دبائی اور بولیں۔ ''ذرا رعب رہے گا۔''

''ویسے یہ بات کافی حد تک جھوٹ بھی نہ ہوگی۔ بیٹا تیار ہے ہی کب!''

اماں یکبارگی اداس ہو گئیں۔

''تیار تو خیر میں بھی نہ ہوتی اتنی آسانی سے مگر کچھ جویا نے کچھ دوسرے حالات نے مجبور کر دیا مجھے۔'' اماں نے شکستہ لہجے میں کہا پھر کچھ توقف سے بولیں۔ ''یقین سے ناک رگڑوا دی پھر بھیجی میں جویا کو۔''

''چلو ان کی عزت بھی رہ گئی ہماری بھی۔''

جویا کو گھر لانے کے سلسلے میں ابا نے یقین سے کوئی صلاح مشورہ نہیں کیا البتہ جویا کو گھر لانے سے پہلے بھی خوب سمجھایا بجھایا اور گھر لانے کے بعد بھی اور اس شام یقین جب گھر لوٹا تو اسے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ جویا کو وہ گھر اس لئے لائے تھے کہ اسے تیسری طلاق بھی دے کر مکمل طور پر اس سے تعلق ختم کر لیا جائے تا کہ وہ صلح کے امکان پر معلق نہ رہے اور حتمی فیصلے کے بعد جو اس کا شرعی حق بنتا ہے، وہ دلا کر رخصت کیا جائے۔

یقین پر ابا کے اس نفسیاتی حربے پر امی معترض ہوئیں تو ابا نے ان سے کہا۔ ''جس کے پاس ذرا سی بھی عقل ہو اس سے کبھی کبھی یہ کہنا بھی سود مند ہوتا ہے کہ جاؤ غلطی کرو، خود بھگتو گے۔''

اور جب امی متفکر ہوئیں تو ابا نے انہیں سمجھایا۔ ''اللہ پر بھروسا رکھنے والے ڈرا نہیں کرتے..... ہم دو نادانوں کی بیوقوفی سے ٹوٹتے ہوئے ایک گھر کو اپنی ناقص عقل استعمال میں لاتے ہوئے بچانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں..... ہو سکتا ہے، ہمارے اقدامات غلط ہوں لیکن مجھے اپنے رب کی ذات سے امید ہے کہ ہماری نیت کو دیکھتے ہوئے وہ ہمارے غلط اقدامات کے باوجود بھی راست نتائج سامنے لائے گا۔''

ابا کے بھروسے کو ٹھیس نہیں پہنچی!

یقین پر ان کا نفسیاتی حربہ ایسا کارگر رہا کہ اس نے اپنے مشیر خاص منیر احمد سے بھی مشورہ کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ اپنے کمرے میں آنے کے بعد وہ ایسا پڑ کر سویا کہ صبح جویا کے جگانے پر بیدار ہوا۔

آنکھ کھلتے ہی اسے خجالت نے آلیا۔

اسے اس خیال سے خفت ہونے لگی کہ کمرے سے باہر نکلنے پر گھر والوں کا سامنا کیوں کر کر سکے گا! کیا کہیں گے سب کہ رات کو تو لیٹا تھا لاؤنج میں اور صبح کو برآمد ہوا بیوی کے کمرے سے!!

لاحول ولا قوۃ! کیسی گہری نیند آئی۔

سویرے جاگ گیا ہوتا تو گھر والوں کے جاگنے سے پہلے ہی اپنے کمرے سے باہر نکل گیا ہوتا۔

خیر اب تو جو ہونا تھا سو ہو گیا تھا۔

کسی بھی طرح گھر والوں کا سامنا تو کرنا ہی تھا۔

باورچی خانے سے ناشتے کے برتنوں کی اٹھائی دھرائی اور باہم ٹکرانے کی آوازیں کمرے تک پہنچ رہی تھیں۔ وہ اٹھ بیٹھا اور بڑی محبت سے اپنے بیٹے کو دیکھتے ہوئے جویا سے بولا۔ ''کیسا بچہ ہے رات کو ذرا نہیں رویا!''

''رویا تو تھا۔''

''کب؟''

''کئی مرتبہ۔''

''مگر میں نے تو اسے روتے نہیں سنا۔''

''آپ گہری نیند میں جو تھے۔''

''بہت دنوں کے بعد سویا ہوں میں اتنی گہری نیند۔'' وہ جویا کو گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ جویا چاہنے کے باوجود اس کے سامنے یہ اعتراف نہ کر پائی کہ وہ بچے کی وجہ سے بھی سوتی، بھی جاگتی رہی تھی مگر جتنی بھی دیر وہ سوئی، بہت دنوں بعد چین کی نیند سوئی تھی۔

کون کہتا ہے اپنا گھر چھوڑ کر کہیں جاؤ۔

اپنا گھر اپنی جنت!

وہ خوامخواہ اپنی جنت سے نکل لی تھی۔

اماں کے گھر میں ہر آرام کے باوجود کتنی بےکل رہتی تھی وہ۔

الجھی الجھی۔

مضطرب اور متفکر!

صد شکر کہ اپنے گھر آنے کے بعد وہ اضطراب اور تفکر جاتا رہا تھا۔

یقین کچھ دیر بچے کو دیکھتا اور خوش ہوتا رہا پھر بستر سے اٹھا اور باتھ روم میں جا گھسا۔

''پتا نہیں، اماں کیا کر رہی ہوں گی!'' جویا نے سوچا۔

☆=====☆=====☆

''رات بھر کروٹیں بدلتی رہی ہوں۔'' اماں چائے پیتے ہوئے ابا سے کہہ رہی تھیں۔

''خیریت؟'' ابا نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''جویا کی فکر لگی رہی..... نہ جانے کس حال میں ہو گی وہ۔''

''اللہ کی مہربانی سے ٹھیک ہی ہو گی۔''

''بیٹے کو دیکھیں، کیسی چپ سادھ کر بیٹھا ہے۔''

''رات دکان بند کر کے آنے کے بعد صاحبزادے پوچھ تو رہے تھے۔''

''کیا؟''

''یہ کہ جویا گئی؟''

''آپ نے کیا کہا؟''

''میں نے کہا، ہاں گئیں۔''

''آپ نے کہا ہوتا تم سے مطلب۔''

''میں الٹی بات کیوں کرتا۔''

''الٹی بات کا کیا سوال..... اگر یہ ناک منہ نہ چڑھاتے تو میں جویا کو ایسے بھیجتی بھلا..... دس شرطیں لکھواتی میں ان سے۔''

''شرطیں لکھوانے سے کچھ نہیں ہوتا..... اللہ پر چھوڑ دو۔''

''اللہ ہی پر چھوڑ دیا ہے..... بندوں کا حال تو ہم نے دیکھ ہی لیا..... ایسے بھائی اللہ کسی کو نہ دے، ایک اپنی دنیا میں ایسا مگن ہے کہ پلٹ کر خبر نہیں لیتا..... دوسرے نے ایسی زبان کھولی کہ اللہ کی پناہ اور دھمکی سی بھی تو آپ نے بیٹے کی۔''

"کون سی دھمکی؟"

"گھر چھوڑ کر چلے جانے کی۔"

ابا نے ایک ٹھنڈی سانس بھرنے پر اکتفا کیا۔

"ایسی اولاد کس کام کی جو دکھ سکھ میں ماں باپ کا ساتھ نہ دے۔"

"نیک بخت! ایمانداری سے دیکھو تو وہ بھی غلط نہیں...... شرم والے بھائیوں کے لئے بہن کو طلاق صدمے سے کم نہیں ہوتی...... اسے بھی صدمہ پہنچا اور جب موقع آیا تو اس نے اس کا اظہار بھی کر دیا...... خیر جو ہو گیا اس کی فکر چھوڑو...... آگے کی خیر مانگو اللہ سے۔"

"میرا دل تو کہہ رہا ہے جویا کو سسرال میں خوب طعنے ملے ہوں گے۔"

"دل کے کہے کا اعتبار مت کیا کرو۔ دل کا تو کام ہی بہکانا ہے۔"

"آپ کے بہکانے میں آ کر جویا کو تو جھونک دیا میں نے بھری سسرال میں زویا کو ہرگز ہرگز ساس نندوں والے گھر میں نہیں دوں گی۔"

"بیوی یہ کیوں بھول رہی ہو کہ تم بھی کسی کی ساس اور تمہاری بیٹیاں بھی کسی کی نندیں ہیں۔"

"اللہ نہ کرے وہ ہم کسی کی بیٹی کو اس طرح تھوڑی ستاتے ہیں جیسے ہماری بیٹی کو اس کی ساس نندوں نے ستایا۔" اماں نے بڑی معصومیت سے کہا۔

اماں کی اس بات پر بھابی کو بلا خوف و مروت بے لاگ تبصرہ کرنے کی اجازت دی جاتی تو اماں کی معصومیت کی قلعی کھل جاتی۔

بہو کے ساتھ اماں کا رویہ بڑا معاندانہ تھا۔

جو باتیں بیٹیوں کے لئے روا تھیں، بہو کے لئے ناروا۔

بیٹیوں کو وہ ان کے گھروں میں با اختیار دیکھنا پسند کرتی تھیں اور بہو کے بیشتر حقوق سلب کر کے اسے بے اختیار کر رکھا تھا۔

دامادوں کو وہ بیٹیوں کا مطیع دیکھنا چاہتی تھیں اور بہو کو نہ صرف اپنے شوہر کا بلکہ جملہ اہل خانہ کا مطیع بنا رکھا تھا۔

بیٹیوں کو شہ تھی کہ سسرال والوں سے دب کر نہ رہیں اور بہو کے لئے پسندیدہ یہ تھا کہ وہ سسرال والوں سے دب کر رہے۔

بیٹیوں کو ترغیب یہ کہ وہ سسرال والوں سے بلکہ بہت سے معاملات میں تو اپنے شوہر سے بھی رازداری برتیں اور بہو سے یہ توقع کہ وہ کوئی بات سسرال والوں سے پنہاں نہ رکھے۔

بیٹیوں سے ہر دکھ سکھ میں مشورہ کیا جاتا اور بہو کو اس وقت بھی جب کہ اس سے مشورہ کرنا بہت ضروری ہوتا پارہ پتھر پہ بٹھا دیا جاتا۔

عجب تھی یہ دوہری پالیسی!

عجب تھا یہ دوہرا بلکہ دوغلا معیار!

☆=====☆=====☆

یقین اور جویا کا ٹوٹا ہوا رشتہ پھر سے جوڑنے کے لئے نکاح لازم تھا سو بابا نے اس شرعی حکم کی تعمیل میں تاخیر نہیں کی۔ جویا کے میکے سے اماں اور ابا کو بھی مدعو کیا گیا تھا مگر اماں کو اپنی انا عزیز تھی، وہ نہیں آئیں تاہم ابا اور سارہ آپا شریک ہوئے۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بابا نے یقین اور فرزین کو بھی آپس میں گلے ملوا دیا۔

نکاح کے بعد بابا نے یقین اور جویا کو تلقین کی۔ "اب ساری زندگی بہت احتیاط سے چلنا ہے تم دونوں کو۔"

"بے شک۔" ابا نے تائید کی۔

"یقین میاں! آپ کو اپنے غصے اور زبان دونوں پر قابو رکھنا ہو گا جہاں خدانخواستہ آپ کی زبان بہکی وہیں قصہ ختم۔" بابا نے یقین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

یقین اور جویا سر جھکائے سن رہے تھے۔

"صاحبزادے! سمجھ رہے ہیں نا آپ میری بات؟"

"جی۔" یقین نے دھیرے سے کہا۔ خجالت کے مارے وہ بابا سے نظریں ملانے کی ہمت نہ پا رہا تھا۔

"جویا بیٹی! تم بھی خیال رکھنا۔" ابا نے جویا کو سمجھایا۔ "یقین میاں اور باقی گھر والوں کو شکایت کا موقع نہ دینا۔"

"بخدا! بہو ہمارے لئے بیٹیوں کی طرح ہیں۔" بابا بولے۔

"حالانکہ انہوں نے ہمارے ساتھ کوئی کسر نہیں چھوڑی۔" امی نے کہا۔

جویا، یقین اور بابا نے چونک کر امی کو دیکھا۔

ان کا شکوہ برمحل تھا یا بے محل تھا بے جا۔

سارہ آپا اور ابا کی نگاہیں باہم ملیں اور جھک گئیں۔

"جو ہو گیا اسے درگزر کیجئے بیگم صاحبہ۔" بابا نے امی سے کہا۔

"درگزر ہی کیا ماسٹر صاحب، تبھی تو بہو دوبارہ اس گھر میں بیٹھی ہیں۔"

جویا کو اپنا بلڈ پریشر بڑھتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

بابا نے نگاہوں ہی نگاہوں میں امی کو تلقین کی کہ وہ کوئی گلہ شکوہ نہ کریں۔ مگر امی ان کی تلقین کو بڑی بے نیازی سے پی گئیں۔

ٹوٹا رشتہ جڑ چکا تھا۔

جویا کے میکے کے دو اہم افراد موجود تھے۔

اس کی غلطیاں گنوانے کا اس سے بہتر موقع شاید پھر ہاتھ نہ آتا!

"سامنے بیٹھی ہیں دلہن پوچھ لیں، آپ لوگ ان سے کہ کبھی کوئی زیادتی کی ہم نے ان کے ساتھ؟" امی نے ابا اور سارہ آپا سے کہا۔

"ہمیں کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں بہن۔" ابا بولے۔ "جیسا بھی ہے یہی ان کا اصل گھر اور

حقیقی مقام ہے۔"

"میں دعوے سے کہتی ہوں کہ بہت اچھا گھر ملا ہے آپ کی بیٹی کو...... سسرال والے تو بہوؤں کی ایک ایک غلطی پکڑتے ہیں، ذرا ذرا سی بات پر فساد برپا کر دیتے ہیں مگر ہم نے جب دلہن کی کوئی غلطی دیکھی یہی سوچا، جانے دو وقت کے ساتھ سمجھ جائیں گی، سنبھل جائیں گی...... یہ سامنے بیٹھی ہیں ان سے پوچھ لو سارہ کہ کبھی ہم نے کوئی تکلیف پہنچائی ان کو...... بلکہ آرام ہی پہنچانے کی کوشش کی...... گھر میں ہمارے افراد ہی کتنے ہیں، ایک میں ایک یہ...... مدحت اور ذہین...... بے چارہ فرزین تو زیادہ تر گھر سے دور ہی رہتا ہے۔ رہیں دو بیٹیاں اور داماد تو وہ مہمانوں کی طرح آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں...... اللہ رکھے، گھر میں پیسے دھیلے کی کوئی تنگی نہیں۔ عزت سے گزارہ ہو رہا ہے۔ کام دھام کی کوئی پریشانی نہیں۔ جھاڑو برتن ماسی کرتی ہے، کپڑے بھی وہی دھوتی ہے۔ اوپر کے کام کاج اور باورچی خانے میں مدد کے لئے لڑکا ہے۔ ہم عورتوں کو بس باورچی خانہ دیکھنا پڑتا ہے۔ دلہن اسکول سے واپس لوٹتیں تو انہیں سب کچھ کیا کرایا ملتا۔ شام کو اگر ان کی مرضی ہوتی تو باورچی خانے میں جا کھڑی ہوئیں ورنہ کوئی بات نہیں۔ کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، کہیں آنے جانے پر کوئی روک ٹوک نہیں......"

"بیگم صاحب! ان باتوں سے فائدہ!" بپا نے ٹوکا۔

"مجھے بولنے دیں ماسٹر صاحب، روکیں مت۔" امی نے قدرے ناگواری سے کہا۔

بپا نے معذرت آمیز نگاہوں سے ابا اور آپا کی طرف دیکھا۔

"بولنے دیں، بولنے دیں بھائی صاحب۔" ابا نے کہا۔ "یہ ان کا حق ہے۔"

"اونہہ!" جویا نے سوچا۔ "جتنا آرام پہنچانے کی کوشش کی انہوں نے مجھے میں ہی جانتی ہوں۔"

"یہ سامنے بیٹھی ہیں قسم لے کر پوچھ لیں آپ لوگ ان سے کہ کبھی ہم نے ان سے کوئی خدمت لینے کی کوشش کی، کبھی انہیں کھاتے پیتے، پہنتے اوڑھتے دیکھ کر جلے۔ کبھی یہ پوچھا کہ میکے سے کیا لین دین کرتی ہو۔ کبھی کسی ٹوہ میں رہے۔ ساس نندیں تو گھاتیں لگا کر رکھتی ہیں مگر اللہ جانتا ہے، ہم نے ایسا نہیں کیا۔ ان سے کوئی غلطی بھی ہوئی تو نظر انداز کی...... ایک نہیں، بیسیوں غلطیاں کی انہوں نے...... نگہت اور نزہت گھر آئیں نہیں کہ یہ اپنے کمرے میں بند...... کبھی ان سے یا نندوئیوں سے خوش ہو کر بات نہیں کی بلکہ میرے بڑے داماد افتخار تو اکثر ہنسی ہنسی میں کہہ بھی دیتے کہ امی یہ بھابی ہر وقت اعتکاف میں کیوں رہتی ہیں۔ عزیز رشتے دار ان کی بلا سے آئیں یا جائیں، انہیں پروا نہیں۔ سامنے پڑ گئیں تو سلام دعا کر لی ورنہ اپنے حجرے میں بند...... بہوؤں کا کوئی طریقہ ہوتا ہے۔ انہیں تو ہر آنے گئے کو عزت دینی چاہئے...... ٹیلی فون پر اپنے گھر والوں سے یہ جس طرح کی باتیں کرتی رہیں، کوئی اور لوگ ہوتے تو کسی قیمت پر نہ بخشتے مگر ہم نے یہ سوچ کر درگزر کیا کہ غلطی ان کی کم تربیت کی زیادہ ہے۔ لوگ بہو لاتے ہیں تو سو طرح کی خدمت گزاری کی امید رکھتے ہیں۔ قسم لے لیں جو ہم نے چائے کی ایک پیالی تک کی امید رکھی ہو مگر انہیں کبھی یہ توفیق نہ ہوئی کہ پاس آ کر بیٹھیں اور حال

چال پوچھیں۔ کبھی مجھ سے یا اپنے سسر سے انہوں نے یہ نہیں پوچھا کہ آپ لوگوں کو کسی چیز کی ضرورت ہے...... ہمیشہ یوں دور دور رہیں جیسے پاس آنے سے اللہ نہ کرے، چھوت کی بیماری لگ جائے گی۔"

"چھوڑیں بیگم صاحب، کیوں یہ باتیں کر رہی ہیں۔" بپا نے مداخلت کی۔

"ماسٹر صاحب، مجھے بولنے دیں تاکہ میرا بھی تو دل ہلکا ہو۔"

"بالکل بولئے بہن، آپ کی ہر شکایت سر آنکھوں پر۔" ابا نے کہا۔

"نہیں...... اگر میں غلط بول رہی ہوں تو بہو کو پورا اختیار ہے کہ وہ صفائی پیش کریں۔"

"کون صفائی پیش کر سکتا ہے ان کے سامنے...... بولنے کا موقع دیتے ہیں یہ کسی دوسرے کو۔" جویا نے سوچا۔

"خود مختاری کا یہ حال کہ کبھی انہوں نے کسی معاملے میں اجازت لینے یا صلاح مشورہ کرنے کے قابل نہیں سمجھا۔ جو کیا اپنی مرضی سے کیا...... رازداری ایسی کہ ہر معاملہ بس اپنے تک...... ہم نے بھی مداخلت نہ کی...... ٹوہ نہیں رکھی...... نیا جوڑا بنایا۔ چار دفعہ پہنا، پانچویں دفعہ پہنتی نظر نہیں آئیں۔ نیا جوتا لائیں، چار دن پہنا، پھر غائب۔ ہم نے کبھی یہ نہیں پوچھا کہ کہاں گیا...... سسرال والے تو ایک سوئی ادھر سے ادھر نہیں ہونے دیتے بہوؤں کی۔ ایک ایک چیز کی کھوج رکھتے ہیں مگر ہم نیت بھرے لوگ ہیں...... ہم نے کبھی چیزوں کو اہمیت نہیں دی۔"

"تو ٹوہ کیوں رکھی؟" جویا نے دل ہی دل میں سوچا۔

اور اگلے ہی لمحے اسے اپنی بات کا جواب مل گیا۔

"مگر نظر اس لئے رکھی کہ دیکھیں، بہو کو گھر بسانے کا کتنا سلیقہ ہے۔ اچھی بہو بیٹیاں تو چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی سینت سینت کر رکھتی ہیں۔" امی نے توقف کیا پھر بولیں۔ "پھر بھی بدسلیقگی کا کبھی طعنہ نہیں دیا ہم نے۔"

"اب دے تو رہی ہیں۔" جویا نے غصے سے سوچا۔

"سچی بات یہ ہے کہ دلہن نے اپنے گھر کو اپنا گھر اور خود کو اس گھر کا فرد سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی کبھی۔"

سارہ آپا کتنی ہی مفاہمت پسند سہی جویا ان کی بہن تھی۔ اس کی خامیاں، کوتاہیاں اور غلطیاں یوں الم نشرح ہوتے دیکھ کر انہیں کوفت ہو رہی تھی۔

"ایک بات میں بھی کہوں گی؟" سارہ آپا نے کہا۔

سب نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"ہاں...... کہو۔" امی بولیں۔

"برامت مانیے گا، تالی کبھی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔"

امی کے چہرے پر ایک رنگ آیا، ایک گیا۔

"سامنے بیٹھی ہیں تمہاری بہن، ان سے کہو ہماری غلطیاں گنا دیں۔"

"غلطیاں گنانے کی بات نہیں آئی۔"

"تو پھر؟"

"میرا مطلب ہے، جویا نے اس گھر کو بقول آپ کے اپنا گھر اور خود کو اس گھر کا فرد سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟"

"انہی سے پوچھو۔"

"اس سے کیا پوچھوں، یہ تو پرلے درجے کی بیوقوف ہے۔"

"معاف کرنا سارہ، تمہاری بہن ہیں، برا لگے تو میرے منہ پر کہہ دینا...... بیوقوف تو خیر یہ نہیں ہیں۔"

"معاف کیجئے گا آنٹی، آپ کو بھی برا لگے تو میرے منہ پر کہہ دیجئے گا، اس نے اگر اس گھر کو اپنا گھر اور خود کو اس گھر کا فرد سمجھنے کی کوشش نہیں کی تو اس میں سارا قصور اس کا نہیں ہوگا۔" امی بلبلا کر رہ گئیں۔

جویا کو انتہائی تقویت بہم پہنچی۔

"ارے بھئی، بحث میں پڑنے سے کیا فائدہ۔" ابا بولے۔ "بہن کی ہر شکایت سر آنکھوں پر۔"

"ابا! آنٹی نے اپنی ساری شکایتیں کہہ ڈالیں، اب تھوڑی سی بات مجھے بھی کرنے دیجئے۔" سارہ آپا نے کہا۔

"ساری شکایتیں کہاں کہہ ڈالیں۔" امی نے کہا۔ "اگر پورا دفتر کھولوں تو تم سنتے سنتے تھک جاؤ گی، میری شکایتیں ختم نہ ہوں گی۔"

"بیگم صاحبہ بس...... اتنا ہی کافی ہے۔" بابا بولے۔

"انکل، مجھے اپنی بات کہنے کی اجازت ہے؟" سارہ آپا نے بابا کی طرف دیکھا۔

"ضرور کہیے۔"

"بقول آنٹی جویا نے اگر اس گھر کو اپنا گھر اور خود کو اس گھر کا فرد نہیں سمجھا تو اس غلطی کی تمام تر ذمے دار تنہا وہ ہی نہیں ہوگی، کچھ نہ کچھ گڑبڑ کہیں اور بھی ہوگی۔"

"صاف صاف کہو نا سارہ کہ قصوروار آپ لوگ بھی ہوں گے۔" امی نے کچھ برا مناتے ہوئے کہا۔

"اب آپ سمجھ گئی ہیں تو مجھے کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

امی نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا مگر بابا ان سے پہلے ہی بول اٹھے۔ "سارہ بی بی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔"

امی نے بے ساختہ چونک کر بابا کو دیکھا۔

یقیناً، جویا، ابا اور سارہ آپا بھی بابا کو دیکھنے لگے۔

ابا اور سارہ بی بی کی آنکھوں حیرانی اور بے یقینی جھانک رہی تھی۔

"ہم ہی سے نہیں سارہ بی بی، ہاں شاید ننانوے اعشاریہ ننانوے فی صد لوگوں سے یہ غلطی سرزد ہوگئی ہے۔"

امی تیز بھی نظروں سے بابا کو دیکھ رہی تھیں۔

"ہم گھر آنے والی بہو سے تو ان گنت توقعات اور امیدیں وابستہ کر لیتے ہیں مگر یہ نہیں سوچتے کہ وہ بے چاری بھی کچھ امیدیں وابستہ کر کے اپنے خونی رشتوں کو خیر باد کہہ کر ہمارے پاس آئی ہے...... ہم بہو کی ایک ایک حرکت نظر میں رکھتے ہیں مگر اپنے رویوں پر غور نہیں کرتے، اسے گنہگار ٹھہرا کر ہم خود فرشتے بن جاتے ہیں۔ اسے برا قرار دے کر خود اچھائی کا تاج پہن کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ہم اس سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ جس گھر کو چھوڑ کر وہ ہمارے گھر آئی ہے، اسے بھول جائے مگر اپنے گھر اور بہو کے درمیان ہم ہمیشہ ایک فاصلہ رکھنا چاہتے ہیں......"

امی کے سوا سب کی آنکھوں میں ایک تحیر آمیز بے یقینی کے ساتھ ایک انوکھی مسرت کا احساس بھی ڈولنے لگا۔

"میں بے لاگ بات کر رہا ہوں بیگم صاحبہ۔" بابا نے توقف کیا پھر بولے۔ "یاد کیجئے کبھی آپ نے بھی بہو کو اپنے پاس بلا کر بٹھایا، کبھی ان سے پیار سے بات کی۔ کبھی ان سے یہ پوچھا کہ اس گھر میں وہ کیسا محسوس کر رہی ہیں...... اجنبیت تو محسوس نہیں کر رہیں...... کوئی مسئلہ تو نہیں...... کبھی آپ نے انہیں اتنی محبت کی نظر سے دیکھا، جتنی محبت سے اپنی بیٹیوں کو دیکھتی ہیں...... آپ نے ان سے تو توقع رکھی کہ وہ اپنے کسی معاملے میں آپ سے کوئی رازداری نہ برتیں۔ کیا آپ نے اپنے گھر کے رازوں میں انہیں شریک کرنے کی کوشش کی تھی؟"

"ہمارے گھر کے کون سے ایسے راز ہیں!" امی قدرے ناگواری سے بولیں۔ "جو بات ہے، کھلی کتاب کی طرح سامنے ہے۔"

"ہو سکتا ہے، دوسری طرف بھی یہی معاملہ ہو۔"

"آپ مجھے شرمندہ کر کے دوسروں سے اپنی واہ واہ کروانا چاہ رہے ہیں!" امی نے شکوہ کن لہجے میں کہا۔

"نہیں...... یہ بات نہیں...... اور اگر آپ ایسا سمجھ رہی ہیں تو غلط ہے...... میں تو ایک عمومی رویے، ایک عمومی غلطی کی نشاندہی کر رہا ہوں...... بہو کی جو غلطیاں آپ نے گنوائیں، جو شکایتیں آپ نے کیں، حرف بہ حرف بجا اور...... یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ ایک بہت اچھی نہ سہی، اچھی ساس ضرور ہیں اور وہ اس اعتبار سے کہ آپ نے بہو سے بہت سی شکایتوں کے باوجود ان سے دشمنی کبھی نہیں باندھی۔ نقصان پہنچانے کی کوشش کبھی نہیں کی...... ان کی غلطیوں سے نظر پوشی کر کے ان کا گھر بسائے رکھنے کی کوشش کی مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ کے اور بہو کے درمیان وہ ہم آہنگی مفقود رہی جو ہونا ضروری تھی...... بیٹیوں کا کیا ہے، وہ تو پرائے گھر کی ہوتی ہیں۔ ماں باپ کے گھر میں مہمان ہوتی ہیں، گھر کی اصل مالک تو بہو ہوتی ہے......"

"آپ کو یاد نہیں، شادی کے بعد میں نے دلہن سے یہی بات کہی تھی۔" امی نے بابا کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

بابا زیرِ لب مسکرا دیے۔

"ہاں۔ یہ بھی ایک پُر لطف بات ہے کہ بیٹے کی شادی کے بعد ابتدائی چند دن سسرال والے بہو کو اس قدر ناز و نعم میں رکھتے ہیں کہ وہ ہوا میں اُڑنے لگتی ہے اور جب ابتدائی دنوں کے یہ چاؤ چونچلے سمٹتے ہیں تو بہو اکثر زمین پر واپس آنے کو تیار نہیں ہوتی اس لئے عقل مندی اسی میں ہے کہ اول روز سے اعتدال کا اور فطری رویہ رکھا جائے۔" ببا نے سارہ آپا کی جانب دیکھا پھر بولے۔ "سارہ بی بی ہمیں اپنی غلطی تسلیم۔ واقعی ہم نے بہو کو کبھی یہ احساس دینے کی کوشش نہیں کی کہ یہ گھر ان کا اپنا ہے اور وہ اس گھر کی فرد ہیں۔"

"تھینک یو انکل۔" سارہ آپا مطمئن نظر آنے لگی تھیں۔

ببا مسکرائے پھر باری باری سب کو دیکھتے ہوئے بولے۔ "ہاں صاحب، کسی کو کوئی گلہ اور کوئی شکایت؟"

"جی...... مجھے ہے۔" یقین بولا۔

سب نے بے ساختہ چونک کر اسے دیکھا۔

"فرمایئے۔" ببا نے کہا۔

"باہر سے آنے والی لڑکی کو تو گھر کا فرد بنانے کی بات ہوئی، یہ بتایئے کہ لڑکے بے چارے کا کیا قصور ہوتا ہے کہ اپنے ماں باپ، بہن بھائی سب اس سے نظریں بدلنے لگتے ہیں۔ اپنے ہی گھر میں وہ سیکنڈ کلاس سٹیزن یا دوسرے درجے کا شہری ٹھہرایا جاتا ہے...... کبھی ماں ناراض، کبھی بیوی ناراض۔"

ببا مسکراتے ہوئے آگے بڑھے اور یقین کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

"صاحبزادے، یہ تو ہر اس بیٹے کا مقدر ہے جو اپنی ماں اور بیوی کے درمیان گھڑیال کے پنڈولم کی طرح متحرک رہتا ہے۔"

"لیکن کیوں؟ اماں کے پاس بیٹھو تو بیوی ناراض ہو جاتی ہے اور بیوی کے پاس بیٹھو تو گھر والے خفا ہو جاتے ہیں؟"

"بکواس مت کرو، میں کبھی ناراض نہیں ہوئی اس بات پر۔" امی نے غصے سے یقین کو دیکھا۔

"مجھ پر جھوٹا الزام ہے کہ......" جویا نے یقین کو گھورا۔

"کہو میاں اب کیا کہتے ہو۔" ببا کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"جھوٹا آدمی کیا کہے گا بھلا۔" امی نے تیوری پہ بل ڈالتے ہوئے دوبارہ یقین کی طرف دیکھا۔

جویا نے بھی خشونت سے اسے دیکھا۔

"میں تمہاری پالیسی خوب سمجھتی ہوں۔" امی نے بدستور یقین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پالیسی؟" یقین بولا۔ "کیسی پالیسی؟"

"تم چاہتے ہو کہ ہم ساس بہو لڑیں اور تم تماشا دیکھو۔"

یقین نے سٹپٹا کر ببا کی طرف دیکھا۔

ببا کی مسکراہٹ اور گہری پڑ گئی۔

"میری توبہ!" یقین نے اپنے کان پکڑتے ہوئے کہا۔

"اب کرو گے شکایت؟" ببا بولے۔

"کبھی نہیں۔"

"واپس لو اپنی شکایت۔"

"واپس لیتا ہوں۔"

ابا اور سارہ آپا مسکرائے بنا نہ رہ سکے۔

امی اٹھیں اور جویا کے پاس جا کر نیم خم ہوتے ہوئے اس کا سر اپنے بازوؤں کے حصار میں لے کر اپنی بائیں گال سے مس کرتے ہوئے یقین سے بولیں۔ "خبردار جو ہم ساس بہو میں کوئی رنجش ڈالنے کی کوشش کی تم نے۔"

یقین شرمندہ سا ہو گیا۔

ببا بے ساختہ ہنس دیے۔

یقین نے چونک کر ببا کو دیکھا اور نچلا ہونٹ لٹکاتے ہوئے اس نے دونوں شانے اچکا دیے۔

"کیا خیال ہے میاں؟" ببا نے یقین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

کیا کہہ سکتا ہوں ببا۔" وہ بے بسی کی تصویر بن گیا تھا۔ "میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔"

"صاحبزادے! جس معمے کو بڑے بڑے دانا نہ سمجھ پائے، آپ کی سمجھ میں بھلا کیوں کر آئے گا۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" امی نے ابرو چڑھاتے ہوئے ببا سے کہا۔

"معافی چاہتا ہوں بیگم صاحبہ۔" ببا مسکراتے ہوئے بولے۔

امی نے سارہ آپا کی طرف دیکھا اور بولیں۔ "جو سچ پوچھو تو ساری غلطی یقین کی ہے۔"

"میری!" یقین نے سٹپٹا کر کہا۔

"ہاں تمہاری۔" امی نے توقف کیا بعد مزید کہا۔ "بیٹا عقل سے کام لے تو ساس اور بہو میں کوئی اختلاف، کوئی جھگڑا ہو ہی نہیں سکتا۔"

یقین نے مزاحمتی انداز اختیار کرتے ہوئے اپنے دفاع میں کچھ کہنے کا ارادہ کیا مگر ببا نے نگاہوں ہی نگاہوں میں ایسا اشارہ دیا کہ اس کا مزاحمتی انداز صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ ابا نے جویا کے سر پہ ہاتھ دھرا اور بولے۔ "خوش قسمت ہو بیٹی کہ اچھے لوگوں میں بیٹھی ہو تم۔"

"اللہ جانتا ہے کہ ہمارا منشاء تو بس یہ ہے کہ یہ دونوں خوش رہیں۔" امی بولیں۔

"آنٹی، میری بات بری لگی ہو تو معافی چاہتی ہوں۔" یقین کی بات کے بعد جویا کے ساتھ امی کے اظہارِ اپنائیت نے سارہ آپا کو معذرت چاہنے پر مجبور کر دیا۔

"کوئی بات نہیں، جہاں چار آدمی ہوں، وہاں گلہ شکوہ ہو ہی جاتا ہے۔" امی نے وسیع القلبی کا مظاہرہ کیا۔

"اور میرا خیال ہے، ہمیشہ کی قطع تعلقی سے گلہ شکوہ بہر حال بہتر ہوتا ہے۔" بیا نے کہا اور ابا کی طرف دیکھتے ہوئے تائید چاہی۔ "کیوں صاحب؟"

"بالکل۔" ابا نے تائید میں سر ہلایا۔

"اچھا آنٹی، اب اجازت؟" سارہ آپا نے کہا۔

"سوال ہی نہیں کہ میں تمہیں کھانا کھائے بغیر جانے دوں۔" امی نے سارہ آپا کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"آج تو دعوتِ شیراز ہونا چاہیے تھی۔" بیا بولے۔

"فکر مت کیجئے، دعوت ہی کا بندوبست کر رکھا ہے۔ مدھو بے چاری تن من سے باورچی خانے میں لگی ہوئی ہے..... نگہت اور نزہت سے بھی کہہ دیا تھا، میں نے کہ آج رات کا کھانا یہیں کھائیں، وہ بھی بس آتی ہی ہوں گی۔"

جویا نے معنی خیز نظروں سے آپا کو دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں جتایا کہ اپنی بیٹیوں کا اتنا خیال رکھا جاتا ہے۔

امی نے سارہ آپا کی طرف دیکھا اور بولیں۔ "بہن بھی آ گئی ہوتیں تو اچھا تھا۔"

"ارادہ تو تھا اماں کا بھی لیکن میرے بچوں کی وجہ سے نہ آ سکیں۔" سارہ آپا نے کہا۔

حالانکہ اصل حقیقت یہ تھی کہ اماں ان کے اصرار اور ابا کے بے حد سمجھانے بجھانے کے باوجود بھی جویا کے سسرال آنے پر تیار نہ ہوئیں بلکہ جب زدیا نے ان سے کہا۔ "اماں چلی جائیں نا، آپ بھی۔" تو اماں بگڑ کر بولیں۔ "تو چپکی رہ۔"

"اماں چلیں نا کیا سوچیں گے وہ لوگ کہ بلایا پھر بھی نہیں آئیں۔" آپا نے کہا۔

"جو مرضی آئے سوچیں، میں نہیں جاؤں گی۔"

"رہنے دو بیٹی، تمہاری ماں جب کسی بات کی ضد پکڑ لیں تو انہیں سمجھانا مشکل ہوتا ہے۔" ابا بولے۔

"ضد پکڑنے کی بات نہیں، جب تک یقین مجھ سے معافی نہیں مانگے گا۔ میں اس گھر کی دہلیز نہیں چڑھوں گی۔"

"استغفراللہ!" ابا نے سارہ آپا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری اماں تو ماشاءاللہ بڑی کڑی شرط لیے بیٹھی ہیں۔"

"شرط کی کیا بات، انسان کی عزت بھی آخر کوئی چیز ہوتی ہے۔"

آپا نے جویا کی سسرال میں اماں کے نہ آنے کی اصل وجہ بتانے سے گریز کیا۔

"تم اپنے بچوں کو بھی لے آتیں۔" امی بولیں۔

"ان کے امتحان ہو رہے ہیں، میں انہیں امتحان کی تیاری کے لئے زدیا کے پاس چھوڑ آئی تھی۔ اماں نے کہا، میں بھی ساتھ گئی تمہارے تو بچے زدیا کے قبضے میں نہ آئیں گے، میرے ڈر سے بیٹھے پڑھتے رہیں گے۔ اصل میں زدیا سے بچوں کی ایسی دوستی اور بے تکلفی ہے کہ اس اکیلی کو تو وہ

خاطر ہی میں نہیں لاتے..... اپنا گھر ہے آنٹی، کھانا پھر کبھی سہی۔ اس وقت تو آپ ہمیں اجازت دیجئے..... ابا کو پہنچا کر بچوں کو لیتے ہوئے مجھے اپنے گھر بھی جانا ہے۔"

امی متامل دکھائی دینے لگیں۔

"پلیز!" آپا نے بڑی لجاجت سے کہا۔

"میرا تو جی نہیں چاہ رہا کہ میں تمہیں جانے دوں۔"

"مجبوری ہے آنٹی، ورنہ میں رک جاتی۔"

"اچھا۔" امی نیم دلی سے بولیں۔ "جیسے تمہاری خوشی۔"

"چلیے ابا۔"

"اچھا بیٹی۔" ابا اٹھ کھڑے ہوئے۔

"جو گستاخی ہوئی ہو، معاف کیجئے گا۔" سارہ آپا نے کسی ایک کو بطور خاص مخاطب کیے بغیر کہا۔

"ہاں جناب، کوئی غلطی ہوئی ہو تو معاف کیجئے گا۔" ابا نے امی اور بیا کو منت آمیز نگاہوں سے دیکھا پھر بولے۔ "جویا سے بھی کوئی غلطی ہو تو مجھ پر ترس کھائیے گا۔"

"کیوں شرمندہ کرتے ہیں آپ!" بیا بولے۔

ابا یقین کی طرف بڑھے اور اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بڑی لجاجت سے بولے۔

"بیٹے! جویا سے کوئی غلطی ہو تو میرے بڑھاپے کا خیال کر کے درگزر کر دینا۔"

جویا کا دل کانپ کر رہ گیا۔

ابا پر اسے بے اندازہ ترس آیا۔

اپنے اوپر غصہ بھی آیا، شرمندگی بھی محسوس ہوئی۔

اس کی اپنی غلطیوں اور نادانی کی وجہ سے ہی تو یہ نوبت آئی تھی کہ ابا یقین کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑے تھے۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں بھائی صاحب۔" امی نے ابا سے کہا۔ "یقین کو آپ اپنا ہی بیٹا سمجھئے..... اپنے جگر کا ٹکڑا دیا ہے آپ نے انہیں..... پورا پورا حق ہے، ان پر آپ کا۔"

"شکریہ..... شکریہ بہن۔" ابا نے اپنی چھنگلی سے دونوں آنکھوں کے کونوں میں سمٹ آنے والی نمی کو صاف کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بھیگی ہوئی آواز میں کہا۔

ابا کو شرمسار دیکھ کر جویا کو احساسِ جرم نے آ گھیرا تھا۔

نہ وہ غلطی کرتی، نہ ابا پر یہ وقت آتا۔

یقین کے بعد ابا نے اپنا رخ اس کی طرف کیا اور اپنا ہاتھ اس کے سر پر دھرتے ہوئے بوجھل آواز میں بولے۔ "بیٹی! بوڑھے ماں باپ کی عزت اب تمہارے ہاتھ ہے۔ پھر نصیحت کرتا ہوں کہ یقین میاں اور اپنے گھر کے باقی لوگوں کو شکایت کا موقع نہ دینا..... ساس سسر کو ماں باپ کی جگہ سمجھنا اور نندوں کو بہنیں اور دیوروں کو بھائی سمجھنا..... اور یقین تو ہیں ہی تمہارے سر کا تاج، خدا کے علاوہ کسی اور کو سجدے کی اجازت ہوتی تو وہ مجازی خدا ہی ہوتا..... بیٹا جو ہوا سو ہوا۔ آئندہ احتیاط رکھنا...

جان چلی جائے مگر شوہر کے گھر کو نہ چھوڑنا..... شادی شدہ بیٹیوں کی عزت ان کے شوہر ہی سے ہوتی
ہے۔ کیسی ہی پریشانی، کیسی ہی افتاد، کیسا ہی مسئلہ آن پڑے ماں باپ کے گھر کا رخ نہ کرنا اور بوڑھے
باپ کو پھر کسی آزمائش میں نہ ڈالنا۔"

جویا جو ابا کو شرمسار دیکھ کر مجرم سی بنی بیٹھی تھی ان کی دلسوز نصیحت نے اس پر رقت طاری کر دی
اور وہ یک بیک پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

سارہ آپا آگے بڑھیں اور اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر اسے تسلی دینے کی کوشش کرنے لگیں۔

جویا کی سسکیاں تھمیں تو ابا اور سارہ آپا نے اجازت چاہی۔

☆=====☆=====☆

ابا اور سارہ آپا گھر پہنچے تو اماں ان کی منتظر تھیں۔

"ہاں بھئی ہو گیا؟" اماں نے پوچھا۔

"ہاں نیک بخت، اللہ کا شکر ہے کہ بیٹی دوبارہ اپنے گھر میں آباد ہوئی۔" ابا نے جواب دیا۔

"جویا کیسی تھی؟"

"ٹھیک ٹھاک۔"

"بچہ؟"

"ماشاءاللہ وہ بھی ٹھیک ہے۔"

"اور میری مریم؟"

"تمہاری کہاں سے ہو گئی۔" ابا نے سارہ آپا کو دیکھتے ہوئے آنکھ دبائی اور اماں کو چھیڑتے
ہوئے بولے۔ "وہ اپنے ماں باپ کی ہے، دادا دادی کی ہے۔"

"اچھا! ہمارا تو جیسے کوئی رشتہ ہی نہیں!" اماں تنک کر بولیں۔

"زیادہ حق ددھیال والوں کا ہے۔"

"دل جلانے والی باتیں مت کریں اچھا۔" اماں نے ابا کو گھورا پھر سارہ آپا سے بولیں۔ "یہ
تمہارے ابا تو ایسی ہی باتیں کرتے ہیں تم وہاں کا حال سناؤ۔"

"سب نے آپ کو بہت پوچھا اماں۔"

"رہنے دو وہ اتنے چاہنے والے نہیں ہیں۔"

"نہیں سچ اماں..... کیوں ابا پوچھ رہے تھے نا سب اماں کو؟"

"مجھ سے تو کسی نے نہیں پوچھا۔"

سارہ آپا مسکرا دیں پھر اماں سے بولیں۔ "ابا آپ کو چھیڑنے کو ایسا کہہ رہے ہیں اماں۔"

"اس بدذات یقین کا کیا حال تھا؟"

"اماں پلیز، اب تو آپ ایسا نہ کہیں۔"

"وہ بدذات ہے اور بدذات ہی رہے گا۔"

"نیک بخت! تمہاری بیٹی کے سر کا تاج ہے وہ..... خدائے مجازی ہے اس کا۔"

"ہوا کرے۔"

سارہ آپا نے بے بسی سے ابا کو دیکھا پھر اماں سے بڑی رسانیت سے بولیں۔ "اچھی اماں!
اب اپنا دل صاف کر لیں آپ یقین کی طرف سے۔"

"ہرگز نہیں ہوگا۔" اماں نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"پھر حالات بہتر کیونکر ہوں گے!" آپا فکرمندی سے بولیں۔

"حالات اور کیا بہتر ہوں گے! بس ہو تو گیا نکاح۔"

"جی ہاں اور اب وہ دونوں گھر بھی آئیں گے اگر آپ نے یقین کی طرف سے اپنا دل صاف
نہ کیا تو یقین کو بھی خلش رہے گی۔"

"آپا ٹھیک کہہ رہی ہیں اماں۔" زویا بولی۔

"تو چپکی رہ۔" اماں نے اسے ڈانٹا۔

"تم یہ تو بتاؤ جویا سے علیحدگی میں بھی بات ہوئی تمہاری؟" اماں نے پوچھا۔

"جی..... ہوئی۔" آپا نے کہا۔

"کیا حالات بتا رہی تھی؟"

"سب ٹھیک۔"

"طعنہ تشنیع تو خوب کی ہوگی سسرال والوں نے؟"

"جی نہیں، جویا بتا رہی تھی کہ سب بہت اچھی طرح پیش آ رہے ہیں اس کے ساتھ۔" آپا نے
مصلحت بیانی کی۔

"جھوٹ بول رہی ہوگی وہ۔"

"جھوٹ بولنے سے اسے کیا فائدہ۔" ابا بولے۔

"اپنی مرضی سے گئی ہے تو پردہ پوشی تو کرے گی ہی۔"

"کیوں؟"

"تا کہ اسے کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ اپنی مرضی سے گئی ہو تو بھگتو۔"

"نیک بخت! اچھے لوگ ہیں وہ..... چھچھورے اور کم ظرف نہیں۔"

"تو ہم تو چھچھورے اور کم ظرف ہیں۔" اماں کو غصہ آ گیا۔

"اوہو! ایک تو تم بات کو کہاں سے کہاں تک لے جاتی ہو۔"

"ہاں..... ہاں پھر نکالنے لگے عیب مجھ میں۔"

"سارہ بیٹی! سمجھاؤ اپنی ماں کو۔"

سارہ آپا اماں کی مزاج آشنا تھیں۔ سمجھتی تھیں کہ جب اماں کو کوئی پریشانی یا فکر لاحق ہو تو وہ اکثر
تنگ مزاجی کا مظاہرہ کرتی تھیں۔

آپا سمجھ گئیں کہ جویا کی طرف سے تفکر کا وہ کھل کر اظہار نہ کر پا رہی تھیں اور اصل پریشانی کو
دبانے کا نتیجہ تنگ مزاجی کی صورت میں ظاہر ہو رہا تھا۔

"اماں!" آپا نے کہا۔ "آپ بالکل تسلی رکھیں۔ جویا اپنے گھر میں بہت خوش و خرم ہے۔ کوئی تکلیف نہیں ہے اسے۔"

"مجھے جھوٹی تسلیاں مت دو۔" اماں بولیں۔

"خدا کی قسم اماں، وہ بالکل ٹھیک ہے۔"

اماں چند ثانئے بے یقینی سے انہیں دیکھتی رہیں پھر بولیں۔ "جب تک خود نہیں دیکھ لوں گی اسے اور جب تک خود حال چال نہیں لے لوں گی اس سے اس وقت تک چین نہیں آئے گا مجھے۔"

"چلئے میں آپ کو ابھی ملوا لاتی ہوں اس سے۔"

"مجھے جانا ہوتا وہاں تو میں شام ہی کو چلتی تمہارے ساتھ۔"

"تو پھر جویا کے یہاں آنے کا انتظار کیجئے۔"

"ہاں...... اسی کے آنے کا انتظار کروں گی۔"

"ویسے وہ سب لوگ ہمارے ساتھ بھی بہت اچھی طرح پیش آئے...... خاطر مدارات بھی کی...... جویا کی ساس مصر تھیں کہ کھانا کھا کر جانا مگر میں بچوں کے بہانے معذرت کر کے چلی آئی۔"

"اچھا کیا......" اماں نے کہا پھر زدیا کو ہدایت کی۔ "زدیا جا کر چپاتیاں ڈال لے تاکہ بہن کھانا کھا کر گھر جائے۔"

"گھر جا کر کھا لیں گے اماں۔"

"جب تک دم بیٹھے ہیں، پوچھ لیتے ہیں۔ ہمارے بعد بھائی بھاوج کا راج ہوگا۔ وہ کب پوچھیں گے بھلا۔ دیکھ لو جویا کیسی بھاری پڑ گئی تھی بھائی پر...... جتنے دن رہی وہ یہاں، بھائی نے منہ ہی بنائے رکھا۔" اماں روہانسی ہو گئیں۔ "شاید بھائی منہ بنا کر نہ رکھتا تو جویا یوں گر پڑ کر سسرال نہ جاتی۔" اماں اپنے دوپٹے سے منہ ڈھانپ کر سسکنے لگیں۔

"اچھا ہوا، نیک بخت کہ بچی گھر چلی گئی۔" ابا نے اماں کو سمجھایا۔ "بیاہی بیٹیاں اپنے گھروں ہی میں اچھی لگتی ہیں۔ اب تم زدیا کی فکر کرو۔"

"سارہ! بہن کے لئے دیکھو نا کوئی رشتہ۔" اماں کی سسکیاں رک گئیں۔

"میں غافل نہیں ہوں اماں...... تلاش میں ہوں۔"

"کوئی اکیلا لڑکا دیکھو تاکہ لڑکی کے ساتھ ساس نند کا چکر نہ ہو۔ ساس نندوں کے ساتھ نباہ مشکل ہو جاتا ہے۔"

"ایک بات کہوں اماں۔" آپا محتاط لہجے میں بولیں۔

"کہو۔"

"ساس نندوں سے تو لڑکی بھاری رہتی ہے...... دوسرائیت رہتی ہے اسے...... گھر کی ذمے داریاں بھی بٹی رہتی ہیں۔"

"ارے بھئی بھاڑ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان...... نہیں چاہئے ہمیں اپنی لڑکی کے لئے ایسی دوسرائیت...... رہیں گھر کی ذمے داریاں تو نوکرانی رکھ لے گی وہ۔"

آپا خاموش رہیں۔

اس وقت اماں کے ساتھ بحث میں الجھنے کا موقع نہ تھا۔

☆=====☆=====☆

سسرال آنے کے بعد جویا پہلی بار میکے گئی تو یقین کو بھی بادل ناخواستہ اس کے ہمراہ جانا پڑا۔ راستے بھر وہ جویا کی اماں کا سامنا کرنے اور ان سے علیک سلیک کے تصور ہی سے کوفت اٹھاتا رہا! اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس خاتون کا سامنا کیوں کر کر پائے گا جس نے اس کی زندگی اجیرن کر دینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔

ایک پل کی دیر اور ہو جاتی مریم کو آنے اور اس کی معصوم صدا سنائی دینے میں تو کیا باقی رہ جاتا اس کے پاس!

پچھتاوے اس کا منہ چڑاتے۔

جوش جذبات اور غصے میں آدمی غلطی تو کر جاتا ہے مگر انجام!

صد شکر کہ وہ ایک عبرت ناک انجام سے بال بال بچ گیا تھا۔

ان کی یا جویا کی یا پھر بڑوں کی کوئی نیکی کام آ گئی یا شاید معصوم بچوں کا مقدر زور دکھا گیا ورنہ کہاں وہ ہوتا، کہاں جویا اور کہاں بچے!

میکے میں آنے کی پیشگی خبر تھی۔

ابا، سارہ آپا، بھابی اور زدیا نے بڑے تپاک سے استقبال کیا۔

بھیا دکان پر تھے۔

یقین کچھ متکلف سا ابا کے ساتھ بیٹھک ہی میں بیٹھ گیا۔

جویا بہنوں اور بھاوج کے ساتھ برآمدے سے ہوتی اماں کے کمرے میں جا پہنچی۔ اماں اسے دیکھتے ہی اٹھیں اور اسے سینے سے لگا کر سسکنے لگیں۔ جویا کا دل بھی بھر آیا۔

رو دھو کر الگ ہوئیں تو جویا نے کہا۔ "اماں وہ بھی آئے ہیں۔ بیٹھک میں ابا کے پاس بیٹھے ہیں۔"

اماں ان سنی کر گئیں۔

سارہ آپا نے نظروں ہی نظروں میں ڈٹے رہنے کا اشارہ کیا۔

حقیقت یہ تھی کہ جویا خود بھی اس خیال سے شرمندگی محسوس کر رہی تھی کہ یقین کیا سوچتا ہوگا کہ اتنے دنوں بعد اور ایسے بحران سے گزرنے کے بعد سسرال آیا اور ساس نے سر پر ہاتھ تک نہ دھرا۔

"اماں مل تو لیتیں آپ ان سے۔" سارہ آپا کی شہ پا کر جویا نے کہا۔

"ایک میں نہیں ملی تو کیا، باقی سب لوگ مل لئے۔" اماں اکھڑے اکھڑے انداز میں بولیں۔

"جویا ٹھیک کہہ رہی ہے اماں۔" سارہ آپا نے تائید کی۔

"میں کیا کروں مل کر۔"

"نہیں ملیں گی تو وہ کیا سوچیں گے اپنے دل میں کہ ان کے گھر آیا اور عزت نہیں ملی۔" جویا

بولی۔

"اس نے ہماری عزت کا خیال رکھا۔" اماں نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"وہ بات تو اب ختم ہو گئی نا اماں۔"

"بات کا لگا ہوا زخم اتنی آسانی سے ختم نہیں ہوا کرتا۔"

"بہر حال اماں، میری خاطر آپ انہیں معاف کر دیں۔"

"وہ خود مانگے نا معافی۔"

"خود بھی مانگ لیں گے...... فی الحال تو آپ میری خاطر معاف کر دیں۔"

"بڑا لاڈ آ رہا ہے میاں کا!"

جویا محجوب ہو گئی۔

"مل لیں نا اماں۔" آپا نے پھر کہا۔

"بس ایک دفعہ ان کے سر پر ہاتھ رکھ دیں۔"

"مجھے مجبور مت کر جویا۔"

"اماں...... میری پیاری اماں...... اچھی اماں۔" جویا نے لجاجت سے کہا۔

آپا نے آنکھوں ہی آنکھوں میں جویا کو پھر شہ دی۔

"میاں کا خیال ہے، اماں کی عزت کا خیال نہیں۔" اماں نے شاکی نظروں سے جویا کو دیکھا۔

"آپ تو میری جان ہیں اماں۔" جویا نے اماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں پھر بولی۔ "وہ چل کر آپ کے گھر آئے ہیں تو ایک طرح سے وہ تو جھک ہی گئے نا اماں۔"

"بجو چل کر تو نہیں آئے، گاڑی میں آئے ہیں۔" زویا مسکرا کر بولی۔

"تو چپکی رہ......" اماں نے اسے ڈانٹا۔

"اماں! کبھی تو بولنے کی اجازت دے دیا کریں۔" زویا نے کہا

"پھر بولی۔" اماں نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"زویا پلیز! اس وقت اماں کو غصہ مت دلاؤ۔" جویا نے لجاجت سے کہا پھر اماں سے بولی۔

"اماں کھڑے کھڑے مل آئیں۔"

اماں جز بز دکھائی دینے لگیں۔

"آپ کو میری قسم اماں۔"

اماں نے اسے گھورا۔

"آپ کو مریم اور علی کی قسم۔"

اماں کے چہرے سے خشونت برسنے لگی۔

"شرم تو نہیں آئی تجھے ان معصوموں کی قسم دیتے۔"

"اب تو آپ کو اٹھنا ہی پڑے گا اماں۔"

اماں نے غصے سے پہلے سارہ آپا کو پھر جویا کو دیکھا پھر بولیں۔ "خدا کسی کو ماں نہ بنائے۔"

"ہیں! ہیں! یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" جویا نے کہا۔

"صحیح کہہ رہی ہوں...... بڑی بے بس ہو جاتی ہے ماں اولاد کے ہاتھوں۔"

"سوری اماں!" جویا نے اپنا سر بڑی محبت سے اماں کے شانے پر ٹکا دیا۔

"پرے ہٹ۔" اماں نے پیار سے اس کے سر پر دھپ لگائی۔

"لیجئے ہٹ گئی پرے۔ چل رہی ہیں نا آپ ان سے ملنے۔"

"چلو بھئی چلو۔ پیر صاحب آئے ہیں کر لیتی ہوں، ان کی قدم بوسی۔" اماں نے انتہائی تلخی سے کہا۔ جویا کو خفت نے آ لیا۔

"رہنے دیں اماں، آپ کا دل نہیں چاہتا ان سے ملنے کو تو نہ ملیں۔" وہ بولی۔

"بچوں کی قسم دے کر کہتی ہو نہ ملیں...... ارے اب تو اگر ساری دنیا بھی منع کر دے تو ضرور ملوں گی اس بدذات سے۔"

سارہ آپا نے جویا کو آنکھوں ہی آنکھوں میں سمجھایا کہ وہ اماں کو نہ روکے۔

اماں اٹھیں۔ دو قدم ہی چلی تھیں کہ ابا کھنکھارتے ہوئے یقین کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئے۔

اماں ٹھٹک گئیں۔

"کہاں چلیں نیک بخت؟ یہ آپ کے داماد ارجمند آپ سے ملنے کے لئے آئے ہیں۔"

یقین نے جو جھینپا ہوا دکھائی دیتا تھا ذرا کی ذرا اماں کی طرف دیکھا پھر نظریں چراتے ہوئے بولا۔ "السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔" اماں نے منہ پھیر کر خفا خفا سے لہجے میں جواب دیا۔

"اماں یقین ہی سے ملنے کے لئے بیٹھک کی طرف جا رہی تھیں۔" سارہ آپا نے ابا کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا!" ابا کے لہجے میں تحیر آمیز بے یقینی تھی۔

"جی۔"

"چلو کوئی بات نہیں...... یقین میاں نے خود ان کے پاس آ کر اپنی سعادت مندی ثابت کر دی۔" ابا نے اماں کی طرف دیکھا اور بولے۔ "ارے بھئی داماد کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے پھلنے پھولنے کی دعائیں تو دے دو۔"

اماں نے چونک کر ناگواری سے ابا کو دیکھا۔

ابا ان کی ناگواری کو پی گئے اور یقین سے بولے۔ "یقین میاں، آگے بڑھ کر ساس سے دعائیں تو لے لیجئے۔"

یقین کچھ خفیف، کچھ مسرور سا اماں کے روبرو جا کھڑا ہوا۔

"صاحب زادے، سر جھکا کر دست شفقت سر پر پھروائیں اور دعائیں لیں۔" ابا بولے۔

یقین نے اماں کے سامنے اپنا سر خم کر دیا۔

اس کے سر پر بادلِ ناخواستہ ہاتھ پھیرتے ہوئے اماں نے ابا کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

ابا زیرِ لب مسکرا دیے۔

"جیتے رہو...... خوش رہو۔" اماں نے یقین کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

مگر ان کے چہرے نے ان کے الفاظ کا ساتھ نہ دیا۔

جس داماد سے ان کا دل اتنا کھٹا ہو چکا تھا، وہ اس کی صورت تک دیکھنے کی روادار نہ رہی تھیں۔

اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے دعائیں دینا منافقت تھی۔

یقین بھی کم و بیش کچھ ایسی ہی کیفیت کا شکار تھا۔

جو عورت اسے اپنی دشمن محسوس ہوتی تھی، اس کے سامنے مؤدبانہ سر جھکائے کھڑے ہونا اور سر پر ہاتھ پھروا کر دعائیں لینا بہت عجیب لگ رہا تھا اسے۔

کس قدر غیر حقیقی تھا، یہ سب کچھ۔

دکھاوا!

منافقت!

ریاکاری!

دو افراد جن کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے بغض تھا، نفرت تھی، اپنے حقیقی جذبات پر منافقت کا پردہ ڈال کر ایک دوسرے سے یوں مل رہے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔

جویا مطمئن دکھائی دینے لگی۔

یقین نے اپنا خمیدہ سر سیدھا کرتے ہوئے جبڑے آہستگی سے بھینچ لیے۔

سارہ آپا اور جویا مطمئن نظر آ رہی تھیں۔

"بیٹھو یقین۔" آپا نے کہا۔

ابا جنہوں نے اماں اور یقین دونوں کی باطنی کیفیت کسی حد تک تاڑ لی تھی، سارہ آپا سے بولے۔ "بیٹی آپ لوگ زنانہ محفل جمائیں، ہم سسر داماد بیٹھک میں بیٹھتے ہیں۔"

"جیسے آپ کی مرضی ابا۔"

"زویا بیٹی! چائے ذرا جلدی پہنچنی چاہیے بیٹھک میں۔" ابا نے زویا سے کہا۔

"آپ فکر ہی نہ کریں ابا، چائے چٹکی بجانے میں پہنچتی ہے آپ کے پاس۔" زویا مسکرائی۔

"جیتی رہو۔"

"چلیے شہزادے، ہم دونوں بیٹھک میں چلتے ہیں۔" ابا نے یقین کی طرف دیکھا۔

"جی...... جی بہتر۔"

بھینچے ہوئے جبڑے کھلتے ہی یقین کو ذہنی تناؤ میں افاقہ محسوس ہوا۔

ابا اور یقین کے جانے کے بعد اماں، سارہ آپا اور جویا مسہری پر بیٹھ گئیں۔ بھابی جو دور سے خاموش تماشائی بنی دیکھ رہی تھیں، زویا کے ساتھ ساتھ کمرے سے نکل گئیں۔

تخلیہ میسر آتے ہی اماں نے جویا سے سوالات شروع کر دیے۔

"ساس سسر کا کیا حال ہے؟"

"مزے میں ہیں۔"

"میرا مطلب ہے، تمہارے ساتھ کیسے ہیں؟"

"بس ٹھیک ہی ہیں۔"

"نندیں؟"

"عیش کر رہی ہیں۔"

"ہاں بھئی نندوں کا مقدر تو اللہ میاں سونے سے لکھتے ہیں...... روپ کی روئے کرم کی کھائے۔"

"اور یہ بدذات کیسا جا رہا ہے تمہارے ساتھ؟"

"کون؟" وہ جانتے بوجھتے انجان بن گئی۔

"ارے، بھئی یقین اور کون۔"

"فی الحال تو ٹھیک ہی جا رہے ہیں۔"

"دیکھو، کتنے دن ٹھیک چلتا ہے۔"

"اماں! یہ تو اپنی ذات سے بہت اچھے ہیں۔"

"رہنے دو۔" اماں نے ٹیڑھی نظروں سے اسے دیکھا۔ "زیادہ وکالت مت کرو میاں کی...... جو نہ جانتا ہو، وہ تمہاری بات کا اعتبار کر لے تو کر لے، میں خوب اچھی طرح جانتی ہوں کہ وہ کتنا اچھا ہے۔"

"ان سے آپ کی ناراضگی دور نہیں ہوئی۔"

"نہ ہوگی۔"

"اماں...... پیاری اماں، ان کی طرف سے دل صاف کر لیں...... معاف کر دیں انہیں...... غلطی میری ہی تھی جو بات اتنی بڑھ گئی۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے، اس کی سفارش کرنے کی۔"

"پلیز!" وہ گڑگڑائی۔

"نہ پلیز ولیز۔"

"میری خاطر۔"

"تمہاری خاطر ہی میں نے سلام کا جواب بھی دے دیا اور سر پر ہاتھ رکھ دیا ورنہ اسے اپنے گھر کی دہلیز بھی نہ چڑھنے دیتی۔"

"ٹھیک ہے اماں...... بس اب باقی غصہ بھی تھوک دیں۔"

اماں کچھ نہیں بولیں۔

"ہاں اماں جانے دیں...... تھوک دیں غصہ اور غلطی معاف کر دیں یقین کی۔" سارہ آپا نے

کہا۔

"تم بھی سفارش کرنے لگیں۔" اماں نے سارہ آپا کو بھی ٹیڑھی نظروں سے دیکھا۔

"اپنی بہن کے منہ کو سفارش کر رہی ہوں ورنہ تین سو ساٹھ یقین پھرتے ہیں شہر میں۔" آپا نے توقف کیا پھر بولیں۔ "کیا کریں اماں، جن کے ساتھ تعلق رکھنا ہو، ان کی سفارش کرنا پڑتی ہے۔"

اماں بدستور چپ رہیں۔

"ویسے آپا، میاں اتنے برے ہیں نہیں۔" جویا نے آپا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے اندازہ ہے۔"

"بہت اچھے تھے، جبھی غلط بات کہہ کر چل دیے تھے۔" اماں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کہہ رہے تھے، غصے میں تھا غلطی ہو گئی۔"

"بڑی اچھی غلطی ہوئی۔"

"غلطی تو کوئی بھی اچھی نہیں ہوتی اماں!" آپا بولیں۔

اماں نے جویا کی طرف دیکھا اور کہا۔ "سسرال میں طعنہ زنی تو خوب ہوئی ہو گی تم پر؟"

اس سے پہلے کہ جویا کچھ کہتی، آپا نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے سمجھایا کہ اماں کے سوال کا جواب اثبات میں ہرگز نہ دے حالانکہ آپا کو نکاح والے دن جویا کی ساس کی تلخ باتیں بخوبی یاد تھیں۔

"نہیں۔" اس نے صاف انکار کر دیا۔

"تھوڑی بہت تو ضرور ہوئی ہو گی۔"

آپا نے پھر اسے آنکھیں دکھائیں۔

"نہیں...... ذرا بھی نہیں۔"

"جھوٹ مت بولو۔"

"سچ کہہ رہی ہوں اماں۔"

"میں مان ہی نہیں سکتی۔"

"کیسے یقین دلاؤں، میں آپ کو۔"

"اتنے بھلے نہیں ہیں تمہارے سسرال والے...... کچھ نہ کچھ تو ضرور کہا ہو گا۔"

"کچھ بھی نہیں اماں۔"

"زیور کپڑوں کا پوچھا؟"

"نہیں۔"

"ابلیس تو فرشتے سے شیطان بنا تھا، تمہارے سسرال والوں کے ساتھ الٹا معاملہ ہو گیا کیا! شیطان سے فرشتے کیونکر بن گئے!" اماں بولیں۔

جویا اور آپا نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"ایک بات کہوں اماں۔" آپا نے قدرے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... کہو۔"

"جویا اپنی سسرال سے جب یہاں آیا کرے تو آپ اس سے اس کے میاں، سسرال اور سسرال والوں کے بارے میں کچھ مت پوچھا کریں۔"

اماں نے تیوری چڑھا کر آپا کو دیکھا اور بولیں۔ "کیوں؟ کیوں نہ پوچھا کروں...... ہم نہیں پوچھیں گے تو کیا محلے والے دکھ سکھ ٹٹولیں گے ہماری لڑکیوں کا۔"

"لڑکیوں کو ان کے مقدر پر چھوڑ دیجیے اماں۔"

"بھئی تم تو ہوا کیلی...... نہ آگے نہ پیچھے ساس...... بے چاری زہرا اور جویا کو ان کے مقدر پر تھوڑی چھوڑا جا سکتا ہے...... دکھ سکھ ٹٹولنا اور حال چال پوچھنا ہی پڑتا ہے۔"

"نہ پوچھا کریں...... لاعلمی کا بھی بڑا فائدہ ہوتا ہے...... آدمی پریشان نہیں ہوتا۔"

"تمہارا فلسفہ میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"یہ فلسفہ نہیں اماں...... حقیقت ہے۔"

"اچھا خیر ہو گی۔" اماں زچ ہو کر بولیں۔

"نہ پوچھا کریں، آپ بیٹیوں سے ان کے گھروں کی باتیں۔" آپا نے جویا کو دیکھا اور بولیں۔ "سسرال کی باتیں وہیں چھوڑ کر آیا کرو اور میکے کی باتیں میکے ہی میں چھوڑ کر جایا کرو...... یہاں کوئی پوچھے بھی تو سسرال کی بات مت بتایا کرو کسی کو۔"

جویا آپا کا منہ دیکھنے لگی۔

"میرے نسخے پر عمل کر کے دیکھو، کلی شگفتہ پا جاؤ تو میرا نام بدل دینا۔"

"اماں! آپا کی بات سن رہی ہیں آپ؟"

"سن رہی ہوں۔" اماں نے تیوری چڑھا کر کہا۔ "ورغلانا اسی کو کہتے ہیں۔"

"ایمان سے اماں ورغلا نہیں رہی ہوں میں۔"

"تو پھر کیا کر رہی ہو؟"

آپا نے بہت پیار سے جویا کے سر پر ہلکی سی دھپ لگائی اور بولیں۔ "اسے کامیاب ازدواجی زندگی کا ایک اہم گر بتا رہی ہوں...... اچھی لڑکیاں سسرال کی بات میکے میں اور میکے کی بات سسرال میں نہیں کرتیں۔"

جویا نے مسکراتے ہوئے اماں کی طرف دیکھا اور بولی۔ "بس اماں، آج کے بعد وہاں کی کوئی بات نہیں بتاؤں گی میں آپ کو۔"

جویا نے تو اماں سے یہ بات مذاقاً کہی تھی مگر اماں سچ مچ برا مان گئیں اور جویا کو ٹیڑھی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔ "اماں کو تو تم سب نے دشمن سمجھ لیا ہے۔ مر جاؤں گی تب قدر آئے گی تم لوگوں کو میری۔"

"اللہ نہ کرے۔" جویا ہول کر بولی۔

سارہ آپا نے اپنی بانہیں اماں کے گلے میں حمائل کرتے ہوئے کہا۔ "خدا کی قسم اماں، آپ تو

ہم سب کی جان ہیں...... اس گھر میں ساری رونق، ساری روشنی آپ ہی کے دم سے تو ہے۔"

"بناؤ مت مجھے۔" اماں نے آپا کی بانہیں اپنے گلے سے ہٹانے کی کوشش کی مگر اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

جویا بھی دفورِ جذبات میں اماں سے لپٹ گئی اور بولی۔ "آپا ٹھیک کہہ رہی ہیں اماں۔"

تبھی زدیا چائے کی ٹرے لئے کمرے میں داخل ہوئی اور دونوں بہنوں کو اماں سے چپٹے دیکھ کر چائے کی ٹرے ایک طرف رکھتے ہوئے اماں کی طرف یہ کہتے ہوئے لپکی۔ "جناب!! آپ دونوں کا اب کوئی حق نہیں رہا اماں پر...... اماں اب صرف میری ہیں۔"

"کیوں؟ کیوں حق نہیں رہا ہمارا؟" جویا نے جارحانہ تیوروں سے زدیا کو دیکھا۔

"کیونکہ آپ دونوں اس گھر سے رخصت ہو چکی ہیں۔" یہ کہتے ہوئے زدیا بھی بڑے لاڈ سے اماں کو چمٹ گئی۔

"فکر مت کرو، تمہاری رخصتی کا بندوبست بھی کر دیں گے۔" سارہ آپا بولیں۔

تینوں بیٹیاں اماں سے محبت اور بہت لاڈ سے چمٹی بیٹھی تھیں۔ اماں تینوں سے اپنا منہ چھپائے چپکے چپکے مسکرا رہی تھیں۔

ادھر جویا کے سسرال میں ٹیلی فون کی گھنٹی بڑی بے تابی سے بج رہی تھی۔

"جی۔" مدحت بجیا نے کال ریسیو کی۔

"کون؟ مدحت۔"

"جی...... آداب۔"

بجیا آواز سے پہچان گئی تھیں کہ وہ نزہت کی ساس مس لطیفی تھیں۔

"جیتی رہو...... امی کہاں ہیں تمہاری؟"

"بلاؤں؟"

"بس اتنا بتا دو کہ نزہت کو تکلیف شروع ہو گئی ہے۔ ہم لوگ انہیں اسپتال لے جا رہے ہیں۔"

ٹھیک ہے آنٹی، بتا دیتی ہوں۔"

"او کے...... خدا حافظ!"

"خدا حافظ!"

بجیا نے امی کو خبر دی تو وہ بولیں۔ "یقین کی سسرال فون کر دو کہ فوراً پہنچیں۔"

"کیوں بھئی...... یقین کی طلبی کیوں؟" بیا نے کہا۔

"گاڑی کی ضرورت ہے، مجھے اسپتال پہنچنا ہے نزہت کے پاس۔"

"گاڑی کے بغیر بھی کام چل سکتا ہے بیگم صاحبہ...... آپ تیار ہوں، میں ٹیکسی لے کر آتا ہوں۔"

"گھر کی گاڑی ہوتے ہوئے بھی ٹیکسی کیوں؟" امی نے کہا۔

"فرض کر لیجئے کہ گھر میں گاڑی نہیں ہے۔"

"جب ہے تو کیوں فرض کر لوں کہ نہیں ہے۔"

"بالفرض نہ ہوتی۔"

"تو اور بات تھی...... مجبوری ہوتی۔"

"اس وقت بھی مجبوری ہی سمجھئے...... نہ بلوائیے یقین کو...... اسپتال ٹیکسی میں بھی جایا جا سکتا ہے بلکہ جتنی دیر میں یقین گاڑی لے کر یہاں پہنچے گا، اتنی دیر میں تو شاید آپ اسپتال بھی پہنچ جائیں گی...... ویسے بھی یقین میاں بہت دنوں بعد سسرال گئے ہیں، بہتر ہے کہ انہیں ڈسٹرب نہ کیا جائے۔"

"اور ہمیں کرائے کی ٹیکسی کی پریشانی جو ہو گی۔"

"کوئی پریشانی نہیں ہو گی...... ایک خلقت سفر کرتی ہے ٹیکسیوں میں۔"

امی نے قدرے خشونت سے بیا کو دیکھا۔

جواباً وہ مسکرا دیے اور با آواز بلند بولے۔ "موجو میاں! کہاں ہو بھئی، جلدی آؤ۔"

"موجو کو کیا بلا رہے ہیں۔ جلدی کریں۔"

"آپ تیار تو ہوں بیگم صاحبہ، ٹیکسی چٹکی بجاتے میں لاتے ہیں۔"

"مجھے تیار ہونے میں کون سے گھنٹے لگیں گے۔" امی نے الماری کا رخ کیا۔

"آپ نے میرے کو بلایا جی؟" موجو آ پہنچا تھا۔

"ہاں میاں، چلو ٹیکسی لانی ہے۔"

ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بجی۔

بجیا کال ریسیو کرنے کو لپکیں۔

پھر مسز لطیفی ہی کا فون تھا۔

"مدحت! امی سے کہنا، ہمارا انتظار کریں، ادھر ہی سے تو گزریں گے، انہیں پک کر لیں گے۔" انہوں نے کہا۔

"او کے آنٹی۔"

ریسیور رکھ کر بجیا موجو اور بیا کو ٹیکسی سے روکنے کے لئے لپکیں۔

امی نے سنا تو بولیں۔ "نیت ثابت رکھتی ہوں اس لئے اللہ میاں ہر منزل آسان کر دیتے ہیں۔"

بمشکل پندرہ منٹ میں مسعود کی گاڑی ہارن دیتی گھر کے دروازے پر آ پہنچی اور امی جو تیار تھیں، ان کے ساتھ چلی گئیں۔

تقریباً ڈھائی گھنٹے بعد مسعود نے فون پر خبر دی کہ بیٹی ہوئی تھی!

☆=====☆=====☆

گھر والے فرزین کے لئے کسی اچھی لڑکی کی تلاش میں تھے۔ مدحت بجیا نے بھی اپنے حلقہ احباب میں نظریں دوڑا رکھی تھیں۔

عالمی اردو مشاعرے میں ہمسایہ ملک سے آنے والے شعراء کے اعزاز میں یونیورسٹی میں منعقدہ ایک استقبالیے میں بجیا کی کولیگ پروفیسر امینہ اپنی بھانجی ارج کو لائیں تو بجیا کو وہ پہلی ہی نظر میں بھا گئی۔

ارج کے والد کا ایک روڈ...... ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو چکا تھا۔ والدہ گھرداری کے ساتھ ایک بوتیک بھی چلاتی تھیں۔ لڑکی خوش شکل، جامہ زیب اور کالج آف ہوم اکنامکس سے گریجویٹ تھی۔ تین بہنوں اور دو بھائیوں میں وہ سب سے بڑی تھی اور گھرداری کے علاوہ کاروبار میں بھی ماں کا ہاتھ بٹاتی تھی۔

مدحت بجیا نے امی سے ذکر کیا۔

امی نے کہا۔ "پہلے لڑکی کی کوئی تصویر لا کر دکھاؤ۔"

بجیا نے پروفیسر امینہ سے کہا۔

وہ ایک تصویر نہیں، پوری البم لے آئیں۔ جس میں لڑکی ہی نہیں اس کے متعلقین کی تصویریں بھی چسپاں تھیں۔ امی کو لڑکی بہت پسند آئی۔

بپا نے بھی تائید کی۔

ذوبین نے بھی بپا کی تائید میں ہاں ملائی۔

فرزین کو تصویریں دکھانا چاہیں تو وہ بولا۔ "مجھے دیکھنے کی ضرورت نہیں۔"

"کیوں؟" امی نے چونک کر اسے دیکھا۔

"صورت پر جانا بے کار ہے۔ اور سیرت اس وقت تک نہیں کھلتی، جب تک کسی کو قریب سے نہ دیکھا جائے...... بھابی شروع میں کتنی اچھی تھیں لیکن......"

"لگتا ہے، بھابی کے تجربے نے تو تمہیں شادی سے خوف زدہ کر دیا ہے۔" بجیا نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"درست۔" وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "واقعی۔"

"تصویریں دیکھ لو پسند آ جائے لڑکی تو ٹھیک ورنہ......"

"آپ کو پسند ہے؟"

"ہاں، مجھے تو پسند ہے۔"

"بس ٹھیک ہے۔"

"بعد میں یہ نہ کہنا کہ......"

"آپ فکر نہ کریں، کچھ نہیں کہوں گا اگر مایوس ہوا تو اپنی قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کر لوں گا۔"

"نگہت کو فون کر دو کہ وہ بھی آ کر دیکھ لے...... ایک سے دو رائے اچھی ہوتی ہے۔" امی نے بجیا سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔"

"دلہن کو بھی دکھا دو کہ ان کی رائے بھی شامل ہو جائے اور اگر بات آگے بڑھے تو ان کو زحمت

کی دفعہ کی طرح یہ گلہ نہ ہو کہ مجھ سے مشورہ نہیں کیا گیا۔" امی نے بجیا سے کہا۔

"نہیں۔" بپا بولے۔ "یقین اور بہو سے ابھی کوئی بات نہ کرنا اس سلسلے میں نہ تصویر دکھانا انہیں۔"

امی اور بجیا نے چونک کر بپا کی طرف دیکھا۔

بپا کی بات خاصی تعجب انگیز تھی۔

وہ تو حامی تھے اس بات کے کہ بہو سے کوئی بات نہ چھپائی جائے، اسے گھر کے دھارے میں پوری طرح شامل رکھا جائے۔

"کیوں؟" امی نے حیرانی سے کہا۔ "ان سے اس سلسلے میں کوئی بات کیوں نہ کی جائے۔"

"کیونکہ مجھے یقین سے اور بہو سے کچھ ضروری بات کرنی ہے...... پہلے میں اپنی بات کر لوں ان سے۔"

"کیا بات کرنی ہے؟" امی نے تجسس لہجے میں کہا۔

"جب کروں گا تو آپ بھی موجود ہوں گی، سن لیجئے گا۔"

امی، بجیا اور فرزین تینوں سوچ میں پڑ گئے۔

ایسی کیا بات کرنے جا رہے تھے، بپا یقین سے اور جویا سے کہ جس کی وجہ سے انہوں نے فرزین کے لئے پسند کی جانے والی لڑکی کی تصویریں جویا کو دکھانے سے منع کر دیا تھا۔

بات جو بھی تھی، اہم تھی۔

امی اور بپا سے علیحدگی میں بجیا نے فرزین سے پوچھا۔ "تصویریں کیوں نہیں دیکھیں تم نے؟"

فرزین نے ذرا کی ذرا بجیا کی طرف دیکھا پھر نظریں چراتے ہوئے بولا۔ "بس یونہی۔"

"ایک بات کہوں؟"

وہ چپ رہا۔

"اپنا دل اس طرف سے ہٹا لو۔"

اس نے تڑپ کر گھائل نگاہوں سے بجیا کو دیکھا پھر بولا۔ "آپ کا اندازہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔"

"تو پھر تم نے تصویریں کیوں نہیں دیکھیں...... بولو!"

اس نے اپنی چپ برقرار رکھی۔

"بولو نا۔"

اس نے ایک گہرا سانس کھینچا پھر بولا۔ "کوئی وجہ بھی ہو، کیا فرق پڑتا ہے۔"

فرزین کے معنی خیز الفاظ، دل شکستہ لہجے اور آنکھوں میں ڈولتی مایوسی اور دل گرفتگی سے بجیا کے لئے جویا سے اس کی جذباتی وابستگی کی گہرائی کا اندازہ کرنا مشکل نہ تھا۔

انہیں فرزین سے ہمدردی محسوس ہوئی اور جویا پر غصہ آنے لگا۔

بعض لوگ اپنی غلطیوں سے اپنی ہی نہیں، دوسروں کی راہ بھی کھوٹی کر دیتے ہیں۔

جویا اگر سسرال میں ڈھنگ سے رہی ہوتی تو کیا ضرورت تھی فرزین کی خواہش رد کرنے کی،

کوئی دوسری لڑکی دیکھنے گی۔

شاید زویا کے ساتھ بھی زیادتی ہوئی تھی!

☆=====☆=====☆

ہفتے وار تعطیل کا دن تھا۔

اسکول سے جویا کی رخصت ختم ہوئے بیس بائیس دن ہو چکے تھے اور وہ باقاعدگی سے اسکول جا رہی تھی۔

ناشتے کے بعد بابا نے یقین اور جویا کو اپنے کمرے میں بلوایا۔

یقین سمجھ گیا کہ کوئی خاص بات تھی۔

"کوئی ضروری کام تو نہیں کر رہے تھے؟" بابا نے یقین کے آنے پر پوچھا۔

"جی نہیں۔"

"بہو تم؟ تمہیں کوئی کام تو نہیں؟"

"جی نہیں۔"

"بیٹھو۔"

وہ دونوں متذبذب سی کیفیت میں بیٹھ گئے۔

امی بھی کمرے میں موجود تھیں۔

بابا نے ایک گہری سانس لی پھر بولے۔ "کئی روز سے تم لوگوں سے بات کرنے کا ارادہ کر رہا تھا مگر موقع ہی نہیں ملا۔"

"کیا کریں بے چارے مصروف جو بہت رہتے ہیں تمہارے سسر۔" امی نے دبی دبی مسکراہٹ سے بابا کو دیکھتے ہوئے جویا سے کہا۔

"اڑا لیں...... اڑا لیں مذاق......" بابا نے امی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ مجال ہے میری کہ میں آپ کا مذاق اڑاؤں۔"

"بیگم صاحبہ! آپ نے میرے الفاظ پکڑ لیے...... یقین میاں اور بہو سے بات کرنے کا موقع اس لیے نہیں ملا کہ یہ دونوں ہفتے میں چھ دن مصروف جو رہتے ہیں۔ بہو چلی جاتی ہیں پڑھانے' یقین میاں چلے جاتے ہیں دفتر' دونوں کو بیک وقت پکڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔" بابا نے پل بھر کو توقف کیا پھر جویا سے بولے۔ "اسکول کیسا جا رہا ہے بہو؟"

"جی" وہ چونکی۔ "ٹھیک ٹھاک۔"

"صبح کے وقت کوئی بس مل جاتی ہے آرام سے۔"

"جلدی نکلوں گھر سے تو مل جاتی ہے لیکن ذرا دیر ہو جائے تو بہت پریشانی اٹھانا پڑتی ہے۔"

"اسکول کالج کا وقت ہوتا ہے' بسیں بھری ہوئی ملتی ہوں گی۔"

"جی ہاں۔"

"ورکنگ ویمن کے بڑے مسائل میں سے ایک ٹرانسپورٹ کی مناسب سہولت کا میسر نہ ہونا

بھی ہے۔" بابا نے کہا۔

جویا دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ انہیں اس کے اسکول' سواری ملنے یا نہ ملنے اور ورکنگ ویمن کے مسائل کی فکر کیوں ہو رہی تھی۔

"ماسٹر صاحب! آپ نے بیٹے اور بہو کو بلایا کس لیے ہے؟"

"ہاں بھئی۔" بابا نے یقین کی طرف دیکھا اور کھنکار کر حلق صاف کرتے ہوئے بولے۔ "تم دونوں کو میں نے ایک ضروری بات کرنے کے لیے بلایا ہے۔"

یقین اور جویا نے الجھی الجھی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

ضروری بات کیا ہو سکتی تھی!

امی بھی یہ بات جاننے کے لیے مضطرب تھیں۔

انہیں یاد تھا کہ بابا نے فرزین کے لیے پسند آنے والی لڑکی کی تصویریں یقین اور جویا کو دکھانے سے منع کرتے ہوئے کہا تھا کہ انہیں دونوں سے کچھ ضروری بات کرنا تھی اور جب تک وہ اپنی بات نہیں کر لیتے ان سے اس لڑکی کا نہ ذکر کیا جائے' نہ اس کی تصویریں دکھائی جائیں۔

"یقین میاں! چڑیوں کو دیکھا ہے آپ نے؟"

یقین نے بابا کے اس سوال پر انتہائی حیرانی سے انہیں دیکھا۔

یہ بھلا کیا سوال تھا!

چڑیوں کو کس نے نہیں دیکھا۔

کیوں پوچھا تھا' بابا نے ایسا مضحکہ خیز سوال!

امی اور جویا نے بابا کے سوال پر کچھ اور طور انہیں دیکھا جیسے انہیں ان کی دماغی صحت پر شبہ ہو۔

بابا ان کے استعجاب اور استہزائیہ نگاہوں کو خاطر میں نہ لائے اور اپنے سوال کے تسلسل میں بولے۔ "اپنا گھونسلا بناتی ہیں۔ انڈے دیتی ہیں' انہیں سیتی ہیں اور جب انڈوں میں سے بچے نکل آتے ہیں تو انہیں اپنی چونچ سے دانا دنکا کھلاتی ہیں۔ اور جب وہ اڑنے کے لائق ہو جائیں تو انہیں آزاد فضاؤں میں اڑنے کو چھوڑ دیتی ہیں...... شاید...... شاید اس نصیحت کے ساتھ کہ اڑنے کے لائق ہو گئے ہو' تنکے جوڑو اور اپنا آشیانہ بناؤ۔" بابا نے لمحہ بھر کو توقف کیا پھر بولے۔ "میرا خیال ہے بیٹے اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ہم بھی تم سے یہی کہیں۔"

یقین نے بے ساختہ چونک کر بابا کی طرف دیکھا۔

"یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے میاں......" بابا نے دھیمے سُروں میں کہا۔ "کبھی میں اور تمہاری امی بھی تمہارے دادا دادی کے گھر میں ان کے ساتھ رہا کرتے تھے لیکن...... پھر الگ ہو گئے...... اپنا گھر' علیحدہ گھر بنانے کے لیے...... اور تمہارے دادا دادی اپنا وقت پورا کر کے ملک عدم روانہ ہو گئے۔"

"ماسٹر صاحب...... آپ کا تبادلہ نہ ہوا ہوتا تو میں ہرگز وہ گھر نہ چھوڑتی...... بزرگوں کے ساتھ رہنے کے سو فائدے ہوتے ہیں۔" امی نے کہا۔

"مجبوری تھی یا معذوری' ہم ماں باپ سے علیحدہ تو ہوئے نا۔"

"بڑے طریقے سے...... بغیر کسی رنجش اور بغیر کسی لڑائی جھگڑے کے۔" امی نے جتایا۔

"ہاں' بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں تمہاری امی۔" بپا نے یقین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بلکہ میں تو خدا بخشے' ان کے اماں باوا کے گھر سے دور ہونے کے بعد مہینوں روتی رہی...... تین بچے تھے اس وقت' تینوں چھوٹے مجھ اکیلی سے سنبھلتے ہی نہ تھے...... مہینوں بعد جا کر میں اکیلی رہنے کی عادی ہوئی۔"

"بہر حال عادی تو ہوئیں نا۔"

"ہونا پڑا۔"

بپا نے یقین اور جویا کو دیکھا پھر بولے۔ "تم لوگ بھی عادی ہو جاؤ گے۔"

یقین اور جویا کی متذبذب نگاہیں باہم ملیں پھر ایک دوسرے سے کنی کترا گئیں۔

"اپنا گھر بنانا ہر انسان کا جائز حق ہے...... تم دونوں کو بھی پورا اختیار ہے کہ اپنا گھر بناؤ...... ماں باپ کے گھر سے علیحدہ اپنا گھر...... حاشا وکلا تمہارے اس حق کو ہم نے نہ پہلے کبھی سلب کرنے کی کوشش کی' نہ آئندہ حارج ہوں گے...... پوری اجازت ہے تمہیں اپنا گھر بنانے کی...... کیوں بیگم صاحبہ آپ کا خیال ہے؟"

"میں تو کب سے اس فکر میں ہوں کہ انہیں علیحدہ کر دیا جائے...... دلہن چلی نہ گئی ہوتیں تو شاید ہم اب تک تو انہیں علیحدہ بھی کر چکے ہوتے۔"

"بالکل۔" بپا نے تائید کی۔

"ہمیں نہ پہلے کوئی اعتراض تھا نہ اب ہے۔"

"ہمیں اگر اعتراض تھا تو تمہاری جلد بازی اور بے صبرے پن پر۔" بپا نے دزدیدہ نظروں سے جویا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

امی' یقین اور جویا تینوں ہی سمجھ گئے کہ بپا کا مخاطب کون تھا۔

بلاشبہ جویا!

"چڑیوں کے بچے طاقت پرواز آنے سے پہلے ہی اڑنے کی کوشش کریں تو نقصان میں رہتے ہیں...... تمہیں کسی نقصان سے محفوظ رکھنے کے لیے ہم......" بپا نے اپنے سر کو تھپکی رخ جھکا کر کمرے کی چھت کو دیکھا اور بولے۔ "تمہیں اس سائبان تلے رکھنا چاہتے تھے...... بہر حال اب تمہیں پوری اجازت ہے بلکہ ترغیب دے رہا ہوں تمہیں کہ اپنا گھر علیحدہ بناؤ۔"

یقین اور جویا نے پھر ایک دوسرے کو دیکھا۔

یقین سوچ میں پڑ گیا۔

"بیٹے! یہ کوئی نئی بات نہیں...... دستور زمانہ ہے۔ اگلی نسل بھی پچھلی نسل سے یونہی جدا ہو کر اپنے لیے راستے متعین کرتی تھی...... تم بھی اپنے بچوں کے لیے راستہ بناؤ۔"

"بس کبھی کبھی ہم بڈھوں کی طرف پلٹ کر دیکھ لیا کرنا۔" امی بوجھل آواز میں بولیں۔

جویا علیحدہ گھر بنانے کی آرزومند تھی۔

اماں نے اسے سمجھایا تھا بلکہ اس کے دماغ میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ سسرال سے الگ ہو کر وہ پُراطمینان اور پُرمسرت زندگی بسر کر سکے گی۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ بپا کی باتیں سن کر خوش ہوتی۔

سسرال سے علیحدہ ہونے اور اپنا گھر بنانے کی اجازت ملنے پر مسرت سے جھوم اٹھتی۔

لیکن ایسا نہ ہوا بلکہ وہ کچھ شرمندہ سی دکھائی دینے لگی۔

"ٹھیک ہے یقین میاں!" بپا نے یقین کا ردعمل دیکھنا چاہا۔

"اگر......" یقین جز بز ہو کر بولا۔ "آپ کی مرضی یہی ہے کہ ہم یہاں سے چلے جائیں تو ٹھیک ہے۔"

"اونہوں۔" بپا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "تم غلط سمجھ رہے ہو۔"

"سیدھی بات سمجھئے ماسٹر صاحب کہ...... دلہن کی مرضی یہی ہے۔"

جویا نے بے ساختہ چونک کر امی کی طرف دیکھا پھر اس کی آنکھوں میں پہلے لمحوں کی ندامت امنڈ آئی لیکن ذرا ہی دیر بعد یہ ندامت ناگواری کا روپ دھار گئی۔

"ٹھیک ہے۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "اگر میری مرضی ہے بھی تو غلط تو نہیں...... اس گھر میں مجھے کبھی اہمیت ہی نہیں دی گئی۔"

"غلط...... بالکل غلط۔" امی بولیں۔

بپا نے امی کو چپ رہنے کا اشارہ دیا پھر جویا سے کہا۔ "بہو! بولی ہو تو اچھی طرح بولو...... کھل کر بولو۔" جویا کی آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے۔

"مجھے گھر کا فرد سمجھا ہی نہیں گیا۔" وہ بھیگی ہوئی آواز اور شاکی لہجے میں بولی۔

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو۔"

"ایک دفعہ نہیں' دس دفعہ نوٹ کیا میں نے۔" وہ تھی پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "مجھ سے ہر بات چھپائی جاتی ہے...... کبھی گھر کے کسی اہم سے اہم معاملے میں بھی مجھ سے صلاح مشورہ نہیں کیا گیا...... نزہت کی شادی کی بات چلی تو مجھ سے چھپائی گئی اور اس وقت بتایا گیا' جب سب کچھ طے ہو چکا تھا اور اب فرزین کے لیے لڑکی دیکھی تو......"

بپا اور امی نے بے ساختہ ہڑبڑا کر ایک دوسرے کو دیکھا پھر جویا کو دیکھنے لگے۔

"پھر مجھ سے یہ رازداری برتی گئی' جیسے میں خدانخواستہ کچھ گڑبڑ کر دوں گی۔" جویا نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"تم سے...... تم سے کس نے کہا کہ لڑکی دیکھی گئی ہے فرزین کے لیے؟" بپا نے دبے دبے تجسس سے پوچھا۔

"مجھ سے کوئی کہہ دیتا تو میں شکوہ نہ کرتی...... مجھ سے تو یہ بات چھپائی گئی...... بجیا کو فون کرتے سنا تھا میں نے نگہت کو۔ وہ نگہت سے کہہ رہی تھیں' تصویریں آ کر دیکھ لو چکے سے...... کیونکہ

"......پپا نے منع کیا ہے کہ یقین اور بہو کو نہ بتانا۔"

امی نے پپا کو دیکھا۔

پپا کی نگاہیں یقین کی نگاہوں سے ملیں۔

یقین کی نظروں میں جواب طلبی کی سی کیفیت تھی۔

پپا کا چہرہ شرمندگی کے مارے تمتما اٹھا۔

ان کا جی چاہا مکر جائیں۔

جویا سے کہہ دیں کہ اسے غلط فہمی ہوئی تھی۔ فرزین کے لیے تو کوئی لڑکی دیکھی ہی نہیں گئی۔ بچیا نگہت سے کسی اور کے بارے میں بات کر رہی ہوں گی۔

لیکن جویا بچی تو نہ تھی جسے بہلانا یا جھٹلانا آسان ہوتا۔

سچ کو سچ اور حقیقت کو تسلیم کرنے کے لیے اخلاقی جرأت درکار ہوتی ہے اور پپا یہ جرأت رکھتے تھے سو انہوں نے لحظہ بھر کو چھٹنے والی کمزوری پر غلبہ پاتے ہوئے کہا۔ "ہاں...... میں نے منع کیا تھا۔"

امی اور یقین چونک کر انہیں دیکھنے لگے۔

جویا کی نگاہوں میں استعجاب اور بے یقینی جھلک رہی تھی۔

"مگر میں نے خدانخواستہ کسی بدنیتی کے تحت منع نہیں کیا تھا...... مجھے تم دونوں سے یہ بات کرنا تھی جو میں نے کچھ دیر پہلے کی ہے...... مجھے خدشہ تھا کہ اگر لڑکی کی تصویریں دکھانے کے بعد تم سے یہ بات کی تو تم لوگ کہیں یہ نہ سمجھو کہ فرزین کی شادی کے لیے گھر خالی کروانے کی خاطر تم سے علیحدہ گھر بنانے کو کہا جا رہا ہے۔" پپا نے کہا۔

"گستاخی معاف پپا...... اب تو وجہ بھی سمجھ میں آتی ہے۔" یقین چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"نہیں......" پپا نے اس کی بات تحمل سے رد کرتے ہوئے کہا۔ "فرزین کے پاس اپنا ذاتی اپارٹمنٹ ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے شادی کے بعد فرزین علیحدہ رہنا ہی پسند کریں گے اور اگر وہ خود علیحدہ نہ ہوئے تو کم از کم میں تو یہی چاہوں گا کہ وہ اپنا خالی اپارٹمنٹ آباد کریں ...... حقیقت یہ ہے کہ تمہارے سلسلے میں یہی خیال دامن گیر تھا کہ تمہارے پاس اپنا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ اس گھر سے علیحدگی کے بعد کہاں جاؤ گے ورنہ جو بات تم سے آج کی ہے میں نے وہ بہت پہلے کر چکا ہوتا۔"

"ٹھکانا تو اب بھی نہیں ہے میرے پاس۔" یقین نے چبھتی ہوئی نگاہوں سے پپا کو دیکھا۔

اس نے یہ بات پپا کی ہمدردی بٹورنے کے لیے نہیں کہی تھی۔

وہ ان کے بیان کردہ جواز کو بے وزن ثابت کرنا چاہتا تھا۔

یقین کی بات پر پپا ذرا خفیف نہ ہوئے۔

"کوئی بات نہیں۔" انہوں نے بڑے تحمل سے کہا۔ "سارے لوگ اپنے ذاتی مکانوں ہی میں نہیں رہتے۔ ان گنت لوگ کرائے کے مکانوں میں بھی رہ رہے ہیں اگر تم کرائے کے مکان میں رہ گئے تو دنیا الٹ نہیں جائے گی...... آج کرائے کے مکانوں میں رہو گے تو کل اپنا بھی بنا لو گے۔"

یقین کو پپا بہت بے رحم محسوس ہوئے۔

مگر پپا نے بہت سوچ سمجھ کر اسے اور جویا کو علیحدہ کر دینے کا فیصلہ کیا تھا اور اس فیصلے میں کسی ترمیم یا تبدیلی کا ارادہ نہ رکھتے تھے۔

جویا تو کب سے اس بات کی آرزومند تھی۔

یقین کو اب بہر صورت اپنا گھر علیحدہ بنانا تھا۔

☆=====☆=====☆

پپا نے یقین سے علیحدہ گھر بنانے کو کیا کہا' جویا کے حسابوں تو بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا! گو فرزین سے کھٹ پٹ کے بعد خود یقین کے جی میں بھی یہی آئی تھی کہ اپنا علیحدہ گھر بنائے مگر وہ محض ایک عارضی اور جذباتی کیفیت تھی۔ امر حقیقت یہ تھا کہ وہ گھر والوں سے واقعتاً علیحدگی کے حق میں ہرگز نہ تھا۔

ماں باپ اور بہن بھائیوں سے فطری اُنسیت سے قطع نظر جو سہولتیں اسے اس گھر میں حاصل تھیں' علیحدگی کے بعد اُن کا میسر آنا ناممکن نہ سہی' طویل عرصے تک محال ضرور تھا اور پھر کرائے کا مکان بجائے خود ایک علت کہ پہلی تاریخ پلک جھپکتے سر پر!

مگر پپا کے یہ کہہ دینے کے بعد کہ اپنا گھر علیحدہ بناؤ تو وہ بھلا کس منہ سے گھر والوں کے ساتھ رہنے پر اصرار کرتا!

جویا کو تو پہلی بار یقین کو کچھ کہنے کا موقع بہت ہاتھ آیا۔

"دیکھ لیں' دودھ کے بال کی طرح نکال پھینکنے کی کوشش کی جا رہی ہے ہمیں۔"

"یہ سب تمہارا ہی کیا دھرا ہے۔" یقین نے اپنی جھینپ غصے کی آڑ میں مٹانے کی کوشش کی۔

"میرا کیا دھرا!" وہ معصوم بن گئی۔

"اور کیا...... تمہی تو چاہتی تھیں کہ علیحدہ ہو جائیں۔"

"مگر میرے چاہنے پر یہ فیصلہ ہوا ہوتا تو بہت پہلے ہو گیا ہوتا...... اب تو فرزین کی ہونے والی بیگم صاحبہ کے لیے گھر خالی کروایا جا رہا ہے۔"

"فرزین کے پاس اپنا ذاتی اپارٹمنٹ ہے' ویسے بھی وہ شادی کے بعد الگ ہی رہے گا۔"

"آپ کی اور میری شرط ہو جائے' وہ اسی گھر میں رہے گا اپنی بیگم صاحبہ کے ساتھ۔"

"تم دوسروں کی فکر چھوڑو اپنی سوچو...... ہم کہاں جائیں گے۔"

"ظاہر ہے' کرائے کے مکان میں۔"

"کہنا آسان ہے۔" وہ بھبک کر بولا۔ "ہر مہینے پہلی تاریخ پلک جھپکتے سر پر آ کھڑی ہوتی ہے۔"

"اللہ مالک ہے...... مل جل کر گھر چلائیں گے تو کرایہ بھی نکل ہی جایا کرے گا۔"

"کرایہ تو نکل جایا کرے گا مگر......"

"مگر؟"

"مالک مکان کو سال' چھ مہینے کا کرایہ ایڈوانس بھی دینا پڑتا ہے۔"

"اپنے گھر والوں سے لے لیجیے گا۔" وہ کچھ اسے آزار پہنچانے اور کچھ آزمانے کو بولی۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" وہ غصے سے بولا۔ "سڑک پر جا پڑوں گا مگر ان کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاؤں گا۔"

جویا کا دل باغ باغ ہو گیا۔

"جیو! جگ جگ جیو یقین صاحب!" اس کے دل نے کہا۔

"سڑک پر جا پڑیں ہمارے دشمن۔" وہ بڑے دلار سے بولی۔ "ایڈوانس کی آپ فکر نہ کریں میرے اکاؤنٹ میں پیسے پڑے ہیں۔"

یقین اس کی زبان سے یہی سننا بھی چاہتا تھا۔

"فرزین کی بیگم صاحبہ کے لیے جگہ بنانے کی خاطر ہم سے گھر چھینا جا رہا ہے۔" جویا نے یقین کو گھر والوں کے خلاف مزید بھڑکانے کی کوشش کی۔

"چھیننے دو یار۔" یقین بولا۔ "ہم بھی دکھا دیں گے انہیں کہ ان کے گھر سے علیحدہ ہو کر بھی ہم زندہ رہ سکتے ہیں۔"

"یہ ہوئی نا مردوں والی بات!" جویا دل ہی دل میں خوش ہوئی۔

"مگر بچوں کی وجہ سے رہنا پڑے گا کہیں آس پاس ہی۔" یقین نے کہا۔

"کیا مطلب؟" جویا نے تجاہلِ عارفانہ کا مظاہرہ کیا۔

"مطلب یہ کہ یہاں آس پاس ہی کوئی پورشن یا فلیٹ کرائے پر لے لیتے ہیں تاکہ بچوں کی دیکھ بھال میں کوئی دقت نہ ہو۔"

"ابھی تو گھر سے نکالا مل رہا ہے۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ بچوں کی دیکھ بھال کا طعنہ بھی ملے ہمیں؟" جویا نے کہا۔

یقین خفیف ہو گیا۔

"نہ بابا نہ..... مجھے ہرگز یہ گوارا نہ ہوگا کہ میرے بچے پالنے کا طعنہ دیا جائے مجھے۔"

"بھئی میں چلا جایا کروں گا دفتر اور تم چلی جاؤ گی اسکول تو بچے آخر کس کے پاس رہیں گے؟ کون دیکھ بھال کرے گا ان کی؟"

جویا اس کے اس سوال کا جواب فوری دے سکتی تھی مگر اس نے مصلحتاً گریز کیا اور بعد میں موقع تاک کر بولی۔ "اماں کے گھر کے نزدیک کوئی مکان دیکھ لیتے ہیں۔ وہاں کرایہ بھی اتنا نہ ہوگا اور بچوں کی دیکھ بھال کا مسئلہ بھی نہ ہوگا۔ میں اسکول جاتے ہوئے بچوں کو اماں کے ہاں چھوڑ جایا کروں گی۔"

"دیکھ لو۔" وہ نیم دلی سے بولا۔

"دیکھنا کیا ہے اماں سے بہتر دیکھ بھال کون کر سکتا ہے بچوں کی۔"

پیشگی کرایہ تو جویا ہی کو دینا تھا سو یقین کو بادلِ ناخواستہ ہی سہی راضی ہونا پڑا۔

اماں نے سنا تو بہت خوش ہوئیں بلکہ مکان کی تلاش میں جویا کو اپنی ہر ممکن اعانت کا یقین دلایا۔

ابا نے انہیں سمجھایا۔ "نیک بخت! بیٹی کا گھر اپنے گھر سے دور ہی رکھو تو اچھا ہے۔"

"آپ رائے نہ دیں۔" اماں نے ابا کو تیز سی نظر سے دیکھا اور بولیں۔ "اللہ اللہ کر کے تو میری بچی کو اس جہنم سے چھٹکارا مل رہا ہے اور آپ ٹانگ اڑا رہے ہیں۔"

"ٹانگ نہیں اڑا رہا...... سمجھا رہا ہوں...... سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"مجھے کچھ سمجھانے کی ضرورت نہیں...... میں سب سمجھتی ہوں۔"

"کاش ایسا ہوتا!"

"اچھا بس چپ رہیں آپ۔"

ابا واقعی چپ ہو رہے۔

خاصی تگ و دو کے بعد بالآخر ایک فلیٹ مل گیا۔ جو جویا کے میکے سے بہت نزدیک نہ سہی مگر کرائے کے اعتبار سے بہت مناسب تھا۔ مالک مکان نے سال بھر کا پیشگی کرایہ مانگا مگر یقین نے اپنی کم مائیگی اور روز افزوں مہنگائی کا افسانۂ الم سنا کر مالک مکان کو چھ ماہ کے ایڈوانس کرائے پر آمادہ کر لیا۔

ضروری لکھت پڑھت اور چھ ماہ پیشگی کرائے کی ادائیگی کے بعد مذکورہ فلیٹ کرائے پر لے کر یقین مع اہل و عیال اس میں منتقل ہو گیا۔

اس کے جانے کے بعد پہلا دن سب گھر والوں کو پہاڑ سا لگا۔

خدایا کیسا سناٹا تھا!

اور کتنی گمبھیر اداسی!!

اللہ نہ کرے جیسے گھر میں موت ہو گئی ہو۔

سب اپنے اپنے کمروں میں منہ لٹکائے اداس پڑے رہے۔

ایک دوسرے کے سامنے آئے بھی تو نظریں ملانے کی ہمت نہ ہوئی۔

نظریں ملاتے تو ایک دوسرے کی چوری نہ پکڑی جاتی۔

امی چھپکے چھپکے روتی رہی تھیں۔

ابا چپ تھے۔

بجیا کی آنکھیں بھی سرخ ہو رہی تھیں۔ تمام وقت ان کا جی یہی چاہتا رہا کہ آنکھیں موند کر ایسی سوئیں کہ پھر کبھی ایسی دنیا کو نہ دیکھیں جہاں یقین کسی علیحدہ گھر میں رہتا ہو...... ان کا دل بے تحاشا دکھ رہا تھا۔

اللہ توبہ! زندگی کیسی وحشت زدہ سی لگ رہی تھی!

جیسے یقین سے پہلے بھی کوئی بیٹا اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہی نہ ہوا ہو۔

فرزین اور روزین بھی خاموش تھے۔

امی کو تقویت دینے کو دونوں کافی دیر تک ان کے پاس بیٹھے رہے مگر امی کے بے قرار دل کو قرار نہ آیا۔

بیانے امی کا دھیان بٹانے کو کہا۔ "بیگم صاحبہ! کیا بات ہے؟ آج چپ چپ کیوں ہیں؟"

امی ان سے نظریں ملانے کی ہمت نہ کر پائیں۔

"یقین کو مس کر رہی ہیں؟" بیانے کسی ماہر جراح کی طرح نشتر سے چیرا دے کر پھوڑے کی دکھن میں افاقہ کرنا چاہا۔

امی بے ساختہ رو دیں۔

"ارے! ارے! روتی کیوں ہیں بھئی...... ماشاء اللہ آپ کے دو بیٹے ابھی آپ کے پاس ہیں۔" بیانے انہیں تسلی دینے کی کوشش کی۔

"ماسٹر صاحب!" امی نے بھیگی ہوئی آواز میں کہا۔ "ماں کے دل میں اپنی ہر اولاد کے لیے علیحدہ خانہ ہوتا ہے۔"

"میں آپ کی کیفیت سمجھتا ہوں بیگم صاحبہ۔" بیانے دلسوزی اور ملائمت سے کہا۔ "دو چار دن میں آپ اس گھر سے یقین کی دوری کی عادی ہو جائیں گی۔"

"کبھی نہیں...... کبھی نہیں ہو سکوں گی ماسٹر صاحب۔" امی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا پھر قدرے توقف سے بولیں۔ "مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے دلہن میرا دل نوچ کر لے گئی ہیں۔"

"بہو کا کیا قصور بیگم صاحبہ، بیٹے کو تو ہم نے خود علیحدہ کیا ہے۔"

"بہو کے ہاتھوں مجبور ہو کر۔" امی نے تلخی سے کہا۔

"اب آپ جو بھی کہیں، جو بھی سمجھیں ایسا ہونا بہر حال ضروری تھا۔"

"وہ تو بہت خوش ہوں گی۔" امی نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

☆=====☆=====☆

جویا واقعی بہت خوش تھی۔

گو سسرال سے علیحدہ ہو کر خانہ دارانہ ذمے داریاں بڑھ گئی تھیں۔

وہاں تو کوئی خاص ذمے داری ہی نہ تھی۔

جی چاہا تو گھر داری میں حصہ لے لیا زبردستی نہ تھی۔

وہاں کام کرنے والے کئی تھے۔

امی تھیں جو گھر کے تمام معاملات پر نظر بھی رکھتی تھیں اور گھر داری میں حسب مقدور شریک بھی رہتی تھیں۔

بجیا تھیں جو اپنی ملازمتی ذمے داریوں کے باوجود گھر داری میں دلچسپی لیتی تھیں اور ہر ممکن حد تک ہاتھ بھی بٹاتی تھیں۔

ماسی آتی تھی۔

موجو کل وقتی ملازم تھا اور ڈھیروں کام سمیٹتا تھا۔

جب کہ نئے گھر میں تو وہ کام کرنے والی تنہا ذات تھی۔

نہ کوئی نوکر نہ چاکر۔

نہ کوئی معاون نہ مددگار۔

ساری گھر داری تنہا اسی کو نپٹانا پڑتی۔

یقین تو صبح کا گیا شام کو بلکہ شام ڈھلنے کے بعد ہی واپس لوٹتا۔

اپنے گھر پر حاضری لگاتا ہوا جو لوٹتا تھا۔

جویا نے چار چھ دن تو دیکھا پھر ایک روز ٹوک ہی دیا۔ "روزانہ وہاں حاضری دیتے ہوئے آنا ضروری ہے کیا؟"

"کیوں، تمہیں کوئی اعتراض ہے؟" وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

"نہیں...... مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"آئندہ ٹوکنے کی ضرورت بھی نہیں۔" اس نے کہا۔

علیحدگی کے بعد جویا کی گھریلو ذمے داریاں بڑھنے کے علاوہ کچھ مسائل بھی پیدا ہو گئے تھے۔

سسرال میں تو بچوں کی دیکھ بھال کوئی مسئلہ نہ تھی۔ وہ اسکول چلی جاتی اور یقین دفتر تو بچے دادا دادی کے پاس رہتے اور بڑی اچھی طرح رہتے۔ وہ دوپہر کو اسکول سے واپس لوٹتی تو بچے صاف ستھرے اور ہنستے کھیلتے ملتے۔

سسرال سے علیحدہ ہونے سے قبل اس کے اور یقین کے مابین اگرچہ یہ بات طے پا گئی تھی کہ صبح کو اس کے اسکول جانے کے بعد سے اس کی واپسی تک بچے اماں کے پاس رہا کریں گے لیکن علیحدگی کے بعد یقین بچوں کو اماں کے گھر پہنچانے کے سلسلے میں اسے پہلے ہی روز ہری جھنڈی دکھا گیا۔ ناچار جویا کو یہ ذمے داری بھی خود ہی اٹھانا پڑی۔ صبح اسکول جاتے ہوئے وہ دونوں بچوں کو ان کے ضروری اسباب کے ساتھ اماں کے ہاں پہنچا دیتی اور اسکول سے واپسی پر انہیں ساتھ لے جانے کے لیے وہیں پہنچتی۔ روزانہ رکشہ ٹیکسی میں سفر کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ دو بچوں کے ہمراہ بس میں آنا جانا خاصا مشکل تھا مگر اخراجات کو استطاعت میں رکھنے کی خاطر اسے بس میں سفر کی دقت برداشت کرنا پڑتی۔

مگر ان دشواریوں اور مسائل کے باوجود وہ خوش تھی!

اس سے زیادہ اماں خوش تھیں کہ بالآخر جویا کو ساس نندوں کے بکھیڑے سے نجات مل گئی تھی!

مگر یقین اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر ذرا خوش نہ تھا۔

شروع شروع میں تو اس نے گھر اور گھر والوں کو بہت مس کیا۔

اٹھتے بیٹھتے اس کا دھیان ادھر ہی بھٹک جاتا۔

امی بہانے بہانے یاد آتیں۔

بیا اور بہن بھائیوں کا دن میں دس دفعہ خیال آتا۔

گو علیحدہ ہونے کے بیا ہی نے کہا تھا مگر اس کا دل بیا سے بدگمان نہ ہوا تھا۔ علیحدگی کی ذمے دار وہ جویا ہی کو سمجھتا تھا۔

امی نے تو ضد باندھی تھی علیحدہ ہونے کی۔

شرفا کا قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی مسئلے کو بار بار خرابی کی بنیاد نہیں بننے دیتے بلکہ اس کا مستقل اور مناسب حل ڈھونڈتے ہیں۔

چنانچہ بیا نے بھی اگر روز روز کی جھک جھک ختم کرنے کے لیے جویا کی خواہش کے مطابق انہیں علیحدہ کر دیا تھا تو اس میں بے چارے بیا کا بھلا کیا قصور تھا۔

انہوں نے تو وہی کیا جو ایک شریف آدمی کو کرنا چاہیے تھا۔

گھر والوں سے علیحدہ ہو کر یقین خود کو ان کے زیادہ نزدیک محسوس کرنے لگا تھا۔

دفتر سے واپسی پر اس کا دل اپنے گھر جانے کو مچلنے لگتا۔

اس گھر جہاں امی' بیا اور اس کے بہن بھائی رہتے تھے۔

کس حکیم نے کہا ہے کہ شادی کرو۔

بیوی اپنے شوہر اور اس کے گھر والوں کے درمیان فصیل بن کر کھڑی ہو جاتی ہے۔

لاحول ولاقوۃ!

ادھر گھر والے بھی یقین کو اور دونوں بچوں کو مس کر رہے تھے۔

البتہ جویا کا کوئی خاص ذکر نہ تھا۔ گھر پر سناٹا سا چھا گیا تھا۔

یقین کے کمرے سے ایک ایک چیز سمیٹ کر لے گئی تھی۔

اٹھتے بیٹھتے امی کے دل میں ہوکیں سی اٹھتیں۔

یقین کے خالی کمرے کو دیکھ کر کلیجہ منہ کو آنے لگتا۔

بہانے بہانے یقین کا ذکر کرتیں۔

اس وقت دفتر جانے کو تیار ہو رہا ہوگا۔

اب دفتر میں ہوگا۔

اب دفتر سے گھر لوٹ رہا ہوگا۔

یقین کی پسند اور ناپسند کا اتنا خیال رکھا جانے لگا' جتنا پہلے کبھی نہ رکھا گیا تھا۔

پڈنگ یقین کو بہت پسند ہے۔

کھیر یقین کو ذرا اچھی نہیں لگتی۔

نرگسی کوفتے یقین کو بہت پسند ہیں۔

ارہر کی دال سے تو یقین کو چڑ ہے۔

کھانے پینے کی ہر اچھی چیز میں سے سب سے پہلے یقین کا حصہ نکال کر الگ رکھ دیا جاتا۔

جن درونِ خانہ معاملات میں اسے شادی کے بعد عموماً بارہ پتھر پرے بٹھا دیا جاتا تھا' ان معاملات میں اس سے صلاح مشورہ کیا جانے لگا۔

فرزین کے لیے پسند کی جانے والی لڑکی کے گھر کا پھیرا بھی لگوا دیا گیا اسے اور بعد ازاں اس سے ان لوگوں کے بارے میں رائے بھی لی گئی۔

''کیسے لگے تمہیں وہ لوگ؟'' امی نے پوچھا۔

''اچھے ہیں۔''

یقین کو فرزین پر رشک آ رہا تھا کہ خود اس کے مقابلے میں فرزین کو بڑی معقول سسرال مل رہی تھی۔ بہت تمیزدار اور سلجھے ہوئے لوگ تھے۔

''لڑکی والے یقین کو بھی اچھے لگے ہیں۔'' بعد میں امی نے بیا سے یوں کہا' جیسے یقین سے زیادہ اہم اور باوزن رائے کسی دوسرے کی ہو ہی نہ سکتی تھی۔

عجیب بات تھی' یقین کے علیحدہ ہوتے ہی اس سے گھر والوں کی محبت کے ڈانڈے زیادہ مضبوط اور مستحکم ہو گئے تھے۔

وہ گھر آتا تو اس کی ایسے آؤ بھگت کی جاتی' جیسے مہمان گھر آیا ہو۔

امی اسے اپنے پاس بٹھا کے غیر معمولی محبت سے اس کا حال چال پوچھتیں۔

بیا پہلے سے زیادہ محبت سے پیش آنے لگی تھیں۔

فرزین اور روزین انتہائی برخورداری کا مظاہرہ کرتے۔

موجو کا منہ ''اچھا جی'' اور ''ہاں جی'' کہتے سوکھتا۔

تاہم بیا کے رویے میں پہلے کی طرح اب بھی اعتدال تھا۔

☆=====☆=====☆

مہینہ ڈیڑھ مہینہ یقین اور جویا اپنی اپنی کیفیتوں کے اسیر رہے۔

یقین دفتر سے اٹھتا تو اس کا دل آپ ہی آپ امی کے گھر کی طرف کھنچنے لگتا اور وہ کشاں کشاں وہیں جا پہنچتا اور کچھ وقت وہاں گزارنے کے بعد اپنے گھر واپس لوٹتا۔

جویا صبح اسکول جاتے ہوئے بچوں کو اماں کے پاس چھوڑ دیتی۔ دوپہر کو اسکول سے چھٹی کے بعد اماں کے ہاں پہنچتی۔ کھانا وانا کھاتی پھر کچھ دیر آرام اور گپ شپ کے بعد اپنے گھر واپس لوٹتی جہاں چھوٹے موٹے ان گنت کام اس کے منتظر ہوتے اور عموماً رات تک اسے مصروف رکھتے مگر ان مصروفیات اور ذمے داریوں کے باوجود وہ بہت خوش تھی۔ سسرال سے نجات کی عجیب خوشی تھی اور خود مختاری کا عجب نشہ! نہ کوئی پوچھنے والا تھا نہ کہنے والا۔ گھر پر بلاشرکت غیرے اس کی حکمرانی تھی۔ گھر داری اس کے حسابوں چلتی۔ نہ کسی سے صلاح مشورے کا پابند رہنا پڑتا' نہ یہ فکر ہوتی کہ کوئی دیکھ رہا ہوگا' نہ کسی کی ٹوہ میں رہنے کا خطرہ ہوتا' نہ دل تمام وقت بدگمانیوں میں گھرا رہتا..... اپنی دنیا تھی' اپنی خوشیاں..... زندگی کے اس نئے روپ نے اسے بہت سرشار کر رکھا تھا!

اپنی نئی دنیا میں اتنی مگن اور مسرور تھی وہ کہ سسرال کا تکلفاً ہی رخ کرتی۔

پھر دھیرے دھیرے وہ دونوں اپنی اپنی کیفیتوں کے حصار سے نکلنے لگے۔

یقین جو دفتر سے چھٹی کے بعد بلاناغہ امی کے پاس جا پہنچتا تھا' اب گاہے گاہے ناغہ کرنے لگا۔

جویا جو نئی ذمے داریوں اور مصروفیت کے باوجود صبح تا رات خوش و خرم دکھائی دیا کرتی تھی' اکثر تھکان محسوس کرنے لگی۔

دونوں گھر والوں کے رویوں میں بھی دھیرے دھیرے فرق رونما ہونے لگا تھا۔

وقت کے ساتھ ساتھ یقین کے گھر والے اس کی علیحدگی کے عادی ہوتے چلے گئے۔ شروع شروع گھر میں اس کی جو آؤ بھگت رہتی تھی اس میں بتدریج کمی ہوتی چلی گئی۔ اب اس کے پہنچنے پر سب اس کا اور اس کے گھر کا حال چال پوچھنے کو اس کے آس پاس نہ آ بیٹھتے۔ شاید اس لیے کہ سب کو ازبر ہو چکا تھا کہ جویا فجر کی اذان کے ساتھ ہی بیدار ہو جاتی ہے اور اسکول جانے کے لیے تیار ہونے کے ساتھ ساتھ وہ دونوں بچوں کو بھی اپنی ماں کے ہاں چھوڑنے کی تیاری کرتی جاتی ہے۔ بچوں کے ہمراہ گھر سے نکلنے سے قبل وہ اس کا ناشتہ تیار کر کے میز پر رکھ دیتی ہے اور جانے سے پہلے اسے نیند سے جگا دیتی ہے تاکہ وہ گھر کا دروازہ اندر سے بند کر لے اور ناشتہ میز پر پڑا ٹھنڈا نہ ہوتا رہے۔

جویا کے جانے کے بعد وہ جلدی جلدی نہا دھو کر ناشتہ کرنے کے لیے میز پر آتا ہے۔ جاپانی تھرماس چائے کو ٹھنڈا نہیں ہونے دیتا۔ ناشتہ کر کے وہ دفتر جانے کو تیار ہوتا۔ پھر گھر کا دروازہ باہر سے مقفل کر کے دفتر روانہ ہو جاتا ہے۔

جویا دوپہر کو اسکول سے چھٹی کے بعد اپنی ماں کے ہاں پہنچتی ہے۔ دوپہر کا کھانا وہیں کھاتی ہے اور دونوں بچوں کو ساتھ لے کر تقریباً سہ پہر تک گھر واپس لوٹتی ہے۔

گھر کے دروازے کی دو چابیاں ہیں۔ ایک چابی اس کے اور دوسری جویا کے پاس رہتی ہے۔ وہ دفتر جاتے ہوئے دروازہ باہر سے لاک کر دیتا ہے۔ جویا اماں کے ہاں سے گھر واپس پہنچ کر اپنی چابی سے دروازہ کھول لیتی ہے۔

شام کو جب وہ گھر واپس پہنچتا ہے تو جویا گھر کے کام کاج میں مصروف ہوتی ہے۔ رات کا کھانا بہت باقاعدگی سے نہیں پکتا۔

اکثر تو جویا ٹفن کیریئر کے ایک ڈبے میں اپنی اماں کے ہاں سے سالن لے آتی ہے جو رات کو کھانے کے کام آ جاتا ہے۔ اگر کم پڑ جائے تو آملیٹ وغیرہ بنا کر کمی پوری کر لی جاتی ہے۔ کبھی کبھی سالن گھر میں بھی پک جاتا ہے۔ چونکہ دونوں ہی چاول کھانے کے شوقین ہیں اس لیے عموماً خشکہ ابال لیا جاتا ہے یا پھر کھچڑی ورنہ مٹر پلاؤ دم دے لیا جاتا ہے۔ روٹی کھانی ہو تو گھر کے قریب ہی واقع ایک ہوٹل سے وہ نان خرید لاتا ہے۔ تین نان دونوں کو بہت ہوتے ہیں بلکہ اکثر ایک آدھ بچ ہی رہتا ہے۔

رات کو بچوں کو سلانے کے بعد جویا کچن صاف کرتی ہے۔ گھر کی صفائی ستھرائی کرتی ہے۔ صبح کو جانے کے لیے اپنے، اس کے اور بچوں کے کپڑے استری کرتی ہے۔ بچوں کا ضروری اسباب تیار کرتی ہے۔

سوتے سوتے بارہ بج جاتے ہیں۔

اگلی صبح وہی معمول شروع ہو جاتا ہے۔

جویا کے گھر میں اماں ہی تھیں جو سسرال سے اس کی علیحدگی پر نہ صرف خوش تھیں بلکہ علیحدگی کے بعد دامے، درمے، سخنے ہر ممکن اعانت بھی کر رہی تھیں یا پھر زویا جو کچھ اپنی ناتجربے کاری، کچھ اماں کے سامنے اپنی بے اختیاری اور کچھ جویا سے اپنی خواہرانہ محبت کے سبب اماں کی اور اس کی خوشی میں شریک تھی۔

بچوں کو اماں کے ہاں چھوڑنے کے لیے شروع میں دو چار دن تو جویا نے رکشہ ٹیکسی میں سفر کیا لیکن پھر بس سے آنے جانے لگی۔ صبح کو جب وہ بچوں کو لیے اماں کے گھر کے بس اسٹاپ پر بس سے اترتی تو ابا کو اپنا منتظر پاتی۔ ابا مریم کو سنبھالتے اور وہ علی کو لیے بس سے اترتی۔ بچوں کو اماں کے ہاں پہنچا کر وہ اسکول چلی جاتی۔

صبح سے دوپہر تک اماں اور زویا بچوں کی سیوا میں لگی رہتیں۔ ابھی ایک کو دودھ دیا تو ابھی دوسرے کو۔ کبھی مریم کو نہلایا تو کبھی علی کو پوتڑا تبدیل کیا۔

دوپہر کو جویا اسکول سے اماں کے ہاں پہنچتی تو دونوں بچے صاف ستھرے اور ٹھیک ٹھاک ملتے۔ اسے بچوں کی دیکھ بھال کے سلسلے میں سسرال والوں کا نہ تو کوئی احسان یاد آتا نہ ہی وہ اس سلسلے میں ان کی کوئی ضرورت محسوس کرتی۔ یہ ضرور تھا کہ صبح دو چھوٹے چھوٹے بچوں کو لے کر گھر سے نکلنا اور بس میں سفر کرنا ایک وقت طلب مسئلہ تھا جس کا اسے واپسی پر بھی سامنا کرنا پڑتا مگر اس صعوبت سے قطع نظر بچوں کی نگہداشت اماں اور زویا بہت اچھی طرح کر رہی تھیں۔

دوپہر کو اسے اماں کے ہاں کھانا بھی اسی طرح تیار ملتا جیسے سسرال میں ملا کرتا تھا۔ فرق تھا تو یہ کہ وہاں میز لگا کرتی تھی اور میز پر بلاناغہ گوشت کی ایک ڈش کے علاوہ سبزی ترکاری یا دال کی کم از کم ایک ڈش ضرور ہوتی۔ چپاتی کے علاوہ چاول بھی ضرور ہوتے۔ سلاد، اچار، چٹنی کا اہتمام بھی لازم تھا اور ہر روز نہ سہی دوسرے تیسرے دن کچھ نہ کچھ میٹھا بھی ضرور ہوتا۔ جب کہ اماں کے ہاں بہت سادہ سا کھانا ہوتا جو زویا محض ایک ٹرے میں لے کر آتی اور جویا بھی برآمدے میں پڑے تخت پر اور کبھی اماں کے کمرے میں بچھی ایرانی چٹائی پر بیٹھ کر عموماً تنہا ہی کھاتی۔ اماں جلدی کھانا کھانے کی عادی تھیں۔ بارہ ساڑھے بارہ بجے وہ دوپہر کا کھانا کھا لیتیں اور زویا بھی عموماً انہی کے ساتھ کھا کر فارغ ہو جاتی۔

سہ پہر کو جب جویا اپنے جانے کی تیاری کرنے لگتی تو زویا چائے بنانے کے لیے باورچی خانے کا رخ کرتی۔

جویا کی علیحدگی کے بعد شروع شروع اماں نے یہ معمول رکھا کہ سالن کچھ زائد پکواتیں اور ہنڈیا کے چولہے سے اترتے ہی ایک ٹفن پاٹ میں سہ پہر کو جویا کے ساتھ کرنے کے لیے سالن نکال کر اپنے کمرے میں لے جا کر رکھ لیتیں مبادا بھابی دیکھ کر ہونسیں...... دوپہر کو جب جویا گھر جانے لگتی اور زویا اسے بس میں سوار کرنے کے لیے اس کے ساتھ بس اسٹاپ تک جاتی تو اماں سالن والا ٹفن پاٹ بھی جویا کے ساتھ کر دیتیں۔

جویا رسماً انکار کرتی۔ "رہنے دیں اماں، میں گھر جا کر پکا لوں گی۔"

"دن بھر کی تھکی ہاری ہو۔ اب کوئی ضرورت نہیں ہے چولہے میں گھسنے کی۔ روٹی منگوا لینا ہوٹل سے اور بس دونوں کھا لینا۔"

بھابی جائے واردات پر موجود ہوتی یا اتفاقیہ اس طرف نکل آتیں تو ان کے کان اور آنکھیں ماں بیٹیوں کی باتوں اور حرکتوں پر لگ جاتے۔

کیسی خود مختار ہو گئی تھی جویا سسرال سے الگ ہو کر!

اور کتنی چالاک اور دوغلی تھیں اماں!

ان کی چالاکی کا عالم یہ تھا کہ بیٹے نے الگ ہونے کی بات کی تو طلاق یافتہ بیٹی کو اس کی عدت ختم ہو چکنے کے بعد جو دوبارہ نکاح پڑھوائے بغیر سسرال بھیج دیا اور سسرال والوں سے کہہ دیا کہ دو ہیں پڑھوا لینا نکاح۔

اور دوغلی ایسی تھی کہ بیٹی کو تو اس کی بھری پری سسرال سے نکال لائیں اور خود انہیں یعنی بھابی کو چار دن بھی ان کے میکے میں نہ رہنے دیتی تھی۔

بھابی کے خیال میں اماں ان کے بچوں کو تو بس دکھاوے کا پیار کرتی تھیں۔ بیٹیوں کے بچوں پر البتہ واری ہوتی تھیں۔ دن دن بھر اپنی بیٹی جویا کے بچوں کو چاٹنے جاتی تھیں۔

''اونہہ! دوغلی بڑی بی!'' بھابی دل ہی دل میں بھناتیں۔

بھابی بظاہر اماں کے سامنے چپ اور مرعوب رہتی تھیں مگر دل کی بات یہ تھی کہ اگر ان کا بس چلتا تو ایٹم بم کا دھماکہ ٹھیک اماں کی ناک کے نیچے کرواتیں۔

انہیں جویا پر رشک آتا۔

ٹھیک ٹھاک سسرال سے اور وہ بھی بات اس حد تک بڑھ جانے کے باوجود کیسے ٹھاٹھ سے نکل آئی تھی سسرال سے اور اب اپنی مرضی کی مالک تھی۔

اماں پر انہیں بے انداز غصہ آتا۔

کیسے چاؤ سے سالن ساتھ کرتی تھیں بیٹی کے!

دن بھر کی تھکی ہاری ہو اب چولہے میں نہ گھستا...... روٹی منگوا لینا ہوٹل سے۔

''ہم تو جیسے تھکتے ہی نہیں۔'' بھابی دل ہی دل میں سوچتیں۔

''کمر تختہ ہو جاتی ہے دن بھر کام کر کر کے۔'' انہیں اپنے حال زار پر رونا آنے لگتا۔

''بنی اسکول سے کون سا چکی پیس کر لوٹتی ہے جو اس کے لئے دل دکھتا ہے بڑی بی کا۔'' بھابی کو از حد غصہ آتا۔ ''ہمیں سب پتا ہے۔ اسکول میں ٹیچریں کیا کرتی ہیں۔ ٹہلتی ہوئی کلاس میں پہنچیں۔ بچوں سے کتابیں کھلوائیں اور کلاس کے دروازے پر نکل کر کھڑی ہو گئیں۔ نظارہ بازی کو...... زیادہ پوز دینا ہوا تو دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے۔ برابر کی کلاس میں جھانکا' پڑوسن بھی مسکراتی ہوئی دروازے پر نکل آئیں اور گپ شپ شروع ہو گئی...... وقفے میں اسٹاف روم میں پہنچیں...... کھایا پیا...... کچھ زیوروں اور کپڑوں کی باتیں ہوئیں' کچھ نئے فیشن اور میکے اور سسرال کا ذکر...... نئے سرے سے میک اپ ہوا اور پھر ٹہلتی ٹہلتی کلاس کی طرف۔ چھٹی ہوئی تو شاگردوں سے پہلے ٹیچر اسکول گیٹ کے باہر۔

اگرچہ جویا کے اسکول میں یہ سب کچھ نہ ہوتا تھا مگر بھابی نے جس اسکول میں پڑھا تھا' بدقسمتی سے وہاں یہی سب کچھ ہوتا تھا جسے وہ محض جویا ہی نہیں تمام ٹیچروں پر منطبق کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔

ویک اینڈ پر جویا گھر کے کاموں میں اپنا ہاتھ بٹوانے کو زویا کو بھی اپنے ساتھ لے جاتی۔ اس کی فراغت ان دنوں جویا کے بہت کام آ رہی تھی۔ وہ اس کا بہت سا کام ہلکا کروا دیتی مگر ادھر بھابی دل

ہی دل میں کھولتی رہتیں۔ ''ہم تو جیسے پھلکے پر بنوائے گئے ہیں۔ ایک دن بھی آرام نہیں ملتا۔'' بھابی کا دل آپ اپنے لئے دکھنے لگتا۔

☆=====☆=====☆

ہر جذبے اور ہر کیفیت کی ایک عمر ہوتی ہے۔

ایک طرف یقین کے گھر والے اس کی علیحدگی کے بتدریج عادی ہوتے چلے گئے تو دوسری جانب جویا کی سسرال سے علیحدگی پر اماں کا جوش و خروش بھی دھیرے دھیرے کم ہوتا چلا گیا۔

سہ پہر کو دونوں بچوں کے ساتھ جب وہ میکے سے اپنے گھر لوٹنے کی تیاری کرنے لگتی تو اماں دوپہر کا سالن ٹفن پاٹ میں اس کے ساتھ کرنے کی بجائے کچھ اس قسم کے مشورے ساتھ کرنے لگیں۔

''خاگینہ بنا لینا۔''

''آج دھلی مونگ کی کھچڑی پکا لینا' بچی بھی شوق سے کھا لے گی۔''

''کل کی دال تو تم بتا رہی تھیں نا' بچی رکھی ہے' اس میں ایک پاؤ بھر چاول ڈال دینا تو دونوں کو بہت...... مریم بھی کھا لے گی۔''

''دو تین ہنڈیاں اکٹھی پکا لیا کرو۔''

''چھٹی والے دن شامی کباب بنا کر رکھ دیا کرو فریج میں...... ناشتے پر بھی کام آ جاتے ہیں۔''

مگر چھٹی والے دن اتنے کام ہوتے کہ خدا کی پناہ!

ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا کام نکلا چلا آتا۔

زویا شروع شروع دو تین ویک اینڈز پر تو خوشی خوشی اس کے ساتھ آئی اور بڑے ذوق و شوق سے اس کا ہاتھ بھی بٹایا لیکن پھر اس ذوق کا رنگ ماند پڑ گیا۔

پہلے وہ خود ہی تیار ہو جاتی تھی' اس کے ساتھ چلنے کو اب جویا کو اس سے کہنا پڑتا۔ ''زوئی! چل رہی ہو میرے ساتھ؟''

کبھی وہ ان سنی کر دیتی۔

کبھی کہتی۔ ''بجو! آپ کے گھر میں نیند نہیں آتی مجھے۔''

اماں بھی انجان سی بن جاتیں۔

زویا کے جانے سے گھر میں بھی تو کام کاج کی پریشانی ہو جاتی تھی۔

''اماں! زویا سے کہیں نا میرے ساتھ چلے۔'' جویا اماں سے کہتی۔

''جا زویا چلی جا' بہن کے ساتھ۔'' اماں سپاٹ سے لہجے میں کہتیں۔

زویا نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کی تصویر بن جاتی۔

''چلو شاباش' جلدی سے اٹھ جاؤ۔'' جویا لجاجت سے کہتی۔

زویا بادل ناخواستہ اٹھ کھڑی ہوتی۔

اسے جاتے دیکھ کر بھابی کا بلڈ پریشر ہائی ہونے لگتا۔

چھٹی والے دن کتنے بہت سے کام ہوتے تھے گھر میں جو زویا کے جویا کے ساتھ جانے کے بعد انہیں تن تنہا نبیڑنا پڑتے۔

"بجو! آپ کے گھر میں ٹی وی بھی تو نہیں ہے۔" زویا جاتے ہوئے ایڑیاں رگڑتی۔

"کوئی بات نہیں' ایک دن ٹی وی نہیں دیکھو گی تو دبلی نہیں ہو جاؤ گی۔" جویا اسے پیار سے دیکھتے ہوئے کہتی۔

"آپ کے ہاں جانے سے بہت سے اچھے پروگرام مس ہو جاتے ہیں...... ٹی وی خرید لیں نا آپ۔"

"خرید لیں گے...... ٹی وی بھی خرید لیں گے...... ابھی تو گھر الگ بنایا ہے اتنی مشکل سے ...... ان شاء اللہ آہستہ آہستہ سب کچھ لے لیں گے۔"

"چلئے۔" زویا نیم دلی سے کہتی۔

جویا سوچتی آئندہ زویا کی خوشامد نہیں کرے گی۔

مگر ہفتہ بھر میں چھوٹے بڑے اتنے ڈھیر کام اکٹھے ہو جاتے کہ اسے زویا کی منت سماجت پر مجبور ہونا پڑتا۔

ایک تو چھٹی والے دن یقین بہت تنگ کرتا تھا۔

ہر آدھ گھنٹے بعد چائے کی فرمائش ہوتی۔

یقین کے اپنے گھر میں تو چائے پینے والے بھی کئی تھے اور بنانے والے بھی چنانچہ وہاں چھٹی والے دن اسے ہر آدھ گھنٹے بعد نہ سہی دن میں چار پانچ مرتبہ چائے ضرور مل جاتی تھی۔ کبھی موجو کے ہاتھوں' کبھی بجیا سے...... کبھی امی ابا کے لئے چائے بناتیں تو اسے بھی ایک کپ دے دیتیں...... کبھی فرزین یا ذہین شوقیہ اپنے لیے چائے بناتے تو اسے بھی مگ تھما دیتے...... کبھی کسی مہمان کی آمد چائے کا بہانہ بن جاتی تو کبھی جویا اس کے لئے چائے بنا دیتی اور...... کبھی وہ خود بنا لیتا۔

مگر اب...... ! چھٹی والے دن چائے کی طلب کی تسکین کے لیے اسے یا تو جویا کی نظر کرم کی محتاجگی اختیار کرنا پڑتی یا زویا سے کہنا پڑتا۔

جویا کو اس کی بار بار کی طلب پر کبھی کبھی غصہ آ جاتا۔

"ہم لوگ مصروف ہیں آپ خود بنا لیں۔" وہ ناگواری سے کہتی۔

"میں بنا دیتی ہوں بجو۔" زویا کہتی۔

"تمہیں نہیں پتا زویا' ان کا بس چلے نا تو سارا دن یہ چائے کی کیتلی منہ سے لگائے بیٹھے رہیں۔ میں نے اتنا چائے پینے والا آدمی اپنی زندگی میں کوئی اور نہیں دیکھا۔" ایک روز جویا چڑ کر بولی۔

"میں نے دیکھا ہے۔" یقین مسکرایا۔

"کہاں یقین بھائی؟" زویا مسکرائی۔

"تھے ہمارے ایک چچا۔"

"تھے! کیا مطلب؟"

"اللہ کو پیارے ہو گئے۔"

"اچھا۔"

"سنا ہے' جب پینسٹھ کی پاک بھارت جنگ ہوئی اور زخمیوں کے لیے خون کا عطیہ دینے والوں کی قطاریں لگیں تو وہ بھی ایک قطار میں جا کھڑے ہوئے۔ جب ان کی باری آئی اور عطیہ دینے والوں نے ان کے جسم سے خون لینے کی کارروائی کی تو ان کی رگوں سے خون کے بجائے بھاپ اڑاتی ہوئی چائے نکلی۔"

"اللہ' یقین بھائی' کیسا مذاق کرتے ہیں آپ۔" زویا ہنس دی۔

"مذاق نہیں۔" وہ اپنی مسکراہٹ کو سنجیدگی کی آڑ میں چھپاتے ہوئے بولا۔ "مرنے سے پہلے تین دن تک سکرات کے عالم میں رہے۔ بہت تکلیف میں تھے۔ جان کسی طرح نکل ہی نہ پا رہی تھی۔ پانی منہ میں ٹپکایا جاتا تو واپس نکل آتا۔ تیسرے دن کسی نے کہا' تھوڑی سی چائے تو حلق میں ٹپکا کر دیکھو۔ سنا ہے ادھر چائے ان کے حلق میں ٹپکائی گئی' ادھر ان کا منکا ٹوٹ گیا۔"

"اللہ!" زویا موت کے ذکر پر سہمی ہوئی سی دکھائی دینے لگی۔ "آپ سچ کہہ رہے ہیں۔ یقین بھائی؟"

"ہاں' ہاں بالکل سچ۔"

"اوہ! سن رہی ہیں بجو؟"

"پہلے بھی سن چکی ہوں یہ لطیفہ۔" جویا بولی۔

"لطیفہ نہیں یار' حقیقت ہے۔"

"تو پھر آپ یقیناً اپنے چچا پر ہی گئے ہیں۔"

"یاد کیا کرو گی' جب ہم بھی چچا جان مرحوم کی طرح اللہ کو پیارے ہو جائیں گے۔"

جویا نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا اور بولی۔ "چائے کے ایک کپ کے لئے ایسی باتیں کرتے ہوئے آپ کو خوف نہیں آتا۔"

"خوف تو نہیں آتا"۔ وہ بڑی ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے بولا۔ "شرم البتہ آتی ہے کہ ایک کپ چائے کے لیے مجھے تمہاری کس کس طرح منت سماجت کرنا پڑتی ہے۔"

"ابھی بنا دیتی ہوں یقین بھائی۔"

"رہنے دو زوئی' میں بنا دیتی ہوں۔"

"زندہ باد جویا جی' زندہ باد۔"

"اور چائے مردہ باد۔" جویا نے محبت آمیز غصے سے یقین کو دیکھا پھر بولی۔ "جانتے ہیں کتنی نقصان دہ ہے زیادہ چائے نوشی؟"

"یار! یہی تو ایک شوق ہے اپنا۔"

"اب تو بنانے جا رہی ہوں' شام تک پھر مانگی چائے تو اچھا نہ ہوگا۔"

"بائی دی وے کیا ہوگا؟"

"لڑائی!" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"میرا خیال ہے مجھے چلا جانا چاہیے اپنے گھر۔" زوبیا نے کہا۔

"کیوں؟" جویا نے چونک کر اسے دیکھا۔

"تاکہ آپ دونوں کی لڑائی کا منظر نہ دیکھ سکوں۔"

جویا مسکرائی' زوبیا کی جانب بڑھی اور اسے پیار کرتے ہوئے بولی۔ "ڈونٹ وری میری جان ......نہیں لڑیں گے ہم۔"

جویا چائے بنانے کے لیے باورچی خانے کی طرف چلی گئی اور زوبیا فرش پر پونچھا لگانے لگی۔

"کیسی کام کی اور خوش مزاج لڑکی ہے زوبیا۔" یقین نے سوچا۔ "کیا تھا اگر ہمارے گھر والے فرزین کے لیے باہر لڑکی دیکھنے کی بجائے اس کی شادی زوبیا سے کر دیتے.....اچھی لڑکی ہے۔ جویا کو اور مجھے ...... ہم دونوں کو بھی دوسراہٹ ہو جاتی......ہم دونوں بھائی ہوتے اور یہ دونوں بہنیں ......ہمارے درمیان رشتے اور مضبوط ہو جاتے......شاید دونوں بھائیوں کا ایک ہی گھر میں گزارہ بھی ہو جاتا آرام سے..... جویا نے تو شروع شروع مجھ سے دو چار مرتبہ یہ خواہش ظاہر بھی کی تھی اور میں نے ایک آدھ مرتبہ گھر والوں سے سرسری تذکرہ بھی کیا مگر ان لوگوں نے کوئی دلچسپی ہی نہ لی.....شاید .....فرزین کے لیے وہ کسی اونچی جگہ ہاتھ مارنے کے چکر میں رہے ہوں.....مل تو گیا ہے ٹھیک ٹھاک گھرانا.....لڑکی کی ماں کیسی فیشن ایبل ہیں......اپنا بوتیک چلاتی ہیں محترمہ.....فرفر انگریزی بھی بولتی ہیں......لڑکی بھی ماں کی طرح ماڈرن ہے......میری سسرال تو بے چاری سیدھی سادی سی ہے.....جویا کی اماں زبان کی کڑوی ضرور ہیں مگر دل کی بری نہیں......فرزین صاحب کو اور ہمارے گھر والوں کو تو تب قدر آئے گی میری سسرال کی' جب فرزین صاحب کی تیز طرار ساس صاحبہ سب کو اپنے اشاروں پر نچائیں گی.....بہت تیز لگتی ہیں وہ محترمہ۔"

حیرت کی بات تھی کہ یقین کا جھکاؤ اپنی سسرال کی طرف ہو رہا تھا!

جویا کی اماں کے لیے بھی اس کی رائے میں تبدیلی آ چکی تھی۔

"زبان کی کڑوی ضرور ہیں' دل کی بری نہیں!"

جب کہ فرزین کی ہونے والی سسرال کے خلاف اس کے دل میں ابھی سے کدورت اٹھنے لگی تھی۔

خدا جانے اپنی سسرال کی طرف سے اس کا دل واقعی صاف ہو چکا تھا یا فرزین کی ہونے والی سسرال کے معقول سوشل اسٹیٹس سے حسد محسوس کر رہا تھا وہ!

☆======☆======☆

یقین اور جویا کی علیحدگی کے بعد ڈیڑھ دو ماہ کے عرصے میں یقین کے گھر والے بارہا ان دونوں سے ملنے اور بچوں کو دیکھنے کے لیے آ چکے تھے۔

کبھی امی اور ابا آ جاتے۔

کبھی بجیا اپنے ساتھ فرزین یا ذہین کو لے کر آ جاتیں۔

کبھی کبھی ابا اکیلے ہی آ جاتے۔

جو بھی آتا خالی ہاتھ نہ آتا۔

کبھی ابا سبزی لے آتے۔

کبھی امی اور ابا بچوں کے لیے پھل اور بسکٹ وغیرہ لے کر پہنچتے۔

کبھی بجیا بچوں کے استعمال کی کوئی چیز خرید لاتیں' کبھی کپڑے اور کبھی کھلونے۔

فرزین اور ذہین بھی خالی ہاتھ نہ آتے۔

خیر سے ذہین بھی اب تو خود کفیل ہو چکا تھا۔ امتحان پاس کرتے ہی اسے خوش قسمتی سے ایک غیر ملکی انجینئرنگ کمپنی میں ملازمت مل گئی تھی۔ معقول ماہانہ تنخواہ کے علاوہ چند اور مراعات بھی حاصل تھیں اسے۔

علیحدہ گھر لینے کے بعد جویا نے گھر میں قرآن خوانی کروائی تھی۔ نگہت اور نزہت اس میں شریک ہوئی تھیں اور اس کے بعد بھی نگہت ایک مرتبہ اور نزہت دو بار آ چکی تھی۔ پہلی بار وہ گھر کی آرائش کی چیزیں لے کر آئی تھیں' بعد میں بھی وہ آئیں تو مریم کے لیے چھوٹے موٹے کچھ لے کر آئیں۔

ڈیڑھ دو ماہ کے اس عرصے میں جویا بھی دو تین مرتبہ سسرال جا چکی تھی۔ ارج اور اس کے گھر والوں کی تصویر تو اسے سسرال سے علیحدہ ہونے سے پہلے ہی دکھائی جا چکی تھیں' علیحدگی کے بعد جب وہ دوسری مرتبہ سسرال آئی تو بجیا اسے اپنے ہمراہ لڑکی والوں کے ہاں لے گئیں اور اسے لڑکی دکھا لائیں۔

ارج دیکھنے میں اپنی تصویروں سے زیادہ اچھی تھی۔ وہ اور اس کے گھر والے جویا سے بڑے تپاک سے ملے اور خاطر مدارت بھی کی۔

بظاہر جویا بھی ان سے تپاک سے باتیں کرتی رہی مگر بباطن اسے ان سے مل کر ذرا خوشی نہ ہوئی بلکہ ان سے حسد محسوس ہوا......بالخصوص ارج سے!

وہ یہی سوچتی رہی کہ فرزین کے لیے اس لڑکی کی بجائے اگر زوبیا کا انتخاب کیا ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔

اسے دل ہی دل میں اپنے سسرال والوں پر بھی غصہ آتا رہا۔

بدتمیز کہیں کے!

کیا تھا اگر وہ فرزین کی شادی زوبیا سے کر لیتے۔

کیا برائی تھی زوبیا میں!

خوش شکل تھی' خوش سیرت تھی۔ پڑھی لکھی تھی۔ گھرداری سے واقف تھی۔

بجا کہ اماں اب اسے کسی بھرے پرے گھر میں بیاہنے کی بجائے اس کے لیے کسی اکیلے لڑکے کی تلاش میں ہیں لیکن فرزین اتنا اچھا لڑکا ہے کہ اگر ان لوگوں نے زوبیا کی طرف اشارہ بھی کیا ہوتا تو میں اماں کو کسی نہ کسی طرح راضی کر ہی لیتی فرزین کے لیے۔

وہ مثل ہے نا کہ آدمی جیسا ہو ویسوں کے ساتھ ہی بیٹھنا پسند کرتا ہے۔

فرزین صاحب ٹھہرے آدھے انگریز۔

انہیں تو بیوی کے ساتھ ساتھ ساس بھی موڈ چاہیے تھی' سو اللہ نے ویسی ہی ساس دے دی۔

ہماری سیدھی سادی اماں بے چاری کا ان سے کیا مقابلہ!

جویا کی سوچوں کی تان بالآخر اس پر آ کر ٹوٹی کہ زویا کے لیے بھی اللہ نے کوئی نہ کوئی جوڑ تو اتار ہی رکھا ہوگا دنیا میں۔

ارج کے گھر سے واپسی پر راستے میں جب یحییٰ نے اس سے پوچھا۔ "لڑکی کیسی ہے؟" تو وہ بجھی بجھی سی آواز میں بولی۔

"اچھی ہے۔"

یحییٰ اس کی ماندگی کا سبب جانتی تھیں۔

مگر قصور اسی کا تو تھا۔

زویا کی راہ اسی نے تو کھوٹی کی تھی۔

مگر جویا خود کو قصوروار سمجھنے کی بجائے سسرال والوں کی طرف سے اپنے دل میں کھٹک محسوس کر رہی تھی۔

سسرال سے اپنے گھر واپسی کے بعد بھی اس کے ذہن کے پردے پر ارج اور اس کے گھر والوں کے ہیولے متحرک رہے۔

رات کو یقین نے اس سے پوچھا۔ "فرزین کی سسرال کا دورہ کیسا رہا؟"

"ایسی تیز ساس مل رہی ہیں فرزین صاحب کو کہ آپ کے سارے گھر والوں کے چھکے چھڑا دیں گی۔"

"ہاں' کافی فیشن ایبل ہیں۔"

"فیشن ایبل تو ہیں ہی' تیز بھی بہت ہیں۔"

"اچھا!" یقین جانتے بوجھتے انجان بن گیا۔

"جی ہاں..... ہماری اماں کی طرح بھولی بھالی نہیں ہیں..... شکر کیجیے کہ آپ کو بہت سیدھی سادی سی ساس ملی ہیں۔"

"ویسے یار' ساس ہونی چاہیے ماڈرن ہی۔"

جویا نے اسے گھورا اور بولی۔ "لگتا ہے' فرزین کی ساس کی چمک دمک پر دل آ گیا ہے آپ کا! ڈھونڈ لیں آپ بھی ویسی ہی ایک ساس۔"

"اجازت ہے؟" یقین مسکرایا۔

جویا نے آنکھیں نکالیں۔

"اجازت ہے تو ایک ساس اور ڈھونڈ لوں؟" یقین کی مسکراہٹ گہری پڑ گئی۔

"قتل کر دوں گی۔"

"کسے؟"

"اس دوسری ساس کو..... اس کی بیٹی کو..... اور....."

"اور؟"

"اور..... آپ کو بھی۔" وہ اس کے سینے پر بہت دھیرے سے اور بہت پریم سے اپنی مٹھی مارتے ہوئے بولی۔

"یاد رکھنا' مجھے قتل کر کے خود بھی بیوہ ہو جاؤ گی۔"

جویا نے اس کے منہ پر اپنا ہاتھ دھر دیا۔

وہ اس کا ہاتھ اپنے منہ سے ہٹا کر اپنے دونوں ہاتھوں میں دبوچتے ہوئے بولا۔ "ویسے یار' فرزین کی شادی گھر ہی میں ہو جاتی تو کتنا اچھا تھا..... میرا مطلب ہے زویا سے۔"

"خدا نہ کرے۔" جویا نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"کیوں؟" وہ چونکا۔

"میں ہی تھی جو آپ کے گھر والوں کی زیادتیوں کا مقابلہ کر گئی۔ زویا ہماری بہت بھولی ہے' وہ تو گھٹ گھٹ کر ہی مر جائے گی۔"

یقین کے جی میں تو آئی کہے۔ "میرے گھر والے ہی تھے جنہوں نے تمہاری غلطیاں معاف کر دیں ورنہ کوئی اور لوگ ہوتے تو آج صورتِ حال نہ جانے کیا ہوتی۔"

مگر بات بڑھ جانے کے خدشے کے تحت اس نے یہ بات کہنے سے گریز کیا۔

☆=====☆=====☆

اگلی صبح جویا نے بچوں کو حسبِ معمول اماں کے پاس چھوڑا اور خود اسکول جانے کے لیے خاصی عجلت میں گھر سے نکل لی۔

اسکول سے واپسی پر اس نے اماں کو فرزین کی ہونے والی سسرال یاترا کی روئیداد تفصیل سے سنائی۔

زویا نزدیک ہی بظاہر مریم سے کھیلتے ہوئے جویا اور اماں کی باتوں پر کان لگائے رہی۔

"لڑکی ہے کیسی؟" اماں نے پوچھا۔

"لڑکی تو خیر اچھی ہے۔" اماں سے حقیقت چھپانے کا کیا فائدہ تھا۔

"بات پکی ہو گئی؟"

"نہیں ہوئی تو ہو جائے گی۔ یقین ہی نے ایک روز بتایا تھا مجھے کہ گھر والوں کا یہ پروگرام ہے کہ منگنی کرنے جائیں اور اسی روز تاریخ بھی لے لیں شادی کی۔"

"کیسے چالاک ہیں تمہارے سسرال والے..... ایک پنتھ میں دو کاج کرتے ہیں۔"

"رات یہ کہہ رہے تھے کہ اگر گھر ہی میں ہو جاتی فرزین کی شادی تو کتنا اچھا تھا..... ان کا مطلب تھا زویا سے۔" قریب ہی زویا کی موجودگی کے خیال سے جویا نے یہ بات اماں سے آہستہ سے کہی۔

"معافی!" اماں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ناگواری سے کہا۔

"میں نے بھی یہی کہا...... میں نے کہا' میں ہی تھی جو آپ کے گھر والوں کی زیادتیاں سہہ لی

"

"اچھا کیا جو کہہ دیا۔" اماں نے کانوں کو ہاتھ لگائے اور زویا سے پردہ رکھنا ضروری نہ سمجھتے ہوئے اپنی آواز نیچی نہ کی اور بولیں۔ "تمہاری سسرال سے ہمارے لیے ایک ہی داماد بہت...... دوسرا تو اگر سونے کا بھی بن کر آ جاتا تو میں کسی قیمت پر اپنی بیٹی نہ دیتی اسے۔"

جویا جو کل ارج کو دیکھنے کے بعد اس سے اور اس کے گھر والوں سے انتہائی حسد محسوس کرتی رہی تھی اور کل سے آج تک یہی سوچتی رہی تھی کہ اماں زویا کے لیے لاکھ اکیلے لڑکے کی تلاش میں سہی اگر اس کی سسرال والوں نے زویا کی بابت ذرا بھی ارادہ ظاہر کیا ہوتا تو وہ کسی نہ کسی طرح اماں کو منا ہی لیتی' اماں کی اس بات پر کہ فرزین اگر سونے کا بھی بن کر آ جاتا تو وہ زویا کا رشتہ نہ دیتیں' وہ کچھ مطمئن سی ہو گئی۔

اتنی بڑی بات کہہ دی تھی اماں نے۔

گویا جو ہوا' ٹھیک ہی ہوا تھا۔

لمحہ بھر کو جویا کو یوں لگا جیسے ارج اور اس کے گھر والوں سے اس کا حاسد ہونا بیکار تھا۔ کیونکہ جب اماں نے اتنی بڑی بات کہہ دی تھی کہ فرزین سونے کا بھی بن کر آ جاتا تو وہ اسے زویا کا رشتہ نہ دیتیں تو پھر ارج اور اس کے گھر والوں سے جلنے سے فائدہ! زویا سے نہیں تو پھر کسی نہ کسی سے تو ہونی ہی تھی فرزین کی شادی۔

لیکن نہیں کسی اور سے نہیں۔

زویا ہی سے ہونی چاہیے تھی فرزین کی شادی۔

کتنا اچھا لڑکا ہے۔

اور کتنا کھاتا کماتا۔

اماں کو کیا پتا کہ کتنی اچھی نوکری ہے اس کی...... اور جب وہ جہاز پر باہر جاتا ہے تو کیا کچھ لے کر آتا ہے۔

زویا کتنا عیش کرتی۔

مفت میں دنیا بھر کی سیر کرتی اور ڈھیروں شاپنگ کر کے لاتی۔

اب وہ چڑیل ارج اور اس کے گھر والے عیش کریں گے۔ اماں تو ہماری سیدھی سادی ہیں' انہیں دنیا کی مکاریوں کا کیا پتا۔

جویا کو ارج اور اس کے گھر والوں سے پھر حسد محسوس ہونے لگا۔

مگر حسد کرنے سے فائدہ تو اب کچھ بھی نہ تھا۔

بات بہت آگے بڑھ چکی تھی۔

کل ہی تو بجیا بتا رہی تھیں کہ منگنی کا سیٹ' بننے کو دے دیا گیا تھا!

جویا کو کون بتاتا کہ بی بی اگر تم سسرال میں چلن سے چلی ہوتیں تو وہ سیٹ جو ارج کے لیے بننے کو دیا گیا تھا شاید زویا ہی کے لیے دیا گیا ہوتا۔

اماں اور جویا کی باتوں نے زویا کے من میں ہلچل سی مچا دی۔

بجا کہ حالات بہت عرصے سے موافق نہ تھے۔

تندی باد مخالف اسے گھبرائے رکھتی تھی۔

مگر پھر بھی

پھر بھی اس کے دل کے کسی چور گوشے میں ٹمٹماتی ایک امید اس کے دل میں اندھیرا نہ ہونے دیتی تھی۔

فرزین کی نسبت یوں تو بہت سی یادیں محفوظ تھیں اس کے ذہن میں مگر نزہت کی شادی کا دن اس سلسلے میں ایک خاص اہمیت کا حامل تھا۔ اس روز......!

اس روز فرزین نے شادی گاہ میں نگہت کی عقابی نظروں کی پروا نہ کرتے ہوئے اس سے کہا تھا۔ "میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا!" وہ ہڑبڑا گئی تھی۔

"یس آئی وانٹ ٹو میری یو۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تھا۔

جویا اور یقین کے درمیان نا اتفاقی اور دونوں گھرانوں کے مابین انتہائی کشیدگی کے باوجود بھی نہ جانے کیوں زویا کو ایک امید سی تھی کہ فرزین شاید اس کے علاوہ کسی اور لڑکی سے شادی نہیں کرے گا۔

وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اگر خود اس کے لیے فیصلے کی گھڑی پہلے آ گئی تو وہ کسی سے کچھ نہ کہہ سکے گی اور جس کے ساتھ بھی گھر والے اس کا مقسوم وابستہ کر دیں گے' وہ سر جھکا کر اچھی اور شریف بیٹیوں کی طرح اسی کے ساتھ چل دے گی۔ چنانچہ جب بھی ادھر اُدھر سے اس کے لیے کوئی بات چلتی' وہ دل ہی دل میں دن رات دعائیں مانگنے لگتی کہ بات چلنے نہ پائے' کچھ گڑبڑ ہو جائے۔

اور واقعی گڑبڑ ہو جاتی!

کبھی لڑکے کا بھرا کنبہ اس کی دعا مستجاب ہونے کا سبب بن جاتا۔

کبھی لڑکے کا ذاتی گھر نہ ہوتا۔

کسی کا روزگار معقول نہ ہوتا۔

کوئی ہم زبان نہ ہوتا۔

جویا کی زبانی وہ پہلے بھی فرزین کے لیے لڑکی ڈھونڈے جانے کا تذکرہ کئی مرتبہ سن چکی تھی۔ اس لڑکی کے بارے میں بھی کافی دن سے سن رہی تھی کہ بجیا کی کسی کولیگ کی بھانجی فرزین کے لیے پسند کی گئی تھی مگر نہ جانے کیوں اسے امید سی تھی کہ سابقہ لڑکیوں کی طرح اس لڑکی کا ذکر بھی دھرا رہ جائے گا اور فرزین بالآخر اسی کے حق میں فیصلہ دے گا۔

مگر...... وہاں تو منگنی کا سیٹ بننے کے لئے دے دیا گیا تھا!

زدیا کے دل پر عجیب بے قراری کا عالم تھا۔
مگر ایک موہوم سی امید بھی دامنِ دل کو تھامے ہوئے تھی۔
شاید..... شاید یہ خبر درست نہ ہو۔
شاید بات اتنی آگے نہ بڑھی ہو۔
شاید ابھی فرزین کے علم میں نہ ہو۔
اور جب اس کے علم میں آئے تو وہ کہہ دے "مسوری! میں زدیا کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کروں گا۔" اس کا جی چاہا گھر والوں سے چھپ کر فرزین کو فون کرے اور پوچھے کہ کیا واقعی منگنی کی تیاریاں تھیں اور اگر تھیں تو کیا اس کی مرضی بھی شامل تھی اس میں!
مگر وہ جی کے چاہے پر عمل نہ کر سکی۔
اچھی لڑکیاں..... شریف بچیاں دل کے چاہے پر عمل کرتی ہیں بھلا!

☆=====☆=====☆

جویا کے جہیز میں فرنیچر کی مد میں فقط بیڈ روم فرنیچر دیا گیا تھا اور روزمرہ استعمال کے برقی آلات میں گرائنڈر' جوسر اور استری کے علاوہ چوتھی کوئی چیز نہ تھی۔ شادی کی بات پکی ہونے کے بعد امی نے بابا اور دیگر اہلِ خانہ سے صلاح مشورے کے بعد جویا کے گھر والوں سے کہہ دیا تھا کہ گھر میں خدا کے فضل سے ضرورت کی ہر چیز موجود ہے لہٰذا جہیز میں کوئی بھی غیر ضروری سامان شامل نہ کیا جائے۔ فرنیچر کے سلسلے میں انہوں نے جویا کے گھر والوں کو باقاعدہ پابند کر دیا تھا کہ غیر ضروری فرنیچر قطعاً نہ دیا جائے ورنہ رکھنے میں دقت ہوگی۔ ڈرائنگ روم فرنیچر سے پوری طرح مزین تھا لہٰذا آرائشی فرنیچر کی قطعاً ممانعت کر دی گئی تھی۔
فرزین کی ملازمت کے طفیل گھر دنیا کے مختلف حصوں سے خریدی ہوئی وضع وضع کی چیزوں سے آراستہ تھا۔ ٹرانزسٹرز اور ٹیپ ریکارڈرز تو فرزین یوں خرید لاتا تھا جیسے ریوڑیاں..... یقین کی شادی کے وقت گھر میں ایک ایک کرکے تین ٹیلی ویژن سیٹ تھے۔ ایک ڈرائنگ روم میں' ایک ٹی وی لاؤنج میں اور ایک امی اور بابا کے بیڈ روم میں' بعد میں فرزین جرمنی سے اٹھارہ انچ کا ایک ٹی وی اور خرید لایا تھا جو نزہت کے جہیز میں شامل کر دیا گیا۔ فریج دو تھے۔ ایک بڑا ایک چھوٹا۔ نزہت کے جہیز کیلئے فریج فرزین نے مشرقِ بعید سے آنے والے ایک جہاز پر موجود اپنے ایک ساتھی سے لے لیا تھا۔ فرزین اور اس کے کولیگز میں اس قسم کا لین دین معمول کی بات تھی۔ گھر میں ڈیپ فریزر بھی دو تھے۔ برقی استریاں دو زیرِ استعمال تھیں' دو بالکل نئی رکھی تھیں جن میں سے ایک بعد میں نزہت کے جہیز میں شامل کر دی گئی۔ امی نے یقین کی شادی کے وقت جویا کے گھر والوں سے کہہ دیا تھا کہ وہ اس قسم کی چیزوں پر بھی پیسہ نہ ضائع نہ کریں' چنانچہ اماں نے جویا کے جہیز میں روزمرہ استعمال کے وہی برقی آلات رکھے جو پہلے سے خرید کر رکھے ہوئے تھے۔
جویا سسرال سے ناگواری کے ساتھ علیحدہ ہوئی ہوتی تو شاید اسے علیحدہ گھر بنانے میں سسرال والوں کی جانب سے ذرا بھی اعانت نہ ملتی لیکن خوش قسمتی سے علیحدگی خوشی خوشی عمل میں آئی تھی چنانچہ

امی نے فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے روزمرہ استعمال کی بہت سی چھوٹی موٹی چیزیں اپنی گھرداری سے نکال کر جویا کو دے دیں' تاہم فوری ضرورت کا بہت سا ایسا سامان جو گھر میں زائد ہونے کے باعث ان دونوں کو دیا جا سکتا تھا' امی چاہنے کے باوجود بھی انہیں دینے سے اس لئے گریزاں رہیں کہ وہ فرزین خرید کر لایا تھا۔ مثلاً گھر میں تین ٹی وی تھے' ایک انہیں دیا جا سکتا تھا مگر اس لئے نہ دیا گیا کہ فرزین خرید کر لایا تھا۔
امی کی فراخدلی کے باوجود یقین اور جویا کو روزمرہ ضرورت کی چھوٹی موٹی بہت سی ضروری چیزیں اپنی جیب سے خریدنی پڑیں۔ بھاری اور قیمتی چیزوں میں جویا نے اپنی بچت سے فوری طور پر ایک فریج خریدا کہ اس کے بغیر گزارہ ناممکن نہ سہی قدرے مشکل ضرور تھا۔
فلیٹ کرائے پر لیتے وقت پیشگی کرایہ بھی اسی نے دیا تھا۔
دیکھتے ہی دیکھتے جویا کی بچت برابر ہو گئی۔
اب بقول شخصے روز کھودنا اور روز کھانا تھا۔
علیحدگی کے بعد پہلی تنخواہ دونوں کے ہاتھ آئی تو یقین بولا۔ "اب پہلا کام یہ کرنا ہے کہ ٹی وی خریدیں گے۔"
"جی نہیں۔" جویا نے بلا تامل اس کی بات رد کر دی۔
"کیوں؟"
"کچھ عرصے تک کچھ بھی نہیں خریدا جا سکتا۔"
"کیوں؟"
"کیونکہ مکان کا کرایہ دینا ہے۔ مہینے بھر گھر چلانا ہے۔ کچھ بچت ہوئی تو دیکھیں گے۔"
یقین خاموش ہو رہا۔
مہینے کے اختتام پر پتا چلا کہ تقریباً اٹھارہ سو روپے بچے تھے۔
دوسرے مہینے جویا نے اور ہاتھ کھینچ کر گھر چلایا۔
بچت تقریباً ڈھائی ہزار روپے ہوئی۔
"ناٹ بیڈ!" یقین نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے' ہم جلدی ہی ٹی وی خریدنے کے لائق ہو جائیں گے۔"
"جی نہیں۔" جویا نے کہا۔
"کیوں بھئی۔" یقین نے چونک کر جویا کی طرف دیکھا اور بولا۔ "زدیا بھی آتی ہے تو یہی کہتی ہے کہ آپ کے ہاں ٹی وی نہیں ہے اس لئے مزا نہیں آتا آپ کے گھر۔"
"وہ تو بیوقوف ہے۔ اسے گھر چلانا پڑے تا' میری طرح تو سارا مزا دھرا رہ جائے..... ٹی وی کوئی ضروری چیز نہیں' اب سب سے پہلے واشنگ مشین خریدوں گی..... کپڑے دھونے میں بہت وقت ہوتی ہے مجھے۔"
"نہیں یار' پہلے ٹی وی۔" یقین کسی بچے کی طرح مچلا۔

”جی نہیں‘ پہلے واشنگ مشین۔“

”پلیز!“ وہ لجاجت سے بولا۔

”سوری۔“ جویا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا‘ ”ٹی وی کے بغیر گزارہ ہو سکتا ہے مگر واشنگ مشین ضروری ہے۔ میرے ہاتھ دُکھ جاتے ہیں کپڑے رگڑ رگڑ کر۔“

”ٹی وی بھی کچھ کم ضروری نہیں۔“ یقین بولا۔ ”ٹی وی نہ ہو گھر میں لگتا ہے‘ دنیا سے کٹے بیٹھے ہیں..... شام سونی لگتی ہے ٹی وی کے بغیر۔“

”آپ تو اپنی شام بڑی رونقوں میں گزار کر آتے ہیں۔“ جویا نے اسے پُرمعنی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ٹی وی بھی ضرور دیکھتے ہوں گے وہاں۔“

یقین اس کا مطلب سمجھ گیا اور اس کی نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے خفیف سا ہو گیا۔

”کیا چاہتی ہو۔“ وہ تلخ لہجے میں بولا۔ ”نہ جایا کروں وہاں۔“

اسے شرمندہ ہوتے دیکھ کر جویا کو یک گونہ طمانیت ہوئی۔

”میں نے تو یہ نہیں کہا۔“ وہ بڑی معصومیت سے بولی۔

”تم کہو یا نہ کہو میں تمہارا مطلب خوب سمجھتا ہوں۔“ یقین نے غصے سے کہا۔

”کیا سمجھتے ہیں!“ اس نے یقین کے غصے پر اپنی مسکراہٹ کا رُخ کا لگانے کی کوشش کی۔

”یہی کہ تمہیں میرا وہاں جانا برا لگتا ہے۔“ وہ تڑپ کر بولا۔

”تو نہ جایا کریں۔“

”کیوں نہ جایا کریں!“ وہ بھبکا۔ ”تم جو روز اپنی ماں کے ہاں جاتی ہو۔“

”ضرور تا جاتی ہوں تفریحاً نہیں۔“

”ہاں ٹھیک ہے میں تو تفریحاً ہی جاتا ہوں تمہیں میرے وہاں جانے سے کوئی تکلیف؟“

”مجھے تو کوئی تکلیف نہیں۔“

”تکلیف ہے‘ جبھی تو کہہ رہی ہو۔“

”اچھا ٹھیک ہے..... ہے تکلیف.....“ وہ بڑے سر پھرے پن سے بولی۔

”چپ ہو گئی ہو یا.....“

جویا کا دل بھر آیا۔

صلح ہوئے ابھی کتنے دن ہوئے تھے جو وہ پھر لڑنے لگا۔

”کپڑے دھونے پڑیں نا آپ کو تو پھر نہیں پوچھوں گی آپ سے کہ..... ٹی وی ضروری ہے یا واشنگ مشین۔“

”مجھے کیوں دھونے پڑیں کپڑے..... تم کس مرض کی دوا ہو۔“ یقین نے غصے سے کہا اور اٹھ کر بالکونی میں جا کھڑا ہوا۔

اس کی بے مروتی پر جویا کا دل دکھنے لگا۔

کتنی رعونت سے کہا تھا اس نے!

جیسے کپڑے دھلوانے ہی کے لیے تو کی تھی اس نے شادی مجھ سے۔

اماں ٹھیک ہی کہتی ہیں..... شادی بور کے لڈو ہیں‘ آدمی کھائے تو پچھتائے نہ کھائے تو پچھتائے!

دونوں بچوں کو لے کر وہ بھی وقت سے پہلے ہی بستر پر پڑ گئی۔

☆=====☆=====☆

یقین اور جویا کے درمیان براہ راست بات چیت کئی دن تک ترک رہی۔

یقین کو جویا سے کچھ کہنا ہوتا تو مریم کو وسیلہ بنا کر کہتا۔ ”مریم‘ اپنی امی سے کہو.....“

جویا کو اس سے کچھ کہنا ہوتا تو وہ بھی مریم کو واسطہ بنا کر اسے مخاطب کرتی۔

ڈائریکٹ ڈائلنگ بند رہی۔

یقین دفتر سے چھٹی کے بعد سیدھا گھر آ جاتا۔

جویا سے بات چیت کی طرح امی کے ہاں اس کی آمد و رفت بھی متروک رہی‘ تاہم فون پر امی بیا وغیرہ سے بلا ناغہ بات چیت ہوتی رہی۔

امی کے پاس وہ بلا ناغہ نہیں‘ دوسرے دن ضرور جاتا تھا۔

تیسرے دن امی نے فون پر کہا۔ ”کیا بات ہے بیٹے کل بھی نہیں آئے..... میں نے تو تمہارے لئے ساگ پکوایا تھا۔“

”جی..... بس آفس میں کام زیادہ تھا‘ دیر سے اٹھا سیدھا گھر ہی چلا گیا۔“

”گھر میں تو سب خیریت ہے نا؟“

”جی ہاں..... خیریت ہی ہو گی۔“

”خیریت ہی ہو گی!؟“ امی نے قدرے تعجب سے اس کے الفاظ دہرائے پھر تشویش سے بولیں۔ ”کیا مطلب؟“

”سب خیریت ہے امی!“ اس نے امی کو اطمینان دلانے کی کوشش کی۔

”آج تو آؤ گے نا‘ کڑھی پکوا رہی ہوں تمہارے لئے۔“

”جی..... کوشش کروں گا۔“

”ہیں! اپنے گھر آنے کے لیے بھی کوشش کرنی پڑے گی تمہیں!“ امی نے چونک کر کہا۔

”آؤں گا امی آؤں گا۔“

مگر وہ حسب وعدہ امی کے پاس نہیں پہنچا۔

”دیکھ لیا ماسٹر صاحب‘ یقین آج بھی نہیں آئے۔“ امی نے شاکی لہجے میں بیا سے کہا۔

”کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہو گی۔“

”وجہ کچھ بھی نہیں بس بیوی کے ہو کر رہ گئے۔“

”بیگم صاحبہ‘ آپ اداس کیوں ہوتی ہیں۔“

”ہاں ہوں ماسٹر صاحب..... روز راہ دیکھتی ہوں اس کی۔“

"بھئی! آخر کب تک یقین میاں روزانہ آپ کے پاس حاضری دیتے رہیں گے۔ ان کا اپنا گھر ہے' بیوی ہے' بچے ہیں۔ آخر وہ بھی تو راہ تکتے ہوں گے یقین کی۔"

"آپ کا مطلب ہے' ہمارا اب کچھ حق نہیں رہا یقین پر!" امی کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

بیا نے امی کو رنجور ہوتے دیکھا تو ان کے شانوں پر اپنا بازو دراز کرتے ہوئے بولے۔ "کیوں نہیں...... بالکل ہے' آپ کا حق لیکن...... اب ان کے بیوی بچوں کا حق زیادہ ہے ان پر...... بہو گھر میں اکیلی ہوتی ہیں' یقین کو شام کے وقت جلدی گھر پہنچنا چاہیے۔"

"اور میں جو راہ تک رہی ہوں یقین کی پچھلے تین دن سے۔"

"نہ تکا کیجئے' بہت عافیت میں رہیں گی...... آپ بھی یقین بھی اور یقین کے بیوی بچے بھی۔" بیا رسانیت سے بولے۔

امی نے زبان سے کچھ نہیں کہا البتہ ان کی آنکھوں میں ایک گھائل سی کیفیت اُمنڈ آئی۔

"میں آپ کے جذبات کو بخوبی سمجھتا ہوں بیگم صاحبہ۔" بیا نے توقف کیا پھر بولے۔ "دیکھئے' شروع شروع یقین بلا ناغہ آپ کے پاس آتے رہے پھر گاہے گاہے ناغہ کرنے لگے...... یقین نے الگ گھر بنایا ہے...... ان کی ذمے داریوں میں اضافہ ہو چکا ہے...... جوں جوں وقت گزرتا جائے گا' وہ اپنے گھر اور بیوی بچوں کی ذمے داریوں میں اتنے ہی گھرتے چلے جائیں گے...... ہمیں اس حقیقت کو قبول کر لینا چاہیے کہ یقین اب ہماری دنیا کے باسی نہیں رہے' اب ان کی اپنی ایک دنیا ہے...... اگر اپنی اس دنیا سے نکل کر وہ کبھی کبھی ہماری آپ کی خیر خبر بھی لے لیا کریں تو غنیمت...... خبر لے سکیں ہماری تو ہمیں بھی دلگیر نہیں ہونا چاہیے اور نہ یقین کو اپنی دعاؤں سے محروم کرنا چاہیے۔"

"میں کب کہتی ہوں کہ وہ روزانہ آئیں ہمارے پاس۔" امی بھرآئی ہوئی آواز میں بولیں۔ "مگر آج تو تیسرا دن ہے۔"

"کوئی بات نہیں...... ہمیں اس بات کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے کہ یقین قطعاً بھی نہ آئیں ہمارے پاس۔" بیا نے کہا۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ! کیا ماں باپ اولاد کو اسی لئے پالتے ہیں کہ وہ پلٹ کر ان کی خبر نہ لے۔"

"میں اکثر یہ بات کہتا ہوں کہ ہم انسان ایک دوسرے سے جتنی کم توقعات رکھیں اتنا ہی اچھا ہے...... جہاں توقعات کم ہوتی ہیں' وہاں صدمات بھی کم ہوتے ہیں۔"

"آپ ماں نہیں ہیں ماسٹر صاحب۔"

"باپ تو ہوں...... آپ جتنی نہ سہی چوتھائی حصہ محبت تو رکھتا ہوں اولاد سے۔" بیا نے پل بھر کو توقف کیا پھر بولے۔ "آپ کے خیال میں کیا میں پچھلے تین روز سے ہر شام یقین کا انتظار نہیں کرتا رہا ہوں۔"

امی نے بے ساختہ چونک کر بیا کو دیکھا اور ٹکٹکی باندھے انہیں دیکھے ہی چلی گئیں۔

"ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں بیگم صاحبہ؟" بیا کے لبوں پر حزنیہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

امی زبان سے کچھ نہیں بولیں' ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئیں۔

اگلے روز یقین کا فون آیا تو امی کی جانب سے باز پرس کا انتظار کیے بغیر ہی اس نے از خود کہا۔

"کل بس بہت دیر سے ملی تھی سیدھا گھر ہی چلا گیا۔"

"کوئی بات نہیں۔" امی نے بہت تحمل سے کہا۔

"ہو سکا تو آج آؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

بجیا نے اس کے لیے میٹھا بنا کر رکھا مگر وہ اس شام بھی نہیں آیا۔

"یقین آج بھی نہیں آئے۔" امی نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"چلئے' ہم لوگ چلتے ہیں ان کے پاس۔"

امی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ان سے کہا۔ "کب تک بہلائیں گے آپ مجھے۔"

بیا دھیرے سے مسکرا دیئے پھر بولے۔ "بیگم صاحبہ! ضروری نہیں کہ اولاد ہی چل کر ماں باپ کے پاس آئے اگر ماں باپ کا جی چاہے اولاد سے ملنے کو تو ان کے اولاد کے پاس چلے جانے میں بھی کوئی حرج نہیں...... اٹھیے شاباش...... ہم بوڑھے ضرور ہو گئے ہیں مگر اتنے بھی نہیں کہ اولاد کو دیکھنے کو جی چاہے اور قدم نہ اٹھا پائیں...... چلیں جلدی اٹھیں۔"

امی کو اٹھنا ہی پڑا۔

بجیا نے کہا۔ "بیا! یقین کے لئے پڈنگ بنا کر رکھی تھی میں نے وہ بھی لے جائیں گے۔"

"ضرور لے جائیں گے بیٹی۔" بیا خوش دلی سے بولے۔

"فرزین چاکلیٹ کا جو ڈبا لائے ہیں' اس میں سے مریم کے لیے دو تین چاکلیٹ بھی دے دو۔"

"اچھا امی۔"

"ویسے ماسٹر صاحب اگر آپ اکیلے ہی چلے جاتے تو اچھا تھا۔"

"کیوں؟"

"آپ کی بہو کہیں گی' دو تین دن صاحبزادے نہیں پہنچے تو بڑی بی خود آ پہنچیں۔"

"اپنی اولاد کی خیر خبر رکھنا ہمارا حق بھی ہے اور فرض بھی بیگم صاحبہ۔" بیا نے کہا۔

☆=====☆=====☆

امی اور بیا یقین کے گھر پہنچے تو گھنٹی بجانے پر دروازہ جویا نے کھولا۔ علی کو اس نے کندھے سے لگا رکھا تھا۔

یقین کمرے میں تھا اور مریم امی کے پاس تھی۔ اگرچہ یقین تک انہیں جویا ہی نے پہنچایا مگر انہیں ان دونوں کے درمیان حائل سرد مہری سے یہ تاڑنے میں دیر نہیں لگی کہ ان کے مابین ناراضگی تھی۔

امی اور بیا نے قدرے تشویش سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

کچھ دیر ان کے پاس بیٹھنے کے بعد جویا علی کو امی کے سپرد کر کے چائے بنانے کے لئے باورچی خانے میں چلی گئی۔

"کئی دن سے گھر کیوں نہیں آئے؟" امی نے جویا کے جاتے ہی یقین سے پوچھا۔

"بس ایسے ہی...... کسی روز دفتر سے اٹھتے اٹھتے دیر ہو گئی' کسی روز بس دیر سے ملی۔" یقین نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"کیا دلہن سے بات چیت بند ہے؟" امی نے رازداری سے پوچھا۔

وہ خاموش رہا۔

"بولو۔" امی نے کہا۔

وہ بدستور چپ رہا۔

"بتاؤ نا۔"

یقین منہ میں گھنگنیاں ڈالے بیٹھا رہا۔

"ماسٹر صاحب! یہ دونوں کچھ گڑبڑ کئے بیٹھے ہیں...... آپ ذرا جا کر دلہن سے تو پوچھیں کہ منہ کیوں پھولے ہوئے ہیں ان دونوں کے۔"

"بیگم صاحبہ! بہو سے کیوں' بیٹے ہی سے نہ پوچھا جائے۔" بابا نے یقین کی طرف دیکھا اور بولے۔ "کیوں صاحبزادے' کس بات پر ناراضگی ہے؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔" یقین پھولے پھولے لہجے میں بولا۔

"دیکھا میرا اندازہ درست نکلا نا۔" امی بولیں۔

"کس بات پر لڑے بیٹھے ہیں آپ دونوں؟" بابا نے پوچھا۔

وہ پھر چپ سادھے رہا۔

"بیگم صاحبہ! میں بہو سے جا کر پوچھتا ہوں' آپ ذرا صاحبزادے کی خبر لیجئے۔" بابا اٹھتے ہوئے بولے۔

جویا باورچی خانے میں اسباب خاطر داری ٹرے میں آراستہ کرنے میں مصروف تھی۔

بابا اس کے نزدیک جا کھڑے ہوئے اور ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے بولے۔ "کون سی چائے استعمال کر رہی ہو بہو؟"

"کھلی چائے منگوائی ہے اب کی بار۔"

"کہاں سے؟"

"میری ایک کولیگ نے لا کر دی ہے صدر سے۔"

"بہت عمدہ فلیور ہے!"

"ذائقہ بھی اچھا ہے بابا۔"

"یقین میاں کے تو عیش ہو گئے!"

جویا کے چہرے کے تاثرات یکبارگی تبدیل ہو گئے۔

"کیا بات ہے بہو؟"

"جی!" جویا نے بے ساختہ چونک کر کچھ اس طور پر ان کی طرف دیکھا جیسے چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی ہو پھر آہستہ سے بولی۔ "کچھ نہیں۔"

"کس بات پر جھگڑا ہوا ہے؟" بابا نے کسی ماہر طبیب کی طرح بگاڑ کی نوعیت کا اندازہ کرنا چاہا۔

"کس کا؟" اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کوشش کی۔

"چھپاؤ مت۔" بابا بولے۔ "تم دونوں کا اور کس کا۔"

اس نے سر جھکا لیا۔

اماں کو اس نے بتایا تھا تو وہ بولیں۔ "مجھے پتا تھا کہ وہ بدذات چار دن بعد پھر وہی حرکتیں شروع کر دے گا...... تم اپنی مرضی سے گئی تھیں اب بھگتو۔"

اماں کی طعن و تشنیع سے اسے انتہائی ملال ہوا۔

دلداری کی بجائے وہ تو چرکے لگانے بیٹھ گئیں۔

بابا نے ہمدردانہ لہجے میں بات کی تو اس کا جی بھر آیا۔

لبوں پر لرزش سی طاری ہو گئی۔

"بولو...... کس بات پر ہوئی لڑائی؟"

"انہی سے پوچھئے۔" وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔

"تم سے کیوں نہ پوچھوں۔"

جویا اہتمام خاطر داری بھول گئی۔

اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

"بتاؤ تو سہی کیا ہوا؟" بابا نے اس کے سر پر اپنا ہاتھ دھر دیا۔

اس نے پلو سے آنسو پونچھے پھر بھیگی ہوئی آواز میں بولی۔ "گھر میں واشنگ مشین کی ضرورت زیادہ ہے مگر وہ کہتے ہیں' پہلے ٹی وی خریدا جائے گا...... کہتے ہیں' تم کس مرض کی دوا ہو کپڑے تم دھوؤ۔"

بابا زیر لب مسکرا دیے اور جویا کے جھکے ہوئے سر پر ہاتھ دھرتے ہوئے آواز میں بناوٹی غصے کی کیفیت پیدا کر کے بولے۔

"اچھا یہ کہا!"

"جی۔" اسے ان کی آواز سے جھلکتے غصے سے یک گونہ تقویت ملی۔

"فکر نہ کرو...... میں خبر لوں گا یقین کی۔" بابا نے اس کا سر تھپتھپا کر اپنا ہاتھ بہت آہستگی سے اس کے سر سے ہٹا لیا۔

جویا نے متردد نظروں سے انہیں دیکھا پھر بولی۔ "ابھی کچھ مت کہیے گا۔"

"کیوں؟" بابا نے چونک کر کہا۔

"آپ تو پہلے جا [illegible] وہ مجھ پر خفا ہوں گے...... سمجھیں گے کہ میں نے ان کی شکایت کی

ہے آپ سے حالانکہ..... میں نے تو آپ کے پوچھنے پر بتایا ہے۔"

"تم نہیں چاہتیں کہ میں کچھ پوچھوں یقین سے؟" بیا نے استفہامیہ لہجے میں کہا۔

"جب یہ گھر جائیں نا تب پوچھئے گا۔"

"اس سے کیا فرق پڑے گا! یقین میاں کو ناراض ہونا ہوا تم پر تو وہاں سے آ کر بھی ہو سکتے ہیں۔"

"ہاں۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا پھر بولی۔ "لیکن وہاں سے گھر آتے آتے غصہ کچھ تو ضرور کم ہو جائے گا۔"

"چلو..... جیسے تمہاری مرضی۔"

جویا چائے کے مگ ٹرے میں رکھنے لگی۔

"میں اور تمہاری ساس تو پریشان ہو گئے کہ خدا جانے کس بات پر تم دونوں ناراض ہو ایک دوسرے سے۔"

"بس یہی بات تھی بیا..... میں چاہتی ہوں ہم پہلے واشنگ مشین لے لیں اور یہ کہتے ہیں ٹی وی کے بغیر شام سونی لگتی ہے۔"

"سونی لگتی تو ہے۔" بیا نے تائید میں کہا۔ "اصل میں ٹی وی ہمارے گھروں میں اس طرح داخل ہو گیا ہے کہ آدمی اکیلا بھی ہو یا کوئی دوسری تفریح نہ ہو تو بھی ٹی وی سے دل بہلا رہتا ہے..... میں سمجھتی ہوں ٹی وی عصر حاضر کا سب سے بڑا انٹرٹینر ہے۔"

جویا قدرے خفیف ہو گئی۔

"میں مانتی ہوں بیا!" وہ بولی۔ "میں نے ان سے یہ تو نہیں کہا کہ ہم ٹی وی نہیں خریدیں گے میں نے تو یہ کہا کہ پہلے واشنگ مشین خریدیں گے کیونکہ اس کی ضرورت زیادہ ہے..... کپڑے رگڑ رگڑ کر میرے ہاتھ دکھ جاتے ہیں..... دو ہم اور دو بچے روزانہ ہی کم از کم آٹھ دس میلے کپڑے دھونے پڑ جاتے ہیں..... کیا بتاؤں آپ کو اتنے کام ہوتے ہیں کہ تھک جاتی ہوں سارے کام مجھی کو کرنے پڑتے ہیں۔"

"یقین سے بھی کروایا کرو۔"

"اونہہ!" جویا نے دل ہی دل میں کہا۔ "یقین کریں گے کام..... ہل کر پانی تک تو پیتے نہیں۔"

"گھر کے چھوٹے موٹے کاموں میں شریک کیا کرو یقین کو۔" بیا نے مشورتاً کہا۔

یقین اور گھر کے کاموں میں شرکت!

دو متضاد باتیں ہیں۔

مجال تھی جو وہ ایک پھلی بھی توڑ دیتا۔

ایک تنکا ادھر سے ادھر ہلا دیتا۔

جویا صبح کو اس کا ناشتہ میز پر سجا کر دونوں بچوں کے ساتھ گھر سے نکلتی اور رات کو دودھ کا گلاس

اس کے سرہانے رکھ کر بستر پر لیٹتی۔

صبح مؤذن کی آواز کے ساتھ ہی وہ بستر چھوڑ دیتی۔

بچوں کو اماں کے ہاں چھوڑ کر وقت پر اسکول پہنچنے کی خاطر اس کا صبح ساڑھے چھ بجے تک بہر صورت گھر سے نکل جانا ضروری ہوتا۔

ایک جھپک وہ گھر کے ڈھیروں دھندے نمٹاتی۔

ایک پاؤں کچن میں ہوتا دوسرا کمرے میں۔

کبھی مریم ٹھنکنے لگتی۔

کبھی علی کی تائیں شروع ہو جاتیں۔

ادھر علی کو دودھ دینا ہوتا تو ادھر مریم کے لئے انڈا ابالنا ہوتا۔

خود تیار ہونے سے پہلے ان دونوں کو تیار کرنا پڑتا۔

گو رات کو سونے سے پہلے ہی وہ اگلی صبح اماں کے ہاں پہنچانے کے لئے بچوں کا ضروری اسباب تیار کر کے رکھ لیتی تھی مگر صبح کو جاتے جاتے بھی اچانک خیال آ جاتا کہ فلاں چیز تو بھول گئی..... رکھی ہی نہیں!

توبہ! توبہ!

صبح کا وقت کیا قیامت کا وقت ہوتا۔

گھڑی کی سوئیوں کو بھی جیسے پیر سا ہو جاتا۔

ابھی پانچ کے ہندسے پر تو پلک جھپکتے سات کے ہندسے سے بھی آگے!

اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے۔

گھڑی کی سوئیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے کبھی کبھی وہ زچ سی ہو جاتی۔

ناشتہ بھی بھاگتے دوڑتے میں ہوتا۔

کبھی آدھا سلائس پلیٹ میں پڑا رہ جاتا۔

کبھی مگ میں چائے نکالتی مگر گھڑی کی سوئیاں اسے چائے پینے کی اجازت نہ دیتیں۔ مگر..... گھر سے نکلنے سے پہلے یقین کا ناشتہ میز پر آراستہ کر دینا لازم ہوتا۔

جانے سے پہلے وہ اسے جگانے کی کوشش کرتی۔

"اٹھ جائیں میں نے ناشتہ بنا دیا ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" وہ خوابناک آواز میں کہتا۔

"ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

"اٹھ رہا ہوں۔" وہ آنکھیں کھولے بغیر کہتا۔

"میں جا رہی ہوں۔"

"او کے..... خدا حافظ!"

"خدا حافظ!"

خدایا! کیا قیامت کی نیند آتی تھی اسے۔

جویا گھر سے نکلتی تو وہ عموماً بستر پر کروٹیں بدل رہا ہوتا تھا۔

راستہ بھر جویا کو ناشتہ ٹھنڈا ہونے کی فکر ستائے جاتی۔

دونوں بچوں کو اماں کے ہاں چھوڑ کر وہ لمبے لمبے قدموں اسکول روانہ ہو جاتی۔

دوپہر کو اسکول سے چھٹی کے بعد وہ روزمرہ کا سودا سلف خریدتی ہوئی اماں کے ہاں واپس لوٹتی۔

دوپہر کو اماں کے ہاں کھانا کھانے کے شکرانے کے طور پر وہ اماں کے گھر کے لئے بھی کبھی گوشت ترکاری' کبھی پھل اور کبھی کوئی اور چیز خرید لاتی' مبادا بھابی دل میں یہ سوچیں کہ روزانہ مفت روٹی توڑنے بیٹھ جاتی ہے۔

سہ پہر کو وہ اماں کے ہاں سے لدی پھندی گھر واپس لوٹتی اور فوراً ہی گھر کے دھندوں میں لگ جاتی' دیکھتے ہی دیکھتے شام ہو جاتی۔ کاموں کی یلغار کبھی کبھی اسے ہراساں کر دیتی۔

کتنے بہت سے کام کرنے ہوتے تھے!

اور وہ بھی تنہا!!

اب تو ویک اینڈ پر زویا بھی ہاتھ بٹانے کی کوشش کرتی تھی۔

اماں پہلے تو اسے زبردستی ساتھ کر دیا کرتی تھیں' اب ایک آدھ بار انہوں نے بھی کہا۔ "نہیں جاتی زویا تو رہنے دو' تمہاری بھاوج بھی کہیں یہ نہ سمجھیں کہ چھٹی والے دن گھر کا سارا کام انہی پر ڈالنے کو زویا تمہارے ساتھ چلی جاتی ہے۔"

جویا نے بھی اصرار کرنا چھوڑ دیا تھا۔

لاکھ ماں بہن سہی نگران کا اپنا گھر اور گھر کے ہزاروں کام دھندے بھی تو تھے۔

گھرداری عورت کو کس بری طرح گھیر کر رکھتی ہے' اس کا جویا کو بتدریج اندازہ ہوتا جا رہا تھا۔

اور مرد!

مرد تو شاید خدا نے پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ گھر کو بے ترتیب کرے اور عورت کا کام بڑھائے۔

سہ پہر کو جب وہ گھر پہنچتی تو صبح یقین کے ناشتے کے جھوٹے برتن میز پر پڑے جھنک رہے ہوتے۔ اللہ کا بندہ ناشتے کے بعد برتن تک اٹھانے کی زحمت نہ کرتا۔

تولیہ یہاں پڑا ہوتا تو کپڑے وہاں۔

کنگھا ڈریسنگ ٹیبل کی بجائے سائیڈ بورڈ پر تو کپڑے ہینگرز سمیت وارڈروب سے باہر بیڈ پر۔ ایک ٹائی یا رومال کی تلاش میں وہ کبھی کبھی پوری وارڈروب کو الٹ جاتا تھا۔

"یہ آپ کیا کرتے ہیں!" وہ اس کے دفتر سے آنے پر شکوہ کرتی۔

"میری چیزیں اپنی جگہ پر رکھا کرو۔" غصے سے جواب ملتا۔ "وہ براؤن دھاری والا رومال پتا ہے کہاں سے ملا؟"

"کہاں سے؟"

"سرہانوں کے نیچے دبا پڑا تھا۔"

صاحب بہادر کو رومال بھی تو میچنگ کے چاہئے ہوتے تھے!

جوتوں پر پالش بھی لازم تھی۔

اور وہ بھی جویا ہی کو کرنا پڑتی۔

صبح کے جھوٹے برتن دھو کر وہ جلدی جلدی ہنڈیا چڑھا جاتی۔ آٹا گوندھنا ہوتا تو گوندھتی اور اگر گندھا رکھا ہوتا تو اسے ڈھلنے کے لئے فریج سے باہر نکال کر رکھ دیتی۔ میلے کپڑے سرف میں بھگوتی' پھر گھر کی جھاڑ پونچھ میں لگ جاتی۔

دونوں بچوں کی ذمے داری بھی گھیرے رکھتی۔

ابھی ایک کو روتے سے چپ کراتی ہے تو ابھی دوسرے کو حاجت ضروری سے فارغ کراتا ہے۔

شام کو دفتر سے واپسی پر یقین کو گھر میں پہننے کے لئے استری شدہ جوڑا ہینگر یا کھونٹی پر لٹکا ہوا چاہئے ہوتا' جب تک وہ کپڑے تبدیل کرتا جویا اس کے لئے چائے بنا دیتی۔

چائے کی چسکیوں کے ساتھ ہی وہ مریم اور علی کے ساتھ مشغول ہو جاتا۔

علی جب تک خوش رہتا' ٹھیک لیکن! ادھر وہ روتا' ادھر یقین صدا لگاتا۔ "جویا آؤ بھی لو اسے۔" کبھی وہ اسے لئے خود اس کے پاس آ پہنچتا۔ "لو بھئی سنبھالو اپنے صاحب زادے کو یہ رو رہا ہے۔"

گویا ہنستا بچہ باپ کا اور روتا ماں کا۔

جویا کسی کام میں لگی ہوتی تو کہتی۔ "ذرا بہلا لیجئے اسے۔"

"یہ میرا کام نہیں ہے۔" وہ صاف کہہ دیتا۔

جویا کو غصہ آ جاتا۔

"تو کیا صرف میرا ہے۔"

"بالکل۔"

کبھی کبھی اسے علی کو گود میں لئے کام کرنا پڑ جاتا۔

ایک بازو پر اسے ٹکائے شانے سے لگائے آں آں کرتے ہوئے اسے بہلا رہی ہے تو دوسرے ہاتھ سے ہنڈیا بھون رہی ہے یا توے پڑی چپاتی الٹ پلٹ رہی ہے۔

تو ساڑھے نو بجے تک رات کا کھانا کھا لیا جاتا۔

کھانے کے بعد چہل قدمی کی عادت بھی پڑی ہوئی تھی' سو یقین تھوڑی دیر کو ٹہلنے کے لئے باہر چلا جاتا۔ جویا بچوں کو سلانے کی کوشش کرنے لگتی۔

بچوں کو سلانے کے بعد باورچی خانہ سمیٹتی' برتن دھوتی' سنک اور فرش کی دھلائی کرتی پھر باتھ روم کا رخ کرتی جہاں پلاسٹک کے تسلے میں سرف میں بھیگے کپڑے اس کے منتظر ہوتے۔

کپڑے دھونے کے بعد وہ اگلے دن کے لئے اپنے' یقین اور بچوں کے کپڑے استری کرتی۔

یقین کے لئے تو اسے دو جوڑے استری کرنا ہوتے' ایک اگلے روز دفتر کے لئے' دوسرا دفتر سے واپسی پر گھر میں پہننے کے لیے۔

اگلے روز پہننے کے لئے اسے اپنے اور یقین کے جوتے بھی رات ہی کو منتخب کر کے رکھنا پڑتے مبادا صبح مطلوبہ جوتے کی تلاش میں دیر ہو جائے۔

صبح بچوں کو اماں کے ہاں پہنچانے کے لئے ان کی ضرورت کا سامان بھی وہ رات ہی کو پیک کر دیتی۔

گھر کے کام دھندوں سے فارغ ہو کر جب وہ بستر پر لیٹتی تو تکان سے اس کا برا حال ہوتا مگر یقین اس کی مشقت اور ریاضت کی نہ تو تعریف کرتا' نہ ہی اسے رعایت دینے کو تیار ہوتا۔

رات کو کبھی مریم بستر گیلا کر کے اسے بے ساختہ اٹھ بیٹھنے پر مجبور کر دیتی تو کبھی علی کو بھوک لگتی اور وہ روں روں کر کے جویا کو جگا دیتا۔

بچے رات کو زیادہ گڑبڑ کرتے تو یقین نیند میں خلل پڑنے پر بڑبڑانے لگتا۔

"چپ کراؤ یار۔" وہ غصے سے کہتا۔

جویا کو اس پر غصہ آنے لگتا۔

بندہ خدا کبھی یہ نہ کہتا کہ تم تھکی ہوئی ہو لاؤ میں بہلا لوں بچے کو بلکہ جس روز علی اپنے رونے سے زیادہ آوازار کرتا یقین بڑبڑاتا اور منہ بناتا اٹھتا اور تکیہ چادر بغل میں داب کر دوسرے کمرے میں جا پڑتا۔

جویا کو اس پر اور زیادہ غصہ آنے لگتا۔

اپنے آرام کا کتنا خیال رہتا تھا اسے!

بچوں سے اس کی محبت دن دن کی اور بس ان کے ہنستے کھیلنے کی حد تک ہی تھی۔

رات آنکھوں سے یوں پھسل جاتی' جیسے بند مٹھی کی کسی چور درز سے ریت!

شادی سے پہلے دس دس گھنٹے لمبی تان کر سونے والی جویا کو بمشکل تین چار گھنٹے کی نیند مل پاتی۔

فجر کے وقت جب وہ بستر سے اٹھتی تو اس کا انگ انگ دکھ رہا ہوتا۔

لاحول ولاقوۃ!

کون کہتا ہے شادی کرو۔

نہ دن اپنے رہے تھے' نہ راتیں اپنی۔

جویا کو رہ رہ کے شادی سے پہلے کے دن یاد آتے۔

کیسی بے فکری اور آزادی کے دن تھے وہ!

اب تو بے فکری' آزادی' جسم اور جاں سب کچھ سلب ہو کر رہ گیا تھا۔

بابا چمن سے واپس لوٹے تو امی اور یقین میں آپس کی بات ہو چکی تھی۔ امی نے بابا کو کچھ بتانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ جویا چائے لئے آ پہنچی۔

جویا کے ادھر اُدھر ہوتے ہی امی نے بابا سے سرگوشی میں کہا۔ "[illegible] ان دونوں میں؟"

بابا یوں اَن سنی کر گئے کہ امی دیکھتی رہ گئیں۔

گھر واپس لوٹتے ہوئے امی نے بابا سے کہا۔ "پتا ہے آپ کی بہو نے یقین سے کیا کہا؟"

"کیا کہا؟"

"کہا ہے گھر میں ٹی وی نہیں آئے گا۔"

"ٹی وی ضروری تو نہیں بیگم صاحبہ۔ ٹی وی کے بغیر بھی گزارہ ہو سکتا ہے۔"

"تو پھر آپ ہر روز شام ہوتے ہی ٹی وی کے سامنے کیوں بیٹھ جاتے ہیں؟"

"وقت گزاری کے لئے لیکن میں ٹی وی کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہوں۔"

"بات ٹی وی کے بغیر زندہ رہنے یا مر جانے کی نہیں۔"

"تو پھر؟"

"بات یہ ہے کہ دلہن یقین پر حاوی ہونے کی کوشش کر رہی ہیں اور یہ بات یقین کو گوارا نہیں' سمجھے آپ!"

"میں سب سمجھتا ہوں بیگم صاحبہ۔" بابا نے توقف کیا پھر بولے۔ "اصل بات یہ نہیں کہ بہو نے ٹی وی لانے سے انکار کیا ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ بہو ٹی وی سے پہلے واشنگ مشین لانا چاہتی ہیں۔"

"آپ سے کس نے کہا؟" امی چونکیں

"بہو نے۔"

"دلہن نے!"

"ہاں اتفاق سے میری بہو آپ کی دلہن ہی ہوتی ہیں۔" بابا مسکرا دیئے۔

"مذاق میں مت ٹالیں۔"

"میں ٹال تھوڑی رہا ہوں' آپ کو اصل بات بتانے کی کوشش کر رہا ہوں۔" بابا تھمے پھر انہوں نے کہا۔ "دونوں میں جھگڑا اس بات پر ہوا ہے کہ بہو گھر میں واشنگ مشین کی ضرورت زیادہ محسوس کرتی ہیں اور ٹی وی خریدنے سے پہلے واشنگ مشین خریدنا چاہتی ہیں' جبکہ یقین میاں کو پہلے ٹی وی چاہئے اور اس لئے چاہئے کہ انہیں کون سا کپڑے دھونا پڑتے ہیں۔ میں نے تو بہو سے کہا کہ کروایا کرو یقین سے بھی کام۔"

"واہ! بہت اچھا مشورہ دے کر آئے ہیں۔" امی نے تیز نظروں سے بابا کو دیکھا اور بولیں۔ "مرد بھی کہیں کام کیا کرتے ہیں گھر کے' یہ فرض تو عورت کا ہے۔"

"یہ آپ سے کس نے کہہ دیا؟"

"کیا کس نے کہہ دیا؟"

"یہی کہ گھر کا کام کاج صرف عورت ہی کے ذمے ہے' اسی کا فرض ہے۔"

"ماسٹر صاحب۔" امی نے بابا کو استعجابیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کسی کے کہنے سننے کی

کیا ضرورت..... ساری دنیا جانتی ہے کہ گھر داری عورت ہی کا کام ہے۔"

"غلط۔" بیا بولے۔

امی زیادہ استعجاب سے بیا کو دیکھنے لگیں۔

"گھر صرف عورت ہی کا نہیں ہوتا' مرد اور عورت دونوں کا ہوتا ہے لہٰذا گھر چلانے کی ذمے داری دونوں کی مشترکہ ذمے داری ہوئی۔ گھر کا کام کاج عورت پر ڈال کر مرد کا خود کو اس سے قطعاً مبرا سمجھنا شرعاً اخلاقاً قانوناً ہر لحاظ سے غلط ہے۔"

"اچھا تو صحیح کیا ہے؟" امی نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"صحیح یہ ہے کہ مرد گھر کے کاموں میں جہاں تک ممکن ہو' عورت کا ہاتھ بٹائے۔"

"یعنی جھاڑو دے' برتن مانجھے' کپڑے دھوئے اور کھانا پکائے۔" امی کا انداز استہزائیہ تھا۔

"کیا حرج ہے۔"

"کیسی عجیب بات کرتے ہیں آپ۔ مرد بھی بھلا یہ کام کرتے ہیں کبھی۔"

"یہ بتایئے بیگم صاحبہ' دنیا بھر کے مردوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی ہستی بھی ہو سکتی ہے کوئی اور جب آپ کو اپنی ازواج مطہرات کا ہاتھ بٹانے میں تردد نہیں ہوا تو دوسرے مردوں کو عار کیوں؟"

امی لاجواب ہو کر ان کا منہ دیکھنے لگیں۔

بیا دھیرے سے مسکرائے پھر بولے۔ "بات یہ ہے بیگم صاحبہ کہ عورت اگر گھر کا کام کاج اپنے ذمے لے کر مرد کو اس سے بری الذمہ کر دیتی ہے تو یہ اس کا احسان ہے' جس کے لئے مرد کو اس کا شکر گزار ہونا چاہئے اگر مرد عورت کو اپنی باندی سمجھ کر اس سے خدمت گزاری کرواتا ہے تو یہ سراسر زیادتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کا تقاضا تو یہ ہے کہ مرد زندگی کے معاملات میں عورت کا پوری طرح ہاتھ بٹائے۔"

"تو پھر آپ کی بہو واشنگ مشین کب خرید رہی ہیں؟" امی نرم پڑ گئی تھیں۔

"فی الحال تو شاید ملتوی کر دیا ہے انہوں نے۔"

"کیوں؟"

"کہہ رہی تھیں' یقین پہلے ٹی وی خریدنا چاہتے ہیں تو خرید لیں..... واشنگ مشین وہ بعد میں لے لیں گی۔"

"ایسی ہی مفاہمت پسند ہیں آپ کی بہو تو جھگڑا کیوں کیا انہوں نے یقین سے؟"

"وہ کہتی ہیں' انہیں افسوس اس بات کا ہے کہ یقین کو ان کی مشکلات اور مسائل کا ذرا احساس نہیں۔"

"وہ بے چارے اور کیا کریں ان کی خاطر' ہم سب سے تو کٹ گئے وہ..... اگر اکٹھے رہتے تو نہ ٹی وی کا جھگڑا ہوتا' نہ واشنگ مشین کا۔ خدا کے فضل سے سبھی کچھ تھا گھر میں۔" امی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری پھر بولیں۔ "خدا کی شان ہے' یقین ایک ٹی وی کو ترس رہا ہے اور ہمارے گھر میں ایک

نہیں' تین تین ٹی وی دھرے ہیں۔"

بیا اس وقت تو کچھ نہیں بولے مگر بعد میں انہوں نے امی سے کہا۔ "گھر میں تین تین ٹیلی ویژن سیٹ موجود ہیں تو ایک یقین میاں کو نہ دے دیا جائے۔"

امی سوچ میں پڑ گئیں۔

"کیا سوچنے لگیں بیگم صاحبہ؟" بیا بولے۔

"تینوں فرزین میاں کے لائے ہوئے ہیں' ان کی اجازت کے بغیر بھلا کیسے دی جا سکتی ہے اتنی بڑی چیز یقین کو۔"

"بیگم صاحبہ' انسان سے زیادہ اہم اور قیمتی شے اور کوئی نہیں۔ اس گھر کی کوئی چیز اگر یقین کو خوشی دے سکے تو اس سے بڑی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ فرزین کی آپ فکر نہ کیجئے' ان سے میں بات کر لوں گا۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔"

بیا نے فرزین سے بات کی تو وہ بولا۔ "مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں بیا' یہ گھر آپ کا ہے۔ ہم سب آپ کے ہیں اور اس گھر کی ہر شے آپ کی ہے۔"

"جیتے رہو۔" بیا نے کہا۔ "مجھے تم سے یہی امید تھی۔"

امی نے بیا سے کہا۔ "وہ جو ہمارے کمرے میں رکھا ہے' وہ ٹی وی یقین کو دے دیجئے۔"

مگر فرزین نے کہا۔ "ڈرائنگ روم والا ٹی وی دے دیجئے انہیں۔"

"مگر وہ تو بالکل نیا ہے۔" امی بولیں۔

"کوئی بات نہیں۔ میں اب کی بار جاؤں گا تو ڈرائنگ روم کے لئے ایک اور لے آؤں گا۔"

"میں ڈرائنگ روم کی وجہ سے نہیں کہہ رہی ہوں بیٹے۔" امی نے کہا۔ "آخر تمہیں بھی تو اپنے لئے ٹی وی کی ضرورت ہوگی۔ تمہاری شادی ہوگی تو تمہیں بھی اپنے کمرے میں اپنی دلہن کے لئے ایک ٹی وی چاہئے ہی ہوگا۔"

"کیوں؟ جیسے سب لاؤنج میں بیٹھ کر دیکھتے ہیں' اسی طرح وہ بھی دیکھا کرے گی۔"

"اور اگر انہیں یہ اعتراض ہوا کہ ساس کے کمرے میں ٹی وی کیوں رکھا ہے۔"

"تو جواب یہ ملے گا کہ جب وہ بھی ساس بن جائے گی تو اس کے کمرے میں بھی ٹی وی رکھوا دیا جائے گا۔" فرزین خوش دلی سے بولا۔

"بہر حال بیٹے' خدا تمہیں خوش رکھے کہ تم نے ہمارا مان رکھا۔" امی نے فرزین سے کہا پھر بیا کی جانب دیکھ کر بولیں۔ "ماسٹر صاحب کل ہی پہنچا دیجئے' ٹی وی یقین کے ہاں۔"

"کل کیوں امی' آج ہی کیوں نہیں۔" فرزین نے کہا۔

امی نے مشورہ طلب نظروں سے بیا کی طرف دیکھا اور بولیں۔ "کیا خیال ہے ماسٹر صاحب؟"

"ٹھیک خیال ہے۔"

''تو بسم اللہ کیجئے۔''

''اٹھئے۔''

''میری تو اب ہمت نہیں آپ اور فرزین چلے جائیں۔''

''چلیں بیٹا؟'' ببا نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''چلئے۔''

☆=====☆=====☆

یقین نے اصل بات تو ڈ مروڑ کرای سے جویا کے خلاف جو شکایت حکایت کی تو محض ان کی ہمدردی بٹورنے کے لئے۔

اصل بات یہ تو نہ تھی کہ جویا ٹی وی خریدنے کے خلاف تھی بلکہ یہ تھی کہ وہ ٹی وی سے پہلے واشنگ مشین خریدنا چاہتی تھی۔

ادھر جویا نے ببا سے یقین کے خلاف جو شکوہ شکایت کیا محض یہ جتانے کے لئے کہ یقین اتنا خود غرض تھا کہ اسے اس کی تکلیف کی قطعاً پرواہ نہ تھی بس اپنی تماش بینی کا خیال تھا ورنہ وہ واشنگ مشین سے پہلے ٹی وی خریدنے پر اصرار کیوں کرتا۔

دونوں نے اپنی اپنی جگہ ایک دوسرے کے خلاف شکایتوں حکایتوں سے اپنا دل ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی تھی۔

ان میں سے ایک کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ببا اور فرزین گھر کا ٹی وی اٹھائے آ پہنچیں گے۔

دونوں نے مشکوک نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا کہ کہیں ببا اور فرزین کا ٹی وی لے آنا اس کی فرمائش کی تعمیل تو نہ تھی۔

اور وہ ببا اور فرزین سے شرمندہ سے ہو گئے۔

''اس کی کیا ضرورت تھی ببا۔'' یقین نے کہا۔

یقین نے فرزین کی طرف دیکھا۔

وہ مسکرا دیا پھر بولا۔ ''یقین بھائی ٹی وی تو اب ہر گھر کی ضرورت بن چکا ہے۔''

جویا نے ہلکی سی خشونت سے فرزین کو دیکھا۔

کیا وہ اس پر چوٹ کر رہا تھا۔

یہ جتانے کی کوشش کر رہا تھا کہ گھر میں واشنگ مشین سے زیادہ ٹی وی کی ضرورت ہوتی ہے!

''ہم خرید لیں گے۔'' یقین نے کہا۔

''یہ میں نے کب کہا ہے کہ آپ نہیں خریدیں گے۔'' فرزین بولا۔ ''ضرور خریدیئے گا مگر جب تک نہیں خریدتے اسی سے کام چلائیں۔ برا نہیں اچھا ٹی وی ہے۔''

''تم گھر کی چیز کیوں اٹھا لائے؟''

''کیونکہ یہ بھی میرا ہی گھر ہے۔ وہاں ڈرائنگ روم میں یہ سیٹ تقریباً بیکار ہی پڑا

آپ دیکھیں گے بھابی دیکھیں گی ہماری مریم دیکھے گی۔''

''بھابی بے چاری کو اتنی فرصت کہاں!'' جویا نے یقین کو کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔ ''ٹی وی بیکار لوگوں کا شغل ہے مجھے تو گھر کے کاموں ہی سے فرصت نہیں ملتی جو میں اس شغل کو سوچوں۔''

یقین سمجھ گیا کہ وہ اس پر چوٹ کر رہی تھی۔

اس کی نگاہوں سے خشونت برسنے لگی۔

''ساری عورتیں کرتی ہیں گھر کے کام۔'' یقین نے قدرے غصے سے کہا۔

ببا نے فضا مسموم ہوتے دیکھی تو رفع دفع کرنے کو بولے۔ ''بہو! کام کے ساتھ آرام بھی ضروری ہوتا ہے۔''

''میری قسمت میں آرام کہاں۔'' جویا بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''زبردستی وقت نکالو ورنہ جلدی تھک جاؤ گی۔''

''جب تین چار گھنٹے بلا ضرورت گھر سے باہر گزارے جائیں گے تو آرام کے لئے وقت کہاں نکلے گا بابا۔'' یقین نے کہا۔

''تھکی ہاری اسکول سے لوٹتی ہوں اور بچوں کو لینے کے لئے تھوڑی دیر اماں کے ہاں رکتی ہوں، اس کا طعنہ مل رہا ہے مجھے۔'' جویا نے ببا سے شاکی لہجے میں کہا۔

''رکنے کی ضرورت کیا ہے سیدھا گھر نہیں آیا جا سکتا کیا؟'' یقین بولا۔

''سن رہے ہیں...... سن رہے ہیں آپ ببا!'' جویا نے ببا سے شکایت کی۔ ''جیسے میں وقت گزاری اور تفریح کو رکتی ہوں وہاں۔''

''یقین میاں، بچوں کو لینے کے لئے تو بہو کو وہاں جانا ہی پڑے گا نا۔'' ببا نے یقین سے کہا۔ ''لیں اور آ جائیں۔ شام تک گھر کے بہت سے کام نمٹ سکتے ہیں۔ جب یہ لوٹیں گی ہی شام کو تو ظاہر ہے گھر کے کام رات تک مصروف رکھیں گے اس میں قسمت کو کیا دوش۔''

جویا نے گھائل نگاہوں سے اسے دیکھا۔

رات کو جب وہ بستر پر پڑتی تو جسم چور چور رہتا۔

مگر وہ بے مہر! بے مروت دلداری کی بجائے دوسروں کے سامنے اس کی تضحیک کر رہا تھا۔

چرکے لگا رہا تھا!!

مشکل یہ تھی کہ وہ اس سے زیادہ بحث میں الجھ بھی نہ سکتی تھی۔

خدانخواستہ وہ منہ سے کوئی الٹی سیدھی بات نکال دیتا تو!

اس کا جی بھر آیا اور وہ اپنے آنچل میں منہ چھپا کر رونے لگی۔

''ارے! ارے! ارے! ابھی سے ہمت ہار رہی ہو بہو۔'' ببا نے اس کے سر پر ہاتھ دھرتے ہوئے دلسوزی سے کہا۔ ''ابھی تو دو گام ہی چلی ہو۔ ان گنت منزلیں تمہاری منتظر ہیں کہ تم انہیں سر کرو بہت پیچ و خم ہیں جن سے تمہیں گزرنا ہے۔ ابھی سے ہمت ہار گئیں تو زندگی کا صبر آزما سفر کیونکر طے

کر پاؤں گی۔"

جویا کی سسکیاں جاری رہیں۔

"آشیانہ بنانے کے لئے تنکا تنکا جوڑنا پڑتا ہے بہو۔" بیا نے دھیمے سُروں میں کہا۔ "آشیانہ بنانے نکلی ہو تو مشکلات کا ہنس کر مقابلہ کرو۔"

اس کا جی چاہا، ان سے کہے۔

"آشیانہ صرف میرا ہی تو نہیں ہوگا، اپنے بیٹے کو بھی سمجھائیں آپ۔"

مگر وہ دل کی بات زبان پر نہ لا سکی۔

"عورت کو گھر بنانے کے لئے بڑی ریاضت کرنا پڑتی ہے۔" بیا نے مزید کہا۔

"عورت ہی کو کیوں!" جویا نے دل ہی دل میں سوچا۔ "گھر تو مرد کا بھی ہوتا ہے۔ وہ بری الذمہ کیوں رہتا ہے۔ کیا اس کا کام اتنا ہی ہے کہ دفتر سے آئے اور بن سنور کر یا تو بلکونی میں بیٹھ کر باہر کے نظارے کرے یا پھر بستر پر پڑ جائے۔"

"بھابی ٹی وی کہاں رکھیں گی؟" فرزین نے پوچھا۔

وہ کچھ نہیں بولی۔

"یقین بھائی!" فرزین نے یقین کو مخاطب کیا۔

"یار اس کی ضرورت نہیں ہے۔" یقین بولا۔

"ضرورت ہو یا نہ ہو، یہ ٹی وی اب واپس نہیں جائے گا۔" بیا نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

یقین نے بے چارگی سے بیا کو دیکھا۔

"میاں! اس گھر میں اور اُس گھر کوئی فرق تھوڑی ہے یا تم فرق کرتے ہو؟" بیا نے کہا۔ ان کے آخری فقرے نے یقین کو آزمائش میں ڈال دیا۔

"جی..... جی نہیں، میں تو کوئی فرق نہیں کرتا۔"

"بس تو پھر یہ ٹی وی وہاں رہے یا یہاں ایک ہی بات ہے۔"

"اور وہاں ڈرائنگ روم میں.....؟"

"صاحب زادے! گھر کوئی ٹی وی کا شوروم تو نہیں بنانا ہے۔ ایک گھر کے لئے ایک ٹی وی بہت ہے، وہاں تو اب بھی دو موجود ہیں۔"

"یقین بھائی فی الحال آپ یہ رکھ لیں۔ میں اب کی بار باہر جاؤں گا تو کوئی اچھا سا ٹی وی لے آؤں گا آپ کے لئے۔"

"کیا ضرورت ہے۔ ان کے لئے یہی کافی ہے۔"

"یہ کتنے کا لائے تھے تم؟" یقین نے یوں پوچھا جیسے دام چکانے کا ارادہ ہو۔

"بس اب آگے کچھ مت کہئے گا اس سلسلے میں۔" فرزین نے کہا۔

یقین شرمندہ سا ہو گیا۔

جویا کی سسکیاں تھم چکی تھیں۔

"بتایئے نا بھابی، کہاں رکھا جائے گا ٹی وی؟"

وہ بدستور خاموش رہی۔

فرزین نے یقین کو دیکھا اور بولا۔ "میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ آپ جہاں کہیں وہاں رکھ کر انٹینا وغیرہ سیٹ کر دیا جائے۔"

"بتا دو نا بھئی، کہاں رکھا جائے گا۔" یقین نے جویا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

بیا نے فرزین کو دیکھا اور معنی خیز انداز میں زیر لب مسکرا دیے۔

"مجھے کیا پتا۔" جویا بولی۔

"بتا دو بہو۔" بیا بڑے پیار سے بولے۔

جویا متذبذب سی نظر آنے لگی۔

"ہاں بھابی۔" فرزین کے لہجے میں اصرار کی کیفیت تھی۔

"یار ایسا کرو بیڈ روم میں رکھ دو۔" یقین نے کہا۔

"ٹھیک ہے بھابی؟" فرزین نے جویا سے تائید چاہی۔

جویا نے تائید میں سر ہلا دیا۔

"گڈ؟" بیا خوش ہو کر بولے۔ "فرزین میاں، آپ ٹی وی سیٹ کیجئے، بہو اچھی سی چائے پلائیں گی، کیوں بہو پلاؤ گی نا؟"

"جی..... ضرور۔" وہ آہستہ سے بولی۔

فرزین ٹی وی اٹھا کر یقین اور جویا کے بیڈ روم کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے یقین سے بولا۔ "یقین بھائی ذرا آیئے گا تو۔"

جویا کچن کی طرف چلی گئی۔

وہ چائے بنا کر پلٹی تو بیا، یقین اور فرزین بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ مریم بیا کی گود میں بیٹھی تھی اور اس کی نگاہیں ٹی وی اسکرین پر مرکوز تھیں۔ اس کا انہماک دیدنی تھا۔

باری باری سب کو چائے دینے کے بعد جویا بھی اپنا مگ لے کر ایک طرف بیٹھ گئی۔

"بہو واشنگ مشین کون سی خریدو گی؟" بیا نے پوچھا۔

جویا نے بے ساختہ چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"میں پوچھ رہا ہوں، کس میک کی واشنگ مشین خریدنے کا ارادہ ہے؟"

"جی..... وہ..... بس..... ابھی تو سوچا ہی ہے۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

"سوچا ہے تو پورا بھی کر ڈالو۔ ضرورت کی چیز جتنی جلدی آ جائے بہتر۔"

وہ چپ رہی۔

"کیوں یقین میاں آپ کا کیا خیال ہے؟"

جویا نے کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جی...... جی ہاں۔" اس نے کہا۔

"بھابی اگر آپ کچھ عرصہ تکلیف اٹھا سکیں تو میں آپ کو باہر سے لادوں گا کوئی اچھی سی واشنگ مشین۔" فرزین نے توقف کیا پھر بولا۔ "باہر ایک سے ایک مشین مل جاتی ہے' ڈرائر کے ساتھ لاکر دوں گا تاکہ آپ کو کپڑے سکھانے میں بھی دقت نہ ہو۔"

"نہیں بہو! باہر کی مشین کے چکر میں مت پڑنا۔" بابا بولے۔

فرزین نے چونک کر بابا کی طرف دیکھا۔

"بی پاکستانی اینڈ بائی پاکستانی!" بابا مسکرائے پھر مریم کا گال چھوتے ہوئے بولے۔ "کیوں بیٹا' دادا ابا تمہارے ٹھیک کہہ رہے ہیں نا۔ پاکستانی بنئے اور پاکستانی چیزیں خریدیے...... پاکستان زندہ باد!"

"جی۔" مریم نے بڑی معصومیت سے اثبات میں سر ہلایا۔

"کیا کہا دادا ابا نے؟" فرزین نے مریم سے پوچھا۔

مریم نے گردن اٹھا کر بڑے پیار سے بابا کو دیکھا پھر شرماتے ہوئے بولی۔ "پاکستان جندہ باد۔"

"بھئی واہ! پاکستان جندہ باد!" بابا نے پھڑک کر مریم کا گال چوم لیا۔

یقین' فرزین اور جویا تینوں مسکرا دیے۔

دفعتاً یقین اور جویا کی نگاہیں باہم ملیں۔

لحظہ بھر کو ان کے لبوں سے مسکراہٹ معدوم ہوئی لیکن اگلے ہی لمحے عود کر آئی۔

دونوں نے ایک دوسرے سے نظریں چرالیں۔

چند ثانیے ایک دوسرے سے انجان بنے رہے۔ پھر چوری چوری ایک دوسرے کو دیکھا اور قدرے پُرسکون نظر آنے لگے۔

بابا کے الفاظ کی بازگشت جویا کے ذہن میں گونج رہی تھی۔

"ابھی تو دو گام ہی چلی ہو بہو...... ان گنت منزلیں تمہاری منتظر ہیں کہ تم انہیں سر کرو۔ بہت پیچ و خم ہیں جن سے تمہیں گزرنا ہے۔ ابھی سے ہمت ہار گئیں تو زندگی کا صبر آزما سفر کیونکر طے کر پاؤ گی۔ آشیانہ بنانے نکلی ہو تو مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کرو۔"

ٹی وی چل رہا تھا۔

بابا اور فرزین مطمئن نظر آرہے تھے۔

اپنی ملکیت سے دوسروں کے حق میں دستبرداری بھی کبھی کبھی کیسی خوشی بخشتی ہے انسان کو!

یقین خوش تھا کہ کئی روز بعد جویا سے سفارتی تعلقات بحال ہو رہے تھے۔

جویا بھی اب ناخوش نہ تھی۔

اس کے اور یقین کے بیڈروم میں رنگین ٹی وی چل رہا تھا۔

یقین کے گھر والوں کے ذرا سے ایثار نے تصویر زندگی کو ٹی وی کی رنگینیوں سے بھی زیادہ خوش رنگ بنا دیا تھا۔

☆======☆======☆

بابا کا خیال تو یہ تھا کہ فرزین کی منگنی سادگی سے کی جائے۔ گھر والے جائیں اور رسم انجام دے آئیں پھر وہ لوگ آئیں اور اسی طرح سادگی سے فرزین کو انگوٹھی پہنا جائیں۔

مگر نگہت اور نزہت نے واویلا مچا دیا۔

"جی نہیں...... جی نہیں بابا...... ہم سادگی سے نہیں کریں گے۔" سب سے پہلے نگہت نے صدائے احتجاج بلند کی۔

"تو پھر؟" بابا نے پوچھا۔

"ہم فرزین بھائی کی منگنی خوب دھوم دھام سے کریں گے۔" نزہت بولی۔

"ایسے موقعے روز روز تھوڑی آتے ہیں۔" نگہت نے کہا۔

نزہت نے اس کی آواز میں آواز ملائی۔

"افشاں اور کہکشاں نے تو جب سے یہ خبر سنی ہے کہ ماموں کی منگنی ہونے والی ہے' اتنی ایکسائیٹڈ ہیں کہ کیا بتاؤں۔" نگہت بولی۔

"ہماری تو جٹھانی نے بھی نیا سوٹ سلنے کو دے دیا ہے۔ فرزین بھائی کی منگنی میں پہننے کے لیے۔" نزہت نے بتایا۔

"تم کیا پہن رہی ہو بھائی کی منگنی میں؟" نگہت نے پوچھا۔

"جب پہنیں گے تو دیکھ لیجیے گا۔ ساڑھے تین ہزار کی ساڑھی لی ہے ہم نے اور مسعود سے ابھی سے کہہ دیا ہے ہم نے کہ بارات اور ولیمے کے لیے ہم پانچ ہزار سے کم کی ساڑھی نہیں لیں گے۔"

"بیٹا!" بابا بولے۔ "سادگی اور اعتدال میں رہا کرو' بڑی عافیت ہے۔ انسان خود بھی اطمینان سے رہتا ہے' دوسرے بھی کسی مشکل میں نہیں پڑتے۔"

"بھائیوں کی شادیاں روز روز تھوڑی ہوتی ہیں۔" نگہت نے کہا۔

"اور کیا۔" نزہت نے تائید کی۔

بابا نے انہیں سمجھانے بجھانے اور قائل کرنے کی کوشش کی مگر انہوں نے امی اور بجیا کو بھی اپنا ہمنوا بنا لیا۔

"بیگم صاحبہ! یہ خیال رہے کہ جس بچی سے آپ کے بیٹے کا رشتہ ہونے جا رہا ہے' وہ بن باپ کی بچی ہے۔" بابا بولے۔

"اوہو...... رہنے دیں بابا...... ایسی المناک منظر کشی کی کوشش نہ کریں۔" نگہت بولی۔ "کوئی گئے گزرے نہیں ہیں وہ لوگ...... بہت اچھے حالات ہیں ان کے۔"

"قبر کا حال مردہ ہی جانتا ہے۔" بابا بولے۔

"ہمارے ڈرائنگ روم سے زیادہ اچھا ڈرائنگ روم ہے ان کا۔" نزہت نے کہا۔

"بیٹی! سفید پوشوں کا المیہ ہے کہ پیٹ کاٹتے ہیں اور ڈرائنگ روم سجاتے ہیں۔"

"آپ کچھ بھی کہیں بابا' فرزین بھائی کی منگنی بھی ہم دھوم دھام سے کریں گے اور شادی بھی۔"

"تم بھی یہی کہتی ہو بیٹی۔" بابا نے مدحت بجیا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

بجیا دھیرے سے مسکرا دیں پھر بولیں۔ "کبھی کبھی اصولوں سے روگردانی کرنا بھی اچھا لگتا ہے بابا۔"

"اچھا! یہ بات ہے تو جیسے تم سب کی مرضی۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی بابا کو ان سب کی خوشی میں راضی ہونا پڑا' تاہم ان کی یہ صلاح بدستور رہی کہ فرزین کی منگنی والے دن ہی شادی کی تاریخ بھی پکی کرلی جائے۔

"تاریخ بھی اسی دن طے کروا کے آپ ہمیں ایک نیا جوڑا پہننے کے موقع سے کیوں محروم کرنا چاہتے ہیں بابا۔" نگہت نے کہا۔

"بیٹی اچھا ہے ایک پنتھ دو کاج ہو جائیں ورنہ ان بے چاروں کو تاریخ ٹھہرائی کے لئے ناحق ایک اور تقریب کا بندوبست کرنا پڑے گا۔"

"اوہو بابا' ایک تو آپ کو اپنی بہوؤں کے گھر والوں سے بڑی ہمدردی رہتی ہے...... یقین بھائی کی شادی پر بھی آپ نے ہمیں دل کے ارمان نہیں نکالنے دیے...... بھابی کے گھر والوں کو رعایت پر رعایت دیتے چلے گئے۔"

"میں خود بھی بیٹیوں والا ہوں بیٹی، اس لئے مجھے بیٹیوں کے ماں باپ کی مشکلات کا احساس رہتا ہے۔" بابا بولے

امی نے دبی دبی سی ایک ٹھنڈی سانس بھری پھر بولیں۔ "خدا میری مدحو کے لیے بھی کوئی سبیل بنائے۔" بابا نے چونک کر امی کی طرف دیکھا۔

امی کے چہرے پر پھیلے ملال کی پرچھائیاں بابا کی آنکھوں میں بھی اتر آئیں۔

منگنی کی تاریخ طے کرتے وقت مہمانوں کی تعداد کا معاملہ آیا تو فرزین کی ہونے والی ساس نے بڑی فراخدلی سے کہا۔

"آپ جتنے مہمان چاہیں لے آئیں۔"

"نہیں ایسا تو خیر نہیں ہوگا۔" بابا بولے۔ "کوشش یہی ہوگی ہماری کہ کم سے کم افراد آئیں۔"

"لیکن آپ کو پتا ہے کہ ایسے موقعوں پر جس کو نہ پوچھو، وہی ناراض ہو جاتا ہے۔" امی نے کہا۔

"ہماری طرف سے کوئی پابندی نہیں' بس اتنا کیجیے گا کہ مہمانوں کی اندازاً تعداد ایک دو روز پہلے ہمیں بتا دیجیے گا۔"

گھر میں صلاح مشورہ ہوا تو طے پایا کہ منگنی میں دوست احباب نہ بلائے جائیں' فقط قریبی رشتے داروں کو مدعو کیا جائے تاکہ مہمانوں کی تعداد بھی بہت زیادہ نہ ہو اور قریبی رشتے داروں کو گلہ شکوہ بھی نہ ہو۔ نزہت کی سسرال اور بھابا کا میکہ بھی مدعوئین کی فہرست میں شامل رکھے گئے۔

جویا کے منگنے بلاوا بھیجنے نئے بابا اور بجیا آئے۔

زویا کے دل میں جیسے تیغ سی اتر گئی۔

تو سچ مچ وہ کسی اور سے وابستہ ہونے جا رہا تھا۔

ساری امیدیں دم توڑ گئیں۔

فرزین سے وابستہ یادوں نے دھیمے دھیمے اس کے دل کو پگھلانا شروع کر دیا۔

فرزین سے اس کی جذباتی وابستگی شیریں فرہاد اور لیلیٰ مجنوں قبیل کا کوئی فسانہ نہ تھا کہ جس سے ایک عالم باخبر ہوتا بلکہ وہ تو ایک ایسا سربستہ راز تھا جسے وہ خود اپنے آپ پر آشکار کرتے بھی ڈرتی تھی۔

ایسی ڈھکی چھپی محبت کرنے والی وہ پہلی لڑکی نہ تھی۔

ان گنت لڑکیوں نے ایسی محبت کی ہوگی۔

اور اب بھی کر رہی ہوں گی۔

محبت!

ایک امر کہانی۔

ایک لازوال جذبہ۔

کون تھا جو اس کی آفاقیت سے انکار کر سکتا تھا۔

ساری دنیا اس کے سحر میں گرفتار۔

چکور کا چاند سے عشق۔

چاند کی چاندنی زمین پر نثار

زمین سورج کے گرد رقصاں۔

کائنات کی ساری ترتیب و تزئین ہی باہمی کشش کی مرہونِ منت!

کون ہے جو انکار کر سکے کہ اس نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی۔

زندگی میں ایک مرتبہ تو سبھی محبت کرتے ہیں۔

البتہ محبت کا اظہار اور اقرار سب نہیں کرتے۔

محبت کا اقرار جرأت کا متقاضی ہے۔

اور ہر شخص اتنا دلیر کہاں ہوتا ہے کہ علی الاعلان اپنی محبت کا اقرار کر سکے۔

زویا ایک ایسے ماحول کی پروردہ تھی جہاں لڑکیوں کو شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ انہیں ہر قدم بہت سنبھل کر بصد احتیاط اٹھانا ہے۔ مبادا ان کا کوئی سہو کوئی لغزش خاندان کے لیے شرمندگی کا باعث بن جائے۔

ایسی لڑکیوں کے دلوں میں محبت اکثر بن کھلے غنچوں کی مانند مرجھا جاتی ہے۔

جن سے وہ محبت کرتی ہیں ان سے بھی نہیں کہہ پاتیں کہ ہمیں تم سے محبت ہے۔

بلکہ اپنے آپ سے بھی یہ بات کہتے ڈرتی ہیں۔

زویا بھی فرزین سے کہاں کہہ پائی تھی۔

فرزین کی محبت کی شمع اس کے دیارِ دل میں چپکے سے جلی تھی۔
شروع شروع بڑا اجیارا رہا۔
لیکن جب سرد ہواؤں کے تھپیڑے سے چلے تو ٹمٹمانے لگی۔
مگر امید تو تھی۔
لیکن اب
اب دیارِ دل میں بہت اندھیرا' بڑی وحشت تھی۔
تنہائی کا احساس سوا تھا۔
کوئی رازداں تھا نہ چارہ گر۔
کس سے کچھ کہتی یا سنتی۔
دل بہت مضطرب تھا!

☆=====☆=====☆

فرزین کی منگنی میں جویا کے پورے گھر کا بلاوا تھا۔
اماں تو جانے کے موڈ میں نہ تھیں مگر ابا' سارہ آپا اور خود جویا کے سمجھانے بجھانے پر انہیں شرکت پر آمادہ ہونا ہی پڑا۔
فرزین کھاتا کماتا لڑکا تھا۔
کہنے کو تو منگنی تھی مگر دھوم دھام ایسی کہ شادی کا سا سماں بن گیا۔
عصر مغرب کے درمیان مدعوین لڑکی والوں کے ہاں جانے کو جمع ہونا شروع ہوئے۔
سرسبز لان پر مہمانوں کے بیٹھنے کو کرسیاں قطار اندر قطار دھری تھیں۔ سب اپنے ہی تھے سو مخلوط بیٹھے تھے۔ ہلکی سی خاطر مدارات کا انتظام بھی تھا۔
اپنے گھر والوں کے ساتھ زویا بھی آئی۔
اپنی پاکٹ منی سے اس نے پچھلے دنوں اپنی ایک سہیلی کی شادی کے موقع پر ایک ریڈی میڈ سوٹ خریدا تھا۔ وہ ایک دفعہ پہننے کے بعد دوبارہ پہننے کی نوبت نہ آئی تھی۔ اس موقع پر اس نے وہی سوٹ پہنا۔
راسلک کا کرتا' بروکیڈ کا پاجامہ اور بڑا سا دوپٹہ۔
پیروں میں تلے والے کھسے۔
نازک سی امیٹیشن جیولری۔
ہلکا پھلکا سا میک اپ۔
وہ محفل میں آئی تو بہت سی توصیفی نگاہوں نے اس کا سواگت کیا۔
مدحت بجیا نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا۔ ''بہت اچھی لگ رہی ہو!''
''تھینک یو'' اس نے دھیرے سے کہا مگر دل میں دکھن سی تھی۔
اماں' بھابی اور سارہ آپا نے نشستیں سنبھال لی تھیں۔
لان پر ہی ایک سجی سجائی مسند پر لڑکیاں ڈھولک لیے بیٹھی تھیں۔
''چلو تم بھی ان لڑکیوں کے ساتھ بیٹھو'' بجیا نے اس سے کہا۔
''نہیں پلیز آپ مجھے تو یہیں بیٹھنے دیں۔''
''کیوں؟''

"مجھے گانا نہیں آتا۔"

"تو کیا ہوا..... ڈھولک کی تھاپ کے ساتھ تالیاں تو بجانا آتی ہی ہوں گی۔" بجیا نے کہا پھر بڑی اپنائیت اور بے تکلفی سے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولیں۔ "کم آن۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ڈھولک پارٹی میں جا بیٹھنا پڑا۔

ڈھولک کی تھاپ پر گاتی بجاتی لڑکیوں کے اس غول میں چند چہرے اس کے لیے جانے بوجھے تھے باقی انجانے۔

اسے جویا کے ولیمے کی دعوت یاد آ رہی تھی۔

"اللہ! تمہیں کتنے عرصے بعد دیکھا۔" زدیا کے قریب ہی بیٹھی ایک تنومند خاتون نما لڑکی نے پرجوش لہجے میں کہا۔

اس نے بے ساختہ چونک کر اسے دیکھا۔

"پہچانا نہیں؟"

"جی کوشش کر رہی ہوں۔"

"اچھا بتاؤ تو بھلا کون ہوں میں؟ نام کیا ہے میرا؟"

زدیا نے ذہن پر زور ڈالا مگر پہچاننے میں ناکام رہی۔

"سوری..... میں نہیں پہچان سکی۔"

"میرا نام رباب ہے۔" وہ مسکرائی۔ "اب یاد آیا کچھ؟"

"رباب! یقین بھائی کی کزن۔"

"جناب!"

"آئی ایم سوری میں بالکل نہیں پہچان سکی۔"

"موٹی ہو گئی ہوں میں..... ہے نا۔" وہ کچھ دل برداشتہ سی دکھائی دینے لگی۔

"جی..... جی ہاں..... تھوڑی سی۔" زدیا نے مصلحت آمیز تکلف سے کام لیا۔

"شادی نے میرا حشر بگاڑ دیا۔" وہ منہ بسور کر بولی۔

"شادی ہو گئی آپ کی؟"

"ایک بیٹی بھی ہے۔"

"اچھا!"

"اس کی پیدائش پر ہی تو میں اتنی پھول گئی ورنہ میں تو بہت دبلی پتلی سی ہوتی تھی..... اب بھی یاد نہیں آیا کیا؟"

"نہیں نہیں اب تو یاد آ گیا۔"

زدیا کو واقعی یاد آ گیا تھا۔ اور بھی بہت کچھ یاد آ گیا تھا اسے۔

"جویا بھابی کی کھیر میں ہاتھ ڈلوائی کی تقریب یاد ہے..... چوہیا والا قصہ؟"

"ہاں..... یاد ہے۔"

"اللہ! کتنا ہنسے تھے اس روز ہم لوگ..... میں تو اب بھی جب کبھی اس واقعے کو یاد کرتی ہوں میرے پیٹ میں گدگدی سی ہونے لگتی ہے۔ پتا ہے کیا جب تائی جمیلہ نے مرغی کی ٹانگ زور سے اچھالی اور وہ صنوبر کی گود میں گری تو وہ بے چاری یہ سمجھی کہ چوہیا اس کی گود میں آ گئی ہے..... اللہ کتنا ہنسے تھے ہم سب اس دن۔"

زدیا کے ذہن کے پردے پر فلم سی چل رہی تھی۔

آخری فلک شگاف چیخ مار کر وہ اپنی پلیٹ سمیت بھاگی تھی تو اس نے خود کو فرزین کے روبرو پایا تھا۔

"خیریت تو ہے؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"جی..... جی ہاں۔"

"یہ اتنی چیخ پکار کیوں مچی ہوئی ہے؟"

"وہ..... ہم لوگ کھانا کھا رہے تھے کہ....."

"کہ؟"

"کہیں سے چوہیا آ گئی۔"

"چوہیا!"

"جی۔"

"تو یہ چیخ پکار محض اس وجہ سے..... آپ لوگ..... میرا مطلب ہے لڑکیاں اتنی ڈرپوک کیوں ہوتی ہیں؟"

"سب تو نہیں ہوتیں۔"

"آپ تو ہیں۔"

"جی نہیں..... بالکل نہیں۔"

"تب ہی اپنی پلیٹ سمیت بھاگی چلی جا رہی تھیں۔"

"جی نہیں..... وہ تو میں بس یونہی۔"

"جسٹ فار انجوائے منٹ۔"

وہ خفیف ہو گئی۔

تقریب میں شریک فرزین کی کزنز اور دوسری لڑکیاں اصل صورت حال واضح ہونے پر ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوئی جا رہی تھیں۔

"آپ ان قہقہوں سے محروم کیوں کھڑی ہیں..... چلیے۔" وہ بولا۔

"مجھے کوئی شوق تو نہیں ہے یوں منہ پھاڑ کر ہنسنے کا مگر آپ کہتے ہیں تو چلی چلتی ہوں۔" وہ اس کے ساتھ ہو لی تھی۔

"یہ بتاؤ میری طرف مرغی کی ٹانگ کس نے اچھالی تھی؟" نزہت کی کیلی صنوبر اپنی قمیص کا دامن ٹشو پیپر سے صاف کرتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"میں نے چھینکی تھی۔" تائی جمیلہ نے سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اپنے زانو کو رومال سے پونچھتے ہوئے وہ آنکھیں نکالے لڑکیوں کو دیکھ رہی تھیں۔ "یہ بتاؤ میرے اوپر یہ کس نے چھینکی تھی؟"

"اپنی پلیٹوں سمیت ووٹ لگانے والی خواتین چیک کریں کہ کس کی پلیٹ میں سے مرغی کی ایک ٹانگ غائب ہے...... اعتراف کرنے والی خاتون کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔" ذہین شوخ نظروں سے زویا اور فرزانہ کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بھئی میں تو ویجیٹیرین ہوں...... دیکھ لیں میری پلیٹ میں تو آپ کو دور دور تک مرغی کی ٹانگ تو کجا اس کا نقش پنجہ تک نہ ملے گا۔" فرزانہ اپنی پلیٹ دکھا رہی تھی۔

"بولو نا کون تھی تم میں سے؟" تائی جمیلہ اپنی جگہ سے اٹھ کر لڑکیوں کی طرف آ گئی تھیں اور انہیں گھورتے ہوئے فرزین سے شکایت کر رہی تھیں۔ "اے بیٹے دیکھ تو ذرا میں چکن کی قمیص اور لیڈی ملن کی شلوار پہن کر آئی تھی انہوں نے ستیاناس کر مارا...... ارے جوانی ہم پہ بھی آئی تھی...... ایسے باؤلے نہیں ہو جایا کریں تھے۔ پہلے کے لوگ۔"

"کیوں بھئی تائی جمیلہ کے کپڑے کس نے برباد کیے؟" فرزین بناوٹی ورشتی سے لڑکیوں سے بازپرس کر رہا تھا۔

"جو خاتون اپنی پلیٹ سمیت ووٹ ڈالنے گئی تھیں اور ویجیٹیرین بھی نہیں ہیں وہ اپنی پلیٹ میں سے ایک ٹانگ میرا مطلب ہے مرغی کی گرا چکی ہیں۔" ذہین شوخ نظروں سے زویا کو دیکھ رہا تھا۔

وہ محجوب ہو گئی۔

"ہوں! تو یہ آپ کا کارنامہ ہے۔" فرزین زیر لب مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

"فرزین بیٹے پہلے تو تو ان سب سے یہ پوچھ کر انہوں نے اتنا ونگا کیوں مچایا تھا؟" تائی جمیلہ کہہ رہی تھیں۔

"تائی یہ مت پوچھیں۔" ذہین ہنس رہا تھا۔

"بات کیا تھی؟" فرزین نے ذہین کو دیکھا۔

"ہم بتاتے ہیں آپ کو۔" نزہت بولی۔

نزہت نے سارا قصہ بیان کیا۔

"اچھا تو یہ تیری شرارت تھی۔" تائی جمیلہ نے ذہین کا کان پکڑ لیا۔

"تائی...... چھوڑ دیں...... بس یہ دو ہی بچے ہیں۔"

لڑکیاں ذہین کی بات پر قہقہہ مار کر باجماعت ہنسنے لگیں۔

"اے باؤلی ہو گئیں کیا۔" تائی جمیلہ نے آنکھیں نکالیں۔

فرزین گہری نظروں سے زویا کو دیکھ رہا تھا جس کی دھیمی دھیمی سی مسکراہٹ قہقہوں کے بیچ کچھ اس طور پر نمایاں تھی جیسے بنات النعش کے سامنے اکیلا قطب تارا!

"تمہاری کہیں بات وات لگی؟" رباب نے تالیاں بجاتے ہوئے اسے ٹہوکا دے کر چونکا دیا۔

زویا کو یوں لگا جیسے رباب کے سوال کا نفی میں جواب دے کر وہ بڑی بے توقیری قرار پائے گی۔

"جی...... پرپوزلز تو کئی آئے مگر......"

ڈھولک کی اونچی تھاپ اور لڑکیوں کی بلند آہنگی کے بیچ ان کی دھیمی آوازیں گم ہوئی جا رہی تھیں۔

"مگر؟" رباب نے پوچھا۔

"گھر والوں کے معیار پر ابھی تک کوئی پورا نہیں اترا۔"

"جتنا چھانو اتنا ہی کرکرا نکلتا ہے...... کہتے ہیں لڑکیوں کے رشتے جتنے ٹھکراؤ اتنا ہی برا، نہ کرتے کرتے نہ ہی ہو کر رہ جاتی ہے...... ہمارے ابا نے تو میرے پہلے ہی رشتے پر ہاں کر دی تھی۔ اللہ کا شکر ہے میں بڑی خوش ہوں اپنے گھر میں۔"

زویا نے بے ساختہ چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

وہ بھی تو فرزین کی امیدواروں میں شامل تھی۔

مگر اس وقت وہ کتنے اطمینان سے کہہ رہی تھی کہ وہ بہت خوش ہے اپنے گھر میں۔

اس کی آنکھوں میں۔

اس کے چہرے پر۔

دور دور تک رنج و ملال کا شائبہ تک نہ تھا۔

زویا سے باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ وہ بڑے مزے سے ڈھولک کی تھاپ کے ساتھ تالیاں بھی بجائے جا رہی تھی۔

زویا کو اس پر رشک سا آنے لگا۔

"جویا بھابی الگ کیوں ہو گئیں؟" رباب نے یک بیک موضوع بدل دیا۔

بڑا ٹیڑھا سوال تھا۔

کم از کم زویا کے لیے!

وہ کیا کہتی۔

"کیوں الگ ہو گئیں؟" رباب نے پھر اپنا سوال قدرے بے تابی سے دہرایا۔

"پتا نہیں۔"

"خیر یہ تو مت کہو...... پتا تو سب ہو گا تمہیں۔" رباب نے اس کے پہلو تہی پر قدرے برا مناتے ہوئے کہا۔

"سنا ہے فرزین بھائی کی سسرال کافی ماڈرن ہے۔" رباب نے تیسرا موضوع چھیڑ دیا جو زویا کے لیے اپنے اندر کافی دلچسپی رکھتا تھا۔

"اچھا!"

"ہاں بھئی...... اصل میں فرزین بھائی کو چاہیے بھی تھی ایسی ہی لڑکی جوان کے ساتھ جہاز پر

گھوم پھر سکے' آزاد اور بے باک ہو..... میری تمہاری طرح نہ ہو۔" رباب نے اپنے ساتھ زدیا کو بھی لپیٹ لیا۔

اس کے تبصرے نے زدیا کو ایک احساسِ کم مائیگی سے دوچار کردیا۔

"ان کی اپنی پسند ہوگی؟" زدیا کے لہجے میں استفہام تھا۔

"ہوسکتا ہے۔"

"زدیا!" کسی نے زدیا کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے اسے چونک کر پلٹنے پر مجبور کردیا۔

نزہت اس کے نزدیک کھڑی تھی۔

اور بھی فربہ ہوگئی تھی وہ۔

بال بھی ترشوا لیے تھے اس نے۔

"ارے نزہت!" زدیا نے مسند سے اتر کر نزہت سے ملنے کا ارادہ کیا۔

"بیٹھی رہیں بیٹھی رہیں۔" نزہت نے کہا۔

"کیا حال ہے؟" زدیا نے پوچھا۔

"خدا کا شکر ہے۔ ہم بالکل ٹھیک ہیں..... ابھی ابھی بیوٹی پارلر سے آئے ہیں..... آپ سنائیں۔"

"میں بھی ٹھیک ہوں۔"

"رباب!" نزہت نے جھک کر رباب کے تالی بجاتے ہاتھ پکڑ لیے اور رازداری سے پوچھا۔ "ایک بات بتاؤ ہمارا میک اپ بہت ڈارک تو نہیں؟"

"ڈارک ہو بھی تو اب تم کیا کرسکتی ہو؟" رباب مسکرائی۔

"بدتمیز!" نزہت نے رباب کو بناوٹی غصے سے گھورا اور اس کے شانے پر دھپ لگائی۔

"زدیا آپ بتائیں کیسا ہے ہمارا میک اپ۔"

"ٹھیک ہے۔"

"ہماری پلکیں مصنوعی تو نہیں معلوم ہورہی ہیں؟"

"شکر کرو کہ آنکھیں تم نے اپنی ہی رکھیں۔" رباب پھر مسکرائی۔

"اے رباب کی بچی، ہم تمہیں قتل کردیں گے۔" نزہت نے پھر اسے گھورا۔

"رباب کی بچی تو اپنی دادی کی گود میں ہے۔" رباب نے کہا پھر نزہت کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔

"کتنے بجے تک نکلو گے تم لوگ؟"

"بس چچا جان کی فیملی کا انتظار ہے۔"

"دولہا میاں کہاں چھپے ہوئے ہیں؟"

"یہیں کہیں ہوں گے..... بہت مشکل سے قابو میں آئے ہیں۔"

"شادی کے لیے؟" رباب کے لہجے میں پھر استفہام تھا۔

"ہاں!"

"کیوں؟"

"کوئی لڑکی پسند ہی نہ آتی تھی۔"

"یہ پسند آگئی؟"

"ابھی تو منگنی ہورہی ہے۔"

زدیا کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں دبوچ لیا۔

"وہ تائی جمیلہ کا کیا حال ہے؟" اس نے گھٹی گھٹی آواز میں نزہت سے پوچھا۔

"ارے آپ کو تائی جمیلہ کیوں یاد آگئیں؟" نزہت مسکرائی۔

"ابھی ذرا دیر پہلے ہم لوگ جویا بھابی کی کھیر میں ہاتھ ڈلوائی والے دن چوہیا والے واقعے کو یاد کرکے ہنس رہے تھے۔" رباب نے کہا۔

"اے!" نزہت نے رباب کو گھورا۔ "کیا تم ہمیں چھیڑ رہی ہو؟"

"نہیں..... ایمان سے ایسی کوئی بات نہیں..... تم زدیا سے پوچھ لو..... کیوں زدیا' ہم لوگ یاد کررہے تھے اس واقعے کو یا نہیں۔"

"ہاں کر تو رہے تھے۔" زدیا نے گواہی دی۔

"لیجیے وہ آگئے دولہا میاں۔" نزہت نے کہا۔

زدیا دم بخود دیکھتی رہ گئی۔

سلک کے خاکستری کرتا شلوار میں ملبوس وہ ایک نوجوان جوڑے سے مسکرا مسکرا کر غالباً مبارکباد وصول کررہا تھا۔

"یہ کون ہیں جن سے فرزین بھائی باتیں کررہے ہیں؟" رباب نے پوچھا۔

"فرزین بھائی کے دوست اور ان کی بیگم۔" نزہت نے بتایا۔

"بہت خوش لگ رہے ہیں دولہا میاں۔" رباب نے کہا۔

زدیا کا دل بیٹھنے لگا۔

رباب غلط نہ کہہ رہی تھی۔

واقعی بہت خوش لگ رہا تھا وہ!

بے ایمان!

دھوکے باز!

اماں ٹھیک ہی تو کہتی ہیں' لڑکیوں کو عقل سے رہنا چاہیے..... ایسی ویسی بات ہو جائے تو لڑکوں کا کچھ بھی نہیں بگڑتا' لڑکیاں بے چاری بدنام ہوجاتی ہیں۔

زدیا نے دزدیدہ نظروں سے پھر اس کی طرف دیکھا۔

اپنے دوست اور اس کی بیوی کو نشستوں کی طرف لے جاتے ہوئے وہ کسی بات پر کھل کر ہنس رہا تھا۔

زویا کا دل کٹنے لگا۔

کیسا فریبی نکلا تھا وہ!

کہا اس سے کہ۔ ”میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“

”اور.....!“

اس کے حلق میں دھواں سا اکٹھا ہونے لگا۔

نزہت چلی گئی تھی۔

”تائی جمیلہ نہیں آئیں آج؟“ اس نے گھٹی گھٹی آواز میں رباب سے کہا۔

رباب نے سر جھکا کر اپنا کان اس کے نزدیک کر دیا۔

غالباً وہ اس کی بات سن نہ پائی تھی اور اب سننا چاہتی تھی۔

اس کے ہاتھ بدستور متحرک تھے۔

لڑکیاں اونچی آواز میں گا رہی تھیں۔

بنو تیرے ابا کی اونچی حویلی۔

بنو میں ڈھونڈتا چلا آیا۔

”تائی جمیلہ نظر نہیں آئیں۔“ زویا کے لہجے میں مرغ بسمل کی سی بیتابی تھی۔

”تائی جمیلہ۔“ رباب نے اپنا نیم خم سر سیدھا کرتے ہوئے اسے دیکھا پھر بولی۔ ”وہ بے چاری تو بہت دن ہوئے مر گئیں۔“

دفعتاً فرزین کی نگاہیں اس پر آٹھہریں۔

وہ ٹھٹک گیا۔

ایک پل کو اس کی نگاہوں میں چمک سی دکھائی دی۔

پھر یوں ہوا جیسے شمع کی لو بجھنے سے پہلے آخری بار ٹمٹمائے۔

وہ مڑا اور نہ جانے کہاں چلا گیا۔

زویا کو یوں لگا جیسے اس نے تائی جمیلہ کی نہیں اپنی محبت کے مرنے کی خبر سنی ہو۔

اس کا دل زخم کی طرح دُکھ رہا تھا۔

☆======☆======☆

لڑکی والوں کے ہاں پہنچنے سے واپسی تک زویا ایک ناقابلِ بیان کرب میں مبتلا رہی۔

ارج کو اس نے یوں دیکھا جیسے کوئی اپنے رقیب رُوسیاہ کو دیکھتا ہے۔

اس کی قسمت پر اسے رشک بھی آیا اور حسد بھی محسوس ہوا۔

رہ رہ کر اس کے دل میں یہی خیال ابھرتا رہا کہ اس لڑکی نے اس کا حق غصب کر لیا تھا۔ وہ نفیس اور کامدار سوٹ تو اسے زیبِ تن کرنا چاہیے تھا۔

لعل و زمرد سے مزین اس طلائی سیٹ پر تو اس کا نام لکھا تھا۔

ان گجروں اور کنٹھوں کو تو اس کے جسم کی زینت بننا تھا۔

لڑکیاں بالیاں ہنستی بولتی رہیں۔

وہ ہنستی بھی تو دل روتا رہا۔

او خدا! کیسا کرب انگیز صدمہ تھا۔

ہر سو روشنی بکھری ہونے کے باوجود زویا نے سارے شگون گھور اندھیاروں میں بکھر کر دیکھے۔

چپکے چپکے اس کا دل روتا رہا۔

ارج اور اس کے متعلقین سے اسے نفرت محسوس ہوتی رہی۔

رات کو گھر واپسی کے بعد جب وہ بتی گل کر کے سونے کے لیے بستر پر لیٹی تو ضبط کے سارے بند یک بیک ٹوٹ گئے۔

اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ریلا بہہ نکلا۔

دونوں ہونٹوں کو باہم بھینچ کر اس نے منہ پر چادر تان لی۔

تادیر وہ سسکیوں کو سینے میں گھونٹتی رہی۔

شاید وہ رات کے اندھیرے کو بھی اپنی ناکام محبت کی خبر نہ ہونے دینا چاہتی تھی۔

آنسو بہانے سے دل کچھ ہلکا ہو چکا تو اس کا ذہن عجیب و غریب خیالات کی آماجگاہ بن گیا۔

کبھی خیال آتا فرزین کو فون کر کے اس سے پوچھے کہ وہ تو اس سے شادی کرنا چاہتا تھا کسی اور کے حق میں فیصلہ کیوں دے بیٹھا۔

کبھی جی چاہتا اسے فون کر کے اسے خوب برا بھلا کہے۔

کبھی اس کا ذہن فرزین کو ارج سے بدگمان کرنے کی تدبیریں سوچنے لگتا۔

آواز بدل کر اسے فون کرے اور کہے میں ارج بول رہی ہوں..... آپ سے میری منگنی زبردستی کی گئی ہے۔ مجھے کسی اور سے محبت ہے۔

کسی فرضی نام سے کسی لڑکے کی طرف سے فرزین کو لکھائی بدل کر خط لکھے کہ ارج تو اس سے محبت کرتی ہے اگر اس نے شادی ہو بھی گئی تو ناکام رہے گی۔

کبھی فرزین ہی نہیں اس کے گھر والوں سے متنفر کر دینے کو لکھائی بدل کر ایسا گمنام خط لکھنے کو جی چاہتا جس میں ارج نہیں اس کی ماں پر بھی بدکرداری کا الزام لگایا گیا ہو۔

کبھی سوچتی کہ کسی طرح ارج کے گھر کا فون نمبر مل جائے تو اسے اور اس کی ماں کو فرزین سے بدگمان کرنے کو گمنام فون کا کرے اور کوئی ایسی بات کہے کہ یہاں سے وہاں تک کھلبلی مچ جائے۔

کبھی خیال آتا ارج کے گھر کا پتا تو معلوم ہو ہی چکا ہے۔ لکھائی بدل کر ارج اور اس کے گھر والوں کو ایسا خط لکھے کہ فرزین ہی نہیں اس کے گھر والوں کی طرف سے بھی متنفر ہو جائیں۔

کہیں سے تھوڑا سا زہر حاصل کر کے شادی والے دن چپکے سے ارج کے کھانے میں ملا دے۔

ارج سے رقابت کا احساس اسے ایسی ایسی خوفناک تدبیریں سجھا رہا تھا جن کا اس سے پہلے اس نے کبھی تصور تک نہ تھا۔

بظاہر یہ بڑی حیرت کی بات تھی۔
وہ تو شیشے کی طرف شفاف دل رکھتی تھی۔
بڑی امن پسند لڑکی تھی وہ۔
درگزر سے کام لینے والی
نیک گمان اور صلح جو۔
کسی کو آزار پہنچانے کا خیال تک نہ آتا تھا اس کے دل میں۔
برا ہو احساسِ رقابت کا!
برا ہو حسد کی آگ کا جو لحظہ بہ لحظہ پھیلتی محسوس ہو رہی تھی!!
اس نے کبھی سوچا تک نہ تھا کہ کسی روز نیم تاریکی میں اپنے بستر پر بے کلی سے کروٹیں بدلتے ہوئے وہ ایسے ایسے خوفناک منصوبے بنائے گی۔
انہی الٹے سیدھے خیالوں میں اسے نیند آ گئی۔
کیسی کیسی نعمتوں سے نوازا ہے اللہ نے اپنے بندوں کو!
نیند جیسی نعمت نہ ہوتی تو شاید اس رات وہ پلک نہ جھپک پاتی۔
اگلی صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو دل کوئی قیمتی شے کھو چکنے کے خیال سے آزردہ تھا' تاہم گزشتہ شب جیسی بے قراری نہ تھی۔
اسے خود سے شرم آنے لگی کہ گزشتہ رات اس کا ذہن کیسے الٹے سیدھے خیالات اور کیسی نازیبا منصوبہ بندیاں کرتا رہا تھا۔
اپنی ایک پسندیدہ افسانہ نگار کے کسی افسانے کی چند سطروں کی بازگشت اسے اپنے گھائل دل کے لیے مرہم ہی محسوس ہوئی۔
"زندہ انسانوں سے آباد کسی مکان کے دروازے پر نصب مالک مکان کے نام کی جگمگاتی تختی کا کروفر کیسا ہی سہی' کسی مرقد کے سرہانے لگے کتبے کی اہمیت بھی کچھ کم نہیں کہ وہ راہ گزاروں کو زبانِ حال سے مدفون کا اتا پتا دیتا ہے۔ سو اگر آپ محبت کی بازی جیت چکے ہیں تو مبارک باد لیکن اگر ہار گئے ہیں تو دوسروں کے سینوں پر سجے تمغے نوچ کر خود کو مزید کمزور ثابت نہ کریں...... اسپورٹس مین اسپرٹ کا تقاضا تو یہ ہے کہ اپنی مات کا تحمل سے سامنا کریں اور اپنے دل کی کسی سنسان سی رہگزر پر اس ناکام بت کا کتبہ اس یقین کے ساتھ لگا لیجیے کہ محبت کو امر کرنے کے ہزار انداز ہو سکتے ہیں۔"
دونوں ہاتھوں سے اپنے بالوں کو سمیٹتے ہوئے زویا نے ایک سرد آہ کھینچی اور اپنے دل کی ایک سنسان رہگذر پر اپنی ناکام اور خاموش محبت کا کتبہ لگا لیا۔
زویا اس دنیا کی پہلی لڑکی نہیں تھی جس نے ایسا کیا تھا۔
ان گنت لڑکیاں اپنے دلوں میں ایسے کتبے لگائے بیٹھی ہیں۔

☆=====☆=====☆

فرزین کے ایما پر شادی کی تاریخ تقریباً چار ماہ بعد رکھی گئی تھی۔

وہ منگنی کے بعد مشرقِ وسطیٰ کے راستے یورپ کا ایک چکر لگا کر شادی کی شاپنگ وہیں سے کر کے آنا چاہتا تھا۔
منگنی کی رسم کے بعد تیسرے دن ہی اس نے سائن آن کر لیا اور چھٹے ساتویں روز سفر پر نکل گیا۔
قیاس تھا کہ تقریباً ساڑھے تین ماہ بعد واپسی ہو گی۔
فرزین کیا گیا' گھر سناٹے میں ڈوب گیا۔
امی' بیا' مدحت بجیا اور زویا ہی رہ گئے۔
فرزین اگرچہ کہہ گیا تھا کہ شادی کی شاپنگ وہ یورپ اور مڈل ایسٹ سے کر کے لائے گا مگر اپنے تئیں امی نے بھی تیاری کا ڈول ڈال دیا۔
بجیا کے بازار کے پھیرے لگنے لگے۔
نگہت اور نزہت بھی ہاتھ بٹا رہی تھیں۔
کبھی کبھی جویا بھی آ جاتی مگر بہت رکھی سے انداز میں۔
جویا نے واشنگ مشین کی خریداری کا معاملہ فرزین کی شادی ہونے تک التوا میں ڈال کر شادی میں شرکت کے لیے اپنے' یقین کے اور دونوں بچوں کے ملبوسات تیار کروانے شروع کر دیے تھے۔
اسے اندازہ تھا کہ نگہت اور نزہت زبردست اہتمام کریں گی اور وہ کسی صورت بھی ان سے پیچھے نہ رہنا چاہتی تھی۔
پیچھے رہتی بھی بھلا کیوں!
وہ دونوں تو اپنے شوہروں کی دست نگر تھیں۔
جب کہ خود وہ...... وہ اپنے پیروں پر کھڑی تھی۔ نگہت اور نزہت کی طرح میاں کی دست نگر نہ تھی۔
یقین' دونوں بچوں اور اپنے ملبوسات کی تیاری سے قطع نظر فرزین کی ہونے والی دلہن کی رونمائی کے لیے کسی قیمتی تحفے کا اہتمام بھی بجائے خود ایک اہم مسئلہ تھا۔
تحفہ جو بھی ہو نگہت اور نزہت کے تحفوں سے زیادہ اچھا ہوتا کہ ان کے سامنے سبکی نہ ہو۔
نگہت اور نزہت کے بارے میں تو اسے یقین تھا کہ وہ ایسی پکی تھیں کہ آخر وقت تک نہ بتائیں گی کہ بھاوج کو رونمائی میں کیا چیز دینے جا رہی تھیں۔
مدحت بجیا نے تو بتا دیا تھا کہ وہ دلہن کو رونمائی میں دینے کے لیے سیٹ بنوا رہی تھیں۔
جب بڑی نند سیٹ دے رہی تھیں تو جیٹھانی ہونے کے ناتے اسے بھی کوئی قیمتی تحفہ دینا چاہیے تھا۔
ویسے بھی فرزین جویا کی ڈرائنگ روم سے اٹھا کر انہیں دے گیا تھا' گیا گزرا بھی بارہ پندرہ ہزار سے کم نہ تھا۔
دوستوں کا حساب دلوں میں۔

اگر دس بارہ ہزار تک کی کوئی چیز بھی چڑھائی دلہن کو تو سمجھ لیں کے ٹی وی خرید لیا بازار سے۔

جویا نے اس سلسلے میں یقین سے بھی خاطر خواہ صلاح مشورہ کر لیا تھا۔

خاصی سوچ بچار کے بعد بالآخر دونوں کی رائے ٹھہری تھی کہ دلہن کے لیے طلائی زیورات کا سیٹ بنوا لیا جائے۔

گھر والے جس جوش و خروش سے شادی کی تیاریاں کر رہے تھے اس سے یہ اندازہ کرنا دشوار نہ تھا کہ فرزین کی شادی خاصی دھوم دھام سے ہو گی۔

جویا جب سسرال جاتی' اماں کو فرزین کی شادی کی تیاریوں کا احوال خاصے مرعوب کن انداز میں سناتی۔

''چار تو سیٹ بنوائے جا رہے ہیں۔''

''ساس شاید کنگن چڑھائیں گی۔''

''مدحت بجیا نے سیٹ بنوایا ہے رونمائی میں دینے کو۔''

''چوڑیاں سنا ہے فرزین دبئی یا سعودیہ سے لیتے ہوئے آئیں گے۔''

اماں ذرا مرعوب نہ ہوتیں۔

''ارے بھئی کیا کمال کی بات ہے جو ساس کنگن چڑھا دیں گی بہو کو..... کھاتا کماتا لڑکا ہے..... بھر بھر کر لاتا بھی تو ہے۔''

''ہاں خیر لاتا تو بہت ہے۔'' جویا تائید کرتی۔

''بس تو پھر کنگن چڑھانا کون سی بڑی بات ہے۔''

''ویسے اماں' لڑکا اچھا تھا۔'' ایک روز جویا نے بڑے ہی ترسے ہوئے لہجہ میں کہا۔

''بھڑ ے کنبوں کے لڑکے سونے کے بھی ہوں تو برے۔'' اماں نے دوٹوک لہجے میں کہا پھر بولیں۔ ''میں نے سوچ رکھا ہے کہ زویا کی شادی ایسے لڑکے سے کروں گی جو بالکل تنہا ہو..... اماں بہنوں کے دم چھلے نہ لگے ہوں چمن کے ساتھ۔''

''ایسا لڑکا کہاں سے آئے گا اماں جو بالکل تنہا ہو۔''

''لگن سچی ہو تو انسان اللہ سے جو مانگے مل جاتا ہے۔''

''اللہ کرے مل جائے۔''

''بلکہ اگر سچ پوچھو تو اب تو میرے دل کو یہ لگن لگی ہے کہ تمہارے دیور کی شادی سے پہلے ہی زویا کے لیے کوئی اچھا لڑکا مل جائے اور یوں چٹ منگنی پٹ بیاہ ہو کہ سب دیکھتے رہ جائیں۔''

''آمین!'' جویا نے صدقِ دل سے کہا۔

☆=====☆=====☆

فرزین کی شادی کی تیاری چھڑی تو ایک کے بعد دوسرا کام نکلتا چلا آیا۔

ڈرائنگ روم کی آرائش تو لازم ٹھہری۔

باہمی صلاح مشورے سے فرزین کے کمرے کی تزئین بھی ضروری قرار پائی۔

کمرے میں نئے قالین اور نئے پردوں کا تخمینہ دس ہزار کے لگ بھگ ٹھہرا۔

امی پس و پیش میں پڑ گئیں۔

گو زمانے کی رفتار اور روز افزوں مہنگائی کے اعتبار سے دس ہزار کوئی بہت بڑی رقم نہ تھی مگر گھر میں شادی چھڑی ہو تو خرچ پر خرچ نکلتا چلا آتا ہے سو امی نے بجیا سے کہا۔ ''ذرا ہلکا قالین اور سستے پردے بھی لے لو۔''

بجیا نے ہمیشہ کی طرح فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرزین کے کمرے کی تزئین اپنے ذمے لے لی۔

''قالین اور پردوں کی آپ فکر نہ کریں امی..... ان کی پے منٹ میں کر دوں گی۔''

امی کا جی بھر آیا۔

ہر موقع پر کتنی بے غرضی اور ایثار سے کام لیتی تھیں بجیا!

''تم بھی کوئی درختوں پر سے تو پیسے توڑ کر نہیں دو گی۔''

''کوئی بات نہیں امی..... ایسے موقعے بھی تو بار بار نہیں آتے..... فرزین واپس آئیں گے تو انہیں یہ احساس تو نہیں ہو گا کہ ہم نے کچھ تیاری نہیں کی۔''

''تیاری کر تو رہے ہیں..... کچھ فرزین کے پیسے سے' کچھ اپنی جمع پونجی سے..... عزیز و اقارب تو ہمارے یہ سمجھتے ہیں کہ نہ جانے کتنا پیسہ ہے ہمارے پاس۔''

''پیسہ تو خیر آپ کے پاس واقعی بہت ہے۔'' بیا نے زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ بجیا کو دیکھتے ہوئے امی سے تفریح طبع کی خاطر کہا۔

امی نے بے ساختہ چونک کر ان کی طرف دیکھا پھر شاکی لہجے میں بجیا سے بولیں۔ ''مدحو بیٹی سن رہی ہو اپنے بیا کی بات' کوئی باہر والا سنے تو کہے جب گھر کا سربراہ ایسی بات کہہ رہا ہے تو سچ مچ بہت پیسہ ہو گا بڑی بی کے پاس۔''

''بڑی بی!'' بیا چونکے۔ ''بیگم صاحبہ' کس کو کہہ رہی ہیں آپ بڑی بی؟''

''خود کو اور کس کو۔'' امی بولیں۔

''کیا واقعی؟''

''جی ہاں۔''

''ارے بھئی آپ پہلی خاتون ہیں جنہیں ہم نے خود کو بڑی بی کہتے سنا ہے..... حیرت انگیز!''

''پہلی خاتون میں کہاں ماسٹر صاحب..... پہلی تو مس صدیقی تھیں۔'' امی نے زو معنی لہجے میں کہا۔

بجیا زیر لب مسکرا دیں۔

بیا جھینپ سے گئے۔

''میں تو کہتی ہوں' ذرا سستے پردے اور قالین لے لو۔'' امی نے اصل موضوع پر پلٹتے ہوئے کہا۔

"سستے کیوں امی! بھائی میرا لاکھوں میں نہیں تو ہزاروں میں ایک ضرور ہے۔ ان شاء اللہ وہی قالین ڈالیں گے جس کا نمونہ میں نے آپ کو لاکر دکھایا تھا اور وہی پردے جن کا ہم نے تخمینہ لیا ہے۔"

امی نے بجیا کو دیکھا اور بولیں۔ "میں تمہیں سوائے دعا دینے کے اور کیا کر سکتی ہوں۔"

"میرے لیے آپ کی دعائیں ہی سب کچھ ہیں۔"

"جیتی رہو۔"

"اچھا امی! ایسا ہے کہ قالین خرید کر فرزین کے کمرے ہی میں رکھوا دیتے ہیں اور پردے بھی سلوائے لیتے ہیں' شادی سے ایک دو روز پہلے قالین بچھوائیں گے' پردے سلے ہی رکھے ہوں گے...... کیا خیال ہے آپ کا؟"

"ٹھیک ہے جو کام نمٹ جائے' اچھا ہے۔"

قالین اور پردوں کی دکان سے آدمی آکر کمرے کے فرش کی پیمائش اور دروازوں کھڑکیوں کے پردوں کا ناپ لے ہی چکا تھا۔ بجیا دو تین بعد دوبارہ دکان پر جاکر پردوں کی سلائی کا آرڈر دے آئیں اور قالین کی ادائیگی بھی کردی کیونکہ سالانہ بجٹ آنے والا تھا اور شنید تھی کہ قالینوں کی قیمت بڑھ جائے گی۔

قالین اور پردوں کی دکان سے نکلتے ہوئے بجیا کو خیال آیا کہ امی کے لیے چپل لینا تھی۔

جوتوں کی دکان پر امی کے لیے چپل پسند کرنے کے بعد انہوں نے سوچا' اپنے لیے بھی کورٹ شوز کا ایک جوڑا لے لیا جائے۔

سیلز مین نے پانچ چھ جوڑے دکھائے۔

جس جوڑے پر ان کی نگاہ انتخاب ٹھہری اسے پہن کر وہ قدم آدم آئینے کے روبرو کھڑی مختلف زاویوں سے جوتوں کے اس جوڑے کا جائزہ لے رہی تھیں کہ دفعتاً انہیں آئینے کے توسط سے احساس ہوا۔ شوروم میں موجود درمیانی عمر کا ایک مرد' بارہ تیرہ سالہ ایک لڑکی اور آٹھ دس برس کا ایک لڑکا اپنی نگاہوں میں کچھ حیرت کچھ مسرت سمیٹے گہری نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

بجیا کچھ جھینپ کر آئینے کے سامنے سے ہٹ گئیں۔

سیلز مین ہمہ تن انہی کی طرف متوجہ تھا۔

تھوڑا سا ٹائٹ لگ رہا ہے' ایک نمبر بڑا مل جائے گا نا؟"

"جی مل جائے گا۔"

"پرائس کیا ہے اس کی؟"

سیلز مین نے جوتوں کا ڈبا الٹ پلٹ کر اس پر لکھی ہوئی قیمت دیکھنے کے بعد بتایا۔ "تین سو بچھتر۔"

"زیادہ ہے۔"

"باجی! رنگزین نہیں ہے' خالص چمڑا ہے۔"

بجیا سوچ میں پڑ گئیں۔

دوسروں کے لیے خریداری وہ ہمیشہ بڑی فراخدلی سے کرتیں مگر اپنے لیے خریداری کرتے ہوئے وہ ہمیشہ کفایت کے چکر میں رہا کرتی تھیں۔

ایک نمبر بڑا نکلوا دوں؟" سیلز مین نے پوچھا۔

"نہیں...... رہنے دیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"کیا ہوا؟" سیلز مین کے لہجے میں ہلکی سی استہزائیہ کیفیت تھی جیسے کہتا ہو۔ "بس خرید لیا جوتا...... تین سو بچھتر سن کر طوطے اڑ گئے!"

"اس کی نو بہت تنگ ہے۔" بجیا نے بہانہ کیا۔

"بیٹھیے تو سہی' چوڑی نو والا دکھائے دیتے ہیں۔"

بجیا کشمکش و پیچ میں پڑ گئیں۔

سیلز مین نے اوپر دیکھتے ہوئے ہانک لگائی۔ "لالا بھئی! چھ سو سترہ کا سات نمبر۔"

"استاد کلر تو بتاؤ۔" اوپر سے جواب آیا۔

"چاروں کلر دے دو جو باجی کو پسند آجائے۔"

بجیا نے ارد گرد ایک طائرانہ نظر دوڑائی۔

وہی مرد اور دونوں بچے ہنوز محو حیرت انہیں دیکھ رہے تھے۔

وہ ٹپٹا گئیں۔

یہ کیا ماجرا تھا!

کیوں دیکھ رہے تھے' وہ تینوں انہیں اس قدر تعجب اور اشتیاق سے!

اوپر سے جوتوں کے ڈبے یکے بعد دیگرے نیچے گرنے لگے۔

"یہ دیکھیے باجی! بالکل نیا ڈیزائن دکھا رہا ہوں۔" سیلز مین نے ڈبا کھول کر میرون رنگ کا جوتا ڈبے سے نکالتے ہوئے کہا۔

جوتا پاؤں میں پہنتے ہوئے بجیا نے دزدیدہ نظروں سے ان تینوں کی طرف دیکھا۔

وہ تصویر حیرت بنے بدستور انہی کو تک رہے تھے۔

بچوں کی حد تک تو گوارا تھا۔

مگر وہاں تو مرد بھی آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"ایک دم فٹ آیا ہے باجی' دوسرا بھی پہن کر دیکھیں' بہت آرام دہ رہے گا۔"

"رہنے دیں۔" بجیا نے پاؤں میں پہنا ہوا جوتا بھی اتار دیا۔

"کیا ہوا؟" سیلز مین نے منہ بنا کر کہا۔

"رہنے دیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"باجی' کچھ بولیں تو کیا ہوا؟"

"بس...... یہ دے دیں۔" بجیا نے امی کے لیے پسند آنے والی چپل کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ نہیں لیں گی؟"

"نہیں...... بس رہنے دیں۔"

"آپ کی مرضی...... ویسے چیز بڑی پائیدار اور پیاری تھی۔"

سیلز مین نے باقی ڈبے بند کیے اور امی والی چپل کا ڈبہ لیے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ بجیا بھی اس کے پیچھے پیچھے کاؤنٹر پر آ کھڑی ہوئیں۔

چپل کی قیمت ادا کرتے ہوئے بجیا کی نظریں غیر اختیاری طور پر اسی طرف اٹھ گئیں۔

وہ تینوں اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

مگر ان کی نظریں!

ان کی نظریں اب بھی بجیا پر مرکوز تھیں۔

ادائیگی کر کے چپل لینے کے بعد بجیا دکان سے باہر نکل آئیں۔

پتا نہیں کون تھے وہ تینوں!

بجیا نے اپنی یادداشت میں محفوظ چہروں کو کھنگالنے کی کوشش کی۔

کچھ یاد نہ آیا۔

اپنے لیے کورٹ شوز خریدنے کا خیال انہوں نے ملتوی کر دیا۔

فٹ پاتھ پر ایک ہاکر کے پاس رک کر انہوں نے کافور کی گولیوں کے دو پیکٹ خریدے پھر آگے بڑھ گئیں۔

دوپٹوں والے کی دکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے وہ ٹھٹک گئیں۔

نگہت نے کہا تھا' کسی روز بازار جائیں تو میرے لیے ململ کا ایک بلیک دوپٹہ لیتی آئیے گا۔

اس نے زبردستی پیشگی پیسے بھی دے دیے تھے۔

دوپٹے والے کی دکان پر تین چار خریدار پہلے ہی موجود تھے۔

اپنی باری کا انتظار کرتے ہوئے بجیا دوپٹوں پر نظر دوڑانے لگیں۔

ہینگرز پر انتہائی نفیس کڑھائی والے ململ کے دوپٹے لہرا رہے تھے۔

"سنیے کل میں دو دوپٹے رنگنے کو دے گئی تھی مگر رسید گھر پر بھول آئی ہوں' آپ رسید کے بغیر دوپٹے دے دیں گے؟" ایک نوجوان لڑکی دوپٹے والے سے پوچھ رہی تھی۔

"رسید لے آئیے۔"

"دیکھیں پلیز' رسید لینے کے لیے مجھے گھر جانا پڑے گا۔ آپ دے دیں نا...... میں تو رنگواتی رہتی ہوں آپ سے دوپٹے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر رسید کے بغیر ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ کون کون سے دوپٹے ہیں۔" دکاندار نے پہلو تہی چاہی۔

"میں بتا دیتی ہوں آپ کو۔" لڑکی بولی پھر اس نے دکان کے باہر رنگریز کی الگنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ایک تو وہ لٹک رہا ہے گرین بارڈر والا......"

لڑکی کے دکان سے باہر اشارہ کرنے پر بجیا کی نظریں بھی دکان سے باہر گئیں اور یک لخت وہ

ٹھٹک گئیں۔

دکان کے باہر وہی مرد اور دونوں بچے کھڑے ہوئے تھے اور ان کی نظریں دکان کے اندر انہی پر مرکوز تھیں!

ان کی نظروں میں وہی حیرت' اشتیاق' وہی ندیدگی تھی۔

خدایا' کون تھے وہ!

لڑکی نے لڑکے کے کان میں کچھ کہا۔

لڑکا مسکرایا پھر اس نے مرد سے کوئی بات کہی۔

مرد اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے مسکرا دیا۔

تینوں کی نظریں پھر دکان کے اندر انہی پر آ ٹکیں۔

دوپٹہ خرید کر دکان سے باہر نکلتے ہوئے انہوں نے دزدیدہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

لڑکی لڑکے کو ٹہوکا دے کر کچھ کہہ رہی تھی۔

بجیا فٹ پاتھ پر ہو لیں۔

کچھ دور جانے کے بعد وہ گھر جانے کے لیے سواری کی تلاش میں سڑک کے کنارے تھمیں تو انہوں نے ان تینوں کو اپنے سے چند قدم دور پایا۔

نہ جانے کون تھے وہ!

دور سے ایک خالی رکشہ آتا دکھائی دیا۔

بجیا نے اسے رکنے کا اشارہ دیا۔

رکشہ پھٹ پھٹ کرتا ان کے نزدیک آ رکا۔

بجیا نے رکشہ ڈرائیور کو اپنی منزل مقصود کا پتا دیا۔

"چالیس روپے۔" رکشے والا منہ پھاڑ کر بولا۔

"کیوں؟ میٹر سے چلو نا۔"

"میٹر خراب ہے۔"

کوئی اور وقت ہوتا تو وہ ہرگز اس رکشے میں نہ بیٹھتیں مگر اس وقت انہیں چھ پراسرار آنکھوں سے بچنا تھا۔

چار چھوٹی اور دو بڑی آنکھیں۔

رکشہ میں بیٹھنے سے پہلے انہوں نے شاپنگ بیگ رکشہ کی سیٹ پر رکھا اور خود بیٹھنے ہی کو تھیں کہ عقب سے ایک مردانہ آواز نے انہیں چونکا دیا۔

"ایکس کیوز می۔"

بجیا بے ساختہ ہڑبڑا کر پلٹیں۔

وہی شخص جو دونوں بچوں کے ہمراہ تھا' ان کے نزدیک کھڑا تھا۔

"پلیز دو منٹ دیں گی آپ ہمیں؟" اس نے انتہائی لجاجت سے کہا۔

ہمیں!

دونوں بچے چند قدم پرے کھڑے دیکھ رہے تھے۔

"میرے بچے آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

دونوں بچے آگے بڑھ آئے تھے۔

بجیا کچھ گھبراہٹ' کچھ تذبذب میں مبتلا تھیں۔

رکشہ ڈرائیور عجیب سی نگاہوں سے کبھی انہیں' کبھی ان تینوں کو دیکھ رہا تھا۔

"اگر آپ مناسب سمجھیں تو رکشہ والے کو جانے دیں' دوسرا مل جائے گا۔" بچوں کے باپ نے انتہائی شستہ انگریزی میں کہا۔

چند لمحے وہ متذبذب سی رہیں۔

خدا جانے کیا قصہ تھا۔

پہلے انہوں نے سوچا' سوری کہیں اور رکشہ میں بیٹھ کر رکشہ والے سے چلنے کو کہیں...... لیکن پھر انہوں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔

معلوم تو ہو کہ کون ہیں یہ لوگ اور کیا چاہتے ہیں۔

مگر رکشہ والے سے معاملہ طے ہو چکا تھا' اسے چھوڑا جاتا تو اس کے بڑبڑانے کا اندیشہ تھا سو اپنا بیگ کھول کر انہوں نے پانچ روپے کا ایک نوٹ نکالا اور اسے دیتے ہوئے بولیں۔" معاف کرنا بھائی۔"

"نہیں...... نہیں...... آپ رہنے دیں...... میں دیتا ہوں۔" اس شخص نے اپنی جیب سے چری بٹوا نکالا اور پچاس روپے کا ایک کرارا نوٹ رکشہ ڈرائیور کی طرف بڑھا دیا۔

رکشہ ڈرائیور حیرانی سے دیکھنے لگا۔

بجیا خود حیران تھیں۔

اس قدر سخاوت کا مظاہرہ کیوں کر رہا تھا وہ!

"لو بھئی۔" اس شخص نے رکشہ ڈرائیور سے کہا۔

بجیا نے سیٹ پر سے اپنا شاپنگ بیگ اٹھا لیا تھا۔

"صاحب! ہم کدھر آیا ہے' نہیں گیا ہے...... پچاس روپیہ کس بات کا لیوے۔" رکشہ ڈرائیور بھی کوئی پیسے کا لوبھی نہ تھا۔

"رکھ لو۔"

"میں کچھ سمجھ نہیں پا رہی ہوں۔" بجیا نے انگریزی میں کہا۔

"رکشہ والے کو جانے دیں' میں آپ کو سب کچھ سمجھا دوں گا۔" اس شخص نے بھی انگریزی میں جواب دیا۔

رکشہ ڈرائیور نے نوٹ لیا' بڑی نیازمندی سے اپنا نوٹ والا ہاتھ پیشانی تک لے گیا اور بولا۔

"مہربانی صاحب۔" پھر رکشہ پھٹ پھٹاتا آگے ہو لیا۔

بجیا نے سوالیہ نظروں سے ان تینوں کو دیکھا۔

"خاتون! میرا نام معظم علی ہے...... کرنل معظم...... اور یہ دونوں میرے بچے ہیں...... بیٹی علی زا معظم اور بیٹا نروان معظم...... بیٹا آداب کیجیے۔"

"آداب۔" لڑکی نے مسکرا کر کہا۔

"آداب!" لڑکا شرما کر بہن کی آڑ میں چھپنے کی کوشش کرنے لگا۔

"معاف کیجیے گا' ہم تینوں بہت دیر سے آپ کے تعاقب میں ہیں۔"

بجیا کے جی میں آیا' پوچھیں کیوں تعاقب میں ہیں لیکن انہوں نے خود پوچھنے کے بجائے انہی لوگوں کی زبانی سننے کا انتظار کرنا مناسب سمجھا۔

"آپ یقیناً حیران ہو رہی ہوں گی کہ ہم نے آپ کو کیوں روکا؟"

"جی...... ہو تو رہی ہوں۔"

"اصل میں بات یہ ہے کہ......" کرنل معظم نے توقف کیا پھر قدرے ہچکچاتے ہوئے کہا۔" آپ حیرت انگیز حد تک ان بچوں کی ماں سے مشابہت رکھتی ہیں۔ یہ دونوں آپ سے...... بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"آئی سی......" بجیا نے قدرے مطمئن ہو کر دونوں بچوں کو دیکھا۔ "بائی دی وے ان کی مدر کہاں ہوتی ہیں؟"

کرنل معظم نے ایک ٹھنڈی سانس بھری پھر بوجھل آواز میں کہا۔" وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔ تقریباً ایک سال قبل اس کا اچانک ہارٹ فیل ہو گیا۔"

"اوہ!" بجیا نے ترحم آمیز نگاہوں سے دونوں کو دیکھا۔

"دونوں بہت مس کرتے ہیں اسے۔" کرنل معظم نے بڑی دل گرفتگی سے کہا۔

دونوں بچے یاس و حسرت سے بجیا کو دیکھ رہے تھے۔

"شاید آپ یقین نہ کریں مگر یہ حقیقت ہے کہ آپ بہت مشابہت رکھتی ہیں مرحومہ سے' دونوں ہی نہیں میں بھی چونک پڑا تھا آپ کو دیکھ کر...... یہ دونوں آپ سے ملنا اور بات کرنا چاہتے تھے اور اسی لیے ہم دیر سے آپ کے پیچھے تھے...... اگر آپ نے برا منایا ہو تو ہم معافی چاہتے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔"

"تھینک یو۔" کرنل معظم نے کہا پھر بچوں کو مخاطب کیا۔" علی زا آپ بات کرنا چاہ رہی تھیں نا آنٹی سے؟"

علی زا نے کچھ شرماتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اور نروان آپ بھی؟"

"جی۔" نروان نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"تو کریں نا بات۔"

دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

دونوں ہی ایکسائیٹڈ دکھائی دے رہے تھے۔

"آنٹی آپ بالکل ہماری ممی جیسی ہیں۔" نروان نے کہا۔

"رئیلی!"

"یس!"

"آپ کہاں رہتی ہیں آنٹی؟" علی زا نے پوچھا۔

"اپنے گھر میں۔"

"آپ کا گھر کہاں ہے؟" نروان نے سوال کیا۔

بجیا نے مسکرا کر جواب دیا۔

"آپ کے کتنے بچے ہیں آنٹی؟" علی زا نے پوچھا۔

بجیا محجوب ہو گئیں۔

"میرے بچے نہیں ہیں۔"

"معافی چاہتا ہوں۔" کرنل معظم نے کہا۔ "یہ کچھ زیادہ ہی پرسنل سوال کر بیٹھے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔"

علی زا نے اپنے پنجوں پر اچکتے ہوئے باپ سے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

کرنل معظم نے اپنا سر جھکایا اور اپنا کان اس کے نزدیک کر کے اس کی بات سننے لگے۔

علی زا کی بات نے ان کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دی۔

"آنٹی" علی زا ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "آپ ہمارے گھر آئیں۔"

"ہاں آنٹی پلیز۔" نروان اچھلا۔

بجیا نے نروان کا گال چھوا اور بولیں۔ "بیٹا! آپ جیسے پیارے پیارے بچوں سے جھوٹا وعدہ کرنا ہمیں اچھا نہیں لگتا۔"

نروان الجھی الجھی نگاہوں سے کرنل معظم اور علی زا کو دیکھنے لگا۔ غالباً وہ بجیا کی بات کا مطلب نہ سمجھ سکا تھا۔

"اچھا بھئی' کافی ٹائم لے لیا آپ نے آنٹی کا..... اب شکریہ ادا کیا جائے۔"

"ڈیڈی ابھی نہیں۔" علی زا لجاجت سے بولی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"تھوڑی دیر اور ڈیڈی۔"

"بس بیٹا..... ہو سکتا ہے' آنٹی جلدی میں ہوں..... ہم نے تو انہیں جاتے سے روکا ہے۔"

"او کے۔"

کرنل معظم نے جیب سے بٹوا اور بٹوے میں سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکالا اور بجیا کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔ "یہ میرا کارڈ ہے۔"

"شکریہ!" بجیا نے کارڈ لے لیا۔

"تھینک یو کہیے آپ لوگ۔" کرنل معظم نے بچوں سے کہا۔

"تھینک یو۔"

"آپ سے ملنا اور بات کرنا نہ صرف بچوں کے لیے بلکہ خود میرے لیے بھی ایک خوشگوار اتفاق رہا۔" کرنل معظم نے کہا۔

"مجھے بھی آپ لوگوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔"

"آپ مناسب خیال کریں تو ہم آپ کو آپ کے گھر تک ڈراپ کر سکتے ہیں۔"

"شکریہ..... میں کوئی سواری لے لوں گی۔"

"بہتر..... جیسے آپ کی مرضی۔" کرنل معظم نے کہا۔

"اچھا بیٹا اجازت؟" بجیا نے دونوں بچوں کی جانب دیکھا۔

"او کے آنٹی۔"

"اچھا معظم صاحب۔" بجیا نے اجازت طلب انداز میں کہا۔

"اوہ! آپ کا تعارف تو ہم نے حاصل ہی نہیں کیا۔"

"مدحت کہتے ہیں مجھے۔"

"وقت دینے کا شکریہ مسز....." کرنل معظم نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"مس مدحت!" بجیا نے تصحیح کی۔

کرنل معظم کی آنکھوں میں چمک سی ابھری اور وہ بولے۔ "معاف کیجئے گا' میں آپ کی ناک میں پڑی لونگ سے دھوکا کھا گیا..... ہمارے ہاں خواتین عام طور پر شادی کے بعد ہی لونگ پہنتی ہیں۔"

"نہیں" بجیا مسکرائیں۔ "ضروری نہیں' یعنی غیر شادی شدہ خواتین بھی بڑے ذوق وشوق سے پہنتی ہیں۔ ویسے میں اس زمرے میں نہیں آتی۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"آپ کا اندازہ درست ہے۔"

"یعنی؟"

"یعنی..... میں شادی شدہ عورت ہوں۔"

کرنل معظم کی آنکھوں میں ہلکورے لیتی چمک ماند پڑ گئی۔

"شادی شدہ..... اور مس!" ان کے لہجے میں استفہام بھی تھا' حیرت بھی۔

"جی بس..... کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔" بجیا نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے' کہیں جاب کرتی ہیں آپ؟"

"جی!"

"پوچھ سکتا ہوں کہاں؟"

"یونیورسٹی میں۔"

''پڑھاتی ہیں؟''

''جی ہاں۔''

''کس ڈپارٹمنٹ میں؟''

بجیا ہچکچائی مگر پھر اس نے بتا دیا۔

''آپ سے مل کر خوشی ہوئی مس مدحت۔'' کرنل معظم کے لہجے میں اب ایک انوکھی حدت تھی۔

''خدا حافظ!''

''خدا حافظ!''

☆=====☆=====☆

بہت سے الفاظ کی صحیح تفسیر اس پر اب ہی کھلی۔
مہنگائی کے حقیقی معنی اب واضح ہوئے۔
عمومی اور خصوصی خریداری اسے تنہا ہی کرنا پڑتی۔
روز افزوں مہنگائی کے باوجود ناقص اشیاء کے خلاف وہ ہی دکانداروں کو تقلیل لیکچر پلاتی۔
صارفین کے علاوہ بھی خود کو معصوم اور مظلوم قرار دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے۔
''کیا کریں جی! دام ہم نے تھوڑی بڑھائے ہیں۔ پیچھے ہی سے ہر شے مہنگی آ رہی ہے۔''
کریانہ فروش منہ بسور کر کہتا۔

کبھی بازار میں گھی کا توڑ پڑ جاتا۔
کبھی شکر میلی میلی سی آنے لگتی۔
کبھی آٹا لاوارث ہوتا۔
کبھی چاولوں میں سرسریاں بہت ہوتیں۔
کبھی دالیں کنکریلی نکلتیں۔
کبھی پسی مرچ میں ملاوٹ ہوتی۔

دکاندار سے شکایت کرتی تو وہ بے چارگی کی تصویر بنتے ہوئے کہتا۔ ''ہم کیا کریں جی! پیچھے ہی سے مال ایسا آ رہا ہے۔''

سبزی فروش کا احوال بھی کچھ زیادہ مختلف نہ تھا۔
کبھی ٹماٹر کے دام آسمان سے باتیں کرتے۔
کبھی پیاز کا کال پڑ جاتا۔
کبھی لہسن مہنگا۔
کبھی ادرک نایاب۔
کبھی آلو میٹھے۔
کبھی ہرا دھنیا عنقا۔

ایک روپے کی چار چھ ہری مرچیں دیتے ہوئے سبزی فروش احسان دھرتا۔ ''قسم اللہ پاک کی آپا! تمہیں دے رہا ہوں ایک روپے کی مرچیں' کوئی اور ہوتا تو ایک روپے کی مرچوں کے واسطے میں اسے دکان پہ کھڑا بھی نہیں ہونے دیتا۔''

''اتنی مہنگائی کیوں کر دی ہے تم لوگوں نے؟''

''میری آپا! ہم کیوں کرتے مہنگائی...... پیچھے ہی سے سبزی مہنگی آ رہی ہے۔''

پھر پیچھے ہی سے!

قصاب آدھا کلو گوشت میں تین چھٹانک سے زیادہ تو ہڈی چڑھا دیتا۔
قیمہ نکلواتی تو آدھی چربی اور پٹھے نکل جاتے۔ ہاتھ میں ذرا سی تھیلی آتی۔

اور ریٹ!

خدا کی پناہ!!

بیکری والا آئے دن انڈوں پر دام چڑھا دیتا۔
دودھ فروش سے تو آئے دن اس کا جھگڑا رہتا۔
من مانے دام اور دودھ بالکل پانی سا۔
دو مرتبہ دودھ والے کو ہٹایا مگر پھر مجبوراً اسی کو لگانا پڑا۔
''دودھ والے! بالکل جھلی سی ملائی آتی ہے دودھ پر۔''
''کیا کریں جی...... ہم سے تو آپ قسم لے لو جو ہم کچھ ملاتے ہوں دودھ میں۔''
''پھر اتنا پتلا کیوں ہوتا ہے؟''
''پیچھے ہی سے ایسا آ رہا ہے جی۔''

پھر پیچھے ہی سے!

بزاز کی دکان پر جاتی اور دام کم کرانے کی کوشش کرتی تو وہ منہ بسور کر کہتا۔ ''ایمان سے باجی' اس دام میں پڑتا نہیں...... ہم بھی دو پیسے نفع کے لیے بازار میں بیٹھے ہیں...... جس ریٹ پر آپ کہہ رہی ہیں اس پر تو ہمیں نہیں ملتا۔''

''چلیں آپ کی مرضی۔'' وہ اٹھنے کا ارادہ کرتی۔

''ہاں باجی...... کیا ہوا؟''

''آپ کو نہیں پڑتا تو کوئی بات نہیں...... میں کہیں اور دیکھ لوں گی۔''

''باجی! یہ ڈیزائن اور کلر پوری مارکیٹ میں نہیں ملے گا ایمان سے۔''

وہ تذبذب میں پڑ جاتی۔

''لے جائیں۔''

''مجھے تو لینا ہے' آپ دام تو کم کریں۔''

دکاندار نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بے بسی کا مرقع بن جاتا۔

''نہیں باجی...... اتنا منافع تھوڑی ہے جتنا آپ لوگ سمجھتی ہیں۔ میٹر پر ایک آدھ روپے کی

بچت ہے بس۔"

"دینا ہے تو دے دیں۔"

"کیسے دے دیں باجی...... ہم کو نہیں پڑتا...... پیچھے ہی سے مہنگا آرہا ہے۔"

پھر وہی!

پیچھے ہی سے!!

رکشہ ٹیکسی والے من مانا کرایہ وصول کرنے پر اڑ جاتے۔

"آپ لوگ کرایہ بڑھاتے چلے جاتے ہیں بھئی۔" وہ زچ ہو جاتی۔

"ام کدھر بڑھاتا اے باجی' پیچھے ہی سے پیٹرول مہنگا ہے۔"

خدایا!

پیٹرول بھی پیچھے ہی سے مہنگا تھا۔

ساری گڑبڑ پیچھے سے ہو رہی تھی۔

یقین مزے میں تھا۔ اسے نہ پیچھے کی فکر تھی نہ آگے کی۔

ساری فکریں جویا کی جان کو آ لگی تھیں۔

تنخواہ بعد میں ہاتھ میں آتی' پہلے بل پہنچ جاتے۔

سب سے پہلے مکان کا کرایہ۔

بجلی کا بل۔

گیس کا بل۔

دودھ والے کا بل۔

بل...... بل...... اور بل!

یقین تو تنخواہ اسے دیتا اور چین کی بانسری لے کر بیٹھ جاتا۔

بندہ خدا کبھی پلٹ کر نہ پوچھتا کہ کوئی مسئلہ تو نہیں۔ جویا از خود کوئی مسئلہ اس کے سامنے رکھ کر اس کی مدد چاہتی بھی تو وہ بڑی بے نیازی سے کہتا۔ "مجھے کچھ نہیں پتا تم جانو۔"

سارے اختیارات بڑی چالاکی سے اسے سونپ کر بالکل بے بس کر دیا تھا یقین نے اسے! اور اس پر طرہ یہ کہ سیاہ سفید کی مالک ہو۔ شکوے کی جا ہی نہیں۔

دفتر سے گھر واپس لوٹتا تو کچھ اس طرح جیسے اس کی سات پشتوں پر احسان کر کے آیا ہو۔

جویا نوکری کرتی۔

گھر داری نمٹاتی۔

بچوں کو صبح شام ڈھوتی۔

یقین کی خدمت گزاری میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتی۔

پھر بھی وہ بے مروت خاطر میں نہ لاتا۔

کبھی گھر کے کسی معاملے یا بچوں کی دیکھ بھال میں وہ اس کی مدد چاہتی تو وہ صاف کہہ دیتا۔"

یہ میرا کام نہیں' تمہارا ہے۔" اس کا دل جل کر رہ جاتا۔

نوکری وہ بھی کرتی تھی۔ مگر یقین یوں نخرے دکھاتا جیسے وہ تو گوشت پوست کی تھوڑی پتھر کی بنی ہوئی تھی۔

تھکن تو اسے اتنی ہوتی کہ خدا کی پناہ۔

"یار آج بہت تھکا ہوا ہوں' ذرا چائے تو بنا دو فٹافٹ۔"

"تھکا ہوا ہوں' مجھے آرام کرنے دو۔"

"آج کام بہت تھا دفتر میں بہت تھک گیا ہوں...... سو جاؤں تو مجھے جگانا مت۔"

رات کو جب وہ گھر کے دھندوں سے نمٹ کر بستر پر آتی تو وہ ایک نیند لے چکا ہوتا تھا۔

چھٹی والے دن وہ صبح گیارہ سے پہلے بستر نہ چھوڑتا۔

جویا کے لیے تو چھٹی والا دن ہوا کے گھوڑے پر سوار آتا اور گزر جاتا۔ چھٹی والے دن میکے جانے کی فرمائش اور سیر و تفریح سب کچھ بھول گئی تھی وہ!

چھٹی والے دن اتنے بہت سے کام کرنے ہوتے اسے کہ وہ ہفتے کے بقیہ دنوں سے کچھ زیادہ ہی تھک جاتی۔ رات کو بستر پر لیٹتی تو انگ انگ تھکن سے چور ہوتا۔

"میرے کپڑے استری کر دیے؟" یقین پوچھتا۔

"جی...... کر دیے۔"

"جوتوں پر پالش کر دی ہے؟"

"جی۔"

"ذرا ٹانگیں تو دبا دو میری۔"

کبھی حکم کی تعمیل ہو جاتی۔

کبھی جویا جھلا جاتی۔

"میں تھک گئی ہوں۔"

"یار ایک تو تم عورتیں تھک بہت جلدی جاتی ہو...... ہم مردوں کو دیکھتی ہو' کتنا کام کرتے ہیں۔"

"جی ہاں!" وہ شاکی نظروں سے اسے دیکھتی۔

"اچھا یہ بتاؤ' میری میز کی دراز صاف کی تم نے؟"

"آج سارا دن گھر میں لگی رہی' وقت ہی نہیں ملا...... اگلے ہفتے یا درمیان میں کسی روز وقت مل گیا تو کر دوں گی۔"

"دو ہفتے سے کہہ رہا ہوں۔" وہ تیوری چڑھا کر کہتا۔

"آپ دیکھتے تو ہیں' کتنی مصروف رہتی ہوں میں۔"

"چھوڑو یار' تم بھی بس یونہی ہو...... مجھے خود ہی کرنا پڑے گا۔"

"اچھا ابھی کیے دیتی ہوں۔"

رات کو بستر پر لیٹنے کے بعد وہ سوچتی' چھٹی کا دن کہاں چلا گیا تھا!
روزمرہ گھریلو کاموں سے قطع نظر دونوں بچے اس کی بھرپور توجہ چاہتے۔
کام کرتے ہوئے وہ مریم کو اپنے آس پاس ہی اور نظروں کے سامنے رکھتی۔
علی کو گاہے گاہے جا کر دیکھتی رہتی۔
ایک طرف علی کے منہ میں دودھ کی بوتل لگا کر آتی تو دوسری طرف مریم کو ہدایات اور ترغیبات کا سلسلہ جاری رکھتی۔
"پڑھو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔"
مریم کلمہ پڑھتی۔
جویا ترجمہ یاد کراتی۔
"اچھا' یہ تو بتاؤ بیٹے اللہ میاں کو انگلش میں کیا کہتے ہیں؟"
"گاڈ۔"
"ویری گڈ!"
مریم کی آنکھیں چمکنے لگتیں۔
"ہیں۔ ہیں..... منہ میں انگلی نہیں ڈالتے بیٹا..... اچھا یہ بتاؤ اے فار....."
"ایپل"
"ایپل معنی؟"
"سیب"
جویا ہنستی تھی کہ مریم پی بی سین پر لڑھک جاتی ہیں!
حسرت نے اپنے لیے کہا تھا۔

ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی

جویا کے سلسلے میں بات کچھ یوں بنتی تھی کہ

ہیں گھر کے کام جاری بچوں کی تربیت بھی

سارہ آپا سے اپنی کولیگز تک جویا نے دیکھا تھا کہ جو مائیں اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت پر توجہ دیتی تھیں' وہ بچے کامیاب رہتے تھے اور ان کے ماں باپ بھی خوش اور مطمئن۔
باپ!
باپ تو شاید اسی طرح مفت میں خوش اور مطمئن ہو جاتے ہوں گے جیسے یقین۔
مفت ہی ہوا!
بھلا کیا ہاتھ بٹا رہا تھا' یقین بچوں کی دیکھ بھال اور تربیت کے سلسلے میں!
بلکہ اس ننھی سی جان سے بھی خدمت لے کر خوش اور مغرور ہوتا۔
اور اس کے خوش ہونے پر معصوم مریم اس سے زیادہ خوش ہوتی۔
دفتر سے آ کر ' جوتے اتارتا تو مریم اس کے جوتے اٹھا کر رکھتی' اسے سلیپر لا کر دیتی۔

"شاباش میرا بیٹا۔" یقین خوش ہو کر کہتا۔
مریم مسکرانے لگتی۔
وہ لیٹا ہوتا تو اپنے ننھے منے ہاتھوں سے اس کا سر دبانے لگتی۔
"شاباش! کیسی پیاری بیٹی ہے' بابا کا سر دباتی ہے۔" وہ کہتا۔
کتنا خوش ہوتا تھا' وہ اس سے خدمت لے کر۔
"پتا نہیں کیوں۔" جویا آپ ہی آپ سوچتی۔ "یہ مرد..... عورت کے ہر روپ سے خدمت لینے میں اتنا فخر محسوس کرتے ہیں۔"
اسے یقین پر غصہ اور مریم پر ترس آنے لگتا۔
"رہنے دو میری جان' تمہارے ننھے منے ہاتھ تھک جائیں گے۔" وہ اس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر چوم لیتی۔
"دبانے دو بابا' کیسے پیار سے تو دبا رہی ہے۔"
"ابھی اتنی بڑی نہیں ہوئی ہے یہ کہ آپ کا سر دبائے..... ننھے منے سے تو ہاتھ ہیں..... دکھ جائیں گے۔"
"مما..... چھوڑیں نا۔" مریم اپنے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتی اور دوبارہ اس کا سر دبانے لگتی۔
"میری جان۔" یقین مریم کو پیار کرنے لگتا۔
جویا زچ ہو جاتی۔
کیسے بے ایمان تھے باپ بیٹی۔
دونوں کی ملی بھگت میں وہ خود کو تنہا محسوس کرنے لگتی۔
ویسے اس میں کوئی شک نہ تھا کہ یقین کو مریم سے محبت بہت تھی۔
وہ بے ایمان بھی تو نانی کے گھر سے اپنے گھر پہنچتے ہی باپ کی واپسی کی راہ تکنے لگتی تھی اور اس کے آنے پر یوں خوش ہوتی تھی جیسے قرنوں بعد ملی ہو!
مریم ہی کیا علی بھی باپ کو دیکھ کر ہاتھ پاؤں چلاتے ہوئے اپنی مسرت کا اظہار کرنے لگتا۔
جویا کو یقین پر رشک آنے لگتا۔
کیا ٹھاٹھ تھے اس کے!
نہ کرنا نہ دھرنا۔
سب کچھ اسے کیا کرایا ملتا تھا۔
بیوی گویا اس کے ہاتھ الہ دین کا چراغ تھی کہ ہمہ دم اس کی خدمت کو مستعد رہتی تھی اور بچے کچھ کیے کرائے بنا اسی کے تھے۔
بجا کہ وہ کماتا تھا۔
اور جو کچھ کماتا تھا' جویا کے ہاتھ پر لا دھرتا تھا۔

مگر...... جویا اکثر سوچتی۔

کیا مرد کا کام...... اس کی ذمے داری...... اس کا فرض...... فقط اتنا ہی ہے کہ کمائے اور بیوی کے ہاتھ پر لا دھرے!

کیا انصاف یہی ہے کہ مرد اور عورت دونوں ایک گاڑی کے دو پہیے ہوں مگر زیادہ بوجھ عورت کے کمزور ہوتے ہوئے بھی اسی پر ہو۔

یہ کہاں کا انصاف ہے کہ عورت ملازمت بھی کرے گھرداری بھی اور شوہر کے لیے الہ دین کے جن کی طرح ہر حکم کی تعمیل کو تیار رہے۔

جویا گھر سے نکلتی تو کوئی اسے خدا حافظ کہنے والا نہ ہوتا بلکہ وہی یقین کو خدا حافظ کہہ کر جاتی۔ گھر واپس لوٹتی تو کوئی اس کا سواگت نہ کرتا مگر یقین واپس لوٹتا تو وہ اسے ہاتھوں ہاتھ لیتی جسے وہ اپنا حق سمجھتا۔

جویا کے گھر آنے پر کوئی یہ پوچھنے والا نہ ہوتا کہ چائے پیو گی؟ یقین گھر آتا تو جویا اس سے پوچھے بنا ہی چائے کی کیتلی چولہے پر رکھ دیتی۔

وہ تھکن سے چور چور بھی ہوتی تو تھکن کا ذکر اپنی زبان پر نہ لاتی اور یقین تکان کی گردان کرتے نہ تھکتا۔

کیسا تضاد تھا!

☆=====☆=====☆

اس روز مدحت بجیا کلاس لینے کے بعد اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ چیئرمین صاحب کی طرف سے قاصد آ پہنچا۔ وہ الٹے قدموں چیئرمین صاحب کے کمرے کی طرف پلٹ گئیں۔

"مس مدحت آپ کا دو مرتبہ فون آ چکا ہے۔" چیئرمین صاحب نے بتایا۔

"میرا! کہاں سے؟"

"یہ مجھے نہیں معلوم...... گھر سے بہر حال نہیں تھا کیونکہ پہلی مرتبہ جب انہوں نے فون کیا تو میں نے انہیں بتایا کہ آپ کلاس میں ہیں لیکن جب دوبارہ انہوں نے فون کیا تو میں نے کہا اگر کوئی ایمرجنسی ہے تو میں بلوا سکتا ہوں آپ اپنا نام بتا دیں...... موصوف بولے کہ میں پھر کر لوں گا۔"

"ہو سکتا ہے کوئی پرانا اسٹوڈنٹ ہو۔"

"ہاں...... ہو سکتا ہے...... بہر حال شاید وہ پھر فون کریں۔" چیئرمین صاحب اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے

"آپ کہیں جا رہے ہیں سر؟"

"ہاں...... وائس چانسلر صاحب کی طرف جا رہا ہوں...... آپ چاہیں تو یہیں بیٹھ کر فون کا انتظار کر لیں یا نذیر بابا سے کہہ دیں کہ اگر آپ کا فون آئے تو وہ آپ کو بلا لیں۔"

"جی...... میں نذیر بابا سے کہہ دیتی ہوں۔"

چیئرمین صاحب وائس چانسلر کی طرف چلے گئے اور بجیا چپڑاسی نذیر بابا کو فون کی ہدایت کر

کے اپنے کمرے میں آ گئیں۔ کچھ ہی دیر گزری ہو گی کہ نذیر بابا نے فون کال آنے کی اطلاع بہم پہنچائی۔

بجیا چیئرمین صاحب کے کمرے میں پہنچیں اور کال ریسیو کی۔

"السلام علیکم۔" ایک بارعب مردانہ آواز نے کہا

"وعلیکم السلام۔" بجیا نے متذبذب لہجے میں کہا۔

"مس مدحت؟" لہجے میں استفہامیہ کیفیت تھی۔

"جی...... میں بول رہی ہوں۔"

"کرنل معظم بات کر رہا ہوں۔"

"کرنل معظم!"

وہ جو اپنی بیٹی علی زا اور بیٹے زروان کے ساتھ بازار میں ملے تھے۔

لحہ بھر کو بجیا کا اوپر کا سانس اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا!

"جی ہاں کرنل معظم۔ شاید آپ کو یاد ہو میرے بچے علی زا اور زروان آپ سے ملے تھے۔" وہ بڑی شائستگی سے بولے۔

"جی...... جی ہاں...... یاد ہے۔"

"شکریہ...... کیسی ہیں آپ؟"

"میں...... ٹھیک ہوں...... شکریہ...... علی زا اور زروان کیسے ہیں؟" بجیا نے بہت سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"الحمدللہ بالکل ٹھیک۔"

"آپ کو میرا فون نمبر کیسے پتا چلا؟"

"جب یہ معلوم ہو کہ ایک خاتون فلاں فلاں جگہ جاب کرتی ہیں تو ان کا فون نمبر معلوم کرنا کوئی مشکل بات تو نہیں ہوتی۔" کرنل معظم نے لحہ بھر کو توقف کیا پھر بولے۔ "آپ نے برا تو نہیں منایا کہ میں نے آپ کو بلا اجازت فون کیا؟"

"برا منایا ہو تو فرق کیا پڑتا ہے...... آپ فون تو کر ہی چکے۔"

"اس کا مطلب ہے آپ نے برا منایا ہے۔"

وہ چپ رہیں۔

"آئی ایم سوری مس مدحت...... اصل میں علی زا اور زروان جب سے آپ سے ملے ہیں بہت ایکسائٹڈ ہیں...... دونوں دوبارہ آپ سے ملنے کی خواہش رکھتے ہیں ان کی اسی خواہش نے مجھے آپ کو فون کرنے پر مجبور کر دیا...... لیکن...... اب مجھے شرمندگی ہو رہی ہے...... مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا فون آپ کو......"

"کوئی بات نہیں۔"

"شاید...... بچوں کا بھی کوئی قصور نہیں...... آپ منیزہ سے اتنی زیادہ مشابہت رکھتی ہیں کہ میں

خود بھی اس مشابہت پر حیران ہوں...... قصوں کہانیوں میں تو ایسے واقعات پڑھے تھے...... ایک دو مووییز بھی دیکھی تھیں اسی طرح کی لیکن...... حقیقی زندگی میں پہلی مرتبہ ایسی صورتِ حال سامنے آئی ہے۔"

"ہو سکتا ہے کرنل صاحب اتنی زیادہ ریزمبلینس نہ ہو جتنی آپ لوگوں نے محسوس کی ہے...... دراصل جب ہماری عزیز ہستیاں ہم سے بچھڑ جاتی ہیں تو ہم دنیا کی بھیڑ میں انہیں ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"یو آر رائٹ۔" کرنل معظم نے ایک ٹھنڈی سانس بھری پھر بولے۔ "آپ ٹھیک کہتی ہیں لیکن...... منیزہ کی تصویر دیکھ کر شاید آپ ایسا نہ کہیں...... میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ آپ سو فی صد اس کی ہم شکل ہیں لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ حیرت انگیز مشابہت ہے آپ کی اس سے...... علی زا اور نروان صرف اسی لیے آپ سے دوبارہ ملنے کے لیے بے چین ہیں۔"

بجیا خاموش رہیں۔

"اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو کسی وقت دس پندرہ منٹ دے دیں اور دونوں کو...... آپ جہاں کہیں گی میں بھجوا دوں گا انہیں...... آئی مین اگر گھر پر کہیں تو گھر پر ورنہ یونیورسٹی۔"

بجیا تذبذب میں پڑ گئیں۔

کرنل معظم کی درخواست پر دو گھڑی کو بازار میں ٹھہر جانا اور ان کے بچوں سے بات کر لینا اور بات تھی لیکن انہیں گھر یا یونیورسٹی آنے کی اجازت دینا جدا بات۔

ان سے ملاقات کا تذکرہ بجیا نے گھر میں کسی سے نہیں کیا تھا۔

اس لیے نہیں کہ راز داری مقصود تھی۔

اس لیے بھی نہیں کہ دل میں خدانخواستہ کوئی چور تھا۔

بلکہ اس لیے نہیں کیا تھا کہ گھر میں اب امی اور ابا ہی تو تھے جن سے وہ باہر کی باتیں کر لیا کرتی تھیں۔ انہیں یہ بتاتے کیا اچھا لگتا کہ ایک شخص نے انہیں سرِ بازار اس لیے روک لیا تھا کہ وہ اس کی مرحومہ بیوی سے مشابہت رکھتی تھیں اور وہ اور اس کے بچے ان سے بات کرنے کے متمنی تھے!

اب اگر وہ علی زا اور نروان کو گھر بلاتیں تو امی اور ابا کو ان کا سیاق و سباق ضرور بتانا پڑتا۔

یونیورسٹی آنے کی اجازت دیتیں انہیں تو ڈپارٹمنٹ کے لوگ متجسس ہوتے کہ وہ دو بچے کون تھے اور کیوں ملنے آئے تھے ان سے!

ڈپارٹمنٹ میں حقیقت بتاتیں تو لوگ نہ جانے کیا کیا چہ مگوئیاں شروع کر دیتے۔

کرنل معظم کے بچوں کو خوش کرنے کی خاطر رفقائے کار سے کوئی جھوٹ بولنے پر بھی دل آسانی سے تو نہ ٹھکتا۔

کرنل معظم بجیا کا تردد تاڑ گئے۔

"کوئی بات نہیں مس مدحت...... اگر آپ نہیں ملنا چاہتیں ان سے تو کوئی بات نہیں۔"

"آپ...... آپ...... فون پر...... بات کرا دیں...... میری ان سے۔" بجیا ہچکچاتے ہوئے بولیں۔

"اٹس آل رائٹ مس مدحت!" کرنل معظم نے بڑے نرم لہجے میں کہا۔ "میں علی زا اور نروان کو سمجھا دوں گا۔"

"اصل میں...... میں ان دنوں بزی ہوں...... بھائی کی شادی کی تیاریوں میں...... اس روز بھی میں اسی سلسلے میں شاپنگ کرنے گئی ہوئی تھی۔"

"کوئی بات نہیں مس مدحت!" کرنل معظم نے اتنے تحمل سے کہا کہ بجیا کو شرمندگی سی ہونے لگی۔

"آئی ایم ریئلی سوری۔"

"نو...... نو...... نو...... اٹس پرفیکٹلی آل رائٹ...... آئی کین انڈر اسٹینڈ یور پرابلم۔" انہوں نے کہا۔

بجیا کو اور زیادہ شرمندگی نے آ لیا۔

"بچے تو بچے ہی ہوتے ہیں نا جی...... بڑوں کی پرابلمز کو کیا سمجھیں...... لیکن بچوں کو بہلانا زیادہ مشکل نہیں ہوتا...... بہلانے...... سے اگر وہ اپنی ماں کو بھلا سکتے ہیں تو آپ سے دوبارہ ملنے کی ضد بھی چھوڑ دیں گے۔"

بجیا چپ رہیں۔

"آئی ایم سوری جی...... میں نے آپ کا بہت وقت لیا...... تھینک یو ویری مچ۔"

"کوئی بات نہیں۔"

"اوکے جی...... خدا حافظ!"

"خدا حافظ...... سنیے۔"

"جی۔"

"آپ اپنا فون نمبر مجھے دیں گے۔"

"شیور!"

کرنل معظم نے اپنے دفتر اور گھر کے فون نمبرز انہیں نوٹ کروا دیے۔

"ہو سکتا ہے...... کسی روز فرصت مل جائے۔" بجیا نے فون نمبر لینے کا جواز پیش کیا۔

کرنل معظم کچھ نہیں بولے۔

ایک مرتبہ پھر انہوں نے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا اور ریسیور رکھنے میں بجیا نے پہل کی۔

☆=====☆=====☆

شاید قبولیت کی کوئی گھڑی تھی جب اماں نے فرزین کی منگنی کے بعد جویا سے کہا تھا "اگر سچ پوچھو تو اب میرے دل کو یہ لگن لگی ہے کہ تمہارے دیور کی شادی سے پہلے ہی زریا کے لیے کوئی اچھا سا لڑکا مل جائے اور یوں چٹ منگنی پٹ بیاہ ہو کر سب دیکھتے رہ جائیں۔"

جمعے کے اخبار میں ایک اشتہار اماں کی نظر سے گزرا۔

ہینڈسم نوجوان بالکل تنہا اپنا کاروبار، ماہانہ آمدنی پانچ ہندسوں میں، ذاتی کوٹھی، کار، ایسی فیملی میں رشتے کا خواہش مند ہے جو اسے محبت اور اپنائیت دے سکے۔ جہیز کی ضرورت نہیں۔ شادی فوری اور سادگی سے ہوگی۔ پہلے ہی تفصیل سے لکھیے۔ شادی دفاتر سے معذرت۔

اشتہار کے آخر میں خط و کتابت کے لیے پتا بھی دیا گیا تھا۔

اماں نے پہلی فرصت میں چار صفحات کا تفصیلی خط لکھ بھیجا جس میں سارا زور اس بات پر تھا کہ مجھے اپنی بیٹی کے لیے تنہا لڑکے کا رشتہ درکار ہے اور آپ کا اشتہار دیکھ کر دل گواہی دے رہا ہے کہ آپ ہی وہ نوجوان ہیں جس کی ہمیں تلاش تھی۔

خط کے جواب کے لیے اماں نے گھر کا پتا اور فون نمبر بھی لکھ بھیجا۔

چوتھے پانچویں روز جواب میں فون آ گیا۔

لڑکے نے خود بات کی اور پہلے بہت تمیز سے اپنا نام بتایا کہ فہیم احمد خان بات کر رہا ہوں۔ اشتہار کا حوالہ دیا اور آداب و تسلیمات اور تعارف کے باہمی تبادلے کے بعد اس نے اماں سے کہا۔ ”معاف کیجیے گا امی جان، سر پر کسی بزرگ کا سایہ نہ ہونے کی وجہ سے مجھے خود ہی بات چیت کرنا پڑ رہی ہے۔“

اس کے منہ سے ”امی جان“ سن کر اماں کا دل کھل اٹھا۔

کتنی تمیز اور اپنائیت سے بات کر رہا تھا وہ!

بے چارہ اپنوں کو ترسا ہوا لگتا تھا، تب ہی اس نے چھوٹتے ہی امی جان کہہ دیا۔

”ظاہر ہے بیٹا، جب تمہارے سر پر کوئی بزرگ ہے ہی نہیں تو تم خود ہی بات کرو گے۔“ اماں نے کہا۔

”میں بتا نہیں سکتا کہ آپ کا بیٹا کہنا مجھے کتنا اچھا لگا ہے...... ترسا ہوا ہوں، میں محبت کے بولوں کو۔“

اس کے جذباتی لہجے نے اماں کو مٹھی میں لے لیا۔

بے چارہ!

نہ جانے کس کے جگر کا ٹکڑا تھا۔

”بیٹے ذرا تفصیل سے تعارف کراؤ اپنا۔“

”امی جان! والدین حیات نہیں...... ٹرین کے ایک حادثے میں دونوں کا انتقال ہو گیا تھا......“

”اے ہے! کب؟“

”میں اسکول میں پڑھتا تھا، اس وقت۔“

”کتنے سال ہو گئے بیٹا؟“

”یہی کوئی پندرہ سال کے لگ بھگ۔“

”کوئی بہن بھائی؟“

”جی نہیں...... میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا۔“

”ان کے انتقال کے بعد تمہیں کس نے پالا پوسا؟“

”زمانے کی ٹھوکروں میں پلا بڑھا ہوں امی جان۔“

چچ...... چچ!

اماں کا دل بے تحاشا دکھنے لگا۔

”کوئی عزیز رشتے دار؟ خالہ، ماموں، چچا، پھوپی......؟“

”کوئی نہیں...... میری امی بھی اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھیں اور ابو بھی۔“

”خدا کی قدرت ہے!“ اماں نے دل ہی دل میں سوچا۔ ”بعضوں کے ہاں لائن لگا دیتا ہے بچوں کی اور بعضوں کے ہاں ماں بھی اکلوتی، باپ بھی اکلوتے اور بیٹا بھی اکلوتا۔“

”محبت کے بولوں کی طرح عزیز رشتے داروں کو بھی ترسا ہوا ہوں میں۔“ وہ رقت آمیز لہجے میں بولا۔

اماں کا دل اور پسیج گیا۔

”اچھا بیٹے یہ بتاؤ، تعلیم کہاں تک ہے تمہاری؟“

”بس جاہل ہی سمجھیے۔“

”یہ ہوگئی مشکل۔“ اماں نے سوچا۔ ”تین پڑھے لکھے دامادوں کے بیچ چوتھا جاہل تو بڑا عجیب لگے گا۔ وہ تینوں تو ٹھونگیں مار مار کرا سے گنجا کر دیں گے۔“

”بیٹا! تھوڑا بہت تو پڑھ لکھ لیا ہوتا۔“

”جی بس بی اے پاس کر سکا۔“ وہ بڑی انکساری سے بولا۔

اماں کا دل باغ باغ ہو گیا۔

”اے لو بیٹا، بی اے پاس کر کے خود کو جاہل کہتے ہو۔“ اماں بولیں۔

”امی جان، بی اے بھی بھلا کوئی تعلیم میں تعلیم ہے۔ بات تو جب ہے کہ آدمی ڈاکٹر، انجینئر بنے...... پی ایچ ڈی کرے...... میری خواہش تھی کہ ڈاکٹر بنوں...... والدین بھی یہی چاہتے تھے مگر انسانوں کا سوچا، کب پورا ہوتا ہے...... وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے...... جو مقدر میں لکھا ہوتا ہے...... ڈاکٹر نہ بننے کا بہت افسوس ہے مجھے۔“

”کوئی بات نہیں بیٹے۔“ اماں نے دلاسا دیا۔ ”ماں باپ کے سر پر نہ ہوتے ہوئے تم نے بی اے کر لیا، وہی بہت ہے...... خیر یہ بتاؤ، کاروبار کیا کرتے ہو؟“

”امی جان! ٹی وی، فریج اور واشنگ مشین وغیرہ کا شوروم ہے۔“

”کتنی آمدنی ہو جاتی ہے؟“

”یہی کوئی پچیس تیس ہزار ماہانہ۔“

پچیس تیس ہزار ماہانہ!

اماں کے منہ میں پانی بھر آیا۔

اتنا تو سارہ کے میاں اپنے بیوی بچوں سے دوری کی اذیت بھگت کر اٹھاتے تھے۔

یہ تو کوئی خاندانی اور کھاتا پیتا لڑکا معلوم ہوتا تھا۔

پچیس تیس ہزار ماہانہ آمدن اس نے کچھ اس طرح بتائی جیسے ڈھائی تین ہزار کی بات کر رہا ہو۔

اماں بہت مرعوب ہوئیں۔

"گھر اپنا ہے؟"

اگرچہ اشتہار میں واضح طور پر لکھا تھا کہ ذاتی کوٹھی ہے اور کار بھی مگر اماں نے زبانی اطمینان کر لینا بھی ضروری سمجھا۔

"جی ہاں۔"

"کہاں؟"

"نارتھ ناظم آباد میں ہزار گز پر کوٹھی ہے۔"

"ماشاء اللہ......"

زویا کا تو نصیبہ کھل گیا۔

"حال ہی میں بنوائی ہے۔ جو دیکھتا ہے' تعریف کرتا ہے...... آپ بھی دیکھیں گی تو خوش ہوں گی۔"

"اچھا بیٹے' یہ بتاؤ تمہارا معیار کیا ہے؟ کس قسم کا گھرانا اور کیسی لڑکی چاہتے ہو؟"

"بس اچھی لڑکی ہو...... میرا مطلب ہے' گڈ لکنگ ہو۔"

"کیا ہو؟"

"خوش شکل ہو۔"

"ہاں بھئی' وہ تو ہر لڑکا چاہتا ہے۔"

"جہیز وہیز کی مجھے کوئی خاص ضرورت نہیں۔"

"ارے بیٹا' تمہیں ضرورت ہو یا نہ ہو' ہر لڑکی کے ماں باپ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی حیثیت بھر لڑکی کو دے دلا کر رخصت کریں۔"

"ٹھیک ہے' وہ اپنی بیٹی کو جو دینا چاہیں دیں مگر میری کوئی ڈیمانڈ نہیں ہوگی۔"

"کیا نہیں ہوگی؟"

"کسی چیز کا مطالبہ نہیں کروں گا۔"

"جیتے رہو...... نیت اچھی رکھتے ہو' جبھی تو اللہ نے تمہیں اتنا نوازا ہے۔"

"اللہ کا کرم ہے' بہت دے رکھا ہے اس نے...... گھر' گاڑی' نوکر چاکر۔"

"ماشاء اللہ!"

"جل کر خاک ہو جائیں گے لوگ۔" اماں نے سوچا۔

"بس ایک شرط ہوگی میری۔"

"وہ کیا بیٹے؟" اماں نے چونک کر پوچھا۔

"شادی پندرہ دن کے اندر اندر اور سادگی سے ہوگی۔"

اماں ہنس دیں۔

"ارے بیٹا' میں تو سمجھی نہ جانے تم کیا شرط رکھو گے...... یہ بھی کوئی شرط ہے بھلا...... ارے بھئی اچھا لڑکا مل جائے تو پندرہ دن کیا چار دن میں ہو سکتی ہے شادی۔"

"ایک بات اور۔"

"ہاں' کہو بیٹا۔"

"لڑکی والے اپنے اطمینان کے لیے میرا گھر' گاڑی کاروبار جو چاہیں دیکھ سکتے ہیں۔ شادی کے بعد میں گھر بھی لڑکی کے نام کر دوں گا مگر مہر شرعی ہوگا۔"

"اے بیٹا' زیادہ مہر رکھنے کی ضرورت بھی کیا ہے...... زیادہ مہر وہ رکھواتے ہیں جن کے دل میں کوئی کھوٹ ہوتا ہے۔"

"صحیح کہتی ہیں آپ۔"

"بیٹا' ہم تو سیدھے سادے اور صاف نیت کے لوگ ہیں۔ تین بیٹیوں اور دو بیٹوں کی شادیاں کر چکی ہوں میں اب یہ آخری بچی ہے۔ ماشاء اللہ خوبصورت بھی ہے' خوب سیرت بھی۔ پڑھی لکھی بھی ہے اور گھر داری بھی جانتی ہے جس گھر جائے گی' اسے اپنے سلیقے سے جنت بنا دے گی...... جس لڑکے سے اس کا مقسوم کھلے گا' اپنے حسن سیرت سے اسے اپنا بنا لے گی...... ہم اوسط درجے لوگ ہیں۔ زیادہ دے نہیں سکتے۔ لڑکے سے کوئی طلب نہیں۔ لڑکی کے مقدر پر شاکر رہنے والے لوگ ہیں ہم...... بس ایک شرط ہے ہماری کہ لڑکا اکیلا ہو......"

"وہ تو میں ہوں اور یہ بات میں نے اشتہار میں بھی لکھ دی تھی۔"

"بیٹا! اسی لیے تو میں نے رجوع بھی کیا۔"

"مجھے سب سے زیادہ آپ ہی کے خط سے محبت کی خوشبو آئی۔"

"اب تم یہ بتاؤ کہ مزید آگے بات کیونکر چلے؟" اماں کے لہجے میں یک گونہ بیتابی تھی۔

"جیسے آپ کہیں...... سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ لڑکی مجھے پسند آ جائے۔"

"بیٹا! لاکھوں میں نہ سہی' ہزاروں میں ایک ہے میری بیٹی۔" اماں نے توقف کیا پھر بولیں۔ "پہلے تم آ جاؤ ہمارے ہاں پھر بات آگے بڑھائیں گے۔"

"بہت بہتر...... کب آ جاؤں؟"

"ایسا ہے' میں گھر میں ذکر کرتی ہوں تمہارا...... ہاں لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا کہ میں اپنے بیٹوں' بہوؤں اور داماد کو یہ ہرگز نہیں بتاؤں گی کہ میرا تم سے اخبار کے توسط سے رابطہ ہوا ہے۔"

"کیوں؟"

"ارے بیٹا' یہ بتاتے اچھا تھوڑی معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی کے لیے رشتہ ہم نے اخبار کے ذریعے ڈھونڈا ہے۔"

"اخبار کے ذریعے رشتہ تلاش کرنا کوئی عیب کی بات تو نہیں۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو...... لیکن آدمی کس کس کو یہ سمجھاتا پھرے کہ بھئی پہلے زمانے میں تو رشتے ناتوں کے ذریعے ہوتے تھے جو گھر گھر اسی کام کے لیے پھرا کرتی تھیں مگر اب نہ وہ زمانہ رہا نہ وہ نہیں رہیں۔ لوگ ایک دوسرے سے اتنے کٹ گئے کہ پڑوسی کو بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے پڑوس میں کون رہ رہا ہے...... مناسب رشتہ نہ ملے تو مجبوراً اخبار کا سہارا ہی لینا پڑتا ہے۔ ارے بیٹا ہماری تو پہلی بیٹی کی شادی بھی اخبار ہی کے ذریعے ہوئی تھی۔"

"پھر بھی آپ اسے برا سمجھتی ہیں۔"

"بیٹا برا نہیں سمجھتی...... بس یہ سمجھو کہ بہوؤں اور دامادوں والوں کو سو طرح کی اچھی بری باتیں چھپانی پڑتی ہیں بہوؤں اور دامادوں سے۔"

"اس کا مطلب ہے آپ ہم سے بھی چھپائیں گی۔"

"ارے میرے چندا تم تو میرے دل کا ٹکڑا بن کر رہو گے...... اخبار کے ذریعے شادی ہونے میں برائی کوئی نہیں سمجھتی...... بس مصلحتاً نہیں بتانا چاہتی۔ ارے بھئی بس ہمیں اور تمہیں پتا ہے کہ اصل بات کیا ہے دوسروں کو کیوں بتائیں ہم...... لو اصل بات تو درمیان ہی میں رہ گئی...... ہاں تو ایسا ہے کہ ہاں گھر میں ذکر کرتی ہوں تمہارا...... کہہ دوں گی کسی نے بتایا ہے یہ رشتہ...... میری ایک بیٹی اسکول میں پڑھاتی ہے۔ جویا نام ہے اس کا میں...... سب سے یہ کہہ دوں گی کہ اس کی کسی سہیلی نے یہ رشتہ بتایا ہے یہ تم بھی جب آؤ تو یہی کہنا۔"

"کب آؤں امی جان؟"

"میں آج ہی بات کرتی ہوں اپنے شوہر اور بیٹے بیٹیوں سے...... پھر تمہیں بتا دوں گی کہ فلاں دن آ جاؤ۔ تم ایسا کرو اپنا فون نمبر دے دو مجھے تاکہ میں تمہیں اطلاع کر سکوں۔"

"جی...... فون نمبر!"

"ہاں فون نمبر۔"

"میں...... میں آپ کو خود کر لوں گا فون۔"

"نہیں نہیں میں کر دوں گی۔"

"اصل میں میں مصروف بہت رہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے آپ گھر پر فون کریں تو میں گھر پر نہ ہوں۔"

"کوئی بات نہیں...... میں تمہاری دکان پر کر لوں گی۔"

"ارے امی جان بہت بڑا کاروبار ہے۔ وہاں تو اتنا مصروف رہتا ہوں کہ بتا نہیں سکتا۔ کبھی ٹی وی بنانے والی کمپنیوں میں جانا پڑتا ہے کبھی ریفریجریٹروں کے سودے کے لیے جانا پڑتا ہے کبھی باہر سے سامان لانے والوں سے سامان خریدنے میں الجھا ہوتا ہوں تو کبھی خریداروں کے ساتھ مغز کھپانا پڑتا ہے...... بہت مصروف رہتا ہوں...... آپ فکر نہ کریں میں خود فون کر کے پوچھ لوں گا آپ سے کہ مجھے کب آنا ہے۔"

"جیسے تمہاری مرضی...... میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کہ کہیں تم یہ نہ سوچو کہ ایک فون بھی نہیں

کر سکتیں۔"

"نہیں...... نہیں...... میں اس قسم کا آدمی نہیں۔"

"جیتے رہو۔"

"کب کروں میں آپ کو فون؟"

"بس میں آج ہی ذکر چھیڑتی ہوں تم کل کسی وقت کر لینا فون۔"

"جی بہتر۔"

"مگر بس یہ خیال رکھنا کہ آج کے بعد ہم اخبار کو بھول جائیں گے رشتہ جویا کی کسی سہیلی کے ذریعے چلا ہے...... سمجھ گئے نا؟"

"جی بالکل سمجھ گیا۔"

"نام تو یاد رہے گا نا تمہیں؟"

"جی ہاں۔"

"بھلا کس کے ذریعے چلا ہے رشتہ؟"

"جویا کی کسی سہیلی کے ذریعے۔"

"جویا نہیں بیٹے جویا باجی۔" اماں نے اسے طوطے کی طرح پڑھایا۔

"امی جان! آپ برا نہ منائیں تو میں نام پوچھ سکتا ہوں۔"

"ہاں ہاں بیٹا کیوں نہیں...... میرا نام صابرہ بیگم ہے۔"

"آپ کا...... نہیں۔"

"تو پھر؟"

"آپ کی...... چھوٹی صاحبزادی کا۔"

"اچھا...... اچھا...... میں بھی میرا ابو چھ رہے ہو...... بیٹے زویا ہے اس کا نام۔"

"ٹھیک ہے امی جان...... تو پھر کل میں آپ کو فون کروں گا آپ گھر والوں سے بات کر لیجیے۔"

"ان شاء اللہ۔"

"خدا حافظ۔"

"خدا حافظ بیٹے۔"

اماں فون رکھ کر پلٹیں تو زویا کو سامنے پایا۔

"کس کا فون تھا اماں جو اتنی دیر تک آپ چپکے چپکے باتیں کرتی رہیں؟"

زویا کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اماں اسے ٹکٹکی باندھے دیکھے گئیں۔

"اگر بات بن گئی تو یہ بھی اب اپنے گھر چلی جائے گی۔" اماں نے سوچا۔

ان کا دل دکھنے لگا۔

"ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں اماں۔"

کوئی اور موقع ہوتا تو شاید اماں حسب عادت ڈپٹ کر کہتیں۔ "چپکی رہ۔"

مگر اس وقت اماں کا جی بھر آیا۔

"کچھ نہیں۔" وہ دلگیر لہجے میں بولیں۔

"کوئی بات ہے ضرور۔" زدیا اماں کو دلگیر دیکھ کر تشویش سے بولی۔

اماں مسکرا دیں اور معنی خیز نظروں سے زدیا کو دیکھتے ہوئے بولیں۔ "جلنے والے جل کر خاک ہو جائیں گے۔"

"کون اماں؟"

اماں آگے بڑھیں اور زدیا کا ماتھا چوم کر بولیں۔ "جلنے والے اور کون۔"

زدیا انہیں متذبذب نظروں سے دیکھنے لگی۔

اماں تصور ہی تصور میں اسے اونچے در و بام والی کوٹھی کے لق و دق برآمدوں میں شاہزادیوں کی طرح گھومتے پھرتے دیکھ رہی تھیں۔

☆=====☆=====☆

ابا، سارہ آپا، زہرا باجی، جویا بلکہ خود زدیا کے علم میں بھی تھی یہ بات کہ اماں نے اخبار...... میں کسی تنہا لڑکے کے لیے ضرورت رشتہ کے اشتہار کے جواب میں خط لکھا ہے۔ البتہ باقی سب سے راز داری برتی گئی تھی۔

اس روز دوپہر کو جویا اسکول سے اماں کے ہاں پہنچی تو اماں کو بہت خوش دیکھا۔

"کیا بات ہے اماں! آج آپ بہت خوش نظر آ رہی ہیں؟"

اماں نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر بولیں۔ "ہاں...... آج بہت خوش ہوں میں۔"

"وجہ؟"

اماں سرک کر جویا کے نزدیک ہو گئیں اور بولیں۔ "وہ جو خط لکھا تھا نا اکیلے لڑکے کے اشتہار کے جواب میں اس کا فون آیا تھا آج۔"

"اچھا!"

"بالکل اکیلا ہے۔ نہ کوئی آگے نہ پیچھے...... اپنی کوٹھی ہے، کار ہے ٹی وی فریج اور واشنگ مشینوں کا کاروبار ہے۔ پچیس تیس ہزار ماہوار آمدنی ہے۔ شادی بالکل سادگی سے کرنے کو کہتا ہے۔ جہیز کی ضرورت نہیں۔"

"لڑکے کے کسی رشتے دار نے بات کی تھی؟"

"نہیں بھئی خود لڑکے نے۔"

"اچھا!"

"کہتا ہے آگے پیچھے کوئی ہے ہی نہیں، خود ہی ہر بات کروں گا۔"

"واہ اس کا مطلب ہے اماں، اللہ میاں نے آپ کی سن لی...... آپ کہتی تھیں نا، کوئی ایسا لڑکا ہو جو بالکل اکیلا ہو۔"

"ہاں...... میرے مولا نے میری سن لی۔" اماں بڑے خشوع و خضوع سے بولیں۔ "جب سے تمہارے دیور کی منگنی ہوئی تھی، تب سے میرے دل کو یہ لگی ہوئی تھی کہ کسی طرح تمہارے دیور سے پہلے ہو جائے میری زدیا کی شادی۔"

"اماں...... خدا کی قسم، یہ تو میں بھی چاہتی تھی۔"

"بس اب دعا کرو کہ لڑکے کا دل کہیں اور نہ جائے۔"

"کوئی منت مان لیں اماں۔"

"مان لی ہے میں نے۔"

"ویسے اماں، یہ بتائیں لڑکا، بات چیت سے کیسا لگ رہا تھا؟"

"بھئی مجھے تو بہت طریقے کا معلوم ہو رہا تھا...... امی جان امی جان کہتے منہ سوکھ رہا تھا اس کا۔"

"اچھا!"

"بی اے پاس ہے مگر خود کو جاہل کہہ رہا تھا۔"

"ہیں!"

"اتنی اچھی طرح بات کی اس نے کہ میرا تو اس سے بات کر کے ہی دل خوش ہو گیا...... سعادت مند بھی لگتا ہے۔ میں نے کہا ہمارے ہاں کسی نے یہ ذکر مت کرنا کہ اخبار کے ذریعے بات چلی ہے تو کہنے لگا بہتر......"

"کیا بلایا ہے آپ نے اسے؟"

"نہیں...... ابھی تو میں نے کچھ نہیں کہا...... پہلے گھر میں صلاح مشورہ تو ہو جائے...... کل وہ دوبارہ فون کرے گا۔"

"بھیا اور بھابی سے بھی ذکر کرنا پڑے گا اب تو۔"

"ظاہر ہے...... اور ان کو میں یہی بتاؤں گی کہ جویا کی کسی سہیلی نے رشتہ بتایا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"لڑکے کو میں نے یہ بات سمجھا دی ہے۔"

"اچھا کیا۔"

"اللہ کرے یہ رشتہ ہو جائے۔"

"آمین۔"

"ابا آ جائیں تمہارے دکان سے تو ان سے بھی صلاح مشورہ کیے لیتی ہوں۔ کھانے کے بعد تم ذرا سارہ کو فون کر دینا کہ شام کو گھر واپسی پر یہاں ہوتی جائیں۔"

"جی اچھا۔"

ابا حسب معمول دوپہر کو دکان سے گھر آئے تو کھانے کے بعد اماں نے بالتفصیل سارا قصہ ان کے گوش گزار بھی کر دیا۔ اماں کا خیال تھا کہ ابا بھڑک اٹھیں گے، مگر ان کی توقع کے برعکس وہ کچھ سوچ

میں پڑ گئے۔

"کیا سوچنے لگے؟"

"بیٹی کا معاملہ ہے' ذرا سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا۔"

"آپ تو سدا کے وہمی اور شکی ہیں...... آخر سارہ کی شادی بھی اسی ذریعے سے ہوئی کہ نہیں ...... ماشاء اللہ خوش ہے اپنے گھر میں۔"

"وہ جدا معاملہ تھا۔"

"کیا جدا تھا بھلا؟"

"والدین کے سوا ارشد کے بہت سے عزیز رشتے دار تھے جو ہمارے اطمینان کا سبب بنے۔"

"ہوسکتا ہے ابا' اس کے بھی عزیز رشتے دار ہوں۔" جویا بولی۔

"نہیں' وہ کہتا ہے' میرا کوئی نہیں۔ اس کی ماں بھی اکلوتی تھیں اور باپ بھی اکلوتی اولاد تھے اپنے والدین کی۔" اماں نے کہا۔

"اماں دور پار کے کوئی تو عزیز ہوں گے۔"

"ارے کوئی نہ ہی ہو تو اچھا ہے۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو نیک بخت...... رشتے ناتوں کے وقت خاندان ہی حوالہ بنتے ہیں۔"

"جی ہاں...... اچھا خاندان دیکھ کر جویا کو دیا تو تھا بھرے پُرے گھر میں...... دیکھ لیں کیا ہوا؟"

"کچھ برا تو نہیں ہوا...... دیکھ لو بکھرا شیرازہ کس خوبی سے سمیٹ دیا یقین کے بڑوں نے۔"

"ارے بس رہنے دیں۔"

"اچھا اماں' یہ بحث چھوڑیں۔" جویا نے مداخلت کی اور ابا سے بولی۔ "ابا لڑکے کو بلا کر بات کر لیں...... مل لیں اس سے...... پھر کوئی فیصلہ دیں۔"

"ارے یہ کیا فیصلہ کریں گے۔ فیصلہ تو میں کروں گی۔"

"چلیں ٹھیک ہے' فیصلہ آپ ہی کر لیجیے گا...... ابا سے پھر بھی ملنا ضروری ہے اس کا۔"

"صرف ابا سے ہی نہیں...... ابا کے دونوں بیٹوں سے بھی۔" ابا نے کہا۔

"دامادوں اور بہوؤں کو بھول گئے۔" اماں طنز سے بولیں۔

"ہاں...... ان سے بھی ملاقات ہونی چاہیے۔"

"کوئی جرگہ نہیں بٹھانا ہے...... سمجھے۔"

"تم چاہتی کیا ہو!"

"تین بیٹیوں کی شادی میں نے آپ کی مرضی سے کی اب زویا کی شادی میں اپنی مرضی سے کرنا چاہتی ہوں...... لڑکے سے بات کی ہے میں نے اور میں بالکل مطمئن ہوں...... اب بلا کر دیکھنا باقی ہے...... کل فون کرے گا وہ...... پرسوں ترسوں بلا لیتے ہیں اسے...... آپ اپنے دونوں بیٹوں اور دامادوں کو بھی بلوا لیں اور سب اسے دیکھ لیں...... اس سے بات کر لیں...... پسند آجاتا ہے سب کو تو بسم اللہ۔"

"سن رہی ہو جویا بیٹی' اپنی اماں کی بات...... ایک اجنبی لڑکے سے فون پر بات کر کے ہی بالکل مطمئن ہونے کا دعویٰ کر رہی ہیں۔"

"سیانوں نے کہا ہے' جتنا چھانو اتنا ہی کر کرا نکلتا ہے۔"

ابا نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا مگر جویا ان کے بولنے سے پیشتر ہی بولی۔ "ابا آپ مل تو لیں پہلے...... باقی بات بعد میں کیجیے گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

شام کو سارہ آپا دفتر سے واپسی پر آدھ پون گھنٹے کو اماں کے پاس ہوتی ہوئی گئیں۔ اماں نے بالتفصیل ساری صورت حال ان کے گوش گزار کرنے کے بعد ان سے صلاح چاہی تو وہ بولیں۔ "لڑکے کو بلا لیجیے...... فون پر بات کرنے اور آمنے سامنے بات چیت ہونے میں بہت فرق ہوتا ہے۔"

"تم بھی اپنے ابا کی حمایت میں بولیں۔" اماں نے کہا۔

"ابا کی حمایت میں بولنے کی بات نہیں اماں...... لڑکے کو دیکھے اور اس سے ملے بغیر کیسے کوئی فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔"

رات کو اماں نے بھیا اور بھابی کے کان میں بھی یہ بات ڈال دی کہ جویا کی کسی دوست کے توسط سے زویا کے لیے ایک رشتہ آیا ہے اور لڑکا جلدی شادی کا خواہش مند ہے' سو وہ ایک آدھ روز میں لڑکے کو بر دکھوے کے لیے بلانے کا ارادہ رکھتی ہیں۔

☆=====☆=====☆

اگلے روز اس نے فون کیا تو اماں نے کہا۔ "بیٹے' سب لوگ تم سے ملنا چاہ رہے ہیں۔"

"سب لوگ! یعنی؟" وہ چونکا۔

"تمہارے ابا...... بہنیں...... بھائی۔" اماں بڑے پیار سے بولیں۔

"جی...... مے...... میرے ابا!"

"بھئی...... مجھے تم امی جان کہتے ہو تو زویا کے ابا تمہارے ابا ہوئے کہ نہیں......"

"جی...... جی...... جی...... بالکل۔" اس کی آواز سے مسرت جھلک رہی تھی۔

"کب آسکتے ہو؟"

"جی...... میں...... میں آتو جاتا ہوں امی جان لیکن......"

"لیکن کیا؟"

"مجھے انٹرویو سے بہت ڈر لگتا ہے...... زیادہ سوال تو نہیں کیے جائیں گے مجھ سے۔"

"ارے بیٹا تم فکر نہ کرو...... میں تمہارے ساتھ ہوں...... تم آؤ تو سہی۔"

"ٹھیک ہے۔"

"کب آسکتے ہو؟" اماں نے دوبارہ پوچھا۔

"جب..... جب آپ کہیں۔"

"میں تو کہتی ہوں آج ہی آجاؤ۔"

"آ..... آج!"

"ہاں۔"

"جی..... ٹھیک ہے..... کس وقت؟"

"عصر اور مغرب کے درمیان کیسا رہے گا؟"

"میرا خیال ہے ذرا لیٹ رکھیں۔"

"کیا کل رکھ لیں؟"

"نہیں..... نہیں..... آج بھی ٹھیک ہے..... مگر رات کا وقت رکھیں۔"

"چلو ٹھیک ہے۔"

لڑکے سے بات کرنے کے بعد پہلے تو اماں نے سارہ آپا کو ان کے دفتر میں فون کیا کہ شام کو واپسی کے بعد بچوں کو لے کر ادھر ہی آجائیں۔

پھر زہرا کو اطلاع دی کہ زویا کے لیے لڑکا بر دکھوے کو آرہا ہے وہ شام کو ارشاد کے ساتھ گھر آجائے۔

جویا کو تو ویسے پیر کو اسکول سے میکے ہی آنا تھا' سو اسے اطلاع کرنا ضروری نہ سمجھا اور یقین کو مطلع کرنا جویا کی واپسی پر موقوف ٹھہرایا۔

ابا اور بھیا کو دکان پر فون کر دیا کہ رات کو لڑکا آرہا ہے سو جلدی دکان بند کر کے گھر آجائیں۔

طارق اور نشاط کو اطلاع کرنے کی ذمے داری ابا کے سر لگائی۔

سب کے لیے کھانے کا اہتمام بھابی اور زویا کے ذمے کیا۔

مغرب تک طارق اور نشاط کے سوا سبھی پہنچ گئے۔

اماں بہت خوش تھیں اور متفکر بھی کہ بالآخر انہوں نے زویا کے لیے اپنی پسند کا لڑکا تلاش کر ہی لیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں دعا کر رہی تھیں کہ لڑکا اتنا اچھا ہو کہ سب اللہ کی اس اچانک دین پر حیران رہ جائیں۔

لڑکا عشاء کے وقت پہنچا۔

دروازے کے باہر جب گاڑی کا ہارن بجنے کی آواز سنائی دی تو سب سے پہلے زہرا باجی دروازے کی طرف لپکیں اور انہوں نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔

مدقوق اسٹریٹ لائٹ میں دروازے کے باہر سارہ آپا کی گاڑی کے پہلو میں ایک گاڑی چمچما رہی تھی۔

گاڑی میں سے ایک سوٹڈ بوٹڈ ہینڈسم نوجوان باہر نکلا اور فضا معطر ہوگئی۔

زہرا باجی دروازہ بھیڑ کے مڑیں اور لمبے لمبے ڈگ بھرتی آنگن سے برآمدے کی طرف بڑھیں۔

"شاید وہی ہے۔" انہوں نے مرعوبیت کے عالم میں بتایا۔ "گاڑی ایسی چمک رہی ہے جیسے شیشہ۔ خود بھی بہت اچھا ہے۔"

"الٰہی تیرا شکر!" اماں نے دل ہی دل میں کہا۔

اطلاعی گھنٹی بجی۔

"چلیں بھئی ریسیو کریں۔" جویا نے یوں کہا جیسے دروازے کے باہر برات آئی کھڑی ہو۔

ابا' اماں' بھیا' ارشاد اور یقین برآمدے سے آنگن کی طرف چلے مگر ابا اور ارشاد آنگن ہی میں ٹھہر گئے۔ دروازے پر اماں' بھیا اور یقین کے پہنچنے تک دوبارہ گھنٹی بج چکی تھی۔

دروازہ بھیا نے کھولا۔

خوشبو کے جھونکے نے سب کی مشامِ جاں کو معطر کر دیا۔

"السلام علیکم۔" دروازے پر کھڑے نوجوان نے کہا۔

"وعلیکم السلام۔"

"آصف صاحب کا گھر یہی ہے جناب۔"

اماں جو بھیا کی آڑ میں کھڑی تھیں' بیتابانہ بولیں۔ "ہاں بیٹے' یہی ہے۔"

"میرا نام فہیم ہے..... فہیم احمد خان۔" اس نے بھیا اور یقین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"تشریف لائیے۔" بھیا نے اسے اندر آنے کو راہ دی۔

"میں ذرا چابی نکال لاؤں گاڑی سے۔"

"جی..... جی ضرور۔"

وہ دروازے کے باہر کھڑی اور دیکھنے والوں کو دعوتِ نظارہ دیتی چم چم کرتی گاڑی کی طرف پلٹ گیا۔

"ہنڈا اکارڈ ہے۔" بھیا نے یقین کو بتایا۔

یقین کو احساسِ کمتری نے آلیا۔

گھر والوں کے ساتھ رہنے کا یہ فائدہ تو تھا کہ گاڑی..... ہنڈا اکارڈ نہ سہی سوزوکی ہائی روف ہی سہی مل تو جاتی تھی استعمال کرنے کو..... جب سے گھر چھوڑا تھا' وہ سہولت بھی جاتی رہی تھی۔ زیادہ تر بس میں سفر کرنا پڑتا یا کبھی کبھار رکشہ ٹیکسی سے۔

اماں نے نظروں ہی نظروں میں لشکارے مارتی گاڑی کی نظر اتاری اور پلٹ کر ابا اور ارشاد علی کے پاس جا کر بولیں۔

"گاڑی بالکل نئی دکھائی دے رہی ہے ذرا دروازے سے جھانک کر دیکھ تو لیں۔"

"دیکھ لیں گے..... دیکھ لیں گے۔" ابا نے انہیں تسلی دی۔

سارہ آپا اور جویا برآمدے میں کھڑی آنگن کے رخ دیکھ رہی تھیں اور زہرا باجی' زویا اور بھابی بیٹھک کی آراستگی کو فنشنگ ٹچ دے رہی تھیں۔

"اتنی زبردست گاڑی ہے بھابی کہ میری تو آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔" زہرا باجی زویا کو سنانے

کے لیے بھابی سے کہہ رہی تھیں۔

"لڑکا کیسا ہے؟"

"اماں کے تینوں دامادوں سے بہت زیادہ اچھا۔" زہرا باجی نے کن انکھیوں سے زویا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

بھابی کو حسد سا محسوس ہونے لگا۔

'پتا نہیں' کہاں سے بھیج دیتے ہیں اللہ میاں ان لوگوں کے لیے اتنے اچھے لڑکے۔' بھابی نے بڑے رشک سے سوچا۔

برآمدے میں قدموں کی چاپ اور باتوں کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔

"بس بھابی' بس اب یہاں سے نکل لیں۔ وہ لوگ آ رہے ہیں۔" زہرا باجی نے بیٹھک کے پچھلے دروازے کا رخ کرتے ہوئے زویا کو شوخ نظروں سے دیکھا اور بولیں۔ "بھا گو' کہیں وہ دیکھ نہ لے تمہیں۔"

زویا محجوب ہو گئی۔

بھابی نے انتہائی رشک سے اسے دیکھا۔

ادھر بیٹھک کے پچھلے دروازے سے وہ تینوں باہر نکلیں' ادھر بقیہ اہلِ خانہ لڑکے کو اپنے جلو میں لیے بیٹھک میں داخل ہوئے۔ اس نے ایش گرے تھری پیس سوٹ زیب تن کر رکھا تھا۔

کوٹ کی جیب سے رومال بڑی نفاست سے جھانک رہا تھا۔

جوتے چم چم کر رہے تھے۔

کلائی پر سنہری گھڑی یوں جگمگا رہی تھی جیسے خالص سونے کی ہو۔

بال سلیقے سے سنورے ہوئے تھے۔

سرتاپا خوشبو میں نہایا ہوا۔

چال ڈھال میں ایک اندازِ تفاخر۔

گفتگو بہت شائستہ۔

اس کی ظاہری شخصیت نے سبھی کو متاثر و مرعوب کیا۔

اماں نے ابا کا اور اس کا ایک دوسرے سے تعارف کرایا۔

اوروں سے ابا نے اسے متعارف کرایا۔

کچھ دیر تمہیدی گفتگو رہی' اس دوران اماں کھڑے کھڑے باورچی خانے کا چکر لگا آئیں۔

پھر اصل موضوع چھڑ گیا۔

اس نے اپنے بارے میں وہی سب کچھ دہرایا جو اماں کو فون پر بتا چکا تھا۔

زہرا باجی اور جویا چائے مع تکلفات لے آئیں۔ بھابی کچن میں زویا کے ساتھ ہی رہیں۔

ارشاد اور یقین کو اپنا پردکھوا یاد آ گیا۔

ان کے بردکھوے کی چائے اور اس چائے میں نمایاں فرق تھا۔

ان کی دفعہ قہوہ' دودھ اور شکر علیحدہ علیحدہ تھوڑی رکھے گئے تھے۔ پیالیوں میں تیار چائے سامنے رکھ دی گئی تھی۔ لوازمات چائے بھی اتنے پُرتکلف نہ تھے۔

زہرا باجی اور جویا خاطر مدارات میں لگ گئیں۔

اماں اور سارہ آپا بھی حسبِ توفیق ہاتھ بٹانے لگیں۔

"آپ شکر کتنی لیتے ہیں؟" زہرا باجی نے لڑکے سے پوچھا۔

"ہاف ٹی اسپون۔"

"صرف آدھا چمچ!" جویا نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں۔"

زہرا باجی نے انکھیوں سے ارشاد کی طرف دیکھا جو چائے کے ایک مگ میں دو ٹیبل اسپون شکر گھول کر پینے کا عادی تھا اور بولیں۔ "اچھا ہے...... چائے میں شکر کم ہی لینی چاہیے۔"

ارشاد جو شادی کے بعد دن بہ دن موٹا ہی ہوتا چلا گیا تھا' لڑکے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ ذیابیطک تو نہیں ہیں؟"

"جی نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں...... میں ڈائیٹ کنٹرول کے ذریعے خود کو مین ٹینڈ رکھنے کا قائل ہوں۔"

"گڈ!" سارہ آپا نے بے ساختہ کہا۔

"ابھی تو آپ جوان ہیں' ابھی سے احتیاط کی کیا ضرورت...... کھائیں پئیں' عیش کریں۔" بھیا نے کہا۔

"ابتدائی عمر کی بے قاعدگیاں اور بے پروائیاں ہی تو آگے چل کر ستاتی ہیں جناب۔" وہ بولا۔

"ماشاء اللہ' بہت دوراندیشانہ سوچ ہے۔" ابا نے کہا۔

"انتخاب کس کا ہے!" اماں نے بڑے غرور سے سوچا۔

"میاں! قریب کے نہ سہی دور کے تو رشتے دار ہوں گے آپ کے؟" ابا اصل موضوع پر آتے ہوئے بولے۔

"جی......" اس نے چونک کر ابا کی طرف دیکھا پھر پہلو بدل کر بولا۔ "ہیں تو سہی مگر میں کسی سے ملتا نہیں۔"

"کیوں؟" یقین نے پوچھا۔

"والدین کے انتقال کے بعد کسی نے پلٹ کر پوچھا تک نہیں...... جھوٹ موٹ بھی سر پر ہاتھ نہیں رکھا اور جب میں نے اپنی محنت سے اپنی قسمت آپ بنائی تو سب دعوے دار ہو گئے کہ یہ ہمارا بھانجا ہے' یہ ہمارا بھتیجا ہے...... سب اپنی لڑکیوں کے لیے میرے امیدوار بن گئے...... ایسے خود غرض اور ابن الوقت رشتے داروں سے تعلق رکھنا تو درکنار' میں کسی کو یہ بتانا بھی پسند نہیں کرتا کہ یہ میرے رشتے دار ہیں۔"

"ایسے رشتے داروں پر تو آدمی لعنت بھی نہ بھیجے۔" اماں نے کہا۔

"بالکل۔" اس نے تائید میں سر ہلایا۔

"بعض رشتے دار بہت ہی مطلب پرست ہوتے ہیں۔ جب اپنی غرض ہو تو دوسرے کے دل میں گھس جاتے ہیں اور جب مطلب نکل جائے تو طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ ایسے رشتے داروں کی طرف تو پلٹ کر دیکھنا بھی نہیں چاہیے۔" اماں نے ارشاد کی طرف انکھیوں سے دیکھنے کی کوشش کی۔

ارشاد کے لیے زہرا کا رشتہ لینے کے لیے تایا ابا اور تائی اماں نے کیسے چوکھٹ پکڑلی تھی گھر کی مگر ادھر زہرا کو بہو بنا کر لے گئیں تائی اماں اور ادھر انہوں نے بیر باندھا۔ اب تو ایسی کٹا چھنی تھی کہ ارشاد کے سوا کوئی اور نہ آتا جاتا تھا' تایا ابا کے ہاں سے۔

"بجا فرماتی ہیں آپ۔" لڑکا بولا۔

ارشاد سمجھ گیا کہ اماں اس کے گھر والوں پر چوٹ کر گئی تھیں۔

"تو یہ بتائیے کہ آپ کے بارے میں ہمارا اطمینان کیونکر ہوگا؟" ابا نے لڑکے سے کہا۔

اماں کو ابا کے سوال پر سخت غصہ آیا اور شرمندگی بھی ہوئی۔

ایسے کہہ رہے تھے وہ جیسے لڑکا اللہ نہ کرے کوئی اشتہاری مجرم ہو۔

وہ سنبھل' بیٹھا اور بولا۔ "دیکھیے بزرگوار' پہلی بات تو یہ کہ......" اس نے توقف کیا پھر کچھ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "چونکہ کوئی بڑا سر پر نہیں اس لیے تمام معاملات خود مجھی کو طے کرنے ہیں اور فیصلہ بھی مجھی کو کرنا ہے...... بنیادی بات تو یہ ہے کہ لڑکی مجھے پسند آنی چاہیے...... اگر لڑکی پسند آجاتی ہے مجھے تو میں لڑکی والوں کے ہر ممکن اطمینان کی کوشش کروں گا...... میرا گھر ہے...... کاروبار ہے۔ اپنے اطمینان کے لیے وہ جہاں چاہیں' پوچھ گچھ کرسکتے ہیں۔"

"لڑکی خود دیکھیں گے آپ؟" سارہ آپا نے پوچھا۔

"ظاہر ہے۔"

سب نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"ہمارے ہاں لڑکے کو تو لڑکی دکھانے کا رواج نہیں۔" ابا بولے۔

"کوئی بات نہیں۔ تقریباً ستر پچھتر خطوط آئے ہوئے ہیں میرے پاس۔"

اماں' ابا' سارہ آپا' زہرا باجی اور جویا نے سٹپٹا کر پہلے اسے پھر ایک دوسرے کو دیکھا۔

"خطوط!" ارشاد نے چونک کر کہا۔

لڑکے کو اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا۔

"سوری! میرا مطلب ہے رشتے۔" لڑکے نے بات بنانے کی کوشش کی۔

"ہاں...... ہمارے ہاں لڑکے کو لڑکی دکھانے کا رواج تو نہیں ہے لیکن...... اگر ہمارا اطمینان ہو گیا تو تمہاری مجبوری سامنے رکھتے ہوئے کسی بہانے سے لڑکی دکھائی بھی جاسکتی ہے۔" اماں نے اپنے خدائے مجازی' بیٹے' بیٹیوں اور دامادوں کی جانب تائید طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے بھیا سے

بطور خاص تائید چاہی۔ "کیوں آصف بیٹے ٹھیک ہے نا؟"

بھیا نے کچھ نہیں کہا' پہلو بدل کر رہ گئے۔

اماں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں بیٹیوں سے کمک طلب کی۔

"فی الحال تصویر دکھائی جاسکتی ہے آپ کو۔" سارہ آپا بولیں۔

"تصویر نہ بھی دیکھیں فہیم صاحب تو آپ کو نقصان میں نہ رہنے کی ضمانت دی جاسکتی ہے۔" جویا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں دو منٹ کی اجازت چاہوں گا۔" ابا اٹھتے ہوئے بولے۔

"میں بھی ابھی حاضر ہوتا ہوں۔" بھیا بھی موقع کی نزاکت تاڑتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

مشرقی گھرانا تھا۔

خاصا معیوب لگتا کہ ایک اجنبی نوجوان باپ اور بھائی کی موجودگی میں لڑکی کی تصویر دیکھتا۔

ابا اور بھیا کے جاتے ہی اماں نے جویا کو اشارہ کیا اور وہ جاکر زویا کی تصویر لے آئی جو اماں نے دوپہر کو البم میں سے نکلوا کر ایک لفافے میں علیحدہ رکھ دی تھی۔

لڑکے نے تصویر دیکھی پھر لوٹا دی۔

ذرا دیر کو سب کو یوں چپ لگ گئی' جیسے کسی مقدمے کا فیصلہ سنایا جانے والا ہو۔

اماں نے سارہ آپا کو کمرے سے باہر چلنے کا اشارہ دیا۔

دونوں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ابھی آتے ہیں ہم لوگ۔" سارہ آپا بولیں۔

کمرے سے باہر جاکر اماں نے سارہ آپا سے کہا۔ "سارہ لڑکا اچھا ہے' ہاتھ سے نکل گیا تو پھر نہیں ملے گا ایسا لڑکا...... میں تو کہتی ہوں' زویا کو دکھا ہی دو اسے۔"

"مگر ابا جو منع کر گئے ہیں۔"

"ارے تم ان کی چھوڑو...... وہ مصلحتوں کو نہیں سمجھتے...... تم ایسا کرو زویا کو ناشتے کے برتن سمیٹنے کے بہانے لے جاؤ بیٹھک میں۔"

"اماں پھر کسی وقت بلا کر دکھا دیں گے۔"

"ارے بھئی' وہ جلدی شادی کرنا چاہتا ہے۔ لڑکیوں کی کمی تھوڑی ہے...... سنا نہیں تم نے' کہہ رہا تھا' ستر پچھتر خطوط آئے ہوئے ہیں۔"

"میں تو سن رہ گئی تھی اس وقت...... آپ کے سمجھانے کے باوجود وہ......"

اماں مسکرا دیں۔

"بس اسی بات سے اندازہ کرلو اس کی شرافت اور سیدھے پن کا...... اچھا' اب تم زویا کو لے آؤ بہانے سے۔"

"اماں! کہیں ابا اور بھیا ناراض نہ ہوں۔"

"تم ان کی فکر مت کرو...... میں انہیں جا کر سمجھاتی ہوں اور کچھ دیر کو بیٹھک میں جانے سے روکتی ہوں۔ تم زدیا کو دکھا کر لے جانا اس دوران۔"

"اچھا...... جیسے آپ کی مرضی۔"

اماں' ابا اور بھیا کی طرف چلی گئیں' اس ارادے سے کہ انہیں مصلحت وقت سے آگاہ کریں گی اور کچھ دیر کو بیٹھک میں جانے سے روکے رہیں گی۔

سارہ آپا نے کچن کا رخ کیا اور زدیا کے ہزار ترددکے باوجود اسے چمکار پچکار کر بیٹھک میں چلنے پر آمادہ کرلیا۔

"اللہ آپا' آپ میرا حلیہ تو دیکھیں۔"

"بس ذرا منہ دھولو باقی سب ٹھیک ہے۔"

سارہ آپا نے زدیا کے لیے لیپا پوتی غیر ضروری سمجھی کہ اس کی سادگی میں بھی پُرکاری تھی۔

"میں جارہی ہوں' تم بھابی کے ساتھ آجانا برتن اٹھانے کے بہانے۔"

"اب بھی کیا ضرورت ہے بھابی کو بلانے کی...... ویسے تو اماں بیٹیاں بھابی کو بارہ پتھر پرے بٹھا دیتی ہیں اور جب مطلب ہو تو......' بھابی غصے سے دانت پیس کر رہ گئیں۔

بادل ناخواستہ انہیں زدیا کو ساتھ لے کر بیٹھک میں جانا پڑا۔

سارہ آپا' زہرا باجی اور جویا ایک مرتبہ پھر اس طرح چپ ہو گئیں جیسے کسی امتحان کا سامنا ہو۔ زدیا کے سارے وجود پر کپکپی سی تھی۔

ارشاد اور یقین نے انکھیوں سے لڑکے کے تاثرات کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔

"زدیا' یہ شکر دان بھی اٹھالو میز پر سے۔" سارہ آپا نے سکوت کا سینہ چیرا۔

زدبا سینٹر ٹیبل کی طرف بڑھی اور اس نے لرزتے ہاتھ سے شکر دان اٹھالیا۔

لڑکے نے بغور اسے دیکھا اور اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکان پھیل گئی۔

ناشتے کے برتن سمیٹنے میں جویا نے بھی' زدیا اور بھابی کی مدد کی پھر تینوں کمرے سے چلی گئیں۔

سارہ آپا اور زہرا باجی کو یوں لگا جیسے امتحان دے بیٹھی ہوں اور اب نتیجہ سننے کا انتظار ہو۔

"امی جان کہاں گئیں؟" لڑکے نے پوچھا۔

"آ رہی ہیں۔" سارہ آپا بولیں پھر زہرا سے بولیں۔ "زہرا بلا تو لاؤ ذرا اماں کو۔"

"اچھا' آپ لوگ اماں کہتے ہیں۔"

"جی۔"

"میرے امی کہنے پر کوئی اعتراض تو نہیں۔"

"قطعاً نہیں۔"

تھوڑی دیر میں سب دوبارہ اپنی جگہوں پر آبیٹھے۔

از سر نو تمہید بندھی۔

کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتیں ہوئیں پھر وہ بولا۔ "مجھے بہت خوشی ہوئی ہے آپ سب سے مل کر

...... زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے یوں محسوس ہوا ہے جیسے میری بھی کوئی فیملی ہے۔ امی جان اور ابا سے مل کر یوں لگ رہا ہے' جیسے مجھے والدین مل گئے ہوں۔"

"بیٹے! ذرہ نوازی ہے تمہاری۔" اماں بولیں۔

اماں کی مرصع گفتاری پر ابا' بھیا' زہرا باجی اور جویا زیر لب مسکرا دیے۔

"اب آپ لوگ یہ فرمائیں کہ غریب خانے کو کب رونق بخش رہے ہیں؟" وہ بولا۔

اماں کو یک گونہ تسکین ہوئی۔

وہ سمجھ گئیں کہ لڑکی اسے پسند آگئی تھی۔

"بھائی جان کب آرہے ہیں؟" اس نے بھیا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

بھیا کو اس براہ راست تخاطب کی امید نہ تھی' وہ کچھ سٹپٹا سے گئے۔

"بھئی ہم تو بڑوں کے پیچھے ہوتے ہیں' جب ابا کہیں گے' ہم چل پڑیں گے ان کے پیچھے۔" بھیا نے کہا پھر ارشاد اور یقین سے بھی تائید چاہی۔ "کیوں بھئی؟"

دونوں نے تائید کی۔

لڑکا ابا کو دیکھنے لگا۔

"صاحبزادے' آجائیں گے کسی روز۔"

"مجھے دن اور وقت بتا دیجئے تاکہ اس روز میں کوئی دوسری مصروفیت نہ رکھوں۔"

"میاں فی الحال تو بتانا مشکل ہے۔ صلاح مشورہ کرکے آپ کو مطلع کردیں گے۔"

"چلیے ٹھیک ہے مگر ذرا جلدی مطلع کیجیے گا۔"

"جلدی کا کوئی خاص سبب؟" ارشاد علی نے بظاہر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جی...... بس میری عادت ہے کہ جب تک کسی کام کا ارادہ نہیں کرتا' نہیں کرتا لیکن جب کر لیتا ہوں تو جلد از جلد اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا کر دم لیتا ہوں۔"

"شادی دوسرے کاموں سے ذرا جدا معاملہ ہے میاں' اس معاملے میں بہت سوچ سمجھ کر ہر قدم اٹھانا چاہیے۔" ابا نے کہا۔

"لیکن جب اچھے لوگ مل جائیں اور دل ٹھک جائے تو خواہ مخواہ دیر بھی نہیں کرنی چاہیے...... میں تو آپ لوگوں سے مل کر بہت مطمئن ہوں' اب آپ لوگ جس طرح چاہیں اپنا اطمینان کرلیں...... گھر' شوروم دونوں جگہیں حاضر ہیں...... جہاں آکر آپ اپنا اطمینان کرنا چاہیں کرسکتے ہیں۔"

"بیٹے! شوروم کی تو مرد جائیں...... ہم عورتیں تو تمہارے گھر ہی آئیں گی۔"

"موسٹ ویلکم...... موسٹ ویلکم امی جان...... آپ چلنا چاہیں تو ابھی چلیں۔" وہ بڑی گرمجوشی سے بولا۔

"نہیں بیٹے' خیر ابھی تو نہیں۔ دو چار روز میں پروگرام بنائیں گے۔"

"دو چار دن میں!" اس نے اماں کے الفاظ دہرائے پھر بولا۔ "بس آپ کو ایک اسی بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ میں زیادہ انتظار نہیں کرسکوں گا...... حد سے حد دس پندرہ دن میں' میں شادی کر لینا

چاہتا ہوں۔"

"فہیم صاحب! دس پندرہ دن میں تو شاید ٹیلر بھی آپ کا سوٹ سی کر نہیں دے گا۔" یقین نے کہا۔

"صاحب! ہمیں سلوانے کی ضرورت ہی نہیں۔ چار پانچ نئے سوٹ تو اس وقت بھی میری وارڈروب میں لٹک رہے ہوں گے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں شادی کے سوٹ کی بات کر رہا ہوں جو آپ کے لیے سسرال والے تیار کروائیں گے۔" یقین بولا۔

"یقین ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ شادی بیاہ کی تیاری میں کچھ تو وقت لگتا ہی ہے۔" بھیا نے تائید کی۔

"بھائی جان! کسی تیاری ویاری کی ضرورت نہیں...... خدا کا دیا بہت کچھ ہے میرے پاس...... مجھے بس پُرخلوص لوگوں کی ضرورت ہے اور بس۔"

"خلوص تو تمہیں ہمارے گھر سے ٹوکروں ملے گا۔" اماں نے کہا۔

یقین کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے جویا کو کچھ اس طرح دیکھا جیسے کہتا ہو۔

"جی ہاں! جیسے ہمیں ملا ہے ٹوکروں خلوص!"

جویا نے اس سے نظریں چرالیں۔

"رشتے ناتے محبت اور خلوص کی بنیاد پر ہونے چاہئیں۔ جہاں رشتے کسی لالچ کی بنیاد پر کیے جائیں پائیدار نہیں ہوتے۔"

"ماشاء اللہ بہت مثبت سوچ ہے آپ کی صاحبزادے۔"

"مجھے ان لوگوں پر سخت غصہ آتا ہے جو لڑکی والوں سے جہیز کا مطالبہ کرتے ہیں...... جس نے بیٹی دے دی اس نے سب کچھ دے دیا۔"

"ارے بیٹا! مت پوچھو...... لڑکی اور داماد کو دو تو دو۔ ساس، سسر، نندوں اور دیوروں کو بھی دینا پڑتا ہے۔" اماں نے انکھیوں سے ارشاد اور یقین کو دیکھتے ہوئے ان پر چوٹ کی۔

"کس خوشی میں؟"

"بس رواج ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ، عجیب رواج ہے۔"

"اگر سارے لڑکے تم جیسے بے لوث ہو جائیں تو لڑکیوں کے ماں باپ کی ساری نہ سہی آدھی پریشانیاں تو ختم ہو ہی جائیں۔"

وہ بڑی انکساری سے مسکرا دیا پھر بولا۔ "بہت دیر بیٹھا، اب اجازت چاہوں گا۔"

"بیٹا! کھانا کھا کر جانا۔" اماں نے کہا۔

"نہیں امی جان...... کھانے دانے کا تکلف ہرگز نہیں۔"

"بیٹا تکلف کچھ بھی نہیں جو گھر میں پکتا ہے وہی ہے۔"

"پلیز کھانے کے لیے اصرار مت کیجیے۔"

"کیوں آخر؟"

"رات کا کھانا میں عموماً بارہ بجے سے پہلے نہیں کھاتا اور آج تو چائے کے ساتھ اتنا کچھ لے لیا ہے کہ اب رات کے کھانے کا کوئی سوال ہی نہیں...... بس اب آپ مجھے اجازت دیجیے۔"

"جی تو یہ چاہتا ہے بیٹے کہ تم بیٹھے باتیں کرتے رہو اور ہم سنتے رہیں۔" اماں نے کہا مگر وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اسے رخصت کرنے کو بھی اپنی اپنی جگہ سے اٹھ گئے تھے۔

"آپ لوگ غریب خانے پر کب آ رہے ہیں؟"

سب نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر ابا نے کہا۔ "ان شاء اللہ جلد آئیں گے۔"

"اجازت دیجیے۔"

خواتین نے دروازے تک اور مردوں نے دروازے کے باہر اس کی گاڑی تک رسمِ مشایعت بھگتائی۔ اسے رخصت کرنے کے بعد جب سب دوبارہ اندر آ بیٹھے تو اماں نے عقابی نگاہوں سے چاروں مردوں کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے ابا سے بطورِ خاص پوچھا۔ "لڑکا کیسا لگا؟"

"بظاہر تو ٹھیک ٹھاک ہی لگتا ہے۔" ابا بولے۔

"بظاہر سے کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"مطلب یہ کہ ایک ملاقات میں آدمی کی اصلیت کہاں کھلتی ہے۔"

"خاص طور پر ایسے آدمی کی جسے پرکھنے کے لیے کوئی حوالہ بھی نہ ہو۔" ارشاد نے لقمہ دیا۔

"ہاں۔" ابا نے ارشاد کی تائید کی۔ "آدمی اپنے خاندان اور دوستوں سے پہچانا جاتا ہے اور وہ نہ اپنے کسی رشتے دار کا حوالہ دینے پر آمادہ نظر آتا ہے نہ ہی کسی دوست کا کوئی خاص تذکرہ کیا۔"

"ارے بھئی! کہہ جو دیا اس نے کہ برے وقت میں رشتے داروں نے ساتھ نہیں دیا، اب وہ خود نہیں ملنا چاہتا ان سے۔"

"ہاں ابا! ایسا تو پھر ہوتا ہے کہ جب برے وقت میں رشتے دار کام نہ آئیں تو پھر مشکل نکل جانے کے بعد ایسے رشتے داروں سے دل کھٹا ہو جاتا ہے۔" سارہ آپا بولیں۔

"بجا۔" ابا نے کہا۔ "لیکن بیٹی! کوئی تو حوالہ ہونا ہی چاہیے...... ہمیں بھلا کیا معلوم کہ لڑکا کس خاندان کا ہے؟ کیسے لوگ ہیں؟ تھری پیس سوٹ پہن لینے یا نئی گاڑی میں بیٹھ جانے سے تو آدمی کا حسب نسب نہیں کھلتا۔"

"گفتگو اور طور طریقوں سے تو کھل جاتا ہے...... دیکھا نہیں آپ نے، کتنی تمیز سے بات کر رہا تھا وہ۔" اماں نے اس کی وکالت کی۔

"گفتگو تو ہمارا سبزی والا بھی بہت عمدہ کرتا ہے۔" بھیا بولے۔

ارشاد اور یقین بے ساختہ ہنس دیے۔

"بہت اچھے! بہت اچھے!" اماں نے ناگواری سے بھیا کو دیکھا۔ "بہن کے لیے آنے والے اچھے بھلے رشتے کو سبزی والے سے ملا رہے ہو۔"

بھیا خجل سے ہو گئے۔

"اماں ایک بات کہہ رہا تھا میں۔"

"میں سب سمجھتی ہوں بیٹا..... تمہاری جگہ کوئی اور بھائی ہوتا تو گھر بیٹھے بہن کے لیے ایسے رشتے کو خدا کی دین سمجھ کر شکر ادا کرتا مگر تم تو جل کر مذاق اڑانے لگے..... اچھے بھائی ہو۔"

"اماں تو بات کا بتنگڑ بنا لیتی ہیں۔" بھیا کو سب کے سامنے اپنی تضحیک پر غصہ آ گیا۔

"بات کا بتنگڑ میں بناتی ہوں یا تم اور تمہاری بیوی۔" اماں بگڑ کر بولیں۔

"بیوی بے چاری کا ذکر کہاں سے آ گیا؟" بھیا بولے۔

"بے چاری! "اماں نے طنزیہ کہا۔" وہ جتنی بے چاری ہیں میں ہی جانتی ہوں۔"

سارہ آپا نے ارشاد اور یقین کی موجودگی میں بات کو بڑھتے دیکھا تو اماں کا گھٹنا دبا کر آہستہ سے کہا۔ "بس کریں اماں۔"

اماں نے تیز نگاہوں سے آپا کو دیکھا اور بولیں۔ "تم لوگ ہمیشہ مجھی کو دباتی ہو۔"

آپا شرمندہ سی ہو گئیں۔

"ارے بھئی غصہ کیوں ہوتی ہو۔" ابا جو اماں کے مزاج شناس تھے مسکرا کر بولے۔ "پروگرام طے کر لو لڑکے کے گھر چلنے کا۔"

ابا سے زیادہ اماں کا مزاج شناس اور کون ہو سکتا تھا بھلا!

اماں کا تاؤ ابال کی طرح بیٹھ گیا۔

"آپ سے بہت جلدی ہے۔" اماں بولیں۔

"ٹھیک ہے..... ہم جلدی ہی چلے جائیں گے..... کیوں بیٹے؟" ابا نے بھیا سے بھی تائید چاہی جو چھوٹے بہنوئیوں کے سامنے اپنی تضحیک پر ناراض سے ہو گئے تھے۔

بھیا کچھ نہیں بولے۔

"ایسے بے لوث لڑکے ملتے ہیں بھلا جنہیں جہیز و بیز کی ضرورت نہ ہو۔" اماں نے مزید وکالت کی۔

"ہاں..... واقعی۔" زہرا باجی نے کہا۔

"پھر بھی..... اپنا اطمینان تو کرنا ہی چاہیے اماں۔" سارہ آپا نے کہا۔

"میں کوئی منع کر رہی ہوں..... بس یہ ہے کہ جو چھان بین کرنی ہے جلدی کر لو..... ورنہ کرتا ایسے لڑکوں کو ایک نہیں دس رشتے مل جاتے ہیں۔"

"اچھا..... اچھا گھبراؤ مت۔" ابا نے اماں کو تسلی دی پھر بولے۔ "سنا ہے آج آپ نے دعوت شیراز کا بندوبست کر رکھا ہے۔"

"ہاں کر تو رکھا ہے۔"

"تو بھئی لگواؤ کھانا..... بیٹیوں کو گھر بھی جانا ہے۔"

"عجیب باپ ہیں آپ!" اماں نے ابا کو شاکی نظروں سے گھورا۔

"کیوں بھئی کیا غلطی ہو گئی؟" ابا مسکرا کر بولے۔

"کیا سوچیں گی بیٹیاں اور کیا سوچیں گے داماد کہ زبردستی ہمیں نکال رہے ہیں بڑے میاں۔"

"بھئی جانا تو ہے نا تینوں ہی بیٹیوں نے..... تو اگر میں نے یہ کہہ دیا کہ کھانا جلدی نکلوا لو تاکہ کھانا کھا کر بچیاں رات زیادہ ہونے سے پہلے اپنے اپنے گھر پہنچ جائیں تو اس میں کیا برج!"

"لگتا ہے بریانی کی خوشبو ستا رہی ہے آپ کو۔" اماں بولیں۔

"اچھا تو بریانی پکوائی ہے آج آپ نے..... اور؟ اور کیا کیا بنوایا ہے؟" ابا نے بھیا کی خفگی سے پیدا ہو جانے والے تناؤ کو قدرے کم کرنے کی خاطر خوشگوار لہجے میں کہا۔

"دسترخوان پر بیٹھیں گے تو خود دیکھ لیجیے گا۔" اماں بولیں۔

"ارے بھئی جلدی سے بچھواؤ دسترخوان۔" ابا نے بیتابی سے کہا۔

"بچھواتی ہوں..... بچھواتی ہوں..... ذرا خاطر جمع رکھیں۔" اماں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

یقین نے کچھ اس طرح جویا کو دیکھا جیسے کہا ہو دیکھ لو اپنی اماں جان کی تنک مزاجی!

رات کو گھر واپسی کے بعد یقین نے جویا سے کہا۔ "تمہاری اماں کو چاہیے زیادہ جلدی نہ کریں۔"

"کیوں؟" جویا نے مشکوک نظروں سے دیکھا۔

"لڑکا مجھے کافی تیز لگتا ہے..... ہم آٹھ افراد تھے مگر اس نے ہم سب کے سوالوں کا تن تنہا سامنا کیا۔"

"بہت کانفیڈنٹ ہے۔"

"زیادتی ہر چیز کی بری ہوتی ہے۔ وہ ضرورت سے زیادہ تیز معلوم ہوتا ہے..... میں تو کہتا ہوں جب تک اچھی طرح اطمینان نہ ہو جائے کوئی فیصلہ نہ کیا جائے۔"

جویا نے اس کے اس مشورے اور سمجھانے بجھانے کو حسد پر محمول کیا۔

"اچھا..... ایک بات سنئے..... فی الحال آپ اپنے گھر والوں سے کوئی ذکر مت کیجیے گا" وہ بولی یقین نے تیوری چڑھا کر اسے دیکھا۔

"بالفرض کر دوں تو اس میں قباحت کیا ہے۔"

"جب کوئی خوشی کی بات ہو گی تو سبھی کو پتا چل جائے گا..... پہلے سے بات پھیلانے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے بات نہ ہی بنے۔"

لیکن دل ہی دل میں وہ سوچ رہی تھی..... "بات بن جائے تو کتنا مزا آئے! ہمارے سسرال والے تو بقول اماں کے جل کر خاک ہو جائیں گے..... اللہ میاں نے اماں ہی کی سنی ہے۔ ایک روز کہہ رہی تھیں نا اب تو میرے دل کو یہ لگن لگی ہے کہ تمہارے زیور سے پہلے زویا کی شادی ہو جائے۔ کتنی بڑی کار ہے لڑکے کی..... معلوم ہو رہا تھا دروازے کے سامنے کار نہیں جہاز کھڑا ہوا ہے..... گھر بھی ویسا ہی فرسٹ کلاس ہو گا..... بھئی واہ! زویا تو قسمت کی دھنی نکلی۔

اپنے گھر میں ارشاد علی اور زہرا بھی زویا کے لیے آنے والے رشتے کی بابت بات کر رہے

تھے۔

''آپ کو کیسا لگا ہے لڑکا؟''

''بظاہر تو ٹھیک ٹھاک ہی ہے مگر......''

''مگر کیا؟''

''چچی جان کو آصف بھیا کی یوں انسلٹ نہیں کرنی چاہیے تھی' سب کے سامنے۔''

سارہ آپا بستر پر لیٹی سوچ رہی تھیں...... 'اماں کا بس چلے تو شاید کسی پوچھ گچھ کے بغیر ہی زویا کی شادی کر ڈالیں...... میں نے اس کے شوروم کا فون نمبر مانگا تو دینے سے انکار بھی نہیں کیا اور اتنی خوبصورتی سے دوسری باتوں میں لگا لیا کہ مجھے اب یاد آیا ہے!'

بھیا اپنے کمرے میں بھابی سے کہہ رہے تھے...... ''جہاں ہم سے شریک ہونے کو کہا گیا' بیٹھ جائیں گے لیکن کوئی صلاح مشورہ نہیں دوں گا۔ اماں کی جو مرضی آتی ہے وہ کریں۔''

''ویسے لڑکا کیسا لگا ہے آپ کو؟''

''بھئی' کاروباری آدمی ہے...... ماں باپ کے بعد سب کچھ خود ہی بنایا ہے...... کھاتا کماتا لڑکا ہے مگر ہے تیز۔''

''اچھا ہے' ذرا بجو بی کے دانت کھٹے کرے گا۔'' بھابی نے سوچا۔

اور اماں ابا کو سمجھا رہی تھیں۔ ''زیادہ مین میکھ کی ضرورت نہیں...... کہیں لڑکا ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ میں تو کہتی ہوں ایک دو روز میں اس کا گھر ور دیکھ لیا جائے اور بسم اللہ کی جائے...... لینے' دینے کو تو اس نے منع کر ہی دیا ہے۔''

''ہوں۔'' ابا جو بستر پر لیٹ چکے تھے' آنکھیں موندتے ہوئے بولے۔

''سو رہے ہیں کیا؟''

''تم بھی اب سو جاؤ' باقی بات صبح کریں گے۔''

''ارے کس کم بخت کو نیند آئے گی...... میرا تو دل اس خیال سے دکھ رہا ہے کہ اب زویا بھی اپنے گھر چلی جائے گی...... ہائے کیا دستور بنایا ہے اللہ نے کہ بیٹیوں کو پالو پوسو اور دوسروں کے حوالے کر دو...... کتنا خیال رکھتی ہے وہ ہم دونوں کا۔''

ابا ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئے۔

☆=====☆=====☆

اماں تو چاہتی تھیں کہ گھڑی کی چوتھائی میں لڑکے کا گھر اور کاروبار دیکھ لیا جائے اور ہاں کر دی جائے مگر ابا نے ایک دو روز کا وقفہ ضروری سمجھا۔

دو دن بعد بیٹے' بہو' تینوں بیٹیوں اور دونوں دامادوں کے ساتھ اماں اور ابا لڑکے کے گھر ہو آئے۔

گھر بہت بڑا' بے حد خوشنما اور بالکل نیا تھا۔

لڑکے نے بتایا کہ حال ہی میں مکمل ہوا تھا۔

لیکن گھر میں خاصی بے سروسامانی کی کیفیت تھی۔

لڑکے نے کہا۔ ''کروانے کو تو گھر دو دن میں ڈیکوریٹ کروایا جا سکتا ہے لیکن میں نے اس خیال سے نہیں کروایا کہ آنے والی خاتون اپنی پسند سے ڈیکوریٹ کروائیں تو زیادہ اچھا ہوگا۔''

آنے والی خاتون!

کتنی شائستگی سے بات کرتا تھا وہ!

اماں کا جی چاہا' اس کے لہجے کی شائستگی کی بلائیں لے لیں۔

غنیمت تھا کہ کچن میں کچھ برتن تھے' تاہم ان برتنوں اور کچن کی خوشنما بناوٹ میں کوئی مماثلت نہ تھی۔

''جتنا بھی سامان تھا میرے پاس استعمال کا وہ میں نے دے دلا دیا لوگوں کو...... نئے گھر کے لیے ہر چیز نئی خریدنا چاہتا ہوں۔''

''آنے والی خاتون کی مرضی سے!'' جویا نے مسکراتے ہوئے گرہ لگائی۔

اس نے پہلے چونک کر جویا کو دیکھا' پھر اسے مسکراتے دیکھ کر خود بھی مسکرا دیا اور بولا۔ ''جی...... جی بالکل۔''

''بیٹا! کیا باورچی خانے کے برتن بھی بانٹ دیے تم نے؟'' اماں بولیں۔

''جی امی جان۔''

''فہیم' گھر کی ڈیکوریشن کے سلسلے میں اگر آپ کو کسی ڈیکوریٹر کی خدمات درکار ہوں تو مجھے بتائیے گا۔ میری ایک دوست انٹیریئر ڈیکوریٹر ہے۔'' سارہ آپا بولیں۔

''اوہ! یہ تو بہت اچھی بات ہے...... ان شاء اللہ انہی کی خدمات حاصل کریں گے۔''

بھابی کو زویا کی قسمت پر رشک آ رہا تھا اور وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھیں' گھر بیٹھے اچھے رشتے مل جاتے ہیں ان لوگوں کو۔ بڑی' منجھلی اور سنجھلی تینوں ہی عیش کر رہی ہیں اپنے اپنے گھروں میں' چھوٹی مقدر کی سب سے تیز نکلی!

لڑکے کا گھر دیکھ کر تو زویا کے مقدر پر رشک ہی کرنے کو جی چاہتا تھا۔

ہزار مربع گز پر دو منزلہ مکان!

سرسبز لان۔

محرابی پورچ۔

کشادہ کمرے۔

امریکن کچن۔

ٹائلز اٹیچڈ باتھ رومز۔

فینسی فٹنگز۔

رہی گھر کی آرائش تو اس کا کیا ہے...... گھر ہو تو آرائش بھی ہو ہی جاتی ہے۔ جو آدمی اتنا بڑا گھر بنا سکتا تھا...... نئے ماڈل کی قیمتی کار رکھ سکتا تھا' اس کے لیے گھر کی آرائش کون سی مشکل بات تھی۔

گھر میں ایک ملازم بھی تھا جس نے روبوٹ کی طرح ان سب کی خاطر تواضع کی۔ لوازمات خاطرداری بہت عمدہ اور بہت وافر مقدار میں تھے۔ کیک اتنا عمدہ تھا کہ ارشاد نے تین مرتبہ لیا پھر بھی نیت سیر نہ ہوئی۔

خاطر تواضع کے بعد لڑکے نے ان سب کو گھر کا کونا کونا دکھایا۔ بالائی منزل کا ایک ایک کمرا دکھانے کے بعد وہ انہیں ٹیرس میں لے گیا تو سامنے والے مکان کے ٹیرس پر ایک نوجوان لڑکی کو دیکھ کر اماں کھٹک گئیں۔

"سارہ! سامنے دیکھو لڑکی کھڑی ہے۔" اماں نے سارہ آپا کے کان میں کہا۔

"کہاں اماں؟" آپا نے چونک کر پوچھا۔

"ارے بھئی سامنے والے مکان کی طرف دیکھو۔"

سارہ آپا نے سامنے دیکھا پھر اماں سے سرگوشی میں بولیں۔ "نہیں اماں' وہ بے چاری تو جھکی کوئی کتاب پڑھ رہی ہے۔"

"ارے' تمہیں نہیں پتا۔" اماں نے آپا کا بازو دباتے ہوئے پھر سرگوشی کی۔ "آج کل کی لڑکیاں بڑی فتنہ ہوتی ہیں..... کتاب پڑھتے ہی پڑھتے لڑکوں کو پھنسا لیتی ہیں۔"

آپا زیر لب مسکرا دیں۔

کبھی کبھی اماں کیسے مزے کی باتیں کرتی تھیں!

"ارے!" لڑکے نے جوابا' بھیا یقین اور ارشاد کے ہمراہ آگے بڑھ گیا تھا' تھم کر اماں اور سارہ آپا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ لوگ رک کیوں گئیں؟"

"آ رہے ہیں بیٹا' آ رہے ہیں۔" اماں بولیں۔

بھابی' زہرا باجی اور جویا ٹیرس کی ریلنگ پر جھکی آس پڑوس کے گھروں میں جھانک رہی تھیں۔

"بیٹے! محلہ آباد ہے؟" اماں جو مردوں کے نزدیک جا رکی تھیں' تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے بولیں۔

"جی ہاں..... تقریباً۔"

"یہ..... تمہارے برابر والے گھر میں کون لوگ رہتے ہیں؟"

"ریٹائرڈ آرمی آفیسر ہیں۔"

"اور ادھر؟"

"یہ ڈاکٹر ہیں..... بیگم بھی ڈاکٹر ہیں ان کی۔"

"اور وہ سامنے والے گھر میں؟" اماں کی نگاہیں اب اپنے اصل نشانے پر تھیں۔

"میں کچھ زیادہ نہیں جانتا' ان لوگوں کے بارے میں شاید کسٹم میں ہیں وہ صاحب جن کا یہ گھر ہے۔"

"ہوں!" اماں نے منہ بنایا۔ "اندھی کمائی ہوگی۔ جبھی تو اتنا بڑا گھر بنا لیا..... حلال کی کمائی سے اتنے شاندار گھر کہاں بنتے ہیں۔"

ابا اور سارہ آپا نے ٹھٹکا کر اماں کو دیکھا جو اپنی سادہ لوحی میں ایسی بات کہہ گئی تھیں جس کی ضرب لڑکا بھی محسوس کر سکتا تھا۔

ارشاد اور یقین زیر لب مسکرا دیے۔

لڑکے نے ایسی متحمل مزاجی کا مظاہرہ کیا' جیسے اماں کی بات کا برا ماننا تو درکنار اس نے کوئی نوٹس ہی نہیں لیا تھا۔

"کتنے بچے ہیں ان کے؟" اماں کی نظریں بدستور سامنے والے مکان کی طرف تھیں۔

"میں کچھ زیادہ نہیں جانتا" لڑکا قدرے خجل ہو کر بولا پھر اس نے یک لخت اپنے چہرے کے تاثرات بدل کر بڑے اعتماد سے کہا۔ "آس پاس کے دو چار گھروں سے بس رسمی سی واقفیت ہے..... اصل میں حال میں تو مکان مکمل ہوا ہے۔ کنسٹرکشن کے دوران ہی پڑوسیوں سے ہیلو ہائے ہوتی رہی..... بہرحال علیک سلیک ہے میری آس پاس کے دو چار گھروں سے۔ آپ لوگ چاہیں تو ان سے میرے بارے میں پوچھ گچھ کر سکتے ہیں۔"

"ارے بیٹا! میں پوچھ گچھ کرنے کے ارادے سے تھوڑی معلومات کر رہی ہوں۔" اماں بولیں۔

"میں تو بس یہ جاننا چاہ رہی تھی کہ محلہ کیسا ہے؟ لوگ تو شریف ہیں نا؟"

"جی..... شریف ہی ہوں گے۔"

"نیک بخت!" ابا بولے۔ "پہلے زمانے کی طرح آج کل پڑوسی ایک دوسرے کے گھروں میں نہیں گھسے رہتے..... بلکہ جس قسم کا یہ علاقہ ہے اس قسم کے علاقوں میں تو اکثر ایک پڑوسی کو دوسرے کے بارے میں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کون ہے' کیا کرتا ہے؟ کیوں میاں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟" ابا نے لڑکے سے اپنی بات کی تائید چاہی۔

"جی..... بالکل۔"

"زمانہ بالکل ہی بدل گیا۔" اماں قدرے تاسف سے بولیں۔

"جی ہاں!" ابا نے کہا۔

بھابی' زہرا باجی اور جویا اب سامنے خاکستری پہاڑیوں کو دیکھ رہی تھیں۔ کیسا دلکش منظر تھا! پہلو بہ پہلو خیمہ زن پہاڑیاں اور ڈوبتے سورج کی آخری کرنیں!

"کیا خیال ہے اب فہیم میاں سے اجازت لی جائے؟" ابا نے اماں سے تائید چاہی۔

"ہاں..... کافی دیر ہو گئی۔ ساڑھے چار بجے آئے تھے ہم لوگ..... ذرا دیکھیں تو آپ اپنی گھڑی میں کیا وقت ہو گیا ہے؟"

"پونے سات بجنے والے ہیں۔" ابا نے گھڑی میں دیکھ کر کہا۔

"چلو بھئی لڑکیو!" اماں نے بھابی' زہرا باجی اور جویا کی طرف دیکھتے ہوئے آواز لگائی۔

"اماں چلنے کو کہہ رہی ہیں۔" جویا نے زہرا باجی اور بھابی سے کہا۔

"چلو۔"

وہ تینوں چلیں۔

"زویا کے تو عیش آ گئے۔" زہرا باجی نے جویا کے کان میں کہا۔

"میں تو بہت خوش ہوں زہرا باجی!" جویا نے جواباً دھیرے سے کہا۔ "میرے سسرال والے شاید یہ سمجھتے تھے کہ زویا کو اگر وہ نہیں لیں گے فرزین سے تو اسے کوئی اور رشتہ ہی نہیں جڑے گا..... ہکا بکا رہ جائیں گے سب کے سب!"

"خوش تو میں بھی بہت ہوں۔" زہرا باجی بولیں۔ "تائی اماں اپنے گھر پر بہت اتراتی تھیں۔ اب پتا چلے گا انہیں جب زویا کو ہزار گز کے برانڈ نیو مکان میں شادی ہو کر جاتے دیکھیں گی۔"

"خدا کے واسطے انہیں تو دکھایئے گا بھی مت یہ گھر۔" جویا دھیرے سے بولی۔

"کیوں؟"

"اماں بتاتی ہیں' تائی اماں کی نظر بہت جلدی لگتی ہے' اچھی چیزوں کو۔"

بھابی بظاہر انجان بنی دونوں بہنوں کی کن سوئیاں لیتی ہوئی ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔

ٹیرس سے جاتے جاتے اماں نے سامنے والے مکان کے ٹیرس کی طرف دیکھا اور دل ہی دل میں سوچا' زویا کو سمجھا دوں گی کہ سامنے والے گھر سے ذرا ہوشیار رہے۔

آتے ہوئے ابا' اماں' زہرا باجی اور ارشاد تو سارہ آپا کی گاڑی میں آئے تھے بھیا' بھابی' یقین اور جویا ٹیکسی میں۔

واپسی کی تیاری ہوئی تو لڑکے نے ٹیکسی کرائے پر لینے کی اجازت نہ دی اور بڑی اپنائیت سے بولا۔ "جب گھر میں گاڑی موجود ہے تو ٹیکسی لینے کی کیا ضرورت۔"

"نہیں میاں آپ آرام کیجئے..... ہم لوگ چلے جائیں گے۔" ابا نے کہا۔

اس نے یک بیک ابا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بولا۔ "اس کا مطلب ہے' آپ مجھے غیر سمجھتے ہیں۔"

اماں کا جی چاہا' اس کی بلائیں لے لیں۔

"رہنے دیجئے جب بچہ اصرار کر رہا ہے تو رہنے دیجئے۔" اماں نے ابا سے کہا۔

"ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی۔"

اماں ابا یقین اور جویا لڑکے کی گاڑی میں بیٹھے۔

بھیا' بھابی' زہرا باجی اور ارشاد سارہ آپا کی گاڑی میں سوار ہوئے۔

دونوں گاڑیاں آگے پیچھے گھر کے گیٹ سے باہر نکلیں تو اماں نے دل ہی دل میں آیتہ الکرسی پڑھ کر دونوں گاڑیوں پر دم کیا۔

سبحان اللہ! کیا آرام دہ گاڑی تھی لڑکے کی۔

اماں کو تو یوں لگا' جیسے کار میں نہیں ہوائی جہاز میں سفر کر رہی ہوں۔

گھر پہنچنے کے بعد اماں نے اسے اندر چلنے کی دعوت دی تو وہ بولا۔ "بس اب اکٹھا ہی آؤں گا۔"

اماں کا دل کھل اٹھا۔

"جھک جھک آنا بیٹا..... تمہارا اپنا گھر ہے۔"

زویا جو بھائی بہنوں کے بچوں کو سمیٹے بیٹھی تھی' گھر کے دروازے پر گاڑی رکنے کی آواز سن کر دروازے تک چلی آئی تھی اور دروازے سے کان لگائے کھڑی تھی۔

"ابا! آپ شوروم پر کب آ رہے ہیں؟" لڑکا پوچھ رہا تھا۔

ابا کے کچھ بولنے سے پہلے ہی اماں بولیں۔ "جلدی بھیجوں گی بیٹے تم فکر مت کرو۔"

"بس مجھے فون کر دیجئے گا تاکہ میں شوروم پر موجود رہوں۔"

"فکر مت کرو میں کر دوں گی۔"

سارہ آپا کی گاڑی بھی دروازے پر آ پہنچی تھی۔

"اب مجھے اجازت!" لڑکے نے کہا۔

"میں تو کہہ رہی تھی اندر آ کے چائے پی کر جاتے۔"

"پھر کبھی امی جان۔"

"اچھا بھئی' بہت بہت شکریہ!" آپا نے کہا۔

"کس بات کا؟"

"اتنی عمدہ چائے پلانے....."

"اور ہمیں گھر پہنچانے کا۔" جویا نے آپا کی بات میں گرہ لگائی۔

"یو آر ویلکم!" لڑکے نے کہا پھر بڑے قرینے سے بولا۔ "اب اجازت دیجئے۔"

"اچھی بات ہے بیٹے!" اماں بولیں۔

"سر پر ہاتھ تو پھیر دیجئے امی جان!" وہ اماں کے نزدیک آ کر سر جھکاتے ہوئے بولا۔

"جیتے رہو۔" اماں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دعا دی۔

"خدا حافظ ابا!"

"خدا حافظ!"

"خدا حافظ بھائی جان..... بھابی..... اور آپ سب لوگ۔" آخری فقرے پر اس نے مسکراتے ہوئے سارہ آپا' زہرا باجی' جویا' ارشاد اور یقین کی طرف دیکھا۔

"خدا حافظ!" سب نے بڑی گرمجوشی سے جواب دیا۔

وہ گاڑی کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھا۔ گاڑی اسٹارٹ کی۔ ریورس گیئر میں گاڑی کو سمت معکوس میں لیا پھر تھوڑا سا بائیں رخ کاٹا اور گاڑی کا رخ سیدھا کیا پھر پہلے گیئر میں گاڑی کو دھیرے دھیرے آگے بڑھا لے گیا۔ جاتے جاتے اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا اور اسٹیئرنگ پر سے لمحہ بھر کو ہاتھ اٹھا کر سب کو خدا حافظ کہا۔ وہ سب اس وقت تک دروازے کے باہر کھڑے رہے' جب تک اس کی گاڑی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو گئی۔

اطلاعی گھنٹی ارشاد نے بجائی۔

دروازے سے لگی کھڑی زویا یہ فیصلہ کرنے سے قاصر تھی کہ وہ خوش تھی یا ناخوش!

دروازہ اس نے متذبذب سی کیفیت میں کھولا۔

گھر میں آ بیٹھنے کے بعد کچھ دیر اماں لڑکے کے گھر کی تعریف میں رطب اللسان رہیں۔ اس دوران جویا نے زویا کو چپکے سے بتایا۔ "اتنا بڑا گھر ہے زویا کہ دیکھو گی تو حیران رہ جاؤ گی۔"

زویا محجوب ہو گئی۔

"میں تو اتنی خوش ہوں کہ بتا نہیں سکتی۔"

زویا نے نظریں چرالیں اور اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔

"ہاں بھئی اب کیا مرضی ہے؟" اماں نے ابا سے پوچھا۔

"سوچیں گے۔" ابا بولے۔

"ہیں!" اماں معترض لہجے میں بولیں۔ "اب سوچنے کی اور کیا بات رہ گئی؟ ارے بھئی لڑکا دیکھ لیا۔ اس کا گھر دیکھ لیا...... آس پڑوس دیکھ لیا...... لڑکا کہتا ہے ہمسایوں میں جس سے چاہیں پوچھ گچھ کر لیں۔ اپنے شوروم پر بلا گیا ہے وہ آپ کو، بس وہی دیکھنا رہ گیا ہے...... اور کیا سوچنا ہے۔"

ابا چپ رہے۔

"آصف بیٹے! ذرا سمجھاؤ تو اپنے ابا کو۔" اماں نے بھیا کو مخاطب کیا جو لڑکے کے بردکھوے کے موقع پر ہونے والی بدمزگی کو ابا اور سارہ آپا کے سمجھانے بجھانے پر بھلا کر سب کے ساتھ لڑکے کے گھر ہو آئے تھے۔

"کیا سمجھاؤں؟" بھیا بولے۔

"یہی کہ خواہ مخواہ وقت ضائع نہ کریں...... بہت سا اطمینان ہو گیا ہے، تھوڑا سا اطمینان اور کر لیں اس کے شوروم پر جا کر اس کے کاروبار کے بارے میں...... اللہ اللہ خیر صلا!" اماں نے جملہ حاضرین پر ایک طائرانہ نظر دوڑائی اور پوچھا۔ "کیوں بھئی غلط کہہ رہی ہوں میں؟"

اماں کی بات سے اختلاف کرنے کی ہمت کسے ہو سکتی تھی مگر پھر بھی سارہ آپا نے کہا۔ "اماں! اچھی طرح سوچ بچار کرنے کے لئے کچھ وقت ضرور لیں۔"

"بھئی کتنی دفعہ دہرانا پڑے گا کہ اسے جلدی ہے...... ایک ہم ہی نہیں اسے دس مل جائیں گے لڑکی دینے والے۔"

"اچھا بھئی اچھا۔" ابا نے بھیا اور دونوں داماودں کی طرف دیکھا اور کہا۔ "ایک آدھ روز میں اس کا شوروم بھی دیکھ آتے ہیں۔"

"یہ ہوئی نا بات۔" اماں خوش ہو کر بولیں۔

☆======☆======☆

اگلے روز ابا دکان پر جانے لگے تو اماں نے کہا۔ "آج کل میں لڑکے کا کاروبار بھی دیکھ دا کھ لیں تاکہ چھٹی ہو۔"

"کس کی چھٹی ہو؟" ابا بولے۔

"میرا مطلب ہے پھر کوئی فیصلہ کیا جائے۔"

"کل ہو آئیں گے۔"

"بیٹے اور دونوں داماودں کو بتا دیں کہ کل تیار رہیں۔"

"تم ہی بتا دینا۔"

"آپ کیوں نہیں بتا دیتے۔"

"چلو میں ہی بتا دوں گا مگر لڑکے کو تو تم اطلاع کرو گی نا؟"

"ٹیلی فون نمبر تو دیں مجھے اس کی دکان کا...... دیا تھا نا اس نے آپ کو؟"

"دکان نہیں شوروم۔"

"اچھا...... اچھا شوروم ہی سہی۔"

ابا نے اماں کو فون نمبر دیا۔

"کس وقت جائیں گے آپ؟"

"کسی بھی وقت چلے جائیں گے۔"

"بھئی اسے تو بتانا پڑے گا نا۔"

"کیا ضرورت ہے وقت بتانے کی...... بس کہہ دینا کل کسی وقت آئیں گے۔ اصولاً تو ایسے موقعوں پر پیشگی اطلاع کے بغیر ہی اچانک پہنچنا چاہئے۔"

اماں نے شاکی نظروں سے ابا کو دیکھا اور کہا۔ "بہت ہی شکی مزاج پایا ہے آپ نے۔"

"ایسے معاملوں میں ہونا ہی چاہئے۔"

"شک نہ کریں، لڑکا اچھا ہے۔ میرا تو دل پوری طرح ٹھک گیا ہے...... تین بیٹیاں آپ نے اپنی مرضی سے بیاہی ہیں، ایک میری مرضی سے بھی دے کر دیکھئے۔"

"تین بیٹیاں میں نے اپنی مرضی سے نہیں، اللہ پر توکل کر کے بیاہی ہیں۔"

"ان شاء اللہ زویا بھی سکھی رہے گی۔"

"آمین۔"

"بس آپ دیر مت کریں۔"

"اچھا بھئی اچھا۔"

ابا کے جانے کے بعد اماں نے لڑکے کو فون کر کے بتا دیا کہ آنے والی کل ابا کا اس کے شوروم پر جانے کا ارادہ تھا۔

"گھر کی طرف سے تو آپ مطمئن ہو گئیں نا امی جان؟" اس نے کہا۔

"بیٹے میں تو پہلے ہی دن تم سے فون پر بات کر کے ہی مطمئن ہو گئی تھی۔"

"شکریہ امی جان۔"

اگلے روز ابا کے ساتھ بھیا اور یقین ہی لڑکے کے شوروم پر جا سکے۔ ارشاد اپنی کسی مصروفیت کے سبب ساتھ نہ دے سکا۔

شوروم بہت بڑا اور موقع کی جگہ پر تھا۔

دو سیلز مین بھی تھے شوروم پہ۔
پچیس تیس ہزار ماہوار آمدنی یقیناً ہو جاتی ہوگی۔
ابا بھیا اور یقین شوروم دیکھ کر خاصے مرعوب ہوئے۔
لڑکے نے از خود کہا۔ "آپ لوگ آس پاس کے لوگوں سے پوچھ گچھ کرنا چاہیں تو شوق سے کر سکتے ہیں۔"
لڑکا ادھر اُدھر ہوا تو بھیا نے ابا اور یقین سے کہا۔ "جس کے دل میں چور ہوتا ہے وہ یوں بے دھڑک یہ نہیں کہتا کہ آپ پوچھ گچھ کر سکتے ہیں۔"
ابا اور یقین قائل سے نظر آنے لگے۔
تینوں گھر واپس لوٹے تو اماں بیتابانہ ان کی منتظر تھیں۔
"کیا ہوا؟" اماں نے ابا سے پوچھا۔
"ٹھیک ہے۔" ابا بولے۔
"مطمئن ہو گئے آپ؟"
"بھئی مطمئن تو آدمی کبھی بھی نہیں ہوتا۔"
"کیا مطلب ہے آپ کا؟"
"مطلب یہ کہ بظاہر تو ٹھیک ٹھاک کاروبار ہے۔"
"بس تو پھر میں کہہ دیتی ہوں اس سے کہ ہمیں منظور ہے۔"
"بھئی ایک مرتبہ بچی سے تو پوچھ لو اور سارے بچوں سے بھی صلاح مشورہ کر لو۔"
"نہ میں بچی سے پوچھوں گی نہ بچوں سے صلاح مشورے کی ضرورت ہے۔ میں تو بس لڑکے سے پوچھوں گی کہ حد سے حد کتنا وقت دے سکتا ہے وہ ہمیں۔"
"ایسے معاملات میں جلد بازی اچھی نہیں ہوتی۔" ابا بولے۔
"عقل مندوں نے کہا ہے جنازہ اٹھانے اور بیٹی کو بیاہنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔"
"میں بچی کے حق میں دعا ہی کر سکتا ہوں اور تم سے ایک مرتبہ پھر کہوں گا کہ اس کی مرضی ضرور معلوم کر لو۔"
"اللہ نہ کرے اس کی مرضی کسی اور طرف تھوڑی ہے جو وہ انکار کر دے گی۔ بہر حال پھر بھی آپ کہتے ہیں تو میں بہنوں کے ذریعے اس کی رضا بھی معلوم کروالوں گی۔"

☆=====☆=====☆

سارہ آپا اور زہرا باجی کی نسبت جویا سے زدیا کی زیادہ بے تکلفی اور قربت تھی سو اس کی رضا معلوم کرنے کی ذمے داری اماں نے جویا ہی کو سونپی۔
جویا نے بڑی تفصیل سے لڑکے کی شخصیت، اس کی خوش بیانی، امارت اور گھر کی وسعت کا نقشہ کھینچا۔
"بہت خوش رہو گی تم۔" جویا نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔ "بہت اچھا گھر ہے۔

بہت بڑا بزنس...... پچیس تیس ہزار کی انکم تو لڑکے نے خود اپنے منہ سے بتائی ہے۔ ویسے زیادہ ہی ہوگی...... یہ جو مرد ہوتے ہیں نا، یہ اپنی آمدنی صحیح نہیں بتاتے...... جہاں انہیں کھٹکا ہو کہ حساب کتاب ہوگا وہاں تو یہ ضرور ڈنڈی مارتے ہیں۔"
زدیا چپ چاپ سنتی رہی۔
نہ جانے کیوں لوگ خوشی کو مال و دولت سے منسوب و مشروط کر دیتے ہیں۔
راہگذار دل سے فرزین کے سوا کوئی دوسرا نہ گزرا تھا۔
اگر وہ نہیں تو کوئی بھی سہی۔
کیا فرق پڑتا!
پھر بھی اس نے بہت متامل ہو کر اپنی رضا کا اظہار کیا۔
"جیسے آپ لوگ کی مرضی۔" اس نے ایک اچھی مشرقی لڑکی ہونے کا ثبوت دیا۔
اب دیر کس بات کی تھی۔
گھر والوں نے کہا۔ "کچھ تو تیاری کرنی ہی ہوگی۔ کم سے کم ایک مہینہ تو رکھیں شادی کی تیاری کے لیے۔"
مگر لڑکا تو صبح شام فون کھڑکا رہا تھا۔
اماں نے سب کی مرضی کے خلاف مگر لڑکے کی مرضی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بارہ دن بعد کی تاریخ مقرر کر دی۔
"اماں! تیاری کیسے ہوگی اتنے کم دنوں میں؟" بیٹیوں نے کہا۔
"جو گھر میں موجود ہے زدیا کے لیے وہ دے دیں گے، باقی نقد دے دیں گے۔"
لڑکے نے کہا۔ "سادگی سے شادی کروں گا...... نہ کوئی دھوم دھڑکا، نہ مائیوں اور مہندی۔"
اماں نے کہا۔ "منظور!"
لڑکے نے کہا۔ "گنتی کے چار افراد ہوں گے بارات میں۔"
اماں نے کہا۔ "تمہاری مرضی مگر ہم اپنے سب لوگوں کو بلائیں گے جن کا کھایا ہوا انہیں کھلانا بھی تو پڑتا ہے۔"
لڑکے نے کہا۔ "حق مہر شرعی ہوگا۔"
ابا، بھائی، بہنوئی اور سارہ آپا جز بز ہوئے مگر اماں نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔"
لڑکے نے کہا۔ "ولیمہ بھی بارات کی طرح سادگی سے ہوگا بس اپنے ہی گھر کے لوگ ہوں گے۔"
اس پر اماں کو کچھ تردد ہوا۔
کیا کہیں گے خاندان والے!
اور کیا سوچیں گے ملنے جلنے والے!
اور کس طرح کھلے گی ان پر لڑکے کی امارت!

نہیں بھئی نہیں...... ولیمہ تو ذرا شان سے ہونا چاہئے۔

لڑکے نے کہا۔ ”میں بے جا نمود و نمائش کا قائل نہیں۔“

اماں نے لڑکے کو متامل دیکھا تو اس معاملے میں بھی اسی کی رضا میں راضی ہو گئیں۔

شادی کے دعوت نامے دو دن میں چھپوائے گئے۔

بلاوا جہاں جہاں پہنچا' لوگ حیران رہ گئے۔

قریبی رشتے داروں حتیٰ کہ طارق بھائی اور نشاط کو بھی اچنبھا ہوا۔

نہ سان نہ گمان' یہ اچانک شادی کیسے!

ہر ایک کو ایک ہی جواب دیا گیا۔ ”بس اچانک اچھا رشتہ مل گیا۔ لڑکے کو شادی کی جلدی تھی سو جلدی کر رہے ہیں۔“

اماں بہت خوش بڑی مطمئن تھیں۔

کیسی قبولیت کی گھڑی تھی' جب انہوں نے فرزین سے پہلے زویا کی شادی ہونے کی دعا مانگی تھی۔ فرزین کی شادی میں تو ابھی تقریباً ڈیڑھ ماہ کا عرصہ باقی تھا۔

زویا بمشکل ڈھائی دن مائیوں بیٹھ پائی۔

رسم حنا یک طرفہ ہوئی۔

شادی سے ایک روز پہلے لڑکے نے اپنے ایک دوست اور ان کی بیگم کے ذریعے بری بھجوائی تو اماں کو خاصی مایوسی ہوئی۔ صرف دو جوڑے تھے۔ ایک بارات کا دوسرا ولیمے کا اور ایک جڑاؤ سیٹ۔

ادھر بری پہنچی ادھر اس نے فون کھڑکایا اور کہا۔ ”امی جان! میں نے کچھ زیادہ خریداری اس لیے نہیں کی ہے کہ بعد میں زویا اپنی پسند سے خرید لیں گی۔“

”ٹھیک ہے بیٹا!“ اماں نے بہت ماندے دل سے کہا۔

مائیوں اور مہندی کے موقع پر اماں نے خاندان والوں میں لڑکے کی سادگی پسندی اور انکساری کے اتنے چرچے کر دیے تھے کہ جب لڑکی والوں نے بھرے پُرے اور جگمگاتے شادی ہال کے باہر دو کاروں پر مشتمل بارات آ کر اتری تو سبھی چپ چاپ دیکھا کیے۔

بابل کے کھونٹے کی گیاں زویا سر جھکائے چپ چاپ ایک اجنبی کے ساتھ چلی گئی۔

ہزاروں میل دور سمندر کے پانیوں بے راہی فرزین کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ جب وہ اپنی سرزمین پر واپس پہنچے گا تو وہ لڑکی جس سے اس نے کہا تھا کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں' ایک اجنبی شخص کے ساتھ زندگی کے ایک نئے سفر پر نکل چکی ہوگی!

☆=====☆=====☆

شادی کے چوتھے دن زویا اور فہیم ہنی مون پر چلے گئے۔ جانے سے پہلے فہیم نے بتایا کہ گھر دو ملازم کے سپرد اور شوروم اپنے دونوں سیلز مینوں کے ذمے کر کے جا رہا تھا۔ اور ہنی مون سے واپسی پر وہ اور زویا مل کر گھر کو ڈیکوریٹ کریں گے۔

زویا کی شادی نے اپنوں پرایوں کو مختلف سوالوں اور قیاس آرائیوں میں الجھا رکھا تھا

اچانک شادی کیوں!

کہاں سے مل گیا' اتنا اچھا اور کھاتا پیتا لڑکا!

واقعی اکیلا ہے یا کوئی چکر ہے!

لڑکا آسمان سے تو نہیں ٹپکا ہوگا۔ کوئی نہ کوئی تو ضرور ہوگا اس کا۔

لڑکے اور لڑکی کا کوئی چکر تو نہیں چلا تھا جو اچانک ہتھیلی پر سرسوں جمائی گئی۔

اماں ایک ایک کو یہ باور کراتے ہر گز نہ تھکتیں کہ لڑکا جویا کی کسی سہیلی کے میاں کا جاننے والا تھا اور بات چیت چلنے سے پہلے گھر بھر میں کسی نے اسے خواب تک میں نہ دیکھا تھا۔ بہت خوبیوں والا تھا۔

نجیب الطرفین تھا۔

صورت شکل اور طور طریقوں سے خاندانی پن ظاہر تھا۔

سادگی پسند تھا۔

تبھی تو بارات اتنی مختصر لایا تھا اور ولیمہ بالکل سادگی سے کیا تھا۔

شرع کا پابند تھا۔

مہر شرعی رکھا تھا۔

لالچ تو اسے چھو کر نہیں گزرا تھا۔

کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا تھا اس نے بلکہ جہیز وہیز سے منع کر دیا تھا اور جو نقد رقم اس مد میں دی گئی تھی' وہ بھی اس نے ہزار انکار کے بعد قبول کی تھی بلکہ قبول کیا کی تھی' کہہ دیا تھا کہ زویا کو دے دیں' وہی رکھے گی۔

اللہ! ایسے نیت بھرے اور بے لوث لڑکے آج کل ملتے کہاں ہیں!

آج کل کے لڑکے تو بھری محفل میں کھانے کے وقت کار کوٹھی کا مطالبہ کر دیتے ہیں کہ اب تو نکاح ہو ہی چکا' لڑکی والے اپنی شرم کو ہارتے مرتے بھی مطالبہ پورا کریں گے۔

اماں دوسروں کے اطمینان کو تو یہ سب کچھ کہہ دیتیں مگر ان کے اپنے من میں رہ رہ کر کھٹک سی ہوتی۔

کتنا بھی سادگی پسند سہی لڑکا مگر بارات کوئی اس طرح آتی ہے کہ دو کاریں...... ایک اس کی اپنی' دوسری کسی دوست کی اور پرانی سی۔

گنتی کے چار باراتی!

ایک وہ خود' دو سیلز مین اور تین دوست۔

عورت کوئی تھی ہی نہیں' بارات میں!

بری میں دو جوڑے اور ایک سیٹ جسے سارہ آپا نے اپنے ہاتھوں میں جانچ تول کر اماں سے سرگوشی میں کہا تھا۔ ”اماں! سیٹ ہے تو بہت خوب صورت مگر مجھے سونا اصلی نہیں لگ رہا۔“

گھر بھر میں سارہ آپا سے زیادہ سونے کی پہچان اور کسے ہو سکتی تھی بھلا!

سعودیہ سے سونا لاتی اور پہنتی تھیں وہ!

سارہ آپا کی بات پر اماں نے دھیرے سے ان کا ہاتھ دبایا کہ بھابی بھی سیٹ کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھیں۔

"اٹھاؤ بھئی جویا' یہ سامان الماری میں سیٹ کر رکھو اور الماری کو تالا لگا دو۔" اماں نے آنکھ دباتے ہوئے جویا سے کہا' مبادا آپا کی طرح کوئی اور طلا شناس آ نکلے۔

"اونہہ! بڑی بی کو میرا ہاتھ لگانا اتنا برا لگا ہے۔" بھابی نے اپنا ہاتھ کھینچتے ہوئے دل ہی دل میں سوچا۔

جویا نے دونوں جوڑے' سینڈلیں' میک اپ بکس اور زیورات کا ڈبا اٹھا کر اماں کی ہدایت کے بموجب الماری میں مقفل کر دیا۔

شادی میں ایک دن باقی تھا۔

جس نے بھی بری دیکھنے کی فرمائش کی' اماں نے اسے ایک ہی جواب دیا۔ "ارے بھئی لڑکے کے گھر میں کوئی عورت تو ہے نہیں جو بری تیار کرتی۔ فی الحال تو لڑکے نے بارات اور ولیمے کے جوڑے ہی تیار کروائے ہیں' باقی اس نے کہا ہے' زویا کو اس کی پسند سے خریدوائے گا۔ زیور کا بھی بس ایک ہی سیٹ بنوایا ہے اس نے...... کہتا ہے' باقی زویا خود بنوائے گی اپنی پسند سے۔"

موقع ملتے ہی اماں' سارہ آپا' زہرا اور جویا کمرا بند کر کے سر جوڑ کر بیٹھیں اور زیور کا ڈبا دوبارہ کھول کر دیکھا گیا۔

"ہے تو بہت خوب صورت!" جویا نے کہا۔

"ہاں' ہے تو خوب صورت۔" سارہ آپا نے تائید کی۔

"آپا' آپ کو وہم ہوا ہے۔ بناوٹ دیکھیے بالکل اصلی ہے۔" زہرا نے کہا۔

"ہوسکتا ہے مجھے وہم ہی ہوا ہو۔" سارہ آپا بولیں۔ "مگر آج کل ایسی نقلی چیزیں بننے لگی ہیں کہ اصل کا گمان ہوتا ہے۔"

اماں نیکلس کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھیں۔

"ویسے زہرا باجی' دکاندار مردوں کو بیوقوف بھی تو بہت بنا دیتے ہیں۔ کیا پتا' فہیم بے چارے کو سنار نے بیوقوف ہی بنا دیا ہو۔" جویا نے کہا۔

"ہاں' جویا ٹھیک کہتی ہے۔" اماں نے تائید کی۔ "مرد و کاندار مردوں کو بہت لوٹتے ہیں۔"

"اماں آپ کہیں تو میں اپنے جیولر کو دکھا لاؤں۔" سارہ آپا بولیں۔

"اے نہیں سارہ اب کیا فائدہ۔ کل بارات ہے۔ بالفرض کھوٹ بھی ہوا تو تم کیا کر لوگی۔" اماں بولیں۔

"لڑکے کو بتا دیں گے تاکہ وہ سنار کو جا کر پکڑے۔" آپا نے کہا۔

"اور اگر سنار کا قصور نہ ہوا؟"

زہرا کی بات پر سب نے ہڑبڑا کر ایک دوسرے کو دیکھا پھر سب کی نگاہیں اسی پر آ رکیں۔

"کیا مطلب ہے تمہارا!" اماں گھٹی گھٹی آواز میں بولیں۔

"کچھ...... کچھ نہیں۔" وہ جھینپ کر بولیں۔

"دیکھو بھئی زیور اصلی ہے یا نقلی' اب اس چکر میں پڑنے کا وقت نہیں ہے۔ اگر زیور نا خالص ہے بھی تو کمبخت سنار ہی نے دھوکا کیا ہوگا۔ لڑکے کا گھر' کاروبار سب کچھ دیکھ بھال کر ہی رشتہ طے ہوا ہے۔ اتنے بڑے گھر اور اتنے بڑے کاروبار کا مالک تو جان بوجھ کر کھوٹ والا زیور لا نہیں سکتا۔"

"وہی تو میں کہہ رہی ہوں اماں کہ سنار نے دھوکا کیا ہے تو اسے پکڑنا چاہیے۔" سارہ آپا نے اماں کی بات پر بات بنانے کی کوشش کی۔

اماں نے چبھتی ہوئی نظروں سے آپا کو دیکھا پھر بولیں۔ "فرض کیا' سنار نے غلط چیز دی ہے' دھوکا دیا ہے تو کیا کہو گی تم لڑکے سے کہ ہم نے زیور چیک کرایا ہے' سونا' نا خالص نکلا ہے۔ وہ یہ نہیں پوچھے گا تم سے کہ جناب آپ نے زیور چیک کیوں کرایا؟"

"ہم کہہ دیں گے' ہمیں شبہ ہوا تھا۔" زہرا باجی نے لقمہ دیا۔

"کیسا شبہ؟ اور کس پر؟"

"زیور پر۔"

"کیوں؟ کیوں ہوا شبہ؟" اماں نے کسی ماہر وکیل کی طرح جرح کی۔

"کیونکہ ہم اصلی سونا پہننا جانتے ہیں۔" زہرا باجی نے کہا۔

"یہ ان باتوں میں پڑنے کا وقت نہیں ہے زہرا۔" اماں نے خلاف عادت بڑے تحمل سے کہا۔

"اماں! خدانخواستہ کچھ گڑبڑ ہوئی تو؟" جویا بولی۔

"کیسی گڑبڑ؟"

"میرا مطلب ہے لڑکے کی طرف سے۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو جویا۔" اماں نے جویا کو ناگواری سے دیکھا۔

"میں ایک بات کہہ رہی ہوں اماں۔"

"تم ایک بات کہو یا دو' اب جو کچھ بھی ہے' اللہ پر چھوڑ دو۔"

سارہ آپا' زہرا باجی اور جویا نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

ان کی نگاہوں میں خدشات کی پرچھائیاں لرزاں تھیں۔

اماں نے ان تینوں کو اطمینان دلانے کی کوشش تو کی مگر خود اماں کے دل کو بھی دغدغہ سا لگ گیا تھا۔

کل بارات تھی۔

نہ جانے رفتن نہ پائے ماندن والا معاملہ تھا۔

خدانخواستہ کوئی ایسی ویسی بات ہو جاتی تو اپنے پرائے سب جتنے کھڑے ہو جاتے۔

اماں نے زیور کو الٹ پلٹ کر دیکھا پھر بولیں۔ "اے سارہ' لگتا تو ہے بالکل خالص۔"

"خدا کرے' خالص ہی ہو اماں۔" سارہ آپا بولیں۔

اماں کیسی ہی جذباتی' تنگ مزاج اور عاقبت نا اندیش سہی' تھیں تو آخر کار ماں ہی۔ ان کے دل کو بے قراری سی لگ گئی۔

زدیا سے پہلے تین بیٹیوں کو بیاہ چکی تھیں وہ۔

جس کے مقدر میں جتنا تھا سسرال سے ملا۔

مگر تینوں میں سے کسی کی مرتبہ بھی ان کے دل کو اتنی بے قراری اور دحشت نہ ہوئی تھی جتنی زدیا کی دفعہ تھی۔ عجیب دغریب داہمے ستا رہے تھے انہیں۔

بہر حال اب تو بات بہت آگے جا چکی تھی۔

بارات سر پر کھڑی تھی۔ وہ گھر والوں پر اپنی تشویش ظاہر کرتیں تو سب انہی کی جان کو آ جاتے۔

بارات والی شام بیوٹی پارلر میں زدیا کو دلہن بناتی بیوٹیشن نے جب زیورات پہنانے شروع کیے زدیا کو تو سارہ آپا اور جویا دم سادھے کھڑی رہیں کہ کہیں وہ زدیا کے سامنے کوئی الٹی سیدھی بات نہ کہہ دے مگر صد شکر کہ اس نے بس اپنے کام سے کام رکھا۔

"لکھ کر دینے کو تیار ہوں میں کہ زیور اصلی نہیں۔" سارہ آپا نے جویا کے کان میں سرگوشی کی۔

"اللہ سارہ آپا' مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔" جویا بولی۔

"ڈر تو مجھے بھی لگ رہا ہے مگر اب یہی دعا کر سکتی ہوں کہ خدا خیر کرے۔"

بارات بھی ماتھا ٹھنکانے والے انداز میں آئی۔

گو اماں' سارہ آپا' زہرا باجی اور جویا نے بارات کی اس طرح آمد کو لڑکے کی سادگی پسندی پر محمول کرتے ہوئے اعزہ و اقارب کے سامنے اپنی جھینپ مٹانے کی کوشش کی مگر حقیقتاً ان چاروں کی تشویش میں اضافہ ہو گیا تھا۔

بارات میں چھ کے چھ مرد تھے۔

ایک آدھ تو عورت ہوتی۔

رخصتی کے وقت سارہ آپا ساتھ والی بن کر گئیں اور اگلے روز جب زدیا میکے آئی تو اماں نے سارہ آپا سے تفصیلی حال احوال لیا۔

"بظاہر تو سب ٹھیک لگتا ہے اماں۔" آپا نے کہا۔

اماں اور بہنوں کو کچھ اطمینان ہوا۔

"سارہ اگر زیور میں کھوٹ ہے تو کمبخت سنار ہی نے کی ہوگی۔" اماں بولیں۔ "ارے بھئی جس کا اتنا بڑا گھر اور کاروبار ہے' اسے بھلا کیا ضرورت ہے کہ وہ نقلی زیور لائے۔ تم نے زدیا سے تو کچھ نہیں کہا۔"

"نہیں اماں۔"

"دو چار دن گزر جائیں تو زدیا ہی کو سمجھا بجھا کر لڑکے کے کان تک پہنچواؤں گی یہ بات مگر دیکھو ابھی زدیا سے تم تینوں میں سے کوئی کچھ مت کہنا۔ بچی بے کار پریشان نہ ہو جائے کہیں۔"

ولیمہ لڑکے نے اپنے گھر کے لان ہی میں کیا۔

بس دلہن کے اماں ابا' بہنیں' بہنوئی' بھائی اور بھاوجیں ہی مدعو تھے۔

کھانا پکا پکایا ایک مشہور کیٹرر کے ہاں سے آیا اور انہی کے بیروں نے خاطر مدارات بھی کی۔

کھانا اتنا پر تکلف تھا کہ اماں بہنوں کے دل میں رہا سہا وہم بھی جاتا رہا۔

زدیا بہت خوش تھی۔

اس کی آنکھوں میں ویسا ہی خمار اور سرخوشی کا احساس تھا جیسا کہ عموماً ہر نئی نویلی دلہن کی آنکھوں میں ہوا کرتا ہے۔

وہ اور فہیم ایک دوسرے کو دیکھ کر اسی طرح مسکرا رہے تھے جیسے شاید کبھی سارہ آپا' زہرا باجی اور جویا اور ان کے جیون ساتھی اپنی اپنی شادی کے ابتدائی دنوں میں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے ہوں گے۔

فہیم نے دو ہی دن میں اسے ان گنت دل خوش کن خواب دکھا ڈالے تھے۔

دو ہی دن میں اس نے اسے اپنا بنا لیا تھا۔

اس طرح چھا گیا تھا' وہ اس پر کہ وہ فرزین کو بھول گئی تھی۔

فہیم حقیقت تھا!

فرزین بھولا بسرا خواب!

زدیا کی آنکھوں میں ڈولتے خمار اور چہرے پر کھیلتی مسکراہٹ نے اماں' تینوں بہنوں اور ابا کو بھی مطمئن کر دیا۔

☆=====☆=====☆

تیسرے روز سوا بارہ بجے کے لگ بھگ ناشتے پر فہیم نے اچانک اعلان کیا کہ سہ پہر کی فلائٹ سے وہ اپنے ہنی مون پر جا رہے ہیں۔

"کہاں؟" زدیا نے پوچھا۔

"یہاں سے اسلام آباد پھر آگے...... آگے...... آگے۔" وہ مسکراتے ہوئے اس پر جھک گیا۔

"کتنا آگے؟" زدیا مسکرائی۔

"یہ تو وہاں جا کر ہی پتا چلے گا تمہیں۔"

"پی آئی اے کی فلائٹ کتنے بجے کی ہے؟"

"دیکھتے ہیں' کتنے بجے کی ملتی ہے۔ فی الحال تو میں بینک جا رہا ہوں۔"

"بینک! کیوں؟"

"کیش نکلوانے کے لیے۔"

"کیا ضرورت ہے نکلوانے کی۔ کیش گھر میں ہے تو سہی۔"

"دس بارہ ہزار میں کوئی ہنی مون منایا جاتا ہے!"

"دس بارہ ہزار نہیں' پورا ایک لاکھ روپیہ ہے جو اماں ابا نے گھر کا سامان خریدنے کے لیے دیا

ہے۔" زویا فخر سے بولی۔

"میں اپنی جیب میں پڑی ریزگاری کی بات کر رہا تھا۔"

"ریزگاری!" زویا نے حیرت سے کہا۔ "دس بارہ ہزار آپ کے نزدیک ریزگاری ہے۔"

"ہم تو ریزگاری ہی سمجھتے ہیں۔"

زویا نے دل ہی دل میں اس کی امارت سے مرعوب ہوتے ہوئے پوچھا۔ "ہنی مون کے لیے کتنا کیش چاہیے ہوگا آپ کو؟"

"کم سے کم ایک لاکھ تو ہو۔"

"ایک لاکھ ہے میرے پاس۔"

"بھئی وہ تمہاری رقم ہے مجھے اس سے مطلب نہیں۔ میں تو اپنے اکاؤنٹ سے کیش نکلوانے جا رہا ہوں۔"

"آپ اور میں دو تو نہیں۔ ہماری ہر چیز مشترک ہے۔"

"ہاں یہ تو تم ٹھیک کہتی ہو مگر جو رقم تمہارے والدین نے دی ہے وہ تمہاری ہے اسے میں ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ میں نے تمہارے گھر والوں کو کسی تکلف سے منع کر دیا تھا۔ میں شادی کے وقت لڑکی کے گھر والوں کو زیر بار کرنے کا سخت مخالف ہوں۔"

زویا نے بہت محبت سے اسے دیکھا اور بولی۔ "آپ کی بس انہی باتوں کی وجہ سے تو اماں آپ کی اتنی دیوانی ہو گئیں کہ سارا گھر ایک طرف تھا اور اماں آپ کی طرف۔"

"اچھا!"

"جی۔"

"باقی سب کس طرف تھے؟"

"وہ کہتے تھے خوب دیکھ بھال کے بعد ہاں کی جائے۔"

"اچھا بھئی مجھے دیر ہو رہی ہے بلکہ دیر ہو چکی ہے۔ میں چلتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو میرے پہنچنے تک بینک بند ہو جائے بلکہ ایسا کرو اگر چاہو تو تم بھی میرے ساتھ چلو۔ جو پیسے تمہارے پاس ہیں تمہارا اکاؤنٹ کھلوا کر جمع کروا دیتا ہوں۔"

"ایسا کریں...... فی الحال آپ یہ پیسے ادھار لے لیں مجھ سے۔ جب ہم واپس آئیں گے ہنی مون سے تو واپس دے دیجئے گا مجھے۔" وہ متذبذب نظر آنے لگا۔

"ویسے بھی وقت کافی ہو چکا ہے۔ اگر آپ کا بینک دور ہے تو ہو سکتا ہے کہ آپ کے پہنچنے تک بینک بند ہی ہو جائے۔"

"ہاں ہے تو دور۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے کہیں جانے کی۔" زویا یہ کہتے ہوئے اٹھی اور جا کر اپنے کمرے سے

وہ رقم لے آئی جو شادی کے موقع پر گھر والوں نے جہیز کی مد میں دی تھی اور نعیم نے ہزار انکار کے بعد اسے بدقت قبول کیا تھا اور کہا تھا زویا کو دے دیں۔

"لیجئے۔" زویا نے ہزار ہزار کے نوٹوں کی گڈی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ادھار کے طور پر۔" وہ مشروط انداز میں بولا۔

"اوکے۔" زویا مسکرائی۔

"تھینک یو۔" اس نے قدرے تامل سے نوٹوں کی گڈی لے لی۔

"اماں کو اطلاع کر دوں کہ ہم لوگ جا رہے ہیں۔"

"کر دو اور پھر فٹافٹ پیکنگ شروع کر دو۔"

"اوکے۔"

"وہاں گرم کپڑوں کی بھی ضرورت ہوگی تمہیں۔"

"ابھی تو نومبر ہی شروع ہوا ہے۔"

"ہاں مگر وہاں صبح اور شام کے وقت کبھی کبھی نومبر میں بھی گرم کپڑوں کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔"

"میرا خیال ہے اماں نے تو میرے جوڑوں کے ساتھ ایک ہی سوئیٹر اور شاید ایک شال رکھی ہے۔"

"کوئی بات نہیں ضرورت پڑی تو اور ہم وہیں سے خرید لیں گے۔"

"اچھا اب میں پہلے اماں کو فون کر دوں۔"

"اگر وہ کہیں کہ اچانک پروگرام کیوں بنا لیا تو کہنا نعیم کہہ رہے ہیں لگے ہاتھوں ہنی مون سے بھی فرصت پا لیں تو اچھا ہے ورنہ بزنس میں لگ گئے تو کام ہنی مون کی اجازت نہ دے گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

"امی جان سے میرا سلام بھی کہہ دینا۔ میں ذرا اپنے کپڑے نکال لوں ساتھ لے جانے کے لیے۔ دو چار جوڑوں کے علاوہ میں نے اپنے سارے کپڑے اپنے دوستوں میں تقسیم کر دیے اور کچھ اپنے سیلز مینوں کو دے دیے اب نئے سرے سے کپڑے بناؤں گا۔ تمہاری پسند سے۔"

زویا مسکرا دی۔

"اچھا ہاں یہ تو بتائیے جب ہمارے گھر والے آپ کے ہاں آئے تھے تو کیا آپ نے یہ کہا تھا کہ گھر کو آپ نے اس لیے فرنشڈ نہیں کیا کہ آنے والی خود کروائے گی؟"

"ہاں کہا تھا۔"

"زہرا باجی اور جویا بجو کئی دن تک مجھے چھیڑتی رہیں کہ وہ انتظار میں ہیں کہ تم آؤ تو گھر میں برتن بھانڈے اور بستر بچھونے آئیں۔"

"بس اب ان شاء اللہ ہنی مون سے واپسی پر دونوں مل کر سجائیں گے اس گھر کو۔"

"آپ دیکھئے گا میں کتنی اچھی طرح ڈیکوریٹ کروں گی اپنا گھر۔"

"تم بھول گئیں شاید کہ تم اپنی اماں کو فون کرنے جا رہی تھیں۔" فہیم نے کہا۔

زویا نے اس کا بازو تھام لیا اور اپنا سر بہت آہستگی سے اس کے بازو سے نکالتے ہوئے جذباتی لہجے میں بولی۔ "آپ کی قربت میں تو میں اپنے آپ کو بھی بھول جاتی ہوں۔"

"اچھا۔" وہ اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر اسے والہانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"جلدی سے اپنے گھر فون کرو پھر پیکنگ بھی کرنی ہے اور......"

"اور؟"

"اور اس کے بعد ہمیں اکٹھے بہت سے خواب دیکھنے ہیں۔"

"میں بہت خوش ہوں فہیم۔"

"میں بھی۔" اس نے کہا۔

☆=====☆=====☆

زویا نے اماں کو فون کیا تو وہ بولیں۔ "ہیں! اتنی جلدی اور اس قدر اچانک! کل رات تک تو شاید کوئی پروگرام نہیں تھا۔ یا تھا؟"

"نہیں اماں۔ بس آج اچانک ہی ناشتے پر انہوں نے کہا کہ آج ہم چل رہے ہیں۔"

"ناشتے پر! اور تم مجھے اب بتا رہی ہو جب کہ ایک بجنے کو ہے۔"

"اماں ناشتہ بھی تو ہم نے بارہ ساڑھے بارہ بجے کیا ہے۔"

"ماشاءاللہ تو بیٹے کھانا کب کھاؤ گی تم دوپہر کا؟"

"کھانا ہم لوگ شاید جہاز میں کھائیں یا پھر اسلام آباد میں۔" زویا نے بڑی خوش دلی سے کہا۔

"ٹکٹ آ گئے؟"

"نہیں ابھی لینے کے لیے جائیں گے یہ۔"

"ٹھیک ہے جب ٹکٹ آ جائیں تو تم روانگی کا وقت بتا دینا۔ ہم لوگ یا تو گھر آ جائیں گے تم دونوں کے لیے کھانا لے کر یا پھر سیدھے ایئر پورٹ پہنچ جائیں گے۔ گھر سے کچھ چاہیے تو بتا دو بیٹی۔"

"نہیں اماں' کچھ نہیں۔ آپ نے اتنا تو دے دیا ہے۔" زویا کی آواز یک بیک بھرا گئی۔

اس کی شادی کی بات چلنے کے بعد سے اماں کا رویہ کتنا بدل گیا تھا اس کے ساتھ!

کہاں تو یہ حال تھا کہ وہ ذرا منہ کھولتی اور اماں ڈانٹتیں۔ "تو چپکی رہ زویا۔"

اور کہاں یہ عالم کہ بیٹی' بیٹا کہتے اماں کا منہ سوکھنے لگا تھا۔

"ساتھ کیا کیا لے جا رہی ہو؟" اماں نے پوچھا۔

"ابھی پیکنگ کروں گی اماں' بس کپڑے' زیور اور چھوٹا موٹا دوسرا سامان لے کر جاؤں گی اور کیا لے جانا ہے۔"

زیور!

اماں کا جی چاہا' اس سے کہیں کہ اس کی سسرال کے زیور کے بارے میں اس کی بہنوں کو کچھ شبہ سا ہے' فہیم کا موڈ دیکھ کر کسی مناسب موقع پر وہ اس سے کہے تو سہی کہ لگتا ہے' سنار نے کچھ گڑبڑ کر دی ہے۔ ذرا کسی دوسرے سنار کو زیور دکھا تو دیں۔

مگر پھر اماں اس خیال سے چپ ہو رہیں کہ نئی نئی رخصتی ہے' کوئی ایسی بات نہ کی جائے

واپسی پر بات کی جائے۔

"اچھا بیٹا جاؤ تم سفر کی تیاری کرو۔"

"فہیم آپ کو سلام کہہ رہے ہیں۔"

"وعلیکم السلام۔ جیتے رہو۔ ذرا بات تو کرواؤ ہمارے بیٹے سے ہماری۔"

"اماں وہ دوسرے کمرے میں ہیں اپنے کپڑے وغیرہ نکال رہے ہیں۔ بلاؤں؟"

"نہیں رہنے دو۔ ان شاء اللہ تمہیں خدا حافظ کہنے کے لیے ہم لوگ ائیر پورٹ پر یا تمہارے گھر آئیں گے ہی تو بات ہو جائے گی ان سے۔"

"ٹھیک ہے اماں۔"

"اچھا چندا تم تیاری کرو۔"

"خدا حافظ اماں۔"

"خدا حافظ۔"

ریسیور رکھتے ہوئے زدیا کا جی بھر آیا۔

اماں نے کس محبت سے پوچھا تھا "گھر سے کچھ چاہیے تو بتا دو۔"

وہ جانتی تھی کہ وہ ایک لاکھ روپیہ جو میکے سے اسے جہیز کی مد میں دیا تھا کس طرح جمع ہوا تھا۔

پچاس ہزار اماں ابا نے جوڑ رکھے تھے اس کے جہیز کے لیے۔

دس ہزار بھیا نے دیے۔

دس طارق بھائی نے مگر اپنی بیوی پر پانچ ہزار ظاہر کر کے۔

دس ہزار سارہ آپا نے دیے اور دس ہزار ارشد بھائی نے آپا کو فون کر کے کہا کہ زدیا اور اس کے دولہا کو ان کی طرف سے دے دیے جائیں۔

پانچ ہزار جویا اپنے میکے سے چوری چھپے اماں کی مٹھی میں دبا گئی تھی۔

دو ہزار زہرا باجی اور ارشاد نے دیے تھے۔

ایک لاکھ ہونے میں تین ہزار کی کسر رہ گئی تھی۔ وہ سارہ آپا نے پوری کی۔

آپا کے دفتر میں دو ہزار روپے مہینے کی پندرہ ماہی بیسی پڑ رہی تھی۔ آپا نے ایک ممبر شپ دلوانے کے ساتھ پہلی بیسی بھی دلوا دی۔ یوں ہال اور کھانے کے اخراجات پورے ہوئے۔

جویا کی شادی پر بھی اماں جو بیس ہزار کی ایک بیسی میں شامل ہوئی تھیں دو سال تک ہزار روپے مہینے کا قرض چڑھا رہا تھا گھر والوں پر۔

اب اس کی دفعہ تو دو ہزار روپے مہینے کی بیسی تھی۔

زدیا کو ان تمام دقتوں کا اندازہ تھا جو گھر والوں کو پندرہ مہینے تک برداشت کرنا تھیں۔

شادی پر احباب و اقارب نے جو کچھ دیا دلایا تھا وہ اماں نے بعد کے اخراجات کے لیے اٹھا رکھا تھا کہ بقول اماں شادی تو جوں توں نپٹ ہی جاتی ہے شادی کے بعد کے اخراجات بھی کچھ کم نہیں

ہوتے۔

زدیا سے بات ہونے کے بعد اماں نے بھابی کو پکارا۔

زدیا کی شادی کے بعد دو ہی دن میں انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ بہو سے تعلقات کچھ بہتر بنانے پڑیں گے ورنہ گزارہ مشکل ہوگا۔ زدیا کے بعد جویا کے دو بچوں کی دیکھ بھال وہ تنہا تو نہ کر سکتی تھیں اور اس کے علاوہ بھی بیسیوں چھوٹے بڑے ایسے معاملات ہوتے تھے جن میں اماں کو دوسروں کی مدد کی ضرورت پڑتی تھی۔

بھابی آئیں تو اماں نے ان سے کہا۔ "زدیا اور فہیم شام کی فلائٹ سے اسلام آباد جا رہے ہیں دونوں کو امام ضامن باندھنے کے لیے کوئی روپہلا چمکیلا سا کپڑا پڑا ہو گھر میں تو نکال دو مجھے۔"

"آج شام کو جا رہے ہیں!" بھابی نے قدرے اچنبھے سے کہا۔

"ہاں۔"

"مقدر تو کوئی ان کی بیٹیوں کا سا لکھوا کر لائے۔ پرسوں شادی ہوئی کل ولیمہ اور آج اسلام آباد!" بھابی نے دل ہی دل میں رشک سے سوچا اور امام ضامن کے لیے کوئی روپہلا چمکیلا کپڑا ڈھونڈ نکالنے چلیں۔

"ذرا سارہ کے دفتر کا فون نمبر تو ملا کر دے جاؤ مجھے۔" اماں نے ان سے کہا۔

بھابی ٹھہر گئیں۔

"پہلے بڑی صاحب زادی کو فون کیا جائے گا" وہ منجھلی کو خبر دیں گی کہ زدیا اور اس کا دولہا جا رہے ہیں۔ منجھلی کو اماں جان زبانی خبر دیں گی ان کی اسکول سے واپسی پر اور ابا بھی تشریف لانے والے ہی ہوں گے۔ انہیں بھی آتے ہی خبر سنائیں گی۔"

بھابی نے آپا کے دفتر کا نمبر ملاتے ہوئے دل ہی دل میں سوچا۔

نمبر ملا کر بھابی نے ریسیور اماں کو تھمایا اور خود امام ضامن کے لیے کپڑا تلاش کرنے چلی گئیں۔

بھابی کا اندازہ غلط نہیں تھا۔

اماں نے سارہ آپا کو زدیا اور فہیم کے پروگرام کی اطلاع دی تو وہ بولیں۔ "اماں! مجھے تو سوا چار بجے دفتر کی ایک اہم میٹنگ میں شریک ہونا ہے۔ پتا نہیں کتنی دیر چلتی ہے میٹنگ۔ میں تو میٹنگ کے بعد ہی آ سکوں گی۔"

"کوئی بات نہیں۔ ہم ٹیکسی سے چلے جائیں گے ائیر پورٹ لیکن اگر جلدی فارغ ہو جاؤ تو بہن کو رخصت کرنے کو پہنچ ضرور جانا چاہیے سیدھی ائیر پورٹ چلی آنا۔"

"پہلے فلائٹ کا وقت تو معلوم ہو۔"

"جیسے ہی زدیا بتائے گی میں تمہیں فون کر دوں گی۔ کوشش کرنا پہنچنے کی۔ بہن بیٹیاں میکے ہی سے بھاری ہوتی ہیں۔"

"میں پوری کوشش کروں گی۔"

"اور ہاں ہو سکے تو ذرا زہرا کو بھی فون کر دو۔ وہاں میں نے کیا اور تمہاری تائی صاحبہ نے

اٹھالیا تو میرا بلڈ پریشر بڑھ جائے گا۔"

"میں کردوں گی زہرا کو فون۔" سارہ آپا نے کہا۔

اماں نے فون رکھا ہی تھا کہ ابا آگئے۔

"کس کا فون تھا؟"

"آپ کو میں نے اس لیے فون نہیں کیا کہ مجھے اندازہ تھا کہ آپ راستے میں ہوں گے۔"

"کیا مطلب؟" ابا نے تعجب سے اماں کو دیکھا پھر بولے۔ "میں سمجھا نہیں تمہاری بات۔"

"زویا کا فون آیا تھا۔ شام کو وہ اور اس کا دولہا اسلام آباد روانہ ہو رہے ہیں۔"

"اچھا اچھا۔ ماشاء اللہ!" ابا خوش ہو کر بولے۔

"سارہ کو فون کیا تھا میں نے کہ وہ دفتر سے واپسی پر بچوں کو لیتی ہوئی ادھر آجائے تو ہم اسی کے ساتھ ایئر پورٹ چلے جائیں مگر اس کے دفتر میں میٹنگ ہے پہنچ گئی تو پہنچ گئی ورنہ نہیں۔"

"ہاں بھئی' ملازمت میں پابندی تو ہوتی ہے۔ کتنے بجے روانگی ہے۔"

"ابھی یہ نہیں بتایا زویا نے۔ فہیم ٹکٹ بنوانے جارہے تھے۔"

"خدا خیریت سے لے جائے اور خیریت سے لائے۔ آج پکا کیا ہے؟"

"پالک گوشت اور ارہر کی دال چاول۔"

"بہت عمدہ، جویا آگئی؟"

"نانا بابا" مریم کی آواز نے ابا کو چونکا دیا۔

"ارے بھئی' نانا کی بیٹی آگئی۔" ابا بازو پھیلائے مریم کی طرف بڑھے۔

"اماں' یہ کپڑا ٹھیک رہے گا؟" بھابی سبز بروکیڈ کی ایک چوڑی سی پٹی لیے کمرے میں داخل ہوئیں۔

"ہاں' ٹھیک ہے۔"

بھابی نے کچھ رشک' کچھ حسد سے مریم کو دیکھا جسے ابا گود میں اٹھائے کھڑے تھے۔

"پوتی پوتوں سے ایسا لاڈ کبھی نہ ہوا۔" بھابی نے سوچا اور مریم کو کنکھیوں سے دیکھتی واپس چلی گئیں۔

اماں سبز بروکیڈ کی پٹی کا جائزہ لینے میں منہمک تھیں۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

"ذرا دیکھیں تو کس کا فون ہے۔" اماں نے ابا سے کہا۔

زہرا کا فون تھا۔

"ہاں بیٹی' کیا حال ہے؟" ابا نے پوچھا۔

"ابا' ذرا اماں سے تو بات کرائیں۔"

"لو بھئی زہرا بات کر رہی ہے۔"

"ہاں زہرا۔"

"اماں' ابھی سارہ آپا کا فون آیا تھا۔ کیا زویا ہنی مون پر جارہی ہے؟"

"ہاں۔"

"اتنی جلدی!" زہرا باجی جنہیں شادی کے بعد ہنی مون پر جانا اب تک نصیب نہ ہو سکا تھا' رشک آمیز لہجے میں بولیں۔

"بھئی ہم کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے۔" اماں نے کہا۔

"اعتراض کی بات نہیں اماں۔" زہرا باجی شرمندہ سی ہو گئیں۔ "میرا مطلب یہ تھا کہ کم از کم ہم بہنوں بھائیوں کے ہاں دعوتیں تو ہو لیتیں۔"

"بھائیوں کے ہاں!" اماں طنز سے بولیں۔ "ایک کی بیگم آدمی کو آدمی نہیں گردانتیں' دوسرے بھائی کا گھر اور باپ کا گھر ایک۔"

"چلیے' ہم تینوں بہنوں کے ہاں ہی سہی۔ کم از کم ہمارے ہاں تو دعوتیں ہو جاتیں پھر جاتے تو اچھا تھا۔"

"اللہ خیر رکھے' واپسی پر کر دینا دعوت۔"

"ان شاء اللہ۔"

"بہن کو خدا حافظ کہنے جاؤ گی ایئر پورٹ؟"

"وعدہ نہیں کر سکتی۔ ارشاد آگئے اور راضی ہو گئے۔ لے جانے پر تو ٹھیک ورنہ...... جا کتنے بجے رہے ہیں وہ لوگ؟"

"یہ اس وقت معلوم ہوگا' جب فہیم ٹکٹ لے آئیں گے۔"

"کیا مطلب؟"

"جب زویا نے مجھے فون کیا تو فہیم ٹکٹ لینے کے لیے جانے والے تھے۔"

"ہاں بھئی۔" زہرا باجی نے ایک گھٹی گھٹی سرد آہ کھینچی۔ "پیسے والوں کے سو نخرے۔ ہتھیلی پر سرسوں جماتے ہیں ایسے لوگ۔"

"بہن ہے تمہاری۔ خوش ہونا چاہیے تمہیں تو۔"

"خوش ہی تو ہو رہی ہوں اماں۔"

مگر وہ کتنی خوش تھیں' یہ ان کا دل ہی جانتا تھا۔

برا ہو اس پیسے کا جو سگے رشتوں میں بھی رقابت و حسد کو ہوا دینے کا سبب بن جائے۔

جویا کے اسکول سے گھر واپس آنے پر اماں نے زویا کے جانے کی خبر اسے سنائی تو وہ اچھل پڑی۔

"ہیں اماں آج!"

"ہاں۔"

"کس وقت؟"

"ابھی تھوڑی دیر میں معلوم ہو جائے گا۔ زویا فون کر کے بتائے گی کہ کب کی سیٹیں ملی ہیں۔"

"آج ہی اپنی سسرال جا کر ان لوگوں کو یہ خبر سناؤں گی۔ خدا کی قسم اماں فرزین کو ایسے بچا بچا کر رکھتے تھے وہ ہم لوگوں سے جیسے......"

"صدقے جاؤں' میں اپنے مالک کے جس نے تمہاری سسرال والوں کے سامنے سر اونچا کر دیا میرا۔"

"میرا بھی اماں! لائیں ذرا میں زویا کو فون کر کے ٹائم تو پوچھ لوں اس کی فلائٹ کا۔"

"پہلے تم کھانا تو کھا لو آرام سے۔ کیا پتا' اتنی دیر میں خود زویا ہی کا فون آ جائے۔"

"اماں' یاد رکھیے گا زویا سے یہ کہنا ہے کہ تصویریں بہت ساری کھنچوائے اپنی اور فہیم کی۔ میں اپنے اسٹاف کو دکھاؤں گی۔ سچ اماں' اتنے حیران ہیں' وہ سب کہ کیا بتاؤں۔ ہر ایک یہی پوچھتا ہے کہ اچانک رشتہ کیسے ہو گیا؟ کس نے طے کروایا؟ کس نے بتایا؟ کہاں سے مل گیا اتنا اچھا لڑکا؟" جویا نے اپنا منہ اماں کے کان کے نزدیک کیا اور آہستہ سے بولی۔ "کسی کو پتا چل جائے کہ رشتہ اخبار کے ذریعے ہوا ہے تو۔"

"تو کیا!" اماں نے تیوری چڑھائی اور بڑی رعونت سے کہا۔ "اب ساری دنیا کو بھی پتا چل جائے تو مجھے پروا نہیں۔"

جویا ہکا بکا کچھ متعجب کچھ متذبذب سی انہیں دیکھنے لگی۔

"سچ اماں!"

"اور کیا۔ چھپانا اسی وقت تک تھا' جب تک نہیں ہوئی تھی۔ اب بھلا کیوں چھپانا۔ کوئی لے کر کھا رکھا ہے کسی سے ہم نے کچھ جو چھپائیں۔ کوئی عیب تو نہیں کیا ہم نے جو چھپائیں۔" بات درست تھی۔

مگر اپنی تمام تر دلیری کے باوجود جویا کو اتنی جرأت بخشنے سے قاصر تھی' یہ بات کہ وہ اپنی ساتھیوں کو علی الاعلان یہ بتا سکتی کہ اس کی بہن کی شادی اخبار میں ضرورت رشتہ کے ایک اشتہار کے توسط سے ہوئی تھی۔

کھانے کے بعد اماں نے زویا اور فہیم کے لیے امام ضامن تیار کیے۔

تین بجے کے لگ بھگ اماں نے جویا سے از خود کہا۔ "جویا ذرا زویا کو فون کر کے پوچھو تو سہی۔"

جویا تو کب سے یہ چاہ رہی تھی۔

زویا سے بات ہوئی تو اس نے کہا۔ "ابھی آئے نہیں ہیں وہ۔ جیسے ہی آئے' میں فون کروں گی۔"

"پیکنگ کر لی تم نے؟"

"ہاں کر تو لی ہے۔"

"کیمرہ ضرور لے کر جانا۔"

"جی اچھا۔"

"کون سا کیمرہ ہے فہیم کے پاس؟"

"پتا نہیں آئیں گے تو پوچھوں گی۔"

"ارے بھئی' فہیم کے پاس تو ماشاء اللہ ایک نہیں' کئی کیمرے ہوں گے بلکہ شاید مووی کیمرہ بھی ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔ ہو۔"

ان دونوں کے درمیان بات ہو رہی تھی کہ زویا کو گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔

"ایک منٹ بجو...... ذرا ہولڈ کیجیے۔ ہارن بجا ہے۔ میں دیکھ لوں شاید وہ آ گئے۔"

"وہ کون؟" جویا نے اسے چھیڑنے کی کوشش کی۔

زویا شرمائی اور ریسیور رکھ کر دروازے کی طرف بڑھی۔

فہیم واپس آ چکا تھا۔

فضائی سفر کے دو ٹکٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ بولا۔ "ساڑھے پانچ بجے کی فلائٹ ہے۔"

"ساڑھے پانچ! او مائی گاڈ۔"

جویا فون پر زویا کی منتظر تھی!

"بجو!" زویا کی آواز سے ایک انوکھی سرخوشی جھلک رہی تھی۔

"ہاں۔"

"ساڑھے پانچ بجے کی فلائٹ ہے۔"

جویا نے گردن موڑ کر اماں کو بتایا۔ "ساڑھے پانچ بجے کی فلائٹ ہے اماں۔"

"اوہ! وقت ہی کیا رہ گیا ہے۔" اماں نے ابا کی طرف دیکھا جو کروٹ لیے قیلولہ کر رہے تھے۔

"سنتے ہیں' ساڑھے پانچ بجے کی فلائٹ ہے۔"

"اچھا!" ابا کی آواز سے غنودگی جھلک رہی تھی۔

"اٹھیں۔ تیاری پکڑیں۔" اماں نے کہا۔

"چار سوا چار بجے نکلیں گے۔"

جویا فون پر کوئی نمبر ملا رہی تھی۔

"جویا! تم تو ایئرپورٹ چلو گی نا؟"

"جی اماں۔ میں یہی بتانے کو فون کر رہی ہوں انہیں۔"

"یقین چلنا چاہیں تو ان سے کہہ دینا' چار بجے تک پہنچ جائیں۔"

یقین سے جویا کی بات ہوئی تو وہ بولا۔ "ساڑھے پانچ بجے تو میں آفس سے اٹھوں گا۔"

"میں چلی جاؤں اماں کے ساتھ۔ ان دونوں کو سی آف کرنے؟"

"ارے بھئی۔" یقین استہزائیہ ہنسی کے ساتھ بولا۔ "حج پر تو نہیں جا رہے وہ دونوں جو تم انہیں سی آف کرنے کے لیے جانا چاہتی ہو۔"

''کیا مطلب ہے آپ کا!'' جویا پر اماں گئی۔

''میرا مطلب ہے خواہ مخواہ تھکو گی۔ بچے الگ پریشان ہوں گے۔''

''انہیں تو گھر پر ہی چھوڑ جاؤں گی۔''

''بھابی کے پاس!''

''ظاہر ہے۔''

''دیکھو...... زویا تو اب رہی نہیں ہے گھر میں جو بچوں کی دیکھ بھال کیا کرتی تھی۔ بھابی پر زیادہ بوجھ مت ڈالو۔ ان کے اپنے بچے بھی ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بیزار ہو جائیں۔''

''یہ بعد میں سوچیں گے۔ فی الحال تو میں اماں اور ابا کے ساتھ ائیر پورٹ جا رہی ہوں۔''

''اجازت مانگ رہی ہو یا...... فیصلہ سنا رہی ہو؟''

''جو مرضی آئے سمجھ لیں۔''

''ٹھیک ہے۔ جاؤ۔'' وہ نیم دلی سے بولا۔

☆=====☆=====☆

اماں اور جویا چار بج کر دس منٹ پر گھر سے نکلے اور پچیس منٹ کے اندر اندر ائیر پورٹ پہنچ گئے۔

زویا اور فہیم پانچ بجے کے بعد پہنچے اور فہیم کے بقول ٹیکسی میں اس لیے آئے کہ پھر گاڑی واپس کون لے جاتا۔

دونوں چاند سورج کی جوڑی لگ رہے تھے۔

اماں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ان کی بلائیں لے ڈالیں۔

سلک کے فیروزی بارڈر والے بسنتی جوڑے میں زویا کھلی پڑ رہی تھی۔

فہیم بوسکی کرتا شلوار میں ملبوس تھا۔ پیروں میں تلے کے کام کے جوتے تھے۔

دونوں کی آنکھوں سے خمار ٹپک رہا تھا۔

زویا بات بات پر ہنس رہی تھی۔

اس کی سج دھج' طلائی کنگنوں کی کھنک' حنائی بیل بوٹوں والے ہاتھ' جھکی جھکی آنکھیں' دلنشیں مسکراہٹ اور دھیمی دھیمی چال لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہے تھے۔

فہیم کی نظریں بار بار اس کے سجے دھجے چہرے پر آ ٹکتیں۔

جویا انہیں ندیدی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''زوئی! کیمرہ رکھ لیا؟'' جویا نے پوچھا۔

''اوہ! وہ تو میں بھول ہی گئی۔'' زویا نے اپنی پیشانی پہ ہاتھ مارا پھر فہیم کو شاکی مگر محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی: ''انہوں نے پروگرام بھی تو اچانک بنا لیا۔''

''مجھے دوسروں کو سرپرائز دینے میں مزا آتا ہے۔'' فہیم مسکرا کر بولا۔

''ویسے یہ زیادتی ہے فہیم کہ آپ نے ہم لوگوں کو اتنا موقع بھی نہ دیا کہ سب ائیر پورٹ

آ سکتے۔'' جویا بولی۔

''آ تو گئے ہیں۔'' فہیم نے کہا۔

''ہم تین ہی تو آئے ہیں۔ آپ نے ذرا آرام اور اطمینان سے پروگرام بنایا ہوتا اور پیشگی اطلاع کر کے جاتے تو سارہ آپا' زہرا باجی' ان کے ہسبینڈ' میرے میاں' بھائی' بھابی بھی آتے آپ دونوں کو سی آف کرنے۔ سارہ آپا کے آفس میں کوئی میٹنگ ہے ورنہ وہ ضرور آتیں۔''

''کوئی بات نہیں' ہم کوئی بہت لمبے سفر پر تو نہیں جا رہے۔''

''پھر بھی۔ آپ دونوں کا شادی کے بعد تو یہ اکٹھے پہلا سفر ہے نا۔''

''لاؤ بھئی' امام ضامن تو بندھوا لو۔'' اماں نے ایک امام ضامن ابا کو دیا اور بولیں: ''آپ داماد کے باندھیے۔''

''لاؤ میاں' باندھ دوں۔''

اماں نے زویا کے اور ابا نے فہیم کے امام ضامن باندھا۔

آس پاس کھڑے لوگ پر اشتیاق نظروں سے دیکھا کیے۔

زویا اور فہیم کی فلائٹ سے متعلق اعلان کیا جا رہا تھا کہ مسافر جلد از جلد متعلقہ کاؤنٹر پر پہنچ جائیں۔

دونوں نے اماں اور ابا سے اجازت چاہی۔ جویا کو خدا حافظ کہا اور ڈپارچر لاؤنج کا رخ کیا۔ پورٹر جس کی خدمات فہیم نے ٹیکسی سے اترتے ہی حاصل کر لی تھیں' ان کے ساتھ ساتھ تھا۔

لاؤنج میں داخل ہونے سے پہلے زویا نے پلٹ کر اماں' ابا اور جویا کے رخ دیکھتے ہوئے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا۔

اماں کا جی بھر آیا۔

ایک ایک کر کے چاروں بیٹیاں رخصت ہو گئی تھیں۔

اور زویا تو جیسے آناً فاناً گئی تھی۔

کتنا روپ آیا تھا اس پر۔

فہیم نے بھی پلٹ کر دیکھا اور ہاتھ لہرایا۔

پھر دونوں لاؤنج میں داخل ہوئے اور آہستہ آہستہ لاؤنج میں موجود مسافروں کی بھیڑ میں گم ہو گئے۔

اماں ابا اور جویا نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

تینوں کے چہروں پر غرور آمیز اداسی تھی۔

دفعتاً سارہ آپا تیز تیز قدموں سے چلتی ان کے نزدیک آ پہنچیں۔

''کیا گئے وہ لوگ؟'' آپا نے بے تابانہ پوچھا۔

''ہاں ابھی گئے ہیں۔'' اماں نے بتایا۔

''اوہ!'' سارہ آپا کے لہجے میں ملال تھا۔ ''اتنی جلدی کی مگر دیر ہو گئی مجھے پہنچنے میں۔''

"کوئی بات نہیں بیٹی۔ جویا نے بتا دیا تھا انہیں کہ تمہارے دفتر میں میٹنگ ہے۔"

"ایسے موقعوں پر بہت زہر لگتی ہے مجھے یہ نوکری۔"

"مگر بہت سے موقعوں پر تریاق بھی لگتی ہوگی۔" ابا بولے۔

سارہ آپا ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئیں۔

"میرا خیال ہے اب چلا جائے۔" ابا نے کہا۔

"ساڑھے پانچ بجے روانگی ہے اس وقت تک تو ٹھہر جائیں۔" اماں بولیں۔

"کیوں؟"

"شاید وہ کسی کام سے پلٹ آئیں۔"

"ارے اماں اب نہیں آئیں گے۔" جویا بولی۔

"ہوسکتا ہے بیٹی آجائیں۔"

جویا نے پھر کچھ کہنے کا ارادہ کیا مگر سارہ آپا نے کہا۔ "کوئی بات نہیں' جویا اماں ساڑھے پانچ بجے تک ٹھہرنا چاہتی ہیں تو ٹھہرنے دو انہیں۔"

"چلیں ٹھیک ہے۔ ویسے بھی آپ کے آجانے کے بعد سواری کی فکر تو دور ہو ہی چکی ہے۔" جویا مسکرا کر بولی۔

آپا بھی دھیرے سے مسکرا دیں۔

"آپا! خدا کی قسم' زویا اور نعیم دونوں اتنے شاندار لگ رہے تھے کہ سب دیکھ رہے تھے انہیں۔" جویا نے آپا کو رپورٹ دی۔

"اچھا!"

"جی۔"

اماں کی نظریں دوبارہ پھر لاؤنج کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

"زویا اتنی خوب صورت لگ رہی تھی آپا کہ میں کیا بتاؤں آپ کو۔"

"خوش تو تھی؟"

"بہت۔"

"اللہ کرے ہمیشہ خوش رہے۔"

"چلیں اماں؟" جویا نے پوچھا۔

"بیٹی ذرا سی دیر اور۔" اماں نے لجاجت سے کہا۔

ابا نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا مگر سارہ آپا نے نظروں ہی نظروں میں انہیں منع کر دیا۔

جویا اور آپا ایئر پورٹ کی رونقوں میں کھو گئیں۔

ابا کے چہرے سے اضطراب جھلکنے لگا۔

شاید ان کا بس چلتا تو اماں کا بازو پکڑ کر کہتے۔ "بس اب سیدھی طرح گھر چلو۔"

مگر اماں بڑی بے نیازی کی کیفیت میں آہنی جنگلے کے نزدیک کھڑی ٹکٹکی باندھے دوبارہ

لاؤنج کی سمت یوں دیکھ رہی تھیں جیسے ابھی زویا آئے گی اور ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کہے گی۔

اماں کی نگاہوں میں اضطراب آمیز امید لرزاں تھی۔

☆=====☆=====☆

فرزین کی شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔

ان دنوں گھر کی سج دھج کا کام چل رہا تھا۔

فرزین گھر واپسی کے سفر پر تھا۔

مدحت بجیا تو اس کی شادی کی تیاریوں میں شروع ہی سے پیش پیش تھیں۔ جوں جوں دن نزدیک آرہے تھے نگہت اور نزہت کا جوش و خروش بھی بڑھتا جا رہا تھا۔

نگہت کو فکر تھی کہ شادی اور ولیمے میں وہ...... سب سے منفرد نظر آئے تو نزہت اس شش و پنج میں تھی کہ ولیمے کے لیے پشواز بنوائے یا ساڑھی خریدے۔

بجیا نے بارات اور ولیمہ دونوں کے لیے امی اور بابا کے ملبوسات تیار کروا دیے تھے اور اب اس غور و فکر میں تھیں کہ اپنے لیے کیا اہتمام کریں۔

نگہت اور نزہت کے صلاح مشورے اور عملاً بھی مدد بجیا کی شامل حال تھی۔

جب سے جویا اور یقین علیحدہ ہوئے تھے' نگہت کا موڈ خاصا بہتر رہنے لگا تھا۔ وہ پہلے کی طرح آزادانہ اور کسی کی نگاہوں میں کھٹکے بغیر میکے آجا سکتی تھی۔

"سچ کہتی ہوں بجیا۔" یقین اور جویا کی علیحدگی کے بعد ایک روز اس نے کھانے کی میز پر بجیا سے کہا۔ "بھابی کے سامنے تو نوالے میرے حلق میں اٹکنے لگتے تھے۔"

"کیوں بھئی؟" امی بولیں۔

"امی آپ یقین کریں یا نہ کریں' جب بھابی میز پر بیٹھی ہوتی تھیں تو مجھے یوں لگا کرتا تھا' جیسے وہ میرے نوالے گن رہی ہوں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں تھی نگہت۔" بجیا نے کہا۔

"آپ تو ہمیشہ انہی کی سائیڈ لیتی ہیں۔"

"نہیں' یہ ساری تمہاری غلط فہمی ہے۔ میرا خیال ہے' میں نے جویا کی بہت سی غلطیوں پر ٹوکا بھی ہے۔"

"نتیجہ؟" نگہت کی آنکھوں میں استہزائیہ کیفیت ناچ رہی تھی۔

"نتیجہ جو بھی رہا ہو میں نے اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کی۔"

"اور بہو کو اس وقت اپنی غلطی کا احساس اور اس غلطی پر پشیمانی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو لیکن کبھی نہ کبھی ایسا ضرور ہوگا۔" بابا بولے۔

"بابا! کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک۔"

"امید پہ دنیا قائم ہے بیٹی۔" بابا نے مسکراتے ہوئے نگہت کو دیکھا۔ "اور ایک بات اور بھی ہے نگہت بیٹی۔"

نگہت بابا کو دیکھنے لگی۔

''وقت اچھے اچھوں کو تبدیل کر دیا کرتا ہے۔''

''بعض لوگ کبھی تبدیل نہیں ہوتے بابا۔ ان کی مثال کتے کی دم کی سی ہوتی ہے۔ بارہ برس بعد بھی ٹیڑھی ہی نکلتی ہے۔''

بابا نے نگہت کو دیکھا پھر بڑے وثوق سے متحمل لہجے میں بولے۔ ''بیٹی! ایک وقت آئے گا جب تم اپنی یہ رائے تبدیل کرنے پر مجبور ہو جاؤ گی۔ شاید اس وقت جب تم خود بھی بہت بدل جاؤ گی۔''

''میں! میں بھلا کیا بدل جاؤں گی بابا۔''

بابا کے لبوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''بیٹی! وقت کے ساتھ آدمی کا ظاہری روپ ہی نہیں بدلتا' اندر بھی تبدیلی کا عمل ہوتا ہے۔ بڑے بڑے طرم خانوں کو ڈھیتے دیکھا ہے ہم نے وقت کے ہاتھوں۔''

''بہرحال بابا جب سے بھابی گئی ہیں اس گھر سے میں پہلے کی طرح اطمینان سے کھانے پینے لگی ہوں نہ یہاں...... بے چاری میری دونوں بچیاں بھی سہمی سہمی رہتی تھیں امی کے سامنے۔''

امی نے ایک سرد آہ کھینچی اور بولیں۔ ''کچھ زمانہ ہی بدل گیا ہے ورنہ ہمارے زمانے میں تو یہ رشتے محبت کے رشتے ہوتے تھے۔ خالاؤں سے زیادہ خالو' ماموؤں سے زیادہ ممانیاں' چچاؤں سے زیادہ چچیاں اور پھوپھیوں سے زیادہ پھوپھا پیار کیا کرتے تھے...... خدا بخشے ہماری ممانی انہیں یاد ہے ماں کا سا پیار کرتی تھیں ہم سے۔''

''بیٹی! تم نے اپنی امی کو ان کا زمانہ یاد دلا دیا۔''

''کیا اچھا زمانہ تھا ماسٹر صاحب!''

''زمانہ یہ بھی برا نہیں ہے بیگم صاحبہ۔''

''خدا کرے فرزین کی دلہن اس گھر کے لیے اچھی بہو ثابت ہو۔''

''آمین۔'' نگہت نے بڑے خشوع وخضوع سے کہا پھر بولیں۔ ''امی! آپ کے تو خیر سے تین بیٹے اور ہم بہنوں کے تین بھائی ہیں' ایک بہو سے آپ مایوس ہو گئیں تو آپ نے دوسرے بیٹے کی ہونے والی بہو سے امید لگالی۔ خدا نہ کرے وہ بھی آپ کی امید پر پوری نہ اتری تو آپ تیسرے کی دلہن سے امید وابستہ کر لیں گی۔ جن ماؤں کا صرف ایک بیٹا اور بہنوں کا ایک ہی بھائی ہوتا ہوگا اور انہیں بہو یا بھاوج اچھی نہ ملتی ہوگی ان کا کیا حال ہوتا ہوگا؟''

امی نے جھرجھری لی اور کہا۔ ''اللہ دشمن کو بھی بہو اچھی دے۔''

فرزین کی ہونے والی دلہن کے سلسلے میں نگہت نے ابھی سے امی اور گھر کے دیگر افراد کو اپنے مفید مشوروں سے نوازنا شروع کر دیا تھا۔

''امی! ارج کو آپ بھابی کی طرح ڈھیل مت دیجئے گا۔ شروع ہی سے کس کر رکھیے گا۔'' ایک روز نگہت نے کہا۔

مدحت بجیا جو نزدیک ہی بیٹھی تھیں بولیں۔ ''سمجھدار لڑکیوں کو کسنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی نگہت...... وہ اپنے حقوق سے بھی آگاہ ہوتی ہیں' فرائض سے بھی۔''

''شادی کے بعد کم از کم سال بھر اسے فرزین کے ساتھ جہاز پر نہ جانے دیجئے گا۔''

''ارے بیٹی! ہم کون ہوتے ہیں' جہاز پر نہ جانے دینے والے' یہ ان میاں بیوی کا معاملہ ہوگا۔''

''آنکھیں پھٹ جائیں گی اس کی باہر کی دنیا کو دیکھ کر۔''

''نگہت! اچھے لوگ کہیں بھی چلے جائیں' اچھے ہی رہتے ہیں۔ نہ باہر کی دنیا ان کو بگاڑ سکتی ہے نہ کوئی اور۔'' بجیا بولیں۔

''یعنی آپ لوگ فرزین کو روکیں گے نہیں ارج کو باہر لے جانے سے؟''

''میرا خیال ہے' روکنا بھی نہیں چاہیے۔ یاد کرو اپنی شادی کے بعد تم نے اور ہم سب نے بھی کتنی بے چینی سے اس بات کا انتظار کیا تھا کہ کب افتخار کو ایئر لائن سے ٹکٹ ملیں اور تم دونوں گھومنے پھرنے کے لیے باہر جاؤ۔'' بجیا بولیں۔

نگہت لاجواب ہو کر بجیا کا منہ دیکھنے لگی۔

مہندی' بارات اور ولیمے کے دعوت ناموں کے مضمون کی ترتیب اور تزئین اور کارڈز کے انتخاب میں بھی نگہت مشورے دینے میں پیش پیش رہی' اب یہ اور بات تھی کہ اس کے مشوروں کی نسبت افتخار کی رائے کو زیادہ پذیرائی ملی۔ امی کا خیال تھا کہ سب کو کم از کم پندرہ دن پہلے دعوت نامے ضرور پہنچ جائیں اور کسی کو وقت کے وقت بلاوا ملنے کی شکایت نہ ہو۔

دعوت نامے طباعت کے لیے پریس میں جا چکے تھے اور بابا' امی اور دیگر اہل خانہ کی مدد سے مہمانوں کی فہرست تیار کر رہے تھے۔

امی کا یہ عالم تھا کہ انہیں رات کو بستر پر لیٹے لیٹے اچانک یاد آ جاتا کہ فلاں کا نام بھی فہرست میں لکھا جانا ہے۔

بجیا نے بھی اپنی چند کولیگز اور دوستوں کے نام اس فہرست میں لکھوائے تھے۔

کرنل معظم اور ان کے دونوں بچوں کے نام کئی مرتبہ ان کی نوک زبان تک آ آ کر رہ گئے تھے!

اس روز کرنل معظم سے ٹیلی فون پر بات چیت کے بعد انہیں بار بار کرنل معظم اور ان کے بچوں کا خیال آیا تھا اور انہوں نے خود کو بن ماں کے ان دو بچوں کی مقروض محسوس کیا تھا۔

کیا تھا اگر وہ کرنل معظم کی درخواست کو رد نہ کرتیں اور گھر والوں کو سارا قصہ بتا کر انہیں گھر بلا لیتیں۔

کرنل معظم کو نہ سہی دونوں بچوں کو سہی۔

کیوں؟

کیوں چھپانا چاہ رہی تھیں وہ کرنل معظم اور ان کے بچوں سے اپنی ملاقات کا قصہ اپنے گھر والوں سے!

امی اور بابا کو تو وہ ہر بات بتا دیا کرتی تھیں۔
یہ بات راز کیوں رکھی ہوئی تھی اب تک!

☆=====☆=====☆

اسلام آباد پہنچنے کے بعد دوسرے دن زویا نے اماں کو فون کیا۔فہیم نے بھی بات کی اور کہا۔
"اب ہم لوگ سیر و تفریح کے لیے آگے جائیں گے۔اگر فون نہ بھی کریں ہم لوگ تو آپ پریشان نہ ہوں۔"
"بیٹا! ہو سکے تو کر دینا فون۔"
"کوشش کروں گا مگر امی جان نہ کروں تو آپ گھبرائیے گا مت۔"
"خدا تم دونوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔"
جویا نے دوسرے ہی دن سسرال جا کر زویا کے ہنی مون پر جانے کی خبر سنا دی تھی۔زویا کی شادی کے بعد سے اسے ارج سے بھی پہلے کا سا حسد اور رقابت نہ رہی تھی۔
چوتھے دن زویا نے بھوربن سے اس وقت فون کیا' جب جویا بچوں کو لے کر اپنے گھر جانے کی تیاری کر رہی تھی۔
زویا نے بتایا کہ فہیم اور وہ پرل کانٹی نینٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے اور فہیم نے اسے مری میں کافی شاپنگ کروائی تھی۔
جویا کو یک گونہ مسرت ہوئی۔
"فرزین کو صبر کیا تو اللہ نے یہ انعام دیا ہے۔" اس نے اماں سے کہا۔
"ہاں۔وہ جو کہتے ہیں' پروالوں کے سو پر بے پروں کا اللہ۔"
رات کو کھانے کے بعد جویا نے یقین سے کہا۔" گھر چلتے ہیں۔"
"یار صبح شام تو جاتی ہو پھر بھی دل نہیں بھرتا تمہارا۔"
"میں اپنی اماں کے نہیں' آپ کی امی کے ہاں چلنے کو کہہ رہی ہوں۔"
"خیریت!" وہ چونکا۔
"اس میں اتنا حیران ہونے کی کیا بات۔میں نے آپ کے گھر ہی چلنے کو کہا ہے' بھوربن چلنے کو تو نہیں کہا۔"
یقین نے چونک کر اسے دیکھا پھر بولا۔"بھوربن کا کیا ذکر۔"
جویا نے شاکی نظروں سے یقین کی جانب دیکھا اور بولی۔" ہنی مون پر لے گئے تھے تو مری اور ایوبیہ تک ٹہلا کر لے آئے تھے۔زویا اور فہیم بھوربن میں ہیں' پرل کانٹی نینٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"
"فہیم صاحب ٹھہرے رئیس آدمی۔ہم بے چارے مزدور۔ان کا اور ہمارا کیا مقابلہ!" یقین نے کہا۔
"جناب! دل بڑا ہونا چاہیے۔زویا کا فون آیا تھا' بتا رہی تھی فہیم نے اسے شاپنگ بھی کروائی

ہے۔"
"اگر تمہیں یاد ہو تو حسب حیثیت شاپنگ تو میں نے بھی کروائی تھی تمہیں۔"
"جی ہاں' مجھے یاد ہے۔" جویا کے لہجے میں ہلکا سا استہزا تھا۔
"تم گھر چلنے کو کہہ رہی تھیں۔"
"دیکھا' کیسے یاد رکھا! میں نے اپنے گھر چلنے کو کہا ہوتا تو پلٹ کر بھولے سے بھی نہ کہتے یہ بات۔"
"بھئی' تمہی کہہ رہی تھیں ورنہ مجھے تو کوئی شوق نہیں آ رہا اپنے گھر جانے کا۔"
"چوری چھپے پھیرا جو لگا آتے ہیں۔"
"چوری چھپے کیوں!" وہ نظر بگاڑ کر بولا۔"مجھے کسی کا ڈر ہے کیا۔"
جویا خفیف ہو گئی۔
"چلنا ہے تو اٹھو۔"
"تیار تو ہو لوں۔"
"بس ایسے ہی چلو۔ورنہ میں لیٹ گیا نا تو پھر نہیں اٹھوں گا۔"
"بابا' بالوں میں کنگھا پھیر کر اپنی چونچ تو سرخ کر لوں۔"
"چونچ سرخ کر لوں!" یقین نے اس کے الفاظ حیرت سے دہرائے۔
جاتے جاتے جویا نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولی۔"لپ اسٹک لگا لوں۔"
"اوہ! آئی سی۔میں سمجھا' تم چونچ تیز کرنے کو غلطی سے سرخ کرنا کہہ گئی ہو۔"
یقین کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ نے جویا کو چونکا دیا۔
"کیا مطلب ہے آپ کا!" وہ تیوری چڑھا کر بولی۔
"کچھ نہیں۔تم جاؤ اور جلدی سے چونچ تیز کر آؤ۔"
"میں آپ کا مطلب خوب سمجھتی ہوں۔اچھا!"
"کیا سمجھتی ہو؟" وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔
"میں لڑاکا ہوں!"
"کس نے کہا؟"
"آپ نے اور کس کی ہمت ہے جو کہہ سکے۔"
"میں نے!"
"جی۔"
"نہیں۔میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کہی۔"
"چونچ تیز کرنے کا مطلب کیا ہوتا ہے۔" وہ اسے خفا خفا سی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔
"بابا' لڑ لینا واپس آ کر۔جلدی چلو۔"

"پندرہ بیس منٹ تو رکشہ ٹیکسی کے انتظار میں سوکھنا پڑے گا۔" جویا نے ٹیڑھی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے جانے کو پر تولے۔

یقین کو اس کے لہجے میں ایک احساس محرومی کراہتا سنائی دیا۔

گھر سے نکلنے کے بعد سڑک کنارے کسی رکشہ یا ٹیکسی کا انتظار کرتے ہوئے جویا اس سے بولی۔ "کسی طرح کوشش کر کرا کے ایک اسکوٹر تو خرید لیں آپ۔"

"امی اسے شیطانی سواری کہتی ہیں۔"

"ساری دنیا گھومتی ہے اس پر۔"

"ہاں گھومتی تو ہے مگر بچوں کے ساتھ اسکوٹر پر سفر کرنا بہت خطرناک ہے۔ پتا نہیں، خواتین کس طرح سنبھالتی ہیں اسکوٹر پر دو دو تین تین بچوں کو۔"

"مریم آپ کے آگے بیٹھ جایا کرے گی، منے کو میں لے لیا کروں گی گود میں۔"

"اور وہ..... تیسرے صاحب کا مقام کہاں ہوگا؟"

"مریم اور منے میں کچھ تو وقفہ تھا اس مرتبہ تو......" جویا نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

زویا کی شادی سے کوئی دو تین روز پہلے ہی تو جویا کی ڈاکٹر نے پریگننسی کنفرم کی تھی۔

ایک خالی ٹیکسی ان کے نزدیک آپ ہی آپ آ رکی تھی۔

یقین نے ٹیکسی ڈرائیور سے معاملات طے کیے اور دونوں بچوں کو لیے پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔

راستے میں جویا نے دھیرے سے کہا۔ "کسی نہ کسی طرح چاہے پرانی دھرانی ہی سہی، کار ضرور خریدیں گے ہم لوگ۔"

یقین مسکرا دیا۔

"خیریت تو ہے! ابھی ذرا دیر پہلے اسکوٹر پر تھیں، اب کار خریدنے پر آ گئیں۔"

"زویا کے گھر مجھے تو اچھا نہیں لگے گا رکشہ ٹیکسی میں آنا جانا۔" جویا کا احساس کمتری بولا۔

"اچھا تو یہ بات ہے! اس لیے کار خریدنے کی بات کر رہی ہو۔"

"بھئی آپا کے پاس کار ہے، زہرا باجی کے ہاں بھی ہے گاڑی۔ زویا کی گاڑی کا تو خیر جواب ہی نہیں! اندھیرے میں بھی چمکتی ہے، بس ایک ہم ہی رہ گئے بے کار۔"

"ہم گھر والوں کے ساتھ رہتے تو ہم بھی کار نشین ہوتے۔"

جویا کچھ نہیں بولی مگر دل ہی دل میں اس نے سوچا۔ "ایسی کار نشینی سے یہ بے کاری ہی بھلی۔"

☆=====☆=====☆

وہ دونوں گھر پہنچے تو کھانا کھایا جا رہا تھا۔

نگہت اور نزہت بھی اپنے شوہروں کے ساتھ آئی ہوئی تھیں۔

"آؤ بھئی آؤ، بہت موقعے سے آئے تم لوگ۔" امی بولیں۔

"ہم لوگ تو کھانا کھا کر آئے ہیں۔" جویا نے انکھیوں سے نگہت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اونہہ طنز کر رہی ہیں ہم پر۔" نگہت نے نخوت سے سوچا اور اپنے آپ کو تسلی دی۔ "ہم اگر یہاں آ کر کھاتے پیتے ہیں تو یہ ہمارے ماں باپ کا گھر ہے۔"

"بہو! کھا کر آئی ہو تب بھی آ جاؤ۔ تمہاری امی نے بہت عمدہ پائے پکا رکھے ہیں۔"

"پائے!" یقین چونکا۔

"ہاں۔"

"آ جاؤ بھئی۔" اس نے جویا کو اشارہ کیا اور بولا۔ "امی کے ہاتھ کے پائے برنس روڈ والوں کو مات کرتے ہیں۔"

"پیٹ بھرا ہوا ہے۔"

"مگر میں تو پھر بھی کھاؤں گا۔"

"آ جاؤ بیٹے آ جاؤ۔" امی نے ممتا بھرے لہجے میں کہا۔

"جویا تم بھی آ جاؤ ورنہ نقصان میں رہو گی۔" مدحت بجیا نے کہا۔

"اللہ میاں ہمیں کبھی نقصان میں نہیں رکھتے۔" جویا کے لہجے میں ذومعنویت تھی۔

"بھابی آج آپ نے کیا پکایا تھا؟" نزہت نے پوچھا۔

"بریانی آلو اور شامی کباب۔"

"کاش! تھوڑی سی بریانی آپ ہمارے لیے لے آئی ہوتیں۔" نزہت نے اپنی فطری سادگی سے کہا۔

"ایک بچی کی ماں بن گئیں، مٹاپا بڑھ گیا مگر زبان کا چٹخارا وہی ہے۔" جویا نے سوچا اور بولی۔

"مجھے کیا پتا تھا کہ تم آئی ہوئی ہو گی، بریانی تو ہماری زویا پکاتی ہے ایسی مزیدار کہ کیا بتاؤں۔"

"زویا تو آج کل سیر و تفریح کر رہی ہوں گی۔" بجیا بولیں۔

جویا تو موقعے کی تاک میں بیٹھی تھی۔

"جی ہاں خوب۔ آج کل بھوربن میں ہیں۔ پرل کانٹی نینٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

"سنا ہے، بہت خوب صورت جگہ ہے بھوربن۔" مسعود نے کہا۔ "میں اور نزہت تو نہیں جا سکے تھے، حالانکہ ارادہ تھا ہمارا وہاں بھی جانے کا۔"

"گرمیوں میں پروگرام بنائیں گے مسعود۔" نگہت نے کہا۔

"جی۔ ضرور۔"

"زویا کی ریس میں تو اگر انہیں اپنے میاں سے دوبارہ نکاح کر کے ہنی مون پر جانے کی شرط ہوئی تو بھی جائیں گی یہ۔" جویا نے نگہت کی بابت سوچا۔

"جویا، یہ اچھا نہیں لگ رہا کہ ہم سب کھا رہے ہیں اور تم الگ بیٹھی ہو۔" بجیا بولیں۔

"آپ اطمینان رکھیں، میں کسی کے نوالے نہیں گنوں گی۔"

نگہت نے بے ساختہ بجیا کی طرف یوں دیکھا جیسے کہتی ہو۔ "سن لیا آپ نے، اب تو آ گیا آپ کو میری بات کا یقین۔ میں غلط تو نہیں کہتی تھی کہ یہ میرے نوالے گنا کرتی تھیں۔"

بجیا نے نگہت سے نظریں چرا لیں۔

جویا چاہ رہی تھی' کوئی اس سے زدیا کے بارے میں کچھ پوچھے اور وہ زمین آسمان کے قلابے ملا دے۔
مگر کسی نے کچھ نہ پوچھا۔
سب اِدھر اُدھر کی ہانکتے رہے۔
فرزین کی شادی کی تیاریوں پر بھی بات ہوئی۔
مگر زدیا کا کسی نے نام بھی نہ لیا۔
جان بوجھ کر اس کا ذکر اوائڈ کیا جا رہا ہے۔ جویا کو غصہ آنے لگا۔
ٹی وی پر دھیمی آواز میں خبرنامہ بھی چل رہا تھا اور ببا کی زیادہ توجہ اسی طرف تھی۔
موسم کی خبروں نے جویا کو از خود زدیا کا ذکر پھر نکالنے کا بہانہ فراہم کیا۔
"زدیا بتا رہی تھی' رات کو اچھی خاصی ٹھنڈ ہو جاتی ہے وہاں۔"
نگہت دھیرے سے کھنکاری۔
جویا کو اس کی کھنکار میں استہزا کا رنگ غالب لگا۔
باقی سب زدیا کے ذکر کو پھر پی گئے۔
"کمبخت! کھنے کہیں کے۔" جویا نے جی ہی جی میں انہیں برا کہا۔
خبرنامہ ختم ہو چکا تھا۔
نزہت نے موجو کو پکارا اور اس کے آنے پر بولی۔ "موجو! ذرا ٹی وی کی آواز تو اونچی کر دو بنا' موسیقی کا ایک نیا پروگرام شروع ہو رہا ہے آج سے۔"
"واہ بھئی واہ! خبریں آتی ہیں تو تم لوگ آواز نیچی کرا دیتے ہو اور میوزک کے پروگرام کے لیے....." ببا نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔
"ببا' خبریں سنتا کون ہے۔ کم سے کم ہم تو نہیں سنتے۔" نزہت بولی۔
"سننی چاہئیں' آدمی اپنے گرد و پیش اور ملکی و غیر ملکی حالات سے باخبر رہتا ہے۔"
"ہمارے ہاں زدیا بہت باقاعدگی سے سنا کرتی تھی خبریں۔" جویا نے توقف کیا پھر دھیرے سے ہنس کر بولی۔ "اور خود بھی ایک خبر بن گئی۔"
"کیا مطلب؟" امی نے بے ساختہ چونک کر کہا۔
"سب حیران ہیں کہ اچانک شادی کیسے ہو گئی! جس کو دیکھو یہی پوچھتا ہے کہ اتنا اچھا لڑکا مل کہاں سے گیا! زدیا کی شادی نے تو لوگوں کی رال نکال دی ہے۔"
"اچھے لڑکے قسمت سے ملتے ہیں۔" امی بولیں۔
"زدیا بہت قسمت والی نکلی!" جویا کے لہجے سے رشک پھوٹا پڑ رہا تھا۔
"خوش قسمت ہیں تمہارے والدین کہ ساری بیٹیوں بلکہ ساری اولاد کے فرض سے سبکدوش ہوئے۔"
"خوش قسمت تو وہ لڑکا بھی بہت ہے جس سے زدیا کی شادی ہوئی۔ بہت اچھی لڑکی ہے زدیا!" جویا نے گہری نگاہوں سے سب کے تاثرات تاڑنے کی کوشش کی۔

وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ زدیا کو کھونے کا احساس کس حد تک پچھتاوا بن کر ان کے چہروں پر ڈولتا ہے۔
مگر..... جویا کو مایوسی ہوئی۔
کھانے کے بعد مسعود کی فرمائش پر نزہت نے کافی بنائی اور سب کے لیے بنائی۔
پونے گیارہ بجے کے لگ بھگ یقین اور جویا نے گھر جانے کو پر تولے۔
"رک جاؤ' صبح تم لوگ یہیں سے چلے جانا۔" امی نے کہا۔
یقین نے جویا کی طرف دیکھا۔
"نہیں' بچوں کی ساری چیزیں گھر ہی پر ہیں' پریشانی ہوگی۔" وہ بولی۔
"ارے بھئی' رات کا کیا کاٹنا۔"
"صبح سے دوپہر بھی تو کرنی ہوگی۔ بچوں کا دودھ' سیریلیک' کپڑے کچھ بھی تو ساتھ....."
"دودھ' سیریلیک ذہین سے ابھی منگوا لیتے ہیں بازار سے۔" بجیا نے کہا۔
"نہیں' بس اب گھر جائیں گے۔"
"ہم لوگ بھی بس اٹھ ہی رہے ہیں' ہمارے ساتھ چلیے' ڈراپ کر دیں گے آپ لوگوں کو۔" مسعود نے پیشکش کی۔
"نہیں نہیں رکشہ ٹیکسی کچھ لے لیں گے۔" جویا بولی۔
"بچے سو گئے ہیں ان کے ساتھ پریشانی ہوگی۔"
"ہاں' پریشانی تو ہوگی۔" یقین نے کہا۔
"ذہین بیٹے! تم چھوڑ آؤ بھائی بھابی کو۔" ببا نے تاڑ لیا کہ جویا مسعود اور نزہت کے ساتھ جانے سے گریزاں تھی۔
"او کے ببا۔ چلیے جناب' شوفر حاضر ہے۔"
جویا نے ذہین کے ساتھ جانے میں تردد نہ کیا۔
ان کے جانے کے بعد مسعود نے شاکی لہجے میں کہا۔ "ہمارے ساتھ جانے میں کیا عار تھا جویا بھابی کو؟"
"مسعود میاں! بہو آپ کو تکلیف نہیں دینا چاہتی ہوں گی۔" ببا بولے۔
"ہمارے ببا جیسے سسر تو خدا سب کو دے۔" نگہت نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا پھر استہزائیہ انداز میں بولی۔ "بھور بن! اپرل کانٹی نینٹل!" اور طنز سے ہنس دی۔
بجیا نے اسے دیکھا اور نظریں جھکا لیں۔
اس کا استہزائیہ لہجہ اور طنزیہ ہنسی انہیں ذرا اچھی نہ لگی تھی۔
دو تین روز بعد فرزین کا فون آ گیا۔
اس کا جہاز اسباب برداری کے لیے کسی بندرگاہ پر ٹھہرا ہوا تھا اور وہ موقعے سے فائدہ اٹھاتے

ہوئے اپنے کولیگز کے ساتھ گھومنے پھرنے اور خریداری کے لیے نکلا ہوا تھا۔ وہیں کسی پبلک ٹیلی فون بوتھ سے اس نے گھر فون کیا تھا۔

اس کی کال بجیا نے ریسیو کی۔

سلام دعا کے بعد اس نے امی اور بابا سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو بجیا نے بتایا۔ "بابا تو باہر گئے ہوئے ہیں۔ امی کو بلاتی ہوں میں لیکن...... پہلے ایک خبر سن لو۔"

"سنائیے۔"

"زویا کی شادی ہوگئی۔"

فرزین کو جھٹکا سا لگا۔

"چپ کیوں ہوگئے!"

بجیا کی سماعت کو یوں محسوس ہوا جیسے اس نے گھٹی گھٹی سی سرد آہ کھینچی ہو۔

"یہ نہیں پوچھو گے کہ کب' کیسے اور کس سے ہوئی؟"

وہ بدستور خاموش رہا۔

"اوکے نہیں جاننا چاہتے تو نہ سہی لیکن ایک بات بتاؤ' افسوس ہوا تمہیں؟"

اس نے کھل کر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بولا۔ "جو چیز ہماری نہ ہو' اس کے جانے کا غم کیا معنی رکھتا ہے۔"

"ہماری ہوسکتی تھی اگر جویا نے الجھنیں نہ کھڑی کردی ہوتیں۔"

"بہر حال......" اس نے پھر گھٹی گھٹی سی سرد آہ کھینچی۔

تبھی امی آ پہنچیں۔

بجیا نے امی کی طرف دیکھتے ہوئے فرزین سے کہا۔ "لو امی بلائے بغیر ہی آ پہنچیں۔" پھر امی کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔ "فرزین کا فون ہے امی۔"

"اچھا...... اچھا" امی بے تابانہ آگے بڑھیں۔

اور فرزین ہزاروں میل دور ایک اجنبی دیس کی سرزمین پر کھڑا سوچ رہا تھا۔ "اگر جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں اور میری قسمت میں یہ اور اس کی قسمت میں وہ لکھا تھا تو......؟......!"

تو کے بعد بہت سے سوالیہ اور استعجابیہ نشان تھے۔

اور امی ریسیور کان سے لگائے بہت محبت سے پوچھ رہی تھیں۔ "ہاں بیٹے کیسے ہو؟"

شاید وہ زویا کا خیال دل میں بسا کے اتنا مسرور نہ ہوا تھا۔

شاید وہ اس سے شادی کی خواہش کا اظہار کر کے اس عہد کو نبھا نہ کر سکنے پر اتنا نہ پچھتایا تھا۔

شاید وہ اسے پا نہ سکنے پر اتنا ملول نہ ہوا تھا۔

جتنا وہ اس کی شادی کی خبر سن کر دل گرفتہ ہو رہا تھا۔

بجیا کی اس بات کی بازگشت اسے رنجور کیے دے رہی تھی کہ زویا اس کی ہوسکتی تھی اگر جویا نے الجھنیں نہ کھڑی کردی ہوتیں۔

امی پیار بھرے لہجے میں اسے بتا رہی تھیں۔ "تمہارے بابا کارڈز لینے گئے ہوئے ہیں۔ آج ان شاء اللہ مل جائیں گے۔"

سمندروں کے راہی کو ٹیلی فون بوتھ سے باہر کی دنیا دھندلی دھندلی سی لگ رہی تھی۔

☆=====☆=====☆

گھر بھر میں بجیا کا خط سب سے عمدہ اور پختہ تھا۔ سو دعوت ناموں پر مدعوئین کے اسمائے گرامی لکھنا انہی کی ذمے داری ٹھہری۔

لکھنے کو تو سارے دعوت ناموں پر ایک دن میں بھی نام لکھے جاسکتے تھے مگر بجیا غیر معمولی نفاست سے لکھنا چاہتی تھیں۔

تقریباً چھ سو مہمانوں کی فہرست تیار ہوئی تھی۔ امی نے کہا پچاس کارڈز بھی روز لکھے گئے تو بارہ دن لگ جائیں گے۔

مگر بجیا نے تین چار شاموں میں یہ کام نہایت عمدگی سے نمٹا دیا۔

اس کام کے دوران دل کے کسی گوشے میں بار بار یہ خواہش سر اٹھاتی رہی کہ ایک دعوت نامہ کرنل معظم اور ان کی فیملی کے نام بھی لکھ دیا جائے۔

مگر بابا کی فہرست میں کرنل معظم اور ان کی فیملی کہاں درج تھی۔

بجیا جتنے کارڈز لکھتیں' بابا انہیں اپنی فہرست سے ملاتے۔

کرنل معظم کا نام دیکھ کر وہ ان کا محل وقوع اور حدود اربعہ ضرور پوچھتے۔

ان کے نام دعوت نامہ لکھنے سے پہلے ان کا تعارف کرانا ضروری تھا۔

مگر کیسے؟

یہ سوال بجیا کے لیے دعوت فکر بنا ہوا تھا۔

☆=====☆=====☆

بھوربن سے زویا نے دو مرتبہ فون کیا۔

پھر سوات سے فون آیا کہ کاغان اور ہنزہ وغیرہ کا پروگرام ہے' فون نہ کر پائیں تو فکر نہ کی جائے۔ سوات سے اس فون کے بعد ہفتہ عشرہ گھر والے بالکل مطمئن رہے۔

مگر جب دوسرا ہفتہ بھی تمام ہونے لگا تو تشویش شروع ہوئی۔

فہیم کے گھر اور شوروم کے ملازمین سے استفسار کرنے پر معلوم ہوا کہ ان لوگوں کو بھی کوئی اطلاع نہ تھی۔

گھر والے تشویش میں پڑ گئے۔ اماں کو ہول آنے لگا۔

"اللہ نہ کرے' کوئی پریشانی نہ ہوگئی ہو۔"

ابا فہیم کے گھر خود گئے۔

بنگلہ دیشی ملازم نے کہا۔ "کوئی کھو بر نہیں شوب۔"

وہ بے چارہ خود بھی پریشان لگ رہا تھا۔

ابا شوروم پر گئے تو سیلز مین بولے۔ "نہیں بڑے صاحب' کوئی اطلاع نہیں۔"

گھر والوں کی تشویش باہر والوں پر بھی عیاں ہونے لگی۔

اماں' ابا' بہنیں' بہنوئی' بھائی بھابی بھی فکرمند تھے۔

ایسا بھی کیا ہنی مون کہ ہنی مون پر جانے والے اپنی خیر و عافیت ہی دینا بھول جائیں۔

اماں کا دل گواہی دے رہا تھا کہ کوئی بات ضرور تھی جو خبر نہ مل رہی تھی۔ زویا ایسی بے پرواہ اور غیر ذمے دار تو ہرگز نہ تھی۔

اٹھتے بیٹھتے اماں کے دل سے ایک ہی دعا نکلتی کہ دونوں خیریت سے ہوں۔

جویا جو زویا کے مجبور بن جانے اور پرل کانٹی نینٹل میں قیام کرنے کی خبر سنانے رات ہی کو سسرال جا پہنچی تھی' ان دنوں سسرال کا رخ کرتے بھی ہچکچا رہی تھی۔ تاہم یقین کے ذریعے ان لوگوں کو جویا کے گھر والوں کی پریشانی کی اطلاع مل چکی تھی۔

جویا کی کولیگز زویا کی خیریت پوچھتیں تو وہ مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہتی۔ "ہنی مون پر گئے ہوئے ہیں دونوں۔"

پھر ایک روز خبر مل گئی۔

ٹیلی فون کال بھابی نے ریسیو کی۔

"محترمہ! ذرا ہولڈ کریں۔ اسلام آباد سے کال ہے۔" ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

"کس کا فون ہے؟" اماں جن کے کان ان دنوں فون پر لگے رہتے تھے' نزدیک آ کھڑی ہوئیں۔

"کوئی مرد ہے۔" یہ کہتے ہوئے بھابی نے ریسیور اماں کو تھما دیا۔

"ہیلو!" گھٹی گھٹی سی زنانہ آواز آئی۔

"ہیلو!"

"اماں!"

"زویا!"

"جی۔"

"کہاں ہو چندا؟ کیسی ہو؟ ایسی بھی کیا بے پرواہی کہ اتنے دن تک فون نہیں کیا۔"

"اماں...... اماں۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"کیا ہوا؟ کیا ہوا؟ بیٹا کیا بات ہے؟ رو کیوں رہی ہو؟" اماں پر ناقابل بیان اضطراب طاری ہو گیا۔

"اماں' کسی کو بھیجیں۔ جلدی بھیجیں یہاں۔"

"کہاں میرے بچے؟"

"یہاں اسلام آباد۔"

"تم پریشان کیوں ہو میری لال؟ فہیم کہاں ہیں؟"

"اماں...... اماں...... وہ...... وہ...... میرا سارا زیور...... سارے پیسے لے گئے اور مجھے ہوٹل میں اکیلی چھوڑ گئے۔ اماں...... بالکل اکیلی۔"

اماں کو یوں لگا جیسے وہ بے ہوش ہونے والی تھیں۔

"کیا کہا! زیور' پیسہ سب لے گیا!" اماں متوحش نظر آنے لگیں۔

"کیا بات ہے اماں؟" بھابی نے اماں کو پریشان دیکھ کر پوچھا۔

اماں کا سر گھوم رہا تھا۔

ان کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھایا جا رہا تھا۔

"ذرا...... ذرا...... سننا تو......" اماں نے ریسیور بھابی کی طرف بڑھایا اور خود چکرا کر نیچے بیٹھتی چلی گئیں۔

☆======☆======☆

سارہ آپا اور بھیا اسی روز ہوائی جہاز سے اسلام آباد روانہ ہو گئے اور ایئرپورٹ سے سیدھے اس ہوٹل پہنچے جہاں سے زویا نے فون کیا تھا۔

وہ ایک اوسط درجے کا رہائشی ہوٹل تھا۔

زویا انہیں عجیب حال میں ملی۔

لباس ملگجا۔

بال منتشر۔

آنکھیں رو رو کر سوجی ہوئی۔

ہونٹوں پر پپڑیاں۔

چہرے پر وحشت۔

جس وقت آپا اور بھیا وہاں پہنچے' مقامی پولیس کے دو اہلکار' ہوٹل منیجر اور دو تین ملازمین کی موجودگی میں زویا سے پوچھ گچھ کر رہے تھے اور وہ انتہائی متوحش نظر آ رہی تھی۔

آپا اور بھیا کو دیکھتے ہی وہ بلک بلک کر رو پڑی۔

آپا نے اسے سینے سے لگا لیا۔

بھیا کو افسوس جو تھا سو تھا' اجنبی لوگوں کے سامنے شرمندگی اور کوفت الگ ہو رہی تھی۔

لوگوں کی نگاہوں میں ہمدردی کم استہزائیہ کیفیت زیادہ تھی۔

پولیس انسپکٹر نے آپا اور بھیا سے بھی پوچھ گچھ شروع کر دی اور جس قسم کے سوالات کیے ان سے یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ زویا کو ایسی ویسی لڑکی سمجھ رہے تھے۔

"نکاح نامہ لائے ہیں جی آپ لوگ ان کا اپنے ساتھ؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"جی نہیں۔" بھیا نے جواب دیا۔

"تو اب آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص آپ کی ہمشیرہ محترمہ کے ساتھ اس ہوٹل میں مقیم تھا اور جس

کے بارے میں اس ہوٹل کی انتظامیہ نے رپورٹ درج کرائی ہے کہ وہ اپنی بیوی کے زیورات اور رقم کے ساتھ ہوٹل سے غائب ہے واقعی آپ کی ہمشیرہ کا شوہر تھا۔"

بھیا پانی پانی ہو کر رہ گئے۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" بھیا نے قدرے ناگواری سے کہا۔

"دیکھیں جی زمانہ بڑا خراب ہے۔ لڑکیاں اپنے گھروں سے زیور پیسہ لے کر اکثر فرار ہو جاتی ہیں اپنے چاہنے والوں کے ساتھ۔" انسپکٹر بھیا کے قریب ہوتے ہوئے رازداری سے بولا۔ "ایسی تو کوئی بات نہیں تھی؟"

"جی نہیں۔"

"ناراض کیوں ہوتے ہیں جناب۔ ہم تو تفتیش کر رہے ہیں اور تفتیش میں ہر طرح کا سوال پوچھا جا سکتا ہے۔" دوسرے اہلکار نے کہا۔

زویا آپا کے سینے سے لگی ہنوز رو رہی تھی۔

"شادی آپ لوگوں کی مرضی سے ہوئی تھی؟" انسپکٹر نے چبھتی ہوئی نظروں سے بھیا کو دیکھا۔

"جی ہاں۔"

"لڑکا آپ کا رشتے دار تھا؟"

"جی نہیں۔"

"آپ لوگ واقف تھے اس سے؟"

"جی..... بس جب رشتہ ہوا تبھی واقفیت ہوئی۔"

"پیچھے رہنے والا کدھر کا تھا وہ۔ میرا مطلب ہے گھر کدھر ہے اس کا؟"

"وہیں کراچی میں۔"

"کرتا کیا ہے؟"

"اپنا بزنس ہے۔"

"کیسا بزنس ہے۔"

"شوروم ہے فریج' ڈیپ فریزر' واشنگ مشین وغیرہ کا۔"

"مار دیے!" باوردی سپاہی نے بے ساختہ کہا۔

انسپکٹر نے تنبیہی نظروں سے اسے دیکھا۔

وہ محتاط نظر آنے لگا۔

انسپکٹر نے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر باندھتے ہوئے کہا۔ "جب گھر ہے اس کا ٹھیک ٹھاک بزنس ہے اور شادی کی ہے اس نے آپ کی ہمشیرہ سے تو اسے بیوی کے زیور اور رقم وغیرہ لے کر فرار ہونے کی کیا ضرورت!"

"سر جی! مینوں تے ایہہ کوئی ہور ای چکر لگدا اے۔" دوسرے نے کہا۔

"ہوں!" انسپکٹر نے ایک گہری سانس کھینچی اور زویا کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"بی بی تمہارا اپنے خاوند سے کوئی جھگڑا شکوہ تو نہیں ہوا تھا؟"

زویا سہمی ہوئی چڑیا کی طرح آپا کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔

"بتاؤ زویا۔" آپا نے کہا۔

"نہیں..... کوئی جھگڑا وگڑا نہیں ہوا تھا۔" زویا نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

انسپکٹر نے ہوٹل منیجر کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "یہ لوگ کب آ کر ٹھہرے تھے آپ کے ہوٹل میں؟"

"آج تیسرا دن ہے جی۔"

"کوئی اور بندہ بھی آتے جاتے دیکھا' آپ نے ان کے کمرے میں؟"

منیجر تذبذب میں پڑ گیا۔

"سر جی! لوگ تو آتے جاتے ہی رہتے ہیں' سانوں کی پتا جی' کون بندہ کس کمرے وچ گیا ہے۔ سر جی اسی کمرے کرائے تے دینے آں۔ سروس دیتے ہیں' کسٹمروں کے کمروں میں نہیں نا جھانکتے ہم۔"

"ہوں!" پولیس افسر نے ایک معنی خیز ہنکاری بھری پھر بھیا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "دیکھیں جی' منیجر صاحب نے تو یہ رپورٹ درج کرائی ہے کہ اس اس نام کے مرد اور عورت نے اس ہوٹل میں ایک کمرا لیا۔ دو دن رہے اور تیسرے دن سویرے سویرے لڑکی نے رولا ڈال دیا کہ اس کا خاوند غائب ہے اور اس کے زیورات اور پیسے ٹیسے بھی نہیں ہیں۔ دیکھیں جی' اصل بات کچھ اور بھی ہو سکتی ہے۔ کوئی تیسرا بندہ بھی ملوث ہو سکتا ہے اس معاملے میں۔ وہ جو آپ کی ہمشیرہ کا بقول آپ کے خاوند ہے' اس کے گھر والے کہہ سکتے ہیں کہ ان کا بندہ غائب ہے اور مال بھی۔ سمجھ رہے ہیں نا جی' آپ میری بات؟"

"وہ اکیلا ہے۔ کوئی نہیں ہے اس کا۔" آپا نے کہا۔

"کوئی نہ کوئی تو ہو گا نا جی۔"

"کوئی نہیں ہے۔"

"بندے آسمانوں سے تو نہیں نا ٹپکتے جی۔ کوئی تو ہو گا ضرور اس کے آگے پیچھے۔"

"ہوٹل کا تین دن کا بل بھی دینا ہے جی۔" منیجر نے کہا۔

"آپ اس کی فکر نہ کریں' وہ ادا کر دیں گے۔" بھیا نے کہا۔

"وہ تو ادا کر دیں گے پر جی بندہ کدھروں آئے گا۔" پولیس کے دوسرے اہلکار نے کہا۔

"آپ تلاش کریں۔" بھیا نے کہا۔

"ہاں جی' کریں گے۔" پولیس افسر نے بھیا' آپا اور زویا کو گہری نگاہوں سے دیکھ کر چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اور یہ بھی دیکھیں گے کہ بندہ فرار ہوا ہے یا اسے غائب کرا دیا گیا ہے۔"

سارہ آپا کو اماں کی عاقبت نااندیشی پر تاسف ہو رہا تھا۔

انہیں اپنے اور پرائے باقی گھر والوں پر بھی غصہ آ رہا تھا کہ کیوں سب آنکھیں بند کر کے اماں

کے پیچھے چل پڑے تھے۔

کیوں ان کے آگے گھٹنے ٹیک دیے!

کیوں سوچنے سمجھنے کی زحمت گوارا نہ کی!

کیوں اتنی جلد بازی کا مظاہرہ کیا' زدیا کی شادی میں!

انہیں یاد آ رہا تھا کہ جب انہوں نے بری کے زیورات پر مصنوعی ہونے کا شک ظاہر کیا تو اماں نے کہا تھا' اتنے بڑے گھر اور اتنے بڑے کاروبار کا مالک تو کھوٹ والا زیور نہیں لا سکتا۔ دھوکا کیا ہے تو سنار ہی نے کیا ہوگا۔

آپا پچھتا رہی تھیں کہ کاش اس وقت وہ ساری مصلحتوں کو پسِ پشت ڈال کر ڈٹ گئی ہوتیں۔

کیا پتا' وہ بڑا سا گھر اور کاروبار بھی اس کا تھا یا نہیں!

اس ذلت اور شرمندگی سے قطع نظر جو ایک دوسرے شہر میں انہیں اجنبیوں کے سامنے ہو رہی تھی' زدیا کی بربادی کا خیال آپا کے لیے زیادہ روح فرسا تھا!

کیا دیکھا تھا' ابھی زدیا نے اس دنیا میں!

بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی اور سب کی لاڈلی بھی تھی وہ۔

کل تک اس کی آنکھوں میں جگنوؤں کی سی چمک تھی۔

مگر آج اس کی آنکھوں میں آنسو لرزاں تھے۔

کل تک اس کے لبوں پر بڑی جاں فزا مسکراہٹ کھیلا کرتی تھی۔

مگر آج اس کے لب اس کی بربادی پر ماتم کناں تھے!

کل تک وہ ایک لاابالی اور بے فکری سی لڑکی ہوا کرتی تھی۔

مگر آج اس کا چہرہ ایک خانماں برباد محزون عورت کا چہرہ تھا۔

ہوٹل کا بل بھیا نے اسی وقت ادا کر دیا۔

زدیا نے بھیگی ہوئی آواز میں بتایا کہ فہیم اسے کاغان تک لے گیا تھا اور وہاں سے اس نے یک بیک اسلام آباد واپسی کا پروگرام بنا ڈالا تھا۔ اسلام آباد آ کر وہ اس ہوٹل میں مقیم ہوئے تھے اور اس صبح جب وہ نیند سے جاگی تو دروازہ اندر کی بجائے باہر سے بند تھا اور فہیم اس کے تمام زیورات اور اس باقی ماندہ رقم کے ساتھ فرار ہو چکا تھا جو اس نے کراچی سے روانگی سے قبل اس کے حوالے کر دی تھی۔ اپنے سرہانے سے زدیا کو ایک رقعہ ملا تھا جس پر لکھا تھا۔

''تمہارے ساتھ جو وقت گزرا بہت اچھا گزرا۔ میں جا رہا ہوں۔ مجھے تلاش کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ فہیم۔''

زدیا نے یہ رقعہ پولیس والوں کو دکھایا تھا مگر انہوں نے یہ کہہ کر زدیا کو مزید پریشان کر دیا تھا کہ اس بات کا کیا ثبوت کہ یہ رقعہ جانے والے کے ہاتھ ہی کا لکھا ہوا تھا۔

بھیا اور سارہ آپا نہ آ گئے ہوتے تو پولیس اہلکاروں کی پوچھ گچھ اسے نہ جانے کس حد تک متوحش کر دیتی۔

خوش قسمتی سے سارہ آپا کا ہیڈ آفس اسلام آباد میں تھا۔ اپنے افسرانِ بالا کے اثر و رسوخ سے آپا نے پولیس سے گلو خلاصی کرائی۔

بہت کام آئی اس وقت ان کی نوکری!

زدیا کو ساتھ لے کر سارہ آپا اور بھیا اسلام آباد سے کراچی روانہ ہوئے تو ٹیک آف کے بعد جہاز کی کھڑکی سے باہر اور نیچے دیکھتے ہوئے زدیا کی آنکھیں بھر آئیں۔

فہیم کے ساتھ کراچی سے اسلام آباد روانہ ہوتے وقت وہ کتنی خوش تھی۔ دنیا جہان کی مسرتیں اسے اپنے دامن میں سمٹی محسوس ہوئی تھیں۔

مگر آج...... اس کا دامن آنسوؤں سے تر تھا۔

جہاز کے اندر باہر ہر طرف اداسی اور وحشت پھیلی ہوئی تھی۔

زندگی اسے بے کیف لگ رہی تھی۔

دنیا ایک دھوکا' ایک سراب معلوم ہو رہی تھی اسے۔

فہیم کی طرح!

کیسا بے اعتبار ثابت ہوا تھا وہ!

کیا چہرے اتنا دھوکا بھی دے سکتے ہیں۔

کیا باتیں اس حد تک بھی جھوٹ ہو سکتی ہیں۔

جاگتی آنکھوں چند ہی دنوں میں کتنے دلفریب اور جاں فزا خواب دکھائے تھے اس نے اسے' کیا دھنک رنگ خوابوں کی تعبیر اتنی بھیانک اور دلدوز بھی ہو سکتی ہے۔

اس نے تو زندگی بھر عہد نبھانے کا اقرار کیا تھا۔

شرعی اور سماجی ہر دو اعتبار سے وہ اس کا جیون ساتھی بنا تھا۔

اس بندھن کو اتنی بیدردی سے توڑ کر وہ دنیا پر اس کا اعتماد کیوں متزلزل کر گیا تھا۔

زدیا کے سینے میں دکھ اور دہشت کا دھواں پھیلا ہوا تھا۔

اس کی آنکھوں میں برکھا کی اندھیری شام کی سی یاسیت تھی۔

اور دل یوں ڈوبا جا رہا تھا جیسے طوفانی لہروں میں کوئی بے پتوار ناؤ!

☆=====☆=====☆

بھیا اور سارہ آپا کی ہنگامی طور پر اسلام آباد روانگی کے بعد ابا نے طارق کو بلایا اور صورت حال اس کے گوش گزار کر کے اس کے ہمراہ فہیم کے گھر پہنچے۔

طارق بیوی کے ہاتھوں گھر والوں سے کتنا ہی دور اور بے تعلق سہی مگر تھا تو بھائی۔

رنج اور طیش کی کیفیت میں اس نے فہیم کے گھریلو ملازم سے ذرا ڈپٹ کر فہیم کی بابت پوچھا۔

''شوب! ہم کو کچھ کھو بر نئیں۔'' ملازم سہم کر بولا۔

''تم فہیم صاحب کے پاس کب سے ملازمت کر رہے ہو؟''

''شوب' ہم فہیم شوب کا نئیں' اپنا شولامت شوب کا ملازم ہے۔''

''شولامت!''

''سلامت کہہ رہا ہے شاید۔''

''سلامت؟'' طارق نے تائید طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے استفہامیہ لہجے میں کہا۔

''جی۔''

''سلامت کون ہے؟''

''اس گھور کا مالک شوب۔''

ابا اور طارق چونکے۔

''اس گھر کا مالک!'' طارق نے کہا۔ ''کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا یہ فہیم صاحب کا گھر نہیں ہے؟''

''نہیں شوب۔ گھور تو یہ شولامت شوب کا ہے۔ فہیم شوب تو شولامت شوب کی دکان پر مولازم ہے۔''

''سلامت صاحب کہاں رہتے ہیں؟''

''شورجہ میں۔''

''شارجہ؟''

''جی۔''

''شوروم کس کا ہے؟''

''شولامت شوب کا۔''

''پہلے کیوں نہیں بتایا تم نے۔''

شوب پہلا کسی نے پوچھا نہیں ہم سے فہیم شوب نے اپنا شے بولا تھا شوب لوگ کو یہی بولنا گھور فہیم شوب کا ہے۔''

ابا اور طارق شوروم پر سیلزمینوں سے باز پرس کے لیے پہنچے اور طارق نے انہیں پولیس کے حوالے کرنے کی دھمکی دی تو وہ قبول گئے کہ فہیم شوروم کا مالک نہیں تھا۔ شوروم کا اصل مالک سلامت نامی شخص تھا جو شارجہ میں رہتا تھا۔ سلامت علی کا گھر کچھ عرصہ قبل ہی بن کر تیار ہوا تھا۔ گھر اور شوروم دونوں کی نگرانی سلامت علی کا چھوٹا بھائی ریاست علی کرتا تھا۔ فہیم بھی شوروم پر ملازمت کرتا تھا۔ ریاست علی کچھ عرصے کے لیے شارجہ گیا ہوا تھا اور فہیم کو عارضی طور پر گھر اور شوروم کی نگرانی کی ذمے داری سونپ گیا تھا۔

طارق نے سیلزمینوں سے فہیم کے اپنے گھر والوں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔

''جب ہم لوگ پہلی بار یہاں آئے تھے تو تم لوگوں نے اس وقت ہمیں کیوں نہیں بتائی یہ بات؟'' ابا نے ان سے کہا۔

''بڑے صاحب! ایک تو آپ لوگوں نے پوچھا نہیں ہم سے' دوسرے فہیم صاحب نے ہمیں دھمکی دے رکھی تھی کہ اگر ہم نے کسی کے سامنے کوئی الٹی سیدھی بات کی تو ہماری نوکری جاتی رہے گی۔''

دونوں ملازموں نے انکشاف کیا کہ فہیم نے ریاست علی کے جاتے ہی اپنی شادی کا چکر چلا دیا تھا اور اس سلسلے میں ایک وہی نہیں اور بھی بہت سے لوگ آئے تھے شوروم پر لیکن ان کی قسمت اچھی تھی کہ وہ پھنسنے سے بچ گئے۔

''سلامت علی کا شارجہ کا کوئی نمبر ہے تمہارے پاس؟'' طارق نے پوچھا۔

''نہیں صاحب' ہمارے پاس نہیں ہے۔ ہمیں ضرورت ہی نہیں پڑتی کبھی۔ ہمارا واسطہ تو ریاست صاحب سے رہتا ہے۔''

ابا کو ان لوگوں کی خوش قسمتی پر رشک آ رہا تھا جو بقول شوروم کے ملازمین کے فہیم کے چکر میں آنے سے بچ گئے تھے۔

شوروم سے واپس لوٹتے ہوئے ابا نے طارق سے کہا۔ ''یہ سب تمہاری ماں کا کیا دھرا ہے۔''

''معاف کیجیے گا ابا۔'' طارق نے کہا۔ ''آپ بھی خود کو بری الذمہ قرار نہیں دے سکتے۔ لڑکے کا گھر اور کاروبار تو آپ لوگوں نے باجماعت جا کر دیکھا تھا۔ آپ نے اچھی طرح پوچھ گچھ کیوں نہیں کی۔''

''طارق بیٹے۔ ایسا تیز لڑکا تھا وہ کہ اس نے ہمیں اپنے بارے میں کسی شک وشبے میں مبتلا ہونے ہی نہیں دیا۔ گھر گئے تو کہنے لگا' آپ آس پڑوس میں جس سے پوچھ گچھ کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ دکان پر گئے تو بھی اس نے یہی بات کی کہ آپ آس پاس کی دکانوں سے پوچھ گچھ کر کے اپنا اطمینان کرنا چاہیں تو شوق سے کیجیے۔ جب ایک شخص خود اپنے بارے میں پوچھ گچھ کی دعوت دے تو آپ اس پر کس طرح شک کر سکتے ہیں۔''

''ٹھیک کہتے ہیں آپ لیکن ابا' یہ زندگی بھر کے معاملات ہوتے ہیں۔ ان معاملات میں خوب اچھی طرح اطمینان کیا جانا چاہیے۔''

''درست کہتے ہو بیٹے لیکن بدقسمتی شاید اسی کا نام ہے کہ آدمی آنکھیں رکھتے ہوئے بھی اندھا ہو جائے۔ ہم بھی اندھے ہو گئے اور ہم نے بچی کا مقدر پھوڑ دیا۔'' ابا پر رنج و یاسیت کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ رونے لگے۔

طارق نے اسٹیئرنگ پر سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے ابا کو دلاسا دیا۔ ''بس ابا صبر کریں۔''

''کسی کو منہ دکھانے کا نہیں رہا۔'' ابا نے بوجھل آواز میں کہا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ابا۔ ہم نے دھوکا دیا نہیں' دھوکا کھایا ہے۔ ہم ظالم نہیں' مظلوم ہیں۔ مجرم نہیں' معصوم ہیں۔ منہ تو اس کمینے شخص کو نہیں دکھانا چاہیے دنیا کو جو ہمیں دھوکا دے گیا ہے اور ہماری معصوم بہن کی زندگی سے کھیل گیا ہے۔ میرے سامنے آ جائے تو میں خون پی جاؤں گا اس کا۔''

ابا اور طارق گھر پہنچے تو اماں' بھائی' جویا اور یقین یوں بیٹھے تھے جیسے گھر میں خدانخواستہ میت ہو گئی ہو۔

جویا کا صبح شام گھر آنا جانا تھا اس لیے یقین سے پردہ رکھنا مشکل تھا۔

زہرا کو اماں نے فون پر آہستہ سے یہ منحوس خبر سنا دی تھی مگر ساتھ ہی ہدایت کر دی تھی کہ جب تک پوری صورت حال کھل کر سامنے نہ آ جائے وہ ارشاد کو بھی نہ بتائے ورنہ وہ اماں بہنوں سے کہے گا اور وہ پورے خاندان میں پھیلائیں گی اور مذاق اُڑائیں گی۔

"کیا ہوا ابا؟ کچھ پتا چلا؟" جویا نے پوچھا۔

ابا ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بیٹھ گئے اور طارق نے گھر اور شوروم سے حاصل کردہ معلومات بیان کرنا شروع کیں۔

"یہ سب تمہاری جلد بازی اور ضد کی وجہ سے ہوا۔" اماں کو غصے سے دیکھتے ہوئے ابا شدت جذبات سے کانپنے لگے۔

زندگی میں شاید پہلی مرتبہ اماں نے اپنے دفاع میں کچھ نہیں کہا' بس ٹکر ٹکر ابا کو دیکھا۔

"بہت تلاش تھی نا' تمہیں اکیلے لڑکے کی۔ بتاؤ' کہاں ڈھونڈیں اسے؟ کس سے پوچھیں اس کا اتا پتا؟"

"ہو سکتا ہے' دکان کے اصل مالک کے بھائی کے پاس اس کا کچھ اتا پتا ہو۔" یقین بولا۔

"نہیں۔" طارق نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "دونوں سیلز مین بتا رہے تھے کہ وہ چند ماہ قبل ہی دکان پر ملازم ہوا تھا اور اس نے دیکھتے ہی دیکھتے دکان کے مالک کے بھائی کو اس قدر شیشے میں اتار لیا تھا کہ وہ اس پر اتنا اعتماد کرنے لگا تھا کہ بھائی کے پاس جاتے ہوئے شوروم اور گھر اس کی نگرانی میں چھوڑ گیا۔"

"اب ہوگا کیا؟" جویا نے انتہائی فکر مندی سے کہا۔

طارق نے ایک گہری سانس کھینچی۔

"خدا جانے زویا کس حال میں ہوگی۔" جویا نے دلگیر لہجے میں کہا۔

"اس کے حق میں غلطی ہم سبھی سے ہوئی ہے مگر اس کی بربادی کی زیادہ ذمے دار یہ ہیں۔ یہ۔"

ابا نے اماں کی طرف انگلی اٹھائی۔

اماں کچھ نہیں بولیں۔

"اچھے بھلے رشتے آئے بچی کے مگر انہوں نے اس ضد میں لوٹا دیے کہ اکیلے لڑکے سے کروں گی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سب ہی اکیلے لڑکے ایسے ہوتے ہیں مگر اکیلوں کی بھی کسی حوالے سے تو پرکھ کی جائے۔"

"کہیے آج جی بھر کے برا کہیے مجھے۔" اماں دل شکستگی سے بولیں۔

"برا کہنے کی بات نہیں۔ تمہاری غلطی بتا رہا ہوں تمہیں۔" ابا نے توقف کیا پھر بولے۔

"رشتوں سے آباد گھر عذاب نہیں ہوتے۔ جن لڑکیوں کو رشتوں کا احترام کرنا آتا ہو وہ بھرے گھروں میں بھی خوبی سے گزارا کرتی ہیں۔ زویا میری بہت پیاری بچی تھی۔ اسے تو تم کتنی ہی بھری سسرال میں بیاہ دیتیں وہ گزارا کر لیتی۔ اپنی بے جا ضد کی خاطر تم نے بچی کی زندگی برباد کر دی۔"

اماں بدستور چپ رہیں۔

اہلِ خانہ نے زندگی میں پہلی مرتبہ انہیں اتنا چپ دیکھا تھا۔

بھیا اور سارہ آپا' زویا کو اپنے ہمراہ لے کر کراچی پہنچے تو گھر میں صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی۔

اماں کا چہرہ بالکل ستا ہوا تھا۔

زویا کو اجاڑ اور سوگوار دیکھ کر سب دم بخود رہ گئے۔

جویا کو ایئرپورٹ پر اسے اور فہیم کو رخصت کرنے کا منظر یاد آنے لگا۔

کتنی خوش تھی وہ اس دن!

مگر آج......!

اُسے یقین بہت موقر سا محسوس ہوا۔

☆=====☆=====☆

زویا کی بدقسمتی کا قصہ باہر والوں سے بھی چھپایا نہ جا سکا۔

چھپایا جا بھی نہ سکتا تھا۔

اس کا مخزون چہرہ آپ اپنی بدنصیبی کی داستان سنا دیتا۔

وہ اگر بیوہ ہو جاتی تو بھی شاید اتنی سوگوار نہ ہوتی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی ویرانی اُمڈ آئی تھی۔

اماں اسے دیکھتیں تو ان کے دل میں ٹیسیں سی اٹھنے لگتیں۔

ابا اس کی بربادی کا ذمے دار اماں کو ٹھہراتے۔

بہنیں جو اسے سب سے چھوٹی ہونے کے ناتے پیار سے دیکھا کرتی تھیں اب ترحم آمیز نظروں سے اسے دیکھتیں۔

بہنوئی جو اس سے ہنسی مذاق اور چھیڑ چھاڑ رکھتے تھے ایسی احتیاط کا مظاہرہ کرتے جیسے وہ دنیا کی حساس ترین مخلوق ہو۔

بھائی اسے چپکے چپکے یاس و حسرت سے دیکھتے۔

بھابی اس پر ترس کھاتیں۔

نشاط بھی پرسہ دینے کے لیے آئی تھی۔

زہرا اور ارشاد کے توسط سے تایا کے گھر والوں کو پتا چلا تو وہ باجماعت اظہارِ افسوس کرنے آ گئے۔

جویا نے یقین کو پہلے ہی دن منع کر دیا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کو کچھ نہ بتائے۔

یقین نے غیر معمولی اپنائیت کا مظاہرہ کیا اور اماں سے ہر رنجش بھلا کر اور ان کی طرف سے اپنا دل صاف کر کے ان کی غمگساری کی۔

جویا کی دلداری کی۔

زویا کو دلاسہ دیا۔

اور جب جویا نے گھر والوں کو بتانے سے منع کیا تو اس نے برا مان کر یہ نہیں کہا کہ جب لوگوں کو پتا چل گیا ہے تو میرے گھر والوں سے پردہ کیوں بلکہ بڑے تحمل سے بولا۔ "ٹھیک ہے نہیں بتاؤں۔"

زویا کا دل رکھنے کے لیے وہ دامے، درمے، سخنے کوشش کر رہا تھا۔

جویا کو اس سے ایسے ہمدردانہ رویے کی امید ذرا نہ تھی۔

اماں کے ساتھ اس کا بدلا ہوا طرز عمل خاصا تعجب انگیز تھا۔

اگرچہ طلاق والے قصے کے بعد اماں سے اس کے تعلقات تو بحال ہو گئے تھے مگر کشیدگی پوری طرح دور نہ ہوئی تھی۔

اماں سے ہم کلام ہوتا تو نظریں چرا کر۔

بات کرتا تو اجنبیوں کی طرح۔

مگر زویا والے واقعے کے بعد اس کا طرز عمل یکسر بدل گیا تھا۔ اماں سے بیٹوں کی طرح ادب سے پیش آتا۔

ایک روز بولا "شوروم کا اصل مالک واپس آ لیے وہیں شارجہ سے۔ اس سے اتا پتا لے کر فہیم کو ڈھونڈ نکالنا مشکل نہیں ہوگا۔"

"کیا فائدہ ڈھونڈ نکالنے کا۔" اماں دل گرفتگی سے بولیں۔

"کیوں؟"

"موتی کی آب ایک بار جاتی ہے...... اس کی آب بھی جا چکی۔ اب اگر مل بھی گیا تو کیا۔"

یقین متذبذب نگاہوں سے اماں کو دیکھنے لگا۔

"اب اگر سونے کا بھی بن کر آ جائے وہ تو بے کار۔" اماں بولیں۔

"تو پھر زویا کا کیا ہوگا؟"

"ہونا کیا ہے بیٹے! اس بے چاری کی قسمت میں تو جو لکھا تھا ہو گیا۔ اور اچھا ہی ہے کہ جلدی ہو گیا۔ عمر بھر کے رونے سے چند دن کا رونا بہتر۔"

یقین اماں کی بات کا مطلب سمجھ تو گیا تاہم سلیس الفاظ میں توثیق اس نے جویا سے بھی چاہی۔

"اماں کا خیال ہے کہ زویا ذرا اپنے حواسوں میں آئے تو خلع لے لی جائے۔"

"خلع!"

"ہاں...... عدالت کے ذریعے۔"

اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بولا "برا مت ماننا، اماں نے زویا کے ساتھ بڑا ستم کیا ہے۔"

"ستم تو شاید ہم سب نے کیا ہے۔" وہ افسردہ لہجے میں بولی۔ "ایک انجان شخص پر آنکھ بند کر کے اعتبار کر لیا۔ اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گئے۔ اس کی ظاہری چمک دمک پر چلے گئے۔ ایک غلط

بات کو غلط سمجھتے ہوئے بھی اماں کی ناراضگی کے خوف سے اور ان کی خوشنودی کی خاطر غلط نہیں کہا۔ کاش ہم جرأت کر لیتے۔ اماں کا احترام اور ان کا خوف اپنی جگہ مگر والدین ہمیشہ ہی ہر بات صحیح تو نہیں کہتے، ہر قدم درست ہی تو نہیں اٹھاتے۔ انسان ہیں، غلطی ان سے بھی ہو سکتی ہے۔ اگر ہم نے اماں کے سامنے سر جھکانے کے بجائے ان کی مخالفت کی ہمت کر لی ہوتی تو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ اماں کی ہاں میں سب سے زیادہ ہاں تو میں نے ملائی۔ میں زویا کی مجرم ہوں۔" لحظہ بہ لحظہ اس کی آواز رندھتی چلی گئی۔

یقین نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

یہ وہ عورت تھی جو کسی اور کی زبان سے بھی اپنی ماں کے خلاف ایک لفظ سننا برداشت نہ کرتی تھی اور اگر سن لیتی تو مشتعل ہو جایا کرتی تھی۔

مگر آج......!

آج وہ خود اپنی زبان سے اپنی ماں کے خلاف بول رہی تھی۔

ماں کی غلطی کی نشاندہی کر رہی تھی۔

کھل کر کہہ رہی تھی کہ وہ غلط تھیں۔

اور زویا کے حق میں ایک غلط فیصلہ کر کے اس کی زندگی سے کھیل گئی تھیں۔

وہ ماں کو ہی نہیں اپنے آپ کو بھی مورد الزام ٹھہرا رہی تھی!

اعتراف کر رہی تھی کہ غلط کو غلط نہ کہہ کر اور اماں کی ہاں میں ہاں ملا کر اس نے زویا کے حق میں ایک ایسی غلطی کر دی تھی جس کے ازالے کی شاید اب کوئی صورت نہ تھی۔

جویا کے ایما پر یقین نے اپنے گھر والوں سے چند دن تک تو یہ قصہ چھپائے رکھا لیکن جب گھر والوں نے فرزین کی شادی کے دعوت نامے جویا کے میکے اماں ابا، تینوں بہنوں اور دونوں بھائیوں کو علیحدہ علیحدہ اور بہ نفس نفیس پہنچانے کا ارادہ کیا تو جویا نے بعد کی شرمندگی سے بچنے کے لیے سسرال والوں پر از خود یہ قصہ کھول دیا۔

سب دم بخود رہ گئے۔

"کیا لڑکے کے بارے میں کسی سے پوچھ گچھ نہیں کی تھی تمہارے گھر والوں نے؟" بابا نے جویا سے پوچھا۔

"جی...... گھر، کاروبار سب دیکھا تھا۔"

"لڑکے کے چال چلن کے بارے میں بھی تو اطمینان کیا ہوگا کسی سے؟"

"بس اسی سے بات چیت کی تھی۔"

"کسی اور سے نہیں پوچھ گچھ کی اس کے بارے میں۔ اس کے حسب نسب کے بارے میں؟" امی نے قدرے حیرانی سے کہا۔

جویا نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیوں؟" امی چونکیں۔

"اس نے اماں کو بڑی چالاکی سے اپنی چکنی چپڑی باتوں میں الجھالیا۔"

"اماں تو تمہاری بے چاری سیدھی سادی گھریلو عورت ہیں، گھر کے مردوں نے انکوائری نہیں کی اس کے بارے میں؟"

"بقول ابا کے اس نے اتنی دیدہ دلیری سے کہا کہ جس سے آپ کو پوچھ گچھ کرنی ہو کر لیں کہ اس پر فراڈی ہونے کا شبہ ہی نہیں ہوا کسی کو۔ جب ہم لوگ اس کے گھر گئے تو اس نے بڑے اطمینان سے کہا کہ آپ لوگ آس پڑوس میں جس سے چاہیں میرے بارے میں پوچھ گچھ کر سکتے ہیں۔ اس نے ذرا شک نہیں ہونے دیا ہمیں کہ وہ کوئی گیم کھیل رہا تھا۔"

"مانا کہ اس نے شک نہیں ہونے دیا مگر لڑکی کی ساری زندگی کا معاملہ تھا تم لوگوں کو آنکھ بند کر کے بھروسہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ماشاء اللہ باپ تھے، دو بھائی تھے، بہنوئی تھے۔ خیر سے پانچ مرد تھے۔ حیرت ہے کہ وہ ایک لڑکا پانچ تجربہ کار مردوں کی آنکھوں میں دھول جھونک گیا۔"

"بہت چالاک تھا وہ اور چرب زبان بھی۔"

"لاکھ چرب زبان اور چالاک سہی لیکن اگر تمہارے گھر کے ماشاء اللہ پانچ مردوں میں سے کسی ایک نے بھی اپنی ذمے داری کو اچھی طرح سمجھا ہوتا تو بچی کا مقدر یوں نہ پھوٹتا۔ تبھی یقین سے کہتیں چھان بین کرنے کو۔ بہنوئی بھائیوں کی جگہ ہوتے ہیں۔"

جویا نے ایک سرد آہ کھینچی پھر بولی۔ "ہماری اماں نے اتنی جلدی مچائی کہ کسی کو سوچنے کا موقع ہی نہ دیا۔"

"جلدی کا ہے کی تھی!"

جویا کے دل میں درد کی ایک لہر اٹھی۔

کیا بتاتی وہ ان لوگوں کو کہ اماں کو جلدی کا ہے کی تھی۔

کاش! وہ کہہ سکتی کہ اگر وہ لوگ زویا کو فرزین کے لئے مانگ لیتے تو یہ سب کچھ کیوں ہوا ہوتا۔

اس نے پھر ایک سرد آہ بھری اور گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔ "اماں زویا کا بوجھ جلد سے جلد اپنے سر سے اتارنا چاہتی تھیں۔"

"بوجھ!" پیا نے چونک کر کہا۔

"جی" وہ دھیرے سے بولی۔

"بوجھ!" پیا کے لہجے میں اب استعجاب تھا۔

"جی ہاں۔" جویا نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہاری والدہ زویا بیٹی کو بوجھ سمجھتی تھیں!"

"بیٹیاں بوجھ ہی تو ہوتی ہیں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"کون کہتا ہے!"

اس نے چونک کر پیا کی طرف دیکھا۔

"بیٹیوں کو بوجھ سمجھنا نادانی ہے۔ حماقت ہے۔"

وہ کو مگو نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"بیٹیاں بوجھ نہیں ہوتیں بہو۔" پیا نے کہا۔ "بیٹیاں تو بہت پیاری، میٹھی اور نازک مخلوق ہوتی ہیں۔"

"بس ان کا مقدر اچھا ہو۔" امی نے لقمہ دیا۔

پیا نے امی کی طرف دیکھا اور بولے۔ "والدین اور دیگر متعلقین کا کام ہے کہ بیٹیوں کو بہت محبت اور احتیاط سے ان کی منزل تک پہنچائیں۔ انہیں بوجھ سمجھ کر سر سے نہ پھینکیں۔ ان کی زندگی کے بارے میں جو فیصلہ کریں بہت دیکھ بھال کر کریں اور ایسا کوئی فیصلہ کرنے سے گریز کریں جس سے ان کو زندگی بھر کے لئے کوئی روگ لگ جانے کا احتمال ہو۔"

"جیسے بے چاری زویا کو لگ گیا۔" امی نے کہا۔

امی نے جو بات کہی ہمدردی میں کہی لیکن جویا کو نہ جانے کیوں ایسا لگا جیسے انہوں نے طنز کیا تھا۔ ادھار رکھنا اس کے مسلک میں ممنوع تھا سو وہ دبی زبان سے بولی۔ "جیسے مدحت بجیا کو بھی۔"

امی نے تڑپ کر اس کی طرف یوں دیکھا جیسے کسی پرانے زخم میں ٹیس سی اٹھی ہو۔

پیا نے دُزدیدہ نگاہوں سے دونوں کو دیکھا پھر بڑے تحمل سے بولے۔ "بہو! مدحت کے سلسلے میں ہم نے آنکھ بند کر کے فیصلہ نہیں کیا تھا۔ بہت سوچ سمجھ کر اور دیکھ بھال کے فیصلہ کیا تھا ہم نے...... لڑکے کی طرف سے ضامن ایک ایسا شخص تھا جس پر میں شاید اپنی ذات سے زیادہ بھروسہ کر سکتا تھا مگر......" پیا نے جو انتہائی...... دلگیر دکھائی دینے لگے تھے توقف کیا پھر بولے۔ "کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہماری ساری تدبیروں اور تمام تر احتیاط کے باوجود نتائج ہماری توقعات کے برخلاف بلکہ مایوس کن نکلتے ہیں اس میں ہماری تسلی کا سبب صرف ایک بات بنتی ہے اور وہ یہ کہ ہم نے بہتر نتائج کے حصول کے لئے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی...... مدحت کے ساتھ ہونے والی ٹریجڈی ہم سب کے لئے کتنی ہی تکلیف دہ اور دردانگیز کیوں نہ سہی لیکن ہمیں آج تک یہ پچھتاوا کبھی نہیں ہوا کہ اس کے حق میں ہم سے کوئی زیادتی سرزد ہو گئی...... مدحت کو بھی اپنی قسمت سے شکوہ ہو تو ہو، ہم سے اسے کسی زیادتی کا شکوہ نہیں۔"

امی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کہا۔ "ماسٹر صاحب! مدحت کو شکوہ ہو یا نہ ہو دکھ تو بہرحال ہے اور ہمیں بھی ہے۔"

"ہاں وہ تو ہے اور رہے گا۔" پیا نے تائید کی۔

"اولاد کا دکھ ماں باپ کے لئے بہت بڑا دکھ ہوتا ہے۔" امی بہت رنجیدہ نظر آتی تھیں۔

"بے شک......"

"اماں اور ابا کو بھی بہت صدمہ پہنچا ہے زویا کی طرف سے۔"

"یقیناً پہنچا ہوگا۔" پیا نے کہا۔

"اور دوسرا کوئی اور ان کے صدمے کی شدت کا شاید اندازہ بھی نہیں کر سکتا۔" امی بولیں۔

"اماں تو اٹھتے بیٹھتے ٹھنڈی سانسیں بھرتی ہیں اور یہی کہتی ہیں کہ میں زویا کی مجرم ہوں۔ میں

نے آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسے آگ میں دھکیل دیا۔" جویا تھکی پھر بولی۔ "اب یاد کرتے ہیں ہم لوگ اس کی باتیں اور اس کی حرکتیں تو اس کی ہر ہر بات مشکوک لگتی ہے۔ اس وقت تو ہم بھی کو نہ جانے کیا ہو گیا تھا۔ سب کی آنکھیں اور زبانیں جیسے بند ہو گئی تھیں۔ اب جو سنتا ہے وہ کہتا ہے ارے اس کی تو باتیں تم لوگوں کی زبانی سن کر ہی صاف لگتا ہے کہ وہ دھوکے باز تھا تم لوگوں نے اسے دیکھا تھا۔ دیکھ کر بھی نہیں سمجھے۔ جب بری آئی...... بری بھی کیا دو جوڑے اور ایک سیٹ تو سارہ آپا کو سیٹ امی ٹیشن لگا۔ انہوں نے اماں اور ہم دونوں بہنوں یعنی مجھ پر اور زہرا باجی پر اپنا شبہ ظاہر کیا مگر اماں بولیں اتنے بڑے گھر اور اتنے بڑے کاروبار کا مالک دھوکے باز نہیں ہو سکتا۔ دھوکا اگر کیا ہے تو سنار نے کیا ہوگا۔ اب روتی ہیں اماں کہ نہ جانے کیوں اس وقت آنکھوں پر پردے اور عقل پر پتھر پڑ گئے تھے۔"

"ہونی ایسے ہی ہوتی ہے۔" امی بولیں۔

"بہر حال بہو...... ہم سب اس صدمے میں تمہارے اور تمہارے اہلِ خانہ کے شریک ہیں...... خدا اس بچی پر رحم فرمائے۔ اسے اپنی پناہ میں رکھے۔" بیا نے کہا۔

"میرا تو دل کٹا جا رہا ہے اس خیال سے کہ اتنی سی عمر میں زویا پر ایسی افتاد پڑ گئی...... کیسے بھول پائے گی وہ اس صدمے کو۔" امی کی آواز رندھ گئی۔

جویا کا دل بھر آیا۔

اس نے اب تک یہ قصہ سسرال والوں سے اس لئے چھپا رکھا تھا مبادا وہ مذاق اڑائیں مگر امی اور بیا نے کتنی ہمدردی سے سنا تھا اور اظہارِ افسوس کیا تھا۔

اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

"بس بہو!" بیا نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے سر پر ہاتھ دھرتے ہوئے دلاسہ دیا۔ "جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ تمہارا فرض یہ ہے کہ بہن کو تسلی دو۔ اس کی غمگساری کرو۔"

"وہ بے چاری تو بے سدھ ہو گئی ہے۔"

"اللہ اسے صبر کی ہمت دے۔"

امی اور بیا کے تسلی بھرے الفاظ جویا کو نعمتِ غیر مترقبہ محسوس ہو رہے تھے۔

ان سے اس ہمدردی کی توقع نہ تھی اسے۔

مدحت بجیا کو پتا چلا تو انہیں زویا کا دکھ اپنے دل کے بہت آس پاس محسوس ہوا۔

انہیں یوں لگا جیسے زویا اور وہ دردِ مشترک کی زنجیر میں بندھ گئی تھیں!

ان کا جی چاہا جویا کو اس کی غلطی کا احساس دلائیں کہ زویا کی بربادی کی کچھ ذمے دار وہ بھی تھی!

اگر وہ اس گھر کے لئے ایک اچھی بہو ثابت ہوئی ہوتی تو...... زویا بھی اسی گھر میں آ سکتی تھی۔

اگر اس نے اپنے دل سے خود غرضی کو نکال کر اس گھر کی فرد بننے کی کوشش کی ہوتی تو......!

تو شاید فرزین کی محبت نا تمام نہ رہی ہوتی۔

زویا کی زندگی داؤ پر نہ لگی ہوتی۔

مگر...... وہ اس سے یہ سب کچھ نہ کہہ سکیں۔

کہنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔

جویا عقل سے بے بہرہ تھوڑی تھی۔

اسے ان تمام باتوں اور اپنی کوتاہیوں کا احساس خود ہونا چاہئے تھا۔

بجیا کو سب سے زیادہ دکھ اس بات کا تھا کہ یہ المناک سانحہ ایک ایسی لڑکی کو پیش آیا تھا جو ان کے چہیتے بھائی کی پسند تھی۔

خدا جانے اس سانحے پر فرزین کا ردِعمل کیا ہوتا تھا۔

نگہت کو یہ قصہ پتا چلا تو اسے بھی افسوس ہوا۔ جویا سے ملاقات ہونے پر اس نے اظہارِ افسوس کیا تو جویا کو بڑی شرم محسوس ہوئی۔

☆======☆======☆

فرزین کی واپسی کے دن نزدیک تھے۔

رشتے داروں اور احباب میں دعوت ناموں کی تقسیم کا بیشتر کام نمٹ چکا تھا جو باقی تھا اسے نمٹایا جا رہا تھا۔

گھر والوں بالخصوص بجیا کے بازار کے پھیرے بڑھ گئے تھے۔

فرزین کے کمرے کی تزئین کا کام جاری تھا۔

اس روز بجیا بازار سے کچھ کام نمٹا کر گھر واپس لوٹیں تو انہوں نے امی کو کرنل معظم اور ان کے بچوں سے اپنی ملاقات کا قصہ یوں سنا ڈالا جیسے ملاقات اسی روز ہوئی تھی۔

امی نے غیر معمولی دلچسپی سے سنا اور پوچھا۔ "بیوی کے انتقال کے بعد دوسری شادی کی کرنل نے؟"

"مجھے کیا پتا امی۔" بجیا بے ساختہ جھینپ کر بولیں

"کر لی ہو گی...... بیوی چھوڑ جائے یا مر جائے تو مرد عام طور پر کر ہی لیتے ہیں دوسری شادی۔"

بجیا کچھ نہیں بولیں۔

"تم نے پوچھا ہوتا۔"

"مجھے کیا ضرورت تھی پوچھنے کی۔" بجیا نے بڑے اعتماد سے امی کی جانب دیکھنے کی کوشش کی۔

بجیا کے اس طور دیکھنے سے امی کچھ جھینپ گئیں اور بولیں۔ "ارے بیٹی میں اس لئے کہہ رہی ہوں کہ بن ماں کے بچے ہیں ان پر رحم کھانا ثواب ہے۔ کبھی کبھی گھر بلا لیا کریں گے بے چاروں کو۔"

"رحم کھانے کو ہم ہی رہ گئے ہیں امی۔" بجیا نے بظاہر بڑی بے نیازی سے اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

امی چپ ہو رہیں۔

طلاق کے بعد بجیا کے لئے جب بھی کہیں سے کوئی پیغام آیا یا گھر والوں نے ان پر دوبارہ شادی کے لئے دباؤ ڈالنے کی کوشش کی وہ ہمیشہ کترا جایا کرتی تھیں۔

بیا جو دعوت ناموں کی تقسیم کے سلسلے میں باہر گئے ہوئے تھے گھر واپس لوٹے تو امی نے وہ قصہ بڑی رازداری سے انہیں سنایا اور بولیں۔ "ماسٹر صاحب! اٹھتے بیٹھتے میرے دل سے بس یہی دعا نکلتی ہے کہ مدحت کا گھر بسے دیکھ لوں۔ ہوسکتا ہے کرنل نے بیوی کے بعد دوسری شادی نہ کی ہو۔ موقع اچھا ہے فرزین کی شادی میں بلالیں ان کو بھی...... بیوی ہوئی تو ضرور ساتھ آئے گی۔ نہ ہوئی تو......"

"تو؟" بیا نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ اماں کو دیکھا۔

"تو...... کیا پتا ہے غیبی امداد ہو اللہ میاں کی طرف سے...... بچوں کا ذکر ترس کھا کر رہی تھی مدھو...... ہوسکتا ہے بچوں کی وجہ سے اس کا دل کچھ مائل ہوجائے۔"

"آپ بھی خوب ہیں بیگم صاحبہ۔" بیا نے بڑی محبت سے امی کو دیکھا۔

امی بیا کو توضیح طلب نظروں سے دیکھنے لگیں۔

"بیٹی کو سرِ راہ ملنے والے ایک اجنبی شخص کے لئے اتنی بڑی امید باندھ بیٹھیں۔"

"امید باندھنے میں کیا جاتا ہے ماسٹر صاحب!"

"ہاں جاتا تو خیر کچھ نہیں۔" بیا مسکرائے۔

"میں تو کہتی ہوں بلا لیجیے شادی میں...... مدھو کو اپنا فون نمبر بھی دے گئے ہیں وہ لوگ۔"

"اچھا بھئی اچھا موقع دیکھ کر بیٹی سے بات کروں گا۔" بیا نے امی کو تسلی دی۔

مگر امی انتظار نہ کرسکیں اور اسی رات کھانے کی میز پر انہوں نے نگہت اور ذہین کی موجودگی میں بجیا سے کہا۔ "مدھو! وہ دوپہر والا قصہ نگہت کو تو سناؤ۔"

"کون سا قصہ امی؟" بجیا چونکیں۔

"وہی کرنل اور ان کے بچوں والا۔"

"کیا قصہ ہے بجیا؟" نگہت بولی۔

"کوئی خاص بات نہیں۔"

"چلیے عام ہی سہی۔ سنائیے تو۔"

"بچوں کے غرارے لے آئیں تم ٹیلر کے ہاں سے؟" بجیا نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

امی نے معنی خیز نظروں سے بیا کو دیکھا۔

"بجیا! آپ ٹال نہیں سکتیں سنائیے نا کیا قصہ ہے۔" نگہت جسے افتخار احمد اپنی نائٹ ڈیوٹی پر جاتے ہوئے دونوں بچیوں کے ساتھ میکے چھوڑ گئے تھے پُر اصرار لہجے میں بولی۔

"ارے بھئی کچھ بھی نہیں۔ آج بازار میں ایک کرنل صاحب اور ان کے دو بچے بڑے پُر اسرار انداز میں محض اس لئے میرا پیچھا کرتے رہے کہ بقول کرنل صاحب ان کے بچوں کی والدہ میری ہم شکل تھیں۔"

"ہاں بھی ساتھ تھیں؟"

"نہیں۔ وہ مرچکی ہیں۔"

"اوہ!" نگہت اچھل پڑی۔ "یہ تو کوئی فلمی سچویشن لگتی ہے۔ میں نے اسی تھیم پر ایک مووی دیکھی تھی۔ ٹھہریئے میں نام یاد کرلوں۔"

"بیکار ہے نہیں یاد آئے گا۔" ذہین مسکرایا۔

"کیوں؟" بجیا نے اسے تیز تیز نگاہوں سے دیکھا۔

"بے چارے بن ماں کے بچے ہیں۔"

"بن ماں کے تو ان گنت ہوں گے اس دنیا میں۔" بجیا بولیں۔

"مگر ان سب کی مائیں آپ کی ہم شکل تو نہیں ہوں گی۔" ذہین نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"مدحت بیٹی یہ بتاؤ آج کیا کیا کام نمٹا آئیں بازار کے؟" بیا نے بجیا کی کیفیت تاڑتے ہوئے بہت خوبی سے موضوع بدل دیا۔

"بیا! ارج کے دو جوڑے زردوز کے ہاں سے لے کر درزی کو پہنچائے اور اپنے بھی دو جوڑے خرید کر سلنے کو دے آئی ہوں۔"

"گڈ!" بیا مسکرائے۔ "اس کا مطلب ہے تم نے بھائی کی شادی میں شرکت کا ارادہ کر ہی لیا۔"

بجیا دھیرے سے مسکرا دیں۔

"بجیا اگر آپ کے کپڑے میرے کپڑوں سے زیادہ اچھے ہوئے تو میری اور آپ کی لڑائی ہو جائے گی۔" نگہت بولی۔

"سنا ہے آپ آج کل ہر ایک کو یہی وارننگ دے رہی ہیں۔" ذہین نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے نگہت کو دیکھا۔

"تم بھی کان کھول کر سن لو افتخار کی ٹکر پر آنے کی کوشش مت کرنا۔"

"گویا وہ بھی۔"

"جی وہ بھی۔ فرزین کی شادی میں ہم بیسٹ کپل کا اعزاز حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

"سننے میں آیا تھا کہ جویا بھابی اور یقین بھائی بھی اس اعزاز کے لئے دن رات ایک کئے ہوئے ہیں۔"

نگہت بے ساختہ ہنس دی۔

"بے چاری بھابی!" اس نے استہزائیہ لہجے میں کہا پھر طنز سے مسکرائی۔ "بھور بن! اپل کا نئی نیشنل! کتنی اترا رہی تھیں ہماری بھابی جان، بہن کی شادی کے بعد!"

"بری بات نگہت۔" بجیا نے قدرے ناگواری سے کہا۔

"کیا ہوا!" نگہت نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لینا چاہا۔

"بیٹی! ایسی باتیں نہیں کرتے۔" بیا نے رسانیت سے سمجھایا۔

"بیٹی دشمن کی بھی ہو تو اس کی بربادی پر ہنسا نہیں کرتے۔" امی نے سمجھایا۔

"میں ذرا دیر تھوڑی ہنس رہی ہوں امی۔" نگہت خفیف ہو کر بولی۔

"تو پھر!"

"میں تو بھابی کی شوخیاں اور اتراہٹ یاد کر کے ہنس رہی ہوں۔"

"بالکل مت ہنسو۔" بجیا نے قدرے درشتی سے کہا۔

ہر طرف سے گھیراؤ ہوتے دیکھ کر نجہت خفیف ہو گئی۔

"کیا بات ہے آپ لوگوں کو زدیا سے اتنی زیادہ ہمدردی کیوں ہو رہی ہے!" وہ بولی۔

"عبرت پکڑنی چاہئے ایسے واقعات سے۔" امی بولیں۔

"عاقبت نااندیش مائیں اپنی ہی اولاد کی زندگی سے کس طرح کھیل جاتی ہیں۔" بابا نے کہا۔

"جو سچ پوچھا جائے تو دلہن کی اماں نے گھر تو ان کا بھی بگاڑ ہی دیا تھا...... اگر ہماری جگہ اکڑ فوں قسم کا سمدھیانہ ملا ہوتا انہیں تو بات بہت بگڑ جاتی۔" امی بولیں۔

بابا نے تائید میں سر ہلایا۔

"مگر ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی بابا۔" بجیا الجھے الجھے لہجے میں بولیں۔

سب نے چونک کر بجیا کی طرف توجہ کی۔

"وہ کیا بیٹی؟" بابا نے پوچھا۔

"ماں کی عاقبت نااندیشی اور غلطیوں کی سزا زدیا کو کیوں ملی! وہ تو بہت اچھی لڑکی ہے۔ جویا کے مقابلے میں بہت سلجھی ہوئی اور اپنی عمر سے کہیں زیادہ سنجیدہ اور سمجھدار۔"

بابا نے ایک گہری سانس کھینچی پھر بولے۔ "زندگی میں اکثر ایسا ہوتا ہے بیٹی کہ دوسروں کی غلطیوں کی سزا کوئی اور بھگتتا ہے۔ قصوروار کوئی ہوتا ہے عتاب میں کوئی اور آ جاتا ہے۔"

"کیوں؟ کیوں بابا؟"

"کیوں کہ اس میں خدا کی کوئی مصلحت ہوتی ہے۔"

"زدیا کی قسمت پھوٹنے میں خدا کی کیا مصلحت ہو سکتی ہے بابا!" بجیا کی آواز میں ہلکی سی کراہ تھی۔

"بیٹی! یہ سوال میں نے بھی کیا تھا اپنے آپ سے۔ اس وقت...... جب تم......" بابا نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

مگر بجیا سمجھ گئیں کہ انہوں نے کیا کہنا چاہا تھا۔

فضا یک لخت بہت گھمبیر ہو گئی تھی!

امی اور بابا دونوں ہی...... دلگیر نظر آنے لگے تھے۔

بجیا کی خرابیٔ قسمت کا ان دونوں ہی کو ایسا قلق تھا کہ بڑی سے بڑی خوشی میں بھی اس قلق کا رنگ غالب رہتا۔

بجیا کو اپنی پلکوں کی جڑوں میں نمی سی محسوس ہو رہی تھی۔

☆=====☆=====☆

دبئی، آخری پورٹ تھی جہاں سے فرزین نے گھر والوں کو فون کیا۔

امی نے اسے بتایا کہ بری کے اکیس جوڑے تیار کروا لئے گئے تھے۔

"اور میں نے جو اتنی بہت سی شاپنگ کی ہے۔ میں نے کہا تو تھا آپ سے کہ آپ لوگ کچھ مت کیجئے گا میں واپسی پر شاپنگ کرتا ہوا آؤں گا۔"

"ہاں بیٹے کہا تو تھا تم نے مگر جب تک تم پہنچتے جوڑوں پر زردوزی اور کڑھائی سلائی کا وقت کہاں رہتا...... مدھو نے ماشاءاللہ بہت عمدہ اور نفیس جوڑے بنوائے ہیں بری کے...... جو دیکھتا ہے تعریف کرتا ہے۔"

"تو میرے پیسے کیوں ضائع کروائے؟"

"کون سے پیسے؟"

"میرا مطلب ہے جب آپ لوگوں نے تیاری کرنی ہی تھی تو مجھے منع کر دیا ہوتا خریداری سے؟"

"ارے بیٹا! فکر مت کرو۔ تمہارے خریدے ہوئے کپڑے بھی ان سلے رکھ دیں گے بری میں...... اچھا ہے جوڑوں کی تعداد بڑھ جائے گی اور بری ذرا بھاری ہو جائے گی۔ اکیس جوڑے بھلا کے دن کے۔ روزانہ بھی اگر ایک جوڑا پہنیں گی تمہاری دلہن تو اکیس جوڑے اکیس دن میں برابر ہو جائیں گے پھر اور تو بنانے ہی نہوں گے نا ویسے بھی کام والے بھاری جوڑے دلہنیں ایک آدھ مرتبہ پہنتی ہیں پھر تو سادہ جوڑے ہی چلتے ہیں۔"

"ایک جوڑا روزانہ!" فرزین تعجب سے بولا۔

"ہاں اور کیا...... دلہنیں تو ایک جوڑا صبح پہنتی ہیں دوسرا شام کو تبدیل کرتی ہیں۔"

"پھر تو جوڑوں ہی میں کنگال ہو جاؤں گا۔"

"خدا نہ کرے...... کنگال ہوں تمہارے دشمن۔" امی نے توقف کیا پھر بڑے پیار سے بولیں "بیٹے! دلہن نئی نئی ہو تو یہی رہتا ہے پھر وہ بھی اوروں کی روش پر آ جاتی ہے۔"

بابا نے فون لیا تو بولے۔ "فرزین میاں تمہاری بہن نے دن رات ایک کر رکھا ہے تمہاری شادی کی تیاریوں میں۔"

"مجھے معلوم ہے بابا۔" وہ بڑے وثوق سے بولا۔

"اچھا!" بابا چونکے۔ "کیسے بھلا؟"

"بس مجھے معلوم تھا کہ یہی ہوگا۔ بجیا دن رات ایک کر دیں گی۔"

امی نے بابا کے ہاتھ سے فون لیا اور بولیں۔ "فرزین بیٹے! مدھو نے تمہارے کمرے کی حالت ہی بدل دی ہے۔ دیکھو گے تو طبیعت خوش ہو جائے گی تمہاری۔"

امی اور بابا کے بعد بجیا کی باری آئی تو انہوں نے فرزین سے کہا۔ "تمہارا بہت بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں ہم سب۔"

"جب سارے کام آپ کر ہی چکی ہیں تو میرا انتظار کیوں؟"

"مسئلہ یہ ہے کہ سہرا باندھ کر دولہا آپ ہی کو بننا ہے۔"

وہ بے ساختہ ہنس دیا۔

"اور سب خیریت؟" اس کے لہجے میں ایک معنی خیزی کیفیت تھی۔

"ہاں۔"

"جویا بھابی ٹھیک ہیں؟"

یقین کے بجائے جویا بھابی کا حال چال پوچھنا بھی ایک معنی خیز سوال تھا۔

بھیا کے لئے یہ سمجھنا دشوار نہ تھا کہ جویا کی آڑ میں وہ دراصل کس کا حال چال پوچھ رہا تھا۔

بھیا کا جی چاہا بتا دیں اسے اشاروں کنایوں میں۔

بتا دیں آئنے کہ جس لڑکی کو تم چاہتے تھے اسے سراب کے تعاقب میں دوڑا کر ریگزار میں پیاسا مار دیا گیا تھا۔

مگر بات بار بار ان کی زبان پر آ کر رک گئی۔

کچھ امی اور بیا کی موجودگی کے خیال سے۔

اور کچھ اس لئے کہ اسے بتانے یا نہ بتانے سے فرق کیا پڑتا۔

وہ تو کسی اور لڑکی سے منسوب ہو چکا تھا اور اس سے اس کی شادی کے انتظامات عروج پر پہنچے ہوئے تھے۔

اخلاقی طور پر بھی اب اسے زویا سے اور اس کے حال چال سے کوئی دلچسپی نہ ہونی چاہئے تھی!

☆=====☆=====☆

زویا کا حال ناگفتہ بہ تھا۔

زندگی بال بکھرائے سر نیہوڑائے اس کے سامنے کھڑی تھی۔

لوگوں کا سامنا کرنے سے اسے کوفت محسوس ہوتی۔

عزیز و اقارب آتے تو وہ گھر کے کسی کونے کھدرے میں چھپ جاتی۔

اور لوگوں کا یہ عالم تھا کہ اسے دیکھنے کے لئے بہانے بہانے سے یوں آتے جیسے شوقین اور فارغ البال لوگ کسی عجیب الخلقت مخلوق کو دیکھنے جاتے ہیں!

اس پر مستزاد ان کے استفسارات!!

اپنے پرایوں میں وہ شہ سرخی بنی ہوئی تھی۔

ہمدردوں کے ہجوم میں اکثریت ان کی تھی جو ساری کتھا من وعن سننے کے شوق میں آتے اور سن کر ہی دم لیتے۔

زویا تو چھپ جاتی۔

گھر والوں کو انہیں ساری تفصیل بتانی پڑتی۔

بعض تو بال کی کھال نکالنے بیٹھ جاتے۔

سراغ رسانوں اور تفتیشی افسروں کی طرح ایسے ایسے باریک سوال پوچھے جاتے کہ خدا کی پناہ!

تماشا بنا لیا تھا گویا سب نے۔

بس ایک جویا کی سسرال والے تھے جنہوں نے کچھ نہیں پوچھا..... آئے..... اظہار افسوس کیا

اور چلے گئے۔

نہ زویا کو دیکھنا چاہا نہ اس سے ملنے کی فرمائش کی۔

اسلام آباد میں پولیس کی پوچھ گچھ سے چھٹکارے میں چونکہ سارہ آپا کے ہیڈ آفس والوں نے مدد کی تھی چنانچہ ان کے کراچی دفتر میں بھی کسی کو پتا چل گیا تھا۔

جویا کے اسکول میں زہرا باجی کی میسری نند پڑھاتی تھیں ان کے ذریعے اس کے اسکول میں بات جا پہنچی۔

ساتھیوں میں پہلے تو چپکے چپکے چہ میگوئیاں ہوئیں پھر مس شمیم سے برداشت نہ ہو سکا اور وہ ایک روز وقفے میں بولیں۔ "مس جویا آپ کی بہن کا کیا حال چال ہے؟"

"ک..... کون سی بہن کا؟"

"ارے بھئی وہی جس کی ابھی کچھ دن پہلے شادی ہوئی تھی۔"

"جی..... وہ..... وہ....." جویا کی نظریں زہرا باجی کی رشتے کی نند پر جا تھمیں اور ان کی معنی خیز نگاہوں کی تاب نہ لا کر جھک گئیں۔

"ہم نے سنا ہے....."

بس پھر کیا تھا۔

یوں لگا جیسے کسی نئے اور نرم گرم سوئیٹر کا ایک پھندا بنت سے نکل کر ساری بنت کو کمزور کر گیا ہو۔

سوال پر سوال۔

بے لاگ تبصرے۔

"ظاہری چمک دمک پر تو جانا ہی نہیں چاہئے۔"

"کس عقل مند نے کہا ہے کہ اکیلے لڑکوں کا آنکھ بند کر کے اعتبار کیا جائے۔"

"لڑکے کے بارے میں خوب اچھی طرح چھان بین کرنی چاہئے۔"

"لڑکی کو بھری سسرال میں دیا جائے تو دھوکے بازی کا کھٹکا نہیں ہوتا۔"

رائیں اور مشورے۔

"کچھ اتا پتا چل جائے لڑکے کا تو بہن کو خلع دلوا دیں آپ لوگ....."

"ہاں بھئی۔ ابھی تو اکیلی ہے لڑکی، اتنی مشکل نہیں ہوگی۔ خدانخواستہ بچے ہو جائیں ایسے لوگوں سے تو پھر لڑکی پھنس جاتی ہے بری طرح۔"

جویا کو یوں لگا جیسے بعد از مرگ سب بے رحمی سے اس کا پوسٹ مارٹم کر رہے تھے۔

بہت شرمندگی ہوئی اسے اپنی ساتھیوں کے سامنے۔

اور اس روز اسکول سے گھر واپسی پر اس نے زہرا باجی کی میسری نند کو جی بھر کر برا بھلا کہا اور بددعائیں دیں۔

پھر زہرا باجی کو فون کر کے اس نے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کی کوشش کی۔

"وہ جو تائی اماں کے بھائی کی بیٹی رابعہ ہے نا ہمارے اسکول میں، اس نے زدیا والی بات اسکول میں پھیلادی ہے میرے۔"

"اچھا!"

"کسی وقت ملاقات ہو تو اس سے آپ کی تو ذرا پھٹکار دیجئے گا تو سہی اسے۔"

"بھڑ دل کا چھتا چھیڑنے کو کہہ رہی ہو مجھ سے۔" زہرا باجی پر ملال لہجے میں بولیں۔

"منحوس۔ کمبخت...... اچھی بھلی دوسرے اسکول میں تھی۔ ٹرانسفر کروا کے یہاں آ گئی۔"

زہرا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"زہرا باجی! اتنی شرمندہ ہوئی میں کہ کیا بتاؤں۔"

"کیا کریں جویا۔ بات ہی ایسی ہوئی ہے۔"

"بات جو ہوئی ہے سو ہوئی ہے۔ ہمارے پیچھے دشمن ایسے لگے ہوئے ہیں کہ انہوں نے اس بات کو خوب اچھالا ہے۔"

"اچھالا ہے! اجی کہ لگائے ہیں۔ تائی اماں اور ارشاد کی بہنیں ایسے ایسے طنز کرتی ہیں کہ کیا بتاؤں تمہیں۔ باتوں باتوں میں کہیں گی، لالچ نہیں کرنی چاہئے، مال و دولت پہ نہیں جانا چاہئے۔ کل ہی کی بات ہے تائی اماں کو میں نے چھوٹی والی سے کہتے سنا کہ تمہارے لئے تو میں اکیلا لڑکا دیکھوں گی...... پتا ہے وہ کیا بولی!"

"کیا؟"

"کہنے لگی میں اسے بھاگنے نہیں دوں گی۔"

"ہائے اللہ! یہ کہا اس نے۔"

"ہاں۔"

"سچ!"

"تمہاری قسم۔"

"اللہ! بے شرم کہیں کی۔" جویا نے پل بھر کو توقف کیا پھر اصل موضوع پر آتے ہوئے بولی۔

"خیر رابطہ ملے تو آپ اس کو ڈانٹیے گا تو سہی۔"

"نہیں جویا...... میں ان لوگوں سے ٹکر نہیں لے سکتی۔ بہت بدتمیز اور جھگڑالو ہیں یہ سب۔"

"اللہ توبہ! اپنا نہیں ہمارے تایا ابا کی قسمت کیوں پھوٹ گئی اس خاندان سے۔" جویا تاسف سے بولی۔

"تمہاری ساتھیوں نے کیا کہا؟"

"جتنے منہ تھے اتنی باتیں۔"

"اگر سچ پوچھو جویا تو تمہاری سسرال والے مجھے اس معاملے میں بڑے معقول محسوس ہوئے۔ اس روز جب تمہارے ساس سسر آئے تو مجال ہے کہ انہوں نے کوئی ایسی ویسی بات کی ہو...... اماں سے بس اتنا کہا افسوس ہوا۔ مجال ہے کہ جو ذرا بھی کوئی سوال کیا ہو۔"

"ہاں ان لوگوں میں یہ بات تو ہے کہ کھوجی نہیں ہیں۔"

"خوش قسمت ہو تم! تائی اماں اور ان کی بیٹیاں تو گڑے مردے اکھاڑ لاتی ہیں۔"

رابعہ کی حرکت سے جویا کو ایک فائدہ بہرحال ہوا کہ اب اسے زدیا والا قصہ اپنی ساتھیوں سے چھپانے کی کوشش میں ہلکان ہونے اور ان سے نظریں چرانے کی ضرورت نہ رہی تھی۔

ابا، اماں، بھیا، سارہ آپا، زہرا باجی، جویا اور خود زدیا سبھی اس واقعے کے بعد لوگوں سے خائف ہو کر اپنے خول میں دبک گئے تھے۔

طارق بھائی واحد تھے جنہوں نے اس سانحے کا بڑی جرأت مندی سے سامنا کیا تھا۔

حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس واقعے نے ان کی شادی کے بعد ان کے اور گھر والوں کے درمیان پیدا ہو جانے والے فاصلے کو کم کر دیا تھا!

خیر و عافیت معلوم کرنے کے لئے فون تو روزانہ ہی کرتے۔

دوسرے تیسرے دن گھر بھی آ جاتے۔

گھر کے دیگر افراد کی طرح نعیم کو قسمت کا لکھا سمجھ کر رو دھو کر بیٹھ رہنے کے بجائے وہ اس کا سراغ لگانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔

زدیا کی زندگی کے ساتھ اسے منسلک رکھنے کے لئے نہیں۔

بلکہ اسے اس کے کئے پر شرمسار اور ذلیل و خوار کرنے کے لئے۔

طارق بھائی کو اس پر بے حد غصہ تھا۔

اور اپنے اوپر ندامت۔

بھلا یہ بھی کوئی بات تھی کہ جس لڑکی کے سر پر باپ سلامت ہو ماشاءاللہ دو دو بھائی ہوں اس کی زندگی سے کوئی لٹیرا یوں کھیل کر چلا جائے۔

طارق بھائی کو رہ رہ کر خود پر غصہ آتا۔

پچھتاوے ڈستے۔

ایک مشہور مالیاتی ادارے کی ایک بڑی شاخ کے اعلیٰ عہدیدار تھے وہ۔

ان کا اور ان کی نصف بہتر نشاط کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا۔

اگر یہ کہا جاتا کہ ان دونوں کے احباب شہر بھر میں پھیلے ہوئے تھے تو بے جا نہ ہوتا۔

زدیا کے سلسلے میں ایک بھائی کی حیثیت سے اگر انہوں نے اپنے فرض اور ذمہ داری کا احساس کیا ہوتا تو اپنے تعلقات اور مراسم کو استعمال میں لاتے ہوئے وہ نعیم کے بارے میں ایک ہی دن میں مفصل اور مکمل حالات معلوم کر سکتے تھے۔

مگر......!

وہ تو اپنی دنیا، اپنی زندگی میں مگن رہے۔

زدیا کی شادی کی بات چیت میں شریک ہوئے بھی تو بہت رسمی طور پر۔

گھر، کاروبار اور مال و دولت تو خیر مقدر سے ہوتا ہے۔

لیکن ژدیا کے حق میں تو زیادتی یہ ہوئی کہ نہ لڑکے کو اچھی طرح دیکھا بھالا گیا نہ اس کے چال چلن کی تصدیق کی گئی۔

مانا کہ اماں کا انتخاب تھا اور انہوں نے ہی جلدی بھی مچائی۔

مگر بھائی ہونے کے ناتے ان کا بھی تو آخر کچھ فرض تھا۔

اماں کے مقابلے میں اڑ جاتے۔

ڈٹ جاتے۔

اکیلی اماں کیا کر لیتیں۔

غلطی سب کی تھی۔

اور سب سے زیادہ بھائیوں کی!

جنہوں نے اپنے فرض سے پہلوتہی کی اور بہن کی زندگی داؤ پر لگا دی۔

اب سب ایک دوسرے سے اور دوسرے لوگوں سے نظریں چرائے پھر رہے تھے۔

مگر یہ ایک اور غلطی تھی!

حقیقت کا سامنا کرنے کی ضرورت تھی۔

اس شخص کو پکڑنا اور سزا دینا ضروری تھا جو ایک لڑکی کی زندگی سے کھیل گیا تھا۔

اس بے ایمان مکار اور دغاباز کا چہرہ دنیا کو دکھانا ضروری تھا تاکہ وہ اور اس جیسے کسی اور کو نہ لوٹ سکیں۔

نعیم کا کھوج لگانے کے لئے طارق بھائی اپنا پورا اثر ورسوخ استعمال میں لانے کی کوشش کر رہے تھے۔

اپنے تعلقات استعمال میں لا کر انہوں نے اس کے نام کی ایف آئی آر بھی درج کروا دی تھی اور جہاں جہاں ممکن تھا اس کی تلاش میں گھات بھی لگا دی تھی۔

ریاست علی کے بنگالی ملازم اور شوروم کے سیلزمینوں کو انہوں نے پولیس کے ذریعے دھمکوا دیا تھا کہ نعیم کے بارے میں انہیں جیسے ہی کوئی خبر ملے یا وہ خود آئے وہ فوری طور پر پولیس کو اطلاع فراہم کریں۔

☆=====☆=====☆

فرزین کی واپسی تک دونوں گھرانوں میں شادی کی ابتدائی رسمیں ہو چکی تھیں۔

فرزین کو اپنے کمرے کی تزئین بہت پسند آئی۔

لان کے رخ کھلنے والی کھڑکی پر بڑے پردے سرکا کر کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے اس نے بجیا سے کہا۔ "تو آپ نے اُدھر بھی شادی کروا دی!"

بجیا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"خیریت!" وہ بولا۔

بجیا نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا اور گھٹی گھٹی آواز میں بولیں۔ "بہت برا ہوا بے چاری ژدیا

کے ساتھ۔"

"کیا ہوا؟" وہ بے ساختہ چونکا۔

"وہ ہوا جس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کوئی۔" بجیا بوجھل آواز میں بولیں۔

"کیا؟ کیا ہوا؟"

"جس سے اس کی شادی ہوئی تھی وہ فراڈیا نکلا۔"

"پلیز...... بتائیے...... بتائیے کیا ہوا؟" فرزین کے لہجے میں بے تابی جھلک رہی تھی۔

بجیا نے دھیرے دھیرے اسے سب کچھ بتا دیا۔

وہ چپ چاپ سنتا رہا اور اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوتا چلا گیا۔

بجیا خاموش ہوئیں تو اس نے پوچھا۔ "وہ ہے کہاں؟"

"لڑکا؟" بجیا نے استفہامیہ لہجے میں کہا۔

"جی نہیں...... ژدیا۔"

پہلی بار اس کا نام فرزین کی زبان پر آیا تھا۔

"اپنے میکے میں ہے۔"

اس کے چہرے پر ہیجانی کیفیت ڈرلنے لگی۔

"ہے نا افسوس کی بات؟"

"جی!" اس نے ذرا کی ذرا بجیا کی طرف دیکھا پھر گھٹی گھٹی آواز میں بولا۔ "بہت برا ہوا۔"

"ہم سب کو بھی بہت افسوس ہوا۔"

"بھائی کو بھی افسوس ہوا کہ نہیں۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔

"جب غیروں کو ہوا ہے تو انہیں کیوں نہ ہوا ہوگا۔"

"بعض لوگ بڑے بے حس ہوتے ہیں۔ انہیں غلطی کا احساس بھی نہیں ہوتا۔" وہ ناگواری سے بولا۔

بجیا چپ رہیں۔

فرزین نے گھٹی گھٹی سی ایک سرد آہ کھینچی۔

اسے ژدیا سے اپنا وعدہ یاد آ رہا تھا۔

وہ عہد جسے وہ چاہنے کے باوجود ایفا نہ کر سکا تھا۔

ژدیا سے وابستہ بہت سی یادیں اس کے دل میں ایک طوفان سا برپا کرنے لگیں۔

ایک مرتبہ جب جویا اسے اپنے کمرے کی تزئین میں مدد کے لئے اپنے ساتھ لائی تھی اور وہ بہت ہنسی خوشی کام کر رہے تھے تو امی کو یک بیک خدا جانے کیا ہو گیا تھا۔ بات اتنی بڑھی کہ ژدیا بے چاری روہانسی ہو گئی اور اسی روز وہ اپنے گھر بھی واپس چلی گئی تھی۔

ژدیا ہی کے سلسلے میں اسے امی سے اپنی ناراضگی کا زمانہ بھی یاد آیا۔ کئی ماہ تک وہ گھر اور گھر والوں سے لاتعلق سمندروں کے دوش پر رہا تھا۔

کیسے عجیب سے دن تھے وہ!
اداس اور بجھے بجھے سے۔
اس کے ساتھی اس کی خاموشی پر تعجب اور تشویش کا اظہار کرتے۔
اس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا۔
پھر حالات کچھ ایسے ہوئے کہ کچھ اپنے گھر والوں کی مخالفت اور کچھ جویا اور اس کی اماں کے رویے کے باعث اسے زدیا کا خیال چھوڑنا پڑا۔
اپنی دلی خواہش کو نارسائی کا زہر پلا کر اس نے اپنے ہی ہاتھوں اپنے دل میں دفن کر لیا۔
لیکن اس وقت اسے اپنے اوپر غصہ آ رہا تھا۔
پچھتاوا اسے ڈس رہا تھا۔
اپنے بودے پن پر اسے شرمندگی ہو رہی تھی۔
کیوں گھٹنے ٹیک دیئے امی کی مخالفت کے سامنے!
کیوں ہار مانی!
محبت اتنی کمزور تو نہیں ہوتی۔
زدیا سے محبت تھی تو حالات کا استقامت سے مقابلہ کرنا چاہیے تھا۔
امی کو سمجھانے کی کوشش کرنی چاہیے تھی۔
بجا کہ جویا کے نامناسب رویے نے گھر والوں کو زدیا سے بھی بددل کر دیا تھا۔
لیکن......
یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک کی سزا دوسرے کو دی جائے۔
اسے زدیا کے گھر والوں پر غصہ آ رہا تھا۔
اندھے تھے کیا جو ایک انجانے شخص پر اس طرح اعتبار کر لیا۔
اسے یوں لگ رہا تھا جیسے زدیا کے حق میں اس کے اپنے گھر والے ہی نہیں وہ خود بھی مجرم تھا۔
اور...... امی بھی جنہوں نے جویا کو زدیا کی شناخت کا حوالہ بنانے کی غلطی کی۔
اس کا دل چاہا ارج سے شادی کرنے سے انکار کر دے۔
لیکن عقل نے اس کے دل سے پوچھا۔ "کیوں؟ ارج کا کیا قصور ہے؟"
واقعی ارج کا کیا قصور تھا۔
وہ قطعاً بے قصور تھی۔
بہت سے لوگوں کی غلطی کی سزا ایک ایسی لڑکی کو دینا کہاں کا انصاف تھا جو اس سارے معاملے میں قطعاً غیر متعلق اور بے قصور تھی۔
"کیا سوچ رہے ہو؟" بجیا نے بہت ملائمت سے پوچھا۔
بجیا کی آواز نے اسے چونکا دیا۔
نظر اٹھا کر اس نے بجیا کی طرف دیکھا اور کھوئے کھوئے سے انداز میں بولا۔ "کچھ نہیں۔"

بجیا نے اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ دیا اور ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولیں۔ "زندگی کو ہم اکثر اپنی مرضی کے مطابق نہیں گزار پاتے۔"
بجیا نے یہ بات اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر کہی تھی۔
اس تجربے کی بنیاد پر جس نے ان کی زندگی میں تلخی گھول دی تھی۔
اپنے شانے پر بجیا کا ہاتھ اسے ایک دوست، رازداں اور ہمدرد کا ہاتھ محسوس ہو رہا تھا۔

☆=====☆=====☆

فرزین کے آتے ہی شادی کے ہنگامے زور پکڑ گئے۔
اس کے آنے کے بعد اس کے دوستوں کے نام دعوت نامے لکھے گئے تو امی نے بجیا سے کہا۔
"مدحو اچھی طرح دیکھ لو کہ اپنے عزیز رشتے داروں اور ملنے جلنے والوں میں سے کوئی رہ تو نہیں گیا جسے کارڈ نہ پہنچا ہو۔"
"میرا خیال ہے کوئی نہیں رہ گیا امی۔"
امی نے بابا کو آنکھوں ہی آنکھوں میں معنی خیز اشارہ دیا۔
"ارے ہاں بیٹی۔" بابا نے کچھ اس طرح کہا جیسے انہیں اچانک ہی یاد آیا تھا۔ "ان بچوں کو بھی بلا لو نا شادی میں۔"
"کن بچوں کو بابا؟" بجیا نے بابا کی طرف دیکھا۔
"بھئی وہی کرنل صاحب کے بچے۔"
"علی زا اور زردان؟"
"ہاں...... انہیں بھی انوائیٹ کر لو۔"
"کیا ضرورت ہے بابا۔"
"اچھا ہے نا بچے اس بہانے تم سے پھر مل لیں گے۔" امی نے کہا۔
بجیا متذبذب نظر آنے لگیں۔
"بلا لو بھئی بلا لو۔" بابا کے لہجے میں اصرار کی کیفیت تھی۔
بابا کے اس اصرار کی بنیاد امی کا اصرار تھا جو وہ گزشتہ چند دنوں کے دوران بابا سے چپکے چپکے بارہا کر چکی تھیں۔ امی کا خیال تھا کہ موقع اچھا ہے اس بہانے ان لوگوں سے ملا تو جائے اگر کرنل موصوف دوسری شادی کر چکے ہوئے تو خیر نہ کی ہوئی اب تک تو کیا عجب کہ یہ مدحت کے حق میں کوئی غیبی امداد ہی ہو...... چانس لینے میں کیا ہرج تھا۔
امی کے خیال کو بابا کی سو فیصد تائید و رضا حاصل تھی۔
بابا کے اصرار نے بجیا کو کشش و پنج میں ڈال دیا۔
بابا نے دزدیدہ نظروں سے انہیں دیکھا۔
"کارڈ بھجوائیں گے کیسے ان کا ایڈریس تو میرے پاس ہے نہیں۔"
"تم کہہ تو رہی تھیں کہ تمہیں ان کا فون نمبر دیا ہے بچوں نے۔" امی بولیں۔

"جی فون نمبر تو ہے۔"

"فون نمبر ہے تو پتا معلوم کرنا کون سا مشکل کام ہے۔"

"جی مشکل تو خیر نہیں۔"

بجیا خود بھی تو چاہ رہی تھیں انہیں مدعو کرنا!

طلاق کے بعد کتنے رشتے آئے تھے جنہیں انکار کیا تھا انہوں نے۔

ان کے خیال میں بس ایک تجربہ ہی کافی تھا۔

بار بار آزمانے سے فائدہ!

لیکن وقت نے بجیا پر دھیرے دھیرے یہ حقیقت منکشف کر دی تھی کہ ساری زندگی اس طرح گزارنا اگر مشکل نہیں تو کچھ آسان بھی نہ ہوگا۔

امی اور بیا کے ایما پر انہوں نے کرنل معظم کو فون کر کے انہیں حیران کر دیا۔

"آئی کانٹ بلیو مس مدحت کہ یہ آپ ہیں..... فرمایئے کیسے یاد کیا؟"

"علی زا اور زردان کو اپنے چھوٹے بھائی کی شادی میں انوائیٹ کرنے کے لئے کارڈ پہنچانا چاہتی ہوں اگر مناسب سمجھیں تو اپنا ایڈریس لکھوا دیں مجھے۔"

"ضرور..... ضرور..... یہ نوٹ کیجئے پلیز۔"

انہوں نے اپنا پتا نوٹ کرایا اور بجیا نے اسی روز کرنل معظم اور ان کے اہلِ خانہ کے نام ایک دعوت نامہ فرزین کے سپرد کر دیا۔

☆=====☆=====☆

فہیم کے کھوج میں طارق بھائی شوروم کے ملازم اور آس پاس کے لوگوں سے مستقل رابطے میں تھے۔ ریاست علی اور سلامت علی سے کچھ اتا پتا ملنے کی امید میں انہوں نے ان دونوں بھائیوں کو شارجہ ٹرنک کال کرنے سے بھی دریغ نہ کیا تھا۔ جملہ صورت حال علم میں آنے پر وہ دونوں بھی خاصے متاسف اور اپنے اوپر کوئی بات آنے کے خیال سے فکر مند ہو گئے تھے اور اسی لئے انہوں نے پاکستان آنے میں زیادہ تاخیر نہیں کی اور کراچی پہنچنے کے بعد از خود طارق بھائی سے رابطہ قائم کیا۔

طارق بھائی سارے کام چھوڑ کر ان کے پاس پہنچے۔

دونوں بھائی ان سے بہت تپاک سے ملے۔

وضع قطع، طور طریقوں اور بات چیت سے دونوں بھائی خاصے معقول نظر آئے۔

سلامت علی نے بتایا کہ وہ گزشتہ اٹھارہ برس سے اپنے بال بچوں کے ساتھ بیرون ملک مقیم تھے۔ پہلے دبئی میں رہا کرتے تھے۔ چار پانچ سال پہلے شارجہ منتقل ہو گئے تھے۔ کوالیفائڈ انجینئر تھے۔ تین بیٹیوں اور دو بیٹوں کے باپ تھے جن میں سے دو بیٹیوں کی شادیاں وہ پاکستان میں اپنے عزیزوں میں کر چکے تھے۔ شارجہ میں سلامت علی کا برقی آلات کا کاروبار تھا۔ طویل عرصہ وطن عزیز سے دور گزارنے کے بعد اب وہ اپنے ہی وطن میں مستقل طور پر اقامت پذیر ہونے کے خواہش مند تھے۔ اسی خواہش کے تحت انہوں نے کراچی میں اپنا گھر بھی بنوایا تھا اور کاروبار بھی جما رہے تھے اس

سلسلے میں ان کا چھوٹا بھائی ریاست علی ان کی پوری مدد اور معاونت کر رہا تھا۔

ریاست علی نے بی ٹیک کیا تھا۔ کچھ عرصے ایک نیم سرکاری ادارے میں ملازمت کی۔ پھر بھائی کے پاس شارجہ چلا گیا اور ڈیڑھ دو برس وہیں رہا اور کاروبار میں بھائی کا ہاتھ بٹاتا رہا۔ پھر جب سلامت علی نے پاکستان میں اپنا گھر بنانے اور کاروبار جمانے کا ارادہ کیا تو وہ کراچی آ گیا۔

سلامت علی کا گھر کچھ عرصہ پہلے ہی مکمل ہوا تھا۔ کاروبار بھی اچھا خاصا جم گیا تھا۔ سلامت علی مستقل طور پر وطن واپس لوٹنے کی تیاریوں میں تھے۔

فہیم کے بارے میں ریاست علی نے بتایا کہ جن دنوں وہ بھائی کا مکان تعمیر کروا رہا تھا اسے ایک ایسے مددگار کی ضرورت تھی جو مکان کی تعمیر اور کاروبار میں اس کا ممد و معاون بن کر اس کا بوجھ ہلکا کر سکے۔ فہیم سے اس کی ملاقات تعمیراتی سامان فروخت کرنے والے ایک ڈیلر کے ہاں ہوئی جہاں وہ ڈیلر کے دست راست کی حیثیت سے کام کر رہا تھا مگر اپنی ملازمت سے ناخوش اور غیر مطمئن تھا۔ ریاست علی اس کی باتوں سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اسے ملازمت کی پیشکش کر دی جسے اس نے فوراً قبول بھی کر لیا اور اپنی ملازمت چھوڑ کر اس کے پاس آ گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ریاست علی پر اپنی خوش مزاجی اور مستعدی سے ایسی دھاک بٹھائی کہ ملازم کے بجائے اس کا دست راست بن بیٹھا۔ سلامت علی کے مکان کی تعمیر کرنے والے کاریگر اور مزدور اور آس پڑوس میں رہنے والے لوگ اسے فرد خانہ سمجھتے اور ریاست علی اس کی تردید کرنا غیر ضروری سمجھتا۔ گھر کا بنگالی ملازم اور شوروم کے دونوں سیلز مین اس طرح اس کے رعب میں رہنے لگے جیسے وہ ریاست علی کے رعب داب میں رہا کرتے تھے۔ آس پاس دوسری دکانوں کے لوگ فہیم کو کبھی مذاق میں اور کبھی طنزاً شوروم کا اصل مالک کہنے لگے۔ مکان کی تعمیر کے دوران جب سلامت علی پاکستان آئے تو وہ بھی فہیم سے مل کر خاصے متاثر ہوئے اور انہوں نے ریاست علی سے کہا کہ کاروبار بڑھانا ہے تو بہتر ہے اس نوجوان کو مستقل طور پر اپنے پاس ہی رکھا جائے۔ کچھ عرصے قبل جب ریاست علی کو بھائی کے پاس شارجہ جانا پڑا تو وہ فہیم کو گھر اور شوروم کا نگران مقرر کر گیا تھا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ ایسی حرکت کرے گا۔" ریاست علی نے طارق بھائی سے کہا۔

"آپ کے پاس اس کا اتا پتا تو ہوگا۔"

"جب وہ ہمارے پاس آیا تو کورنگی میں کرائے کے ایک کمرے میں رہ رہا تھا۔ پھر بھائی صاحب کے گھر میں رہنے لگا تھا۔"

"کورنگی میں کہاں رہتا تھا؟"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔"

"اسے ملازم رکھتے ہوئے آپ نے کسی سے ضمانت تو لی ہوگی اس کے بارے میں؟"

"جی نہیں۔"

"اس کا شناختی کارڈ تو ضرور دیکھا ہوگا۔"

"جی نہیں۔"

"بڑی غلطی کی آپ نے...... ہماری بدقسمتی کہ ہم اس کی خباثت کا نشانہ بن گئے۔ خدانخواستہ آپ کو بھی کوئی نقصان پہنچا سکتا تھا وہ...... کہاں تلاش کرتے آپ اسے۔"

ریاست علی نے کچھ اس طرح طارق کو دیکھا جیسے اسے کچھ کہنے کو الفاظ نہ مل رہے ہوں۔

"درست فرماتے ہیں آپ۔" سلامت علی نے تائید کی پھر بھائی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"طارق صاحب صحیح کہہ رہے ہیں۔"

"لیکن بھائی جان ہم نے تو سیلز مین بھی اسی طرح رکھے ہیں۔ بغیر ضمانت لئے اور بغیر شناختی کارڈ دیکھے۔"

"غلط کیا ہے۔" سلامت علی نے کہا۔

"آئندہ خیال رکھیں گے۔"

"چاہے گھریلو ملازم ہو یا کاروباری ملازم اس کی شناخت اور اس کا صحیح اتا پتا لئے بغیر اور اس کی طرف سے مکمل اطمینان ہوئے بغیر ہرگز ہرگز اسے ملازم نہ رکھیں۔" طارق نے کہا۔

"او کے آئندہ احتیاط رکھیں گے۔"

"برائے مہربانی مجھے اس دکان کا پتا بتائیں جہاں وہ بدبخت آپ کے پاس آنے سے پہلے ملازم تھا۔ ہوسکتا ہے وہاں سے کچھ سراغ مل سکے۔"

"میں آپ کو ساتھ لئے چلتا ہوں۔" ریاست علی نے کہا۔

"بڑی مہربانی ہوگی آپ کی۔"

مذکورہ دکان سے صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ فہیم تقریباً ڈیڑھ سال وہاں ملازم رہا تھا اور اس دوران دو تین مرتبہ اپنے گاؤں گیا تھا جو بقول اس کے لاہور سے آگے کہیں واقع تھا۔ کورنگی میں وہ کہاں رہا کرتا تھا اس سلسلے میں دکان کے مالک یا کسی ملازم کو کچھ معلوم نہ تھا۔

طارق بھائی کو شدید مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔

☆======☆======☆

فرزین کی شادی میں تو جو رونق رہی سو رہی ولیمے میں تو یوں لگا جیسے پورا شہر امڈ آیا ہو۔ کیا رونق تھی!

سارا خاندان۔

بابا کے احباب۔

امی کی ملنے جلنے والیاں۔

بجیا کے کولیگز۔

نگہت اور نزہت کی سسرالیں۔

یقیناً، دلہن اور خود دولہا میاں کے بیسیوں دوست۔

جویا کے میکے سے اماں، بھیا، بھابی، سارہ آپا ان کے بچے اور طارق بھائی۔

تاہم زویا نہ آئی تھی...... نہ شادی میں نہ ولیمے میں۔

حالانکہ گھر والوں نے بہت اصرار کیا تھا۔

تازہ تازہ زخم تھا۔

گھر میں سبھی کے دل بجھے ہوئے تھے۔

فرزین کی شادی میں جانے کو دل کسی کا بھی نہ تھا مگر سمدھیانے کا معاملہ تھا سو شرکت ضروری ٹھہری تھی۔

اماں، سارہ آپا اور بھابی کی جس جس سے واقفیت تھی اس نے زویا کے بارے میں ضرور پوچھا۔

وہ جھینپ جھینپ کر جواب دیتی رہیں۔

جویا نے بھی لوگوں سے نظریں چرائے رکھیں۔

ایک آدمی کی کمینگی نے ان سب کو رنجیدہ کر رکھا تھا۔

ولیمے میں کرنل معظم بھی اپنے دونوں بچوں کے ہمراہ شریک ہوئے ان کا انتہائی گرمجوشی سے استقبال کیا گیا۔

علی زا اور زروان بجیا کے سپرد ہوئے اور کرنل معظم کا زیادہ وقت بابا کے ساتھ گزرا۔ دونوں بچے تمام وقت بجیا کے ساتھ ساتھ رہے اور بجیا کو متعدد خواتین کے استفسار پر ان دونوں کی بابت اس مصلحت آمیز غلط بیانی کا سہارا لینا پڑا کہ وہ ان کی کسی دوست کے بچے تھے۔

کھانے کے وقت دونوں بچوں کے اصرار پر بجیا کو مہمانوں کی خاطر مدارت کا فریضہ نگہت، نزہت اور جویا کو سونپ کر بچوں کے ساتھ بیٹھنا پڑا۔

بجیا کو بچوں پر انتہائی مہربان اور بچوں کو تمام وقت بجیا کے ساتھ ساتھ لگے دیکھ کر جویا نے بڑے تجسس سے نزہت سے پوچھا۔ "بجیا کی کون سی دوست کے بچے ہیں یہ؟"

"ہمیں نہیں معلوم۔" نزہت بڑی صفائی سے انجان بن گئی۔

"اس سے پہلے تو کبھی نہیں دیکھے ہم نے۔" جویا بولی۔

"جی...... ہم نے بھی نہیں دیکھے۔"

"یونیورسٹی کی کسی کولیگ کے ہوں گے شاید۔" جویا نے قیاس ظاہر کیا۔

"شاید۔" نزہت نے کہا۔

دوران طعام بابا نے باتوں ہی باتوں میں کرنل معظم سے یہ معلوم کر لیا کہ بیوی کے انتقال کے بعد انہوں نے اب تک دوسری شادی نہیں کی تھی۔

کھانے کے بعد جب بہت سے دوسرے مہمان رخصت ہونے لگے تو کرنل معظم نے بھی اجازت چاہی۔

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی معظم صاحب......" بابا نے کہا۔ "کسی روز غریب خانے پہ تشریف لائیے۔"

"جی بہتر۔ ضرور حاضر ہوں گا۔" کرنل معظم نے کہا اور اپنی نشست سے زرق برق خواتین کے ہجوم میں نظر دوڑاتے ہوئے بولے۔ "علی زا اور زروان مس مدحت کے ساتھ ہیں انہیں کو کہہ کر بلوایا جائے۔"

"میں بلوائے دیتا ہوں۔"

بیا نے ذہین کو اشارے سے اپنی طرف بلایا اور بولے۔ "دیکھو میاں کرنل صاحب کے دونوں بچے مدحت بٹی کے ساتھ ہیں ذرا انہیں بلا لاؤ۔"

"جی بہتر۔" ذہین نے مودبانہ کہا اور جانے کو مڑا۔

"اور ہاں......" بیا کی آواز نے ذہین کو پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ "مدحت سے کہنا کرنل صاحب جا رہے ہیں انہیں خدا حافظ کہنے کو ادھر آ جائیں۔"

"جی اچھا۔"

محفل مخلوط تو نہ تھی تاہم زنانہ اور مردانہ حصوں میں کوئی خاص تخصیص بھی نہ رکھی گئی تھی۔ مرد و زن اور بچے آزادانہ ایک دوسرے کی طرف آ جا رہے تھے۔

امی بھی کرنل معظم اور بیا کی طرف آ پہنچیں۔

"آپ نے کھانا اچھی طرح کھایا؟" امی نے کرنل معظم سے پوچھا۔

"جی...... بہت عمدہ کھانا تھا۔" کرنل معظم امی کے احترام میں اپنی نشست سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ تشریف رکھیں۔"

"جی بس...... اجازت چاہ رہا ہوں۔"

"اتنی جلدی!" امی بولیں۔

"بچوں کو صبح اسکول بھی جانا ہوگا۔"

"ماشاء اللہ بہت پیارے بچے ہیں دونوں...... بہت سمجھدار اور تمیزدار۔"

"شکریہ۔"

"سارا وقت مدحت کے ساتھ ساتھ رہے اور بہت خوش رہے۔"

"شاید آپ کو مس مدحت نے بتایا ہو کہ......"

"جی بتایا تھا۔" امی نے ان کی بات آسان کر دی۔

تبھی ذہین دونوں بچوں اور مدحت بجیا کو ہمراہ لئے آ پہنچا۔

کرنل معظم نے دزدیدہ نظروں سے مدحت بجیا کو دیکھا۔ انگوری رنگ کے سادہ ریشمی لباس، نازک سے طلائی سیٹ اور ہلکے پھلکے میک اپ میں وہ بہت دلکش لگ رہی تھیں۔

"خوش ہیں جناب آپ دونوں؟" کرنل معظم نے اپنے بچوں سے پوچھا۔

"یس۔" زروان بولا۔

"ہوں۔" علی زا نے کہا۔

"آں ہاں۔" کرنل معظم نے مسکراتے ہوئے گہری نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"اب چلا جائے؟"

"نو" زروان نے مدحت بجیا کا بازو تھامتے ہوئے منہ بسورا۔

امی، بیا اور ذہین اسے اشتیاق سے دیکھنے لگے۔

"کیا مطلب ہے آپ کا! گھر نہیں چلیں گے!" کرنل معظم نے کہا۔

"ابھی نہیں ڈیڈی!" وہ منمنایا۔

"ہاں ڈیڈی ابھی نہیں۔" علی زا نے بھی کہا۔

کرنل معظم نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا اور بولے۔ "بیٹا! بارہ بجنے والے ہیں۔"

"تو کیا ہوا ڈیڈی؟"

"میرا خیال ہے معظم صاحب کچھ دیر اور رہنے دیں بچوں کو۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن صبح علی زا کا ٹیسٹ بھی ہے۔"

"میں نے تیاری کی ہوئی ہے ڈیڈی۔"

"او کے...... لیکن اسکول جانے کے لئے صبح جلدی جاگنا تو ہوگا۔"

"ہوں" علی زا نے منہ بسورتے ہوئے تائید میں سر ہلایا۔

زروان جس نے بجیا کا بازو ہنوز پکڑ رکھا تھا انہیں مدد طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

"کل علی زا کا ٹیسٹ بھی تو ہے۔" بجیا نے اسے سمجھایا۔

اس کا منہ لٹک گیا۔

"معظم صاحب! آپ بچوں کو گھر ضرور لے کر آیئے گا۔" بیا نے کہا۔

"ہاں" امی کے لہجے سے اصرار ٹپک رہا تھا۔

"ان شاء اللہ!" کرنل معظم نے بچوں کی جانب دیکھا اور بولے۔ "بیٹا! آپ لوگ شکریہ ادا کریں سب کا اور خدا حافظ کہیں۔"

دونوں بچوں نے ان کی ہدایت کے بموجب کیا اور کرنل معظم نے رخصت چاہی۔ ان کے جاتے ہی امی نے بیا سے بڑی رازداری سے پوچھا۔ "آپ نے یہ پوچھا کہ دوسری شادی کی انہوں نے یا نہیں۔"

"نہیں کی ہے۔" بیا کے جواب پر امی کھل اٹھیں۔

رنگ و نور کی اس طرب آفریں محفل سے دور اپنے گھر کے برآمدے میں زوبیا بہت رنجیدہ افسردہ بیٹھی تھی۔ ابا بھی ایزی چیئر پر بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ زوبیا کے اکیلے پن کی وجہ سے ابا کو گھر پر ہی رہنا پڑا۔ زوبیا کی نظریں تو ٹی وی اسکرین پر مرکوز تھیں لیکن اس کا ذہن کہیں اور پہنچا ہوا تھا۔ زندگی کے نقش و نگار یک بیک کس قدر بگڑ گئے تھے!

فرزین نے اس سے کہا تھا کہ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔

مگر...... ایسا نہ ہو سکا تھا۔

فرزین سے اس کی شادی نہ ہو سکنا دل دُکھانے والی بات سہی مگر کوئی انہونی بات نہ تھی۔

ایسا ہوتا ہے۔

اکثر ہوتا ہے۔

عہد و پیماں کرنے والے اپنے عہد و پیماں توڑ دیتے ہیں۔

بڑے بڑے چاہنے والے اپنا راستہ بدل لیتے ہیں۔

حالات کی ستم ظریفیاں دوستوں کو نظریں بدلنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔

فرزین سے اس کی شادی نہ ہونا کوئی بہت بڑا المیہ نہ تھا۔

المیہ ہوتا تو وہ فہیم کو اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں کبھی قسمت نہ سمجھتی۔

اس نے تو مفاہمت کر لی تھی زندگی سے۔

شاید زندگی بھی خلوص کے ساتھ اس نئی ڈگر پر چلتی رہتی تو کچھ بعید نہ تھا کہ آج وہ بھی فرزین کے ولیمے میں شریک ہوتی اور قہقہے لگا رہی ہوتی۔

شاید فرزین اور اس کی دلہن سے چھیڑ چھاڑ بھی کر رہی ہوتی۔

مگر زندگی تو عجیب کھیل کھیل گئی تھی اس کے ساتھ۔

بے قصور ہوتے ہوئے بھی وہ دنیا سے نظریں چرانے پر مجبور تھی۔

بے گناہ ہوتے ہوئے بھی گنہگاروں کی طرح لوگوں سے منہ چھپا رہی تھی وہ۔

اور یہ بلاشبہ ایک المیہ تھا۔

بہت بڑا المیہ!

اماں سے چوری چھپے چپکے چپکے وہ آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھی اور دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ زندگی نے کسی مقام پر اسے فرزین کے روبرو لے جا کر کھڑا کیا تو کیا وہ اس کا سامنا کر سکے گی!

☆=====☆=====☆

اس رات تقریب کے اختتام پر جویا جب یقین کے ساتھ گھر واپس لوٹی تو اس کا دل بہت اداس تھا!

ارج کتنی خوش تھی!

مسرت اس کے چہرے پر بکھری پڑی تھی۔

خمار اس کی آنکھوں سے ٹپک رہا تھا۔

فرزین بھی خوش تھا۔

یقین کے خاندان کے لوگ ارج کو خوش قسمت قرار دیتے نہ تھک رہے تھے کہ اسے فرزین جیسا ہمہ صفت شوہر ملا تھا۔

فرزین کی ساس کے پاؤں زمین پر نہ ٹک رہے تھے۔

کبھی وہ بیٹی کو پیار کرتیں کبھی داماد کی بلائیں لیتیں۔

جویا کو اداس دیکھ کر یقین بولا۔ "کیا بات ہے چپ کیوں ہو؟"

"کچھ نہیں۔" وہ بوجھل آواز میں بولی۔

"کچھ تو ہے۔" یقین نے کہا۔

"نہیں...... کچھ نہیں۔"

"کیا امی سے کوئی بات ہو گئی؟"

"نہیں تو۔"

"بجیا یا نگہت نے کچھ کہہ دیا؟"

"اونہوں۔"

"تو پھر؟"

وہ چپ رہی۔

"اتنی چپ چپ کیوں ہو؟"

جویا نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی اور دل گرفتہ لہجے میں بولی۔ "کیا بگڑ جاتا آپ کے گھر والوں کا اگر وہ فرزین کے لئے زویا کو لے لیتے تو۔"

یقین چپ رہا۔

"کیا برائی تھی میری بہن میں؟" وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔

"رشتے آسمانوں پر طے ہوتے ہیں...... فرزین کا رشتہ ارج ہی سے طے تھا۔" یقین نے اسے دلاسہ دینے کی کوشش کی۔

"زویا کے نصیب میں وہ خبیث ہی رہ گیا تھا۔" جویا روہانسی ہو کر بولی۔

"برا مت ماننا۔" یقین محتاط لہجے میں بولا۔ "زویا بے چاری کو تو بڑوں کی غلطیوں کی سزا ملی ہے۔"

جویا نے ایک سرد آہ کھینچی۔

یقین تو بستر پر لیٹنے کے کچھ دیر بعد ہی خراٹے بھرنے لگا۔ جویا دیر تک کروٹیں بدلتی رہی۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور آنکھوں میں ارج کا دلفریب روپ چبھ رہا تھا۔

☆=====☆=====☆

شادی گاہ سے واپسی پر امی اپنی بھاری بھر کم ساڑھی لپیٹنے اور روزمرہ استعمال کے کپڑے پہننے کے بعد بابا کے پاس آ بیٹھیں اور بولیں۔ "خدا کا شکر ہے سب کچھ اچھی طرح ہو گیا۔"

"دو نفل شکرانے کے ادا کرنا مت بھولیے گا۔"

"آپ بھی ماسٹر صاحب۔"

"الحمدللہ میں نے ادا کر دیئے۔"

"خیر سے دو بیٹیوں اور دو بیٹوں سے فارغ ہو لئے اب بس ذہین اور مدھو رہ گئے۔" امی سرک کر بابا کے نزدیک ہو گئیں اور بولیں۔ "ماسٹر صاحب! کرنل معظم بظاہر تو اچھے آدمی لگتے ہیں۔"

"بیگم صاحبہ! کسی بھی شخص کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا اچھے آدمی نہیں ہیں وہ!"

"میرا یہ مطلب نہیں۔"

"تو پھر؟"

"آدمی کی حقیقت دھیرے دھیرے کھلتی ہے۔ بعض لوگوں کے بارے میں پہلا تاثر بڑا خوشگوار ملتا ہے لیکن بعد میں پتا چلتا ہے کہ ہمارا اندازہ غلط تھا۔ اسی طرح بعض لوگ پہلی دوسری ملاقات میں کوئی خاص تاثر نہیں چھوڑتے مگر بعد میں بہت اچھے نکلتے ہیں۔ لوگوں کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے میں عجلت نہیں کرنی چاہیے ضروری ہے کہ انہیں پرکھا اور سمجھا جائے۔ دیکھ لیں بڑی بہو کے گھر والوں نے اپنی ذرا سی عجلت سے کتنا بڑا نقصان اٹھایا۔"

"ہاں!" امی نے ایک گہری سانس کھینچی اور بولیں۔ "یقین کی ساس اور سالیاں نظر نہیں ملا پا رہی تھیں لوگوں سے۔"

"کسی کی بربادی پر رونے والے کم ہوتے ہیں ہنسنے والے زیادہ۔"

"سچ کہتے ہیں آپ......" امی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری پھر بولیں۔ "مدھو کے قصے پر کیا نہ باتیں بنائی تھیں لوگوں نے۔"

"کرنل معظم کو دعوت تو دی ہے ہم نے گھر آنے کی ہو سکتا ہے آئیں۔" بابا نے امی کو افسردہ ہوتے دیکھ کر موضوع بدل دیا۔ امی جو دل گرفتہ نظر آنے لگی تھیں کھل اٹھیں۔

"ویسے آپ کا کیا خیال ہے کچھ ارادہ ہے ان کا؟"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

"کیوں؟"

"ابھی پہلی ملاقات تھی وہ بھی متکلف رہے اور ہم بھی...... گھر آنے کی دعوت دی ہے ہو سکتا ہے آئیں۔"

"اللہ کرے ضرور آئیں اور...... مدھو کا بھی دل پلٹ دے اللہ...... آخر کب تک اس طرح بیٹھی رہے گی۔"

"اللہ مسبب الاسباب ہے۔"

"ویسے ایک بات ہے ماسٹر صاحب۔"

"وہ کیا؟"

"بچے نہ ہوتے تو اچھا تھا۔"

"کیا مطلب؟" بابا چونکے۔

"ہو سکتا ہے سلسلہ بنے اور بات بڑھے مگر مدھو بچوں کی وجہ سے راضی نہ ہو۔"

"بیگم صاحبہ مدحت اگر راضی ہوئی بلکہ اگر اسے کسی بنیاد پر راضی کیا جا سکا تو وہ بچے ہی ہوں

گے۔"

امی نے قدرے حیرانی سے بابا کی طرف دیکھا۔

"جی......" بابا مسکرائے۔

"لوگ بھی کہیں گے بچوں والا ہی ملا نا۔"

بابا کی مسکراہٹ گہری پڑ گئی۔

"عجیب بات ہے بیگم صاحبہ...... کل تک تو آپ اس پریشانی میں تھیں کہ کرنل صاحب اور ان کے بچے ولیمے میں آتے ہیں یا نہیں۔ یہ فکر بھی تھی کہ کرنل موصوف کی دوسری شادی ہوئی یا نہیں اور اب جب آپ کی یہ دونوں فکریں دور ہو چکی ہیں تو آپ......" بابا نے توقف کیا پھر بولے۔ "قبل از وقت کسی تشویش اور الجھن میں نہ پڑیں۔ یہ تو وہی بات ہو گی کہ سوت نہ کپاس جولا ہے سے لٹھم لٹھا...... یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کرنل معظم ہماری دعوت پر اخلاقاً یا اپنے بچوں کی خاطر آ گئے ہوں۔ دوسری شادی کا ارادہ ہی نہ ہو ان کا یا اگر ہو تو کسی اور سے ہو۔"

امی بابا کا منہ دیکھنے لگیں۔

☆=====☆=====☆

ارج کی دلکشی، نازکی اور دلبر اداؤں نے فرزین کو ایسا مسحور کیا کہ وہ چاروں شانے چت ہو رہا۔

ارج کانونٹ کی پڑھی ہوئی ایک پُر اعتماد لڑکی تھی!

انگریزی ایسے فرّاٹے سے بولتی جیسے اس کی مادری زبان ہو۔

اسے پہننے اوڑھنے کا سلیقہ تھا اور آرائش حسن کی باریکیوں سے بخوبی واقف تھی۔

بات کرتی تو اس کے لہجے سے شہد کی سی مٹھاس ٹپکتی۔

اس کی آنکھوں میں جگنو چمکتے۔

اور اس کی پُر ادا چال کے سنگ سنگ فرزین کا دل ڈولنے لگتا۔

فرزین کا جی چاہتا بس وہ ہو، ارج ہو اور تنہائی ہو!

زر دیا تو زیادہ وہ خود کو بھی بھول گیا تھا۔

سسرال والوں پر ارج کا مزاج شادی کے دوسرے دن ہی عیاں ہونا شروع ہو گیا۔ وہ مغرور، نازک ادا اور اپنی مرضی کے سامنے کسی اور کو خاطر میں نہ لانے والی لگتی تھی۔

ولیمے والے دن میک اَپ کے لئے مدحت بجیا نے باقی دونوں بہنوں کے صلاح مشورہ سے شہر کے ایک مشہور بیوٹی پارلر سے وقت لے رکھا تھا مگر ارج نے عین موقع پر وہاں جانے سے انکار کر کے سب کو حیران کر دیا اور اپنی پسند کے بیوٹی پارلر جانے کی فرمائش کی۔

تینوں نندوں نے اسے اطمینان دلانے کی کوشش کی کہ جس بیوٹی پارلر سے اس کی آرائش کے لئے وقت لیا گیا تھا وہ کوئی معمولی پارلر نہ تھا اور آزمودہ بھی تھا۔ نگہت اور نزہت وہاں آتی جاتی رہتی تھیں۔

مگر اس نے وہاں میک اپ کروانے سے انکار کر دیا۔
امی، بجیا، نگہت اور نزہت چاروں شش و پنج میں پڑ گئیں۔
غصہ بھی آیا۔
مذکورہ بیوٹی پارلر بغیر ایڈوانس کے بکنگ کرتا ہی نہ تھا۔ ایک چوتھائی رقم پیشگی ادا کی جا چکی تھی۔
امی نے کہا۔ ''عجیب زمانہ آ گیا ہے دلہنیں تو مہینوں گھونگھٹ نہ اٹھاتی تھیں۔ سسرال والوں نے جہاں بٹھا دیا بیٹھ گئیں۔ جہاں اٹھنے کو کہا اٹھ کھڑی ہوئیں۔''
نگہت نے امی سے کہا۔ ''آپ ارج کی ایک مت سنیے۔ جس پارلر سے وقت لیا گیا ہے، وہیں لے کر جائیں گے ہم...... اگر پہلے روز محترمہ کی مرضی پر چلا گیا تو وہ ہمیشہ اپنے اشاروں پر نچانے کی کوشش کریں گی سب کو۔''
غصہ امی کو بھی آیا ہوا تھا۔
''ٹھہر جاؤ میں فرزین سے بات کرتی ہوں۔'' امی نے کہا۔
مگر امی کے بات کرنے سے پہلے ہی فرزین از خود ان کے پاس آ پہنچا اور بولا۔ ''امی ارج کسی دوسرے بیوٹی پارلر جانے کو کہہ رہی ہیں۔''
''مگر بیٹا وہاں تو ایڈوانس پیسے دے رکھے ہیں۔''
''پیسوں کی پروا مت کریں جہاں وہ جانا چاہ رہی ہیں وہیں لے جائیں۔'' فرزین نے کہا۔
''جہاں وہ جانا چاہ رہی ہیں اگر ان لوگوں نے وقت نہ دیا تو؟'' بجیا بولیں۔
''ارج کی ممی نے بات کر رکھی ہے ان لوگوں سے۔''
''وہ کون ہوتی ہیں بات کرنے والی۔ ولیمے کے لیے سسرال والوں کی مرضی سے انتظامات ہوتے ہیں کہ لڑکی کے میکے والوں کی مرضی سے۔'' نگہت نے ترخ کر کہا۔
''یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جسے انا کا مسئلہ بنایا جائے۔ جہاں وہ جانا چاہتی ہیں، لے جائیں۔'' فرزین نے دوٹوک لہجے میں کہا پھر بولا۔ ''پیسے میں نے ارج کو دے دیے ہیں۔''
امی، بجیا، نگہت اور نزہت چاروں دم بخود رہ گئیں۔
بابا چپ چاپ سنا اور دیکھا کیے۔
فرزین کے جانے کے بعد امی نے ایک صدمے کی کیفیت میں بابا کی طرف دیکھا اور بولیں۔
''سنا ماسٹر صاحب۔''
''جی ہاں سنا اور میرا مشورہ آپ سب کو یہی ہے کہ اس بات کو مسئلہ نہ بنائیں، خوشی خوشی نمٹائیں۔'' امی نے بجیا کو مشورہ طلب نظروں سے دیکھا۔
''بابا ٹھیک کہتے ہیں امی۔'' بجیا بولیں۔
''ہمیں فرزین بھائی پر حیرت ہو رہی ہے ایک ہی دن میں بیگم کے ہو رہے۔'' نزہت بولی۔
''ہونہہ!'' نگہت نے گردن جھٹکی۔
ولیمے سے اگلے دن شام کے وقت جب امی اور بابا لاؤنج میں بیٹھے تھے، فرزین اور ارج تیار

ہو کر لاؤنج میں پہنچے اور فرزین نے کہا۔ ''امی ذرا ہم دونوں باہر جا رہے ہیں۔''
امی دھک سے رہ گئیں۔
شادی کو تیسرا دن تھا اور گھر کی نئی بہو شانوں پر دوپٹہ ڈالے باہر جانے کو تیار کھڑی تھی اور صاحب زادے گھر کے بزرگوں سے اجازت لینے کے بجائے مطلع کر رہے تھے کہ ہم باہر جا رہے ہیں۔
''کہاں؟'' امی نے پوچھا۔
''پاپا ممی کے ہاں جانے کو کہہ رہی ہیں ہو سکتا ہے ہم لوگ کھانا باہر ہی کھا کے آئیں۔''
''اچھا!'' امی نے صدمے کی کیفیت میں کہا۔
شادی کے پانچویں دن یقین اور جویا نے فرزین اور ارج کی دعوت کی تو امی، بابا، بجیا اور زرین کے علاوہ نگہت اور نزہت کو بھی مع ان کے شوہروں اور بچوں کے مدعو کیا۔ کھانے سے قبل خواتین مل کر بیٹھیں اور گپ شپ شروع ہوئی تو نزہت نے ارج سے مشورتاً کہا۔ ''بھابی آپ اپنا ہیئر اسٹائل تھوڑا سا چینج کر لیں۔''
''کیوں؟'' ارج نے تیوری چڑھا کر نزہت کو دیکھا۔
''زیادہ اچھی لگیں گی آپ......''
ارج استہزائیہ انداز میں مسکرائی اور بولی۔ ''مشورے کا شکریہ۔ مجھے پتا ہے کہ مجھے کون سا ہیئر اسٹائل سوٹ کرتا ہے۔''
نزہت جھینپ گئی۔
امی، بجیا اور نگہت دزدیدہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔
غنیمت ہوا کہ جویا کچن میں تھی ورنہ اس کی موجودگی میں ان سب کی شرمندگی سوا ہوتی۔
دعوت سے واپسی پر امی نے بابا کو یہ بات شکایتی انداز میں سنائی تو وہ خاموشی سے پی گئے۔
ہفتہ بھر بعد فرزین اور ارج حسب روایت ہنی مون منانے چلے گئے۔
دس بارہ روز بعد واپس لوٹے تو نگہت نے ارج سے کہا۔ ''آپ کے ہنی مون کی فرسٹ ایپی سوڈ تو ختم ہوئی۔''
ارج نے ابرو چڑھا کر نگہت کو دیکھا اور استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ''آپ کی باتیں میری سمجھ میں ذرا کم ہی آتی ہیں۔''
نگہت اس کی مسکراہٹ کی تاب نہ لا کر خفیف ہو گئی۔
''کیا مطلب ہے ان کا؟'' ارج نے بجیا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
بجیا جنہیں ارج کا لہجہ اور مسکراہٹ بہت کھلی تھی، اپنی ناگواری کو دباتے ہوئے بولیں۔
''نگہت کا مطلب غالباً یہ ہے کہ تم دونوں اندرون وطن تو ہنی مون منا آئے اب ان شاء اللہ فرزین باہر بھی لے کر جائیں گے تمہیں۔''
''کیا نہیں لے جا سکتے؟'' ارج نے گہری نگاہوں سے بجیا کو دیکھا۔

"کیوں نہیں......ضرور لے جانا چاہیے۔"

ارج دھیرے سے ہنس دی۔

نگہت اور بجیا دونوں ہی کو اس کی ہنسی میں استہزائیہ کیفیت محسوس ہوئی۔

نگہت نے امی کو جو توقع پر موجود نہ تھیں یہ قصہ سنایا تو وہ بولیں۔ "مجھے بھی یہ لڑکی بگڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔"

نگہت نے بجیا کو دیکھا اور شاکی لہجے میں بولی۔ "بجیا! یہ کیا چیز پسند کی آپ نے فرزین کے لیے!"

بجیا شرمندہ سی ہو کر بولیں۔ "بھئی اپنی دانست میں تو ہم نے اچھی ہی چیز پسند کی تھی۔ دکھانے والوں نے بھی بہت تعریف کی تھی۔"

"بہت نخریلی اور بدتمیز۔" نگہت نے ناگواری سے کہا۔

امی نے یہ قصہ ببا کے گوش گزار کیا اور بولیں۔ "ماسٹر صاحب آپ کی نئی بہو صاحبہ نے تو جمعہ جمعہ آٹھ ہی دن میں کل پرزے نکالنا شروع کر دیے...... بڑی بہو ہی بہتر رہیں اس حساب سے تو کہ......شروع کے دنوں میں دبی لجی رہیں...... صبح اٹھ کر سلام کرتیں۔ ہمارے پاس آ کر بیٹھتیں۔ میکے جانا ہوتا تو ہم سے اجازت لیتیں۔ یقین کے ساتھ باہر جاتیں تو ہم سے پوچھ کر جاتیں۔ فرزین کی دلہن کو تو نہ ہمارا احترام ہے نہ کسی اور کا لحاظ...... ماں کے ہاں جانا ہو تو کسی بڑے چھوٹے سے اجازت لیے بغیر منہ اٹھا کر چل دیتی ہیں۔ مجھے تو فرزین پر حیرت ہے کہ چار ہی دن میں بیوی کے غلام ہو رہے ان سے اچھے تو یقین ہی تھے۔"

ببا دھیرے سے مسکرا دیے پھر بولے۔ "چلیے چھوٹی بہو کے آنے سے بڑی بہو کی خوبیاں تو کھلیں۔"

"خیر کوئی اتنی بہت خوبیاں بھی نہیں تھیں۔ گنوں کی تو وہ بھی پوری تھیں مگر چھوٹی تو مجھے ان سے بھی چار ہاتھ آگے جاتی نظر آ رہی ہیں۔"

ببا کھنکھار کر بولے۔ "بات یہ ہے بیگم صاحبہ کہ پرانے کی قدر نئے سے واسطہ پڑنے پر کھلتی ہے۔"

"آپ کو تو اپنی چہیتی بہو کے گن گانے کا موقع ملا۔" امی بولیں۔

"بھئی میرے لیے تو آپ سمیت سب چہیتے ہیں۔"

"بیٹے بھی۔" امی محجوب ہو گئیں پھر اصل موضوع پر آتے ہوئے بولیں۔ "نگہت دعوے سے بولیں یہ کیا چیز پسند کر لائیں آپ فرزین بھائی کے لیے۔"

"کوئی نئی بات نہیں کی نگہت نے......" ببا نے توقف کیا پھر بولے۔ "بعض دانشوروں کا خیال ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو کبھی نہیں دہراتی مگر...... بہوؤں کے معاملے میں تاریخ اکثر اپنے آپ کو اسی طرح دہراتی ہے کہ بہو گھر آنے سے پہلے بہت اچھی لگتی ہے سب کو مگر اس کے گھر آنے کے بعد اکثر اسی طرح دوش دیتے ہیں لوگ ایک دوسرے کو جیسے بقول آپ کے نگہت نے بجیا کو دوشی ٹھہرایا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ نگہت کی پسند بھی شامل تھی فرزین کے لیے دلہن کے انتخاب میں۔"

"خیر یہ اندازہ تو چار ہی دن میں ہو گیا ہے کہ فرزین کی دلہن کے ساتھ ہمارا گزارہ ہونا مشکل ہے جتنی جلدی ہو سکا الگ کر دوں گی انہیں...... الگ ہونے میں مسئلہ کوئی ہے نہیں فرزین کے پاس اپنا فلیٹ موجود ہی ہے۔"

"بیگم صاحبہ آپ دودھ کی جلی ہیں چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پینا چاہتی ہیں۔"

امی نے گھائل نظروں سے ببا کو دیکھا اور دل گرفتگی سے بولیں۔ "ماسٹر صاحب! اولاد کو اس لیے تو نہیں پالتے کہ بیٹیوں کو داماد اور بیٹوں کو بہوویں لے جائیں اور ہم اکیلے رہ جائیں۔"

ببا نے امی کے شانوں پر اپنا بازو دراز کر دیا اور بولے۔ "آپ اکیلی کہاں ہیں بیگم صاحبہ...... یہ ناچیز ہے تو آپ کے ساتھ۔"

امی نے ممنون نگاہوں سے ببا کو دیکھا اور بے اختیار ان کی آنکھیں بھر آئیں۔

☆=====☆=====☆

فرزین تو ہنی مون سے واپسی پر فوراً ہی سائن آن کر کے ارج کو اپنے ہمراہ جہاز پر لے جانا چاہتا تھا مگر قریبی عزیزوں میں دعوتوں کا سلسلہ اس کے ارادے میں حارج ہو رہا۔

جویا کے میکے میں بھی دعوت ہوئی اور دولہا دلہن کے ساتھ جملہ اہل خانہ ہی نہیں بلکہ نگہت اور نزہت کو بھی مدعو کیا گیا۔

فرزین کو زویا کا خیال دامن گیر ہوا۔

وہ متعجب ہوا کہ شادی کے بعد وہ زویا کو بالکل ہی بھلا بیٹھا تھا۔

دعوت کا پیغام ملنے پر اسے زویا کا خیال آیا اور اس نے محض اس کا سامنا کرنے سے بچنے کے لیے امی سے کہا۔ "امی حال ہی میں اتنا بڑا سانحہ گزرا ہے ان پر اچھا نہیں لگتا کہ ہم دعوت کھانے پہنچ جائیں۔"

امی نے اس کی آنکھوں میں غور سے جھانک کر یہ دیکھنے کی کوشش کی کہ اس ناتمام خواہش کی کوئی رمق تو نہ تھی اس کی آنکھوں میں!

فرزین نے نظریں چرا لیں۔

کتنے دن بعد آیا تھا زویا کا خیال اس کے دل میں!

اور کتنا حسب حال تھا وہ شعر جو اچانک ہی بازگشت کی صورت اس کے ذہن میں گونجنے لگا تھا۔

اب کے ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں
جس طرح سوکھے ہوئے پھول کتابوں میں ملیں

"تم کہتے تو ٹھیک ہو۔" امی نے کہا۔

"منع کر دیجیے آپ ان لوگوں کو...... معذرت کر لیجیے ان سے۔"

ببا نے بھی تائید کی۔

مگر ماں نے ان کے انکار کا برا منایا! امی سے فون پر بولیں۔ "مانا کہ آپ چھوٹی بہو کھاتے

پہنتے گھر سے لائی ہیں مگر بڑی تو آپ اسی غریب گھرانے سے لے گئی ہیں ایک وقت روکھی سوکھی کھا کر ہمارے غریب خانے کی عزت بھی بڑھا دیں۔"

ارج کے نخریلے پن کی بھنک جویا کو بھی مل چکی تھی اور اس نے اماں کو بھی بتا دیا تھا۔

"ارے بہن کیسی باتیں کرتی ہیں آپ......" اماں کی بات پر امی نے خجالت سے کہا۔

"ہمارے ہاں بھی روکھی سوکھی ہی ہے۔ اصل میں میں منع اس لئے کر رہی ہوں کہ آپ کے ہاں ایسا واقعہ ہو چکا ہے کہ ان حالات میں آپ لوگوں کو کسی تکلیف میں پڑتے دیکھنا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔"

اماں نے ایک سرد آہ کھینچی اور بولیں۔ "بہن! کسی کے مرنے سے کاروبار دنیا نہیں رکتا یہاں تو ایک بیٹی ہی برباد ہوئی ہے۔" اماں کی آواز رندھ گئی۔

"بہن! آپ کے دکھ کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جو خود اس دکھ سے گزر رہا ہو۔ بیٹی کی بربادی کا غم انسان کو مار دیتا ہے۔ میں یہ دکھ سہہ رہی ہوں، بہن۔" امی نے توقف کیا پھر بولیں۔ "ہم دونوں سمدھنیں تو تھیں ہی مجھے مدحت اور آپ کو زدیا کے غم نے ایک دوسرے کا دکھ شریک بھی بنا دیا ہے۔"

"مگر آپ نے شاید اپنی بیٹی کی زندگی اپنے ہاتھوں برباد نہیں کی ہوگی۔ مجھ سے یہ غلطی ہوئی ہے۔"

امی دم بخود رہ گئیں۔

جس عورت نے اپنی غلطی کبھی مانی نہ ہو اس عورت کی زبان سے اپنی غلطی کا اقرار سننا ایک تحیر انگیز بات تھی۔

"بس آپ سب لوگ آ رہے ہیں۔" اماں نے کہا۔

"بہن! میں تو پھر بھی کہوں گی کہ تکلیف مت کیجئے آپ۔"

"اگر اپنا سمجھتی ہیں تو انکار مت کریں۔"

فرزین پھر متردد ہوا مگر امی نے کہا۔ "جانا ضروری ہے بڑے اصرار سے دعوت دی ہے انہوں نے۔"

دعوت والا دن زدیا کے لئے بہت کٹھن ثابت ہوا۔

تمام دن وہ مصروف کار رہی۔

مہمان آئے تو وہ کچن میں محصور ہو گئی۔

فرزین کے سامنے جانے کا خیال ہی روح فرسا تھا۔

ارج کو اس نے یوں دیکھا جیسے کوئی پیاسا سراب کو دیکھے!

اسے ارج پر رشک بھی آیا، حسد بھی محسوس ہوا۔

کھانے کے وقت جب سب کھانے کے لئے بیٹھ گئے تو اس نے کچن ہی میں رہنے کی کوشش کی۔

مہمانوں نے پکارا تو اس نے بھیگی ہوئی آواز میں کہا۔ "آپ لوگ شروع کریں میں بعد میں کھا لوں گی۔"

فرزین کی شادی بے شک اس سے نہ ہوئی ہوتی لیکن اگر اس کی قسمت کا فیصلہ اماں نے بے سوچے سمجھے نہ کر دیا ہوتا تو شاید آج وہ مہمانوں کے سامنے جانے سے یوں گریزاں نہ ہوتی۔

"وہ نہیں آئے گی۔ آپ لوگ شروع کیجئے۔" اماں نے مہمانوں سے کہا۔

"کیوں نہیں آئے گی؟" ارج نے پوچھا۔

فرزین نے نظریں چرا لیں۔

مہمانوں اور میزبانوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

ارج کے سوال پر میزبان کچھ متذبذب نظر آنے لگے تھے۔

"بعض لڑکیاں بہت شرمیلی ہوتی ہیں۔" امی نے کہا۔ "زدیا انہی میں سے ہیں۔"

ارج استہزائیہ انداز میں ہنسی اور بولی۔ "تھینکس گاڈ! ہم کانوینٹ کی لڑکیاں اس طرح نہیں شرماتیں۔"

جویا نے گہری نگاہوں سے یقین کو دیکھا پھر دزدیدہ نظروں سے سسرال والوں کو دیکھنے لگی۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔" بجیا نے پہلا نوالہ توڑتے ہوئے کہا۔

سب نے کھانا شروع کر دیا۔

کچن میں زدیا چپکے چپکے بار بار اپنی آنکھیں پونچھے جا رہی تھی۔

کھانے کے بعد بجیا اٹھ کر کچن کی طرف گئیں تو وہ سنک کے سامنے کھڑی برتن دھو رہی تھی جو کھانے کے اختتام پر بھابی اور جویا نے دسترخوان پر سے اٹھا کر سنک میں ڈھیر کر دیئے تھے اور خود دوبارہ مہمانوں کے پاس جا بیٹھی تھیں۔

"کیسی ہو زدیا؟" بجیا نے بہت ملائمت سے پوچھا۔

"جی...... ٹھیک ہوں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"ایک بات کہوں زدیا۔" بجیا نے توقف کیا پھر بولیں۔ "اپنے پیروں پر کھڑی ہونے کی کوشش کرو۔"

زدیا نے بے ساختہ ان کی طرف دیکھا۔

اس کی آنکھوں کی سرخی نے بجیا کو وہ سب کچھ بتا دیا جسے ان سے چھپانے کی کوشش میں وہ ان سے نظریں چرائے کھڑی تھی۔

بجیا نے ایک سرد آہ کھینچی پھر بولیں۔ "میں بھی تمہاری طرح خوف زدہ ہو گئی تھی دنیا سے مگر بابا نے مجھے حوصلہ دیا اور راستہ دکھایا۔" بجیا اس کے بالکل نزدیک آ گئیں اور اس کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے بولیں۔ "بہت سی عورتوں نے ہم سے بھی بڑے بڑے صدمات سہے ہیں زدیا اور وہ زندہ بھی رہی ہیں۔ تمہیں اور مجھے بھی زندہ رہنا ہے اپنے لئے...... ان کے لئے جو ہمیں عزیز رکھتے ہیں اور ان کے لئے بھی جنہوں نے ہمیں کھلونا سمجھ کر ہم سے کھیلنے اور کمزور سمجھ کر ہمیں پارہ پارہ کر دینے کی کوشش کی۔"

بجیا کے آخری فقرے پر اس نے حیران ہو کر بجیا کو دیکھا۔

"انہیں یہ بتانے کے لئے کہ ہم ان کی کم ظرفی اور زیادتیوں کے باوجود زندہ رہ سکتے ہیں۔"

بجیا کے لہجے میں دل گرفتگی کے ساتھ دوٹوک کیفیت تھی۔

☆=====☆=====☆

فرزین کے ولیمے میں امی، بیا اور باقی گھر والوں سے کرنل معظم کی ملاقات گہرے باہمی مراسم کا پیش خیمہ بن گئی۔ مدحت بجیا بارہ پتھر باہر ہوگئیں اور کرنل معظم دیکھتے ہی دیکھتے اقربا میں شمار ہونے لگے۔

بیا سے ان کی بڑی گہری چھنتی۔

فون پر تو وہ بیا سے تقریباً روزانہ ہی طویل دورانئے کی گفتگو فرماتے۔

دوسرے تیسرے دن یا تو بیا ان کی طرف چلے جاتے یا وہ بنفسِ نفیس تشریف لے آتے دونوں بچے بھی ان کے ہمراہ ہوتے۔

ان دونوں کی افشاں اور کہکشاں سے بہت دوستی ہوگئی تھی۔ وہ آئی ہوئی ہوتیں تو دونوں کھل اٹھتے۔ انہیں موجود نہ پاتے تو فون کر کے انہیں بلانے کی فرمائش کرتے۔

گھر میں فرزین اور ارج اور ادھر یقین اور جویا سے کرنل معظم اور ان کے بچوں کا اصل سیاق وسباق ہنوز راز تھا۔

ارج کو اصل سیاق وسباق جاننے سے دلچسپی بھی نہ تھی۔ وہ سسرال کی نسبت اپنے میکے والوں اور سسرال میں اپنے شوہر سے دلچسپی رکھنے کی پالیسی پر کاربند نظر آتی تھی۔ فرزین کو اس نے کچھ ہی دنوں میں اپنی زلفِ گرہ گیر کا اسیر بنالیا تھا۔

جویا البتہ کھوج میں تھی۔

فرزین کے ولیمے کے بعد جب بھی سسرال جانا ہوا یا تو کرنل معظم کو بیا کے ساتھ بیٹھا پایا! اور ان کے بچوں کو مدحت بجیا کے گلے کا ہار بنے دیکھا یا یہ معلوم ہوا کہ بیا کرنل معظم کے گھر گئے ہوئے تھے۔

کرید نے پر وہی بات کہ بجیا کی کسی مرحومہ دوست کے میاں اور بچے تھے وہ!

کون سی دوست تھیں جو اچانک ہی مرحومہ ہوگئی تھیں!

اور اگر کوئی دوست واقعی مرحومہ ہو بھی گئی تھیں تو ان کے شوہر اور بچے اس گھر کی دہلیز کیوں پکڑ کر بیٹھ گئے تھے۔

جویا کی چھٹی حس اسے معنی خیز اشارے دے رہی تھی۔

بارہا اس نے یقین سے بھی پوچھا تھا کہ خودرو جھاڑیوں کی طرح آخر کہاں سے اگ آئے تھے کرنل معظم موصوف اور ان کے دو عدد بچے! مگر وہ کوئی جواب دینے سے قاصر رہا تھا۔ اس بے چارے کو تو خود معلوم نہ تھا۔

کرنل معظم کو شروع میں مہمانوں کی طرح ڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا۔

پھر وہ بے تکلفی سے لاؤنج میں بٹھائے جانے لگے۔

پہلے ان کی بیا سے بے تکلفی ہوئی۔

پھر گھر کے دیگر افراد سے مراسم بڑھے۔

فرزین اپنی شادی کے دو ماہ بعد جب ارج کے ہمراہ یورپ کے سفر پر نکل گیا تو کرنل معظم مع اپنے بچوں کے گھر میں زیادہ "ان" ہوگئے۔

پھر ایک روز کرنل معظم یونیورسٹی میں بجیا کے کمرے میں ان کے روبرو آ بیٹھے اور انہوں نے کہا۔ "مس مدحت! میں آپ کو پرپوز کرنا چاہتا ہوں۔"

بجیا کے دل کی دھڑکن بے مہار ہوگئی اور انہیں سانس لینا دوبھر معلوم ہونے لگا۔

"آپ کو پتا ہے۔" بجیا نے بے مہار دھڑکن کو قابو میں کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ان کی جانب دیکھا اور بولیں۔ "میں ڈائیورسی ہوں۔"

"سو واٹ!" انہوں نے بڑے اطمینان سے کہا۔

بجیا نے الجھی ہوئی نظروں سے ان کی طرف دیکھا اور انہیں بڑی گہری نگاہوں سے اپنی طرف دیکھتے ہوئے پاکر نظریں چرالیں۔

"میں نے آپ کی امی اور بیا دونوں سے بات کرلی ہے۔"

بجیا نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"اور انہی کے مشورے پر میں براہ راست آپ سے بات کر رہا ہوں۔"

بجیا پر ایک اضطرابی کیفیت طاری ہوگئی۔

یہ کیا کیا تھا امی اور بیا نے!

انہیں کرنل معظم پر غصہ آیا کہ وہ یونیورسٹی کیوں آپہنچے تھے۔

لوگوں کو یہ کہنے کا بہانہ ملے گا کہ یہ تو یونیورسٹی آیا کرتے تھے!

"پلیز!" بجیا نے دھیمے سُروں میں کہا۔ "ایسی باتیں یہاں اچھی نہیں لگتیں۔"

"تو جہاں آپ کہیں وہیں چل کر کہہ لیتے ہیں۔"

"آئی ایم اے ڈائیورسی کرنل صاحب...... مجھے طلاق ہوچکی ہے۔"

"اینڈ آئی ایم اے وڈوور...... میری بیوی کا انتقال ہوچکا ہے...... دو بچوں کا باپ ہوں۔"

بجیا نے بڑبڑا کر ان کی طرف دیکھا۔

ان کے لبوں پر دھیمی سی مسکان تھی۔

گھر والوں نے بجیا سے بات کی تو انہوں نے ہمیشہ کی طرح ناگواری کا اظہار نہیں کیا اور نگہت سے جو ان کی رضا معلوم کرنے پر مامور کی گئی تھی، بولیں۔ "جو تم لوگوں کی مرضی آئے کرو۔ مجھے پریشان مت کرو۔"

امی نے کہا۔ "ماسٹر صاحب! مدحت کے اس جواب کا مطلب تو معلوم کیجئے آپ ان سے۔"

"مجھے کچھ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔" بیا بولے۔

"کیوں؟"

"کیونکہ عقل مند کو اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ مدحت کا یہ جواب کہتا ہے کہ وہ راضی ہے۔"

"پھر بھی پوچھ تو لیجیے کیا پتا غصے میں کہی ہو اس نے یہ بات۔"

"بیگم صاحب آپ کے اطمینان کی خاطر پوچھ بھی لوں گا۔"

بابا نے بجیا سے خود بات کی تو وہ بولیں۔ "اگر اس طرح آپ کی اور امی کی فکر رفع ہو سکتی ہے تو ......تو میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے بیٹی...... خدا تمہیں خوش رکھے۔" بجیا کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بابا کا دل بھر آیا۔

جویا کو پتا چلا تو اس نے یقین سے کہا۔ "میں آپ سے کہتی تھی نا کوئی چکر ضرور ہے۔"

"ہونے دو ہمیں کیا...... ہمیں اپنے گھر سے سروکار ہونا چاہیے۔ بس۔"

یقین کے جواب سے جویا کو یک گونہ تسکین ہوئی۔

اسے یوں لگا جیسے یقین کے اپنے گھر والوں سے ڈانڈے ٹوٹ چکے تھے اور اب وہ صرف اور صرف اس کا تھا۔

سسرال سے علیحدہ ہو کر کتنی بہت سی الجھنوں سے نکل آئی تھی وہ!

☆=====☆=====☆

وقت کتنی جلدی گزرتا ہے!

کبھی کبھی تو جویا کو یوں لگتا جیسے یقین سے اس کی شادی کل ہی کی تو بات تھی۔

آٹھواں برس لگ چکا تھا

اور آٹھ سالہ ازدواجی زندگی کا انعام؟

چار بچے!

مریم

علی

بلال

عائشہ

مریم کلاس ٹو میں

علی کلاس ون میں

یکے بعد دیگرے چار بچوں کی مصروفیات نے اسے ایسا گھیرا تھا کہ خود کو تو وہ جیسے بھول ہی گئی تھی۔ کہاں کا فیشن اور کہاں کی خوش لباسی!

ہر روز استری شدہ بے شکن لباس پہن کر اسکول جانے والی اپنے کپڑوں پر روزانہ استری سے بچنے کے لیے ایک جوڑا دو دن چلاتی بلکہ کبھی کبھی تو تین دن بھی ہو جاتے۔ تاہم یقین کے کپڑے اور بچوں کی یونیفارم بلا ناغہ استری ہوتے۔

چار بچوں کو پالنا بجائے خود ایک "فل ٹائم جاب" تھا۔

صبح سے دوپہر تک ملازمتی فرائض انجام دیتی اور گھر واپسی کے بعد رات گئے تک گھر کے سینکڑوں دھندے اسے دو گھڑی کمر سیدھی کرنے کی مہلت نہ دیتے۔

صبح ایک طرف ناشتے کی تیاری ہوتی تو دوسری طرف بچوں کو اسکول کے لیے تیار کرنا ہوتا۔ مریم اور علی کی اسکول بس پونے سات بجے آ جاتی۔ ڈرائیور ایسا بے صبرا تھا کہ دو منٹ سکون سے نہ کھڑا ہوتا۔ ٹیں ٹیں کر کے ہاتھ پاؤں پھلا دیتا۔ پلک جھپک وہ دونوں کو نیچے ان کی بس تک پہنچاتی، ان کے جانے کے بعد تیز تیز اوپر چڑھتی، بلال کو بھی ان دونوں کے ساتھ ہی تیار کرلیا ہوتا، کبھی ان کے جانے کے بعد تیار کرتی۔ ہینگر پر سے اپنے کپڑے کھینچتی۔ کپڑے تبدیل کر کے جلدی جلدی بالوں میں کنگھا پھیرتی، وقت ہوتا تو لپ اسٹک بھی لگا لیتی ورنہ اماں کے ہاں پہنچ کر لگاتی۔ کبھی لپ اسٹک لگائے بغیر ہی اسکول چلی جاتی اور وہاں کسی کولیگ کے ٹوکنے پر بیگ سے لپ اسٹک نکال کر اسٹاف روم کے اٹیچڈ باتھ میں گھس کر ہونٹ رنگ لیتی۔

عائشہ کو اماں کے ہاں چھوڑ کر وہ بلال کو اس کی مونٹیسوری پہنچاتی ہوئی اپنے اسکول جاتی۔ وسائل بلال کے لیے اسکول وین لگوانے کی اجازت ہی نہ دیتے۔ تینوں بچے انگلش میڈیم پرائیویٹ اسکولوں میں پڑھ رہے تھے۔ تینوں کی بھاری بھاری ماہانہ فیس، مریم اور علی کی اسکول بس فیس اور تینوں کے چھوٹے موٹے بہت سے تعلیمی اخراجات مل کر اچھی خاصی رقم بن جاتی تھی۔ بلال کی مونٹیسوری اس کے اسکول کے راستے میں پڑتی تھی، اخراجات میں تخفیف کی خاطر وہ بلال کو صبح خود ہی چھوڑتی اور اسکول سے واپسی پر لیتی ہوئی جاتی تھی۔ حالاں کہ اس میں وقت اسے بھی ہوتی اور بچہ بھی تکلیف اٹھاتا مگر مجبوری!

اسکول میں صبح سے دوپہر تک دس مرتبہ اس کا دھیان بچوں کی طرف جاتا۔

خدا جانے مریم اور علی نے انٹرول میں کچھ کھایا پیا ہوگا یا نہیں!

دونوں کو وہ بلا ناغہ ان کے لنچ بکسوں میں ناشتہ رکھ کر دیتی تھی مگر دونوں ہی ہفتے میں چار دن جوں کا توں واپس لے آتے۔

کبھی کھانے کو دل نہ چاہنے کا بہانہ کرتے۔

کبھی بھول جانے کا بہانہ ہوتا۔

کینٹین سے ناقص اور مضر صحت چیزیں لے کر کھانے کے لیے اکثر پیسے کی طلب میں رہتے مگر جویا انہیں پیسوں کی لت نہ پڑنے دیتی۔ اول تو وسائل روزانہ ان کی جیبیں گرم کر کے اسکول بھیجنے کی اجازت نہ دیتے، دوسرے وہ دیکھ آئی تھی کہ اسکول کینٹین معصوم بچوں کو خوب بیوقوف بناتی اور ٹھگتی تھی۔

بار ہا اس کا دھیان بلال کی طرف جاتا۔

چھوٹا سا تو ہے کہیں کسی نے مارا نہ ہو۔

کوئی انٹرول میں دھکا نہ دے دے اسے۔

او ہو! مریم صبح پنسل خریدنے کے لیے پیسے مانگ رہی تھی، میں نے کہا تھا دیتی ہوں، مجھے کاموں میں یاد ہی نہیں رہا۔ اللہ جانے کیسے کام کر رہی ہوگی آج!

بچے چھوٹے تھے، فیسیں اچھی خاصی۔

گم ہو جانے کے خدشے سے وہ فیس بچوں کے ہاتھ نہ بھجواتی سو مہینے میں ایک مرتبہ مریم اور علی کے اسکول بھی جانا پڑتا اور بلال کی مونٹیسوری بھی۔ کبھی وہ اسکول سے آدھی چھٹی لے کر ان کے اسکول بھی جاتی۔ کبھی صبح کو وہاں ہوتی ہوئی اپنے اسکول دیر سے پہنچتی۔

ہیڈ مسٹریس اکثر ٹوکتیں۔ ''مس جویا، شادی کے بعد آپ شارٹ لیو بہت لینے لگی ہیں۔''

وہ شرمندہ سی ہو جاتی۔

شارٹ لیو نہ لیتی تو پھر کیا کرتی۔

فیس سے قطع نظر اور بہت سے مسائل بھی تو رہتے تھے، بچوں کے سلسلے میں کبھی ٹیسٹ کا رزلٹ لینا ہوتا۔

کبھی کبھار جماعت میں بچوں کی کارکردگی کی رپورٹ لینے کے لئے ٹیچرز سے ملنا ضروری ہوتا۔

کبھی یوم والدین کی تقریب میں شرکت لازم ہوتی۔

کبھی بچوں کی کلاس ڈائری پر ٹیچر کی طرف سے نوٹ لکھا ہوا آجاتا۔ ''کائنڈلی سی دا ٹیچر۔''

مجبوراً ''مختصر چھٹی'' لینا پڑتی۔

''شارٹ لیو'' کی ضرورت ویسے بھی اکثر پڑ جاتی۔

کبھی بینک جانا ہوتا۔

کبھی جمعدارنی پر گھات لگانا ہوتی جو گھر کے دروازے پر تالے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دروازے کے باہر کوڑے کے ڈبے کو جوں کا توں چھوڑ جاتی اور آنے جانے والوں کو بدبو کے بھبکے برداشت کرنے پڑتے۔ کبھی بجلی کے زائد بل کے خلاف احتجاجی درخواست جمع کرانے کے لئے بلنگ آفس جانا ضروری ہوتا۔ کبھی کوئی اور مسئلہ ہوتا۔

پورے دن کی اتفاقی رخصت کا کوٹہ وہ بہت دیکھ بھال کر استعمال میں لاتی۔

سال بھر میں کل پچیس اتفاقی چھٹیاں کرنے کی اجازت تھی جو ہنگامہ ہائے زندگی کے مقابلے میں بہت ندیدی سی لگتی تھیں اسے۔

سو مسئلے ہوتے جو اتفاقی رخصت کے لیے اس کا دامن تھام لیتے۔

ماشاءاللہ چار بچے تھے۔

کبھی ایک بیمار ہوتا تو کبھی دوسرا۔

میکے اور سسرال کے معاملات بھی دم کے ساتھ لگے تھے۔

خاندان بہت بڑا تھا۔

موت زندگی، بیماری، آزاری بھی تو ساتھ لگے تھے۔

آج دوسروں کے ساتھ تو کل ہمارے ساتھ۔

دنیاداری کو خاندان والوں کی غمی خوشی میں بھی شریک ہونا لازم ہوتا، ایسے اتفاقی موقعوں پر اتفاقی چھٹیوں کا کوٹہ ہی کام آتا۔

ممکنہ حد تک وہ ''شارٹ لیو'' ہی سے کام چلاتی اور انتہائی اشد ضرورت کے تحت ہی اتفاقی چھٹی کرتی مگر پھر بھی سال کے اختتام تک اتفاقی چھٹیوں کا پورا کوٹہ ختم ہو جاتا۔

ہیڈ مسٹریس ''شارٹ لیو'' کے سلسلے میں ٹوکتیں اور برا مناتی تھیں تو مناتی رہیں۔ وہ تفریحاً تو نہیں لیتی تھی شارٹ لیو۔

کولیگز بھی اکثر معترض ہوتیں۔

اس کی جگہ اضافی پیریڈ لینے والی ساتھیوں کی تیوریاں چڑھی رہتیں۔

وہ اسکول بھر میں سب سے زیادہ چھٹی لینے والی ٹیچر مشہور ہو گئی تھی۔ اس کی وجہ سے ہیڈ مسٹریس کو میٹنگ میں اکثر کہنا پڑتا۔ ''پلیز! آپ لوگ زیادہ چھوٹی لیو مت لیا کریں، دوسروں کو پریشانی ہوتی ہے۔''

''میڈیم، آپ سب کو کیوں کہتی ہیں جو زیادہ چھٹیاں لیتی ہیں، انہیں وارننگ دیں۔'' ایک میٹنگ میں مس شمیم نے اپنی بہت سی ساتھیوں کا مشترکہ اعتراض اگل ڈالا۔

''سب سے زیادہ چھٹیاں مس جویا لیتی ہیں۔'' مسز باسط بولیں۔

جویا سر پاؤں تک سن رہ گئی۔

یہ تو اسے معلوم تھا اور ادھر کی ادھر لگانے والوں سے خبریں بھی ملتی رہتی تھیں کہ کولیگز اس کے زیادہ چھٹی لینے پر معترض رہتی ہیں۔ وہ میٹنگز میں ہیڈ مسٹریس کی اشاروں کنایوں میں تنبیہ کو بھی خوب سمجھتی تھی۔ مگر اسے یہ معلوم نہ تھا کہ کسی روز میٹنگ میں یوں اس کا نام اچھلے گا۔

کافی دن وہ مس شمیم اور مسز باسط سے خفا خفا رہی۔

بعض ساتھیوں نے ان دونوں کو ٹوک کر جویا کی بہی خواہی کا ثبوت بھی دیا۔

''بھئی، وہ بے چاری بھی کیا کریں، چھوٹے چھوٹے چار بچے ہیں اور گھر میں کوئی ان کا ہاتھ بٹانے والا بھی نہیں۔''

''چار بچے ہیں تو ہمارا کیا قصور'' مس شمیم بولیں۔

''اور کیا، ہم نے تو نہیں کہا تھا، چار بچے پیدا کرنے کو۔''

''چار بچے صرف انہی کے تو نہیں ہیں۔ ہم میں سے بعض نے تو چار سے بھی زیادہ پالے ہیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر اس بے چاری کو بہت مسئلہ ہے۔''

''مسئلے کس کے ساتھ نہیں ہوتے...... ہم میں سے ہر ایک کا کوئی نہ کوئی مسئلہ ضرور ہوگا۔'' بولنے والی خاتون نے تائید طلب نگاہوں سے اپنے چاروں اور دیکھا۔

انہیں بہت زبردست تائید حاصل رہی۔

''مس جویا کے ساتھ پرابلم یہ ہے کہ ان کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ بے چاری اپنی سب سے چھوٹی بچی کو صبح اپنی امی کے ہاں چھوڑتی ہوئی اسکول آتی ہیں۔''

''ہاں اور واپسی پر چھوٹے بیٹے کو وہ خود ساتھ لیتی ہوئی امی کے ہاں جاتی ہیں۔ بڑے دونوں

بچے اسکول سے واپسی پر اپنی نانی کے گھر اترتے ہیں۔ سنا ہے، شام کو مس جویا کے ہسبنڈ آفس سے سسرال پہنچتے ہیں اور وہاں سے بیوی بچوں کو سمیٹ کر اسکوٹر پر گھر جاتے ہیں۔"

"مائی گاڈ! اسکوٹر پر؟"

"جناب۔"

"چار بچے، مس جویا اور ان کے ہسبنڈ ایک اسکوٹر پر!"

"ہاں۔"

"کیسے مینج کرتے ہوں گے!"

"بس...... جیسے ان جیسے اور بہت سے لوگ کرتے ہیں۔"

"بہت مشکل ہے، ایک اسکوٹر پر چار بچوں اور دو میاں بیوی کا سوار ہونا۔"

"اس سے زیادہ مشکل بات یہ ہے کہ بچے چاروں بہت چھوٹے ہیں۔ سب اوپر تلے کے۔ بہت کم فرق ہے ان کی عمروں میں۔"

"جبھی تو جویا کی صحت بھی اتنی گر گئی ہے...... دیکھا نہیں کتنی عجیب سی لگنے لگی ہیں۔"

"ہاں...... چہرے پر چھائیاں بہت ہو گئی ہیں۔"

"وہ پہلے جیسا رنگ وروپ ہی نہیں رہا بے چاری کا۔"

"بچوں کی پیدائش میں وقفہ نہ ہو تو یہی ہوتا ہے۔"

"یہ ہماری پرابلم نہیں...... یہ تو مس جویا اور ان کے ہسبنڈ کے سوچنے کی بات ہے۔"

"تو پھر...... آپ کی پرابلم کیا ہے؟"

"ہماری پرابلم بس یہ ہے کہ مس جویا کے چھٹی کرنے کی صورت میں ان کی جگہ ہمارے پیریڈز نہ لگا کریں۔"

ہر دو قسم کی کولیگز جویا کو ٹوکتیں۔

"جویا! اپنا خیال کرو بھئی۔"

"کیا خیال کروں!" وہ مسکرانے کی کوشش کرتی۔

"چہرے پر وہ پہلے جیسی شادابی ہی نہیں رہی تمہارے۔"

اس کے دل میں ٹیس اٹھتی۔

"آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے بہت برے لگتے ہیں۔"

اماں اور بہنیں بھی اکثر ٹوکا کرتی تھیں۔

"چھائیوں کا کچھ علاج کریں۔"

خاک علاج کرتی۔

اپنے بارے میں سوچنے کی فرصت کسے تھی۔

"انگلیوں کے ناخن کیوں پک رہے ہیں؟"

پانی میں رہ رہ کر۔

میلے برتن دھو کر بیٹھے دیر نہ ہوتی کہ پھر جمع ہو جاتے۔

یقین کو دفتر ہی نہیں، گھر میں پہننے کے لیے بھی ہر روز ڈھلے ہوئے استری شدہ کپڑے مطلوب ہوتے۔ بچوں کی یونیفارم بلاناغہ دھلتیں۔

روزمرہ استعمال کے کپڑے بھی وہ حد سے حد دو دن چلاتے۔

چھوٹی عائشہ کے میلے کپڑوں کا تو ڈھیر لگا رہتا۔

اسے روزانہ واشنگ مشین لگانا پڑتی۔

چادریں، تکیوں کے غلاف وغیرہ چھٹی والے دن دھوتی۔

پردوں کی دھلائی دوسرے تیسرے مہینے ہوتی۔

فرش پر پوچا بلاناغہ لگانا پڑتا۔

کچن اور باتھ روم کے فرش روزانہ دھلتے۔

ڈھیروں ڈھیر واشنگ پاؤڈر کے استعمال سے ناخن گلنا ہی تھے۔

ایسی بھدی ہو گئی تھیں اس کی انگلیوں کی اگلی پوریں کہ اسے لوگوں کے سامنے اپنی انگلیاں کرتے شرم آتی۔

اسکول میں بے باک قسم کی کئی لڑکیوں نے پوچھا تھا۔ "مس! آپ کی انگلیوں میں کیا ہوا؟"

کسی کو وہ ٹال گئی۔

کسی کو سبب بتا دیا۔

"اللہ! مس آپ اتنا کام کرتی ہیں اپنے گھر کا؟" ایک مرتبہ ایک لڑکی بولی۔

"ہاں اور کیا۔"

"ہم تو سمجھتے تھے، آپ کوئی کام نہیں کرتی ہوں گی سوائے پڑھانے کے۔"

اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔

کبھی وہ خود بھی اپنی ٹیچروں کے بارے میں اسی خوش گمانی میں رہا کرتی تھی۔ مگر جب ایک بار انگریزی کی ٹیچر مسز سارہ حبیب تین چار دن تک اسکول سے مسلسل غیر حاضری کے بعد لنگڑاتی ہوئی اسکول آئیں اور انہوں نے لڑکیوں کے استفسار پر بتایا کہ اپنی ساڑھی دھو کر گھر کی چھت پر بندھی الگنی پر ڈالنے کے لیے بالائی منزل پر جاتے ہوئے وہ زینے پر پاؤں مڑ جانے کے باعث گر پڑی تھیں اور ان کے پاؤں میں موچ آ گئی تھی تو لڑکیاں متحیر رہ گئی تھیں۔

"مس آپ کپڑے دھوتی ہیں!"

"جی ہاں۔"

"واقعی مس!"

"ہاں بھئی، آپ لوگ اتنی حیران کیوں ہو رہی ہیں۔ میں اپنے کپڑے بھی دھوتی ہوں، انہیں کلف بھی لگاتی ہوں اور استری بھی کرتی ہوں۔"

"بائی گاڈ! مس آپ کے کپڑے تو دھوبی کے ہاتھ کے دھلے لگتے ہیں۔"

''میں اپنے کپڑے بہت کم دھوبی سے دھلواتی ہوں۔''

''مس، آپ کوئی اور کام بھی کرتی ہیں گھر کا؟''

''سارے کام بھئی۔'' مسز حبیب نے جو لڑکیوں سے خاصا دوستانہ رویہ رکھتی تھیں اور زیادہ تر لڑکیوں کی من چاہی ٹیچر تھیں، مسکراتے ہوئے کہا۔

''مس! ہم تو سمجھتے تھے، آپ پڑھانے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں کرتی ہوں گی۔''

''نہیں بھئی، میں اپنے گھر کے سارے کام خود کرتی ہوں۔''

لڑکیاں انہیں بے یقینی سے دیکھتی رہ گئی تھیں۔

جویا کو بھی بڑی حیرانی ہوئی تھی۔

مسز حبیب ہی کیا، اسے تو اپنی تمام ٹیچرز کے بارے میں یہی گمان تھا کہ وہ گھر کے کاموں کو بھولے سے بھی نہ چھوتی ہوں گی۔

اپنی ٹیچرز اسے بہت ماورائی سی مخلوق لگا کرتی تھیں۔

اور اس روز پہلی بار اسے پتا چلا تھا کہ ٹیچرز گھر کے کام بھی کرتی ہیں۔

ان دنوں وہ مسز حبیب کے گورے گورے ہاتھوں کو دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں یہ سوچتی رہی کہ اگر وہ گھر کے سارے کام خود کرتی تھیں تو ان کے ہاتھ اماں کی طرح کھردرے اور بدنما کیوں نہیں تھے۔

مسز حبیب کے ہاتھ اسے اتنے یاد رہے تھے کہ اس نے خود اپنے ہاتھوں کو اپنی دوستوں کے لئے قابلِ رشک بنا دیا تھا۔

''اللہ جویا تمہارے ہاتھ اتنے خوبصورت کیوں ہیں!'' اس سے پوچھا جاتا۔

سہیلیاں اس کے نرم و ملائم ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبوچ لیتیں۔

اس کی مخروطی انگلیوں اور لمبے ناخنوں کو رشک سے دیکھا جاتا۔

وہ انگلیوں میں چھوٹے چھوٹے گھنگھروؤں والے چھلے اور امی ٹیشن جڑاؤ انگوٹھیاں پہنتی اور ناخنوں کی کیوٹیکس کو سرمو نہ اترنے دیتی۔

گھر کا کام کرنے کے بعد کیٹی کیور ضرور کرتی۔

مگر اب!

پیروں کا حال تو ہاتھوں سے بھی زیادہ ناگفتہ بہ تھا۔

غسل کے وقت پاؤں صابن سے دھل جاتے سو دھل جاتے، بطور خاص صابن سے دھونے کی نوبت نہ آتی۔

پیروں کی ایڑیاں بری طرح پھٹی رہتیں۔

ناخنوں کے کونے دراڑوں کے باعث دکھتے رہتے۔

سردیوں میں تو پیروں کی بدنمائی موزوں کے اندر چھپ جاتی مگر گرمیوں میں میلی ایڑیوں کی بڑی دراڑیں بہت بری لگتیں۔

اماں کہتیں۔ ''اے جویا کبھی ایڑیاں تو رگڑ لیا کرو۔''

کبھی وہ جھینپ جاتی۔

کبھی خفت سے مسکراتے ہوئے کہتی۔ ''کیا کروں اماں وقت ہی نہیں ملتا۔''

''وقت نکالا کرو...... کیا کہتے ہوں گے اسکول والے!''

''سب کو پتا ہے اماں کہ اس بے چاری کو وقت نہیں ملتا۔''

بھابی کہتیں۔ ''جویا تم نے تو اپنی حالت بہت تباہ کر والی۔''

''ارے بھابی فرصت ہی نہیں ملتی۔''

سارہ آپا ٹوکتیں۔ ''کچھ اپنا خیال بھی رکھا کرو۔''

''ارے آپا، چار بچوں کے بعد اب اپنا خیال کیا رکھنا، اب تو یونہی گزرے گی۔''

''کیوں گزرے گی یونہی۔''

''اسکول اور گھر کے کام اپنے بارے میں سوچنے کی مہلت ہی نہیں دیتے۔''

''بھئی، ہم بھی نوکری کرتے ہیں، ہم بھی گھرداری کرتے ہیں...... بچے ہم نے بھی پالے ہیں مگر اس طرح اپنے آپ سے بے نیاز تو ہم کبھی نہیں رہے...... اپنا خیال رکھنا چاہئے ورنہ......''

''ورنہ؟''

''لوگ سمجھتے ہیں، نہ جانے کتنے مسائل میں گھری عورت ہے...... عزت کرنے کی بجائے رحم کھاتے ہیں ہمارے اوپر۔''

''اچھا ہے نا آپا۔''

''کیوں اچھا ہے! جب کسی سے ہمیں کچھ لینا دینا نہیں تو کیوں دیں کسی کو موقع اپنے اوپر ترس کھانے کا۔''

''ارے آپا، فائدے میں رہتا ہے آدمی...... دیکھیں نا، پرسوں اسکول میں ایک فنکشن تھا۔ میڈم نے میرا نام سیٹنگ ارینجمنٹ میں رکھا تھا...... مگر میں نے کہا، میڈم اسکول ٹائم کے اندر آپ جو ذمے داری چاہے مجھے دے دیں، میں کرلوں گی مگر اسکول ٹائم کے بعد میں بالکل نہیں رک سکتی۔ مجھے اپنے بچے کو اس کی مونٹیسوری سے لینا ہوتا ہے۔ تین بچے گھر پر میرا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ ذرا دیر کو تو میڈم کو برا لگا مگر پھر انہوں نے کہا، اچھا ٹھیک ہے، آپ جائیں مس مبینہ کو آپ کی ڈیوٹی دے دیتی ہوں۔ آپ کل صبح ان کی جگہ ڈسپلن میں رہیے گا...... مل گئی نا رعایت۔ سنا ہے سیٹنگ ارینجمنٹ کرانے والی ٹیچرز رات کو آٹھ بجے تک اسکول ہی میں رہیں۔''

''بس اتنی سی رعایت حاصل کرنے کے لئے جویا!'' آپا نے جویا کو معترض نگاہوں سے دیکھا پھر بولیں۔ ''اپنا خیال رکھا کرو ورنہ نقصان میں رہو گی۔''

تان پھر وہیں آ کر ٹوٹی کہ اپنا خیال رکھنے کی فرصت کسے ہے!

زہرا باجی بھی اکثر ٹوکتیں۔

''یہ تم نے کیا حالت بنالی ہے اپنی...... ارے، اتنی گئی گزری تو میں بھی نہیں ہوئی ابھی۔''

"حالانکہ بتیس دانتوں کے بیچ رہتی ہے زہرا۔" اماں کہتیں۔

"اور بچوں کی تعداد بھی تم سے کم نہیں۔"

"زہرا باجی! آپ گھر میں تو رہتی ہیں، میری طرح خوار تو نہیں پھرتیں۔"

"دیکھو بھئی میں اگر نوکری کر رہی ہوتی نا تو اپنی موجودہ حالت سے کہیں زیادہ اچھی رہتی۔"

"ارے، اس نے تو اپنا حشر نشر کر لیا۔" اماں کہتیں۔

"واقعی بجو۔" زویا بھی تائید کرتی۔ "آپ کو دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ آپ پہلے والی جویا ہیں۔ فیشن ایبل، اسمارٹ اور ٹپ ٹاپ سے رہنے والی۔" ایک روز اس نے کہا۔

"میری جان، ایسے ہی ہوتا ہے۔"

"کوئی نہیں۔ زہرا باجی اور سازدہ آپا کو دیکھیں، دونوں آپ سے بڑی ہیں مگر کتنی اسمارٹ ہیں اب تک۔"

"ارے بھئی، ان کا اور ہمارا کیا مقابلہ...... زہرا باجی ہاؤس وائف ہیں، ہماری طرح ورکنگ وومین تھوڑی ہیں۔"

"اور آپا کے بارے میں کیا کہیں گی آپ؟"

"آپا کا اور میرا بھلا کیا مقابلہ...... وہ ٹھہریں افسر...... ماشاء اللہ اپنا گھر ہے، گاڑی ہے۔ شفاف شیشوں والی گاڑی میں بیٹھ کر دفتر آتی جاتی ہیں، وہی بھی خریدنا ہو تو گاڑی میں خریدنے جاتی ہیں۔ ماشاء اللہ مجھ سے تین گنا تنخواہ ہے آپا کی اور دوسری مراعات علیحدہ...... بڑے سے بڑے ڈاکٹر سے دفتر کے خرچ پر علاج معالجہ کرا سکتی ہیں اپنا اور فیملی کا...... ارشد بھائی نے بھی ماشاء اللہ خوب ریال کمائے ہیں اور اب یہاں پر بھی اچھی طرح سیٹ ہو چکے ہیں۔ آپا بتا رہی تھیں، ایک روز کہ بیس تیس ہزار روپے مہینہ بچت ہو جاتی ہے ارشد بھائی کو اپنے بزنس سے...... اور کیا چاہئے بھلا! آپا جیسی قسمت تو اللہ پاک سب کی بنائے۔"

زویا نے ایک گھٹی گھٹی سرد آہ کھینچی پھر متاسف لہجے میں بولی۔ "اور مجھ جیسی بدقسمت خدا کسی دشمن کو بھی نہ بنائے۔"

جویا نے چونک کر اسے دیکھا۔

اس کے چہرے پر دکھ کی پرچھائیاں لرزاں تھیں۔

اس کی زندگی سے کھیل کر جانے والا وہ کمینہ شخص پلٹا نہیں تھا اور طارق بھائی نے گھر والوں کے مشترکہ صلاح مشورے سے زویا کو عدالت کے ذریعے خلع بھی دلوا دی تھی مگر اس کے دل پر جو زخم لگا تھا وہ ہنوز ہرا تھا!

اس نے لائبریری سائنس میں ڈپلوما کورس کر لیا تھا اور ایک سرکاری ادارے کی لائبریری میں بحیثیت اسسٹنٹ لائبریرین ملازمت کر رہی تھی۔

وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو گئی تھی، تاہم لوگوں کا سامنا کرتے ہوئے اس کی ٹانگیں لرزنے لگتی تھیں۔ وہ ڈرتی تھی۔

لوگوں کی نظروں سے۔

اور ان کی زبانوں سے!

گھر والوں کو اس کی بہت فکر لگی ہوئی تھی۔

اماں اسے دیکھتیں تو ان کا کلیجہ منہ کو آتا۔

کیا لڑکی تھی اور کیسا اس کا نصیب!

خاندان میں کتنے رشتے تھے اس کے لئے۔

ابا نے کتنا سمجھایا۔

مگر اماں کی ایک ہی رٹ رہی۔

"زہرا کو خاندان میں دے کر بہت بھر پائے، اب خاندان میں لڑکی نہیں دینی۔"

ابا نے دبی زبان سے سمجھایا۔ "نیک بخت، پانچوں انگلیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ اور زہرا بھی خدانخواستہ ایسی کوئی دکھی تو نہیں ہے۔ بس بھابی جان اور لڑکیاں زبان کی ذرا کڑی ہیں، باقی تو زہرا کو کوئی تکلیف نہیں۔"

مگر اماں نہ مانیں۔

جویا کی دفعہ بھی انہوں نے یہی ضد باندھ کر رکھی تھی۔

جویا قسمت کی اچھی تھی کہ بھلے لوگ مل گئے۔

زویا کی قسمت اماں نے پھوڑی تو کہاں پھوڑی۔

اب روتی تھیں۔

مگر اب پچھتانے سے کیا حاصل تھا!

اب تو چاروں طرف سے طعنے ملتے تھے۔

اور تو اور ایک روز تایا ابا کہہ گئے۔ "جن گھروں میں عورت کے حکم کا سکہ چلنے لگے...... عورت زبر اور مرد زیر ہو کر رہے، وہاں یہی ہوتا ہے۔"

اماں بہت بلبلائیں۔

سارا خاندان جانتا تھا کہ تایا ابا کے گھر میں کون زبر تھا اور کون زیر...... اور کس کے حکم کا سکہ چلتا تھا ان کے گھر میں...... مگر قسمت کی بات کہ ایسا وقت دکھایا تھا زویا کی بدنصیبی نے کہ تایا ابا ہی جن کی زن مریدی کا سارے خاندان میں چرچا تھا، طعنہ دے گئے تھے۔

اماں بہت بلبلائیں اور ان کے جانے کے بعد ابا سے بولیں۔ "سنی تھی آپ نے اپنے بھائی صاحب کی بات!"

"کون سی بات!" ابا انجان سے بن گئے۔

"زیر زبر والی بات...... ارے ہمیں طعنہ دے رہے ہیں کہ جن گھروں میں عورت کے حکم کا سکہ چلنے لگے، وہاں یہی ہوتا ہے...... ذرا اپنے گریبان میں تو جھانکیں کہ خود ان کے گھر میں کیا ہوتا ہے۔"

"بھئی، میں ایک بات جانتا ہوں کہ اپنے بچوں کی زندگی کے فیصلے بھائی صاحب نے خود کیے، خصوصاً لڑکیوں کی قسمت کے فیصلے...... بھابی کی مجال نہیں ہونے دی انہوں نے اس سلسلے میں اپنی من مانی کرنے کی۔"

"وہ اور بہت سے معاملات میں جو من مانی کرتی ہیں۔"

زویا جو قریب ہی بیٹھی تھی بولی۔ "لیکن اماں، تائی اماں نے ایسی کوئی من مانی نہیں کی جس سے ان کی کسی اولاد کو نقصان پہنچا ہو۔"

"تو چپ کی......" اماں کے منہ سے بے ساختہ نکلا مگر وہ اپنا فقرہ مکمل نہ کر سکیں اور زویا کا منہ دیکھتی رہ گئیں۔

سب کے طعنے تشنے سہہ گئی تھیں اماں۔

مگر زویا کا شکوہ ان کے دل میں تیر کی صورت پیوست ہو گیا۔

آج وہ بھی بول اٹھی!

شکوہ کر بیٹھی اماں سے!!

دس دفعہ اماں خود اپنی زبان سے اپنی غلطی کا اقرار کر چکی تھیں۔

مگر آج......!

جب زویا نے شکوہ کیا تو وہ دم بخود رہ گئیں۔

دل جیسے بھاری پتھر تلے دب گیا۔

ان کی آنکھیں بھر آئیں۔

زویا کے قصے کے بعد سے ان کی آنکھوں کو تو جیسے بہنے کی بیماری لگ گئی تھی۔

ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے انہوں نے اپنے دوپٹے کا کنارہ آنکھوں سے مس کرتے ہوئے زویا کو دیکھا اور بولیں۔ "تم سمجھتی ہو میں نے جان بوجھ کر تمہارے ساتھ زیادتی کی۔"

زویا نے اماں کی جانب دیکھا اور بڑے متحمل لہجے میں بولی۔ "اماں! میں آپ سے کوئی گلہ نہیں کر رہی...... میری قسمت میں یہی لکھا تھا...... مگر تایا ابا غلط نہیں کہہ رہے...... گھر واقعی وہی بستے رہتے ہیں جہاں مردوں کی سنی جاتی ہے...... آپ نے ابا کی بات سننے کی بجائے ہمیشہ اپنی بات منوائی اماں...... کہیں تو اس غلطی کا نقصان کسی کو برداشت کرنا ہی تھا...... میرے حصے میں آ گیا...... خیر کوئی بات نہیں۔"

اماں نے اس کی بات ایک گہرے صدمے کی کیفیت میں سنی پھر گھٹی گھٹی آواز میں بولیں۔ "اولاد تو ناگن کو بھی پیاری ہوتی ہے...... کیا تم لوگوں نے مجھے اس سے بھی بدتر سمجھ لیا۔"

اماں یک لخت پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔

"اماں! اچھی اماں! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" زویا نے اماں سے لپٹتے ہوئے گڑگڑا کر کہا۔

مگر اماں کے دل میں تو اس کی بات گویا میخ بن کر اتر گئی تھی!

زویا کو اک احساسِ تاسف نے آ لیا کہ کیوں کی اس نے اماں سے ایسی بات جس سے انہیں

صدمہ پہنچا۔

"سوری اماں!" اس نے معذرت چاہی۔ "آپ کو میری بات بری لگی ہے تو مجھے معاف کر دیں۔" اس نے گڑگڑاتے ہوئے اماں کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

اماں کو بڑی مشکل سے قرار آیا۔

اماں، ابا، بھائیوں اور بہنوں کو بس اب ایک ہی لگن لگی تھی کہ کسی صورت زویا کا گھر کسی بھلے مانس کے ساتھ بسا دیا جائے۔

اماں نے پہلے کی طرح نہ تو یہ رٹ لگا رکھی تھی کہ خاندان میں نہیں دوں گی بیٹی کو نہ ہی یہ ضد باندھے بیٹھی تھیں کہ لڑکا اکیلا ہو۔

وہ اب کی بار چپ تھیں۔

جیسے سارے اختیارات انہوں نے ابا اور باقی گھر والوں کو سونپ دیے ہوں۔

عدالت سے خلع کے حصول کے بعد زویا کے لیے کئی رشتے آ چکے تھے مگر ایک دو کے سوا سب غیر معیاری تھے۔

زویا نے ان ایک دو کے لیے بھی منع کر دیا تھا۔

آپا نے سمجھایا۔

زہرا باجی نے آمادہ کرنے کی کوشش کی۔

جویا نے زور لگا دیکھا۔

بھابی نے بڑی دلسوزی سے سمجھایا۔

مگر اس کی "ناں" کسی صورت ہاں میں نہ بدلی۔

جویا نے کہا۔ "بیوقوفی مت کرو زوئی، کیسے گزارو گی زندگی۔"

"گزر جائے گی بجو!"

"اتنی آسانی سے نہیں گزرتی جتنی آسانی سے تم نے کہہ دیا۔"

"زویا جان...... آج اماں ابا بیٹھے ہیں لیکن کل کی کسی کو خبر نہیں۔" سارہ آپا نے سمجھانے کی کوشش کی۔ "ماں باپ ہمیشہ تو کسی کے بھی نہیں رہتے سر پر...... خدانخواستہ کل اماں ابا نہ ہوئے تو تم کہاں جاؤ گی؟"

"کیا بھیا نکال دیں گے مجھے گھر سے؟"

"اپنے گھر کی بات اور ہوتی ہے میری جان...... بھائی کتنے ہی اچھے اور شفیق کیوں نہ ہوں، بہنوں کے لیے سارے بھائیوں کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے گھر بار کی ہو جائیں۔"

"آپا اگر کبھی کوئی پرابلم ہوئی تو میں آپ کے پاس آ جاؤں گی۔"

"میرے سر آنکھوں پر چندا لیکن......"

"لیکن؟"

"میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ تم اپنے گھر کی ہو رہو۔"

”یعنی آپ کے گھر میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں ہوگی۔“

”پگلی ہو تم۔“ آپا نے اس کے سر پر بہت آہستگی سے اور پیار سے دھپ لگائی پھر بولیں۔ ”تمہاری جگہ تو میرے دل میں ہے...... مگر تمہارا اصل مقام تمہارا اپنا گھر ہی ہوگا۔“

”چھوڑیں آپا!“ زویا یکبارگی اداس ہوگئی اور بولی۔ ”گھر ہوتا میری قسمت میں تو ایسا کیوں ہوتا۔“

اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

”کبھی کبھی ہو جاتا ہے ایسا۔“ آپا نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے اسے دلاسہ دینے کی کوشش کی۔

”آپا میرے ساتھ ہی کیوں ہوا ایسا؟“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

سارہ آپا نے اس کا چہرہ بہت محبت سے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ چند ثانیے اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہیں پھر بولیں۔ ”ایک بات بتاؤں تمہیں۔“

زویا نے زبان سے کچھ نہیں کہا اور آپا کو یوں دیکھنے لگی جیسے ان کی بات سننے کے لئے ہمہ تن ان کی طرف متوجہ ہو۔

”اللہ میاں اپنے پیارے بندوں کو زیادہ آزماتے ہیں۔“

زویا یوں مسکرا دی جیسے آپا کی بات اس کے دل کو لگی نہ ہو۔

”میں نے یہ بات پہلے بھی کئی بار سنی ہے آپا مگر...... ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ جو چیز یا جو لوگ ہمیں پیارے ہوں انہیں تو ہم بہت سنبھال کر...... بہت پیار سے...... اور بہت عزیز رکھتے ہیں۔ اللہ میاں اپنے پیارے بندوں کو کیوں آزمائش میں ڈالنے لگے بھلا...... مجھے تو لگتا ہے اللہ میاں اپنے انہی بندوں کو زیادہ آزماتے ہوں گے جن کے بارے میں انہیں کچھ کھٹکا ہوتا ہوگا یا جو...... شاید انہیں اچھے نہ لگتے ہوں گے۔“

”نہیں...... نہیں میری جان...... ایسی کوئی بات نہیں...... اللہ میاں آزماتے تو ہیں اپنے ہر بندے کو مگر جو جس لائق ہوتا ہے، اس پر اتنا ہی بوجھ ڈالتے ہیں۔ قرآن مجید میں خود فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ وہ کسی پر اس کی سمائی اور اس کی ہمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا...... جو بندہ اس آزمائش پر پورا اتر جاتا ہے، اس کے لیے اجر بھی بڑا ہوتا ہے یعنی جس نے جتنی بڑی آزمائش کا سامنا کرلیا، سمجھو اس کے لیے اللہ کے ہاں اتنا ہی بڑا اجر بھی مقرر ہوتا ہے۔“

”ارے آپا، ہمیں بھلا کیا اجر ملے گا۔“ زویا کے لہجے میں مایوسی تھی۔

”تم دیکھنا تو سہی۔“ آپا نے اسے دلاسا دیا۔

مگر حقیقت یہ تھی کہ زویا کے لیے جو رشتے آئے تھے، ان میں سے ایک دو جو ذرا معقول تھے، وہ بھی آپا اور دیگر اہل خانہ کی رائے میں کوئی بہت زیادہ اچھے نہ تھے۔

شادی سے پہلے اور شادی کے بعد اس کی ”مارکیٹ ویلیو“ میں زمین آسمان کا فرق آگیا تھا لیکن گھر والوں کو اس کی فکر پہلے سے بھی سوا تھی۔

اور تو اور اب تو طارق بھائی بھی اس کے لیے کسی مناسب لڑکے کی تلاش میں تھے بلکہ انہوں نے نتاشا سے کہہ رکھا تھا کہ وہ بھی دھیان رکھے۔

مگر زویا کے لیے ایک ہی تجربہ اتنا تلخ تھا کہ وہ دوبارہ شادی کے نام ہی سے خوف کھاتی تھی۔

اپنے طور پر اس نے تہیہ کرلیا تھا کہ اب زندگی اسی طور گزارے گی۔

بغیر کسی کے بازو کا سہارا لیے!

اور بنا کسی کا اعتبار کیے!!

☆=====☆=====☆

مدحت بجیا نے بھی کچھ یہی فیصلہ کیا تھا۔

اور وہ شاید ہر اعتبار سے زویا سے زیادہ مضبوط بھی تھیں۔

سب سے بڑی بات یہ کہ انہیں بابا جیسے باپ کی شفقت میسر تھی۔

ان کا مہربان اور مشفق ہاتھ تھام کر وہ زندگی کی بڑی سے بڑی صعوبت کا حوصلے سے سامنا کر سکتی تھیں۔

ان کے کندھے پر سر رکھ کر وہ اپنا دکھ آنکھوں کے رستے بہا سکتی تھیں۔

ان سے زندگی کے نشیب و فراز سے گزرنے کے رموز سیکھ سکتی تھیں۔

بابا کی باتیں ان کی ہمت بندھانے کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتی تھیں۔

ان کی نصیحتیں اور دانشورانہ نکات اس زہراب کا تریاق ثابت ہوئے تھے جس نے اپنی تلخی سے زندگی پر ان کا اعتبار متزلزل کر کے رکھ دیا تھا۔

ابا بھی زویا کے حق میں کچھ کم مشفق نہ تھے۔

مگر مدحت بجیا کے لیے اور زویا کے لیے ابا کی باتوں میں وہی فرق تھا جو ایک دوست اور مسیحا کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ ایک سچا ہمدرد دوست کتنا ہی پر خلوص اور مہربان کیوں نہ ہو، اس کا ہاتھ وہ کرشمہ سازی نہیں دکھا سکتا جو ایک مسیحا کا ہاتھ دکھاتا ہے۔

ابا کو زویا سے بے حد محبت تھی۔ اس کو پیش آنے والے سانحے کے بعد ابا اس کا خیال بھی بہت رکھنے لگے تھے۔ اس کی دلجوئی کی بھی ہر ممکن کوشش کرتے مگر ان کی باتوں میں وہ دل اثر کیفیت نہ تھی جو مدحت بجیا کے لیے بابا کی باتوں میں ہوا کرتی تھی۔

بابا نے تو اپنی صناعی سے مدحت بجیا کو ایسا ضوپاش ہیرا بنا دیا تھا کہ اپنے گھر سے دوبارہ رخصت ہو کر مدحت بجیا کرنل معظم کے گھر پہنچیں تو اسے بھی جگمگا دیا تھا۔

علی زلا اور زروان تو اپنی نئی ماما کے جو شیدائی ہوئے سو ہوئے تھے، کرنل معظم تو ان کے ایسے اسیر ہوئے کہ ایک روز خلوت میں یہ کہنے پر مجبور ہوگئے۔ ”کون کہتا ہے کہ مرد اپنی پہلی بیوی کو نہیں بھول پاتا اور دوسری میں بھی پہلی کو تلاش کرتا ہے...... میں تو اسے بالکل بھول گیا ہوں اور تمہاری بہت سی خوبیوں پہ یہ سوچتا ہوں کہ وہ بھی تو تمہارے جیسی تھی مگر اس میں یہ خوبیاں نہیں تھیں۔“

کرنل معظم کے حلقہ احباب میں ان کی دوسری بیوی کی خوش سلیقگی، خوش مزاجی اور بچوں سے

محبت کے چرچے زبان زدِ عام ہو کر ایک مثال بن چکے تھے۔

''سوتیلی ماں ہو تو کرنل معظم کی دوسری بیوی جیسی۔'' لوگ کہتے۔

''وھاٹ اے ونڈرفل وومین شی از!''

''کتنی مخلص اور محبت کرنے والی!''

''کرنل معظم از ویری لکی۔''

بجیا کی ملازمت ہنوز جاری تھی۔

بچے دو ہی تھے۔

علی زا اور زروان۔

اور جب بھی کرنل معظم تیسرے کی چاہ ظاہر کرتے تو بجیا کہتیں۔ ''میرے لیے یہ دو ہی کافی ہیں۔''

بجیا ایسی ضم ہوئی تھیں کرنل معظم کے گھر اور ان کے بچوں کی زندگی میں کہ کرنل معظم کو شاذ ہی اپنی مرحومہ بیوی کا خیال آتا۔

امی اللہ کا شکر ادا کرتے نہ تھکتیں کہ جس نے ان کی سن کر بجیا کی ڈولتی ناؤ کو بھی پار لگا دیا تھا۔

بجیا کی خواہش پر کرنل معظم نے شادی کے دوسرے ہی سال ریٹائرمنٹ لے کر ایک نیم سرکاری ادارے میں ملازمت کر لی تھی۔ یہ راز کی بات تھی۔

مگر ایسا راز جو چڑھتے سورج کی طرح سب پر عیاں تھا۔

کرنل معظم امی اور ابا کے سب سے چہیتے داماد ثابت ہو چکے تھے۔

سالیاں اور ہم زلف ان کے مداح تھے۔

یقین، فرزین اور ذہین سے ان کی ایسی گاڑھی چھنتی کہ جب مل کر بیٹھتے تو مدحت بجیا کے لیے انہیں اٹھانا مشکل ہو جاتا۔

جویا کو رشک آتا۔

اپنے سسرال والوں پر کہ تینوں بیٹیاں اپنے اپنے گھروں میں انتہائی مطمئن اور مسرور تھیں اور مدحت بجیا پر کہ جنہیں دوسرا شوہر اتنا اچھا مل گیا تھا کہ بس پاؤں دھو کر پینے کی کسر رہ گئی تھی۔

جویا کے برعکس ارج کو سسرال کے معاملات سے کچھ زیادہ دلچسپی نہ تھی۔

امی نے فرزین کو اس کی شادی کے بعد پہلے سفر سے واپس لوٹنے کے بعد بڑی خوبی سے علیحدہ کر دیا۔ فرزین کا اپارٹمنٹ تو موجود تھا ہی، علیحدہ ہونے میں اسے اور ارج کو یقین اور جویا کی طرح زیادہ مسئلے کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ دونوں علیحدہ رہتے تھے اور بہت خوش تھے۔

فرزین سال کے بارہ مہینوں میں سے تقریباً آٹھ نو ماہ تو سمندروں کے دوش پر گزارتا۔ ارج بھی عموماً ساتھ ہی ہوتی۔ دونوں کا ایک بیٹا بھی تھا جو اب خیر سے دو برس کا ہوا چاہتا تھا۔

ارج روزِ اول کی طرح اب بھی مغرور اور خود سر تھی۔ فرزین کو اس نے اس طور اپنا اسیر کیا تھا کہ اس کی مجال نہ تھی کہ ارج کی مرضی کے بغیر کوئی قدم اٹھا سکے۔ گھر اور بچے سے متعلق ہر فیصلہ ارج کی

مرضی سے ہوتا۔ سفر سے فرزین کی واپسی پر سوغاتیں اسی کی مرضی سے تقسیم ہوتیں۔ آمدنی اور اخراجات پر اسی کا کنٹرول تھا۔

ارج کا رویہ شروع شروع سب ہی کو ناگوار گزرا تھا لیکن ابا کی دانشوری اور متحمل مزاجی کے طفیل سب ہی دھیرے دھیرے اس کے مزاج کے عادی ہو گئے تھے

ایک روز امی نے کہا۔ ''ماسٹر صاحب مجھے تو بہت افسوس ہوتا ہے یہ دیکھ کر کہ فرزین تو بیوی کے بندۂ بے دام بن کر رہ گئے۔''

ابا دھیرے سے مسکرا دیے پھر بولے۔ ''جب فرزین خوش ہیں تو آپ افسوس کیوں کرتی ہیں؟''

شروع شروع نگہت بھی ارج کی بہت سی باتوں پر چراغ پا ہوئی لیکن ارج کے سامنے اپنا چراغ نہ جلتے دیکھ کر وہ بھی خاموش ہو گئی تھی۔

نگہت کی دونوں بیٹیاں اس کی اپنی قامت کو آ پہنچی تھیں۔

نزہت کے تین بچے تھے اور وہ اپنے گھر میں بہت مطمئن اور خوش و خرم تھی۔ مسز لطیفی نے تیسرے بیٹے کی شادی بھی کر دی تھی اور وہ نزہت کو برملا اپنی نمبر ون بہو قرار دیتی تھیں۔

امی اور ابا کے سر پر بس اب آخری ذمے داری ذہین کی رہ گئی تھی۔ دونوں کی خواہش تھی کہ کوئی اچھی لڑکی ملے تو اس ذمے داری سے بھی سبکدوش ہو لیں۔

امی چاہتی تھیں ایسی لڑکی ملے جو مل جل کر رہے اور آتے ہی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ بنانے کی کوشش نہ کرے۔

چھ بچے دیے تھے اللہ نے انہیں۔

ایک ایک کر کے پانچ تو اپنی راہ ہو لیے تھے۔

تینوں بیٹیاں اپنے گھروں کو چلی گئی تھیں۔

دو بیٹوں اور بہوؤں نے اپنی اپنی علیحدہ دنیا بسائی تھی۔

چار سو مربع گز پر بنے دو منزلہ مکان میں افرادِ کنبہ میں سے اب فقط تین نفوس رہ گئے تھے۔

امی!

ابا!!

اور ذہین!!!

اور ایک نوکر..... موجو۔

کبھی اس گھر کے بام و در سے زندگی جھانکتی تھی۔

دیواروں کے بیچ زندگی سے بھرپور قہقہے گونجا کرتے تھے۔

صبح سے رات گئے تک چہل پہل رہتی اور آوازیں سنائی دیتیں۔

مگر اب.....

زیادہ تر موجو کے ٹرانزسٹر کی آواز سنائی دیا کرتی تھی یا کچن میں برتنوں کی آوازیں یا..... کسی

کمرے میں کسی چیز کی اٹھائی دھرائی کی آواز یا پھر ٹیلی فون کی ٹرن ٹرن!

شام ہوتی تو ٹی وی آن ہو جاتا اور امی اور ابا لاؤنج میں آ بیٹھتے۔

ذہین شام کو اپنی ملازمت سے واپس ہوتا تو تھوڑی سی رونق آ جاتی۔

رات کا کھانا لاؤنج میں کھایا جاتا۔

دوپہر کے وقت چونکہ امی اور ابا ہی ہوتے ذہین موجود نہ ہوتا۔ امی عموماً کھانا اپنے کمرے ہی میں لے جاتیں۔

چند برسوں میں زندگی کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔

نہ وہ رونقیں رہی تھیں۔

نہ رات کے کھانے کے بعد لان پر چہل قدمی کرنے والے۔

نہ موجو کی پکار پڑتی۔

نہ رات گئے تک بام و در روشن رہتے۔

بچوں میں سے کوئی امی اور ابا کی خیر خبر لینے کے لیے آتا تو ذرا سی دیر کو۔

اب تو نگہت بھی پہلے کی طرح باقاعدگی سے نہ آیا کرتی تھی۔

سب کی اپنی اپنی دنیا تھی، اپنی اپنی مصروفیات۔

اور یہ بھی کیا کم غنیمت تھا کہ اپنی مصروفیات کے باوجود وہ سب امی اور ابا کی خیر خبر لیتے رہتے تھے۔ کبھی ٹیلی فون پر، کبھی بنفس نفیس حاضری دے کر۔

امی اور ابا کی خوش قسمتی تھی کہ فرزین بھی تمام معاملات میں ارج کا پابند ہونے کے باوجود اپنے اس فرض سے ہرگز غافل نہ تھا۔

بچوں میں سے کوئی آ جاتا تو امی کا دل کھل اٹھتا اور ابا بھی خوش ہو جاتے۔

عموماً دس بجتے ہی امی اور ابا کے کمرے کی دودھیا بتی گل ہو جاتی اور زیرو پاور کا بلب جل اٹھتا۔ ذہین بھی جو دن بھر کا تھکا ماندہ ہوتا، اکثر ساڑھے دس گیارہ بجے تک اپنے کمرے کی بتی بجھا دیتا۔

موجو کچن کی صفائی ستھرائی کرنے کے بعد پورے گھر کا چکر لگاتا اور ہر دروازہ بند ہونے کا یقین کرنے کے بعد اپنے ٹرانزسٹر سمیت اپنے کمرے میں جا پڑتا۔

موجو جو اس گھر میں آٹھ سال کی عمر سے کام کر رہا تھا، جوان ہو چکا تھا اور گاؤں میں اس کی ماں انتہائی فکر مند تھی کہ وہاں وٹے سٹے کا رواج تھا اور موجو کی کوئی بہن نہ تھی، بس ایک چھوٹا بھائی تھا جو گاؤں میں اینٹوں کے بھٹے پر کام کرتا تھا۔

رات کو موجو کو بہت دیر سے نیند آتی۔

گھر کے مین گیٹ پر کھڑے ستونوں پر روشن بلب رات بھر پلک جھپکائے بنا گھر اور گھر کے مکینوں کی رکھوالی کرتے۔

چھٹی والے دن کا امی اور ابا کو انتہائی بے چینی سے انتظار رہتا کہ اس روز بیٹے اور بہو یا

بیٹیاں اور داماد اپنی اپنی سہولت اور فراغت کے حساب سے ان دونوں سے ملنے کے لئے آتے۔

دن بھر رونق رہتی۔

بچوں کے بچے ایسی رونق لگاتے کہ ہفتے بھر کی کلفت دور کر دیتے۔

چھٹی والے دن کے علاوہ عام دنوں میں جب دو تین دن تک کسی بیٹی داماد یا بیٹے کا پھیرا نہ لگتا تو امی اداس ہونے لگتیں۔

''ماسٹر صاحب، ذہین کی شادی تو میں ایسی لڑکی سے کروں گی جو ہمارے ساتھ مل کر رہے۔''

امی کہتیں۔

ابا مسکرا دیتے۔

''یہ بھی کوئی زندگی ہے ماسٹر صاحب کہ ہفتے بھر پردیسیوں کی طرح چھٹی والے دن کا انتظار کیجئے کہ کب چھٹی کا دن ہو اور بچے آئیں۔'' ایک روز امی بڑے دلگیر لہجے میں بولیں۔

ابا نے امی کی کلفت پر اپنی مسکراہٹ کا پھایا دھرنے کی کوشش کی اور ان کے شانوں پر اپنا بازو دراز کرتے ہوئے بولے۔ ''شکر کیجئے بیگم صاحبہ کہ ہمارے بچے باقاعدگی سے ہماری خیر خبر لیتے رہتے ہیں ورنہ ایسے بھی والدین ہیں کہ اولاد ہوتے ہوئے بھی لاوارثوں کی طرح پڑے رہتے ہیں...... کوئی ان کا پرسان حال نہیں ہوتا۔''

امی ابا کی بات سے اختلاف نہ کر سکیں۔

دور جانے کی ضرورت نہیں تھی...... قریبی لوگوں میں ایسی مثالیں موجود تھیں جو ابا کی بات کی تائید کرتی تھیں۔

''آپ تو خوش قسمت ہیں بیگم صاحبہ کہ کبھی مدحت بیٹی کرنل صاحب اور بچوں کے ساتھ آ جاتی ہیں، آپ سے ملنے کبھی نگہت اور افتخار احمد آ جاتے ہیں، کبھی نزہت اور مسعود میاں آپ کا دل بہلانے کو پہنچ جاتے ہیں۔ کبھی یقین میاں اپنی بیوی اور بچوں کو لے آتے ہیں تو کبھی فرزین اور چھوٹی بہو اس گھر کو رونق بخشنے آ جاتے ہیں۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں ماسٹر صاحب مگر جب ایک دو روز نہیں آتا کوئی تو مجھے خفقان ہونے لگتا ہے۔''

''جو غلط ہے۔''

امی نے استفہامیہ نظروں سے ابا کی طرف دیکھا۔

''بیگم صاحبہ! کچھ یاد ہے آپ کو کتنی گھری رہا کرتی تھیں، آپ اپنی گھریلو ذمے داریوں اور بچوں کی تعلیم و تربیت میں؟''

''بالکل یاد ہے ماسٹر صاحب...... بھلایا جا سکتا ہے بھلا، وہ زمانہ بھی کہ نہ دن اپنے تھے نہ راتیں اپنی۔''

''بس یہی حال اب ہمارے بچوں کا بھی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی اب اپنی علیحدہ دنیا ہے...... ہم اور آپ تو اپنے حصے کی ذمے داریاں نبھا چکے...... اب ان کی باری ہے...... بہت سی ذمے

داریاں گھیرے رہتی ہوں گی انہیں...... ایسے میں اگر وہ دو گھڑی کو بھی ہمارے پاس آجایا کریں تو غنیمت ہے۔"

امی نے ببا کی طرف دیکھا۔ "آپ جیسا صابر اور شاکر آدمی کوئی اور نہیں دیکھا میں نے۔"

ببا مسکرا دیئے۔

امی انہیں ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہیں۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟" ببا نے بڑی محبت سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" امی نے ایک گہری سانس کھینچی۔

ببا نے اپنا بازو دوبارہ ان کے شانوں پر دراز کر دیا اور اپنا ہاتھ دھیرے دھیرے ان کے شانے پر تھپتھپاتے ہوئے بولے۔ "توقعات کم رکھیے، صدمات کم جھیلیں گی۔"

امی نے پھر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بولیں۔ "یہ بات تو آپ اکثر کہتے ہیں مگر...... آدمی توقعات بھلا کیسے نہ رکھے!"

"اچھے...... یقین میاں کے ہاں چلتے ہیں۔"

"کیوں؟"

"کل چھٹی کا دن ہے، گاڑی چھوڑ آئیں گے ان کے ہاں۔"

یقین کے پاس گاڑی نہ ہونے کا ببا کو اکثر دھیان رہتا تھا۔

بالخصوص چھٹی والے دن اور کسی تہوار یا خاندان میں کسی خوشی غمی کے موقع پر۔

ایسے موقعوں پر ببا کی پوری کوشش ہوتی کہ چاہے انہیں تھوڑی سی دشواری ہو جائے مگر یقین، جویا اور بچوں کو سہولت فراہم کر دی جائے۔

خیر سے مدحت بجیا، نگہت، نزہت اور فرزین سب ہی کے پاس اپنی اپنی گاڑی تھی۔

فرزین نے تو نئی سوزوکی مہران خریدی تھی۔

بجیا امی اور ببا کی سہولت کے لیے سوزوکی ہائی روف چھوڑ کر گئی تھیں تو اللہ میاں نے انہیں ایک نہیں دو گاڑیاں دے دی تھیں۔ کرنل معظم سے ان کے نکاح کے وقت کرنل معظم کے پاس ٹویوٹا کرولا تھی۔ فوج سے سبکدوشی کے بعد انہوں نے کراچی میں ایک نیم سرکاری ادارے میں ایک اعلیٰ عہدے پر ملازمت اختیار کی تو انہیں ادارے کی طرف سے بالکل نئی مارگلہ دی گئی۔ اپنی ٹویوٹا کرولا انہوں نے بیوی بچوں کے مصرف میں دے دی تھی۔

امی کہتیں۔ "میری مدحو ایک پرانی گاڑی چھوڑ کر گئی گھر والوں کے لیے تو خدا نے اسے دو دو گاڑیاں دے دیں۔"

"یہ نیت کا ثمر ہے بیگم صاحبہ!" ببا کہتے۔

"اللہ نے ہماری سن لی کہ مدحو کا گھر بھی بس گیا۔"

"اس کا بڑا کرم اور احسان ہے۔" ببا انتہائی خشوع و خضوع سے کہتے۔

جبین نے بھی ایک سیکنڈ ہینڈ آلٹو خرید لی تھی۔

امی اور ببا کے بچوں میں بس یقین ہی رہ گیا تھا جس کے پاس چار پہیوں والی گاڑی کے بجائے دو پہیوں کی سواری تھی۔

یقین اور جویا کو دوسرے ہی اخراجات ہوش نہ لینے دیتے تھے جو کار کی سوچتے حالانکہ ضرورت بہت تھی۔ چار بچوں کو ایک سکوٹر پر لے کر چلنا بڑی دقت طلب اور خطرناک بات تھی۔

جویا کو بڑی خواہش تھی گاڑی کی مگر سسرال سے علیحدہ ہونے کے بعد جب سے مکان کے ماہانہ کرائے کی بیج جان سے لگی تھی۔ گاڑی کا سودا اس کے سر سے جاتا رہا تھا۔ فلیٹ میں رہنے سے فلیٹ کی زندگی کی دقتوں کا اندازہ بھی بخوبی ہو چکا تھا۔

توبہ توبہ!

نہ زمین اپنی نہ آسمان اپنا۔

ذرا فرش پر کوئی چیز سرکائی اور نیچے والوں کی شکایت آئی کہ کیا کر رہے ہیں، ذرا آہستہ۔ بالکونی میں کھڑے ہوئے اور اوپر سے کبھی پھوار، کبھی پچکاری۔

لاحول ولا قوۃ۔

دو سال پہلے ایک پرائیوٹ کمپنی سے قسطوں پر ایک پلاٹ خریدنے کا معاہدہ کیا تھا۔ ایک سو بیس مربع گز کا پلاٹ تھا جس کی قیمت کی ادائیگی تین سال میں اٹھارہ قسطوں میں واجب الادا ٹھہری تھی، کافی رقم ادا کر دی تھی کچھ باقی تھی۔

جویا کہتی تھی، پلاٹ مل جائے تو پھر اینٹ اینٹ ڈھو کر اپنا گھر بنائیں گے۔ کابک نما محبوس فلیٹ سے وہ، یقین اور بچے تنگ تھے۔ بچوں کو نہ کھیلنے کی جگہ ملتی تھی، نہ بھاگ دوڑ کی اجازت تھی۔ ذرا کھیلے کودے کہ نیچے والوں کی بالکونی سے واویلا شروع ہو جاتا۔

"کیا ہو رہا ہے بھئی؟"

"کون کود رہا ہے؟"

"یہ بھگدڑ کیوں مچی ہوئی ہے اوپر!"

"ارے بھئی، آہستہ آپ کا فرش کسی کی چھت بھی ہے۔"

"اُف، ذرا خیال نہیں ہے دوسروں کا۔"

"توبہ! توبہ! بہت ہی پریشان کرتے ہیں، یہ اوپر والوں کے بچے۔"

جویا کبھی ان سنی کر دیتی۔

کبھی ٹال جاتی۔

مگر کبھی کبھی اسے غصہ آ جاتا۔

پڑوسیوں پر تو بس نہ چلتا، اپنے ہی بچوں کے دھموکے رسید کر کے انہیں نچلا بیٹھنے پر مجبور کر دیتی۔

بے چارے!

کوئی رووں رووں، کوئی سوں سوں کرتا، کونوں کھدروں میں بیٹھ جاتا۔

جویا غصے میں انہیں مار پیٹ تو لیتی مگر بعد میں اس کا دل بے تحاشا دکھتا۔

بچے ہی تو ہیں۔

بے چاروں کا دل تو چاہتا ہی ہوگا کھیلنے کودنے کو۔

ہاں، یہ ان کے کھیلنے کودنے ہی کے دن تو ہیں۔

ستیاناس جائے ان نیچے والوں کا، بچے ذرا کھیلے نہیں کہ ان کے پیٹ میں مروڑ شروع ہوئی۔

اب ذرا کر کے دیکھیں، یہ کوئی کھٹ پٹ۔

نیچے جا کر سر نہ توڑ دوں تو میرا نام جویا نہیں۔

وہ بچوں کو کونوں کھدروں سے نکالتی۔

انہیں پیار کرتی۔

سمجھاتی بجھاتی۔

"اچھے بچے تمیز سے رہتے ہیں...... زیادہ شور نہیں مچاتے۔"

انہیں تسلی دیتی۔

"بیٹا، جب اپنا گھر بن جائے گا تو پھر خوب کھیلا کرنا۔"

"ماما، کب بنے گا اپنا گھر؟"

اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

بڑی مشکل سے تو زمین کا ایک ٹکڑا خریدا تھا بلکہ خریدا کیا تھا ابھی تو قسطیں ادا کی جا رہی تھیں۔

اپنا گھر بنانا جویا کے دل کی سب سے بڑی آرزو بن گئی تھی۔

گاڑی کے بغیر کتنی ہی دقت کیوں نہ سہی، گاڑی بنیادی احتیاجات زندگی میں سے تو نہ تھی۔

گاڑی کے بغیر بھی گزارہ ہو سکتا تھا۔

مگر نہیں ہو سکتا تھا تو گھر کے بغیر۔

"سب سے پہلے گھر بنانا ہے۔" وہ اکثر یقین سے کہتی۔

امی اور بیا کو یقین کے وسائل اور مسائل کا بخوبی اندازہ تھا۔

بجا کہ یقین اور جویا دونوں کماتے تھے۔

مگر مکان کرائے کا تھا۔

چار بچوں کے مختلف النوع اخراجات بھی تھے۔

امی اور بیا بھی خالی ہاتھ یقین کے گھر نہ جاتے۔

چھٹی والے دن بیا اکثر گھر کی گاڑی جو مدحت بجیا چھوڑ گئی تھیں، یقین کے ہاں پہنچا دیتے کہ وہ بیوی بچوں کو کہیں سیر تفریح کرا لائے۔

بیا کو اگر خیال نہ بھی رہتا یا اپنی کسی مصروفیت میں گھر جاتے تو امی انہیں یاد دلاتیں۔ "ماسٹر صاحب، چھٹی کا دن ہے گاڑی یقین کے ہاں پہنچا آئیں، انہیں کہیں گھما پھرا لائیں گے یقین۔"

امی کو یقین کے بچوں پر بڑا ترس آتا۔

"اللہ میرے یقین کو بھی گاڑی دے۔" وہ خشوع و خضوع سے دعا کرتیں۔

بیا بھی چھٹی سے ایک روز پہلے اور کبھی عین چھٹی والے دن گاڑی وہاں پہنچا دیتے۔

یقین اور جویا کو شروع شروع میں بہت تامل ہوا کرتا تھا لیکن اب وہ امی اور بیا کی اس کرم فرمائی کے عادی ہو چکے تھے۔

عید تہوار کسی خوشی غمی کے موقع پر بھی گاڑی انہی کے سپرد ہو جاتی۔

جویا اور یقین بچوں کو گاڑی میں گھمانے پھرانے کے لیے نکلتے تو جویا راستے میں میکے سے زویا کو بھی ساتھ لے لیتی کہ اس بے چاری کو تو کوئی گھمانے پھرانے والا تھا ہی نہیں...... گھر یا ملازمت بس...... زویا ساتھ ہوتی تو جویا کو بچوں کو سنبھالنے میں بھی آسانی ہو جاتی اور اس بہانے زویا کی آؤٹنگ بھی ہو جاتی۔ واپسی پر زویا کو گھر چھوڑنے کے بعد وہ دونوں بچوں کے ہمراہ امی اور بیا سے ملنے جاتے تو وہاں بہن بھائیوں سے بھی ملاقات ہو جاتی۔

یقین گاڑی چھوڑ کر جانے کا ارادہ کرتا تو امی کہتیں۔ "بچے ساتھ ہیں، گاڑی میں لے جاؤ۔"

"ٹیکسی لے لیں گے امی۔" یقین تکلفاً کہتا۔

"کیوں! جب گھر کی گاڑی ہے تو ٹیکسی لینے کی کیا ضرورت؟" امی کہتیں۔

"چلو بیٹا، آپ لوگ گاڑی میں بیٹھو۔" بیا بچوں سے کہتے۔

"بیا ٹیکسی سے چلے جائیں گے۔"

"نہیں بابا، گاڑی میں چلیں۔" بچے ٹھنکنے لگتے۔

"بچوں کو خواہ مخواہ پریشانی ہوگی...... گاڑی لے جاؤ۔" امی اصرار کے ساتھ کہتیں۔

یقین گاڑی لے جاتا۔

اگلے روز دفتر جاتے ہوئے وہ گاڑی گھر پہنچاتا ہوا پبلک ٹرانسپورٹ سے دفتر جاتا اور پھر وہی معمول شروع ہو جاتا۔

اسکور! میاں بیوی!! اور چار بچے!!!!

دادا دادی، پھوپھیاں اور چچا سب ہی خیال کرتے۔

بچوں سے تو نگہت بھی پیار کرتی تھی۔

اپنا خون جو تھے۔

کبھی مدحت بجیا بچوں کے لیے کسی بہانے تحائف لے آتیں۔

کبھی نگہت اور نزہت۔

کبھی فرزین کچھ لے آتا۔

کبھی ذہین۔

جویا قدرے تامل سے سوچتی۔ "اتنے...... برے تو نہیں ہیں یہ لوگ۔"

☆======☆======☆

ذہین کے لیے لڑکیاں دیکھی جا رہی تھیں۔

لڑکیوں کی کمی نہ تھی۔

ارج بھی فرزین کے توسط سے اپنی ایک کزن کے لیے امیدواری کا اظہار کر چکی تھی جس کی سب سے زیادہ مخالفت نگہت نے کی تھی۔

"نہیں.....نہیں.....اس خاندان کی بس ایک ہی لڑکی بہت ہے ہمارے لیے۔" نگہت نے کہا۔

"بیٹی، دیکھ لو.....دیکھنے میں کیا حرج ہے..... پانچوں انگلیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔" بابا بڑی رسانیت سے بولے۔

"نہیں، بابا ہرگز نہیں۔" نگہت نے کہا پھر دھمکی دی۔ "اگر فرزین کی سسرال میں کی تا، آپ لوگوں نے ذہین کی شادی تو میں شریک نہیں ہوں گی۔"

"اچھا بھئی اچھا..... نہیں کریں گے وہاں۔" امی نے نگہت کو تسلی دی۔

"ذہین کے لیے لڑکی میں دیکھوں گی۔"

"ضرور دیکھو۔"

ذہین سے سوالات پر سوالات کیے جاتے۔

"ہاں بھئی کیسی ہو لڑکی؟"

"قد کیسا ہو؟"

"سانولا رنگ چلے گا؟"

"بال کٹے ہوئے ہوں تو کوئی ہرج نہیں؟"

"کتنی پڑھی لکھی ہونی چاہیے؟"

ذہین کو ملاحظہ کرنے کو تصویریں پیش کی جاتیں۔

"دیکھو، یہ لڑکی کیسی ہے۔"

"یہ اتنی گوری ہے جیسے میدہ۔"

"لڑکی کی آواز اتنی میٹھی ہے کہ بولتی ہے تو معلوم ہوتا ہے، پھول جھڑ رہے ہیں منہ سے۔"

"ہنستی ہے تو اس کی آنکھیں بھی مسکرانے لگتی ہیں۔"

خوبیاں کچھ اس طرح بیان کی جاتیں۔

"ہنستی ہوئی اتنی اچھی لگتی ہے یہ لڑکی کہ آدمی دیکھتا رہ جاتا ہے۔"

"بہت کام کی لڑکی ہے۔"

"ایسی سلیقہ مند ہے کہ کیا بتائیں۔"

"سلائی بہت عمدہ کرتی ہے۔"

"بہت اسمارٹ ہے۔"

"بڑی مؤدب اور شرمیلی ہے۔"

"اتنی شرماتی ہے کہ آنکھ ملا کر بات نہیں کرتی۔"

"ہر اعتبار سے اچھی لڑکی ہے۔"

"گھرانا بھی بہت معقول ہے۔"

"بہت اچھی بہو ثابت ہوگی یہ لڑکی۔"

بقول بابا تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی تھی!

کم و بیش اسی قسم کے جملے یقین اور فرزین کے لیے دیکھی جانے والی لڑکیوں کے بارے میں بھی کہے گئے تھے۔

امی کی اس مرتبہ ایک شرط تھی۔

"ایسی لڑکی ہو جو ہمارے ساتھ مل جل کر رہے۔"

مدحت بجیا، نگہت اور نزہت بھی یہی چاہتی تھیں کہ ایسی لڑکی آئے جو امی اور بابا کا ادب کرے، ان کا خیال رکھے اور ان کے ساتھ مل جل کر رہے..... محبت کرے اور محبت پائے..... عزت کرے اور عزت کروائے۔

تینوں بہنیں امی اور بابا کی طرف سے بہت فکرمند رہا کرتی تھیں۔

دونوں بوڑھے ہو چکے تھے۔

اپنی بہت سی ضرورتوں کے سلسلے میں دوسروں کے محتاج تھے۔

بیماری آزاری ساتھ لگی ہوئی تھی۔

بڑھاپا بجائے خود ایک بیماری۔

اس پر مستزاد اکیلا پن!

کوئی نہ کوئی ضرور ہونا چاہیے تھا، گھر میں ایسا جو ان کا خیال رکھتا۔

ساری امیدیں ذہین کی ہونے والی دلہن سے وابستہ کر لی گئی تھیں۔

اور اس سلسلے میں مدحت بجیا، نگہت اور نزہت کا کلی طور پر اتفاق رائے ہو چکا تھا۔

آس پاس نظریں دوڑائی جا رہی تھیں۔

ذہین کے لیے کسی ایسی لڑکی کی تلاش میں جو گھر میں آتے ہی اپنا علیحدہ گھر بنانے کی نہ سوچے، اسی گھر کو اپنا جانے اور سمیٹ کر بیٹھے۔

جسے بڑوں کا ادب لحاظ ہو۔

مرتبوں کی پہچان ہو۔

اکل کھری نہ ہو۔

خود غرض نہ ہو۔

گھرداری سے واقف ہو۔

سمجھدار ہو۔

محبت کرنے والی ہو۔

یقین کے سامنے بھی یہ ساری باتیں اکثر ہوتی رہتی تھیں۔

اس روز بھی جب وہ گھر آیا تو امی، ابا اور مدحت بجیا اسی مسئلے پر سر جوڑے بیٹھے تھے اور امی بجیا سے کہہ رہی تھیں۔ ''مجھ سے اب گھر سنبھلتا ہے نہ موجو...... ذہین کے لیے جلد کوئی لڑکی دیکھو تم لوگ۔''

''نکہت نے جو لڑکی دکھائی تھی، اس کا کیا بنا؟'' بجیا نے پوچھا۔

''مدھو بیٹی! جو لڑکیاں اپنے بناؤ سنگھار میں رہیں، وہ گھر کو بھلا خاک دیکھیں گی۔ مجھے تو ایک آنکھ نہیں بھائی وہ لڑکی...... ہمارے سامنے آئی تو ایسے جیسے شادی میں جانے کی تیاری ہو، لمبے لمبے ناخن ان پر نیل پالش لگی ہوئی...... بھویں بنی ہوئی۔ ہونٹوں پر لپ اسٹک...... بھئی، سچی بات ہے مجھے تو کنواری لڑکیاں سادی ہی اچھی لگتی ہیں...... والدہ بولیں، نماز پڑھ کر آرہی ہے...... بھلا کوئی پوچھے ان سے کہ ناخنوں پر نیل پالش لگی ہو تو وضو ہوتا ہے بھلا۔''

بجیا دھیرے سے مسکرادیں۔

''میں یہ نہیں کہتی کہ لڑکیاں سر جھاڑ منہ پہاڑ رہیں مگر کنواری لڑکی اور بیاہی عورت میں کچھ تو فرق نظر آنا چاہیے...... تم لوگ تو سب خیر سے ایک ایک کر کے رخصت ہوگئے اس گھر سے، اب کوئی تو ہو جو اس گھر کو سنبھالے۔''

''بہت سلجھی ہوئی لڑکی ہونی چاہیے۔'' ابا بولے۔

''ہاں۔'' امی نے تائید کی۔

''مدحت بیٹی! تمہارا حلقہ احباب تو ماشاءاللہ کافی وسیع ہے تم دیکھو نا بھائی کے لیے کوئی لڑکی۔'' ابا بولے۔

''ابا...... !'' بجیا کچھ ہچکچاتے ہوئے بولیں۔ ''اصل میں...... اس مرتبہ یہ کام میں نے نکہت پر چھوڑ رکھا ہے۔''

''بیٹی! ذہین میاں بھائی تو تم تینوں بہنوں کے ہیں...... تم تینوں کو مل جل کر کرنا چاہیے یہ کام بلکہ...... دونوں بھائیوں اور بھاوجوں کو بھی شریک ہونا چاہیے اس کام میں۔''

''بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں ابا۔'' بجیا نے یقین کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''پہلی مرتبہ سنی ہے میں نے یہ بات ورنہ مجھے اور جویا کو ہر دفعہ غیروں کی طرح پوچھا جاتا ہے۔'' یقین کے لہجے میں شکایت تھی۔

امی نے چونک کر یقین کو دیکھا۔

اس کا شکوہ غلط تو نہ تھا، بجا تھا۔

امی اسے جھٹلا نہ سکی تھیں۔

واقعی ایسا ہی ہوا تھا۔

نزہت کی دفعہ بھی رازداری برتی گئی تھی اس سے اور جویا سے۔

فرزین کی مرتبہ بھی ان دونوں کو بہت بعد میں بتایا گیا تھا کہ اس کے لیے کوئی لڑکی پسند کرلی گئی تھی۔ مدحت بجیا کی دفعہ بھی نکاح سے صرف دو روز پہلے معلوم ہوا تھا انہیں...... اور یہ تو اب تک معلوم نہ تھا انہیں کہ کرنل معظم کا سیاق و سباق کیا تھا۔

یقین کے شکوے پر امی نے ابا سے آنکھوں ہی آنکھوں میں مدد چاہی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے یقین میاں۔'' ابا نے یقین کے دل سے شکوہ دھونے کی کوشش کی۔

''بالکل یہی بات ہے ابا!'' اس نے دزدیدہ نظروں سے امی کی جانب دیکھا اور بولا۔ ''جویا کو بہت شکوہ ہے اس بات کا کہ اسے غیر سمجھا جاتا ہے...... ہر بات چھپائی جاتی ہے اس سے۔''

''غلط۔'' امی بولیں۔

''کبھی آپ لوگوں نے کسی بہن بھائی کی شادی کے سلسلے میں صلاح مشورہ کیا اس سے؟ کبھی اس سے رائے لی؟ کبھی اس سے فرزین یا ذہین کے لیے لڑکی دیکھنے کو کہا؟'' یقین کے لہجے میں شکایت بھی تھی غصہ بھی۔

امی کی نگاہوں میں ہلکی سی ناگواری ڈولنے لگی۔

لاکھ بہت اچھی سہی مگر تھیں تو بہرحال ساس ہی!

''بہت بول رہے ہو بیوی کی حمایت میں۔'' امی نے ٹیڑھی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

یقین کچھ نہیں بولا۔

''بولنا چاہیے بیگم صاحبہ...... ضرور بولنا چاہیے۔'' ابا مسکرا کر بولے۔

امی نے چونک کر ابا کو دیکھا۔

''یقین میاں کا بیوی کی حمایت میں بولنا ایک نیک شگون ہے۔''

''کیسا نیک شگون!'' امی نے تیوری پر بل ڈالتے ہوئے ابا کو دیکھا۔

''جب میاں بیوی ایک دوسرے کی عدم موجودگی میں بھی ایک دوسرے کی حمایت میں بولیں تو یہ علامت ہوتی ہے اس امر کی کہ ان کے درمیان ہم آہنگی ہے اور وہ ایک دوسرے کی قدر و قیمت سے آگاہ ہو چکے ہیں۔'' ابا نے یقین کی جانب دیکھا اور بولے۔ ''مجھے خوشی ہوئی بیٹے کہ تم بہو کے جائز حق کی حمایت میں بولے۔''

امی نے تیوری چڑھا کر ابا کو دیکھا۔

ابا ان کے تیور تاڑ گئے اور رسان لہجے میں بولے۔ ''برا ماننے کی ضرورت نہیں ہے بیگم صاحبہ...... یقین میاں کا شکوہ درست ہے۔''

ابا کی بات سے یقین کو اور شہ ملی۔

''جویا کا کہنا ہے، آپ کے گھر والوں نے کبھی مجھے عزت نہیں دی۔''

''نہیں...... یہ بات تو غلط ہے...... تمہارا یہ شکوہ واقعی درست ہے کہ نزہت، مدحت اور فرزین کی شادی کے موقع پر بہو کو اور تمہیں وہ اہمیت نہیں دی گئی جو دی جانی چاہیے تھی لیکن بہو کی یہ بات درست نہیں کہ گھر والوں نے انہیں عزت نہیں دی...... بیٹے وہ تو اس گھر کی عزت ہیں۔ جن گھروں میں بہوؤں کو عزت نہیں دی جاتی وہ خود بھی ذلیل اور رسوا ہو جاتے ہیں...... بہو کو عزت نہ دے کر خدانخواستہ کیا ہم نے رسوا ہونا ہے...... بہو ہمارے سر آنکھوں پر ہیں بیٹے۔''

یقین قدرے خفیف سا نظر آنے لگا۔

”تم خود بتاؤ ایمان داری سے کہ کیا کبھی کوئی ایسا موقع یاد ہے تمہیں جب بہو کو عزت نہ دی گئی ہو!“

یقین چپ رہا۔

”کوئی موقع دیا ہو تو ہم نے تو یہ بولیں۔“ امی نے کہا۔ ”کیا کسر چھوڑی تھی انہوں نے گھر کی عزت داؤ پر لگانے میں..... وہ تو کہیے اللہ کا کرم ہوا کہ بات دب گئی۔“

”آپ کے صاحب زادے بھی قصوروار تھے۔“ بابا بولے۔

”نہ آپ کی بہو بیگم میکے جا کر بیٹھتیں نہ یہ اول فول بک کر آتے۔“

”بس امی..... گڑھے مردے نہ اکھاڑیے۔“ مدحت بجیا نے سمجھایا۔

”میں اکھاڑ رہی ہوں گڑھے مردے یا یہ تمہارے بھائی صاحب خواہ مخواہ کی چاہت دکھا رہے ہیں بیوی کی۔“ امی کو غصہ آ گیا۔

”ارے ارے! ارے! آج آپ کو ہو کیا گیا ہے بیگم صاحبہ!“ بابا بولے۔

”آج امی کو بہت دنوں بعد غصہ آیا ہے بابا۔“ بجیا نے کہا۔

”بہت دنوں بعد آتا ہے مگر بہت آتا ہے۔“ بابا بولے۔

”دل جل کر رہ گیا میرا۔“ امی بڑبڑائیں۔

”زیادہ غصہ مت کیجیے ورنہ بلڈ پریشر ہائی ہو جائے گا۔“ بابا نے سمجھایا۔

”ہو جائے..... اچھا ہے ہو جائے۔“ امی یک بیک رونے لگیں۔

”ارے! کیا ہوا امی؟“ مدحت بجیا امی کو دلاسا دینے لگیں۔

امی کو روتے دیکھ کر یقین شرمندہ سا دکھائی دینے لگا۔

”بھئی! تمہاری امی کی پرابلم یہ ہے کہ اکیلی رہ رہ کے یہ بور ہو چکی ہیں۔ انہیں بہلانے کا بندوبست کرو تم لوگ۔“

”اگر آپ کو..... میری..... کسی بات سے..... تکلیف پہنچی ہے تو..... تو میں معافی چاہتا ہوں۔“ یقین نے امی کے شانوں پر اپنا بازو دراز کرتے ہوئے شرمندہ ہو کر کہا۔

امی مسلسل روتی رہیں۔

بابا نے یقین کو شرمندہ دیکھ کر اس کی شرمندگی مٹانے کو کہا۔ ”بیٹے! تمہاری امی اس طرح نہیں بہلیں گی۔“

”تو پھر کس طرح بہلیں گی بابا؟“ مدحت بجیا نے اپنی مسکراہٹ سے یقین کی خفت دور کرنے کی کوشش کی۔

”ان کو ایک نئی بہو لا کر دو تاکہ یہ کچھ دنوں کو مصروف ہو جائیں۔“

امی نے بھیگی بھیگی شاکی نظروں سے بابا کو دیکھا اور بولیں۔ ”میں آپ کا مطلب خوب سمجھتی ہوں ماسٹر صاحب۔“

”کیا سمجھتی ہیں؟“ بابا زیر لب مسکراتے ہوئے بولیں۔

”آپ یہ کہنے کی کوشش کر رہے ہیں نا کہ مجھے بہوؤں سے چھیڑ چھاڑ کی عادت ہو گئی ہے۔“

”حاشا وکلا ہرگز نہیں۔“

”تو پھر؟“

”بیگم صاحبہ! میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ آپ کو بہلانے کے لیے۔“

امی کی نگاہوں میں محبت ڈولنے لگی۔

بابا کے لیے!

”ماسٹر صاحب! آپ دل رکھتے ہیں میرا ورنہ اولاد تو کبھی کبھی بہت دل دکھا دیتی ہے۔“

یقین نے امی کی طویل ناراضگی سے بچنے کے لیے اسی وقت معافی تلافی غنیمت جانی۔

”آئی ایم سوری امی..... میرا مقصد آپ کو تکلیف پہنچانا ہرگز نہیں تھا۔“

”بیگم صاحبہ! آپ صاحب زادے کو صرف ایک شرط پر معافی دیں گی۔“

یقین بابا کی طرف دیکھنے لگا۔

”ذوہین میاں کے لیے لڑکی یقین اور بہو دیکھیں گے۔“ بابا بولے۔

امی نے بے ساختہ چونک کر بابا کو دیکھا۔

”گڈ!“ بجیا بولیں۔ ”بہت عمدہ شرط رکھی ہے بابا نے۔“

”کیوں بیگم صاحبہ ٹھیک ہے نا؟“ بابا نے امی کی تائید حاصل کرنی چاہی۔

”مجھے کوئی اعتراض تھوڑی ہے ماسٹر صاحب..... دیکھیں..... شوق سے دیکھیں، دولہن آگے بڑھیں بابا تو سہی۔“ امی کے لہجے میں دھیمی سی ناگواری جھلک رہی تھی۔

”ٹھیک ہے بھئی۔“ بجیا نے مسکراتے ہوئے یقین کی طرف دیکھا۔ ”ذوہین کے لیے لڑکی تمہیں اور جویا کو تلاش کرنی ہے۔“

اگلے چند ثانیوں میں یقین کے چہرے پر متضاد کیفیات ابھریں اور ڈوبیں۔

”لڑکی تو خیر بہت اچھی ہے مگر..... آپ لوگ مانیں گے نہیں۔“

”تم بتاؤ تو سہی۔“ بابا نے کہا۔

”ہاں..... بتاؤ۔“

”آپ لوگ مانیں گے نہیں..... بلکہ شاید..... کوئی بھی نہ مانے۔“ وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔

”میاں بتاؤ تو سہی کون ہے؟“

وہ متذبذب نظر آنے لگا پھر ہچکچاتے ہوئے بولا ”زو..... زویا!“

”زویا!“ امی ہکا بکا دکھائی دینے لگیں۔

بجیا دم بخود رہ گئی تھیں۔

☆======☆======☆

گھر والوں میں سے جس نے سنا اسے اچنبھا ہوا۔

ہاں!

کیا!

زویا!

ذہین کے لیے!

کیوں؟

دنیا سے لڑکیاں مٹ گئی تھیں کیا!

سب نے دامے درمے سخنے مخالفت کی۔

نہیں۔

ہرگز نہیں۔

ذہین کے لیے زویا ہی رہ گئی تھی!

لوگ کیا کہیں گے۔

لڑکا کنوارا اور لڑکی طلاق یافتہ۔

جینا دوبھر کر دیں گے لوگ

اور خود ذہین بے چارہ کیا سوچے گا!

قطعاً نہیں۔

کسی قیمت پر نہیں۔

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ایک طرف بابا تھے۔

اور دوسری طرف امی، مدحت، بجیا، نگہت اور نزہت۔

جب بابا نے پہلی مرتبہ بات کی تو امی ناگواری سے بولیں۔ "اس وقت تو کر دی آپ نے یہ بات، آج کے بعد زبان پر بھی مت لائیے گا یہ بات۔"

"کیوں بھئی؟"

"کسی نے سن لیا تو کیا کہے گا۔"

"کیا کہے گا؟"

"یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ لوگ کیا کہیں گے۔"

"بیگم صاحبہ، لوگوں کی آپ پروا کیوں کرتی ہیں؟"

"ماسٹر صاحب، کرنی پڑتی ہے۔ جب آدمی دوسرے انسانوں کے ساتھ ملتا جلتا اور اٹھتا بیٹھتا ہے تو اسے لوگوں کی زبانوں کی پروا بھی کرنی پڑتی ہے۔"

"لڑکی اچھی ہے بیگم صاحبہ۔"

"طلاق یافتہ بھی ہے۔" امی چبھتے ہوئے لہجے میں بولیں۔

"کوئی بات نہیں۔"

"آپ کے نزدیک نہیں ہوگی کوئی بات۔ میرے نزدیک تو ہے...... خدانخواستہ یہ بات اس گھر

کی چار دیواری سے بھی باہر نکل گئی تو کم از کم میں لوگوں کا سامنا کرنے کے قابل نہیں رہوں گی۔"

بابا متذبذب نظروں سے امی کو دیکھنے لگے۔

"لوگ کیا کہیں گے طلاق شدہ لڑکی ہی ملی بیٹے کے لیے...... اور بیٹا بھی سب سے چھوٹا...... سب کا چہیتا اور سب کا پیارا۔"

"بیگم صاحبہ! دو جہانوں کے سردار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو پچیس سال کی عمر میں چالیس سال کی بیوہ خاتون سے نکاح کیا تھا۔"

امی لاجواب سی ہو کر بابا کا منہ تکنے لگیں۔

"بیگم صاحبہ! اس بے چاری لڑکی کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس میں اس کا کیا قصور...... اور جو کچھ اس کے ساتھ ہوا، اس سے جو اس پر گزری ہوگی اور جو اس کے ماں باپ اور دیگر افراد خانہ پر گزری ہوگی، اس کا صحیح اندازہ دوسرے لوگ نہیں کر سکتے...... یاد نہیں آپ کو مدحت کی بربادی پر ہم لوگوں پر اور خود اس پر کیا گزری تھی؟"

"ہاں۔" امی نے ایک گہری سانس کھینچی۔

"مدحت کا دوبارہ گھر بس جانا خدا کی رحمت ہے...... کتنی بے چین اور فکر مند رہا کرتی تھیں، آپ مدحت کے لیے۔"

"بہت زیادہ ماسٹر صاحب۔"

"بس اسی طرح ہر اجڑنے والی بیٹی کے ماں باپ پریشان رہتے ہوں گے اور خود وہ لڑکی بھی۔"

"ہوں!" امی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"خدا نے آپ کی فکر دور کی......"

"شکر الحمدللہ!"

"جب خدا بندے کی کوئی تکلیف، کوئی دکھ، کوئی پریشانی دور کرے تو اس کا شکرانہ ادا کرنے کی بہترین صورت میرے خیال میں یہ ہوتی ہے کہ بندہ ان لوگوں کے بارے میں سوچے جو اسی کی طرح کسی دکھ یا تکلیف میں گرفتار ہوں اور ان کی مدد کرنے کی کوشش کرے...... خدا نے مدحت بیٹی کے بارے میں آپ کی پریشانی رفع کی، اب آپ کا کام یہ ہے کہ ان لوگوں کی تکلیف کا احساس کرنے کی کوشش کریں جو آپ ہی جیسی کسی آزمائش میں مبتلا ہوں...... کیا عجب کہ خدا آپ کی اس نیاز مندی پر آپ کو ایسی نعمتیں عطا فرمائے جن کا آپ تصور بھی نہ کر سکتی ہوں...... مدحت بیٹی کے لیے کیا غیبی سبب پیدا کیا خدا نے...... کیا آپ میں سوچ سکتے تھے کبھی کہ ایک روز یوں مدحت کا مقدر کھل جائے گا۔"

"ماسٹر صاحب! ذہین اور معظم میں فرق ہے۔ معظم دو ہا جو اور دو بچوں کے باپ ہیں، میرے بچے نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے۔"

"زویا نے بھی کیا دیکھا ہوگا ابھی۔"

"مگر طلاق کا داغ تو لگ چکا۔"

"وہ تو ہماری بیٹی کو بھی لگا ہوا تھا۔"

"اوہو ماسٹر صاحب، آپ سمجھتے کیوں نہیں۔"

"میں سب سمجھتا ہوں۔"

"مجھے آپ کی دانشمندی پر فخر تھا مگر آج زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے آپ بچوں کی سی باتیں کر رہے ہیں۔"

بابا دھیرے سے مسکرا دیے پھر بولے۔ "چلیے یونہی سہی...... سمجھ لیجیے کہ زندگی میں پہلی مرتبہ بوڑھا بچہ کسی نا سمجھی کی بات پر اٹک گیا ہے اور آپ کو اس کی ضد پوری کرنی ہے۔"

"نہیں ماسٹر صاحب، آپ کچھ بھی کہیں، یہ ظلم نہیں ہونے دوں گی میں اپنے بچے پر...... جہاں نکلے گا لوگ اسے بھی طعنہ دیں گے کہ طلاق یافتہ ہی رہ گئی تھی۔"

"اچھا ٹھیک ہے پھر بات کریں گے اس موضوع پر۔"

نگہت نے سنا تو بڑے شد و مد سے مخالفت کی۔

"نہیں بابا، یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔" وہ دو ٹوک بولی۔

"کیوں بھئی؟"

"اتنا اچھا ہمارا بھائی اور......"

"لڑکی بھی اچھی ہے۔"

"لائے تو تھے اس گھر سے پہلے بھی ایک لڑکی یہی سمجھ کر کہ اچھی ہے۔"

"بیٹی! اگر ایمانداری سے پوچھو تو اتنی بری بھی نہیں۔"

"ہائیں! یہ آپ کہہ رہے ہیں!" نگہت نے آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں، یہ میں کہہ رہا ہوں اور بڑے وثوق سے کہہ رہا ہوں۔" بابا مسکرا کر بولے۔

"کیا کسر چھوڑی جویریہ بھابی نے جو آپ اب بھی ان کی حمایت میں بول رہے ہیں بابا۔"

"بہو کی غلطیوں کی ذمے دار میں ان کی والدہ کو سمجھتا ہوں۔"

"بہر حال بری الذمہ تو وہ بھی قرار نہیں پاتیں۔ کوئی جاہل تو تھیں نہیں۔ پڑھی لکھی تھیں، اپنا اچھا برا سمجھ سکتی تھیں کیوں چلیں، وہ اپنی اماں جان کے مشوروں پر۔"

"بہر حال اب وہ باب تو بند ہو چکا۔"

"کہاں بند ہو چکا بابا...... بھابی اب بھی اپنی اماں ہی کے مشوروں پر چلتی ہوں گی۔"

"لیکن تمہاری تسلی کے لیے پھر بھی ایک بات کہوں گا میں۔"

نگہت بابا کا منہ دیکھنے لگی۔

"ارج سے پھر بھی بہت بہتر ہیں وہ۔"

"ہاں، خیر یہ تو ہے...... وہ تو بہت ہی اونچی شے نکلیں۔"

"اور مجھے حیرت یہ ہے کہ فرزین کچھ نہیں کہتے۔" امی بولیں۔

"ارے امی، وہ تو بالکل غلام ہو کر رہ گئے۔"

"حالانکہ میں یہ سمجھتی تھی کہ فرزین جو دلہن کے رویے سے نالاں رہنے لگے تھے۔ اپنی بیوی کو اول دن سے کنٹرول رکھیں گے۔" امی بولیں۔

"بیگم نے الٹا انہی کی لگامیں کس لیں۔" نگہت نے طنز سے کہا۔

"بہر حال خوش رہیں وہ۔" امی نے کہا۔

"بابا ذہین کے لیے آپ کے دل میں جو خیال آیا ہے، اسے تو ایک دم نکال پھینکئے۔" نگہت نے کہا۔

نزہت کو یہ بات پتا چلی تو وہ بولی۔ "ہمیں تو خیر زویا بہت اچھی لگتی ہیں پہلے دن سے لیکن......"

"لیکن؟" بابا نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ذہین سے اب جوڑ نہیں رہا زویا کا۔"

"کیوں؟"

"بابا، یہ تو بچے بچے کو پتا ہے کہ کیوں۔"

"سمجھ لو کہ مجھے نہیں پتا۔"

"ہم کیسے سمجھ لیں یہ...... آپ کو سب کچھ پتا ہے۔"

"اچھا، ایک بات بتاؤ۔"

"جی!"

"بالفرض زویا کے ساتھ یہ حادثہ نہ ہوا ہوتا تو کیا تم حمایت میں ووٹ دیتیں، ذہین اور زویا کے رشتے کی؟"

"بالکل۔" نزہت نے اپنا دایاں ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔

"ہم ضرور ووٹ دیتے۔"

"بس اب بھی دے دو۔"

"نہیں بابا...... سب لوگ کیا سوچیں گے...... مسعود کیا کہیں گے اور ہمارے سسرال والے بھلا کیا خیال کریں گے کہ جس لڑکی کو طلاق ہو چکی ہے، اس سے شادی کر دی انہوں نے اپنے بھائی کی...... ہمیں تو بہت شرم آئے گی بابا۔"

"مجھے دکھ اس بات کا ہو رہا ہے کہ نگہت اور تم میری بیٹیاں ہو کر ایسی بات کر رہی ہو۔"

"افتخار بھی ہنسیں گے کہ تمہارے گھر والوں کو ایک اسی گھر کی لڑکیاں نظر آئی ہیں۔"

"بیٹی! بھولے سے بھی نہ نکالنا یہ بات افتخار کے سامنے اپنے منہ سے۔" امی نے سمجھایا۔

"توبہ کیجیے امی۔"

"اور ہاں ماسٹر صاحب۔" امی نے تنبیہی نظروں سے بابا کو دیکھا۔ "کہیں یقین اور اپنی بہو کے سامنے یہ بات زبان سے نہ نکال بیٹھئے گا۔"

"کیوں!" بابا نے حیرت سے کہا۔

"بھوا پنے گھر میں نور اُٹھ کر کریں گی اور وہ لوگ خواہ مخواہ امید لگا کر بیٹھ جائیں گے۔"

"امی وہ ان لوگوں نے تو فرزین کی دفعہ بھی بہت امید لگا رکھی تھی۔" نگہت نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"ہاں لگا تو رکھی تھی...... بس میں نے ہی فرزین کو لگام دے کر رکھا پھر کچھ وہ بھاوج کے رویے سے ان کے گھر والوں سے بھی نالاں ہو گئے۔"

مدحت بجیا سے بابا کو امید تھی کہ وہ مخالفت نہیں کریں گی۔

لیکن انہوں نے بابا کی امید پر پانی پھیر دیا۔

"بیٹی! تم بھی!" بابا نے حیرانی اور بے یقینی سے مدحت بجیا کو دیکھا اور بولے۔ "تم بھی اپنی امی اور چھوٹی بہنوں کی طرح مخالفت کر رہی ہو!"

بجیا نے سر جھکا لیا۔

"میرا خیال تھا...... بلکہ مجھے یقین تھا کہ تم میرا ساتھ ضرور دو گی...... مگر......" بجیا چپ رہی۔

"کیوں آخر؟"

بجیا بدستور خاموش رہیں۔

"کیا تم بھی یہ سمجھتی ہو کہ...... زدیا ایک طلاق یافتہ لڑکی ہے اسے راندۂ درگاہ قرار دے دینا چاہیے، اس پر خوشیوں کے دروازے بند کر دیے جائیں۔ اسے اندھیروں میں پڑا رہنے دیا جائے۔ کوئی اس کے بارے میں کوئی دل خوش کن بات نہ سوچے۔ کوئی اسے قابلِ التفات نہ گردانے اسے کمتر درجے کی عورت سمجھا جائے؟"

"یہ بات نہیں بابا!" بجیا نے دھیرے سے کہا۔

"تو پھر؟"

بجیا نے پھر خاموشی پر اکتفا کیا۔

"بیٹی! تم سے مجھے یہ امید نہیں تھی۔" بابا کے لہجے میں ہلکا سا ملال تھا۔

بجیا کچھ خجل سی دکھائی دینے لگیں۔

"میرا خیال تھا تم سے بہتر کوئی نہیں سمجھ سکتا اس لڑکی کی جذباتی کیفیت کو۔"

"جی...... جی بابا۔" بجیا جیسے سرگوشی میں بولیں۔

"پھر بھی...... مخالفت کر رہی ہو!" بابا کے لہجے میں شکوہ تھا۔ "ایک مطلقہ لڑکی کا بھی زندگی کی خوشیوں پر اتنا ہی حق ہونا چاہیے جتنا کسی عام لڑکی کا۔" بابا جذباتی لہجے میں بولے۔

بجیا کچھ نہیں بولیں۔

"کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"جی نہیں۔"

"بیٹی الحمدللہ ہم مسلمان ہیں۔ اس مذہب کے پیرو ہیں جو تمام انسانوں کو یکساں حقوق دیتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مقدس مشعلِ راہ ہے ہمارے لیے، بیوہ خاتون سے آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کیا۔ مطلقہ خاتون کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زوجیت میں لے کر ہم مسلمانوں بلکہ ساری دنیا کے لوگوں کے لیے مثالیں چھوڑی ہیں کہ ایسی خواتین کو حقیر، کمزور اور بے بس نہ تصور کیا جائے۔"

"جی بابا۔" بجیا نے پھر آہستگی سے کہا۔

"مجھے یقین تھا بیٹی کہ چاہے پورا گھر مخالفت کرے، تم میری حمایت میں ضرور بولو گی...... میرا ساتھ دو گی...... لیکن اس وقت مجھے یوں لگ رہا ہے۔ جیسے میں نے واقعی کوئی غلط بات کر دی ہے۔" بابا نے توقف کیا پھر بولے۔ "تمہیں تو میرا ساتھ دینا چاہیے تھا بیٹی۔"

"بابا!" بجیا نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "میں خدانخواستہ...... اس لیے منع نہیں کر رہی ہوں کہ...... زدیا ڈائیورسی ہے۔"

"تو پھر؟"

بجیا نے ذرا کی ذرا بابا کی طرف دیکھا اور بولیں۔ "کیا آپ...... آپ نہیں جانتے بابا کہ فرزین زدیا میں انٹرسٹڈ تھے۔"

"ہاں...... جانتا ہوں۔"

"لیکن شاید آپ کو...... زدیا سے فرزین کی جذباتی وابستگی کی گہرائی کا اندازہ نہیں۔"

"ہے...... بالکل ہے۔"

بجیا نے چونک کر بے یقینی سے بابا کی طرف دیکھا۔

"بیٹی!" بابا متحمل لہجے میں بولے۔ "باپ ہوں، اپنی اولاد کے قدموں کی چاپ سن کر بتا سکتا ہوں کہ وہ کس سمت جا رہے ہیں...... استاد رہا ہوں۔ بچوں کی آنکھوں سے ان کے دل کے راز بوجھ لیتا ہوں...... فرزین کی آنکھوں کی کیفیت بھی مجھ سے چھپی نہیں رہی...... میں جانتا ہوں بیٹی کہ...... فرزین زدیا میں محض انٹرسٹڈ ہی نہ تھے، اس لڑکی کو چاہتے بھی تھے۔"

بجیا دم بخود رہ گئی تھیں۔

"پھر بھی......" بابا کے خاموش ہو جانے پر وہ بولیں۔ "پھر بھی آپ ذہین کے لیے زدیا کو پرپوز کرنے کی بات کر رہے ہیں!"

"ہوں۔"

"اور فرزین؟"

"فرزین!"

"وہ یہ سوچ سکتے ہیں کہ میرے لیے تو مخالفت کی گھر والوں نے اور اب......"

"رشتے آسمانوں پر طے ہوتے ہیں۔"

بجیا نے بابا کی طرف دیکھا پھر ہچکچاتے ہوئے بولیں۔ "آپ...... گستاخی پر محمول نہ کریں تو ایک بات کہوں۔"

"ہاں ہاں، ضرور کہو۔"

''بہت پرانی لگنے لگی ہے یہ بات کہ رشتے آسمانوں پر طے ہوتے ہیں۔''

بابا دھیرے سے مسکرا دیے پھر بولے۔ ''لیکن اس بات کی سچائی آج بھی اسی طرح ایک کائناتی حقیقت محسوس ہوتی ہے جیسے ہر صبح مشرق سے سورج نکلنا۔''

بجیا قائل سی دکھائی دینے لگیں۔

''مدحت بیٹی!'' بابا بولے۔ ''ہوتا تو وہی ہے جو روزِ ازل ہماری قسمت میں لکھ دیا گیا ہے لیکن...... مجھے اکثر یہ خیال آتا ہے کہ اگر فرزین کی شادی زویا سے ہو گئی ہوتی تو شاید اس کی قسمت میں لکھا نہ ہوا ہوتا...... ذہین سے زویا کا رشتہ کر کے اس غلطی کی تلافی کی جا سکتی ہے۔''

''فرزین پسند کریں گے یہ بات؟''

''میرے خیال میں تو انہیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔''

''خوش بھی نہیں ہوں گے۔''

''ہاں، خوش تو شاید نہ ہوں مگر اس لڑکی کی بگڑی قسمت بنتے دیکھ کر شاید مطمئن ہو جائیں۔'' بجیا الجھی الجھی نگاہوں سے بابا کو دیکھنے لگیں۔

''بیٹی اگر فرزین خلوصِ نیت سے انٹرسٹڈ تھے زویا میں تو مجھے یقین ہے کہ ان کی بربادی نے انہیں دکھ پہنچایا ہوگا...... ایک خلش، ایک کسک سی ہوتی ہوگی، اکثر نہ سہی کبھی کبھی ضرور ان کے دل میں...... اور میرا خیال ہے، اس لڑکی کو اپنے ہی گھر میں دیکھ کر وہ برا نہیں منائیں گے...... انہیں برا منانا بھی نہیں چاہیے۔''

''یہ تو آپ کا خیال ہے نا بابا...... بالفرض...... بالفرض فرزین کو اچھا نہ لگے اور ذہین کے خلاف ان کے دل میں کوئی گرہ، کوئی رنجش پڑ جائے تو؟'' بجیا متفکر لہجے میں بولیں۔

''ہونا تو نہیں چاہیے ایسا۔''

''لیکن ایسا ہو سکتا ہے...... فرزین کے دل میں ہم سب گھر والوں کی طرف سے بھی بدگمانی اور رنجش آ سکتی ہے۔''

''ہوں...... امکان یہ بھی رکھنا چاہیے ذہن میں۔''

''خاصی پیچیدہ سی صورت حال ہے۔''

''ہاں...... ہے تو۔''

''پھر؟''

بابا نے ایک گہری سانس کھینچی بجیا سے بولے۔ ''کچھ سوچیں گے، اس کا حل بھی، پہلے تم تو راضی ہو۔''

''مجھے تو کوئی اعتراض نہیں بابا...... میں تو بس فرزین ہی کی وجہ سے......'' بجیا نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

''تمہیں زویا کے ڈائیورسی ہونے پر کوئی اعتراض نہیں؟''

''جی نہیں۔''

''سچ کہہ رہی ہو؟''

''جی بابا۔'' بجیا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بولیں۔ ''میں نے یہ اذیت سہی ہے بابا، گھر بھر میں مجھ سے بہتر کون اندازہ کر سکتا ہے زویا کی جذباتی کیفیت، اس کی الجھنوں، اس کے دکھ اور ملال کا...... مجھے اس سے پوری ہمدردی ہے...... وہ مجھے پہلے بھی اچھی لگتی تھی، اب بھی اچھی لگتی ہے...... میں نے ہی اسے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا مشورہ دیا تھا...... وہ بہت اچھی، بڑی سمجھدار لڑکی ہے بابا...... اس کے اور جویا کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے، جویا سے چھوٹی ہو کر بھی وہ جویا سے کہیں زیادہ سمجھداری کی باتیں کرتی ہے...... مجھے تو وہ بہت پسند ہے۔''

''تو پھر اپنی امی اور بہنوں کو آمادہ کرو۔''

بجیا نے مسکراتے ہوئے بابا کو دیکھا اور بولیں۔ ''بہت مشکل کام سونپ رہے ہیں بابا۔''

''ابھی تو تمہید ہی باندھی ہے میں نے۔''

''اچھا!'' بجیا بے ساختہ مسکرا دیں۔

''اپنی امی اور بہنوں کو آمادہ کرنے کے علاوہ تمہیں ذہین کو اعتماد میں لے کر ان کی مرضی بھی معلوم کرنا ہوگی۔''

''ذہین سے بات کرنا تو کوئی پرابلم نہیں۔''

''مگر امی اور بہنوں کو آمادہ کرنا پرابلم ہے؟'' بابا نے استفہامیہ لہجے میں کہا۔

''جی۔'' بجیا بولیں۔ ''بہرحال میں پوری کوشش کروں گی۔''

''میں بھی ساتھ دوں گا تمہارا...... راضی کرنے کی کوشش کروں گا ان لوگوں کو۔''

''فرزین سے کون بات کرے گا؟''

''بہتر ہوگا کہ تم ہی کرو کیونکہ فرزین تم سے بے تکلف ہیں۔ مجھ سے شاید کھل کر بات نہ کر سکیں تاہم اگر تمہیں کوئی تردد ہوا ان سے بات کرنے میں تو میں بات کر لوں گا۔''

''ان کی واپسی پر۔''

''ظاہر ہے۔''

''اور ہاں، یقین اور بہو تک یہ بات سب سے آخر میں اور صرف اس صورت میں پہنچے، جب ہر طرف حالات سازگار محسوس ہوں تاکہ بہو کے توسط سے یہ بات قبل از وقت ان کے گھر والوں تک نہ پہنچے ورنہ آس لگا کر نہ بیٹھ جائیں۔''

''جی بہتر۔''

☆======☆======☆

امی اور نگہت کو آمادہ کرنا بلاشبہ ایک کارِ گراں تھا۔

مدحت بجیا نے امی سے بات کی تو وہ بولیں۔ ''کیسی بات کر رہی ہو مدحو۔ دنیا میں لڑکیاں ختم ہو گئی ہیں کیا۔''

''یہ بات نہیں امی۔''

"تو پھر؟"

"بابا کی خواہش ہے۔"

"بابا تمہارے تو بس......" امی نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"کیا ہوا بیگم صاحبہ؟" بابا جو گھر سے باہر گئے ہوئے تھے، بڑے موقعے پر پہنچے۔

"آپ کی خواہش کا ذکر کر رہی ہے مدحو۔"

"کون سی خواہش؟"

"انوکھی خواہش!" امی کے لہجے میں شکوہ آمیز طنز تھا۔

"بھئی پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہیں، کھل کر بات کیجیے۔" بابا امی کے نزدیک بیٹھ گئے۔ امی نے شاکی نظروں سے انہیں دیکھا اور بولیں۔ "زمانے بھر میں ایک ہی لڑکی نظر آئی آپ کو میرے معصوم بچے زین کے لیے۔"

"بیگم صاحبہ! اچھی لڑکی ہے۔"

"یہ میں پہلے بھی سن چکی ہوں۔" امی نے توقف کیا پھر بولیں۔ "طلاق یافتہ بھی ہے۔"

"میں بھی پہلے سن چکا ہوں یہ۔" بابا مسکرا کر بولے۔

امی نے تیکھی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"اس لڑکی کی بربادی کی کچھ ذمے دار آپ بھی ہیں۔"

"میں!" امی چونک کر بولیں۔

"جی ہاں، آپ۔" بابا نے توقف کیا پھر بولے۔ "اگر فرزین سے شادی کر لیتیں آپ اس کی تو شاید یہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا اس کے ساتھ۔"

"سن رہی ہو مدحو، اپنے بابا صاحب کی بات۔"

"جی......جی امی۔"

امی نے بابا کی طرف دیکھا اور بولیں۔ "آپ کی سمدھن بڑی کی طرح چھوٹی کو بھی اپنے رائے پر لگا کر جینا اور عذاب کر دیتیں ہمارا۔"

"سمدھن سے بہت خائف دکھائی دیتی ہیں آپ۔" بابا نے مسکراتے ہوئے گہری نگاہوں سے امی کو دیکھا۔

"اپنی عزت کا ہر شریف آدمی کو خیال ہوتا ہے اور وہ پگڑی اچھالنے والوں سے ڈرتا ہے۔"

"گویا سمدھن کو آپ پگڑی اچھالنے والا سمجھتی ہیں۔"

"کسر کیا باقی رہنے دی انہوں نے......وہ تو کہیے چھوٹی بیٹی کے واقعے نے انہیں ٹھنڈا کر دیا ورنہ اللہ توبہ۔" امی نے دونوں کانوں کو ہاتھ لگا دیے۔

"کیسی بیوقوف اور بدقسمت ہوتی ہیں ایسی مائیں۔" بابا تاسف سے بولے۔ "جو بیٹیوں کو ان کی شادی کے بعد اپنے شوہر اور سسرال کا دم بھرنے کی نصیحت کرنے کی بجائے الٹے سیدھے مشورے دیتی ہیں اور نہ بیٹیوں کی عزت رہنے دیتی ہیں، اس کے شوہر اور سسرال والوں کی نظر میں نہ اپنی

عزت کروا پاتی ہیں داماد اور اس کے گھر والوں سے۔"

"نا سمجھ صاحب! ایسی بیٹیاں بھی کچھ کم بیوقوف اور بدقسمت نہیں ہوتیں جو شادی کے بعد شوہر کو اپنی عزت کا سبب نہیں سمجھتیں، شوہر کے گھر کی بجائے ان کا دل میکے میں ہی پڑا رہتا ہے۔ سسرال والوں کو جن کے ساتھ انہیں ساری زندگی دکھ سکھ گزارنا ہوتا ہے، دشمن سمجھتی ہیں۔ جوان سے بوڑھی ہو جاتی ہیں مگر ان کے ساتھ اپنا دل نہیں ملا پاتیں۔ ہمیشہ غیریت کا احساس رکھتی ہیں اور اپنے رویے سے یہ بات ثابت کرتی ہیں کہ جس گھر اور جن لوگوں کو انہیں اپنا سمجھنا چاہیے، انہیں غیر گردانتی ہیں۔"

مدحت بجیا کو بہت پرانی باتیں یاد آنے لگیں۔

جویا در اس کی اماں کے استہزائیہ فقروں اور قابلِ اعتراض جملوں کی بازگشت ان کے ذہن میں گونجنے لگی۔

کیسی کیسی باتیں کیا کرتی تھیں، وہ دونوں فون پر!

اور ان کا تو نام ہی ان دونوں نے "طلاقن" رکھ دیا تھا۔

کتنی عجیب بات تھی کہ ان کی اپنی بیٹی کو عدالت سے خلع لینی پڑی تھی۔

سچ ہے دنیا میں کل جگ نہیں کر جگ ہے۔

آدمی جو بوئے وہی کاٹتا ہے۔

کرنے والے کو بھرنی پڑتی ہے۔

مکافاتِ عمل یہی ہے!

بے اختیار بجیا کے منہ سے ایک سرد آہ نکلی۔ امی اور بابا دونوں نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"خیریت!" امی بولیں۔ "اتنی ٹھنڈی سانس کیوں بھری تم نے۔"

"کچھ نہیں امی!" بجیا بولیں۔

"نہیں......کچھ تو ضرور ہے۔"

"کیا بتاؤں امی، آپ کو۔"

"چھپاؤ مت۔"

بجیا نے بابا کی جانب دیکھا۔

وہ بہت گہری نگاہوں سے انہی کو دیکھ رہے تھے۔

بابا کی نگاہوں میں سوال تھے......تشویش تھی۔

"آدمی کے جو دل میں آئے کہہ ڈالے۔" امی بولیں۔

"امی جی! آپ اور بابا دونوں ٹھیک کہتے ہیں۔" بجیا نے بوجھل آواز میں کہا۔ "ایسی مائیں بھی بدقسمت ہوتی ہیں جو بیٹیوں کو ان کی شادی کے بعد سیدھا راستہ دکھانے کی بجائے بھول بھلیوں میں الجھائے رکھتی ہیں اور ایسی بیٹیاں بھی عاقبت نااندیش ہوتی ہیں جو شادی کے بعد سسرال کو اپنا نہیں سمجھتیں اور اس گھر میں اجنبیت اور غیریت کی زندگی بسر کرتی ہیں جو درحقیقت ان کا گھر ہوتا ہے۔"

"ہاں۔" بابا نے تائید کی۔ "حقیقت میں تو بیٹی کا اصل گھر اس کے شوہر کا گھر ہوتا ہے۔"

''بہرحال امی، جویا کی اماں کو اپنی غلطیوں کی سزا بشرطیکہ انہیں اس کا احساس ہو مل چکی ہے۔'' بجیا بولی۔

''خاک احساس ہوگا انہیں۔'' امی بولیں۔

''نہیں امی، ہوا تو ضرور ہوگا۔''

''ایسے لوگوں کو شاید کبھی احساس نہیں ہوتا۔''

''یہ بات نہیں امی..... آدمی کو اپنی غلطی کا احساس کبھی نہ کبھی ہوتا ضرور ہے۔''

ببا نے تائید میں سر ہلایا۔

''اور کبھی کبھی بڑوں سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے جس کی سزا چھوٹوں کو بھگتنی پڑتی ہے۔ مجھے لگتا ہے زویا کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے..... بذاتِ خود تو وہ ایک اچھی اور سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔'' بجیا نے کہا۔

''بیگم صاحبہ! عقل مندوں کا کہنا ہے، زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو..... زویا کی سبھی تعریف کرتے ہیں تو اچھی ہی ہوگی۔''

''ہونے دیں ماسٹر صاحب..... جس راستے جانا نہیں اس کا ذکر کیا۔''

''کیوں نہیں جانا..... اگر راستہ اچھا ہو تو کیوں نہ جائے آدمی اس راستے پر۔''

''کچھ خوفِ خدا کیجیے ماسٹر صاحب..... کنوارے بیٹے کے لیے طلاق یافتہ لڑکی کا خیال کیسا اٹک گیا آپ کے ذہن میں!''

''ایک بہو خاکسار کی پسند سے بھی آجائے تو کیا حرج ہے۔''

''کوئی حرج نہیں۔ لڑکی کوئی اور دیکھیے۔''

''یہ کیوں نہیں؟''

''اوہو!'' امی زچ نظر آنے لگیں۔

''امی جب ببا اصرار کر رہے ہیں تو آپ مان کیوں نہیں لیتیں۔''

''دیوانی ہوئی ہو مدھو۔'' امی نے بجیا کو گھورا۔ ''ذہین کے لیے طلاق یافتہ لڑکی ہی رہ گئی ہے؟''

''امی جی! کیا طلاق یافتہ لڑکی کا زندگی کی خوشیوں پر کوئی حق نہیں رہ جاتا!'' بجیا تاسف سے بولیں۔

امی نے انہیں دیکھا۔

''طلاق تو مجھے بھی ہوئی تھی امی!''

امی نے پہلو بدلا۔

''اگر ایک مرد بیوی کو طلاق دینے کے بعد کسی غیر شادی شدہ لڑکی سے شادی کا حق رکھتا ہے تو کیا کسی طلاق یافتہ عورت کی کسی غیر شادی شدہ لڑکے سے شادی معیوب بات ہے۔''

''مجھے مجبور مت کرو مدھو۔'' امی لجاجت سے بولیں۔

بجیا نے لورا اصرار کرنا مناسب نہ جانا۔

امی کی طرح نگہت اور نزہت کو بھی وہ اپنا ہمنوا بنانے میں ناکام رہیں۔

''لوگ اگر سنیں تو ہنسیں۔'' نگہت نے کہا۔

''کیوں؟ ہنسنے کی کیا بات!'' بجیا نے قدرے ناگواری سے کہا۔

''واہ بجیا واہ! آپ کا بھی جواب نہیں..... اتنے پیارے بھائی کے لیے ایک وہی لڑکی نظر آئی۔''

''یہ ببا کی خواہش ہے..... زیادہ زخم خوردہ لڑکی ہے۔ ہر قدم دیکھ بھال کر اور احتیاط سے اٹھائے گی۔''

''چھوڑیں، ببا تو بس ایسی عجیب و غریب باتیں کرتے ہیں۔ ساری زندگی اپنے اصولوں کو سینے سے لگائے رہے۔ سچائی اور دیانتداری نے کیا دیا ببا کو..... صرف یہ مکان!''

''کیسی باتیں کر رہی ہو!''

''میں غلط نہیں کہہ رہی۔''

''غلط ہی کہہ رہی ہو۔''

نگہت بجیا کا منہ تکنے لگی۔

''ببا نے جن اصولوں کے تحت زندگی گزاری ہے، انہوں نے بہت کچھ دیا ہے۔ ببا کو۔''

''مثلاً؟'' نگہت نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

''مثلاً ذہنی سکون، امی، ہم سب اور ببا کے وہ سیکڑوں بلکہ ہزاروں شاگرد جن کے دلوں میں ببا کے لیے احترام ہے۔''

نگہت نے بجیا کو استہزائیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اپنی گردن جھٹکی۔

''زویا کو پیش آنے والا حادثہ کسی کے ساتھ بھی ہو سکتا تھا نگہت۔''

''آپ کا مطلب ہے میرے ساتھ۔'' اس نے استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ چبھتے ہوئے لہجے میں کہا تو بجیا کو برا لگا۔

''ہو سکتا ہے۔'' وہ تلخی سے بولیں۔

نگہت جسے بجیا سے اس رویے کی توقع نہ تھی، ان کا منہ دیکھنے لگی۔

بجیا کو احساس ہوا کہ وہ بہت تلخ ہو گئی تھیں۔

''کسی لڑکی..... کسی عورت کا مقدر بگڑنے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے نگہت..... اپنے ہی گھر میں میری اپنی مثال تمہارے سامنے ہے..... تمہیں اندازہ نہیں نگہت کہ ہم جیسی عورتیں کتنے سماجی دباؤ سہہ رہی ہیں۔ ہمیں عجیب و غریب نگاہوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ عجیب و غریب سوالوں کے جواب مانگے جاتے ہیں ہم سے..... لوگ ہمیں شک اور تحقیر سے دیکھتے ہیں..... قصور اپنا بھی ضرور ہوگا۔ یہی کہا جاتا ہے۔ تم نہیں جانتیں نگہت کہ میں نے کیا کچھ سہا ہے، میری دعا ہے کہ تم کبھی جان بھی نہ پاؤ کہ میں نے کیا کیا باتیں سہی ہیں۔''

''بجیا! آپ ایسی بات نہ کریں۔''

"کیوں؟"

"آپ کی بات اور تھی...... آپ کا اور زدیا کا مقابلہ کہاں۔"

بجیا دھیرے سے مسکرا دیں۔

"میری بات اور کیا تھی مائی ڈیئر سسٹر! زخم کسی کو بھی لگے، دکھ دیتا ہے، چاہے وہ میں ہوں یا کوئی اور۔"

نگہت لاجواب سی ہو کر بجیا کا منہ دیکھنے لگی۔

"ایک بات بتاؤ۔ تم اتنی مخالفت کیوں کر رہی ہو زدیا کی؟"

"میری مخالفت کی چھوڑیے اور اس قصے کو ختم کیجیے...... ذہین کے کان میں پڑی یہ بات تو انہیں افسوس ہوگا۔"

"کیا افسوس ہوگا۔"

"کہ گھر والوں کو میرے لیے ایسی ہی لڑکی ملی۔"

"اور اگر ذہین راضی ہو جائیں! تب تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا نا؟"

"آپ لکھوا لیں مجھ سے ذہین راضی نہیں ہوں گے۔"

"بالفرض ہو گئے۔"

"تو نہ میں شریک ہوں گی (آئندہ اس گھر کے کسی دکھ سکھ میں نہ اختیار اور نہ بچیاں۔"

"یہ تو مخالفت برائے مخالفت ہوئی۔"

"جویا بھابی کو آزما کے دل نہیں بھرا آپ کا اور ابا کا۔"

"جویا اور زدیا میں بہت فرق ہے۔"

"کوئی فرق نہیں...... وہ امی مثال دیتی ہیں نا کبھی کبھی کہ ایک توے کی روٹی کیا چھوٹی کیا موٹی۔"

"دونوں میں فرق ہوتا ہے، موٹی روٹی اندر سے کچی بھی ہو سکتی ہے۔" بجیا مسکرا کر بولیں۔ نگہت زچ نظر آنے لگی۔

☆=====☆=====☆

امی، نگہت اور نزہت کی طرف سے کورا جواب پا کر بجیا نے ذہین کو گھیرا۔

"تمہاری شادی کا ارادہ کر رہے ہیں ہم لوگ۔" بجیا نے اس سے کہا۔

"صرف ارادہ!" وہ شوخی سے مسکرایا۔

"نہیں صرف ارادہ نہیں، اسے عملی جامہ بھی پہنائیں گے۔"

"تھینک یو...... تھینک یو...... میں تو کب سے انتظار کر رہا ہوں، اس بات کا۔ شادی کا تو مجھے بچپن سے شوق ہے۔"

بجیا ہنس پڑیں اور اس کے سر پر پیار سے دھپ لگا کر بولیں۔ "اتنے خوش مت ہو...... شوق ہے شادی کا تمہیں...... چار دن میں حقیقت کھل جائے گی تم پر کہ کیا ہوتی ہے زندگی

شادی سے پہلے...... شادی کے بعد تو آدمی الجھ کر رہ جاتا ہے۔"

"آئی ڈونٹ مائنڈ۔" ذہین شوخی سے بولا۔

"اچھا اب مذاق چھوڑو اور سنجیدگی سے میری بات سنو...... ہم لوگ واقعی تمہاری شادی کا پروگرام بنا رہے ہیں۔"

"جلدی کیا ہے بجیا۔"

"جلدی یوں ہے کہ تم امی اور ابا کی سب سے چھوٹی اور آخری اولاد ہو...... چونکہ دونوں تم سے بڑی تمام اولاد سے نمٹ چکے ہیں اور تمہارے سوا اب کوئی ذمے داری نہیں رہی ہے اُن کے شانوں پر اس لیے وہ تمہارے فرض سے بھی سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔" بجیا ذہین کے نزدیک ہو کر سرگوشی میں بولیں۔

"راز کی بات ہے، یہ جو اماں ابا ہوتے ہیں نا انہیں بہت شوق ہوتا ہے بچوں کی شادی کا۔"

"میں نے تو ابھی اپنی عملی زندگی شروع ہی کی ہے بجیا۔"

"میں جانتی ہوں۔"

"اسٹیبلش ہو جاؤں تو پھر کروں گا شادی۔"

"وہ تو تم ہو چکے ہو۔"

"ابھی کہاں بجیا...... ابھی تو کھڑا ہوا ہوں اپنے پیروں پر۔"

"دو جمع دو چار پیروں سے چلو گے، زندگی کے راستے پر تو زیادہ اچھی طرح اسٹیبلش ہو سکو گے۔"

"ذمے داریاں مجھے موقع ہی نہیں دیں گی مضبوطی سے قدم جمانے کا۔"

"دیکھو ذہین۔" بجیا زیادہ سنجیدگی اور متانت اختیار کرتے ہوئے بولیں۔ "تم میرے بھائی تو ہو مگر ہم دونوں کے درمیان عمر کا جو فرق ہے وہ تمہیں میری اولاد کی جگہ دیتا ہے۔ میں اس حق میں نہیں ہوں کہ محض شوق پورا کرنے یا اپنے سر سے بوجھ اتارنے کی خاطر بچوں کی جلدی شادی کی جائے مگر خواہ مخواہ تاخیر کے حق میں بھی نہیں...... تم امی اور ابا کی سب سے چھوٹی اولاد ضرور ہو مگر ماشاءاللہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو چکے ہو۔ تعلیم مکمل کر چکے ہو۔ باروزگار ہو۔ کسی کی ذمے داری یا کفالت تمہارے ذمے نہیں...... ایسے میں اگر شادی ہو جائے تمہاری تو کوئی حرج نہیں۔"

"پلیز! مجھے لائف کو تھوڑا سا تو انجوائے کرنے دیں۔"

"بری بات۔" بجیا نے محبت سے اسے گھورا۔ "اکیلے اکیلے انجوائے نہیں کرتے۔ دوسرے کو بھی ساتھ رکھتے ہیں۔"

ذہین کے چہرے پر بڑی برخوردارانہ سی مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

"اب مسئلہ ہے لڑکی کے انتخاب کا۔" بجیا نے محتاط نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ شرما سا گیا۔

"بالکل سچ سچ بتاؤ، کوئی لڑکی تمہاری اپنی نظر میں ہے؟"

"میری نظر میں!"

"ہاں۔"

"کیا یہ بات آپ نے یقین بھائی اور فرزین بھائی سے بھی پوچھی تھی؟"

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، ہم نے ان سے بھی پوچھا تھا...... پہلی ترجیح لڑکے اور لڑکی کی پسند کو دینا اچھا رہتا ہے۔"

"کیا یقین بھائی نے جویا بھابی اور فرزین بھائی نے اپنی بیگم صاحبہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔"

"نہیں، وہ دونوں گھر والوں کی پسند سے آئی ہیں۔"

"واللہ، جواب نہیں...... نہلے پر دہلا کہنے کو جی چاہتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو شاید لیکن میں بھی ایک بات کہوں گی۔"

ذہین ہمہ تن گوش نظر آنے لگا۔

"دونوں سسرال والوں کے لیے کیسی ہی ثابت ہوئی ہوں، اپنے شوہروں کے ساتھ مخلص ہیں۔"

"مخلص ہیں!" وہ حیرانی سے بولا۔ "کیا آپ بھول گئیں کہ جویا بھابی نے یقین بھائی کو کتنا پریشان رکھا تھا۔"

"شادی شدہ زندگی ایسا سمندر ہے جس میں غوطہ لگانے والوں کو ہر قسم کے مدوجزر کے لیے تیار رہنا چاہیے...... یقین اور جویا اب تو بہت خوش ہیں۔"

"ہمیں کیا معلوم!" ذہین نے توقف کیا پھر بولا۔ "اور ارج بھابی تو جویا بھابی سے بھی دو ہاتھ آگے ثابت ہوئیں...... اور مجھے حیرت ہے کہ فرزین بھائی ان کے سامنے بالکل ڈھے گئے۔"

"بہر حال ایک کامیاب اور خوشگوار زندگی وہ دونوں بھی گزار رہے ہیں۔ خوش گوار ازدواجی زندگی کے لیے اگر کسی ایک کو سرینڈر کرنا پڑ جائے تو سودا برا نہیں۔"

"یعنی آپ کے خیال میں فرزین بھائی نے اپنی بیگم کے سامنے ہتھیار ڈال دیے ہیں؟"

"لگتا تو یہی ہے اور میرے خیال میں فرزین نے ارج کے مزاج سے مفاہمت کر کے اچھا کیا ورنہ شاید وہ خود بھی پریشان ہوتے اور ہم سب بھی۔" بجیا نے توقف کیا پھر بولیں۔ "میرے سوال کا جواب نہیں دیا تم نے ابھی تک؟"

"کون سا سوال؟"

"کسی لڑکی میں انٹرسٹڈ ہو؟" بجیا نے دوٹوک پوچھا۔

"جی نہیں۔"

ذہین نے اتنی جلدی اور اس قدر اعتماد سے جواب دیا کہ بجیا کو یقین کرنا ہی پڑا۔

"اوکے۔" بجیا نے ایک نظر اسے دیکھا پھر بولیں۔ "ذہین لڑکیوں کی تو کوئی کمی نہیں، خاندان میں بھی ہیں کئی لڑکیاں اور خاندان سے باہر غیروں میں بھی...... ان کے علاوہ اور بھی دیکھی جا سکتی ہیں مگر...... بہا نے کچھ عجیب سی خواہش کا اظہار کیا ہے۔"

ذہین چونک کر بجیا کو دیکھنے لگا۔

"عجیب سی خواہش! کیا مطلب؟" اس نے کہا۔

بجیا کو اس سے آگے بات کرنا دشوار سا محسوس ہونے لگا۔

"تمہارے لیے بہا کی نگاہ انتخاب جس لڑکی پر ٹھہری ہے، وہ ہے تو بہت اچھی مگر اس کے ساتھ ایک پرابلم ہے۔"

"وہ کیا؟"

"شی...... شی از اے ڈائیورسی۔"

دوسری زبان جاننے کا ایک فائدہ شاید یہ بھی ہے کہ جو بات آدمی اپنی زبان میں آسانی سے نہ کہہ سکے، وہ دوسری زبان میں کہہ جاتا ہے۔

"امی، نگہت، نزہت اور شاید میں نے بھی بہا کی حتی الامکان مخالفت کرنے کی کوشش کی ہے۔"

ذہین چپ رہا۔

بجیا نے دزدیدہ نظروں سے اس کے تاثرات کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔

"نام پوچھ سکتا ہوں؟" کچھ دیر بعد وہ محتاط انداز میں بولا۔

"نام بھی معلوم ہو جائے گا، پہلے یہ تو بتاؤ کہ ایک ڈائیورسی سے شادی کا تصور کر سکتے ہو تم؟"

ذہین نے الجھی الجھی نظروں سے بجیا کو دیکھا پھر بولا۔ "کچھ حیران کن ضرور ہے یہ بات میرے لیے لیکن...... اپنی جگہ یہ بات کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔" اس نے توقف کیا پھر ایک مشہور و معروف شخصیت کا نام لیتے ہوئے بولا۔ "اسے جانتی ہیں آپ؟"

"کون ہیں یہ؟"

"شوبزنس کی ایک مشہور و معروف شخصیت۔"

"ہاں، ہاں اسے تو جانتی ہوں نام سن کر میں سمجھی تھی، خدا جانے تم کس کی بات کر رہے ہو۔"

"اس شخص نے ایک ڈائیورسی سے ہی کی ہے شادی جس کے تین بچے بھی تھے۔"

"ریئلی!"

"جی ہاں۔"

"تم...... تم راضی ہو سکتے ہو، کسی ڈائیورسی سے شادی پر۔"

"پہلے مجھے اس کا اتا پتا تو معلوم ہو۔"

"وہ بھی معلوم ہو جائے گا مگر پہلے تم یہ بتاؤ کہ کیا یہ بات قابل قبول ہوگی تمہارے لیے؟"

"میرا خیال ہے، بہا میرے لیے برا نہیں سوچ سکتے۔" بجیا نے الجھی الجھی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"اب تو بتائیں گی آپ کہ کون ہے وہ؟"

"زدیا۔"

"زدیا!" وہ چونکا۔

"ہاں۔"

بجیا نے اس کے تاثرات کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔

وہ دم بخود رہ گیا تھا۔

کچھ دیر دونوں یوں خاموش بیٹھے رہے جیسے بجیا اسے کسی صدمے پر پُرسہ دینے کے لیے آئی ہوں پھر بجیا نے کہا۔ ''میرا خیال ہے، تمہیں چپ ہونے کی بجائے کم از کم مجھ سے کھل کر بات کرنی چاہیے۔''

''بجیا! کیا بابا نہیں جانتے کہ فرزین انٹرسٹڈ تھے یہاں؟''

''جانتے ہیں۔''

''پھر! پھر کیوں ایسی بات کی ہے بابا نے!''

''بابا کی کوئی بات بے سبب، بے وزن نہیں ہوتی۔ بہت سے پہلوؤں پر نظر رکھتے ہوئے بابا نے یہ بات کی ہے۔''

''مثلاً؟''

''مثلاً پہلی بات تو یہی کہ فرزین کے انٹرسٹڈ ہونے کے باوجود زویا سے فرزین کی بات اس لیے نہیں بن سکی کہ جویا کے رویے نے ہم سب کو بہت مایوس کر دیا تھا۔ امی جویا کے بعد اس گھرانے کی دوسری لڑکی کے بارے میں سننے کی روادار نہ رہی تھیں...... وہ کسی حد تک حق بجانب بھی تھیں۔ چھوٹی بہنوں کے رشتے ناتوں کے سلسلے میں بڑی بہنوں کے ان کی سسرالوں میں رویے ہی حوالے بنتے ہیں۔ جویا سے مایوس ہونے کے بعد پھر اسی گھرانے کی کوئی لڑکی لانے کا مشورہ کوئی غیر بھی نہ دیتا پھر رہی سہی کسر فرزین کے ساتھ جویا کی اماں کے رویے نے پوری کر دی......''

''فرزین بھائی کے ساتھ!'' ذہین چونکا۔

''ہاں، جن دنوں جویا روٹھ کر میکے بیٹھی ہوئی تھیں، فرزین کو ایک دو بار ان کے ہاں جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں ان کی اماں نے جس قسم کا رویہ رکھا، اس سے فرزین بہت بددل ہوئے۔ انہوں نے زویا کی طرف سے اپنا دھیان ہٹا لیا۔ فرزین کی شادی ارج سے طے ہو گئی اور ان کی شادی سے پہلے ہی زویا کی شادی بھی ہو گئی۔ شادی کے بعد اس بے چاری کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ تمہیں معلوم ہی ہے اور جو کچھ اس بے چاری کے ساتھ ہوا اس میں سارا قصور جویا کی اماں یا پھر ان کے گھر والوں کا ہے۔''

بجیا چپ ہو گئیں۔

ذہین کچھ متذبذب سا دکھائی دینے لگا۔

''ایک بات بتائیں گی؟'' وہ کچھ دیر بعد ہچکچاتے ہوئے بولا۔

''ہاں...... پوچھو۔''

''فرزین بھائی...... بس انٹرسٹڈ ہی تھے وہاں...... یا......؟''

''یا؟''

وہ کشمکش سے دوچار نظر آنے لگا۔

''جو بات تمہارے دل میں ہے بلا تکلف پوچھو...... یہ سمجھو کہ تم اپنے کسی بے تکلف دوست سے بات کر رہے ہو۔''

ذہین نے لحظہ بھر کو بجیا کی طرف دیکھا پھر بولا۔ ''کیا فرزین بھائی کی زویا سے کبھی بات ہوئی تھی اس سلسلے میں؟''

''میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی...... ہو سکتا ہے، کبھی ہوئی ہو لیکن میں اتنی یقین دہانی ضرور کروا سکتی ہوں تمہیں کہ فرزین کا طرزِ عمل ہمیشہ بہت محتاط رہا...... اور زویا شاید ان سے بھی زیادہ محتاط رہی۔''

''بجیا، بہتر ہوگا کہ آپ بابا کو سمجھائیں۔'' وہ بولا۔

بجیا نے چونک کر اس کی جانب دیکھا اور بولیں ''کیا...... کیا سمجھاؤں؟''

''یہی کہ وہ یہ آئیڈیا ڈراپ کر دیں...... آئی ایم سوری، میں...... میں ان کی خواہش پوری نہیں کر سکتا شاید۔''

''کیوں؟''

اس نے بجیا کی طرف دیکھا پھر نظریں چراتے ہوئے بولا۔ ''خدانخواستہ بابا کی خواہش پوری ہو گئی تو یہ خیال ہمیشہ مجھے تنگ کرتا رہے گا کہ......'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''بات پوری کرو چپ کیوں ہو گئے۔''

''مجھے...... مجھے یوں لگے گا بجیا جیسے میں فرزین بھائی کی زندگی گزار رہا ہوں۔''

بجیا کے دل میں ذہین کے لیے محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔

کیسی دل کو برمانے والی بات کہہ گیا تھا وہ!

''مجھے یوں لگے گا جیسے میں فرزین بھائی کی زندگی گزار رہا ہوں!''

محتاط الفاظ میں اس نے اپنی الجھن کس خوبی سے بیان کر دی تھی۔

اس کے محتاط الفاظ کی توضیح یہ بنتی تھی کہ زویا سے شادی ہو جانے کی صورت میں یہ خیال اس کے دامن گیر رہے گا کہ اس کی شریکِ سفر کبھی اس کے بڑے بھائی کی پسند رہی تھی۔

بجیا نے ایک گہری سانس کھینچی اور ذہین کو دیکھتے ہوئے بولیں۔ ''ہم زندگی کو ہمیشہ اپنے حسابوں نہیں گزار پاتے ذہین...... ہمیں زندگی میں ہمیشہ وہی کچھ نہیں مل جاتا جس کی ہم تمنا رکھتے ہیں...... ہم چاہتے کچھ ہیں مگر ہماری قسمت اور حالات ہمارے دامن میں کچھ اور ڈال دیتے ہیں...... ہم زندگی کو اپنی تمناؤں اور خواہشوں کا پابند نہیں کر پاتے بلکہ زندگی اپنا راستہ خود متعین کرتی ہے......''

بجیا نے توقف کیا پھر بولیں۔ ''فرزین زویا سے شادی کے خواہاں تھے مگر قسمت اور حالات نے ان کی خواہش پوری نہیں ہونے دی...... تم نے میرا خیال ہے کبھی بھولے سے بھی نہیں سوچا ہوگا کہ ایک روز تمہارے لیے زویا کے بارے میں ایسی بات سوچی جائے گی......''

''میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔'' وہ بولا۔

''ایسا اکثر ہوتا ہے کہ جو بات ہمارے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوتی، وہ حقیقت بن کر

ہمارے سامنے آ کھڑی ہوتی ہے جیسے..... جیسے مجھے جن حالات کا سامنا کرنا پڑا، ان کا وہم گمان بھی نہیں تھا مجھے یا..... جیسے زویا کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس نے کبھی تصور بھی نہ کیا ہوگا..... اسی طرح بقول تمہارے زویا کا خیال تمہارے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا مگر بابا نے ایسی بات کر ڈالی جو ہم گھر والوں میں سے کسی کے بھی ذہن میں نہ آ سکتی تھی۔"

"ہم سب کی خاطر بابا کو یہ خیال ترک کرنا ہوگا بجیا۔"

"سوچ لو۔"

"بہت سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔"

"اوکے..... میں بابا کو بتا دوں گی۔"

"اور اگر ہو سکے تو مجھے بھی یہ بتانے کی کوشش کیجئے گا کہ بابا کے دل میں یہ خیال آیا کیوں؟" یہ سوال تو واقعی اہم تھا۔

☆======☆======☆

بابا نے اس قدر اہم فیصلہ بے سوچے سمجھے یا آنکھیں بند کر کے نہیں کیا تھا۔

بابا جیسے زیرک انسان سے اس قسم کے کسی سہو کی امید کی بھی نہیں جا سکتی تھی۔

انہوں نے زندگی کے راستے پر ہر قدم بہت احتیاط سے اٹھایا تھا۔

زندگی کا بڑا حصہ انہوں نے دوسروں کے لیے مینارہ نور بن کر گزارا تھا۔

استاد رہے تھے۔

دوسروں کو احتیاط سے قدم اٹھانے کا سبق دینے والے اور دوسروں کے لئے زندگی کی راہ متعین کرنے والے بابا سے اپنی اولاد کی زندگی کے اہم ترین فیصلے میں کسی بد احتیاطی کا امکان کیونکر ہو سکتا تھا۔

ذوہین کے لیے زویا کے رشتے کی خواہش کا اظہار بابا کا کوئی اچانک یا جذباتی فیصلہ نہیں تھا۔

نہ ہی زویا پر ترس کھانا مقصود تھا۔

بہت سوچ سمجھ کر اور ہر ہر پہلو پر غور وخوض کے بعد انہوں نے گھر والوں پر اپنی یہ خواہش ظاہر کی تھی۔

کافی عرصے تک وہ ایک خاموش آبزرور کی طرح زویا کو دیکھتے رہے تھے۔

جویا اور زویا کا بہت خاموشی سے تقابل کیا تھا اور بہت عرصے تک کیا تھا۔

گہرے مشاہدے اور مختلف تجربات کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ زویا، ذوہین کے لیے ایک اچھی شریک سفر اور ان کے گھر کے لیے ایک اچھی بہو ثابت ہونے کی صلاحیت رکھتی تھی۔

یقین اور جویا کی علیحدگی کے بعد بابا کا اکثر ان کے ہاں آنا جانا رہتا تھا اور وہاں زویا سے ان کی ملاقات اور بات چیت ہوتی رہتی تھی۔

اس کی شادی سے پہلے بھی بابا نے اسے دیکھا تھا۔

شادی کے بعد پیش آنے والے حالات سے گزرنے کے بعد ایک طویل عرصے اپنے خود ساختہ خول میں بند رہنے کے بعد جب وہ زندگی سے مفاہمت کر کے اس خول سے باہر نکلی، اس کے بعد سے بھی بابا اسے دیکھ رہے تھے۔

اس کی متوازن شخصیت۔

سیرت۔

طور طریقے۔
امور خانہ داری سے رغبت۔
بڑوں کا ادب اور احترام۔
چھوٹوں سے محبت اور شفقت۔
احساسِ ذمہ داری۔
اور اپنے متعلقین کے لیے جذبۂ ایثار۔
یہ ساری باتیں ایسی نہ تھیں جنہیں نظر انداز کیا جاسکتا۔
جب بھی وہ جویا کے ہاں آئی ہوئی ہوتی اور بابا سے اس کی ملاقات ہوتی۔ بابا اس سے مل کر اور بات کر کے بہت خوش ہوتے۔
اس کی شخصیت میں ایک کشش تھی۔
شادی جو اس کے لیے ایک بے حد تلخ تجربہ ثابت ہوئی تھی، اس کی سنجیدگی اور متانت میں کئی گنا اضافہ کر گئی تھی۔
اس کے طور طریقوں، اٹھنے بیٹھنے اور بات چیت میں وقار تھا۔
جب بھی وہ یقین کے ہاں آئی ہوئی ہوتی، بابا اسے گھر کے کاموں میں مصروف پاتے۔ کبھی وہ گھر کی صفائی ستھرائی میں لگی ہوئی ہوتی، کبھی وہ کچن میں مصروفِ کار ہوتی۔ کبھی کپڑے دھو رہی ہوتی اور کبھی بستروں پر صاف ستھری دھلی ہوئی چادریں بچھاتی نظر آتی۔ کبھی کسی بھانجے بھانجی کو نہلا رہی ہوتی تو کبھی انہیں پڑھاتی ہوئی ملتی۔
اسے بڑوں کا ادب اور احترام کرنا آتا تھا۔ بابا کو دیکھتے ہی وہ بچھ بچھ جاتی۔ ان کی خاطر تواضع کرتی اور جتنی دیر وہ وہاں رہتے ان کے آرام کا خیال رکھتی۔
بہن کے بچوں سے وہ اتنی محبت کا برتاؤ کرتی کہ وہ ننھیال میں سب سے زیادہ اسی سے پیار کرتے اور جب کبھی بابا ان سے پوچھتے۔ ”نانو کے گھر میں سب سے اچھا کون ہے؟“ تو وہ بلا تامل کہتے۔ ”زویا آنٹی۔“
چھٹی والے دن وہ بہن کی ذمے داریوں میں اس کا ہاتھ بٹانے کو اکثر اس کے پاس آ جاتی۔
بچوں کی سالگرہیں ہوتیں یا کوئی اور خاص موقع بابا، زویا کو جویا کی مدد کے لیے پہنچا ہوا پاتے۔
کبھی فرصت سے اس سے بات ہوتی تو بابا کو اس سے بات کرنے میں لطف آتا۔ اس سے بات کرتے ہوئے کبھی کبھی تو انہیں یوں لگتا، جیسے وہ زویا سے نہیں، مدحت بجیا سے بات کر رہے ہوں۔
زویا کی تمام خوبیاں ہی ذہین کے اس سوال کا جواب تھیں کہ بابا کے دل میں یہ خیال کیوں آیا تھا کہ اس کی شادی زویا سے کر دی جائے۔
بابا نے اس کے سوال کا جواب اسے بنفس نفیس دیا اور بولے۔ ”مدحت نے جو کچھ بتایا؟ اسے سن کر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تم محض اس لیے انکار کر رہے ہو کہ فرزین اس سے منسوب رہ چکے ہیں ابا

لڑکی میں۔“ بابا نے توقف کیا پھر بولے۔ ”کیا میرا اندازہ درست ہے؟“
اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
”بیٹے! زویا ایک اچھی لڑکی ہے۔ اس کی خوبیاں بتدریج کھلی ہیں مجھ پر...... ہماری مدحت کی طرح وہ بھی ایک اچھے گھر اور ایک اچھے شریکِ زندگی کی بجا طور پر حقدار ہے۔ فرزین سے اس کا سنجوگ مقدر میں نہیں تھا ان دونوں کے مگر میری خواہش ہے کہ وہ اس گھر میں آئے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اس گھر کے لیے بہترین بہو ثابت ہوگی۔“
”اور فرزین بھائی! وہ کیا سوچیں گے؟“
”میاں!“ بابا مسکرا کر بولے۔ ”فرزین بھائی کے خیال سے اتنے لرزاں کیوں ہو؟ بس نہیں تھی فرزین کے مقدر میں اتنی اچھی لڑکی۔“
”بابا...... میں...... میں ساری زندگی نظریں چرا کر رہوں گا فرزین بھائی سے۔“
”ارے نہیں بھئی...... ایسا نہیں ہوگا۔“
ذہین نے الجھی الجھی نگاہوں سے بابا کو دیکھا۔
”بیٹے! یہ تو کوئی ایسی بات نہیں ہوگی جو اس سے پہلے روئے زمین پر واقع نہ ہوئی ہو...... ہم نے تو یہاں تک دیکھا ہے کہ ایک بھائی سے لڑکی کا نکاح ہو چکا مگر کسی باعث نکاح ٹوٹا پھر اسی لڑکی کا دوسرے بھائی سے نکاح ہوا اور دونوں بھائی ایک ہی گھر میں اپنی اپنی بیویوں کے ساتھ بہت ہنسی خوشی رہتے نظر آئے...... فرزین اپنی دنیا میں خوش ہیں۔ تمہاری اپنی دنیا ہوگی۔“
ذہین کشمکش سے دوچار دکھائی دینے لگا۔
”اور اگر کوئی اور سبب ہے تمہارے انکار کا تو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔“
”اور کوئی سبب نہیں۔“ وہ دھیرے سے بولا۔
”بادلِ ناخواستہ کہہ رہے ہو؟“
”جو کام آپ کی مرضی سے ہو جائے اچھا ہے۔“
”جیتے رہو۔“
”لیکن......“
”ہاں ہاں بولو...... رک کیوں گئے؟“
”امی بھی تو راضی نہیں۔“
”بس تمہاری رضا ہونی چاہیے، انہیں راضی کرنا میرا کام۔“
”بابا پھر بھی...... ایک مرتبہ...... اچھی طرح سوچ لیجیے۔“ وہ لجاجت سے بولا۔
بابا بڑے تدبر سے مسکرا دیے۔
”بیٹے! بہت کم ایسا ہوا ہے کہ میں نے سوچے سمجھے بغیر کوئی کام کیا ہو...... اتنا اہم فیصلہ تمہاری زندگی کا بھلا سوچے سمجھے بغیر میں کیسے کر سکتا تھا۔“

☆=====☆=====☆

امی کی آمادگی حاصل کرنا ایک کارِگراں تھا لیکن جب بابا نے ان سے کہا۔ "بیگم صاحبہ، زندگی میں آپ سے کچھ نہیں مانگا میں نے......شاید یہ پہلی اور آخری خواہش ہو۔" تو وہ کشمکش میں پڑ گئیں۔

"ماسٹر صاحب! کاش، آپ نے مجھ سے یہ کہا ہوتا کہ اپنے جینے سے دل نکال کر دے دو مجھے تو وہ آسان ہوتا میرے لیے......ذہین ہماری سب سے چھوٹی اولاد......سب کا لاڈلا کیا سوچے گا وہ کہ قربانی کا بکرا مجھی کو بنایا۔"

"بیگم صاحبہ، زندگی میں کوئی ایسا کام نہیں کیا میں نے جسے میں حاصلِ زیست کہہ سکوں...... لیکن اگر میری یہ خواہش پوری ہوگئی تو میں اسے حاصلِ زیست سمجھوں گا۔"

امی ایک ہیجانی کیفیت سے دوچار نظر آنے لگیں۔

کچھ دیر یہ کیفیت رہی پھر انہوں نے شکست خوردگی سے بابا کو دیکھا اور بولیں۔ "ماسٹر صاحب، آپ نے تو مجھے بہت کڑے امتحان میں ڈال دیا۔"

"خدا نے چاہا تو بہت اچھا نتیجہ نکلے گا اس امتحان کا۔"

"اس سے تو بہتر تھا کہ میں فرزین کی شادی کر دیتی زدیا سے۔"

"کاش! ایسا کر لیتیں آپ۔" بابا بولے۔

"اب پچھتا رہی ہوں۔"

"بہرحال خدا کو وہ نہیں، شاید یہ منظور تھا۔"

امی کی آمادگی کے بعد نگہت اور نزہت کو بھی راضی ہونا پڑا۔

فرزین نے پورٹ سعید سے گھر فون کیا تو بابا نے یہ بات اس کے کان میں بھی ڈال دی۔

مدحت بجیا نے اسے تفصیل سے آگاہ کیا۔ یقین اور جویا کو سب سے بعد میں خبر دی گئی۔

☆=====☆=====☆

جویا کے میکے والے ششدر رہ گئے۔

زدیا کے لیے ذہین کا رشتہ!

بڑی ناقابلِ یقین سی بات تھی۔

اماں کو پہلے تو اچنبھا ہوا پھر وہ شک میں پڑ گئیں۔

دودھ کی جلی تھیں، چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پینے کا تہیہ کر رکھا تھا۔

اچنبھا جویا کو بھی ہوا۔

مگر یقین کے یقین دلانے پر اسے یقین کرنا پڑا۔

خلع کے بعد زدیا کے لیے اس سے پہلے بھی رشتے آتے رہے تھے۔

کوئی دوہاجو تھا۔

کسی کی بیوی سے علیحدگی ہو چکی تھی۔

کسی کا روزگار معقول نہ تھا۔

کوئی سسرال کے توسط سے روزگار کا طلبگار تھا۔

کسی کا گھر نہ تھا۔

کوئی باروزگار بیوی کی تلاش میں تھا۔

زدیا سب کے لیے انکار کرتی رہی تھی۔

خوف آنے لگا تھا اسے دوبارہ کوئی رسک لیتے ہوئے۔

بہن کی سسرال سے آنے والے رشتے کا پتا چلا تو وہ دم بخود رہ گئی۔

اماں، ابا، بہنیں، بھائی سب بہت خوش تھے۔

بھابی کو زدیا کی قسمت پر رشک محسوس ہوا۔

خلع کے بعد اتنا اچھا رشتہ!

مگر یہ زدیا ہی جانتی تھی کہ قسمت نے کیسا کھیل کھیلا تھا اس کے ساتھ۔

ذہین سے شادی کا تصور ہی اسے روح فرسا محسوس ہوا۔

اس کے انکار نے سب کو دم بخود کر دیا۔

گھر کے ایک ایک فرد نے اسے سمجھا دیکھا مگر اس کا انکار اقرار میں نہ بدلا۔

جویا نے کہا۔ "پاگل مت بنو زدی، ایسے موقعے قسمت سے آتے ہیں زندگی میں۔"

یقین نے بڑے بھائی کی طرح سمجھایا۔ "زدیا، ذہین بہت اچھا لڑکا ہے بہت خوش رہو گی تم۔"

مدحت بجیا نے کہا۔ "میں بھی تمہاری طرح بہت گھبراتی تھی، دوبارہ شادی کے نام سے...... میں نے تہیہ کر رکھا تھا کہ ساری زندگی یونہی گزار دوں گی مگر وقت کے ساتھ ساتھ حالات اور میرے خیالات بدلتے چلے گئے۔ مجھے اپنا فیصلہ بدلنا پڑا......اور اب مجھے احساس ہوتا ہے کہ میں نے ناحق وقت ضائع کیا۔"

مگر مدحت بجیا کا سمجھانا بھی اس کے انکار کو اقرار میں نہ بدل سکا۔

سارہ آپا نے بابا اور امی سے کہا۔ "آپ لوگ کچھ مہلت دیں، ہم ان شاء اللہ زدیا کو راضی کرنے کی کوشش کریں گے۔"

☆=====☆=====☆

زدیا تختہ سیاہ پر بچوں کو کوئی سوال سمجھا رہی تھی کہ بچوں کی توجہ اچانک کمرۂ جماعت کے دروازے کی سمت ہو گئی۔ بچوں کی توجہ ادھر مبذول پا کر اس نے خود بھی دروازے کی طرف دیکھا۔

"فرزین!"

اس کا دل بے مہار دھڑکنے لگا۔

"ایکسکیوزمی، صرف دو منٹ لوں گا میں آپ کے۔" اس نے کہا۔

زدیا کو یوں لگا جیسے وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے گی۔

اس نے مانیٹر کو کلاس کی نگرانی پر مامور کیا اور من من بھر کے قدموں سے کمرۂ جماعت سے باہر نکل آئی۔

"آپ......زیادہ پریشان مت ہوں۔" وہ اس کی کیفیت تاڑتے ہوئے بولا۔ "صرف دو

باتیں کرنے کے لیے آیا ہوں میں آپ سے۔"

"پلیز..... جو کہنا ہے، جلدی سے کہیں...... مجھے آپ کا یہاں آنا اچھا نہیں لگا ہے۔"

"زویا! جو میں چاہتا تھا وہ خدا کو منظور نہ ہوا...... ذہین اچھا لڑکا ہے...... مجھے یقین ہے کہ آپ کو بہت خوش رکھے گا وہ....." فرزین نے ایک گہری سانس کھینچی پھر بولا۔ "میں آپ سے درخواست کرنے آیا ہوں کہ میری خوشی کی خاطر ذہین سے شادی کر لیں۔"

وہ دم بخود رہ گئی۔

"ارج کو سمندر پسند نہیں ہے۔ اسے سی سک نیس ہو جاتی ہے۔ اسی کی خواہش پر میں بہت جلد مستقل طور پر امریکا میں سیٹل ہونے جا رہا ہوں۔"

زویا نے کھوئی کھوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

"زندگی بہت ظالم ہے زویا..... اس سے سمجھوتا کرنا پڑتا ہے..... جو اس سے سمجھوتا نہیں کرتے، انہیں یہ بڑی بے دردی سے روندتی ہوئی گزر جاتی ہے..... پلیز! ذہین کے لیے انکار مت کیجیے گا ورنہ میں جہاں بھی رہوں گا، مجھے یہ دکھ رہے گا کہ میں خوش کیوں ہوں۔"

زویا کا اوپر کا سانس اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔

"خدا حافظ!" اس نے کہا اور پلٹ گیا۔

سپاٹ لہجہ۔

نپے تلے الفاظ۔

کس قدر دوٹوک انداز میں بات کی تھی اس نے۔

جیسے ریاضی کا کوئی سوال حل کرنے کا فقط ایک ہی طریقہ۔

نہ کوئی ہیر پھیر۔

نہ الجھاؤ۔

نہ کوئی وضاحت طلب نکتہ۔

نہ کوئی ذومعنی بات۔

نہ سابقہ تعلق کا کوئی حوالہ۔

نہ کوئی ایسی ویسی بات۔

یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی شکستہ عمارت کو زمین بوس کر کے ایک نئے تعلق کی بنیاد رکھنے آیا تھا۔

کس قدر حزم و احتیاط سے بات کی تھی اس نے!

لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ اس کی نظر کی رسائی سے نکل گیا۔

زویا کھوئی کھوئی نظروں سے دیکھتی رہ گئی۔

☆=====☆=====☆

یقین نے جو بات سرسری انداز میں کہی تھی۔

وہ بابا کے دل کی بات تھی۔

اور بابا اس محاذ پر ایسے ڈٹے کہ ان کے ہاں سبھی کو زیر ہونا پڑا۔

دوسری طرف زویا کے سوا سبھی راضی تھے۔

مگر فرزین کی غیر متوقع طور پر اس کی اسکول آمد اور نپی تلی بات نے اسے بھی کمزور کر دیا۔

فرزین سے اسے محبت تھی۔

اس کے ساتھ زندگی گزارنے کے خواب وہ جاگتی آنکھوں دیکھا کرتی تھی۔

وہ گھر اس کے خوابوں کا گھر تھا۔

اس گھر کی فرد رہنا اس کی زندگی کی ایک بڑی آرزو رہی تھی۔

قسمت نے فرزین کو اس کا ہمسفر زندگی نہیں بننے دیا تھا۔

مگر اس گھر کے دروازے اس کے لئے وا کر دیے تھے۔

فرزین کی آمد نے اسے ایک امتحان میں ڈال دیا۔

اگر وہ بقول خود ارج کی خواہش پر مستقلاً امریکا میں اقامت پذیر ہونے جا بھی رہا تھا تو کیا ضمانت تھی کہ زندگی میں اس سے پھر سامنا نہیں ہوگا!

کیا وہ بھول سکے گی یہ بات کہ اس شخص سے اس کی جذباتی وابستگی رہی تھی!

کیا گم گشتہ محبت کبھی ہوک نہیں دے گی۔

ایک تلخ تجربے کے بعد پھر کسی آزمائش میں کود پڑنا پھر ایک آزمائش کو دعوت دینا تھا۔

وہ گھر؟

جو اس کے خوابوں کا گھر تھا اس کے لیے اپنی بانہیں وا کیے اپنی طرف بلا رہا تھا۔

وہ کشمکش میں پڑ گئی۔

اس روز.....

چھٹی کا دن تھا۔

یقین لمبی تانے سو رہا تھا۔

جویا بچوں کو نہلانے دھلانے میں مصروف تھی۔

زویا کچن میں تھی۔

بابا آ پہنچے۔

کچن میں جھانکتے ہوئے انہوں نے ایک گہری سانس کھینچی اور کہا۔ "ہاں بھئی آج کیا پک رہا ہے؟"

زویا نے چونک کر دروازے کے رخ دیکھا۔

بابا صبح نو کی تفسیر بنے کچن کے دروازے پر کھڑے مسکرا رہے تھے۔

"السلام علیکم۔" انہوں نے خوش دلی سے کہا۔

زویا نے سر کی جنبش سے آداب و تسلیمات کرتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی۔

"ہاں جناب! کیا پک رہا ہے جو اتنی اشتہا انگیز خوشبو پھیلی ہوئی ہے؟"

”آلو بینگن، مسور کی دال اور خشکہ۔“
”میرے خیال سے پودینے کی چٹنی بھی ہے؟“ بابا نے پھر ایک گہری سانس کھینچی۔
”جی ہاں۔“ زویا مسکرا دی۔ ”آپ کو کیسے پتا چلا؟“
”مشک اور پودینے کی چٹنی بھلا چھپائے جا سکتے ہیں۔“
”مشک اور پودینے کی چٹنی نہیں بابا، مشک اور عشق۔“ زویا مسکرا دی۔
”ایک بات بتاؤ گی؟“
”جی“ بابا کے لہجے کی گمبھیرتا نے اسے چونکنے اور ان کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا۔
”سچ سچ بتانا۔“
وہ انہیں دیکھتی رہی۔
”تم نے...... تم نے ذہین سے شادی کرنے سے انکار کیوں کر دیا؟“
اسے اس اچانک اور براہ راست استفسار کی قطعاً امید نہ تھی سو اس نے ہڑبڑا کر بابا کو دیکھا۔
”میرے سوال کا جواب دو بیٹی۔“
کتنی شفقت تھی ان کے لہجے میں!
مگر سوال بہت ٹیڑھا تھا۔
جواب دینا آسان نہ تھا۔
”بتا دو۔“ وہ مجسم سوال بنے کھڑے تھے۔
”مجھے اپنا دوست سمجھ کر بتا دو۔“
زویا نے ذرا کی ذرا استعجابیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔
بابا سمجھ گئے کہ اس نے استعجابیہ نظروں سے کیوں دیکھا تھا انہیں۔
”ہاں بھئی، مدحت کے بھی دوست تھے ہم...... بلکہ اب بھی ہیں...... جو بات وہ کسی اور سے نہیں کہہ پاتی، مجھ سے کہہ دیتی ہے۔“ بابا نے توقف کیا پھر قدرے رازدارانہ انداز اختیار کرتے ہوئے بولے۔ ”بتاؤ نا، کیوں انکار کیا؟“
وہ ایک کشمکش سے دوچار نظر آنے لگی۔
”بھئی دیکھو، میں اتنی آسانی سے ہار ماننے والا نہیں...... تمہارا جواب سنے بغیر نہیں ٹلوں گا۔“
”ذہین...... ذہین بھائی کے لیے ایک سے ایک اچھی لڑکی مل سکتی ہے بابا۔“
”ہمیں ایک سے ایک اچھی نہیں، صرف ایک اچھی لڑکی چاہیے ذہین کے لیے اور...... تم سے اچھی لڑکی ہمیں اور کوئی نہیں مل سکتی۔“
”آپ...... آپ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں...... میں ڈائیورسی ہوں...... ایسی بات کیوں کر رہے ہیں؟“
”ڈائیورسی ہو تو کیا!“ بابا تھکے تھکے بولے۔ ”کیا مدحت کی شادی نہیں کی ہم نے۔“
”وہ تو...... وہ تو بہت اچھی...... بہت قابل ہیں۔“

”تم بھی بہت اچھی ہو۔“
وہ الجھی الجھی نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔
”اور اسی لیے ہم ذہین کی شادی تم سے کرنا چاہتے ہیں۔“
”نہیں...... ایسا مت سوچیے...... نہ ایسا ہو سکتا ہے۔“
”کیوں نہیں ہو سکتا؟“
”میں نے بتا تو دیا آپ کو۔“
”مگر تمہاری بات نے مجھے نہ تو مطمئن کیا، نہ قائل...... کوئی ایسا جواز پیش کرو، ذہین سے شادی کرنے سے انکار کا جو مجھے قائل اور مطمئن کر سکے۔“
”کیا یہ جواز کافی نہیں کہ میں اس قابل نہیں۔“
”تم کس قابل ہو اور کس قابل نہیں اس کا فیصلہ خود مت کرو اوروں کو کرنے دو۔“
اس نے الجھی الجھی نگاہوں سے بابا کو دیکھا۔
”ہاں۔“ بابا نے کہا۔ ”اس کا فیصلہ اوروں پر چھوڑ دینا چاہیے۔“
”دوسرے لوگ فیصلہ غلط بھی تو کر سکتے ہیں۔“
”آپ بھی ہمیشہ صحیح نہیں ہو سکتے۔“
وہ لاجواب سی دکھائی دینے لگی۔
”اسے میری خواہش سمجھو بیٹی...... میں چاہتا ہوں کہ ذہین میاں کی شادی تم سے ہو۔“
”پلیز!“ اس نے بابا کی جانب دیکھا۔
”میں غلط کہہ گیا...... میری خواہش سے تمہیں بھلا کیا سروکار...... مدحت تھوڑی ہو جو میں تمہیں مجبور کرنے کا اختیار رکھتا ہوں...... اور زبردستی کر سکوں۔“
وہ جز بز دکھائی دینے لگی۔
”آپ...... آخر ایسا چاہتے کیوں ہیں؟“
”سچ بتاؤں یا مصلحت بیانی سے کام لوں؟“
”سچ۔“
”ٹھیک ہے...... تو پھر سنو...... سچ یہ ہے زویا بیٹی کہ ہم بوڑھے لوگ عمر کے آخری حصے میں بہت خود غرض ہو جاتے ہیں۔ ہمیں ایسے لوگ اچھے لگتے ہیں جو ہمارا خیال رکھیں، ہمدرد ہوں، مؤدب ہوں، ہماری ضرورتیں پوری کر سکتے ہوں اور ہمیں اکیلا نہ چھوڑیں۔“ بابا نے توقف کیا پھر بولے۔ ”یقین میاں اور ان کے بیوی بچے پہلے ہی علیحدہ تھے، اب فرزین اور ان کی بیگم بھی امریکا میں مستقل رہائش کا ارادہ بلکہ فیصلہ کر چکے ہیں۔ ذہین اب ہمارا واحد آسرا رہ گئے ہیں۔ میں اور تمہاری آنٹی چاہتے ہیں کہ ان کی شادی کسی ایسی لڑکی سے ہو جو اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ نہ بنائے۔ ہمارے ساتھ رہے، ہمارا خیال رکھے اور ہمیں اکیلا نہ چھوڑے...... میرا دل کہتا ہے کہ تم یہ سب کچھ کر سکتی ہو۔“
”دل غلط بھی تو کہہ سکتا ہے۔“

بابا دھیرے سے مسکرا دیئے پھر بولے۔ "ایک اور سبب بھی ہے جو مجھے ذہین کی شادی تم سے کرنے پر مجبور کرتا ہے۔"

زویا توضیح طلب نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"تین بیٹیوں کا باپ ہوں...... یوں تو تینوں ہی پیاری ہیں مجھے لیکن مدحت کی بات کچھ اور ہی ہے۔ نہ جانے کیوں تمہاری باتوں سے مجھے مدحت کی خوشبو آتی ہے۔ مدحت کو بہت مس کرتا ہوں میں، تم آجاؤ گی تو ہم دونوں کی خوب گھٹے گی۔" بابا نے توقف کیا پھر یک بیک موڈ بدل کر زویا کو تنبیہا نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔ "اور ہاں...... یہ کیا کہا تھا تم نے ابھی تھوڑی دیر پہلے کہ دل غلط بھی کہہ سکتا ہے...... نہیں...... نہیں بیٹی...... دل تو معبد ہے...... نیت میں کوئی فتور نہ ہو اور دل کی بات دھیان سے سنی جائے تو...... دل سے زیادہ صحیح بات تو کوئی کہتا ہی نہیں۔"

زویا کچھ نہیں بولی۔

"لڑکی! میری بات مان لو۔ کیوں نقصان میں رکھنا چاہتی ہو مجھ بوڑھے کو۔"

"پلیز! مجھے مجبور نہ کریں۔"

"کیوں مجبور نہ کروں۔"

"کیونکہ آپ نہیں سمجھتے۔"

"میں سب سمجھتا ہوں۔"

"کیا سمجھتے ہیں!" اس نے چونک کر کہا۔

"یہی کہ تمہارے من میں وسوسے پھن پھیلائے بیٹھے ہیں، جب تک تم ہمت نہیں پکڑو گی یہ یونہی پھن پھیلائے رہیں گے...... ہمت کرلو...... یہ سب بھاگ لیں گے...... بس ایک مرتبہ ہمت کرنے کی بات ہے۔"

زویا نے الجھی الجھی نظروں سے انہیں دیکھا پھر بولی۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ...... آپ نے اتنا بڑا فیصلہ آنکھ بند کر کے کیسے کرلیا۔"

"آنکھ بند کر کے نہیں، بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے اور اگر دو سال بھی انتظار کرنا پڑا تمہارے انکار کو اقرار میں بدلنے کے لیے تو ہم کریں گے۔"

"ترس کھا رہے ہیں آپ لوگ مجھ پر۔"

بابا یوں مسکرا دیئے، جیسے اس نے کوئی بچکانہ بات کہہ دی ہو پھر بولے۔ "بیوقوف لڑکی، ہم تمہیں اپنے سر آنکھوں پر جگہ دینا چاہتے ہیں۔"

وہ بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگی۔

"ہاں۔" بابا نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

"لیکن کیوں؟"

"اوہو!" بابا نے اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا۔ "زچ کر دیا ہے، تمہاری اس مسلسل کیوں نے مجھے۔" وہ خجل ہوگئی۔

تبھی جویا کچن میں آ پہنچی۔

"بجو! یقین بھائی جاگ گئے؟"

"ابھی کہاں...... ابھی تو دن کے صرف بارہ ہی بجے ہیں۔"

"بہو! تم کیوں نہیں سمجھاتیں اپنی بہن کو۔"

"کیا؟ کیا بابا!" جویا نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"کیا برائی ہے ہمارے ذہین میں!"

"بیوقوف بلکہ بدقسمت ہے یہ۔" جویا نے زویا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے بدقسمت ہونے پر تو اب کسی کو شک نہیں رہا۔" زویا کے لبوں پر حزنیہ سی مسکراہٹ تھی۔

"مجھے ہے۔" بابا برجستہ بولے۔

جویا اور زویا دونوں نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"تم بدقسمت نہیں تھیں بلکہ تمہاری والدہ کا فیصلہ غلط تھا...... کسی انجانے آدمی پر یوں آنکھ بند کر کے اعتبار نہیں کیا جاتا بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اب ذہین کے لیے بھی خوب اچھی طرح پوچھ گچھ کریں اور اپنا اطمینان کرنے کے بعد ہی ہاں کریں۔"

"بابا ذہین کوئی باہر کا لڑکا تو نہیں۔" جویا بولی۔

"برائیاں جانے بوجھے لڑکوں میں بھی ہوسکتی ہیں۔ لڑکا ہو یا لڑکی دونوں کے متعلقین کو پورا پورا اطمینان کرنے کا حق پہنچتا ہے۔"

"اماں بے چاری تو ایسی ڈری ہیں کہ اب اس معاملے میں سب کچھ انہوں نے ہم ہی لوگوں پر چھوڑ دیا ہے...... کہتی ہیں جہاں بھی ہو، تمہی لوگ پوچھ گچھ کرنا، میں تو اب بولوں گی نہیں۔"

"جہاں کیوں بہو، زویا کو ہم ان شاء اللہ اپنے گھر ہی لے کر آئیں گے......" بابا نے توقف کیا پھر جویا سے بولے۔ "بہو! کیسی لڑکی ہو تم...... تمہاری جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتی بہن کو آمادہ کرنے کے لیے۔"

"بابا! میں تو سمجھا سمجھا کر تھک گئی۔"

"بیٹی زویا، ہم تھکنے والوں میں سے نہیں۔" بابا مسکراتے ہوئے زویا سے بولے۔

☆=====☆=====☆

گھر والوں کی طرف سے اتنا دباؤ پڑا کہ زویا کو بالآخر راضی ہونا ہی پڑا۔

زویا کی رضامندی کے بعد بات گھر سے باہر نکلی تو جس نے سنا اسے تعجب ہوا۔

عزیز و اقارب کو انتہائی حیرت ہوئی۔

زویا کی طرف رشک و حیرت کا سلسلہ تھا۔

ذہین کی طرف اچنبھے کی کیفیت۔

نگہت اور نزہت کو اپنی سسرالوں میں بتاتے تردد ہوا تو بابا نے کہا، یہ کام وہ خود بھی انجام دے

سکتے ہیں۔ افتخار اور مسعود کو انہوں نے خود بتائی یہ بات۔

بابا نے کہا، کسی کے کہنے سننے کی پروا نہ کی جائے اور شادی میں تاخیر نہ کی جائے۔

شادی کی تیاریاں چھڑیں تو بابا نے کہا، شادی دھوم دھام سے ہوگی اور وہ تمام رسمیں ادا کی جائیں گی جو یقین اور فرزین کی شادی کے موقع پر ادا کی گئی تھیں بلکہ زیادہ دھوم دھام سے ادا کی جائیں گی۔

نہ صرف یہ بلکہ جب رسوم کی ادائیگی کا وقت آیا تو بابا ان کی ادائیگی میں خود بھی بڑے جوش و خروش سے پیش پیش رہے۔

دیکھنے والوں کو حیرت ہوئی۔

امی نے کہا۔ "ماسٹر صاحب! آپ کو کیا ہوا! آپ تو سخت نالاں رہا کرتے تھے شادی کے موقع پر ادا کی جانے والی رسموں اور بے جا اسراف سے۔"

بابا مسکرا دیے پھر بولے۔ "بیگم صاحبہ، کبھی کبھی راستہ بدلنا بھی اچھا لگتا ہے۔"

"میں نے تو آپ سے یونہی پوچھ لیا تھا..... میں سب سمجھتی ہوں۔"

"کیا سمجھتی ہیں۔"

"یہی کہ ایک ایک رسم کی ادائیگی پر آپ اتنا زور کیوں دے رہے ہیں..... بڑے اور منجھلے بیٹے کی نسبت چھوٹے کی شادی پر کیوں اتنے کھلے دل سے پیسہ خرچ کروا رہے ہیں؟"

"کیوں؟ کیوں خرچ کروا رہا ہوں؟"

"تاکہ لڑکے کو یہ احساس نہ ہو کہ اس کی شادی ایک طلاق یافتہ سے کی جا رہی ہے۔"

"جی نہیں۔" بابا نے کہا۔

امی نے بے ساختہ چونک کر انہیں دیکھا۔

"ذہین کو تو میں سمجھا بھی سکتا تھا..... یہ سب کچھ میں لڑکی اور اس کے گھر والوں کی خاطر کروا رہا ہوں۔"

"لیجیے، ہم اس غلط فہمی میں تھے اب تک کہ یہ سب کچھ آپ ذہین کو اور ہمیں خوش کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔"

مایوں، مہندی، بارات اور ولیمہ سب کچھ بہت طمطراق سے ہوا۔

بارات والے دن بابا نے ذہین سے کہا۔ "میاں! جو فیصلہ ہم نے کیا ہے، آپ کی زندگی کے لیے اس کے نتائج فوراً نہیں کچھ عرصے بعد آپ کے سامنے آئیں گے۔ آپ دیکھیے گا اس فیصلے کے نتائج کتنے دور رس ہوں گے۔"

"بابا! فی الحال تو جو ملتا ہے وہی پوچھتا ہے۔ کوئی اور لڑکی نہیں ملی تھی؟"

"تم کیا جواب دیتے ہو؟"

"کیا کہہ سکتا ہوں میں۔"

بابا نے اس کا شانہ تھپتھپایا اور بڑے وثوق سے بولے۔ "میں تمہیں یقین دلاتا ہوں بیٹے کہ

نیکی جو تم ایک خانماں برباد لڑکی کو اپنا کر کر رہے ہو رائگاں نہیں جائے گی..... خدا تمہیں اس کا اجر دے گا۔"

بابا کی خوشی کی خاطر ذہین نے ہاں کر تو دی تھی لیکن جوں جوں شادی کے دن نزدیک آ گئے، لوگوں سے اس کی شرمندگی بڑھتی چلی گئی تھی۔ ہر ایک کو اس سوال کا جواب دینا خاصا مشکل تھا کہ اسے شادی کے لیے ایک طلاق یافتہ لڑکی ہی کیوں ملی تھی۔

زویا بھی عجیب آزمائش میں تھی۔

دوبارہ دلہن بننا اور وہ بھی پورے اہتمام کے ساتھ ایک عجب تجربہ حیات تھا اس کے لیے جس شخص سے وہ خاموش محبت کرتی تھی وہ اسی کے چھوٹے بھائی سے رشتہ مناکحت میں بندھنا بجائے خود ایک بہت کٹھن مرحلہ تھا۔

رخصت ہو کر وہ نئے گھر پہنچی اور حسب دستور رونمائی کا سلسلہ شروع ہوا تو کسی نے کہا۔ "آؤ بھئی فرزین بھاوج کی رونمائی کرا لو۔"

زویا کا اوپر کا سانس اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا۔

کتنا مشکل تھا یہ مرحلہ!

اور کس قدر جاں سلب تھا یہ لمحہ!

اسے سانس لینا بھی دوبھر لگ رہا تھا۔

یہ وقت بھی آنا تھا!

حجلۂ عروسی میں ذہین نے کہا۔ "میں ابھی شادی کے لیے بالکل تیار نہیں تھا مگر بابا نے خود ہی فیصلہ کر دیا اور مجھے تیار ہونا پڑا۔ مجھے امید ہے کہ بابا آپ کو جن توقعات کے ساتھ اس گھر میں لائے ہیں وہ آپ ان پر پوری اتریں گی۔"

وہ دم بخود رہ گئی۔

کیا اس کی اپنی مرضی شامل نہیں تھی!

کیا یہ زبردستی کا سودا تھا!

"آئی ایم سوری..... میری وجہ سے آپ کو....."

"نہیں نہیں، ایسی کوئی بات نہیں..... شادی تو میری ہونی ہی تھی۔ آپ سے ہو گئی اچھا ہوا۔"

"کیا اچھا ہوا؟"

"میں آپ کو کسی اجنبی لڑکی کے مقابلے میں جانتا تو ہوں..... بہت کچھ سن رکھا ہے، آپ کے بارے میں۔"

"کیا؟" وہ بے ساختہ چونکی۔ "کیا سن رکھا ہے؟"

"یہ کہ آپ ایک اچھی لڑکی ہیں..... خدا کرے کہ آپ بابا کی امیدوں پر پوری اتریں۔"

"کیا..... آپ..... آپ نے کوئی امید وابستہ نہیں کی مجھ سے؟"

وہ چپ رہا۔

"بولیے۔"

"اصل میں ہم جوائنٹ سسٹم کے تحت رہنے والے لوگوں کی امیدیں، خوشیاں، غم، سب کچھ مشترک ہوتا ہے۔ اگر آپ بابا کی امیدوں پر پوری اترتی ہیں تو یہ بات اس گھر کے ہر فرد کے لیے اور یقیناً میرے لیے بھی اطمینان کا باعث بنے گی۔ ہمارے گھروں میں ہر معاملے میں بزرگوں کی رائے مقدم ہوتی ہے۔" اس نے توقف کیا پھر بولا۔ "آپ سمجھ رہی ہیں نا میری بات؟"

"جی!" وہ دھیرے سے بولی۔

"مجھے امید ہے کہ آپ خود کو جویا بھابی اور ارج بھابی سے مختلف ثابت کرنے کی کوشش کریں گی۔"

☆=====☆=====☆

معجزہ شاید اسی کو کہتے ہیں!

کون کہہ سکتا تھا کہ خانماں برباد زدیا کا مقدر اس طرح کھل جائے گا!

کہاں وہ لفنگا فہیم اور کہاں ذہین۔

کسی کے تصور میں بھی نہ تھا کہ ذہین کے لیے لڑکی کی بات چھڑے گی تو یقین زدیا کا نام تجویز کرے گا اور بابا ایسے ڈٹ جائیں گے کہ سب کی مخالفت کے باوجود زدیا کو بہو بنا کر گھر لے آئیں گے۔

سرسری انداز میں کی گئی بات یوں بھرپور انجام تک پہنچے گی، اس کا گمان تو خود یقین کو بھی نہ رہا ہوگا۔ اس نے تو ڈرتے ڈرتے یہ بات منہ سے نکالی تھی اور پہلے ہی کہہ دیا تھا گھر والوں سے کہ آپ میں سے کوئی راضی نہیں ہوگا۔

بنیاد و مکان اسی نے رکھی تھی۔

اور بابا نے اس بنیاد پر ایک انہونی کو ہونی کر دکھایا تھا۔

زدیا کے خوابوں کا محل!

بس اتنی گڑبڑ تھی کہ فرزین کی جگہ ذہین نے لے لی تھی۔

قسمت شاید اسی کو کہتے ہیں!

جویا اور اس کے گھر والے بہت خوش تھے۔

جویا کے پورے خاندان میں اس کی سسرال والوں کی فراخ دلی اور اعلیٰ ظرفی کا ڈنکا بج گیا تھا۔

آج کل کے دور میں کون کسی کا خیال کرتا ہے۔

اپنے نہیں پوچھتے اپنوں کو تو غیروں کی بات جدا ہے۔

سگے رشتوں میں خلوص و یگانگت عنقا ہے تو غیروں سے کیا امید رکھی جا سکتی ہے۔ زدیا کو جو راندۂ درگاہ تھی، یوں تخت پر بٹھا دینا بلاشبہ اونچے کردار کی دلیل تھی۔

اماں خوش تھیں۔

بہت خوش۔

اٹھتے بیٹھتے خدا کا شکر ادا کرتیں جس نے زدیا کا مقدر جگا دیا تھا۔

اچھی اچھی کنواری لڑکیوں کو نہیں ملتے ایسے رشتے۔

بھاوجیں انگشت بدنداں تھیں۔

بہنیں اور بھائی مطمئن اور مسرور۔

سب سے زیادہ خوش جویا تھی۔

کیا ہوا اگر فرزین سے نہ سہی ذہین سے ہوگئی تھی زدیا کی شادی۔

گھر اور گھر کے لوگ تو وہی تھے۔

لڑکا بھی بہت اچھا تھا۔

کیا ہوا اگر فرزین کی طرح دنیا نہ گھما پھرا سکتا تھا اور وسائل اتنے زیادہ نہ تھے ذہین کے باقی تو ساری خوبیاں تھیں۔

وجاہت۔

شرافت۔

معقول روزگار۔

ایسے لڑکوں کی تو لوگ تمنا کرتے ہیں۔

اماں جویا سے کہتیں۔ "اے جویا، ہم زدیا کے لیے سوچتے کیا تھے اور ہوا کیا۔"

"بہت اچھا ہوگیا اماں۔"

"اللہ کا احسان ہے کہ اس نے مجھ گنہگار کی سن لی۔ اُدھر مسجد میں مؤذن فجر کی اذان دیتا تھا، اِدھر میرے دل سے زدیا کے لیے دعائیں نکلنی شروع ہو جاتی تھیں۔"

"آپ ہی کی دعائیں تو سنی ہیں اللہ میاں نے۔"

"جویا کے ابا!" اماں نے ابا سے کہا۔ "جویا کی سسرال والے اتنے برے نہیں نکلے جتنا میں سمجھتی تھی۔"

"نیک بخت! برے ہیں بھی نہیں۔"

"خیر یہ تو مت کہیں...... تیز تو بہت ہیں...... بس یہ کہیں کہ ہماری طرح بھڑ بھڑیے نہیں کہ جو منہ میں آیا بک ڈالا۔"

"بھئی عقل مندی اسی میں ہے کہ آدمی جو منہ میں آئے وہ نہ کہہ ڈالے بلکہ سوچ سمجھ کر بات کرے۔"

شادی کے تیسرے دن ہی ذہین، زدیا کو لے کر ہنی مون منانے چلا گیا۔

زدیا کی حالت اَن کہی تھی۔

کل دوسرا آدمی تھا جس کے ساتھ وہ ایسے ہی ایک سفر پر نکلی تھی اور لٹی پٹی واپس آئی تھی۔

آج ایک اور شخص کا ساتھ تھا۔

اس نے جویا سے کہا۔ "مجھے ہنی مون پر جاتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے بجو۔"

"کیوں؟" جویا نے چونک کر پوچھا۔

"ایک بار پہلے بھی تو گئی تھی میں اسی طرح...... کہیں پھر......"

جویا اس کی الجھن اور پریشانی کا سبب سمجھ گئی۔

"زدی! چندا! وہ کمبخت تو اکیلا تھا...... آگے پیچھے کوئی تھا ہی نہیں اس کے...... ذہین خدانخواستہ نا خلف نگوڑا نہیں...... تم بالکل اطمینان سے اور خوش خوش جاؤ۔"

ذہین کے ساتھ ہنی مون مناتے ہوئے اسے بار بار فہیم کا خیال ایک ڈراؤنے خواب کی طرح ستاتا رہا۔

وہ گھائل ہرنی کی طرح سہمی ہوئی تھی۔

اس کی واپسی پر اماں نے بڑی رازداری سے پوچھا۔ "ہاں بھئی! زدیا کیسا ہے ذہین اور کیسے ہیں تمہاری سسرال والے۔"

"سب ٹھیک ہیں اماں۔"

اماں زدیا کے بھولپن اور سادگی پر مسکرا دیں۔

"بھئی میرا مطلب ہے، کیسے لوگ ہیں؟"

"بہت اچھے ہیں اماں۔"

"تمہارے حق میں کیسے ہیں؟"

"میرے حق میں بھی بہت اچھے۔"

"ذہین نے کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں کی تم سے؟"

"کیسی بات اماں؟"

"میرا مطلب ہے فہیم کے بارے میں کوئی طعنہ تشنیع۔"

"نہیں...... لیکن اگر کبھی کوئی بات کہہ بھی دے کوئی تو ایسی کوئی بات نہیں۔"

"کیوں، کیوں نہیں؟" اماں تیوری چڑھا کر بولیں۔

"اتنا بڑا احسان بھی تو کیا ہے ان لوگوں نے ہم پر...... اماں کون کرتا ہے یہ حوصلہ...... بڑی بات ہے یہ۔"

"اے تو کیا ساری زندگی اس احسان تلے دبے رہیں گے ہم۔"

"بالکل دبا رہنا چاہئے۔"

"اچھا خیر، تم یہ بتاؤ تمہاری ساس کا رویہ کیسا ہے تمہارے ساتھ؟"

"اماں سب کچھ بہت اچھا ہے...... وہ سب لوگ بہت اچھے ہیں۔"

"شروع شروع ایسا ہی لگتا ہے...... شروع میں ساری سسرال اسی طرح اچھی ہوتی ہیں، بعد میں رنگ بدلتی ہیں...... دیکھو تمہاری عادت کا مجھے پتا ہے...... تم بہت سی باتیں چھپا جاتی ہو...... بھاوج کی کتنی ہی باتیں ہیں جن پر تم پردہ ڈال دیا کرتی تھیں...... اب سسرال چلی گئی ہو اور بھری پری سسرال میں گئی ہو۔ وہاں والوں کی باتیں نہ چھپانا۔ بتا دینا مجھے تاکہ میں تمہیں ان سے نمٹنے کے طریقے بتاتی جاؤں...... ذہین کو مٹھی میں لینے کے لیے تو میں دو ایک روز میں ایسا تیر بہدف نسخہ لا کر دوں گی تمہیں کہ ان شاء اللہ ذہین تمہارا ہو کر رہ جائے گا۔ پیر صاحب چینی پڑھ کر دیتے ہیں۔ چینی ذہین کو میٹھا کر دے گی تمہارے حق میں۔"

"اچھا!" زدیا اماں کی سادہ لوحی پر دل ہی دل میں مسکرا دی۔

"ہاں اور کیا...... جویا یقین کو سب سے علیحدہ لیے ایسے ہی تھوڑی بیٹھی ہے۔ یہ سب پیر صاحب کی چینی کا کمال ہے۔"

"اچھا!" زدیا نے دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے بظاہر تحیر سے کہا۔

"اور سسرال والوں کی زبانیں بند رکھنے کو پیر صاحب نمک پڑھ کر دیتے ہیں۔ پکتی ہنڈیا میں اس نمک کی بس ایک چٹکی ڈال دو۔ چالیس دن تک جو جو کھائے گا اس کی زبان بند۔"

"اماں ہنڈیا میں نمک بھی تو تیز ہو سکتا ہے۔" وہ زیر لب مسکرائی۔

"ارے بھئی اندازے سے ڈالنا۔ ایک چٹکی اور باقی دوسرا عام استعمال والا نمک۔"

"اچھا...... اچھا۔" وہ پھوکے منہ سے بولی۔

"تمہاری منجھلی نند کے بارے میں، میں نے سنا ہے، روز میکے میں ڈیرا جمائے رکھتی ہے۔ جویا بے چاری تو بڑی آواز اٹھایا کرتی تھی ان سے...... اس کا بھی کچھ بندوبست کرنا ہے اس دفعہ۔"

"اماں اگر وہ آتی ہیں تو ان کے ماں باپ اور بھائیوں کا گھر ہے وہ۔ ہمیں برا ماننے یا فکر مند ہونے کی کیا ضرورت۔"

"اے ہے زدیا تجھے تو سمجھانا اپنے ہی نین کھونا ہے۔"

"اماں...... پیاری اماں!" زدیا نے بڑے پیار سے اماں کے گلے میں اپنی بانہیں حمائل کرتے ہوئے کہا۔ "لوگ اگر آپ کے پیر صاحب کی چینی سے میٹھے ہونے لگتے نا تو سارے شہر میں آپ کے پیر صاحب کا ڈنکا پٹا ہوا ہوتا اور کسی گھر میں میاں بیوی کا جھگڑا نہ ہوتا۔"

"کیا مطلب؟" اماں نے تیوری چڑھا کر اسے دیکھا۔

"مطلب یہ ہے پیاری اماں کہ لوگ چینی سے نہیں حسن سلوک سے میٹھے ہوتے ہیں۔ اور زبانیں بند کر کے ہمیں کیا کرنا...... مجھے تو ویسے بھی ہنستے بولتے لوگ ہی اچھے لگتے ہیں...... ویسے بھی اس گھر میں اب لوگ ہی کتنے رہ گئے ہیں۔ امی، ابا، ذہین اور میں۔"

"نندوں کے چکر تو لگتے رہتے ہیں۔"

"لگتے رہنے چاہئیں بھی...... ملتے جلتے رہنے سے محبت بڑھتی ہے۔ رشتے مضبوط ہوتے ہیں اماں...... کیا سارہ آپا، زہرا باجی اور جویا بجو کے آنے جانے سے آپ نہیں خوش ہوتیں بلکہ اگر کبھی آپا یا زہرا باجی کو دو تین دن گزر جائیں یہاں آئے تو آپ فون کر کر کے پوچھتی ہیں کہ خیریت تو ہے، کیوں نہیں آئیں...... جب آپ اپنی بیٹیوں کے آنے سے خوش ہوتی ہیں تو امی بھی خوش ہوتی ہوں گی اپنی بیٹیوں کے آنے سے۔"

"امی!" اماں نے تعجب سے کہا۔

"جی۔"

"کون امی؟" اماں نے تجاہل عارفانہ سے کہا۔

"آپ کی سمدھن..... اور ہم دونوں بہنوں کی ساس۔"

"اے ہے یہ کون سے صحیفے میں لکھا ہے کہ ساس کو امی کہو..... امی تو بس اپنی امی ہوتی ہے ساس کو خالہ کہو، آنٹی کہو یا پھر کچھ بھی مت کہو۔ یہ، وہ، اس، ان کہہ کر کام چلاؤ۔ ساس کو امی کہنا تو منافقت لگتی ہے..... شروع شروع جویا بھی بڑے لاڈ چاؤ سے امی کہا کرتی تھی مگر جب امی کی حقیقت کھل گئی تو وہ بھی آپ اور ان پر آ گئی۔"

"اماں! ساس بھی تو ماں ہی ہوتی ہے۔"

"میاں کی..... تمہاری نہیں۔" اماں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ پھر قدرے توقف سے بولیں۔ "ہاں ایک بات اور....."

زدیا ہمہ تن گوش نظر آنے لگی، تاہم اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"میاں کی جیب پر اول دن سے سخت ہاتھ رکھنا ورنہ آدھی تنخواہ ساس کے تلز میں اتر جایا کرے گی۔ جویا کو یونہی تنگ کیا تھا ان لوگوں نے۔"

"اماں! پہلی بات یہ کہ ذہین کی کمائی پر ان کے ماں باپ کا حق مجھ سے زیادہ ہے۔"

اماں نے تیوری چڑھا کر زدیا کو یوں دیکھا، جیسے اس نے کوئی محیرالعقل بات کہہ دی ہو۔

"اماں! میں تو کل ہی گئی ہوں اس گھر میں..... والدین نے ذہین کو پالا پوسا ہے، پڑھایا لکھایا ہے۔ انہیں اپنے پیروں پر کھڑا ہونے میں مدد دی، ان کا حق مجھ سے زیادہ ہے۔ مجھے تو خود کو ذہین کی جیب پر اپنا حق جتانے کے لیے..... اس کا اہل ثابت کرنا ہے..... کل میں اس گھر میں گئی اور آج ذہین کے اماں ابا کو طاق میں بٹھا کر خود اس گھر کی مالک بن بیٹھنے کی کوشش کروں تو یہ صریحاً زیادتی ہوگی۔"

اماں نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"رہی جویا بجو کو ان لوگوں کے تنگ کرنے کی بات تو سچی بات یہ ہے اماں کہ جویا بجو کو ہم نے کبھی روپے پیسے سے تنگ نہیں دیکھا۔"

"کیونکہ وہ اپنا کماتی ہے۔"

"اللہ کا شکر ہے، میں بھی کماتی ہوں۔"

اماں نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا اور بولیں۔ "جو میں نصیحت کر رہی ہوں، وہ نہ باندھنا تم اپنے پلو سے۔"

"معاف کیجیے گا اماں..... آپ نے جویا بجو کے پلو میں بھی تو باندھی تھیں نصیحتیں..... کیا کام آئیں ان کے!"

"تمہیں سمجھانا بالکل بے کار ہے۔"

"اماں ایک ریکوئسٹ ہے آپ سے۔"

"کیا ہے؟"

"ریکوئسٹ! یعنی درخواست کرنی ہے مجھے آپ سے۔"

"ہاں..... بولو۔"

"مجھے میرے مقدر پر چھوڑ دیجیے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ..... میں آپ سے ملنے کے لیے آیا کروں تو آپ مجھ سے وہاں کی باتیں نہ پوچھا کریں۔"

"شاباش ہے! ماں کو اپنا دشمن سمجھتی ہو۔" اماں بھڑک کر انتہائی ناگواری سے بولیں۔

"دشمن سمجھنے کی بات نہیں اماں۔"

"تو پھر؟"

"میرا گھر اب وہی ہے۔ گھر کی باتیں گھر ہی میں رہیں تو اچھا ہے..... کیا ہم یہ پسند کرتے ہیں کہ بھابی اس گھر کی باتیں اپنے گھر والوں کو بتائیں بلکہ ہم بھابی سے بہت سی باتیں چھپاتے ہی اس لیے ہیں کہ وہ اپنے گھر جا کر تذکرہ نہ کریں، ان باتوں کا..... آج اگر ہمیں یقین ہو جائے اس بات کا کہ بھابی اس گھر کی باتیں اپنے گھر جا کر نہیں کریں گی تو شاید ہم ان سے رازداری برتنا چھوڑ دیں اور وہ فرق جو آپ بہو اور بیٹیوں کے درمیان رکھتی ہیں ختم ہو جائے۔"

"میں کیا فرق رکھتی ہوں؟"

"یہی اماں کہ آپ ہم چاروں بہنوں سے اپنے دل کی ہر بات کہہ سن لیتی ہیں مگر بھابی سے بہت سی باتوں کا پردہ رکھتی ہیں۔"

"صرف اس لیے کہ وہ اس گھر کی عزت کو اپنی عزت نہیں سمجھتیں..... ذرا سی بات پتا چلتی ہے انہیں تو اپنی اماں کے کان میں جا پھونکتی ہیں۔"

"میں نہیں چاہتی اماں کہ میرے گھر میں..... اس گھر میں جو میرا اصل گھر ہے، یہی رویہ رکھا جائے..... مجھے اپنی توہین محسوس ہوگی اس بات میں کہ وہ لوگ مجھ سے گھر کی باتیں چھپانے کی کوشش کریں۔" اماں یوں مسکرائیں، جیسے اس نے پھر کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو پھر بولیں۔ "آج تک تو تاریخ میں ہوا نہیں ہے ایسا کہ بہو سے سسرال والوں نے باتیں نہ چھپائی ہوں۔"

زدیا سمجھ گئی کہ اماں طنزاً کہہ رہی تھیں۔

"میں کوشش کروں گی اماں کہ مجھ سے نہ چھپائی جائیں۔"

"ممکن ہی نہیں۔"

"مجھے پتا ہے..... مگر میں ان لوگوں کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کروں گی۔"

"نیا نیا چاؤ ہے..... چار دن گزرنے دو، ساری حقیقت کھل جائے گی تم پر..... اور جو بات کہی ہے نا تم نے کہ وہاں کی باتیں نہ پوچھی جائیں تم سے تو اس کا بھی تمہیں جلدی پتا چل جائے گا..... دشمن نہیں ہیں، ہم تمہارے، دکھ سکھ ٹٹولتے ہیں اور رائے مشورہ دے دیتے ہیں۔ دیکھ لو، ہماری صلاح پر

چل کر ہی آج جویا اپنے گھر میں اکیلی بیٹھی ہے ورنہ اب تک اسی گھر میں دس رہی ہوتی۔"

"جویا بجو کی مشکلات کا ذکر بھی تو کریں اماں، بے چاری صبح سے شام تک ایک بھاگ دوڑ میں رہتی ہیں۔"

"ارے بھئی، اس تکلیف سے یہ بھاگ دوڑ اچھی۔"

"بہر حال، اماں جب میں یہاں ملنے آیا کروں تو آپ بس اس گھر کی باتیں کیا کریں۔"

"اچھا بھئی!" اماں زچ ہو کر بولیں۔ "نہیں پوچھوں گی...... چار دن میں خود شکوہ کرو گی کہ اماں حال چال نہیں پوچھتیں۔"

"کوشش کروں گی کہ نہ کروں۔"

"دیکھتے ہیں...... چار دن میں سارا شوق ڈھیلا ہو جائے گا۔"

زدیا کو اماں کی بات بری نہیں لگی۔

بلکہ اسے اچھا لگا۔

اچھا لگا کہ اماں جو فہیم والے واقعے کے بعد بجھ سی گئی تھیں، ایک مرتبہ پھر اپنی پرانی فارم میں واپس آ گئی تھیں۔

لیکن یہ طے تھا کہ وہ جویا کی طرح اماں کے بتائے ہوئے راستے پر نہیں چلے گی۔

☆====☆====☆

اماں کا بتایا ہوا راستہ تو جویا کے لیے بھول بھلیاں بن گیا تھا۔

گھر داری۔

ملازمت۔

یقین۔

اور بچے۔

روز و شب بس اسی بھول بھلیوں کی نذر ہو جاتے۔

اپنا ہوش کہاں تھا۔

ہر ماہ کرائے...... کی علت سے بچنے کے لیے ایک رہائشی پلاٹ کی بکنگ نے ہاتھ بھی کچھ تنگ کر دیا تھا۔

مکان کا کرایہ۔

روزمرہ کے اخراجات۔

بچوں کی فیسیں۔

مذکورہ پلاٹ کی ماہانہ قسط۔

ایک ایک پیسہ دیکھ بھال کر خرچ کرنا پڑتا۔

چار بچوں کا ساتھ تھا۔ دکھ بیماری کے سو بہانے سر پر آ کھڑے ہوتے۔

خوشی کے موقع پر عزیز و اقارب سے لین دین بھی رکھنا پڑتا۔

ہزار فکریں جان کو لگ گئی تھیں۔

آج مریم اور علی کی اسکول فیس ادا کرنی ہے۔

آج بس کی فیس کا تقاضا آیا ہے، بس کنٹریکٹر کی طرف سے۔

کبھی مالک مکان کرائے کی وصولی کے لیے دروازے پر کھڑا ہوتا تو کبھی فلیٹ کی قسط واجب الادا ہوتی۔

آج بجلی کا بل آیا ہے تو کل سوئی گیس کا۔

خدایا! کیسے کیسے روگ لگ گئے تھے جان کو۔

شادی سے پہلے بے فکری کے دن اسے کبھی کبھی بہت یاد آتے۔

زدیا کی شادی کے بعد اماں کے ہاں بچوں کی خاطر خواہ دیکھ بھال بھی ممکن نہ رہی تھی۔

بے چاری اماں کی بچے سنبھالنے کی عمر تھوڑی تھی۔

عائشہ بھی ضد پر اتر آتی تو اماں کے لیے اسی کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔

بھابی سے کوئی توقع عبث تھی۔ ان کے اپنے بچے ہی بہت تھے انہیں گھیرے رکھنے کو۔

زدیا کی شادی سے پہلے معمول یہ تھا کہ ڈھائی بجے تک زدیا گھر واپس آ جاتی اور شام کو یقین کے آنے تک وہ چاروں بچوں ہی کی دیکھ بھال میں لگی رہتی۔ ان کی یونیفارمز میلی ہوتیں تو دھو کر ڈالتی، انہیں استری کرتی۔ جوتوں پر پالش کرتی، موزے دھوتی۔ لنچ بکس اور فلاسکس دھو کر خشک کرتی۔ بچوں کے بستے چیک کرتی۔ انہیں ہوم ورک کراتی۔ شام کو جب جویا یقین کے ساتھ گھر واپس جانے کی تیاری کرتی تو اسے بچوں کا سارا اسباب تیار ملتا۔ مریم اور علی کو زدیا اکثر اپنے پاس ہی روک لیتی اور اگلی صبح خود انہیں اسکول پہنچاتی ہوئی اپنی ملازمت پر جاتی۔

لیکن زدیا کی شادی کے بعد سے خاصی دقت ہو رہی تھی جویا کو۔

وہ اسکول سے اماں کے یہاں پہنچتی تو بچوں کی چیزیں بکھری ہوئی ملتیں۔ ایک کا جوتا یہاں ہے تو دوسرے کا موزہ وہاں۔ مریم کی فراک مسہری پر تو علی کی پتلون کرسی کے ہتھے پر۔ ایک کا بستہ اماں کے تخت پر تو دوسرے کا میز کے نیچے۔ بچوں کا ہوم ورک کرانے والا بھی نہ رہا تھا کوئی۔ شام کو جب یقین اسے اور بچوں کو لینے کے لیے اماں کے ہاں پہنچتا تو جویا کو دس پندرہ منٹ تو چیزیں سمیٹنے میں ہی لگ جاتے۔ بچوں کا ہوم ورک مکمل نہ ہوا ہوتا تو گھر جا کر وہ بھی کروانا پڑتا۔

زدیا کی شادی کے بعد سب سے بڑی دقت یہ ہوئی اسے کہ ویک اینڈ پر کوئی ہاتھ بٹانے والا نہ رہا۔

چھٹی والے دن زدیا کے آ جانے اور ہاتھ بٹانے سے اس کا کام آدھا رہ جایا کرتا تھا۔ مگر اب تو صورت احوال یہ تھی کہ سب کچھ تنہا اسی کو نمٹانا پڑتا۔

یقین تو ذرا ہاتھ نہ بٹاتا۔

اس کے معمولات حسب دستور تھے۔

چھٹی والے دن بندہ خدا بارہ ایک بجے سے پہلے بستر نہ چھوڑتا۔ جاگنے پر نہاتا دھوتا، ناشتہ کرتا

اور نماز کے بعد اتنی کرم فرمائی ضرور کرتا کہ جویا کو ہفتے وار خریداری کے لیے سکوٹر پہ جمعہ بازار لے جاتا۔ ان کی واپسی تک ننھی سی جان مریم تینوں بہن بھائیوں کو سمیٹ کر بیٹھتی۔

زویا کی شادی کے بعد چھٹی والے دن گھومنا پھرنا بھی متروک ہو چکا تھا۔ بابا جب بھی گاڑی لے کر آتے، بچوں کو گھمانے پھرانے کے لیے، مصروفیت اجازت ہی نہ دیتی۔

چھٹی والا دن تو عام دنوں سے زیادہ مصروفیت میں گزرتا۔

ہفتے وار دھندے رات گئے تک جان نہ چھوڑتے۔

رات کو بستر پہ لیٹنے کے بعد بھی دو چار کام یاد آ جاتے۔

زندگی ایسی گرفتار ہو گئی تھی مختلف النوع مصروفیات میں کہ بچوں کو بھی اتنی توجہ نہ مل پا رہی تھی جتنا ان کا حق بنتا تھا۔

نہ انہیں جی بھر کر پیار کرنے کی فرصت تھی۔

نہ ان کی معصوم شوخیوں سے محظوظ ہونے کا موقع۔

عائشہ اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے دس حربے آزماتی اور وہ دو گھڑی کو چین سے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ کر نہ بیٹھ پاتی۔

مریم اور علی دن بہ دن شرارتی ہوتے چلے جا رہے تھے۔

اسکول سے اماں کے ہاں پہنچتی تو ہر روز ایک نئی شکایت سننے کو ملتی۔

"جویا! آج علی کو مریم نے مارا ہے۔"

"آج علی نے مریم کو کاٹ کھایا۔"

"آج بیٹھک کا گلدان توڑ دیا انہوں نے۔"

"آج اسٹول پہ چڑھ کر فریج کا فریزر والا خانہ کھولنے کی کوشش کر رہے تھے تمہارے صاحب زادے، وہ تو میں نے دیکھ لیا ورنہ گر جاتا تو چوٹ لگ جاتی۔"

اماں کے ہاں بچوں کی موجودگی کے دوران بھابی اپنے بچوں کو اپنے کمرے میں سمیٹے رکھتیں۔

"دیکھو، باہر نہ جانا۔ شرارت تمہاری پھپھو کے بچے کریں گے، نام تمہارا آ جائے گا۔" اس روز جویا نے بھابی کے کمرے کے نزدیک سے گزرتے ہوئے ان کی یہ بات سنی تو اسے از حد ملال ہوا۔ اماں سے شکوہ کیا تو وہ بولیں۔ "برا مت ماننا جویا علی شرارتی تو بہت ہے...... پچھلی تو خیر مریم بھی نہیں بیٹھتی مگر علی تو ناک میں دم کر دیتا ہے۔"

جویا کو بہت صدمہ ہوا۔

گھر واپسی تک اور گھر واپس لوٹنے کے بعد بھی اس کا دل دکھتا رہا۔

زویا کی کمی کا شدت سے احساس ہوا۔

کس قدر خوبی سے سنبھالے رکھتی تھی وہ اماں کے گھر میں اس کے بچوں کے معاملات!

پھر ایک روز جب اماں نے کہا۔ "اے جویا، یہ علی تو بہت بدذات ہوتا جا رہا ہے، اسے تو زویا کے حوالے ہی کر دو۔ وہ خوب سنبھالے رکھتی تھی اسے۔"

تو اسے اور ملال ہوا۔

اماں بیزار ہونے لگی تھی بچوں سے۔

تنہائی میں بہت ایمانداری سے تجزیہ کیا تو اسے اماں کی بیزاری حق بجانب محسوس ہوئی۔ اماں بے چاری کی بچے سنبھالنے کی عمر تو نہیں تھی۔

عائشہ کو صبح سے دوپہر تک کا ملازمہ پر چھوڑ دینا اور بچوں کی اسکول سے واپسی کے بعد خواہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ ہی سہی، دیکھ بھال کی توقع رکھنا اماں کے ساتھ بلاشبہ زیادتی تھی۔

یہ تو ان کے سکون سے بیٹھنے اور اللہ اللہ کرنے کا وقت تھا۔

چھوٹے بچوں کی دیکھ بھال میں ہلکان ہونے کا نہیں۔

علی شرارتی بھی غضب کا تھا۔

مریم اس کے ساتھ مل جاتی تو معاملہ دو آتشہ ہو جاتا۔

ذرا نظر چوکی بڑوں کی اور وہ دونوں ایسی ہاہو مچاتے کہ الاماں!

حرکتیں ایسی کہ خدا کی پناہ!

اماں کانوں کو ہاتھ لگا کر کہتیں۔ "توبہ! توبہ! اتنے بچے ہم نے بھی پالے، ایسے شرارتی بچے نہیں دیکھے۔"

سارہ آپا سمجھاتیں۔ "جویا! بچوں کو وقت دیا کرو۔"

"کہاں سے دیا کروں وقت...... وقت تو ڈھونڈے نہیں ملتا آپا۔" وہ روہانسی ہو جاتی۔

"سسرال میں رہتیں تو یہ مشکلیں نہ ہوتیں۔"

"اونہہ! وہاں دوسری مشکلیں بہت تھیں۔"

"جویا! بچے بھی تو تم نے ایک کے بعد دوسرا پورے چار پیدا کر ڈالے...... کچھ کنٹرول ہی رکھتیں۔" زہرا باجی ہنسی ہنسی میں کہتیں۔

ہاں، یہ غلطی واقعی ہوئی تھی۔

دو بچے کافی تھے۔

اتنی مشکلات بھی نہ ہوتیں۔

مریم اور علی ہی ہوتے تو اماں کے گھر کی محتاجی بھی نہ رہتی۔

دونوں بچوں کو ان کے اسکول چھوڑتی ہوئی اپنے اسکول چلی جاتی اور واپسی پر انہیں لیتی ہوئی سیدھی گھر لوٹ آتی۔

روزانہ اماں کے گھر حاضری کی ضرورت نہ رہتی۔

بھابی منہ سے کچھ نہ کہتی تھیں مگر ان کا منہ پھولا رہتا تھا جس سے صاف ظاہر ہوتا کہ انہیں روزانہ بچوں کا اور اس کا وہاں آنا جانا پسند نہ تھا۔

اسے زویا شدت سے یاد آئی۔

جب تک وہ رہی، یہ ساری مشکلات اور مسائل اتنی شدت سے سامنے نہ آئے تھے۔

☆=====☆=====☆

زویا زندگی کے ایک نئے سفر کا آغاز کر چکی تھی۔

شادی کے موقع پر اس نے ملازمت سے ایک ماہ کی چھٹی لی تھی۔

ملازمت کا آغاز اس نے ایک سرکاری ادارے میں لائبریرین کی حیثیت سے کیا تھا لیکن شادی سے کچھ عرصہ قبل ہی محکمانہ توسط سے اس نے اپنا تبادلہ ایک سرکاری ثانوی اسکول میں کروالیا تھا۔ اسکول میں اس کا تبادلہ تو بحیثیت اسسٹنٹ لائبریرین ہی ہوا تھا مگر ہیڈ مسٹریس نے اس کو باصلاحیت دیکھ کر ساتویں اور آٹھویں جماعتوں کی ریاضی کی تدریس بھی اسی کے ذمے کر دی تھی۔

شادی کے بعد ابتدائی دنوں ہی میں ذہین نے اس پر واضح کر دیا تھا کہ وہ اس کے ملازمت کرنے کے حق میں نہیں ہوگا۔

''ٹھیک ہے..... اگر آپ کو پسند نہیں تو میں جاب چھوڑ دوں گی۔''

''بات میری پسند یا ناپسند کی نہیں..... میرا خیال ہے، گھر کو تمہاری زیادہ ضرورت ہے۔''

''آپ فکر نہ کریں، میں ریزائن کر دوں گی..... لیکن آپ مجھے اس سلسلے میں امی اور بابا سے مشورہ کرنے کی اجازت تو دیں گے نا؟''

''ہاں، ہاں ضرور۔''

ہنی مون سے واپسی کے بعد ایک روز زویا نے کھانے کی میز پر امی اور بابا کے سامنے یہ ذکر چھیڑ دیا اور امی کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔ ''امی! آپ ہی بتایئے کہ مجھے ملازمت جاری رکھنی چاہیے یا نہیں؟''

''میں کیا کہہ سکتی ہوں بھئی، یہ تو تم اپنے میاں سے پوچھو۔''

زویا نے مدد طلب نظروں سے ذہین کو دیکھا تو اسے اپنی ہی طرف دیکھتے پایا۔

''امی! اس گھر کی بڑی آپ ہیں۔ جو آپ چاہیں گی وہی ہوگا۔'' ذہین بولا۔

''بھئی اگر مجھ سے سچ پوچھو تو میں عورت کی بلا ضرورت ملازمت کے حق میں نہیں ہوں۔'' امی بولیں۔

بابا نے یوں اثبات میں سر ہلایا، جیسے امی کی بات سے مکمل اتفاق رکھتے ہوں۔

''آپ کیا کہتے ہیں بابا؟'' ذہین نے بابا کی تائید کے باوجود ان کا مطمع نظر بھی جاننے کی کوشش کی۔

''ذہین میاں! اگر تمہاری امی یہ کہتیں کہ عورت کو ملازمت نہیں کرنی چاہیے تو میں ان کی بھرپور مخالفت کرتا لیکن انہوں نے بلا ضرورت کہہ کر مجھے اختلاف رائے سے محروم کر دیا.....'' بابا نے توقف کیا پھر بولے۔ ''دیکھو بھئی، اگر عورت پڑھی لکھی ہے باصلاحیت ہے اور اس کے ملازمت کرنے سے گھر کے وسائل میں اضافہ اور نتیجتاً خوشحالی ممکن ہے اور اس کے ملازمت کرنے سے گھریلو معاملات متاثر ہونے کا اندیشہ نہیں تو میں سمجھتا ہوں، اسے ضرور کرنی چاہیے ملازمت اور اپنی صلاحیتوں کو استعمال میں لانا چاہیے۔''

''اور اگر وسائل مناسب ہوں یعنی عزت سے گزارہ ہو سکتا ہے ایک ہی شخص کی آمدنی میں؟'' ذہین استفہامیہ لہجے میں بولا۔

بابا ذہین کی بات کا مطلب سمجھ گئے۔

''میاں! بات صرف وسائل کی نہیں۔ فرض کیا، ایک خاتون بہت پڑھی لکھی بہت باصلاحیت ہیں اور ان کے شوہر نامدار کے وسائل بھی ماشاء اللہ کافی ہیں تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ خاتون مذکور کو ملازمت کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ اس بے چاری نے پڑھا لکھا ہے۔ اس کی اپنی ایک شخصیت ہے، انفرادیت ہے۔ اسے اپنی صلاحیتوں کو محض اس بنا پر پس پشت نہیں ڈال دینا چاہیے کہ اس کا شوہر ایک کھاتا پیتا آدمی ہے۔ اگر محض اس وجہ سے کہ شوہر کے معاشی وسائل کافی ہیں، بیوی سے یہ توقع رکھی جائے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو استعمال میں نہ لائے بلکہ انہیں زنگ آلود ہونے کو چھوڑ دے تو میں سمجھتا ہوں، یہ زیادتی ہے اس خاتون کے ساتھ اور ان قومی وسائل کے ساتھ بھی جو اس خاتون کو ایک تعلیم یافتہ اور باصلاحیت شہری بنانے پر صرف ہوئے ہیں..... میں سمجھتا ہوں، عورت کو صرف ایک صورت میں ملازمت نہیں کرنی چاہیے..... جب شوہر کے مادی وسائل مناسب ہوں اور عورت کے ملازمت کرنے سے گھر، شوہر اور بچے نظر انداز ہونے کا احتمال ہو۔''

''میرے بارے میں کیا حکم ہے بابا؟'' زویا بولی۔

''بیٹی! جہاں تک مادی وسائل کا تعلق ہے، خدا کا شکر ہے..... ذہین میاں کی آمدنی بہت مناسب ہے، میری پنشن آتی ہے..... تھوڑی سی انوسٹمنٹ کر رکھی ہے، کچھ پیسے ادھر سے مل جاتے ہیں..... ہم چار افراد کے لیے بہت ہیں اتنے وسائل..... میرا مطلب ہے، اعتدال روی سے زندگی گزارنے کے لیے۔ گھر بڑا ہے، گھریلو کام کاج کا کوئی مسئلہ نہیں۔ ماسی آتی ہے، موجو ہے جس کی چار چھ ماہ بعد شادی ہو جائے گی اور وہ اتنا خوش ہے یہاں کہ کہتا ہے بیوی کو بھی یہیں لے آؤں گا...... بیگم صاحبہ بھی نگرانی کر لیتی ہیں گھریلو امور کی..... میرا مطلب ہے اگر تم ملازمت جاری رکھنا چاہتی ہو تو مجھے اور بیگم صاحبہ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا..... کیوں بیگم صاحبہ؟''

''ہاں مگر..... ملازمت کی ضرورت بھی نہیں..... جویا کو دیکھ لیں ضرور تنگ کر رہی ہیں مگر کتنی الجھی ہوئی ہیں۔'' امی بولیں۔

''میں..... میں تو گھر ہی میں رہنا چاہتی ہوں۔'' زویا بولی۔

بابا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولے۔ ''اس سے اچھی بات اور کیا ہوگی..... کیوں بیگم صاحبہ؟''

''ماسٹر صاحب! میں تو کب سے دعا مانگ رہی ہوں کہ اس گھر کو ایسی بہو ملے جو مجھے گھرداری کی فکروں سے آزاد کر دے..... نوکر گھر میں ہوں تو کیا، جب تک گھر کی مالکہ ان کے سر پر نہ کھڑی ہو مرضی کا کام نہیں کرتے وہ۔''

''آپ فکر نہ کیجیے امی جان، میں آ گئی ہوں، سب سنبھال لوں گی۔''

''تو پھر ریزائن کر رہی ہو تم؟'' ذہین نے زویا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”جی ہاں۔“

”ویسے......“ ذہین نے امی اور بابا کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ آئیڈیا میرا ہی تھا۔“

”کون سا آئیڈیا؟“ امی بولیں۔

”ان کی ملازمت چھڑوانے کا۔“ وہ فاتحانہ انداز میں بولا۔

”ویسے ایک بات بتا دوں میں آپ کو۔“ زدبا نے ذہین کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ”امی اور بابا کی طرح میں بھی اسی حق میں ہوں کہ عورتوں کو بلاضرورت ملازمت نہیں کرنی چاہیے...... میں نے دیکھا ہے، بعض خواتین محض گھر بلو ذمہ داریوں سے فرار حاصل کرنے کو بھی ملازمت کرتے دیکھی ہیں میں نے...... ایسی خواتین ان ضرورت مند خواتین کی حق تلفی کرتی ہیں جنہیں واقعی ملازمت کی ضرورت ہوتی ہے۔“ زدبا نے لحظہ بھر کو توقف کیا پھر بولی۔ ”میرے ملازمت چھوڑنے سے شاید کسی واقعی مستحق خاتون کو جگہ مل جائے۔“

ذہین جو اس کی بات بڑے غور سے سن رہا تھا، بولا۔ ”تمہاری بات سن کر تو یہ خیال آ رہا ہے مجھے کہ اگر ہماری سرکار ملازمت پیشہ خواتین کے لیے کوئی سادہ سی یونیفارم مقرر کر دے اور ملازمت کے اوقاتِ کار میں عورتوں کے میک اپ پر پابندی عائد کر دے تو شاید بہت سی خواتین ملازمت کو خیر باد کہہ کر گھر بیٹھ جائیں۔“

”ہاں...... عین ممکن ہے۔“

”میں تو کہتی ہوں اگر شوہر کی آمدنی میں ذرا ہاتھ کھینچ کر گزارہ ہو سکتا ہے تو عورت ہاتھ کھلا رکھنے کی خاطر گھر سے نہ نکلے بلکہ اپنے گھر اور بچوں کو وقت دے اور شوہر کی آمدنی ہی میں گزارہ کرنے کی کوشش کرے۔“ امی نے کہا۔

طے پایا کہ زدبا محکمے کو ملازمت چھوڑنے کا نوٹس دے گی اور ملازمت ترک کر دے گی۔ جوبا نے سنا تو زدبا کو رشک سے دیکھتے ہوئے بولی۔ ”کتنی خوش قسمت ہو تم زدبی...... ایک میں ہوں...... زندگی دو خانوں میں اس بری طرح بٹ گئی ہے کہ نہ ملازمت اچھی طرح کر پا رہی ہوں، نہ گھر اور بچوں کو پوری توجہ دے پاتی ہوں۔“

”کیا ہوا بجو، آج آپ اتنی اداس کیوں ہیں؟“

”کیا بتاؤں۔“

”بتایئے نا پلیز...... میں تو پریشان ہو گئی ہوں۔“

”تمہاری شادی کے بعد سے بچوں کو اماں کے ہاں چھوڑنے میں بہت پرابلمز ہو رہی ہیں۔“

”ارے تو آپ ہمارے ہاں چھوڑ دیا کریں نا عائشہ کو...... بچے اپنے اسکولوں سے واپس آ جایا کریں گے۔“

”بہت دور پڑے گا...... دو دو بسیں بدلنا مشکل ہو گا میرے لیے۔“

”ہاں...... یہ تو ہے۔“

”تو پھر ایسا کریں...... وہیں شفٹ ہو جائیں آپ لوگ...... اتنا بڑا گھر ہے اور ہم کل چار افراد۔“

”نہیں بھئی...... کتنی ہی پرابلمز سہی انڈی پینڈنٹ رہنے کا مزا ہی کچھ اور ہوتا ہے۔“

زدبا دھیرے سے مسکرا دی۔

”تم سناؤ کیسی گزر رہی ہے؟“

”فرسٹ کلاس۔“

”ذہین کیسا ہے تمہارے ساتھ؟“

”اچھے ہیں۔“

”ساس۔ سسر؟“

”آپ کا مطلب ہے امی اور بابا۔“

جوبا نے اسے گھورا۔

وہ مسکرا دی۔

”ہاں میرا یہی مطلب ہے۔“

”دونوں بہت اچھے ہیں۔“

”شروع شروع میرے ساتھ بھی بہت اچھے تھے۔“

زدبا کی مسکراہٹ گہری پڑ گئی۔

”اور باقی لوگ؟ میرا مطلب ہے تمہاری نندیں۔“

”آپ کی بھی تو ہیں بجو۔“

”ہاں، بدقسمتی سے۔“

”اللہ بجو ایسا تو نہ کہیں...... مدحت بجیا تو بہت پیاری ہیں۔“

”میٹھی چھری ہیں۔“

”اللہ نہیں بجو۔“

”دیکھتی جاؤ...... اور وہ دس کی گا تھ نگہت وہ تو ناطقہ بند کر دیتی ہے لوگوں کا۔“

”ہاں وہ تھوڑی سی اکھڑ معلوم ہوتی ہیں لیکن...... ان شاء اللہ وہ بھی ٹھیک ہو جائیں گی۔“

”دیکھیں گے۔“

”فرزین اور مارج کے امریکا جانے کا کیا ہوا؟“

زدبا چوری بن گئی۔

فرزین کا نام آتے ہی وہ محتاط ہو جایا کرتی تھی۔

”بہت کم آتے ہیں وہ لوگ مگر سنا ہے ویزا ملنے والا ہے۔“

”بھئی مارج بہت ہشیار رہی۔ فرزین کو بالکل نکال لے گئی اماں بہنوں کے شکنجے سے...... عیش بھی بہت کیے ان لوگوں نے فرزین کے مال پہ۔“

”بجو! والدین اور بہن بھائیوں کا حق ہوتا ہے۔“ زدبا دبی زبان سے بولی۔

''بیوقوف لڑکی! تم نہ لنا دینا ذہین کی کمائی ان پر۔''

''بھئی، مجھے تو امی گھر کی چابیاں اور خرچہ وغیرہ میرے ہاتھ میں دے رہی تھیں، میں نے منع کر دیا، ہرگز نہیں۔ خرچہ آپ ہی کے ہاتھ میں رہے گا۔''

''پاگل ہو تم...... لے لیتیں خرچہ اپنے ہاتھ میں...... آزماتیں تو سہی...... یونہی بیٹے کو دکھانے کو ڈراما کر رہی ہوں گی بڑی بی۔''

''نہیں بجو! بزرگ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتے ہیں۔ جب تک بیٹھے ہیں، رونق اور برکت ہے۔ بالفرض میں امی سے خرچہ اپنے ہاتھ میں لے بھی لوں تو فرق کیا پڑے گا...... گھر میں خرچ جو ہونا ہے، سو ہونا ہے...... خرچہ بچا کر نا میں اپنے گھر لے جاؤں گی نہ امی اپنے اوپر خرچ کریں گی...... اچھا ہے خرچہ انہی کے ہاتھ سے ہو۔ ہمارے گھروں میں بزرگوں کے پاس یہی ایک اہمیت...... کا احساس تو ہوتا ہے جو انہیں خوش رکھتا ہے...... کل کو ہمیں بھی تو بوڑھا ہونا ہے بجو...... اگر آج ہم نے اپنے بزرگوں سے ان کی ذات کی اہمیت چھیننے کی کوشش کی تو کل ہمارے چھوٹے بھی ہمارے ساتھ یہ سلوک کریں گے۔''

جویا نے خشونت سے زویا کو دیکھا اور بولی۔ ''پتا ہے، اماں ہوتیں اس وقت یہاں تو کیا کہتیں۔''

''جی مجھے پتا ہے۔'' زویا مسکراتے ہوئے بولی۔

''کیا بھلا؟''

''اماں کہتی، تُو چپکی رہ زویا۔''

''جی نہیں...... اماں کہتیں سسر نے اپنی پروفیسری کا ایک گلاس انہیں بھی پلا دیا ہے۔''

''ہو سکتا ہے، اماں بھی کہہ دیتیں مگر اس وقت تو آپ کہہ رہی ہیں۔'' زویا کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''اور غلط نہیں کہہ رہی ہوں۔'' جویا نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''ویسے بجو، ابا ہیں بڑی پیاری شخصیت۔''

جویا نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا اور چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''ابا تھی امی برابر ہیں بہترین۔''

زویا بے ساختہ قہقہہ مار کر ہنس پڑی پھر بولی۔ ''ایسا تو نہ کہیں بجو، امی بھی اچھی ہیں۔ سچ پوچھیے تو امی اور ابا ایک دوسرے کے بغیر ادھورے ہیں۔''

''مجھ سے پوچھو، کتنی اچھی ہیں۔ تم ابھی نئی نئی ہو، چند دنوں میں تمہارے ساتھ بھی ان کا رویہ ویسے ہی بدل جائے گا، جیسے میرے ساتھ بدل گیا تھا۔''

''ہو سکتا ہے، آپ بھی بدل گئی ہوں ان کے ساتھ۔''

''دعوے سے کہتی ہوں، مجھ جیسی بہو تو انہیں ڈھونڈے سے نہیں ملے گی۔''

زویا نے مسکرانے پر اکتفا کیا۔

جمعہ جمعہ آٹھ دن ہی ہوئے تھے اس کی شادی کو۔

فی الحال وہ اس قسم کا کوئی دعویٰ کرنے کی پوزیشن میں نہ تھی۔

لیکن اس کے دل کے کسی چور گوشے میں یہ یقین جاگزیں تھا کہ ایک روز وہ اپنی سسرال کے تمام افراد کو اپنا بنانے میں کامیاب ہو جائے گی۔

بچوں کے سلسلے میں جویا کے مسائل دن بہ دن بڑھتے چلے جا رہے تھے۔

اسکول سے واپس ہوتے ہی اماں شکایتوں کے دفتر کھول دیتیں۔

مریم نے یہ کیا۔

علی نے وہ کیا۔

اسکول سے واپس آنے کے بعد اپنی یونیفارم اور جوتے سمیت کر نہیں رکھے۔

بستے الٹے سیدھے پٹخ دیے ہیں۔

آج اسکول سے آنے کے بعد دونوں خوب لڑے۔

عائشہ آج دن بھر روتی رہی۔

وغیرہ وغیرہ۔

علی کے بارے میں تو اسکول سے بھی آئے دن شکایتیں آنے لگی تھیں۔

ٹیچر اس کی ہوم ورک ڈائری اور کاپیوں پر نوٹ لکھ کر بھیجتیں۔

پڑھائی پر توجہ نہیں۔

کلاس میں دھیان نہیں دیتے۔

کلاس ورک اکثر نامکمل چھوڑ دیا جاتا ہے۔

ہوم ورک باقاعدگی سے نہیں کرتے۔

شرارتی بچہ ہے، والدین توجہ دیں۔

والدین کیا خاک توجہ دیتے۔

ابا جان کو تو آفس سے واپس آنے کے بعد آرام ہی سے فرصت نہ ملتی۔ اٹھتے بھی تو یار دوستوں کی طرف یا اپنے گھر نکل جاتے۔

ماں بے چاری کو ذمے داریوں نے اتنا گھیر لیا تھا کہ اپنی جان سے بیزار ہوئی جا رہی تھی۔

یقین کو بچوں کی پڑھائی، ان کے جذباتی اور نفسیاتی مسائل کی چنداں پروا نہ تھی۔

جو کرے، جویا کرے۔

اماں کی شکایتیں سنے تو وہی سنے۔

اسکول میں ٹیچروں اور پرنسپل سے جا کر ملے تو وہی ملے۔

علی عجیب و غریب حرکتیں کرنے لگا تھا۔

ٹیچرز کہتی تھیں، پرابلم چائلڈ ہے۔

پرنسپل کا کہنا تھا بچہ نگلیکٹ ہو رہا ہے، والدین کی توجہ سے محروم ہے۔

ہاں واقعی، ایسا تو تھا۔ بچوں پر توجہ دینے کی فرصت تھی کسے۔

اب یہ اور بات تھی کہ بچوں پر توجہ دینے کے بہانے خود ہی نکل آئے۔

مثلاً ایک روز مریم کو بخار تھا، جویا نے اسکول سے چھٹی کروا کے اسے بھی عائشہ کے ساتھ اماں کے ہاں چھوڑ دیا۔ دوپہر کو وہ اسکول سے واپسی پر بلال کو اس کی مونٹیسوری سے لیتی ہوئی اماں کے ہاں پہنچی تو معلوم ہوا علی نے مریم کے بازو میں سوئی گھونپ دی تھی۔

"کیوں؟" اس نے علی سے باز پرس کی۔

"ماما! باجی کو بخار تھا نا اس لیے میں نے سوئی لگادی۔" وہ بڑی معصومیت سے بولا۔

جویا سر پکڑ کر رہ گئی اور مریم کو لے کر ڈاکٹر کی طرف دوڑی۔

پھر ایک روز عائشہ نے مریم کا شارپنر حلق میں پھنسالیا۔

اُف! کیا قیامت کا وقت تھا وہ؟

مریم اور علی اپنا اپنا ہوم ورک کرنے کو بستے کھولے بیٹھے تھے۔ ننھی عائشہ بھی ان کے نزدیک جا پہنچی اور اس نے مریم کا گلابی اور سبز شارپنر اٹھا کر منہ میں ڈال لیا۔ کسی نے دیکھا بھی نہیں۔ وہ تو جب عائشہ کے حلق سے عجیب وغریب آواز آنا شروع ہوئی تو مریم نے چلا کر کہا۔ "ماما! عاشی کو کچھ ہو گیا ہے۔"

جویا لپکی۔

دیکھا تو عائشہ کے حلق سے خرخر کی آواز نکل رہی تھی اور آنکھیں ابلی پڑ رہی تھیں۔

جویا نے اس کا منہ کھولا تو شارپنر حلق میں اٹکا ہوا تھا۔

قیامت کا لمحہ تھا وہ۔

جویا نے ایک خوفناک چیخ ماری اور عائشہ کی گردن پر ہاتھ مارا مگر شارپنر ٹس سے مس نہ ہوا۔

اماں اس کی چیخ سن کر لپکی ہوئی آئیں۔

"کیا ہوا؟" انہوں نے پوچھا۔

"اس نے..... اس نے حلق میں شارپنر پھنسا لیا ہے۔"

"ائے ہے! اللہ رحم کرے۔" اماں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

عائشہ کے حلق سے خوفناک سی آواز نکل رہی تھی۔

قیامتِ صغریٰ شاید اسی کو کہتے ہیں۔

جویا نے ایک کہا نہ دو عائشہ کو گود میں اٹھایا اور اسے اوندھائے دیوانہ وار گھر سے باہر نکل گئی۔

اماں اس کے پیچھے لپکیں۔

نہ جانے کون اللہ کا بندہ تھا وہ جو گاڑی میں جا رہا تھا۔ جویا نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روک کر وحشت کے عالم میں کہا۔ "پلیز! مجھے کسی ڈاکٹر کے پاس یا اسپتال پہنچا دیں، میری بچی نے منہ میں شارپنر پھنسا لیا ہے۔"

راستے بھر جویا بچی کو اوندھا کیے رہی۔

اس کی کسی کولیگ نے ایک مرتبہ اسٹاف روم میں کہا تھا کہ چھوٹا بچہ اپنے منہ میں سکہ وغیرہ پھنسا لے تو اسے ڈاکٹر کے ہاں لے جاتے ہوئے اوندھا رکھنا چاہیے۔

جویا اسپتال پہنچی تو ڈاکٹر نے کہا۔ "بی بی! بہت عقل مندی کی آپ نے کہ بچی کو اوندھا رکھا۔"

شارپنر عائشہ کے حلق سے نکال کر جویا کو تھماتے ہوئے ڈاکٹر نے کہا۔ "خوش قسمت ہیں آپ سر ترچھی پوزیشن میں بچی کے حلق ہی میں اٹکا رہا۔"

پھر ایک روز علی بغیر کسی کو بتائے گھر سے نکل لیا اور شام کو اماں کے گھر کے نزدیک واقع ایک شاپنگ سینٹر میں ایک بزاز کی دکان پر بیٹھا ہوا ملا۔

وہ بھی قیامت کا دن تھا۔

یقین کو دفتر سے بلوالیا گیا۔

امی، بابا اور زویا بھی آپہنچے۔

ذہین کو خبر دی گئی تو وہ بھی قبل از وقت چھٹی لے کر آگیا۔

فرزین اور ارج بار بار فون کر کے معلوم کرتے رہے۔

مدحت بجیا، نگہت اور نزہت بھی آگئیں۔

اماں کا گھر بھر گیا۔

شام تک ڈھنڈیا مچی رہی۔

قریبی مسجد سے اعلان کروایا گیا۔

آس پاس ہر جگہ دیکھ لیا گیا۔

ملا تو ایک کپڑے والے کی دکان پر۔

اماں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "اے جویا، بھر پائی میں تمہارے بچوں سے۔ اس عمر میں یہ سب کچھ نہیں ہوتا مجھ سے۔"

جویا کو دکھ ہوا۔

اماں نے بھی ہاتھ اٹھا لیا تھا بچوں پر سے۔

دل بہت دکھا۔

مگر دل دکھنے سے مسئلے تو حل نہیں ہوتے۔

مسائل تو حل کرنے سے حل ہوتے ہیں۔

یقین سے مشورہ کر کے اس نے آتی پہلی کو ایک جزوقتی ملازمہ رکھ لی۔

☆=====☆=====☆

زویا کی خدمت گزاری اور سعادت مندی نے امی اور بابا کو تھوڑے ہی عرصے میں اپنا گرویدہ بنا لیا۔

فجر کی اذان سنتے ہی وہ بستر چھوڑ دیتی۔

امی اور بابا کے جاگنے تک وہ نہا دھو کر نماز ادا کر چکی ہوتی۔

ادھر امی اور ابا نماز ادا کر کے بیٹھتے، اُدھر وہ ہلکے پھلکے ناشتے کے ساتھ چائے ان کے کمرے میں پہنچا دیتی۔

شروع شروع تو امی نے زویا کے اس معمول کو چار دن کی چاندنی سے تعبیر کیا تھا۔

نگہت نے بھی حسب عادت جلتی کو ہوا دینے کی کوشش کی اور بولی۔ "دل میں یہ چور تو ہے نا ان کے کہ میں طلاق یافتہ ہوں، اس داغ کو دھو کر اپنے نمبر بنانے کی کوشش کر رہی ہیں۔"

ابا نے اپنی رائے محفوظ رکھی۔

ذہین بھی چپ رہا۔

شاید سب یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ یہ سلسلہ کتنے دن تک چلتا ہے۔

عموماً سات بجے تک ذہین بھی بستر چھوڑ دیتا۔

سوا سات ساڑھے سات کے درمیان زویا ناشتہ بالکل تیار کر دیتی۔ موجو کی وہ قطعاً ضرورت محسوس نہ کرتی۔ اگر وہ جلدی جاگ جاتا اور اس کا ہاتھ بٹانے کو کچن میں آ جاتا تو ٹھیک ورنہ وہ سارا کام خود ہی کر لیتی۔ اسے اکیلے کام کرتے دیکھ کر امی ہاتھ بٹانے کو آ کھڑی ہوتیں تو زویا بڑے پیار سے ان سے کہتی۔ "امی جان، آپ رہنے دیں، میں کر لوں گی۔"

"موجو کو ہی جگا لیا کرو۔ اسے تو جب تک چار چھ آوازیں نہ دی جائیں، بستر نہیں چھوڑتا۔"

"کوئی بات نہیں امی۔ نیند پوری کر کے اٹھتا ہے تو سارا دن چاق و چوبند رہتا ہے۔"

ایک روز فجر کی نماز کے بعد ابا امی سے بولے۔ "جب سے زویا آئی ہیں اس گھر میں صبح جلدی ہونے لگی ہے۔"

"واقعی۔" امی نے تائید کی۔ "اور اچھا لگتا ہے ماسٹر صاحب، جب صبح سویرے باورچی خانے سے برتنوں کی اٹھائی دھرائی کی آوازیں سنائی دینے لگتی ہیں۔"

ساڑھے سات بجے تک سب ناشتے کی میز پر آ جاتے۔

زویا ذہین کے کپڑے اور جوتے موزے وغیرہ گزشتہ رات ہی تیار کر کے رکھ چکی ہوتی۔ ذہین کو اپنی ضرورت کی ہر چیز تیار ملتی۔

ذہین کو دفتر کے لیے رخصت کرتے ہوئے وہ گیٹ تک جاتی اور اس وقت تک کھڑی رہتی، جب تک وہ نگاہوں سے اوجھل نہ ہو جاتا۔

ذہین کے جانے کے بعد وہ کچھ دیر امی اور ابا کے پاس بیٹھتی۔ باتوں باتوں میں امی سے دوپہر کے کھانے کا مینو بھی ڈسکس ہو جاتا بلکہ کبھی کبھی تو لگے ہاتھوں رات کے کھانے کے بارے میں بھی صبح ہی طے پا جاتا۔

امی اور ابا کے پاس سے اٹھ کر وہ کچن میں جاتی۔ موجو ناشتہ کر رہا ہوتا یا پھر ناشتہ کرنے کے بعد برتن دھو رہا ہوتا۔

ایک روز آپ ہی وہ زویا سے بولا۔ "چھوٹی بھابی، آپ جب سے آئے ہو، جی میرے کو بڑی اچھی نیند مل رہی ہے جی ورنہ دوسرے لوگ تو سویرے ہی جگا دیتے تھے۔"

"صبح جاگنا اچھی بات ہے موجو۔"

"ہاں جی، پر رات کو دیر سے بھی تو سوتا ہوں۔"

"کیوں؟ کیوں دیر سے سوتے ہو؟"

"گانے سنتا رہتا ہوں جی۔"

"دیر تک مت سنا کرو۔"

"وہ جی، جلدی نیند ہی نہیں آتی، گھر یاد آتا ہے جی۔"

"گھر یاد آتا ہے تو وہیں کوئی چھوٹا موٹا کام کیوں نہیں کر لیتے۔ اب تمہاری شادی بھی ہو جائے گی تو کیا اس لڑکی کو بھی چھوڑ کر یہاں رہو گے۔"

"اسے یہاں لے آؤں گا جی۔"

"آ جائے گی وہ یہاں؟"

"مشکل تو ہے جی پر کوشش کروں گا۔"

"یہاں کب سے ہو؟"

"بہت دن ہو گئے۔ چھوٹا سا تھا جی، جب میرا چاچا جو ابا کے کالج میں چوکیدار تھا میرے کو گاؤں سے لایا تھا ادھر۔"

"اب تم وہیں کوئی کام کرنے کی کوشش کرو۔"

اس نے کام سے ہاتھ روک لیا۔ اداس نظر آنے لگا اور زویا سے بولا۔ "آپ چاہتے ہو جی، میں چلا جاؤں ادھر سے؟"

"نہیں، میں یہ نہیں چاہتی۔"

"تو فیر؟"

"فرض کرو تم شادی کے بعد بیوی کو لے بھی آئے یہاں تو پھر بعد میں بچوں کا کیا ہوگا؟"

وہ شرما گیا پھر بولا۔ "وہ بھی ادھر ہی رہیں گی۔"

"اس چھوٹے سے کوارٹر میں؟"

"ہاں جی۔"

"نہیں، موجو نہیں...... اپنی بیوی اور بچوں کو گاؤں ہی میں رکھنا...... خود بھی تم وہیں کوئی کام کرنے کی کوشش کرو...... ہمیں کوئی اور لڑکا دلوا دینا اپنی طرح کا اچھا سا۔"

"لڑکے تو جی بہت مل جائیں گے ادھر پر میرا دل بھی تو نہیں لگتا گاؤں میں۔"

"دو چار دن شہر یاد آئے گا پھر دل لگ جائے گا...... مجھے یاد ہے، جب ہم اپنی چھٹیوں کے بعد اسکول یا کالج جاتے تھے تو شروع شروع دو چار دن ہمارا بھی دل نہیں لگتا تھا، گھر یاد آتا تھا لیکن پھر ہم عادی ہو جاتے تھے۔"

"ہاں جی ہاں جی، اسی طرح میرے ساتھ ہوتا ہے۔ جب میں ادھر سے چھٹی پر اپنے گاؤں جاتا ہوں ناں جی تو میرا بھی شروع میں دل نہیں لگتا، فیر لگ جاتا ہے۔"

”بس یہ ہوگا، جب تم مستقل طور پر اپنے گاؤں جاؤ گے...... دیکھو، جب تک تم اکیلے ہو تو کوئی مسئلہ نہیں لیکن بیوی بچوں کو خوار مت کرنا...... جتنے پیسے تمہیں یہاں ملتے ہیں، اتنے تو شاید تم اپنے گاؤں میں رہ کر بھی کما سکتے ہو۔“

”اس سے زیادہ جی۔“

”تو پھر...... کیوں خوار کرنے کا ارادہ ہے بیوی کو۔ جتنی تنخواہ تمہیں یہاں ملتی ہے، اتنے میں تو گزارہ بھی نہیں ہوگا تمہارا اور بیوی کا...... اپنے گھر والوں کے ساتھ مل کر رہو گے تو وہ تمہاری بیوی کا خیال بھی رکھیں گے اور شاید خرچ کے معاملے میں بھی تنگی نہ ہوگی تمہیں۔“

”نا جی ناں، اُدھر تو میرے کو بالکل تنگی نہیں پڑے گی...... گنک، چاول، دالیں، سبزی سب زمینوں کا ہوتا ہے، بس ابا جی کے ساتھ کام کرنا پڑے گا زمینوں پہ...... اور جدھر میرے ابا جی نے میری مانگ ڈالی ہے، وہ بھی زمیندار لوگ ہیں۔“

”تو بس شادی کے بعد کوئی ضرورت نہیں ہے، اِدھر اُدھر خوار ہونے کی۔ بیوی کو گاؤں میں رکھنا اور خود بھی وہیں رہنا...... سب کے ساتھ مل جل کر رہنے کے بڑے فائدے ہوتے ہیں۔ یہ مت سمجھو کہ میں یہ نہیں چاہتی کہ تم یہاں رہو بلکہ تمہیں آئندہ کی بہتری کے لئے سمجھا رہی ہوں۔“

وہ چپ رہا۔

”سمجھ رہے ہونا، میری بات؟“

”ہاں جی۔“

”گڈ بوائے!“

”ہیں جی۔“

”میں نے کہا ہے، اچھا لڑکا۔“

”اچھا جی!“ وہ مسکرایا۔

ماسی آتی تو زدیا اس کے سر پر کھڑی ہو کر ایک ایک کونا کھدرا صاف کرواتی بلکہ خود بھی اس کے ساتھ لگ جاتی۔

پہلی بار جب امی نے زدیا کو دوپٹہ کمر کے گرد کس کر سرف اور فینائل ملے پانی کا پوچا فرش پر لگاتے دیکھا تو بولیں۔ ”ارے تم کیوں لگا رہی ہو پوچا، ماسی سے لگواؤ۔“

زدیا مسکراتی ہوئی امی کے نزدیک آ کھڑی ہوئی اور رازدارانہ انداز میں بولی۔ ”امی جان، خود بھی لگاتے رہنا چاہیے پوچا...... بڑی اچھی ورزش ہو جاتی ہے پوچا لگانے سے...... چربی زیادہ نہیں چڑھتی جسم پر...... جمعدارنیوں کی اسمارٹنس کا یہی تو راز ہوتا ہے۔“

امی مسکرا دیں اور بولیں۔ ”موٹی موٹی بھی ہوتی ہیں جمعدارنیاں۔“

”کوئی جمعدارنی موٹی نظر آئے تو میں سمجھ جاتی ہوں کہ ضرور نکمی ہوگی۔“

امی کی مسکراہٹ گہری پڑ گئی۔

زدیا دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہوگئی۔

گھر ایسا چمکا رہنے لگا تھا کہ شاید ان دنوں بھی نہ رہتا ہوگا، جب گھر میں مدحت بجیا، جویا اور نزہت تینوں ہوا کرتی تھیں۔

امی بابا سے کہتیں۔ ”زدیا کے آنے کے بعد سے گھر جگر جگر کرنے لگا ہے۔“

صفائی ستھرائی کے کام سے فراغت کے بعد زدیا باورچی خانے کا رخ کرتی۔

دس ساڑھے دس بجے امی اور بابا کو جب خواہش چائے یا ٹھنڈا پہنچاتی، پھر کھانا پکانے میں لگ جاتی۔

امی اس کے پھرتیلے پن سے حیران ہوتیں۔

بارہ ساڑھے بارہ بجے تک کھانا تیار ہوتا۔

دوپہر کے کھانے اور ظہر کی نماز کے بعد جب امی اور بابا قیلولہ کرنے لگتے تو زدیا سلائی، کڑھائی یا گھر کی آرائش میں لگ جاتی۔ دوپہر کو سونے کی عادت نہ تھی اسے۔

سہ پہر کو چائے کے بعد وہ رات کے کھانے کی ابتدائی تیاریوں میں مصروف ہو جاتی۔

شام کو ذہین واپس آتا تو وہ مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کرتی۔

شروع شروع اپنی اپنی جگہ دونوں خاصے متکلف سے رہے تھے۔ قربت کا وہ احساس جو نئے شادی شدہ جوڑوں میں ہوا کرتا ہے، ان دونوں کے مابین کچھ دھیما دھیما تھا شاید اس لیے کہ زدیا کو یہ احساس تھا کہ اس شادی میں ذہین کی پسند سے زیادہ بابا کی رضا شامل حال تھی...... اسے اس حقیقت کا واضح ادراک تھا اور ذہین کو غالباً یہ احساس تھا کہ وہ زدیا کی زندگی میں آنے والا پہلا مرد نہیں تھا۔

بہرحال اب تو جوں جوں دن گزرتے جا رہے تھے، دونوں قریب سے قریب تر پا رہے تھے ایک دوسرے کو!

رات کے کھانے کے بعد زدیا کچن کی صفائی کرتی۔ موجو اس کا ہاتھ بٹاتا۔

صبح کے لیے ذہین کے کپڑوں پر استری کرنے اور جوتوں پہ پالش کرکے موزے ساتھ رکھ دینے کے بعد زدیا امی اور بابا کے پاس جا بیٹھتی، جہاں ذہین پہلے ہی موجود ہوتا۔ کچھ دیر امی اور بابا کے پاس بیٹھنے اور باتیں کرنے کے بعد وہ دونوں اپنے کمرے کا رخ کرتے۔

مدحت بجیا، نگہت اور نزہت آتیں تو زدیا ان کی آؤ بھگت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتی۔ نگہت جو شروع شروع حسب عادت اس کی کاٹ میں رہتی تھی، وہ بھی اب ہتھیار ڈال چکی تھی لیکن اپنی عادت سے مجبور ہو کر اگر اب بھی وہ کبھی کوئی ایسی ویسی بات کہہ بھی جاتی تو زدیا ہنس کر ٹال جاتی۔

تینوں نندوں میں سے کسی کے بھی آنے پر زدیا کے ماتھے پر شکنیں نہ پڑتیں بلکہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ تینوں بیک وقت اکٹھی ہوتیں اور کام بہت بڑھ جاتا، تب بھی وہ ہنستی مسکراتی اور گنگناتی ہی نظر آتی۔

نندوں کو امی کے پاس بیٹھے دیکھ کر کبھی اس کا ماتھا نہ ٹھنکتا۔

کبھی دل میں یہ بدگمانی آتی بھی کہ وہ اس کے خلاف کوئی بات کر رہی ہوں گی تو وہ خود اپنے آپ سے پوچھتی۔ ”کیا میں نے ایسی کوئی بات کی ہے جو میرے خلاف جا سکتی ہے؟“

ذوہین دفتر سے واپسی پر امی اور ابا کے پاس بیٹھتا تو وہ روایتی بیویوں کی طرح بہانہ بناتی۔ نہ ہی تُوہ میں رہنے کی کوشش کرتی۔

امی اور ابا کے کہے کو وہ آسمانی صحیفہ سمجھتی۔

پہلی بار جب ذوہین نے اپنی تنخواہ اس کے ہاتھ میں لا کر دی تو اس نے کہا۔ ''امی کو دیجیے۔''

''انہوں نے تمہیں دینے کو کہا ہے؟''

وہ خود امی کے پاس پہنچی اور بولی۔ ''امی جان، مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے کیا؟''

''کیوں؟'' امی نے چونک کر پوچھا۔

''آپ نے ان سے تنخواہ مجھے دینے کو کیوں کہا ہے؟''

''بھئی اب تمہی اس گھر کی کارمختار ہو۔''

''نہیں...... نہیں امی جان...... میں کارمختار نہیں ہوں...... میں تو وہی کروں گی جو آپ کہیں گی جو آپ چاہیں گی۔''

''جیتی رہو...... خدا تمہیں بہت سی خوشیاں دے۔''

بعد میں امی نے ابا سے کہا۔ ''زویا نے تو آج میرا دل اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔''

ابا کا سر فخر سے تن گیا۔

سسرال والوں کو اپنا بنانے کے لیے زویا کو اپنی ذات کی نفی کرنا پڑ رہی تھی۔

سارہ آپا کی ایک بات جو انہوں نے ایک مرتبہ جویا کو سمجھاتے ہوئے کہی تھی، زویا نے اپنے دامن دل سے باندھ لی تھی۔

''خوشیاں انہی کو ملتی ہیں جو خواہشوں کے اسیر ہونے کے بجائے خواہشوں کو اپنا تابع بنا لیتے ہیں۔''

زویا خوشیاں پانے کے لیے خواہشوں کو اپنا تابع بنا رہی تھی۔

ایک بات اور بھی تھی۔

جو اس کی ایک معمر اور تجربے کار کولیگ نے ایک مرتبہ کہی تھی۔

اور اس نے اپنے دل میں سمو لی تھی۔

جو لڑکیاں میکے اور سسرال کے بیچ معلق رہتی ہیں، الجھی رہتی ہیں۔ جو یہ سمجھ لیتی ہیں کہ سسرال ہی ان کا اصل گھر، اصل مقام ہے، وہ بہت خوش و خرم اور کامیاب رہتی ہیں۔ شادی کے بعد میکے کو تو ایک اچھا پڑوس سمجھنا چاہیے اور بس۔

زویا سسرال کو اپنا اصل گھر، اصل مقام سمجھ رہی تھی۔

شاید اسی لیے عام عورتوں کی طرح اسے جلدی جلدی میکے جانے کی خواہش نہ ہوتی۔

بلکہ ایک روز ذوہین نے خود ہی کہا۔ ''کیا بات ہے، تم جویا بھابی کی طرح ہمیشہ میکے جانے کو تیار کیوں نہیں رہتیں؟''

تو وہ مسکرا کر بولی۔ ''کیا آپ مجھے میکے بھیج کر میرے پیچھے کوئی واردات کرنا چاہتے ہیں؟''

''واردات!'' ذوہین کی نگاہوں میں محبت سمٹ آئی اور وہ اس کے نزدیک آ کر اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولا۔ ''واردات تو تم نے کر دی ہے میرے ساتھ۔''

''میں نے؟'' وہ چونکی۔

''ہاں...... ایسا اسیر کر لیا ہے اپنا کہ چاہوں بھی تو کہیں نہیں جا سکتا۔''

اس نے محجوب ہو کر نظریں چرا لیں۔

ذوہین کو ابا کی بات یاد آ رہی تھی۔

اپنی شادی کے وقت جب وہ لوگوں کی باتوں سے کہ ایک مطلقہ لڑکی ہی ملی تھی، اس کے لیے دلگیر ہو رہا تھا تو ابا نے کہا تھا۔ ''میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جو فیصلہ ہم نے کیا ہے، تمہاری زندگی کے لیے اس کے نتائج فوراً نہیں کچھ عرصے بعد تمہارے سامنے آئیں گے اور بہت دور رس ہوں گے...... یہ نیکی جو تم ایک خانماں برباد لڑکی کو اپنا کر کر رہے ہو رائیگاں نہیں جائے گی...... خدا تمہیں اس کا اجر دے گا۔

اس سے بڑا اجر کیا ہو سکتا ہے، کسی مرد کے لیے کہ اسے ایک وفا شعار، اطاعت گزار اور خدمت گزار شریک زندگی مل جائے۔

ذوہین اس اعتبار سے تینوں بھائیوں میں سب سے زیادہ خوش قسمت رہا تھا۔

☆=====☆=====☆

صدیاں نہیں گزر گئی تھیں۔

ابھی تو ایک برس ہی گزرا تھا۔

مگر زویا نے اس ایک برس میں کئی برسوں کی مسافت طے کر لی تھی۔

وہ مقام جو بڑی بہو ہونے کی حیثیت سے جویا کو سسرال میں ملنا چاہیے تھا۔

وہ مقام جو ارج کو بھی نہ مل سکا تھا۔

زویا کا مقدر بن گیا تھا۔

اس مقام کو حاصل کرنے کے لیے اس نے کوئی صبر آزما ریاضت نہیں کی تھی کوئی ٹونا ٹوٹکا بھی نہیں آزمایا تھا اس نے۔

صرف ایک نسخہ شفا آزمایا تھا جو اس کی اپنی فطرت اور سارہ آپا نے باہم مل جل کر اس کے پلو میں باندھ دیا تھا۔

عزت حاصل کرنی ہو تو پہلے دوسروں کو عزت دی جائے۔

دل پر خود غرضی کی نہیں، عقل کی حکمرانی ہونی چاہیے۔

خواہشوں کا اسیر ہونے کے بجائے خواہشوں کو اپنا اسیر بنایا جائے۔

میکے کی محبت اس کے دل کو دبوچنے لگتی تو وہ خود کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتی کہ اس کا اصل مقام، اصل گھر اب میکا نہیں، اس کی سسرال ہے۔

امی اور ابا کی وہ اسی طرح عزت کرتی جیسے اماں اور ابا کی کیا کرتی تھی۔

اس گھر کے کسی فرد کی کوئی بات ناگوار گزرتی تو وہ اپنے آپ کو اس آزمائش میں ڈال دیتی کہ اگر یہ بات اس کے میکے میں کسی نے کہی ہوتی تو اس کا ردعمل کیا ہوتا۔

ساس کو امی جان کہتے اس کا منہ سوکھتا۔

چھوٹی سے چھوٹی بات میں بھی وہ ان سے صلاح مشورہ کرتا اور کوئی قدم اٹھانے سے پہلے ان کی اجازت لینا ضروری سمجھتی۔

ذہین اسے اپنے ساتھ باہر لے جانا چاہتا تو امی اور ابا کی اجازت کے بغیر ہرگز نہ جاتی۔

سپردگی کی اس کیفیت پر دل کبھی آمادہ بغاوت ہوتا تو وہ اسے سمجھاتی کہ کیا شادی سے پہلے اماں سے اجازت لیے بغیر کہیں آنا جانا ہوتا تھا۔

امی اس کی سعادت مندی سے نہال ہو جاتیں۔

اپنی خدمت گزاری سے اس نے امی اور ابا دونوں ہی کا دل جیت لیا تھا۔

امی اور وہ دن بھر گہری سہیلیوں کی طرح نہ جانے کہاں کہاں کی باتیں کیے جاتیں۔

امی اسے اپنے خاندانی قصے سناتیں۔

ان قصوں کے حوالے سے زدیا اپنے ان سسرالی عزیزوں سے بھی واقف ہو گئی تھی جنہیں اس نے دیکھا بھی نہ تھا۔

اکثر امی اپنی اور ابا کی داستان حیات کے اوراق اس کے سامنے پلٹنے لگتیں۔

زدیا کی نگاہوں سے استعجاب اور احترام کی ملی جلی کیفیت جھانکنے لگتی۔

گویا، امی، ابا اور ان کے بچوں کو زندگی اسی طرح سجی سجائی نہ ملی تھی جیسی کہ اب وہ دیکھ رہی تھی۔

بہت نشیب و فراز دیکھے تھے ان سب نے۔

بالخصوص امی اور ابا نے۔

معاشی کٹھنائیوں کا سامنا کیا تھا۔

گرم و سرد وقت گزارا تھا۔

اپنی اولاد کو ان کی منزلوں سے ہمکنار کرنے کے لیے امی اور ابا، دونوں ہی نے مل جل کر محنت کی تھی۔

زدیا، امی کو اپنے میکے، اسکول، کالج اور یونیورسٹی کے قصے سناتی۔

دبے دبے انداز میں وہ اماں کے بارے میں انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کرتی کہ وہ زبان کی بھڑ بھڑی ضرور تھیں مگر دل کی بری نہ تھیں۔

اپنی سعادت مندی اور خدمت گزاری سے وہ امی کے اس قدر نزدیک ہو گئی تھی کہ انہیں اپنے دل کی بات کہنے کے لیے بیٹیوں کی راہ نہ تکنی پڑتی۔

ابا سے اس کی ایسی گاڑھی چھنتی جیسی کبھی ان کی مدحت بجیا سے چھنا کرتی تھی۔

مدحت بجیا نے ایک روز مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔ ''زدیا، میں جیلس فیل کرنے لگی ہوں تم سے۔''

اس نے ٹپٹا کر بجیا کو دیکھا۔

''پتا ہے کیوں؟'' بجیا کی مسکراہٹ گہری پڑ گئی۔

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''ابا کے ساتھ تم نے میری جگہ لے لی ہے۔''

''نہیں بجیا۔'' زدیا کے چہرے پر تشویش کی جگہ دھیمی سی مسکراہٹ نے لے لی۔ ''میں اس قابل کہاں کہ آپ کی جگہ لے سکوں۔''

بجیا نے محبت سے اسے دیکھا اور بولیں۔ ''تم نے وہ جگہ حاصل کر لی ہے اس گھر میں جو تم سے پہلے کسی کو نہیں ملی تھی۔''

''آپ سب کی محبت ہے بجیا ورنہ......''

''ورنہ؟''

''میں تو اندھیروں میں ڈوب چکی تھی۔''

بجیا نے اپنا ہاتھ اس کے شانے پر دھر دیا اور بولیں۔ ''میری ایک بات یاد رکھنا......لوگوں کو اسی طرح عزت اور احترام دیتی رہیں تو اتنی خوشیاں ملیں گی تمہیں کہ تم سنبھال نہیں پاؤ گی۔''

دیکھتے ہی دیکھتے وہ اس گھر کی اہم ترین فرد بن چکی تھی۔

دیکھنے والوں کو یوں لگتا، جیسے وہ شوہر، ساس اور سسر کی مطیع و محکوم تھی لیکن درحقیقت گھر پر اسی کی حکمرانی تھی۔

ذہین، امی اور ابا کے ہر فیصلے میں اس کی صلاح بھی شامل ہوتی۔

اور تو اور نگہت بھی جو ذہین سے اس کی شادی کی مخالفت کرنے میں سب سے زیادہ پیش پیش رہی تھی، اس سے خوب مل جل کر رہتی۔

کیوں نہ رہتی۔

جویا اور ارج نے کبھی اتنی عزت دی تھی اسے یا اس کے میاں اور بچیوں کو۔

ارج تو خیر رہی ہی کتنے دن تھی، اس گھر میں۔

جویا جب تک رہی، اس کا یہ حال رہا کہ اسے دیکھتے ہی منہ بنا لیا کرتی تھی۔

مگر زدیا ان دونوں سے قطعاً مختلف ثابت ہوئی تھی۔

نگہت کی تنگ مزاجی کا تحمل سے سامنا کرتی۔

افتخار کے آگے بچھ بچھ جاتی۔

دونوں بچیوں سے تو اس کا ایسا دوستانہ ہو گیا تھا جیسے جنم جنم کی دوستی ہو۔ زدیا انہیں ان کے کپڑوں، جوتوں اور ہیئر اسٹائل کے سلسلے میں مشورے دیتی۔ انہیں پڑھائی میں مدد دیتی۔ اکٹھے سیر و تفریح کے پروگرام بنتے۔ ساتھ بیٹھ کر ٹی وی پروگرامز اور وی سی آر پر فلمیں دیکھی جاتیں پھر ان پر تبصرے کیے جاتے۔

دونوں بہنیں زویا کی ایسی گرویدہ ہو گئی تھیں کہ دونوں کا متفقہ فیصلہ یہ تھا کہ ان کی چھوٹی امی جیسا کوئی اور نہیں تھا، خاندان بھر میں۔

افتخار احمد کہتے۔ "بھئی اتنی محبت اور عزت دیتی ہیں ذہین میاں کی بیوی کہ آپ ہی آپ ان کی عزت کرنے کو جی چاہتا ہے۔"

نگہت اختلاف نہ کر پاتی۔

"یقین نہیں آتا کہ دو سگی بہنیں اتنی مختلف بھی ہو سکتی ہیں جتنی جویا بھابی اور زویا ہیں۔" ایک روز افتخار احمد نے کہا۔

"کبھی کبھی تو مجھے شک سا ہونے لگتا ہے۔" نگہت بولی۔

"شک! کیسا شک؟"

"کہ زویا جو کچھ کرتی ہیں دکھاوا ہے۔"

"اگر دکھاوا بھی ہے تو بھی قابل تعریف ہے، تمہاری پہلی دو بھابیاں تو دکھاوے کو بھی یہ سب کچھ نہ کر پائیں۔"

"ہاں، یہ تو ہے۔"

"ویسے تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ دکھاوا اتنے دن چل نہیں سکتا، کھل جاتا ہے۔"

"زیادہ تعریف نہ کیا کریں آپ زویا کی...... سمجھے۔" نگہت نے کچھ عجیب سی نگاہوں سے افتخار احمد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے بھئی، وہ تو میرے لیے اپنی بچیوں کی طرح ہے۔" افتخار احمد بولے۔

نگہت شرمندہ ہو گئی۔

غرض کون تھا، گھر بھر میں جس سے زویا کے تعلقات اچھے نہ تھے۔

سسرال بھر میں مثالیں دی جاتیں۔

بہو ہو تو ذہین کی دلہن جیسی!

کیسی سمجھدار اور فرمانبردار لڑکی ہے!

سسرال والوں کے آگے بچھی بچھی رہتی ہے!

مجال ہے، ساس سسر کے سامنے زبان کھول جائے!

نندوں سے ایسے مل جل کر رہتی ہے، جیسے بہنیں!

سنا ہے، ساس کو کبھی ساس نہیں کہتی اور نندوں کو نند بلکہ انہیں امی اور بہنیں بتاتی ہے!

ارے بھئی، ایسی گرہستی سنبھالی ہے ذہین کی دلہن نے کہ آدمی دیکھے!

گھر جگر جگر کرتا ہے۔

جب چلے جاؤ، کسی نہ کسی کام میں مصروف ہی ملتی ہے، یہ نہیں کہ منہ بنائے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائے بیٹھی رہے۔

گھر آنے جانے والے مہمانوں کی خاطر داری کا پورا خیال رکھتی ہے۔ یہ نہیں کہ میکے والے

آئے تو بچھ بچھ گئیں، سسرال والے آئے تو انوائی کھٹوائی لے کر پڑ گئیں۔

سنا ہے، میکے بہت کم جاتی ہے۔ کہتی ہے میرا اصلی گھر تو اب میری سسرال ہے!

بہت خوش مزاج ہے، چھوٹے بڑوں سب سے گھل مل جاتی ہے!

ذہین تو بیوی کا ایسا گرویدہ ہوا ہے کہ اس کے آگے پیچھے ہی پھرتا رہتا ہے!

ساس سسر ہر معاملے میں مشورہ کرتے ہیں چھوٹی بہو سے!

غرض سارے خاندان میں زویا کا ڈنکا بج گیا تھا۔

سسرال گھرانے تمنا کرتے کہ بہو ہو تو ایسی۔

اور میکے میں اماں کہتیں۔ "زویا تو بس سسرال کی ہو کر رہ گئی۔"

"اچھا ہے نیک بخت لڑکیوں کو شادی کے بعد سسرال ہی کا ہو کر رہنا بھی چاہیے۔" ابا کہتے۔

"اونہہ! ایسی بھی کیا محبت سسرال کی کہ لڑکی میکے ہی کو بھول جائے۔ سو دفعہ فون کرو کا تب ایک دفعہ آتی ہے۔ میکے۔"

"قدر کھو دیتا ہے ہر روز کا آنا جانا۔" ابا مسکرا دیتے۔

زویا جب میکے آتی، اماں اسے دل کھول کر پکارتیں۔ "اے زویا، تیرا تو ایسا دل لگ گیا ہے سسرال میں کہ میکا تجھے یاد ہی نہیں آتا۔"

زویا فقط مسکرانے پر اکتفا کرتی۔

اماں کو اپنا دل چیر کر تو دکھانے سے رہی تھی۔

دن رات میں سو دفعہ دھیان میکے کی طرف بھٹکتا تھا۔

ہوک سی اٹھتی تھی دل میں کہ اس گھر کو کہاں چھوڑ آئی۔

اماں کا دس دفعہ خیال آتا تھا کہ خدا جانے کیا کر رہی ہوں گی...... طبیعت کیسی ہو گی ان کی۔ ابا اکثر یاد آتے تھے۔

بھائی، بہنوں اور ان کے بچوں کا بہانے بہانے خیال آتا تھا۔

مگر جینا مرنا تو اب اور لوگوں کے ساتھ تھا۔

جن لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنی تھی، انہیں نظر انداز کر کے میکے والوں کے خیال اور ان کی یادوں میں گم رہنا، ایسے ہی تھا، جیسے حقیقت سے نظریں چرا کر سایوں کے تعاقب میں رہنا۔

سایوں کے پیچھے لپکنے سے کب کسی کے ہاتھ کچھ آیا ہے جو اس کے ہاتھ آ جاتا۔

عزت

احترام

سکون

خوشی

جو کچھ پانا تھا، حقیقت کے ساتھ رہ کر ہی پانا تھا۔

میکے والوں سے اس کا رشتہ اٹوٹ سہی مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ اس کے دکھ سکھ، راحتیں، کلفتیں،

کھانا پینا، سونا جاگنا، جینا مرنا سب کچھ اب سسرال اور سسرال والوں سے وابستہ ہو چکا تھا۔

اس وابستگی کے بعد اگر وہ ان لوگوں سے لاتعلق رہنے کی کوشش کرتی تو شاید اتنی ہی بے سکون رہتی جتنی کہ جویا تھی۔

بے چاری جویا!

ایک جان کو کتنے آزار لگے ہوئے تھے۔

زدیا کو اس سے زیادہ چاروں بچوں پر ترس آتا۔

اسکول سے آنے کے بعد مرغی کے چوزوں کی طرح ڈربا نما گھر میں دبکے رہتے۔

نہ کھیلنے کودنے کی آزادی تھی انہیں۔

نہ بھاگنے دوڑنے کی جگہ۔

بابا صبح کے گئے شام ڈھلے گھر آتے۔

ماں دن بھر کسی مشین کی طرح کام کیے جاتی۔

ددھیال والوں سے ملنا نہ ملنے کے برابر ہوتا۔

جب سے ملازمہ رکھی گئی تھی گھر میں، ننھیال والوں سے بھی بہت کم ملنا ہوتا۔

بے چارے بچے!

بڑا اور کھلا گھر ہوتے ہوئے بھی کابک نما گھر میں رہتے۔

محبت سے گندھے ان رشتوں کے ہوتے ہوئے بھی جو اپنے محبت بھرے لمس سے ننھے منے دلوں کو مسرت بخشتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی انگلیوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں لے کر زندگی کے راستے پر اعتماد سے قدم اٹھانا سکھاتے ہیں، وہ چاروں ان سے محروم تھے۔

دادا، دادی، پھوپھیوں، چچا اور دیگر ددھیالی رشتے داروں سے بہت کم وقت کے لیے ملتے اور قربت نہ ہونے کے باعث متکلف رہتے۔

نہ وہ ان سے کوئی فرمائش کر سکتے۔

نہ اپنی ضدیں پوری کروا سکتے۔

نانی کے ہاں جاتے تو بھی کوئی خاص التفات نہ پاتے۔

ماں باپ کا موڈ اچھا ہوتا تو چوم چاٹ لیتے۔

موڈ بگڑا ہوا ہوتا تو ہر دو طرف سے عتاب بے چارے بچوں ہی پر نازل ہوتا۔

زدیا کو بہن سے زیادہ بچوں سے ہمدردی محسوس ہوتی۔

اس کا بس چلتا تو بہن، بہنوئی اور چاروں بچوں کو سمیٹ کر گھر لے آتی۔

مگر اس کا بس کہاں چلتا تھا!

جویا تو دوبارہ سسرال میں آ رہنے کا نام تک سننے کی روادار نہ تھی۔

زدیا جب بھی یہ تذکرہ چھیڑتی وہ اسے ڈپٹ دیتی۔

''بس بس، یہ بات مت کیا کرو تم۔''

''کیوں؟''

''بھرپائی میں ان لوگوں کے ساتھ رہنے سے۔''

''اللہ بجو، اتنے برے تو نہیں ہیں وہ لوگ۔''

''اتنے اچھے بھی نہیں ہیں۔''

''دیکھیے آپ وہاں چل کر رہیں گی تو گھر کے کام کاج کی فکر تو آپ کے سر سے جاتی رہے گی۔''

''کیوں، وہاں فرشتے کیا کریں گے میرے؟''

''میں کر دیا کروں گی۔''

''تھینک یو۔''

''بچوں کی ہر وقت کی فکر بھی نہیں رہے گی آپ کو۔ بہت سے لوگ ہوں گے وہاں ان کی دیکھ بھال کرنے والے..... بابا اور میں انہیں پڑھائی میں پوری مدد دیا کریں گے..... آپ دیکھیے گا، کتنے اچھے ہو جائیں گے یہ لوگ پڑھائی میں۔''

''پلیز! مجھے لالچ دینے کی کوشش مت کرو..... ہم ایسے ہی ٹھیک ہیں۔''

''اخراجات بھی کم ہو جائیں گے آپ کے..... مکان کا کرایہ نہیں دینا پڑے گا۔ ملازمہ کی تنخواہ نہیں دینا پڑے گی..... بہت فائدہ ہو گا بجو۔''

''مجھے یہ نقصان ہی بھلا۔''

''پلیز!''

''نہیں..... مجھے سو مشکلیں اور پریشانیاں قبول مگر ان لوگوں کے ساتھ رہنا گوارا نہیں..... خدا بچائے سسرال والوں کے ساتھ رہنے سے..... جینا اجیرن کر دیتے ہیں۔''

''میں تو بڑے مزے سے رہ رہی ہوں۔''

''معاف کرنا، ہر ایک تمہاری طرح حکم کا تابعدار بن کر نہیں رہ سکتا..... سخت غصہ آتا ہے مجھے تم پر، جب تم ان لوگوں کی ہاں میں ہاں ملاتی ہو۔''

''بجو گھر میں امن وامان رکھنے کے لیے یہ سودا برا تو نہیں۔''

''میں بہرحال نہیں رہ سکتی وہاں۔''

ویک اینڈ پر مریم اور علی ایک آدھ روز دادا دادی کے پاس رہ جاتے تو ان کی واپسی پر جویا کو زدیا سے شکوہ ہوتا۔ ''وہاں سے بگڑ کر آتے ہیں یہ لوگ۔''

''کیا بگڑ کر آتے ہیں بجو؟'' وہ حیرانی سے کہتی۔

''تم لوگوں کا بے جا لاڈ پیار انہیں دو کوڑی کا کر کے بھیجتا ہے..... آئندہ نہیں رکنے دوں گی انہیں میں وہاں۔''

زدیا مسکرا دیتی۔

اس کے اصرار پر جویا بھی آئندہ اپنے عہد پر قائم نہ رہ پاتی۔

بچے آتے تو پھر بڑی مشکل سے اپنے گھر جانے پر تیار ہوتے۔

ان کے اپنے گھر میں تھا ہی کیا۔

یہاں تو بڑا سا گھر تھا، لان تھا، دادا تھے، دادو تھیں۔ خالہ جانی، چاچو، بڑی پھپھو، نگہت پھپھو اور ان کے بچے۔

چھٹی والے دن زویا اپنے میکے جانے کے بجائے مزے مزے کے کھانے پکاتی۔ نندیں آتیں تو بڑی گرم جوشی سے انہیں خوش آمدید کہتی، ان کی خاطر تواضع کرتی۔ یقین، جویا اور بچوں کو بھی اصرار کرکے بلاتی۔

امی اور ربا بڑے خوش تھے کہ گھر جو بتدریج خاموشیوں میں ڈوب گیا تھا پھر انگڑائی لے اٹھا تھا۔

زویا نے گھر کو نئی رونق بخش دی تھی!

جویا سسرال آتی تو زویا کو ہر ایک کے آگے پیچھے دیکھ کر کڑھے جاتی۔

"زوئی! نگہت کو تم کیسے برداشت کر لیتی ہو؟" ایک روز اس نے زویا سے کہا۔

زویا مسکرا دی۔

"میں تو ایک منٹ برداشت نہیں کر سکتی اسے۔"

"مجھے بھی بہت مشکل ہوئی بجو۔" زویا دھیرے سے بولی۔

جویا نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

"شروع شروع بہت دل دکھانے والی باتیں کیا کرتی تھی وہ...... مجھے ہر وقت یہ احساس دلانے کی کوشش میں رہتی کہ میں اس گھر کے لائق نہیں تھی...... ذہین کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے...... اور بھی نہ جانے کیا کیا کہتی رہتی تھی وہ...... بہت غصہ آتا تھا مجھے...... لیکن...... میں نے سوچا اگر میں بھی ان کی جلی کٹی باتوں کے جواب دینے لگی تو رنجش دوطرفہ ہو جائے گی...... ابھی تو بھی کو ان کی باتیں بری لگتی ہیں۔ ہو سکتا ہے، غصے میں میری زبان سے بھی کوئی ایسی بات نکل جائے جو انہیں بری لگے...... اور جب ایسی کوئی بات ہوگی تو امی اور ربا اور باقی سب بھی انہی کا ساتھ دیں گے...... میرا ساتھ دیں گے تو حد سے حد ذہین...... میں نے سوچا، میں تو بالکل اکیلی ہو جاؤں گی...... لہٰذا میں نے جواب دینے کے بجائے صبر و برداشت سے کام لیا...... وہ کچھ کہتیں تو مجھے برا ضرور لگتا مگر میں بظاہر ٹال جاتی...... میری ایک چپ نے بالآخر انہیں ہرا دیا...... یہ نہیں کہ اب وہ کچھ نہیں کہتیں یا میری بہت ہمدرد اور دوست بن گئی ہیں، اب بھی کوئی موقع جانے نہیں دیتیں وہ ہاتھ سے مگر میں چپ رہتی ہوں...... کیونکہ مجھے پتا ہے کہ میں اس گھر میں برداشت کروں گی تبھی اپنی جگہ بنا سکوں گی۔"

"تم نے آج سے پہلے تو یہ بات کبھی نہیں بتائی۔ مجھے یا اماں کو؟" جویا بولی۔

"فائدہ کیا تھا...... آپ کیا کر لیتیں؟ اور اماں نے آپ کے لیے کیا کر لیا جو وہ میرے لیے کر لیتیں؟"

وہ لاجواب ہو گئی۔

"مجھے تو بہت دکھ ہوا ہے، یہ سب کچھ سن کر...... جی چاہ رہا ہے، نگہت سامنے ہو تو پوچھوں اس سے۔"

"نہیں...... آپ دکھی نہ ہوں۔" زویا دھیرے سے مسکرا کر بولی۔ "میں بہت خوش ہوں۔"

"خوش ہو!" جویا نے چونک کر کچھ اس طرح اس کی طرف دیکھا جیسے اس کی ذہنی کیفیت پر شبہ ہو۔

زویا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیوں خوش ہو؟" جویا نے کسی سخت گیر مگر ہمدرد استاد کی طرح پوچھا۔

زویا کے لبوں پر پھیلی مسکراہٹ گہری پڑ گئی۔

"اس لیے خوش ہوں بجو کہ یہاں میری ہر بات پر یہ نہیں کہا جاتا کہ تو چپکی رہ زویا بلکہ تھوڑی سی برداشت سے کام لینے کا یہ صلہ ملا ہے مجھے کہ اس گھر میں میری بات نہ صرف سنی جاتی ہے بلکہ اسے اہمیت بھی دی جاتی ہے...... ابھی کل ہی کی تو بات ہے، میں نے امی اور ربا سے کہا میرا بہت جی چاہتا ہے کہ یقین بھائی اور بجو ہم لوگوں کے ساتھ رہیں۔"

"ہرگز نہیں......" جویا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"سنیں تو...... بات تو پوری کر لینے دیں مجھے...... ربا کہنے لگے اگر ایسا ہو جائے تو اس سے اچھی بات کیا ہوگی، گھر میں اور رونق ہو جائے گی۔"

"اور تمہاری امی جان کیا بولیں؟"

"آپ کی بھی تو ہیں بجو۔"

"میری تو صرف ساس ہیں۔"

زویا مسکرا دی۔

"پلیز! آپ آ جائیں نا یہاں۔"

"نہیں۔"

"میری خاطر۔" وہ گڑگڑا کر بولی۔

"جی نہیں۔" جویا نے صاف انکار کیا۔

"ایمان سے بڑے مزے میں رہیں گی...... مزے دار مزے دار کھانے پکا کر کھلایا کروں گی، ہر روز آپ لوگوں کو۔"

"بخشو......" جویا نے صاف انکار کیا۔

"سوچ لیں۔"

"اب کیا سوچنا...... سوچ کر ہی نکلی تھی۔ میں اب کبھی واپس نہیں آؤں گی اس گھر میں۔"

"ساتھ رہنے کے بہت فائدے ہوتے ہیں بجو۔"

"مجھے نہیں چاہئیں، تم ہی اٹھاؤ یہ فائدے۔"

"کبھی آئینے میں خود کو دیکھا ہے آپ نے غور سے؟" زویا کے لہجے میں درد تھا۔

"کیوں، کیا ہوا؟" وہ چونکی۔

"یہ تو آپ کسی روز آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر خود سے پوچھیے گا۔ میں تو یاد کرتی ہوں، وہ دن جب آپ دبلی پتلی، خوب صورت اور اسمارٹ ہوا کرتی تھیں...... پوچھیے گا کسی روز آپ آئینے سے کہ کیا ہوا آپ کو؟"

"بہت باتیں بنانے لگی ہو!"

"اماں ہوتیں تو کیا کہتیں اس وقت؟"

"تم خود ہی بتاؤ۔"

"شوخ چنچل رہو زویا۔"

دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

غنیمت ہوا کہ بات کہیں سے کہیں جا نکلی تھی۔

ورنہ اگر جویا یہ جاننے پر مصر ہو جاتی کہ امی نے اس کی بات پر کیا کہا تھا تو وہ کیونکر بتاتی اسے کہ امی نے کہا تھا۔

"ساتھ رہ کر ناخوش رہنے سے بہتر ہے کہ علیحدہ رہ کر خوش رہا جائے۔"

یعنی امی نہیں چاہتی تھیں کہ جویا دوبارہ اس گھر میں آئے۔

زویا کو ملال ہوا تھا، امی کی بات سے!

اتنے دنوں میں اسے سسرال والوں کے ساتھ رہ کر یہ اندازہ تو ہو ہی چکا تھا کہ وہ لوگ جھگڑالو ہرگز نہ تھے۔ جویا ان کے ساتھ مل جل کر رہ رہی ہوتی اور تھوڑے سے صبر اور برداشت سے کام لیتی تو شاید یوں علیحدگی کی نوبت نہ آتی۔

اس گھر میں بہو بن کر آنے کے بعد اسے جویا زیادہ قصوروار محسوس ہونے لگی تھی۔

مگر بہر حال وہ بہن تھی۔

سسرال والے کتنے ہی اچھے سہی، اس کی دلی ہمدردیاں جویا کے ساتھ تھیں۔

جویا اس گھر سے اس گھر تک اپنے راستے میں جو کانٹے بچھا گئی تھی، زویا کو انہیں اپنی پلکوں سے بھی چننا پڑتا تو وہ دریغ کرنے والی نہ تھی۔

☆=====☆=====☆

جویا کو ان کانٹوں کی بالکل پروا نہ تھی۔

لاکھ مشکلات سہی۔

مگر یہ مشکلات دانتوں کے بیچ زبان بن کر رہنے سے ہزار درجے بہتر معلوم ہوتی تھیں اسے۔

ہاتھ پاؤں ہی تھکتے تھے۔

جی تو نہ جلتا تھا۔

وہاں تو ہر روز کوئی نہ کوئی بات ایسی ہو جاتی تھی کہ طبیعت مکدر ہو جاتی اور کئی کئی دن وہ اس بات کو بھلائے نہ بھول پاتی تھی۔

رنجش یہاں یقین سے بھی ہو جاتی تھی کبھی کبھی مگر یقین کی بات اس بری طرح دل پر نہ لگتی۔ دو چار گھنٹوں یا حد سے حد ایک دو روز ناراضگی رہتی پھر صلح ہو جاتی۔

ناراضگی کے بدگمانی یا دشمنی میں بدل جانے کی نوبت نہ آتی۔

مگر......!

اس روز حسب معمول اسکول جاتے ہوئے اپنے پرس میں ٹوٹے پیسے نہ پا کر جب اس نے یقین کا بٹوا نکالا تو بٹوے کی اندرونی جیب سے چھوٹی سی ایک رنگین تصویر اس کے ہاتھ لگ کر اسے یقین سے بدگمان کر گئی۔

ٹی وی اسکرین پر چند اشتہارات میں دکھائی دینے والی ایک ماڈل گرل کی تصویر۔

گو وہ یقین کی ملازمت کی نوعیت سے بخوبی آگاہ تھی۔

جانتی تھی کہ ماڈل گرلز اس کے پاس آتی جاتی رہتی ہیں۔

مگر پھر بھی نہ جانے کیوں اسے یقین کے بٹوے سے اس تصویر کی برآمدگی نے تشویش میں مبتلا کر دیا۔

ماڈل گرل کی تصویر بٹوے کے اندر رکھنے کا کیا مطلب تھا؟

اس نے ایک نظر یقین پر ڈالی جو ابھی سو ہی رہا تھا۔

کیسی چین کی نیند سو رہا تھا وہ!

جویا نے تصویر کو بٹوے میں رکھا اور ٹوٹے پیسوں کو ہاتھ لگائے بغیر بٹوے کو جوں کا توں رکھ کر اسکول چلی گئی۔

راستے بھر ذہن میں تلاطم سا رہا۔

اسکول میں دن بھر الجھی الجھی رہی۔

اسکول سے گھر پہنچی تو طبیعت بوجھل تھی۔

تین بجے ملازمہ حسب معمول واپس چلی گئی تو اس نے منہ لپیٹا اور پڑ گئی۔ بچوں نے چوں چاں کی تو اس نے زور سے کہا۔ "مریم، تم بہن بھائیوں کو دیکھو، یہ شور نہ کریں میرے سر میں درد ہے۔"

مریم نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر بہن بھائیوں کو اپنی ٹیچر کی طرح آنکھیں دکھائیں اور بولی۔

"کیپ کوائٹ، ماما کے سر میں درد ہے۔"

علی جو گھر کے کونے کونے کی خبر رکھتا تھا، آہستہ سے بولا۔ "آپی! ماما کے لیے چائے بناتے ہیں، ان کے سر کا درد ختم ہو جائے گا۔"

بات معقول تھی۔

مریم کی سمجھ میں آ گئی۔

بلال اور عائشہ کو چپ بٹھا کر دونوں دبے پاؤں کچن میں پہنچے۔

چولہے اور سنک تک ہاتھ نہ پہنچا تو دونوں لاؤنج میں رکھا سرکنڈوں کا موڑھا بہت آہستگی سے کچن میں کھینچ لائے۔ علی نے موڑھا پکڑا، مریم اس پر چڑھی۔ چائے کی کیتلی میں لبالب پانی بھرا۔ گھرا

گھبرا کر ماچس کی کئی تیلیاں یکے بعد دیگرے سلگائیں اور فرش پر پھینکیں پھر بالآخر جوں توں چولہا بھی جلا لیا اور کیتلی چولہے پر رکھنے کے بعد چائے کی پتی کے ڈبے سے ڈھیروں پتی کیتلی میں الٹ دی اور دونوں کیتلی سے شائیں شائیں کی آواز سننے کو کان لگا کر بیٹھ گئے۔

کیتلی سے شائیں شائیں تو نہ سنائی دی، کمرے سے عائشہ کی چیخ البتہ ضرور سنائی دی۔

دونوں نے گھبرا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

عائشہ کی چیخ ایسی ہیبت ناک تھی کہ جویا بھی گھبرا کر اپنے کمرے سے دوسرے کمرے میں بھاگی چلی آئی۔ دیکھا تو عائشہ بری طرح رو رہی تھی اور بلال ہکا بکا اس کے پاس کھڑا تھا۔

''کیا ہوا؟ تم نے بہن کو مارا؟'' جویا نے عائشہ کو گود میں اٹھایا اور بلال کا کان پکڑ لیا۔

اس نے منہ بسورتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

''تو پھر کیوں روئی بہن؟''

''اس کو تاں...... بجلی نے کاٹ لیا۔'' بلال نے انتہائی بھولپن سے فرش سے ڈیڑھ بالشت اوپر دیوار میں نصب بجلی کے ساکٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

''بجلی نے کاٹ لیا؟'' وہ تعجب سے بولی۔ ''کیسے؟''

''یوں......'' بلال نے اپنی انگلی سوراخ میں ڈالنے کی تیاری کی۔

''ہیں، ہیں!'' جویا نے گھبرا کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

وہ سمجھ گئی کہ عائشہ نے ساکٹ میں انگلی داخل کرنے کی کوشش کی ہوگی اور اسے کرنٹ لگا ہوگا۔

اس نے عائشہ کو اپنے سینے سے لگا لیا اور دیوانہ وار اسے پیار کرنے لگی۔

اللہ نے کرم کیا۔

خدانخواستہ کوئی بڑا حادثہ بھی ہو سکتا تھا۔

بلال خوفزدہ نظر آتا تھا۔

''یہ مریم اور علی کہاں گئے؟'' اس نے بلال سے پوچھا۔

''پتا نہیں۔'' وہ معصومیت سے بولا۔

جویا نے عائشہ کو گود میں لیے کمرے سے باہر نکل کر دیکھا تو دونوں کو کچن میں پایا۔

چولہا جل رہا تھا۔

چولھے پر چائے کی کیتلی دھری تھی۔

مریم موڑھے پر چڑھی چولہے کے سامنے کھڑی تھی اور علی موڑھا پکڑے کھڑا تھا۔

وہ جی جان سے لرز کر رہ گئی۔

''ارے!'' وہ چونکی۔ ''یہ تم دونوں کیا کر رہے ہو؟''

''چائے بنا رہے ہیں؟'' جواب ملا۔

''کیوں؟'' اس نے علی کا کان مروڑا۔

''آپ کے لیے؟'' مریم منمنائی۔

''میرے لیے؟''

''ہاں۔''

''کس نے کہا تھا؟'' اس نے علی کا کان چھوڑا اور مریم کے گال پر طمانچہ رسید کیا۔

''کسی نے نہیں۔'' مریم نے اپنا گال سہلاتے ہوئے منہ بسورا۔

''جل جاتے...... مر جاتے تو۔'' جویا نے دانت پیستے ہوئے دونوں کے سر پر ایک ایک دھپ لگائی اور بڑبڑائی۔ ''کمبخت...... دو گھڑی کو چین سے لیٹنے تک نہیں دیتے۔''

چولہا بجھا کر اس نے چولہے پر سے کیتلی اتارنی چاہی تو لگا کیتلی میں منکا بھر پانی بھرا تھا۔ ڈھکن کھول کر دیکھا تو کیتلی لبالب بھری ہوئی تھی، پانی میں پتی پڑی تھی۔ چائے کی پتی کا ڈبا کھولا تو پتا چلا آدھی سے زیادہ پتی کیتلی میں انڈیلی جا چکی تھی۔

''ارے!'' جویا نے دانت پیستے ہوئے مریم اور علی پر آنکھیں نکالیں اور پھر ایک ایک دھپ انہیں اور لگا کر بولی۔ ''کیا کاڑھا جوش دے رہے تھے۔ اپنے ددھیال والوں کے لیے۔''

مریم رونے لگی۔

جویا اس کے آنسوؤں سے ذرا نہ پسیجی۔

''کس نے کہا تھا، چائے بنانے کو؟'' اس نے ڈپٹ کر مریم سے پوچھا۔

''بھائی نے۔''

''کیوں؟'' اس نے پھر علی کو گھورا۔

''آپ کے سر میں جو درد تھا۔'' علی منہ بسورتے ہوئے منمنایا۔

آن کی آن اس کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

سینے میں ممتا کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔

اسے اپنی پرنسپل یاد آ گئیں۔

وہ میٹنگز میں اکثر کہا کرتی تھیں کہ ''ہم اکثر اپنے گھروں اور کلاس روم میں بچوں سے اصل بات معلوم کیے بغیر ان پر ڈنڈا اٹھا لیتے ہیں۔ یہ درست طریقہ نہیں۔ بچوں کی کسی خطا پر انہیں سزا دینے یا ڈانٹ ڈپٹ کرنے سے پہلے پوچھنے کہ اصل بات کیا ہے؟''

جویا کو احساسِ شرمندگی نے آ لیا۔

ناحق اتنی دیر سے وہ بچوں کو پھٹکار رہی تھی۔

وہ بے چارے تو اسی کے لیے ساری تگ و دو کر رہے تھے۔

اپنے ننھے منے ہاتھوں سے اس کے لیے چائے بنا رہے تھے۔

چولہے تک ہاتھ پہنچانے کے لئے مریم موڑھے پر چڑھ گئی تھی۔

چولہا بھی نہ جانے کیونکر جلایا ہوگا۔

اس کی نظر فرش پر بکھری بجھی ہوئی تیلیوں پر پڑی، ان بجھی ہوئی تیلیوں نے اسے زبانِ حال سے اپنی داستان سنا دی۔

غصے نے پیار کی جون لے لی۔

"تم لوگ خدانخواستہ جل جاتے تو؟" اس نے مریم اور علی کو گھورا مگر غصے سے نہیں، پیار سے۔

بچے چالاک تھے۔

سمجھ گئے کہ غصہ رفع ہو چکا تھا۔

"سوری ماما!" علی نے معافی مانگنے میں پہل کی۔

شرارت کرنے اور معافی مانگنے میں وہ سب سے آگے رہا کرتا تھا۔

اسی لیے تو یقین اکثر جویا سے کہتا۔ "یہ تمہارا بیٹا بڑا بدمعاش ہے۔ سامنے والے آدمی کو زیادہ موقع ہی نہیں دیتا۔"

جویا چاروں بچوں کو گھیر کر اپنے کمرے میں لے آئی۔

مریم اور علی پر اسے پیار آ رہا تھا۔

خیر سے اتنے سمجھ دار تو ہو گئے تھے کہ اس کے سر میں درد کا سن کر چائے بنانے کو کھڑے ہو گئے تھے۔

جب کبھی وہ مسائل کی بھرمار اور ذمے داریوں کے بوجھ سے گھبرا کر بچوں پر ہاتھ چھوڑ دیتی تو اماں سمجھاتیں۔

"بس چند سال کی بات ہے، یہی بچے تمہاری خدمت کریں گے۔"

"چھوڑیں اماں، جب کریں گے، کریں گے..... فی الحال تو ان کی ذمے داریوں نے ناطقہ بند کر رکھا ہے۔"

"اے ہے تم دیکھنا تو سہی۔"

چند سال کیا وہ تو ابھی سے خدمت کرنے کھڑے ہو گئے تھے۔

"آئندہ ایسی حرکت مت کرنا" اس نے مریم اور علی کو سمجھایا۔ "ماچس کی تیلی تمہارے کپڑوں سے لگ جاتی تو۔"

اسے جھرجھری سی آ گئی۔

مریم اور علی کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ کر اس نے دونوں کے سروں کو باری باری بوسہ دیتے ہوئے رقت سے کہا۔ "پھر ماما کہاں ڈھونڈتی تمہیں؟"

جویا کی آغوش میں سر دبکائے وہ دونوں مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"ابھی تم چھوٹی ہو سمجھیں" اس نے مریم کو سمجھایا۔ "بڑی ہو جاؤ گی تب بنانا چائے ماما کے لیے۔"

"میں بڑی ہو گئی ہوں ماما۔" مریم یک بیک سیدھی کھڑی ہو گئی اور پنجوں کے بل اچک کر اپنا قد اونچا کرنے لگی۔

"ابھی اتنی بڑی نہیں ہوئیں میری جان کہ تم چائے بنانے لگو..... اور دیکھو میں نے تمہیں سمجھایا تھا کہ بہن بھائیوں کا خیال رکھنا..... تم نے ماما کی بات نہیں مانی تو عاشی کو کرنٹ لگ گیا۔"

"کرنٹ لگ گیا!" علی نے تعجب سے اس کے الفاظ دہرائے۔

"ہاں..... اور کیا..... تم لوگ بیٹھے رہتے بھائی بہن کے پاس تو اسے کرنٹ نہ لگتا۔"

"سوری ماما!" علی منمنایا۔

بقول یقین کے بدمعاش نے پھر پہل کر دی تھی۔

چاروں بچوں کو اپنی آغوش میں سمیٹ کر وہ بھول گئی کہ یقین کے بٹوے سے ایک ماڈل گرل کی تصویر کی برآمدگی نے اسے دن بھر کتنا مضمحل رکھا تھا۔

مسز ربانی کا چہرہ جتنی مرتبہ دیکھا۔ اسکول میں اسے یوں محسوس ہوا۔ جیسے وہ مسز ربانی کا نہیں اپنا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

بے چاری مسز ربانی!

ربانی صاحب نے اپنی ایک کولیگ سے چوری چھپے دوسری شادی کر لی تھی اور مسز ربانی کو اس وقت پتا چلا تھا، جب ان کی دوسری بیوی کے ہاں پہلا بیٹا بھی ہو گیا تھا۔

مسز ربانی بجھ کر رہ گئی تھیں۔

اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر وہ کہا کرتی تھیں۔ "عورت کو ہماری طرح مرد پر اندھا اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔"

مسز زیدی جن کی بھری پری سسرال میں ان کے خوش و خرم رہنے پر اکثر شادی شدہ کولیگز بڑی حیرت بلکہ قدرے بے یقینی کا اظہار کیا کرتی تھیں، ایک روز مسز ربانی سے بولیں۔ "معاف کیجیے گا مسز ربانی، غلطی آپ کی بھی ہے؟"

"جی!" مسز ربانی نے جن کی آنکھوں میں میاں کی دوسری شادی کے انکشاف کے بعد سے جہاں بھر کی اداسی نے ڈیرے ڈال دیے تھے چونک کر مسز زیدی کو دیکھا اور بولیں۔ "کیا کہا آپ نے؟"

"میں نے کہا غلطی آپ کی بھی ہے۔"

"میری!"

"جی ہاں۔"

"مسز ربانی کی کیا غلطی؟" مس شمیم نے قدرے ناگواری سے مسز زیدی کو دیکھا تھا۔

"ان کی غلطی یہ ہے کہ انہیں سسرال سے الگ نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

"وہ تو ایک نہ ایک دن سبھی ہو جاتے ہیں۔"

"سبھی مت کہیے..... اکثر کہنا درست ہوگا۔" مسز زیدی بولیں۔

اسٹاف روم میں موجود ساتھیاں انہیں دیکھنے لگیں۔

"سسرال والوں کے ساتھ رہنے کے نقصانات کچھ بھی سہی، ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اماں باوا بیٹے کے چال چلن پر نظر رکھتے ہیں اور اسے بہکنے نہیں دیتے۔" مسز زیدی کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

''ہاں۔ یہ تو بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں مسز زیدی۔'' مسز نعیم نے پھڑک کر داد دی اور پل بھر کے توقف سے مزید بولیں۔ ''میں رہتی ہوں نا اپنی سسرال میں...... میاں ذرا دیر سے گھر پہنچتے ہیں تو مجھ سے پہلے میری ساس پوچھتی ہیں بیٹے سے کہ دیر کیوں ہوگئی؟''

''یہ تو کوئی بات نہ ہوئی مسز نعیم، میاں آپ کے اپنی اماں سے جھوٹ بھی تو بول سکتے ہیں؟'' مس شمیم نے نخوت سے کہا۔

''کتنے دن! کتنے دن جھوٹ بولیں گے...... ایک نہ ایک دن پکڑے ہی جائیں گے۔'' مسز نعیم مسکرا کر بولیں۔

جویا نے جو خاموشی سے یہ ساری باتیں سن رہی تھی، دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ سسرال سے علیحدہ رہنے کے باوجود اسے یقین کے سلسلے میں ایسے کسی مسئلے کا سامنا نہ تھا۔

مگر آج......

دن بھر وہ بڑی مضطرب رہی تھی۔

کبھی کبھار یقین کے دیر سے گھر لوٹنے کا معمول اس کے شبے کو تقویت دے کر اس کا اضطراب اور بھڑکا رہا تھا۔

شام کا اس نے بڑی بے چینی سے انتظار کیا۔

یقین رات کا اندھیرا پھیل جانے کے بعد واپس لوٹا۔

''کیا بات ہے۔ بہت دیر سے آتے ہیں آپ کسی کسی دن؟'' جویا نے کہا۔

یقین نے بے ساختہ چونک کر اس کی طرف دیکھا اور اس کے چہرے کو سپاٹ پا کر بڑے اطمینان سے مسکراتے ہوئے بولا۔ ''شکر ہے۔ تمہیں میرے دیر سے آنے کا خیال تو آیا ورنہ تمہیں تو اپنے بچوں اور گھر کے جھمیلوں ہی سے فرصت نہیں ملتی۔''

''گھر اور بچے صرف میرے ہی نہیں، آپ کے بھی ہیں۔ کبھی آپ بھی دلچسپی لے لیا کریں۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''دلچسپی لیتا ہوں، تبھی تو ہر مہینے پوری تنخواہ لا کر تمہارے ہاتھ پر رکھ دیتا ہوں۔'' وہ گردن سے ٹائی کھینچتے ہوئے بولا۔

''بس...... اتنی ہی ذمے داری ہے آپ کی! اتنی ہی دلچسپی ہے آپ کو گھر اور بچوں سے!''

''بھئی۔ باقی سب کچھ تم جو کر لیتی ہو۔''

''ہاں۔ میں تو پیدا ہی اس لیے کی گئی ہوں کہ سارے جہاں کا درد اپنے جگر میں لے کر بیٹھ جاؤں۔''

''خیریت تو ہے؟'' وہ اپنی قمیص کے کف بٹن کھولتے ہوئے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ ''نصیب دشمناں آج بگڑے مرے سرکار کیوں نظر آتے ہیں؟''

جویا نے ایک کہا نہ دو۔ اس کی جیب سے جھانکتی ہوئی ایک ڈبیا سے کھول کر اس میں سے وہ

تصویر نکال کر اس کی آنکھوں کے سامنے کرتے ہوئے بولی۔ ''یہ کیا ہے؟''

یقین جسے اس اچانک کارروائی کا اندیشہ نہ تھا، اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے بڑے اطمینان اور اعتماد سے بولا۔ ''تصویر ہے اور کیا۔''

''کس کی؟''

''خاتون کی۔'' یقین نے مسکرانے کی کوشش کی۔

''بیوقوف مت بنائیں۔'' جویا تیور بگاڑ کر بولی۔ ''سیدھی طرح بتائیں یہ کون ہے؟''

''ایک ماڈل ہے۔''

''اس کی تصویر آپ کی جیب میں کیوں؟''

''بھئی، میرا کام ہی ایسا ہے...... میری جیب میں ایک نہیں، دس خواتین کی تصویریں ہو سکتی ہیں۔'' وہ ٹالنے والے انداز میں بولا۔

''ہماری شادی کو اتنے سال ہوگئے، اس سے پہلے تو کبھی نہیں نکلی آپ کی جیب سے کسی عورت کی تصویر۔''

''کہنا کیا چاہتی ہو؟''

''یہ کون ہے؟''

''ماڈل ہے...... ٹی وی کے کئی اشتہاروں میں آ رہی ہے آج کل۔''

''دیکھا ہے، میں نے...... مگر میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ آپ کو اس کی تصویر اپنے بٹوے میں رکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟''

''جو تم سمجھ رہی ہو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''کھائیے، میرے سر کی قسم۔''

''تمہاری قسم۔''

جویا نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا۔

''ڈونٹ بی سلی۔'' وہ اسے بہت محبت سے دیکھتے ہوئے اس کی ناک کو دھیرے سے چھو کر بولا۔

جویا کی آنکھوں سے شک پھر بھی مکمل طور پر رفع نہ ہوا۔

یقین نے مذکورہ تصویر اپنے بٹوے سے نکال کر سائیڈ بورڈ کی دراز میں رکھ دی۔

☆=====☆=====☆

کوئی ہفتہ بھر بھی نہ گزرا تھا کہ ایک روز یقین اس سے بولا۔ ''بھئی، وہ تمہاری رقیبہ تم سے ملنا چاہ رہی ہیں۔''

''میری رقیبہ!'' وہ چونکی۔

''ہاں۔''

''کون؟''

''ٹینا۔''

''ٹینا! ٹینا کون؟''

''ارے بھئی، وہی جس کی تصویر میرے بٹوے میں دیکھ کر تم مجھے مشکوک سمجھ بیٹھی تھیں۔''

''تھیں کا کیا مطلب؟'' جویا نے ٹیڑھی نظر سے اسے دیکھا اور بولی۔ ''مشکوک تو آپ اب بھی ہیں میری نظر میں...... آج آپ کی جو شرٹ دھوئی ہے میں نے، اس میں سے جس سینٹ کی مہک آرہی تھی، وہ ہمارے گھر میں دور دور تک نہیں ہے۔''

''اوہ!'' وہ بے ساختہ ہنس دیا پھر اپنی جگہ سے اٹھا، وارڈ روب تک پہنچا اور وارڈ روب کھول کر ہینگر پر لٹکے اپنے اس کوٹ کی جیب میں جو وہ صبح دفتر پہن کر گیا تھا، ہاتھ ڈالتے ہوئے جویا کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''بھئی مان گئے کہ تمہاری سونگھنے کی حس بہت تیز ہے۔'' پھر کوٹ کی جیب میں سے کوئی بالشت بھر کی مستطیل ڈبیا نکال کر اپنی ناک کے قریب کر کے ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے بولا۔ ''یہ ہے وہ سینٹ جس کی خوشبو تمہیں میری شرٹ میں سے آئی ہوگی۔''

جویا اس کی طرف بڑھی اور اس کے ہاتھ سے ڈبیا اچکتے ہوئے بولی۔ ''اور یہ سینٹ آیا کہاں سے آپ کے پاس؟''

''ارے صاحب! ہمیں چاہنے والے بہت۔''

''کیا!'' جویا نے آنکھیں نکالیں۔

''تمہاری رقیبہ زرد سیاہ کا گفٹ ہے۔''

''کیا!'' جویا نے بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اسے دیکھا۔

''بھئی، کسی نے اسے بتا دیا کہ آج میرا برتھ ڈے ہے، بس وہ یہ گفٹ دے گئی۔''

''اور آپ نے لے لیا۔''

''تو کیا کرتا...... واپس کرتا تو بداخلاقی ہوتی۔''

''اور آپ یہ بداخلاقی کر نہیں سکتے تھے...... ہے ناں؟'' جویا نے اسے گھورا۔

یقین کان دبا کر قدرے خفت سے مسکرانے لگا۔

''خدا کی قسم یقین، میں آپ کی، اپنی اور اس کی جان ایک کر دوں گی۔'' جویا نے جارحانہ انداز میں کہا۔

''میں...... میں بھی یہی چاہتا ہوں۔''

''کیا؟ کیا چاہتے ہیں؟''

''کہ تم اپنی، میری اور اس کی جان ایک کر دو۔''

جویا پر جھنجھلاہٹ سی طاری ہوگئی۔

دونوں مٹھیاں بھینچ کر اس نے تڑاتڑ یقین کے سینے پر مکے برسانے شروع کر دیے۔

یقین نے اس کے دونوں بازو دبوچ کر اسے بے بس کر دیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکاتے ہوئے بولے۔ ''بیوقوف عورت! یہ تو سوچو کہ کوئی خوبرو ماڈل چار بچوں کے باپ کو

گھاس ڈال سکتی ہے بھلا۔''

''گھاس کھانے والا ہو تو چار کیا آٹھ بچوں کے باپ کو بھی گھاس ڈال دیتی ہیں لڑکیاں۔'' جویا بولی۔

وہ کھلکھلا کر ہنس دیا اور بولا۔ ''اچھی بات کہی ہے تم نے۔'' اس نے توقف کیا پھر بولا۔ ''میں گھاس کھانے والوں میں سے نہیں ہوں اس لیے چاہتا ہوں کہ تم اس سے ایک مرتبہ مل تو لو تاکہ تمہارے دل کا وہم دور ہو جائے۔''

جویا خاموش رہی۔

''بولو...... اجازت ہو تو لے آؤں اسے کسی روز اپنے ساتھ یا ایسا کرو۔ کسی روز چائے یا کھانے پر بلا لیتے ہیں اسے۔''

جویا نے گہری نظروں سے یقین کو دیکھا اور بولی۔ ''میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا کہ اس ماڈل میں ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں جو آپ اسے چائے یا کھانے پر گھر بلانا چاہتے ہیں...... اس سے پہلے تو آپ نے کسی ماڈل کو کبھی گھر نہیں بلایا۔''

''اس سے پہلے تم نے کسی کے بارے میں یوں مشکوک بھی تو نہیں سمجھا تھا مجھے۔''

''کیونکہ اس سے پہلے آپ نے کسی کی تصویر اس قدر اہتمام سے اپنے بٹوے میں بھی نہیں رکھی تھی۔''

''غلطی ہوئی۔'' وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر بولا۔ ''آئندہ نہیں رکھوں گا۔''

''ہائی داوے...... وہ ملنا کیوں چاہتی ہے مجھ سے؟''

''میں نے ذکر کیا تھا، اس سے کہ اس کی تصویر جو وہ کسی میگزین کے لیے دے گئی تھی مجھے، میرے بٹوے میں دیکھ کر میری بیوی شک میں پڑ گئی ہے، بس وہ بضد ہوئی کہ میں آپ کی مسز سے ضرور ملوں گی اور انہیں بتاؤں گی کہ وہ تصویر تو میں نے کسی میگزین میں چھپنے کے لیے دی تھی۔''

''میگزین میں چھپنے کو دی تھی تو آپ کے بٹوے میں کیسے آگئی؟'' جویا نے کسی وکیل کی طرح جرح کی۔

''بھئی، وہ جرنلسٹ جس نے مجھ سے ٹینا کی تصویر کی فرمائش کی تھی، تصویر لینے کے لیے آیا ہی نہیں میرے پاس...... اور میں اس کے پاس جا نہیں سکا۔ خیر یہ بحث چھوڑو...... ٹینا بہت مصر ہے تم سے ملنے کے لیے، بلا لوں کسی روز؟''

جویا سوچ میں پڑ گئی۔

''ارے بھئی، یہ مسئلہ کشمیر نہیں، ذرا دیر کو آئے گی تم سے مل کر چلی جائے گی...... بس۔''

''ٹھیک ہے، بلا لیں۔''

''کب؟''

''جب آپ کا جی چاہے۔''

''فرائیڈے کو بلا لیں رات کے کھانے پر؟''

"بلا لیں۔"

"تم بریانی، کوفتے اور شامی کباب بنالینا۔ میں شیرمال اور آئس کریم بازار سے لے آؤں گا۔" یقین نے مینو بھی اسی وقت طے کردیا۔

"اوہو! پوری دعوت شیراز ہورہی ہے۔" جویا نے معنی خیز نگاہوں سے اسے دیکھا۔

وہ اس کی نگاہوں کی تاب نہ لاکر خجل ہوگیا۔

خوشبو کی وہ شیشی جو یقین کو مینا نے سالگرہ کے تحفے کے طور پر دی تھی، ڈریسنگ ٹیبل کی زینت بن گئی۔

☆=====☆=====☆

مینا سے مل کر جویا کو خوشی نہ ہوئی۔

اس کی رنگت شہابی تھی۔

چہرہ کتابی۔

آنکھوں میں چمک تھی۔

لبوں پر مسکراہٹ۔

ابروئیں خمیدہ تھیں۔

زلفیں تراشیدہ۔

اس کا لباس الٹرا ماڈرن تھا۔

انگریزی فرانٹے سے بولتی تھی۔

اس کے انداز و اطوار سے بے باکی عیاں تھی۔

بات بات پر ایسے قہقہے لگاتی کہ بچے بھی حیران ہوہو کر دیکھتے رہے۔

وہ بچوں کے لیے چاکلیٹ لائی تھی اور تمام وقت ان میں سے کسی کو سویٹی کسی کو ڈارلنگ کہہ کر مخاطب کرتی رہی۔

یقین سے وہ خاصی بے تکلف محسوس ہوتی تھی۔

جویا کو یہ بے تکلفی ایک آنکھ نہ بھائی۔

"یقین صاحب بتارہے تھے کہ آپ ان کے والٹ میں میری تصویر دیکھ کر بہت ناراض ہوئی تھیں۔" اس نے کھانے کے دوران جویا سے کہا۔

جویا جسے یقین سے اس کی بے تکلفی ناگوار گزر رہی تھی، چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔ "میرا خیال ہے، ان کی بیوی ہونے کے ناتے مجھے اس کا پورا حق ہے۔"

"ہاں ہاں..... کیوں نہیں۔" وہ بولی۔

جویا کو اس کا لہجہ استہزائیہ محسوس ہوا۔

جیسے وہ یقین کی بابت اپنا حق جتانے پر اس کا مذاق اڑا رہی ہو۔

"کیا آپ کے خیال میں ایک بیوی کو اپنے شوہر کی جیب میں کسی غیر عورت کی تصویر دیکھ کر

اس کی پیٹھ ٹھونکنی چاہیے۔" جویا نے چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

"اوہ نو، میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا..... میں تو دراصل آپ کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ وہ تصویر میں نے انہیں کسی جرنلسٹ کو دینے کے لیے دی تھی جو شاید اپنے میگزین میں لگانا چاہتے تھے..... آپ نے بہت اچھا کیا جو ناراض ہوئیں ان پر..... اگر میرے ہسبنڈ کے والٹ سے نکلی ہوئی کسی غیر عورت کی تصویر تو میں اس کا حشر نشر کردیتی۔" اپنے آخری جملے کے دوران مینا یقین کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھتی دکھائی دی۔

اگرچہ یقین تمام وقت محتاط رہا مگر مینا کے ناز و انداز جویا کو خاصے مشکوک محسوس ہوئے..... بار بار وہ یقین کو بڑی عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگتی۔

مینا کی آمد نے یقین کو جویا کی نظروں میں زیادہ مشکوک کردیا۔

"وہ اتنی بے تکلف کیوں ہے آپ سے؟"

"بات کرتے ہوئے اس کا ہاتھ بار بار آپ کی طرف کیوں اٹھ جاتا تھا؟"

"وہ آپ کو ایسی نظروں سے کیوں دیکھ رہی تھی؟"

"آپ کے نزدیک کیوں بیٹھی تھی؟"

"اس نے اس وقت آنکھ کیوں دبائی تھی، آپ کی طرف دیکھتے ہوئے؟"

"سکنڈ لیتے ہوئے وہ آپ کے اتنے نزدیک کیوں جھک گئی تھی؟"

یقین نے اس کے ان تمام سوالوں کے جواب میں کہا۔ "وہ ماڈرن کلاس میں گھومنے پھرنے والی لڑکی ہے وہاں یہ سب کچھ معیوب نہیں سمجھا جاتا۔"

"مجھے گڑبڑ لگتی ہے، آپ دونوں کے درمیان۔" جویا نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"پاگل ہو تم..... کوئی گڑبڑ نہیں ہے..... ہمارے درمیان دوستی ہے اور بس۔"

"کیا!" جویا نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ "دوستی! یہ مرد اور عورت میں دوستی کب سے ہونے لگی؟"

"ہائی کلاس میں ہوتی ہے۔" وہ بولا۔

"مگر آپ تو مڈل کلاس آدمی ہیں؟"

"اوہو! تم بھی زیادہ بحث مت کرو۔" وہ زچ ہوگیا۔

"میں سب سمجھتی ہوں۔"

"کیا سمجھتی ہو؟"

"آپ کا کچھ نہ کچھ چکر ضرور ہے اس سے۔"

"پاگل ہو تم..... کوئی چکر وکر نہیں ہے..... چکر چلانے والے بیویوں کو خبر نہیں ہونے دیتے..... میرے دل میں کوئی کھوٹ ہوتا تو اسے تم سے ملوانے کے لیے گھر نہ بلاتا۔"

یقین کی بات جویا کے دل کو لگی۔

واقعی وہ اگر چاہتا تو اسے کانوں کان بھی خبر نہ ہونے دیتا۔

اسے گھر کیوں بلاتا۔

وہ تو جانتا تھا کہ کبھی کبھی وہ ضرور اس کے بٹوے میں ہاتھ ڈالتی رہتی ہے اگر اسے چھپانا ہوتا تو وہ اس کی تصویر اپنے بٹوے میں کیوں رکھتا۔

ٹھیک کہہ رہا تھا وہ کہ چکر چلانے والے تو بیویوں کو خبر بھی نہیں ہونے دیتے اور سارے گل کھلا دیتے ہیں۔ مسز ربانی کے میاں بطور مثال موجود تھے۔ دوسری بیوی کے ہاں پہلی ولادت ہونے تک پہلی بیوی کو کانوں کان اپنی دوسری شادی کی خبر نہ ہونے دی۔

جویا اس کی بات سے قائل ہو کر چپ ہو رہی، تاہم اس نے اماں کو یہ سب کچھ بتانا ضروری سمجھا۔

اماں نے سنا اور خاصی تشویش سے بولیں۔ "تم اس کی بات کا اعتبار مت کرنا..... مرد بڑے گھاگ ہوتے ہیں..... اوپر اوپر معصوم بنے رہیں گے اور اندر..... ویسے بھی آج کل کی لڑکیوں سے اللہ بچائے..... ایسی حرافائیں ہوتی ہیں کہ دوسروں کے بستے بستے گھر اجاڑنے میں دیر نہیں لگاتیں۔ ایسے جادو چلاتی ہیں کہ دوسروں کی بھری سیجوں پر آ بیٹھتی ہیں..... نہ انہیں دنیا والوں کی شرم ہوتی ہے، نہ عاقبت کا خوف..... مردوں کو اپنی اداؤں سے لبھا لیتی ہیں..... یقین پر کڑی نظر رکھو۔"

"اماں ٹھیک کہتی ہیں۔" جویا نے سوچا۔

"یقین کے آنے جانے کا وقت اور جیب چیک کرو..... سیانوں کی مثل ہے کہ مرد عورت کو بیہ اور وقت دے کر آزماتا ہے اور عورت مرد کی گمراہی کو اس کے گھر آنے جانے کے وقت میں تبدیلی اور اس کی جیب کے ہلکے پن سے پکڑتی ہے۔"

اس نے چونک کر اماں کی طرف دیکھا پھر بولی۔ "کبھی کبھی دیر سے تو وہ آتے ہیں۔"

"دیکھا نا!" اماں بولیں۔

جویا کے دل پر اضطراب سا طاری ہو گیا۔

"اور جیب؟" اماں نے پوچھا۔

"جیب کا میں حساب کتاب ہی نہیں رکھتی..... جب سے ہم لوگ علیحدہ ہوئے ہیں، جتنے پیسے وہ چاہتے ہیں، تنخواہ میں سے رکھ لیتے ہیں۔"

"یہی تو تمہاری غلطی ہے، حساب کتاب رکھا کرو..... مرد کو گمراہی سے بچانا ہو تو اس کی جیب خالی رکھو..... خالی جیب والے مرد کو دوسری عورت لفٹ نہیں کراتی۔"

"اماں، ویسے زیادہ پیسے تو نہیں رکھتے وہ۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو!" اماں بولیں۔ "ہو سکتا ہے، اس نے تمہیں اپنی اصل تنخواہ ہی نہ بتائی ہو آج تک۔"

جویا نے پھر چونک کر اماں کو دیکھا۔

"مرد ذات پر اندھا اعتماد نہیں کرنا چاہیے..... مثل مشہور ہے کہ عورت اپنی عمر اور مرد اپنی تنخواہ کبھی صحیح نہیں بتاتا۔"

جویا کو ہول سی لگ گئی۔

اس رات اس نے یقین سے پوچھا۔ "ایک بات تو بتائیے؟"

"ہوں۔"

"آپ کی تنخواہ کتنی ہے؟"

وہ بے ساختہ ہنس دیا پھر بولا۔ "تمہیں معلوم تو ہے۔"

"جو مجھے معلوم ہے، میں اس کی نہیں آپ کی اصل تنخواہ کی بات کر رہی ہوں۔"

"اصل تنخواہ!" وہ حیرانی سے بولا۔ "کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب یہ کہ اپنی تنخواہ کی کتنی رقم آپ مجھ سے چھپا کر رکھتے ہیں؟"

"پاگل ہوئی ہو کیا۔"

"تھی..... اب نہیں رہی۔" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"خوب اٹھاتے ہوں گے آپ اس پر پیسے۔"

"کس پر؟"

"اسی پر جس کی تصویر بٹوے میں دبا کر سینے سے لگائے رکھتے ہیں۔"

"لاحول ولاقوۃ..... کیا ہو گیا ہے تمہیں..... کتنی مرتبہ یقین دلانا پڑے گا تمہیں کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"مجھے یقین دلانے کی ضرورت نہیں..... میں سب سمجھتی ہوں۔"

"بیوقوف ہو تم۔" اسے غصہ آ گیا۔

"آنکھیں مت دکھائیں مجھے ورنہ....."

"ورنہ؟"

"ورنہ میں سب کو بتا دوں گی۔"

"کیا بتا دو گی؟ کسے بتا دو گی؟" وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

"آپ کے گھر والوں کو بتا دوں گی کہ آج کل ایک لڑکی سے چکر چل رہا ہے آپ کا۔"

"شٹ اپ! ایسی بات کی نا تم نے امی، ابا سے تو مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا..... بس آخری فیصلہ کر دوں گا۔"

"کیا! کیا! آپ نے مجھے شٹ اپ کہا۔" جویا روہانسی ہو گئی۔

"میں تمہاری اس قسم کی نان سینس پر اس سے بھی زیادہ کہہ سکتا ہوں اور کر سکتا ہوں۔"

"کیا کہہ سکتے ہیں! " جویا جارحانہ انداز میں بولی۔ "بولیں کیا کر سکتے ہیں؟"

یقین نے غصے سے اسے گھورا پھر بولا۔ "وہ کر سکتا ہوں جو اب تک نہیں کیا۔"

"کیا! بتائیں؟"

"ابھی تک تو نہیں ہے ایسی کوئی بات لیکن تم نے مجھے زچ کیا تو چکر چلا دوں گا... ابھی سے

مجھ میں اتنا دم خم کہاں تھا کہ بچوں کو پال سکیں۔ تمہاری طرح آؤٹ ڈیٹڈ نہیں ہوا ہوں ابھی میں۔"

جویا صدمے کی کیفیت میں سن رہ گئی۔

آؤٹ ڈیٹڈ!

یقین نے آؤٹ ڈیٹڈ کہا تھا اسے!

خدایا!

کیسی توہین کی تھی اس نے اس کی!

کیا نہیں کیا تھا اس نے اس کے لیے، اس کے بچوں کے لیے اور اس گھر کے لیے!

اور اس کا انعام!

وہ اسے آؤٹ ڈیٹڈ کہہ رہا تھا۔

چند لمحے وہ صدمے کی کیفیت میں رہ گئی۔

اس کا جی بھر آیا۔

دوپٹے کا پلو منہ پر ڈھانپ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

آنسو!

عورت کے!

عورت بھی کون بیوی!

یقین شرمندہ ہو گیا۔

معذرت کرنے کی کوشش کی تو جویا نے بری طرح اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

یقین کو تضحیک محسوس ہوئی۔

"مجھے آؤٹ ڈیٹڈ کہا جا رہا ہے۔" جویا سوں سوں کرتی ہوئی بولی۔ "ہاں ہاں۔ میں تو آؤٹ ڈیٹڈ ہو چکی ہوں...... جائیں دجا کر کرلیں اس سے دوسری شادی۔"

"فکر مت کرو...... تمہاری اگر یہی حرکتیں رہیں تو کر بھی لوں گا۔" یقین نے غصے سے کہا۔

"کیا! کیا حرکتیں ہیں میری؟" جویا بھڑک کر بولی۔

"اچھا میرے منہ مت لگو۔"

"حرکتیں تو آپ کی غلط ہیں...... گھر کو گھر تھوڑی سمجھتے ہیں، سرائے سمجھا ہوا ہے...... شام کو دفتر سے آئے...... نہائے دھوئے...... ٹانگ پر ٹانگ دھر کر یا تو بالکونی میں کرسی پر بیٹھ کر نظارے بازی کرنے لگے یا پھر بستر پر لیٹ گئے...... رات گزاری، صبح ہوئی نہائے دھوئے ناشتہ کیا اور بن ٹھن کر نکل لئے دفتر...... میں ہی کمبخت رہ گئی ہوں دجان جلانے کو...... ایک جان ہزار غم...... گھر داری کروں تو میں...... سودا سلف لاؤں تو میں...... بچوں کی دیکھ بھال کروں تو میں...... انہیں ہوم ورک کرواؤں تو میں...... ان کے اسکولوں کے چکر لگاؤں تو میں...... جیسے گھر اور بچے صرف میرے ہی ہیں...... کسی اور کا تو کوئی تعلق ہی نہیں نہ گھر سے نہ......"

"اچھا اچھا، اپنا یہ لیکچر بند کرو۔" وہ اپنے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں ہاں، اب دوسری سما گئی ہے نظروں میں تو اب میری آواز بری ہی لگے گی۔"

"چپ کرتی ہو یا......"

"ہاں۔ ہاں بولیں...... چپ کیوں ہو گئے؟"

یقین نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا پھر اٹھا اور تکیہ اور چادر اٹھا کر کمرے سے نکل گیا۔

جویا دیکھتی رہ گئی پھر سوں سوں کرنے لگی۔

☆=====☆======☆

دونوں طرف ٹھن گئی۔

نہ جویا اس سے بولی۔

نہ اس نے جویا سے بات کی۔

چور چوری سے جائے ہیرا پھیری سے نہیں جاتا۔

گو پہلے کی طرح نہ تو جویا اماں کو اپنے گھر کی ایک ایک بات بتاتی تھی۔ نہ اماں اسے پہلے کی طرح سکھاتی پڑھاتی تھیں۔

جویا کی یقین اور سسرال والوں سے جھڑپوں اور زردیا کی پہلی شادی کی ناکامی نے اماں کو بہت کچھ سکھا اور سمجھا دیا تھا۔

مگر عادت تو عادت ہی ہوتی ہے، کبھی کبھی اب بھی جلوہ دکھا ہی دیتی تھی!

اب جو یہ نیا قصہ چھڑا تو جویا کو اماں ہی اپنی واحد غم گسار اور مددگار نظر آئیں۔

اماں نے کہا۔ "اپنے ساس سسر کو جا کر بتاؤ یہ ساری باتیں اور ان سے کہو بیٹے کو نکیل ڈالیں۔"

"یہ بات تو کہہ دی تھی میں نے یقین سے جو اتنے بگڑے کہ بولے، تم نے امی، ابا سے کچھ کہا تو آخری فیصلہ کردوں گا۔"

اماں جن کا طرارہ اب پہلا سا نہ رہا تھا سوچ میں پڑ گئیں۔

"سوچ رہی ہوں، زردیا کو بتاؤں اور اس سے کہوں کہ وہ ان لوگوں کے کان میں ڈالے یہ بات۔" جویا نے کہا۔

"نہیں...... نہیں۔" اماں گھبرا کر بولیں۔ "وہ چین سے بیٹھی ہے اپنے گھر میں اسے اس قصے میں مت ڈالنا۔ اس سے تو کہنا بھی مت۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری محبت میں آ کر وہ ساس سسر سے کہہ دے اور اس کی بنی بگڑ جائے۔ وہ چین سے بیٹھی ہے تو اسے چین ہی سے بیٹھا رہنے دو۔"

جویا کو اماں بڑی منافق سی لگیں۔

ایک بیٹی کا خیال تھا، دوسری کا نہیں۔

اسے زردیا سے حسد سا محسوس ہونے لگا۔

جی بھر آیا۔

اماں اس کی کیفیت تاڑ گئیں اور بولیں۔ "برا ماننے کی بات نہیں۔ تم تو ہو خیر سے اپنے علیحدہ گھر بار کی...... اپنے پیروں پر بھی کھڑی ہو...... زویا بتیس دانتوں کے بیچ رہ رہی ہے۔ اسے تمہاری طرح سسرال سے علیحدہ ہونے اور خودمختار ہونے میں ابھی کچھ وقت لگے گا...... اس کے اور اپنے معاملات کو بالکل علیحدہ ہی رکھا کرو۔"

جویا کو یوں لگا جیسے وہ کسی لق و دق میدان میں تنہا اور نہتی کھڑی رہ گئی ہو۔

"اور تم بھی کتنی ہی خودمختار سہی۔ جو قدم اٹھاؤ، سوچ سمجھ کر اٹھاؤ...... یہ سمجھنا غلط ہے کہ جو گرجتے ہیں، وہ برستے نہیں...... تم نے تو گرجنے والے بادلوں ہی کو برستے بھی دیکھا ہے۔ مرد کی نظر میں دوسری عورت بس جائے تو کمبخت بے نتھے بیل کی طرح جھومتا گھومتا ہے...... عقل سے کام لو...... اب پہلے والی بات تو رہی نہیں ہے کہ ایک گود میں دوسرا پیٹ میں لے کر تم یہاں آ بیٹھو گی اور گزارہ ہو جائے گا۔ خیر سے اب تو چار بچے ہیں۔ خدانخواستہ کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو کہاں لیے پھرو گی تم انہیں...... اور تمہارے بچے!" اماں نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ "اللہ بچائے ایسے بدذات اور فسادی بچے میں نے نہیں دیکھے...... ددھیال پہ گئے ہیں...... اور سچی بات تو یہ ہے کہ بچے سیدھے بھی ہوں تو چار کو سنبھالنا کوئی آسان بات نہیں...... ہماری تو اب ہمت نہیں رہی اور بھائی بھاوج کو تم نے دیکھ ہی لیا...... جو قدم بھی اٹھاؤ سوچ سمجھ کر اٹھانا۔"

جویا کو اماں کا چہرہ اجنبی اور لہجہ ناآشنا سا لگا۔

اس کا دل دکھنے لگا۔

"اچھا اماں چلتی ہوں۔" وہ گھر جانے کو اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کھانا تو کھا لو۔"

"نہیں، دل نہیں چاہ رہا۔"

"تم اگر کہو تو شام کو میں تمہارے ابا کے ساتھ تمہارے ہاں آ دوں اور یقین کو سمجھانے کی کوشش کروں؟"

"نہیں اماں...... رہنے دیں...... میں خود ہی نمٹوں گی۔"

اماں کے ہاں وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے گئی تھی مگر گھر لوٹی تو طبیعت زیادہ مکدر اور دل اداس تھا۔ اندر داخل ہوئی تو پورا گھر خوشبو سے مہکا پڑا تھا۔

خوشبو بھی وہ جو ان دنوں یقین استعمال کر رہا تھا۔

"یہ اتنی خوشبو کیوں آ رہی ہے ماسی؟" اس نے ملازمہ سے پوچھا۔

"بیگم صاحب! آپ ان سے پوچھو......" ملازمہ نے مریم اور علی کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا ہوا بھئی؟"

"ماما، مچھر بہت تھے ناں۔" علی منمنایا۔

"ہاں مچھر تو ہیں...... تو پھر؟"

"بیگم صاحب! میں کچن میں کام کر رہی تھی جی...... اسکول سے آئے پھر انہوں نے صاب

والی خوشبو مچھروں کی دوا والے پمپ میں ڈال کے کمرے میں چھڑک دی۔"

"ہائیں!" جویا کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

کمرے کی طرف لپکی۔

ڈریسنگ ٹیبل پر کولون کی وہ شیشی جو بیٹا نے یقین کی سالگرہ والے دن تحفے کے طور پر دی تھی، خالی دھری منہ چڑا رہی تھی۔

کیسی معصوم حماقت سرزد ہوئی تھی بچوں سے۔

کمرے سے باہر نکل کر اس نے علی اور مریم کو گھورا۔ "یہ کیا کیا تم نے؟ بابا کی پرفیوم تھی، پتا ہے کتنے ناراض ہوں گے وہ؟"

"باجی نے کہا تھا مچھر بہت ہیں۔" علی منمنایا۔

"اسپرے پمپ میں دوائی ڈالی جاتی ہے یا پرفیوم۔ کتنے بیوقوف ہو تم لوگ۔" اس نے مریم کو گھورتے ہوئے علی کا کان کھینچا۔

"سوری ماما!" وہ منمنایا۔

"اب دیکھنا، بابا کتنی پٹائی لگائیں گے تمہاری۔"

بچوں نے غلطی کی تھی، ان کی گوشمالی ضروری تھی۔

مگر درونِ دل جویا کو ایک تسکین کا احساس تھا۔

بہت اچھا ہوا!

اس خوشبو کی شیشی کی اوقات ہی یہی تھی کہ اسے غلاظت پر پلنے والے حشرات پر لٹا دیا جاتا۔

یقین نے کتنے اہتمام سے اسے ڈریسنگ ٹیبل کی زینت بنایا تھا۔

اور آج کل بلاناغہ یہی خوشبو لگا کر دفتر بھی جا رہا تھا۔

بیٹا کو خوش کرتا ہوگا کہ تمہارے تحفے کی ایسی قدر کر رہا ہوں کہ روز اسی میں رچ بس کر دفتر آتا ہوں۔

اچھا ہوا جو بچوں نے مٹا دی۔

اس کی اوقات یہی تھی۔

سنگھار میز پر آئینے کے روبرو دھری شیشی جو آئینے میں چمک چمک کر جویا کا دل جلایا کرتی تھی، بالکل خالی ہو چکی تھی۔ بچوں نے اس کا سنہری ڈھکنا بھی خدا جانے کہاں پھینک دیا تھا۔

اب تو پرفیوم کی خالی شیشیاں خریدنے والا بھی ایک ٹکا نہ دیتا اس کے عوض۔

کمبخت دو کوڑی کی ہو کر رہ گئی تھی۔

جویا کو یک گونہ تسکینِ قلب ملی۔

بے ڈھکن کی خالی شیشی اس نے ڈریسنگ ٹیبل سے اٹھا کر کوڑے دان میں ڈال دی۔

یقین دفتر سے گھر واپس لوٹا تو گھر میں داخل ہوتے ہی اس کی حسِ شامہ کے کان کھڑے ہو گئے۔

ہر خوشبو کی اپنی زبان ہوتی ہے۔

گھر میں بکھری خوشبو نے یقین کو کسی کے بتائے بنا ہی اپنی پہچان کرا دی۔

آدم بو! آدم بو والے انداز میں یقین نے کمرے کا رخ کیا۔

ڈریسنگ ٹیبل پر دیکھا۔

درازیں ٹٹولیں۔

بیٹا کی دی ہوئی خوشبو کی شیشی کہیں نہ ملی۔

جویا سے بات کرنے کا بہانہ ہاتھ آ گیا۔

"ڈریسنگ ٹیبل پر کولون کی شیشی رکھی تھی، وہ کہاں ہے؟" اس نے کمرے سے نکل کر جویا سے یوں پوچھا جیسے اس سے نہیں دیواروں سے پوچھ رہا ہو۔

وہ کچھ نہیں بولی۔

چولہے کے آگے کھڑی ہنڈیا بھونتی رہی۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں۔" اب وہ ذرا کڑے تیوروں سے بولا۔

وہ بدستور چپ رہی۔

"سنا نہیں...... میں کچھ بک رہا ہوں۔"

وہ ہنڈیا میں زور زور سے ڈوئی گھمانے لگی۔

یقین کو غصہ آ گیا۔

ایسی بھی کیا ڈھٹائی!

وہ بولے جا رہا تھا اور بیگم صاحبہ کے کان پر جوں نہیں رینگ رہی تھی۔

تضحیک محسوس کرتے ہوئے وہ آگے بڑھا اور اس نے جویا کی ڈوئی والی کلائی پوری طاقت سے دبوچ لی۔

آہ!

کہاں اس کی کلائی۔

اور کہاں یقین کے مضبوط ہاتھ کی گرفت۔

وہ تڑپ کر رہ گئی اور بے بسی سے اسے دیکھنے لگی۔

ڈوئی آپ ہی آپ اس کے ہاتھ کی گرفت سے آزاد ہو کر ہنڈیا میں رہ گئی۔

اس نے جھٹکا دے کر اپنی کلائی یقین کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کی مگر نہ چھڑا سکی۔

اس کی کمزوری اور اپنی طاقت پر مغرور نظر آنے لگا۔

"چھوڑیں...... چھوڑیں میرا ہاتھ۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔

اس کی جھنجھلاہٹ پر یقین کی مسکراہٹ گہری پڑ گئی۔

"جواب دو گی نا، میری بات کا۔"

"کون سی بات کا؟"

"جو میں تم سے پوچھ رہا تھا۔"

"کیا پوچھ رہے تھے؟"

"میری خوشبو کی شیشی کہاں گئی؟" یہ کہتے ہوئے اس نے کلائی چھوڑ دی۔

"کون سی خوشبو؟" اس نے تجاہل عارفانہ سے کہا اور چولہے کی لو دھیمی کر دی۔

"وہی جو ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی تھی۔"

جویا نے چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا اور طنز سے بولی۔ "وہی جو آپ کی چاہنے والی نے آپ کو دی تھی!"

"بکواس مت کرو۔" اس نے جھینپ کر نظریں چراتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں غصہ نہیں، پیار آمیز خفت تھی۔

سیز فائر!

یقین سے رنجش کے بعد وہ خود بھی بہت اپ سیٹ ہو جایا کرتی تھی اور جب صلح کے آثار ہوتے تو اسے اماں کی بات ہر مرتبہ یاد آتی۔ وہ کہا کرتی تھیں میاں بیوی کا رشتہ بڑا بے شرم ہوتا ہے۔ لڑتے ہیں بھڑتے ہیں پھر ایک ہو جاتے ہیں۔

اس کے دل میں گدگدی سی ہونے لگی۔

"اسے تو آپ کے صاحب زادے اور صاحب زادی نے فلیٹ پمپ میں بھر کر گھر بھر میں اسپرے کر ڈالا۔ مچھر مارنے کے لیے۔" وہ بولی۔

"کیسے؟"

"اسی کلون کو جو آپ کے جنم دن پر آپ کو تحفہ دیا گیا تھا۔"

"او نو!"

"یس۔" جویا نے دلیری سے کہا۔

"پتا ہے، کتنی مہنگی تھی!" وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

جویا منہ چھپا کر ہنسنے لگی۔

یقین کی آنکھوں میں سچ مچ کا غصہ ڈولنے لگا۔

جویا اس کے غصے کو خاطر میں نہ لائی۔

خاطر میں لاتی بھی کیوں!

"چاہے مہنگی تھی یا سستی، انہوں نے تو اسے مچھر مارنے والی دوا کی جگہ استعمال کر ڈالا۔" وہ زیر لب مسکراتے ہوئے بولی۔

"نان سینس!" یقین نے دانت پیسے۔

جویا نے مسکراتے ہوئے ایک گہری سانس کھینچی پھر بولی۔ "آپ کو خوشبو نہیں آ رہی۔ میں تو جب اسکول سے گھر لوٹی تو بہت اچھا لگا تھا، خوشبو میں ڈوبا ہوا گھر۔"

یقین نے اسے گھورا۔

"کہاں ہیں وہ؟" وہ بولا۔

"کون؟"

"وہ تمہارے بدتمیز لاڈلے!" یقین نے دانت پیسے پھر دروازے کا رخ کرتے ہوئے بولا۔

"ابھی لیتا ہوں جا کر میں ان کی خبر۔"

"میں نے ڈانٹ لگادی ہے انہیں۔"

"خاک لگاؤ گی۔" اس نے پلٹ کر اسے گھورا اور جارحانہ تیوروں سے دروازے سے نکل گیا۔

یقین کے جارحانہ تیوروں سے وہ ذرا نہ گھبرائی۔

اسے یقین تھا کہ کئی روز بعد ہونے والی اس صلح کو یقین کسی بدمزگی کی نذر نہیں کرے گا۔

کھٹ پٹ ہوتی تو اپنی اپنی جگہ دونوں ہی اپ سیٹ ہو جاتے تھے۔

ایک دوسرے سے بولے بنا خود کو ادھورا سا محسوس کرتے۔

کوشش کرتے کہ صلح کی کوئی صورت بن جائے۔

اور جب صلح ہو جاتی تو دو چار دن دونوں ہی بڑے بچھے بچھے رہا کرتے تھے گھر میں۔

جویا مزے مزے کے کھانے پکاتی۔

یقین بہت خوش خوش رہتا۔

ایک دو روز تو انہیں یوں لگتا جیسے ان کی نئی نئی شادی ہوئی ہو۔

یقین کے جانے کے بعد اس نے ہنڈیا کو پانی کا ہلکا سا چھینٹا دیا اور چولھے کی لو تھوڑی سی بڑھا کر دوبارہ ہنڈیا بھوننے لگی۔

یقین کو کچن سے گئے زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ جویا کو علی کے رونے کی آواز سنائی دی۔

چولھے کی لو نیچے کر کے اور ہنڈیا ڈھک کر وہ باہر لپکی۔

کمرے کے دروازے پر پہنچی تو دیکھا یقین دروازے کے رخ پشت کیے کھڑا تھا۔ علی اور مریم اس کے سامنے مجرموں کی طرح سر جھکائے ہوئے کھڑے تھے۔ بلال خوف زدہ سا ایک کونے میں دبکا ہوا تھا۔

علی اپنا گال سہلاتے ہوئے رو رہا تھا۔

دروازے کے رخ پشت ہونے کی وجہ سے یقین جویا کو نہ دیکھ سکا۔

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ دفعتاً یقین نے علی کا بازو پکڑ کر اسے احمق کہتے ہوئے زور کا جھٹکا دے کر اس کا بازو چھوڑ دیا۔

علی لڑکھڑایا اور اس کا سر زور سے دیوار سے جا ٹکرایا۔

اس کے منہ سے ایک چیخ کے ساتھ "سوری بابا" نکلا اور دفعتاً ناک سے خون بہہ نکلا۔

خون دیکھتے ہی جویا بپھر گئی۔

یقین گھبرا کر علی کی طرف لپکا۔

"یہ کیا کیا آپ نے!" جویا بھی تڑپ کر علی کی طرف بڑھی۔

یقین نے چونک کر شرمندگی سے جویا کی طرف دیکھا۔ اس کو غالباً "گمان" میں نہیں تھا کہ علی کے یوں چوٹ لگ جائے گی اور نہ ہی شاید وہ ایسی کوئی سزا دینا چاہتا تھا اسے۔

مگر وقت کی بات تھی۔

سر دیوار سے جا لگا اور شاید ناک پر بھی ضرب لگ گئی۔

وہ اور جویا ایک ساتھ اس کی طرف لپکے۔

یقین نے اپنی جیب سے رومال نکال کر ناک سے نکلتا ہوا خون پونچھنا چاہا تو جویا نے اس کا ہاتھ بری طرح جھٹک دیا۔

وہ دیکھتا رہ گیا۔

"اس چڑیل کے ایک چھوٹے سے تحفے کی خاطر بچے کو کس قدر بے رحمی سے زخمی کر دیا آپ نے۔" وہ یقین کو شاکی نظروں سے گھورتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"میں نے جان بوجھ کر نہیں مارا بس اچانک چوٹ لگ گئی۔" وہ خفیف ہو کر بولا۔

"جھوٹ مت بولیں...... میں نے خود دیکھا ہے...... آپ نے دھکا دیا تھا اسے۔"

وہ مزید شرمندہ دکھائی دینے لگا۔

"میں اسے تکلیف تو نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔"

"تکلیف!" وہ غرائی۔ "آپ کا بس چلے تو ان معصوموں کے اور میرے ٹکڑے کر کے چیل کوؤں کو کھلا دیں اس عورت کی خاطر۔" جویا اپنے دوپٹے کے پلو سے علی کی ناک سے نکلنے والا جیتا جیتا لہو...... پونچھتے ہوئے گلوگیر لہجے میں بولی پھر اس نے علی کا ہاتھ پکڑ کر مریم اور بلال کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "چلو بیٹا تمہارے باپ کے سر پر تو اس بھوتنی کا بھوت سوار ہے۔"

"بکواس مت کرو بچوں کے سامنے۔"

"چلائیں مت۔" وہ بھی ترکی بہ ترکی دھاڑی پھر روہانسی ہو کر بولی۔ "ایک تو زیادتی کی بچے کے ساتھ اوپر سے چلا رہے ہیں۔ دوسری عورت کا نشہ جو سوار ہے۔"

"تم پاگل ہو گئی ہو۔" اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"ہاں، ہاں میں پاگل ہو گئی ہوں...... پاگل ہو گئی ہوں میں۔" وہ ہذیانی انداز میں چلائی۔

وہ دانت بھینچے اسے دیکھتا رہا۔

جویا کو سزر بانی کا خیال آیا۔

انہوں نے بتایا تھا کہ جب شوہر کی دوسری شادی کا راز کھلنے پر وہ چیخیں چلائیں تو اس نے کہا تھا تم پاگل ہو گئی ہو۔

یقین بھی یہی کہہ رہا تھا۔

"دوسری عورتوں کے چکروں میں پڑ جانے والے مرد اپنی بیویوں کو پاگل ہی قرار دیتے ہیں۔" وہ کھوکھلے لہجے میں بولی۔

"تم نے اسے اپنے اعصاب پر سوار کر لیا ہے۔ مردوں پر شک کرنے والی عورتوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔"

"انجام!" جویا کی آنکھیں بھر آئیں۔ "انجام تو آپ کا برا ہوگا۔"

"پہلے اس کی ناک پہ کچھ لگاؤ...... خون نکلے جا رہا ہے۔"

"آپ کو کیا...... آپ کی بلا سے مر جائے۔"

"چلو بیٹے۔" یقین نے علی کو اپنی طرف کھینچنا چاہا۔ "ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں...... تمہاری ماں تو پاگل ہو گئی ہے۔"

جویا نے علی کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"ڈاکٹر کے پاس تو میں لے کر جاؤں گی اسے اور بتاؤں گی ڈاکٹر کو کہ باپ نے مارا ہے اسے ایک چڑیل کی خاطر۔"

"دیکھو...... دیکھو مجھے زیادہ غصہ مت دلاؤ۔" یقین نے تنبیہی انداز میں انگلی اٹھائی۔

"ورنہ؟ ورنہ کیا کر لیں گے آپ؟" وہ تن کر بولی۔

"کوئی غلط لفظ نکل گیا میری زبان سے تو یاد رکھو کہ اس کے بعد کچھ نہیں بچے گا نہ تمہارے پاس نہ میرے پاس۔"

"نکال دیں...... نکال دیں غلط لفظ...... مٹالیں اپنے دل کی یہ حسرت بھی۔"

"بچوں کا خیال آتا ہے۔"

"نہ کریں...... نہ کھائیں بچوں پر ترس...... بچوں کا خیال کرنے کو اللہ کا شکر ہے۔ میں کافی ہوں...... آپ...... آپ تو بس اس کا خیال کریں۔"

"دیکھو...... باز آجاؤ...... مت کرو بار بار اس کا ذکر...... مت دلاؤ مجھے طیش ورنہ......"

"ورنہ؟"

"ورنہ میں...... میرا ہاتھ اٹھ جائے گا تم پر...... اور کوئی الٹی سیدھی حرکت کر بیٹھوں گا۔"

"اٹھا لیں ہاتھ...... مجھے پتا ہے کیا کریں گے آپ...... مجھے آپ کے ارادوں کی اچھی طرح خبر ہے۔"

"کیا خبر ہے!" وہ چونک کر بولا۔

"دوسری شادی کریں گے اس سے...... اور کیا کریں گے۔"

یقین نے اسے گھورا پھر کہا۔ "مجھے یوں ہی زچ کرتی رہیں تو کر بھی لوں گا۔"

"آ گئے نا...... آ گئے نا اصل بات پر...... کھل گئے نا...... ارے مجھے تو پتا تھا کہ یہ ہوگا۔" وہ رونے لگی۔

بچے بھی گھبرا کر اس کے ساتھ رونے لگے۔

"چلو بیٹا تمہیں ڈاکٹر کو دکھا لاؤں۔" یقین نے علی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا چاہا۔

"رہنے دیں۔" جویا نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

یقین کو غصہ آ گیا۔

"کتے کی دم کو بارہ سال بھی سیدھا رکھ کر چھوڑ دو تو پھر ٹیڑھی کی ٹیڑھی۔" وہ تلخی سے بولا۔

"کیا!" اس نے تیوری بگاڑ کر اسے دیکھا۔

"اتنا کچھ ہو گیا مگر تمہیں عقل نہ آئی آج تک۔"

"میں تو جنم جنم سے بے عقل ہوں۔"

"لگتا تو یہی ہے۔"

"کیا!"

"ہاں۔"

"ہاں ہاں، بے عقل ہوں، تب ہی تو نہ اپنے تن کا ہوش ہے، نہ من کا...... کبھی آپ سے پھلی توڑنے کو نہیں کہتی۔ سارا بوجھ اس گھر کا اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا ہے میں نے۔ کوئی فرمائش نہیں کرتی آپ سے...... کچھ مانگتی نہیں آپ سے...... بے عقل ہی تو ہوں جو کولہو کے بیل کی طرح صبح سے شام تک پستی رہتی ہوں۔"

"کس نے کہا ہے پسنے کو۔"

"میں نہ چلاؤں، یہ گھر تو دو دن میں ٹھپ ہو کر رہ جائے۔"

"تم ان خوش فہم عورتوں میں سے ہو جو یہ سمجھتی ہیں کہ گھر ان کے دم سے چل رہا ہے حالاں کہ گھر مرد اور عورت دونوں کے دم سے چلتا ہے۔ میں نہ رہوں اس گھر میں تو تمہیں دو دن میں حقیقت کھل جائے۔"

"کیا حقیقت کھلے گی! ارے، آپ کرتے ہی کیا ہیں جو حقیقت کھلے گی...... بس تنخواہ ہاتھ میں لا کر تھما دیتے ہیں، وہ بھی خدا جانے پوری یا آدھی۔"

یقین نے ترچھی نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم بے عقل ہی رہو گی...... تم سے اچھی تو تمہاری بہن ہے جو عمر میں چھوٹی ہے تم سے مگر عقل میں کہیں بڑی۔"

"دوسری نظروں میں بس گئی ہے تو اب مجھ میں عیب ہی نکالیں گے۔"

"دوسری! دوسری! دوسری!" وہ زچ ہو کر بولا۔ "کان پک گئے ہیں میرے یہی ایک بات سن سن کر۔" وہ وارڈ روب کی طرف بڑھا اور اپنا کوٹ نکالتے ہوئے بولا۔ "جا رہا ہوں...... دیواروں کو سناتی رہنا اب یہی ایک بات۔"

وہ کمرے کے دروازے سے نکل گیا اور کچھ دیر بعد گھر کا بیرونی دروازہ کھلنے پھر زور سے بند ہونے کی آواز سنائی دی۔

جویا دیکھتی رہ گئی۔

بچے بہت خوف زدہ نظر آنے لگے تھے۔

علی کی ناک سے خون اب رس رس کر نکل رہا تھا۔

"ماما! اردکیں مت...... بھائی کے خون نکل رہا ہے۔" مریم بولی۔

"بابا چلے گئے ماما!" علی منہ بسور کر بولا۔

"اب ہم اکیلے رہیں گے ماما؟" مریم نے بھی منہ بسورا۔

بلال جو سہما ہوا اور چپ کھڑا تھا، ان کے نزدیک آ گیا اور جویا کی آغوش میں اپنا سر دبکانے کی جگہ تلاش کرنے لگا۔

☆=====☆=====☆

چھوٹی موٹی ہنگامی صورت حال سے نمٹنے کے لیے جویا ابتدائی طبی امداد کا تھوڑا بہت سامان اور معمولی بیماریوں کے لیے دوائیں تو رکھتی ہی تھی کہ ذرا ذرا سی بات پر ڈاکٹر کے پاس کون بھاگا پھرتا۔

علی کی ناک کو دھیرے دھیرے سے اچھی طرح صاف کرنے کے بعد اس نے ناک کا اندر باہر سے اچھی طرح معائنہ کیا۔ چھو کر دیکھا، ناک کا بانسہ آہستہ سے دبایا بھی۔ اندازہ یہی ہوا کہ چوٹ اتنی شدید نہ تھی جتنا خون نکلا تھا۔ شاید دیوار سے ٹکرانے سے نکسیر پھوٹ نکلی تھی۔ بہرحال اس نے چٹکی سے ناک کے اندر مرہم لگایا اور اوپر وکس لگادی پھر نیم گرم دودھ کا ایک کپ علی کو پلا کر بستر پر لٹا دیا۔

عائشہ پہلے ہی دوسرے کمرے میں سو رہی تھی۔

مریم اور بلال بھی بھائی کے چوٹ لگنے اور ماں باپ کی لڑائی سے ایسے سہمے کہ کچھ کھائے پیے بغیر ہی سو گئے۔

کھانا پکانا بھی ادھورا رہ گیا تھا۔

جویا کے ذہن میں ایک تلاطم سا برپا تھا۔

سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

دوپہر کو اماں کی باتوں سے اس کا دل ایسا ٹوٹا تھا کہ یاد کرتی تو رونا آتا۔

اس کے وہم گمان میں بھی نہیں تھا کہ اماں دستگیری سے یک بہ یک یوں ہاتھ کھینچ لیں گی۔

اماں سے ناامید ہونے کے بعد میکے میں کسی اور سے کیا امید رکھی جاسکتی تھی۔

سارہ آپا تو پہلے ہی کہتی تھیں کہ ساری پریشانیاں اس نے خود مول لی تھیں۔ سسرال والوں کے ساتھ مل جل کر رہ رہی ہوتی تو فائدے میں رہتی۔ زویا کی شادی کے بعد تو ان کی پند و نصائح دوآتشہ ہو گئی تھیں۔ جویا کو یہی سننا پڑتا کہ آخر زویا بھی تو رہ رہی تھی ہنسی خوشی سسرال میں، بانہیں!

بہت سوچ بچار کے بعد بالآخر جویا اس نتیجے پر پہنچی کہ اب کی بار یقین سے اماں کی مدد کے بغیر ہی معرکہ ہوگا!

وہ اس گمان میں تھی کہ یقین گھر سے نکلا ہے تو تھوڑی دیر میں واپس بھی آ جائے گا۔

مگر......!

انتظار کرتے کرتے بارہ بج گئے۔

بچے سو چکے تھے۔

گھر کے سناٹے سے اسے خوف آ رہا تھا۔

اس سے پہلے اتنی رات تک تنہا رہنے کا کبھی کوئی اتفاق نہ ہوا تھا۔

شہر میں عجیب و غریب واقعات ہو رہے تھے۔

چور لٹیرے گھروں میں گھس آتے اور وارداتیں کرتے۔

بارہ بجے کے بعد اس کی رگوں میں خوف رینگنے لگا۔

ذرا سی آہٹ پر چونک پڑتی۔

کہاں چلا گیا تھا یقین!

اماں کہا کرتی تھیں۔ "بوڑھے آدمی کو کچھ کہو تو وہ مرنے کی اور جوان آدمی بھاگنے کی دھمکی دیتا ہے۔"

یقین نے تو آج وہی مثل پوری کر دکھائی تھی۔

اسے غصہ آ رہا تھا۔

ملا کی دوڑ مسجد تک۔

اپنے گھر ہی گیا ہوگا۔

مگر وہاں گیا ہوتا تو گھر والوں میں سے کوئی نہ کوئی ادھر ضرور آیا ہوتا۔ خواہ سب بے مروتی دکھاتے، زویا ضرور آتی۔

ارے! کہیں اس چڑیل کے پاس تو نہیں چلا گیا تھا۔

کہیں ربانی صاحب کی طرح چھپ چھپا کر واردات نہ کیے بیٹھا ہو۔

اسے خفقان سا ہونے لگا۔

اکیلے پن کا خوف ماسوا تھا۔

خدانخواستہ کوئی گھس آتا گھر میں تو وہ خوف سے مر ہی جاتی۔ چار معصوم جانیں کیا بگاڑ لیتیں آنے والے کا۔

گھڑی کی سوئیاں ساڑھے بارہ پر جا پہنچیں۔

اسے دہشت ہونے لگی۔

شہر کے حالات اچھے نہیں۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تو یہی سوچتی رہے کہ یقین فلاں جگہ نہ چلا گیا ہو، فلاں جگہ نہ چلا گیا ہو اور اللہ نہ کرے، کوئی اونچ نیچ ہو جائے۔ سسرال والے تو جان کو آ جائیں گے کہ جب گھر سے چلا گیا تھا تو تم نے ہمیں اطلاع کیوں نہ دی۔

یقین کے خلاف غصے اور بدگمانی نے تشویش کا روپ دھار لیا۔

ڈرتے ڈرتے ہمت کر کے اٹھی اور اپنی سب سے جگری پڑوسن کے ہاں سے سسرال فون کیا۔

وہاں بارہ ایک بجے تک جگار کا ٹرینڈ زبین کی شادی کے بعد سے پھر پنپ اٹھا تھا۔

جویا کے ٹیلی فون نے وہاں کھلبلی مچادی۔

پڑوسن نے جویا سے کہا۔ ''اللہ رحم کرے، شہر کے حالات بہت خراب ہیں۔ خدا کرے، بھائی صاحب خیریت سے آجائیں۔ اگر کہیں آنے جانے کے لیے گاڑی کی ضرورت ہو تو تکلف مت کیجیے گا۔''

''شکریہ..... میرے سسرال والے آرہے ہیں۔''

''آج کل رات کو تو گھر سے نکلنے کا زمانہ ہی نہیں رہا..... گئے کہاں تھے بھائی صاحب؟''

''اپنے کسی کام سے نکلے تھے۔'' اس نے جھوٹ بولا۔

''ہاں مجبوری ہوتی ہے، جب ہی آدمی اپنی جان خطرے میں ڈال کر ان حالات میں گھر سے نکلتا ہے۔''

''بہت بہت شکریہ۔ میں چلوں گی۔ بچے گھر میں اکیلے سو رہے ہیں۔''

''بھائی صاحب آجائیں تو مجھے ضرور بتایئے گا۔''

''ضرور۔''

بیس پچیس منٹ کے اندر اندر امی، بابا، ذوہین اور زودیا اس کے پاس پہنچ گئے۔

امی سب سے زیادہ پریشان تھیں۔

ان لوگوں کو دیکھتے ہی جویا کو ضبط کا یارا نہ رہا اور وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''تسلی رکھو۔ تسلی رکھو بہو۔'' بابا نے اسے دلاسا دیا اور بولے۔ ''گھبرانے اور پریشان ہونے سے پریشانی کم نہیں ہوتی، بڑھتی ہے۔ یہ بتاؤ یقین کیا کہہ کر نکلے تھے گھر سے؟''

جویا نے انہیں اصل حقیقت سے آگاہ کر دینا بہتر سمجھا۔

امی جو بہت متوحش سی آئی تھیں، سارا قصہ سن کر بولیں۔ ''یہ سب کچھ تم نے پہلے بتا دیا ہوتا ہم لوگوں کو تو شاید اتنی پریشانی نہ ہوتی اس وقت۔''

''کوئی بات نہیں۔ کوئی بات نہیں بیگم صاحبہ۔'' بابا بڑے تحمل سے بولے۔ ''انسان کا ہر عمل اللہ کی رضا کا پابند ہوتا ہے۔ جب تک اس معبود نے نہیں چاہا، یہ بات ہمارے علم میں نہیں آئی۔ جب اس نے چاہا، ہمیں پتا چل گیا۔ گورا صاحب کہتا ہے اٹ از نیور ٹو لیٹ۔''

''گورا صاحب!'' امی کے لہجے میں استعجاب آمیز استفہام تھا۔

''انگریز بہادر۔'' بابا مسکرا کر بولے پھر انہوں نے جویا کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''خود کو اکیلا مت سمجھو بہو۔ ہم سب ہیں، تمہارا خیال رکھنے اور تمہارے حقوق کا تحفظ کرنے کو..... یقین نے خدانخواستہ کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو ہم سب لڑیں گے اس سے تمہارے لیے۔''

جویا کو ناقابلِ بیان تقویت کا احساس ہوا۔

امی نے بستر پر پہلو بہ پہلو لیٹے بچوں کو دیکھا اور بولیں۔ ''ایسے پیارے پیارے بچے اللہ مقدر والوں کو دیتا ہے۔ آجائیں یقین سب سے پہلے تو میں خبر لوں گی ان کی۔''

جویا کو یوں لگا جیسے وہ تنہا نہیں تھی۔

''خدانخواستہ یقین بھائی نے کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو ہم سب ان کا سوشل بائیکاٹ کر دیں گے بھابی۔'' ذوہین بولا۔

جویا کو مزید تقویت ملی۔

ابھی کچھ دیر پہلے وہ کتنی پریشان تھی۔

کس قدر تنہا اور دل شکستہ محسوس کر رہی تھی خود کو۔

احساسِ تنہائی اسے سہمائے دے رہا تھا۔

بے بسی اس کے دل کو دبوچے لے رہی تھی۔

رات کی تاریکی اسے خوف زدہ کیے دے رہی تھی۔

گھڑی کی ٹک ٹک سے بھی ڈر لگ رہا تھا اسے۔

مگر..... اب! وہ خود کو بہت قوی محسوس کر رہی تھی۔

سسرال والوں کی تسلیوں نے اس کو انوکھی تقویت بخش دی تھی۔

شادی کے بعد پہلی مرتبہ اسے سسرال والوں کا وجود گراں قدر اور معتبر محسوس ہوا۔

اماں نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا تھا۔ ''اللہ بچائے، ایسے بدذات اور فسادی بچے میں نے نہیں دیکھے۔''

امی کہہ رہی تھیں۔ ''ایسے پیارے پیارے بچے تو اللہ مقدر والوں کو دیتا ہے۔''

جویا کو ایک انگریزی کہاوت یاد آرہی تھی۔

اے فرینڈ ان نیڈ از اے فرینڈ انڈیڈ۔

دوست وہی ہے جو وقت پر کام آجائے۔

سسرال والے اس کی ایک ٹیلی فون کال پر لپکے چلے آئے تھے اور اسے تسلیاں دے رہے تھے۔

یہ احساس جاں فزا تھا کہ اس کے سسرالی رشتے داروں میں زودیا اس کی بہن بھی شامل تھی۔

''فی الحال تو تم گھر چلو بہو۔ تمہیں اور بچوں کو گھر پہنچا کر میں اور ذوہین میاں صاحب بہادر کی تلاش میں نکلتے ہیں۔''

''مگر بچے تو سو رہے ہیں۔''

''نو پرابلم بہو۔ میں، تم، ذوہین میاں اور زودیا بیٹی ایک ایک کو اٹھا لیتے ہیں۔ گاڑی میں جس کو لٹا سکے، لٹا دیں گے جسے گود میں لے کر بیٹھنا پڑا، بیٹھ جائیں گے۔ آؤ بھئی، تم دونوں، بسم اللہ کرو۔'' بابا نے ذوہین اور زودیا سے کہا۔

''بچوں کا ضروری سامان بھی لینا ہوگا مجھے۔''

''لے لو۔''

''بابا، ایسا نہیں ہو سکتا کہ امی اور زودیا یہاں رہیں اور آپ دونوں انہیں تلاش کر آئیں۔''

''ہو تو سکتا ہے لیکن کیا حرج ہے اگر تم وہاں چلی چلو..... یا ہے کچھ حرج؟'' بابا نے آخری

فقرے پر اسے گہری نگاہوں سے دیکھا۔

"نہیں حرج تو کوئی نہیں۔"

"تو پھر چلو۔ وہاں ایک فائدہ یہ ہوگا کہ پہلے تو صاحب زادے کی کھوج فون کے ذریعے لگانے کی کوشش کریں گے اگر نہ پتا چلا اور ہمیں باہر جانا پڑا تو ہم باہر سے تم سے فون پر رابطہ قائم کرسکیں گے۔ میرا مطلب ہے، وہاں فون کی سہولت میسر ہے جو یہاں نہیں ہے۔"

جواز معقول تھا۔

جویا کو ان کے ساتھ جانے کے لئے اٹھنا پڑا۔

"صبح ملازمہ بھی آئے گی کام پر۔" جاتے جاتے جویا کو خیال آیا۔

"دروازہ بند دیکھ کر واپس چلی جائے گی۔ آخر اسے بھی تو اتفاقی چھٹی کا حق ہونا چاہئے۔"

گھر پہنچتے پر زردیا نے فٹافٹ بچوں کے لیٹنے کا بندوبست کر دیا۔

امی نے علی کو اپنے بستر پر لٹانے کو کہا اور اسے بار بار پیار کیا۔

جویا دیکھتی رہی۔

کتنا پیار کر رہی تھیں وہ اسے۔

بابا یقین کے چند قریبی دوستوں سے فون پر رابطہ کرنے بیٹھ گئے۔

"بجو، آپ نے کچھ کھایا پیا بھی کہ نہیں؟" زردیا نے پوچھا۔

"ارے کہاں کھایا ہوگا، پریشانی میں کھانے پینے کا خیال کسے رہتا ہے۔" امی بولیں پھر انہوں نے زردیا کو ہدایت کی۔ "تم بہن کو کھانا دانا کھلاؤ، جا کے بنا کر دو۔"

"نہیں۔ کچھ نہیں۔ میرا بالکل دل نہیں چاہ رہا۔"

"میں آپ کو زبردستی کھلاؤں گی۔" زردیا بولی پھر اس نے مزید کہا۔ "آپ اطمینان رکھیے بجو، امی اور بابا یقین کو ایسی ویسی کوئی حرکت نہیں کرنے دیں گے۔"

"ارے وہ کر کے تو دیکھیں۔ دودھ نہیں بخشوں گی۔"

جویا نے چونک کر امی کو دیکھا۔ یہ تو اس کی اپنی اماں کا ہتھیار تھا۔ امی کہاں لے کھڑی ہوئی تھیں۔

"تم فکر مت کرو۔ آنے دو یقین کو، اچھی طرح خبر لوں گی۔ شریف خاندانوں میں کوئی اس طرح کی باتیں ہوتی ہیں۔" امی نے اُس کی ڈھارس بندھائی اور جھک کر علی کی پیشانی کو آہستہ سے چوم کر بولیں۔

"بچے تو پھول ہوتے ہیں۔ کس نے کہا ہے کہ انہیں ڈرا دھمکا دیا مار دو..... میرا تو کلیجہ منہ کو آنے لگا، یہ سن کر کہ یقین نے بچے کو اس بری طرح مارا ہے۔" امی نے توقف کیا اور جویا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہاں میرے پاس آ کر بیٹھو۔"

جویا ان کے پاس جا بیٹھی۔

"اس گھر کی عزت ہو تم...... مجال ہے کہ کوئی دوسری عورت تمہارے حق پر ڈاکا ڈال سکے۔"

جویا کی بہت ڈھارس بندھی۔

تبھی بابا کمرے میں داخل ہوئے اور انہوں نے کہا۔ "صاحب زادے کے ایک قریبی دوست سے معلوم ہوا ہے کہ گیارہ ساڑھے گیارہ بجے تک حضرت انہی کے پاس تھے۔"

"شکر ہے، کچھ تو معلوم ہوا۔"

"باقی بھی معلوم ہو جائے گا۔ یقین کے ایک اور قریبی دوست کا نمبر مستقل انگیج مل رہا ہے۔ لگتا ہے، خراب ہے۔ میں اور ذہین میاں ان کے ہاں جا کر دیکھتے ہیں۔"

"ڈیڑھ بجنے کو ہے ماسٹر صاحب۔ اس وقت کسی کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے تو وہ کیا کہے گا۔ اب اس وقت کہیں مت جائیے۔"

"حیرت ہے!" بابا نے بے یقینی سے امی کو دیکھا۔

"کس بات پر؟" امی نے پوچھا۔

"کہ آپ جو بہو کی ٹیلی فون کال پر اتنی گھبرا گئی تھیں کہ ہاتھ پاؤں چھوڑ دیے تھے، اب اس وقت اتنے اطمینان سے کہہ رہی ہیں کہ کہیں مت جائیے۔"

"آپ ہی تو کہتے ہیں ماسٹر صاحب کہ دل کی گواہی سب سے سچی گواہی ہوتی ہے۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ یقین جہاں بھی ہیں خیریت سے ہیں اور ان شاء اللہ گھر ہی آئیں گے۔"

"ان شاء اللہ!"

تبھی زردیا جویا کے لیے کھانے کی ٹرے لے آئی۔

"بجو کھاؤ پیو اور آرام سے سو رہو۔ یقین میاں کی کوئی خیر خبر نہ پتا چلتی تو فکر کی بات تھی مگر خدا کا شکر ہے کہ اتنا معلوم ہو گیا کہ ساڑھے گیارہ تک وہ اپنے دوست کے پاس تھے۔"

"تم خوامخواہ لے آئیں، میرا تو کچھ بھی کھانے کو دل نہیں چاہ رہا۔" جویا نے زردیا سے کہا۔

"کھا لو شاباش۔" امی بڑے پیار سے بولیں۔ "رات کو آنتیں خالی نہیں رکھنی چاہئیں۔" جویا کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی مضبوط حصار میں آ بیٹھی ہو۔

"بجو مجھے لگتا ہے، نوالے بنا کے زبردستی آپ کو کھلانا پڑیں گے۔" زردیا اُس کے سر پر کھڑی تھی۔

"کھا لو بہو کھانا سامنے آئے تو اسے واپس نہیں کرتے۔" بابا نے کہا۔

تبھی ٹیلی فون کی گھنٹی نے سب کے کان کھڑے کر دیے۔

"خدا خیر کی خبر سنائے۔" امی نے بے ساختہ کہا۔

بابا کال ریسیو کرنے کو اٹھے تو ان کے پیچھے پیچھے امی، جویا اور زردیا تینوں ہی لپکیں۔ ذہین بابا کے پہنچنے سے پہلے ہی کال ریسیو کر چکا تھا۔ کال جویا کے میکے سے تھی۔ اماں جویا اور بچوں کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔

"جی ہاں، بڑی بہو اور بچے یہیں ہیں۔" بابا نے ذہین سے فون لے کر انہیں بتایا پھر بولے۔

"آپ کو کیسے خبر ہوئی؟"

"یقیناً ان کی تلاش میں یہاں آئے ہیں۔"

"کب؟"

"ابھی ابھی۔ ہم سب تو پریشان ہو گئے ان کی زبانی یہ سن کر کہ جویا اور بچے گھر پر نہیں تھے۔"

"بہن! یقین ہیں یا گئے؟" بابا نے پوچھا۔

"ہیں۔"

"اگر نزدیک ہیں تو ذرا فون دیجئے گا انہیں۔"

اماں نے ریسیور یقین کو تھما دیا۔

"السلام علیکم بابا۔"

"وعلیکم السلام۔ صاحب زادے، بہو اور بچے تو گھر ہی پر تھے، آپ یہ بتائیے کہ آپ کہاں غائب تھے۔ فوراً یہاں پہنچئے۔"

"اس وقت؟"

"جی ہاں..... ابھی اور اسی وقت۔"

"جی بہتر۔"

"اور فون اپنی خوش دامن صاحبہ کو دو۔"

اماں دوبارہ لائن پر تھیں۔

"بہن! آپ فکر مند نہ ہوں۔ بہو اور بچے یہاں ہیں ہمارے پاس اور بہ خیریت ہیں۔ آپ اطمینان سے سو جائیں۔"

☆=====☆=====☆

یقین گھر پہنچا تو بابا نے آڑے ہاتھوں لیا۔

"کہاں تھے؟" انہوں نے کڑک کر پوچھا۔

"ک..... کہیں نہیں۔" وہ اٹکتے ہوئے بولا۔

"ٹالنے کی کوشش مت کرو..... مجھے اپنے سوالوں کا درست اور سچ جواب چاہئے۔"

یقین نے دزدیدہ نظروں سے بابا کو دیکھا۔

ان کے لہجے کی درشتی سے عیاں تھا کہ وہ بہت غصے میں تھے۔

"بولو!" انہوں نے تقاضا کیا۔

امی اور جویا کی موجودگی میں بابا کے درشت لہجے نے یقین کو خفیف کر دیا تھا۔

ذہین اور زویا موقعے کی نزاکت دیکھتے ہوئے یقین کے آنے کے بعد اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔

"آپ کو..... آپ کو پتا تو ہے بابا کہ میں کہاں سے آ رہا ہوں۔" یقین دبی زبان سے بولا۔

"صاحب زادے میں اس سے قبل کی بات کر رہا ہوں۔"

"اپنے..... اپنے ایک دوست کے ہاں گیا تھا۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

"رات کو گھر میں رہا جاتا ہے یا دوستوں کے ہاں چوکڑی جمائی جاتی ہے؟"

وہ چپ رہا۔

سر جھک گیا۔

"شریف مرد رات کے وقت گھر میں بیوی بچوں کے محافظ بن کر رہتے ہیں یا اڑے اڑے پھرتے ہیں؟"

یقین نے کن انکھیوں سے جویا کو دیکھا۔

کیسی سیدھی بنی بیٹھی تھی اس وقت!

یقین کے جی میں آیا، بابا سے کہے۔ "جب عورت بے چارے مرد کو گھر میں چین اور سکون سے نہ رہنے دے تو وہ گھر میں بیٹھ کر کیا کرے؟"

مگر بابا کے تیوروں نے اسے چپ رہنے کی صلاح دی۔

"اور یہ..... یہ کیا سن رہا ہوں میں؟" بابا نے پہلے سے بھی زیادہ کڑک کر پوچھا۔

''کیا؟ کیا بابا!'' وہ بے ساختہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

''کس چکر میں ہو؟''

''کسی...... کسی چکر میں نہیں۔'' یقین نے بابا کی بات کے جواب میں کہا اور جویا کو مشتبہ نظروں سے دیکھا۔

''جھوٹ مت بولو۔'' بابا نے غصے سے کہا۔

وہ شرمندہ ہو گیا۔

''کون ہے وہ لڑکی؟'' بابا نے ڈپٹ کر پوچھا۔

یقین کا شبہ کہ جویا نے گھر والوں کو خوب اچھی طرح ورغلایا تھا، یقین میں بدل گیا۔

اس نے خشونت سے جویا کو دیکھا۔

جویا نے نظریں چرالیں۔

''پوچھوں گا اس سے اچھی طرح۔'' یقین نے دل ہی دل میں سوچا۔

''کون ہے وہ؟'' بابا نے گرج کر کہا۔

''کو...... کوئی نہیں بابا!''

بابا نے اسے گھورا اور بولے۔ ''تمہارا چہرہ تمہارے جھوٹ کی گواہی دے رہا ہے۔''

یقین نے شرمندہ ہو کر نظریں چرالیں۔

''شریف مردوں کے یہ رنگ ڈھنگ ہوتے ہیں؟''

اس نے کن انکھیوں سے جویا کی طرف دیکھا۔

کیسی خوشی اور طمانیت تھی اس کے چہرے پر!

اسے جویا پر غصہ آنے لگا۔

اسی کی وجہ سے بابا ڈانٹ پھٹکار رہے تھے اسے۔

''بابا...... وہم ہے اس کا...... بیوقوف ہے یہ عورت۔'' وہ جویا کو دیکھتے ہوئے بابا سے بولا۔

''تمیز سے...... ذرا تمیز سے......'' بابا نے ڈانٹا۔

''دھیمے لہجے میں بات کرو۔'' امی بولیں۔

اس نے سٹپٹا کر امی کو دیکھا۔

وہ بھی جویا کی طرف داری کر رہی تھیں!

''کیا قصہ ہے؟ سچ سچ بتا دو۔'' امی نے کہا۔

''کوئی قصہ نہیں ہے امی۔''

''بیٹا! یہ میں نہیں مان سکتی...... رائی ہو تو پہاڑ بنتا ہے۔''

''امی...... وہ ایک ماڈل ہے، ہمارے آفس میں اس کا آنا جانا ہے...... اور......''

''اور......؟''

''اور...... اور اس سے میری دوستی ہے بس۔''

''دوستی!'' بابا نے تعجب سے کہا۔

''جی!'' وہ بڑے اطمینان سے بولا۔

''دوستی!'' بابا کے لہجے میں اب استعجاب سے زیادہ اعتراض تھا۔

وہ بابا کو دیکھنے لگا۔

امی نے کچھ کہنا چاہا مگر بابا نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا پھر رُوئے سخن یقین کی طرف کر کے استفہامیہ لہجے میں بولے۔ ''مسلمان ہو؟''

یقین انہیں اس طرح دیکھنے لگا، جیسے کہتا ہو، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟

''بولو!'' بابا نے زیادہ شدومد سے کہا۔

''جی!'' وہ دھیرے سے بولا۔

''مسلمان ہو اور ایسی نازیبا بات کرتے ہو!''

نازیبا بات!

یقین کے چہرے پر استعجاب آمیز تذبذب ڈولنے لگا۔

کیا نازیبا بات کر دی تھی اس نے؟

''مسلم معاشرے میں مرد اور عورت کی دوستی کا کوئی تصور ہے؟'' بابا کے لہجے سے ناگواری عیاں تھی۔

وہ سمجھ گیا کہ بابا کو اس کی کون سی بات نازیبا لگی تھی۔

''ہے کوئی تصور؟'' بابا غصے سے بولے۔

اس نے سر جھکا لیا۔

''اسلام تو حجاب کی تعلیم دیتا ہے...... محرم اور نامحرم کا فرق سکھاتا ہے۔ سگے بھائی اور بہن کے درمیان بھی تمیز، تکلف اور حجاب کی تلقین کرتا ہے اور تم...... تم مسلمان ہو کر ایک غیر خاتون سے دوستی کا علی الاعلان یوں اعتراف کر رہے ہو جیسے کوئی قابلِ فخر بات ہو۔''

یقین کا سر اور جھک گیا۔

''بہت افسوس کی بات ہے۔'' بابا نے ناگواری سے کہا۔

''میری...... میری جاب کی نوعیت ہی ایسی ہے بابا کہ......''

''کہ؟'' بابا نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''آفس میں خواتین کی آمدورفت بھی رہتی ہے اور...... ان سے...... ان سے تعلق رہتا ہے۔'' وہ دھیمی آواز میں بولا۔

''صاحب زادے! جاب کو حدود و قیود کا پابند ہونا چاہیے۔''

امی نے یقین کو شرمندہ اور اس کا سر جھکا ہوا دیکھا تو بولیں۔ ''ماسٹر صاحب! کبھی کبھی مجبوری ہوتی ہے۔''

بابا جو امی کی بات پر چونک کر انہیں دیکھنے لگے تھے، تیوری پر بل ڈال کر بولے۔

"مجبوری......! کیسی مجبوری بیگم صاحبہ!"

"نوکری مجبوری اور پابندی کا نام ہے...... آدمی کو کبھی کبھی نوکری کی پابندی کی خاطر مجبوراً وہ کچھ کرنا پڑ جاتا ہے جو وہ نہیں کرنا چاہتا۔"

"میرا خیال ہے، کوئی نوکری مرد کو عورت سے دوستی کا پابند نہیں کرتی اور اگر کوئی ملازمت ایسی مجبوری کا پابند کرتی ہے، کسی مرد کو تو مسلمان ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی نوکری کو فوراً خیر باد کہہ دیا جائے۔" بابا بولے۔

"اور گزارہ کیسے ہوگا؟ گھر کیسے چلے گا؟"

"خدا مسبب الاسباب ہے۔" بابا دوٹوک لہجے میں بولے۔

"ہاں، وہ تو خیر بھی کا رازق ہے۔" امی نے کہا۔

"ویسے میں آپ کو دو سو فیصد یقین دلاتا ہوں بیگم صاحبہ کہ الحمدللہ ہم ابھی اتنے مادر پدر آزاد نہیں ہوئے ہیں کہ کوئی ملازمت عورت اور مرد کی دوستی کو مجبوری یا پابندی قرار دے ڈالے۔"

امی نے بابا کو دیکھا۔

بابا نے روئے سخن یقین کی جانب کیا اور بولے۔ "صاحب زادے! آپ کی والدہ نے مجھے معترض نگاہوں سے دیکھا ہے...... شاید یقین نہیں آیا ہے انہیں میری بات کا۔"

امی جھینپ سی گئیں پھر بولیں۔ "کون کہتا ہے ماسٹر صاحب، کہ مجھے آپ کی بات کا یقین نہیں آیا ہے؟"

"بعض باتیں کہے بغیر ہی سمجھی جا سکتی ہیں۔" بابا بولے۔

"ارے آپ کی بات کا یقین نہ کر کے کہاں ٹھکانا پاؤں گی میں...... ساری زندگی آپ کے سنگ لگا آمنا صدقنا جاتا ہے۔" امی کے لہجے میں شکوہ کن کیفیت تھی۔

"غلط فہمی کی معافی چاہتا ہوں" بابا نے ہاتھ جوڑتے ہوئے معذرت خواہی کی۔

"مجھے گنہگار نہ کیجئے۔" امی نے بابا کو دست بستہ دیکھ کر کہا۔

بابا کا موڈ بدل گیا تھا۔

"بہت شرم کی بات ہے یقین!" غصہ بابا کے چہرے سے سمٹ کر امی کی آنکھوں سے جھانکنے لگا۔

یقین نے بے ساختہ چونک کر امی کو دیکھا۔ اچانک ہی تیور بدل گئے تھے ان کے۔

"گھر میں بیوی کے ہوتے غیر عورتوں پر نظر رکھتے ہوئے شرم آنی چاہئے آدمی کو۔" امی بولیں۔

بابا ان کی بات پر دھیرے سے مسکرا دیے۔ پھر بولے "گھر میں بیوی نہ بھی ہو تب بھی مرد کو غیر عورتوں پر نظر یا ان سے مراسم نہیں رکھنے چاہئیں۔"

یقین پانی پانی ہوا جا رہا تھا۔

جویا پر اسے از حد غصہ آ رہا تھا۔

اسی کا کہا سنا بھگت رہا تھا وہ!

اسی نے کان بھرے تھے امی اور بابا کے۔

اور اس وقت نظریں چرائے معصوم بنی بیٹھی تھی۔

ذرا نظریں تو ملائے۔

آنکھوں ہی سے مار دوں گا۔

اکیلے میں ایسے ہاتھ جڑوں گا کہ ساری عمر یاد رکھے گی۔

رسوا کر دیا اس نے گھر والوں کے سامنے۔

یقین کا خون کھول رہا تھا۔

اس نے جویا کو کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو بیوی کو؟" بابا نے پاٹ دار آواز میں گھڑکی لگائی۔

وہ سٹپٹا گیا۔

"چوری اور سینہ زوری۔" بابا نے مزید ڈانٹا۔

اس نے خفیف ہو کر نگاہیں جھکا لیں۔

جویا کے خلاف دل میں ایک طوفان سا بپا تھا۔

"اور تم نے بچے کو اتنی بے دردی سے کیوں مارا؟" امی نے اپنے بستر پہ لیٹے علی کے وجود پر بصد محبت ہاتھ پھیرتے ہوئے یقین سے جواب طلبی کی۔

"غل...... غلطی سے لگ گئی امی۔"

"ایسی غلطی!"

"میرا مقصد اسے تکلیف پہنچانا ہرگز نہیں تھا۔" وہ شرمندہ ہو کر بولا۔

"مگر آپ نے پہنچا تو دی؟" بابا بولے۔

"آئی فیل سوری بابا...... میں اسے تنبیہ کرنا چاہتا تھا۔ نادانستگی میں چوٹ لگ گئی۔"

"تنبیہ اس طرح کی جاتی ہے؟" امی بولیں۔ "تم نے بھی سیکڑوں، ہزاروں غلطیاں کی ہوں گی بچپن میں...... ہم بھی اگر اسی طرح تنبیہ کرنے لگتے تمہیں تو تمہارا اللہ ہی حافظ تھا۔"

"امی تمہاری ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" بابا نے تائید کی۔

"بابا...... میں بھی...... میں بھی علی کا دشمن تو نہیں ہوں...... باپ ہوں اس کا۔" وہ دھیمی آواز میں بولا۔

"بابا ذرا پوچھئے تو ان سے کہ باپ ہونے کے ناتے یہ کیا کرتے ہیں بچوں کے لئے؟" جویا جو اب تک خاموش تھی بولی۔

اس کا بولنا غضب ہو گیا۔

یقین نے شعلہ بار نگاہوں سے اسے دیکھا اور بھبک کر بولا۔ "جو میرے اختیار میں ہے...... میرا فرض ہے وہ کرتا ہوں۔"

”ذرا بتائیں تو سہی کیا کرتے ہیں......؟“ جویا نے ٹیڑھی نظروں سے اسے دیکھا۔

”جو کماتا ہوں، لا کر تمہارے ہاتھ پر رکھ دیتا ہوں۔“

”بس!“ جویا نے استہزائیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ وہ اس کی نگاہوں کی تاب نہ لا کر تڑپ اٹھا۔

”کیا بس اتنا ہی فرض ہے آپ کا؟“ جویا نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا پھر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر ہی امی اور بابا کی جانب ڈوئے سخن کیا اور یقین کے خلاف شکایتوں حکایتوں کا دفتر کھول دیا جس کا لب لباب یہ تھا کہ یقین ماسوا روزی کمانے کے گھر اور بچوں کی کسی ذمہ داری میں اس کا ہاتھ نہیں بٹاتا جو کچھ کرنا پڑتا ہے، اسے تنہا ہی کرنا پڑتا ہے۔

وہ سنتا رہا اور جویا کے چپ ہو جانے پر بولا۔ ”بس یا ابھی کچھ اور باقی رہ گیا ہے کہنے کو؟“

جویا نے شاکی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”تم کوئی انوکھی عورت نہیں ہو جو یہ سب کچھ کرتی ہے...... عورتیں اس سے بھی زیادہ ذمے داریاں پوری کرتی ہیں۔“

”سن رہے ہیں بابا!“ جویا نے شاکی لہجے میں کہا۔

”ہاں بہو سن رہا ہوں۔“ بابا نے پل بھر کو توقف کیا پھر بولے۔ ”غلط نہیں کہہ رہے ہیں یقین۔“

جویا نے ٹپٹا کر بابا کو دیکھا پھر یقین کی جانب نگاہ کی جو بابا کی طرف سے تائید پا کر پھول سا گیا تھا۔

”حقیقت یہی ہے۔“ بابا نے مزید کہا۔

جویا کے چہرے سے کچھ ایسی کیفیت جھلکنے لگی جیسے منجدھار میں پتوار اس کے ہاتھ سے یک بیک چھوٹ گیا ہو۔

”یہ حقیقت ہے کہ آج کی عورت نے بہت ذمے داریاں لے لی ہیں اپنے سر!“

جویا نے بے بسی سے بابا کو دیکھا جو اسی کی جانب ہمدردانہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

”ہماری پڑھی لکھی ملازمت پیشہ خواتین کی ٹریجڈی یہ ہے کہ انہوں نے گھر ہی نہیں، گھر سے باہر بھی بہت سی ایسی ذمے داریاں اپنے سر لے لی ہیں جنہیں کلیتاً مرد کی ذمے داری ہونا چاہئے۔“ بابا کے لہجے میں ملال اور دلسوزی کی کیفیت تھی۔

یقین کے چہرے پر بکھری خوشی اور طمانیت کا رنگ ہلکا پڑ گیا۔

بابا نے جویا کی طرف دیکھا اور بولے۔ ”غلطی تمہاری بھی ہے بہو...... اتنی ذمے داریاں نہیں لینی چاہئے تھیں تمہیں اپنے سر!“

”پڑھی لکھی ملازمت پیشہ عورت سے ہمارا معاشرہ دوہری توقعات رکھتا ہے۔“ بابا نے جویا کو ہمدردانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

جویا کا دل آپ اپنی ہی حالت پر دکھنے لگا۔

اب کیا ہو سکتا تھا بھلا!

سر پر ان گنت ذمے داریوں کا بوجھ اٹھائے وہ بے یار و مددگار کھڑی تھی۔

معاشرہ اس سے دوہری توقعات منسوب کیے ہوئے تھا۔

کہ وہ گھرداری بھی کرے گی۔

اور گھر سے باہر ملازمتی ذمے داریاں بھی احسن طریقے سے سرانجام دے گی۔

”لیکن......“ بابا نے یقین کو تنبیہی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مرد بس روزی کمانے ہی کو اپنا فرض سمجھے اور گھر اور بچوں کی ذمے داریوں سے ہاتھ کھینچ کر سب کچھ بے چاری عورت پر چھوڑ دے...... یہ کہاں کا انصاف ہے کہ عورت گھر بھی سنبھالے اور معاشرتی ذمے داریوں میں مرد کا ہاتھ بٹانے کے علاوہ گھر سے باہر کی ذمے داریوں کا بوجھ بھی اٹھائے...... مرد کو گھر سے باہر کی ذمے داریاں تو خیر پوری کرنی ہی چاہئیں، گھر کے اندر بھی اسے عورت کا ہاتھ بٹانا چاہئے۔“

”سوری بابا...... میں ڈش واشنگ کر سکتا ہوں، نہ بچوں کے ہاتھ منہ دھلا سکتا ہوں۔“ یقین ناگواری سے بولا۔

”کیوں؟ کیوں نہیں کر سکتے؟“ بابا نے تیز نظروں سے اسے دیکھا پھر بولے۔ ”بچے صرف بہو کے نہیں، تمہارے بھی ہیں۔ تم نہیں دھلاؤ گے ان کے ہاتھ منہ تو کیا پڑوسی دھلائیں گے؟“

یقین، بابا کی نگاہوں کی کاٹ سے شرمندہ ہو گیا۔

”بابا، یہ مردوں کا کام تو نہیں۔“ وہ دبی زبان سے بولا۔

”کیوں؟ مردوں کے سرخاب کے پر لگے ہیں کیا؟“ بابا نے کہا۔

”یقین یہ بات تو ٹھیک کہہ رہے ہیں ماسٹر صاحب!“ امی نے مداخلت کی۔

”کون سی بات بیگم صاحبہ!“ بابا نے تجاہل عارفانہ سے کہا۔

”یہی کہ بچوں کا ہاتھ منہ دھلانا مردوں کو زیب نہیں دیتا...... یہ عورت کا کام ہے اسی کو سجے۔“

بابا دھیرے سے مسکرا دیئے پھر بولے۔ ”بیگم صاحبہ! آقائے نامدار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی کوئی اور ہستی ہو سکتی ہے اس دنیا میں...... جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعتراض نہ ہوا ازواج مطہرات کی خانگی ذمے داریوں میں ان کا ہاتھ بٹانے میں تو ہم جو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خاک پا ہیں، ہمیں تردد کیوں؟“

امی لاجواب ہو کر بابا کا منہ دیکھنے لگیں۔

”صاحبزادے!“ بابا نے یقین کی جانب دیکھا اور بولے۔ ”جو انسان اندھیرے میں ہو، اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے ہدایت کی روشنی حاصل کرنی چاہئے۔ ماشاء اللہ پڑھے لکھے ہو، زیادہ نہیں تو اسکول کالج میں تو اسلامیات پڑھی ہی ہو گی تم نے...... کیا سلوک تھا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواج مطہرات کے ساتھ؟“

یقین قائل اور لاجواب نظر آنے لگا۔

''امورِ خانہ داری میں خوشی خوشی ہاتھ بٹاتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم...... جھاڑو دینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تردد نہ ہوتا...... لباسِ مبارک کو پیوند لگا لیتے...... پاپوشِ مبارک کی مرمت خود فرما لیتے...... گھر کے کسی کام کاج میں ازواجِ مطہرات کا ہاتھ بٹانے میں عار نہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔'' بابا نے لمحے بھر کو توقف کیا پھر یقین سے بولے۔'' کیا ہمارے لیے یہ مینارہ نور زندگی کے ہر راستے پر ہمیں راہ دکھانے کو کافی نہیں؟''

یقین نے سر جھکا لیا۔

جویا نے فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''لیکن غلطی تمہاری بھی کم نہیں ہے بہو۔'' بابا کی آواز نے جویا کو چونکنے اور سٹپٹانے پر مجبور کر دیا۔

''جی!'' وہ چونک کر بولی۔

''مغرب کی عورت کی تقلید میں خود انحصاری اور خود مختاری کی دھن میں تم اسلامی معاشرے کی عورتوں نے بھی اتنا بوجھ اٹھا لیا ہے اپنے کمزور شانوں پر کہ اب ہانپ رہی ہو۔ مرد کے حصے کا بوجھ بھی تم عورتوں بالخصوص آج کی پڑھی لکھی اور ملازمت پیشہ عورتوں نے اپنی مرضی سے اتنی خوشی خوشی اپنے سر لے لیا ہے کہ مرد تو بے نتھا بیل بن گیا ہے۔''

''مزے آ گئے مردوں کے تو۔'' امی نے دخل دیا۔

''اور کیا۔'' بابا نے تائید کی اور جویا کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔'' جب گھر کا سودا سلف تم خود ڈھو کر بازار سے گھر لاتی ہو تو مرد کو کیا پڑی ہے کہ وہ اس کھڑاگ میں پڑے۔ جب قصابوں اور کنجڑوں سے تم خود سودا کر لیتی ہو تو مرد کیوں جائیں، ان کی یاترا کرنے...... جب بچوں کو پڑھانا لکھانا اور اسکول لانا لے جانا، تم نے اپنی ذمے داری باور کر لیا ہے تو مردوں کو کیا پڑی ہے کہ یہ بچوں کو پڑھانا لکھانا اور انہیں سکول پہنچانا اور گھر واپس لانا اپنی ذمے داری بلکہ فرض سمجھیں۔''

امی نے تائید میں سر ہلایا۔

بابا نے امی کو دیکھا پھر دھیرے سے مسکراتے ہوئے جویا کی طرف دوبارہ متوجہ ہو کر بولے۔

''بھئی سچ تو یہ ہے کہ آج کی پڑھی لکھی، روشن خیال، ملازمت پیشہ اور خود مختار عورت کے مقابلے میں گزری ہوئی کل کی وہ عورت بہت عافیت میں تھی جو ہاتھ میں تھیلا لٹکائے قصاب کی دکان پر گوشت لینے نہیں جاتی تھی بلکہ علی الصبح شوہر نامدار کے ہاتھ میں تھیلا پکڑا دیتی تھی کہ پہلے پکانے کو گوشت ترکاری خرید کر لا دو پھر کام پر جانا۔ جو اپنے بچوں کو اسکول پہنچانے کے لیے ان کے ساتھ کبھی نہیں گئی بلکہ انہیں باپ کے ساتھ کر دیتی تھی کہ کام پہ جا رہے ہو تو پہلے انہیں ان کے اسکول پہنچاتے ہوئے جانا۔ جو کبھی اپنے بچوں کی تعلیمی کیفیت معلوم کرنے کے لیے ان کے اسکول کالج نہیں گئی۔ اس معاملے میں بھی مرد ہی کو آگے کیا...... جو پڑھی لکھی نہیں تھی مگر اولاد کو اس نے ہمیشہ یہی ڈرا وا دیا کہ ان کی ماں سے زیادہ پڑھی لکھی عورت دنیا میں اور کوئی نہیں۔''

امی کی دھیمی سی ہنسی نے یقین اور جویا ہی کو نہیں بابا کو بھی اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

لیکن اگلے ہی لمحے بابا نے منقطع رابطہ کلام بحال کر دیا۔

''بچوں کے بال ترشوانے کے لیے اس نے حجام کی دکان پر جانا تو کجا کبھی جھانکا تک نہیں...... بزاز کی دکان سے کپڑا مرد ہی خریدتا تھا...... خیاط سے کپڑے سلوا کر لانا بھی اسی کی ذمے داری تھی۔'' بابا نے توقف کیا پہلے امی کی جانب دیکھا پھر رُخ جویا کی طرف کرتے ہوئے بولے۔'' پوچھ لو اپنی ساس سے کہ کبھی انہیں تمہاری طرح سواری کی تلاش میں دوڑنا پڑا...... جب بھی کہیں جانا ہوتا انہیں کرائے کی سواری بصد احترام ان کے لیے گھر کے دروازے پر پہنچ جایا کرتی تھی۔'' بابا نے پھر توقف کیا اور امی سے تائید چاہی۔'' کیوں بیگم صاحبہ، کیا غلط کہہ رہا ہوں؟''

''نہیں...... بالکل ٹھیک۔''

جویا نے رشک سے امی کو دیکھا۔

''اور دیکھ لو۔'' بابا نے جتانے والے انداز میں جویا سے کہا۔'' کہ اس عورت کا شوہر آج کی خود مختار عورت کے شوہر کے مقابلے میں زیادہ وفادار ہوتا تھا اور اولاد بھی شاید آج کی اولاد کے مقابلے میں زیادہ تابعدار۔''

''بے شک!'' امی کے لہجے سے رعونت عیاں تھی۔ ''بہت اچھی گزاری ہم نے اور بہت اطمینان کے ساتھ۔'' امی نے بصد محبت بابا کو دیکھا پھر جویا سے بولیں۔ ''کبھی ہمیں ایسا ویسا کوئی کھٹکا ہی نہ ہوا، ان کی طرف سے۔''

''نہیں خیر یہ تو مت کہیے...... اپنی عورت پن کا ثبوت تو آپ نے بھی دیا۔'' معنی خیز انداز میں بولے۔

''جی!'' امی چونکیں پھر اگلے لمحے مسکرا کر بولیں۔'' ہائے مس صدیقی!''

جویا نے بے ساختہ چونک کر امی اور بابا کو دیکھا پھر بولی۔'' مس صدیقی کون تھی؟''

''تمہاری ساس کا وہم!'' بابا مسکرا کر بولے۔

''یہ تو کوئی بات نہ ہوئی بابا۔'' یقین کو شہ ملی۔'' کہ اگر امی نے ایک بات کہی تو وہ تو ٹھہرا ان کا وہم اور جو آپ کی بہو نے کہہ دیا، اسے آپ سمجھ رہے ہیں سچ۔''

بابا نے یقین کو تنبیہی نظروں سے گھورا۔

وہ خفیف ہو گیا اور کان کھجانے لگا۔

''یقین کیجیے بابا، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''ریئلی!'' بابا نے مشکوک انداز میں اسے دیکھا۔

''یس! آئی سویئر اپون گاڈ بابا۔'' یقین نے قسم کھائی۔

بابا چند لمحے اسے دیکھا کیے پھر رُخ جویا کی طرف کرتے ہوئے بولے۔'' بہو! اگر تم کہو تو میں اعتبار کر لوں ان کی قسم کا؟''

جویا تذبذب میں پڑ گئی۔

''کیا خیال ہے بہو؟''

جویا نے شک بھری نگاہوں سے یقین کو دیکھا۔

''میں جانتا ہوں، تمہیں اتنی آسانی سے یقین نہیں آئے گا مگر قسم کھانے والے کی قسم اور غلطی کرنے والے کی توبہ کا ایک مرتبہ ضرور اعتبار کیا جانا چاہیے۔''

جویا نے بابا کی جانب دیکھا۔

''ایک مرتبہ...... ایک مرتبہ اعتبار کر کے دیکھ لو۔''

جویا کشمکش سے دوچار نظر آنے لگی۔

''میری سفارش پر!'' بابا نے مزید کہا۔

اس نے یقین کو شاکی نظروں سے دیکھا پھر بابا کی جانب نگاہ کی اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

بابا نے آگے بڑھ کر جویا کے سر پر ہاتھ دھر دیا اور بولے۔ ''تھینک یو۔''

''لیکن بابا۔'' جویا نے ایک بار پھر شاکی نگاہوں سے یقین کو دیکھا۔ پھر بولی۔ ''آپ ان سے تو یہ کہیں نا کہ یہ گھر اور بچوں کی ذمے داریوں میں میرا کچھ تو ہاتھ بٹایا کریں۔''

''صاحب زادے! سن رہے ہیں آپ بہو کی شکایت؟''

''جی...... سن رہا ہوں۔'' وہ بولا۔

''کیا فرمائیں گے، آپ بہو کی اس شکایت کے جواب میں؟'' بابا نے گہری نگاہوں سے یقین کو دیکھا۔

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' وہ بھولے بھولے لہجے میں بولا۔ ''انہوں نے خود ہی لیا ہے سب کچھ اپنے ذمے...... یہ سمجھتی ہیں کہ گھر بس ان ہی کے دم سے چل رہا ہے۔''

''ہاں...... تو جب آپ کچھ نہیں کریں گے تو مجھی کو اپنے ذمے لینا پڑے گا سب کچھ...... پڑوسی تو آ کر کریں گے نہیں۔'' جویا بولی۔

''جب مجھے سب کچھ کیا کرایا مل جاتا ہے تو مجھے کیا ضرورت ہے کچھ کرنے کی۔''

''عورت جتنی ذمے داریاں اپنے سر لیتی جائے گی، اسی قدر پریشان ہوتی چلی جائے گی۔'' امی بولیں۔

''ہاں بھئی، یہ تو ہے۔'' بابا نے تائید کی پھر جویا کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ ''مغرب کی عورت کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی خواہش میں بے چاری اپنے آپ کو گم کر بیٹھی ہے۔'' بابا کے لہجے میں دلسوزی تھی۔

جویا کا دل ایک نامعلوم سے ملال نے اپنی مٹھی میں دبوچ لیا۔

وہ خود بھی تو گم ہو گئی تھی۔

جانے کہاں!

''بابا ان کی شکایت تو آپ نے سن لی...... شکایت تو مجھے بھی ہے۔'' یقین بولا۔

امی اور بابا نے یقین کی طرف دیکھا۔

جویا بھی بے ساختہ چونکی۔

''شکایت!'' بابا نے کہا۔ ''کیسی شکایت اور کس سے؟''

''آپ کی بہو صاحبہ سے۔''

''کیا؟ کیا شکایت ہے؟'' جویا نے ٹیڑھی نظروں سے اسے دیکھا۔

یقین نے اس کی جانب دیکھنے کی ضرورت نہیں محسوس کی اور بابا سے بولا۔ ''کبھی جو اس عورت نے مجھ سے یہ پوچھنے کی زحمت کی ہو کہ دن کیسا گزرا؟ کوئی پریشانی کوئی تکلیف تو نہیں۔''

''جو بات معلوم ہو، اسے پوچھنے سے فائدہ...... مجھے معلوم ہوتا ہے، اچھی طرح کہ دن بہت اچھا گزرا ہو گا۔''

جویا کے لہجے میں طنز تھا۔

''سن لیا بابا، آپ نے؟'' یقین نے شاکی لہجے میں بابا کو جتایا۔

اس سے پہلے کہ بابا کچھ کہتے امی بولیں۔ ''دلہن یہ تمہاری غلطی ہے۔ مرد باہر سے گھر لوٹے تو اس کا حال چال ضرور پوچھنا چاہیے۔''

''میرا حال چال کون پوچھتا ہے جو میں کسی کا پوچھوں۔''

''مرد کا رتبہ اللہ نے بڑا بنایا ہے۔''

''عورت تو جیسے پاؤں کی جوتی ہے۔'' جویا قدرے تلخی سے بولی۔

اس کے لہجے کی ترشی کو امی، بابا، یقین تینوں نے محسوس کیا اور یقین نے جویا کے اکھڑ پن پر شرمندہ ہو کر امی اور بابا سے نظریں چرا لیں۔

''بہو!'' بابا نے بڑی نرمی سے کہا۔ ''تم دونوں ایک دوسرے کے شریک زندگی ہو...... تمہارا دکھ سکھ، اولاد، مال، گھر، اسباب سب کچھ مشترک ہے۔ شریک زندگی اگر ایک دوسرے کا دکھ سکھ نہ سنو لیں اور ایک دوسرے کا حال چال نہ پوچھیں اور لاتعلق رہیں تو یہ کوئی اچھی بات تو نہیں۔''

''جس کے پاس دو گھڑی کو چین سے سانس تک لینے کا وقت نہ ہو، وہ دوسرے کا حال چال پوچھنے کے لیے کہاں سے وقت نکالے۔'' جویا نے ناگواری سے کہا۔

''تم یقین کو دوسرے زمرے میں نہیں رکھ سکتیں بہو، تم اور یقین تو اب ایک ہی ہو۔'' بابا بولے۔ ''وقت نکالو۔ کسی بھی طرح ایک دوسرے کے لیے وقت نکالو ورنہ وقت نکل جائے گا اور تم دونوں ہی گزرے وقت کو پچھتاؤ گے...... یاد رکھو، گزرا ہوا وقت کبھی ہاتھ نہیں آتا۔''

''گھر، بچوں اور نوکری سے فرصت نہیں ملتی مجھے تو۔'' جویا کی آواز میں جھلاہٹ تھی۔

''میں تو جیسے روز پکنک پر جاتا ہوں۔'' یقین نے اسے گھورا۔

''شام کو گھر لوٹتے تو ایسے ہی ہشاش بشاش سے ہیں جیسے پکنک پر سے آ رہے ہوں۔''

''جھگڑو مت...... جھگڑو مت۔'' بابا نے دونوں ہاتھ اٹھا کر جنگ بند کرانے کی کوشش کی۔

جویا نے بابا کی کوشش کو خاطر میں لائے بغیر یقین کو زہر خند نگاہوں سے گھورا اور بولی۔

''صاحب بہادر دفتر سے گھر لوٹنے کے بعد بالکونی میں بیٹھ کر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر نظارہ بازی کرتے ہیں یا بستر پر پڑ کر آرام فرمانے لگتے ہیں۔ ایک میں ہی ہوں جو کھپنے پر بنوائی گئی تھی۔''

یقین نے اسے گھورا۔

''مجھے گھورنے کی ضرورت نہیں۔'' جویا نے یقین سے بھی زیادہ آنکھیں نکالیں۔

''تم بھی اپنی آنکھیں اندر رکھو۔''

''ارے میاں چار بچوں کے باپ ہو کر کیوں بچوں کی طرح لڑ رہے ہو۔'' بیا نے کہا۔

''اسے سمجھائیں یہ بھی تو چار بچوں کی ماں ہے۔'' یقین نے جویا کی طرف انگلی اٹھائی۔

''تمیز سے...... تمیز سے۔'' بیا نے یقین کو ٹوکا۔ ''اپنے بچوں کی ماں کے بارے میں بات کر رہے ہو احترام ملحوظ رہے۔''

''اونہہ!'' یقین نے گردن کو جھٹکا دیا۔

یقین کو تنبیہ ہوتے دیکھ کر جویا کو قدرے طمانیت ہوئی۔

''یہ بچوں کی ماں سمجھتے کہاں ہیں۔ زر خرید لونڈی گردانتے ہیں۔'' وہ بیا سے شکوہ کن انداز میں بولی۔

یقین نے پھر اسے گھورا۔

''خبردار جو تم نے بہو کو گھورنے کی کوشش کی۔'' بیا نے پھر اسے گھرکا۔

جویا کو اور خوشی ہوئی۔

''بہو!'' بیا نے رُخ جویا کی طرف کیا۔ ''تمہیں وقت نکالنا چاہیے ورنہ......'' بیا نے توقف کیا اور پھر یقین کو کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے بولے۔ ''بقول تمہارے صاحب بہادر دفتر سے گھر لوٹنے کے بعد بالکونی میں بیٹھ کر ٹانگ پر ٹانگ دھر کر نظارہ بازی کرتے رہیں گے یا بستر پر لیٹ کر آرام فرمائیں گے۔''

امی جو یقین کو گھڑکیاں پاتے دیکھ کر پہلو بدلنے پر مجبور ہو گئی تھیں بولیں۔ ''جب عورت اپنے شوہر کو وقت نہ دے تو وہ بے چارہ اور کیا کرے گا۔''

بیا، یقین اور جویا تینوں نے بے ساختہ چونک کر امی کی جانب دیکھا۔

یقین کو امی کی حمایت سے حوصلہ ملا۔

''عورت کا کام ہے کہ دن بھر کے کام کاج سے نمٹ کر شام کو خود کو سنوارے اور مرد کا انتظار کرے۔ جب مرد کام سے واپس آئے تو مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کرے۔ اس کا حال چال پوچھے اور جب تھکا ہارا مرد تازہ دم ہو جائے تو میاں بیوی کچھ دیر اپنے بچوں کو لے کر بیٹھیں۔ ان کی سنیں، اپنی سنائیں۔''

''اونہہ!'' جویا کے لبوں پر تلخی آمیز گھائل سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

کیسی باتیں کر رہی تھیں وہ!

کس کے پاس تھا وقت خود کو بنانے سنوارنے اور مرد کا مسکراتے ہوئے استقبال کرنے کو!

صبح اسکول جانے کو بھی بھاگتے دوڑتے نہ جانے کیسے تیاری ہو پاتی تھی۔

''ہاں بھئی!'' بیا نے تائید کی۔ ''یہ بہت ضروری ہے کہ دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے کچھ وقت اپنے بچوں کے لیے ضرور نکالا جائے۔ بچے خواہ کسی عمر کے ہوں، انہیں چوبیس گھنٹوں میں سے ایک آدھ گھنٹہ دینا از حد ضروری ہے۔ کیونکہ جن گھروں میں والدین اور بچوں میں بات چیت اور قربت نہیں ہوتی وہاں محبت کی حدت میں بھی کمی آجاتی ہے۔''

وقت!

ساری بات وقت ہی کی تو تھی۔

وقت کو تو جیسے پر لگے ہوئے تھے۔

ٹک کر بیٹھنے کی فرصت ہی نہ دیتا تھا۔

''عورت سے مرد اس وقت بے نیاز ہوتا ہے، جب وہ اپنے آپ سے بے نیاز ہو جاتی ہے۔'' امی نے مزید کہا۔

جویا نے ان کی طرف دیکھا۔

''ہاں اور کیا۔'' امی نے اسے اپنی جانب دیکھتے پا کر کہا۔ ''عقل مند عورت وہی ہے جو اپنا خیال رکھتی ہے اور مرد کی نظر کو بھٹکنے نہیں دیتی۔''

جویا کی نگاہیں گہری سوچ میں غرق دکھائی دینے لگیں۔

''بہو! تم ابھی دو گام چلی ہو جب کہ ہم سفر کے اختتام پر ہیں۔ ہم چاہتے ہیں تم ہمارے تجربوں سے فائدہ اٹھاؤ۔''

''کبھی آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر دیکھو، کیا حشر بگاڑ لیا ہے تم نے اپنا۔'' امی بولیں۔

جویا نے بے ساختہ چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

''ایسی تو نہیں تھیں تم۔''

جویا کی نگاہوں سے حیرانی جھانکنے لگی۔

ایسی باتیں تو اماں، سارہ، آپا، زہرا باجی، وزدیا اور اس کے ہمدردی وبہی خواہ کیا کرتے تھے۔

''اپنی اصل عمر سے زیادہ بارہ پندرہ سال بڑی لگنے لگی ہو۔'' امی نے بڑی دلسوزی سے کہا۔

جویا کی آنکھوں میں نمی ہلکورے لینے لگی۔

آئینہ بھی اس سے یہی کہنے لگا تھا۔

اس کے لبوں کے گوشے دھیرے دھیرے پھڑکنے لگے۔

امی، بیا اور یقین تینوں ہی سے اس کی کیفیت پنہاں نہ رہ سکی۔

''بہو!'' بیا نے اس کے سر پر ہاتھ دھرتے ہوئے بہت محبت سے کہا۔ ''تم اس گھر کی پہلی اور بڑی بہو ہو، ہماری عزت ہو، ہماری اگلی نسل کی امین ہو، ہمارے لیے تم بیٹی کی طرح ہو...... اور بیٹی کی آنکھ میں کوئی باپ بھی آنسو دیکھنا پسند نہیں کرتا۔''

جویا پر شدید جذباتی کیفیت طاری ہو گئی۔

اس کا دل بھر آیا۔

بے اختیار وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"ارے ارے ارے! ارو تی کیوں ہو...... ابھی تو ہم زندہ ہیں بہو۔" امی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آ کھڑی ہوئیں اور اس کا شانہ تھپتھپانے لگیں۔

آپ ہی آپ جویا کا سر امی کے شانے پر جا ٹکا اور وہ زیادہ شدت سے رونے لگی۔

"مت رو، مت رو دلہن۔" امی نے اس کو تسلی دینا چاہی۔

"رونے دیجیے بیگم صاحبہ...... کبھی کبھی آنسو بہہ جانے سے بھی دل کا بوجھ ہلکا ہو جایا کرتا ہے۔" بابا بولے۔

امی جویا کی پیٹھ سہلانے لگیں۔

یقین کچھ خفیف سا دکھائی دینے لگا۔

"یہ سب کچھ تمہارا کیا دھرا ہے یقین۔" امی نے یقین کو گھورا۔

یقین نے مدد طلب نظروں سے بابا کو دیکھا پھر امی کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ "مے...... میرا کیا قصور!"

"سارا قصور تمہارا ہی ہے۔" امی غصے سے بولیں۔ "عورت کا بھلا یوں دل دُکھاتے ہیں کوئی۔"

یقین کو جویا پر پھر غصہ آنے لگا۔

دل ہی دل میں وہ دنیا بھر کی عورتوں کو لعنت ملامت کرنے لگا۔

آنسو بہا کر سب کی ہمدردیاں بٹور لیتی ہیں۔

بابا کی زیرک نگاہوں نے اس کی کیفیت تاڑ لی۔

"میاں!" بابا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "عورت بہت نازک اور حساس مخلوق ہے بیٹے۔ ہم مردوں کو ان پر ان کی سمائی سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے اور نہ ہی انہیں اپنی کسی حرکت سے کڑی جذباتی آزمائشوں سے گزارنا چاہیے۔ عورت اگر اپنی خوشی سے اپنی بساط سے بڑھ کر گھر اور باہر کی ذمے داریاں اپنے کمزور شانوں پر اٹھا لے تو مرد کو اس کا شکر گزار ہونا چاہیے نہ کہ اسے اپنا حق سمجھے۔" بابا نے پل بھر کو توقف کیا پھر بولے۔ "بہو نے خود کو تمہارے، تمہارے بچوں اور تمہارے گھر کے لیے تج دیا اور تم نے ان کی دل شکنی کی۔ انہیں ایک جذباتی صدمے سے دوچار کیا...... میاں، عورت اپنے گھر، شوہر اور بچوں کی خاطر شاید سب کچھ برداشت کر لیتی ہے، سوائے اس کے کوئی دوسری عورت اس کی راہ میں آئے۔"

"کیا...... کیا آپ کو میری بات، میری قسم کا اعتبار نہیں آیا بابا؟" یقین بولا۔

"میں نے تو اعتبار کر لیا۔ اب تمہیں بہو کو خود یقین دلانا ہوگا۔"

یقین نے دزدیدہ نظروں سے جویا کی طرف دیکھا۔

جویا کا سر ہنوز امی کے شانے پر ٹکا ہوا تھا۔

وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر چکی تھی۔

امی اپنے ہاتھ کی تھپتھپاہٹ سے اسے دلاسہ دینے کی کوشش کر رہی تھیں۔

جویا کے لیے یہ خود احتسابی کے لمحے تھے۔

کیا رویہ رہا تھا، اس کا سسرال والوں کے ساتھ۔

اور کس حسنِ سلوک کا مظاہرہ کر رہے تھے وہ۔

"بس بہو، اب اپنی آنکھیں پونچھ لو۔" بابا نے اس کے سر پر ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔

جویا نے امی کے شانے پر سے اپنا سر اٹھا کر بھیگی بھیگی آنکھوں سے بابا کو دیکھا اور ایک اضطراری کیفیت میں بولی۔ "آئی ایم سوری...... آئی ایم سوری بابا۔"

"فار وہاٹ؟" بابا مسکرا دیے۔

جویا کو شدید خفت نے آ لیا۔

"مجھ سے بہت غلطیاں ہوئی ہیں۔"

امی اور بابا نے بے ساختہ چونک کر پہلے اسے پھر ایک دوسرے کو دیکھا۔

یقین کو اپنی سماعت بے بھرم محسوس ہوئی۔

"غلطیاں انسانوں ہی سے ہوتی ہیں بہو۔" بابا نے جویا کا سر تھپتھپایا۔

"مجھے معاف کر دیجیے آپ سب لوگ۔" جویا کی آواز میں برکھا کی گہری شام کی سی نمی اور سوز تھا۔

"جانے انجانے میں ہم سے بھی یقیناً غلطیاں سرزد ہوئی ہوں گی تمہارے حق میں۔" بابا بولے پھر انہوں نے امی سے تائید چاہی۔ "کیوں بیگم صاحبہ؟"

"ہاں، شروع شروع مجھ سے بھی زیادتیاں ہوئیں۔" امی نے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کھلے دل سے اعتراف کیا۔

جویا پھر رونے لگی۔

جیسے تیز بارش کے بعد کچھ وقفہ ہو اور پھر ہلکی سی چھما چھم ہو جائے۔

پھر مطلع صاف ہو گیا۔

"ایک غلطی شاید ہم سب ہی سے ہوئی ہے۔" بابا بولے۔

امی اور یقین انہیں توضیح طلب نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

"ہم ایک دوسرے کو سمجھنے کے لیے نہ خود کو مہلت دیتے ہیں نہ دوسروں کو۔" بابا بولے۔ "اور یک لخت ان گنت توقعات وابستہ کر بیٹھتے ہیں ایک دوسرے سے اور چاہتے ہیں کہ دوسروں سے وابستہ ہماری ہر توقع پوری بھی ہو۔"

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں بابا۔" یقین نے تائید کی۔

"خیر اب سارے جھگڑے ختم کرو اور سونے کی کرو۔" امی بولیں۔

"ہاں بھئی!" بابا نے تائید میں گردن ہلائی۔

"شکر ہے کل چھٹی کا دن ہے۔" امی نے کہا۔

"جاؤ بہو، جا کر آرام کرو۔" بابا بولے۔

"زدیا ہفتے میں ایک دوبار تم لوگوں کے کمرے کی جھاڑ پونچھ بھی ضرور کرواتی ہیں۔ آرام سے وہیں سو جاؤ۔" امی بولیں۔

یقین نے کن انکھیوں سے جویا کی طرف دیکھا۔

اس کی بھیگی بھیگی ہوئی آنکھوں میں ہنوز شکوہ تھا تاہم اس نے یقین پر اپنا عندیہ ظاہر کر دیا۔

"بس امی اب چلتے ہیں۔" یقین نے کہا۔

"کہاں؟"

"گھر۔"

"میاں، یہ بھی تمہارا ہی گھر ہے۔" بابا بولے۔

"جی..... وہ تو ہے۔" یقین جھینپ گیا۔

"بلکہ اگر سچ پوچھو تو یہی تمہارا گھر ہے۔" امی بولیں۔

یقین جویا کی طرف دیکھنے لگا۔

"صاحبزادے! ہماری بہو کی طرف دیکھ کر انہیں کیوں مشتبہ بنا رہے ہیں آپ۔" بابا مسکرائے۔

"جاؤ دلہن، جا کر سو جاؤ اب۔" امی نے پیار سے کہا۔

"گھر چلے جائیں تو اچھا ہے۔ صبح چھٹی کا دن ہے، ڈھیروں کام کرنے ہوں گے۔" جویا قدرے ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"پھر وہی کام..... ارے دلہن، جب تک زندگی ہے کام تو چل ہی رہے ہیں۔ کبھی کبھی کاموں کو بھول بھی جانا چاہیے۔ بچے سو رہے ہیں، اب انہیں کہاں لے جاؤ گی۔ سونے دو آرام سے انہیں، جاؤ شاباش۔" بابا نے پچکارا۔

یقین نے آنکھوں ہی آنکھوں میں جویا کو کمرے سے باہر نکلنے کا اشارہ دیا۔

انکار کی جا بھی نہ موقع۔

جویا نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے ساتھ ہولی۔

دونوں امی اور بابا کے کمرے سے نکلے تو امی کی آواز ان کے تعاقب میں آئی۔ "یقین بیٹے، بھوکے مت سونا کچھ کھا پی ضرور لینا۔"

امی کی آواز ذہین کے کمرے میں بھی جا پہنچی۔

ذہین اور زدیا جو جاگ رہے تھے، کمرے سے باہر نکل آئے۔ دونوں نے یقین اور جویا کے چہروں کا بغور جائزہ لیا اور طوفان کی شدت ٹل جانے کا یقین کر کے کچھ مطمئن سے نظر آنے لگے۔

"یقین بھائی، بس پانچ منٹ میں کھانا لگاتی ہوں میں۔" زدیا نے کہا۔

"نہیں بھئی، کچھ نہیں۔" یقین بولا۔

"کیوں؟"

"یہ کھانے کا نہیں سونے کا وقت ہے۔"

"بھوکے پیٹ نیند نہیں آئے گی یقین بھائی۔" ذہین بولا۔

"کھانا میں نے کھا لیا تھا۔"

"کہاں؟" زدیا نے پوچھا۔

"اپنے دوست کے ہاں۔"

"پکی بات؟"

"بالکل پکی۔"

"او کے۔"

"ویسے..... سب کچھ..... ٹھیک تو ہو گیا نا بھابی؟" ذہین نے جویا سے پوچھا۔

اس سے پہلے کہ جویا کچھ کہتی، یقین مسکراتے ہوئے بولا۔ "یار، کچھ غلط ہی کب ہوا تھا جو تم ٹھیک ہونے کا پوچھ رہے ہو۔"

ذہین نے جویا کو دیکھا۔

یقین نے بڑی بے تکلفی سے اپنا بازو ذہین کے شانوں پر دراز کر دیا اور دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ جویا کو دیکھتے ہوئے بڑے رازدارانہ انداز مگر معمول کی آواز میں بولا۔ "خدا بیوی کے شک سے ہر شوہر کو بچائے۔"

جویا نے یقین کو گھورا۔

"تو کیا؟" ذہین کی نگاہوں اور لہجے دونوں سے تذبذب جھلک رہا تھا۔

"جناب!"

"تھینکس گاڈ!" زدیا نے اپنی بانہیں بڑے پیار سے جویا کے گلے میں حمائل کر دیں۔

"ویسے یقین بھائی، کچھ بھی تھا آپ کو بھابی بیچاری کو رات کے وقت اس طرح پریشان نہیں کرنا چاہیے تھا۔" ذہین بولا۔

"کیا پریشان کیا میں نے؟"

"گھر سے کیوں نکل لیے؟"

"جب بات بڑھ جانے کا خدشہ ہو تو کچھ دیر کو اِدھر اُدھر ہو جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔"

"بھابی بہت پریشان رہیں بلکہ سچ پوچھیں تو ہم سب ہی۔"

"یار! تھوڑی سی ہلچل رہنی چاہیے زندگی میں۔" یقین مسکرا کر بولا۔ "کبھی کبھی تم بھی پریشان کرتے رہا کرو۔ زدیا کو۔"

"اللہ نہیں، یقین بھائی..... ایسی بات مت کریں پلیز۔" زدیا نے لجاجت سے کہا۔

"نہیں کی کیا بات..... ذہین میاں جلدی ہو جائے پہلی اپی سوڈ۔" یقین نے زدیا کو چھیڑنے کی خاطر کہا۔

"او کے۔" زدیا نے ذہین کو گھورا۔ "ہو جائے..... میں بھی اتنی کمزور نہیں ہوں۔ بہت مضبوط قلعے میں بیٹھی ہوئی ہوں میں۔"

''قلعہ!'' یقین چونکا۔ ''کیسا قلعہ؟''

''امی اور بابا کی موجودگی میں مجھے کوئی فکر نہیں...... اگر کبھی بھی'' اس نے توقف کیا اور زوبی کو بصد محبت گھورتے ہوئے بولی۔ ''انہوں نے گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو امی اور بابا انہیں بخشیں گے نہیں۔''

''ہوں!'' یقین مسکرایا۔

''جناب عالی۔'' زوبیا فاتحانہ انداز میں مسکرائی پھر جویا کا بازو تھام کر بڑے پیار سے بولی۔ ''سچ بجو، آپ بھی اگر اس قلعے میں آجائیں تو بے فکر ہو جائیں گی۔''

''نہ...... نہ......'' یقین نے نفی میں انگلی ہلاتے ہوئے انکھیوں سے جویا کو دیکھا پھر زوبیا سے بولا۔ ''اپنی بہن سے ایسی بات نہ کرو۔''

''کیوں؟ کیوں نہ کروں؟'' زوبیا بولی۔

''یہ ایسی باتوں پر کان نہیں دھرتیں اور اگر غلطی سے دھر بھی دیں تو جلدی برا منا جاتی ہیں۔''

جویا نے یقین کو گھورا۔

یقین نے اس سے نظریں چرالیں اور جمائی لیتے ہوئے بولا۔ ''میرا خیال ہے، اب سو جائیے۔''

''بجو گیارہ بجے سے پہلے اٹھنے کی ضرورت نہیں۔'' زوبیا نے جواباً کہا۔

''عاشی چھ بجے ہی سے بگل بجانا شروع کر دیتی ہے اور بلال بھی صبح ہی جاگ جاتا ہے۔'' جویا بولی۔

''ان کی آپ فکر نہ کریں، میرے کمرے میں سو رہے ہیں وہیں سونے دیجئے۔''

''عاشی تمہیں تنگ کرے گی۔''

''ضرورت پڑی تو میں آپ کے پاس پہنچا دوں گی، فی الحال تو وہ بڑے مزے سے سو رہی ہے۔''

اپنے کمرے میں پہنچتے ہی جویا آئینے کے سامنے ٹھٹک گئی۔

اپنے کمرے کا فرنیچر تو وہ سسرال سے علیحدہ ہوتے ہوئے اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ زوبیا نے اس گھر میں آنے کے بعد گھر کے مختلف کمروں میں فرنیچر کی تقسیم و ترتیب اس انداز سے کی کہ اس کا خالی کمرا بھی آباد معلوم ہونے لگا تھا۔

الماری کے ایک پٹ میں جڑے قد آدم آئینے میں نظر آنے والا اپنا ہی عکس جویا کو اجنبی سا لگا۔

آئینے کے روبرو ملگجے لباس، منتشر زلفوں، اترے ہوئے چہرے اور متورم پپوٹوں والی ایک مضمحل اور بے حال عورت کھڑی تھی جس کی مانگ میں چاندی کے تار جگمگ رہے تھے۔

کون یقین کر سکتا تھا کہ یہ عکس اس جویا کا تھا جو کبھی پُر بہار تھی۔

ایک تنویمی سی کیفیت میں وہ اپنا چہرہ آئینے کے انتہائی نزدیک لے گئی اور گہری نگاہوں سے

اپنے آپ کو دیکھنے لگی۔

آنکھوں میں جھانکا تو ستارے معدوم نظر آئے۔

ہاتھوں کی انگلیاں چہرے پر پھیریں تو چاند گہنایا ہوا محسوس ہوا۔

اب تو کٹے پھٹے ناخنوں والے بھدے ہاتھ سامنے تھے۔

اس کا دل بے تحاشہ دُکھنے لگا۔

کہاں گم ہو گئی تھی وہ دل کش اور دل نواز لڑکی!

اس کی آنکھیں بھرا گئیں۔

بصارت دھندلا گئی۔

اور آئینے میں نظر آنے والا عکس اس دھند میں ڈوب گیا۔

ایوانِ سماعت میں آوازوں کی بازگشت گونجنے لگی۔

''آؤٹ ڈیٹڈ!'' یہ یقین کی آواز کی بازگشت تھی۔

''ایسی تو نہیں تھیں تم۔'' امی نے کہا تھا۔

''کسی روز آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر پوچھئے گا، اپنے آپ سے کہ یہ کیا ہوا۔'' زوبیا کی آواز تھی۔

وہ آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔

ایک موہوم سے دُکھ نے دل کو یوں مٹھی میں دبوچا کہ اسے پتا ہی نہ چلا کہ یقین جو کمرے میں آتے ہی باتھ روم میں جا گھسا تھا کب باتھ روم سے نکل کر اس کے عقب میں آ کھڑا ہوا تھا۔

اپنے شانوں پر اس کے ہاتھوں کا لمس پا کر وہ بے ساختہ چونک گئی۔

گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا تو آنکھوں میں چھائی دھند یک لخت رقیق صورت اختیار کر گئی۔

''ادھر میری طرف دیکھو۔'' وہ پیار سے بولا۔

اس کا سر اور جھک گیا۔

لبوں کے گوشے مرغِ بسمل کی طرح پھڑکنے لگے۔

اس نے دونوں ہونٹوں کو مضبوطی سے باہم بھینچ لیا۔

''اب آنکھوں میں آنسو کیوں؟'' وہ محبت سے بولا۔

جویا نے چہرہ اس سے چرانے کی کوشش کی۔

مگر یقین نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے بیچ لے لیا۔

جویا نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

آنسو بے اختیار اس کے رخساروں پر ڈھلک گئے۔

''آئی ایم سوری جان۔'' اس کے لہجے میں پیار بھی تھا، خفت بھی تھی۔

جویا پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"ارے! ارے!" وہ گھبرا کر بولا۔ "آہستہ...... گھر والے سنیں گے تو سمجھیں گے، ہم لڑ رہے ہیں۔"

جویا اپنی سسکیوں کو سینے میں گھونٹنے کی کوشش کرنے لگی۔

"آئی ایم رئیلی سوری۔" یقین نے پھر کہا۔

جویا نے بھیگی بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا پھر نظریں جھکا کر بولی۔ "میں...... میں آپ کے قابل نہیں رہی...... آؤٹ ڈیٹڈ ہو گئی ہوں۔ ہے نا؟"

جویا کی آواز میں درد تھا۔

برسوں پرانے مریض کی سی کراہ تھی۔

وہ چونکا پھر خجل ہو کر بولا۔ "تم نے...... تم نے میری اس بات کو اپنے دل پر لے لیا۔"

جویا کی آنکھوں میں آنسوؤں کی ایک دبیز سی تہہ پھیل گئی۔

"یقین!" وہ بھیگی ہوئی آواز میں بولی۔ "ہم عورتوں کو آپ مردوں کے الفاظ ہی جلا دیتے ہیں۔ الفاظ ہی مار دیتے ہیں۔"

"اچھا!" وہ مسکرایا پھر اس کی ناک کی پھننگ کو اپنی انگشت شہادت سے چھو کر بولا۔ "اگر یہ بات ہے تو سنو...... سنو میری جان کہ...... تم اپنے ہر روپ میں اچھی لگتی ہو مجھے۔"

جویا نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"ہاں۔" یقین نے اپنی آنکھوں میں وارفتگی سمو کر اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

"جھوٹ مت بولیں۔" وہ خفا خفا لہجے میں بولی۔

"خدا کی قسم۔"

جویا نے اسے گھورا اور بولی۔ "جھوٹی قسمیں مت کھایا کریں۔"

"آئی سوئیر جویا یو آر مائی لو۔"

"بیا کے سامنے بھی آپ نے جھوٹی قسم کھا لی۔"

"کب؟"

"آج!"

"آج!"

"ہاں...... کہا نہیں آپ نے ان سے قسم کھا کر کہ آپ کا اس سے ایسا ویسا کوئی چکر نہیں تھا۔"

"اس سے! کس سے؟"

"ٹینا سے اور کس سے۔" وہ پھولے پھولے لہجے میں بولی۔

"جھوٹی قسم تو نہیں کھائی میں نے۔ اس سلسلے میں تو میں تمہارے سامنے پھر قسم کھا سکتا ہوں۔"

جویا نے اسے گھورا۔

وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

"تو پھر...... پھر......" جویا اسے بدستور گھورتی رہی۔

"پھر؟"

"اس کی تصویر کیوں نکلی تھی آپ کے بٹوے سے؟"

"خدارا۔" وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "اس قصے کو اب دفع کرو، میں زچ ہو چکا ہوں اس قصے سے۔"

جویا نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

ان نظروں میں خفگی تھی، شکوہ تھا، اشتباہ تھا...... اور...... محبت بھی!

یقین نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا اور گنگنانے لگا۔ "ایسے نہ مجھے تم دیکھو......"

اچانک جویا نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے سر پر دھر لیا اور بولی۔ "میرے سر پہ ہاتھ رکھ کے قسم کھائیں کہ اس بارے میں آپ کے دل میں کوئی ایسا ویسا خیال نہیں۔"

یقین چند ثانیے بت بنا اسے دیکھتا رہا پھر اس نے اپنا ہاتھ اس کے سر سے کھینچ لیا اور اس کے دونوں شانوں پر اپنے ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "ایک بات بتاؤں تمہیں۔"

"بتائیں۔" اس نے نظروں ہی نظروں میں کہا۔

"دوسری عورت کا خیال مرد کے دل میں اس وقت آتا ہے، جب اس کی اپنی عورت اسے اگنور کرتی ہے، اسے وقت نہیں دیتی۔"

"وقت...... وقت...... وقت۔" وہ جھنجلا کر بولی۔ "کہاں سے لاؤں وقت...... موت بھی آئی تو اس سے یہ کہنا پڑے گا کہ ابھی نہیں ہے میرے پاس مرنے کے لیے وقت۔"

یقین نے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا۔

جویا اسے بے بسی سے دیکھنے لگی۔

یقین نے اپنا ہاتھ چند لمحے اس کے منہ پر دھرے رکھا پھر دھیرے سے ہٹا لیا۔

"آپ کا گھر اور بچے جان چھوڑتے ہیں بھلا۔" وہ شاکی لہجے میں بولی۔

"جانِ یقین!" وہ اسے وارفتہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "گھر، بچے، میں...... ہم سب تمہارے ہیں۔ کیوں جان چھڑانا چاہتی ہو تم ہم سے؟"

"میں...... میں جان تو نہیں چھڑانا چاہتی۔" وہ خفیف ہو کر بولی۔

وہ اس کی گھبراہٹ پر مسکرایا۔

"پھر کیا چاہتی ہو؟"

اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"ایک عورت اپنے مرد سے اس کی چاہ کے علاوہ اور کیا چاہ سکتی ہے۔" وہ جذباتی لہجے میں بولی۔

وہ وارفتگی سے اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔ "جانتی ہو، دفتر سے آنے کے بعد بالکونی میں بیٹھ کر ٹانگ پر ٹانگ دھرے کے میں کیوں بیٹھتا ہوں؟"

"کیوں؟" اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھا۔

"تمہارا۔" وہ اس کی ناک کو چھو کر بولا۔ "تمہارا انتظار کرتا ہوں میں۔"

"مے..... میرا انتظار!" وہ حیرانی سے بولی۔

"ہاں..... تمہارا انتظار..... اور بستر پر پڑ کر بھی میں تمہارا ہی انتظار کرتا ہوں کہ کب تمہیں گھر کے دھندوں سے فرصت ملے اور تم میری طرف بھی دیکھو۔"

جویا کی نگاہوں میں حیرانی کے ساتھ مسرت بھی ہلکورے لینے لگی۔

"گھر اور بچوں کو توجہ دیتے ہوئے تم یہ کیوں بھول جاتی ہو کہ مجھے دن کی روشنی اور شام کے دھندلکے میں بھی تمہاری توجہ تمہاری محبت کی ضرورت ہو سکتی ہے۔"

"اور مجھے..... مجھے تو قدم قدم پر آپ کی ضرورت ہے یقین!" اس کی آواز شدتِ جذبات سے رندھ سی گئی۔

"ہاں تو ہوں تو سہی میں تمہارے ساتھ۔"

"کہاں! کہاں ہیں!" وہ شاکی لہجے میں بولی۔

"تمہارے بہت نزدیک۔" وہ والہانہ نگاہوں سے اسے تکنے لگا پھر بہت محبت سے بولا۔

"میں گھر اور بچوں کی ذمہ داریوں میں تمہارا ہاتھ بٹاؤں یا نہ بٹاؤں ایک بات طے ہے۔"

"وہ کیا؟" جویا نے آنکھوں ہی آنکھوں میں سوال کیا۔

"میں تمہارا ہوں تمہارا ہی رہوں گا۔"

"جھوٹ۔" جویا نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا۔

"سچ۔" یقین نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

جویا ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھنے لگی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟"

جویا کی آنکھوں میں ہلکی سی آبی رو اتر آئی۔

"یقین!" وہ بھیگی بھیگی آواز میں بولی۔ "اگر یہ سچ ہے تو اس سچ کے سہارے میں ساری زندگی آنکھ بند کر کے گزار سکتی ہوں۔"

اس کا سر آپ ہی آپ یقین کے شانے سے جا لگا۔

☆=====☆=====☆

رات کو عائشہ روئی تو جویا اسے آ کر اپنے کمرے میں لے گئی۔

بلال اور مریم بڑے آرام سے زدیا کے پاس سوتے رہے۔

علی، امی اور ابا کے کمرے میں تھا۔

صبح زدیا حسبِ معمول سویرے جاگی تو جویا کو پہلے ہی جاگتے پایا۔

"ارے آپ اتنی صبح کیوں اٹھ گئیں بجو؟"

"کیا نہیں اٹھنا چاہیے تھا؟" جویا بولی۔

"رات کو دیر سے سوئی تھیں آج چھٹی کا دن ہے آرام سے سوتی رہتیں۔"

"صبح سویرے جاگنے کی ایسی عادت پڑ گئی ہے زدی کہ چھٹی والے دن بھی صبح ہی آنکھ کھل جاتی ہے اور بستر کاٹنے لگتا ہے۔"

"ہاں یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔"

"تمہیں بچوں نے جگا دیا ہوگا؟"

"نہیں وہ تو ابھی سو رہے ہیں۔ لگتا ہے علی میاں بھی ابھی نہیں جاگے۔" زدیا نے اپنے دوسرے جملے پر امی اور ابا کے کمرے کے رخ دیکھا۔

"تو تم اتنی صبح کیوں جاگ گئیں۔"

"میں تو اتنی ہی صبح جاگ جاتی ہوں۔"

"کیوں؟ ذہین تو دیر سے جاتے ہوں گے۔"

"امی اور ابا کو چائے دینی ہوتی ہے۔"

"ہوں!" جویا کی ہوں قدرے معنی خیز تھی۔

زدیا نماز سے فارغ ہونے کے بعد امی اور ابا کے لئے حسبِ معمول چائے بنا کر ان کے کمرے میں لے گئی تو علی جاگ چکا تھا اور امی غالباً اس کے استفسار پر اسے بتا رہی تھیں کہ اس کی ماما اور بابا دونوں دوسرے کمرے میں سو رہے تھے۔

"ماما تو ان کی جاگ گئی ہیں۔" زدیا بولی۔

"کہاں ہیں ماما؟" علی نے بے تابانہ پوچھا۔

"جانو! کچن میں عائشہ کا فیڈر تیار کر رہی ہیں۔" زدیا نے بتایا۔

علی نے زقند لگائی اور کمرے سے نکل گیا۔

امی اور بیا کو چائے دے کر زدیا اپنے کمرے میں گئی تو مریم اپنے گھٹنے سینے پر دبکائے دونوں ہاتھ ٹانگوں کے گرد باندھے گٹھڑی بنی، آنکھیں کھولے بستر پر پڑی تھی اور دروازے کی سمت دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے مبہم سا خوف جھلک رہا تھا۔

بلال نیند میں کلبلا رہا تھا۔

زدیا مریم کے پاس پہنچی اور جھک کر اسے پیار کیا تو اس کی آنکھوں سے وہ مبہم سا خوف جاتا رہا۔

"آنٹی! ماما کہاں ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"بیٹا! عاشی کے لئے دودھ لے کر گئی ہیں کمرے میں۔"

"کون سے کمرے میں؟"

"اپنے کمرے میں۔"

"اپنے کمرے میں!" وہ قدرے تعجب سے بولی۔ "ماما کا دادو کے گھر میں کوئی کمرا ہے؟"

"ہاں ہے نا میری جان!"

"کون سا؟"

"جس میں ماما بابا کی تصویر لگی ہے۔"

"وہ ماما کا کمرا ہے!" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں۔"

"آنٹی!"

"جی۔"

"بابا کہاں چلے گئے؟"

"بابا آ گئے نا میری جان۔"

"آ گئے!" مریم استعجاب آمیز مسرت کے ساتھ اٹھ بیٹھی۔

"ہاں...... وہ تو رات ہی آ گئے تھے...... آپ کے سونے کے بعد۔"

"ماما اور بابا کی لڑائی ہوئی؟"

"اونہوں...... دادا ابا نے دونوں کی دوستی کرا دی۔"

"دوستی کرا دی!" مریم کی آنکھوں میں جگنو چمکنے لگے۔

"ہاں۔"

"کہاں ہیں بابا؟"

"وہ بھی اسی کمرے میں ہیں جہاں ماما ہیں۔"

"میں جاؤں ماما کے پاس؟"

"ہاں ضرور جاؤ علی بھی وہیں ہے۔"

مریم بیتابانہ اٹھی اور کمرے سے نکل گئی۔

زدیا کچھ دیر پہلے بستر پر سہمی ہوئی پڑی مریم کا اس مریم سے تقابل کرنے لگی جو اپنی ننھی آنکھوں میں استعجاب واطمینان آمیز مسرت لئے کمرے سے نکلی تھی۔

"ماں باپ کے جھگڑے بچوں کو کتنا سہما دیتے ہیں۔" اس نے سوچا۔

بلال کا نیند میں بار بار کلبلانا ظاہر کر رہا تھا کہ وہ بھی بس جاگا ہی چاہتا تھا۔ جاگنے کے دور دور تک کوئی آثار نہیں تھے یقین کے جو چھٹی والے دن بہت لمبی تان کر سونے کا عادی تھا!

ناشتے کے بعد بیا، مریم علی اور بلال کو تھوڑی دیر کے لئے گھر کے قریب ہی واقع پارک میں گھمانے پھرانے لے گئے۔

بچوں کو وہاں جانا اور جھولے جھولنا بہت اچھا لگتا تھا۔ وہ جب بھی ددھیال آتے پارک میں جانے کی بطور خاص فرمائش کرتے۔

تھوڑی دیر بچوں کو وہاں گھما پھرا کر گھر واپس لوٹتے ہوئے راستے میں بیا نے بچوں سے پوچھا "ہاں بھئی یہاں زیادہ مزا آتا ہے آپ لوگوں کو یا اپنے گھر میں؟"

"یہاں۔" مریم اور علی نے ایک ساتھ جواب دیا۔

"کیوں؟"

"بس۔"

"بس کا کیا مطلب؟ یہ بتایئے کہ دادو کے ہاں زیادہ مزا کیوں آتا ہے آپ لوگوں کو؟"

"یہاں سب لوگ جو ہیں نا" علی چہکا۔

"سب کون؟"

"دادو، آپ، بڑی آنٹی اور چاچو۔" مریم نے کہا۔

"اور موجو بھی۔" علی نے گرہ لگائی۔

"ہاں موجو بھی۔" مریم نے تائید کی۔

"بھئی وہاں آپ کے گھر میں بھی ماما ہوتی ہیں۔ آپ کے بابا ہوتے ہیں اور آپ چاروں بہن بھائی۔" بیا بولے۔

"وہاں مزا تو نہیں آتا دادا۔"

"کیوں مزا نہیں آتا۔"

"وہاں پارک نہیں ہے۔"

"جھولے بھی نہیں ہیں۔"

"بابا باہر بھی تو نہیں لے جاتے۔"

"ہاں دادا بابا باہر بھی نہیں لے جاتے۔"

"بھئی کیا کریں آپ لوگ کہ باہر لے کر چلیں۔"

"بابا تھکے ہوئے ہوتے ہیں۔"

"ماما سے کہا کرو وہ لے جایا کریں باہر۔"

بے چاری کام کرتی رہتی ہیں کچن میں۔"

"اور عاشی بھی تو روتی ہے۔"

"دادا اب تو آپ بھی گاڑی نہیں لاتے۔"

"سوری بیٹا۔ اصل میں دادا اب بوڑھے بہت ہو گئے ہیں۔"

"دادا!"

"جی بیٹے جی!"

"دادا بوڑھے کیوں ہوتے ہیں دادا؟" علی بولا

بابا نے پیار سے اس کا سر چھوا اور بولے۔ "جب تم دادا بنو گے تو تم بھی بوڑھے ہو جاؤ گے۔"

"کرسمس فادر کی طرح؟" مریم بولی۔

"نہیں...... میں تو دادا کی طرح دادا بنوں گا۔" علی نے کہا۔

"کرسمس فادر کی طرح کیوں نہیں؟" بابا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"آپ زیادہ اچھے ہیں دادا...... میں دادا بن کر آپ کی طرح اسٹک ہاتھ میں لیا کروں گا دادا۔"

"دادا آپ کے دادا کہاں گئے؟"

"جنت میں۔"

"جنت کہاں ہوتی ہے؟"

"آسمان پر۔"

"دادا جنت میں بچے ہوتے ہیں؟"

"ہاں بھئی بہت سارے اور بہت پیارے پیارے۔"

"عاشی کی طرح۔"

"تمہاری طرح بھی۔"

مریم اور علی نے کچھ حیرت کچھ مسرت سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

گھر اب چند ہی قدم کے فاصلے پر تھا۔

☆=====☆=====☆

گیارہ بجے تک یقین لمبی تانے سوتا رہا۔

گیارہ کے بعد جویا نے اسے جگانے کے لئے ہلانا جلانا شروع کیا۔

گھر میں ڈھیروں کام منتظر ہوں گے۔

ساڑھے گیارہ تک یقین اسے اوں آں اور ابھی اٹھتا ہوں پر ٹالتا رہا اس کے بعد جویا کو مزید انتظار کی تاب نہ رہی۔

"بس اب اٹھ جائیں۔" اس نے یقین کو جھنجھوڑ ڈالا۔

"یار سونے دو۔"

"گھر بھی جانا ہے۔"

"چلے چلیں گے۔"

"کب چلے چلیں گے...... بیسیوں کام کرنے ہیں مجھے۔"

"کوئی بات نہیں کر لینا۔"

"کب کر لینا...... ہفتے میں ایک ہی تو دن ملتا ہے چھٹی کا...... کم بخت جو دفتر والوں میں سارا سارا دن کرسیوں پر اینڈیں انہیں تو ہفتے میں دو دو چھٹیاں اور جنہیں ڈھیروں کام کرنے ہوں انہیں ایک۔"

وہ بڑبڑائی۔

یقین نے آنکھیں کھولیں اسے دیکھا اور بولا۔ "گرمیوں میں دو مہینے کی اور سردیوں میں دس دن کی چھٹیوں کو کیوں بھول جاتی ہو۔"

وہ جز بز ہو کر اس کا منہ دیکھنے لگی۔

"اور اس کے علاوہ بھی آج اس بات کی چھٹی تو کل دوسری بات کی...... پچیس اتفاقی چھٹیاں الگ...... سالانہ امتحانوں کے بعد ایک ایک مہینہ رزلٹ بننے میں لگ جاتا ہے۔ بچوں کو گھر بٹھا دیتی ہو تم لوگ۔ سال بھر میں مشکل سے چھ مہینے کام کرتی ہو تم ٹیچریں۔"

"چھ مہینے کام کرنے میں تو حال سے بے حال ہو جاتے ہیں ہم لوگ...... اپنا علم دوسرے کے بھیجے میں منتقل کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا...... ایک بچے کو پڑھاتے ہوئے جھنجھلا جاتے ہیں لوگ...... یہ ہم استادوں خاص طور پر اسکول ٹیچرز ہی کی ہمت اور حوصلہ ہے کہ ہم ایک وقت میں ستر ستر اسی بلکہ کبھی کبھی تو اس سے بھی زیادہ بچوں کی تعداد کو پڑھاتے ہیں...... شریر کوڑھ مغز ہر طرح کے بچوں کو بھگتنا پڑتا ہے ہمیں۔"

"اچھا!" وہ لیٹے ہی لیٹے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

"جناب!" وہ جھینپ گئی پھر اسے گھورتے ہوئے بولی۔ "اور آپ جیسے بچوں کو بھی۔"

وہ اٹھ بیٹھا اور دونوں کان پکڑتے ہوئے بولا۔ "سوری میڈم کو کوئی شکایت نہیں ہو گی...... میں اچھا بچہ بننے کی پوری کوشش کروں گا۔"

"پرومس؟"

"پرومس۔"

"او کے تو پھر جلدی سے شاور لیں اور ناشتہ کر کے گھر چلنے کو تیار ہو جائیں۔"

"بائی دی وے یہاں ناشتے میں کیا ملے گا؟"

"ہمیں تو پراٹھے، کباب، آملیٹ اور حلوہ ملا تھا۔"

"واہ! ہمیں بھی ملے گا نا یہ سب کچھ؟"

"زوبا نے آپ کے لئے پیالہ بھر بالائی بھی اتار کر رکھی ہوئی ہے دودھ پر سے۔"

''آں ہاں!'' یقین آنکھیں ملتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ ''بڑی اچھی لڑکی ہے زویا تو!''
یقین نے باتھ روم کا رخ کیا اور جویا نے کمرے کے دروازے کا۔

☆=====☆=====☆

زویا نے یقین کے لئے چائے بنائی تو ایک ایک پیالی چائے امی اور بابا کے لئے بھی بنالی۔
یقین کے ناشتہ لگانے کے بعد وہ امی اور بابا کو چائے دینے کے لئے گئی تو دونوں یقین کے چاروں بچوں کو لئے بیٹھے تھے اور ان کی معصوم حرکتوں اور دلچسپ باتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ دونوں کے چہروں پر مسرت آمیز طمانیت تھی۔
''بچوں کے دم سے کیا رونق ہو جاتی ہے گھر میں!'' امی نے زویا سے چائے کی پیالی لیتے ہوئے کہا۔
''بیگم صاحبہ!'' بابا بولے۔ ''آپ گھر کی بات کرتی ہیں دنیا میں رونق بچوں ہی کے دم سے ہے۔''
''واقعی!'' زویا بابا کی بات کی تائید کرتے ہوئے امی کے پاس بیٹھ گئی۔
''رات کو علی میرے پاس سویا تو میرے کلیجے میں ٹھنڈک سی رہی۔'' امی نے اپنے نزدیک ہی بیٹھے علی کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے دیکھا۔
''دادو کیا بھائی نے پی کر دیا تھا آپ کے بستر پر؟'' مریم نے معصومیت سے پوچھا۔
''نہیں میں نے پی نہیں کیا تھا۔'' علی چلایا۔
''ہاں بھئی میرے بچے نے...... بالکل نہیں کیا۔'' امی نے علی کا سر اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔
''تو...... آپ کے پاس ٹھنڈک کیوں رہی دادو؟''
امی، بابا اور زویا تینوں ہی مریم کی اس بات پر بے ساختہ ہنس دیے۔
بچے انہیں تعجب سے دیکھنے لگے۔
تبھی ذوبین کمرے میں داخل ہوا اور امی، بابا اور زویا کو خوش دلی سے ہنستے دیکھ کر بولا۔ ''بہت خوش ہیں سب لوگ!''
''نظر مت لگا دیجئے گا۔'' زویا بولی۔
''بیٹے! خوش اس لئے ہیں سب کہ ماشاء اللہ آج بہت عرصے بعد بڑی رونق دکھائی دی ہے گھر میں۔'' امی نے کہا۔
امی کی اس بات کے ساتھ ہی جویا کمرے میں داخل ہوئی اور چاروں بچوں بالخصوص مریم اور علی کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ''چلو بچو گھر چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔''
امی نے بابا کو دیکھا۔
زویا نے مریم اور علی کو اشارہ دیا کہ وہ گھر جانے سے انکار کر دیں۔
''ہم نہیں جائیں گے...... ہم نہیں جائیں گے۔'' دونوں ہی ہم آہنگ ہو کر بولے۔

''کیوں؟'' جویا چونکی۔
''ہم نہیں جائیں گے۔'' علی امی کی آڑ میں جا چھپا۔
''کیوں نہیں جاؤ گے؟'' جویا نے انہیں گھورا۔
''بس۔'' مریم دوٹوک انداز میں بولی۔
''میں بھی نہیں جاؤں آں۔'' بلال نے سبھی کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ امی اور بابا مسکرانے لگے۔
''ہم گھر نہیں جائیں گے...... نہیں جائیں گے۔'' بچے پھر بولے۔
امی کی نگاہیں جویا پر تھیں۔
جویا بچوں کو گھور رہی تھی۔
''پتا تو چلے کہ گھر کیوں نہیں جاؤ گے۔'' جویا نے بچوں کو گھورتے ہوئے کہا۔
''ہم دادو کے گھر میں رہیں گے۔''
''بیٹا مجھے بہت سارے کام کرنے ہیں چلو شاباش اٹھ جاؤ۔'' اس نے بچوں کو چمکارا۔ علی نے امی کی آڑ سے گردن اچکا کر جویا کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''آپ کو کام کرنے ہیں تو آپ چلی جائیں ماما۔''
''ہاں۔'' مریم نے تائید کی۔
''ہم دادو کے پاس رہیں گے۔''
''تمہیں لینے کے لئے پھر آنا پڑے گا۔''
''نہیں آیئے گا۔''
''اسکول سے چھٹی کرو گے تم لوگ!'' جویا نے انہیں گھورا۔
''ہم ادھر سے ہی چلے جائیں گے۔''
''تمہارے بیگز اور یونیفارمز تو گھر میں ہیں۔''
''آپ بابا سے ادھر بھیج دیں۔''
''اور اسکول کیسے جاؤ گے تم لوگ؟''
''چاچو چھوڑ دیں گے...... ہے ناچاچو۔''
''ضرور......''
''سبق مت پڑھاؤ...... سیدھی طرح اٹھ جاؤ۔'' جویا نے پھر انہیں گھورا۔
''ماما پلیز ہمیں ادھر رہنے دیں نا۔'' مریم لجاجت سے بولی۔
''ادھر بہت مزا آتا ہے۔'' علی نے کہا۔
''دادا پارک میں بھی لے کے جاتے ہیں۔'' بلال نے معصومیت سے کہا۔
''ماما بابا اور عاشی اکیلے رہیں گے!'' جویا نے بلال کو تنبیہی نظروں سے دیکھا۔
''ماما آپ، بابا اور عاشی بھی ادھر ہی رہیں نا۔'' علی بولا۔
زویا خوش ہو کر بے ساختہ تالی بجانے لگی۔

جویا نے علی کو آنکھیں دکھائیں۔

"سوری ماما!" وہ کان دباتے ہوئے امی کے پیچھے دبک گیا۔

"بجو! علی بچہ ٹھیک تو کہہ رہا ہے۔" زدیا بولی پھر اس نے امی کے گلے میں پیار سے بانہیں حمائل کرتے ہوئے ان کی اور بابا کی تائید بھی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ "کیوں امی جان؟ کیوں بابا؟"

"بھئی ہم کیا منع کریں گے۔" امی بولیں۔ "شوق سے رہیں...... اتنا بڑا گھر ہوتے ہوئے بھی اگر ہمارے پھول جیسے بچے کا بک نما فلیٹ میں رہیں تو یہ کوئی خوشی کی بات ہے بھلا ہمارے لئے...... ارے، ہمارا کیا ہے، آج مرے کل دوسرا دن...... یہ سائبان تمہی لوگوں کے لئے بنایا تھا ہم نے...... بیٹیوں کے مقدر میں جتنا تھا، اس گھر سے کھا پی کر اپنے اپنے گھروں کو سدھار گئیں...... فرزین کو ان کی بیگم لے اڑیں...... خدا جانے اب کب آتے ہیں۔" امی کی آواز رندھ گئی اور وہ رونے لگیں۔

بابا آگے بڑھے اور امی کو تسلی دیتے ہوئے بولے۔ "بیگم صاحبہ، روتی کیوں ہیں۔ جب تک یہ حقیر پرتقصیر زندہ ہے آپ کو اپنا دل چھوٹا کرنے کی ضرورت نہیں۔" بابا نے قدرے توقف سے مزید کہا۔ "اولاد کے لئے بس یہ دعا کیا کریں کہ جہاں بھی رہیں، خوش رہیں...... رہی فرزین کے آنے یا نہ آنے کی بات تو آپ فکر کیوں کرتی ہیں جب آپ چاہیں گی بلوا لاؤں گا آپ کو ان سے۔"

جویا کو اپنی ساس کے مقدر پر رشک آنے لگا۔

کیسا دل رکھنے والا شوہر دیا تھا خدا نے انہیں!

خیر شوہر تو یقین بھی برا نہ تھا۔

امی کی جذباتی کیفیت میں ٹھہراؤ آیا تو زدیا سے بولیں۔ "تم دونوں بہنیں ہو اور یہ دونوں بھائی...... مل جل کر رہو گے تو ایک دوسرے کے دکھ درد کے شریک رہو گے...... تمہارے آپس کے اتفاق اور محبت سے یہ گھر جنت بن سکتا ہے۔"

"گھر تو خیر یہ اب بھی جنت سے کم نہیں۔" بابا بولے پھر انہوں نے انتہائی شفقت سے زدیا کے سر پر ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔ "اس بچی نے اس گھر کو جنت بنا دیا ہے۔"

"اٹھتے بیٹھتے دعا نکلتی ہے میرے دل سے۔" امی نے کہا۔ "خدا ایسی بہو ہر گھر کو دے۔"

"زیادہ پھول مت جانا خوشی سے۔" ذہین نے زدیا کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"صاحب زادے!" بابا نے ذہین کو مخاطب کیا۔ "پھولنا تو آپ کو چاہئے کہ آپ کو ایسی شریک سفر ملی...... اچھا شریک زندگی خدا کی انمول نعمت ہوتا ہے۔"

"میں کسی اور بات پر پھولوں یا نہ پھولوں، یہ خیال مجھے مغرور کر دیتا ہے کہ مجھے امی اور بابا کی محبت میسر ہے۔" زدیا نے کہا...... جویا نے کن انکھیوں سے زدیا کو دیکھا۔

"بیٹی! محبت اور عزت لو اور دو کے اصول پر کام کرتے ہیں...... تم نے محبت دی تو محبت پائی...... دوسروں کو عزت دی تو عزت حاصل بھی کی۔ جب تک تم دوسروں کو محبت اور عزت دیتی رہو گی لوگ بھی تمہیں عزت اور محبت دیتے رہیں گے۔"

"دادا!" علی نے امی کی اوٹ سے گردن نکالی۔

"جی بیٹے۔"

"دادا جنت میں آئس کریم ملتی ہے؟"

سب بے ساختہ مسکرا دیے۔

"جناب!" بابا مسکراتے ہوئے بولے۔ "بہت ساری۔"

"آئس کون بھی؟"

"ہاں، کون بھی۔"

"میں آئس کریم کھاؤں گا۔"

امی نے گر بن موڑی اور علی کو پیار کرتے ہوئے بولیں۔ "میں اپنے بچے کے لئے خوب ساری آئس کریم منگوا دوں گی۔"

"میرے لئے بھی دادو!" مریم نے کہا۔

"تمہارے لئے بھی منگوا دوں گی۔"

"میرے لئے بھی۔" بلال منمنایا۔

"ارے میری جان!" زدیا نے بلال کا سر چومتے ہوئے کہا۔ "تمہارے لئے تو میں گھر میں بنا دوں گی ڈھیر ساری۔"

"لیکن فی الحال آپ تینوں شرافت سے اٹھ جائیں۔" جویا نے باری باری تینوں بچوں کو تادیبی نظروں سے گھورا۔

علی پھر امی کی اوٹ میں چھپنے کی کوشش کرنے لگا۔

مریم نے امی، بابا اور زدیا کو مدد طلب نگاہوں سے دیکھا۔

تبھی یقین چائے کا مگ ہاتھ میں لئے کمرے میں داخل ہوا۔

"دیکھیں، یہ لوگ نہیں اٹھ رہے۔" جویا نے یقین سے شکایت کی۔

"کون؟" وہ بے ساختہ چونکا۔

"آپ کے بچے۔" جویا نے کہا پھر مزید بولی۔ "گھر جانے سے انکار کر رہے ہیں۔"

"کیوں بھئی، کیوں انکار کر رہے ہو؟" یقین نے مگ سے چائے کا ایک گھونٹ پیا۔

"بابا! یہاں زیادہ مزا آتا ہے۔" علی نے گردن اچکا کر کہا۔

"ہم دادو کے پاس رہیں گے۔" مریم بولی۔

جویا نے یقین کو مدد طلب نظروں سے دیکھا۔

"انہیں چھوڑ دیں، ہم لوگ چلتے ہیں۔" یقین نے بچوں کو دھمکی دینے کی کوشش کی۔

"میں تو کہتی ہوں، تم لوگوں کو بھی جانے کی کیا ضرورت ہے، یہیں رہو۔" امی بولیں۔

"اور کیا۔" زدیا نے بڑی گرمجوشی سے تائید کی۔

یقین نے جویا کی جانب دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھا۔ "کیا کہتی ہو؟"

وہ آگے بڑھی۔

پہلے اس نے مریم کے سر پہ چپت رسید کی پھر امی کی اوٹ میں دبکے علی کا کان اتنے زور سے کھینچا کہ وہ رونے لگا۔ مریم بھی منہ بسورنے لگی تھی۔

امی نے منہ بناتے ہوئے معنی خیز نگاہوں سے بابا کو دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ان سے بولیں۔ "بہو کو تنبیہ کیجئے۔"

"بہو! کیوں زبردستی کر رہی ہو بچوں کے ساتھ۔" بابا بڑے تحمل سے بولے۔

"بابا دیکھیں نا، کتنا تنگ کر رہے ہیں یہ لوگ..... سن ہی نہیں رہے میری بات..... دیر ہو رہی ہے، ڈھیروں کام کرنے ہیں مجھے گھر جا کر اور یہ اٹھ ہی نہیں رہے۔"

امی جنہوں نے علی کو روتے دیکھ کر اپنی آغوش میں دبکا لیا تھا، بولیں۔ "بچوں کو بھلا یوں بے دردی سے مارتے ہیں۔"

جویا خفیف ہو گئی۔

"امی بس جو نہیں رہے، یہ میری بات۔"

"بچے بڑوں کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ تم کون سا اپنے بڑوں کی بات سنتی ہو۔" امی تلخی سے بولیں۔

جویا نے ٹپٹا کر انہیں دیکھا۔

اس طرح براہِ راست تادیب اسے کم ہی کی گئی تھی۔

جویا کی نگاہوں سے ناگواری جھلکنے لگی۔

"تمہاری ساس ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" بابا بولے۔ "مجھے افسوس ہے کہ تم نے نہ اپنی ساس کی بات کو اہمیت دی نہ میری بات کو۔" بابا کے لہجے میں ہلکی سی ناگواری تھی۔

"کو..... کون سی بات؟"

"ساتھ مل کر رہنے کی۔" بابا بولے پھر انہوں نے مزید کہا۔ "تم بچوں کو گھر لے جانے کے لئے ان پہ جبر و تشدد پر آمادہ ہو، یہ نہیں سوچ رہیں کہ بچے اپنے گھر جانے سے انکار کیوں کر رہے ہیں۔ بھلا کوئی اپنے گھر جانے سے بھی انکار کرتا ہے مگر یہ بچے صرف اس لئے انکار کر رہے ہیں کہ انہیں یہ گھر زیادہ اپنا لگتا ہے..... یہاں انہیں زیادہ توجہ، زیادہ محبت ملتی ہے۔ یہاں زیادہ خوش رہتے ہیں یہ۔"

"خیر سے کھلا گھر ہے، انہیں بھاگنے دوڑنے، کھیلنے کودنے کو کھلی جگہ ملتی ہے۔"

جویا نے دزدیدہ نظروں سے زویا کو دیکھا پھر بابا سے بولی۔ "آپ..... آپ تو کہتے ہیں بابا کہ..... اکٹھے رہ کر ناخوش رہنے سے علیحدہ ہو کر خوش رہنا بہتر ہے۔"

امی اور بابا کی نگاہیں باہم ملیں۔

"دیکھا کیا جواب دیا ہے بہو صاحبہ نے!" امی نے نظروں ہی نظروں میں بابا سے کہا۔

"لیکن جب علیحدہ رہ کر بھی خوش اور مطمئن نہ رہا جا سکے تو مل جل کر خوش رہنا ہی بہتر ہے کہ اکٹھے رہنے سے بھی کبھی مسائل تو کم ہو جاتے ہیں۔" بابا بولے۔

جویا نے جز بز ہو کر یقین کو مدد طلب نگاہوں سے دیکھا۔

یقین نے بڑی بے بسی کا تاثر دیتے ہوئے شانے اچکا دیے۔

اسے یقین پر غصہ آنے لگا۔

ضرورت کے وقت وہ اکثر یونہی ہری جھنڈی دکھا دیا کرتا تھا!

"تم مانو یا نہ مانو۔" بابا نے جویا کی طرف دیکھتے ہوئے ترشی سے کہا۔ "تمہاری بیشتر پریشانیاں اور مسائل خود پیدا کردہ ہیں۔"

جویا نے کچھ اس طرح ان کی طرف دیکھا جیسے اسے بابا کی بات سے قطعاً اتفاق نہ ہو۔

"ہاں..... یہ حقیقت ہے۔" بابا بولے۔

جویا نے پھر زویا کو دیکھا اور اسے اس خیال سے خفت ہونے لگی کہ بابا اسے زویا کی موجودگی میں برا بھلا کہہ رہے تھے۔

"خود..... خود اپنے لئے بھی..... کوئی پریشانیاں پیدا کرتا ہے۔" وہ قدرے ناگواری سے دبی زبان میں بولی۔

"اکثر عاقبت نااندیش اور نادان ایسا کرتے ہیں۔" بابا نے کہا۔

جویا کو زویا کی موجودگی گراں گزرنے لگی۔

"جتنے عرصے سے تم اس گھر سے علیحدہ ہو وہ بہت تھا یہ آزمانے کو کہ تم اپنوں سے علیحدہ رہ کر خوش رہ سکتی ہو یا نہیں۔"

جویا نے پھر ان کی طرف دیکھا۔

مریم کو ایک چپت اور علی کا کان کھینچنا خاصا مہنگا پڑ گیا تھا اسے!

بابا جو کبھی بھی اس سے اس قدر تلخی اور ترشی سے نہ بولے تھے، سب کی موجودگی میں اسے پھٹکا رہے تھے۔

"ہاں..... یہ بھی تم مانو یا نہ مانو حقیقت یہ ہے کہ اب یہ گھر اور اس گھر کے لوگ ہی تمہارے اپنے ہیں..... والدین کا گھر تو لڑکی کی عارضی قیام گاہ ہوتا ہے۔ اس کا اصل ٹھکانا، اصل مقام اور اپنا خاندان تو اس کی سسرال ہوتی ہے۔ وہ لڑکیاں جو تمہاری طرح اس سچائی کو تسلیم نہیں کرتیں، ایک اٹل حقیقت سے نظریں چراتی ہیں اور اکثر اپنے لئے مشکلات کھڑی کر لیتی ہیں۔ جیسے تم نے اپنے لئے کی ہیں۔"

جویا اور شرمندگی محسوس کرنے لگی۔

"اب تک تم جتنی پریشانیاں اٹھا چکی ہو..... جتنے مسائل کا سامنا کرتی رہی ہو اور جو کچھ سہہ چکی ہو، کیا وہ تمہیں یہ باور کرانے کے لئے کافی نہیں کہ اس گھر سے علیحدگی تمہیں راس نہیں آئی اور اس گھر سے الگ رہ کر تم خوش اور مطمئن نہیں رہ سکتیں بلکہ شاید قدرے غیر محفوظ ہو۔"

جویا نے چونک کر بابا کی طرف دیکھا۔

غیر محفوظ!

کیوں غیر محفوظ تھی وہ اس گھر سے علیحدہ ہو کر!

یقین نے بھی بابا کو چونک کر دیکھا۔

''کل جو کچھ ہوا، وہ کسی ناخوشگوار واقعے کا پیش خیمہ بھی بن سکتا ہے۔'' بابا نے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''اللہ نہ کرے۔'' امی دہل کر بولیں پھر انہوں نے یقین کو تنبیہی تیوروں سے دیکھتے ہوئے کہا: ''دودھ نہیں بخشوں گی میں اگر انہوں نے کبھی کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو۔''

یقین کے چہرے سے خفت جھلکنے لگی۔

''بیگم صاحبہ! ہم ان کی حرکتوں پر نظر رکھنے کو کب تک بیٹھے رہیں گے...... خوش قسمتی ہے کہ اس گھر میں بہو کی اپنی چھوٹی بہن ایک بہو بن کر آئی ہے اور یہ دونوں بہنیں بقول آپ کے اس گھر میں مل جل کر رہ سکتی ہیں اور ایک دوسرے کا دکھ سکھ بانٹ سکتی ہیں ورنہ بھی ایسا راستہ تو کجا، بچاؤ کے لیے ایک روزن بھی نہیں ملتا انسان کو۔''

بابا نے جویا کی طرف دیکھا اور حکیمہ لہجے میں بولے۔ ''بہو بیٹھ جاؤ اور میری بات سنو۔''

جویا نے دزدیدہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

گویا ابھی اور کچھ بھی سننا تھا اسے!

''بیٹھ جاؤ۔'' بابا کڑک کر بولے۔

بابا اس کی شادی کے بعد سے آج تک اس لہجے میں نہیں بولے تھے۔

اسے ڈر سا لگنے لگا۔

چپ چاپ وہ زویا کے قریب بیٹھ گئی۔

''تمہاری خوش قسمتی یہ بھی ہے کہ تم ایک ایسے گھر میں بہو بن کر آئی ہو جہاں لوگ جھگڑالو نہیں، امن پسند ہیں، گھر اجاڑنے پر نہیں بسائے رکھنے پر یقین رکھتے ہیں اور گھر بسائے رکھنے کی خاطر بڑی بڑی غلطیوں کو درگزر کرنے کا حوصلہ بھی رکھتے ہیں۔''

جویا اپنا زیریں لب دانتوں سے کاٹنے لگی۔

''میں یہ نہیں کہتا کہ اس گھر میں فرشتے بستے ہیں...... ہم بھی انسان ہی ہیں...... غلطیاں ہم سے بھی ہوئی ہوں گی...... تمہارے حق میں زیادتیاں بھی ہوئی ہوں گی لیکن...... بہو، کہاں ملیں گے تمہیں ایسے لوگ جو ٹیلی فون پر اپنے اپنے کانوں سے تمہاری اور تمہاری والدہ کی جانب سے قابل اعتراض خطابات پا کر بھی تمہیں کچھ نہ کہیں...... کہاں ملیں گے تمہیں ایسے لوگ جو تم سے خدمت گزاری کی امید باندھنے کی بجائے تمہیں مہمانوں کی طرح بٹھا کر تمہاری آؤ بھگت کریں...... کہاں ملیں گی تمہیں ایسی ساس نندیں جو تم سے کبھی باورچی خانے میں جا کر کام کرنے کا تقاضا نہ کریں...... مل سکتا ہے تمہیں ایسا گھرانا جس کے افراد یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم ان پر تعویذ گنڈے کروا رہی ہو، انجان بن جائیں۔ یہ دیکھتے ہوئے بھی کہ گھر کی ہنڈیا میں پڑھا ہوا نمک ڈالا جا رہا ہے، بیٹے کو بھی پڑھی ہوئی شکر کھلائی جا رہی ہے، تم سے کوئی باز پرس نہ کریں۔''

''یا اللہ!'' امی نے ہول کر کلیجہ تھام لیا۔ ''یہ ہوتا رہا میرے گھر میں اور مجھے خبر بھی نہ ہوئی۔''

''آپ کو خبر ہو بھی جاتی تو کیا فرق پڑتا؟'' بابا دلسوز لہجے میں بولے۔ ''آپ بھی وہی کرتیں جو ہم نے کیا۔''

''کیا کیا آپ نے!'' امی نے تیز سی نظروں سے بابا کو دیکھا۔

''چپ رہے۔''

امی بابا کو دیکھنے لگیں۔

''کیونکہ ہمیں گھر اجاڑنا نہیں بسائے رکھنا تھا۔'' بابا نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا جویا کا سر جھک گیا تھا۔

اور زویا کا بھی!

کبھی کبھی ناکردہ غلطیوں پر بھی پشیمان ہونا پڑتا ہے۔

زویا بے چاری کے ساتھ یہ ہوا تھا!

''تم نے اپنی خودسری سے اس گھر سے اپنی علیحدگی کے اسباب پیدا کیے۔ ہم حارج نہیں ہوئے اس دعا کے ساتھ تمہیں اور یقین کو اس گھر سے رخصت کیا کہ جہاں رہو خوش رہو...... لیکن...... ہماری خاموشی، درگزر اور مفاہمت کے باوجود بھی اگر تم خوش نہ رہ پاؤ...... بچے ڈسٹرب رہیں تو تمہیں اب مزید تمہارے حال پر نہیں چھوڑا جا سکتا کیونکہ اب ہمیں تم سے زیادہ اپنی اس نسل کی بہتری عزیز ہے جس کی تم امین ہو۔''

جویا کا سر اور جھک گیا۔

بابا اپنی جگہ سے اٹھ کر مریم کے پاس جا بیٹھے اور اس کے سر پہ ہاتھ دھرتے ہوئے بولے۔

''اچھی غذا، اچھے لباس اور اچھی تعلیم کے ساتھ انہیں محبت اور تحفظ کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ انہیں محبت سے گندھے رشتوں کے بیچ رہنے دو۔''

جویا کی آنکھیں بھر آئیں۔

جتنی شرمندہ وہ آج ہوئی تھی سسرال میں پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔

اور وہ بھی بابا کے ہاتھوں جن کی حلیم الطبعی مثال تھی!

جن سے تلخی اور درشتی کی توقع محال تھی!

جو کسی کو پھٹکارنا یا سرعام شرمندہ کرنا جانتے ہی نہ تھے۔

نصیحت کرتے تو دردمندی سے۔

اصلاح چاہتے تو دلسوزی سے۔

یہ آج بابا کو کیا ہوا تھا کہ اچانک روپ بدل لیا تھا!

سرعام اسے ذلیل و خوار کر دیا تھا!

کون بتاتا۔

کون بتاتا اسے کہ یہ بھی بابا کی شخصیت کا کمال تھا۔ ذات کی سچائی تھی کہ جب اصلاح احوال

کی ضرورت پڑی تو انہوں نے لہجہ بدل لیا تھا!

جویا کے لبوں پر لرزش تھی۔

ناک کی پھننگ سرخ ہو رہی تھی۔

بیا مریم کا سر تھپتھپاتے ہوئے اٹھے اور جویا کے نزدیک آ گئے۔ ''بیٹا! گھر مرکز ہے اور خاندان اکائی...... جوائنٹ فیملی سسٹم جس کا شیرازہ ہم نے مغرب کی تقلید میں بکھیر کر رکھ دیا ہے، مغرب والے اب خود اسی کی طرف لوٹ رہے ہیں...... دیوارِ برلن کے بعد اب گھروں کے بیچ کھڑی دیواریں بھی منہدم کی جا رہی ہیں۔ تلخ تجربات کے بعد انہوں نے جان لیا ہے کہ مل جل کر رہنے ہی میں عافیت ہے اور شاید وہ دن بہت دور نہیں، جب وہ اپنے بچوں کے ہاتھوں میں پھولوں کی ٹوکریاں دے کر کہیں گے، جاؤ دادا جان اور دادی اماں کو اولڈ ہوم سے گھر لے آؤ تاکہ ہمیں بھی وہاں نہ جانا پڑے۔''

زویا نے جویا کی طرف دیکھا۔

جویا کا سر جھکا ہوا تھا۔

آنکھوں میں آنسو تھے۔

چہرے پر ندامت۔

جویا کو شرمندہ دیکھ کر زویا کا دل بھر آیا۔ اپنا چہرہ ہاتھوں سے ڈھانپ کر وہ بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

سب نے چونک کر اسے دیکھا پھر استعجاب آمیز نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

جویا نے اپنے آنسو پونچھ لیے تھے۔

بیا زویا کی طرف بڑھے اور اس کے سر پہ ہاتھ دھرتے ہوئے بولے۔ ''ارے! تمہیں کیا ہوا؟ تم کیوں رونے لگیں؟''

زویا کیسے بتاتی انہیں کہ وہ بہن کو اس قدر شرمندہ ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

''کیا بات ہے؟'' بیا نے تشویش سے پوچھا۔

''کچھ...... کچھ نہیں۔'' وہ بھیگی ہوئی آواز میں بولی۔

''بلاسبب تو آنسو نہیں آتے کسی کی آنکھوں میں...... کوئی بات تو ضرور ہے۔'' بیا نے کہا۔

وہ سسکنے لگی۔

''بولو بیٹی!'' بیا نے ازحد محبت سے پوچھا۔

وہ کچھ نہیں بولی۔

''بتاؤ کیا بات ہے؟'' بیا نے اس کے رونے کی وجہ جاننے پہ اصرار کیا۔

سسکیاں تھمیں تو اس نے سرخ سرخ آنکھوں سے بیا کو دیکھا اور بولی۔ ''بیا، پلیز، بجو کو اب اور کچھ نہ کہیں...... بجو نے جو کچھ کیا، اس میں ان کی غلطی کم تھی، اماں کی زیادہ۔''

''میں جانتا ہوں۔'' بیا بولے۔ ''اب اپنے رونے کا سبب تو بتاؤ۔''

''میں...... میں بجو کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتی۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

جویا کا دل بھر آیا۔

کوئی تو تھا، اس ہجوم میں اس کا ہمدرد بہی خواہ!

وہ اپنے چہرے پہ ہاتھ ڈھانپ کر رونے لگی۔

امی، بیا، یقین، ذہین، زویا اور بچوں نے چونک کر دیکھا۔

''ہیں! تمہیں کیا ہوا؟'' یقین نے کہا۔

''اس طرح...... سب کے سامنے...... کسی کو ذلیل کیا جاتا ہے بھلا!'' وہ سسکتے ہوئے شاکی لہجے میں بولی۔

بیا قدرے خجل دکھائی دینے لگے۔

امی نے معنی خیز نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

''حاشا وکلا، بہو میرا مقصد تمہیں ذلیل کرنا ہرگز نہ تھا...... میں تو تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' بیا بولے۔

''آپ نے...... اس طرح...... پہلے تو کبھی...... کسی کو...... کچھ نہیں کہا۔'' جویا بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''ہاں...... کوشش کرتا ہوں کہ میری طرف سے کسی کا دل نہ دکھے۔'' بیا نے کہا پھر جویا کے سر کو تھپتھپاتے ہوئے بولے۔ ''میری باتیں تمہیں شاق گزریں یا آزار پہنچا تو معذرت چاہتا ہوں۔'' پل بھر کے توقف سے بیا نے مزید کہا۔ ''آئی ایم سوری۔''

''بھابی مجھے یقین ہے کہ زویا کی موجودگی تو آپ کو ناگوار نہیں لگی ہوگی کیونکہ وہ تو آپ کی بہن ہے لیکن اگر ہماری موجودگی آپ کو بری لگی ہے تو میں اپنی موجودگی کی معافی چاہتا ہوں۔'' ذہین نے کہا۔

''بھئی، تم اپنا دل چھوٹا کیوں کر رہے ہو۔'' یقین نے ذہین کے کندھے پہ ہاتھ دھرتے ہوئے کن انکھیوں سے جویا کو دیکھا اور بولا۔ ''تم کوئی غیر تھوڑی ہو...... تم سے تو تمہاری بھابی کا اب دوہرا رشتہ ہے...... تم سے بھلا اب کیا پردہ!''

''میں نے بھی یہی سوچا کہ تم دونوں بھائی ہو اور یہ دونوں بہنیں...... کمسکٹ فیملی ہے، بے تکلفی سے کھل کر بات ہو جائے...... میں بھی انسان ہوں...... غصہ مجھے بھی آ سکتا ہے...... میں نے جو کچھ کہا، غصے میں کہا لیکن خدا کی قسم، تمہیں سمجھانے بجھانے کی خاطر کہا ہے۔''

جویا کی سماعت میں بیا کی آواز کی بازگشت گونجنے لگی۔

''کہاں ملیں گے تمہیں ایسے لوگ...... کہاں ملے گا تمہیں ایسا گھرانا!''

واقعی!

کہاں مل سکتے تھے، اسے ایسے وسیع القلب اور اعلیٰ ظرف لوگ!

کہاں مل سکتا تھا، اسے ایسا مثالی گھرانا!

سسرال والے تو ذرا ذرا سی بات پر جوتیوں میں دال بانٹنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

سو خوبیاں ہوں لڑکی میں تو ایک ذرا سی خامی بھی نہیں بخشتے۔

ذرا سی خطا پر چٹیا پکڑ کر گھر سے نکال دیتے ہیں۔

معمولی سی غلطی پر راندہ درگاہ بنا دیتے ہیں۔

ان لوگوں نے تو اس کی بہت سی خامیوں اور کوتاہیوں سے صرفِ نظر کیا تھا۔

اسے اپنا بنانے کی کوشش کی تھی۔

اور وہ!

وہ ابھی تک غیر بنی ہوئی تھی۔

بیا سے کتنی بے باکی سے شکوہ کیا تھا اس نے اور وہ بے چارے خفا ہونے کی بجائے خفت کا اظہار کر رہے تھے۔ اسے شرمندگی نے آلیا اور وہ سر جھکا کر بولی۔ "آئی ایم سوری!"

بیا نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔

"بیا!" زدیا کے لبوں پر دھیمی سی مسکان پھیل گئی۔ "آپ کی باتیں دل پر اتنا اثر کیوں کرتی ہیں بیا؟"

"ساری زندگی روٹی ہی اس کی کھائی ہے۔" امی بولیں۔

"اور حلال کی کھائی ہے۔" بیا نے کہا۔

"بے شک!" امی نے پُرغرور نگاہوں سے بیا کو دیکھا۔

چند ثانیے کو خاموشی سی چھا گئی اور سب دزدیدہ نظروں سے ایک دوسرے کے تاثرات کا جائزہ لینے لگے۔

"چلیں!" یقین نے اس توقف کے بعد جویا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کہاں چلیں؟" بیا نے اسے گھورا۔ "کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔"

جویا کے چہرے سے بے بسی جھلکنے لگی۔ وہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن کی تصویر بنی ہوئی تھی۔

زدیا اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے نزدیک پہنچی اور اپنی بانہیں بہت محبت سے اس کے گلے میں حمائل کرتے ہوئے لجاجت سے بولی۔ "بجو پلیز مت جائیں..... اب یہیں رہیں..... ہم سب کی خوشی کے لئے..... بچوں کی بھلائی کی خاطر۔"

جویا نے اس کی طرف دیکھا۔

زدیا مسکرا دی۔

"قسم سے بجو، آپ کو یہاں آ کر کوئی پریشانی نہیں ہوگی..... گھر کے سب کام میں کیا کروں گی..... بچوں کو بھی پڑھاؤں گی..... ضرورت پڑی تو انہیں اسکول بھی پہنچا آیا کروں گی..... ہم سب مل جل کر رہیں گے..... سچ بڑا مزا آئے گا۔"

جویا متذبذب نظر آنے لگی۔

"ہاں بہو!" بیا نے اس کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "مل جل کر رہنے کے بہت

فائدے ہوتے ہیں۔ مسائل کم ہو جاتے ہیں۔ مہنگائی کا مقابلہ کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔ ایک دوسرے کا دکھ سکھ شیئر کیا جا سکتا ہے۔ خوشی، اطمینان اور تحفظ کے لئے ہمیں خاندان کو اکائی تسلیم کر کے مشترکہ نظامِ خاندان اپنانا ہوگا..... اپنی اصل کو کھو کر کسی نسل نے کبھی کچھ نہیں پایا..... جوائنٹ فیملی سسٹم ہمارے معاشرے کی اصل ہے۔"

بیا کے چپ ہو جانے پر ذہین نے مسکراتے ہوئے انہیں دیکھا اور بولا۔ "بیا باقی تو سب ٹھیک ہے مگر جوائنٹ فیملی سسٹم سے مہنگائی کا مقابلہ کس مقابلے کیا جا سکتا ہے؟" اس کے لبوں پر دبی دبی سی مسکان تھی۔

"صاحب زادے، ایک ہی خاندان کے دو علیحدہ علیحدہ گھروں کے آنگنوں میں روشنی کرنے کے لئے الگ الگ دو بلب روشن کرنے کے بجائے ایک ہی گھر کے آنگن میں صرف ایک ہی بلب جلا کر۔"

ذہین لاجواب سا دکھائی دینے لگا۔

یقین نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے تائید میں گردن ہلائی اور چہرے سے کچھ اس طرح کا تاثر دیا جیسے کہتا ہو۔ "یار! بیا ٹھیک تو کہتے ہیں۔"

بیا جویا کے پاس جا کر خم ہوتے ہوئے رازدارانہ انداز مگر اتنی آواز میں کہ سب سن سکیں، بولے۔ "آپس کی بات ہے بہو..... ہم بوڑھے لوگ بہت ناکارہ سہی پھر بھی تھوڑا بہت کام کر جاتے ہیں۔"

جویا کے چہرے سے خفت جھلکنے لگی۔

کیا کہنا چاہ رہے تھے بیا!

کیا پھر اس کی کسی غلطی پر کسی تنبیہہ کی تمہید باندھی تھی انہوں نے!

بیا نے اہلِ محفل پر ایک طائرانہ نظر ڈالی پھر جویا سے اسی انداز میں بولے۔ "ہمارے گھروں میں بچوں کو بہلانے، لوریاں سنانے، کلمے یاد کرانے اور انہیں اخلاق آموز قصے کہانیاں سنانے کے لئے بوڑھی دادیوں کی آج بھی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی ہمارے یا ہمارے آباؤ اجداد کے زمانے میں ہوا کرتی ہوگی..... زندگی کے رستے پر بچوں کا پہلا قدم اٹھوانے کے لئے بوڑھے دادا کی انگلی آج بھی کارآمد ہو سکتی ہے بہو۔"

"بس بھائی آپ لوگ یہاں شفٹ ہو جائیں۔" ذہین نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

جویا نے کن انکھیوں سے بیا کو دیکھا۔

اس کے لبوں نے دھیرے سے حرکت کی، چند لمحے مرتعش رہے پھر ٹھہراؤ سا آگیا۔

غالباً وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہ پائی تھی۔

بیا نے اس کی کیفیت تاڑ لی۔

"ہاں، ہاں جو کہنا چاہتی ہو کہو..... مکالمہ صحت مند ماحول کی بنیاد ہے۔ جہاں مکالمہ نہیں ہوتا وہاں دل کی بات دل ہی میں رہتی ہے اور دلوں کی صفائی نہیں ہو پاتی۔"

"اپنے...... اپنے بچوں کے لئے......" وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "علیحدہ گھر تو سبھی بناتے ہیں...... آخر آپ نے بھی تو بنایا۔" اس نے بابا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس سے کون منع کرتا ہے...... تم بھی بناؤ...... ضرور بناؤ...... اپنا گھر بنانا تو انسان کی فطرت ہے...... سردی گرمی سے بچاؤ اور اپنے تحفظ آرام کے لئے چرند پرند بھی اپنے گھر بناتے ہیں...... میں تمہیں اپنا گھر بنانے سے تو منع نہیں کر رہا...... تمہارا اپنا گھر ہوتا...... تم پر گھرداری اور ملازمت کی دوہری ذمے داریاں نہ ہوتیں...... تمہارے وسائل محدود اور مسائل لامحدود نہ ہوتے۔ تمہاری مصروفیات کی وجہ سے بچے نظر انداز نہ ہو رہے ہوتے تو میں وہی کہتا کہ الگ رہو اور خوش رہو مگر جب تک تمہارے مسائل کم نہیں ہو جاتے، اس وقت تک تمہارے اور تمہارے بچوں کے حق میں یہی بہتر ہے کہ ساتھ رہو خواہ ناخوش رہو۔" بابا نے پل بھر کو توقف کیا پھر بولے۔ "ہم سے جہاں تک ممکن ہوگا تمہارے دکھ سکھ میں تمہارا ساتھ دیں گے۔"

"اور ان پر بھی نظر رہے گی۔" امی نے چبھتی ہوئی نگاہوں سے یقین کو دیکھا۔

وہ جھینپ گیا۔

جویا مسکرا دی۔

ایک مرتبہ پھر کچھ دیر کو خاموشی چھا گئی پھر یقین نے جویا سے کہا۔ "ہاں بھئی کیا ارادہ ہے؟"

وہ چپ رہی۔

متذبذب تھی۔

"میرا خیال ہے ریفرنڈم کرا لیا جائے۔" ذہین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔" زویا نے تائید کی۔

"ہاں بھئی، کون کون اس گھر میں رہنا چاہتا ہے؟" ذہین نے دزدیدہ نگاہوں سے بچوں کو دیکھنے کی کوشش کی۔

مریم اور علی نے بے ساختہ ہاتھ اوپر بلند کر دیے لیکن اگلے ہی لمحے انہوں نے جویا کو خائف نظروں سے دیکھتے ہوئے سہم کر ہاتھ نیچے گرا لیے۔

"ڈرو نہیں۔ ڈرو نہیں بچو۔" ذہین نے انہیں دیکھا اور اپنی گردن اکڑاتے اور ہاتھ بلند کرتے ہوئے بولا۔ "دیکھو ہم تو اسی گھر میں رہنا چاہتے ہیں۔ اس نے زویا کو ٹھوکا دیتے ہوئے اسے بھی ہاتھ اونچا کرنے کا اشارہ دیا۔

"میں بھی۔" زویا نے اپنا ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔ "میں بھی اسی گھر میں رہنا چاہتی ہوں۔"

"اور میں بھی۔" یقین نے بھی اپنا ہاتھ کھڑا کر دیا۔

امی اور بابا نے بھی مسکراتے ہوئے ہاتھ بلند کر دیے۔

بچے جویا کے ڈر سے اپنے ہاتھ بلند کرنے سے کچھ متامل اور خائف نظر آئے تو ذہین نے علی کا اور زویا نے مریم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اوپر کر دیا۔

بلال نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے سب کو دیکھا اور پھر اپنا ہاتھ بھی کھڑا کر دیا۔

جویا نے کن انکھیوں سے سب کو دیکھا۔ اسے یوں لگا، جیسے وہ سب ساتھ تھے اور وہ اکیلی رہ گئی تھی!

"بھابی! آپ کیا کہتی ہیں؟" ذہین نے جویا کو مخاطب کیا۔

جویا نے اپنے گرد و پیش پر ایک طائرانہ نظر دوڑائی۔

ایک گہری سانس کھینچی۔

پھر دھیرے سے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ بھی اونچا کر دیا۔

"ہپ ہپ ہرے! ہپ ہپ ہرے!" ذہین نے تالی بجائی اور آن کی آن جویا کے سوا سب ہی تالیاں بجانے میں اس کے ساتھ شریک ہو گئے۔

تالیوں کی گونج میں جویا امی کے پاس جا بیٹھی۔

بابا نے آگے بڑھ کر جویا کے سر پر ہاتھ دھر دیا۔

اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

امی اور زویا کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔

نئی فضاؤں کی تلاش میں جانے والے پنچھی گھر لوٹ آئے تھے۔

مگر

یہ طے تھا کہ امی اور بابا کی محبت کی چھاؤں میں بیٹھ کر وہ اپنے بچوں کے لیے ایک سائبان ضرور بنائیں گے۔

آخر امی اور بابا نے بھی تو اپنے بچوں کو ایک سائبان دیا ہی تھا!

☆=====ختم شد=====☆